https://famousurdunovels.blogspot.com/
PRIME URDU NOVELS
ہر پل ساتھ
دعا فاطمہ
https://readingcornerpk.blogspot.com/

# ہر پل ساتھ

## از قلم: دعا فاطمہ

## مکمل ناول

وہ دس جولائی کی اداس سی شام تھی۔ سورج افق پر غروب ہو رہا تھا اور اس کی نارنجی کرنیں آسمان پر بکھری پڑیں تھیں۔ رات کا اندھیرا انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ شہر قائد کی سڑکوں پر معمول کی ٹریفک تھی۔

عانیہ ہیڈ فون کان میں لگا کر گانے سنتے ہوئے تیز سپیڈ سے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اسے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ ہو۔ اس نے پنک رنگ کی میکسی سکرٹ پر وائٹ کلر کا کولڈ شولڈر ٹاپ پہن رکھا تھا۔ نیچے بھی سفید رنگ کی ٹائٹس اور پنک رنگ کے ہائی ہیل والے بند شوز پہنے ہوئے تھے۔ سفید نرم و ملائم سے چہرے کے گلابی گال ایسے لگتے تھے جیسے برف کے مجسمے میں گلابی رنگ کی آمیزش ہو۔ گول پیشانی، کھنچی ہوئی بھنویں ،بڑی بڑی براؤن کٹورا سی آنکھیں جن پر پلکوں کی گھنی باڑ تھی، گلابی گالوں پر سایہ فگن ہوتے ہوئے اس کے حسن کو مزید نکھارتیں، مغرور ستواں ناک جو نیچے سے تھوڑی سی اوپر کو اٹھی تھی، سرخ یاقوتی ہونٹوں پر دلکش

سا تبسم تھا۔ براؤن رنگ کے لمبے ویوز کی صورت میں کمر تک آتے بال نیچے سے بالکل کرل ہو جاتے تھے جو اس وقت اس کے چہرے کے اطراف سے ہو کر اس کے شانوں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ نوخیز اور خوبصورت جسم کسی کانچ کی گڑیا سے ملتا تھا۔ بلاشبہ وہ حسن کا اعلیٰ شاہکار تھی۔

وہ اپنے خیالوں میں گاڑی چلا رہی تھی کہ دور سے ہی ٹریفک وارڈن نے اسے رکنے کا اشارہ کیا تو وہ سخت کوفت کا شکار ہوئی۔ گاڑی روکتے ہوئے اس نے ہیڈ فون اتارا اور گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے بولی۔

"واٹ پرابلم؟"

ٹریفک وارڈن ایک نظر اس خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر اسے سخت تاؤ آیا۔ اسے بگڑے ہوئے امیر زادوں پر بہت غصہ آتا تھا اور یہ تو پھر امیر زادی تھی۔ اس کے ماتھے کی سلوٹوں میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

"بی بی گاڑی تیز چلانے کے جرم میں چلان کاٹ رہا ہوں جرمانہ دو" اس نے یہ کہہ کر ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ عانیہ نے پہلے کاغذ کی طرف دیکھا پھر وارڈن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کتنا جرمانہ ہے؟"

"دو سو پچاس" سخت لہجے میں کہا۔ عانیہ نے اپنے پاؤچ سے ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"بی بی صرف دو سو پچاس مانگے ہیں آپ نے ہزار روپے پکڑا دیے۔" وارڈن حیرت سے نوٹ پکڑ کر بولا۔ عانیہ مسکرا دی۔

"رکھ لو بار بار کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔" وہ ایسے بولی جیسے اس پر احسان کر رہی ہو۔

"آئندہ اگر میں یہاں سے گزر رہی ہوں تو چلان کاٹنے کیلیے میری گاڑی کو مت روکنا۔ یہ تین دفعہ کا جرمانہ میں نے ایڈوانس میں جمع کروا دیا ہے... ہمم" اس نے ابرو اچکا کر رعب سے کہا۔ گاڑی سٹارٹ کی اور سابقہ سپیڈ پر آ گے

بڑھادی۔ بیچارہ ٹریفک وارڈن ہاتھ میں نوٹ پکڑے ہونقوں کی طرح منہ کھول کر جاتی ہوئی گاڑی کی دھول دیکھ رہا تھا۔

"او تو یہاں بت بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے۔" وسیم جو اس کے ساتھ وارڈن کی ڈیوٹی پر تھا اس نے آکر اس کا کندھا ہلا کر پوچھا تو وہ پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"بس یار آج کل کی جنریشن پتہ نہیں کیسی ہے۔ ابھی یہ جو گاڑی آئی تھی۔ بمشکل اٹھارہ سال کی لڑکی ہو گی اس میں۔ لیکن گاڑی ایسے چلا رہی ہے جیسے ریس میں حصہ لے لیا ہو اور میں نے دو سو پچاس روپے جرمانہ مانگا تو ہزار روپے پکڑا کر بولی کہ یہ ایڈوانس جرمانہ دے رہی ہوں تین دفعہ کا مجھے اگلی دفعہ روکنا مت اس میں سے کاٹ لینا یعنی کہ حد ہو گئی ہے گاڑی تیز چلانے سے باز نہیں آئے گی۔" اختر بھناتے ہوئے بولا۔

"ارے وہ لڑکی کہیں ڈی آئی جی کی بیٹی تو نہیں تھی۔" وسیم نے ماتھا پیٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا پتہ؟" اختر لاپرواہی سے بولا۔

"مارے گئے یار اس کا باپ ڈی آئی جی کراچی ہے۔ اب سمجھ اپنی تو نوکری گئی ہاتھ سے۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"ڈی آئی جی کی بیٹی ہے تو اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا کیا؟ اتنی تیزی سے گاڑی چلا رہی تھی اور میں چپ کر کے دیکھتا رہوں۔"

"میری بات مان آئندہ اس لڑکی کو روکنا بھی مت ورنہ دو منٹ میں نوکری ختم کروا دے گی۔ ہماری پہنچ سے یہ کام اونچا ہے۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں تو ہمیں کیا اور ویسے بھی ایسی بگڑی ہوئی امیروں کی اولادیں حکومت کا خزانہ بھرنے میں اہم کردار ادا کرتیں ہیں یہ نوٹ ادھر پکڑا اور چپ سادھ لے وہ بھی خوش ہم بھی خوش۔" وسیم نے اس کے ہاتھ سے نوٹ پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"لیکن اس نے یہ رشوت کے پیسے نہیں دیے بلکہ محترمہ ایڈوانس جرمانہ بھر کر گئی ہیں۔"

"ہمارے علاوہ اور کسی کو کیا پتہ کہ یہ رشوت نہیں ہے۔ اتنا نہ سوچا کر۔ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔" وسیم نے ہنستے ہوئے لاپرواہی سے کہا تو وہ اسے تاسف سے گھور کر رہ گیا۔

---

وہ ایسی ہی تھی۔ تھوڑی مغرور سی، بے خوف، پابندیوں کو نہ ماننے والی۔ اس کا دل آزاد پرندوں کی طرح فضاؤں میں اڑنے کا خواہشمند تھا۔ اور وہ خواہشات کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتی تھی۔ وہ صرف خواب نہیں دیکھتی تھی بلکہ ان کی تعبیر کو بھی حاصل کر کے رہتی تھی۔

اسے گاڑی چلانے کا بہت شوق تھا اور وہ بھی بہت تیز سپیڈ میں۔ پندرہ سال تک تو ویڈیو گیمز میں گاڑی چلا کر شوق پورا کرتی رہی لیکن پھر اس نے ضد کر کے گاڑی چلانا سیکھ ہی لی۔ جب ڈیڈ کے ساتھ گاڑی چلا رہی ہوتی تب نارمل سپیڈ سے چلاتی اور جب اکیلے یا کسی دوست کے ساتھ ہوتی تو فل سپیڈ کے مزے لیتی۔ وہ ایک مضبوط عصابی قوت کی حامل لڑکی تھی۔ گاڑی کو بہت اچھی طرح کنٹرول کر سکتی تھی۔ سامنے سے آتی گاڑی دیکھ کر وہ نروس نہیں ہوتی تھی۔ اسے خود پر بہت اعتماد تھا۔ جب کوئی ٹریفک وارڈن اسے روکتا تو اس کا دل کرتا اسے گاڑی کے نیچے رکھ کر اوپر سے گزر جائے لیکن وہ صرف یہ سوچ ہی سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے غصے کا اظہار کم ہی کرتی تھی۔ ڈیڈ سے کئی دفعہ ڈانٹ بھی پڑتی اور گاڑی کی چابی واپس لینے کی دھمکی بھی لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔

وہ ایف ایس سی کے پیپرز دے چکی تھی اور فائٹر پائلٹ بننا چاہتی تھی۔ پاکستان ائیر فورس رسالپور اکیڈمی میں داخلے کے لیے ٹیسٹ بھی دے چکی تھی۔ اب ایف ایس سی کے رزلٹ کے بعد اگر اس کا نام میرٹ لسٹ میں آجاتا تو اسے اکتوبر میں تین سال کی ٹریننگ کے لیے اکیڈمی جوائن کرنا تھی۔ اور اسے پورا یقین تھا کہ اس کا نام میرٹ لسٹ میں ضرور آئے گا۔ کیونکہ وہ پڑھائی میں بھی ہمیشہ ٹاپ پر رہی تھی۔ اور جسمانی لحاظ سے بھی فٹ

تھی۔اوپر سے سونے پر سہاگا یہ کہ بلیک بیلٹ فائٹر تھی۔کراچی تائیکوانڈو اکیڈمی میں تین سال کی ٹریننگ کر چکی تھی۔میٹرک کے پیپرز دینے کے بعد وہ فارغ رہ کر دوستوں کے ساتھ ہلہ گلہ کرنا چاہتی تھی لیکن جلد ہی اس فراغت سے اکتا گئی اور ڈیڈ سے پوچھا کہ وہ چھٹیوں کو کیسے گزارے تو بس پھر کیا تھا۔ڈیڈ نے اس کا ایڈمیشن تائیکوانڈو اکیڈمی میں کروا دیا۔جہاں وہ روز تین گھنٹے ٹریننگ کرتی تھی۔اس کے علاوہ صبح ایک گھنٹہ ڈیڈ کے ساتھ جوگنگ پر جاتی تھی۔اور ڈیڈ اسے خود بھی فائٹنگ سکھاتے تھے۔وہ اکیڈمی کی نسبت ڈیڈ سے فائٹنگ سکلز زیادہ سیکھتی تھی۔اس کے ڈیڈ صفدر علی ڈی آئی جی کراچی کی پوسٹ پر تھے اور آج تک وہ جتنی ٹریننگ کر چکے تھے اپنی بیٹی کو بھی سکھانا چاہتے تھے۔ویک اینڈ پر وہ مام ڈیڈ کے ساتھ فارم ہاؤس جاتی تھی جہاں پر وہ گھڑ سواری، آرچری، سویمنگ، نشانہ بازی، شمشیر زنی، ہائیکنگ اور دوسرے کھیل وغیرہ سیکھتی تھی۔الغرض وہ زندگی سے بھرپور صحت مند اور ایکٹو لڑکی تھی۔لیکن اس کا جسم موٹا ہونے کی بجائے پتلا اور سڈول تھا۔دیکھنے میں جتنی نازک مزاج تھی اندر سے اتنی ہی سخت جان تھی۔ٹریننگ کے دوران سخت سے سخت مراحل کو بھی اس نے ہنس کر پار کیا تھا۔مام جب اسے مشقت کرتے دیکھتیں تو ان کے دل میں ہول اٹھتے تھے کہ ان کی نازک سی بچی کو کس کام پر لگا دیا۔دونوں باپ بیٹی انہیں تسلی دیتے لیکن وہ اس کے پتلے جسم کو دیکھ کر پریشان ہوتی رہتیں اور اسے موٹا کرنے کیلیے نت نئے کھانے بنا بنا کر اسے کھلاتیں۔

عانیہ کو بھی اپنی یہی باڈی امیج پسند تھی اور وہ زمانے کے لحاظ سے کافی فیشن ایبل بھی تھی۔وہ جب خود کو موٹا ہونے کا تصور بھی کرتی تو جھرجھری سی لے کر رہ جاتی۔اسے اپنے حسن پر فخر بھی تھا۔انا اور خودی تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔لیکن اس کا دل بہت حساس تھا۔اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے ساتھ رہنے والے لوگوں کے لیے۔کسی کو بھی مشکل میں دیکھتی انجام کی پرواہ کیے بنا اس کی مدد کرنے چل پڑتی۔کسی کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کرتی تھی۔بڑوں کی فرمانبردار تھی اور چھوٹے بچے اسے بہت پسند تھے۔بائے نیچر وہ کم گو تھی۔فضول باتوں سے اسے

سخت الرجی تھی۔ کم بولتی لیکن پر اثر بولتی۔ ہمہ وقت ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں پر رہتی۔ انہی کوالٹیز کی وجہ سے وہ جہاں گئی اپنا ایک الگ مقام بنایا۔ سکول اور کالج کی ساری ٹیچرز اسے پسند کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ پرنسپل تک وہ مشہور ہو چکی تھی۔ کلاس میں ساری لڑکیاں اسے ترجیح دیتی تھیں اور اسے کالج کی فرسٹ بیوٹی کے نام سے پکارتی تھیں۔ اس نے ہر جگہ لیڈ کیا اور اپنا آپ منوایا پھر چاہے وہ پڑھائی ہو یا کھیل کا میدان۔ کچھ لڑکیوں نے حسد میں آکر اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش بھی کی لیکن جلد ہی ہار مان لی اور اس کی برتری کا اعتراف بھی کیا لیکن عانیہ نے غرور میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ تو دشمن کے ساتھ بھی دوستوں جیسا سلوک کرتی تھی۔ اس کی گروپ فرینڈز بڑے فخر سے بتاتیں کہ عانیہ ان کی دوست ہے۔ اس کے مام ڈیڈ کافی آزاد خیال تھے۔ اسے کہیں آنے جانے پر پابندی نہیں تھی۔ کپڑے بھی وہ اپنی پسند کے پہنتی تھی۔ اپنے کیریئر کے لیے اس نے جو شعبہ منتخب کیا مام ڈیڈ نے ایک دفعہ بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ ڈیڈ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ وہ آرمی میں جائے۔ صفدر علی نے اسے کھلا میدان دیا تھا جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کو منوا سکے۔ لیکن ان سب کے باوجود اس نے اپنی حدود کو نہیں پھلانگا تھا۔

ابھی تک اس نے اپنی زندگی میں کسی لڑکے کو آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ بہت سوں نے کوشش کی تھی لیکن وہ پہلے نرمی سے انہیں سمجھاتی کہ وہ ان سے دوستی نہیں کر سکتی اگر وہ تب بھی جان نہ چھوڑتے تو وہ انہیں اپنے فارم ہاؤس پر انوائیٹ کرتی۔ اور وہاں اس کو مار مار کر وہ حشر کرتی کہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی توبہ کر لیتا۔ پھر اسے ایک اچھی سی آفر بھی دے دیتی۔

"اگر تمہیں کسی سے دشمنی ہو تو اسے میرا نمبر دے دینا۔ تم سے زیادہ اس کی ٹھکائی کروں گی۔" لڑکا بے چارہ بے بسی سے سر ہلا کر رہ جاتا اور آئیندہ کبھی سامنا ہوتا تو وہ منہ چھپا کر بھاگ جاتا۔ اس کی دوستوں کو نہیں پتہ تھا کہ وہ ایک فائیٹر ہے۔ وہ اس سے اس لڑکے کے بارے میں پوچھتیں تو کندھے اچکا کر کہتی مجھے کیا پتہ۔ یہ راز تو اس نے

ڈیڈ کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکوں کی پٹائی کرتی ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا تو انہوں نے ہنسنا ہی تھا جبکہ اگر مام کو پتہ چل جاتا تو وہ اسے لیکچر دینے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا رشتہ ہاتھ سے نکلنے کا افسوس بھی ضرور کرتیں۔ جو لڑکے اس کی طرف بڑھے تھے وہ سب کے سب اچھی شکل و صورت والے تھے۔ لیکن عانیہ کو ایسے لڑکوں سے سخت چڑ تھی جو اپنے خوبصورت نین نقش کے جال میں لڑکیوں کو پھنسا کر اپنا ٹائم پاس کرتے تھے۔ اس کی محبت بہت قیمتی تھی اور وہ اسے کسی ایسے کیلیے سنبھال کر رکھنا چاہتی تھی جو اس سے محبت کرے۔ اسے یقین تھا کہیں نہ کہیں وہ ضرور ہو گا لیکن کب ملے گا یہ نہیں جانتی تھی اور نہ جاننا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس نے کبھی اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ جیسے عام طور پر اس عمر کی لڑکیوں کے شادی کے بارے میں جو جذبات اور احساسات ہوتے ہیں وہ اس میں نہیں تھے۔ دوستیں مذاق ہی مذاق میں اسے چھیڑتیں بھی تو شرمانے کی بجائے مسکرا کر ٹال دیتی۔ وہ اتنی خود اعتماد تھی کہ کوئی بھی اس کے چہرے کا تاثرات کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اب کیا سوچ رہی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک مختلف لڑکی تھی۔

---------------------

اس کی گروپ فرینڈز میں چار لڑکیاں تھیں۔ کرن، فاریہ، علیزے اور حدیقہ۔ چاروں ہی بہت اچھی تھیں لیکن حدیقہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ سنہرے شہد رنگ کے سٹریٹ بال جو آدھی کمر تک آتے تھے، سڈول اور نازک سامر مریں جسم، نیلی گہری جھیل سی آنکھیں، ستواں ناک، چھوٹے چھوٹے خوبصورت سے گلابی ہونٹ، سفید ملائی جیسے چہرے اور بھرے بھرے سے سرخ گالوں کے ساتھ وہ موم سے بنی نازک سی گڑیا لگتی تھی۔ عانیہ اور اس کی خوبصورتی میں بس انیس بیس کا ہی فرق تھا۔ اس لیے کالج میں وہ سیکنڈ بیوٹی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اس کے چہرے سے معصومیت جھلکتی تھی لیکن وہ بہت شرارتی تھی۔ بابا کے لاڈ پیار کی وجہ سے ابھی تک اس کا بچپنا نہیں گیا تھا۔ اس کی شرارتیں بھی اس کی طرح معصوم سی تھیں۔ عانیہ جتنی سنجیدہ لڑکی تھی یہ اتنی ہی غیر سنجیدہ

اور فضول گو تھی ہر وقت ہنسی مذاق سے اس کا دل خوش رہتا تھا۔لیکن عانیہ کی طرح وہ بھی بہت اچھی عادات کی مالک تھی بڑوں کا احترام کرتی تھی اور خاص کر ماما سے بہت ڈرتی تھی کیونکہ ماما کو اگر پتہ چلتا کہ اس سے کچھ غلط ہوا ہے تو وہ اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لیتیں تھیں البتہ بابا اس کی سائیڈ لیتے تھے۔زبان سے کبھی کسی کے لیے برا نہیں کہا نہ کسی پر طنز کیا۔اگر کوئی غصے میں اسے برا بھلا کہہ دے تو مجال ہے جو آگے سے کچھ کہہ دے لیکن عانیہ کی طرح اپنا بدلہ تو وہ بھی نہیں چھوڑتی تھی۔اگلے کے ساتھ ایسی شرارت کرتی کہ وہ آئیندہ اس سے بات کرنے سے بھی توبہ کر لیتا۔وہ باتوں سے نہیں عمل سے مقابل کو زیر کرتی تھی۔آج تک اس کی شرارتوں کے سامنے کوئی نہیں ٹک پایا تھا سوائے عانیہ کے۔عانیہ کے برعکس جسمانی لحاظ سے کمزور تھی لیکن پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔اس کا صرف ایک سبجیکٹ عانیہ کے سبجیکٹ سے مختلف تھا۔عانیہ نے میتھ کے ساتھ ایف ایس سی کی تھی جبکہ اس نے فزکس کے ساتھ آئی سی ایس کیا تھا۔جب عانیہ کا کیمسٹری کا پیریڈ ہوتا تو اس کا کمپیوٹر کا پیریڈ چل رہا ہوتا۔باقی سارے پیریڈز میں وہ ایک دوسرے کا سایہ بنی رہتیں۔دراصل حدیقہ کے بابا سافٹ ویئر انجینئرنگ پڑھے ہوئے تھے اور ان کی اپنی سافٹ ویئر کمپنی تھی اس لیے اس کا انٹرسٹ کمپیوٹر کی طرف زیادہ تھا۔جبکہ عانیہ جیسی سنجیدہ لڑکی کو کیمیسٹری ہی پسند آ سکتی تھی۔ایک بات جو ان دونوں میں مختلف تھی وہ یہ کہ اس میں خود اعتمادی کی کمی تھی۔بہت جلد نروس ہو جاتی تھی اور ہر چیز سے ڈرتی تھی سوائے انسانوں کے۔نازک مزاج بھی بہت تھی۔اسے ناول پڑھنے کا بہت شوق تھا۔خاص کر رومینٹک سینز اسے بہت پسند تھے۔لیکن اپنی زندگی میں وہ بھی عانیہ کی طرح اَن رومینٹک ہی تھی بلکہ بے حد شرمیلی تھی۔اس کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی کہہ دیتا تو غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو جاتا۔ایک دفعہ کسی لڑکے نے اسے چھیڑا تھا تو غصے میں آ کر اس نے اس لڑکے کا سر پھاڑ دیا۔اس کی اتنی مجال کہ حدیقہ حیدر کو چھیڑے اسے تو زندہ بھی نہیں رہنا چاہیے۔

اس کی دوستوں نے بھی ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں اسے چھیڑا تھا تو اس نے انہیں سختی سے منع کر دیا تھا۔ جب وہ آپس میں ایسی باتیں کر رہی ہوتیں تو یہ سنتی ضرور تھی لیکن خود پر بات کبھی نہیں آنے دی تھی۔ بھئی سننے میں کیا حرج تھا وہ اس کے بارے میں بات تھوڑا ہی کر رہی ہوتی تھیں۔ عانیہ کے بارے میں کوئی ایسا کہہ دے تو وہ برداشت کر لیتی تھی لیکن اس سے برداشت کرنا مشکل تھا۔ اس کا ایک مشغلہ پینٹنگ کرنا بھی تھا۔ اور کافی اچھی پینٹنگ بھی کر لیتی تھی۔ عانیہ کی بھی پینٹنگ بہت اچھی تھی۔ دونوں کا مقابلہ بھی خوب لگتا تھا۔ کھیل میں اسے بیڈ منٹن بہت پسند تھا لیکن یہاں بھی عانیہ کو ہی برتری حاصل تھی۔ اس نے کبھی عانیہ سے حسد نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتی تھی۔ اس کے مسکرانے پر وہ مسکراتی تھی۔ اس کی خوشی میں خوش ہوتی تھی۔ اسے اپنی بہن سمجھ کر ہمیشہ خود پر ترجیح دیتی تھی۔ اور عانیہ بھی اسے بہت پسند کرتی تھی۔ اس کی تو حدیقہ میں جان بستی تھی۔ ان کی طبیعتوں میں جتنے اختلاف سہی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھیں۔

---

حدیقہ کے بابا حیدر علی، صفدر علی کے کالج کے دوست تھے۔ اس لیے ان کے بچوں کی بھی آپس میں دوستی ہو گئی۔ حیدر علی اور ابرار علی دو بھائی تھے۔ ابرار علی بڑے تھے اور ان کی شادی خاندان میں ہی ان کے چچا کی بیٹی ارم سے ہوئی تھی۔ وہ ایک گھریلو اور ان پڑھ لڑکی تھی۔ اس کی شخصیت پر جہالت کا نمایاں اثر تھا۔ حسد، کینہ پروری، غصہ، بدزبانی، طنزیہ لہجہ اور دوسروں کی پیٹھ پیچھے برائیاں کرنا سب اسی جہالت کی بدولت تھا جو بچپن میں ہی اس پر غالب آچکی تھی۔ لیکن ابرار علی اس کو اپنا نصیب سمجھ کر کبھی شکوہ نہ کیا۔ جہاں ضرورت پڑتی ارم کو سمجھاتے۔ ان کی بڑی بیٹی کا نام نور العین تھا جس کی ساری عادتیں اپنے باپ پر گئیں تھی۔ اس کی شادی ایک سال پہلے اپنی خالہ کے بیٹے سلیمان سے ہوئی تھی۔ اس سے چھوٹی عنیقہ تھی جو حدیقہ کی ہم عمر تھی۔ اس نے سمپل ایف

# خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں

تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا

پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی

تحریر ( افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری ) اردو میں ٹائپ کر کے

ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر

ہمارے سب ویب بلاگز ( ویب سائٹس ) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر

پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

اے کے پیپرز دیے تھے۔وہ عادتاً اپنی ماں پر گئی تھی۔سب سے چھوٹا عبدل الباری تھا جس کی عمر بارہ سال تھی۔اور وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔

حیدر علی جب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ گئے تھے تو انہیں یونیورسٹی میں ایک لڑکی پسند آگئی جس کا نام عمرینہ تھا۔وہ تھی انگلش نژاد لیکن اس کے سارے خاندان نے بہت پہلے سے اسلام قبول کر لیا تھا۔حیدر علی کے ماں باپ تو اس وقت تھے نہیں اس لیے بھائی سے رشتہ لے کر جانے کے لیے کہا جس پر ارم نے واویلا مچایا۔ابرار علی نے بیوی کو سمجھایا کہ حیدر کی اپنی زندگی ہے وہ جس طرح چاہے فیصلہ کر سکتا ہے۔چنانچہ انگلینڈ جا کر رشتہ مانگا گیا جو جلد ہی قبول کر لیا گیا۔اور اس طرح نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی عمرینہ دلہن بن کر حیدر علی کے گھر پہنچ گئی۔ان دونوں کی پڑھائی تقریباً کمپلیٹ ہو چکی تھی۔ڈگری لینے کے بعد وہ دونوں پاکستان آگئے اور اپنے بھائی ابرار علی کے ساتھ گھر کے دوسرے پورشن میں رہنے لگے۔دو سال بعد ان کے گھر عمیر کی پیدائش ہوئی۔وہ نور العین سے ایک سال چھوٹا تھا۔اس کی آنکھیں عمرینہ پر گئی تھیں اور بال حیدر علی کی طرح کالے تھے۔اب وہ سافٹ ویئر انجینئرنگ کے سبجیکٹ پڑھ رہا تھا اور چوتھے سمیسٹر میں تھا۔اس کے دو سال بعد حدیقہ پیدا ہوئی تھی۔جو اپنی ماں کی طرح خوبصورت تھی اور عنیقہ اس سے جلتی رہتی۔وہ بھی اسی کالج میں پڑھتی تھی اور اسے عانیہ اور حدیقہ کی دوستی سے خاص چڑ تھی۔وہ عانیہ پر طنز بھی کر جاتی لیکن عانیہ اس لیے نظر انداز کر دیتی کہ یہ حدیقہ کی کزن ہے۔ورنہ وہ اپنا بدلہ چھوڑتی نہیں تھی۔اور حدیقہ عنیقہ کے رویے کی وجہ سے شرمندہ ہوتی رہتی۔عانیہ اسے تسلی دیتی کہ عنیقہ کی وجہ سے ان کی دوستی پر اثر نہیں پڑے گا۔اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔حدیقہ نے ایک دو دفعہ عنیقہ کو سمجھانا چاہا لیکن آگے سے وہ باتیں سنی پڑیں کہ وہ چپ کی چپ رہ گئی۔اس کے رویے کی وجہ سے حدیقہ اس سے بددل ہو گئی۔کیونکہ عانیہ کے بارے میں وہ کوئی بری بات نہیں سن سکتی تھی۔عانیہ تو اس کی آئیڈیل تھی۔اس کے لیے تو وہ ساری دنیا بھی چھوڑ سکتی تھی۔

---------------------------

عانیہ نے گاڑی سپیشل سلاطین ریسٹورینٹ کے پارکنگ ایریا میں کھڑی کی اور آنکھوں پر سیاہ گاگلز ٹکاتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ ریسٹورینٹ کے اپر فلور پر اس کی چار دوستیں انتظار کر رہی تھیں۔

وہ لفٹ کے ذریعے اوپر آئی اور دروازہ کھلتے ہی چاروں کو اپنے سامنے پایا۔ سب سے آگے حدیقہ تھی جس نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔ پرپل رنگ کی ریشمی ایمبریلا فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنے گردن کے گرد دوپٹہ لپیٹے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے عانی"

باقی سب بھی اسے گلے ملتے ہوئے برتھڈے وش کر رہی تھیں۔ سمندر کی لہروں کے ساتھ ہوا کے نرم نرم جھونکے آرہے تھے۔ ریسٹورینٹ کی چھت پر سے سمندر کا منظر بہت حسین تھا۔ ایسا لگ رہا تھا سورج سمندر میں ڈوب رہا ہے۔ عانیہ ایک پل کیلیے وہاں کھڑی سامنے والے منظر کو دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔

"واؤاٹس آمیزنگ سین" وہ سحر زدہ لہجے میں بولی۔

"یار تم پہلے ہی اتنی لیٹ پہنچی ہو اور اب سمندر کے نظارے کرنا شروع ہو گئی ہو ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔" حدیقہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ باقی سب بھی ان کے ساتھ چل پڑیں۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے تمہیں۔ تھوڑا سکون لینے دو ایک تو گھر سے اتنی مشکل سے جان چھڑا کر آئی ہوں....." وہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"وہ کیوں؟" علیزے نے حیرانی سے پوچھا۔ وہ لوگ اب ایک ٹیبل کے ارد گرد بیٹھ چکی تھیں۔ ارد گرد اور بھی بہت سے لوگ تھے جو گردنیں موڑ موڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"ڈیڈ نے میری برتھ ڈے پارٹی ارینج کر دی تھی گھر میں۔ مام ڈیڈ کے جاننے والے آئے ہوئے تھے۔ سب کے سب بوڑھے۔ جی بھر کے بور ہوئی تھی قسم سے۔ پھر اٹھ کے بھاگی آئی یہاں" دونوں کہنیاں میز پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ سب اس کی بات پر ہنسنے لگیں

"انکل آنٹی کو بھی ساتھ لے آتی" کرن نے کہا۔

"انہوں نے بھی یہاں بور ہونا تھا جیسے میں وہاں بور ہو رہی تھی اور ویسے بھی انھوں نے آج رات شادی پر جانا تھا"۔

"ارے یار اب وہ اتنے بوڑھے بھی نہیں ہیں۔" حدیقہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں تو میں کون سا انہیں بوڑھا کہہ رہی ہوں بس وہی خود کو بوڑھا سمجھنے لگ پڑے ہیں۔ اور اپنے سے بڑے بوڑھوں کو دوست بنایا ہوا ہے۔ انسان جب تک خود کو ذہنی طور پر بوڑھا نہیں مان لیتا وہ بوڑھا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے ایسے بہت سے بوڑھے دیکھے ہیں جو کہتے ہیں ہم تو ابھی جوان ہیں۔ اور وہ آجکل کے کئی جوانوں سے بہتر ہوتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن تمہارے بابا بھی تو کتنے فٹ ہیں اور ماما بھی اتنی سمارٹ ہیں۔ پھر وہ کیوں خود کو بوڑھا سمجھنے لگے؟" کرن بولی۔

"پتہ نہیں کچھ دنوں سے وہ مجھے پریشان سے لگ رہے تھے میں نے وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ کسی کیس کا مسلہ ہے۔ میں حیران ہوئی کہ وہ کبھی پہلے ایسے پریشان نہیں ہوئے تو کہنے لگے اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں" وہ خفگی سے بتا رہی تھی۔

"یہ تو اٹل حقیقت ہے کہ ایک نہ ایک دن بوڑھا تو ہونا ہی ہے۔ چاہے جتنی بھی کوشش کر لیں بڑھاپا آ کر رہے گا" حدیقہ نے اس کی پریشانی دور کرنی چاہی۔

"سوچو ایک دن ہم بھی بوڑھے ہوں گے۔ہاتھوں میں لاٹھی ہو گی۔بال سفید ہو جائیں گے اور دانت ٹوٹے ہوں گے۔بچے ہمیں دادی ماں پکارا کریں گے اور ہم بیٹھے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کیا کریں گے "کرن نے مستقبل کی اس قدر بھیانک تصویر کھینچی کہ سب نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ارے چھوڑو بھی اس بات کو۔ابھی بڑا ٹائم پڑا ہے بوڑھے ہونے میں۔تب کی تب دیکھی جائے گی۔فی الحال جوانی کے مزے لو۔اور آج ہی تو میں جوان ہوئی ہوں پورے اٹھارہ سال کی۔"عانیہ نے نزاکت سے اپنے چہرے پر انگلی پھیر کر کہا۔

"ماشاءاللہ...ماشاءاللہ.....ہماری لڑکی تو جوان ہو گئی ہے۔اب اس کے گھر بسانے کے بارے میں بھی سوچنا پڑے گا"کرن بڑی اماں کی طرح عانیہ کے صدقے واری جاتے ہوئے بولی۔

"تم میری چھوڑو اپنی فکر کرو۔یہ نہ ہو رزلٹ آتے ہی تمہارے والدین تمہارے ہاتھ پیلے کر دیں۔"عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہائے اگر ایسا ہو جائے تو اور مجھے چاہیے ہی کیا۔"وہ بڑی حسرت سے بولی تو سب کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"شرم کر لو کچھ۔بچیاں بیٹھی ہیں اور تم شادی کے خواب دیکھ رہی ہو"عانیہ نے اسے گھر کا۔

"ان بچیوں کی کونسا شادی نہیں ہونی"کرن ڈھٹائی سے بولی۔

"لیکن یہ تمہاری طرح منہ پھٹ نہیں ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کریں۔"اس نے کرن کو شرمندہ کرنا چاہا۔

"اب میں اتنی بھی نہیں مری جارہی شادی کے لیے"وہ مصنوعی خفگی سے بولی تو سب ہنسنے لگیں۔

"اچھا اب کیک آرڈر کریں"حدیقہ بے تابی سے بولی۔

ایک ویٹر نے کیک لا کر ان کے آگے رکھ دیا عانیہ نے کیک کاٹا اور اس کی دوستوں نے برتھڈے سونگ گایا۔ پھر عانیہ نے سب کو باری باری کیک کھلایا۔ کافی دیر تک ہلہ گلہ ہوتا رہا۔ پھر عانیہ کو اپنے گفٹس کی پڑ گئی۔ تو ساری دوستوں نے تھوڑا بہت تنگ کر کے گفٹس اس کے حوالے کر دیے۔ لیکن اس کی بیسٹ فرینڈ حدیقہ حیدر نے خلافِ معمول بنا چوں چرا ان کیے گفٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ تو عانیہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"گائز کسی نے کچھ نوٹس کیا؟"

"کیا؟" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کہ آج حدیقہ نے مجھ سے منتیں کروائے بغیر مجھے گفٹ دے دیا۔ کتنی اچھی ہو گئی ہے میری دوست"۔ سب نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تو حدیقہ گڑبڑا گئی اور معصوم بنتے ہوئے بولی:

"یار میں نے سوچا کہ یہ تمہاری اٹھارہویں سالگرہ ہے اور تم اب بچی تو نہیں رہی جسے میں تنگ کروں اور...."

"اور"؟

"اور ویسے بھی آخر میں تم لے تو لیتی ہو تو کیا فائدہ جوتے کھانے کا" اس کی بات پر سب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"خیر جوتے تو تمہیں پڑتے ہی تھے جب تم مجھے تنگ کرتی تھی۔ لیکن تم کہتی تھی تمہیں تنگ کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ تو اس دفعہ مزا نہیں لینا"؟ عانیہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"اس دفعہ کسی اور طریقے سے مزا لوں گی نا" وہ شوخ ہوتے ہوئے بولی لیکن اس کو خیال ہی نہ رہا کہ جو بات نہیں کرنی تھی وہ اس نے کر دی تھی۔

"مزے کی بچی اب یہ گفٹ تمہارے ہاتھوں سے ہی کھلے گا"

مم... میں کیوں کھولوں تمہارا گفٹ ہے میں کون ہوتی ہوں کسی کی پرائیویسی میں دخل اندازی کرنے والی"

"گفٹ کس نے دیا ہے"؟

"میں نے"

"شاباش اب جلدی سے کھولو ورنہ جوتے پڑیں گے"

حدیقہ نے مدد طلب نظروں سے دوسروں کی طرف دیکھا لیکن وہ کیا جواب دیتیں وہ تو ابھی تک اس لیے حیران تھیں کہ عانیہ اس سے گفٹ کھلوانے پر بضد کیوں ہے اور وہ کھولنے پر ڈر کیوں رہی ہے؟ ایسا کیا ہے باکس میں؟ لیکن اب اونٹ پہاڑ کے نیچے آ چکا تھا۔ اس لیے اب اسے کھولنا ہی تھا اور وہ کھول رہی تھی۔ باقی سب کی نظریں ڈبے پر جمیں تھی۔

"آؤچ میری ناک ٹوٹ گئی آ...آ" جیسے ہی ڈبہ کھلا ایک پنچ زور سے اس کے ناک پر پڑا اور وہ اپنا ناک پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ساتھ ہی سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ لوگوں نے حیرت سے انہیں دیکھا تو سب نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

کرن نے اس کی کمر پر دھپ لگاتے ہوئے کہا:

"اچھا تو یہ وجہ تھی باکس نہ کھولنے کی"

"دیکھا جو دوسروں کیلیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا یے" فاریہ نے کہا۔

"ہائے میری توبہ جو آئیندہ تمہارے ساتھ کوئی شرارت کروں۔ مجھے تو لگتا ہے تمہارے پاس کوئی جادو ہے جس سے تم پر میری کوئی شرارت اثر ہی نہیں کرتی۔ بلکہ الٹا مجھ ہی پر اثر کرتی ہے۔" وہ ناک سہلاتے عانیہ سے کہہ رہی تھی۔

"ہے نا جادو۔ میں اپنی دوست کو اچھی طرح سے جان چکی ہوں۔ تم بھی ہو اور شرارت نہ ہو بات کچھ جچتی نہیں۔ ویسے مجھے تمہارا گفٹ سب سے زیادہ پسند آیا ہے" وہ پنچ بکس کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لیکن میں نے تو تمہیں ایک اور گفٹ بھی دینا تھا۔"

"تو وہ بھی دے دو۔" عانیہ نے کہا تو اس نے ایک چھوٹا سا ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ارے اس میں کہیں مینڈک وغیرہ تو نہیں" عانیہ نے پوچھا تو حدیقہ ہنس پڑی۔

"نہیں یار اس میں بریسلٹ ہے۔ اس طرح کا" وہ اپنا بریسلٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"اوہ تھینک یو۔ بہت پیارا بریسلٹ ہے" عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"عانی میں نے آج پارٹی انجوائے کرنے کیلیے ایک سنگر کو ہائیر کیا ہے" حدیقہ نے کہا۔

"نہ کرو تم جیسی کنجوس سنگر ہائر کرے گی دیکھنا اب موبائل پر کسی سنگر کا گانا لگا دے گی" کرن بولی۔

"نہیں وہ میری دوست ہے اس نے کہا تھا وہ مفت گائے گی۔" حدیقہ نے کہتے ہوئے فرضی کالر اکڑائے۔

"اچھا تو پھر بلاؤ اسے۔" کرن بولی۔

"ارے اسے بلانے کی کیا ضرورت ہے وہ ہمارے درمیان ہی تو ہے مس عانیہ صفدر"۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے عانیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اور سب کو حیران کر دیا اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عانیہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مجھے نہیں آتا گانا یہ ایویں ای بول رہی ہے۔" عانیہ نے مہارت سے جھوٹ بولتے ہوئے اپنا دامن بچایا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی میں نے خود سنا تھا۔ انگلش گانا تھا شاید۔" اس نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

عانیہ حیران ہوتے ہوئے بولی:

"کہاں سنی تھی میرے خیال میں میں نے تمہارے سامنے تو آج تک گایا ہی نہیں" اس نے آج تک اپنی کسی دوست کو نہیں بتایا تھا کہ وہ گانا اچھا گا لیتی ہے۔ بس مام ڈیڈ کو پتہ تھا۔ مام نے اس کی آواز میں کئی گانے ریکارڈ کر کے سننے کیلیے رکھ لیے تھے۔

"وہ تم نے اپنے موبائل میں گانا ریکارڈ کیا تھا نا وہ میں نے سن لیا تھا۔ قسم سے کیا آواز تھی۔"

"آ... حدیقہ کی بچی تم نے میرے موبائل کو ہاتھ لگایا تھا۔ پاسورڈ کیسے کھولا تھا"

"تم اتنی تپ کیوں رہی ہو تمہاری بیسٹ فرینڈ ہے وہ۔ کیا تمہارے موبائل میں کچھ پرسنل تو نہیں؟" کرن نے اسے مزید تپایا

"اب بکواس کرنے مت شروع ہو جانا ایسا کچھ نہیں ہے۔" عانیہ نے تپ کر کہا۔ اسے پتہ تھا کرن کو اس طرح کی فضول باتیں کرنے کا بہت شوق ہے۔ اگر ایک دفعہ شروع ہو جائے تو اس کو روکنا بہت مشکل کام ہے۔

"اچھا پھر گانا سناؤ" حدیقہ نے کہا۔

"یہ سالگرہ میری ہے اور میں کیوں گاؤں تم لوگ گاؤ نا"

"یار تمہیں تو پتہ ہے ہم لوگوں کی آواز کوے جیسی ہے جب ہم نے سریں لگانا شروع کرنا ہے تو تم نے کانوں پر ہاتھ رکھ لینے ہیں سوچو ہمیں کتنی انسلٹ فیل ہو گی۔" کرن بولی۔

"ارد گرد لوگ بیٹھے ہیں کیا سوچیں گے وہ" عانیہ نے عذر پیش کیا۔

"ارے کچھ نہیں سوچیں گے۔ تمہاری آواز سن کر سر دھننے لگیں گے۔ اور یہ کیا تم نے لوگوں کی پرواہ کرنا کب سے شروع کر دی۔" کرن نے اس کی ایک نہ چلنے دی اور باقی سب بھی اسے گانا گانے پر مجبور کرنے لگیں

"اچھا سناتی ہوں۔ سوچنے تو دو"

"وہ والا ہی سناؤ جو تم نے موبائل میں ریکارڈ کیا تھا۔" حدیقہ چہکی

"اوکے" عانیہ بولی اور فون میں سے اس گانے کا بیک گراؤنڈ میوزک نکالا جو اس نے انٹرنیٹ سے ڈاؤنلوڈ کیا تھا۔ یہ گانا اسے بہت ہی پسند تھا۔

میوزک آن ہوا تو وہ گانے لگی

I used to believe

We were burning on the

Edge of something beautiful

Something beautiful

Selling a dream

Smoke and mirrors keep us

Waiting on a miracle

On a miracle

Say go through the

Darkest of the day

Heaven's a heartbeats

Away

Never let you go

Never let me down

Oh, it's been a hell of

A ride

Driving the edge of

A knife

Never let you go

Never let me down

Don't you give up, nah-nah-nah

I won't give up, nah-nah-nah

Let me love you

Let me love you

Don't you give up, nah-nah-nah

I won't give up, nah-nah-nah

Let me love you

Let me love you

گایا تو اس نے دو منٹ کا ہی تھی اور آواز بھی دھیمی رکھی تھی لیکن ویٹرز سمیت سارے لوگوں کی توجہ اس پر ہو چکی تھی۔ وہ سب دم بخود اس کی خوبصورت آواز کو سن رہے تھے۔ گانا ختم کر کے اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ایک نظر سارے مجمعے پر ڈالی تو سب کو حیرانی سے اپنی طرف دیکھتا ہوا پایا۔ یکدم سب تالیاں بجانے لگ پڑے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا شکر ہے بے عزتی نہیں ہو گئی۔ عانیہ زیادہ تر ایسی ایکٹیویٹیز میں حصہ نہیں لیتی تھی۔ اس لیے سب دوستوں کیلیے یہ حیران کن بات تھی کہ عانیہ نے خوبصورت آواز میں گانا گایا تھا۔

حدیقہ نے اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ علیزے نے اسے سنگر بننے کا مشورہ ہی دے ڈالا تو وہ بولی:

"ارے نہیں میں بائے پروفیشن سنگنگ کو چوز نہیں کرنا چاہتی"

"ہاں اگر ایف ایس سی کے پیپر برے ہوئے ہوتے تب بھی تم نے یہی کہنا تھا؟" حدیقہ بولی

"اچھا تو تمہارے خیال میں جو نالائق ہوتے ہیں وہ شوبز میں چلے جاتے ہیں" عانیہ نے پوچھا

"ہاں میرے خیال میں تو ایسا ہی ہے"

"تو پھر تمہیں پہلی فرصت میں شوبز جوائن کر لینی چاہیے"

"تم مجھے نالائق سمجھتی ہو۔......" وہ صدمے سے بولی۔ "مستقبل کی سافٹ ویئر انجینیر ہوں۔ مجھے ایویں ای ناسمجھ لینا" حدیقہ تو برا ہی منا گئی۔

"وہ تو رزلٹ آئے گا تو پتہ چلے گا نا کہ تم نے کونسے تیر مارے ہیں" کرن نے لقمہ دیا

"پیپر تو میں نے اچھے ہی دیے تھے لیکن رزلٹ کا پتہ نہیں کیا بنے گا" اسے رزلٹ کی فکر لگ گئی۔

"یار اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا آگے کا کیا سوچا تم لوگوں نے" عانیہ نے سب سے پوچھا

"میں تو فیشن ڈیزائنر بنوں گی" کرن بولی۔

"اور تم علیزے"؟

"میں سائیکیٹرسٹ بنوں گی"

"اور فاریہ"؟

"یار میں تو اکتا گئی ہوں اس پڑھائی سے مجھے ایف اے ہی بہت ہے۔ اس سے زیادہ مجھے ہضم نہیں ہوں گیں"

"اچھا تو اب شادی کرنے کا موڈ تو نہیں ویسے اگر ہو تو مجھے ضرور بلانا تمہارے جانے کی اتنی خوشی مناؤں گی جیسے سر سے بلا ٹلنے کی خوشی ہوتی ہے" کرن نے اسے چھیڑا تو سب کا قہقہہ بلند ہوا اور فاریہ بے چاری خجل سی ہو کر رہ گئی۔

عانیہ نے کرن کو ڈپٹتے ہوئے کہا:

"کرن کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو دیکھو اب اس کو شرمندگی سے اس کا برا حال ہو رہا ہے اور تم قہقہے لگاؤ"

"ارے ایک سیریس کم ہے اس گروپ میں۔اچھا اب بتاؤ تم کیا بنو گی"

"میں بتاؤں یہ کیا بنے گی" حدیقہ جلدی سے بولی۔

"ہاں بتاؤ"

"اس نے فائٹر پائلٹ بننا ہے۔رسالپور اکیڈمی میں داخلے کے لیے ٹیسٹ دے چکی ہے"

"کیا..... تم نے ہمیں بتایا تک نہیں؟" کرن نے غصے سے کہا۔

"جب داخلہ مل جاتا تو بتا بھی دیتی۔"

"تم سچ میں جہاز اڑاؤ گی" فاریہ حیرت سے بولی۔

"ہاں"

"لیکن میں نے سنا ہے اس کے لیے بہت سخت ٹریننگ کرنی پڑتی ہے" کرن نے کہا۔

"ہاں تین سال کی ٹریننگ ہو گی۔" اس نے کہا۔

"تو پھر تم کیسے کرو گی۔ پیرنٹس سے اتنی دور رہ لو گی۔" علیزے بولی۔اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا ہوا تھا کہ وہ پہلے بھی تین سال ٹریننگ کر چکی ہے اور بلیک بیلٹ فائٹر ہے۔

"مشکل تو ہو گی لیکن کر لوں گی۔شوق کے آگے ہر مشکل چھوٹی ہوتی ہے۔"

"ارے تو پھر تم شادی کب کرو گی؟" کرن کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"جب تمہاری ہو گئی میں بھی کر لوں گی۔" عانیہ نے جل کر کہا۔

"ایکسکیوزمی اب میں شادی کے لیے اتنی بے صبری بھی نہیں ہو رہی۔تم سے تو بعد میں ہی ہو گی میری شادی"

"اچھا لیکن مجھے پتہ ہے اگر آج ہی تمہارا رشتہ آ جائے تو تم نے ذرا دیر نہیں لگانی شادی کرنے میں۔" عانیہ نے بھی آج کھری کھری سنانے کا موڈ بنا لیا تھا۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں تم سے پہلے شادی کر لوں" کرن بولی۔

"اگر ہو جائے تو" عانیہ نے ابرو اچکایا۔

"اچھا شرط لگاؤ جس کی پہلے ہوئی وہ سزا کیلیے ریڈی رہے"

"اوکے" عانیہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ڈن" کرن نے اس کا ہاتھ تھام کر چیلنج قبول کر لیا۔

"میرے خیال سے عانیہ ہی جیتے گی۔" علیزے نے کہا۔

"ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ ویسے ہارنے کی سزا کیا ہو گی۔" فاریہ نے پوچھا۔

"ڈنر پارٹی ہونی چاہیے" حدیقہ نے مشورہ دیا۔ علیزے اور فاریہ نے خوش ہو کر سر ہلا دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن اب تو کچھ آرڈر کر و یار پھر میں نے گھر جانا ہے۔ مام نے کہا تھا نو بجے تک تم گھر پہنچی ہو اور اب دیکھو ساڑھے آٹھ تو بج چکے ہیں باتوں میں ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا"۔

"خیر ہی ہے تمہاری مام کو کونسا پتہ چلے گا کہ تم کس ٹائم آئی ہو وہ تو شادی پر گئیں ہیں نا" علیزے نے مشورہ دیا

"ہاں لیکن میں مام ڈیڈ سے وعدہ خلافی نہیں کر سکتی۔" وہ سچائی سے بولی تھی۔

جلدی سے کھانا آرڈر کیا گیا لیکن پھر بھی عانیہ آدھے کھانے کے درمیان سے ہی اٹھ گئی۔ اور بولی:

"تم لوگ آرام سے ڈنر کر کے آ جانا میں جا رہی ہوں"۔

"ارے مل کے تو جاؤ کیسے بھاگی جا رہی ہو" حدیقہ اٹھتے ہوئے بولی اور اس کے گلے ملی۔ پھر سب سے گلے ملتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

------------------------------

"مام میں بس پہنچ رہی ہوں"

وہ تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہی تھی جب اس کا فون بجا۔ اٹھا کر دیکھا تو سکرین پر مام کالنگ لکھا چمک رہا تھا اس نے اٹھاتے ہی پہنچنے کا کہا تھا لیکن دوسری طرف سے ایک بری خبر اس کی منتظر تھی۔ کوئی اسے بتا رہا تھا کہ اس کے مام ڈیڈ کا ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے۔ اسے لگا اسکے سر پر چھت گر پڑی ہے۔ سٹیرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور بڑی مشکل سے اس نے گاڑی کو کنٹرول کیا تھا۔ اس نے جلدی سے ہسپتال کا نام پوچھا اور کال کاٹ دی۔ گاڑی ہسپتال کی طرف موڑ دی جو دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ پلک جھپکتے ہوئے وہاں پہنچ جائے۔ اس نے گاڑی کی سپیڈ اور زیادہ بڑھا دی اور زیر لب دعائیں مانگتی ہوئی ہسپتال پہنچ گئی۔ ریسیپشن سے ایمرجینسی وارڈ کا پوچھا اور بھاگتی ہوئی ایک طرف گئی۔ ایمرجنسی وارڈ کے باہر دو آدمی بیٹھے نظر آئے۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"انکل میرے مام ڈیڈ کیسے ہیں۔ ڈاکٹر نے کچھ بتایا؟"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

آدمی کھڑا ہوا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"ان کی حالت بہت تشویش ناک ہے میں بھی جائے حادثہ پر موجود تھا اس لیے جلدی سے میں انہیں یہاں لے آیا۔ ابھی تک ڈاکٹر سے بات نہیں ہو سکی۔ بس تم دعا کرو۔ وہ دونوں ٹھیک ہو جائیں گے۔ انشاﷲ"۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس آدمی سے عانیہ کا رونا دیکھا نہ گیا تو وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ عانیہ بے تابی سے ڈاکٹر کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک وارڈ کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ بھاگ کر ڈاکٹر کی طرف آئی تھی۔

"ڈاکٹر میرے مام ڈیڈ"؟ وہ بے تابی سے بولی تھی۔

ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے بولا:

"آئی ایم سوری ہم ان کو نہیں بچا سکے" وہ کہہ کر جا چکا تھا اور عانیہ وہاں کھڑی سن ہو گئی تھی۔کچھ لمحوں بعد جب سمجھ میں آیا تو ایک دلدوز چیخ اس کے منہ سے نکلی اور وہ نیچے گرتی چلی گئی۔اس خبر نے اس کے حواس سلب کر لیے تھے اور وہ وہیں بے ہوش ہو گئی۔وہاں موجود ڈاکٹر بھاگ کر آئے اور اسے اٹھا کر آئی سی یو میں لے گئے۔اس کے بیگ میں رکھا فون بج رہا تھا تو کسی ڈاکٹر نے دیکھ لیا سکرین پر حدیقہ کالنگ لکھا ہوا تھا شائد وہ اس کے گھر پہنچنے کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔

ڈاکٹر نے کال اٹھا کر عانیہ کے والدین کی ڈیتھ کے بارے میں بتایا اور ساتھ عانیہ کے نروس بریک ڈاؤن کی خبر بھی دے دی-کچھ دیر تک تو اسے یقین ہی نہ آیا-وہ موبائل ہاتھ میں لیے بے حس و حرکت بیٹھی رہی لیکن پھر اسے عانیہ کا خیال آیا تو اٹھ کر کمرے سے باہر بھاگی اور ماما بابا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی:

"بابا وہ عانیہ "۔اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

"بیٹا کیا ہوا عانیہ کو اور تم رو کیوں رہی ہو"؟ حیدر علی پریشانی سے پوچھنے لگے۔

"بابا انکل آنٹی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"وہ بابا کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بدحواسی سے بولی اور وہ ششدر رہ گئے تھے۔ان کا کالج کے زمانے کا دوست اس طرح اچانک انتقال کر گیا۔ابھی تو وہ عانیہ کی برتھ ڈے پارٹی پر ان سے مل کر آرہے تھے۔کسی کام پر جانے کے لیے صرف پندرہ منٹ ہی وہاں رکے تھے اور اب وہ ہمیشہ کیلیے انہیں کیسے چھوڑ کر جا سکتا تھا۔

"واٹ؟...یہ تم کیا کہہ رہی ہو" وہ حیرت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔عمرینہ بھی بے یقینی سے منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ابھی میں نے اس کے نمبر پر کال کی تو کسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس کے والدین کا ایکسیڈینٹ ہوا ۔اسے بھی فون کر کے بلا لیا تھا اور یہ خبر سن کر اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو چکا ہے" وہ اب کانپ رہی تھی۔

"اوہ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو میں اس سے مل کر آیا تھا۔" انہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"بابا عانیہ بہت اکیلی ہو گئی ہے اسے میری ضرورت ہے مجھے اس کے پاس لے چلیں۔"

"چلو بیٹا۔ عمرینہ میں پہنچ کر کال کروں۔ پتہ نہیں اس کی بچی کس حال میں ہو۔ تم عمیر کے ساتھ آ جانا""وہ عمرینہ سے کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گئے۔ اور اگلے ہی لمحے وہ گاڑی میں بیٹھے ہسپتال کی طرف چل دیے۔

-------------------------------

ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے درد سے کھل ہی نہیں پا رہے تھے۔ دماغ ایسے گھوم رہا تھا جیسے وہ کسی خلا میں ہو۔ اسے اپنے جسم کا کوئی حصہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس عجیب سی کیفیت سے نکل چکی تھی۔ اپنا آپ محسوس ہونے لگا۔ آنکھیں کھولتے ہی سر میں درد کی ایک ٹیس ابھری۔ اور وہ ہلکا سا کراہی۔ اس کے پاس حدیقہ کھڑی تھی۔ وہ اس کے کراہنے پر اس کی جانب متوجہ ہوئی اور اسے پکارنے لگی۔ لیکن عانیہ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ آنکھیں ایک لمحے کیلیے کھولیں اور پھر بند کر دیں۔ حدیقہ ڈاکٹر کو بلا کر لے آئی ۔ڈاکٹر نے عانیہ کا معائنہ کیا اور حدیقہ کو بتایا کہ اب اس کی جان خطرے سے باہر ہے اور تھوڑی دیر تک اسے مکمل طور پر ہوش آ جائے گا۔ اس کو بھی ڈاکٹر کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ اسے کیا ہوا تھا کہ اس کی جان خطرے میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے مکمل ہوش آ چکا تھا اور اس نے آنکھیں کھول لیں حدیقہ پریشان سی اس پر جھکی آوازیں دے رہی تھی۔

"عانیہ.....عانیہ تم ٹھیک ہو۔ میری آواز سنائی دے رہی ہے"

"مجھے کیا ہوا ہے ؟" وہ تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں یہ لو پانی پیو۔" حدیقہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پانی اس کی طرف بڑھایا اور اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا اوپر کو اٹھایا۔ عانیہ کو بھی اس وقت سخت پیاس لگی تھی اس لیے پانی کے دو گھونٹ اندر اتارے تو اسے یاد آیا مام ڈیڈ یہاں کیوں نہیں۔

"مام.... ڈیڈ۔ وہ کہاں ہیں؟" وہ واپس لیٹتے ہوئے بولی۔

"وہ ابھی آجائیں گے۔ تم اب کیسا فیل کر رہی ہو کہیں درد تو نہیں ہو رہا۔"

"ہاں سر میں درد ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے کیا ہوا تھا"؟

"کچھ نہیں بس اچانک ہی تم بے ہوش ہو گئی تھی۔" حدیقہ دعا کر رہی تھی کہ اسے کچھ بھی یاد نہ آئے۔

"بے ہوش..... کب؟"

"تین دن پہلے۔" حدیقہ نے مغموم لہجے میں کہا۔

"تین دن۔" وہ پر سوچ انداز میں بولی۔ کچھ دیر ذہن پر زور ڈالنے کے بعد فلیشز کی صورت میں ساری یادیں واپس آنا شروع ہو گئیں۔ اس دن اس کی برتھڈے تھی۔ وہ اور مام ڈیڈ کتنے خوش تھے۔ رات کو اس نے برتھ ڈے اپنی دوستوں کے ساتھ منائی تھی۔ پھر جب وہ گھر آ رہی تھی تو مام کا فون آیا تھا۔ لیکن دوسری طرف کی خبر نے اس کے حواس سلب کر لیے تھے۔ پھر وہ ہسپتال پہنچی اور..... اور اس کے آگے وہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس سب کو ایک خواب تصور کرنا چاہتی تھی۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ یہ ایک خواب ہو۔ یا ڈاکٹر نے جھوٹ بولا ہو. یہ خیال جب اس کے دماغ میں آیا تو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ حدیقہ سے مخاطب ہوئی:

"حدیقہ وہ ڈاکٹر جھوٹ بول رہا تھا نا کہ...."

حدیقہ کے آنسو بہنے لگے تو عانیہ کا دل زور سے دھڑکا اور وہ بے تابی سے بولی

"بتاؤ نہ تم رو کیوں رہی ہو؟"

لیکن حدیقہ خاموش رہی اور عانیہ کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

"حدیقہ تم خاموش کیوں ہو۔ پلیز بتاؤ۔ مام ڈیڈ کہاں ہیں۔"؟

"وہ نہیں رہے عانی۔ انکل آنٹی کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور وہ مر چکے ہیں اسی لیے تم بے ہوش ہوئی تھی" حدیقہ روتے ہوئے بولی تو عانیہ کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہونے لگیں۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تم بھی جھوٹ بول رہی ہو۔" وہ اونچی آواز میں چلائی۔ اور ایک لمحے کے بعد وہ التجائیہ لہجے میں بولی "وہ ابھی آجائیں گے ہیں نا۔ پلیز کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ پلیز ورنہ میں بھی مر جاؤں گی۔"

حدیقہ کا دل اسے دیکھ کر پھٹا جا رہا تھا۔ وہ اسے گلے لگاتے ہوئے بولی

"عانی پلیز خود کو سنبھالو۔ جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

"مجھے مام ڈیڈ کے پاس جانا ہے پلیز مجھے ان کے پاس لے چلو۔" وہ سسکیاں بھرتے ہوئے رونے لگی۔

"عانیہ اب تم ان کے پاس نہیں جا سکتی۔ تم رونا بند کرو تمہاری طبعیت خراب ہو جائے گی۔" اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ کر کہا۔

"نہیں مجھے بھی مرنا ہے میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایسا کرو مجھے زہر لا کر دے دو یا چھری لا دو پلیز۔" عانیہ ہسٹریائی انداز میں بولے جا رہی تھی اور اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی حدیقہ اسے بمشکل سنبھال رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں لگی ڈرپ بھی بے دردی سے کھینچ دی اور بیڈ سے اتر آئی۔ حدیقہ سے جب اسے سنبھالنا ممکن نہ رہا تو وہ بھاگ کر ڈاکٹر کو لے آئی۔ ساتھ دو نرسیں بھی تھیں جنہوں نے عانیہ کو قابو میں کر کے بیڈ پر لٹایا اور ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجیکشن لگا دیا۔ وہ پھر سے نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ حدیقہ کو اس کی حالت پر بہت ترس آرہا تھا۔ وہ اس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے رو رہی تھی۔ تین دن سے وہ اسی حالت میں تھی اور اب پھر بے سدھ ہو چکی تھی۔ حدیقہ کے بابا حیدر علی نے ہی عانیہ کے والدین کو سپردِ خاک کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی

۔ان کے رشتے دار نہیں تھے لیکن دوست احباب کا حلقہ کافی بڑا تھا۔جنازے پر بھی بہت رش تھا اور آج تیسرے دن بھی مہمان آرہے تھے۔ان کی ڈیتھ کی خبر میڈیا پر بھی آچکی تھی۔اور ہر ٹیوی چینلز کے رپورٹر بھی وہاں پہنچے ہوئے تھے۔صفدر علی صاحب کے کولیگز نے میڈیا پر کہا تھا کہ کسی نے انہیں قتل کروایا ہے۔لیکن ابھی اس کے ثبوت نہیں ملے اس لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی نہیں جاسکتی تھی۔وہ لوگ تفتیش کر رہے تھے۔انہوں نے عانیہ کا بیان بھی لینا چاہا لیکن حیدر علی صاحب نے بتایا کہ عانیہ یہ خبر سننے کے بعد بے ہوش ہے۔

حدیقہ نے بابا کو فون کر کے عانیہ کے ہوش میں آنے کے بارے میں بتایا۔تو حیدر علی نے کہا کہ مہمانوں کی وجہ سے وہ ابھی مصروف ہیں۔پولیس اور میڈیا والے بھی بار بار چکر لگا رہے ہیں ایسے میں وہ ایک پل کے لیے بھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتے۔اسے عانیہ کا خیال رکھنے کو کہا۔اور عمیر کو بھی اس کے پاس بھیج دیا۔عمیر اور حدیقہ نے ساری رات اس کے بیڈ کے پاس بیٹھ کر گزار دی۔عمیر عانیہ کو اپنی بہن کی طرح سمجھتا تھا۔اس کے دکھ نے اسے بھی اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔وہ اس کے دکھ کو کم تو نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کا خیال تو رکھ سکتا تھا۔

-------------------------------------------

بہت دیر بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو صبح ہو چکی تھی۔وہ تھوڑی دیر چت لیٹے چھت کی طرف دیکھتی رہی۔اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔اس نے گردن موڑ کر دیکھا حدیقہ کرسی پر بیٹھی پشت سے ٹیک لگا کر سو رہی تھی۔اسے کل رات اپنا رونا اور تڑپنا یاد آیا تو آنسو پھر شروع ہو گئے۔تصور میں کسی فلم کی طرح مام ڈیڈ کی یادیں چل رہی تھیں۔کہیں وہ تینوں بیٹھے باتیں کرتے ہوئے ہنس رہے تھے تو کہیں وہ ڈیڈ کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہی تھی۔کہیں مام اس کو زبردستی کھانا کھلانے کی کوشش کر رہیں تھیں اور کہیں ڈیڈ اسے فائٹنگ سکھا رہے تھے۔اس کی کامیابی پر خوش ہو رہے تھے اسے ہمت دلا رہے تھے۔مام اسے دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں تو ڈیڈ انہیں بھی تسلی دے رہے تھے۔وہ بھی ان کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے مذاق کر رہی

تھی۔ کہیں اسے مام سے ڈانٹ پڑ رہی تھی تو ڈیڈ اس کی سائیڈ لے رہے تھے۔ کتنے خوش تھے نا وہ لیکن ایک حادثے نے انہیں جدا کر دیا۔ ان دونوں کے ہنستے مسکراتے چہرے اس کے سامنے تھے۔ ہر بار ایک نئی یاد اس کے ذہن میں آ جاتی اور وہ سرد آہیں بھرتے ہوئے شدت سے رونا شروع کر دیتی۔ رو رو کر اس کی ہچکی بندھ گئی۔ حدیقہ جو پاس ہی کرسی پر بیٹھی سو رہی تھی اس کے رونے کی آواز سے جاگ گئی اور آگے بڑھ کر اس گلے لگا لیا۔ کچھ لمحے وہ اس کے گلے لگی روتی رہی۔

"عانیہ میری جان.... بس... بس کرو۔ کتنا رووٴ گی۔ پلیز رونا بند کر دو۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"حدیقہ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ مام ڈیڈ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ اب میرا کیا ہو گا؟ میں کیسے جیوں گی؟"

"حوصلہ کرو عانی۔ خود کو سنبھالو۔ اب تمہیں ایسے ہی جینا پڑے گا"

"نہیں جی سکتی ان کے بغیر....... میں جو بھی تھی ان کی وجہ سے تھی..... اسی لیے میرا مرنا ہی بہتر ہے۔ تم.... مجھے زہر لا کر دو پلیز"

"عانی مایوسی کی باتیں مت کرو۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں یہ اللہ کو ہی پتہ ہے کہ کس کا مرنا بہتر ہے اور کس کا نہیں تم خود اپنی جان نہیں لے سکتی۔ اگر اپنے ماں باپ کی محبتوں کا صلہ انہیں دینا چاہتی ہو تو ان کے مغفرت کیلیے دعا مانگو۔" حدیقہ نے رسانیت سے سمجھایا۔ رو رو کر اس کا سر بھاری ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے سامنے ہر چیز دھندلاتی جا رہی تھی۔ اس میں اب اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ رو سکے۔ وہ چیخ چیخ کر مام ڈیڈ کو بلانا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔ چار دن سے اس نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ اور اسے اب اپنی پرواہ بھی کہاں تھی۔ وہ اس قدر مایوس ہو چکی تھی کہ مرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔

"میں ان کو بھول نہیں سکتی....... اور نہ میں ان کے بغیر کچھ کر سکتی ہوں........ میں ان کے بغیر یوز لیس ہوں..... مجھے نہیں جینی ایسی زندگی جہاں مام ڈیڈ نہ ہوں...... پلیز مجھے ان کے پاس لے چلو۔" عانیہ کانپتی آواز

میں رک رک کر بول رہی تھی۔ آخر میں اس کی آواز بیٹھ گئی۔ آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔حدیقہ اس کی بگڑتی حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو رہی تھی۔ پھر اسے یاد آیا کہ عانیہ نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا تو جلدی سے عمیر کو فون کیا اور اس کے کھانے کے لیے کچھ منگوایا۔عانیہ اب بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔حدیقہ نے فون بند کیا اور ڈاکٹر کو بلانے چلی گئی۔ڈاکٹر کے چیک کر کے جانے کے بعد عمیر کھانا لیے اندر داخل ہوا۔عانیہ دوسری طرف رخ کیے لیٹی رو رہی تھی۔حدیقہ پریشان سی کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔

"عانیہ اٹھو..... دیکھو میں تمہارے لیے کھانا لے کر آیا ہوں۔" عمیر اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔عانیہ نے اسے سرد مہری اسے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ عمیر نے حدیقہ کی طرف دیکھا۔وہ آگے بڑھی اور زبردستی کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔عانیہ میں احتجاج کرنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

"پلیز تھوڑا سا کھا لو۔چار دن سے بھوکی ہو۔" حدیقہ اسے تھامتے ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور عمیر کو اشارہ کیا تو اس نے کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔عانیہ نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"عانیہ.... میری بات نہیں مانو گی۔..... چلو شاباش کھاؤ۔" عمیر نے کھانا نکالتے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو تمہاری ایسی حالت سے انکل آنٹی کی روح کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔پلیز خود کو اذیت مت دو۔ورنہ انہیں بھی سکون نہیں ملے گا۔ہماری خاطر ہی کھا لو۔" عمیر اس کی طرف سے کوئی ردعمل نہ پا کر سمجھانے لگا۔لیکن عانیہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"رہنے دیں عمیر بھائی.... اس کو ہماری کیا پرواہ۔یہ ہمیں اپنا سمجھتی ہی نہیں اور ایک میں پاگل ہوں جو چار دن سے اس کے ساتھ ہوں۔اس کی پریشانی میں، میں نے بھی کب سے کھانا نہیں کھایا۔اب بھی یہ ہماری بات نہیں مان رہی۔تو ٹھیک ہے میں بھی اس وقت تک نہیں کھاؤں گی جب تک یہ نہیں کھائے گی۔" حدیقہ خفگی سے بولتی وہاں

سے اٹھ گئی جبکہ عانیہ کے چہرے پر شرمندگی کے آثار آ گئے۔ وہ لوگ اس کے لیے اپنے سارے کام چھوڑ کر یہاں ہیں اور اس کے لیے اتنے پریشان ہیں کہ کھانا بھی نہیں کھایا۔

"اب تو کھالو عانیہ۔ تمہیں پتہ ہے حدیقہ سے بھوک بالکل بھی برداشت نہیں ہوتی۔"

"مجھے معاف کر دو حدیقہ..... میری وجہ سے تم دونوں کو تکلیف اٹھانی پڑی لیکن میں بھی کیا کروں.... میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ مجھے مام ڈیڈ کی یاد ایک پل کے لیے بھی چین نہیں لینے دے رہیں۔.... ایسے لگتا ہے مجھے وہ اپنی طرف بلا رہیں ہیں۔ پلیز میری مدد کرو.... مجھے مام ڈیڈ کے پاس جانا ہے۔ مجھے مرنے دو.... میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" وہ عجیب بے بسی کے انداز میں کہتی آنکھیں بند کر گئی۔ حدیقہ نے اس کی بات پر تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کتنی آسانی سے تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں مرنے دیں.... ہاں۔ ہمارا کیا ہو گا یہ سوچا ہے تم نے۔ کسی اپنے کی موت کا دکھ تم سے بہتر کون جان سکتا ہے پھر بھی تم مرنے کی بات کر رہی ہو۔ کیا تمہاری زندگی میں ہماری کوئی جگہ نہیں۔ ہمارا اتنا بھی حق نہیں بنتا کہ تمہارا خیال رکھ سکیں۔.... عانیہ تم اپنے ساتھ سراسر زیادتی کر رہی ہو۔ خودکشی کر رہی ہو تم اور اس طرح حرام موت مرنے سے تم اپنے والدین سے کبھی نہیں مل سکو گی۔ بلکہ جہنم کی آگ ہمیشہ کے لیے تمہارا مقدر بن جائے گا۔.... دیکھو ایک نہ ایک دن سب کو مرنا ہے اور قیامت کے روز تو تم ان سے مل سکو گی نا تو پھر یہ مایوسی کیوں؟.... چلو میری اچھی بہن ہو نا۔... میرا کہنا مانو... میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی ہوں۔" وہ اس کے بستر کے کنارے ٹک گئی اور کھانے کا نوالہ بنا کر اس کے منہ کے قریب کیا جسے اب اس نے کھا لیا تھا۔ جس کا مطلب اس پر حدیقہ کی بات کا اثر ہو گیا تھا۔ عمیر نے محبت پاش نظروں سے حدیقہ کو دیکھا جس نے بڑی مہارت سے اسے کھانا کھانے پر راضی کر لیا تھا۔ حدیقہ ہمیشہ اس سے ایموشنل بلیک میلنگ کے ذریعے کام کروا لیتی تھی۔ اور اب بھی اسی کا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد اس میں تھوڑی انرجی آ گئی جو اس نے

رونے میں ہی صرف کردی تھی۔ عمیر کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے اسے بھائی کا احساس ہوا۔ جب عمرینہ نے اسے گلے لگایا تو مام کی آغوش یاد آئی تھی۔ حیدر علی نے اسے گلے لگا کر باپ کی طرح چپ کروایا۔ اس کے رونے سے ان سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ دن کے ایک بجے عانیہ کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر کے گھر لایا گیا۔ آج اسے وہاں وحشت ناک خاموشی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک گہرا سکوت تھا جو ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ ہر چیز جامد اور بے رنگ سی لگ رہی تھی۔ چلتے ہوئے اس کے قدم من من بھاری ہو رہے تھے۔ وہ لڑکھڑا رہی تھی عمرینہ اور حدیقہ اسے سہارا دیے اندر لائیں تھی۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ دماغ پر غنودگی چھا رہی تھی اس کے کمرے میں لا کر اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ سامنے ہی دیوار پر مام ڈیڈ کی تصویر ٹنگی تھی۔ اس کے نظریں وہیں جم کر رہ گئیں۔

(کیوں؟..... کیوں کیا آپ دونوں نے ایسا میرے ساتھ؟.... کیوں مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر خود ساتھ چلے گئے۔ ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ میرا کیا ہو گا آپ کے بعد۔) بھاری پپوٹے آہستہ آہستہ بند ہوتے گئے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

-----------------------------------

رات کے دس بجے اسے ہوش آیا تھا۔ سارا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا لیکن بخار بھی اتر چکا تھا۔ اس نے گردن گھما کر سائیڈ پر دیکھا تو حدیقہ کرسی پر بیٹھی آگے کو جھکی اس کے بیڈ کے کنارے بازوؤں پر سر رکھے سو رہی تھی۔ عانیہ کو یکدم شرمندگی نے گھیر لیا۔ اس کی وجہ سے حدیقہ کئی راتوں سے ایسے ہی بے آرام ہو رہی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر نظر پڑی تو پانی کے باؤل میں ایک کپڑا رکھا نظر آیا۔ غالباً حدیقہ نے اس کا بخار کم کرنے کے لیے ٹھنڈے پانی میں پٹیاں بھگو بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھیں تھیں تبھی اس کا بخار اتر چکا تھا۔ اسے حدیقہ پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی مام ڈیڈ کی یاد نے اسے پھر سے اداس کر دیا۔ آنسوؤں کا سمندر آنکھوں سے نکل کر

اس کے گالوں پر بہتا سرہانے میں جذب ہونے لگا۔ حدیقہ کی نیند کی وجہ سے وہ خود کو بمشکل رونے سے روک رہی تھی۔ لیکن اس کی سسکیوں کی آواز حدیقہ کو جاگنے پر مجبور کر گئیں تھیں۔

"عانیہ......بس کرو....کتنا روؤ گی۔ پلیز نہ روؤ۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہے" وہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور اس کے آنسو پونچھنے لگی۔ عانیہ اس کے سینے سے لگ کر رو دی۔

"حدیقہ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ پلیز کچھ کرو۔" اس کی آواز کے ساتھ سارا جسم بھی لرزنے لگا تھا۔

"دیکھو....عانیہ....تم روؤ تو مت۔ کل بابا آئیں گے تو تمہیں انکل آنٹی کی قبر پر لے جائیں گے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بول رہی تھی جبکہ عانیہ تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچ گئی تھی اس کے مام ڈیڈ قبر میں پڑے تھے۔ نہ جانے ان پر کیا بیت رہی ہو گی۔ مرتے وقت ان کو پتہ نہیں کتنا درد ہوا ہو گا۔

"حدیقہ......مام.....ڈیڈ.....کے پاس جانا ہے۔ ان کی قبر پر.....لے جاؤ مجھے" بے بسی سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

"ہاں کل لے کر جائیں گے نا تمہیں۔ ابھی تمہاری طبیعت خراب ہے اور رات بھی ہو چکی ہے۔ ابھی رونا تو بند کرو"

"جب تک تم مجھے لے کر نہیں جاؤ گی میں روؤں گی۔ مجھے جانا ہے۔" وہ اس وقت بالکل بچی بنی ہوئی تھی۔ حدیقہ کو اس کی زہنی حالت پر شک ہونے لگا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ماما بابا اور عمیر اس وقت اپنے گھر تھے۔ چار دن سے بھاگ دوڑ کے بعد اب وہ بہت تھکے ہوئے تھے اس لیے اس نے کہا تھا کہ وہ عانیہ کو سنبھال لے گی۔ لیکن اب اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"پلیز سنبھالو خود کو مجھے ڈر لگ رہا ہے یا اللہ کیا کروں" اس کا نپتا دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے جلدی سے بانو کو آواز دے کر بلایا اور ڈاکٹر کو فون کرنے کا کہا۔

وہ اب بے ہوش ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آ گیا اور اس سکون آور انجیکشن دے کر کچھ دوائیں لکھ کر دے گیا۔

حدیقہ پھر اس کے پاس ہی بیٹھی رہی آدھی رات کو اس کو ہوش آیا لیکن اس دفعہ اس نے ایک لفظ نہ کہا اور گم صم چھت کو گھورتی رہی۔ حدیقہ اس کے پاس سائیڈ ٹیبل پر سر رکھے ہی سوئی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر حدیقہ کے سر پر پیار سے پھیرا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اب رو رو کر اور مام ڈیڈ کو پکار پکار کر تھک گئی تھی۔ اسے یہ یقین آنے لگا تھا کہ وہ اس سے اتنی دور چلے گئے ہیں کہ اب واپسی ناممکن ہے۔ اسے اکیلے ہی جینا ہے۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو اب تک وہ مر چکی ہوتی۔ وہ تو کبھی تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ مام ڈیڈ اچانک اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ دل دردناک اذیت سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ ضبط کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس نے ہاتھوں میں بستر کے کپڑے کو پکڑ کر زور سے بھینچ لیا تھا۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو جاری ہو گئے جو صبح تک جاری رہنے والے تھے۔

-----------------------------------

عانیہ کی مام کا نام نبیلہ تھا۔ ان کی زندگی کا پہلا حصہ بہت کٹھن گزرا تھا۔ نبیلہ کے والد شفقت حسین نے دو شادیاں کی تھیں ایک اپنی پسند سے اور ایک اپنے والد کی پسند سے۔ انہوں نے اپنے باپ کو بتائے بغیر اپنی پسند کی لڑکی کلثوم سے شادی کر لی اور ایک سال بعد ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام افضل رکھا گیا۔ پھر انہوں نے حوصلہ کر کے اپنے باپ کو بتا ہی دیا انہوں نے سوچا کہ اپنے پوتے کو دیکھ کر شاید دادا کا دل پگھل جائے اور وہ معاف کر دیں لیکن انہوں نے معافی کی شرط رکھ دی کہ خاندانی لڑکی سے شادی کرو ورنہ جائیداد سے عاق کر دیا جائے گا۔ مجبوراً انہیں دوسری شادی کرنی پڑی ان کی پہلی بیوی نے بہت واویلہ مچایا لیکن جائیداد کی وجہ سے انہوں نے بیوی کی ایک نہ سنی۔ چنانچہ خیر انساء سے شادی کے بعد دونوں بیویوں کو ایک بہت بڑا گھر لے کر دے دیا گیا۔ وہ گھر دو

حصوں میں منقسم تھا ایک حصے میں ان کی پہلی بیوی کلثوم رہتی تھی اور دوسرے حصے میں دوسری بیوی خیر انساء۔ جب شفقت حسین کی پہلی بیوی کے گھر نصرت کی پیدائش ہوئی تو اس وقت ان کے والد فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے انہیں اب دوسری بیوی کی طرف سے کوئی ٹینشن نہ رہی۔ وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہوتے تھے انہیں گھر کے حالات کی خبر نہ تھی۔ کلثوم خیر انساء کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی تھیں۔ انہیں اپنی ملازمہ سمجھتی تھی۔ اپنے بچے بھی انہی کے حوالے کر دیتیں۔ شوہر کو ہر وقت سوتن کے خلاف بڑھکاتی رہتیں۔ خیر النساء کی شادی کے آٹھ سال بعد انہیں اللہ نے بیٹی کا تحفہ دیا۔ جس کا نام نبیلہ رکھا گیا۔ اس وقت نصرت سات سال کی تھی اور افضل نو سال کا تھا۔ شفقت حسین نے نبیلہ کی پیدائش پر کسی خوشی کا اظہار نہ کیا۔ کلثوم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں بھی خیر النساء اور نبیلہ کے لیے بغض و عناد بھر دیا تھا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور بچے بڑے ہوتے گئے۔ نصرت اور افضل کے دماغ میں خیر انساء اور نبیلہ کے خلاف بغض بھی بڑھتا گیا۔ نبیلہ جب دس سال کی ہوئی تو اس کی والدہ خیر النساء کا انتقال ہو گیا اور تب جا کر اس کے والد کو اس کا احساس ہوا۔ اس سے روتے ہوئے معافی مانگنے لگ گئے جو نبیلہ کی سوتیلی ماں اور ان کے بچوں کو سخت ناگوار گزرا۔ اب کلثوم خیر انساء کا بدلہ نبیلہ سے لے رہی تھی۔ ہر وقت کی مار کٹائی، طعنے کوسنوں نے اس کی زندگی عذاب بنادی تھی۔ اس کی حیثیت ایک نوکرانی سے بھی کم تھی۔ جب نبیلہ بارہ سال کی ہوئی تو کلثوم کا انتقال ہو گیا لیکن ظلم پھر بھی کم نہ ہوا کیونکہ نصرت اور افضل تو اپنی ماں سے بھی زیادہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ شفقت حسین نے افضل کی شادی زبردستی اپنی ایک رشتے دار کی بیٹی خدیجہ سے کر دی تھی۔ وہ بھی نبیلہ کی طرح سیدھی سادی اور معصوم سی تھی۔ اور ان دونوں بہن بھائی کے عتاب میں آ گئی تھی۔ ایک سال بعد اس کا بیٹا پیدا ہوا تھا لیکن افضل اپنی بہن کو خوش رکھنے کیلیے اسے اہمیت نہ دے سکا۔ وقت گزرتا رہا اور نبیلہ اٹھارہ سال کی ہو گئی۔ اس وقت شفقت حسین نے کلثوم کا گھر نصرت اور افضل کے نام کر دیا اور خیر النساء کا گھر نبیلہ کے نام کر دیا۔ افضل تو غصے سے پاگل ہو گیا کہ ایک پورا گھر

نبیلہ کے نام کیوں ہوا لیکن نصرت نے اسے سمجھایا کہ ابھی ہم کچھ کہیں گے تو اباجی ہمیں اس سے بھی عاق نہ کر دیں صحیح وقت کا انتظار کرنا چاہیے اور وہ صحیح وقت تب آیا جب شفقت حسین کا بھی انتقال ہو گیا۔اب ان کے سامنے کھلا میدان تھا لیکن وہ ٹھنڈا کر کے کھانا چاہتے تھے تاکہ خاندان میں ان عزت رہ سکے۔یعنی سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔اس لیے انہوں نے نبیلہ کی ذراسی بات نہ ماننے پر مارنے لگ جاتے تاکہ وہ ان کی کسی بات پر انکار نہ کر سکے۔ نبیلہ کو خاندان بھر میں یہ کہہ کر چور مشہور کر دیا کہ اس نے نصرت کے سونے کی جیولری چرائی ہے۔ان دنوں نبیلہ کا ایف اے کا رزلٹ آنے والا تھا اور وہ آگے بھی پڑھنا چاہتی تھی۔اسے فیشن ڈیزائنر بننے کا بہت شوق تھا۔جب اس کا رزلٹ آیا تو وہ خوشی خوشی اپنے بھائی کے پاس گئی اور بتایا کہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے لیکن افضل نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ نبیلہ بھی اپنے شوق کی خاطر ڈٹ گئی۔اور ضد کرنے لگی تو نصرت اور افضل نے مار مار کے سمجھایا کہ وہ آگے نہیں پڑھ سکتی لیکن نبیلہ بھی نہ مانی۔

"یہ تو ابھی ہماری بات نہیں مان رہی گھر ہمارے نام کیسے کرے گی۔" نصرت پریشان لہجے میں بولی تھی۔

"میں کیسے اسے مناؤں اگر ہم نے اسے مارا تو خاندان والوں کو خبر ہو جائے گی" افضل بھی پریشان تھا۔

"ایک بات تو طے ہے میں اس لڑکی کو پڑھنے نہیں دے سکتی اگر اس میں شعور آگیا تو یہ اپنا حق کسی طور ہمیں نہیں دے گی۔اس لیے میرے پاس ایک پلان ہے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"

"اچھا کون سا پلان ہے تمہارے پاس؟"جب وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو نبیلہ اپنے آنسو روکتی یہ سب سن رہی تھی۔ پھر اسے نصرت کی آواز آئی۔

"ایک منٹ بتاتی ہوں پہلے دیکھ لینے دو وہ باہر کھڑی کہیں ہماری باتیں نہ سن رہی ہو" نبیلہ نے جب یہ سنا تو بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔اور دروازہ بند کر دیا اب وہ ان کے منصوبے کے بارے میں نہ جان سکی اور اسی پریشانی میں ساری رات سو بھی نہ سکی۔ لیکن جلد ہی اسے اپنے خلاف ہونے والی سازش کا پتہ چلنے والا تھا۔ صبح اس کے

کمرے کا دروازہ کھٹکا اور اس نے ڈرتے ہوئے کھولا افضل نے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے نصرت کے کمرے میں لے گیا۔ نبیلہ کو نصرت کا چہرہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کیوں کہ اس کے چہرے کا رنگ زرد تھا اور بال بھی بکھرے ہوئے تھے نبیلہ کی حیرانی بس تھوڑی ہی دیر تک رہی کیوں کہ افضل نے موبائل نکال کر پولیس کو کال کی تھی۔

"ایک لڑکی نے میری بہن کو جان سے مارنے کی کوشش کی ہے۔ آپ جلدی یہاں پہنچیں۔ اور آکر اسے اریسٹ کریں۔ "اس کے جھوٹ پر وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑی رہ گئی۔

اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ کیا کہے کیوں کہ وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔ اتنے میں پولیس آچکی تھی اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگائی جاچکی تھی وہ روتے ہوئے اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔

"اس نے پہلے ہمارے ہاں چوریاں کی اس بات کا گواہ سارا خاندان ہے لیکن ہم نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اب اس نے میری بہن کی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آکر نصرت کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ نبیلہ میری بہن نصرت کہ منہ پر سرہانا رکھ کر دبا رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے اس کو کھینچ کر پیچھے ہٹایا۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو اب تک میری بہن مر چکی ہوتی۔ "یہ بیان افضل نے پولیس کو دیا تھا۔ اور کسی کو شک بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

نصرت نے بھی ایکٹنگ کی حد کر دی اور کانپنے لگی۔ تاکہ پولیس کو اس کی مظلومیت پر یقین آسکے۔ پھر نبیلہ کی معصومیت پر کسی نے یقین نہ کیا اور پولیس اس کو پکڑ کر تھانے لے گئی وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ پورے تین گھنٹے وہ لاک اپ میں بند رہی۔ اے ایس پی صفدر علی کا ٹرانسفر کچھ دن پہلے اس پولیس اسٹیشن میں ہوا تھا جب وہ اپنی ڈیوٹی پر آئے اور حوالات میں بند روتی چیختی کم عمر لڑکی کے بارے میں پوچھا تو ان کے ماتحتوں نے رپورٹ پیش کر دی۔ اے ایس پی صفدر کو حیرت ہوئی اور پھر نبیلہ کو بلا کر پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں میں نے تو بھائی سے پڑھنے کی اجازت مانگی جو انہوں نے نہ دی اور میں نے ضد کی۔ انہوں نے مجھے مارا بھی۔ میں نے ان کی باتیں سنیں تھیں۔ یہ میرے خلاف سازش ہے....."

"ایک منٹ ایک منٹ۔ آرام سے بتایئے۔ سب سے پہلے اپنا نام بتائیں" صفدر علی نے نرمی سے کہا تو نبیلہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"نبیلہ شفقت"

"افضل اور نصرت سے رشتہ کیا ہے"؟

"وہ میرے سوتیلے بہن بھائی ہیں۔"

"اوہ تو ان کا سلوک کیسا ہے آپ کے ساتھ"؟

"بہت برا۔ وہ دونوں مجھے بہت مارتے ہیں۔ سارے خاندان اور محلے میں مجھے چور اور بری لڑکی مشہور کر دیا لیکن میں نے کوئی چوری نہیں کی۔ مجھ سے قسم لے لیں میں نے کچھ نہیں کیا" نبیلہ پھر سے رونا شروع ہو گئی۔

"اچھا اچھا روویں نہیں آپ یہ بتائیں آپ نے ان کی کونسی باتیں سنی تھیں۔"

"وہ لوگ بہت چھوٹی چھوٹی بات کا ایشو بنا کر مجھے ٹارچر کرتے رہے لیکن میں سمجھ نہ سکی کہ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ میں نے آگے پڑھنے کی اجازت مانگی تو بھی مجھے مارا لیکن میں نے بھی ضد کی۔ پھر رات کو میں پھر سے اس بارے میں بات کرنے کیلیے ان کے کمرے میں گئی تو میں نے ان کی باتیں سنی تھیں نصرت باجی کہہ رہی تھیں کہ یہ ہماری ایک بات نہیں مان رہی گھر کیا ہمارے نام کرے گی۔ ہم اس کو پڑھنے نہیں دے سکتے تاکہ اس میں شعور نہ آجائے اور یہ ہمارے سامنے کھڑی نہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک پلان ہے۔ اس سے آگے میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنے کمرے میں چلی گئی تھی صبح بھائی مجھے گھسیٹتے ہوئے باجی نصرت کے کمرے میں لے گئے...."

"اوہ تو یہ سارا معاملہ جائیداد کا ہے۔"صفدر علی کو نبیلہ کا چہرہ دیکھ کر ہی پتہ چل چکا تھا کہ یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے۔

"جی بابا نے میری ماں کا گھر جو میرے نام لگوایا تھا انہیں وہ چاہیے تھا لیکن مجھے یہ بات کل رات ہی پتہ چلی ہے ورنہ میں نے انہیں دے دینا تھا۔ مجھے جائیداد نہیں چاہیے۔ بس مجھے یہاں سے جانے دیں۔"

"وہ آپ کا حق ہے آپ اتنی آسانی سے اس کو کیسے چھوڑ سکتی ہیں۔ آپ پریشان مت ہوں۔ آپ سے آپ کا گھر کوئی نہیں چھینے گا"اے ایس پی صفدر علی نے نبیلہ کو تسلی دی اور اپنے ماتحتوں کو کہا کہ نصرت اور افضل کو بھی پکڑ کر لے آؤ۔ وہ دونوں تو اس ڈرامے کی کامیابی پر خوشی منا رہے تھے جب پولیس دوبارہ ان کو لے جانے آگئی۔ تو کچھ دیر کیلیے تو وہ بوکھلا کر رہ گئے۔ ان کے خیال میں پاکستانی پولیس بے گناہ ہوتے ہوئے بھی کسی کو نہیں چھوڑتی۔ لیکن جب اے ایس پی صفدر علی نے بزاتِ خود ان کی تفتیش کی تو سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ نصرت اور افضل کے بیان میں تضاد پایا گیا جو نبیلہ کی سچائی اور ان دونوں کی مکاری کا کھلا ثبوت تھا

۔"اوئے تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی۔ ایک معصوم لڑکی پر قتل کا الزام لگا رہے ہو۔ یہ اٹھارہ انیس سال کی لڑکی اس عورت کو مارے گی......ناممکن۔ یہ اتنی طاقتور ہے کہ تم نے بھی اسے مشکل سے کھینچ کر پیچھے ہٹایا۔ اور یہ اتنی بہادر ہے کہ تم آ بھی گئے تو اس نے تمہاری بہن کے منہ سے تکیہ بھی نہ اٹھایا۔ واہ واہ۔"

اور افضل سے کوئی جواب نہ بنا تو اے ایس پی صفدر نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔ نبیلہ اپنے گھر واپس چلی گئی۔ لیکن دو تین دنوں تک نصرت اور افضل کی ضمانت کے کاغذات آگئے۔ ایک مشہور سیاستدان نے ان کی ضمانت کروائی تھی۔ اے ایس پی صفدر کو حیرت تو ہوئی لیکن ساتھ ہی اس لڑکی کے بارے میں تشویش ہوئی۔ ان لوگوں کے پیچھے بڑے لوگوں کا ہاتھ تھا۔ اگر آئیندہ وہ نبیلہ کے ساتھ کچھ برا کرتے ہیں تو پھر بھی قانون ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس لیے نبیلہ کا منظر عام سے ہٹ جانا ہی بہتر تھا۔ انہوں نے نبیلہ کو فون کر کے اپنا ضروری

سامان ساتھ لے کر گھر سے باہر کسی محفوظ مقام پر پہنچنے کے لیے کہا۔ افضل اور نصرت سخت طیش کے عالم میں گھر پہنچے کہ سب سے پہلے نبیلہ کا دماغ توٹھکانے لگائیں لیکن نبیلہ انہیں گھر میں ملتی تو تب نا۔

نبیلہ گلی کے ایک کونے میں اپنا سامان ساتھ لیے حیران و پریشان کھڑی تھی جب اے ایس پی صفدر علی کی گاڑی وہاں پہنچی تھی۔

"افضل اور نصرت کی بیل ہو گئی ہے۔ میں ان کا اشتعال دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب وہ آپ کو نقصان ضرور پہنچائیں گے اس لیے آپ کا وہ گھر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔" نبیلہ کو پریشان دیکھ کر صفدر علی نے اسے تفصیل بتائی۔ "پر میں جاؤں گی کہاں۔"

"آپ کا کوئی تو جاننے والا ہو گانا"

"اگر میں کسی جاننے والے کے گھر گئی تو وہ افضل بھائی کو بتا دیں گیں۔"

"آپ پھر کسی ہاسٹل میں رہ لیں"

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ اور ایف اے پاس لڑکی کو کوئی نوکری بھی نہیں دے گا۔ کیا آپ میری نوکری لگوا سکتے ہیں کہیں۔ مجھے سارے گھر کے کام آتے ہیں۔ مجھ پر ایک اور احسان کر دیں۔"

"اچھا میں آپ کو بابا کے پاس کراچی بھیج دیتا ہوں۔"

"آپ کے بابا کو کسی ملازمہ کی تلاش ہے کیا؟" نبیلہ نے اشتیاق سے پوچھا

"ارے وہ تو آپ کو بیٹی بنا کر رکھیں گے وہ بہت اچھے ہیں۔" صفدر علی مسکرا کر بولے۔

"آپ سمجھ نہیں رہے میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں اور اسلیے نوکری بہت ضروری ہے"

"ہاں تو کراچی میں بہت سارے کالج ہیں بابا آپ کا ایڈمشن بھی کروا دیں گے"

"آپ کے پہلے ہی بہت سے احسان ہیں مجھ پر اور آپ ایک اور احسان کا بوجھ ڈال رہے ہیں"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ حقدار کو اس کا حق ملنا چاہیے۔" صفدر علی نے مسکرا کر کہا۔ انہیں خود بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ اس لڑکی کی اتنی مدد کیوں کر رہے ہیں۔ شاید انہیں اس لڑکی سے ہمدردی پیدا ہو گئی جو اپنے پیشن کیلیے بہت جنونی تھی۔ معصومیت اور سچائی اس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ جو اس کی غیر معمولی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں سفر طے ہو گیا نبیلہ صفدر علی کے بابا کے گھر پہنچ گئی۔ بابا کا تعارف جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر انہیں پایا تھا۔ انہوں نے اسے بیٹی کا درجہ دیا۔ کیونکہ ان کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ اس کا ایڈمیشن بھی ایک یونیورسٹی میں کروا دیا گیا۔ نبیلہ بھی بابا کا بیٹیوں کی طرح خیال رکھنے لگی۔ اے ایس پی صفدر علی لاہور واپس آکر اپنی ڈیوٹی سر انجام دینے لگے۔ اس وقت نبیلہ آخری سمیسٹر میں تھی جب ایک صفدر علی کا ٹرانسفر کراچی ہو گیا تو ان کے بابا نے اپنی خواہش سامنے رکھ دی کہ وہ نبیلہ کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ صفدر علی تو پہلے حیرت سے اچھل پڑے۔ غصہ بھی بہت کیا۔ لیکن بابا نے قائل کر ہی لیا۔ آخر میں انہوں نے یہ بہانہ بھی بنایا کہ وہ بہت چھوٹی ہیں اور وہ اتنی جلدی شادی کیلیے کیسے مانیں گیں۔ کیونکہ اس وقت وہ اٹھائیس سال کے تھے اور نبیلہ بائیس سال کی تھی لیکن کمزوری کی وجہ سے بیس سال کی لڑکی لگتی تھی۔ بابا نے ان کا یہ اعتراض بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ برخوردار یہ میرا مسلہ ہے۔ بس تم مان جاؤ۔ اس دن نبیلہ جب یونی سے واپس آئی تو بابا نے باتیں کرتے ہوئے جب اچانک سے شادی کی بات کی تو وہ بھونچکا کر رہ گئی۔ لیکن بابا کے فیصلے پر انکار نہ کر سکی۔ صفدر علی بہت بے چین ہو رہے تھے کہ پتہ نہیں اب اقرار ہوتا ہے یا انکار۔ دل ہی دل میں بابا کو کوس رہے تھے (کیا ضرورت تھی اس بات کی نبیلہ پتہ نہیں کیا سمجھے۔ کہ ہم احسانوں کا بدلہ چاہتے ہیں۔) صفدر علی نے پریشانی سے سوچا تھا۔ وہ تو اپنی طرف سے پکا انکار سمجھ کر بیٹھ گئے۔ لیکن بابا نے انہیں رشتہ پکا ہونے کی خوشخبری دے کر انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اور اس طرح نبیلہ اور صفدر کی شادی ہو گئی۔ یہ جان کر انہیں بہت خوشی ہوئی کہ نبیلہ اس رشتے سے واقع خوش تھی۔ وہ تو اسے ایک اور احسان سمجھ رہی تھی نہ کہ احسانوں کا بدلہ۔ کچھ عرصے بعد ان کی پرموشن ہو

گئی اور وہ ڈی آئی جی کراچی کی پوسٹ پر پہنچ گئے۔ نبیلہ نے اپنا بوتیک شروع کر دیا۔ چار سال بعد اللہ کی طرف سے عانیہ کی شکل میں خوبصورت سا تحفہ ملا۔ اس کے بعد ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اس لیے عانیہ کو بہت لاڈوں سے پالا گیا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ زندگی کہ اس موڑ پر جبکہ عانیہ کو ان کی سخت ضرورت تھی وہ یوں اچانک چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ عانیہ کا ایک ایک پل ان کے بغیر سخت اذیت میں گزر رہا تھا۔ ڈیڈ نے تو اس سے بہت سے وعدے کیے تھے جو پورے کرنے تھے۔ لیکن اب صبر کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔۔ عانیہ بہت بہادر لڑکی تھی۔ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا جانتی تھی۔ لیکن اس دھچکے نے اس بری طرح سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یقیناً وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے اور عانیہ کو بھی وقت چاہیے تھا اس بھیانک حقیقت کو تسلیم کرنے کیلیے۔

---------------------------------

"کتنا درد ہوا ہوگا نا آپ کو...... جب آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہوگا۔..... کیا میں آپ کو یاد آئی تھی؟...... شاید نہیں..... اسی لیے تو چھوڑ کر چلے گئے....... پتہ تھا نا آپ کو کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی..... پھر بھی مجھے امتحان میں ڈال دیا..... کیوں گئے آپ دونوں....... میری حالت دیکھیں آپ کے جانے کے بعد کیسی ہو گئی ہے۔..... پل پل مر رہی ہوں میں..... دل جل رہا ہے....... ہر امید ختم ہو چکی ہے..... ہر وقت آپ کی یاد آتی رہتی ہے..... مجھے بہت تڑپاتی ہے۔....... بتائیں میں کیا کروں...... بتائیں نا....... کیسے جیوں....... پلیز واپس آجائیں...... پلیز..... ایک بار...... آئی مس یو..... مام..... ڈیڈ" وہ مام ڈیڈ کی قبروں کے پاس بیٹھی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ صبح سے یہاں بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی۔ ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ اس دردناک سانحے کو دو ہفتے گزر چکے تھے اور آج دوسری بار وہ قبرستان آئی تھی۔ عمیر بھائی اور آنٹی عمرینہ قبرستان کے باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھے تھے۔ وہ اسے اکیلے میں ماں باپ سے باتیں کرنے کا وقت دینا چاہتے تھے اس لیے باہر رکے ہوئے تھے۔

"عانیہ بیٹا.....اٹھو.....شام ہو گئی ہے۔گھر چلیں۔" عمرینہ آنٹی اس کے قریب آکر بولیں اور اسے کندھوں سے تھام کر اٹھانے لگیں۔وہ خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ چل دی۔جاتے ہوئے ایک دفعہ مڑ کر پیچھے دیکھا شاید کوئی اسے بلا لے۔لیکن یہ اس کی حسرت ہی رہ گئی۔دو ہفتوں سے اس نے مام ڈیڈ کو نہیں دیکھا تھا نہ ان کی آواز سنی تھی۔وہ انہیں پکار پکار کر تھک چکی تھی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔اب وہ بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ہر وقت خاموش رہنے لگی تھی۔رات بھر جاگ کر مام ڈیڈ کی یادوں سے لڑتی رہتی۔ان کے لیے دعائیں مانگتی رہتی۔حدیقہ بھی ہر وقت اس کے ساتھ رہتی۔اسے خوش کرنے کے سو سو جتن کرتی لیکن عانیہ کے چہرے پر سے تو جیسے مسکراہٹ ختم ہی ہو کر رہ گئی تھی۔عمرینہ،حیدر اور عمیر اپنے گھر ہوتے تھے۔عانیہ نے خود ان کو منع کیا تھا کہ اس کے لیے وہ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔البتہ حدیقہ ضد کر کے اس کے ساتھ رک گئی تھی۔

عانیہ کی مام کا بوتیک فی الحال بند تھا۔آج بھی حدیقہ نے ملازموں کے ہونے کے باوجود خود لنچ تیار کیا تھا۔وہ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی جب عانیہ وہاں آئی۔گلابی رنگ کی لانگ فراک پہن رکھی تھی۔بالوں کا رف سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔کچھ بال باہر نکلے ہوئے تھے۔آنکھیں سرخ لال تھیں اور رخسار تپ رہے تھے بکھری ہوئی حالت میں بھی وہ کسی شہزادی سے کم دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ساری رات جاگ کر گزارنے کی وجہ سے فجر کے بعد اس کی آنکھ لگی تھی۔

"اوہ عانیہ تم آ گئی۔میں ابھی کھانا لگا رہی تھی۔تمہاری پسند کی ڈش بنائی ہے....شامی کباب۔" حدیقہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔اور اسے لا کر کرسی پر بیٹھا دیا۔

"آج مام ڈیڈ مجھ سے ملنے آئے تھے۔" وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی جیسے خواب کو یاد کر رہی ہو۔اس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا اور حدیقہ کو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اطمینان بھری خوشی محسوس ہوئی۔

"واقعی.......کیا کہہ رہے تھے؟"

"انہوں نے مجھے گلے سے لگایا تھا اور کہا تھا کہ وہ وہاں بہت خوش ہیں۔ مجھے بھی خوش رہنے کا کہہ رہے تھے اور رونے سے منع کر رہے تھے" وہ حدیقہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اب تو انکل آنٹی نے تمہیں خود رونے سے منع کر دیا ہے۔ اب تو نہیں روؤ گی نا؟" حدیقہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جب مجھے ان کی یاد آتی ہے تو میں خود کو رونے سے نہیں روک سکتی..... لیکن کوشش کروں گی۔"

"گڈ گرل چلو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتی ہوں" وہ اس کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پر جوش لہجے میں بولی

"میں خود کھالوں گی"

"جی نہیں اب تم فارمل ہو رہی ہو جو کہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں" حدیقہ نے کھانے کا نوالہ اس کے قریب کیا تو وہ بولی

"تم بہت اچھی ہو حدیقہ" عانیہ نے منہ کھول کر نوالہ لے لیا

"کیا؟..... ذرا دوبارہ کہنا..... مجھے یقین نہیں آ رہا..... عانیہ تم میری تعریف کر رہی ہو" وہ خوشگوار حیرت سے بولی پھر خود کلامی میں کہنے لگی "نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا.... عانیہ تو بہت کنجوس ہے تعریف کرنے کے معاملے میں...... شاید میں خواب دیکھ رہی ہوں" عانیہ اس کی باتوں پر ہلکا سا مسکرا دی۔

"اس تعریف کو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جانا چاہیے" حدیقہ خوشی سے بولی اس کے دل کو سکون ملا کہ آج عانیہ کتنے دنوں بعد مسکرا رہی تھی جس کا کریڈٹ اسے ہی جاتا تھا۔ عانیہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف بڑھ رہی تھی حدیقہ کو کچھ یاد آیا تو بولی

"اوہ ہاں عانی یاد آیا آج مسز خان کا فون آیا تھا وہ بوتیک کھولنے کیلیے کہہ رہی تھیں کب سے بند ہونے کی وجہ سے بہت لاس ہو چکا ہے"

"میں ابھی ذہنی طور پر بہت ڈپریسڈ ہوں آئی ی کانٹ ڈو اٹ" وہ بے زاری سے بولی۔

"تم فکر مت کرو میں دیکھ لوں گی" حدیقہ نے مسکرا کر کہا اور نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"آج کہیں باہر چلیں" حدیقہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔عانیہ سپاٹ چہرہ لیے اسے دیکھنے لگی

"تمہارے ڈپریشن کو کم کرنے میں مدد ہو گی۔"اس نے دلیل دی۔ لیکن عانیہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"پلیز......تمہاری صحت کیلیے اچھا ہو گا بس یہ نزدیک میں ایک پارک ہے وہاں چلتے ہیں"

"اچھا" عانیہ نے کہا

"اوہ عانی یو آر گریٹ" وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی۔عانیہ کی خوشیوں کی وجہ ختم ہو گئی تھی لیکن وہ کسی کی خوشیوں کی وجہ تو بن ہی سکتی تھی۔

---------------------------------

شام کا وقت تھا۔افق پر سورج غروب ہو رہا تھا۔اس کی کرنوں سے بادل سرخ دکھائی دے رہے تھے۔سمندر کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں موسم کو اور بھی پر لطف بنا رہیں تھیں۔ایسے میں عانیہ اور حدیقہ فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چل رہیں تھیں۔ان کا رخ قریبی پارک کی طرف تھا۔عانیہ دوپہر والے لباس میں تھی۔ لیکن اب بال کھول چکی تھی۔جو ہوا کی وجہ سے پیچھے کی جانب اڑ رہے تھے۔وہ ہاتھوں کو سینے پر باندھے، گم صم سے انداز میں چل رہی تھی۔جبکہ حدیقہ مسکراتے ہوئے آنے جانے والے لوگوں پر مزاحیہ کمنٹس پاس کر رہی تھی تاکہ عانیہ کا موڈ اچھا ہو لیکن عانیہ کا اس پر کوئی دھیان نہیں تھا۔

"عانی یہاں سے آئس کریم لے لیتے ہیں نا" حدیقہ ایک آئس کریم پارلر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ لیکن عانیہ خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"عانی تم مجھے سن رہی ہو میں نے کہا ہے کہ آئس کریم کھاتے ہیں" وہ اس کا کندھا ہلاتے ہوئے بولی تو عانیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا

"ہوں... ہاں... بولو میں سن رہی ہوں۔ کیا کہہ رہی تھی تم۔"

"خاک سن رہی ہو اگر سنا ہوتا تو یہ نہ کہہ رہی ہوتی کہ کیا کہہ رہی ہو۔ کب سے میں اتنی باتیں کر رہی ہوں اور تمہارا دماغ گھاس چرنے گیا ہوا ہے۔" وہ خفا ہوتے ہوئے بولی

"ارے یار سن تو رہی ہوں۔" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"اچھا میں پھر کیا کہہ رہی تھی؟"

"مجھے نہیں پتہ میرا دماغ مت کھاؤ"

"تو پھر آئس کریم کھا لوں"

"کھا لو۔" جواب روکھا سا آیا۔

میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی۔

"یہ لو تمہاری چاکلیٹ فلیور کی آئسکریم لائی ہوں" حدیقہ نے آئس کریم کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ عانیہ کے دل میں اس آئسکریم کو دیکھ کر درد سا اٹھا تھا۔ کتنی یادیں وابستہ تھی اس کی اور مام ڈیڈ کی اس آئس کریم کے ساتھ۔

"مجھے نہیں کھانی" وہ آنکھوں میں آئے آنسو چھپانے کے لیے رخ موڑ گئی۔

"پلیز میری خاطر.... اگر تم نے نہ کھایا تو میں بھی نہیں کھاؤں گی" وہ اسے ایموشنل بلیک میلنگ کرنے لگی۔ عانیہ نے اسے ایک نظر تاسف سے دیکھا اور آئس کریم پکڑ لی۔

"ویسے میں ایک بات سوچ رہی تھی۔ کیوں نا تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔" حدیقہ نے ڈرتے ہوئے کہا تو وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں تمہیں اپنے ماما بابا یاد آ رہے ہیں۔ تم ان کے پاس جانا چاہتی ہو لیکن میری وجہ سے نہیں جا رہی...."

"ایسا نہیں ہے عانیہ...... تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں ساری دنیا کو چھوڑ سکتی ہوں لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تم مجھے بہن کی طرح عزیز ہو اور میں تمہارا بھلا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں تم اس وقت خود کو اکیلا محسوس کر رہی ہو۔ تمہاری زندگی میں ایک خلا سا آ گیا ہے۔ اور اسے پر کرنے کے لیے تمہیں چینج کی ضرورت ہے۔"

"آئی ایم سوری..... اگر تمہیں میری بات بری لگی ہے تو۔ وہ تم ہی ہو جس نے مجھے سہارا دیا ورنہ میں اتنی مایوس ہو چکی تھی کہ خودکشی کر لیتی۔ لیکن میں جانتی ہوں ماں باپ سے دوری برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تم میری وجہ سے اپنے والدین سے دور ہو۔ لیکن تم کب تک میرے ساتھ رہو گی۔ تمہارا اپنا بھی گھر ہے جہاں تمہاری فیملی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تمہیں میری فکر کرنے کی بجائے اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔"

"اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"مام ڈیڈ کی نشانی ہے یہ گھر۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے ایسا لگتا ہے وہ کہیں آس پاس ہی ہیں میرے۔ میں جو بھی بول رہی ہوں وہ سن رہے ہیں۔"

"تمہاری مرضی اگر تم نہیں جانا چاہتی تو۔ پھر میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ بے شک تم مجھے بن بلایا مہمان کہو۔" حدیقہ نے مسکرا کر کہا۔ عانیہ خاموشی سے بنا کچھ کہے چلتی رہی۔ وہ پارک کے سامنے پہنچ چکی تھیں اور ان کی

آئسکریم بھی ختم ہو چکی تھی۔ پارک میں معمول کا رش تھا۔ کچھ بچے ایک جگہ بیڈمینٹن کھیل رہے تھے کچھ آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ کچھ لڑکیاں اور لڑکے چلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے وہ ایک بہت بڑا پارک تھا جس میں ایک طرف درختوں کی لائن تھی اور اس سے آگے جھولے لگے ہوئے تھے۔ وہاں پر بچوں کا رش تھا۔ عانیہ اور حدیقہ ایک بینچ پر بیٹھ گئیں۔ ان کے پاس ہی ایک لڑکیوں کا گروپ بیٹھا گپ شپ میں مصروف تھا۔

"تم یہاں کبھی پہلے آئی ہو" حدیقہ اس پارک میں پہلی دفعہ آئی تھی اس لیے اس سے پوچھنے لگی۔

"ہمم...... شام کو میں مام کے ساتھ آتی تھی اور صبح ڈیڈ کے ساتھ" عانیہ سامنے کھیلتے بچوں کی طرف دیکھتے ہوئی بولی۔ اس کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں تھی۔

"تم اس پارک میں ہر روز دو دفعہ آتی تھی...... وہ کیوں؟" حدیقہ حیرانی سے بولی۔

"ڈیڈ کے ساتھ جوگنگ کرتی تھی اور مام کے ساتھ جھولے لیتی تھی۔" اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کی کئی یادیں ابھری تھیں۔ اور وہ جیسے ان میں کھو سی گئی تھی۔ حدیقہ اسے ان یادوں سے باہر لانے کی جتنی کوشش کرتی وہ اتنی ہی ان میں ڈوبی رہتی۔

"یہ پاس جو لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں نا ایک لڑکی اپنے افیرز کے بارے میں ہنس ہنس کر سب کو بتا رہی ہے ذرا سنو تو۔" حدیقہ نے بات بدلنے کیلیے اس کی توجہ ساتھ بیٹھی لڑکیوں پر کرانی چاہی لیکن عانیہ نے اسے گھورا۔

"کیا ہے عانی وہ خود اتنی اونچی آواز میں سب کو بتا رہی ہے۔ خود بخود آواز آ رہی ہے۔"

"اچھا آؤ وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔ وہاں آواز نہیں آئے گی" عانیہ نے دوسرے بینچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"کیا ہو گیا تمھیں عانی اتنی مزے کی لو سٹوری سنا رہی ہے۔"

"چھپ چھپ کر سننا تو ان کی جاسوسی ہے ایسا کرو پہلے ان سے اجازت لے لو پھر دھیان سے سننا"

"تم تو ایسے کہ رہی ہو جیسے وہ اجازت دینے کو تیار بیٹھی ہے" حدیقہ جل کر بولی اور منہ پھلائے سینے پر ہاتھ باندھ کر پیچھے ٹیک لگا گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسے جھولے لینے کا خیال آگیا۔ پہلے کبھی اس نے جھولے نہیں لیے تھے لیکن اب عانیہ کا دھیان بٹانے کے لیے وہ یہ بھی کر سکتی تھی۔

"چلو نا جھولا لینے چلتے ہیں"

"نہیں تم جاؤ"

"یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں یہاں تمہارا موڈ فریش کرنے کیلیے لائی تھی اور تم ابھی تک اداس ہو میں ایسا کیا کروں جس سے مجھے پہلے والی ہنستی مسکراتی ہوئی عانی مل جائے۔" حدیقہ نے جھنجھلا کر کہا تو وہ مان گئی۔

"اچھا سوری اب ایسا نہیں کروں گی۔" عانیہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔ وہ حدیقہ کو کبھی خفا نہیں کر سکتی تھی۔

"ایک شرط پر معافی ملے گی" حدیقہ آنکھیں گھماتے ہوئے بولی۔

"کیسی شرط" وہ اچنبھے سے بولی۔

"جھولے لینے ہیں" وہ بچوں کے سے انداز میں بولی۔

"اچھا چلو" وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی حدیقہ بھی اس کے ساتھ چل دی۔ گول گول گھومنے والے جھولے پر حدیقہ بیٹھ گئی اور عانیہ اس کے پاس ہی کھڑی ہو گئی۔ حدیقہ نے اسے بلانا چاہا لیکن اس نے منع کر دیا۔ جب جھولا شروع ہوا تو حدیقہ کا سر چکرانے لگا۔ بڑی مشکل سے خود کو گرنے سے بچائے رکھا۔ جھولے کے بند ہونے پر اس نے شکر ادا کیا اور چکراتے سر کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ عانیہ نے اسے لڑکھڑاتا دیکھ کر آگے بڑھ کر سنبھالا۔

"تم ٹھیک ہو....؟"

"ہاں ٹھیک ہوں لیکن مجھے ہر چیز گھومتی نظر کیوں آرہی ہے؟" وہ آنکھیں جھپکتے ہوئے بولی۔

"ضرورت کیا تھی جھولے لینے کی" عانیہ نے اسے ڈپٹا۔

"اتنے مزے کے جھولے تھے یار۔ مجھے بالکل بھی ڈر نہیں لگا"

"ہاں میں تو جیسے تمہیں جانتی ہی نہیں" عانیہ نے جل کر کہا۔ اب اس کا دماغ سیٹ ہو چکا تھا اور ساری چیزیں بھی گھومنا بند ہو گئی تھیں۔

پھر وہ آ کر اسی بینچ پر بیٹھ گئیں جس پر تھوڑی دیر پہلے آ بیٹھی تھیں۔

"عانی وہ دیکھو......وہ لڑکی جو اس درخت کے پاس کھڑی ہے۔" حدیقہ نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کہاں ہے ؟" عانیہ اس کے اشارے والی جگہ پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے وہ جو ریڈ کپڑوں میں ہے" حدیقہ نے درخت کے پاس کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو دوسری طرف منہ کر کے کھڑی تھی۔

"ہاں اب اسے کیا ہے ؟"

"وہ کسی سے باتیں کر رہی ہے" وہ رازداری سے بولی۔

"لیکن وہاں دوسرا تو کوئی نہیں ہے پھر کس سے باتیں کرے گی" عانیہ تعجب سے بولی۔

"جس سے باتیں کر رہی ہے وہ درخت کے پیچھے ہے۔ پتہ نہیں کیا راز و نیاز چل رہے ہیں۔" حدیقہ کی جاسوسی رگ پھڑکی۔

"تمہارا مطلب وہ کسی لڑکے سے باتیں کر رہی ہے ؟"

"جی ہاں وہ بھی کافی رومینٹک گفتگو۔" حدیقہ نے اندازہ لگایا۔

"حد ہو گئی ہے یار وہ اس کا بھائی بھی ہو سکتا ہے یا اسے کسی سے کوئی ضروری کام ہو سکتا ہے" عانیہ نے جھنجھلا کر کہا

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا نا لیکن شرط لگا لو معاملہ ایسا ہی ہے۔ تم ٹھہرو یہیں میں ذرا سن کر آئی۔" حدیقہ اٹھ کر درخت کی جانب چل پڑی۔

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا" عانیہ تاسف سے منہ میں ہی بڑبڑائی

حدیقہ درخت کے پاس ایسی جگہ پر کھڑی ہو گئی جہاں وہ ان دونوں کو نظر نہ آسکے اور ان کی باتیں سننے لگی۔ لڑکی لڑکے سے وعدے لینے میں مصروف تھی جبکہ لڑکا اپنی مجبوریاں بتانے میں مصروف تھا۔ حدیقہ تو جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔ اسے لگا تھا یہاں کوئی الگ سٹوری ہو گی لیکن آ جا کر پھر وہی۔ پسند نہ آنے کے باوجود وہ پوری توجہ سے سننے لگی۔ آخر تھی تو لو سٹوری ہی نا۔ تھوڑی دیر بعد اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا تو مڑے بغیر بولی

"شش ابھی مت بولنا عانی۔ ابھی تو میں نے کچھ خاص سنا ہی نہیں۔"

"آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟" یہ تو کسی لڑکے کی گھمبیر آواز تھی حدیقہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ ایک دم پیچھے مڑی اور دیکھا تو ایک بیس سال کا نوجوان لڑکا فوجی کٹ ہیر سٹائل کے ساتھ کچھ بال کشادہ پیشانی پر بکھرائے گہری سیاہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سفید رنگ کے کلین شیو چہرے کے تیکھے اور دلکش سے نقوش حدیقہ کو کچھ دیر کیلیے مبہوت کر گئے تھے۔ سفید کالر شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے وہ اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور اسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

"وہ...وہ میں وہ... آپ کیا کر رہے ہیں یہاں پر؟" اس نے ڈرتے ہوئے الٹا سوال کر دیا۔

"آپ کی جاسوسی۔ اب بتائیں کہ آپ یہاں کیا کر رہی تھیں" لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا اس کی آنکھیں حدیقہ کے خوبصورت چہرے کو خود میں جذب کر رہی تھیں۔

حدیقہ کو کوئی جواب نہ آیا تو عانیہ کی طرف دیکھا جو پریشانی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میں جو بھی کروں آپ کو اس سے مطلب۔" اس نے جی کڑا کر کے کہا اور وہاں سے بھاگتے ہوئے عانیہ کے پاس آئی۔

"چلو عانی اب گھر چلیں" حدیقہ عجلت میں کہتی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگی تو عانیہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟ وہ لڑکا کیا کہہ رہا تھا تمہیں؟"

"اس کو پتہ چل گیا ہے کہ میں وہاں پر کیا سننے گئی تھی وہ کہیں یہاں ہی نہ آجائے... لو وہ یہاں بھی آگیا اٹھو جلدی کرو یار" حدیقہ ڈرتے ہوئے بولی

"تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔" وہ جھلا کر بولی

وہ اب ان کے قریب پہنچ چکا تھا عانیہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور حدیقہ اس کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔

"بہت بری بات ہے نا کسی کی پرائیویسی میں دخل اندازی کرنا مس حدیقہ" وہ حدیقہ پر نظریں جمائے بولا۔ حدیقہ تو اس کے منہ سے اپنا نام سن کر چکرا کر رہ گئی۔ عانیہ نے حیرت سے حدیقہ کو دیکھا۔

"آپ اسے جانتے ہیں؟" عانیہ کا انداز تفتیشی تھا۔

"جانتا ہوں..... شاید برسوں سے" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔ حدیقہ کو اس کی بات پر سخت غصہ آیا۔ اس کا دل کیا سر پھاڑ دے اس کا۔

"تم جانتی ہو اسے؟"، عانیہ نے مڑ کر حدیقہ سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دیکھیں مسٹر آپ میری دوست کو ڈرا رہے ہیں۔" عانیہ نے غصے سے اس لڑکے کو کہا۔

"میں کہاں ڈرا رہا ہوں۔ وہاں پر ایک کپل کھڑا باتیں کر رہا تھا اور یہ چھپ کر ان کی باتیں سن رہیں تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کیا کر رہی ہیں تو یہ بولیں کہ آپ سے مطلب۔ ویسے اگر محترمہ کو اتنا ہی شوق ہے رومینٹک گفتگو سننے کا تو میں آپ کو لائیو سنا دوں" لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا اور حدیقہ کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"شٹ اپ اپنی حد میں رہیں آپ۔زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کریں۔"وہ غصے سے چلائی۔

"ارے آپ تو غصہ بھی کرتیں ہیں۔"

"عانی چلو یہاں سے ورنہ میری برداشت جواب دے جائے گی اور میں اس انسان کا منہ نوچ ڈالوں گی"وہ عانیہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چل پڑی۔اصل میں تو اسے یہاں سے فرار چاہیے تھا۔اس لڑکے کی نظریں مسلسل اس پر لگیں تھی جو اسے کنفیوژ کر رہی تھیں۔نہ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں اور اوپر سے اس کی باتیں۔وہ تو گھبرا کر رہ گئی تھی۔

"توبہ کتنا بدتمیز انسان ہے۔اسے پتہ کیسے چل گیا کہ میں چھپ کر کسی کی باتیں سن رہی ہوں۔اور اگر پتہ چل گیا ہے تو لوگوں کے سامنے اتنی اونچی آواز میں بتانے کی کیا ضرورت تھی اسے۔"حدیقہ اپنا غصہ نکال رہی تھی۔

"تو تمہیں ضرورت ہی کیا تھی وہاں جا کر چھپ کے سننے کی۔اس کی نظر پڑ گئی ہو گی"عانیہ بولی۔

"اب تم بھی مجھے ہی ڈانٹو۔میرا دل پہلے ہی کانپ رہا ہے۔اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا تو کیا عزت رہ جاتی میری۔....بدتمیز کہیں کا شکل سے ہی فلرٹی لگ رہا تھا۔دیکھا تھا کیسے فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا"

وہ غصہ باتیں کرتے ہوئے جا رہی تھیں۔اندھیرا بڑھ رہا تھا اور وہ گھر کے قریب ہی تھیں چوکیدار کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔اور ارد گرد لوگ بھی کم ہی تھے۔دو لڑکے ان کو گھورتے ہوئے جا رہے تھے جب ایک کی آواز آئی

"پیاری لڑکیو رات کو باہر کیوں گھوم رہی ہو"؟

عانیہ رک کر مڑی تھی

"ہم سے کچھ کہا برادرز"وہ لڑکے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے کیونکہ ان کے خیال میں عانیہ کو ڈر کے مارے کانپنا شروع ہو جانا چاہیے تھا۔لیکن یہاں معاملہ ہی الٹ تھا عانیہ اعتماد سے ان کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جبکہ حدیقہ ڈر رہی تھی۔

"چلو عانی۔ گھر قریب ہی ہے بھاگ چلتے ہیں ان سے الجھنا ٹھیک نہیں۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر بولی۔ عانیہ نے حدیقہ کی طرف دیکھ کر اسے تسلی آمیز نظروں سے دیکھا۔

"ارے لگتا ہے لڑکیاں تو ڈر گئیں ہیں" دوسرے لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم سے ہم کیوں ڈرنے لگے تم کوئی کاکروچ تھوڑی نا ہو" عانیہ مسکرا کر بولی۔

"واہ بھئی واہ مان گئے لڑکی میں دم ہے پر ہمارے آگے بھی آج تک کوئی کھڑا نہیں ہو سکا تو تم کیا چیز ہو لڑکی۔" وہ کہتے ہوا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ حدیقہ نے عانیہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"ارے کیا ہے یار دیکھو تو مسٹر اپنی بہادری کے کچھ قصے سنانا چاہ رہے ہیں۔ تھوڑے سن لینے دو" عانیہ حدیقہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ لڑکے کو غصہ تو بہت آیا لیکن بظاہر خود کو پر سکون رکھا۔

"ہاں قصے بھی سنائیں گے پر ابھی کچھ عملی مظاہرہ بھی تو کر دوں" لڑکے نے کہا اور آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑنا چاہی لیکن عانیہ نے اپنا بازو ایک جھٹکے سے پیچھے کیا اور بائیں ہاتھ سے اس کی کلائی تھام لی۔ پھر دائیاں ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جماتے ہوئے اس کا بازو مروڑ کر رکھ دیا۔ وہ لڑکا پیچھے کی جانب مڑا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ لیکن عانیہ نے اب بھی اس کا بازو نہیں چھوڑا تھا۔ حدیقہ اور دوسرا لڑکا اب عانیہ کو ہکا بکا منہ کھولے دیکھ رہی تھے اور گھٹنوں کے بل بیٹھا لڑکا چیخ رہا تھا۔ عانیہ اسے کوئی اور موقع دیے بغیر اس کے پاؤں پر چڑ گئی۔ اب تو اس لڑکے کی چیخیں اور بھی بلند ہو گئیں تھیں کیوں کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہونے کے باعث اس کا پاؤں الٹا تھا جب عانیہ اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ کر کھڑی ہوئی تو اس کا پاؤں مڑ گیا۔ اس کی چیخوں سے لگتا تھا کہ ایک آدھ ہڈی تو ٹوٹ گئی ہو گی۔

"مارو گی کیا اسے۔ نیچے اترو" دوسرا لڑکا غصے سے بھرا اس کی طرف بڑھا۔ عانیہ پیچھے ہٹ گئی اور اس لڑکے کا بازو بھی چھوڑ دیا وہ اب بری طرح سے رو رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے اس سہارا دے کر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا تھا

"مرد بنو برو اس طرح تو ہوتا ہے نا اس طرح کے کاموں میں جب ہیرو بنے ہو تو مار تو کھانی ہی پڑے گی نا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی جس پر اس لڑکے کا دل کیا کہ اس کچا چبا جائے۔

"گدھے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو اس کو مارو۔ دیکھ نہیں رہے اس نے میری کیا حالت کی ہے" وہ اپنے ساتھی سے بولا۔

"اسے کیا کہہ رہے ہو یہ بیچارہ تو تمہاری محبت میں یہاں کھڑا ہے کیوں اس کی ہڈیاں بھی تڑوانی ہیں؟"

"تمہیں پتہ نہیں کہ میں کون ہوں۔ دیکھنا تم سے بدلہ تو لے کر رہوں گا"

"میں نے تو سوچا تھا کہ اب تم راہ راست پر آ جاؤ گے آئندہ اگر کبھی کسی لڑکی کو چھیڑنے کے بارے میں خیال آیا تو میری یاد تو ضرور آئے گی۔ پر تم تو بڑے ڈھیٹ نکلے۔" عانیہ تاسف سے بولی۔ اس کی بات سے لڑکے کو سخت غصہ آیا لیکن اب تو وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دوست اسے سہارا دے کر وہاں سے چل دیا اور پیچھے عانیہ کھڑی مسکرا رہی تھی حدیقہ تھوڑی سی آگے آئی اور اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے بولی:

"واؤ... یہ فائیٹنگ تم نے کہاں سے سیکھی؟"

"ڈیڈ سے" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ اسے یاد آیا ایک دفعہ وہ جب ڈیڈ کے سات ٹریننگ کر رہی تھی تو اس نے پوچھا تھا کہ

"ڈیڈ مجھے کیا ضرورت ہے یہ لڑائی سیکھنے کی۔ آپ پولیس مین ہیں۔ جس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی میں آپ کو بتادوں گی"

"بیٹا ساری زندگی حالات ایک جیسے تو نہیں رہیں گے نا کہ جس سے تمہیں شکائیت ہو تم اس کا مجھے بتاؤ اور اس میں ہی سیدھا کروں۔ کبھی میں نہ ہوں اور تمہیں کوئی کچھ کہے تو بس یہ لڑائی کے داؤ پیچ اس پر آزما دینا۔" ڈیڈ نے اسے مسکراتے ہوئے سمجھایا تھا۔

"پر ڈیڈ آپ مجھ سے دور کیوں جائیں گیں میرے ساتھ رہیے گا نا۔"

"ہر انسان کو ایک نا ایک دن تو جانا ہوتا ہے نا۔ اور میں چاہتا ہوں میں تمہیں اس قابل کر جاؤں کہ تم میرے بغیر بھی اپنی حفاظت کر سکو"

"اب آپ اس طرح کی باتیں کر کے مجھے اداس کر رہے ہیں" وہ خفا ہوتے ہوئے بولی

"اچھا اب نہیں کروں گا لیکن آج کی ٹریننگ تھوڑی ٹف ہو گی۔"

"آپ ہر روز ٹف ٹریننگ ہی کراتے ہیں ڈیڈ۔ اکیڈمی والے اتنی سخت ٹریننگ نہیں کرواتے جتنی آپ کرواتے ہیں"

"لیکن تم ان سے زیادہ مجھ سے ہی تو سیکھتی ہو۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔ بتائیں کیا کرنا ہے۔" وہ بولی تو ڈیڈ اسے فائٹنگ سکلز سکھانے لگے اور وہ ڈیڈ کے ساتھ پریکٹس کرنے لگی۔ اچھل کر گھومتے ہوئے بازوؤں اور ٹانگوں سے وار کرتے وہ کسی ہیرو کی طرح لگتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے بالوں کی پونی گھومتی تو وہ ماحول پر چھا سی جاتی تھی۔ ڈیڈ کو اس کے فائٹنگ ایکشنز بہت پسند تھے۔ وہ جب بھی ٹاسک پورا کرتی تو وہ خوش ہو کر اس کی تعریف کرتے تھے۔ ان گنت یادیں تھیں جو اسے ہر لمحہ آتی رہتی تھیں۔

"تم رو رہی ہو عانیہ" حدیقہ کی آواز اسے یادوں سے باہر لے آئی تھی۔

عانیہ نے کسی بچے کی طرح آنکھیں رگڑ کے صاف کیں۔

"ہاں کچھ یاد آ گیا تھا مجھے۔ چلو گھر چلیں۔" وہ کہتے ہوئے مڑی اور گھر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ حدیقہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

-----------------------------------

"اگر آپ لوگوں کو مجھے چھوڑ کر جانا ہی تھا تو آئے کیوں تھے میری زندگی میں.......اب اگر چلے گئے تو بار بار یاد کیوں آتے ہیں......کیوں مجھے بے چین کر دیا......میں رو رو کر تھک چکی ہوں پر میرے آنسو رک ہی نہیں رہے.......ڈیڈ آج آپ کی بہت یاد آئی۔ آپ نے جو فائیٹنگ سکھائی تھی۔ آج میں نے اسے ایک لڑکے پر آزمایا۔ وہ بیچارہ تو رونے لگا۔ پر میں نے اسے خود دعوت تو نہیں دی تھی نا کہ آکر مجھ سے مار کھالو۔ اس کا علاج ہی یہی تھا۔ وہ دونوں لڑکے مل کر آوارہ گردی کرتے ہیں اور ان کوئی روکتا ہی نہیں۔ آپ اسی وجہ سے مجھے فائٹنگ سکھائی تھی نہ کہ میں آپ کے بغیر رہ سکوں اور زمانے کا مقابلہ کر سکوں۔ میں آپ کی خواہش پوری کروں گی میں زندگی جینے کے لیے زمانے کا مقابلہ کروں گی۔ اس سے یقیناً آپ کو خوشی ہو گی۔......میری یہی دعا ہے آپ جہاں ہو خوش رہیں اور ہمیشہ ساتھ رہیں....میں بھی ایک دن آپ سے ضرور ملوں گی" وہ سوچوں میں مام ڈیڈ سے مخاطب تھی کہ جیسے وہ اس کی باتیں سن رہے ہیں۔

"عانیہ کھانا کھالو آکر" حدیقہ نے باہر سے کھٹکاتے ہوئے کہا۔

"اچھا آرہی ہوں۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی اور اٹھ کر واشروم میں چلی گئی۔ واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ٹاول سے چہرہ صاف کرتے ہوئے شیشے میں چہرہ دیکھا۔ وہ خود کو اجنبی سی لگ رہی تھی۔ سر جھٹک کر وہ باہر آئی تو حدیقہ اس کے انتظار میں کھانا رکھے بیٹھی تھی۔ اسے آتے ہوئے دیکھ کر مسکرائی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رو کر آرہی ہے لیکن وہ اسے کچھ نہ کہہ سکی اور چپ چاپ کھانا نکالنے لگی۔ عانیہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اور کھانے کی پلیٹ پر جھک گئی۔ کھانے کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ کھانے کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں جا کر ٹی وی دیکھنے لگی جس پر کوئی ڈرامہ لگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حدیقہ وہاں پاپ کارن کا باؤل پکڑے آگئی۔ اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے باؤل اس کی طرف بڑھا دیا۔ عانیہ نے باؤل اپنی گود میں رکھ لیا۔

"مجھے لگتا تھا کہ میں تمہیں سب سے زیادہ جانتی ہوں لیکن اب لگ رہا کہ بہت کچھ باقی ہے تمہارے بارے میں جاننے کے لیے۔" حدیقہ شکائتی لہجے میں بولی۔

"کبھی کبھی انسان جو کچھ سوچتا ہے ویسا نہیں ہوتا۔ خیر.... سوری مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا لیکن مجھے اچھا نہیں لگا۔ تم پلیز ناراض مت ہونا۔"

"ارے نہیں میں تم سے ناراض کیوں ہونے لگی۔ میں تو بس حیران ہوں کہ مجھے پتہ بھی نہیں اور میری دوست اتنی پاورفل ہے کہ ایک لڑکے کو چیخنے پر مجبور کر دیا۔۔ کیسے کر لیا تم نے یہ۔ کون سا منتر پڑھا تھا۔ کہیں سچ مچ تمہارے پاس جادو تو نہیں"

"تم مجھے جادوگرنی کہہ رہی ہو؟" وہ مصنوعی خفگی سے پوچھنے لگی۔

"مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے" اسکی خفگی کی پرواہ کیے بنا بولی تاکہ وہ طیش میں آکر اسے سب کچھ بتائے۔

"ہاں تمہیں بالکل ٹھیک لگ رہا ہے۔ میرے پاس جن قید ہیں۔ ان سے میں لوگوں کی پٹائی کرواتی ہوں۔ اور پتہ ہے وہ سارے یہاں بیٹھے ہیں ہمارے آس پاس"

"مذاق مت کرو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ سچ بتاؤ کیا واقعی جن ہیں تمہارے پاس" وہ عانیہ کے پختہ لہجے کو دیکھ کر سچ مچ ڈر گئی تھی۔ عانیہ اس کی حالت دیکھ کر مسکرا دی۔

"تم جھوٹ بول رہی تھی نا۔ میں جانتی تھی۔ چلو اب سچ سچ بتاؤ یہ چکر کیا ہے۔ تم نے یہ کیسے اور کب سیکھا؟"

"اس وقت میٹرک کے ایگزیمز دے کر فارغ تھی جب ڈیڈ نے میرا ایڈمیشن کراچی تائیکوانڈو اکیڈمی میں کروا دیا تھا۔"

"اس کا مطلب تم بلیک بیلٹ فائٹر ہو" حدیقہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں"

"پھر تم نے وہاں سے کیا سیکھا تھا؟ہاتھوں سے پتھر توڑے تھے ؟"وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں پتھر بھی توڑے تھے اور بھی بہت کچھ سیکھا تھا"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ یہ فائٹنگ انکل نے تمہیں سکھائی تھی۔"

"ہاں انہوں نے بھی مجھے ٹریننگ دی تھی اور یہ جو آج میں نے اس لڑکے کے ساتھ کیا وہ ڈیڈ نے مجھے سکھایا تھا۔"

"واؤ...... تبھی تو میں کہوں تم اتنی بہادر کیسے ہو شاید انکل پولیس مین تھے اس لیے لیکن اب پتہ چلا کہ تم بھی بڑی چیز ہو۔ویسے مجھے تو لگا تھا کہ کوئی ہیرو آئے گا ہماری مدد کرنے پر تم تو خود ہیرو بن گئی"

"ہیرو سے یاد آیا وہ لڑکا کون تھا؟"عانیہ یاد آنے پر بولی۔اور حدیقہ نے غصے سے عانیہ کو دیکھا۔ٹھیک ہے وہ کسی ہیرو کی طرح خوبصورت تھا لیکن اس نے حدیقہ کی جاسوسی کی تھی اور وہ اس کیلیے ہیرو کا خطاب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہیں وہ ہیرو لگ رہا تھا۔.... فلرٹی،بد دماغ اور بد صورت انسان۔میرا تو دل کر رہا تھا اس کا منہ توڑ دوں۔ویسے اگر تم دو چار ایکشن اس لڑکے پر آزماتی تو کتنا مزا آتا۔بد تمیز میری جاسوسی کر رہا تھا۔اور اوپر سے اتنی اونچی آواز میں بول رہا تھا کہ لوگ بھی سن چکے ہوں گے۔ہائے کیا عزت رہ گئی میری۔"اس کو پھر سے اس لڑکے پر غصہ آرہا تھا۔

جاسوسی تو تم بھی کر رہی تھی"عانیہ اسے گھور کر بولی تو حدیقہ کھسیانی سی ہنسی ہنس دی۔

"لیکن مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی اسے میرے نام کا پتہ کیسے لگا"

"آئی ڈونٹ نو۔"

"ہو سکتا ہے اس نے میرا نام کہتے ہوئے تمہیں سن لیا ہو گا۔"اس نے اندازہ لگایا۔

"تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔فکر مت کرو کچھ نہیں ہو گا۔"

"میں کیوں پریشان ہونے لگی۔ ایک بلیک بیلٹ فائٹر میرے ساتھ موجود ہے۔ مجھے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" حدیقہ لاپرواہی سے بولی تو عانیہ مسکرا دی۔ آج کی آؤٹینگ عانیہ کے لیے سود مند ثابت ہوئی تھی۔ وہ آج حدیقہ کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔ اور کھل کے مسکرا رہی تھی۔ حدیقہ کا ساتھ اسے کچھ دیر کے لیے ماضی کی یادوں سے باہر کھینچ لایا تھا۔ اسے نارمل ہوتے دیکھ کر حدیقہ کے اندر اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی۔

---------------------------------------

حدیقہ کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے دیکھا تو ماما کی کال تھی وہ اس وقت کچن میں عانیہ کے لیے بریک فاسٹ تیار کر رہی تھی۔ بانو کو ناشتہ تیار کرنے پر لگا کر وہ کچن سے نکل کر لاؤنج میں آئی ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اسلام علیکم ماما کیسی ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہوں تم سناؤ ٹھیک ہو اور عانیہ وہ تو ٹھیک ہے نا" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"جی ماما پر آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں"

"بیٹا بات ہی کچھ ایسی ہے تم یہ بتاؤ ٹی وی دیکھا تم لوگوں نے"

"جی ماما پر..."

"نیوز چینلز دیکھے؟"

"نہیں وہ تو نہیں دیکھے"

"عانیہ نے بھی نہیں دیکھے"

"نہیں ماما آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں مجھے سمجھ نہیں آ رہا"

"عانیہ کے والدین کا قتل ہوا تھا کل سے سارے نیوز چینلز پر یہ خبر آ رہی ہے"

"واٹ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ان کا تو ایکسیڈینٹ ہوا تھا" وہ حیران و پریشان ہوتے ہوئے کہنے لگی

"وہ حادثہ ان کے قتل کیلیے ایک سازش تھی تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ یہ جان بوجھ کر کروایا گیا ہے"

"ماما عانیہ تو پہلے ہی بہت ڈپریس ہے اگر اسے یہ بات معلوم ہوئی تو پتہ نہیں پھر کیا ہوگا" اسے عانیہ کی فکر ہونے لگی۔

"اسی لیے تو میں بھی بہت پریشان ہوں تم اسے یہ بات مت بتانا اور اس کے سامنے نیوز مت لگا ٹھیک ہے"

"جی میں سمجھ گئی۔ لیکن اگر پولیس نے اس کا بیان لینا چاہا تو"

"وہ تمہارے بابا سنبھال لیں گیں۔ اس کی بیماری کا بہانہ کر دیں گے"

"ٹھیک ہے ماما۔ میں سنبھال لوں گی۔ پتہ نہیں ابھی کون کون سے دکھ ہیں جو عانی کو سہنے پڑیں گیں۔ انکل آنٹی نے کسی کا کیا بگاڑا تھا جو انہیں قتل کر دیا" وہ دکھی لہجے میں بولی

"حیدر بھائی پولیس میں تھے اور ایسے لوگوں کے کئی لوگ دشمن ہوتے ہیں۔ پھر پولیس کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر سب کی جان کی حفاظت کرنا۔ اللہ کو یہی منظور تھا بیٹا"

"ہاں آپ صحیح کہ رہی ہیں۔ بابا کیسے ہیں؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ اچھا اب میں رکھتی ہوں اپنا خیال رکھنا اور عانیہ کا بھی اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا مجھے۔ میں اور تمہارے بابا آجکل میں آئیں گیں"

"اوکے ماما، ٹیک کیئر، بائے" موبائل بند کر کے اس نے ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ یہ خبر سن کر ابھی تک شاکڈ تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ اگر عانیہ کو پتہ چلے تو اس کی کیا حالت ہو گی وہ تو شکر تھا کہ ابھی عانیہ اپنے کمرے میں تھی ورنہ اسے یہ خبر جاننے میں دیر نہیں لگنی تھی۔ رات کو عانیہ نے ٹی وی لگانا چاہا تو حدیقہ نے ریموٹ چھپا دیا اور اسے باتوں میں لگا دیا۔ اگلے دن حدیقہ کے ماما بابا آگئے اور کافی دیر تک عانیہ کو تسلی دیتے رہے اور عانیہ چپ چاپ

سنتی رہی۔ آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو بڑی مشکل سے روکتی رہی۔ پھر جب وہ چلے گئے تو عانیہ کمرے میں آکر رونے لگی۔ بہت دیر تک اپنے مام ڈیڈ کی تصویر سے باتیں کرتی رہی۔

------------------------------------

اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ جب ایک گاڑی سفدر علی ہاؤس کے سامنے رکی۔ گاڑی میں سے ایک ستائس اٹھائس سال کا لڑکا اور تیئس سال کی لڑکی باہر نکلے اور گیٹ کے پاس کھڑے چوکیدار کے پاس پہنچے۔

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟" چوکیدار مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ صفدر علی مرحوم کا گھر ہے؟" لڑکے نے سوال کیا

"ہاں جی پر آپ کون ہیں"

"ہم ان کے رشتے دار ہیں ان کی بیٹی سے ان کی تعزیت کرنے آئے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا

"ایک منٹ میں اندر سے پوچھ لوں" چوکیدار نے کہ کر انٹر کام سے رسیور اٹھایا۔اندر سے حدیقہ نے رسیور اٹھایا تو چوکیدار کی آواز آئی

"بی بی جی باہر ایک مرد اور ایک خاتون آئیں ہیں اور کہتے ہیں کہ عانیہ بی بی کے رشتہ دار ہیں اور تعزیت کیلیے آئیں ہیں"

"عانیہ کے رشتہ دار کہاں سے آ گئے" وہ پریشان ہوتے ہوئے سوچنے لگی کیونکہ جب سے عانیہ کے پیرنٹس کے قتل کے بارے سنا تھا تب سے اسے عانیہ کی جان بھی خطرے میں لگنے لگی تھی۔ اور اب یہ نئے رشتے دار کون تھے۔ اسے واقعی تشویش ہونے لگی۔

"بی بی جی ان کو کیا کہنا ہے؟"

"ہاں تم ان کو بھیج دو بلکہ ایسا کرو تم خود بھی ان کے ساتھ اندر آ جاؤ اور انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ"

"جی ٹھیک ہے" چوکیدار نے کہ کر گیٹ کھول کر انھیں اندر لے آیا ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر ہی کھڑا ہو گیا۔

---------------------------------------------

عانیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی تھی جو گھر کے بیک گارڈن کی طرف تھی۔ وہ اس گارڈن سے جڑی یادوں میں گھری ہوئی تھی۔ جب حدیقہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔

"عانیہ تم سے کوئی ملنے آیا ہے" اس نے کہا تو عانیہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھ سے ملنے ....کون آیا ہے" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ایک لڑکا اور لڑکی آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تمہارے رشتے دار ہیں"

"چلو" عانیہ بولی اور آگے بڑھنے لگی۔ لیکن حدیقہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"عانی تم نے تو کہا تھا نا کہ تمہارے کوئی اور رشتے دار نہیں ہیں"

"ہاں نہیں ہیں لیکن یہ تو وہاں جا کر ہی پتا لگے گا کہ وہ کون ہیں۔ ہو سکتا ہے ڈیڈ کے دوست ہوں"

"ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

وہ دونوں ڈرائینگ روم کی جانب چل دیں جہاں مہمان بیٹھے تھے۔ عانیہ اندر داخل ہو کر ان دو لوگوں کو حیرت سے دیکھا کیونکہ پہلے اس نے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے تب ہی لڑکی بولی

"تم ہی عانیہ ہو نا آنٹی نبیلہ کی بیٹی"

"ہاں میں عانیہ ہوں لیکن آپ لوگ کون ہیں؟"

"میں تمہارا بھائی میرا مطلب ہے تمہارا ماموں زاد بھائی ہوں حماد اور یہ تمہاری خالہ زاد بہن تعبیر" حماد نے کہا تو عانیہ پہلے حیران ہوئی پھر اس کے چہرے کے تاثرات سخت ہوئے۔ وہ اپنی مام کا ماضی جانتی تھی۔

"میرا کوئی ماموں نہیں ہے" عانیہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"تمہارا ماموں ہی نہیں تمہاری ایک خالہ بھی ہے لگتا ہے آنٹی نبیلہ نے کچھ نہیں بتایا آپ کو"

"مجھے سب پتہ ہے کہ وہ ماموں اور خالہ سوتیلے تھے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ میری مام پر قتل کا الزام ان کے سوتیلے بہن بھائی نے ہی لگایا تھا۔ ان کا سلوک اتنا اچھا نہیں تھا کہ میں انہیں یاد رکھتی پھروں" عانیہ غصے سے بولی

"دیکھو ماضی میں جو کچھ ہوا میرا یا تعبیر کا اس میں کوئی قصور تو نہیں ہے نا لیکن اگر تمہیں ہمارا قصور نظر آتا ہے تو ہمارے ماں باپ کی سزا ہمیں دے دو لیکن اب یہ ناراضگی ختم کرو۔" اس آدمی نے مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

"تو جو تکلیفیں میری مام نے سہی ان کو بھول جاؤں۔ سزا تو انہیں ملنی چاہیے جنہوں نے جرم کیا تھا"

"تم اب دونوں کو سزا نہیں دے سکتی کیونکہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں آنٹی نصرت کو بلڈ کینسر کے وجہ سے ڈیتھ ہوئی تھی اور میرے والد کا کچھ سال پہلے مرڈر ہو گیا تھا" وہ لڑکا بے چارگی سے بول رہا تھا لیکن حدیقہ کو مرڈر کا لفظ سن کر ذہن میں کچھ کلک ہوا تھا ان لوگوں نے نیوز سے عانیہ کے مام ڈیڈ کے مرڈر کے بارے میں سنا ہوگا اور اب عانیہ کو بتا دیں گے۔ وہ جس بات کو عانیہ سے چھپا کر رکھنا چاہتی تھی وہ ہی اب کھلنے والی تھی۔ یا انہوں نے نیوز ہی نا دیکھی ہو۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی حالانکہ اس کے چانسز بہت کم تھے۔

"مرڈر ہوا تھا ان کا" عانیہ دکھی لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ ان دونوں بہن بھائی کو اپنے کئے کی سزا مل گئی تھی اور وہ بہت شرمندہ بھی ہوئے تھے۔ خالہ نبیلہ سے معافی مانگنے کیلیے ان کو ڈھونڈا بھی پر وہ انہیں نہ ملیں اور پھر زندگی نے بھی ساتھ نہ دیا لیکن میں ان کی طرف سے معافی مانگ لیتا ہوں۔"

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں۔" عانیہ نرم لہجے میں بولی۔

"بابا نے مجھے کہا تھا کہ وہ خالہ نبیلہ کو ڈھونڈیں گے لیکن جب ان کا مرڈر ہوا تو میں نے ان کی آخری خواہش پوری کرنی چاہی اور نبیلہ آنٹی کو بہت ڈھونڈا۔ لیکن وہ نہ مل سکیں۔ وہ تو کل میں نے خبروں میں سنا کہ ڈی آئی جی صفدر

علی اور ان کی بیوی نبیلہ کو قتل کر دیا گیا ہے تو میں نے تحقیقات کروائیں...." وہ عانیہ کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھے بغیر اپنی ہی دھن میں کہے جا رہا تھا اور عانیہ بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ حدیقہ نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں اور تعبیر بغور ان دونوں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا قتل... آپ کو کسی نے غلط کہا ہو گا۔ میرے مام ڈیڈ کا قتل نہیں ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔" وہ بات کاٹ کر بولی

"لیکن نیوز پر تو میں نے یہی سنا تھا۔ دو ہفتے پہلے ان کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا لیکن شاید کل ہی کسی نامعلوم زرائع سے پتہ چلا ہے کہ ان کا ایکسیڈینٹ جان بوجھ کروایا گیا تھا اور اس کے ثبوت بھی پولیس کو مل چکے ہیں" حماد نے اس کی سماعتوں پر گویا پہاڑ گرا دیے اور وہ بے یقینی سے حماد کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو نمودار ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور مڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ حدیقہ نے اسے پکڑنا چاہا لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک گئی۔

"سوری وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے والدین کا قتل ہوا ہے اس لیے اس نے ایسے ری ایکٹ کیا۔ ابھی وہ بہت دکھی ہے۔ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔" حدیقہ حماد اور تعبیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی

"پلیز ایسا مت کہیں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اب کس کرب سے گزر رہی ہیں۔" حماد نے کہا۔

"میں بانو سے کہہ دیتی ہوں آپ دونوں کیلیے کمرے سیٹ کروا دے۔ آپ آرام کر لیں۔ میں ذرا عانیہ کو دیکھ آؤں" وہ یہ کہتی ہوئی ڈرائینگ روم سے باہر چلی گئی اور پیچھے سے حماد اور تعبیر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

---

وہ جب سے کمرے میں آئی تھی لگاتار اونچی آواز میں روئے جا رہی تھی۔ حدیقہ دروازہ کھٹکھٹا کر واپس جا چکی تھی۔ لیکن اس کے اندر غم و غصہ جیسے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ابھی تو اسے پچھلے صدمے پر صبر بھی نہیں آیا تھا کہ ایک نیا دھچکا مل چکا تھا۔ مام ڈیڈ کا قتل ہوا تھا اور اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔ وہ انہیں قتل ہونے سے بچا نہیں سکی

تھی۔ یہی بات سوچ کر اس کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی۔ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں لال ہو چکیں تھیں

"کیا بگاڑا تھا میرے مام ڈیڈ نے تمہارا جو تم نے انہیں بے دردی سے قتل کر دیا۔ مجھ سے میرے مام ڈیڈ چھین لیے۔" وہ اونچی آواز میں چلائی اور اٹھ کر میز پر پڑے شیشے کے قیمتی گلدان کو ہاتھ مار کر گرا دیا جو نیچے گرتے ہی کرچی کرچی ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے اشتعال میں پھر بھی کمی نہ آئی تو پرفیوم اٹھا کر دیوار پر لگے آئینے پر دے ماری۔

"تمہارے دل میں ذرا بھی رحم نہ آیا۔ ذلیل کمینے انسان۔ ہونہہ انسان نہیں ہو تم حیوان ہو تم۔ ظالم بھیڑیا۔" عانیہ نے نیچے گرے شیشوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور ہاتھ میں دبانے لگی۔ اسے محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا ہاتھ زخمی ہو رہا تھا۔ حدیقہ نے اس کے کمرے سے شیشے ٹوٹنے کی آواز سنی تو بھاگ کر آئی لیکن عانیہ نے کمرہ لاک کیا ہوا تھا جو اس کے بار بار کھٹکانے کے باوجود بھی نہیں کھلا تھا لیکن اب اسے کسی طرح اندر جانا ہی تھا اس لیے باہر کی طرف بھاگی اور پچھلے باغ کی طرف رخ کیا جہاں سے عانیہ کے کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی۔ کھڑکی کے پٹ بند تھے اور آگے پردہ تھا حدیقہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی پر ہاتھ رکھا لاک نہیں لگا تھا اس لیے وہ کھل گئی اور جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔ پردہ ہٹا کر دیکھا تو سامنے والا منظر دیکھ کر ششدر رہ گئی عانیہ بکھرے شیشوں پر بیٹھی ایک ہاتھ میں شیشہ دبا رہی تھی۔ اور ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ حدیقہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور اس کے ہاتھ کو کھول کر شیشے کا ٹکڑا کھینچ لیا۔

"عانی کیا کر رہی ہو پاگل ہو گئی ہو کیا۔ یہ... یہ کیا ہے" وہ زخمی ہاتھ اسے دیکھتے ہوئے بولی لیکن عانیہ بے تاثر چہرہ لیے زمین پر دیکھتی رہی

"بتاؤ نا کیا کر رہی تھی تم۔ خود کو کیوں اذیت دے رہی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم دکھی ہو لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے تمیں ایسے دیکھ کر پھر بھی تم کیوں کرتی ہو ایسا" حدیقہ رونے لگی۔ عانیہ نے چہرہ

موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے بھی آنسو چھلکنے لگے۔ حدیقہ نے آگے بڑھ کر اس گلے لگا لیا وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیوں.... کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا۔ میں نے کسی کا کبھی برا نہیں چاہا تو میرے ساتھ برا کیوں ہوا" وہ شدتوں سے رو رہی تھی جبکہ حدیقہ اس کے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے چپ کروا رہی تھی۔ کچھ دیر گزری تو حدیقہ اسے چپ کروانے لگی۔

"پلیز بس کر دو انکل آنٹی تمہارے رونے سے واپس نہیں آسکتے۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ پلیز نہ روؤ۔" حدیقہ نے اس منت بھرے لہجے میں کہا تو عانیہ نے یکدم اپنے گال اور آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو میرے رونے سے میرے مام ڈیڈ واپس نہیں آئیں گے۔ تم آج کے بعد مجھے روتا ہوا کبھی نہیں دیکھو گی بلکہ اب رونے کی باری کسی اور کی ہے وہ جو کوئی بھی ہے اسے میں ایسا رلاؤں گی کے موت کی دعا کرے گا" عانیہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی سفاکی سے بولی۔

حدیقہ جو اس کے پہلے جملے پر خوش ہوئی تھی آخری جملے کو سن کر ٹھٹکی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ناسمجھی سے بولی تھی۔

"بدلہ لوں گی میں اس قاتل سے۔ اس کا انجام موت ہو گا" عانیہ سخت لہجے میں بول رہی تھی جو اس کے عزم کی پختگی ثابت کر رہا تھا۔

-------------------------------------

"کیا؟... تم پاگل تو نہیں ہو گئی؟..... تم بدلہ لو گی؟"

حدیقہ نے چلا کر کہا تو عانیہ کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی جسے دیکھ کر حدیقہ کو لگا وہ واقع ہی پاگل ہو چکی ہے۔

"عانی تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہا جنہوں نے تمہارے پیرنٹس کا مرڈر کیا ہے وہ بہت خطرناک لوگ ہیں" حدیقہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

"ہوں گے پر مجھ سے زیادہ خطرناک اب ان کیلیے بھی کوئی نہیں" عانیہ نے سفاک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو کیا کرو گی تم؟ اپنی عمر دیکھو اور اپنے اس فیصلے پر ذرا غور کرو اکیلی لڑکی کو تو آج کل زمانہ ویسے ہی نہیں چھوڑتا اور تم چلی ہو بدلہ لینے" حدیقہ اس پر بھڑک رہی تھی جبکہ عانیہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا

"میں اب مزید رونا نہیں چاہتی ہوں اور اس کا ایک ہی حل ہے کہ میں مام ڈیڈ کے قتل بدلہ لوں۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی بے شک اس کیلیے مجھے کسی منسٹر کا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور خود بھی کیوں نہ مرنا پڑے۔ اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتی تو مجھے روکنا بھی مت۔ اور ہاں یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ میں کیا کر سکتی ہوں اور کیا نہیں"

"لیکن عانیہ تمہیں کیا ضرورت ہے بدلہ لینے کی پولیس اپنا کام کر تو رہی ہے تو انہیں کرنے دو وہ مجرم کو تلاش کر کے سزا دے دیں گے" حدیقہ اسے کسی بھی طرح بدلہ نہ لینے پر قائل کرنا چاہتی تھی۔

"چلو مان لیا کہ پولیس مجرم کو تلاش کر لیتی ہے اگر وہ کوئی بہت امیر یا سیاسی بندہ ہوا اور وہ زبردستی کیس واپس لینے کیلیے مجھ پر دباؤ ڈالیں گے پھر تم کہو گی کہ کیس واپس لو ورنہ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں کب تک ڈرتی رہوں گی۔ یہ میرے مام ڈیڈ کا مجھ پر حق ہے کہ میں ان کا بدلہ لوں۔ اور اسلام میں بھی یہی ہے کے جان کے بدلے جان۔"

"عانی کیس بے شک واپس نہ لینا میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی لیکن خود کوئی قدم مت اٹھا پلیز" حدیقہ اب منت کر رہی تھی۔

"کیوں نہ اٹھاؤں میں قدم۔وہ میرے مام ڈیڈ تھے حدیقہ۔.......مجھے ہر خطرے سے بچایا انہوں نے۔.......میری پرورش میں کتنی اذیتیں اٹھائی ہوں گی انہوں نے۔اور جب میری باری آئی ہے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں۔اپنی زندگی بچانے کے لیے چھپ کر بیٹھ جاؤں۔کیا مام ڈیڈ کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔جانتی ہوں کہ اس سے وہ واپس نہیں آنے والے لیکن مجھے ان کی بیٹی ہونے کا حق ادا کرنا ہے۔اگر میرا قتل ہوا ہوتا تو ڈیڈ میرے قاتل کو پھانسی کے پھندے پر چڑھا دیتے اور میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔کیوں؟"وہ سلگتے لہجے میں پوچھ رہی تھی جبکہ حدیقہ خاموش سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر وہ شخص قانون کے شکنجے میں آ بھی جاتا ہے تو کیا گارینٹی ہے کہ اسے سزا ہو جائے۔یہاں پیسوں پر اپنا ایمان بیچنے والے ہزاروں ملیں گیں۔میرے پاس ثبوت ہونے کے باوجود وہ باعزت بری ہو جائے گا۔تو پھر میں کیا کروں گی۔میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گی حدیقہ "وہ دکھ بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو عانیہ میں تمہارے جذبات کو سمجھ نہیں سکی۔لیکن میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی ہر کام میں تمہارا ساتھ دوں گی۔تمہیں بدلہ لینا ہے تو لو مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تم کر سکتی ہو۔"حدیقہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ بولی تو عانیہ مغموم سے لہجے میں مسکرا دی۔

"تم نے ہمیشہ ہی میرا ساتھ دیا ہے حدیقہ۔تم جیسی دوست بھی ایک نعمت سے کم نہیں۔اگر تم میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں اس فیز سے باہر نہ نکل سکتی۔حدیقہ......شکریہ"وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر احسان مندی سے بولی۔

"شکریہ کو چھوڑو یار اور اٹھو یہاں سے اوپر بیڈ پر بیٹھو میں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتی ہوں دیکھو اپنے ہاتھ کا کیا حشر کر دیا ہے۔"وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی اور بیڈ پر بٹھا دیا۔جلدی سے بھاگ کر کچن سے فرسٹ ایڈ باکس لے آئی۔عانیہ کے ہاتھ پر جہاں کٹ لگا تھا وہاں سے خون بہنا بند ہو چکا تھا کیونکہ حدیقہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوپٹہ رکھ دیا تھا۔پھر اس نے عانیہ کے ہاتھ پر مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔

"درد ہو رہا ہے کیا؟"

"نہیں"

"ہاں تم جو ٹھہری آئرن مین۔ تمہیں درد کہاں ہوتا ہے۔ تبھی تو شیشہ ہاتھ میں مار لیا" وہ مصنوعی خفگی سے کہہ رہی تھی جبکہ عانیہ خاموشی سے اپنے زخمی ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے کزنز کو میں ریسٹ کرنے کا کہہ آئی ہوں۔وہ تمہارے مہمان ہیں اور تمہیں یہاں بیٹھنے کی بجائے ان کی میزبانی کرنی چاہیے۔" حدیقہ نے رسانیت سے سمجھایا۔

"میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا کسی سے ملنے کیلیے۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"انہیں پہلے ہی تمہارا وہاں سے اٹھ کر چلے جانا برا لگا ہو گا۔اب تم تھوڑی سی بات بھی نہیں کر سکتی ان سے۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ"

"آئی ڈونٹ کیئر۔ تم ان سے کچھ بھی کہہ دینا ن میں اب ان سے ڈنر پر ہی ملوں گی۔" وہ لاپرواہی سے کہہ رہی تھی

"ویسے تمہیں وہ لوگ کیسے لگے؟" حدیقہ نے کہا

"مجھے کیا پتہ۔ لیکن جو لوگ اپنے ماں باپ کے برے اعمال کی معافی مانگ رہے ہیں اچھے ہی ہوں گے۔"

"لیکن مجھے تو یہ بات عجیب سی لگی" حدیقہ کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی

"کونسی بات؟"

"کچھ نہیں۔ خیر چھوڑو یہ بات میں ذرا تمہارے مہمانوں کو دیکھ آؤں" حدیقہ کہتے ہوئے اٹھی اور باہر چلی گئی۔

---

رات کے کھانے پر حماد اور تعبیر دونوں آچکے تھے حدیقہ ٹیبل پر مختلف قسم کے کھانے لگا رہی تھی جبکہ عانیہ ابھی تک کمرے سے باہر نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے حدیقہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔

"عانیہ کی طبعیت آجکل ذرا خراب رہتی ہے اور اب تو اس خبر کو سن کر وہ بالکل ٹوٹ چکی ہے ابھی بھی اسے سخت بخار ہے۔ آپ لوگ کھانا شروع کریں میں اسے لے کر آتی ہوں۔" اس نے عانیہ کی خراب طبیعت کا بہانہ بناتے ہوئے وضاحت دی۔

"اگر زیادہ طبعیت خراب ہے تو کھانا ان کے کمرے میں ہی لیں جائیں" تعبیر خوش اخلاقی سے بولی۔

"نہیں وہ کھانا تو آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھانا چاہتی ہے۔ میں بلا کر لاتی ہوں اسے"

"چلو پھر وہ آجائے پھر ہی کھانا شروع کرتے ہیں۔" حماد بولا۔ وہ عانیہ کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ جب اس نے عانیہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ اسے سوئی ہوئی ملی۔

"تمہارا ابھی جواب نہیں عانی۔ مجھے وہاں پر شرمندہ ہونے کیلیے چھوڑ کر خود یہاں پر سو رہی ہو چلو اب اٹھ جاؤ کتنا انتظار کرواؤ گی" وہ اس جھنجھوڑتے ہوئے بولی تو عانیہ نے آنکھیں کھول دیں۔ حدیقہ کو اس کا چہرہ گرم محسوس ہوا (اس کو تو واقعی ہی بخار ہے۔) اس نے فکرمندی سے سوچا۔

"پھر طبعیت خراب ہو گئی ہے نا"

"کچھ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں تم بتاؤ کس لیے آئی ہو"

"لو جی ابھی تک تم مجھ سے یہ پوچھ رہی ہو اور ادھر تمہارے مہمان تمہارے انتظار میں سوکھ کر کانٹا ہو چکے ہیں"

"اوہ وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا تم جاؤ میں بس دو منٹ میں آتی ہوں" وہ جلدی سے کہتے ہوئے اٹھی اور باتھروم میں گھس گئی۔ حدیقہ گہرا سانس خارج کرتی باہر چلی گئی۔

------------------------------------

"اسلام علیکم۔" عانیہ نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو حماد اور تعبیر نے سلام کا جواب ایک ساتھ دیا۔

"اب طبعیت کیسی ہے آپ کی؟"

"پہلے سے بہتر ہے۔ معاف کیجیے گا مجھے اس طرح سے اٹھ کر نہیں جانا چاہیے تھا"

"معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کی کنڈیشن سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ آپ اس خبر سے انجان ہیں تو ہم آپ کو کبھی نہ بتاتے۔ ہم دونوں تو خود شرمندہ ہیں۔" حماد شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

" آپ چھوڑیں اس بات کو کھانا کھائیں۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے" حدیقہ نے جلدی سے کہا۔ تو سب اپنی اپنی پلیٹ پر جھک گئے۔

" آپ کیا کرتیں ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ پڑھائی یا کچھ اور" تعبیر نے کھاتے ہوئے عانیہ سے پوچھا۔

"ایف ایس سی کے پیپر دے دیے ہیں۔ اب رزلٹ کا انتظار ہے" عانیہ نے جواب دیا۔

"اچھا اور یہ آپ کی دوست ہے ؟" تعبیر نے حدیقہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"یہ آپ کے ساتھ کیوں رہتی ہے ؟" تعبیر نے پوچھا تو عانیہ اور حدیقہ نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دوسری طرف حماد نے تعبیر کے پاؤں پر اپنا پاؤں مار کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"جب سے میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہوئی ہے تو یہ میرے ساتھ رہ رہی ہے۔ تاکہ میں خود کو اکیلا محسوس نہ کروں۔ بالکل میری مام جیسا خیال رکھتی ہے یہ۔" عانیہ نے مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"دراصل یہ اس لیے پوچھ رہی تھی کہ ہم تو آپ کو ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے" حماد نے کہا تو وہ حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب آپ مجھے ساتھ لے جانے کیلیے آئے ہیں" اس نے پوچھا تو حماد نے اثبات میں سر ہلا دیا

"سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔" اس کا لہجہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ ٹھیک ہے انہوں نے اپنے ماں باپ کے گناہوں کی معافی مانگ لی تھی لیکن وہ ان پر اتنی جلدی اعتبار تو نہیں کر سکتی تھی۔

"دیکھیں میں جانتا ہوں کہ آپ یہ گھر نہیں چھوڑنا چاہتیں لیکن میں آپ کے بھلے کیلیے ہی کہہ رہا ہوں...." وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتا تھا جب عانیہ نے اس کی بات کاٹی

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں جو کسی کے سہارے کے بغیر نہ رہ سکے۔"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں آپ کے پیرنٹس کے قاتلوں کا اگلا ٹارگٹ آپ بھی ہو سکتی ہیں۔وہ آپ سے بے خبر نہیں بیٹھے ہوں گے۔اس لیے آپ کا کسی محفوظ جگہ پر ہونا ضروری ہے۔وہ کسی بھی وقت یہاں حملہ کر سکتے ہیں" حماد نے اس سمجھایا تو اس اور بھی غصہ آ گیا۔

"تو آنے دیں روکا کس نے ہے۔اچھا ہی ہو گا کہ ان کو ڈھونڈنا نہ پڑے اور وہ خود چل کر آئیں۔"

"اس کا مطلب آپ ان لوگوں سے بدلہ لینا چاہتی ہیں؟" حماد نے حیران ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔کیا نہیں لینا چاہیے؟" عانیہ نے الٹا سوال کیا۔اس کے انداز میں بیزاریت تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ اب یہاں بھی لمبا سا لیکچر سننے کو ملے گا پر اس زیادہ فکر نہیں تھی اس نے کونسا مان جانا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں........لینا چاہیے۔" حماد نے تحمل سے جواب دیا تو عانیہ جس کو اس جواب کی توقع نہیں تھی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"بدلہ لینا چاہیے لیکن اس کا طریقہ ہوتا ہے۔سب سے پہلے تو اپنی جان بچانے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔پھر کچھ پاورفل لوگ بیک پے ہونے چاہیں۔کیونکہ ایسے قاتل بہت ہی پاورفل ہوتے ہیں۔اور پھر بدلہ لینے کیلیے ایک لائحہ عمل ہونا چاہیے۔آپ سیدھے سیدھے بندوق اٹھا کر ان کے سامنے نہیں جا سکتے۔ایسے لوگوں کی اپنی ایک پوری فوج ہوتی ہے۔ان سے کیسے مقابلہ کرو گی۔اسی لیے کہہ رہا ہوں عقل سے کام لو گی تو اس کی پوری فوج سے نمٹے بغیر اس تک پہنچ جاؤ گی۔" حماد نے اس سمجھایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔باتیں تو ساری ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔اسے تو

یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں اور کتنے خطرناک ہیں۔وہ جذبات میں آکر اکیلے لڑکے کی کوشش کرے گی تو صرف خود کو نقصان ہی پہنچائے گی۔اگر حماد اس کی مدد کرے تو وہ انتقام لینے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔

"عانیہ حماد بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔تم ان کی بات مان لو۔"حدیقہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کہہ رہے ہیں کہ بدلہ لینے میں آپ میری مدد کریں گے؟"عانیہ نے پوچھا۔

"ہاں"وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔مجھے کیا کرنا ہو گا"عانیہ نے کہا تو حماد نے مسکراتے ہوئے تعبیر کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔پھر وہاں جا کر ہی کوئی منصوبہ بنائیں گے۔قاتلوں کو میں خود ڈھونڈ لوں گا۔میرے اپنے بہت سے ریسورسز ہیں۔اور میں ہی وہ پاورفل شخص ہوں جس کی تمہیں ضرورت ہے۔"

"لیکن بدلہ میں خود لینا چاہتی ہوں۔"عانیہ نے کہا۔

"تم فکر ہی نہ کرو بدلہ تم خود ہی لو گی۔لیکن میں تمہاری بیک پر ہمیشہ موجود رہوں گا۔اس ظالم انسان کو مارنے کے بعد بھی تم بچ جاؤ گی۔"حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینکس فار یور کانسرن"عانیہ احسانمندی سے بولی۔

"تم ہماری کزن ہو۔ہم تمہیں مشکل وقت میں اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔تمہیں تھینکس کہنے کی ضرورت نہیں۔بلکہ ہمیں تھینکس کہنے کی ضرورت ہے تم نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اپنے پیرنٹس کی کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کر سکیں۔"تعبیر نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا پھر کس وقت نکلنا ہے"حماد نے عانیہ سے پوچھا۔

"کل صبح۔"عانیہ نے کہا۔

"ہاں اسے پیکنگ بھی کرنی ہو گی"۔ تعبیر نے بھی اس کی تائید کی۔ تو حماد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اطمینان کا سانس لیا کہ فائینلی عانیہ اس کی بات مان چکی ہے۔ باتوں کے درمیان کھانا بھی ختم ہو چکا تھا۔ حدیقہ اس کے محفوظ ہونے پر خوش تھی لیکن اس سے دور ہونے پر اداس ہو گئی تھی۔ اسی لیے وہ کمرے میں جاتے ہی عانیہ کے گلے لگ کر رونے لگ پڑی۔

"ارے پاگل رو کیوں رہی ہو۔ میں ہمیشہ کیلیے تھوڑی جا رہی ہوں بس کام ہوتے ہی واپس آ جاؤں گی اور ویسے بھی تم کب تک میرے ساتھ رہ سکتی تھی تمہارا اپنا گھر ہے ماں باپ ہیں۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے"

"لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" حدیقہ افسردگی سے بولی۔

"ہاں تو دینا ساتھ......روکا کس نے ہے"

"کیسے؟"

"انکل آنٹی اتنی آسانی سے مجھے نہیں جانے دیں گے۔ تم نے انہیں اس بات پر قائل کرنا ہے اور یقین دلانا ہے کہ میں وہاں بالکل محفوظ ہوں گی۔ تم نے انہیں یہ بھی نہیں بتانا کہ میں بدلہ لینا چاہتی ہوں" عانیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم فکر مت کرو میں انہیں سنبھال لوں گی۔ لیکن تم وعدہ کرو مجھے روز فون کرو گی۔"

"ہاں کروں گی۔ چلو پیچھے ہٹو اب پیکنگ کرنے دو۔" عانیہ نے کہا اور وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

"تمہارے کزنز تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ دیکھو تمہاری کتنی مدد کر رہے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ اگر مجھے مام ڈیڈ کا بدلہ نہ لینا ہوتا تو کبھی ان سے مدد نہ لیتی۔ لیکن میں نام ڈیڈ کیلیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔" وہ اچانک ہی اداس ہو گئی۔ اور چپ چاپ اپنی پیکنگ کر کے نماز پڑھنے چلی گئی۔

-----------------------------------

آج وہ اس گھر کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ جس میں اس نے مام ڈیڈ کے ساتھ پورے اٹھارہ سال گزارے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس گھر کو چھوڑ کر حماد اور تعبیر کے ساتھ جانا اس کیلیے کیسا ثابت ہو گا۔ اسے امید تو اچھے کی ہی تھی لیکن وہ ابھی تک ان دونوں پر پوری طرح اعتبار نہیں کر سکی تھی۔ اس بے اعتباری کے باوجود اسے ان دونوں سے کوئی ڈر نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی حفاظت کرنا جانتی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر اسے اللہ پر یقین تھا۔ وہ کوئی گناہ تو نہیں کرنے جا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہوتا۔ وہ انتقام لینا چاہتی تھی اور یہ حق اسے اسلام نے ہی دیا تھا۔ اگر اس نے بدلہ نہ لینا ہوتا تو وہ کبھی اس گھر کو چھوڑنے کا سوچتی بھی نہ بے شک اس کی جان کو ہی خطرہ کیوں نہ ہوتا۔ اب بھی وہ اپنی جان بچانے کی خاطر حماد کی مدد نہیں لے رہی تھی۔ مام ڈیڈ کیلیے تو وہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ اسے اب پورا یقین تھا کہ وہ مام ڈیڈ کے قاتل کو ضرور سزا دے سکے گی۔ پیکنگ اس نے رات کو ہی کر لی تھی۔ ان لوگوں نے صبح صبح ہی اسلام آباد کیلیے نکلنا تھا۔ سات بجے کی فلائیٹ تھی۔ اس لیے جلد ہی ناشتہ کیا گیا۔ حدیقہ نے عین اس وقت عمیر بھائی کو فون کر کے بلایا تھا تا کہ وہ عانیہ کو روکنے کی کوشش نہ کر سکے۔ اس کا آج پیپر تھا اور تیاری بھی کچھ خاص نہیں تھی۔ اس لیے وہ فجر کے وقت سے اب تک کتاب کے رٹے لگا رہا تھا۔ اوپر سے حدیقہ کی کال آ گئی تو وہ سخت کوفت کا شکار ہوا۔ لیکن بہن کو لینے تو جانا ہی تھا۔ حدیقہ نے اسے بتایا تھا کہ عانیہ اپنے کزنز کے ساتھ کچھ دنوں کیلیے اسلام آباد جا رہی ہے۔ وہ عانیہ کے رشتے داروں کے بارے میں نہیں جانتا تھا اس لیے کوئی سوال کیے بنا حدیقہ کو لینے آ گیا۔ گاڑی گیٹ سے باہر ہی کھڑی کی تھی۔ عانیہ بھی حدیقہ کے ساتھ باہر آئی تھی۔ عمیر نے اس سے اس کے کزنز کے بارے میں پوچھا تو اس نے دانستہ جھوٹ بول دیا کہ وہ مام کی کسی کزن کے بچے ہیں۔ کزن سوتیلے بہن بھائی کہنے سے بہتر ہی تھا۔ عمیر نے اسے رابطے میں رہنے کی تلقین کی اور حدیقہ کو لے کر گھر آ گیا۔ اور عانیہ حماد کے ساتھ اسلام آباد چلی گئ

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

"لیکن وہ ایسے کیسے ان لوگوں کے ساتھ جا سکتی ہے۔اس کے کزنز کل پہلی بار اس سے ملے ہیں اور وہ ان کے ساتھ چلی گئی۔"عمرینہ عانیہ کیلیے سخت پریشان ہو چکی تھی۔اس نے عانیہ کو اپنے ساتھ گھر آنے کا اتنی دفعہ کہا تھا لیکن وہ نہیں آئی تھی کیونکہ وہ اپنے پیرنٹس کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتی تھی اور اس کے کزن جو پہلی دفعہ اس سے ملے تھے وہ ان کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی۔

”ماما اس کے پیرنٹس کا مرڈر ہوا ہے۔اس کے کزنز اس کیلیے بہت پریشان تھے۔وہ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن میں نے اسے جانے کیلیے راضی کیا ہے۔کیونکہ یہاں اس کی جان کو خطرہ ہے۔"عمرینہ اس بہانے پر کچھ ڈھیلی تو پڑی لیکن ابھی بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

”تو وہ ہمارے ساتھ بھی رہ سکتی تھی۔ہم اس کی حفاظت کر سکتے ہیں“

”اسے پتہ چل چکا ہے کہ اس کے پیرنٹس کا قتل ہوا ہے۔اور اب اس کی جان کو بھی خطرہ ہے۔اس لیے اب تو وہ کسی صورت ہمارے ساتھ رہنے کیلیے راضی نہیں تاکہ اس کی وجہ سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔اس کا کزن اس کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دشمنوں کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔وہ لوگ بہت پاور فل ہیں۔اسی لیے وہ اس کے ساتھ چلی گئی ہے۔“حدیقہ نے بمشکل بات بنائی۔

”اچھا ویسے اس کا کزن کرتا کیا ہے؟“ عمرینہ نے پوچھا۔

”یہ تو نہیں پتہ۔آپ اس سے خود ہی پوچھ لیجیے گا۔ویسے آپ اس کی ٹینشن میں مجھے تو بالکل ہی بھول گئی ہیں۔میں اتنے دنوں بعد آئی ہوں اور آپ نے میرا حال بھی نہیں پوچھا۔“وہ کسی طرح بات کو عانیہ سے ہٹانا چاہتی تھی اسی لیے شکوہ کرنے لگی۔عمرینہ کو بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"تم تو میری بیٹی ہو۔تمہیں میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ویسے سچ بتاؤں تو جب سے تم گئی تھی گھر سونا سونا لگنے لگا تھا"ماما نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔اور وہ ٹھیک بھی کہہ رہی تھیں۔حدیقہ شروع سے ہی بہت شرارتی

تھی۔اس کی شرارتوں سے سارے گھر میں رونق لگی رہتی۔زیادہ تر بھائی بہنوں کو بہت تنگ کرتے ہیں لیکن یہاں الٹا ہی حساب تھا۔حدیقہ اپنے بھائی کی ناک میں دم کئے رکھتی۔اور وہ بے چارہ خاموشی سے اس کے ظلم سہہ لیتا۔اگر کبھی احتجاج کرنا چاہا تو سننے کو ملتا" بیٹا خیر ہی ہے تمہاری چھوٹی بہن ہے چھوٹا سا مذاق ہی کیا ہے نا"اور اسے خاموش ہونا پڑتا۔اسے تو حدیقہ کے جانے کی بہت خوشی ہوئی لیکن ماما اس کے بغیر اداس ہو گئیں تھیں۔

"اب آ گئی ہوں نا دیکھیے گا آپ کو کیسے ہنساؤں گی اور بھائی کو رلاؤں گی۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو لاؤنج میں آتے عمیر بھائی کا منہ بن گیا۔

"اے یہ دیکھو۔مجھے تو اب معاف رکھو۔میرے پیپر ہو رہے ہیں اب اگر تم نے مجھے تنگ کیا نا تو...تو"عمیر نے پہلے تو بے بسی سے ہاتھ جوڑے اور پھر یکلخت ہی انگلی اٹھا کر وارن کرنے لگا۔

"تو؟"حدیقہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی جیسے اس کی دھمکی کا مذاق اڑا رہی ہو۔

"تو تم دیکھ لینا"کچھ دیر چڑنے کے بعد وہ کہہ کر پیر پٹختے ہوئے چلا گیا۔

"بیٹا کیوں اس کو تنگ کرتی ہو اتنا"عمرینہ نے کہا۔

"ماما مزا آتا ہے۔کتنے کیوٹ لگتے ہیں نا عمیر بھائی جب انہیں تاؤ چڑھتا ہے اور وہ بالکل لال ٹماٹر لگتے ہیں۔"وہ مزے سے بولی

"اچھا کسی دن اس نے ایک تھپڑ جڑ دیا نا پھر نا کہنا مجھ سے"ماما صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں تو وہ بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

"ارے جانیں دیں بھائی اور تھپڑ ماریں اور وہ بھی مجھے۔ایک مچھر تو مارا نہیں گیا آج تک اور ادھر وہ عانیہ صاحبہ ہیں ایک لڑکے کو چیخیں مارنے پر مجبور کر دیا۔میں تو حیران رہ گئی"

"وہ کیسے ؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگیں تو اس نے پارک جانے والا واقعہ سنایا۔ اپنی چوری چھپے سننے والی بات اور اس لڑکے کی بات گول کر گئی۔ ماما تو یہ جان کر بہت خوش ہوئیں کہ عانیہ بلیک بیلٹ فائٹر ہے۔ ان کی پریشانی مزید کم ہوئی تھی اور حدیقہ یہی چاہتی تھی۔

"اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں" عمرینہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور لاؤنج سے باہر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر سامنے لگے ٹی وی کو بے دھیانی سے دیکھتی رہی پھر سوچا ماما سے چائے لے کر اپنے کمرے میں ہی چلی جائے۔ جب وہ لاؤنج کے دروازے تک پہنچی تو کسی سے بری طرح ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ پہلے تو اسے ایسا لگا ماما چائے لے کر آئیں ہوں گی اور چائے لڑھک کر اس کے اوپر ہی آئے گی۔ اس نے خوف سے آنکھیں ہی بند کر لیں۔ لیکن چائے تو گری ہی نہیں جب اس یقین آیا تو آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اپنے سامنے دو مردانہ شوز دیکھ کر چونکی اور جھٹ سے اوپر دیکھا۔ سامنے نظر آنے والے شخص کو دیکھ کر اسے اپنی بینائی پر شک گزرا اور پھر آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا۔ وہ خوف اور بے یقینی سے سامنے والے کو یک ٹک دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم .... تم یہاں کیسے ؟" وہ دبی دبی آواز میں چلائی۔ جبکہ وہ بڑے سکون اور فاتحانہ انداز میں سینے پر بازو باندھے بمشکل اپنی ہنسی کو روکے کھڑا تھا۔

"دیکھو اگر تم یہاں میری شکایت لگانے آئے ہو تو بے شک لگا دو مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ الٹا میں تم پر ہی الزام لگاؤں گی کہ تم میرا پیچھا کرتے ہو اور اب یہاں بھی پہنچ گئے" اس کا انداز بظاہر لاپرواہ تھا لیکن اندر سے وہ بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اگر اس نے اس کی جاسوسی والی شکائیت لگا دی تو ماما سے بہت سخت ڈانٹ پڑنی تھی۔ اسی وقت ماما چائے لے کر نمودار ہوئیں۔

"ارے وہاب بیٹا اٹھ گئے تم" عمرینہ نے خوشگوار لہجے میں وہاب کو مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

(وہاب بیٹا.....؟ارے یہ تو جبین آنٹی کا بیٹا وہاب نہیں۔ تبھی تو میں کہوں میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔)اس آنکھیں پر سوچ انداز میں گھمائیں۔وہاب اس کی حرکت سے محظوظ ہو تا آنٹی عمرینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی آنٹی وہ میں عمیر کو ڈھونڈنے آیا تھا۔نیچے نہیں آیا ابھی تک۔"

(کیا مطلب یہ یہاں رہتا ہے۔)حیرت اور غصے سے سوچا۔

"وہ تو یونی کیلیے تیار ہونے گیا ہے۔بہن کو دوست کے گھر سے لینے گیا تھا اس لیے دیر ہو گئی اسے۔تم اس سے ملو یہ ہے میری بیٹی حدیقہ......یاد ہے تمہیں۔"ماما نے حدیقہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جی یاد ہے اور وہ دھکا بھی یاد ہے"وہاب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو عمرینہ ہنس دی۔اسے بھی وہاب کی بات سے یاد آیا کہ ایک دفعہ اس نے وہاب کو دھکا دیا تھا اور اس کا سر پھٹ گیا تھا۔پھر اسے ماما سے سخت ڈانٹ پڑی تھی۔کافی تلخ یاد تھی۔اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"اچھا یہ تم چائے پکڑو اور ڈائننگ ٹیبل پر چل کر بیٹھو میں ابھی ناشتہ لاتی ہوں"عمرینہ نے کہتے ہوئے چائے کا کپ اسے پکڑا دیا اور وہ حدیقہ پر ایک جتاتی نظر ڈال کر چلا گیا۔پہلے تو حدیقہ کو اس کا یہاں ہونا ہی برا لگا تھا اور اب اس کی چائے بھی وہاب کے حصے میں آ گئی۔

"یہ یہاں کیسے آ گیا ماما؟"وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

"آنا تو اسے ایک دن تھا ہی۔"عمرینہ بولی۔اسے یاد آیا جب وہ یہاں سے گیا تھا تو وہ کتنا روئی تھی۔

"مطلب؟"حدیقہ نا سمجھی سے بولی۔

"کچھ نہیں......تم جانتی ہو جب یہ گیا تھا مجھے بہت دکھ ہوا تھا....عمیر سے زیادہ میں اس سے پیار کرتی تھی۔جبین نے مرنے سے پہلے مجھے اپنی نشانی سونپی تھی لیکن میں اس کو اپنے پاس بھی نہ رکھ سکی۔اس کے دادا ابو اسے لے گئے تھے۔ایک ہفتے پہلے اچانک سے اسے اپنے سامنے دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔عمیر کی یونی میں ہی

پڑھتا ہے اور عمیر نے اسے پہچان لیا تھا۔ تبھی مجھ سے ملوانے گھر لے آیا تو پھر میں نے جانے ہی نہیں دیا۔"خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ حدیقہ کو غصہ آرہا تھا کہ وہ وہاب کے آنے سے اتنی خوش کیوں ہیں۔

"کیا آپ نے اسے عانیہ کے گھر بھیجا تھا؟۔ حدیقہ کو اس کے یہاں رہنے کی وجہ تو سمجھ میں آگئی لیکن پارک آنے کی نہیں آئی سو تبھی سوال کر دیا۔

"ہاں بھیجا تھا۔ میں نے اتنے مزے کا گاجر کا حلوہ بنایا تھا تو سوچا تمہیں بھیج دوں عمیر تو گھر تھا نہیں اسے کہہ دیا تو اس نے چپ چاپ مان لیا۔ بڑا ہی فرمانبردار بچہ ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے" عمرینہ نے اس کی بلائیں لینا شروع کر دیں۔

"پھر اس نے آکر کچھ بتایا تھا؟" حدیقہ نے کریدا۔ کہیں وہاب نے اس کی شکایت ہی نہ لگادی ہو۔

"ہاں یہی کہ چوکیدار کہہ رہا تھا کہ تم دونوں پارک گئیں ہوئیں تھیں"

"اور تو کچھ نہیں بتایا اس نے؟" حدیقہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا تو ماما نے مشکوک انداز میں دیکھا۔

"کیا پوچھنا چاہ رہی ہو۔ ڈونٹ ٹیل می کہ وہاب تم سے ملا تھا اور تم نے اس سے بدتمیزی کی ہے" ماما صحیح نتیجے پر پہنچ گئیں اور وہ گڑبڑا گئی البتہ جلد ہی سنبھلتے ہوئے بات کو بدلنے کیلیے بولی۔

"نہیں ماما میں تو پارک تھی۔..... بس اس لیے پوچھ رہی تھی کہ حلوہ تو ہم تک پہنچا ہی نہیں کہیں آپ کا لاڈلہ خود ہی نہ کھا گیا ہو" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"خبردار اس کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سنوں گی اور اگر مجھے پتہ چلا کہ تم نے اس کے ساتھ کوئی شرارت کی ہے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔....... میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں۔" انہوں نے گھور کر ڈانٹا اور چلی گئیں۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑی رہ گئی۔ اسے اپنی ماما پر حیرانی ہو رہی تھی کہ وہ اس کی تعریفوں کے

پل باندھتے تھک ہی نہیں رہیں تھیں اور اس کے بارے میں کوئی بات بھی نہیں سن سکتیں۔ وہاب سے سخت جیلسی محسوس ہونے لگی۔

(ماما کی نظروں میں کیسے اچھا بنا ہوا ہے..... انہیں پتہ چلیں نا اس کے کرتوت..... فلرٹی انسان۔ یہ تو شروع سے ہی میرا دشمن ہے۔ ہمیشہ اسی کی وجہ سے مجھے ماما سے ڈانٹ پڑتی تھی۔..... اب بھی اسی کی وجہ سے پڑی ہے۔..... اور حدیقہ تم دیکھ لینا اگلی دفعہ بھی اسی کی وجہ سے پڑے گی۔...... جب تک یہ اس گھر میں رہے گا۔ میرے دل کو دھڑکا لگا ہی رہے گا۔ کہ کہیں میری شکائیت ہی نا لگا دے۔ ماما مجھے تو بہت ڈانٹیں گیں۔ مجھے جلد سے جلد اسے یہاں سے نکالنا ہو گا........ ناک میں ایسا دم کروں گی کہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگے گا۔ اور جوتوں کا ہوش بھی نہیں رہے گا.... بدتمیز.... جاسوس... فلرٹی..... چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔) اس کو الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے وہ اس کی شان میں قصیدے ہی لکھ ڈالتی۔ غصے سے کھولتے ہوئے اس نے صوفے پر کھینچ کر پاؤں مارا۔ لیکن غصہ صوفے کی بجائے اس کے پاؤں پر نکل گیا اور وہ تکلیف کی وجہ سے برے برے منہ بناتی پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

(یہ بھی تمہاری وجہ سے ہوا ہے اس کا بدلہ تو لے کر رہوں گی۔)

---------------------------

وہاب کے دادا کا نام عبد الحاکم شاہ تھا۔ وہ کراچی کے ساتھ کسی گاؤں کے جاگیر دار تھے۔ ماں باپ دونوں مر چکے تھے اور وہ اتنی وسیع جاگیر کے اکلوتے وارث تھے۔ فاطمہ بیگم سے شادی کے ایک سال بعد ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام شہریار رکھا گیا۔ اس کے بعد ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ان کے ایک مرحوم چچازاد بھائی کا یتیم بیٹا زبیر تھا جس کی یہ پرورش کر رہے تھے۔ جب وہ آٹھ سال کا تھا تو شہریار کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہاں سے

زبیر کے زہن میں شہریار کے لیے دشمنی ابھرنا شروع ہوئی تھی۔ بڑے ہونے تک اسے احساس ہو چکا تھا کہ یہ ساری جاگیر شہریار کے حصے میں جائے گی۔ اور اسے یہ گوارا نہیں تھا۔ لیکن شہریار کا انٹرسٹ جاگیر داری کی بجائے پڑھنے میں تھا۔ اس لیے میٹرک کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے کراچی چلا گیا اور پیچھے سے زبیر پر سکون ہو گیا کہ اس کے علاوہ اور تو کوئی ہے ہی نہیں یہ جاگیریں سنبھالنے والا۔ اس وقت اس کی شادی ہو چکی تھی۔ کراچی آکر ایک کالج میں شہریار کی ملاقات حیدر علی سے ہوئی۔ دونوں ہم جماعت تھے اس لیے جلد ہی دوستی ہو گئی۔ دو سال انہوں نے کالج میں اکٹھے پڑھا اور یونیورسٹی میں بھی اکٹھے ہی داخلہ لے لیا۔ وہاں دو سال پڑھنے کے بعد حیدر علی تو انگلینڈ چلے گئے جبکہ شہریار نے اسی یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کی۔ اس دوران ان دونوں کے درمیان رابطہ قائم رہا۔ واپس آنے کے کچھ عرصے بعد عبد الحاکم نے شہریار سے شادی کی بات کی تو شہریار نے یہ بات ان پر چھوڑ دی کہ وہ جیسے چاہیں کریں۔ اس وقت زبیر کے تین بچے ہو چکے تھے۔ جب اس سے شہریار کی شادی کی بات کی تو وہ دل ہی دل میں سخت پریشان ہوا کہ شہریار کی شادی ہو گی اور اس کی اولاد بھی ہو گی۔ وہ تو کسی بھی طور شہریار کو اس معاملے سے ہٹانا چاہتا تھا اگر اس کی اولاد بھی ہو جاتی تو یہ کام مشکل ہو سکتا تھا۔ بظاہر تو اس نے عبد الحاکم کے فیصلے کو سراہا تھا لیکن اس کے زہن میں کوئی سازش چل رہی تھی۔ گاؤں کی ہی ایک پڑھی لکھی لڑکی جبین کے گھر رشتہ لے جایا گیا۔ اور وہاں سے رشتہ منظور بھی کر لیا گیا۔ زبیر نے خفیہ طور پر جبین اور اس کے گھر والوں کو دھمکایا کہ وہ اس رشتے سے انکار کر دیں ورنہ ان کا سارا خاندان قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جلد ہی رشتے سے انکار ہو گیا۔ شہریار کے لیے یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ اس لیے انہوں نے ڈائریکٹ جبین سے بات کی تو اس نے ڈرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا۔ شہریار کو زبیر کے اس اقدام نے سخت دھچکا دیا جسے وہ اپنا بڑا بھائی تسلیم کرتا تھا وہ ہی اس سے دشمنی نبھا رہا ہے۔ شہریار نے آکر باپ کو ساری بات بتائی تو وہ بھی حیرت سے گنگ بیٹھے رہ گئے۔ لیکن زبیر کے سامنے اس حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس سے حالات اور بگڑ سکتے تھے۔ اس لیے خاموشی سے جبین کے

گھر والوں کو جا کر تسلی دی کہ ان کی زندگی خطرے میں نہیں پڑے گی اور وہ رشتے کے لیے ہاں کہہ دیں۔ وہ لوگ مان گئے اور زبیر پھر سے پریشان ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اس لیے چپ رہا اور شہریار کی شادی جبین کے ساتھ ہو گئی۔ اب زبیر کے پاس دھوکے سے ساری جاگیر اپنے نام لگوانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ لیکن اسے کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایک مہینے بعد شہریار کو بخار ہوا جو چھ ماہ تک رہا۔ ڈاکٹر کو چیک کروایا تو پتہ چلا کہ شہریار کینسر کا مریض ہے اور آخری سٹیج پر ہے۔ یہ سن کر زبیر تو خوش سے نہال ہو گیا۔ البتہ جبین اور عبدالحاکم غم سے نڈھال ہو گئے۔ اس کے ایک سال بعد شہریار کی ڈیتھ ہو گئی اس وقت جبین کی پانچ ماہ کی پریگنینسی تھی۔ جبین کے لیے یہ غم تو بہت بڑا تھا لیکن اپنے آنے والے بچے کے لیے اسے زندہ رہنا تھا۔ عبدالحاکم زبیر کی طرف سے ہوشیار ہو گئے تھے کیونکہ وہ اب جبین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ شہریار کے انتقال کے تیسرے دن ہی جبین کو قتل کرنے کی سازش ہونے لگی۔ تاکہ لوگوں کو یہ لگے کہ شوہر کے غم میں بیوی چل بسی۔ ایک ملازم کے ذریعے عبدالحاکم کو اس بات کی خبر ہو گئی۔ انہیں یہ پتہ تھا کہ وہ اب اکیلے جبین کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ زبیر اس وقت ان سے زیادہ طاقت میں آ چکا تھا۔ اس لیے وہ چپکے سے رات کو جبین کے کمرے میں گئے۔ وہ اس وقت سو رہی تھی۔ عبدالحاکم نے جلدی سے اسے اٹھایا اور اسے ساری بات بتائی۔ اسے جب پتہ چلا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے تو وہ سخت پریشان ہو گئی۔ جان بچانے کے لیے یہاں سے اب کہاں جا سکتی تھی۔ عبدالحاکم نے اسے تسلی دی اور شہریار کے دوست حیدر علی کے گھر کا پتا دیا۔ جبین تو اور زیادہ پریشان ہو گئی کہ اسے کراچی جانا پڑے گا اور وہ بھی رات کے اس وقت۔ اوپر سے اس کی عدت کے دن تھے۔ لیکن بچے کی جان بچانے کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ چنانچہ حویلی سے نکل کر پیدل سفر شروع کر دیا۔ وہ پہلے بھی کئی دفعہ کراچی گئی تھی جس وجہ سے اسے راستوں کے بارے میں علم تھا۔ چلتے چلتے اس کی حالت بہت خراب ہو گئی اور پیچھے سے قدموں کی آواز بھی آنے لگی۔ زبیر نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دیے تھے۔ اچانک اسے سڑک پر

ایک بس گزرتی ہوئی دکھائی دی تو اس کی امید بندھ گئی۔جب وہ بس کے ذریعے کراچی پہنچی تو پو پھوٹ رہی تھی۔اور بس سٹاپ پر کوئی رکشہ یا ٹیکسی بھی نہیں کھڑی تھی سو وہاں رکنے کی بجائے چلنے لگی۔کچھ ہی دیر میں اسے رکشہ مل گیا تھا۔ایک گھنٹے کے بعد وہ حیدر علی ہاؤس کے سامنے کھڑی تھی۔

اس وقت حیدر اور عمرینہ کو پاکستان آئے ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔اور عمرینہ بھی امید سے تھی۔حیدر علی کو بھی شہریار کی موت کی خبر ہو گئی تھی اور وہ عمرینہ کے ساتھ وہاں گئے تھے۔حیدر علی نے تو جنازے میں شرکت کی تھی البتہ عمرینہ جبین سے مل کر آئی تھی اور جبین کو یہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔اس وقت جبین کی حالت بہت بری تھی حیدر علی نے اپنے دوست کی بیوہ کی کھلے دل سے اس کی مدد کی۔اور عمرینہ نے بہن کی طرح اس کی دیکھ بھال کی۔بعد میں اس نے بتایا کہ وہ وہاں سے کیوں بھاگی ہے تو عمرینہ اور حیدر دونوں حیران رہ گئے۔پھر اسے تسلی دی کہ اب اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں اور وہ اب یہیں رہ سکتی ہے۔ارم بھابھی نے اعتراض تو بہت کیا لیکن ابرار علی نے اسے ڈانٹ کر خاموش کروادیا۔پھر عمرینہ اور جبین کی بہت اچھی دوستی ہو گئی۔عمرینہ کے ہاں عمیر کی پیدائش ہوئی تو جبین نے اس کا خیال رکھا۔ایک مہینے بعد وہاب کی پیدائش ہوئی تو عمرینہ نے جبین کی دیکھ بھال کی۔عمرینہ کو وہاب تو اتنا پسند تھا کہ ہر وقت اسے اٹھائے پھرتی۔جبکہ جبین عمیر کے پیچھے دوڑتی رہتی۔اس طرح وہاب کی پرورش عمرینہ نے کی اور عمیر کی پرورش جبین کے ہاتھوں ہوئی۔جبین پڑھی لکھی تھی اس لیے حیدر علی کے اعتراض کے باوجود اس نے ایک سکول میں جاب شروع کر دی تاکہ وہ ان پر مزید بوجھ نہ بنے۔کچھ عرصے بعد وہاب کے دادا عبدالحاکم حیدر علی ہاؤس پہنچ گئے اور اپنے پوتے کو دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔انہوں نے جبین کو بتایا کہ وہ اتنا عرصہ ان سے اس لیے نہ مل سکے کیونکہ وہ مجبور تھے۔زبیر اب سارے جاگیر کا وارث تھا۔اب وہ ان سے طاقتور تھا۔وہ زبیر کو کسی طرح بھی خود پر شک نہیں کرنے دے سکتے تھے۔پھر وہ اکثر وہاب سے ملنے آجایا کرتے تھے۔دو سال بعد حدیقہ کی پیدائش ہوئی تو جبین کو نیلی آنکھوں اور سنہرے

بالوں والی یہ گڑیا اتنی پسند آئی کہ اس نے جھجھکتے ہوئے عمرینہ سے حدیقہ کا رشتہ وہاب کے لیے مانگ لیا۔ اور عمرینہ اپنی بیسٹ فرینڈ کو انکار کیسے کر سکتی تھی بلکہ وہ تو خود بھی یہی چاہتی تھی۔ اس لیے خوشدلی سے اپنی دوست کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس رشتے کو مان لیا۔ حیدر علی کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس کے بعد تو جبین نے حدیقہ کو ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھا۔ اس کے اتنے لاڈ عمرینہ نے نہیں اٹھائے تھے جتنے جبین نے اٹھائے۔ ایک دفعہ جب حدیقہ آٹھ سال کی تھی اور وہاب اس وقت دس سال کا تھا۔ اس روز وہ سب کسی پارک میں گئے ہوئے تھے عمرینہ اور جبین ایک بینچ پر بیٹھیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ وہاب بینچ کے پاس خاموش سا کھڑا عمیر اور حدیقہ کو کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ نے اسے بھی اپنے ساتھ کھیلنے کا کہا لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حدیقہ کو اس کے انکار پر سخت غصہ آیا اور آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ وہ جو بڑے سکون سے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا تھا اس اچانک افتاد پر گھبرا گیا اور سنبھل نہ سکا۔ نتیجتاً وہ آگے کو گرا اور اس کا سر سامنے بینچ کے کنارے سے جا ٹکرایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی خوبصورت پیشانی خون سے تر ہو گئی۔ پھر اسے جلدی سے ہاسپٹل لے کر جایا گیا اور ڈریسنگ کروائی۔ بعد میں حدیقہ کو جو ڈانٹ عمرینہ سے پڑی وہ اسے آج بھی یاد آتی تو غصے سے اس کا برا حال ہو جاتا۔ جبین نے تو اس معاملے میں بھی حدیقہ کی ہی سائیڈ لی تھی۔ جب وہاب پانچویں جماعت میں تھا تو جبین بیمار رہنے لگی۔ ڈاکٹروں سے علاج کروایا لیکن اس کی حالت بتدریج خراب ہوتی گئی۔ آخر کار وہ زندگی سے ہار گئی اور وہاب کو عمرینہ کے سپرد کر گئی۔ عمرینہ اس کی موت پر اتنا روئی تھی کہ کوئی کسی اپنے پر بھی نہیں روتا۔ اس کے دکھ میں اور اضافہ تب ہوا جب وہاب کے دادا اسے اپنے ساتھ لے جانے آ گئے۔ عمرینہ نے تو صاف صاف منع کر دیا۔ عبدالحاکم نے حیدر علی کو بتایا کہ زبیر کو پتہ چل گیا ہے کہ وہاب کہاں ہے۔ اس لیے وہ اسے اپنے ساتھ یہاں سے دور لے کر جانا چاہتے ہیں۔ حیدر علی کو بھی وہاب کی سیکیورٹی کی فکر ہونے لگی تو انہوں نے عمرینہ کو سمجھایا کہ وہ وہاب کے سرپرست ہیں انہیں حق ہے کہ وہ اپنے پوتے کے لیے جو مناسب لگے وہ کریں۔ پھر وہاب

دادا ابو کے ساتھ لاہور آگیا اور وہاں اس کا داخلہ کیڈٹ سکول میں ہو گیا۔ زبیر نے ساری جاگیریں اپنے نام لگوا لیں تھیں اور اب عبدالحاکم کے پاس اتنے زیادہ پیسے نہیں تھے کہ اس کا داخلہ کیڈٹ سکول میں کرواتے لیکن وہاب کے ففتھ کلاس میں بہت زبردست نمبر آئے تھے اس لیے اسے سکالرشپ مل گئی۔ وہ وہیں ہاسٹل میں رہنے لگا۔ جبکہ عبدالحاکم وہیں ایک کرائے کا گھر لے کر رہنے لگے۔ وہاب ان کا پوتا تھا اور ان کے جیسے بھی حالات ہوتے انہیں اب خود وہاب کی پرورش کرنی تھی۔ اس وقت تو مجبوری تھی کہ جبین کو کراچی حیدر علی کے پاس بھیج دیا تھا اور زبیر کی موجودگی میں وہ بمشکل وہاب سے ملنے آتے تھے تو اس کی مدد کیا کرتے۔ پھر ایک دن زبیر کو پتہ چل گیا کہ عبدالحاکم کراچی کس کے پاس جاتے ہیں تو اس نے اپنے آدمی دوڑا دیے لیکن عبدالحاکم پہلے ہی اسے وہاں سے لے کر جا چکے تھے۔ زبیر کے آدمیوں نے حیدر علی کو ڈرا دھمکا کر وہاب کے بارے میں پوچھا لیکن انہیں خود پتہ نہیں تھا کہ اس کے دادا ابو اسے کہاں لے کر گئے ہیں اور اگر پتہ بھی ہوتا تو وہ کبھی اس کے بارے میں نہ بتاتے۔ اور ان کے پاس عبدالحاکم کا کوئی کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں تھا اس لیے رابطہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ زبیر نے بالآخر تھک ہار کر وہاب کا پیچھا چھوڑ دیا۔ جب وہاب میٹرک کے بعد چھٹیوں میں دادا کے پاس گھر آیا تو عبدالحاکم کی بھی وفات ہو گئی۔ اب اسے اکیلے ہی جینا تھا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ آگے کی تعلیم جاری رکھ سکتا لیکن سکالرشپ کے ذریعے وہ آگے پڑھ سکتا تھا۔ آئی سی ایس فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے کے بعد اس نے سکالرشپ کے لیے مختلف یونیورسٹیوں میں اپلائی کیا جو کراچی یونیورسٹی میں اپروو ہو گیا اور اس طرح وہ واپس کراچی آگیا ۔ہاسٹل میں رہتے ہوئے اس نے پارٹ ٹائم جاب بھی شروع کر دی جس سے اس کا گزارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو حیدر علی ہاؤس جا سکتا تھا لیکن جو خودی بچپن میں ہی اس کی ماں نے اسے سکھا دی تھی وہ اس کے آڑے آرہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ان سے ملنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے بھی ان کی بہت یاد آتی تھی اور اس کا وہاں جانا ضروری بھی تھا کیوں کہ وہاں حدیقہ تھی....... لیکن وہ کچھ بن کر وہاں جانا چاہتا تھا۔ اس لیے انہیں اپنے کراچی

آنے کی اطلاع نہ دی۔ اس نے سافٹ ویئر انجینئرنگ کے سبجیکٹس رکھے تھے اور اتفاق سے عمیر کے بھی وہی سبجیکٹس تھے۔ وہاب نے عمیر کو اپنے ڈیپارٹمنٹ میں دیکھ لیا تھا لیکن خواہش کے باوجود اس سے بات نہ کر پایا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر عمیر کو پتہ چل گیا تو وہ اسے اپنے گھر چلنے کی ضد کرے گا اور وہاب کو اس کی بات ٹالنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر عمیر ایک سیکشن میں ہوتا تو وہاب جان بوجھ کر دوسرے سیکشن میں چلا جاتا اور اس طرح دو سال تک آنکھ مچولی کا کھیل چلتا رہا۔ وہاب اپنے کام سے کام رکھنے والا لڑکا تھا اس لیے زیادہ مشہور نہیں تھا۔ جب بھی عمیر وہاب کا نام رزلٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر دیکھتا تو اسے اپنا بچپن کا دوست یاد آجاتا لیکن اس معصوم کو کیا پتہ تھا کہ یہ وہاب وہی ہے۔ کئی دفعہ اس نے وہاب سے ملنے کی کوشش بھی کی لیکن وہاب یا تو کلاسز اٹینڈ کر رہا ہوتا یا یونی ورسٹی سے جا چکا ہوتا۔ ایک دن ایک سیمینار میں وہاب کا ایک روم میٹ زبردستی اسے لے گیا اور اتفاق سے عمیر بھی اس کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ وہ منہ چھپا کر وہاں سے اٹھنے ہی والا تھا کہ اسی وقت وہاب کے دوست نے وہاب کا نام لے دیا اور عمیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ عمیر اسے پل بھر میں پہچان گیا تھا اور اٹھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ وہاب بھی اتنے عرصے بعد کسی اپنے کے گلے لگا تھا اس کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اس سے الگ ہوتے ہی عمیر نے پے در پے سوال کرنے شروع کر دیے۔ اس سے شکوہ بھی کیا کہ وہ کب سے کراچی آیا ہوا ہے اور اس سے ملا بھی نہیں۔ اسے ماما کے بارے میں بتایا کہ وہ اسے کتنا مس کرتیں ہیں۔ پھر اس نے وہاب کو گھر لے کر جانا چاہا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ عمرینہ نے وہاب کو جب اپنے سامنے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس کی دوست کی نشانی آخرکار اسے مل گئی تھی۔

"کتنے چھوٹے سے تھے نا تم جب گئے تھے اور اب ماشاءاللہ اتنے بڑے اور خوبصورت ہو گئے ہو۔ ہماری یاد نہیں آئی تمہیں۔" عمرینہ اس کا چہرہ تھام کر فرط جذبات سے بولی تو عمیر نے بتایا کہ یہ دو سال سے کراچی میں ہے اور

ہمیں بتایا تک نہیں۔اس پر عمرینہ وہاب سے سخت خفا ہو گئی وہاب نے بہت منایا لیکن عمرینہ نے ناراضگی ختم کرنے کیلیے اس کے یہاں رہنے کی شرط رکھ دی۔وہاب بھلا اپنی ماں جیسی خالہ کو ناراض کیسے کر سکتا تھا سو اسے ماننا ہی پڑا۔رات کو حیدر علی صاحب گھر آئے تو وہاب کو سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔گرمجوشی سے اسے گلے لگایا اور بہت سوال کیے کہ وہ کہاں رہا۔کیا پڑھا وغیرہ تو اس نے سعادت مندی سے سارے سوالوں کے جواب دیے۔اس کی بے تاب نظریں حدیقہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں لیکن وہ اسے دکھائی نہ دی۔پھر عمرینہ نے اسے بتایا کہ اس کی دوست عانیہ کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی ہے اس لیے وہ اس کے پاس رہ رہی ہے۔وہ جان چکی تھی کہ وہاب حدیقہ سے ملنا چاہتا ہے اس لیے اس نے بہانے سے اسے عانیہ کے گھر بھجیا لیکن چوکیدار نے بتایا کہ حدیقہ اپنی دوست کے ساتھ نزدیکی پارک گئی ہے۔اس نے گاجر کا حلوہ چوکیدار کو دیا اور خود پارک کی جانب چل پڑا۔وہ سوچ رہا تھا کہ حدیقہ اب کیسی ہو گی۔بچپن کی طرح شرارتی ہو گی یا میچور ہو چکی ہو گی۔اسے دیکھ کر پہچانے گی بھی یا نہیں۔حدیقہ نے تو اس وقت اسے نہ پہچانا لیکن اس نے ایک ہی نظر میں اسے پہچان لیا تھا اس کا ایک رخ نظر آرہا تھا اور اسے وہ کسی پری کی طرح خوبصورت لگی تھی۔وہ چلتی ہوئی ایک درخت کے پاس جا کر رک گئی تھی جس کے پار ایک کپل کھڑا تھا۔وہاب حیران ہوا یہ وہاں کیا سن رہی ہے۔قریب جانے پر اسے ساری بات سمجھ آگئی تھی۔یہ لڑکی کبھی نہیں سدھر سکتی۔وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔جب حدیقہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا تو وہ اس کی خوبصورتی کو دیکھتا ہی رہ گیا۔وہ بچپن سے زیادہ خوبصورت ہو چکی تھی۔حدیقہ نے جب اسے نہ پہچانا تو اس نے بھی جان بوجھ کر اسے اپنا نام نہ بتایا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر دیکھ کر کیسے ری ایکٹ کرے گی۔وہاب کی توقع کے مطابق وہ بہت ڈر گئی تھی۔اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ حدیقہ نے آج تک اپنی شرارتوں کے سامنے کسی کو ٹکنے نہیں دیا۔یہ کھیل اب بہت دلچسپ ہونے والا تھا اور مقابلہ برابر کا تھا۔

-----------------------------------

وہ بہت بڑے رقبے پر پھیلا سفید سنگ مرمر کا ایک خوبصورت بنگلہ تھا جس کے تین فلور تھے۔ سامنے کی دیوار کے درمیان میں اینٹرینس دروازہ تھا اور دائیں بائیں شیشوں کی کھڑکیاں تھیں۔ دوسری اور تیسری منزل کی بالکونیاں بھی اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ سامنے والے بڑے اور سر سبز وشاداب لان کی گھاس دھوپ پڑنے سے خوب چمک رہی تھی۔ لان کی احاطہ کرنے والی دیواروں کے ساتھ سدا بہار درخت لگے ہوئے تھے۔ کئی ملازم لان کی دیکھ بال میں مصروف تھے۔ لان کے وسط میں ایک اونچا سا فوارہ بھی نصب تھا۔ دائیں طرف ایک سویمنگ پول تھا۔ مین گیٹ سے شروع ہونے والی ڈرائیو وے فوارے کے پاس سے گزرتی پورچ تک جا کر ختم ہوتی تھی۔ عانیہ جس گاڑی میں تعبیر اور حماد کے ساتھ تھی اسے پورچ تک پہنچنے میں ایک منٹ تو ضرور لگا تھا۔ پورچ میں پہلے سے تین گاڑیاں موجود تھیں۔ ایک نوکر نے آکر گاڑی کے دروازے کھولے۔ دو تین نوکر سائیڈ پر باادب کھڑے تھے۔ عانیہ کو یہ شان وشوکت دیکھ کر حیرت تو ہوئی لیکن وہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"تو یہ ہے ہمارا غریب خانہ "حماد نے عانیہ کے قریب آکر عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تعبیر بھی نزدیک آکر کھڑی ہو چکی تھی۔

"آپ اسے غریب خانہ سمجھتے ہیں"۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔

"اوہو محاورہ بولا ہے۔"حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ اچھا۔ ویسے یہ گھر بہت بڑا ہے دو لوگوں کیلیے اتنا بڑا گھر کچھ عجیب نہیں لگتا؟"عانیہ صاف گوئی سے بولی۔

"یہ تو تم تعبیر سے ہی پوچھو اسے ہی شوق ہے کہ ایک بہت بڑا محل ہو اور یہ وہاں کی شہزادی ہو "حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے ہی ضد کر کے بنوایا تھا۔ کیونکہ مجھے چھوٹے گھر بالکل نہیں پسند " تعبیر بولی۔

"چلو اندر چلیں یا آج صرف باہر سے ہی دیکھنا ہے" حماد نے بظاہر عام سے انداز میں مذاق کیا تھا لیکن عانیہ کو اس کے لہجے میں غرور دکھائی دیا تھا۔ وہ گہرا سانس بھرتی ان کے ساتھ اندر کی جانب چل پڑی۔ گلاس ڈور کے کھلتے ہی وہ اندر داخل ہوئے سامنے ہی ایک بڑا سا لاؤنج تھا جس میں صوفے پڑے تھے اور یہاں بھی ملازموں کی فوج تھی۔ لاؤنج میں سے ہی سیڑھیاں اوپر کی منزل تک جاتی تھیں۔ دائیں طرف گلاس ڈور سے ڈائننگ ہال نظر آ رہا تھا۔ جبکہ بائیں طرف لابی تھی۔ سارا انٹیریر ڈارک اینڈ لائٹ گولڈن کلر کے امتزاج سے بنا ہوا تھا۔ اسے لگا ہر چیز سونے کی بنی ہے۔ اور وہ کسی فیری ٹیل کی دنیا میں آ گئی ہے۔ لیکن وہ عانیہ ہی کیا جو کسی کی شان و شوکت سے متاثر ہو جائے۔ اسے تو یہ سب پیسے کا ضیاع ہی لگا تھا۔ حالانکہ حماد اور تعبیر انتظار ہی کرتے رہ گئے کہ کچھ تو کہے۔

"اچھا لگا" حماد نے بالآخر خود ہی پوچھا۔ وہ جو ارد گرد دیکھ رہی تھی چونکی۔

"ہمم" سنجیدگی سے جواب دیا۔ حماد اور تعبیر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"چلو آؤ تمہارا روم دکھاؤں۔ وہ بھی بہت پیارا ہے۔" حماد سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

اوپر والا پورشن بھی فل فرنیشڈ تھا۔ حماد ان کو لیے ایک جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔ حماد نے کمرے کا لاک کھولا۔ عانیہ کا روم بھی بہت پیارا تھا۔ بے بی پنک کلر کی سجاوٹ تھی دائیں سائیڈ کی پوری دیوار شیشے کی تھی۔ اس میں ایک گلاس ڈور بھی تھا جو بالکونی میں کھلتا تھا۔ اس طرف عمارت کی پچھلی سائیڈ تھی۔ ابھی آگے پردے تھے اس لیے عانیہ کو باہر سے کوئی چیز نظر نہ آ سکی تھی۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ بڑا سا بیڈ پڑا تھا۔ اور اس دیوار پر ایک بڑا سا آئینہ لگا تھا۔ بائیں جانب واڈروبز اور ڈریسنگ ٹیبل پڑا تھا۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار پر ایک بڑی سی ایل سی ڈی لگی تھی۔ وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پسند آیا کمرہ؟" حماد نے پوچھا۔

"پسند تو آیا ہے۔ لیکن میں کسی سادے کمرے میں بھی آرام سے رہ سکتی ہوں۔" عانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"یہ کمرہ سپیشل تمہارے لیے ہی تو تیار کروایا تھا میں نے۔" تعبیر نے ناز بھرے انداز میں کہا۔

"تو وہ کونسا کہہ رہی ہے کہ نہیں پسند آیا۔ چلو اب اسے آرام کرنے دو۔" حماد نے تعبیر کو کہا۔

"لگتا ہے آپ نے میری بات کو مائینڈ کیا ہے" عانیہ نے تعبیر سے پوچھا۔

"اس میں مائینڈ ہوگا تو کرے گی نا۔" حماد نے شرارت سے کہا تو تعبیر نے منہ پھلا لیا۔

"تم اب آرام کرو۔ تمہارا سامان ابھی آجائے گا۔ اور اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو پریشان نہیں ہونا۔ بلا جھجھک کہہ دینا۔ اوکے۔" حماد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ تعبیر کا بازو کھینچتے ہوئے اسے لے گیا۔

(عجیب بات ہے اتنی عمر میں تو لوگ ہاتھوں میں ڈگریاں پکڑے دھکے کھا رہے ہوتے ہیں اور یہ ابھی سے اتنے امیر کیسے ہو گئے۔ امیر ہونے کیلیے تو ایک عمر چاہیے ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حماد بھائی کے ڈیڈ کی جائیداد ہو۔ خیر مجھے کیا۔ میں اپنے مام ڈیڈ کا بدلہ لینے آئی ہوں اور مجھے اسی طرف دھیان رکھنا چاہیے۔) وہ الجھ کر سوچ رہی تھی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے دو لڑکیاں تھی جن کے ہاتھوں میں اس کا سامان تھا۔

"یہ آپ کا سامان؟" ایک لڑکی بولی۔

عانیہ نے آگے بڑھ کر اپنا سامان لینا چاہا تو ایک لڑکی بول اٹھی۔

"مس ہم خود اندر رکھ دیتے ہیں۔ آپ زحمت نہ کریں" اور عانیہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر سامان اٹھا کر اندر آگئیں۔ عانیہ مڑی اور اپنے سامان کی طرف بڑھی۔

"مس ہم آپ کا وارڈروب بھی سیٹ کر دیں گے"۔ دوسری بولی تو اسے سخت کوفت ہوئی۔ اسے اس وقت آرام کی ضرورت تھی اور یہ جان ہی نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ ایک ملازمہ آگے بڑھ کر سوٹ کیس کی زِپ کھولنے لگی۔ عانیہ نے اس لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔

"میرے ہاتھ نہیں ٹوٹے میں خود کر لوں گی۔ تم لوگ اب جاؤ" وہ غصے سے بولی تو دونوں لڑکیاں سہم گئیں۔

"سوری مس ایکچولی سر نے حکم دیا ہے کہ آپ کا ہر کام اب سے ہمارے ذمہ ہے۔ آپ آرام کریں ہم کر دیتے ہیں نا" ایک لڑکی نے ڈرتے ہوئے کہا تو عانیہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

"تم لوگوں کو سمجھ نہیں آرہا میں کیا کہہ رہی ہوں جاؤ یہاں سے ورنہ میں تم لوگوں کی شکایت لگا دوں گی"

"نن... نہیں ہم جا رہے ہیں۔ آپ سر کو کچھ مت بتائیے گا۔ پلیز۔" وہ لڑکی تو کانپنے لگی اور دوسری لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر باہر کو بھاگی۔

(او گاڈ۔ کیسے ڈر رہی تھیں یہ لڑکیاں۔ مجھے تو سچ مچ یہ شاہی محل لگنے لگا ہے۔ اگر ایک بھی غلطی ہوئی تو گردن اڑا دی جائے گی۔ اف۔ دماغ پاگل کر دیا میرا) غصے سے سوچتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور سوٹ کیس سے ایک لباس نکال کر واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

____________________________

حدیقہ اپنے کمرے میں بیڈ پر کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی میگزین کی ورک گردانی کر رہی تھی جب عنیقہ دروازہ کھولتے ہوئے اندر چلی آئی تھی۔

"تم آچکی ہو اور مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم نے کونسا ریڈ کارپٹ بچھالینا تھا میرے لیے۔" جلا بھنا جواب آیا تو عنیقہ کو حیرت ہوئی۔ حدیقہ شرارتیں تو کر سکتی تھی لیکن جلی کٹی نہیں سناتی تھی۔ یہ تو اس کا کام تھا۔ حدیقہ اپنی شرارتوں سے عنیقہ کو بھی تنگ کرنے سے باز نہ آتی تھی اور عنیقہ اس کو برا بھلا کہہ کر ناراض ہو جاتی جبکہ حدیقہ اسے مناتی تک نہ۔ وہ جانتی تھی کہ عنیقہ کو باتیں کرنے کا بہت شوق ہے اور وہ اس سے ایک دن سے زیادہ ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ ابھی بھی وہ باتوں کی پٹاری کھولنے آئی تھی۔ لیکن آگے سے حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے؟ موڈ خراب لگتا ہے آج۔"

"نہیں کچھ نہیں ہوا تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھی۔" صبح ہونے والے واقعے نے اس کا موڈ خراب کیا ہوا تھا لیکن اب سنبھل گئی تھی۔

"اتنے دن وہاں لگا آئی۔ باری تمہیں بہت مس کر رہا تھا۔" عنیقہ نے اپنے بارہ سالہ بھائی کا نام لے کر کہا۔ تو حدیقہ مسکرا دی

"اپنی بندوق کسی اور کے کندھے پر رکھ کر نہ چلاؤ۔ صاف صاف کہو تم نے میری معصوم شرارتوں کو مس کیا۔" اس نے کہا تو عنیقہ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئی۔

"اونہہ۔ معصوم شرارتیں۔ میں تو بہت خوش ہوئی تھی جب تم یہاں سے گئی تھی۔ اچھا یہ بتاؤ تم واپس کیوں آ گئی؟"

"عانیہ کے کزن اس لینے آ گئے تھے۔ پھر میں وہاں رہ کر کیا کرتی" وہ اچانک افسردہ ہو گئی

"اوہ تبھی میں کہوں تم اپنی دوست کو چھوڑ کر آ گئی۔ ویسے دوستوں کیلیے کوئی اپنا گھر چھوڑ دیتا ہے کیا؟"

"میں چھوڑ دیتی ہوں کوئی مسلہ؟" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"اوہو تمہیں آج ہوا کیا ہے؟ کوئی تو مسلہ ہے" عنیقہ نے اسے کریدنا چاہا لیکن وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم یہ بتاؤ تمہاری سکن اتنی رف کیوں ہوئی ہے۔ کوئی فیشل نہیں کیا آجکل میں "اس نے بات بدلنی چاہی۔

"اچھا۔ لیکن کل ہی تو کیا تھا پھر بھی پتہ نہیں کیوں رف ہو گئی ہے "اس نے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا سکن کلر حدیقہ کی طرح فیئر نہیں تھا اس لیے اس کے سر پر گورا ہونے کا خبط سوار رہتا تھا۔

حدیقہ نے چہرہ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"میں سوچ رہی تھی پیپرز کے بعد کب سے ہم فارغ ہیں۔ رزلٹ کو صرف دو مہینے رہ گئے ہیں کیوں نہ کوئی کورس ہی کر لیں۔ میرے حساب سے بیوٹی پالر کا کورس ٹھیک رہے گا تمہارا کیا خیال ہے؟ "عنیقہ نے واپس اس کی طرف چہرہ موڑتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

"ہاں اچھا فیصلہ ہے تمہارے لیے بہتر رہے گا۔ "عنیقہ کو پڑھائی کے علاوہ اور چیزوں میں زیادہ دلچسپی تھی۔

"میں ہم دونوں کی بات کر رہی ہوں"

"نا بابا نا مجھے نہ گھسیٹو اس چکر میں۔ میں تو بابا کی لائبریری میں جا کر کتابیں پڑھنے کا کورس کروں گی نصابی کتابیں پڑھ پڑھ کر میرا دماغ پک گیا ہے۔ "اس نے مزے سے کہا۔

"اف اتنا بورنگ کام میں تو نہیں کر سکتی۔ پتہ نہیں تم کیسے کر لیتی ہو"

"خبردار اسے بورنگ کہا تو کہانیاں پڑھنا میرا جنون ہے جیسے خوبصورت دکھنا تمہارا جنون ہے۔"

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو میں ہمیشہ خوبصورت دکھنا چاہتی ہوں۔ بس تھوڑا رنگ سانولا ہے لیکن میرے نین نقش تو تم سے بھی خوبصورت ہیں۔ اگر اپنے چہرے پر ذرا سی محنت کروں نا تو ٹی وی والے مجھے ڈراموں میں ہیروئن کاسٹ کریں گے۔ "وہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی تھی اور حدیقہ ہنسنا شروع ہو گئی تھی۔ عنیقہ کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی تعریف کچھ زیادہ ہی کر دی ہے اور حدیقہ کو ہنسنے کا موقع مل گیا ہے۔

"تمہیں پتہ ہے کہ تم لوگوں کے گھر کوئی نیا مہمان آیا ہے۔ وہاب جو بچپن میں یہیں رہتا تھا۔ قسم سے اتنا ہینڈسم ہو گیا ہے۔ میں تو اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ "عنیقہ نے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر کہا لیکن حدیقہ کا اس کے ذکر سے حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"چلو... اب تم شروع ہو جاؤ اس کی شان میں قصیدے پڑھنے۔ "اس کے لہجے میں بیزاریت دیکھ کر عنیقہ حیران ہوئی۔

"ارے سچ میں وہ بہت ہی اچھے ہیں۔ کوئی بھی کام کہو مان لیتے ہیں تمہارے بھائی کی طرح نخرے نہیں کرتے۔ کل میں علینہ کی طرف جانا چاہتی تھی تمہارے بھائی کی اتنی منتیں کیں لیکن وہ بھی نہ مانا۔ کہتا ہے پیپر ہونے والے ہیں میرے پاس ٹائم نہیں لیکن میں بھی ضد کرنا شروع ہو گئی پھر چچی جان نے وہاب سے کہا تو وہ آرام سے مان گئے۔ بہت ہی شاندار پرسنیلٹی ہے ان کی.... "وہ اپنی ہی دھن میں نان سٹاپ شروع ہو چکی تھی جب حدیقہ نے اس کی بات کاٹی۔

"خیر تو ہے نا دال میں کچھ کالا کالا سا محسوس ہو رہا ہے۔ بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں اپنے ان کیں" حدیقہ نے 'ان' پر زور دیتے ہوئے مشکوک لہجے میں کہا تو عنیقہ پہلے بری طرح گڑبڑائی لیکن پھر خود کو سنبھالتے ہوئے تھوڑا شرما کر بولی

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں"

"جس طرح تم شرما رہی ہو۔ ہو نا ہو بات ایسی ہی ہے"

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے میں تم سے ناراض ہوتی ہوں۔ اگر میری کوئی اور کزن ہوتی نا تو میں تم سے منہ بھی نہ لگاتی۔ "وہ غصے سے کہتے ہوئے اٹھی اور باہر کا رخ کیا۔

"جاتے جاتے یہ تو بتاتی جاؤ کہ میں نے ٹھیک تو کہا نا"عنیقہ کو باہر نکلتے ہوئے اس کی بات قہقہے سمیت موصول ہوئی تو اس کا دل کیا کسی پتھر سے جا کر سر پھوڑ لے۔ سیڑھیوں پر اسے چچی جان نظر آئیں اور وہ اس کے یوں بھاگنے پر حیران ہوتے ہوئے بولیں

"بچے آرام سے جاؤ بھاگ کیوں رہی ہو۔"یہ سنتے ہی اس کے قدم سست ہوئے لیکن وہاں رکی نہیں اور چلتے ہوئے دوسرے پورشن میں چلی گئی۔ جہاں عنیقہ کی فیملی رہتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ اس نے حدیقہ سے یہ بات کیوں کہی۔ اسے اب اس کے دل کا حال معلوم ہو جائے گا اور وہ اس کا مذاق اڑائے گی۔

"ہائیں اس کو کیا ہوا لگتا ہے حدیقہ نے پھر تنگ کیا ہو گا اسے تو ذرا میں پوچھتی ہوں"ماما سوچتی ہوئیں حدیقہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ دروازہ کھول کر حدیقہ کے سر پر جا پہنچیں

"تم نے عنیقہ سے کہا ہے کچھ؟"ماما نے برہمی سے سوال کیا

"نہیں تو"وہ مختصراً بولی

"تو پھر وہ اس طرح منہ بنا کر بھاگتے ہوئے کیوں جا رہی تھی؟"

"ہاں یاد آیا اتنی بونگیاں مار رہی تھی میرا تو قسم سے سر دکھ گیا۔ بس اتنا ہی کہا تھا کہ سی یو لیٹر۔ پھر وہ اٹھ کر چلی گئی اور میں چاہتی بھی یہی تھی۔"اس نے مہارت سے جھوٹ بولا

"ایسا تو نہیں کرتے نا بچے وہ تم سے دو چار باتیں کرنے آتی ہے اور تم سن بھی نہیں سکتی۔"ماما نے اسے سمجھایا

"دو چار باتیں کرے تو بندہ سن بھی لے"اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"کچھ بھی ہو آئندہ تم اسے ایسا نہیں کہو گی چلو اٹھو لنچ کر لو آ کر"ماما نے گھور کر کہا اور چلی گئیں۔

"میرے جانے سے آپ کہیں بدل تو نہیں گئیں صبح سے مجھے ہی ڈانٹا جا رہا ہے۔"اس نے اونچی آواز میں کہا جو ماما نے باہر نکلتے ہوئے سن لیا تھا اور مسکراتے ہوئے نیچے چلیں گئیں۔

"پتہ نہیں عانیہ کہاں ہو گی۔ ابھی تک فون بھی نہیں کیا" وہ عانیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اٹھی اور نیچے کی جانب چل پڑی۔

-----------------------------------

عانیہ نے پردے ہٹائے تو سنہری دھوپ کی کرنیں گلاس وال سے گزر کر کمرے کو روشن کر گئیں۔ اس نے گلاس ڈور کو کھولا اور بالکونی میں آ گئی۔ یہاں سے اسے ایک سادہ سی عمارت نظر آئی۔ وہ حیران ہوئی کہ اس خوبصورت بنگلے کے پیچھے ایک سادہ سی عمارت بھی ہے۔ اچانک اسے وہاں سے دو لڑکیاں نکلتی ہوئی دکھائی دیں تو وہ سمجھ گئی کہ یہ انیکسی ہے اور یہاں ان کے ملازم رہتے ہیں۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ حدیقہ کا فون آ گیا۔ وہ کمرے میں جا کر فون لے کر وہیں آ گئی اور کال اوکے کر دی۔

"ہیلو عانیہ کیسی ہو؟ سفر کیسا گزرا؟ پہنچ کر فون بھی نہیں کیا۔ پہنچے ہوئے تو ایک دو گھنٹہ تو ہو ہی گیا ہو گا۔" کال آن ہوتے ہی حدیقہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تو عانیہ مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں اور پہنچ گئی ہوں۔ ابھی لنچ کیا ہے"

"کوئی پرابلم تو نہیں وہاں۔ اور اپنا خیال تو اچھے طریقے سے رکھ رہی ہو نا؟" حدیقہ کو ابھی بھی اس کی فکر کھائے جا رہی تھی۔"

"یار میں نے تمہیں آنٹی کو تسلی دینے کیلیے کہا تھا اور تم خود اتنی پریشان ہو رہی انہیں خاک مطمئن کرو گی۔"

"میں نے اپنی طرف سے تو پوری کوشش کی ہے انہیں مطمئن کرنے میں لیکن تم خود ایک دفعہ ان سے بات کرو تاکہ انہیں میری باتوں پر یقین آ جائے۔" حدیقہ نے فون لے جا کر ماما کو دے دیا اور اگلا آدھا گھنٹہ عانیہ انہیں مطمئن کرتی رہی۔ لیکن اب اسے یہ پریشانی نہیں رہی تھی کہ حیدر انکل اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ آنٹی عمرینہ اب عانیہ کی حمایت میں بول کر انہیں کنونس کر سکتی تھیں۔

"اب تسلی ہو گئی آپ کو؟" حدیقہ نے ماما سے فون لیتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا اور وہ فون لے کر کمرے کی جانب چل دی۔

"تھینک گاڈ آنٹی تو راضی ہوئیں۔ انکل کو وہ خود ہی منا لیں گیں۔"

"وہ تو مان ہی جائیں گے لیکن یار مجھے تمہاری بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔ تم پلیز احتیاط کرنا۔ اور ہر بات مجھ سے شیئر کرنا۔ خود کو مشکل سے بچانا اور خوامخواہ خطرے میں مت پڑنا۔" حدیقہ نے نصیحتوں کے انبار لگا دیے اور وہ مسکرا دی۔

"راجر باس۔ آپ ٹینشن ہی مت لیں۔"

"عانی میں واقعی پریشان ہوں اور تم اس بات کو مذاق میں مت اڑاؤ۔ مجھ سے وعدہ کرو میری خاطر اپنی حفاظت کرو گی ورنہ میں بابا کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"ٹھیک ہے وعدہ۔ بس تم کسی کو یہ بات نہ بتانا پلیز۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی تو حدیقہ کو وہاب یاد آیا۔

"ارے ہاں یاد آیا۔ وہ لڑکا یاد ہے تمہیں.... وہ جو پارک میں ہمیں ملا تھا" حدیقہ نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں جس نے تمہیں کسی کی باتیں سنتے دیکھ لیا تھا"

"وہ وہاب ہے جو بچپن میں ہمارے گھر ہی رہتا تھا تم نے شاید دیکھا ہوا اسے ہمارے گھر۔" عانیہ اور حدیقہ کی بچپن سے ہی دوستی تھی اور عانیہ اکثر ان کے گھر آتی جاتی رہتی تھی اس لیے وہ بھی وہاب اور جبین کو جانتی تھی۔

"ہاں وہ تمہاری آنٹی جبین کا بیٹا ہے لیکن وہ تو چلا نہیں گیا تھا۔"

"جب آنٹی جبین کا انتقال ہوا تھا تو اس کے دادا اسے ساتھ لے گئے تھے اب پتہ نہیں کہاں سے ٹپک پڑا ہے۔ ماما تو اس پر صدقے واری ہوئے جا رہی ہیں۔" عانیہ نے اس کے لہجے میں جیلسی محسوس کی تھی۔

"تو تم کیوں جیلس ہو رہی ہو؟"

"جیلس نہیں یار مجھے تو اس پر سخت غصہ آ رہا ہے۔ بچپن میں بھی مجھے اس کی وجہ سے اتنی ڈانٹ پڑتی تھی اور آج بھی ماما نے مجھے اس کی وجہ سے ڈانٹا۔ اور سوچو اگر وہ میری دوسروں کی چھپ کر سننے والی بات ماما کو بتا دے تو ماما کا پارہ ہائی ہونے میں ذرا دیر نہیں لگے گی۔ میری تو شامت آ جائے گی یار۔ دل کر رہا ہے کہ اٹھا کر باہر پھینک آؤں۔"

"ارے کچھ نہیں ہوتا مجھے نہیں لگتا وہ کسی کو بتائے گا"

"اس دن وہ کتنی اونچی آواز میں مجھے ڈانٹ رہا تھا تا کہ سب کو پتہ لگے۔ وہ اب تو ضرور بتائے گا لیکن میں اسے زیادہ دن یہاں رہنے ہی نہیں دوں گی"

"ارے بیچارہ معصوم سا ہے..... پلیز اسے اب تنگ مت کرنا" عانیہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"بیچارہ.... معصوم.... ہونہہ۔ ایک نمبر کا بدتمیز، فلرٹی، مغرور اور بھوکا انسان ہے وہ۔ تمہیں پتہ ہے وہ اس دن گاجر کا حلوہ دینے آیا تھا اور ہم تک تو پہنچا ہی نہیں۔ آج صبح ماما نے میری چائے بھی اسے ہی دے دی۔ یہ ناانصافی ہے میرے ساتھ یار۔" وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی تھی اور عانیہ ہنس پڑی۔

"ویسے ایک پتے کی بات بتاؤں تم وہاب کے بارے میں کچھ زیادہ ہی بات نہیں کر رہی۔ خیر تو ہے نا۔ وہ اتنا اہم کیسے ہو گیا کہ حدیقہ حیدر اس کے گن گا رہی ہے۔" وہ اسے چھیڑنے لگی جبکہ دوسری طرف حدیقہ کا غصے سے منہ لال ہو گیا۔ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اب آگے سے کیا جواب دے۔

"شٹ اپ..... میں اس کی برائی کر رہی ہوں گن نہیں گا رہی سمجھی۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی ہوں....." کھسیاتے ہوئے بولی اور کال کاٹ دی۔

اس نے کان سے فون ہٹا کر ایک نظر دیکھا اور گہری سانس بھرتے ہوئے ریلنگ پر کہنیاں ٹکا کر نیچے دیکھنے لگی۔ اسے حدیقہ کی شرمیلی طبیعت کا اندازہ تھا لیکن آج وہ اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھی۔ جبکہ دوسری طرف حدیقہ کو عانیہ پر سخت غصہ آنے لگا تھا۔

-----------------------------------

عانیہ فون پر مام ڈیڈ کی تصویر دیکھتے ہوئے ماضی کی یادوں میں گم تھی۔اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی سالگرہ کا منظر تھا۔کتنے خوش تھے وہ اس دن۔مام ڈیڈ نے اسے ڈائیمنڈ بریسلٹ گفٹ کیا تھا۔وہ اسے اپنے جاننے والوں سے ملا رہے تھے لیکن وہ دوستوں کے ساتھ برتھڈے منانا چاہتی تھی۔اگر اسے پتہ ہوتا کہ آج اس کے مام ڈیڈ اس کو ہمیشہ کیلیے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔تو وہ ایک لمحہ بھی ان کو خود سے الگ نہ کرتی۔وہ ابھی انہی سوچوں میں گری تھی کہ دروازہ کھٹکنے کی آواز آئی۔تیسری آواز پر وہ چونکی۔

"یس "وہ فون بند کرتے ہوئے بولی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اس کو تعبیر کھڑی نظر آئی۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں ؟"تعبیر نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر پوچھا

"ہاں آئیں پلیز "وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔تعبیر مسکراتے ہوئے اندر آئی۔

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟کیا کر رہی تھی ؟وہ بیڈ کے پاس رکھے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں کر رہی تھی۔بس ایسے ہی لیٹی ہوئی تھی۔"وہ سستی سے بولی۔

"اس کا مطلب میں نے تمہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔میں نے سوچا نئی کزن کے ساتھ کچھ باتیں ہی کر لوں۔میرے بارے میں تو تم کافی کچھ جان چکی ہو گی اب اپنے بارے میں کچھ بتاؤ" تعبیر مسکرا کر بولی۔

"میرے بارے میں کچھ خاص نہیں جو بتاؤں "اسے سمجھ نہ آئی کہ کیا جواب دے۔

"تم شائد ہچکچا رہی ہو چلو میں خود ہی پوچھ لیتی ہوں۔تمہاری ہابیز کیا ہیں ؟

"پینٹنگ "وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"بس "

نہیں اور بھی بہت سی ہابیز ہیں لیکن پینٹنگ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔"عانیہ کا تفصیل بتانے کو کوئی موڈ نہیں تھا۔ تعبیر نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا۔

"اچھا آگے کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"ابھی کچھ سوچا نہیں۔" مختصراً بولی۔ نجانے کیوں اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا اس سے بات کرنے کو۔ تعبیر اس سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہی اور وہ بے زاری سے مختصر جواب دیتی رہی۔ کچھ دیر تو اس نے تعبیر کے جانے کا انتظار کیا لیکن وہ بس نہ ہوئی تو اس نے سوالوں کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

"آپ دونوں یہاں اکیلے رہتے ہیں "اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو تعبیر گڑبڑائی تھی۔ ٹھیک ہے وہ حماد کی منگیتر تھی لیکن اس کے ساتھ اکیلے رہنا عانیہ کو عجیب لگا تھا۔

"نہیں تو۔ حماد کی والدہ بھی یہیں رہتی ہیں۔ اصل میں وہ بہت بیمار ہیں نا اور ان کا یہاں علاج چل رہا ہے اس لیے یہاں رہتی ہیں۔ ورنہ ہمارا تو ایک گھر کراچی میں بھی ہے اور ایک لاہور میں بھی ہے۔"وہ سمجھ گئی تھی کہ عانیہ نے اس سے یہ سوال کیوں پوچھا تھا۔ اسی لیے جھوٹ بول دیا تھا ورنہ حماد کی والدہ کو مرے ہوئے تو کافی سال بیت گئے تھے۔

"ویسے حماد بھائی کرتے کیا ہیں؟" اگلا سوال۔

"سیاست " تعبیر نے مسکرا کر جواب دیا۔ عانیہ کو اس شان و شوکت کی وجہ سمجھ میں آگئی۔

"اچھا سیاسی لیڈر ہیں۔ کس سیٹ پر ہیں؟"

"لاہور سے ایم پی اے کی نشست پر الیکشن جیتا ہے۔"وہ مغرور لہجے میں بولی۔

"حماد بھائی کے ڈیڈ کا قتل کیسے ہوا تھا؟

"وہ کوئی دہشت گرد تنظیم تھی جس کے راز ماموں کو پتہ چل گئے۔ اور ان کے پاس ثبوت بھی تھے۔ اس لیے انہیں قتل کر دیا تھا۔" وہ افسوس کے ساتھ بتا رہی تھی۔ عانیہ کو دھیان بھی اس بات پر گیا تھا۔ مرڈر سے پہلے ڈیڈ بہت دنوں سے پریشان تھے اور اسے پریشانی کی وجہ بھی کوئی کیس ہی تھا۔ وہ جس کیس پر کام کر رہے تھے انہوں نے ہی ان کا مرڈر کروایا تھا۔ اسے یہ یقین تھا۔

"مجھے لگتا ہے میرے مام ڈیڈ کا قتل بھی کسی ایسے گروہ نے کیا ہے۔"

"ہوں میرا ابھی یہی خیال ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے ڈیڈ کی وجہ سے کوئی پھانسی چڑھا ہو اور اس کے کسی رشتے دار نے بدلہ لینے کیلیے ایسا کیا ہو۔" تعبیر کی بات میں بھی دم تھا۔ ڈیڈ کا تو کام ہی یہی تھا مجرموں کو ان کے انجام تک پہنچانا۔

"لیکن پولیس کا کام تو صرف مجرم پکڑنا ہوتا ہے آگے کا کام تو کورٹ کا ہوتا ہے" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔

"ہاں لیکن سزا تو تب ہوتی ہے جب مجرم ہاتھ آتا ہے اور وہ کام پولیس کرتی ہے" تعبیر نے کہا تو عانیہ سوچ میں پڑ گئی

"اچھا تم اتنا مت سوچو آج یا کل میں حماد پتہ کروا لے گا۔ پھر قتل کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔" تعبیر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

"اتنی جلدی؟"

"اس کے بہت سے ریسورسز ہیں۔ پولیس سے پہلے قاتل کو ڈھونڈ لے گا وہ۔" تعبیر نے اسے تسلی دی تو اس نے اثبات میں سر فہرست دیا۔

"یہاں پیچھے ایک سادہ سی عمارت ہے شائد انیکسی ہے جہاں ملازم رہتے ہیں" اس نے گلاس وال کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تو تعبیر مسکرا دی

"نہیں یہاں ملازم نہیں رہتے۔دائیں طرف ایک گھر ہے اس میں رہتے ہیں"

"تو پھر یہاں کون رہتا ہے؟"وہ الجھن میں پڑی تھی۔نئ جگہ تھی اس لیے جاننا چاہتی تھی۔

"دراصل میں ایک اینجیو چلاتی ہوں جہاں لاوارث اور یتیم بچیوں کی پرورش ہوتی ہے۔اس لیے یہ گھر ان کیلیے بنایا ہے۔تقریباً چالیس لاوارث لڑکیاں ہیں ہمارے پاس۔دو کی پچھلے مہینے شادی کر دی ہے۔"

"یہ تو بہت ثواب کا کام ہے۔"عانیہ اب مطمئن ہو گئی تھی۔چلو جہاں اتنی فضول خرچی کی وہاں نیکی کا کام بھی کیا ہے۔

"چلو آؤ تمہیں ملواتی ہوں بچیوں سے"تعبیر یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔عانیہ بھی ساتھ جانے کیلیے اٹھی۔کچھ دیر بعد وہ اس عمارت کے اندر کھڑی تھی جہاں یتیم بچیاں رہتی تھی۔اندر سے وہ عام سادہ سے گھروں کی طرح تھا۔دو تین لڑکیاں جھاڑ پونچھ میں لگیں تھی۔انہیں دیکھتے ہی با ادب کھڑی ہو گئیں عانیہ کو لگا کہ یہ ملازمائیں ہوں گی۔

"میں نے تو ان سے کہا تھا گھر میں اتنے ملازم ہیں وہ کام کر دیا کریں گے لیکن انہوں نے کہا ہم خود ہی کر لیں گے"تعبیر نے اس کے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

پھر تعبیر عانیہ کو ایک کمرے میں لے کر گئی۔جہاں دس سال سے چھوٹی بچیاں تھیں۔کمرہ کھلونوں سے بھرا پڑا تھا۔ایک عورت ان بچیوں کے ساتھ تھی۔

"دو آیا ہم نے ان بچیوں کیلیے رکھیں ہیں۔دن کو ایک کی ڈیوٹی ہے اور رات کو دوسری آجاتی ہے۔"

عانیہ کھڑی بچیوں کو دیکھ رہی تھی۔سب ہی اتنی پیاری تھیں کہ عانیہ کا دل کیا وہ ان کے پاس ہی رہ جائے۔اسے شروع سے چھوٹے بچے بہت پسند تھے۔اس نے آگے بڑھ کر ایک بچی کے گال چھوا تو وہ بچی سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔عانیہ کو اس کی نظروں میں ایک عجیب سی ویرانی دکھی تھی۔

"چلو دوسرے کمرے بھی دکھاؤں" تعبیر نے کہا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ اگلا کمرہ دس سے پندرہ سال کی بچیوں کا تھا۔ جہاں دس لڑکیاں تھیں۔ اس سے اگلے کمرے میں پندرہ سے بیس کی عمر کی لڑکیاں تھی جو کہ تعداد میں بیس تھیں۔ تعبیر اسے ساتھ ساتھ بریف بھی کرتی جا رہی تھی۔ وہاں ہر سہولت موجود تھی۔ دو تین میڈز بھی وہاں نظر آئیں۔ کچن میں ایک شیف بھی تھی۔ عانیہ کو وہ سب دیکھ کر اچھا لگا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ دنیا میں اکیلی وہ ہی مشکل میں نہیں تھی۔ اسے ان لڑکیوں کے چہرے پر واضح اداسی محسوس ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں کب سے ماں باپ سے بچھڑیں تھیں۔

"ان کو یہاں کوئی ہنر وغیرہ نہیں سکھایا جاتا؟" عانیہ نے واپس آتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"چھوٹی بچیاں سکول جاتی ہیں۔ پھر بڑی کلاسز میں کچھ ہی سٹڈی میں انٹرسٹ لیتی ہیں تو انہیں کالج می داخل کروا دیا جاتا ہے باقی کوئی اور ہنر سیکھ لیتیں ہیں ہم ان پر دباؤ نہیں ڈالتے۔ وہ جو بھی کریں ان کی اپنی مرضی ہے۔" تعبیر نے وضاحت دی۔ تو عانیہ خاموشی سے چل دی۔

-----------------------------------

رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ ڈنر عانیہ اور تعبیر نے اکٹھے ہی کیا تھا۔ جبکہ حماد ابھی گھر نہیں پہنچا تھا۔ تعبیر نے اس بتایا تھا کہ وہ قاتل کو تلاش کرنے کے سلسلے میں بزی ہے۔ اس لیے عانیہ کو حماد کا بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ کچھ دیر تعبیر سے باتیں کرتی رہی۔ زیادہ تر تعبیر ہی سوال پوچھتی رہی اور وہ بس مختصر جواب دیتی رہی۔ اس وقت عانیہ کا دھیان مام ڈیڈ کے قاتل کی طرف تھا۔ انتظار کرتے کرتے تھک کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد اس کا دروازہ کھٹکا۔ تو اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"مس آپ کو سر حماد سٹڈی میں بلا رہے ہیں۔" وہ ایک ملازم تھا جس نے عانیہ کو یہ خبر سنائی اور پلٹ کر چلنے لگا عانیہ اس کے پیچھے چل پڑی۔ وہ سیڑھیوں سے اتر کر نچلی منزل پر پہنچے اور ایک لابی کراس کرنے کے بعد وہ سٹڈی کے سامنے تھے۔ عانیہ نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا اور اندر داخل ہو گئی۔ اندر ایک ٹیبل کے ارد گرد کرسیاں پڑیں تھیں۔ جن میں سے دو پر تعبیر اور حماد بیٹھے تھے۔ اور ان کے سامنے ایک فائل پڑی تھی۔

"آؤ عانیہ بیٹھو یہاں" عانیہ کے داخل ہوتے ہی حماد نے سر اٹھا کر دیکھا اور اپنے سامنے کرسی پر اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کچھ ملا" عانیہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہاں بہت کچھ ملا ہے۔ تم بیٹھو تو یہی ڈسکس کرنے کیلیے بلایا تھا تمہیں۔" حماد نے فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔ عانیہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں نے پولیس سے رابطہ کیا تھا۔ انہیں کچھ ثبوت تو ملے تھے۔ وہ اس فائل میں ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے وہ سارے کیس بھی نکلوائے ہیں۔ جس پر تمہارے والد کام کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کیس کا سلسلہ انکل کے قتل سے جڑتا ہے"

"کونسا کیس۔"

"یہ فائل کھول کر دیکھو" حماد نے فائل کو اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے فائل پکڑ کر کھولی۔ پہلے صفحے پر دو تصویریں تھیں۔ ایک ادیڑھ عمر شخص تھا جبکہ دوسرا بائیس تیئس سال کا خوبرو سا نوجوان تھا۔ تصویروں کے نیچے ان کی تفصیل بھی لکھی تھی۔ لیکن وہ سوالیہ نظروں سے حماد کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے اسے کسی بات کی سمجھ نہ آئی ہو۔

"اس کا نام عباس رضا خان ہے۔" حماد نے اس بڑی عمر کے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پشاور میں رہتا تھا۔ملک دشمن عناصر اور تخریب کاروں سے اس کا تعلق تھا۔منشیات کی سمگلنگ بھی کرتا تھا۔اور لڑکیوں کا کاروبار بھی تھا اس کا۔تمہارے والد کا ٹرانسفر ان دنوں پشاور ہوا تھا۔بہت کوشش کے بعد انہیں اس کے خلاف ثبوت ملے تھے۔کہ یہ شخص پھانسی کے پھندے سے بچ نہیں پایا۔اس شخص کو سزا تمہارے والد کی وجہ سے ہوئی تھی اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ان کے ضمیر کو خرید سکے لیکن تمہارے والد نے وہ کام کر دکھایا جو کسی اور پولیس آفیسر سے نہیں ہوا تھا۔جب یہ شخص پھانسی چڑھ گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا لے چکا تھا۔یہ شخص اس کا بیٹا ہے۔"حماد نے پہلے شخص کی تفصیل ختم کرتے ہوئے اب دوسری تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اس کا نام ریان عباس خان ہے۔اب یہ اپنے باپ کی سیٹ سنبھال چکا ہے۔اور اسلام آباد میں ہی رہتا ہے۔یہ بہت شاطر انسان ہے۔بظاہر ایک ینگ بزنس میں ہے لیکن اس کا اصل کاروبار وہی ہے جو اس کے باپ کا تھا بلکہ یہ اپنے باپ سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہے۔اس کا اندازہ تمہیں اس کی دولت سے ہو جائے گا۔اس نے اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے تمہارے والد سے۔"

حماد پر سکون لہجے میں بتاتا اس کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر گیا۔

"یہ...یہ شخص ہے جس نے میرے مام ڈیڈ کا قتل کیا ہے؟"وہ نفرت سے ریان عباس خان کی تصویر دیکھ رہی تھی۔

"ہاں اور میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ میرے باپ کا قتل ہوا تھا.....وہ اس کے باپ عباس رضا خان نے کیا تھا۔ان کے خلاف ثبوت میرے بابا کو ملے تھے۔میرے بابا سیاسی لیڈر تھے۔اور یہ شخص ان سے اپنا کام نکلوانا چاہتا تھا۔جس سے بابا کو اس پر شک ہو گیا اور وہ بظاہر اس کا ساتھ دینے لگے لیکن اندر ہی اندر ثبوت اکٹھے کرنے لگے۔جس کی خبر جلد ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔اور اس نے میرے بابا کو قتل کر کے ساری جائیداد ہتھیالی۔"

"آپ نے پھر ان سے بدلہ نہیں لیا"

"نہیں کیونکہ وہ جلد ہی تمہارے والد کی وجہ سے قانون کے ہتھے چڑ گیا تھا اور میں چاہ کر بھی بدلہ نہیں لے سکا۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارنا چاہتا تھا۔" وہ افسوس کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"لیکن میں اپنے مام ڈیڈ کا بدلہ خود لوں گی۔"

"ہاں اس کا ایک طریقہ ہے" حماد نے کہا۔

"کونسا؟"

"تم یہ کیس واپس لے لو۔ ابھی پولیس کے پاس زیادہ شواہد نہیں ہیں انہیں دو تین لوگوں پر شک ہے لیکن آج یا کل میں وہ اسے پکڑ سکتے ہیں۔ اس لیے تم اس پر سائن کر دو" حماد نے فائل میں سے ایک پیج نکال کر اسے کہا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت سے کہہ رہی تھی۔

"اس پر لکھا ہے کہ تم یہ کیس واپس لینا چاہتی ہو" حماد اطمینان سے بولا۔ اس نے کچھ سوچنے کے بعد وہ پیپر سائن کر دیا۔

"اب تم اس سے کھل کر بدلہ لے سکتی ہو" حماد نے اسے تسلی دی۔ لیکن وہ الجھن کا شکار تھی۔

"لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ یہی میرے مام ڈیڈ کا قاتل ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ پولیس کو دو تین اور لوگوں پر شک ہے۔ اگر وہ قاتل ہوئے تو" عانیہ کے دل میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔ اور حماد مسکرا دیا

"اس کے ثبوت اسی فائل میں ہیں۔" حماد نے فائل کا صفحہ پلٹا۔ اس میں سی سی ٹی وی فوٹیجز تھی۔ ایک تصویر میں ایک بڑا ٹرک نظر آرہا تھا۔ یہ تصویر پیچھے سے لی گئی تھی اور اس کا نمبر واضح نظر آرہا تھا۔ دوسری تصویر میں اسی ٹرک کی سائیڈ سے لی گئی تھی جس میں ایک شخص کا سائیڈ پوز تھا۔ تیسری تصویر میں اسی ٹرک کا ایک کار کے ساتھ تصادم ہو رہا تھا۔ عانیہ جان گئی تھی کہ اس میں اس کے مام ڈیڈ ہی تھی۔ اس کے جسم سے کرب کی ایک لہر گزری تھی اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"یہ وہ ٹرک ہے جس سے ان کی گاڑی ٹکرائی تھی اور یہ ٹرک کا نمبر دیکھو یہ اسی شخص کے نام رجسٹرڈ ہے" حماد کی آواز سے اس نے آنکھیں کھول کر تصویروں کو دیکھا۔ وہ اگلا صحفہ پلٹ کر اسے ٹرک کا رجسٹرڈ فارم دکھا رہا تھا۔

پھر اس کے سامنے دو تصویریں اور آئیں۔

"یہ دونوں اس کے خاص بندے ہیں۔ یہ ٹرک چلا رہا تھا اور یہ تمہارے والدین کو ہسپتال پہنچا کر آیا تھا۔ تا کہ کنفرم کر سکے موت ہو چکی ہے کہ نہیں۔" وہ تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دوسرے شخص کی تصویر کو دیکھ کر اسے لگا کے اس نے کہیں دیکھا ہے اسے پھر اچانک اس کے زہن میں کچھ کلک ہوا تو وہ بے اختیار بولی۔

"میں جانتی ہوں اسے یہی وہ شخص ہے جو ایمرجینسی وارڈ کے باہر بیٹھا تھا۔ تو کیا وہ....؟" وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔ حماد نے اسے ایک اور تصویر دکھائی جس میں وہ دونوں شخص ریان عباس کے ساتھ کھڑے تھے۔ ساتھ میں ایک اور شخص بھی تھا وہ سب باہر ایک گاڑی کے پاس کھڑے تھے جس سے ثابت ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق ریان عباس کے ساتھ ہے۔

اس کو اب مکمل یقین ہو چکا تھا کہ یہی قاتل ہے غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اسے ریان عباس سے سخت نفرت ہونے لگی تھی۔

"اب تو تمہیں یقین ہو گیا نا کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔" حماد نے جتانے والے انداز میں کہا

"ہاں لیکن ابھی بھی ایک سوال ہے وہ یہ کہ انہوں نے مجھے کچھ کیوں نہیں کہا۔ حالانکہ یہ بدلہ لینے کیلئے ان کے پاس بہترین طریقہ تھا۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا تو حماد کچھ دیر بول نہ سکا۔ شاید اس کے پاس بھی اس سوال کا جواب نہیں تھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ اس نے ایسے کیوں کیا لیکن اندازہ لگایا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں تمہارے بارے میں خبر ہی نہ ہو۔"

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ وہ مجھ سے بے خبر نہیں ہوں گے" عانیہ نے اسے اس کی بات یاد کروائی اور حماد کو ماننا پڑا کہ وہ واقعی زہین ہے۔ بال کی کھال اتارنا جانتی ہے۔

"پہلے وہ تمہیں نہیں جانتے ہوں گے لیکن جب میڈیا پر تمہارے والدین کے قتل کی خبر آئی تو ساتھ تمہارے بارے میں بھی خبر تھی۔ لیکن تمہاری تصویر نہیں آئی تھی۔ اب تو وہ جان گئے ہوں گے اسی لیے میں تمہیں وہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے تمہارے گھر کے آس پاس کی سی سی ٹی وی فوٹیجز ڈیلیٹ کروادیں ہیں اور جس ہسپتال میں تمہارے والدین کو لے جایا گیا تھا اور تم بھی وہاں گئی تھی اس لیے وہاں سے بھی تمہاری فوٹیجز ہٹوادی گئیں ہیں۔ بس اس شخص سے تمہارا سامنا نہ ہو تو وہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے اور تم آرام سے بدلہ لے سکو گی۔" حماد نے اس تسلی دی۔

"اور اگر اس شخص سے میرا سامنا ہو گیا تو؟" عانیہ اس شخص کی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا جو اسے ایمرجینسی وارڈ کے باہر ملا تھا۔

"بہت کم چانسز ہیں۔ ایسے لوگ کرائے کے غنڈے ہوتے ہیں۔ ان سے کام لینے کے بعد یا تو انہیں انڈر گراؤنڈ کروادیا جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔ ریان اب دوبارہ اس سے مل کر خود کو خطرے میں نہیں ڈالے گا۔ اور اگر اس نے تمہیں پہچان بھی لیا تو تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا۔ سب سنبھال لوں گا۔" حماد بولا تو وہ احسان مندی سے مسکرادی۔

"تو پھر اب یہ طے کرنا باقی رہ گیا ہے کہ بدلہ کس طرح لینا ہے" تعبیر حتمی لہجے میں بولی۔

"یہ تو میں نہیں جانتی کہ کیسے بدلہ لوں میرا تو دل کر رہا ہے ابھی جا کر اس کو شوٹ کر دوں۔" عانیہ نے غصے سے کہا تو حماد بولا

"ریلیکس تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔"

"تو پھر آپ کے خیال میں کیا کرنا چاہیے۔ کوئی آئیڈیا تو ہو گا نا آپ کے زہن میں۔" اس نے فیصلے کا اختیار حماد کو سونپ دیا تھا۔

"آئیڈیا تو صرف ایک ہی ہے میرے زہن میں۔ پہلے بھی بہت سے منصوبے بنائے تھے اسے ٹریپ کرنے کیلیے لیکن وہ کام نہیں کر سکے۔ اب صرف اسی منصوبے پر کام ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بہت مشکل ہے۔ مجھے نہیں لگتا تم کر پاؤ گی۔"

"آپ صرف مجھے بتائیں کہ کیا کرنا ہے میرے پاس انکار کا آپشن نہیں ہے۔ اگر اس میں میری جان کو خطرہ ہے تو بھی میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔" عانیہ نے پر عزم لہجے میں کہا تو حماد نے سارا منصوبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

اسے پلان سن کر حیرت ہوئی۔ یہاں اسے جان کا نہیں عزت کا خطرہ تھا۔ اسے ریان عباس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس کے گھر رہنا تھا اور اس کے دل میں اپنے لیے جگہ بنانی تھی۔ اور یہ کھیل اس وقت تک جاری رہنا تھا جب تک وہ اس کو اتنا چاہنے لگے کہ اس کی زندگی بچانے کی خاطر اپنی ساری جائیداد تک وار دے۔ دراصل حماد اپنا بدلہ بھی عانیہ کے ذریعے لینا چاہتا تھا۔ اس کے باپ سے جو جائیداد ریان کے باپ نے چھینی تھی وہ اب عانیہ کی خوبصورتی کو استعمال کر کے واپس لے سکتا تھا عانیہ کو ایک لمحے کے لیے حماد خود غرض لگا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے خیال کی تردید کر دی۔ حماد نے قاتل کو بھی ڈھونڈ لیا تھا اور اس کی مدد بھی کر رہا ہے تو کیا وہ اس کی اتنی سی بھی مدد بھی نہیں کر سکتی اسے تو ایک دن ریان عباس کو قتل کرنا ہی تھا تو اس کی جائیداد اگر حماد کے پاس چلی جائے تو اسے کیا فرق پڑے گا۔ ویسے بھی ریان کو قتل کرنے کیلیے اس کی زندگی میں

داخل ہونا ضروری تھا اور پوری پلاننگ سے اسے قتل کرنا تھا تاکہ بعد میں اس پر شک نہ آسکے۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا تم یہ نہیں کر پاؤ گی۔ لیکن پریشانی کی بات نہیں تم اگر اس مشکل میں پڑنا نہیں چاہتی تو میں کسی اور سے کہہ دوں گا" حماد اسے سوچ میں گھرا دیکھ کر بولا۔

"اور میں نے کہا تھا کہ یہ کام میرے علاوہ اور کوئی نہیں کرے گا۔" وہ اطمینان سے بولی تو حماد مسکرایا تھا

"اس کا مطلب تمہیں منظور ہے؟ دیٹس گریٹ۔ مجھے یقین تھا تم مان جاؤ گی۔ تمہیں اپنے ماں باپ سے جتنی محبت ہے تمہیں ماننا ہی تھا۔ تم تو ہمارا بدلہ بھی ساتھ ہی لے لو گی۔ ہمیں اس کی جائیداد چاہیے اور تمہیں اس کی جان۔ اس پلان سے دونوں کام ہوسکتے ہیں یعنی ایک تیر سے دو شکار۔ تم دونوں کو مجھے داد دینی چاہیے ایسی عقل والی بات میرے علاوہ اور کوئی کر ہی نہیں سکتا" وہ اتراتے ہوئے بولا

"داد تمہیں تب دیں گے جب تمہارا پلان کامیاب ہوا۔ بہت رسکی ہے یہ۔ منصوبے بنانا بڑا کام نہیں انہیں کامیاب بنانا بڑا کام ہے۔" تعبیر نے کہا۔

"میں تو صرف رائٹر ہوں سکرپٹ سارا سمجھا دیا ہے اس پر ایکٹ کرنا اب عانیہ کا کام ہے۔ کیوں عانیہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

"جی میں آپ کو شکائت کا موقع نہیں دوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔" عانیہ نے انہیں تسلی دی

"گڈ گرل آج کی رات تم خود کو مینٹلی پریپئر کرو ہمیں کل سے ہی اس منصوبے پر عمل کرنا ہو گا۔" حماد نے اسے مطلع کیا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

وہ ایک پرفیکٹ منصوبہ تھا لیکن بہت زیادہ رسکی تھا۔ اسے اپنا اور حماد بھائی کا بدلہ ایک ساتھ لینا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مینٹلی پریپئر کر رہی تھی لیکن دماغ یہ سوال بھی اٹھا رہا تھا کہ کیا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں؟ کیا وہ ڈائریکٹ

اسے جا کر نہیں مار سکتی۔ لیکن پھر حماد بھائی کے بدلے کا مسلہ تھا انہیں توریان عباس خان کی جائیداد چاہیے تھی۔ تو کیا وہ کسی غیر محرم لڑکے کے گھر جا کر رہ لے گی جو ایک عیاش دہشت گرد ہے۔ جو لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے۔ (اگر اس نے مجھے بھی کسی کے ہاتھوں بیچ دیا تو......؟) اسے جھر جھری آئی تھی۔ لیکن حماد بھائی نے اسے پوری تسلی دی تھی کہ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ وہ اس کی ہر طرح کی خبر رکھیں گے۔ اگر وہ اسے تسلی نہ بھی دیتے تو عانیہ کو خود پر یقین تھا وہ مر سکتی ہے لیکن عزت پر بات نہیں آنے دے سکتی۔ اس لیے وہ یہ کر سکتی ہے۔ دل نے کہا تھا۔

وہ چلتی ہوئی شیشے کے سامنے پہنچی اور اپنا عکس دیکھتے ہوئے گہری سانس خارج کی۔

"تم کر سکتی ہو عانیہ۔ بس تھوڑی ہمت سے کام لینا ہو گا۔ ہاں کر سکتی ہوں میں" اس نے خود کو کمپوز کیا۔ شاید وہ خود کو تیار کر چکی تھی۔ اسے اب اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ مام ڈیڈ کیلیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ ان کے قاتل کو اپنے ہاتھوں شوٹ کر سکتی تھی۔ وہ بہادر تو پہلے ہی تھی لیکن اس نے کبھی کسی کی کو قتل کرنے کا خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ سوچا تو اس نے ماں ڈیڈ کے اس طرح سے قتل ہونے کے بارے میں بھی نہیں تھا لیکن زندگی میں بہت کچھ ایسا بھی ہو جاتا ہے جو انسان نے کبھی سوچا نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں جو آگ اب لگ چکی تھی وہ ریان عباس خان کے خون سے ہی ٹھنڈی پڑ سکتی تھی۔

فون کی گھنٹی نے اسے خیالوں سے باہر نکالا۔ اسے فون دیکھے بغیر ہی یہ یقین ہو چکا تھا کہ حدیقہ اسے کال کر رہی ہے۔

"اسلام علیکم۔" کال پک کرتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے راضی ہو چکی ہوں۔ دوپہر والی بات ابھی تک یاد ہے مجھے...... میں صرف تمہارا حال چال پوچھنا چاہ رہی تھی۔.... کیا کروں تمہاری فکر جو ہو رہی تھی۔... اب تم جیسی بھی ہو۔.... ہو تو میری دوست

ہی نا۔.....اچھا خیر بتاؤ تم ٹھیک ہو" حدیقہ مصنوعی خفگی سے بول رہی تھی جبکہ عانیہ کے خوبصورت ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔

"ہاں یار بس ٹھیک ہی ہوں" وہ گہرا سانس بھرتی اداسی سے بولی۔

"کیا بات ہے عانیہ تم اداس لگ رہی ہو۔وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" حدیقہ فکر مندی سے بولی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔دراصل مجھے مام ڈیڈ کے قاتل کا پتہ چل چکا ہے"

"کیا؟.....اتنی جلدی"

"ہاں حماد بھائی نے ابھی مجھے اس شخص کے بارے میں سب کچھ بتایا ہے اور ثبوتوں کے مطابق وہی مام ڈیڈ کا قاتل ہے۔"

"تو.....تو اب تم کیا کرو گی؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"بدلہ لوں گی۔قتل کروں گی اسے۔" عانیہ نے اسے اصل پلان کے بارے میں نہ بتایا۔وہ جانتی تھی کہ اگر حدیقہ کو اس پلان کے بارے میں خبر ہو گئی تو وہ اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔

"اگر تم کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی تو.....عانی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔پلیز واپس آ جاؤ" حدیقہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"ڈونٹ وری یار میرے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا حماد بھائی میری بہت مدد کر رہے ہیں۔تم بس دعا کرو کہ میں کامیاب ہو جاؤں"

"میری تو ہر سانس میں تمہارے لیے دعا نکلتی ہے عانیہ۔کاش میں تمہارا ساتھ بھی دے سکتی۔"

"تم نے پہلے ہی میرا بہت ساتھ دیا ہے۔اور اب انکل آنٹی کو میری طرف سے مطمئن کر کے تم نے میری مشکل حل کر دی ہے۔ تھینکس۔"

"اچھا ٹھیک ہے اب تم سو جاؤ ہم کل بات کریں گے۔اللہ حافظ" حدیقہ فون رکھنے ہی والی تھی جب عانیہ تیزی سے بول اٹھی۔

"نہیں.......تم مجھے کال مت کرنا۔دو چار روز تک میں خود تم سے رابطہ کروں گی اوکے"

"لیکن کیوں؟" حدیقہ نے حیرانی سے پوچھا لیکن دوسری طرف سے کال کٹ چکی تھی۔

--------------------------------------

"اٹھیں۔جلدی کریں۔باجی" ادیبہ حدیقہ کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی لیکن حدیقہ کسمسا کر پھر سے نیند میں چلی گئی۔

"باجی عمیر صاحب بلا رہے ہیں آپ کو۔اٹھیں جلدی کریں" وہ پھر اسے جگانے لگی۔حدیقہ کو اس کی آواز ہتھوڑے کی آواز جیسی محسوس رہی تھی۔اس کا دل کر رہا تھا کہ ادیبہ کے منہ میں کپڑا ٹھونس دے تاکہ آواز آنا بند ہو جائے لیکن اس کیلیے بھی اٹھنا پڑتا تھا اس لیے اس نے ڈانٹنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"جاؤ یہاں سے ادیبہ کیوں صبح صبح دماغ کھا رہی ہو۔"

"باجی عمیر صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہے۔اور بہت غصے میں ہیں۔" ادیبہ کی آواز پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"تم جاؤ اور بھائی سے کہو پانچ منٹ انتظار کریں" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"جی اچھا" ادیبہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔حدیقہ کے لبوں پر ایک شرارتی مسکان آئی تھی۔پھر وہ ایک انگڑائی لیتے ہوئے بیڈ سے اتری اور باتھ روم میں گھس گئی۔

--------------------------------------

عمیر اپنے کمرے میں تیزی سے ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا اور وہاب اس کے بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"کب سے ادیبہ کو بھیجا تھا ابھی تک نہیں آئی۔میں نے منع بھی کیا تھا اب میرے ساتھ کو شرارت مت کرنا پر وہ حدیقہ ہی کیا جو اتنی آسانی سے بات مان جائے" وہ غصے میں بڑبڑا رہا تھا۔اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور اس نے بھاگ کر دروازہ کھولا

"صاحب جی وہ کہہ رہی ہیں پانچ منٹ انتظار کریں" ادیبہ نے ڈرتے ہوئے کہا اور عمیر نے سلگتے ہوئے دروازہ زور سے بند کر دیا ادیبہ جو دروازے کے درمیان کھڑی تھی ایک دم سے پیچھے ہٹی لیکن اس کی ناک اس حملے سے نہ بچ سکی۔اس نے درد کی شدت کو کم کرنے کیلیے ناک کو زور سے پکڑ لیا جو سرخ ہو چکا تھا۔آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور وہ روتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

---------------------------------

اس نے ایک شرارت بھری مسکان کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔عمیر پریشانی میں ٹہل رہا تھا۔اس دیکھ کر حدیقہ بہت خوش ہوئی لیکن ساتھ بیٹھے وہاب کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔اب وہ کھل کر بھائی کو تنگ بھی نہیں کر سکتی تھی۔عمیر کی نظر اس پر پڑی تو فوراً اس کی جانب لپکا۔

"حدیقہ میری فائل کہاں ہے" اس کے تیور بہت خطرناک تھے جبکہ حدیقہ کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

"کونسی فائل؟" اس نے ایک نظر وہاب کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا اور انجان بنتے ہوئے بولی

"حدیقہ مجھے تنگ مت کرو۔فائل تمہارے پاس ہی ہے۔سمجھنے کی کوشش کرو وہ بہت اہم ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہاں کل میں نے دو فائلیں دیکھیں تھی لیکن آپ کس کی بات کر رہے ہیں....بلیو یا بلیک۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی

"بلیو کلر کی" وہ تحمل سے بولا۔

"اوہ اچھا لیکن میں نے تو بلیک والی لی تھی۔" وہ اسے تنگ کرنے لگی۔

"وہی دے دو"

"وہ تو میں نے رکھ دی تھی۔" حدیقہ نے اسے زچ کرنے کی انتہا کر دی۔

"کہاں؟"

"یہ یاد نہیں" وہ معصوم بنتے بولی۔ تو عمیر کا دل کیا اٹھا کر باہر پھینک آئے اسے۔ وہاب نے مسکراہٹ چھپائی۔

"اور اب یہ کیسے یاد آئے گی" اس نے سلگتے ہوئے طنز کیا۔ لیکن اسے پروا نہیں تھی تبھی مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا ہے نا کہ مجھے بابا قائد اعظم کی تصویر بہت پسند ہے۔ وہ پاکستان کے بانی ہیں۔ ان کا احترام کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے...."

"اچھا بس بس یہ لو اور بتاؤ" عمیر کو سمجھ آئی تو اس نے اپنے والٹ سے ایک ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہاب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"رکھی تو یہیں کہیں تھی۔ سوچنے دیں کہاں رکھی ہے" وہ سر کھجاتے بولی۔ عمیر نے پھر ہزار کا ایک اور نوٹ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکراتے ہوئے پکڑا اور بولی۔

"سو سویٹ بھائی۔ آپ جیسا بھائی تو اللہ ہر کسی کو دے۔"

(اور تم جیسی بہن کسی کو نہ دے) عمیر نے بس سوچا کیونکہ بول کر وہ کام نہیں بگاڑنا چاہتا تھا۔

"اچھا اب اچھے بچوں کی طرح بتاؤ جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے"

"وہ آپ کے بیڈ کے نیچے ہے" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں چیک کر چکا ہوں وہاں نہیں ہے" عمیر نے دانت پیستے ہوئے کہا

"نہیں میرا مطلب ہے بیڈ کے میٹرس کے نیچے" حدیقہ نے کہا تو عمیر بیڈ کی طرف بڑھا۔وہاب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔دونوں نے مل کر بیڈ کا میٹرس اٹھایا لیکن وہاں فائل ہوتی تو انہیں ملتی نا۔

"حدیقہ بتا دو کہاں ہے وہ میری فائل نہیں ہے وہاب کی ہے۔تم مجھے بے شک نہ بخشو اسے تو بخش دو۔"اس نے تھک کر اس سے منت کی تو حدیقہ نے حیرت سے ایک نظر وہاب کو دیکھا۔اسے تب سمجھ آئی کہ یہ صبح صبح یہاں کیا کر رہا ہے۔اسے دل ہی دل میں خوشی ہوئی۔لیکن وہ یہ خوشی ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

"اوہ آئی ایم رئیلی سوری مجھے لگا وہ عمیر کی ہے" وہ وہاب کی طرف دیکھ کر بولی جیسے اسے بہت افسوس ہے۔

"وہ تصویر کے پیچھے لگی ہے میں نے گوند لگا کر چپکا دی تھی"اس نے بالآخر بتا ہی دیا۔عمیر بھاگتا ہوا تصویر کے پاس گیا اور اسے دیوار سے اتار کر الٹایا تو فائل وہاں لگی تھی۔اس نے اتارنے کی کوشش کی لیکن وہ سختی سے چپکی ہوئی تھی۔

"عمیر رہنے دو اسے ابھی صرف پیج نکال دو اندر سے" وہاب نے اس کے پاس آ کر کہا۔تو عمیر نے اس میں سے پیج نکال کر وہاب کو پکڑائے۔

"میں تمہیں دوسری فائل دے دیتا ہوں" عمیر نے کہا

"نہیں اس کی ضرورت نہیں" وہاب نے پیج لیتے ہوئے کہا اور پلٹ کر حدیقہ کے پاس سے گزرتے ہوئے باہر چلا گیا۔حدیقہ نے اس دل جلانے والی سمائل پاس کی۔جس پر وہ جلنے کی بجائے مسکرا اٹھا تھا۔

"مجھے شرمندہ کروا کے رکھ دیا وہاب کے سامنے آج تم نے۔میری بات کان کھول کر سن لو اگر وہاب کو تم نے تنگ کیا تو اچھا نہیں ہو گا" وہ اسے خشمگیں نظروں سے گھورتا ہوا بولا

"اوہو دوست کیا آیا بہن کو ڈانٹنے لگ گئے کل اگر بیوی آگئی تو مجھے تو اٹھا کر باہر ماریں گے آپ" حدیقہ مصنوعی خفگی سے بولتی اسے اور تپا گئی۔وہ بھی اسی کی طرح شادی کے نام سے چڑتا تھا اور حدیقہ اکثر اسے چھیڑتی تھی۔

"شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ "عمیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔غصے سے منہ سرخ ہو چکا تھا۔

"کول ڈاؤن بھائی۔اتنا غصہ نہ کریں۔کسی لڑکی نے آپ سے شادی نہیں کرنی اگر اس طرح غصہ آپ کی ناک پر رہا تو"اس نے سمجھایا تو عمیر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کچھ تلاش کرنے لگا حدیقہ کو پتہ چل گیا کہ وہ جوتا تلاش کر رہا ہے۔اس سے پہلے کہ جوتا مل جائے اس نے کھسکنے میں عافیت جانی۔

-----------------------------------

وہ کچن میں داخل ہوئی تو ادیبہ برتن دھو رہی تھی۔اس نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی اور سلیب پر رکھی۔جب وہ گلاس لینے کیلیے ادیبہ کی طرف آئی تو نظر اس کی ناک پر پڑی جو سرخ ہوئی تھی۔

"اے ادیبہ یہ کیا ہوا ہے ؟"اس نے فکر مندی سے پوچھا لیکن ادیبہ نے جواب دینے کی بجائے منہ پھلا لیا۔

"کیا ہوا ہے جواب کیوں نہیں دے رہی۔"اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔عمیر صاحب نے آپ کا غصہ مجھ پر اتار دیا ہے۔نہ ہی آپ مجھے کہتیں کہ جا کر کہو پانچ منٹ انتظار کریں اور نہ ہی میں وہاں جا کر آپ کا پیغام دیتی اور نہ ہی عمیر صاحب غصے میں آکر زور سے دروازہ بند کرتے اور نہ ہی میری ناک پر لگتی"ادیبہ ساری صورت حال کا احاطہ کھینچتے ہوئے سارا الزام حدیقہ کے سر ڈالا۔حدیقہ کی ہنسی نکل رہی تھی جسے وہ بمشکل روک رہی تھی۔اگر ادیبہ اس کی طرف دیکھ لیتی تو مزید چراغ پا ہو جاتی۔

"عمیر بھائی نے دروازہ مارا ہے۔اس میں میرا قصور کہاں سے آگیا غلطی تو تمہاری ہے نا۔تم دروازے کے بیچ کھڑی ہی کیوں ہوئی تھی"

"اب مجھے تو یہ الہام ہونے سے رہا کہ یہاں آپ کی وجہ سے مصیبت آنے والی ہے میں ذراہٹ کر کھڑی ہوں۔اور یہ پہلی بار نہیں ہو رہا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کام خراب آپ کرتیں ہیں اور سزا مجھ غریب کو مل جاتی ہے۔" ادیبہ کچھ زیادہ ہی غصے میں تھی اور برتنوں کو زور زور سے پٹخ رہی تھی۔

"اوکے اوکے بس کرو کتنا غصہ کرو گی۔ناک سکوڑتی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔" حدیقہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب آپ سے اور آپ کے کاموں سے دس قدم دور رہنا ہے۔لیں آئیں اپنے لیے کوئی دوسری نوکرانی"

"یہ بے وفائی ہے ادیبہ۔تم ایسا نہیں کر سکتی میرے ساتھ۔چلو معاف کر دو اگلی بار ایسا نہیں ہو گا پکا پرامس۔" اس نے ادیبہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا لیکن ادیبہ خاموش رہی۔

"چلو اب تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو تمہاری مرضی میں تو سوچ رہی تھی کہ تمہیں تھوڑی شاپنگ کرواؤں" وہ افسوس سے بولی

"شاپنگ لیکن کیوں" ادیبہ نے چونک کر پوچھا۔

"تمہاری ماما نے بتایا تھا کل مجھے کہ تمہارا رشتہ پکا ہو گیا ہے اس لیے میں نے سوچا تمہیں گفٹ دینا چاہیے اب اگر تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو اس فیصلے میں ترمیم بھی تو ہو سکتی ہے نا" ادیبہ نے کھسیاتے ہوئے کہا اور حدیقہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ منگیتر کیسا ہے۔تمہیں پسند تو ہے نا۔کوئی تصویر ہی دکھا دو" حدیقہ نے شرارت سے کہا اور ادیبہ شرم سے سرخ پڑنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری شادی زبردستی ہو رہی ہے"

"نہیں باجی ایسی بات نہیں وہ بہت اچھے ہیں لیکن میرے پاس ان کی تصویر نہیں۔"

"اچھا لیکن تمہاری کوئی بات تو ہوئی ہو گی نہ وہ ہی بتا دو"

"باجی آپ کیسی باتیں کر رہیں ہیں میری کوئی بات نہیں ہوتی ان سے" وہ شرماتے ہوئے بولی۔

"یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی بات نہ ہوئی ہو اچھا یہ بتاؤ موصوف نے خود پسند کیا تھا یا ان کی اماں نے" حدیقہ کے شرارتی سوالوں نے اسے شرمانے پر مجبور کر دیا۔ برتن دھل چکے تھے اس لیے مزید سوالوں سے بچنے کیلیے اس نے باہر کی راہ لی۔

ادیبہ سترہ سال کی تھی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ حیدر علی ہاؤس میں کام کرتی تھی اور گھر کے ساتھ بنی ایک انیکسی میں رہتی تھی۔ اس کے والد کو فالج ہو گیا تھا اس لیے انہیں کام کرنا پڑ رہا تھا۔ اس نے میٹرک کر لیا تھا اور اب ایک گورمنٹ کالج میں داخلہ لے چکی تھی۔ وہ اپنی اور اپنے چھوٹے بھائی کا تعلیمی خرچہ خود اٹھا رہی تھی کافی لائق سٹوڈینٹ تھی اسی لیے غربت کے باوجود اس کی پڑھائی جاری تھی۔ عمرینہ ان کی کافی مدد کرتی تھی۔ اب اس کا رشتہ پکا ہو چکا تھا اور شادی انٹر کے بعد ہونی تھ۔ حدیقہ اسے بہن کی طرح ہی ٹریٹ کرتی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ کروانے لے جاتی تھی۔ اپنی شرارتوں میں اس کو بھی شامل کر لیتی تھی لیکن اس کا خمیازہ ادیبہ کو ہی پڑتا تھا۔ پھر وہ حدیقہ سے شکوے کرتی اور حدیقہ اسے بڑی بہنوں کی طرح مناتی تھی۔ اسے ادیبہ کی معصومیت بہت اچھی لگتی تھی۔ اگر عنیقہ اس سے ناراض ہوتی تو وہ اسے کبھی نہیں مناتی تھی کیونکہ عنیقہ غصے کی بہت تیز تھی۔ اسے اس کی طنزیہ نظریں بہت بری لگتی تھیں۔ اس کا حاسدی زہن اور ہر بات میں مقابلہ لگا لینے کی عادت ایک آنکھ نہ بھاتی۔ اسلیے وہ عنیقہ کی بجائے ادیبہ سے زیادہ اٹیچ تھی جو عنیقہ کو سخت برا لگتا تھا۔ اور وہ اندر ہی اندر جلتی رہتی تھی۔

-----------------------------------

ریان عباس خان آفس سے گھر واپس آرہا تھا۔ وہ اس وقت بلیو جینز اور سفید ٹی شرٹ پر کالی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ لمبا متناسب جسم، سفید کلین شیو چہرہ، گہری کالی سنجیدہ سی آنکھیں، تیکھے نقوش اور کالے چھوٹے چھوٹے بالوں کے فوجی کٹ ہیئر سٹائل کے ساتھ وہ کسی سکول بوائے کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ وہ ایک سنسان سڑک پر ارد گرد سے بے نیاز گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ سڑک کے اطراف پر بلند اور گھنے سایہ دار درخت تھے۔ وہاں عموماً رش کم ہوتا تھا کیونکہ یہ سڑک ایک غیر گنجان آباد علاقے کی طرف جاتی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے اس کی نظر اچانک ایک لڑکی پر پڑی۔ وہ سڑک کے دائیں کنارے بھاگتے ہوئے جا رہی تھی۔ لڑکی کی پشت اس کی طرف تھی۔ یعنی جس طرف گاڑی کا رخ تھا وہ بھی اسی طرف بھاگ رہی تھی لیکن وہ اس سے بہت آگے تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے بار بار پیچھے مڑ کر اس کی گاڑی کو دیکھتی اور پھر بھاگنا شروع کر دیتی۔ ریان کو بہت حیرت ہوئی۔ اس لڑکی کو اس سنسان جگہ پر دیکھ کر اور جس طرح وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی تھی صاف ظاہر تھا وہ کسی سے خوف زدہ ہو کر بھاگ رہی ہے۔ اب اس کی گاڑی اور اس لڑکی میں فاصلہ کم رہ گیا تھا۔ اچانک درختوں میں سے ایک آدمی نکل کر لڑکی کے سامنے آگیا۔ وہ لمحہ بھر ٹھٹک کر رکی اور سوچے سمجھے بغیر سڑک کے پار دائیں سے بائیں بھاگنا شروع کر دیا۔ ریان پہلے تو اس آدمی کے یوں اچانک نکل آنے پر حیران تھا لیکن جب لڑکی نے سڑک کراس کرنا شروع کی تو وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گیا۔ کیونکہ وہ لڑکی سیدھی اس کی گاڑی کے آگے آچکی تھی اور وہ بھی اس لڑکی کے قریب آچکا تھا۔ اس نے زور سے بریک پر پاؤں رکھا اور گاڑی چرچراتی ہوئی رک گئی۔ لیکن وہ لڑکی گر چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ گاڑی کو بروقت روک لے گا لیکن لڑکی کو گرتے دیکھ کر اسے تشویش ہوئی۔ جو آدمی اس لڑکی کے پیچھے تھا وہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن ریان کا دھیان وہاں نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل کر لڑکی کی جانب لپکا۔ وہ لڑکی اوندے منہ پڑی تھی۔ ریان نے لڑکی کو سیدھا کیا تو کچھ پل کیلیے مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ بے بی پنک کلر کی لمبی پیروں تک آتی فراک پہنے، ہم رنگ چوڑی پاجامہ اور دوپٹہ گلے

میں لپیٹے، براؤن ویوی کھلے بالوں کے ساتھ وہ اسے کوئی آسمان سے اتری پری لگی تھی۔اس نے پہلے بھی کئی خوبصورت لڑکیاں دیکھی تھیں لیکن یہ لڑکی ان سب سے آگے تھی یا اسے لگی تھی۔اور وہ پہلی ہی لڑکی تھی جسے دیکھ کر ریان کا دل کسی انوکھی لے پر دھڑکا تھا۔وہ کچھ پل کیلیے اس کے حسن میں کھو سا گیا تھا لیکن جلد ہی ہوش میں آگیا۔اسے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ اس لڑکی کو کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔شاید وہ ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

اس نے لڑکی کا چہرہ تھپتھپایا۔لیکن وہ بے سدھ پڑی رہی۔کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے لڑکی کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور گاڑی کی پچھلی جانب کا دروازہ کھول کر اسے اندر لٹا دیا۔گاڑی سٹارٹ کر کے تیز سپیڈ سے آگے کی طرف بڑھا دی۔دس پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد نیا علاقہ شروع ہو چکا تھا اور اب وہ کسی کلینک کی تلاش میں تھا۔جلد ہی اس کلینک مل گیا۔اس کے سامنے گاڑی روک کر پچھلا دروازہ کھول کر اس لڑکی کو اٹھایا اور تیزی سے کلینک میں داخل ہو گیا۔

"ڈاکٹر ایک ایمرجینسی ہے پلیز اس کا چیک اپ پہلے کر دیں۔"اس نے کہا تو ڈاکٹر نے دو نرسوں کو اشارہ کیا جو سٹریچر پر لٹا کر اس کی طرف بڑھیں۔اس لڑکی کو کمرے میں لے جایا گیا اور ریان باہر ہی رک گیا۔کچھ دیر بعد ڈاکٹر باہر آیا تو وہ جلدی سے اس کی طرف لپکا۔

"اب کیسی ہے وہ؟"اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"آپ اس کے کیا لگتے ہیں؟"ڈاکٹر نے جواب دینے کی بجائے الٹا اسے سوال کیا۔

"میں اسے نہیں جانتا۔اس لڑکی کے پیچھے کوئی شخص لگا ہوا تھا جب اچانک یہ بھاگتے ہوئے سڑک کے درمیان میری گاڑی کے سامنے آگئی۔میں نے بروقت بریک لگا دی تھی۔لیکن یہ پھر بھی بے ہوش ہو گئی۔تو میں اسے یہاں لے آیا۔"ریان نے سارا واقعہ بیان کیا۔

"اسکا مطلب اس کے پیچھے کچھ لگے تھے۔ پھر وہ شخص کہاں گیا؟"ڈاکٹر نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔اس وقت تو کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔اسے کچھ ہوا تو نہیں۔"

"اس کو کافی مقدار میں بے ہوشی کی دوا دی جاتی رہی ہے لیکن اب فکر کی کوئی بات نہیں میں نے معدہ واش کر دیا ہے۔بس ڈرگز کی وجہ سے بے ہوش ہو گئیں ہیں۔ابھی کچھ دیر بعد ہوش آجائے گا انہیں۔"ڈاکٹر نے اسے تسلی دی۔ریان نے شکر کا سانس لیا۔

"جب تک انہیں ہوش نہیں آجاتا آپ کو یہیں رکنا پڑے گا۔اس کے گھر والوں کو تلاش کرنے کیلیے آپ کی مدد چاہیے ہو گی۔ورنہ معاملہ اگر پولیس تک پہنچا تو نقصان آپ کو ہی ہو گا۔"

ڈاکٹر نے اسے پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔

"کیا مطلب میں نے تو اس کی مدد کی ہے۔پھر پولیس مجھے کچھ کیوں کہے گی۔اور مجھے کیا پتہ یہ کون ہے۔میں اس کے ماں باپ کو کہاں سے ڈھونڈتا پھروں۔"اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے بلا لیں پولیس۔سب سے پہلا شک آپ پر ہی جائے گا اور اگر اس لڑکی نے پولیس کے سامنے آپ کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو آپ ہی پھنسیں گے۔"ڈاکٹر کہہ کر گے بڑھ گیا

"عجیب مصیبت ہے۔"اس نے پریشانی سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔پھر سوچا ڈاکٹر واقعی صحیح کہہ رہا ہے ایک دفعہ لڑکی کو ہوش آجائے تو پھر اس سے پوچھ گچھ کر کے ہی پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔

(اگر اس نے میری گاڑی کو بھی تعاقب کرنے والوں کی سمجھ لیا تو پھر میں گیا کام سے۔)وہ سوچتا ہوا بل کلیئر کرنے کیلیے کاؤنٹر پر چلا گیا۔

"سر آپ کے پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔"کچھ دیر بعد ایک نرس نے اسے آکر اطلاع دی۔

وہ خوش ہوتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھنے لگا کہ چلو اب لڑکی سے اس کے گھر والوں کا پوچھے گا اور اس کی جان چھوٹے گی۔ لیکن کمرے میں آتے ہی ڈاکٹر نے اسے ایسی خبر سنائی کہ اسے اپنی سماعتوں پر شک گزرا۔

"مسٹر ریان ان کی یاداشت کھو چکی ہے۔ انہیں تو اپنا نام تک نہیں یاد۔" ڈاکٹر اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا تو اس کا دل کیا اپنا سر کہیں ٹکرا دے۔ اس نے ڈاکٹر کو پیچھے ہٹایا

"دیکھو لٹل گرل اپنا نام بتاؤ اور اپنے گھر والوں کا فون نمبر بتاؤ۔ وہ تمہارے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے" وہ ایسے بولا جیسے کسی چھوٹے بچے کو بہلا کر کچھ پوچھ رہا ہو۔ لیکن لڑکی نا سمجھنے والے انداز میں اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"کوشش کرو شاباش یاد کرو کہاں ہے تمہارا گھر۔ ابھی شام ہونے والی ہے اور ہم سب اپنے گھر جانے والے ہیں۔ تم یہاں اکیلی رہ جاؤ گی۔" ریان نے اسے ڈرانے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ریان نے جھنجھلا کر سر جھٹکا۔

"اس کو یاد نہیں ہے کچھ بھی آپ کیوں دباؤ ڈال رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے اسے کہا

"تو اور کیا کروں اسے یہاں چھوڑ جاؤں۔"

"میں اپنا کلینک بند کرنے لگا ہوں اور اس سے پہلے میں اس کو باہر نکال دوں گا۔" ڈاکٹر نے سفاکی سے کہا

"ڈاکٹر صاحب اس کے پیچھے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ ان کے ہاتھ لگ گئی تو بہت برا ہو گا۔"

"تو پھر میری مانیں آپ اسے اپنے گھر لے جائیں۔ کسی سائیکیٹرسٹ سے علاج کروائیں جب انہیں سب کچھ یاد آجائے تو انہیں ان کے گھر چھوڑ آئیں۔ سمپل" ڈاکٹر نے ابرو اچکا کر ایسے کہا جیسے یہ کوئی بڑی بات ہی نہ ہو۔ وہ تو سن کر بھونچکا کر رہ گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ پولیس کو انوالو کرنے سے ہی کوئی مسلہ حل ہو گا۔ لیکن اس کی امید پر پانی پھرنے والا تھا۔ اچانک لڑکی کی آواز آئی۔

"غازی" وہ پتہ نہیں کس کو بلا رہی تھی۔ ریان نے شکر کیا چلو کچھ تو یاد آیا وہ جلدی سے اس کی طرف پلٹا اور غازی کے بارے میں پوچھنے لگا تو وہ لڑکی بول پڑی

"کیوں چھوڑ کر گئے تھے تم مجھے۔ غازی" ریان تو ہونقوں کی طرح منہ کھول کر اسے دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ لڑکی اسے غازی کہہ رہی تھی۔ اس نے بے یقینی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یکدم لڑکی پر غصہ آگیا۔

"پاگل ہو گئی ہو میں تو تمہیں جانتا تک نہیں۔ میں غازی نہیں ہوں" ریان نے بپھر کر کہا۔

"تم مجھے بھول بھی گئے ہو۔ میں تمہارے لیے کتنا روئی تھی اور تم" لڑکی نے دکھ سے کہا۔

"سٹاپ اٹ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم نے۔ پاگل ہو گئی ہو تم۔ میں نے تمہیں مینٹل ہاسپٹل میں داخل کروا دینا ہے" وہ جل کر بولا۔

"اگر تم مجھے اب چھوڑ کر گئے نا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ میری موت کی وجہ تم ہو گے" لڑکی کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ریان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"میرے خیال میں پولیس سے مدد لے لینی چاہیے۔" ریان نے آخر کار زچ ہو کر کہا۔

"مجھے ایک دفعہ پوچھ تو لینے دو آخر یہ غازی ہے کون مجھے تو یہ لڑکی سچی لگ رہی ہے اور تم مشکوک لگ رہے ہو۔" ڈاکٹر نے اسے کہا۔ اور لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔

"بیٹا۔ غازی کون ہے؟"

"یہ ہے غازی۔ میرا منگیتر" لڑکی نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ریان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"لیکن آپ کو کوئی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے" ڈاکٹر نے کہا۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔یہ وہی ہے۔یہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے اجنبی بنا ہوا ہے۔"لڑکی کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ابھی آپ کو یاد ہے بے ہوش ہونے سے پہلے آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"ڈاکٹر نے پوچھا۔

"یہ مجھے چھوڑ کر جا رہا تھا۔میں نے اسے بہت روکا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی"لڑکی کے چہرے پر افسردگی ابھر آئی۔

"آپ کو یہ بھی یاد نہیں کہ آپ کسی گاڑی کے سامنے آ گئیں تھیں"ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔

"نہیں"لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ڈاکٹر گہری سانس بھر کے رہ گیا۔اس نے ریان کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور باہر نکل گیا۔ریان نے ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور غصے سے باہر نکل گیا۔

وہ عانیہ تھی جس نے کمال کی ایکٹنگ کرتے ہوئے ریان عباس خان کو بری طرح پھانس لیا تھا۔اور اب وہ نتیجے کے انتظار میں تھی۔

---------------------------------

"ڈاکٹر میں اسے اپنے ساتھ کیسے لے کر جا سکتا ہوں"اس نے زچ ہو کر کہا۔وہ اکیلا گھر میں رہتا تھا۔اور ایک انجان لڑکی کو ساتھ لے کر جانے سے جھجک رہا تھا۔لیکن دل اس لڑکی کے لیے پریشان تھا۔وہ اسے مشکل میں چھوڑ کر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔

"دیکھیں مسٹر ریان میں نے بھی کوئی خیراتی ادارہ نہیں کھول رکھا اور وہ کہہ جو رہی ہے کہ تم اس کے منگیتر ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔میرے خیال سے ماضی میں وہ غازی نام کے شخص سے بہت اٹیچڈ رہی ہیں اور اس کے چھوڑ کر جانے کے صدمے کی وجہ سے اس کا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔لیکن اس کا علاج ہو سکتا ہے۔آپ اسے کسی نیورولوجیسٹ کو دکھائیں یا کسی نفسیات کے ماہر ڈاکٹر کو۔ہو سکتا ہے ان کی یادداشت مکمل طور پر بحال ہو جائے پھر

آپ اس کا بیک گراؤنڈ معلوم کر سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے منگیتر نہیں ہیں۔ لیکن کوئی اور تو نہیں جانتا اور یہ ضروری تو نہیں کوئی اور بھی آپ پر یقین کرے۔ فی الحال وہ آپ کو غازی سمجھتی ہے۔ تو آپ کو ہی غازی کا کردار نبھانا ہوگا۔ اگر آپ اس سے اچھے طریقے سے پیش آئیں تو وہ بہت جلد ریکوور کر سکتی ہے اور اگر آپ نے اس کے ساتھ برا رویہ رکھا تو دماغی توازن مزید بگڑ سکتا ہے اور وہ کومہ میں بھی جا سکتی ہیں یا پھر ان کی ڈیتھ بھی ہو سکتی ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا اور ریان کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"اگر میں اسے کسی یتیم خانے یا ایدھی سنٹر داخل کروادوں تو" ریان نے تجویز پیش کی۔

"یہ بھی ممکن نہیں۔ اگر ان لوگوں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو کیا بتائیں گے آپ۔ وہی جو مجھے بتایا اور اس لڑکی نے کچھ اور بتادیا تو۔ اس لیے میری مانیں گھر لیں جائیں۔ اسے ان لوگوں سے بچانا آپ کا فرض بنتا ہے۔ جو اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔ اب اسے سمجھ آیا تھا کہ نیکی گلے پڑنا کسے کہتے ہیں۔ وہ تو انسانیت کے ناطے اس لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا۔ اور سمجھا تھا کام ختم لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ لڑکی یاداشت کھودے گی۔ اور اسے غازی سمجھنے لگے گی اور یہ مصیبت مستقل اس کے گلے پڑ جائے گی۔ وہ ایک مشہور بزنس مین تھا۔ اس کے حلقہ احباب کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اگر کسی کو اس لڑکی کے بارے میں پتہ چل گیا تو کوئی سکینڈل بھی کھڑا ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کا دل اس لڑکی کو اکیلے چھوڑ دینے پر پر راضی نہیں تھا۔ اسے اس لڑکی کی جان اپنی عزت سے عزیز لگنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر میں اسے گھر لے جاتا ہوں اور اس کا علاج کروادیتا ہوں۔ یہی بہتر رہے گا۔"

"ہاں آپ اسے ابھی گھر لے کر جا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا تو وہ اٹھ کر اس کمرے میں گیا۔ وہ اسے اب ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا لیکن وہ پھر آنکھیں بند کیے ہوئے دکھائی دی۔ اس نے اسے ہلایا لیکن لڑکی نے آنکھیں نہ کھولیں۔ وہ پریشان ہو گیا اور ڈاکٹر کو جا کر بتایا لیکن ڈاکٹر نے اسے تسلی دی کہ یہ بے ہوشی کی دوا کی وجہ سے غنودگی

میں چلی گئی ہے۔اس لیے پھر اسے اٹھا کر ہی لے جانا پڑا۔اس کے بازوؤں میں آتے ہی ریان کے دل کی رفتار تیز ہوئی تھی اور وہ اپنے دل کی حالت پر جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

--------------------------------------

"ہیلو"ڈاکٹر عرفان نے فون پر کہا۔

"ہاں ہو گیا کام"حماد نے پوچھا۔

"جی چوہدری صاحب کام بالکل اے ون ہوا ہے۔"ڈاکٹر عرفان نے خوشی سے کہا۔

"کوئی مسلہ تو نہیں ہو گا؟"

"نہیں جناب میں نے اسے اتنا ڈرا دیا ہے کہ پولیس کا نام تک نہیں لے گا۔اس کی آپ فکر مت کریں۔ویسے لڑکی نے کمال کی ایکٹنگ کی ہے۔میں تو حیران رہ گیا"

"زیادہ حیران نہ ہو آخر میں نے سکھایا ہے اسے۔لیکن مجھے تمہاری طرف سے ڈر تھا کہیں کوئی گڑبڑ ہی نہ کر دو"حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جناب پیسا ناممکن کو ممکن کر دیتا ہے یہ تو ایک چھوٹا سا کام تھا۔آپ بے فکر رہیں اچھی طرح برین واشنگ کر دی ہے۔وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے رکھتا ہوں فون"حماد فون رکھنے ہی والا تھا جب ڈاکٹر عرفان کی آواز آئی۔

"جناب اگر کوئی اور کام ہو تو بندہ حاضر ہے"

"فی الحال تو کوئی کام نہیں"حماد نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

--------------------------------------

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو ایک گاڑی اندر داخل ہوئی جو رن وے پر دوڑتی پورچ تک آ رکی۔ ریان عباس گاڑی سے باہر نکلا اور پچھلا دروازہ کھول کر عانیہ کو بازوؤں میں اٹھالیا۔ چوکیدار گیٹ بند کر کے پلٹا تو ریان کے بازوؤں میں ایک لڑکی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"صاحب جی یہ کون ہے" چوکیدار نے پوچھا۔

"عدیل اور بتول کہاں ہیں؟" ریان نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا

"صاحب وہ تو انیکسی میں ہیں۔"

"بتول کو ذرا بھیجو" ریان کہتے ہوئے اندر کی جانب چل پڑا۔ جب وہ عانیہ کو بیڈ پر لٹا کر اس کے اوپر کور دے رہا تھا تو بتول کمرے میں داخل ہوئی۔

"بتول اس لڑکی کا اچھے سے خیال رکھنا۔" ریان نے پلٹتے ہوئے کہا۔

"یہ کون ہے؟" بتول حیرت سے اس خوبصورت لڑکی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس کے پیچھے کچھ لوگ ہیں اور اس کی یاداشت بھی گم ہو چکی ہے اس لیے جب تک اس کا علاج نہیں ہو جاتا اور اس کے گھر والوں کا پتہ نہیں چل جاتا یہ یہیں رہے گی۔ اور ہاں کسی کو اس لڑکی کے بارے میں پتہ نہیں چلنا چاہیے۔" وہ بتول کو سنجیدگی سے سمجھا رہا تھا۔

"جی سمجھ گئی صاحب، جیسا آپ نے کہا ویسے ہی ہو گا۔"

"اور ہاں عدیل کو بھی سمجھا دینا" ریان کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسے ابھی آفس کا بہت کام کرنا تھا۔ لیکن لڑکی کی ٹینشن کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔ اسے خود پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ ایک انجان لڑکی کو گھر کیوں لے آیا۔ اس کا دل اس لڑکی کو دیکھ کر بے اختیار سا کیوں ہوا تھا۔ وہ اسے اتنی خوبصورت کیوں لگی تھی۔ آج تک اس نے جتنی بھی حسین لڑکی دیکھی تھیں اس کے دل میں ایسے احساسات نہیں جاگے تھے۔ اس میں ایسا کیا خاص تھا جو اسے اپنی

طرف کھینچتا تھا۔ان سب سوالوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا یا شاید اس کا جواب تھا لو ایٹ فرسٹ سائیٹ لیکن وہ ابھی یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔

(یہ بس وقتی ہمدردی ہے۔وہ لڑکی مشکل میں تھی اور میں نے اس کی ذرا سی مدد کیا کر دی اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس پر مر مٹا ہوں۔جلد ہی اس کا علاج کروا کر اسے اس کے ماں باپ کے گھر چھوڑ آوں گا۔)اس نے دل کو ڈپٹتے ہوئے سوچا تھا۔

---------------------------------

بتول نے لڑکی کو غور سے دیکھا جو بے ہوش تھی۔وہ اس کو ئی شہزادی لگی تھی۔دراز پلکوں والی بڑی بڑی بند آنکھیں، ستواں ناک، خوبصورت ہونٹ، سفید نرم وملائم چہرہ، ابھرے ہوئے گلابی گال، اور براؤن لہروں کی طرح کے بالوں کے ساتھ وہ اسے چاند سے اتری ہوئی کوئی پری دکھائی دے رہی تھی۔

"ہائے اتنی پیاری لڑکی۔میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھی اور بلینکٹ کو سیدھا کرنے لگی تو اس کی نظر اس کے ہارٹ شیپڈ نیکلس پر پڑی اس پر انگلش میں ڈی آئی اے لکھا ہوا تھا۔بتول مڈل پاس تو تھی لیکن اب پڑھے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔اس لیے فوراً نہ پہچان سکی کہ کیا لکھا ہوا ہے لیکن بعد میں سمجھ آگئی یہ تو 'دیا' لکھا ہوا ہے یعنی اس لڑکی کا نام دیا ہے۔وہ اس لڑکی کا نام جان کر ایسے خوش ہو رہی تھی جیسے بڑا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

---------------------------------

"باجی یہ بہت پیارا سوٹ ہے لیکن بہت مہنگا بھی ہے میں نے آپ سے کہا تھا کوئی سادہ سا لے دیں اب دیکھنا اماں سے کتنی ڈانٹ پڑتی مجھے" ادیبہ اتنے خوبصورت لباس پر خوش تو تھی لیکن ڈانٹ کی وجہ سے ڈر رہی تھی۔

"نہ ڈرو یار آنٹی کو میں خود سمجھالوں گی۔ اتنا خوشی کا موقع ہے ہماری ادیبہ کی منگنی ہونے جارہی ہے کوئی چھوٹی بات تو نہیں نا۔" حدیقہ نے اسے شرارت سے کہا تو ادیبہ جھینپ سی گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں شاپنگ کر کے آئیں تھیں۔ اور زیادہ تر چیزیں ادیبہ کیلیے لی گئیں تھیں۔ حدیقہ اکثر اسے اپنے ساتھ بازار لے جاتی اور اس کی پسند سے چیزیں دلا دیتی۔ اس کے ساتھ وہ بے تکلف تھی اسی لیے آرام سے لے لیتی لیکن اس دفعہ اسے بہت مہنگی چیزیں دیں تھیں اور وہ کچھ جزبز سی تھی۔

"کیا کیا خریداری کی؟" عنیقہ نے وہاں آتے پوچھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"یہ دیکھیں یہ ایک سوٹ خریدا ہے اور ساتھ میں میچنگ جیولری اور جوتے ہیں۔" ادیبہ نے پرجوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ کافی مہنگے نہیں۔ تمہیں عجیب ہی لگیں گے" عنیقہ نے ادیبہ کو اس کی اوقات یاد دلائی تو ادیبہ شرمندہ سی ہو گئی۔ حدیقہ نے عنیقہ کو غصے سے گھورا لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"یہ باجی حدیقہ بھی نا بس، میں نے تو کہا بھی تھا کوئی سادہ سا لباس لے دیں پر انہوں نے سنا ہی نہیں۔"

"اسے بھی اس طرح کی فضول خرچیاں کرنے کی عادت ہے۔ بھلا ملازموں کو اتنے مہنگے کپڑے کون لے کر دیتا ہے۔" ایک اور طنز۔ ادیبہ کا سر شرمندگی سے جھک گیا اور حدیقہ کو اس پر سخت غصہ آیا۔

"ملازمہ نہیں دوست ہے یہ میری۔ تحفہ دیا ہے میں نے اسے۔" حدیقہ نے عنیقہ کو جتایا اس اور ادیبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی

"اور تم مجھے یہ زیادہ نخرے مت دکھاؤ۔ بلکہ اپنے منگیتر کو ہی دکھانا۔ چلو جاؤ یہ پہن کر آؤ ذرا ہم دیکھیں تو ادیبہ منگنی پر پیاری بھی لگے گی یا نہیں۔ چلو اٹھو" حدیقہ نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے اٹھایا اور ڈریسنگ روم میں چھوڑ آئی۔ عنیقہ کو بہت ناگواری محسوس ہوئی۔ کہ حدیقہ ایک ملازمہ سے اتنا اچھا سلوک کر رہی ہے۔ اسے اس سے

زیادہ ادیبہ اچھی لگتی ہے۔ لیکن اسے یہ سمجھ نہیں تھی خود کو زبردستی کسی کو پسند نہیں کروایا جا سکتا۔ جو دل کے اچھے لوگ ہوں ان کو سب ہی پسند کرتے ہیں تو پھر بے شک وہ کوئی ملازم ہی کیوں نہ ہو۔

اس وقت عمرینہ اور ادیبہ کی ماں زرمین بھی کمرے میں آچکی تھیں جب ادیبہ لمبی سی گولڈن اور براؤن رنگ کے امتزاج سے بنی فراک زیب تن کیے ڈریسنگ روم سے باہر نکلی تو سب کی نگاہیں خود پر پا کر شرما گئی۔

"آنٹی اب دیکھیں اپنی بیٹی۔ لگتا ہے چاند سے پری آئی ہے۔ ہے نا" حدیقہ نے آگے بڑھ کر ادیبہ کو زرمین کے قریب لے آئی اور انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"میری بیٹی تو ہے ہی اتنی خوبصورت" انہوں نے لاڈ سے اس کا چہرہ تھامتے کہا۔

"لیکن آپ نے کہا تھا میں زیادہ پیاری ہوں" حدیقہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو زرمین آنٹی کے ساتھ ساتھ عمرینہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم دونوں تو مجھے بالکل ایک جیسی ہی لگتی ہو" زرمین آنٹی نے کہا۔ ادیبہ نین نقش کی اچھی تھی بس اس کا رنگ تھوڑا سانولا تھا۔ اور اس پر یہی سکن کلر جچتا تھا۔ چہرے پر چھائی معصومیت نے اسے مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ عنیقہ اس کی تعریف ہوتے دیکھ کر کلس کر رہ گئی تھی۔

"آنٹی منگنی والے دن میں خود اسے تیار کروں گی پھر دیکھئے گا میرا کمال۔ صدقے واری جائیں گی آپ اس کے" حدیقہ نے آنٹی کو باتوں میں لگا لیا تاکہ وہ ان کا دھیان بٹ جائے اور ادیبہ کا خوف ختم ہو۔ عمرینہ نے بھی خوشدلی سے ادیبہ کی تعریف کی ۔ اور عنیقہ اپنا دل جلاتی رہی اس نے جھوٹے منہ بھی نہ کہا کہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔

"اے یار ایسے کیوں شرما رہی ہو جیسے یہ تمہاری اماں نہ ہو گئیں بلکہ تمہارا منگیتر ہو۔" حدیقہ نے ادیبہ کے کان میں سرگوشی کی اور ادیبہ نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹ لی۔

"آ....ادیبہ کیوں مار رہی ہو" اس نے اونچی آواز میں کہہ کر سب کو متوجہ کر لیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" آنٹی زرمین نے کہا

"یہ مجھ سے خفا ہو گئی ہے کہ میں نے اس کے منگیتر کا نام احترام سے نہیں لیا۔ ابھی تو منگنی بھی نہیں ہوئی باجی کو اپنے ان کیلیے مارنا شروع بھی کر دیا۔ جب شادی ہو گی تو یہ مجھے دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ یہ بھی دن دیکھنے تھے۔" حدیقہ نے دہائی بھرتے ہوئے اپنے نادیدہ آنسو صاف کیے۔ ادیبہ اسے بس گھور کر رہ گئی اور سب کا قہقہہ گونجا۔

"حدیقہ بس کرو کتنا تنگ کرو گی بہن کو۔" عمرینہ نے اس ڈانٹا۔ تو اس نے منہ بنا لیا۔

"چلو زرمین نیچے کچن کا کام دیکھ آئیں ذرا۔" عمرینہ زرمین کو لے کر باہر نکل گئیں اور ادیبہ نے کڑے تیوروں سے حدیقہ کو گھورا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی۔ ادیبہ اپنی فراک کو سنبھالتی اس کے پیچھے بھاگی۔

"مجھے بچا لو عنیقہ دیکھو چڑیل مجھے کھانے آ رہی ہے" وہ عنیقہ کے پیچھے چھپتی بولی۔

"بند کرو ڈرامے بازی" عنیقہ کا پارہ ہائی ہو چکا تھا اس نے حدیقہ کے بازو جھٹکے اور کمرے سے باہر نکل گئی

"ہیں اسے کیا ہوا ہے؟" وہ حیرانی سے بولی جبکہ ادیبہ جان چکی تھی کہ عنیقہ اسی کی وجہ سے غصہ دکھا کر گئی ہے اس لیے وہ بھی چپ سی ہو گئی۔

"اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" حدیقہ اسے خاموش اور اداس کھڑے دیکھ کر بولی۔

"کچھ نہیں" وہ کہتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ جبکہ حدیقہ نا سمجھی کے عالم میں اس جاتا دیکھنے لگی۔

---

بتول کے کمرے سے جانے کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں تھیں۔ خاموش سی ویرانی اس کے دل و دماغ میں اترتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے دشمن کے قریب پہنچ چکی تھی اور صرف جال بچھانا رہ گیا تھا۔ وہ یہاں تک کیسے کڑے ضبط

سے پہنچی تھی یہ وہی جانتی تھی۔وہ ایک مشکل امتحان تھا جس میں وہ کامیابی سے پاس ہو چکی تھی۔لیکن اس کے اندر کوئی خوشی نہیں تھی۔ہر احساس مر چکا تھا۔شاید وہ بے حس ہو چکی تھی جسے اپنے دل کی بھی پرواہ نہیں تھی۔اس وقت دل پر بہت شدت سے تکلیف ہوئی تھی جب ریان عباس نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا تھا لیکن اسے یہ برداشت کرنا تھا۔دل تو چاہا تھا کہ اسی وقت ریان عباس کو قتل کر دے جب اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا لیکن ابھی اسے صبر کرنا تھا وہ اپنے احساسات کو کنٹرول کرنا جانتی تھی۔اسی لیے تو یہاں تک پہنچ چکی تھی اور آگے اس سے بھی کڑے امتحان آنے والے تھے۔وہ اپنے والدین کے قاتل کے گھر میں تھی اور یہی بات اس کی روح کو گھائل کر رہی تھی اس کے دل میں ہوک سی اٹھ رہی تھی۔لیکن وہ رو کر ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔اس نے اپنے آنسوؤں کو اپنے اندر اتار لیا تھا۔

(ماما......ڈیڈ مجھے معاف کر دیجیے گا میں جانتی ہوں آپ یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ میں آپ کا بدلہ لینے کیلیے خود کو خطرے میں ڈال دوں کیونکہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں لیکن میں بھی کیا کروں میں بھی تو آپ سے محبت کرتی ہوں اگر آج آپ کی جگہ میں اس دنیا سے چلی گئی ہوتی تو کیا آپ میرا بدلہ نہ لیتے۔میں مجبور ہوں آپ دونوں کی محبت میں۔چاہ کر بھی اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑ سکتی جس نے بے دردی سے آپ کو قتل کر دیا۔میں بہت مشکل سے یہاں پہنچی ہوں اب کام ختم کیے یہاں سے نہیں جاؤں گی۔)

-----------------------------------

اس کی آنکھ کسی کی آواز سے کھلی تھی۔وہ بتول تھی جو اسے پکار رہی تھی۔وہ حیران ہوئی کہ اس کی آنکھ کب لگی تھی۔

"دیا بی بی اٹھ جائیں صبح ہو چکی ہے۔"بتول اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے بولی تھی۔

"میں کہاں ہوں؟"اس نے خوفزدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"ڈریں مت آپ بالکل محفوظ جگہ پر ہیں۔وہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

"کون لوگ؟"اس نے حیرت ظاہر کی تو بتول کو یاد آیا کہ اس لڑکی کی یاداشت بھی گم ہو چکی ہے۔

"نہیں......کچھ نہیں۔میں بھی پتہ نہیں کیا کہتی رہتی ہوں۔چھوڑیں اس بات کو جی۔آپ فریش ہو جائیں میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"وہ بیزاری سے بولی۔

"ضد نہ کریں بی بی جی پتہ نہیں کب سے کھانا نہیں کھایا آپ نے۔شام کو ریان صاحب آپ کو لے کر آئے تھے۔اس وقت آپ بے ہوش تھیں میں نے دو تین دفعہ آکر دیکھا بھی تھا تاکہ کھانے کا کہہ سکوں لیکن آپ جاگی ہی نہیں تھیں۔اور آپ لگ بھی تو کتنی کمزور رہیں ہیں۔چلیں شاباش اٹھیں ناشتہ کر لیں"بتول محبت سے کہتی اسے مام کی یاد دلا گئی تھی۔وہ جتنی بھی صحتمند ہو جاتی لیکن مام کو وہ ہمیشہ کمزور سی لگتی تھی وجہ اس کی سلم سمارٹ باڈی تھی اگر وہ زیادہ کھاتی بھی تو اس کا وزن بڑھتا نہیں تھا۔کیونکہ ڈیڈ اسے سخت ٹریننگ کرواتے تھے۔مام کبھی کبھار ڈیڈ سے کہتیں

"کتنی صحتمند تھی میری بیٹی اب آپ نے اسے مارشل آرٹ سکھانے کے چکر میں بالکل ہی دبلا کر کے رکھ دیا ہے"

"اتنی بھی پتلی نہیں ہے آجکل کی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں اب آپ کا زمانہ تو نہیں رہانا"صفدر علی شرارت سے کہتے نبیلہ کو خفا کر گئے۔

"آپ کا مطلب ہے میں موٹی تھی۔"

"تھی نہیں اب بھی ہو"وہ انہیں چڑانے لگے۔

"اوہو مام ایسی کوئی بات نہیں۔ڈیڈ ویسے ہی آپ کو تنگ کر رہے ہیں۔میری سب دوستیں کہتیں ہیں تمہاری مام کتنی سمارٹ اور ینگ ہیں تمہاری بڑی بہن لگتی ہیں"۔عانیہ نے مام کو تسلی دی تھی۔اور مام تو اتنے میں ہی خوش ہو گئیں۔

"وہ تو چھوٹی بچیاں ہیں انہیں کیا سمجھ کون موٹا ہے اور کون پتلا۔انہوں نے ایسے ہی بات کہہ دی ہو گی "ڈیڈا بھی بھی مان نہیں رہے تھے۔

"لیکن وہ تو یہ بھی کہہ رہی تھی تمہارے ڈیڈ بھی بہت شاندار پرسنیلٹی کے مالک ہیں۔" عانیہ نے حاضر جوابی کا ثبوت دے کر انہیں لاجواب کر دیا تھا۔اور مام کو خوش کر دیا تھا۔

---

وہ ابھی واشروم سے نکلی ہی تھی کہ بتول ناشتہ لے کر آگئی۔

"دیا بی بی ناشتہ لگا دیا ہے آجائیں "بتول میز پر ناشتہ لگاتے ہوئے اسے بلا رہی تھی وہ آہستہ سے چلتی ہوئی میز کے پیچھے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"غازی کہاں ہے؟"اس نے جان بوجھ کر یہ سوال کیا تھا تاکہ بتول کو اس کی یاداشت جانے پر یقین آجائے۔

"کون غازی؟"بتول نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"آپ کو غازی کا نہیں پتہ؟"وہ تعجب سے بولی۔بتول نے نفی میں سر ہلایا۔عانیہ نے کچھ دیر سوچا پھر بولی۔

"میرا منگیتر۔"بتول ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو انہیں نہیں جانتی۔"

"تو مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"ریان صاحب آپ کو یہاں لے کر آئے تھے۔"بتول نے معصومیت سے اسے اطلاع دی۔

"وہاٹ میں نے غازی سے کہا بھی تھا مجھے چھوڑ کر مت جانا ورنہ میں خودکشی کر لوں گی۔وہ پھر چلا گیا نا۔"

"بی بی جی مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا آپ کیا کہہ رہی ہیں یہاں تو کوئی غازی نہیں رہتا۔"

"تم جاؤ ابھی مجھے ناشتہ نہیں کرنا۔"اس نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔بتول باہر چلی گئی۔

اس نے تو خود کو ثابت کرنا چاہا کہ وہ پچھلی یاداشت بھول چکی ہے لیکن اسے کیا پتہ تھا ریان نے بتول کو غازی کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔اب اسے بتول کے سامنے ایسا ری ایکٹ تو کرنا تھا جیسے ریان کے سامنے کیا تھا تا کہ اس پر کسی بھی قسم کا شک ہو۔

---------------------------------

"صاحب جی دیابی بی ناشتہ نہیں کر رہیں اور کسی غازی کو بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہے اسے بلاؤ ورنہ خود کشی کر لوں گی"وہ اس وقت ایک بزنس پارٹی کے ساتھ ایک میٹنگ کے لیے نکلنے والا تھا جب ہی گھر سے کال آگئی اور بتول کی بات سن کر اس نے بے اختیار ماتھا چھوا۔

"پاگل اس کا دماغ سیٹ نہیں ہے اور لگتا ہے تمہارا بھی ٹھیک نہیں تم نے کہنا تھا ابھی آجائے گا"

"پر جی یہ غازی ہے کون ؟"بتول نے پوچھا تو اسے نا چاہتے ہوئے بھی بتانا پڑا۔

"مجھے کہتی ہے وہ غازی اب یہ تو پتہ نہیں وہ کون ہے۔ لیکن وہ جیسا کہے اس کی ہاں میں ہاں ملانا۔اسے کہنا کہ میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔اوکے رکھتا ہوں فون "اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

(ریان صاحب کا نام غازی کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔غازی تو دیابی بی کے منگیتر کا نام ہے تو اس کا مطلب ریان صاحب اس لڑکی کے منگیتر ہیں۔ کہیں ریان صاحب ہی غازی تو نہیں۔کوئی نہ کوئی تو چکر ہے ضرور ہے۔ خیر مجھے کیا۔)کچھ دیر اپنے ننھے دماغ پر زور دیتی رہی لیکن کچھ سمجھ نہ آئی تو لاپرواہی سے کندھے اچکا دیے البتہ دل ابھی بھی اس راز کو کھوجنے کی جستجو کر رہا تھا۔

---------------------------------

"میں نے فون کیا ہے غازی کو وہ کہہ رہا تھا ابھی آجائے گا۔"بتول نے اندر آتے ساتھ اس کے سر پر دھماکا کیا۔اسے یہ توقع نہیں تھی کہ بتول ریان کو ابھی بلا لائے گی۔پلان میں تو یہی شامل تھا لیکن وہ شش و پنج میں مبتلا کر گیا تھا۔وہ جس شخص کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی تو اس سے بات کیسے کرے گی۔

"تم نے تو کہا تھا کہ یہاں کوئی غازی نہیں رہتا"

"وہ جی ریان صاحب کا دوسرا نام غازی ہے مجھے پتہ نہیں تھا اس لیے۔"بتول شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

عانیہ نے ناشتہ شروع کر دیا۔بتول اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ویسے بی بی جی آپ غازی صاحب کو بہت پسند کرتی ہیں کیا؟"بتول نے ڈرتے ہوئے پوچھا اور اسے لگا کہ نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا ہے۔اسے توقع نہیں تھی کہ وہ ایسا سوال کرے گی۔

"ہاں"(اتنا کہ اسے قتل کر کے اس کی لاش اس کے وارثوں کو پہنچا دوں گی۔اب اتنا تو احسان کر ہی سکتی ہوں اس پر۔)اس نے سفاکی سے سوچتے ہوئے ہاں کہاں تھا۔

"ویسے بی بی جی ایمانداری سے ایک بات کہوں آپ جیسی خوبصورت لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ریان صاحب تو بہت ہی خوشنصیب ہیں۔"بتول نے سچے دل سے اس کی تعریف کی تھی۔اور وہ زہر خند لہجے میں مسکرا دی۔وہ اس کی بدنصیبی تھی یا خوش نصیبی یہ وقت نے جلد ہی ثابت کر دینا تھا۔

-----------------------------------

حدیقہ کی آنکھ آج کچھ زیادہ ہی دیر سے کھلی تھی۔ماما کتنی دفعہ آکر اسے جگا کر گئیں تھیں۔ادیبہ کو دو بار بھیجا لیکن وہ تو جیسے آج گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔اسے نیند ہمیشہ سے پسند تھی۔لیکن کوئی اٹھائے تو وہ فجر کی نماز پڑھ لیتی اور پھر سو جاتی۔ماما نے اسے اتنی دفعہ سمجھایا تھا کہ فجر کے بعد نہیں سوتے لیکن اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگتی تو اسے سونا ہی پڑتا۔عانیہ کے گھر جب وہ دو ہفتے رکی تو اس نے نماز کے بعد سونا ترک کر دیا اور کئی

راتیں تو جاگ کر بھی عانیہ کی تیمارداری کرتی رہی۔ کیونکہ عانیہ اسے نیند سے زیادہ پیاری تھی۔ عانیہ کو اس کی ضرورت تھی اور وہ کیسے سو سکتی تھی۔ پھر جب گھر آئی تو بھائی کے ساتھ ایسی شرارت کر دی کہ اسے صبح ہی صبح اٹھنا پڑا۔ لیکن آج اس نے جی بھر کر نیند پوری کی تھی۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے گھڑی پر ٹائم دیکھا تو ساڑھے دس بج چکے تھے۔ وہ انگڑائیاں لیتی بیڈ سے اتری اور باتھ روم گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا رخ نیچے کچن کی طرف تھا۔ تب ہی ماما سے سامنا ہوا۔ وہ شاید تیار ہو کر کہیں جا رہی تھیں۔

"کہیں جا رہیں ہیں ماما؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ہاں میں اور تمہارے بابا جا رہے۔ ضروری کام ہے دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔"

"میرا ناشتہ ؟"

"اپنا ناشتہ خود تیار کر لینا۔"

"آپ میرے لیے بھی بنا دیتی نا" اس نے ضدی بچوں کی طرح کہا۔

"اگر بنا دیتی تو اب تک ٹھنڈا ہو جانا تھا۔ اور تم خود بھی ناشتہ بنا سکتی ہو۔" عمرینہ نے عجلت میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ منہ بناتی کچن میں جا کر فریج چیک کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچن میں ہی ایک چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پر اپنے سامنے ناشتہ رکھ کر بیٹھی تھی۔ فرائیڈ توس کے ساتھ فرائیڈ ایگ اور کیچ اپ تھی اور ساتھ میں مینگو جوس۔ ابھی وہ جوس پی ہی رہی تھی جب ماما کچن میں بولتی ہوئی داخل ہوئیں۔

"وہاب بیٹا آج اتنی لیٹ کیوں اٹھے اور یونیورسٹی بھی نہیں گئے خیریت تو ہے نا" اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو ماما کے ساتھ وہاب کو دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

بلیو جینز پر سفید ٹی شرٹ پہنے، ماتھے پر بے ترتیبی سے بال بکھرائے سوئی جاگی سی کیفیت میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہا تھا۔ لیکن حدیقہ شاید اسے نظر لگانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"جی بس تھوڑی طبیعت ناساز تھی" وہاب نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا زیادہ خراب تو نہیں طبیعت؟" عمرینہ نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں بس سر میں درد ہے۔ ٹیبلٹ لوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اچھا تم یہاں بیٹھو میں ناشتہ بنا دیتی ہوں پھر چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لینا۔ اوکے۔" عمرینہ نے وہاب کو کچن کے ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس کے سامنے حدیقہ بیٹھی تھی۔ وہاب نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس وقت میرون رنگ کے کالر والے ٹاپ اور سفید کلر کی لانگ میکسی سکرٹ میں ملبوس تھی۔ گولڈن بلانڈیڈ بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے اور کچھ بال ماتھے پر بکھرائے، میک اپ سے عاری چہرہ لیے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ وہاب کو اس سے نظر ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔

"ماما اب آپ کو دیر نہیں ہو رہی" اس نے سلگتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں دیر تو واقع ہو رہی ہے تم ایسا کرو اسے ناشتہ دے دو اور اپنے لیے دوسرا بنا لو۔ اور چائے بھی بنا دینا۔" ماما اپنے ہی دھیان میں کہہ رہی تھیں اور وہ صدمے سے منہ لٹکا کر ماما کو دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے ناشتہ اٹھا کر وہاب کے سامنے رکھ دیا۔ اور باہر نکل گئیں۔ حدیقہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اور وہاب اپنی ہنسی چھپانے کیلیے توس کی بائیٹ لینے لگا۔ حدیقہ کو جب یقین ہو گیا کہ ماما گھر سے جا چکی ہیں تو اس نے وہاب کے سامنے سے ناشتہ جھپٹ کر اٹھا لیا اور وہ حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہاب نے چہرے پر ذرا غصہ لاتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا ناشتہ ہے جو میں نے بڑی محنت سے اپنے لیے تیار کیا ہے۔وہ چولہا ہے اور وہاں سب چیزیں پڑیں ہیں اپنا ناشتہ خود تیار کرو۔"اس نے سخت لہجے میں کہا اور ناشتہ کرنے لگی۔وہاب کے ہاتھ میں جو آدھا کھایا ہوا توس تھا اس نے وہ بھی غصے سے حدیقہ کی ناشتے والی ٹرے میں پٹخ دیا۔

"اب میں اتنی بھی گئی گزری نہیں ہوں کہ کسی کے منہ کا نوالہ چھین لوں۔کھا لو اسے۔"اس نے کہتے ہوئے اسے ایسے پکڑایا جیسے بڑا احسان کر رہی ہو۔

"شکریہ ایک نوالہ دینے کیلیے"وہاب نے تپ کر کہا۔اور وہ توس کھا کر چولہے کی طرف بڑھ گیا۔اب اسے خود ہی پکانا تھا۔

"ویسے تم مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہو؟"وہاب نے چولہا آن کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔مہمان تو مجھے اپنی سانسوں کی طرح عزیز ہیں۔"حدیقہ نے کہا تو وہاب ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔وہ قدرے توقف کے بعد پھر بولی۔"وہ بالکل سانس کی طرح آتے ہیں تو چلے بھی تو جاتے ہیں۔"اس کا طنز سمجھ کر وہ مسکرا دیا۔

"میں بھی تو صبح چلا جاتا ہوں اور رات کو واپس آتا ہوں۔اس کا مطلب میں بھی مہمان ہوں۔"وہ ڈھٹائی سے بولا تو حدیقہ سلگ اٹھی۔

"تم مہمان نہیں بلکہ آفت ہو۔"

"استغفر اللہ۔میں تمہیں آفت دکھائی دیتا ہوں۔اتنے ہینڈسم مہمان کو تم جیسی روڈ لڑکی ہی آفت کہہ سکتی ہے۔"وہ اچھا خاصا برا منا گیا تھا۔اور حدیقہ کو دلی سکون ملا تھا۔

"ایسا مہمان پہلی دفعہ دیکھا ہے جو ہمیشہ کیلیے میزبان کے گھر رہنے آجائے۔"

(میں چلا تو جاؤں گا لیکن تمہیں بھی ساتھ لے کر جاؤں گا۔)وہ پراسرار سا مسکرایا تھا۔توس فرائی ہو چکے تھے اب انڈا فرائی کرنا تھا جو اسے بالکل بھی نہیں آتا تھا۔

وہ ابھی انڈا ہاتھ میں پکڑے اس کو توڑنے کا طریقہ سوچ رہا تھا کہ عنیقہ کچن میں داخل ہوئی۔حدیقہ کو بیٹھ کر کھاتے اور وہاب کو کھڑے ہو کر پکاتے دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"حدیقہ شرم کرو خود ناشتہ کر رہی ہو اور بے چارے مہمان کو ناشتہ بنانے پر لگایا ہوا ہے"عنیقہ نے اس کے قریب آکر اسے ڈپٹا۔

"اپنا ناشتہ بنا رہا ہے مجھ پر احسان نہیں کر رہا۔اتنی ہی تکلیف ہو رہی ہے تو خود بنا دو"حدیقہ نے تڑخ کر کہا۔

"لائیں میں بنا دیتی ہوں آپ بیٹھیں یہاں"عنیقہ وہاب کے خوبصورت سراپے کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے شائستگی سے بولی۔

"نہیں شکریہ کر لوں گا۔"وہ رکھائی سے بولا۔

"ارے کیسی باتیں کر رہے ہیں ہمارے مہمان ہیں آپ اور مہمان کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔"اس نے آگے بڑھ کر زبردستی وہاب کے ہاتھ سے انڈا لے لیا۔اور وہ واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔حدیقہ برے برے منہ بناتی ناشتہ کرنے لگی۔وہاب اس کی منہ بنانے والی حرکت سے محظوظ ہوا تھا۔

"کبھی ہمارے ساتھ بھی اتنا میٹھا بول لیا کرو۔ہم تو ترس ہی گئے تمہاری شائستہ آواز کو۔"حدیقہ نے کسی عاشق کی طرح عنیقہ کے کان میں سرگوشی کی جو انڈا فرائی کر کے وہاب کے سامنے رکھ رہی تھی۔اس کی بات پر عنیقہ کا دل کیا اس کا منہ توڑ دے۔وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی کہ وہاب نے اس کی بات نہ سنی ہو لیکن جس طرح وہ مسکرا رہا تھا بات واقع اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔عنیقہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اس کی باتوں کو دل پر نہ لیجیے گا اس کی عادت ہے بکواس کرنے کی۔"عنیقہ نے وہاب سے کہا اور پلٹ کر چیزیں سمیٹنے لگی۔وہاب خاموشی سے کھانے لگا لیکن پہلے ہی نوالے پر اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔آملیٹ میں بہت زیادہ مرچیں تھی۔اس نے آس پاس پانی دیکھا لیکن وہاں حدیقہ کے جوس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔اس نے وہی جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا حدیقہ نے اسے حیرانی سے دیکھا جو آہستہ آہستہ غصے میں تبدیل ہونے لگی۔وہاب نے پورا گلاس ختم کر دیا لیکن اس کی سوں سوں ابھی جاری تھی۔حدیقہ اب سمجھ گئی۔آملیٹ میں مرچی زیادہ ہے۔اس کی ہنسی نکل گئی۔

"کیا ہوا؟"عنیقہ نے مڑ کر پوچھا۔

"آملیٹ کی مرچی اس کے مزاج پوچھ رہی ہے"حدیقہ نے ہنستے ہوئے کہا

"سوری میں آپ کو دوسرا بنا دیتی ہوں"عنیقہ کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"نہیں شکریہ میں کھا چکا"وہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے"عنیقہ اس سلگتی نظروں سے دیکھتی بولی۔

"میں نے کیا کیا ہے۔؟"اس حیرانی سے پوچھا۔عنیقہ نے انگلی اٹھا کر اس کچھ کہنا چاہا لیکن قصور اپنا ہی نظر آیا تو پیر پٹختے ہو وہاں سے واک آوٹ کر گئی۔حدیقہ مزے سے مسکراتے ہوئے ناشتہ کرنے لگی تھی۔

---

عانیہ نے کھڑکی سے باہر لان میں ایک بچے کو دیکھا جو پودوں کو پانی دے رہا تھا اس کی سائیڈ پوز نظر آ رہی تھی ۔اسے بچے ہمیشہ سے ہی اٹریکٹ کرتے تھے۔وہ چھوٹے سے بچے کو دیکھ کر بھول چکی تھی کہ وہ کہاں ہے اور کس

لیے ہے۔وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور لان میں بچے کے پاس پہنچ گئی۔وہ کوئی سات آٹھ سال کا بچہ تھا۔اور پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

"ہیلو"اس نے بچے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔بچہ مڑا اور اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"عانیہ نے پوچھا۔

"سالار عدیل"بچے نے اپنی توتلی زبان میں بتایا

"اوہ یہ تو بہت پیارا نام ہے بالکل آپ کی طرح"اس نے بچے کو پچکارا

"آپ کون ہیں؟"بچے نے الجھ کر سوال کیا۔

"میں دیا ہوں۔"عانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ تو آپ ریان انکل کی منگیتر ہیں؟"سالار نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔بتول نے اس کے سامنے ہی عدیل کو یہ بات بتائی تھی۔عانیہ کو اس کی بات سن کر بتول پر غصہ چڑھا۔

"میں آپ کی نئی دوست ہوں۔چلو مجھ سے دوستی کرو۔"اس نے بات بدلی اور ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔بچے نے بھی مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔

"گڈ بوائے۔اچھا بتاؤ کیا کر رہے ہو؟"

"میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔"

"سکول جاتے ہو؟"

"جی"

"کونسی کلاس میں پڑھتے ہو؟"

"ٹو کلاس میں۔آپ کونسی کلاس میں پڑھتیں ہیں؟"بچہ آہستہ آہستہ اس سے باتیں کرنے لگا۔

"میں نے ساری کلاسز پڑھ لیں ہیں۔"

"پھر تو آپ کے مزے ہوں گے۔کچھ پڑھنا نہیں پڑتا ہو گا۔آپ تو ہر وقت کھیلتی ہی رہتی ہوں گی ہے نا۔"اب عانیہ اسے کیا بتاتی کہ جب ماں باپ کا سایہ ہی سلامت نہ رہا تو اس نے کیا کھیلنا۔

"چلو مل کر پودوں کو پانی دیتے ہیں"عانیہ نے کہتے ہوئے پائپ اٹھالیا جس سے پانی نکل کر ایک کیاری کو بھر گیا تھا۔سالار بھی اس کا ساتھ دینے لگا تھا۔

(بچے بھی کتنے اچھے ہوتے ہیں نا کچھ دیر کیلیے پریشانی کو بالکل بھلا دیتے ہیں۔)اس نے سوچ کر سر جھٹکا۔سالار بتول اور عدیل کا بیٹا تھا۔وہ اسے بتول کی طرح موٹا سا گول مٹول اور کیوٹ سا لگا تھا۔چلو جب تک اس جہنم میں رہنا تھا یہ بچہ اس کیلیے جنت کی ہلکی سی ٹھنڈی ہوا تو ثابت ہو ہی سکتا تھا۔

---

وہ کمرے میں ایک کرسی پر پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر کرب کے آثار تھے۔مام ڈیڈ کی یاد شدت سے آرہی تھی۔اچانک اسے مین گیٹ کے اوپن ہونے اور گاڑی کی آواز ئی اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور بھاگ کر کھڑکی کے پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ریان عباس اپنی گاڑی کو پورچ میں روک کر بتول سے بات کر رہا تھا۔اور اسے یقین تھا وہ اسی کے متعلق پوچھ رہا ہے اور اب وہ اسی کی طرف آئے گا۔اس کا دل کیا یہاں سے کہیں بھاگ جائے۔غصے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔آہستہ آہستہ بھاری قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔اور اسے اپنے عصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔اس نے اپنی مٹھیاں زور سے بھینچ لیں۔وہ اس کے آنے سے قبل ہی اپنا غصہ نکال کر خود کو نارمل کرنا چاہتی تھی۔اس نے ایک گہرا سانس لیا اور خود کو ریلیکس کیا۔تبھی دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر داخل ہوا۔عانیہ کی اس طرف پشت تھی۔

"دیا" ریان نے پیچھے سے پکارا لیکن وہ مڑ کر نہ دیکھ سکی۔ وہ آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔ عانیہ نے ایک دفعہ پھر آنکھیں بند کیں اور کھول دیں۔ ریان کچھ لمحوں کے لیے اس کے خوبصورت چہرے کو ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں دیکھے گیا لیکن دیا کی آنکھوں کا رنگ اور اس کے دیکھنے کا انداز اسے کچھ عجیب سا لگا۔

"دیا آر یو اوکے" ریان نے نرمی سے پوچھا۔

"ہمم" اس نے ہنکار بھرا اور پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اگر میں خودکشی کی دھمکی نہ دیتی تو تم مجھے وہیں چھوڑ آتے نا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ کرتو وہ ایک ڈرامہ رہی تھی لیکن نفرت کی وجہ سے وہ حقیقت لگنے لگا تھا۔ ریان جیسا گھاک شخص بھی حقیقت اور فریب میں فرق نہ کر پایا۔ اسے دیا کے ماضی کے بارے میں کچھ خاص تو پتہ نہیں تھا سو جواب دینے کی بجائے خاموشی سے دیکھنے لگا۔

"کیا تمہارے نزدیک کسی کی زندگی اہم ہے؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا پوچھ گئی تھی۔ وہ اس سے کیا کریدنا چاہتی تھی وہ سمجھ نہ سکا۔

"ہر انسان کی زندگی اہم ہوتی ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" ریان نے الٹا سوال کر دیا اور وہ گڑبڑا گئی۔

"اس لیے کہ کیا تمہیں میری جان عزیز ہے تبھی مجھے خودکشی سے بچانے کیلیے ناچاہتے ہوئے بھی اپنے ساتھ لے آئے ہو" اس نے بمشکل بات بنائی تھی لیکن ریان کے پاس اس کا بھی جواب نہیں تھا۔ وہ دل ہی دل میں کسی غازی کو کوس رہا تھا جس کی سزا اسے بھگتنی پڑ رہی تھی۔

"چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ اب مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے نا"

"نہیں۔ لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔"

"کیسا وعدہ؟"

"مجھے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہارے دماغ میں چھوٹا سا مسلہ ہے اس لیے تمہیں میرے ساتھ چیک اپ کیلیے جانا پڑے گا۔"

(اس کا مطلب ہے کس سائیکیٹرسٹ سے رابطہ ہو چکا ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا) اس نے سوچا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولی اسے یہ خوف تھا کہ جس سائیکیٹریسٹ کے پاس لے کر جائے گا اس سے حماد بھائی کا رابطہ پتہ نہیں ابھی تک ہوا ہو گا یا نہیں۔ اب ان کے درمیان رابطے کا کوئی طریقہ بھی نہیں تھا۔

"دیکھو دیا ضد مت کرو یہ تمہارے لیے ضروری ہے ورنہ پرابلم بڑھ سکتی ہے۔" ریان نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"میرے دماغ میں کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں نے تمہیں مینٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دینا ہے وہاں تمہارا جب علاج ہو جائے گا تب تم گھر آؤ گی۔" وہ چہرے پر غصہ کے تاثرات سجاتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تم نے وعدہ کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم بھی وعدہ کرو ڈاکٹر کے پاس چلو گی"

"اوکے" عانیہ مان گئی۔ یہ تو اب اسے کرنا ہی پڑنا تھا۔

"گڈ گرل۔ یہ بتاؤ کھانا کھالیا ہے"

"نہیں"

"چلو پھر ڈائننگ ٹیبل پر آجاؤ بتول کھانا لگا ہی رہی ہو گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں یہاں ہی کھالوں گی"

"اوکے ایز یو وش میں بتول سے کہتا ہوں کھانا یہیں لے آئے" وہ نرمی سے کہتے ہوئے چلا گیا۔

(کوئی شخص اتنا بھی منافق ہو سکتا ہے۔اتنے قتل کرنے کے بعد بھی خود کو کیسے اچھا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔)اس نے غصے سے سوچا تھا۔اگلے ہی پل حماد بھائی کی بات یاد آئی تھی۔

(وہ تمہیں سائیکیٹرسٹ کے پاس ضرور لے کر جائے گا کیونکہ وہ لاوارث لڑکیوں کو بیچنے کا کام کرتا ہے اور تمہارا علاج کروا کر یہ جاننا چاہے گا کہ تم بھی کہیں لاوارث تو نہیں۔تاکہ بعد میں کوئی مسلہ نہ ہو۔اس کو کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو۔چلو علاج تک تو یہاں رہ سکوں گی اور اپنے مقصد کو حاصل کر سکوں گی۔)ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ بتول کھانا لے کر آگئی۔

"دیا بی بی باہر آکر کھانا کھاتی نا۔اس گھٹن زدہ ماحول میں بیٹھے رہنے سے آپ کو کوفت نہیں ہوتی کیا۔"بتول ہمدردی سے نصیحت کر رہی تھی۔لیکن وہ اسے کیا بتاتی جب اندر کا ماحول ہی گھٹن زدہ ہو تو باہر کی کیا پرواہ۔

"بی بی جی آپ بہت کم بولتیں ہیں اور مسکراتیں بھی نہیں۔"بتول اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

"میں نے تمہارا بیٹا دیکھا ہے بہت اچھا بچہ ہے"وہ موضع بدل گئی اور بتول اپنے بیٹے کے بارے میں اسے بتانا شروع ہو گئی۔عانیہ کو بات پلٹنے کا فن آتا تھا سو اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

---

وہاب اپنے کمرے میں بے سدھ پڑا تھا۔کچھ دنوں سے وہ پیپرز کیلیے سخت محنت کر رہا تھا۔فورتھ سمیسٹر تھا اور وہ اس بار بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونا چاہتا تھا۔اسی لیے روزانہ یونیورسٹی جاتا وہاں سے پانچ بجے فارغ ہو کر جاب پر چلا جاتا۔وہ ایک شاپنگ مال میں سیلز مین تھا۔پھر آٹھ بجے گھر پہنچتا اور کھانا کھاتے ہی پڑھنے شروع ہو جاتا۔اور آدھی رات تک پڑھتا ہی رہتا۔اس اوور ورک کا نتیجہ آج اس کے سامنے تھا۔صبح صرف سر اور گردن درد کر رہے تھے۔اوپر سے نہ ناشتہ ملا اور نہ چائے ملی۔بخار اور بھی بڑھ گیا اور اب وہ کمرے میں تپتے جسم کے ساتھ پڑا تھا۔

عمرینہ دروازہ کھول کر اندر آئی اور اس بیڈ پر دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی

"وہاب بیٹا" وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولیں تو ایسے لگا کہ انگارے کے چھو لیا ہو۔

"وہاب بیٹا اٹھو" عمرینہ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا لیکن اسے ہوش نہ آیا۔نازک سے دل والی عمرینہ کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے بھاگ کر ڈاکٹر کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آگیا اور چیک اپ کر کے دوائیں لکھ کر دے گیا۔ وہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کی پیشانی پر رکھنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ٹمپریچر ڈاؤن ہو گیا اور وہاب نے آنکھیں کھول دیں اور عمرینہ آنٹی کو اپنے ماتھے پر ٹھنڈی پٹیاں رکھتے دیکھ کر حیران ہوا۔

"شکر ہے تم جاگ گئے مجھے تو ڈرا ہی دیا تھا تم نے" عمرینہ نے شکر کا سانس لیا۔

"کیا ہوا ہے مجھے" اس نے اٹھتے ہوئے نقاہت زدہ پوچھا تو عمرینہ نے اسے پھر لٹا دیا۔

"تمہیں اتنا سخت بخار ہو گیا تھا۔ تم تو کہہ رہے تھے سر میں معمولی سا درد ہے"

"اس وقت تو ایسے ہی تھا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا"

"یہ سب تمہارے اوور ورک کی وجہ سے ہوا ہے اب خبر دار جو تم نے دو دن تک کتابوں کو ہاتھ بھی لگایا تو۔" انہوں نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے خلوص پر شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"آنٹی امتحانات قریب ہیں اسی لیے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک دن بھی ضائع نہیں کر سکتا"

"بیٹا خود پر بھروسہ رکھو۔ اگر تم ایک دن نہ بھی پڑھو تو تم پھر بھی فرسٹ پوزیشن لے سکتے ہو۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے نا۔ اگر اسی طرح بیمار رہے تو پیپر کیسے دو گے۔" عمرینہ نے اسے پیار سے سمجھایا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ بوائے۔ چلو تم آرام کرو میں تمہارے لیے ابھی سوپ لے کر آتی ہوں۔" عمرینہ کہہ کر اٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔ وہاب کے چہرے پر ایک مغموم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ عمرینہ بالکل ماؤں کی طرح خیال رکھ رہی

تھی اسے بے اختیار اپنی ماں کی یاد آئی تھی۔اس کی آنکھ سے آنسو کی ایک لڑی نکلی اور سرہانے میں جذب ہو گئی تھی۔

---

"کیا ہو رہا ہے ماما" حدیقہ نے کچن میں آکر عمرینہ سے پوچھا۔ صبح سے وہ بابا کی لائبریری میں گھسی کوئی تاریخی کتاب پڑھ رہی تھی اور اب کچھ بھوک محسوس ہوئی تو کچن میں چلی آئی تھی۔

"سوپ بنا رہی ہوں" عمرینہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"سوپ وہ کس لیے" حدیقہ نے حیرت سے پوچھا کیوں کہ جب حدیقہ بیمار ہوتی تو عمرینہ اس کیلیے چکن کارن سوپ یا یخنی بناتیں تھیں لیکن اسے یہ ذرا برابر بھی پسند نہ تھا۔تو عمرینہ کو اسے زبردستی پلانا پڑتا۔

"پریشان مت ہو تمہارے لیے نہیں ہے یہ۔وہاب کو بخار ہے اس کے لیے بنا رہی ہوں۔" ماما نے کہا۔تو حدیقہ کو یاد آیا کہ اس نے وہاب سے ناشتہ چھین لیا تھا اور عنیقہ نے جو بنایا تھا اس میں مرچی زیادہ تھی اس لیے اس نے صبح کچھ نہیں کھایا تھا۔ کہیں اس وجہ سے تو بیمار نہیں ہو گیا۔اس نے سوچتے ہوئے تھوک نگلا۔

"بخار کیوں ہوا؟" اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"صبح ہی اس کی طبیعت خراب تھی۔ آجکل محنت بھی تو بہت زیادہ کر رہا ہے امتحانات قریب ہیں نا اس لیے۔ساری رات بھی کتابوں میں سر دیے بیٹھا رہتا ہے تو اس وجہ سے اسے گردن توڑ بخار ہو گیا ہے" عمرینہ نے سوپ کو پیالے میں ڈالتے ہوئے کہا۔تو حدیقہ نے سکھ کا سانس لیا کہ ماما کو پتہ نہیں چلا میں نے اس سے ناشتہ واپس لے لیا تھا۔

"تم کیوں آئی یہاں؟"

"بھوک لگ رہی تھی۔"

"جب بھوک لگی ہو تب ہی کچن یاد آتا ہے تمہیں۔ مجال ہے جو آکر کھانا بنانے میں میری مدد کر دو۔" عمرینہ نے اس شرمندہ کرنا چاہا۔ لیکن اسے کوئی اثر نہ ہوا۔

"اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو یہ سوپ پی لو ابھی تھوڑی دیر میں کھانہ بن جائے گا تو کھالینا" عمرینہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا

"نہیں اتنی بھی نہیں ہے اب...... بس ابھی جوس پی لیتی ہوں" وہ کہتے ہوئے جلدی سے فریج کی طرف جوس لینے بڑھی مبادہ وہ زبردستی سوپ پلا ہی نہ دیں۔ عمرینہ اس کی تیزی دیکھ کر مسکرا دی۔

-------------------------------------

اس وقت شام کے چھ بج چکے تھے اور ریان عباس، عانیہ کو لے کر ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر امجد کے کلینک آیا ہوا تھا۔ ابھی وہ وٹینگ روم میں بیٹھے تھے کیونکہ ڈاکٹر کے پاس ابھی پہلے والا مریض بیٹھا ہوا تھا اور اسیسٹینٹ نے آکر انہیں پانچ منٹ انتظار کا کہا تھا۔ عانیہ ابھی بھی انہیں کپڑوں میں تھی جن میں وہ کل ریان کے گھر آئی تھی۔ لیکن دوپٹہ حجاب کی طرح باندھا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو سائیکیٹر یسٹ کے سوالوں کے جواب دینے کیلیے تیار کر رہی تھی۔ تبھی ان کا بلاوہ آگیا۔ اور وہ ریان کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر امجد آنکھوں پر چشمہ ٹکائے کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"یہ دیا ہے۔ میں نے اس کی کنڈیشن آلریڈی آپ کو بتادی ہے۔" ریان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی میں سمجھ گیا تھا ان کی کنڈیشن۔ میں نے ایسے کیسز پہلے بھی دیکھیں ہیں۔ جب کوئی انسان کس سے بہت اٹیچڈ ہوتا ہے اگر وہ اس سے دور چلا جائے تو صدمے کی وجہ سے زہن پر اثر پڑتا ہے۔ پھر یا تو وہ کومے میں بھی جا سکتا ہے یا اس کی میموری لاس ہو جاتی ہے لیکن اس شخص سے ریلیٹڈ کسی چیز کو دیکھ کر انہیں ماضی کی کچھ یاداشت واپس آجاتی ہے۔"

"تو کیا اس کا علاج ممکن ہے؟"

"ہاں بالکل دواؤں سے اور پانچ چھ سیشنز سے پیشنٹ کو آہستہ آہستہ یاد آنے لگتا ہے۔"

"تو پھر کب سے شروع کر رہے ہیں"

"آج سے ہی شروع کرتے ہیں آپ ذرا باہر تشریف لے جائیں تاکہ پیشنٹ آسانی سے سب کچھ بتا سکے" ڈاکٹر امجد نے کہا تو وہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ڈاکٹر عانیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کا نام عانیہ ہے؟" ڈاکٹر نے کہہ کر گویا اس کے سر پر بم چھوڑا تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں کھولے ڈاکٹر کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے حماد صاحب نے سب بتا دیا تھا۔ آپ پریشان مت ہوں میں آپ سے کوئی سوال نہیں پوچھوں گا۔ میں ابھی آپ کی بات حماد سے کرواتا ہوں" ڈاکٹر نے کہا تو اس نے سینے میں اٹکی سانس کو خارج کیا تھا۔

(تو اس کا مطلب ہے حماد بھائی نے ان سے رابطہ کر لیا تھا۔ کچھ زیادہ ہی تیز نہیں حماد بھائی۔) وہ سوچ رہی تھی جب ڈاکٹر امجد نے اسے موبائل پکڑایا تھا۔

"اسلام علیکم" اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو عانیہ؟" حماد نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"تم نے تو کمال کر دیا بھئی۔ کیا زبردست ایکٹنگ کر رہی ہو۔ بس اسی طرح محنت جاری رکھو گی تو منزل بھی مل جائے گی۔" حماد نے اس کی تعریف کی تھی لیکن وہ سپاٹ چہرہ لیے سنتی رہی تھی۔

"تم بالکل بھی فکر مت کرنا۔ وہ شخص تمہیں اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک تمہارا علاج جاری ہے۔ بس ہمت مت ہارنا۔ اوکے۔"

"جی" وہ مختصراً بولی۔

"اور تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں ایک اندھے کنویں میں بھیج کر غافل بیٹھا ہوں۔ایک ایک پل کی خبر ہے مجھے تمہاری۔اسلیے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔خیال رکھنا اپنا" حماد نے کہہ کر فون کر دیا لیکن عانیہ اس کی آخری بات پر جیسے اٹک کر رہ گئی تھی۔

(میری ہر خبر کیسے پہنچ رہی ہے حماد بھائی کے پاس۔کہیں بتول تو نہیں یا پھر اس کا شوہر۔مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی میری پل پل کی خبر رکھے۔)اس نے ڈاکٹر امجد کو فون واپس کرتے ہوئے برہمی سے سوچا تھا۔

"آپ کچھ دیر کے لیے یہیں بیٹھ جائیں تاکہ مسٹر ریان کو آپ پر شک نہ ہو۔"

ڈاکٹر امجد نے اسے کہا اور فائلز دیکھنے لگے۔وہ بیزاری سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔دس منٹ بعد ڈاکٹر کی اجازت سے وہ اٹھ کر باہر آگئی۔ریان ایک ابھی تک باہر ہی بیٹھا تھا اور اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔عانیہ کی آنکھوں میں کچھ دیر کیلیے سرخ رنگ ابھرا تھا لیکن اس نے جلد ہی خود کو کمپوز کر لیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ریان نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن یہ تم مجھے کس ڈاکٹر کے پاس لے آئے ہو۔سوال پوچھ پوچھ کر میرا دماغ کھا دیا۔میں آئندہ یہاں نہیں آؤں گی۔" اس نے ضدی بچوں کی طرح کہا۔

"دیا۔وہ ڈاکٹر ہے اور تمہارا علاج کر رہا ہے" ریان نے اسے نرمی سے سمجھایا تھا۔

"جب مجھے کوئی بیماری نہیں تو میں کیوں آؤں یہاں"

"کیوں کہ تم اپنی زندگی کا ایک حصہ بھول چکی ہو اور تمہیں وہ یاد دلانا ہے۔چلو تم یہاں تھوڑی دیر بیٹھو میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔اوکے" وہ کہہ کر اندر چلا گیا اور بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا

"ڈاکٹر صاحب کچھ پتہ چلا؟"

"ابھی تو بس یہ ہی پتہ چلا ہے کہ غازی اس کا خالہ زاد کزن تھا جس سے اس کی منگنی بھی ہو چکی تھی۔اس کے ماں باپ مر چکے تھے اس لیے وہ خالہ کے پاس رہتی تھی۔غازی اسے کیوں اور کیسے چھوڑ کر چلا گیا یہ ابھی نہیں پتہ چلا۔"ڈاکٹر نے کہا۔

"ہمم.....تو یہ نہیں بتایا وہ جگہ کونسی تھی۔کس شہر میں رہتی تھی وہ"ریان نے سوال کیا۔

"دیکھیں ریان صاحب اس کو اتنی جلد سب کچھ یاد نہیں آ سکتا۔میں نے اس سے بہت سے سوال پوچھے ہیں لیکن زیادہ تر کے جواب اسے نہیں معلوم۔میں آپ کو دوائیں لکھ دیتا ہوں۔اس سے بہت جلد ریکوری ہو گی۔"

"زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ لگے گا۔"

"دو تین ماہ میں ٹھیک ہونے کے چانسز ہیں لیکن اس سے زیادہ کا ٹائم بھی لگ سکتا ہے"ڈاکٹر امجد نے پریسکرپشن لکھتے ہوئے کہا۔

"پھر اگلے سیشن کیلیے کب آؤں ؟"۔

"منگل کو رات آٹھ بجے آجائیں"ڈاکٹر نے پریسکرپشن والا پیج اسے دے دیا اور وہ اٹھ کر باہر آگیا۔عانیہ کو ساتھ لے کر میڈیکل سٹور سے دوائیں خریدیں اور ایک شاپنگ مال کے سامنے گاڑی روک دی۔

"دیا..... تمہیں کپڑوں اور جوتوں کی ضرورت ہو گی۔چلو کچھ شاپنگ کر لو"

"مجھے نہیں جانا"وہ بیزاری سے بولی تو ریان اسے گاڑی میں چھوڑ کر خود ہی لینے چلا گیا۔عانیہ کو حیرانی ہوئی۔

(اس شخص کے پاس سکیورٹی کے نام پر صرف ایک ملازم اور چوکیدار ہے۔ تو پھر یہ حماد بھائی سے کیسے بچ گیا۔یہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خود کر رہا ہے۔ایسے انسان کی جان لینا تو بہت آسان ہے۔لیکن حماد بھائی کو اس کی جان نہیں دولت چاہیے اسی لیے وہ ان کے قابو میں نہیں آتا۔جان تو اس کی مجھے چاہیے لیکن میں حماد بھائی کی وجہ سے

اسے برداشت کر رہی ہوں۔ کہیں حماد بھائی مجھے استعمال تو نہیں کر رہے اپنے فائدے کیلیے۔ تبھی تو میری ہر خبر ان تک پہنچ رہی ہے کیوں کہ کامیابی میں ان کا بڑا فائدہ ہے)وہ متضاد سوچوں کا شکار ہو رہی تھی۔

(نہیں......مجھے ایسے نہیں سوچنا چاہیے ان کے بارے میں۔انہوں نے میری اتنی مدد کی۔میرے دشمن کو ڈھونڈا اور مجھے اس تک رسائی کا طریقہ بھی بتایا۔اس کے بدلے ان کی کھوئی ہوئی دولت واپس مل سکتی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہے۔ویسے بھی انہوں نے مجھے فورس تو نہیں کیا میں نے خود اس بات کی ہامی بھری ہے۔)

(لیکن میں اپنی ہر خبر انہیں نہیں دے سکتی۔شاید بتول ہی انہیں خبریں دیتی ہو گی۔مجھے اس پر گہری نظر رکھنی ہو گی۔لیکن اس کے چہرے سے تو نہیں لگتا وہ میری جاسوسی کرتی ہے۔چلو اس کی بھی خبر لیتی ہوں میں۔)

وہ سوچوں میں اس قدر ڈوبی تھی کے گھر آنے کا پتہ بھی نہ چل سکا۔ریان نے اسے آواز دی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا تو ریان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"دیا.....گھر آگیا ہے۔"

وہ کوئی جواب دیے بنا گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔جبکہ کہ ریان کو اس کا رویہ کچھ عجیب سا ہی لگا تھا

"پہلی دفعہ تو غازی کو کیسے بے تابی سے پکار رہی تھی اور اب دیکھو جب غازی اس کے پاس ہے تو کوئی بات ہی نہیں کرتی۔"وہ تعجب سے سوچتا گاڑی سے اتر آیا تھا۔

---------------------------------

رات کے وقت حیدر علی ہاؤس میں ڈائننگ ٹیبل پر حیدر علی صاحب کی پوری فیملی موجود تھی۔عمرینہ، عمیر اور حدیقہ کے علاوہ آج عنیقہ بھی یہاں موجود تھی۔وہاب کا بخار کم ہو چکا تھا اس لیے وہ بھی عمیر کے ساتھ آکر بیٹھ گیا تھا۔ادیبہ اور زرمین اس وقت انیکسی جا چکیں تھیں۔

سب سے آخر میں حیدر علی صاحب آکر بیٹھے تھے اور بلند آواز میں سلام کیا تھا۔جس کا جواب سب نے دیا تھا۔

"آج لگتا ہے کچھ سپیشل ڈشز تیار کی گئی ہیں" حیدر علی نے بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"جی ہاں آپ کی پسند کی فرائیڈ فش اور بریانی بنائی ہے۔اور حدیقہ نے میٹھے میں چاکلیٹ کیک بنایا ہے۔" عمرینہ نے کھانے کی تفصیل بتائی۔

"اچھا پھر تو میں کیک کو ضرور چیک کروں گا آخر میری بیٹی نے بنایا ہے۔ویسے بھی حدیقہ کا کھانا تو بہت اسپیشل ہوتا ہے روز روز تھوڑا ہی بناتی ہے" حیدر علی مذاق کرتے بولے۔

"آج میں نے ڈانٹ کر اسے کچن میں بھیجا ہے کب سے چھٹیاں ہو گئیں ہیں لیکن یہ ابھی بھی کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی ہے۔" عمرینہ نے بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ جو بابا کی تعریف پر خوش تھی ماما کی بات سن کر خفگی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔اسے کسی دوسرے کے سامنے بے عزتی برداشت نہیں ہوتی تھی اور جب اس نے وہاب کو مسکراتے دیکھا تو اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"ارے آپ ہماری بیٹی کو بے جا ڈانٹا مت کریں۔جب ذمہ داری پڑے گی تو سب کچھ ہو جائے گا" حیدر علی نے بیٹی کی حمایت کی۔ان کی بات کا اصل مطلب سمجھ کر وہ سر جھکا گئی تھی۔وہاب نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"ذمہ داری نبھانے کی پریکٹس بھی تو پہلے سے ہونی چاہیے۔" عمرینہ نے کہا۔

"میں نے عانیہ کیلیے دو ہفتے خود اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا تھا" اس نے فخر سے اپنا کارنامہ بتایا لیکن ماما وہاب کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"بیٹا یہ سوپ بھی ہے تمہارے لیے کھانے کے بعد پی لینا۔انرجی ملے گی تو بخار جلدی اترے گا۔" عمرینہ نے وہاب سے کہا۔

(غلط کام کروں تو ضرور ڈانٹیں گیں اور اگر صحیح کروں تو تعریف میں ایک لفظ نہیں کہیں گیں) حدیقہ نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

"وہاب کو کیا ہوا؟" حیدر علی نے چونک کر پوچھا۔

"زیادہ کام کی وجہ سے اسے صبح بخار ہو گیا تھا" عمرینہ نے بتایا۔

"اوہو ڈاکٹر کو دکھانا تھا نا بیٹا" حیدر علی فکر مندی سے بولے۔

"میں نے ڈاکٹر عمر کو بلا لیا تھا چیک کر گئے تھے۔" عمرینہ نے فیملی ڈاکٹر کا نام لے کر کہا۔

"یہ تو اچھا کیا اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟"

"جی انکل اب پہلے سے بہتر ہے۔ دوا لے رہا ہوں"

"میں نے نوٹ کیا ہے تم بہت زیادہ کام کرتے ہو۔ اسی لیے تمہاری صحت ڈاؤن ہو رہی ہے تم جاب چھوڑ دو۔ تھوڑا برڈن کم کرو خود پر" انہوں نے نصیحت کی تھی۔

"انکل آپ لوگوں کے پہلے ہی بہت احسان ہیں مجھ پر اب میں آپ پر اپنا مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا"

"بیٹا میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ عمیر کی طرح تم بھی میرے بیٹے ہو۔ اس لیے خود کو اجنبی خیال کرنا چھوڑ دو اب تم بھی اس گھر کا حصہ ہو۔ جہاں عمیر کی پڑھائی چل رہی ہے تمہاری بھی چلے گی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" انہوں نے جیسے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن انکل..." اس نے کچھ کہنا چاہا تو حیدر علی نے بات کاٹ دی۔

"تمہیں اگر جاب ہی کرنی ہے تو وہ میں تمہیں دے دوں گا تم فی الحال اپنی صحت اور تعلیم پر توجہ دو" حیدر علی نے کہا تو وہ تذبذب کا شکار ہوا تھا۔ حدیقہ اس کو اتنی زیادہ اہمیت ملنے پر جیلس ہو رہی تھی جبکہ عنیقہ ارد گرد کا ہوش بھلائے صرف وہاب کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔

"یار سوچ مت ہاں کہہ دے۔میں تیری جگہ ہوتا تو جاب کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی چھوڑ دیتا۔"عمیر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔وہاب نے اسے تاسف گھورا

"مجھے تم سے یہی امید تھی برخوردار"بابا نے اس کی بات سن لی تھی اس لیے مسکراتے ہوئے بولے تو وہ جھینپ گیا۔سب ہنس پڑے۔

"شکر ہے میری یہ حسرت تو پوری ہوئی کہ میں سب سے کہوں میرا بیٹا یونیورسٹی میں ٹاپ کرتا ہے"عمرینہ نے مسکراتی نظروں سے وہاب کو دیکھا تھا اور وہ بھی مسکرا دیا۔

"ماما میں بہت جیلس فیل کر رہا ہوں"عمیر نے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"آج عنیقہ بھی یہاں ہے۔یہ سورج آج کہیں مغرب سے تو نہیں نکل آیا"حیدر علی نے شرارت سے پوچھا تو وہ گڑبڑا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔سب کی نظریں خود پر پا کر اسے لگا کہ سب نے اس کی چوری پکڑ لی ہے۔

"جی وہ....ماما نے میری پسند کا کھانا نہیں بنایا اس لیے یہاں آگئی۔"بمشکل اس نے بات بنائی۔اور جلدی جلدی کھانے کے نوالے لینے لگی۔

"چلو پھر ارم بھابھی سے کہوں گا کہ روز ہی اس کی ناپسندیدہ کھانا بنایا کریں۔"حیدر علی نے کہا تو اس نے ایسا منہ بنالیا جیسے اس سے معصوم اور کوئی ہے ہی نہیں۔اور کنکھیوں سے وہاب کو دیکھا جو نظریں جھکائے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔مطلب خود کو معصوم دکھانے کی ساری محنت ضائع گئی۔شٹ!۔

کھانے کے بعد کیک کاٹا گیا اور ایک ایک ٹکڑا سب کے آگے رکھا گیا۔وہاب کو میٹھا اتنا پسند نہیں تھا لیکن یہ کیک حدیقہ نے بنایا تھا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ کی بنی چیز نہ کھائے۔پہلے ہی نوالے سے منہ میں مٹھاس گھل گئی۔اسے آج پتہ چلا تھا کہ میٹھا مزے کا بھی ہو سکتا ہے اگر کوئی آپ کا پسندیدہ شخص بنائے تو۔حدیقہ نے

اسے مزے سے کیک کھاتے دیکھا تو دل تو کیا کہ کیک اٹھا کر اس کے منہ پر مارے۔کاش وہ اس کے کیک میں مرچی ڈال سکتی!۔

"کیسا بنا ہے کیک؟"عمرینہ نے سب کو دیکھ کر کہا تو سب نے حدیقہ کو داد دی۔

"وہاب تمہیں مزے کا لگا؟"عمرینہ نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

"جی.....بہت مزے کا ہے"وہ گڑبڑا کر بولا۔اور پھر مسکرا دیا۔نجانے کیوں حدیقہ کو اس کے گڑبڑانے پر بہت ہنسی آئی تھی لیکن وہ ہنس روک گئی۔اس وقت وہ عنیقہ کو زہر لگی تھی۔

---------------------------------------

بتول اس کے سامنے ناشتہ لگا رہی تھی اور وہ اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔کل رات سے وہ اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھی لیکن اسے کوئی مشکوک بات نہیں لگی تھی۔

"غازی کہاں ہے؟"اس نے سوال کیا۔

"جی وہ اپنے کمرے میں کام کر رہے ہیں آج اتوار ہے نا تو وہ اس دن آفس کا کام اپنے کمرے میں ہی کرتے ہیں"وہ ناشتہ لگا کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"تم یہاں کب سے ہو؟"

"میرے میاں عدیل وہ صاحب جی کے خاص ملازم تھے بچپن میں ہی صاحب جی مری سے اسلام آباد آ گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ آ گئے اس وقت میری شادی ہو چکی تھی سو میں بھی ساتھ آ گئی۔"بتول اسے سادہ سے انداز میں بتا رہی تھی جبکہ وہ چونک گئی تھی۔

"غازی پہلے مری میں رہتا تھا؟"اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی"بتول نے کہا

(لیکن وہ تو پشاور میں رہتا تھا حماد بھائی نے تو یہی بتایا تھا۔ کہیں یہ جھوٹ تو نہیں بھول رہی۔ لیکن اگر یہ حماد بھائی کی جاسوس ہے تو اسے کیا ضرورت پڑی ہے ریان کے بارے میں جھوٹ بولنے کی) وہ بتول کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"کیا ہوا دیا بی بی کہیں آپ کی یاداشت واپس تو نہیں آرہی" بتول کی آواز پر وہ گڑبڑائی تھی۔

"یاد کرنے کی کوشش تو کر رہی ہوں کہ تمہیں کہیں دیکھا ہے کہ نہیں" اس نے جلدی سے بات بنائی۔ اور ناشتہ کرنے لگی

"لیکن میں وہاں پر تو کام نہیں کرتی تھی صرف عدیل ہی وہاں پر ہوتے تھے۔"

"اچھا میں نے سوچا جو مجھے بھول گیا ہے میں تم سے پوچھ لوں"

"تو آپ ریان میرا مطلب غازی صاحب سے پوچھ لیں"

"مجھے تو لگتا ہے غازی کی یاداشت بھی گم ہو گئی ہے" اس نے جل کر کہا۔

"آپ اگر دوائیں وقت پر لیں گیں تو آپ کی یاداشت جلد ہی لوٹ آئے گی۔ آپ ناشتہ ختم کریں میں دوا لے کر آتی ہوں" وہ جلدی سے کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی تو عانیہ کو یقین آگیا کہ یہ حماد بھائی کی جاسوس نہیں ہو سکتی اگر ہوتی تو اسے تو پتہ ہوتا کہ میری کوئی یاداشت نہیں گئی اور وہ دوا کھانے کی بات ہی نہ کرتی۔

(پھر کیسے پہنچ رہی ہے میری ہر بات ان کے پاس۔ عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اگلی دفعہ ڈاکٹر کے پاس گئی تو حماد بھائی سے پوچھوں گی کہ وہ کیسے یہ سب کر رہے ہیں اور اگر انہوں نے کچھ نہ بتایا تو۔ مجھے خود ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔) وہ جھنجھلاتے ہوئے سوچ رہی تھی تبھی بتول دوائیں لے آئی دو گولیاں تھی اور ایک کیپسول تھا۔ اس نے منہ میں ڈال کر زبان کے نیچے روک دیں اور پانی پی دیا جب بتول چلی گئی تو وہ اٹھ کر باتھ روم میں بھاگی اور کڑوی دوائیں واش بیسن میں پھیک کر کلیاں کرنے لگی۔

-------------------------------

"آپی دیا مجھے جھولا دیں نا" سالار نے لاڈ سے کہا۔ جب سے اس کی دوستی دیا آپی سے ہوئی تھی وہ جو بھی بات کہتا دیا آپی بھی اسی وقت کر دیتی۔ آپی ہوم ورک کر دیں، آپی چاکلیٹ لے دیں، آپی کرکٹ سکھائیں۔ اس طرح کی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں جو عانیہ پوری کر کے دے رہی تھی دو دن میں وہ کافی فرینک ہو چکے تھے اور اب نئی فرمائش سامنے تھی۔

"لیکن میں بہت تیز جھولے دیتی ہوں تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا" اس نے سالار کو پچکارتے ہوئے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"اوکے تو پھر میرے ہاتھ زور سے پکڑ لو" عانیہ نے اس کے ننھے منے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور گول گول گھومنے لگی جس کی وجہ سے سالار بھی تیزی سے اس کے ارد گرد گھومنے لگا۔ اس کے پاؤں آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے اور وہ ہوا میں ایسے گھومنے لگا جیسے کسی نے کوئی گیند ڈوری سے باندھ کر دوسرے گھما رہا ہو۔

ریان اپنے کمرے میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب بتول اس کیلیے کافی لے آئی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ بند کر کے کافی کا کپ پکڑے بالکونی میں آ گیا اور نیچے صحن میں دیا کو دیکھ کر حیران ہوا وہ سالار کو تیز تیز جھولے دیے جا رہی تھی۔ اسے ڈر لگا جب وہ جھولے دینا روکے گی تو دونوں زور سے گریں گیں۔ وہ بھاگ کر اندر آیا اور کافی کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے نیچے کی جانب بھاگا۔ ابھی وہ ان سے دس پندرہ قدم دور ہی تھا دیا نے کامیابی سے جھولا دینا روک دیا تھا۔ سالار کو بہت زیادہ چکر آ رہے تھے اس لیے وہ بیٹھ کر ہنسنے لگا تھا۔ دیا نے کھڑے رہ کر ہی اپنے چکروں کو کنٹرول کیا اور پھر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ جبکہ ریان ان دونوں کے پیچھے کھڑا حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ کتنی عجیب لڑکی ہے۔ اس جتنی لڑکیوں کیلیے اتنے بچے کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑ جائے تو ان کی جان پر بن آتی ہے اور اسے دیکھو اس بچے کو اٹھا کر ایسے گھوم رہی ہے جیسے کوئی بلی کا بچہ ہو۔

"آپی آپ نے تو مجھے بابا سے بھی زیادہ مزے کے جھولے دیے ہیں" سالار ستائش بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ اس کی خوبصورت پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے۔ وہ دونوں ریان کی طرف پشت کیے بیٹھے تھے اس لیے ان کو اس کی آمد کا پتہ نہ چل سکا تھا۔

"آپ پھر مجھے جھولے دیں گیں نا"

"نہ بابا نہ۔ اب میں نہیں دوں گی۔ میرے بازو دکھنے لگے ہیں دیکھو مجھے پسینہ بھی آ گیا ہے" عانیہ نے تاویل پیش کی۔ جبکہ سالار مسکین سامنہ بنانے لگا۔

"اچھا کل دوں گی۔ اب خوش" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو سالار خوش ہو کر اسے سکول کی باتیں بتانے لگا۔ پیچھے کھڑا ریان جو دلچسپی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ کافی کے یاد آنے پر پلٹ گیا تھا

---------------------------------

وہ ڈرائینگ روم میں آ کر ٹی وی لگا کر دیکھنے لگی لیکن اسے وہاں کچھ بھی خاص مزے کا نہیں لگا تو اٹھ کر جانے لگی۔ جاتے ہوئے اس کی نظر ٹی وی کے ساتھ شیلف پر رکھے ایک سیل فون پر پڑی جو چارجنگ پر لگا ہوا تھا۔ اس کی جاسوسی حس بیدار ہوئی اور اس نے بھاگ کر وہ فون اٹھا لیا۔

(عمیر بھائی کا تو نہیں لگ رہا۔ لگتا ہے یہ وہاب کا ہے۔ پھر تو واقعی مزا آنے والا ہے) اس نے سوچا اور موبائل آن کیا تو سکرین پر وہاب کی تصویر کسی ہیرو کی طرح چمک رہی تھی۔ وائٹ کلر کی بنیان پر کھلے بٹنوں والی بلیک کلر کی کالر شرٹ تھی اور بلیک جینز کے نیچے سفید جاگرز پہن رکھے تھے۔ موٹر بائیک سے ٹیک لگائے ایک ہاتھ سے سر پر پہنی کیپ پکڑے، دوسرا ہاتھ موٹر بائیک کے ہینڈل کو پکڑے اور ایک گھٹنا موڑ کر پاؤں کو پیچھے موٹر بائیک کے فوٹ سٹینڈ پر رکھے سٹائلش سا پوز بنایا ہوا تھا۔ حدیقہ کچھ دیر کے لیے تو اس کی تصویر کو کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں دیکھے گئی لیکن جلد ہی سنبھل کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا جو اس نے وہاب کی تصویر پر نکالا۔

"ہونہہ.... چھچھورا کہیں کا"

اس نے انگلی سے سکرین کو سویپ کیا لیکن اس پر لاک لگا ہوا تھا۔اب اسے تو لاک کا پتہ نہیں تھا اس لیے اندر سے اسے کچھ نہیں مل سکتا تھا تو اس نے سوچا کہ اسے کہیں چھپا دے۔کسی طرح تو وہاب کو تنگ کرنا تھا نا۔

"اس کا پاسورڈ میری سالگرہ کی تاریخ ہے" پیچھے سے وہاب کی آواز ابھری اور ڈر کے مارے اس کے ہاتھ سے فون گر پڑا۔فون کا ایک کنارہ فرش سے ٹکرایا اور اس کی سکرین پر خراش پڑ گئی۔اس نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر دیں اور بہانہ سوچنے لگی۔

"جاسوسیاں کرنے کی عادت گئی نہیں تمہاری" وہاب نے کہتے ہوئے اس کے قریب آیا اور جھک کر موبائل اٹھا لیا۔اس کی بات سن کر تو حدیقہ کو تو پتنگے لگ گئے۔

"میں جاسوسی نہیں کر رہی تھی" اس نے مڑتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر یہ موبائل تمہارے ہاتھ سے کیوں گرا ہے؟" وہاب نے اس کے سامنے موبائل لہرایا۔

"وہ...وہ اس کی چارجنگ صحیح طریقے سے نہیں لگی تھی اس لیے میں اسے ٹھیک ہی کر رہی تھی" اس نے بمشکل بہانہ گھڑا۔

"لیکن میں تو ابھی پانچ منٹ پہلے چیک کر کے گیا تھا اس وقت ففٹی پرسنٹ تھی اور اب ففٹی فور ہے اس کا مطلب ہے چارجنگ تو ٹھیک ہی لگی تھی" وہاب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا اور حدیقہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"تمہارا مطلب میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" وہ خفت مٹانے کی لیے ذرا غصے سے بولی۔

"تو اور کیا۔میں نے خود دیکھا ہے تم میری تصویر دیکھ رہی تھی" وہاب نے اسے اور تپایا تو حدیقہ کا چہرہ غصے سے دہک اٹھا۔

"شٹ اپ۔ میں تمہاری تصویر دیکھوں گی۔ اپنی شکل دیکھی ہے..... آئے بڑے شہزادہ سلیم کہیں کے۔" وہ تو جیسے بھڑک اٹھی تھی۔ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا تھا۔

"کیا ہے میری شکل کو ٹھیک ٹھاک تو ہے۔ تبھی تو تم اتنے غور سے دیکھ رہی تھی۔" وہاب نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگا کر کہا۔ حدیقہ جان چکی تھی کہ وہ اسے جان بوجھ کر اریٹیٹ کر رہا ہے۔

"ہاں دیکھی تمہاری تصویر لیکن اتنی پسند نہیں آئی اور جو چیز مجھے پسند نہ آئے نا تو تم جانتے ہو میں کیا کرتی ہوں" اس نے اطمینان سے ابرو اچکا کر کہا اور وہاب حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ کرتی ہوں" حدیقہ نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا اور زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ سکرین پر دو تین سکریچز اور پڑ چکے تھے۔ وہاب کا ہاتھ بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ اس نے سوچا تھا چلو ایک سکریچ کے ساتھ گزارا ہو جائے گا لیکن اب لگتا تھا سکرین بدلوانی ہی پڑے گی۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ اسے کوئی غصہ نہیں آیا تھا اور نہ کوئی افسوس ہوا تھا۔ حدیقہ نے ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور وہاں چلی گئی۔

(تم آج بھی ویسی کی ویسی ہی ہو۔ بالکل بھی نہیں بدلی۔) وہ لبوں پر دلکش مسکراہٹ لیے سوچ رہا تھا۔

---------------------------------

ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ سورج کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا لیکن اس کی مدھم سی روشنی بادلوں میں سے گزر کر زمین تک پہنچ رہی تھی۔ آج بہت دنوں بعد ایسا خوشگوار موسم بنا تھا۔ وہ ٹیرس پر لگی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسے موسم میں اسے مام ڈیڈ کی کئی یادیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ وہ سوچوں میں ایسی غرق تھی کہ ریان کے آنے کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ ریان نے اسے بغور دیکھا۔ کھلے ویوی براؤن بال جو اس کے خوبصورت چہرے کے اطراف سے آتے ہوئے اس کے کمر اور شانوں پر بکھرے پڑے تھے۔ بلیک کلر کی ہاف سلیوز والی لانگ فراک پہنے، گردن کے گرد دوپٹے کا ہالہ بنائے گم صم بیٹھی وہ اسے

بہت اداس اور خوبصورت لگی تھی۔ریان نے میز پر ٹرے رکھی جس میں پکوڑے اور چائے تھے۔عانیہ نے چونک کر اسے دیکھا اور چہرے کی ناگواری چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔وہ آفس جانے کی وجہ سے اس کے سامنے کم ہی آتا تھا۔عانیہ بھی اپنی جگہ حیران تھی کہ وہ اتنی خوبصورت تھی لیکن ریان نے ایک دفعہ بھی اس کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔لیکن اس کی آنکھوں میں وہ اپنے لیے پسندیدگی کے آثار دیکھ چکی تھی۔

"لگتا ہے آج بارش ہو گی" ریان نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمم" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"اس لیے میں پکوڑے اور چائے لے آیا اس موسم میں بہت مزے کے لگتے ہیں"

"میں نہیں کھاتی" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ارے تمہیں میرے ہاتھ کے بنے پکوڑے اور چائے کتنے پسند تھے۔یاد ہے تمہیں" ریان نے اسے ماضی کی بات یاد دلائی تھی جس کا سرے سے وجود ہی نہ تھا لیکن اسے ڈرامہ تو کرنا ہی تھا۔

"ہمم" اس نے سنجیدگی سے کہا اور پکوڑہ اٹھالیا۔

"اور کیا کیا یاد ہے؟" ریان نے اسے کریدا۔تو اس کا ہاتھ منہ تک جاتا رک گیا اور اس نے چونک کر ریان کو دیکھا۔وہ اسے ہی جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے جلدی سے خود کو کمپوز کیا۔

"بس تم یاد ہو" اس نے کہا تو ریان چونکا تھا۔دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

"اور کچھ بھی نہیں یاد"

"نہیں....شاید وہاں پہاڑ تھے۔باغ، ندی اور تتلیاں" اس نے سوچ سوچ کر بات بنائی۔

"اس جگہ کا نام کیا تھا۔"

"مجھے نہیں یاد" اس نے سوچنے کی ایکٹنگ کی اور وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"کچھ تو یاد ہو گا کوئی سہیلی کوئی رشتہ دار۔"

"نہیں یاد"

"اچھا تو پھر جس کالج یا سکول میں تم پڑھتی رہی ہو وہ تو یاد ہو گا۔"

"اوہو بولا نا کچھ بھی نہیں یاد تم بھی تو میرے ساتھ تھے تمہیں تو یاد ہو گا نا" اس نے اپنے گلے میں پڑی مصیبت ریان کے گلے میں ڈال دی۔

"ہاں مجھے تو یاد ہے بس کوشش کر رہا تھا کہ تمہیں بھی یاد آجائے" اس نے بہلایا تھا۔

"فائدہ؟" اس نے نروٹھے پن سے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا جس کی وجہ سے تمہاری یاداشت چلی گئی ہے۔ میں تو اس وقت تمہیں چھوڑ کر آچکا تھا اسی لیے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا ہوا تھا۔"

"اگر کچھ ہوتا تو مجھے یاد ہوتا۔ کچھ بھی نہیں ہوا تھا مجھے" اس نے جیسے جان چھڑائی تھی۔ اور نظریں پھیر کر پکوڑے کھانے لگی۔

"اچھا ناراض تو مت ہو۔ میں کچھ نہیں پوچھ رہا" ریان اس کی ناراضگی برداشت نہ کر پایا۔ وہ اپنے دل کی حالت پر خود حیران تھا۔ دیا کے چہرے پر سے نگاہیں ہٹ ہی نہیں رہیں تھی۔ دفعتاً ہوا کا جھونکا آیا اور اس کے بال اڑ کر اس کے چہرے پر آگئے۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے بالوں کو چہرے سے ہٹایا تو ریان کو اس کے ہاتھ پر لگا زخم دکھائی دیا۔ جو شیشے کو دبانے کی وجہ سے ہوا تھا اور اب سالار کو جھولا دیتے ہوئے مزید خراب ہو گیا تھا۔

"یہاں کیا ہوا ہے؟ دکھاؤ مجھے۔" ریان نے فکر مندی سے پوچھا اور اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تو عانیہ نے چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"تم نے کہا تھا اب کوئی سوال نہیں کرو گے" وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔ ریان نے اس کی بات کو نظر انداز کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنے لگا۔ عانیہ نے بے دردی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو ریان نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اسے دیا کے چہرے پر غم و غصّے کے آثار نظر آئے تو وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا۔

"میں کوئی مرہم لے کر آتا ہوں۔ وہ لگالینا ورنہ زخم بگڑ جائے گا۔" شرمندہ لہجے میں کہتا وہ پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ میں کوئی میڈیسن پکڑے وہاں آیا اور اس کی طرف بڑھا دیا

عانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور میڈیسن پکڑ لی۔ اسے یاد آیا بتول نے کہا تھا کہ ریان پہلے مری میں رہتا تھا۔

"اچھا اگر تمہیں ہر چیز یاد ہے تو بتاؤ نا ہم کہاں رہتے تھے" عانیہ نے اسے کریدنا چاہا۔

"مری میں رہتے تھے"

"ہمارا گھر کیسا تھا؟"

"بہت خوبصورت تھا تمہیں تصویر دکھاؤں گا"۔

"تم پھر کیوں آگئے تھے وہاں سے۔ یاد ہے میں نے تمہیں کتنا روکا تھا۔" عانیہ نے کہا تو ایک پل کیلیے ریان کا چہرہ تاریک ہوا تھا۔ جو عانیہ نے بغور دیکھا تھا۔

"تم موسم انجوائے کرو میں ذرا آفس کا کام کر لوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ عانیہ نے حیرانی سے اس کی پیچھے سے جاتا ہوا دیکھنے لگی تھی۔

---------------------------------

عنیقہ کو حدیقہ سے ناراض ہوئے دو دن ہو چکے تھے لیکن وہ ابھی تک دوبارہ اس کے پاس نہیں آئی تھی پہلے تو جتنی بھی ناراضگی چل رہی ہو دو دن تک عنیقہ پھر اس کے پاس موجود ہوتی لیکن اس دفعہ اس نے حدیقہ کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

"یہ عنیقہ میڈم کو کیا ہو گیا ہے۔لگتا ہے پیٹ میں باتیں چھپانا آ گئیں ہیں لیکن مجھ سے آج تک کوئی بات چھپی ہے جو اب چھپے گی۔ذرا دیکھوں تو کونسا چلا کاٹ رہی ہے" وہ سوچتی ہوئی اس کے پورشن کی جانب بڑھی تو تائی جان سے سامنا ہو گیا۔

"کیا بات ہے حدیقہ !بڑے دنوں کے بعد تشریف لائیں ہمارے غریب خانے پر" ارم کی بات میں طنز کی کاٹ تھی۔

(ایک تو یہ کوئی موقع نہیں جانے دیتیں طنز کرنے کا)اس نے بے زاری سے سوچا اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی

"تائی جان عنیقہ سے ملنے آئی تھی کہاں ہے وہ؟"

"اپنے کمرے میں ہو گی"

" چلیں پھر میں اس سے ذرا مل کر آتی ہوں" وہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے اس سے مل آئے تو آپ سے بھی گفتگو کروں گی۔

اس نے ہینڈل گھما کر دروازے کو آرام سے دھکیلا۔سامنے ہی بیڈ پر عنیقہ اس کی طرف پشت کیے لیٹی تھی۔اسے حدیقہ کے آنے کا پتہ نہیں چل سکا تھا۔حدیقہ دبے پاؤں اس کی طرف بڑھنے لگی۔ذرا قریب آ کر دیکھا تو عنیقہ کے ہاتھ میں ایک ڈائری تھی۔حدیقہ کو اس پر حیرانی ہوئی تھی کیونکہ عنیقہ کو ڈائریز اور شعر و شاعری ذرا بھی پسند نہیں تھی لیکن اب نہ صرف اس کے ہاتھ میں ڈائری تھی بلکہ ڈائری کے صفحے پر شعر لکھا ہوا تھا۔

"اچھا!اب باتیں سنانے کیلیے ڈائری مل گئی تو اپنی بچپن کی دوست کو بھول گئی جو کتنے سال تمہاری فضول بک بک کو بڑے تحمل سے برداشت کرتی رہی تھی۔"وہ اطمینان سے کہتی عنیقہ کے سر پر بم گرا گئی تھی۔وہ اچھل کر بیٹھی اور

گڑبڑائے انداز میں ڈائری بند کر کے سرہانے کے نیچے دینے لگی۔اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حدیقہ اس کے کمرے میں اس طرح اچانک آٹپکے گی۔

"تم... تم کب آئی؟"اس نے بوکھلاتے ہوئے سوال کیا۔

"آئی تو میں کب سے ہوں لیکن تم اپنی ڈائری میں اتنی غرق تھی کہ میرے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا تمہیں"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں"وہ اب سنبھل چکی تھی۔

"اگر ایسی بات نہیں تو مجھے دیکھ کر تم گھبرا کیوں گئی۔؟"اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ تم اچانک سے میرے کمرے میں آگئی تو اسی لیے۔پہلے کبھی نہیں آئی نا"اس نے کمزور سی دلیل دینی چاہی۔

"سچ میں یہی بات ہے"حدیقہ نے مشکوک ہوتے ہوئے بھنویں سکیڑیں۔

"ہاں یار یہی بات ہے۔تم ہر وقت شک کیوں کرتی رہتی ہو"

"تو پھر وہ ڈائری کیوں چھپائی۔"اس نے سرہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ نیہا کی ہے کچھ دنوں کیلیے لی ہے۔بس شعر ہی لکھے ہیں"اس نے اپنی سہیلی کا نام لیا۔

"مجھے بھی دکھاؤ چیک تو کروں تمہاری دوست کا ٹیسٹ کیسا ہے"وہ کہتے ہوئے تھوڑا سا آگے ہوئی اور سرہانے کے نیچے سے ڈائری اٹھانے لگی۔عنیقہ نے سرہانے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر ڈائری کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی پھنسا دیا۔حدیقہ نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ میری دوست نے کہا ہے کہ میرے سوا وہ کسی اور کو نہیں دکھائے گی"اس نے بہانہ بنایا۔

"تمہاری یہی باتیں مجھے شک میں ڈالتی ہیں لیکن چلو خیر جانے دیا کیا یاد کرو گی۔اچھا مجھے ہاتھ تو نکالنے دو"حدیقہ نے کہا تو عنیقہ نے جلدی سے سرہانے پر سے دباؤ ہٹایا اور اس نے سرہانے کے نیچے سے ہاتھ نکالا تو تھا لیکن ساتھ

میں ڈائری بھی تھی۔وہ جلدی سے ڈائری پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی عنیقہ جو اس افتاد پر بوکھلا گئی تھی سمجھ آنے پر وہ بھی اس کے پیچھے ہی اٹھی تھی۔

"حدیقہ پلیز ادھر دو میری ڈائری "عنیقہ نے ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ڈائری کھینچنے لگی لیکن حدیقہ پھرتی سے رخ پھیر گئی اس کا دھیان ابھی بھی ڈائری پر ہی تھا جس پر ایک رومینٹک شعر لکھا ہوا تھا۔

"تم نے خود کہا تھا یہ ڈائری تمہاری نہیں ہے۔"

"اگر تم نے ایک لفظ بھی پڑھا تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی "چھینا جھپٹی ابھی بھی جاری تھی۔

"تم نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اڑتی چڑیا کے پر گن سکتی ہوں" حدیقہ نے ڈائری اپنے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔عنیقہ کو یقین ہو چکا تھا اب ڈائری پڑھے بغیر ملے گی نہیں سو ہارنے والے انداز میں آکر بیڈ پر بیٹھ گئی۔اور خوفزدہ لہجے میں ہاتھ کے ناخن چبانے لگی۔حدیقہ نے پچھلا صحفہ نکالا تو حیرت سے دنگ رہ گئی۔ایک ہی صحفے سے اسے ساری حقیقت معلوم ہو چکی تھی اب باقی ڈائری پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"کیا یہ سچ ہے "عنیقہ جو اس کی طرف کسی سخت غصے والی بات کی منتظر تھی اس کے نرم لہجے پر چونکی تھی۔

"ہاں "وہ نظریں چراتے ہوئے مختصراً بولی۔

"میرا اندازہ درست تھا۔تم وہاب کو پسند کرنے لگی ہو" حدیقہ نے حیرت سے پوچھا کیوں کہ عنیقہ کا رشتہ بچپن سے اس کے خالہ زاد کے ساتھ طے تھا۔

"ہاں"

"تم اس کے بارے میں جانتی ہی کتنا ہو" حدیقہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"کسی کو جاننے کیلیے ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے"

"واہ واہ کیا فلمی ڈائیلاگ مارا ہے۔" حدیقہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور عنیقہ جھینپ سے گئی۔

"مجھے تو تمہاری عقل پر ماتم کرنے کا دل چاہ رہا ہے پسند بھی کیا تو کسے اور اوپر سے اس کی تعریفوں سے ڈائری بھر دی ہے۔ اگر کوئی دیکھ لے تو"

"تو میں کیا کروں کس سے دل کی باتیں شئیر کروں تم بھی ناراض تھی اور وہ ہے کہ بات کرنا تو درکنار آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں میری طرف" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ارے رونی شکل کیوں بنالی ہے میں ہوں نا اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال دو لیکن یہ ڈائری تو نہ رکھو۔ تائی جان کو پتہ چل گیا نا تو تم تو کسی نا کسی طرح بچ جاؤ گی۔ شامت تو میری آئے گی نا۔ وہ تو پہلے ہی کہتیں ہے میں نے تمہیں بگاڑا ہے۔" اسے پتہ تھا کہ اگر یہ بات کھلی تو تائی جان نے سارا الزام اس پر ہی لگانا ہے کہ حدیقہ نے میری معصوم بچی کو بگاڑ دیا۔

"اچھا ڈراؤ تو مت میں اسے جلادوں گی لیکن تم وعدہ کرو میری مدد کرو گی"

"کیسی مدد؟" حدیقہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ جیسے میں اسے پیار کرتی ہو وہ بھی ایسے ہی مجھ سے پیار کرے۔"

"لیکن تم زبردستی تو کسی کو خود سے پیار کرنے پر مجبور تو نہیں کر سکتی نا۔" اس نے دھیمے سے سمجھایا۔

"جو چیز میری ہے وہ بس میری ہے" عنیقہ نے جنونی کیفیت میں کہا۔

"عنیقہ وہ چیز نہیں ایک انسان ہے۔ اور تمہاری بچپن کی منگنی...."

"جو بھی ہو اگر وہ مجھے پسند آجائے تو وہ چیز میری ہو کر رہتی ہے اور تم مجھے فضول کے لیکچرز دینے مت شروع جانا۔ میں نے تم سے مدد مانگی ہے مشورے نہیں مانگے" عنیقہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو حدیقہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

”تم بس میری مدد کرو۔“

"نہ بابا نہ۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرنے والی۔ خود ہی کرو سب کچھ۔ ماما کو پتہ چل گیا نا تو بہت ڈانٹ پڑے گی" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"پلیز تھوڑی سی مدد....... تم پر کوئی بات نہیں آئے گی۔ سچ میں"

"اچھا بتاؤ کیا کرنا ہے؟" وہ تذبذب سے بولی۔

"میں اسے گفٹ دینا چاہتی ہوں۔ کل میرے ساتھ بازار چلنا نا۔" ارم عنیقہ کو اکیلے باہر نہیں جانے دیتی تھی لیکن اگر حدیقہ ساتھ ہوتی تو پھر اجازت مل ہی جاتی تھی۔

"اتنی مدد تو میں کر ہی سکتی ہوں۔"

"اوہ تھینک یو حدیقہ۔ تم واقعی بہت اچھی ہو۔" عنیقہ اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا بس بس مکھن نہ لگاؤ میں وہی ہوں جسے تم نے کہا تھا کہ اگر میری کوئی اور کزن میرے پاس ہوتی تو میں تمہیں منہ نہ لگاتی" حدیقہ نے اسے پرانی بات یاد کرائی۔

"ارے وہ تو صرف ایک مذاق تھا۔ تم میری باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔" وہ خوشامدی انداز میں بولی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ ابھی کل تک تو زید تمہیں بہت پسند تھا نا۔ تم بڑے فخر سے سب کو اس کی تصویریں دکھا کر بتاتی تھی کہ یہ تمہارا منگیتر ہے اور اب اچانک سے یہ پسند کیسے بدل گئی۔" اس نے عنیقہ سے پوچھا۔

"یار اس کا تو نام بھی میرے سامنے مت لو۔ زہر لگتا ہے اب وہ مجھے۔ ہمارا تو کب کا بریک اپ بھی ہو چکا ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ بے وفائی کر سکتا ہے تو مجھے بھی کوئی شوق نہیں اس کے ساتھ شادی کرنے کا۔ اب دیکھنا اسے میں کیسے جلاتی ایک دفعہ وہاب میرے قابو میں آجائے۔" عنیقہ کے اس قدر نادر خیالات پر حدیقہ اسے تاسف سے گھور کر رہ گئی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں تم ذرا اس ڈائری کو ٹھکانے لگا دینا۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی آج میں نے کسٹرڈ بنانا تھا۔" وہ اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

(عنیقہ تم نے کس مشکل میں ڈال دیا مجھے۔ دیکھنا جب یہ بات کھلے گی تو تم سارا الزام مجھے ہی دو گی اور خود بچ جاؤ گی۔ جیسے ہمیشہ کرتی آئی ہو۔ وہاب کو جب یہ گفٹ ملے گا تو اسے بھی یہی لگے گا کہ میں نے اسے یہ گفٹ دیا ہے۔ اور اگر عنیقہ نے اسے کوئی رومینٹک سا گفٹ دے دیا تو....؟ یا اللہ کیا سوچے گا وہ میرے بارے میں۔ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ عنیقہ مجھے استعمال کرنا چاہ رہی ہے اگر وہاب نے کسی کو بتا دیا تو مجھے آگے کر دے گی۔ نہیں حدیقہ تمہیں کچھ کرنا ہو گا۔ عنیقہ کو روکنا ہو گا لیکن کیسے ؟اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اب پیچھے نہیں ہٹے گی تو پھر کچھ اور کرنا پڑے گا۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ کیا کروں.......ہمم.....یس! ایک آئیڈیا آیا۔) بالآخر اس کے ذہن میں کمال کا خیال آ چکا تھا جس کے ذریعے وہ اپنا دامن بچا سکتی تھی

---

وہ باتھ روم سے نہا کر نکلی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرنے لگی بلیو جینز پر گھٹنوں تک آتی گولڈن ایمبریلا فراک میں وہ فیری ٹیلز کی باربی کی طرح دکھ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر خود کو شیشے میں دیکھا اور دوسرے ہی پل نظریں چرا لیں۔ کبھی اسے بھی اپنی خوبصورتی پر غرور تھا۔ وہ شیشے کے سامنے خود کو گھنٹوں سنوارا کرتی تھی۔ لیکن جب سے مام ڈیڈ کی ڈیتھ ہوئی اسے اپنے آپ کا ہوش ہی نہیں رہا تھا پہلے صدمے کی کیفیت میں تھی جب اس سے باہر نکلی انتقام کی آگ میں جلنے لگی تھی۔ اب وہ اپنا عکس دیکھنے سے بھی بیزار ہو جاتی۔ سر جھٹک کر ڈریسنگ پر پڑا ہاٹ شیپڈ نیکلس اٹھایا جس پر دیا لکھا ہوا تھا۔

(تمہیں اپنا اصلی نام بتانے کی بجائے کوئی اور نام بتانا چاہیے تا کہ تمہارا کوئی ریکارڈ نہ نکلوایا جا سکے۔ اور اس کا بہترین حل یہ لاکٹ ہے۔ تم نے اس کے سامنے یاداشت بھولنے کا ڈرامہ کرنا ہے جس میں غازی کے سوا تمہیں کچھ بھی یاد نہیں۔ اپنا نام تک بھی یاد نہیں۔) حماد بھائی نے اسے کہا تھا تو اس نے آگے بڑھ کر لاکٹ کو پکڑ لیا تھا۔

(اور یاد رکھنا اسے گلے سے اتارنا مت۔ او کے) حماد نے حکمیہ لہجے میں کہا تھا لیکن اس وقت اس کا دھیان کہیں اور تھا۔

(لیکن کیوں؟) یہ خیال اس کے ذہن میں ایک دم سے ابھرا تھا۔

(ایک دفعہ جو پہن کر اپنا نام 'دیا' ثابت کر دیا ہے۔ اب اس کو پہنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہیں اس میں کوئی ایسی چیز تو نہیں.....)

یہ خیال آتے ہی وہ غور سے اس نیکلس کا جائزہ لینے لگی۔ وہ اسے تیزی سی انگلیوں میں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی لیکن کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ لگا تھا اس نے اس پر زور سے اپنی انگلی ماری تو کھوکھلی سی آواز آئی جیسے وہ اندر سے خالی ہو۔ عانیہ کی حسیات تیزی سے بیدار ہوئیں۔ وہ نیکلس کو کھولنے کی کوشش کرنے لگی تھوڑی دیر بعد کلک کی آواز پر نیکلس کا اوپری ڈھکن کھل گیا اور اسے ایک چپ نظر آئی۔ وہ ایک آڈیو بگ ڈیوائس تھی۔ اسے سمجھ آ گئی کہ یہ ڈیوائس اس کی ساری باتیں ریکارڈ کر کے حماد بھائی تک پہنچاتی ہے۔ اس نے غصے سے ڈیوائس کو نیکلس سے علیحدہ کیا۔ وہ ڈیوائس سکے کے سائز کی تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے بھی نہیں توڑ سکتی تھی اس لیے اس نے منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑنے کا سوچا لیکن پھر اس خیال سے رک گئی کہ ٹوٹنے کی آواز حماد بھائی تک پہنچ جائے گی۔ جو کہ وہ نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اسے ہاتھ میں دبائے اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اب اس کا رخ بیک گارڈن کی طرف تھا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتی وہ بیک گارڈن میں پہنچ گئی اور دیوار کے قریب ہی ایک پاؤں اور دوسرے

گھٹنے پر بیٹھتے ہوئے وہاں سے گھاس کو اکھاڑنے لگی۔ جب تھوڑی سی زمین خالی نظر آئی تو مٹی کو ہاتھ سے کھودنے لگی۔ جب وہاں تھوڑا سا گھڑا بن گیا تو نیکلس سمیت ڈیوائس کو اس میں دفنا دیا۔

کام ختم کر کے ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی سے اندر کا رخ کیا۔

(حماد بھائی کو یہ ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ مجھ پر چیک رکھ رہے تھے اگر یہ کسی سیکیورٹی کے تحت تھا تو مجھے تو بتانا چاہیے تھا ان کو۔ کیا یہ کسی اور وجہ سے تو نہیں کہ کہیں میں ان کے پلان کو گڑبڑ کر کے اپنا پلان ہی نہ شروع کر دوں۔ لیکن ان کو کیا پڑی ہے میں جیسے بھی یہ کام کروں دولت تو مل ہی جائے گی انہیں ہر وقت سر پر سوار رہنے کی کیا ضرورت ہے۔) وہ سوچتے ہوئے کچن کے سامنے سے گزری تھی جب بتول کی آواز آئی۔

"دیا بی بی آپ یہاں؟..... کسی چیز کی ضروت تو نہیں" بتول نے حیرت سے اس سے پوچھا کیوں کہ وہ جس طرف سے کچن کے سامنے سے گزری تھی اس طرف اس کا کمرہ نہیں تھا۔

"بس ایسے ہی کمرے میں بور ہو رہی تھی تو سوچا ذرا گھر کا وزٹ کروں۔ بہت شاندار ہے گھر کی ڈیزائینگ۔ آئی ایم رئیلی امپریسڈ۔"

"کہیں آپ اوپر ریان صاحب کے کمرے میں تو نہیں گئیں؟" بتول نے پریشانی سے پوچھا اور عانیہ چونکی۔

"نہیں بس باہر سے ہی دیکھ کر آگئی ہوں"

"آپ ریان صاحب کے کمرے میں ان کی غیر موجودگی میں مت جایئے گا۔ ان کے اہم کاغذات پڑے ہوتے ہیں وہاں۔ اگر وہ ادھر ادھر ہو جائیں تو ریان صاحب بہت ڈانٹتے ہیں۔" بتول نے اسے آگاہ کیا تھا اور اس کا ذہن اہم کاغذات پر اڑ گیا تھا۔

"نہیں تم بے فکر رہو میں کسی کی پرائیویسی میں دخل اندازی نہیں کرتی۔ تم یہ بتاؤ کیا بنا رہی ہو" اس نے یکسر موضوع بدل دیا۔

"آج میں چائینیز ڈشز بنا رہی ہوں ریان صاحب کو بہت پسند ہیں۔ "بتول نے خوش ہو کر کہا۔ لیکن عانیہ کو سپائسی کھانے بہت پسند تھے تو اس کا منہ بن گیا۔ جو بتول نے محسوس کر لیا تھا اور عانیہ اپنے چہرے کے ایکسپریشنز ظاہر ہونے پر خود کو کوسنے لگی تھی۔

"یہ تم غازی کو ریان کیوں بلا رہی ہو؟ "اس نے اپنے چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے کہا۔

"بی بی جی غلطی ہو گئی آئیندہ نہیں کہوں گی ایسا "بتول نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اور وہ اپنے کمرے میں آگئی۔

(کیسے ڈاکیومنٹس ہیں اس کے کمرے میں۔ کہیں اس کے خلاف کوئی ثبوت تو نہیں۔ مجھے چیک کرنا چاہیے۔ لیکن سارے ثبوت تو حماد بھائی دکھا چکے ہیں اب اور کیا دیکھنا باقی رہ گیا ہے۔ کیا مجھے ابھی بھی یقین نہیں آیا کہ ریان ہی میرے مام ڈیڈ کا قاتل ہے۔ نہیں مجھے یقین ہے کہ حماد بھائی نے ٹھیک بتایا ہے۔ یہی میرے مام ڈیڈ کا قاتل ہے لیکن پھر یہ کیا ہے۔ میں اس کے کمرے کی تلاشی کیوں لینا چاہتی ہوں؟ یہ تو صرف ایک فطری تجسس ہے۔ اس نے کسی کو اپنے کمرے میں آنے سے منع کیا ہے تو اس کا مطلب اندر کچھ تو ہے جسے وہ چھپانا چاہ رہا ہو۔ مجھے پہلے ریان کی موجودگی میں ہی ایک بار کمرے کا جائزہ لینا چاہیے پھر کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔)

---

"ہیلو عانیہ۔ "کال ملتے ہی حدیقہ بے قراری سے بولی۔

" تعبیر بول رہی ہوں۔ عانیہ نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ وہ تمہیں خود فون کرے گی۔ " تعبیر کی آواز موبائل پر گونجی تھی۔

"ہاں کہا تو تھا لیکن ابھی تک اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ مجھے بہت فکر ہو رہی تھی؟ "وہ پریشان لہجے میں بولی۔ ماما دو تین دفعہ عانیہ کے فون کے بارے میں پوچھ چکی تھیں۔ بابا کو بھی اتنی صفائیاں پیش کی تھیں تب جا کر وہ مطمئن ہوئے تھے اور اب اگر وہ اس سے رابطہ نہ کرتی تو ماما بابا کو شک ہو سکتا تھا۔

"سیکیورٹی پرابلم کی وجہ سے وہ تمہیں فون نہیں کر پا رہی۔اور بہتر یہی ہو گا کہ تم دوبارہ اس نمبر پر کال مت کرو" وہ درشتگی سے بولی تو حدیقہ چونک گئی۔

"کیا مطلب ؟..... وہاں سب ٹھیک تو ہے نا۔عانیہ سے بات کروائیں میری"

"کہا تو ہے کہ سیکیورٹی کی وجہ سے وہ فون پر بات نہیں کر سکتی۔اس کے پیچھے دشمن لگے ہیں اور اگر تم اس کا بھلا چاہتی ہو تو یہاں دوبارہ کال مت کرنا۔" تعبیر نے کہہ کر فون کاٹ دیا۔

"ہیلو.... ہیلو"

فون بند ہو چکا تھا اور اس نے فون کو کان سے ہٹایا اور دوبارہ کال ملائی لیکن فون بند جا رہا تھا۔اس نے جھنجھلا کر موبائل بیڈ پر پٹخ دیا۔

"کیا ہوا حدیقہ ؟" عمرینہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"وہ ماما عانیہ کا فون تھا۔وہ کہہ رہی تھی کہ سیکیورٹی کا مسلہ ہے اس لیے وہ مجھے خود فون کرے گی۔میں اسے نہ کروں۔" اس نے یہ بتانا مناسب سمجھا تھا۔اگر اس کی کئی دنوں تک اس سے بات نہ ہو سکی تو ماما بابا کے پوچھنے پر وہ کیا جواب دے گی۔اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بابا عانیہ کو خود کال کر لیں اس لیے اس نے انہیں روکنے کیلیے ایسا کہہ دیا۔

"اسے کوئی خطرہ تو نہیں وہاں ؟"

"نہیں ماما وہ ہمیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی اس لیے ہمارے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی۔" حدیقہ نے عمرینہ کو تسلی دی لیکن خود وہ پریشان ہو چکی تھی۔

---------------------------------

وہ دونوں شاپنگ کرنے آئی ہوئی تھیں۔عنیقہ کو وہاب کیلیے گفٹ خریدنا تھااور حدیقہ کو گفٹ لینے میں اس کی مدد کرنی تھی۔پہلے بھی وہ دونوں اکٹھی شاپنگ کرنے آتی تھیں۔اور ڈرائیور کو ساتھ لانے کی زحمت بھی نہیں کرتیں تھیں کیوں کہ حدیقہ گاڑی چلالیتی تھی۔وہ عنیقہ کے ساتھ ایک شاپنگ مال میں داخل ہوئی۔

"یار بتاؤ کیا گفٹ لوں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"کوئی گھڑی لے لو اب تم اس کیلیے چوڑیاں تو لینے سے رہی"

"ویری فنی.....چلو پھر چلتے ہیں"اس نے گھڑیوں کی دکان کی طرف اشارہ کیا۔

نہیں یار تم جاؤ مجھے یاد آیا مجھے میک اپ کا سامان خریدنا تھا"

"تم نے کہا تھا میری مدد کرو گی"

"یار بتا تو دیا ہے گھڑی بیسٹ رہے گی اب جا کر تمہارے ساتھ اسے پسند بھی کر کے دوں اور وہاب کو بھی میں ہی دے آؤں کیا۔"حدیقہ نے چڑ کر کہا تو عنیقہ نے اسے گھورا۔وہ بنا پرواہ کیے وہاں سے چلی گئی اور عنیقہ کو خود ہی گھڑی خریدنی پڑی۔دراصل وہ نروس ہو رہی تھی کہ پتہ نہیں اسے پسند بھی آئے گی کہ نہیں۔

---

وہ دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھی جوس پی رہیں تھیں۔جب تک عنیقہ نے وہاب کے لیے گھڑی خریدی تھی حدیقہ بھی اپنی شاپنگ ختم کر کے اس سے آملی تھی اور پھر وہ دونوں گفٹ سنٹر گھڑی کو پیک کروانے گئی تھیں۔انہوں نے انتظار کرنے کا کہا تھا اس لیے اب وہ کیفے میں موجود تھیں۔

"دس ہزار کی گھڑی لی ہے میں نے پتہ نہیں اب اسے پسند بھی آتی ہے کہ نہیں"عنیقہ نروس سی بولی۔

"اتنی مہنگی لینے کی کیا ضرورت تھی شاید وہ برا منا جائے۔"اس نے خدشہ ظاہر کیا

"ارے یار اگر اسے قابو میں کرنا ہے تو پیسے تو لگانے پڑیں گے نا۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری تو حدیقہ دل ہی دل میں لاحول ولا پڑھ کر رہ گئی۔

"پیسہ ہر جگہ کام نہیں کرتا" حدیقہ نے جوس کا سپ لے کر کہا

"کیوں نہیں کرتا تم دیکھنا یہ گفٹ ملتے ہی وہ کیسے میرے سامنے گھٹنے ٹیکے گا" اس کے لہجے میں غرور جھلکا۔

"یہ کیسی محبت ہوئی جس میں کوئی اپنے محبوب کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش کرے" حدیقہ نے الجھ کر پوچھا۔

"یار محاورہ بولا ہے۔یعنی وہ میری طرف متوجہ ہو گا۔تم تو سیریس ہی لے لیتی ہو ہر چیز کو" عنیقہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تو جلدی سے وضاحت کرنے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ اپنی اماں حضور کو کیسے مناؤ گی؟"

"ماننا تو انہیں پڑے گا ہی کیوں کہ وہ جانتی ہیں میں بہت ضدی ہوں اور محبت کرنا کونسا جرم ہے" وہ جتنی بڑی بڑھکیں مارتے رہی تھی اتنی ہی بزدل بھی تھی۔

"بڑوں کو سب کے سامنے جواب دینا پڑتا ہے اور تمہارا تو بچپن سے رشتہ طے ہے اگر یہ ٹوٹ گیا تو تمہارے ماں باپ لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔" حدیقہ نے تو اسے نہ سمجھانے کی ٹھانی تھی لیکن پھر بھی اس کے سامنے حقائق رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں۔اب میں لوگوں کیلیے اپنی خوشی تو نہیں چھوڑ سکتی نا"

"لیکن یہاں بات تمہارے ماں باپ کی ہے لوگوں کا کیا ہے انہیں ڈسکس کرنے کیلیے ایک موضوع مل جائے گا لیکن سبکی تمہارے والدین کو ہی اٹھانی پڑے گی"

"میں کچھ نہیں جانتی نہ مجھے کچھ سمجھنا ہے۔ بھئی میری زندگی ہے یہ میں جیسے جیوں کسی کو کیا ہے۔ اور تم دادی اماں بن کر نصیحتیں کرنا ذرا بند کرو اور اٹھو گفٹ پیک ہو چکا ہو گا اب تک۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور باہر چلی گئی۔

(میں جانتی تھی اسے سمجھانا بے کار ہے) اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوچنے لگی۔ اٹھ کر بل ادا کیا اور باہر آ گئی۔

------------------------------------

وہ اپنے کمرے میں ایک صوفے پر ٹیک لگائے، سامنے پڑے میز پر پاؤں قینچی کی صورت میں رکھے گود میں لیپ ٹاپ کھولے آفس کا کام کر رہا تھا اس کی نظریں سکرین پر جمیں تھی اور ہاتھوں کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کیبورڈ پر تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ میز پر رکھی کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ ارد گرد کچھ کتابیں اور فائلز پڑیں تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کافی کا مگ پکڑا اور اس کے دو تین سپ لیے۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ دیا انگلی سے دروازے کو بجا رہی تھی۔

"کھڑی کیوں ہو دیا۔ آجاؤ اندر" وہ اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھتا کافی میز پر رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا۔ عانیہ بھی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے اندر آ گئی لیکن ریان سے کچھ ہی فاصلے پر اس کی ایڑھی والی جوتی قالین سے رپٹی اور اس کا پاؤں مڑ گیا۔ وہ لہرا کر آگے کو گری اور اس کے دونوں ہاتھ لیپ ٹاپ کے کئی بٹنز کو ایک ساتھ پش کر گئے۔ ریان نے جلدی سے اس کی کہنی کو پکڑ کر سہارہ دیا ورنہ اس کا منہ بھی زور سے کہیں بج چکا ہوتا۔ اس کے بال پھسل کر چہرے کے سامنے آ گئے۔ ریان کو اس کا سفید چہرہ براؤن بالوں سے جھلکتا ہوا دکھائی دیا تھا یہ منظر اسے بہت خوبصورت لگا تھا۔ عانیہ کو سمجھ ہی نہیں آئی تھی کہ یہ اچانک سے ہوا کیا ہے۔ اس کے پاؤں میں درد کی ایک شدید لہر اٹھی تھی لیکن وہ خود کو سنبھالتی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"سوری.... سوری میں...۔" وہ خود کو شرمندہ ظاہر کر رہی تھی یا واقعی شرمندہ تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"تمہیں لگی تو نہیں؟" ریان نے لیپ ٹاپ کو سائیڈ پر رکھا اور اپنے پاؤں میز سے نیچے اتارتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

"نہیں" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن تمہارے چہرے پر درد کے آثار ہیں۔ ٹھہرو مجھے دیکھنے دو۔ پاؤں پر موچ تو نہیں آ گئی۔" ریان نے اٹھ کر اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ لیکن عانیہ اندر سے خوفزدہ ہو گئی تھی کہ وہ اس کے چہرے کے آثار کو پڑھ چکا ہے کیا وہ اپنے ایکسپریشنز کو کنٹرول نہیں کر سکی تھی؟

وہ اس کے سامنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں چیک کرنے لگا۔

"بائیں پاؤں میں درد ہے نا؟"

"میں نے کہا نا کہیں نہیں درد" اس نے اپنے پاؤں سے اس ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا

"یہ دیکھو یہاں سے پھر سرخ کیوں ہو گیا ہے۔ اب ایسے جوتے مت پہننا میں تمہیں دوسرے لا دوں گا۔" وہ اس کے بائیں پاؤں کو ایک ہاتھ سے ایڑھی سے پکڑے دوسرے ہاتھ سے پنجوں کو پکڑ کر آگے پیچھے کر رہا تھا۔ عانیہ کیلیے اس درد سے زیادہ اس کا ہاتھ جو اس کے پاؤں کو چھو رہا تھا زیادہ اذیت ناک تھا۔

"معمولی سی چوٹ ہے۔ اب اس کے ڈر سے میں اپنی فیورٹ ہائی ہیل شوز چھوڑ دوں امپاسیبل۔ تم میری فکر مت کرو اور اپنے کام کی طرف دھیان دو جو میری وجہ سے خراب ہو چکا ہے" وہ اپنا پاؤں اسکے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگی۔ ریان نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ لیپ ٹاپ لے کر اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تمہارہ کمرہ تو بہت خوبصورت ہے۔"

"ابھی تو یہ اتنا خوبصورت نہیں کئی دنوں سے اس کی صفائی نہیں کی۔ ہر جگہ آفس کا کام بکھرا پڑا ہے"

"صفائی کیوں نہیں کی؟"عانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اپنے کمرے کی صفائی خود ہی کرتا ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے ٹائم ہی نہیں ملا"وہ لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے بولا۔

"تم اپنے کمرے کی صفائی خود کیوں کرتے ہو؟"

"پتہ ہوتا ہے کہ کونسی چیز کہاں رکھی ہے ایک دفعہ بتول سے صفائی کروائی تھی کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ملی تھی تو سوچا کیوں ناخود ہی زحمت کرلوں۔"

"تم کونسا کام کرتے ہو؟"وہ مسلسل اسے کرید رہی تھی۔اور اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"ارے چھوڑو نا یار تمہیں پتہ نہیں مردوں سے ان کی جاب اور سیلری کے بارے میں نہیں پوچھتے"ریان نے اسے ٹال دیا جس سے اس کو پکا یقین ہو گیا کہ وہ کچھ ایسا تو کرتا ہے جس کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا۔

"تمہارے بابا کہاں پر ہیں اب۔ تم تو ان سے جھگڑا کر کے آگئے تھے نا"

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔شاید وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے"ریان نے افسردگی سے ٹھنڈی آہ بھری۔

"اوہ آئم ایم سوری۔اور خالہ وہ کہاں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔"

"تمہیں اپنی ماما کا نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہیں۔اوہ ہاں تمہیں پتہ بھی کیسے ہو گا تم تو سب کو چھوڑ آئے تھے نا۔کیا تمہیں ان کی یاد بھی نہیں آتی؟"عانیہ نے لہجے میں گہرا دکھ سموتے ہوئے کہا شاید کوئی ایسی بات پتہ چل جائے جو اس کے کام آسکے۔

"نہیں" ریان نے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں ٹکائے مختصر سا جواب دیا شاید وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ عانیہ غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی معاً اس کی نظر میز پر پڑے موبائل پر پڑی تھی جو ریان کا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا۔

"واؤ کتنا پیارا فون ہے۔ تمہارا ہے کیا؟" وہ اسے اپنے ہاتھوں میں لیے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

"ہمم" لیپ ٹاپ کی طرف توجہ میں ذرا سا بھی خلل نہیں پڑا تھا جو عانیہ کیلیے اچنبھے کا باعث تھا۔

"یہ کہاں سے آن ہوتا ہے؟" عانیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو ریان نے چونک کر اسے دیکھا

"تم نے یہ موبائل پہلی دفعہ دیکھا ہے؟"

"کہیں دیکھا تو ہوا ہے شاید۔ چلایا ہے کہ نہیں یہ یاد نہیں" عانیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ریان نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیا اور سائیڈ والے بٹن سے آن کر کے ان لاک کر دیا۔ جب ریان نے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو عانیہ کو تو حیرت کا سخت جھٹکا لگا کوئی اتنا بڑا گینگسٹر کسی کو اپنا موبائل یوں ان لاک کر کے کیسے دے سکتا ہے بھلا۔ لیکن وہ وقت حیران ہونے کا نہیں تھا سو اس نے جلدی سے موبائل لے لیا۔

"اس میں گیمز بھی ہیں" اس نے چھوٹے بچوں کی طرح پوچھا۔

"ہاں ایک ہے کینڈی کرش۔ لاؤ نکال دوں" ریان نے پھر موبائل لیا اور گیم نکال کر اسے دیتے ہوئے رول بھی سمجھانے لگا۔

عانیہ بھی موبائل پر انگلی کو ادھر ادھر ٹچ کرنے لگی جیسے اسے ابھی بھی گیم کی خاص سمجھ نہیں آئی۔ ریان جب مکمل طور پر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا عانیہ نے گیم ہٹا کر کانٹیکٹ لسٹ نکالی۔ خوف سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ مختلف لوگوں کے نام تھے لیکن عانیہ یہ نہ جان سکی کہ ان لوگوں سے کس نوعیت کی باتیں ہوئی تھیں۔ اس نے پھر فائل مینیجر نکال لی اور ویڈیوز چیک کرنے لگی۔ اسے یہ دوسرا حیرت کا جھٹکا لگا تھا کہ وہاں قرآن پاک کی

تلاوت کی ویڈیوز تھیں۔ نعتیں بھی تھیں۔ اس نے پکچرز نکالیں تو صرف چار پانچ پکچرز تھیں جو ریان اور کسی دوسرے لڑکے کی تھیں۔ اس کے سامنے آٹو کال ریکارڈ کا آپشن موجود تھا لیکن وہ ابھی اسے سن نہیں سکتی تھی اور یہی چیز سب سے امپورٹینٹ تھی۔ اس نے ایک نظر ریان پر ڈالی اور جلدی سے ساری ہسٹری ڈیلیٹ کر کے گیم آن کر لی۔

"مجھے بھی اسی طرح کا موبائل چاہیے "اس نے یکدم کہا

"تم میرا ہی لے لیا کرنا ویسے بھی تمہیں چلانا تو آتا نہیں"

"میں تم سے سیکھ لوں گی مجھے ابھی اور اسی وقت چاہیے۔ کنجوسی مت کرو مجھے پتہ ہے تم بہت امیر ہو" وہ ذرا غصے سے بولی۔

"اوکے اوکے رونا مت۔۔لے دوں گا۔"ریان نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی لینا ہے۔اور بہت ساری گیمز ہوں اس میں "اس نے بچوں کے سے انداز میں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"اچھا ابھی ایک گھنٹے بعد مل جائے گا تمہیں۔ فون دو میں ذرا سیکرٹری سے کہہ دوں۔"ریان نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر کسی کو کال ملائی اور اپنے فون کا ماڈل بتا کر اسی طرح کا ایک فون اور سم خریدنے کا کہا۔اس کا فون کم از کم تیس چالیس ہزار کا تھا اور ظاہر ہے عانیہ کو بھی اسی طرح کا موبائل چاہیے تھا۔ویسے تو اسے بہت سستا سا موبائل بھی مل جاتا تو وہ بھی اس کیلیے غنیمت تھا۔اس نے تو صرف رابطہ ہی کرنا تھا۔لیکن ریان کے سامنے یہ ظاہر کرنا تھا کہ اسے یہ موبائل بہت پسند آیا ہے کیوں کہ اس میں گیم ہے۔اس کا موبائل والا مسلہ تو حل ہو گیا تھا لیکن کمرے میں الماریوں کے لاک کا مسلہ ابھی باقی تھا۔وہ دعا کرنے لگی کہ ریان کو الماری میں سے کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے اور اسے لاک دیکھنے کا موقع مل سکے اور واقع اس کی دعا قبول ہو گئی اور ریان اٹھ کر الماری کی طرف بڑھا۔الماری کا دروازہ کھولا تو عانیہ پیچھے سے دیکھنے لگی لیکن اس کے سیف میں کسی قسم کا لاک نہیں لگا تھا۔عانیہ تو

ایک بار پھر سے ورطہ حیرت میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی۔پہلے تو اس نے اپنا موبائل اس کے سامنے ان لاک کر کے اسے دے دیا اور موبائل میں اسے قرآنی آیات کی ویڈیوز ملیں پھر اس نے اس کے سامنے ہی سیف کھولا جس کا لاک تو تھا لیکن ریان نے لگایا ہی نہیں تھا۔

"ہاؤ از دس پاسیبل کہ ایک قاتل جس کا تعلق ملک دشمن عناصر سے ہے اسے تو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے اور یہ اپنی چیزیں یوں کھلی کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"اس کے عصاب پر بھاری بوجھ آن گرا تھا اگر یہ مام ڈیڈ کا قاتل نہ ہوا تو۔لیکن حماد بھائی کو اس سے جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

(وہ شخص سب کے سامنے خود کو اچھا ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اگر تمہیں اس میں کوئی اچھائی نظر آئی تو سمجھنا وہ فراڈ ہے۔)حماد بھائی کے الفاظ اس کی بازگشت اس کے زہن میں گونجی اور اسے سب سمجھ آ گئی کہ ماجرا کیا ہے۔وہ تو خوامخواہ اس سے متاثر ہو رہی تھی اور حماد بھائی سے بدگمان ہو رہی تھی۔اب صرف اسے ریان کے کمرے کی تلاشی لینی تھی۔تاکہ اس کے سیاہ دھندے کے کچھ ثبوت ہاتھ لگ جائیں اور اسے قتل کرنے پر ٹھوس وجہ بیان کی جا سکے۔

"ہیلو کہاں کھو گئی ہو دیا۔"ریان نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ مراقبے سے باہر نکلی۔

"کچھ ...کچھ بھی تو نہیں میں چلتی ہوں سالار میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"وہ جلدی سے کہتی ہوئی اٹھی اور بھاگتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

(کچھ تو ہے جو اسے زہنی طور پر ٹارچر کر رہا ہے۔)ریان نے اسے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

---

"ایسا کرو گفٹ پر ایک کارڈ لگا دو اور اس پر اپنا نام بھی لکھ دو۔" حدیقہ نے گفٹ کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے تجویز پیش کی تھی۔ وہ جانتی تو تھی کہ عنیقہ ایسا کبھی نہیں کرے گی کیونکہ اس طرح بات ڈائریکٹ اس پر آ جانی تھی لیکن پھر بھی کہہ دیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہاری عقل کو۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو۔ میں تو سیدھے سیدھے پکڑی جاؤں گی نا" عنیقہ نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر وہاب کو پتہ کیسے لگے گا کہ اسے کس نے گفٹ دیا ہے۔"

"ارے وہ بعد میں دیکھ لیں گے۔ اگر اس نے گفٹ رکھ لیا اور کسی کو نہ بتایا تو میں اسے بتا دوں گی کہ یہ گفٹ میں نے دیا ہے......."

"اور اگر اس نے سب کو بتا دیا تو....؟" حدیقہ نے پوچھا تو وہ ایک دم سے چپ کر گئی۔ جان تو حدیقہ بھی گئی تھی کہ اس تو کے بعد کیا ہو گا۔ سارا الزام اس پر آئے گا لیکن اب اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ اس کا بندوست کر چکی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا یار۔ وہ نہیں بتائے گا کسی کو۔ اچھا میں اسے یہ دینے جا رہی ہوں۔ تم دعا کرنا میں اس محاذ سے کامیاب لوٹوں" عنیقہ بولتی گفٹ اٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاب کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا لابی سنسان پڑی تھی۔ کیوں کہ گرمیوں کے دن تھے اور دوپہر کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں بند ایسی لگائے آرام کر رہے ہوتے۔ وہاب تین دنوں سے یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا اس لیے اپنے کمرے میں ہی پڑھائی کر رہا تھا۔ عنیقہ نے دروازے پر ہلکے سے دستک کی اور گفٹ دروازے کے سامنے زمین پر رکھ کر بھاگتی ہوئی سیڑھیوں کے پیچھے چھپ گئی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور وہاب نے ادھر ادھر نگاہ

دوڑا کر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا وہ دروازہ بند کر کے جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر گفٹ پر پڑی تھی۔اس نے پہلے حیرت سے گفٹ کو دیکھا اور پھر اسے اٹھالیا۔کچھ دیر کیلیے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ لڑکی کبھی نہیں سدھرے گی" وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا تھا اور اندر چلا گیا تھا۔عنیقہ جو چھپ کر اسے ہی دیکھ رہی تھی وہ خوشی سے پاگل ہو گئی تھی اب وہ اسے بتا سکتی تھی کہ یہ گفٹ اس نے بھیجا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ گفٹ کو دیکھ کر وہاب کے زہن میں پہلا خیال حدیقہ کا ہی آیا تھا۔۔وہ بھاگتے ہوئے حدیقہ کے کمرے میں آئی۔اسے ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ سے اٹھایا اور گول گول گومنے لگی۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔چھوڑو مجھے اور بتاؤ مشن کیسا رہا؟"

"ہاں یار میں خوشی سے پاگل ہو گئی ہوں جب اس نے گفٹ اٹھایا تو وہ مسکرایا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی اور بیڈ پر گر گئی تھی۔

اور حدیقہ اپنی جگہ خوش تھی کہ وہاب کے سامنے بدنام ہونے سے بچ گئی ہے۔دراصل کل اس نے گفٹ بدل دیا تھا۔

("سنیں یہ جو لڑکی میرے ساتھ تھی اور آپ کو ابھی گفٹ پیک کرنے کیلیے دے کر گئی ہے اس کا سائز اور گفٹ ریپر کا ڈیزائین اس ڈبے کے جیسا ہونا چاہیے" وہ عنیقہ سے اپنا موبائل اندر بھول آنے کا بہانہ کر کے آئی تھی اور شاپنگ بیگ میں سے ایک ڈبہ نکالتے ہوئی بولی تھی۔کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے نے اس اچنبھے سے دیکھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"جیسا اس لڑکی کا گفٹ پیک کرو سیم ویسا ہی میرا گفٹ بھی پیک کر دو۔گفٹ باکس کا سائز،ڈیزائن اور رنگ،دونوں کا ایک جیسا ہو۔میرے والے پہ ریڈ ٹیپ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لگا ہونا چاہے اور اس کے پر پنک۔اتنی بات سمجھ میں آگئی ہے" اس نے پوچھا تو لڑکے نے سر ہلایا۔

"اور میرا گفٹ اس کے سامنے دینے کی کوشش مت کرنا جب میں تمہیں اشارہ کروں تب نظر بچا کر وہ مجھے پکڑا دینا اوکے۔ دگنی قیمت دوں گی تمہیں" حدیقہ نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تو لڑکے نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ حدیقہ نے پاؤچ میں سے پیسے نکالے اور کاؤنٹر پر رکھ کر باہر آگئی تھی۔ پھر جب وہ عنیقہ کے ساتھ گفٹ لینے واپس آئی تو لڑکے نے پوری وفاداری نبھاتے ہوئے چپکے سے گفٹ اس کے حوالے کر دیا اور اس نے گھر آنے کے بعد گفٹ بدل دیا تھا عنیقہ نے گفٹ اس کے کمرے میں ہی رکھوایا تھا کیوں کہ وہاب انہی کے پورشن میں رہتا تھا اور حدیقہ کے کمرے سے وہاں پہنچنا آسان تھا اور بس پھر کیا تھا حدیقہ نے رات کو گفٹ بدل دیا تھا۔)

وہ اپنے کارنامے پر فخر سے مسکرا رہی تھی۔ عنیقہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ بھی حدیقہ ہے۔ اتنی آسانی سے خود پر بات نہیں آنے دے سکتی۔

---

وہ کمرے میں ٹہلتی ہوئی کسی سوچ میں گم تھی۔ اسے کچھ گھبراہٹ سی بھی ہو رہی تھی۔ اگر وہ پکڑی گئی تو...؟ (تو اسے میرے یہاں آنے کا مقصد پتا چل جائے گا)۔ لیکن رسک تو لینا ہی تھا۔ پھر بے شک کچھ بھی ہو جاتا۔ اسے ریان کا ڈر نہیں تھا کیوں کہ وہ آفس جا چکا تھا لیکن اصل مسئلہ بتول کا تھا جو گھر کی صفائی کرنے کبھی ادھر تو کبھی ادھر آ جا رہی تھی۔ اب اس کا کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب وہ عدیل اور سالار کیلیے دوپہر کا کھانا بنا کر انیکسی کی طرف جائے گی۔ بتول نے اسے بتایا تھا کہ اس کے آنے سے پہلے وہ ریان کیلیے دوپہر کا کھانا نہیں بناتی تھی۔ اور انیکسی میں اپنی فیملی کیلیے ہی بناتی تھی۔ لیکن اس کے آنے کے بعد ریان نے بتول سے کہا تھا کہ وہ دیا اور اپنی فیملی کیلیے یہیں اکٹھے ہی کھانا بنا لیا کرے۔ اس لیے وہ اب یہیں کھانا بناتی تھی لیکن کھاتی انیکسی میں ہی تھی۔ جانے سے پہلے دیا کو کھانا دے جاتی تھی۔ عانیہ کو اسی بات کا انتظار تھا۔ کہ وہ کب اسے کھانا دے کر انیکسی جائے۔ لیکن ایک مسئلہ اور بھی تھا۔ سالار سکول سے آتے ہی اس سے ملنے آتا تھا۔ اور بتول کھانا رکھ کر اس کا انتظار کرنے لگتی۔ اسے اپنا

سکول میں گزرا سارا دن بتاتے ہوئے پانچ منٹ ہی ہوئے ہوتے کہ بتول اسے لینے آجاتی۔ کل اس نے وہیں دیا کے ساتھ کھانے کی فرمائش کر دی تھی اور بتول کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس نے دیا آپی کے ساتھ ہی لنچ کیا تھا۔ وہ آج بھی اس کے ساتھ کھانا کھانے کی ضد کر سکتا تھا۔ عانیہ اب اس سے بھی نمٹنے کا سوچنے لگی۔ آخر کار اسے کوئی آئیڈیا آیا تو وہ کمرے سے نکل کر سیدھا بتول کے پاس کچن می چلی آئی۔

"دیا بی بی آپ کو کچھ چاہیے کیا؟" بتول نے اسے دیکھا اور سوال کیا۔

"ہاں ابھی تک کھانا نہیں بنا کیا؟" اس نے ایسے منہ بنایا جیسے اسے سخت بھوک لگی ہو۔

"نہیں بی بی جی ابھی تو پکا رہی ہوں اور ابھی تو ٹائم بھی نہیں ہوا آج آپ کو بھوک جلدی نہیں لگ گئی" بتول حیران ہوئی۔

"ہاں بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔ کوئی چیز ہے کھانے کو؟"

"جی نوڈلز ہیں۔ میں دو منٹ میں آپ کو بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں آپ کھانا بنائیں میں خود بنا لوں گی۔ نوڈلز کہاں پڑے ہیں۔"

"اس کیبنٹ میں ہیں" بتول نے ایک کیبنٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تو وہ اس جانب بڑھ گئی۔ اس نے پہلے صرف ایک بار نوڈلز بنائے تھے لیکن یہ اتنے مشکل بھی نہ تھے کہ اس سے بن نہ سکتے۔ کچھ ہی دیر میں نوڈلز پک کر تیار ہو گئے۔ اسے بھوک تو نہیں تھی لیکن بتول کے سامنے بیٹھ کر سارے نوڈلز ختم کیے۔

"اب میرے لیے کھانا مت لائیے گا۔ جب بھوک لگے گی تو خود ہی لے لوں گی" اس نے جاتے ہوئے کہا۔

"جی ٹھیک ہے" بتول نے چمچا ہلاتے ہوئے کہا اور وہ اپنے کمرے میں بڑھ گئی۔

"چلو ایک مسلہ تو حل ہوا" اس نے اطمینان سے سوچا۔

پھر ڈیڑھ گھنٹا انتظار کرنے کے بعد کھانا پک چکا تھا اور بتول انیکسی جا چکی تھی۔ سالار بھی سکول سے واپس آتے ہی اس کے پاس آیا تھا اور سکول کی باتیں بتانے لگا تھا۔ وہ مسکرا کر اس کی باتیں سننے لگی تھی لیکن اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔ بتول سالار کو لینے آ گئی تو عانیہ نے شکر کیا۔

"چلو اٹھو سالار کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا پہلے کھا لو پھر آ کر باتیں کرنا۔" بتول نے سالار کو بازو سے پکڑ اٹھایا۔

"مجھے نہیں جانا جب کھانا کھا لو تو کہتیں ہیں جا کر نہاؤ جب نہا لو تو کہتی ہیں کچھ دیر آرام کر لو۔ میں یہیں کھانا کھاؤں گا۔" سالار نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"دیا بی بی کھانا کھا چکی ہیں سالار۔ چلو اٹھو شاباش" بتول نے اسے کہا تو اس نے عانیہ کی طرف دیکھا

"مجھے آج بھوک جلدی لگ گئی تھی اس لیے تم جاؤ کھانا کھاؤ نہا کر آرام بھی کرو تب میں تمہیں جھولا دوں گی۔" عانیہ نے جان چھڑانے کی کی۔ سالار جھولا لینے کی خاطر چپ چاپ اٹھ کر چل پڑا اور بتول بھی اس کے پیچھے چل دی۔ عانیہ نے جلدی سے پردہ ہٹایا اور کھڑکی سے انہیں انیکسی کی طرف جاتا دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔ اور بھاگتی ہوئی ریان کے کمرے میں پہنچی۔ کمرہ ان لاک تھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا اور دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ میز پر کچھ کاغذ اور دو تین فائلز پڑیں تھیں۔ اس نے جلدی سے وہ سارے کاغذات دیکھے لیکن وہ اس کے مطلب کے نہیں تھے۔ اس نے یہاں وقت برباد کرنا مناسب سمجھا اور اٹھ کر الماری کی طرف بھاگی جسے کل ریان نے اس کے سامنے کھولا تھا۔ سیف میں سے چند فائلز نکلیں تھیں وہ انہیں لے کر میز کی طرف آئی اور ایک ایک کر کے چیک کرنے لگی۔ پہلی فائل کوئی آفس کی ہی لگ رہی تھی۔ اس نے وہ فائل رکھی اور دوسری اٹھا لی۔ وہ کسی کانٹریکٹ کی فائل تھی۔ ریان اور کسی اور کے اس پر سائن تھے۔ اس نے صفحے پلٹ کر دیکھا تو وہ ماربل کی خریداری کے بارے میں تھی۔

(توکیااس ک ماربل کی فیکٹری ہے؟)اس نے فائل رکھتے ہوئے سوچا تھا۔اب وہ تیسری فائل کھول رہی تھی۔اس میں میٹرک سے لے کراب تک کی ڈگریاں موجود تھیں۔اوراس دفعہ حیرت کی بات یہ تھی کہ میٹرک سے لے کراب تک اس نے اسلام آباد میں پڑھا تھا۔

"حماد بھائی نے کہا تھا کہ وہ کچھ عرصہ قبل ہی پشاور سے اسلام آباد آیا ہے۔ہوسکتا ہے یہ سب جعلی ڈگریاں ہوں۔اب وہ آخری فائل اٹھارہی تھی۔اسے ریان کے شناختی کارڈ کی فوٹوکاپیز ملیں تھیں۔اوراس میں جائے پیدائش مری میں ہی لکھی تھی۔

(یہ نقلی آئی ڈی کارڈ بھی ان جیسے لوگوں کیلیے بنانا کونسا مشکل کام ہے)اس نے جھنجھلا کر سوچا کوئی چیز بھی اس کے خلاف ثبوت کے طور پر نہیں مل رہی تھی۔پھر ویزے کی کاپی دیکھی۔چیک بک دیکھی۔لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔وقت تھا کہ نکلتا جارہا تھا لیکن کام نہیں ہو پارہا تھا۔اگلے صفحے پر اسے ایک تصویر نظر آئی تھی جس میں ریان،اوراس کے والدین تھے۔اس کے باپ کی تصویر تو وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی لیکن ماں کی تصویر اب دیکھ رہی تھی جو بہت خوبصورت تھی۔اس نے جلدی جلدی ساری فائلز اٹھا کر الماری کے سیف میں رکھیں۔اور دوسری الماری کھولی لیکن اس کا سیف لاکڈ تھا۔عانیہ کو لگا اس میں کچھ ہو گا لیکن وہ اسے کیسے کھولے۔ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ عدیل کی آواز آئی جو سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا اور کسی سے بات کررہا تھا۔عانیہ نے ڈر پر قابو پاتے ادھرادھر نگاہیں دوڑائیں کہ کہیں چھپنے کی جگہ ملے۔اچانک اس کی نظر پردے پر پڑی وہ بھاگ کر اس طرف آئی اور پردے کو ہٹا کر دیکھا تو وہ گلاس ڈور تھا جس کے پار بالکونی تھی اس نے دروازہ کھولا اور بالکونی میں آکر دروازہ بند کر دیا۔پردہ دروازے کے آگے آچکا تھا۔اب وہ دم سادھے کھڑی تھی۔اور سوچ رہی تھی عدیل ریان کے کمرے میں کیوں آیا۔تبھی دروازہ کھلنے اور عدیل کے قدموں کی آواز آئی

"جی یہاں تو دو تین فائلیں ہیں اور کچھ کاغذات بکھرے پڑیں ہیں کونسے چاہئیں۔"

"نہیں کالی فائل نہیں ہے یہاں پر"

"کہیں نہیں ہے صاحب جی"

"جی اچھا"

پھر اسے الماری کھلنے کی آواز آئی۔عانیہ کو اب سمجھ آئی کہ فائل کیوں نہیں مل رہی تھی اس نے الماری والی فائلوں کے ساتھ ایک میز والی فائل جلدی میں اٹھا کر رکھ دی تھی۔اب وہ اپنی عقل کو کوسنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"جی صاحب جی مل گئی ہے الماری میں ہی تھی۔"

"جی میں ابھی لے کر پہنچتا ہوں"

اسے عدیل کے جانے اور دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی تو اس نے سینے میں اٹکی سانس خارج کی اور بالکونی کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔وہ کمرے میں ایک نگاہ دوڑاتے ہوئے جلدی سے باہر نکل گی۔ابھی بتول نہیں آئی تھی اور اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔اب اسے وہ ریکارڈ کالز چاہیے تھیں جو ریان کے موبائل میں تھیں۔لیکن اسے یہ کام ناممکن ہی لگ رہا تھا۔اسے اس کا نیا موبائل کل ہی مل گیا تھا۔جس میں ایک سم تھی اور ریان کا فون نمبر تھا۔جو غازی کے نام سے سیوڈ تھا۔وہ اس سم سے ریان کے علاوہ کسی اور سے بات نہیں کر سکتی تھی۔کیوں کہ ٹریس ہونے کا خدشہ تھا۔اسے نئی سم چاہیے تھی۔لیکن حماد بھائی سے کیسے رابطہ کرے تا کہ ان سے سم مانگ سکے۔

(ڈاکٹر امجد.......۔ہاں ان سے رابطہ تو ہو سکتا ہے۔)

---

وہاب نے اندر آکر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گفٹ کو ایک لمحہ دیکھا۔اور اس کا ریپر ہٹانے لگا۔اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔وہ جانتا تھا ایسا کام حدیقہ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا اور ضرور اس میں کچھ الٹا سیدھا ہی ہو گا۔وہ

ریپر اتار کر گفٹ بکس کھول چکا تھا اب اندر والے بکس کا ڈھکن اٹھانے والا رہ گیا تھا۔اس نے ڈبے کو خود سے کچھ فاصلے پر کیا اور کھول دیا۔

اندر سے ایک بڑا سا مکا نکلا تھا اور دور ہونے کے باوجود وہ اس کی طرف ہی آیا تھا۔وہ جلدی سے پیچھے بیڈ پر لیٹ گیا اور بچ گیا۔جب اسے یقین آگیا کہ اس کا منہ ٹوٹنے سے بچ گیا ہے تو اٹھ کر ڈبے اور مکے کو دیکھا۔مکے کے نیچے سپرنگ تھا۔جب ڈبہ بند ہوتا سپرنگ دب کر چھوٹا ہو جاتا اور ڈبہ کھلنے پر ایک دم سے اوپر کو اٹھتا۔اور اس کے آگے لگا سخت مکا کھولنے والے کے ناک منہ کو ہلا کر رکھ سکتا تھا۔وہاب کے ساتھ ایسا مذاق پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔کیوں کہ وہ کالج اور یونیورسٹی میں بہت روڈ رہا تھا۔اس کے چہرے پر خاص قسم کا رعب و دبدبہ ہمہ وقت رہتا تھا۔شرارتی لڑکے اس کا چہرہ دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو جاتے کہ کہیں شرارت کے بارے میں سوچنے پر ہی درگت نہ بن جائے۔اب وہ حیران تھا کہ حدیقہ نے اس کے ساتھ شرارت کی ہے اور اسے غصہ بھی نہیں آیا تھا۔اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔دروازہ کھلنے پر اس نے جلدی سے ڈبہ سرہانے کے نیچے کیا اور اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔مسکراہٹ ہنوز لبوں پر تھی۔

"واہ آج میرا یار بھی مسکرا رہا ہے۔وہ بھی اکیلے اکیلے۔مجھے نہیں بتائے گا کیا ہوا ہے" عمیر آتے ہی حیرت سے نان سٹاپ شروع ہو چکا تھا۔

"ہاں بس ایک لطیفہ یاد گیا تھا" اس نے جلدی سے بات بنائی۔

"کونسا لطیفہ "عمیر کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گیا۔اسے لطیفوں میں انٹرسٹ نہیں تھا اور کوئی سنا سنایا بھی یاد نہیں آرہا تھا۔

"بھول گیا" اس نے معصوم شکل بناتے ہوئے کہا۔اور جو عمیر لطیفہ سننے کے بعد خود کو ہنسنے کیلیے تیار کر رہا تھا جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا۔

"کیوں؟"

"مجھے کیا پتہ تم بتاؤ خیر سے آئے ہو"

"چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔ پڑھ پڑھ کر دماغ پک گیا ہے یار۔"

"دماغ کو اس وقت تک پکاؤ جب تک دم نہیں آ جاتا اور دم امتحانی کمرے میں ہی آئے گا۔" عمیر نے اس کی بات پر قہقہہ چھوڑا تھا۔

"تم بھی ایسی باتیں کر لیتے ہو۔ جان کر خوشی ہوئی۔"

"تم اپنے کمرے میں جا کر خوش ہو مجھے ابھی بہت سا کام ہے" وہاب نے اس سے جان چھڑانی چاہی۔

"پھر سے وہی ڈل اور بور وہاب شہریار" عمیر اٹھتے ہوئے اس پر کمنٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اسے یاد تھا وہاب بچپن میں بھی اسی طرح پڑھتا ہی رہتا تھا۔ کھیل کود میں کم ہی انٹرسٹ تھا اس کا۔ اب تو وہ مزید سنجیدہ ہو گیا تھا۔

-----------------------------

"اسلام علیکم۔ ڈاکٹر امجد سپیکنگ" فون میں ڈاکٹر امجد کی مصروف سی آواز ابھری تھی۔

"میں عانیہ بول رہی ہوں"

"اوہ آپ لیکن آپ کو موبائل کیسے ملا"

"ریان نے لے دیا ہے آپ حماد بھائی کو بتائیں کہ جب میں منڈے کو کلینک آؤں تو مجھے ایک سم چاہیے"

"اوکے میں بتا دوں گا اور کچھ؟"

"نو تھینکس" عانیہ نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ اسے دوسری سم چاہیے تھی جس سے وہ حماد بھائی اور حدیقہ سے رابطہ کر سکتی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے ڈاکٹر امجد کا فون نمبر ملا تھا۔ وہ ریان سے ضد کرنے لگی کہ مجھے دوائیں نہیں کھانی

۔

"دیا کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو؟.... دوائیں کیوں نہیں کھانی؟"

"وہ کڑوی ہیں۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر دوا نہیں کھاؤ گی تو ٹھیک کیسے ہو گی؟" وہ نرمی سے کہنے لگا۔

"تم ڈاکٹر سے کہو نا کہ وہ مجھے میٹھی دوا دے دے۔" وہ اس وقت بالکل بچی لگ رہی تھی۔ ریان کچھ دیر اسے تاسف سے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

"تم مجھے ان کا نمبر دو۔ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" اسنے چالاکی سے کہا۔ ریان نے بھی اس سے بحث کرنے کی بجائے نمبر اسے دیا۔ عانیہ نے اس سے کال کرنے کا طریقہ بھی سیکھ لیا تھا تا کہ اسے اس پر شک نہ ہو۔ اور اب اس کی بات ڈاکٹر امجد سے ہو چکی تھی۔ جلد ہی وہ حدیقہ سے رابطہ کر سکتی تھی۔

---

عبد الباری ابھی ٹیوشن سے پڑھ کر لوٹا تھا۔ آتے ہی بستے کو دور پھینکا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ اچانک اس کی نظر ایک گفٹ بکس کی طرف گئی تھی جو ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور ڈریسنگ کی طرف بڑھا۔

(یہ کس کا ہے؟) اس کے ذہن میں سوال ابھرا۔

(میرا ہی ہو گا تبھی تو میرے کمرے میں ہے لیکن دیا کس نے ہے میری تو سالگرہ بھی نہیں آئی) وہ کش مکش میں پڑا خود ہی سوال و جواب کر رہا تھا۔ لیکن پھر اس نے سوچا کیوں نا کھول کر دیکھ لیا جائے۔ جب اس نے گفٹ کھولا تو اتنی خوبصورت گھڑی دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اب تو اس کو یہ بھول چکا تھا کہ یہ کس کی ہے؟ کس نے

رکھی ہے ؟یاد تھا تو بس گھڑی کا ٹائم ٹھیک کرنا اور اسے اپنی کلائی پر پہن لینا۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے پہننے کو کبھی گھڑی ملی ہی نہ تھی۔ ملتی تو تھی لیکن چھوٹے بچوں والی اور اب یہ گولڈن گھڑی پہن کر وہ خود کو بڑا بڑا سا محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ وہی گھڑی تھی جو عنیقہ نے وہاب کیلیے لی تھی۔ لیکن حدیقہ نے اسے بدل کر پنچ بکس وہاب کیلیے رکھ دیا تھا اور اصل گفٹ عنیقہ کے چھوٹے بھائی عبدالباری کے کمرے میں رکھ آئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ جب گفٹ وہاب کو ملے گا تو وہ سمجھے گا کہ حدیقہ نے دیا ہے اور اگر اندر سے گھڑی نکل آتی تو وہ حدیقہ کے بارے میں کیا سوچتا کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ اسے اپنی عزت بہت پیاری تھی۔ اور وہاب کے سامنے تو وہ بالکل بھی شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔۔ اب کم از کم اس کے کردار پر تو سوال نہیں آئے گا۔ سب کو پتہ تھا کہ حدیقہ شرارتیں کرتی ہے تو وہاب بھی اسے حدیقہ کی ایک شرارت سمجھ لے گا۔ اور اس کا آئیڈیا کام کر گیا تھا۔ وہاب نے اس کے بارے میں کچھ بھی برا نہیں سوچا تھا۔ اگر اس میں گھڑی نکلتی تو تب بھی وہ اس کے بارے میں کچھ برا نہیں سوچ سکتا تھا۔

\-----------------------------

رات کی تاریکی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔ درختوں میں پرندوں کی چہچہاہٹ بند ہو چکی تھی۔ ہر طرف ایک گہرا سکوت تھا۔ وہ لان میں لگی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چاند کی روشنی اس کے روشن چہرے کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھی۔

زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی اس بات پر اسے یقین تب آیا تھا جب مام ڈیڈ اس کو ہمیشہ کیلیے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جب وہ زندہ تھے تو سب کچھ کتنا ٹھیک تھا اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ لیکن ان کی ڈیتھ کے بعد اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا تھا۔ اسے اس شخص کے ساتھ رہنا پڑ رہا تھا جس نے اس کے مام ڈیڈ کو قتل کیا تھا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت اس شخص سے کرتی تھی۔ اور اس کے ساتھ لمحہ لمحہ اذیت سے گزر رہا تھا لیکن اسے قتل کرنے کیلیے حماد بھائی نے شرط رکھی تھی کہ اس کی ساری جائیداد حاصل کرنی ہوگی۔ ورنہ اب تک تو وہ اسے تڑپا تڑپا

کر موت کے حوالے کر چکی ہوتی۔ وہ حالات کے ساتھ کمپرومائز کرنے والی لڑکی تھی تبھی صبر کر رہی تھی۔ وہ آسمان پر چاند ستاروں کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں مام ڈیڈ وہاں نظر آجائیں۔

گاڑی کے ہارن کی آواز پر چوکیدار نے مین گیٹ کھولا تھا۔ اور گاڑی ڈرائیو وے پر سے گزرتی پورچ میں جا رکی تھی۔ ریان گاڑی سے باہر نکلا تو عدیل بھی انیکسی سے نکل کر اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ریان اس وقت دیا کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

"دیا اس وقت یہاں کیوں بیٹھی ہے؟" اس نے اچنبھے سے عدیل سے سوال کیا۔

"صاحب جی میں نے تو انہیں منع بھی کیا تھا کہ شام کے بعد باہر نہیں بیٹھنا چاہیے لیکن وہ مجھے خاموشی سے گھور کر ادھر ہی بیٹھیں رہیں۔ پھر میں نے بھی کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا" عدیل اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ" وہ اسے کہتا دیا کی جانب بڑھ گیا اور عدیل واپس انیکسی میں جا چکا تھا۔ وہ اس کے قریب آکر رک گیا تھا۔ عانیہ کو اس کے آنے کا پتہ نہیں چلا تھا۔ وہ دونوں پاؤں کرسی پر رکھے آسمان کو دیکھ رہی تھی اس کی لمبی سرخ فراک نیچے زمین تک آرہی تھی۔ ریان ایک لمحے کیلیے تو دم بخود سا ہو کر اس پری پیکر کو دیکھتا رہ گیا تھا جس کا چہرہ چاند کی روشنی میں دمک رہا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے ہی سر جھٹکتا اس کے سامنے کرسی پر آن بیٹھا تھا۔ عانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ ریان کو اس کی آنکھوں میں آنسو چمکتے نظر آئے تھے۔

"یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو دیا؟" اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"ویسے ہی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"رات کو درختوں کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔" ریان نے اسے نصیحت کی لیکن وہ کچھ نہیں بولی ابھی وہ چاہ کر بھی صحیح طرح سے ایکٹنگ نہیں کر پا رہی تھی۔

"کیا تمہیں کوئی پرانی یاد آتی ہے؟" اس سوال نے عانیہ کو سٹپٹا دیا تھا۔

"نہیں"

"تو پھر تم اکیلی بیٹھی اداس کیوں ہو جاتی ہو جیسے تمہیں کسی کی یاد آ رہی ہو۔میں نے کئی دفعہ تمہیں نوٹ کیا ہے۔" ریان کی نظریں اس کے چہرے کو کھوج رہیں تھیں۔

"ایسا نہیں ہے۔لیکن میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں ایک دھندھلا سا فلیش دماغ میں چمکتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر یاد کرنے کا باوجود کچھ سمجھ نہیں آتا" اس نے صفائی دی۔

"یہ دواؤں کا اثر ہے آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آ جائے گا دوا سے یاد آیا ڈاکٹر امجد سے بات ہوئی تمہاری۔پھر کیا کہا انہوں نے"

"وہ کہتے ہیں ایک مہینہ یہی دوائیں بلاناغہ کھانی ہوں گیں پھر دوا کم کر دی جائے گی لیکن ختم نہیں ہو سکتی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتہ تھا وہ یہی کہیں گے اسی لیے ان کا فون نمبر تمہیں دیا تھا کہ ڈائریکٹ بات کرو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تو دیا نے خفگی سے اسے گھورا۔

"اتنی کڑوی دوائیں دیں ہیں تم کھاؤ تو تمہیں پتہ چلے۔"

"تمہاری بہتری کیلیے ہی کر رہا ہوں دیا۔تاکہ تمہیں سب کچھ یاد آ جائے۔ابھی لی ہے دوا۔"

"لی ہے" اس نے بے پرواہی سے کہا۔

"سچ میں" ریان کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"اگر مجھ پر یقین نہیں ہے تو بتول سے پوچھ لینا۔" وہ کہتی ہوئی اٹھی اور وہاں سے اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ریان نے اس کو جاتے دیکھ کر خود کو کوسا تھا۔

---------------------------------

حدیقہ موبائل پر گیم کھیل رہی تھی جب عنیقہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اس نے ایک نظر عنیقہ کی طرف دیکھااور پھر موبائل کی طرف متوجہ ہو گئی۔حدیقہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے کھانے پر دیکھا تھاوہاب کو؟"عنیقہ کی پریشان سی آواز آئی۔

"ہمم"موبائل کی سکرین پر نظریں ابھی بھی جمی تھیں۔

"کیسابراہی ہیور تھااس کا"

"ہمم"

"یار تم میری بات کو دھیان سے سن کیوں نہیں رہی۔ادھر دو موبائل اور میری بات سنو"عنیقہ نے بگڑ کر اس سے فون کھینچنا چاہا تو حدیقہ نے اسے پیچھے کر کے بند کیا اور سائیڈ پے رکھ دیا۔

"جی فرماؤ میں ہمہ تن گوش ہوں"وہ ایسے بولی جیسے اب اس سے ضروری کوئی کام نہ ہو۔

"یار وہاب کے چہرے سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے میرا گفٹ ملا ہی نہ ہو۔"عنیقہ اداسی سے بولی۔

"وہ کیوں؟"اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"اگر میرا گفٹ انہیں ملا ہو تا تو مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر کوئی اثرات تو آتے اگر ناپسند بھی کیا ہو تا تو پتہ چل جاتا۔لیکن وہ تو ایسے اجنبی بن گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں"

"ارے دوسرے لوگ سامنے تھے نا اس لیے۔اگر تمہیں زیادہ بے چینی ہو رہی ہے تو پوچھ آؤ"

"ناممکن میں کبھی ایسی بات کرنے میں پہل نہیں کروں گی۔اسے خود سمجھنا چاہیے تم مجھے کوئی مشورہ دو۔"

"میں کیا مشورہ دوں۔میں تو بھئی اس معاملے میں بالکل اناڑی ہوں۔"

"اچھامیں ایسا کرتی ہو کوئی مزید ار سی ڈش بنا کر اسے کھلاتی ہوں پھر ہو سکتا ہے وہ مجھ پر تھوڑی سی توجہ کر لے۔"عنیقہ نے وہاب کو دیکھا تھا جب وہ حدیقہ کے ہاتھ کی بنی ڈشز کو مسکرا کر کھا رہا تھا۔اس کے زہن میں یہ خیال آیا کیوں نہ وہ بھی کوئی ڈش بنا کر وہاب کو کھلائے۔

"کر لو لیکن مجھے اس معاملے سے دور ہی رکھو۔"وہ جتنا خود کو اس معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی تھی عنیقہ اسے اتنا ہی گھسیٹ رہی تھی۔

"ارے یار تم تو ایسے ڈر رہی ہو جیسے یہ کام تم کر رہی ہو۔"

"ایکسکیوزمی میرے ابھی اتنے بڑے دن نہیں آئے کہ میں ایسے کام کروں۔"وہ برا مناتے ہوئے بولی۔

"جب تمہاری شادی ہو گی نا تو پھر میں تم سے پوچھوں گی۔شوہر کو خوش کرنے کی خاطر سارا دن کچن میں گھس کر اس کیلیے کھانے پکایا کرو گی۔لکھ لو میری بات"عنیقہ نے اسے مزید تپایا۔

"ویسے یار عنیقہ ایسی باتیں تمہارے دماغ میں گھس کیسے آتی ہیں۔کبھی شادی کے علاوہ بھی کچھ سوچا ہے کہ نہیں۔"وہ اکتا کر بولی۔

"میرے تو خیالوں میں اب صرف وہاب کا راج ہے۔"وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔حدیقہ کو اس کی ایسی بے باک باتیں ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھیں۔

"شرم کر لو کچھ۔کسی نے سن لیا تو پھر پتہ چلے گا تمہیں۔"

"پیار کیا تو ڈرنا کیا۔"وہ ابھی بھی شوخی کے موڈ میں تھی۔

"اگر ڈر نہیں لگتا تو گفٹ پر اپنا نام لکھ دیتی نا۔"

"مجھے صرف اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ وہاب میرے بارے میں کچھ برا نہ سوچے۔اور کسی بات سے ڈر نہیں لگتا۔"

"اففف یہ تو گئی کام سے۔" حدیقہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

-----------------------------

"ہیلو عانیہ کیسی ہو؟" حماد نے بے چینی سے پوچھا تھا۔ ابھی وہ ریان کے ساتھ ڈاکٹر امجد کے کلینک آئی تھی۔ ریان کمرے سے باہر بیٹھا تھا۔ اور عانیہ ڈاکٹر کے پاس موجود تھی۔ ڈاکٹر امجد نے اسے سم دی تھی اور اب وہ حماد کو فون کر رہی تھی۔

"جی ٹھیک ہوں بہت شکریہ سم کیلیے۔" سادہ سے لہجے میں بولی۔

"ارے شکریہ کی ضرورت نہیں تم یہ بتاؤ کیسی پروگریس رہی۔"

"ابھی تک تو صفر ہے امید ہے جلد نتیجہ مل جائے گا۔" وہ بظاہر سپاٹ لہجے میں بولی تھی لیکن دل دکھا تھا۔

"تمہاری یہی بات تو مجھے اچھی لگتی ہے کہ تم امید نہیں ہارتی۔ اچھا وہ جو تمہیں لاکٹ دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟"

"وہ....وہ تو مجھ سے کہیں کھو گیا۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے سوال کر کے حماد کو گڑبڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو کسی کے ہاتھ لگ گیا تو تمہارا پول کھل جائے گا"

"وہ کیسے؟" اس نے انجان بنتے ہوئے بولی۔

"اس میں آڈیو بگ ڈیوائس تھی جس سے تمہاری آواز مجھ تک پہنچتی تھی۔ میرا کوئی غلط مقصد نہیں تھا وہ لاکٹ تمہاری سیفٹی کیلیے ضروری تھا۔ اسے جلد از جلد تلاش کرو۔ اور پہن لو۔" اسے آخر کار بتانا ہی پڑا تھا۔

"جی میں کوشش کروں گی۔ اوکے بائے" اس نے کال جلدی سے کاٹ دی۔

"میں اب جاتی ہوں آپ کو یاد تو ہو گا اب آگے کیا کہنا ہے ریان سے" اس نے اٹھتے ہوئے ڈاکٹر کو یاددہانی کروائی۔

"جی جی یاد ہے آپ بے فکر ہو کر جائیں اور ریان صاحب کو اندر بلائیں"

"آپ مجھے اصل دوائیں دیتے ہیں؟" جاتے ہوئے اسے یاد آیا تو مڑ کر پوچھنے لگی۔

"جی وہ ریان صاحب خود لینے جاتے ہیں دوائیں تو انہیں شک نہ ہو اس لیے حماد صاحب نے کہا تھا اصلی دوائیں ہی دے دیں۔" ڈاکٹر کی بات سن کر گہری سانس بھرتی باہر چلی گئی۔

وہ باہر آئی تو ریان ایک کرسی پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"غازی ڈاکٹر صاحب تمہیں بلا رہے ہیں" وہ اس کے قریب آتے بولی تھی۔ ریان اندر چلا گیا۔

"کچھ نئی بات معلوم ہوئی؟"

"ہاں ایک بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ غازی اور اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ وہ اس کی ہر خواہش پوری کرتا تھا۔ لیکن ایک دن غازی کی اس کے ماں باپ سے لڑائی ہو گئی تھی اور وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ دیا نے اسے بہت روکا تھا۔ لیکن وہ نہ رکا۔ اور اس سے آگے اس کو یاد نہیں آرہا۔ شاید وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اور صدمے کی کیفیت میں چلی گئی تھی۔ تبھی اس کی یاداشت چلی گئی ہے۔ دواؤں سے اسے کچھ کچھ یاد تو آرہا ہے لیکن واضح طور پر نہیں آرہا۔" ڈاکٹر امجد نے دیا کی کنڈیشن بتائی۔

"اب میں اسے لے کر کب آؤں"

"ہفتے کے دن سہ پہر پانچ بجے" ڈاکٹر نے اسے وقت بتا دیا اور وہ ان سے ہاتھ ملاتا اٹھ کھڑا ہوا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

---------------------------------

"کیا کھاؤ گی؟" ریان نے اپنے سامنے بیٹھی دیا سے پوچھا جو خاموشی سے چہرے کو ہاتھوں میں گرائے کہنیاں میز پر ٹکائے اس کے شیشے کی سطح کو گھور رہی تھی۔ رات کا وقت تھا اس لیے ریان اسے ڈاکٹر امجد کے کلینک سے واپس آتے ہوئے ڈنر کے لیے ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا

"کیا ہوا دیا؟" عانیہ نے اس کی بات کا جواب نہ دیا تو ریان اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہمم.... کچھ نہیں۔ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا؟"

"کہہ رہا تھا کہ میں جب گھر چھوڑ کر آگیا تھا اس وجہ سے تم صدمے میں چلی گئی تھی۔ ویسے انسان کو اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے کہ ایک انسان کے جانے سے وہ صدمے میں چلا جائے" ریان نے اپنا تجزیہ پیش کیا تھا۔ عانیہ اب اسے کیا بتاتی کہ اس کا ایک نہیں بلکہ دونوں ماں باپ اسے چھوڑ کر چلے گئے ہیں لیکن اس نے خود کو اس صدمے سے باہر نکالا ہے صرف اور صرف اپنے ماں باپ کا بدلہ لینے کیلیے۔ خیر جب وقت آیا اسے ضرور بتائے گی۔ اس نے سوچا تھا۔

"ہر کوئی تمہارے جتنا پتھر دل تو نہیں ہوتا کچھ لوگوں کے دل بہت کمزور ہوتے ہیں۔"

"پتھر دل نہیں بہادر کہو مجھے" وہ مسکرا کر بولا۔ ویٹر آرڈر لکھوانے آگیا تو ریان نے اس سے پھر کھانے کیلیے پوچھا۔ عانیہ نے فرائڈ فش کا آرڈر لکھوایا تو ریان نے بھی وہی آرڈر کیا۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر نے آکر کھانا لگایا اور عانیہ خاموشی سے کھانے لگی۔ فش فرائیڈ کے ساتھ کیچ اپ اور چٹنی بھی تھی۔ اس نے کانٹے میں فش کا پیس لگا کر چٹنی کے ساتھ لگا کر منہ کے قریب کیا تو چٹنی اس کی تھوڑی پر گر گئی۔ اور اس کے ساتھ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا۔ کھاتے ہوئے وہ چیزیں خود پر گرا لیتی تھی اور مام سے ڈانٹ پڑتی تھی

"تم تو بچوں کی طرح کھاتی ہو" ریان نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو ابھی بچی ہی ہوں نا" وہ ٹشو سے ٹھوڑی صاف کرتے بولی۔

"تمہیں اپنی عمر یاد ہے" ریان نے اچانک پوچھا۔

"دس سال" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ریان ہنس پڑا۔

"تم خود کو ابھی دس سال کا سمجھتی ہو۔"

"ہاں تو تم بھی خود کو دس سال کا سمجھ لو میں نے روکا ہے کیا" وہ لقمہ منہ میں ڈال کر بولی۔

"مذاق اچھا کر لیتی ہو" وہ مسکرا کر بولا۔

(جب تم سے اصل مذاق کیا نا تو روؤ گے تم) اس نے سلگ کر سوچا۔

"ارے یار تم کہتے ہو تمہارے پاس ٹائم نہیں ہوتا اور یہاں تم ڈیٹ پہ آئے ہو۔ ناٹ فیئر یار" حدید پتہ نہیں اچانک وہاں کیسے آدھمکا تھا۔ ریان تو ایک لمحے کیلیے گڑبڑا گیا۔ عانیہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس طرح کے بے ہودہ مذاق کرنے والے کو اس نے کبھی نہیں چھوڑا تھا اور آج یہ برداشت کر رہی تھی لیکن یہی تو پلان تھا۔

"تم یہاں کیسے آئے؟" ریان نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کیا بات بدلنے کو بولا۔

"میں بھی اپنی منگیتر کے ساتھ ڈیٹ پر آیا تھا لیکن پتہ نہیں یہ لڑکیاں اتنا انتظار کیوں کرواتیں ہیں ابھی تک نہیں آئی میں تو گھر جانے والا تھا کہ تم پر نظر پڑ گئی۔ ویسے اپنی منگیتر سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے۔" اس لڑکے کی سوئی وہیں کی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"یار کیا ہو گیا جو منہ میں آتا ہے بول دیتے ہو۔ منگیتر نہیں کزن ہے میری" ریان ڈپٹ کر بولا۔ وہ دیا کو غصے میں دیکھ چکا تھا۔

"کزن ہے تو کیا ہوا منگیتر بھی بن جائے گی بس دو تین دفعہ ڈیٹ اڑانا۔ نسخہ کمال کا ہے اچھا ان کے بارے میں تو بتا دو" ریان حدید کی اس درجہ ڈھٹائی پر تلملا کر رہ گیا۔ اور عانیہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی دونوں نے بیک وقت اسے دیکھا۔

"آپ کو اتنا سینس نہیں ہے جب کوئی اپنی فیملی کے ساتھ ہو تو حال چال پوچھ کر نکلنے کی کرتے ہیں۔" وہ تیوری چڑھا کر بولی حدید کھسیا گیا۔

"یہ تو میرا بیسٹ فرینڈ ہے اسے یہ برا نہیں لگتا" وہ خفت مٹانے کو بولا۔

"غازی تم ذرا اپنے بیسٹ فرینڈ سے ڈیٹ اڑاؤ میں گھر جا رہی ہوں" اس نے ریان سے طنزیہ لہجے میں کہا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ دراصل وہ یہاں سے کسی بھی طرح غائب ہونا چاہتی تھی لیکن پوز ایسے کر رہی تھی جیسے وہ اس کے دوست کے آنے کی وجہ سے سخت غصے میں ہے۔ ریان حدید پر غصیلی نگاہ ڈال کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"منگنی ہوئی نہیں جگری یار کو بھول گیا بے وفا" ریان کو پیچھے سے قہقہے کے ساتھ طنز سننے کو ملا تھا۔ حدید اس کا بیسٹ فرینڈ تھا اور بزنس پارٹنر تھا جو کافی حد تک منہ پھٹ اور باتونی تھا۔ اب ریان نے بعد میں اس کی جو درگت بنانی تھی اس نے سوچ کر لمحہ بھر جھرجھری لی۔ لیکن اس کے پاس ریان کی ایک خبر آ گئی تھی جو صبح تک سب دوستوں میں پھیل جانی تھی۔ وہ لبوں پر شرارتی مسکان لیے اپنے ٹیبل کی جانب بڑھ گیا۔

---

ریان آفس جا چکا تھا تب وہ اٹھی تھی۔ آٹھ بجے بتول اسے ناشتہ بنا کر دیا تھا اور اب وہ ناشتے کے بعد ٹیرس پر آ گئی تھی۔ بتول گھر کی صفائی کر رہی تھی۔ اور اس کے لیے موقع اچھا تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے حدیقہ کا نمبر ڈائل کر دیا۔

حدیقہ بیک گارڈن کے ایک درخت کے نیچے بیٹھی کسی ناول میں گم تھی جب اسے موبائل کی گھنٹی سنائی دی جو اس کے پاس ہی گھاس پر پڑا تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو ان ناؤن نمبر تھا۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔ کال ابھی بھی آ رہی تھی اس نے کچھ دیر نمبر کو دیکھا اور کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو کون؟"

"عانیہ بول رہی ہوں"

"عانی تم...... تھینک گاڈ..... تمہاری آواز تو سننے کو ملی۔ کتنا مس کیا تمہیں میں نے۔ اتنی دیر سے کیوں رابطہ کیا" اس کے چہرے پر خوشی کے آثار یک دم ابھرے تھے۔

"بس کیا بتاؤں مجبوری تھی تم بتاؤ کیسی ہو؟" عانیہ ایک کہنی ریلینگ پر رکھے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"تمہارے بغیر بہت اداس تھی یار۔ تم بتاؤ کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔"؟ عانیہ کی افسردہ سی آواز آئی تھی۔

"تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے پتہ ہے تم اپنا خیال بھی نہیں رکھ رہی۔ پلیز واپس آجاؤ یار۔" حدیقہ اسے ڈانٹتے ہوئے یکدم منت پر اتر آئی یہ جانتے ہوئے بھی کہ عانیہ ایک دفعہ جو فیصلہ کرلے اس سے پیچھے نہیں ہٹتی۔

"میرا جواب کیا ہوگا یہ تم جانتی ہو" عانیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جانتی ہوں لیکن تم بھی یہ جان لو اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں بھی اپنے ساتھ کچھ برا کرلوں گی۔" وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"بہت ڈھیٹ ہوں میں کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ ڈونٹ وری۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیسے پریشان نہ ہوں۔ تمہاری جان کے دشمن تمہارے پیچھے لگے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ تم کہاں ہو تو وہ تمہیں بھی مار دیں گے۔" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ میرے پیچھے دشمن لگے ہیں؟" عانیہ چونک کر پوچھنے لگی۔

"وہ تمہاری کزن ہے نا تعبیر۔ اس نے بتایا تھا۔ کہہ رہی تھی آئندہ تم سے رابطہ بھی نہ کروں ورنہ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ سچ سچ بتاؤ عانیہ وہاں کیا چل رہا ہے۔"

"یار تم خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔ میں اس وقت حماد بھائی کے پاس ہوں اور مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ حماد بھائی بہت امیر اور پاور فل آدمی ہیں۔"

"اچھا..... لیکن تمہیں مجھ سے رابطہ تو کرنا چاہیے تھا نا میں بہت پریشان تھی۔" حدیقہ کو جب یقین آگیا کہ وہ محفوظ ہے تو عانیہ نے شکر کا سانس لیا۔

"تم چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟" عانیہ نے بات بدلنی چاہی۔

"ٹھیک ہیں سب۔" حدیقہ نے بے دلی سے جواب دیا۔

"کیا یار! میں اپنے دکھ کو بھلانے کیلیے تم سے بات کرتی ہوں اور تم پھر مجھے اسی دکھ میں دھکیل دیتی ہو۔ کچھ دیر کیلیے میں سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں۔" عانیہ اکتا کر بولی۔

"اوکے اوکے میں تمہیں ایک ایسی خبر سناتی ہوں جسے سن کر تم ہنسنے لگ جاؤ گی"

"سناؤ"

"عنیقہ ہے نا میری کزن وہ تو وہاب پر بری طرح فریفتہ ہو گئی ہے" حدیقہ نے ہنستے ہوئے اس سے کہا۔

"واقعی...... تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"یار مجھے شک تو پہلے ہی ہو گیا تھا۔ جب میں نے شک کا اظہار کیا تو مجھے ڈانٹ کر چلی گئی۔ لیکن تم تو جانتی ہو نا کہ اس طرح کی باتیں مجھ سے زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکتیں۔ میں نے اس کی ڈائری پڑھ لی تو پھر اسے بھی ماننا ہی پڑا۔ پھر اس نے وہاب کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مجھ سے مدد مانگی اور میں نے اس کی جو مدد کی تم سن کر ہنس پڑو گی یار............" اس نے مزے سے عانیہ کو ساری بات بتائی تو عانیہ کا موڈ بھی خوش گوار ہو گیا۔ اسے اپنی ہنسی مصنوعی نہیں لگ رہی تھی جو پچھلے ایک ہفتے سے اپنے چہرے پر سجا رہی تھی۔

"تم تو ہیر رانجھا کی کہانی میں کیدو کا کردار نبھا رہی ہو"

"یار دیکھو عنیقہ اتنی چالاک ہے۔ اس نے گفٹ پر اپنا نام تک نہیں لکھا تاکہ جب کسی کو پتہ چلے تو وہ اپنا دامن بچا سکے اور پھر سارا الزام مجھ پر آ جانا تھا۔ میں نے تو صرف اپنا دفاع کیا ہے۔"

"ہاں اچھا کیا لیکن عنیقہ کی منگنی تو بچپن سے ہی ہو گئی تھی نا تو اب وہاب کے لیے کیوں مری جا رہی ہے؟" عانیہ کو یہ بات بہت بری لگی تھی کہ وہ وہاب کی اٹینشن پانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اسے تو حدیقہ اور وہاب کی جوڑی پرفیکٹ لگی تھی۔

"ہاں پہلے تو وہ اس منگنی سے بہت خوش تھی۔ میں نے بھی اس سے یہی پوچھا تو کہنے لگی ہمارا تو کب سے بریک اپ ہو گیا ہے۔ لیکن اب وہ جو بھی کرے اس کی ماما کبھی نہیں مانیں گیں وہاب کیلیے۔ پھر اسے یہ دل لگانے سے سوائے دکھ اور پچھتاوے کے کچھ نہیں ملے گا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش تو کی تھی آگے اس کی مرضی"

"تم بیچ میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہے یہ تو عنیقہ اور اس کی مام کا مسلہ ہے۔"

"میں نے تو کل کی جان چھڑوالی ہے۔ آگے عنیقہ خود جانے۔ ویسے بھی جو کام میں نے نہیں کیا ہوتا تائی جان وہ بھی میرے ہی ذمے لگا دیتی ہیں کہتی ہیں عمرینہ میری بیٹی تو بہت ہی سلجھی ہوئی سنجیدہ سی لڑکی ہے یقیناً یہ کام تمہاری حدیقہ کا ہی ہے۔ کیوں کہ وہی ہر وقت شراتیں کر کر کے سارا گھر سر پر اٹھائے رکھتی ہے۔ ہونہہ۔ اچھا چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ ہر روز مجھ سے فون پر بات کرو گی۔"

"ایسا تو ممکن نہیں لیکن اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اور ہاں تم نے مجھے خود کال نہیں کرنی میں زیادہ تر اس نمبر کو بند ہی رکھوں گی تم پریشان مت ہونا"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اور ہاں یاد آیا میں بوتیک پر گئی تھی اب مجھے زیادہ سمجھ تو نہیں تھی پر مسز خان کہہ رہی تھیں کہ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔" حدیقہ نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں تم میری طرف سے انہیں شکریہ کہنا۔ اوکے۔ اچھا پھر بات کروں گی۔ خیال رکھنا اپنا خدا حافظ" عانیہ نے جلدی سے فون کاٹ دیا۔

"تم بھی خیال رکھنا" حدیقہ نے کہا لیکن کال کٹ چکی تھی۔ وہ کچھ لمحے موبائل ہاتھ میں لیے عانیہ کے بارے میں سوچتی رہی۔

-----------------------------------

ادیبہ سوکھے کپڑے صحن سے اتار کر اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب حدیقہ کی اس پر نظر پڑی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" حدیقہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"اماں نے کپڑے دھو دیے تھے اب کہا ہے کہ اتار کر سب کو استری کر دوں۔ آپ باہر کیا کر رہی تھی؟"

"بیٹھ کر ناول پڑھ رہی تھی پھر عانیہ کا فون آگیا اس سے باتیں کرنے لگ گئی۔ اتنے دنوں بعد اس کا فون آیا تھا"

"اچھا کیا حال ہیں ان کے ٹھیک ہیں وہ" ادیبہ نے مروتاً پوچھا۔

"پتا نہیں کیسی ہے وہ کہتی تو ہے ٹھیک ہے۔ جس صدمے سے وہ گزر رہی ہے وہ بہت ہی بڑا ہے۔ اندر سے وہ بالکل ٹوٹ چکی ہے۔ لیکن بہت ہی صبر والی ہے۔" وہ کمرے میں پہنچ چکی تھیں ادیبہ نے سارے کپڑے استری سٹینڈ پر رکھے۔ اور استری کا سوئچ آن کر کے ایک کپڑہ اٹھالیا۔

"آپ تو ان کے بغیر بہت اداس ہو گئیں ہیں تو پھر آپ نے انہیں جانے ہی کیوں دیا؟" ادیبہ شرٹ استری کرتے ہوئے بولی۔

"وہ تو جانا نہیں چاہتی تھی میں نے ہی زبردستی اسے بھیجا ہے اسے یہاں پر خطرہ تھا اور اس کے کزن وہ بہت طاقتور ہیں وہ یقیناً اسے ان لوگوں سے بچالیں گے۔" حدیقہ نے اسے اصل بات بتانے سے گریز کیا۔

"تو پھر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دعا کریں وہ جہاں رہیں خوش رہیں"

"یہ شرٹ عمیر بھائی کی تو نہیں" حدیقہ نے شرٹ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ وہاب بھائی کی ہے" ادیبہ نے اسے بتایا۔ تو حدیقہ کے دماغ میں ایک آئیڈیا گھوما۔ لیکن ادیبہ کو اسے یہاں سے کسی طرح بھیجنا تھا کیوں کہ ادیبہ اب کسی شرارت میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر چکی تھی۔ اب اسے یہ اکیلے ہی کرنا تھا۔

"ہے یار کتنی گرمی ہو رہی ہے نا تمہیں نہیں لگ رہی۔" حدیقہ ہاتھ ہلاتے ہوئے خود کو ہوا دینے لگی۔

"پنکھا چل تو رہا ہے اگر زیادہ گرمی لگ رہی ہے تو ٹھنڈا پانی نوش فرمائیں"

"تم ایسا کرو جا کر فریج میں سے مینگو سلیش لے آؤ۔ دو گلاس لے کر آنا اور ہاں برف ضرور ڈال کر لانا۔" ادیبہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ جا کر خود لے آؤ لیکن حدیقہ نے اسے دھکا دے کر کمرے سے باہر کیا۔ اور وہ حیران ہوتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔ حدیقہ نے استری کو فل آن کیا اور اسے وہاب کی شرٹ پر رکھ دیا۔ اب وہ ادیبہ کے دیر سے آنے اور شرٹ کے جلدی جلنے کی دعا کرنے لگی۔ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی جب آدھا منٹ گزر گیا تو باہر سے قدموں کی آہٹ آنے لگی لیکن جلنے کی بو نہیں آئی تھی۔ وہ دروازے کے قریب ہو گئی۔ ادیبہ دروازے پر نمودار ہوئی اس کے ہاتھ میں مینگو جوس سے بھرے دو گلاس تھے۔

"واہ کیا بات ہے اب ساری گرمی دور ہو جائے گی۔" وہ اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے بولی تو ادیبہ استری سٹینڈ کی جانب بڑھنے لگی۔

"ارے یار آرام سے بیٹھ کر پہلے پی تو لو پھر استری کر لینا۔" حدیقہ کے کہنے پر ادیبہ گلاس منہ سے لگاتی ایک جانب بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ حدیقہ استری کے سامنے کھڑی تھی۔ جیسے استری سٹینڈ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو۔

"یہ بو کہاں سے آ رہی ہے؟" ادیبہ سونگھتے ہوئے بولی۔

"ہاں مجھے بھی آ رہی ہے شاید جلنے کی بو ہے" اوپر اوپر سے وہ پریشانی ظاہر کرتی بولی جبکہ اندر سے وہ خوش ہو رہی تھی۔

"جلنے کی بو۔ کہیں استری تو آن نہیں تھی" اریبہ نے ایک دم گلاس میز پر رکھا اور بھاگتی ہوئی استری سٹینڈ کی طرف بڑھی۔ استری فل آن تھی اور وہاب کی شرٹ پر پڑی تھی۔ اس کے کناروں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"ہائے میں مرگئی۔" ادیبہ نے کہتے ہوئے استری اوپر اٹھائی تو شرٹ پر ایک سوراخ بن چکا تھا اور استری پر بھی شرٹ کا جلا ہوا ٹکڑا لگا تھا۔ ادیبہ تو حواس باختہ سی اس ائیر کنڈیشن شرٹ کو دیکھ رہی تھی اور حدیقہ اپنی ہنسی کو بمشکل روک رہی تھی۔

"یہ... یہ کیسے ہو گیا میں تو استری بند کر کے گئی تھی۔" ادیبہ کی شکل تو رونے والی ہو گئی تھی۔

"اتنی سی بات پر تم پریشان ہو رہی۔ حد ہے ویسے" حدیقہ لاپرواہی سے جوس پیتی بولی۔

"یہ آپ نے کیا ہے نا" ادیبہ مشکوک لہجے میں بولی۔ اسے ساری بات سمجھ میں آگئی تھی کہ حدیقہ نے اسے کیوں بھیجا تھا۔

"کیا کیا ہے میں نے؟" حدیقہ انجان بنتے بولی۔

"یہ" ادیبہ نے شرٹ پکڑ کر اس کے سامنے کی۔

"یہ... یہ تو میں نے ہی کیا ہے کیوں کوئی شک ہے؟" وہ ڈھٹائی سے بولی تو ادیبہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا مجھے بہت ڈانٹ پڑے گی۔ وہ بھی آپ کی وجہ سے ہمیشہ کی طرح۔"

"تمہیں فکر ڈانٹ پڑنے کی ہے یا شرٹ جلنے کی؟"

"ڈانٹ پڑنے کی" وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"تو پھر بے فکر ہو جاؤ"

"وہ کیسے؟"

"یہ شرٹ جلدی سے ہینگ کرو اور وہاب کے کمرے میں رکھ آؤ پھر بات تم تک نہیں آئے گی۔ مجھے ہی ڈانٹ پڑے گی۔" اس نے شرٹ ادیبہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"واقعی۔" وہ شرٹ ہینگ کر کے جانے لگی۔

"ویسے آپ نے ان کی شرٹ جلائی کیوں" ادیبہ نے دماغ میں کلبلاتا سوال پوچھا۔

"نو کویسچنز۔ جلدی جاؤ ورنہ ڈانٹ کھانے کیلیے تیار ہو جاؤ" حدیقہ نے خطرناک تیوروں سے گھورا تو وہ جلدی سے باہر کو بھاگی۔

---

"آج بڑی صفائی ہو رہی ہے۔ خیریت تو ہے؟" عانیہ نے بتول سے پوچھا جو صبح سے کبھی اس کمرے کی جھاڑ پونچھ میں لگی تھی تو کبھی اس کمرے میں۔

"وہ جی صاحب جی کی سالگرہ آ رہی ہے۔ پہلے تو وہ ایسی تقریبات نہیں مناتے تھے لیکن اس دفعہ ان کے دوستوں نے کہا ہے کہ وہ ضرور منائیں گے اور صاحب جی کی گھر میں ہی منائیں گے۔ انہوں نے فون کر کے کہا ہے کہ سارا گھر چمکا دو۔ اور خاص طور پر ہال کو کیوں کہ پارٹی یہیں ہو گی۔" بتول نے خوش ہوتے ہوئے ساری تفصیل بتائی۔

"غازی کی سالگرہ آ رہی ہے اور مجھے پتہ تک نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کب ہے برتھ ڈے۔" عانیہ نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ اس کی سالگرہ کا سن کر بہت ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

"کل سالگرہ ہے لیکن پارٹی رات نو بجے شروع ہو گی۔" بتول کہہ کر گلدان صاف کرنے لگی۔

(چلو اس کو بھی حق ہے اپنی آخری سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی۔) عانیہ نے تنفر سے سوچا۔

---

"باری یہاں آؤ"عنیقہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو آواز دی جو باہر سے کھیل کر آرہا تھا۔اس کے ہاتھ میں بیٹ تھا۔ عنیقہ کی نظر اس کی کلائی پر پڑی تھی۔ جس میں وہ گھڑی تھی جو اس نے وہاب کیلیے خریدی تھی۔ دور سے اسے شک ہی ہوا تھا اس لیے اسے پاس بلارہی تھی۔

"جی"باری بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"یہ گھڑی دکھاؤ"عنیقہ نے تیزی سے اس کی کلائی پکڑی اور گھڑی پر نظر ڈالی۔

"یہ میری ہے"باری نے اپنا بازو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔عنیقہ کو یقین ہو چکا تھا یہ وہی گھڑی ہے جو اس نے وہاب کو گفٹ کی تھی۔

"تمہیں کہاں سے ملی"عنیقہ اپنا غصہ ضبط کرتے بولی۔

"مجھے کسی نے گفٹ کی ہے"باری فخر سے بولا تو عنیقہ کا دل کیا ایک تھپڑ لگا کر دماغ درست کر دے اس کا۔اتنی مہنگی گھڑی اس کیلیے تو نہیں خریدی تھی۔

"بتانا پسند کروگے کس نے گفٹ کی ہے؟"

"یہ تو مجھے نہیں پتہ میں ٹویشن پڑھ کر گھر آیا تو یہ ڈریسنگ پر پڑی تھی۔"باری جلدی سے باہر بھاگ گیا مبادہ مانگ ہی نہ لے۔جبکہ عنیقہ لب بھینچے غصہ ضبط کرنے لگی۔

(سمجھتا کیا ہے خود کو۔اتنی مہنگی گھڑی بھی پسند نہیں آئی۔میرے دیے گئے گفٹ کی یہ اہمیت ہے کہ اسے میرے بھائی کو دے دیا۔یہ ثابت کرنے کیلیے کہ تمہیں مہنگے گفٹ بھی اٹریکٹ نہیں کرتے۔بڑے خوددار بن رہے ہو۔لیکن کب تک ایک نہ ایک دن تم میرے سامنے گھٹنے ضرور ٹیکو گے وہاب۔)وہ غصے سے کھول رہی تھی اسے حدیقہ پر بھی خواہ مخواہ ہی غصہ آرہا تھا۔وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔لیکن اضطراب کم نہیں ہو رہا تھا۔

---------------------------------

وہ رات کا کھانا کھا رہی تھی جب ریان گھر آیا تھا۔ فریش ہونے کے بعد وہ بھی ڈائننگ ٹیبل پر اس کے ساتھ ہی آ کر بیٹھ گیا اور یہ پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ پہلے وہ ابھی باہر ہی ہوتا تو وہ رات کا کھانا کھا چکی ہوتی تھی۔

"سنا ہے کل تمہاری برتھ ڈے پارٹی ہو رہی ہے" عانیہ نے اسے ایسے کہا جیسے شکوہ کر رہی ہو کہ مجھے نہیں بتایا۔ ریان خفیف سا مسکرا دیا۔

"مجھے تو لگا تھا تمہیں یاد ہو گا"

"خود ہی تو کہتے ہو کہ میری یادداشت کھو چکی ہے"

"اچھا میں تمہیں اب بتا دیتا ہوں۔ میں کل تیئس سال کا ہو جاؤں گا۔ اور کل میں برتھ ڈے پارٹی کر رہا ہوں کیا تم آؤ گی یا انویٹیشن کارڈ بھیجنا پڑے گا۔" ریان نے مسکراتے ہوئے اسے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" وہ کہہ کر کھانا کھانے لگی۔

"ویسے میں نے کبھی منائی نہیں۔ اس دفعہ دوستوں نے دباؤ ڈالا تو منانی پڑی۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں چلتا اور برتھ ڈے گزر چکی ہوتی ہے۔" وہ خود ہی بتانے لگا۔

"سب دوستوں کو بلا رہے ہو؟" عانیہ نے اس سے پوچھا۔ اسے ڈر تھا کہیں کوئی جاننے والا نکل آیا تو اس کا پول نہ کھل جائے۔

"ہاں آفس کے کولیگز ہیں۔"

(چلو اسلام آباد سے ہی سارے دوست ہوں گے پریشانی کی بات نہیں) اس نے اطمینان سے سوچا۔

"کل پانچ بجے تیار رہنا بیوٹی پالر کیلیے تمہارا اپوائنٹمنٹ لے لیا ہے۔" ریان نے اسے اطلاع دی۔ عانیہ نے پہلے اسے حیرت سے دیکھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اوکے "اس نے بظاہر سادہ سے لہجے میں کہا۔ لیکن اندر ہی اندر وہ سلگ اٹھی تھی کہ اس کے مام ڈیڈ کو قتل کر کے خود پارٹی منا رہا ہے۔

(چلو خیر منا لینے دیتے ہیں اس کی آخری خواہش سمجھ کر۔)اس نے حقارت سے ایک نظر ریان پر ڈالی۔

-------------------------

وہاب یونیورسٹی سے آتے ہی نہانے کیلیے چلا گیا۔اب وہ جاب پر نہیں جاتا تھا سو پیپرز کی وجہ سے زیادہ تر وقت پڑھائی کو ہی دیتا تھا۔ ابھی وہ نہا کر باہر نکلا تھا۔بلیو جینز پر بنیان ڈالے وہ سر کو تولیے سے خشک کر رہا تھا۔ تبھی اس کی نظر صوفے پر پڑی اپنی فیورٹ شرٹ پر پڑی جس کا ستیاناس بنا ہوا تھا۔وہ تیزی سے اس تک آیا اور شرٹ اٹھا کر ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ شرٹ کے درمیان ایک استری کے سائز کا سوراخ تھا۔وہ ایک لمحے میں ہی پہچان چکا تھا کہ یہ کس کا کام ہے۔

(یہ لڑکی کوئی موقع نہی چھوڑتی مجھے نقصان پہنچانے کا۔ چلو...مجھے نقصان پہنچا کر خوش وہ خوش ہوتی ہے تو ہو لینے دیتے ہیں۔ تھوڑا خون ہی بڑھ جائے گا۔)اس نے مسکراتے ہوئے سوچا لیکن وہ اس سے پوچھنا ضرور چاہتا تھا کہ یہ اس نے کیوں کیا۔اس کو یاد آیا ایک دفعہ یونی میں کسی نے اس پر کولڈ رنک گرا دی تھی تو اس نے صرف ایک نظر غصے سے اسے دیکھا ہی تھا کہ وہ اس سے معافی مانگنے لگا تھا۔ لیکن وہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔اور اب اسے غصہ نہیں آرہا تھا۔

(وہ تو میرا بچپنا تھا۔ کیا تھا کہ اسے میں معاف کر دیتا۔ کونسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔)اس نے خود کو تاویل دی۔

(لیکن حدیقہ نے تو یہ جان بوجھ کر کیا ہے)کوئی اندر سے بولا تھا۔ جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس کا سامنا حدیقہ سے ہو چکا تھا۔

"تمہیں دوسروں کو نقصان پہنچا کر کونسا سکون ملتا ہے" وہاب نے لہجے میں غصہ سمو کر کہا تھا۔اور حدیقہ کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کھلے عام اس سے پوچھ گچھ کرے گا۔وہ لان میں لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔جب وہاب اندر سے آتا دکھائی دیا تھا۔اس نے سوچا شاید کہیں باہر جا رہا ہو گا لیکن وہ تو سیدھا اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" وہ جان بوجھ کر اسے تپانے کیلیے بولی۔

"ہاں تمہارے علاوہ اور کوئی ہے یہاں جسے میں مخاطب کر سکوں"

"زہے نصیب تو فرمایئے کیا کہہ رہے تھے آپ" وہ مہذب انداز میں بولی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو۔میری شرٹ جلا دی اور مجھے وہ پنچنگ بکس بھی بھیجنے والی تم تھی نا۔آخر ان سب کا مقصد کیا ہے" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

(اوہ تو میرا اندازہ درست نکلا کہ وہ اس گفٹ کو مجھ سے ہی منصوب کرے گا۔چلو شکر ہے اندر سے گھڑی نہیں نکل آئی ورنہ وہ اب اس کے سامنے شرمندگی سے سر بھی نہ اٹھا سکتی۔)اس نے سوچا۔

"میں کیا چاہتی ہوں آپ اچھے طریقے سے جانتے ہیں محترم۔" وہ ابرو اچکا کر بولتی اسے بہت خوبصورت لگی تھی۔

"میں نہیں جانتا" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"میں دوبارہ بتا دیتی ہوں کہ آپ اس گھر سے تشریف لے جایئے۔"

"اوہ تو تم مجھے اس لیے تنگ کر رہی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں لیکن میں نے تمہارا بگاڑا کیا ہے"

اس کی بات پر حدیقہ نے اسے گھورا۔

"وہ والی بات.....؟میرا یقین کرو میں کسی کو نہیں بتاؤ گا۔تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے تسلی دی۔

"ڈر کون رہا ہے تم سے۔ لیکن میرا ابھی یہ وعدہ ہے بہت جلد تم بھاگو گے یہاں سے۔"

"میں تو یہاں سے کہیں نہیں جانے والا۔ تم خود کو ایسے کاموں میں خرچ نہ ہی کرو تو بہتر ہے البتہ اگر تم نے زیادہ تنگ کیا تو کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن اپنا بدلہ ضرور لے کر رہوں گا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔

(ہونہہ بدلہ لے گا مجھ سے۔ میرے ہی گھر میں مجھے ہی تڑی دکھا کر چلا گیا۔ اب اسے میں بتاؤں گی۔ چلو ایک بات تو کنفرم ہوئی کہ کسی کو میری حرکتوں کا پتہ نہیں چلے گا) وہ سوچ کر پھر سے کتاب کے مطالعے میں مشغول ہو گئی۔

---

صبح کے دس بج چکے تھے۔ گھر میں کافی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ کچھ لوگ ہال کو لائٹوں اور پھولوں کی لڑیوں سے سجا رہے تھے۔ ریان نے آج آفس سے چھٹی کی تھی۔ وہ سجانے والوں کو انسٹرکشنز دے رہا تھا۔ بتول اور عدیل بھی اس کام میں پیش پیش تھے۔ عانیہ نے انہیں مصروف دیکھا تو کمرے میں جا کر حماد کو کال ملائی۔ جو پہلی ہی گھنٹی پر کال پک کر لی گئی۔

"سنا ہے آج پارٹی ہو رہی ہے وہاں" حماد نے چھوٹتے ہی کہا۔

(اوہ تو انہیں پتہ لگ بھی چکا ہے۔) اس نے تلخی سے سوچا۔

"جی ہاں شاید آخری برتھ ڈے پارٹی"

"شاید نہیں یقیناً۔ تم نے اپنی تیاری پوری کرنی ہے۔ خوبصورت تو تم پہلے ہی ہو۔ بس ایسا تیار ہونا کہ ریان کی نظر تمہارے علاوہ کسی پر جائے ہی نہ۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات" یہی تو سب سے مشکل کام تھا عانیہ کیلیے لیکن مام ڈیڈ کیلیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

"جی" وہ بدقت کہہ پائی۔

"ایسی ادائیں دکھانا کہ دولت تو دولت وہ اپنی جان بھی تم پر وارنے کیلیے تیار ہو جائے۔"

اس لمحے عانیہ کو اپنا آپ واقعی کٹھ پتلی لگا تھا جو کسی کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ زندگی میں ایسی تذلیل اس نے کبھی نہیں سہی تھی۔ جتنی آج اس بات سے وہ سہہ رہی تھی۔ اس نے تلخی سے فون بند کر دیا تھا۔

-----------------------------------

آج وہاب پہلا پیپر دے کر یونی سے پانچ بجے گھر آ گیا تھا۔ عمرینہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں اس لیے وہ بھی وہیں آ کر بیٹھ گیا۔

"کیسا ہوا ہے پیپر؟" عمرینہ نے پیار سے پوچھا۔

"بہت اچھا ہوا ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس دفعہ بھی فرسٹ پوزیشن لو گے یا کسی اور کو آگے آنے کا موقع دو گے"

"محنت تو فرسٹ پوزیشن والی ہی کی ہے اب آگے قسمت میں جو لکھا ہوا۔" وہاب نے عاجزی سے کہا۔ ادیبہ نے ٹھنڈے جوس کا گلاس اسے پیش کیا تو اس نے اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"تمہاری وہ بلیک شرٹ کہاں ہے۔ کل ادیبہ نے سارے کپڑے پریس کر دیے تھے۔ میرے خیال میں تم آج وہ پہن کر جانے والے تھے۔" ادیبہ جو ایک طرف وہاب کا گلاس خالی ہونے کے انتظار میں کھڑی تھی۔ کانپ گئی تھی۔ کیوں کہ عمرینہ اسی شرٹ کا تذکرہ کر رہی تھی جو کل حدیقہ جلا چکی تھی۔ اندر آتی حدیقہ نے بھی یہ بات سن لی تھی اور باہر ہی رک گئی۔

"وہ کل الماری میں صرف وہی پڑی تھی تو میں نے نہا کر پہن لی۔ اور آج یہ پہن لی ویسے یہ بھی بہت اچھی شرٹ ہے" وہاب نے بمشکل بات بنائی۔ ادیبہ اور حدیقہ نے شکر کا سانس لیا۔ ادیبہ خالی جوس کا گلاس لے کر باہر نکل گئی اور حدیقہ اندر آ کر ایک صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ وہاب نے اس پر ایک جتاتی نظر ڈالی تھی کہ اگر وہ اس کا کارنامہ اس کی ماما کو بتا دیتا تو اب تک اس کی کافی عزت افزائی ہو چکی ہوتی۔ لیکن حدیقہ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی

کیوں کہ وہ جان چکی تھی کہ وہ کسی کو شکایت نہیں لگائے گا۔ٹی وی دیکھتے ہوئے اس کی نظر دروازے سے باہر پڑی جہاں عنیقہ ہاتھ میں ایک باؤل لیے کھڑی اسے اشارہ کر رہی تھی۔

"کیا ہے؟"اس نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔

"چچی جان کو باہر بھیجو۔"عنیقہ نے بھی اشارے سے کہا تو وہ سمجھ گئی۔وہ وہاب کیلیے کوئی ڈش لائی تھی۔اور اندر عمرینہ بھی بیٹھی تھی۔ان کے سامنے وہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آ...ماما کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے چولہے پر کچھ رکھ تو نہیں آئیں" حدیقہ نے تکا مارا جو صحیح لگا۔

"ہاں آلو ابالنے کیلیے رکھے تھے کہیں جل ہی نہ گیے ہوں میں ذرا چیک کر کے آتی ہوں"عمرینہ تیزی سے اٹھی اور باہر کو لپکی۔عنیقہ سائیڈ پر ہو گئی تا کہ چچی جان اسے دیکھ نہ سکیں۔وہاب حیرت سے حدیقہ کو دیکھنے لگا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ حدیقہ نے جان بوجھ کر آنٹی کو باہر بھیجا ہے۔

(اب پتہ نہیں کون سی شرارت کرنے والی ہے یہ؟)اس کے ذہن میں سوال ابھرا جس کا جواب اسے جلد ہی مل گی۔عنیقہ آ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔اس کے ہاتھ میں باؤل تھا۔وہاب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ میں آپ کیلیے کھیر بنا کر لائی تھی۔"وہ شرماتے ہوئے بولی تو وہاب کو حیرت ہوئی۔حدیقہ کیلیے یہ منظر بہت ہی دلچسپ تھا۔

"نو تھینکس میں میٹھا پسند نہیں کرتا۔"وہ کہہ کر جانے لگا۔

"نہیں کرتے تو کیا ہوا۔ایک دفعہ میرے ہاتھوں کی بنی کھیر کھا کر دیکھیں تو آئندہ یہی کھانے کو دل کرے گا۔"عنیقہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔وہاب الجھ گیا۔وہ کیسے اسے منع کرے اس نے ایک نظر پیچھے حدیقہ پر ڈالی جو

مسکراتے ہوئے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس کے پیچھے بھی یقیناً حدیقہ کا ہاتھ ہے۔

"ارے زیادہ نخرے مت کریں۔اور چیک کر کے بتائیں کیسی بنی ہے"عنیقہ نے کھیر کا باؤل اس کے سامنے کیا۔مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے باؤل پکڑ لیا۔اور پہلی چمچ منہ میں ڈالتے ہی اس کا سارا منہ میٹھے سے بھر گیا۔اتنا زیادہ میٹھا پسند نہیں تھا۔لیکن حدیقہ کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔اگر حدیقہ کو اسے یوں تنگ کر کے خوشی ملتی ہے تو وہ یہ بھی سہہ سکتا تھا۔اس نے آہستہ آہستہ سارا پیالہ ختم کر دیا۔عنیقہ پاس ہی صوفے پر بیٹھی تھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"بہت شکریہ یہ واقعی بہت مزے کا بنا ہے"اس نے اٹھتے ہوئے تعریف کی۔

"اگر آپ کہیں تو میں آپ کیلیے کل بھی بنا لاؤں گی۔"اس کی بات پر وہاب کی سیٹی گم ہوئی۔

"نہیں نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"اس نے لفظ کوئی پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔حدیقہ جان چکی تھی کہ اس نے یہ کھیر بہت مشکل سے ختم کی ہے اس لیے وہ اندر سے بہت خوش ہوئی تھی۔جبکہ عنیقہ کیلیے یہی بہت تھا کہ وہاب نے اس کی کھیر کھالی۔وہ ابھی اس خوشی کا اظہار کرنے ہی والی تھی کہ چچی جان آ پہنچی اور وہ منہ بناتے ہوئے باؤل اٹھا کر چلی گئی۔

"عنیقہ کچھ کھانے کو لائی تھی کیا؟"عمرینہ نے حدیقہ سے پوچھا۔

"جی میرے لیے کھیر لائی تھی"اس دانستہ جھوٹ بولا۔

"خیر تو ہے آجکل تم دونوں کی بہت بن رہی ہے"ماما نے اس کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ خود ہی تو کہتی ہیں لڑا نہ کرو۔"وہ کہہ کر رکی نہیں تھی کہیں مزید سوالوں کے جواب نہ دینا پڑ جائیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

پارٹی کیلیے ہال سجایا جاچکا تھا۔وہاں سے کاؤچز ہٹا دیے گئے تھے۔اور ایک سائیڈ پر بوفے ٹیبلز لگا دیے گئے تھے۔جگہ جگہ لائٹس اور پھولوں کی لڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔کچھ مہمان آچکے تھے اور کچھ مہمانوں کے آنے کا تانتا ابھی بھی بندھا تھا۔ریان اور اس کی سیکرٹری دروازے پر سب کو رسیو کر رہے تھے۔ویٹرز مختلف قسم کے جوسز کے گلاس ٹرے میں لیے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔تبھی ریان کی گاڑی پورچ میں آکر رکی تھی جسے اس کا ڈرائیور عدیل چلا رہا تھا۔اس کی ذمہ داری دیا کو بیوٹی پالر لے کر جانے اور لانے کی تھی۔دروازہ کھلا اور عانیہ باہر نکلی تھی۔ریان کسی مہمان سے بات کر رہا تھا کہ اس کی نظر دور سے ہی دیا پر پڑ چکی تھی اور پھر ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔وہ بلیک کلر کی سلیولیس میکسی فراک میں ملبوس تھی جس کے ٹاپ پر خوبصورت نگینوں سے کام کیا گیا تھا۔گلے میں ڈائمنڈ جیولری چمک رہی تھی۔لمبے کمر تک آتے ڈارک براؤن ویوی کھلے ہوئے بال اس کے حسن کو اور نکھار رہے تھے۔وہ سنبھل کر فراک کے کونوں کو ہاتھوں سے پکڑے قریب آرہی تھی۔ریان کو وہ اس دنیا کی لگی ہی نہیں تھی۔وہ بے اختیار سا اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اس کے سامنے آکر مسکرائی تھی۔اور ریان کو وہ اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔جب سے دیا اس کی زندگی میں آئی تھی دل و دماغ کے درمیان ایک جنگ سی چل رہی تھی۔دل اسے کہتا تھا کہ وہ واقعی دیا کو چاہنے لگا ہے لیکن دماغ مختلف تاویلیں پیش کر کے دل کی بات کو رد کر دیتا تھا لیکن آج اس کا دل جیت گیا تھا۔اس کے دماغ نے ہار مان لی تھی۔وہ چپ چاپ اسے مبہوت سا دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں کی چمک دیا کے حسن کی تعریف کر رہی تھیں۔اس کے لب مسکرا رہے تھے۔اگر وہ عانیہ کا دشمن نہ ہوتا تو اس کے دل میں بھی ہل چل مچ جاتی۔لیکن اس وقت اس کے دل میں ریان کے لیے صرف اور صرف نفرت تھی۔اسے ریان کی نظروں سے کوفت ہو رہی تھی لیکن ابھی وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔تبھی اس کی نظر تعبیر پر پڑی جو ریان کے ساتھ آکر کھڑی ہوگئی اور اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی۔عانیہ ورطہ حیرت میں پڑ چکی تھی۔وہ ساکت سی کھڑی تعبیر کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" اس نے ریان سے پوچھا تو وہ ہوش میں آیا تھا۔

"یہ میری کزن ہے دیا اور دیا یہ میری سیکرٹری تعبیر ہے۔" ریان نے ان کا تعارف کروایا۔

"نائس ٹو میٹ یو" تعبیر نے ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ عانیہ نے بھی اس کا ہاتھ تھام لیا وہ ریان کے سامنے کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے اندر جیسے جھکڑ چل گئے تھے۔ وہ جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اور اندر کی جانب چل پڑی۔ ریان ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے سر آپ کو ان کے ساتھ جانا چاہیے۔ میں یہاں سنبھال لوں گی۔" تعبیر نے گلا کھنکار کر کہا تو ریان جھینپ گیا۔ اور جلدی سے عانیہ کے پاس پہنچا۔

"چلو میں سب سے تمہارا تعارف کروا دوں" ریان نے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟"

"نہیں... ہاں ٹھیک ہوں میں۔" وہ بدقت مسکرائی تھی۔ ریان اسے ایک گروپ کی جانب لے گیا۔ وہ گروپ اس کے کولیگز کا تھا جن میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں کھڑی جوس پی رہے تھے۔

"یہ دیا ہے میری کزن" ریان نے سب کو بتایا۔ سب کی نظریں اس پر لگیں تھیں۔ وہ بہت آکورڈ فیل کر رہی تھی۔

"ہائے تمہاری کزن تو بہت ہی پیاری ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہیں بھگا کر تو نہیں لے آئے؟" ایک لڑکی نے کہا تو وہ سلگ اٹھی۔ اس گروپ میں ریان کا بیسٹ فرینڈ حدید بھی تھا جو انہیں ریسٹورینٹ میں ملا تھا۔ اس نے تو سب دوستوں میں اس بات کو مرچ مسالہ لگا کر بتا دیا تھا۔ اور اب کسی سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا یہ صرف اس کی کزن نہیں ہے۔ معاملہ اس سے اوپر کا ہے"

"ہاں اس کی آنکھوں میں بہت محبت ہے اس لڑکی کیلیے۔"ہمنہ نے بھی تائید کی۔وہ ابھی سب سے تعارف کروا رہا تھا کہ ویٹر جوس کے گلاسز ٹرے میں لیے ان کے پاس آیا۔ریان نے ایک اسے اٹھا کر دیا اور دوسرا خود لے لیا۔تعبیر بھی وہیں آکر کھڑی ہوگئی تھی۔عانیہ جان بوجھ کر لڑ کھڑائی اور سارا جوس تعبیر کے کپڑوں پر گرا دیا۔

"اوہ سوسوری"عانیہ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ریان نے اسے سہارا دیا۔تعبیر حیرت سے عانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ میرے ساتھ چلیں۔کپڑے صاف کرلیں واش روم میں جا کر"عانیہ نے کہا تو تعبیر سمجھ گئی وہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔

"تم رہنے دو بتول سے کہہ دیتا ہوں اسے واشروم کا راستہ بتا دے"ریان نے کہا۔

"بتول یہاں نہیں ہے میں ہی لے جاتی ہو۔میرا کمرہ بھی نزدیک ہے"عانیہ نے جلدی سے کہا اور تعبیر کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ایک جانب چل پڑی۔ناچار تعبیر بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔کمرے میں آکر عانیہ نے باہر دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

"واؤ تمہاری ایکٹنگ تو کمال کی ہے عانیہ۔کیسے ریان کا دل اپنی مٹھی میں کرلیا ہے تم نے"تعبیر تحسین آمیز لہجے میں بولی جو اسے تازیانے کی طرح محسوس ہوئی۔

"یہ کیا ہے تعبیر؟"عانیہ غصہ ضبط کرتے بولی۔

"کیا؟"تعبیر حیران ہوتے بولی۔

"تم ریان کی سیکرٹری پہلے سے تھی یا اب بنی ہو۔"

"آف کورس پہلے سے تھی لیکن تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟" اس نے جھوٹ بولا۔ وہ صرف دو ہفتے پہلے ہی ریان کے آفس میں جاب کیلیے گئی تھی۔ ریان کا دوست حدید ہی انٹرویو زلیتا تھا اور اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے سلیکٹ کر لیا گیا تھا۔

"وہ تم لوگوں کا دشمن ہے اور تم اس کی پرسنل سیکرٹری ہو" وہ حیرانی سے بولی۔

"ہاں جیسے تم اس کی کزن بن گئی ہو ویسے ہی میں اس کی سیکرٹری بن گئی ہوں۔ لیکن میں اس کی جانی دشمن نہیں ہوں مجھے صرف اس کی جائیداد چاہیے۔" تعبیر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تم تو حماد بھائی سے انگیجڈ ہو نا"

"ہاں تو"

"تو کوئی اپنی عزت کو کسی کی جھولی میں کیسے ڈال سکتا ہے صرف دولت کیلیے۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"یہ تمہارا مسلہ نہیں ہے عانیہ" تعبیر کو اس کا رویہ سخت برا لگا تھا۔

"تو پھر مجھ سے کیوں کروایا سب کچھ۔ میں نے لمحہ لمحہ اذیت کاٹی خود پر جبر کر کے یہاں رہی۔ جانتی ہو کتنا مشکل ہوتا ہے ماں باپ کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھنا۔ کتنا مشکل تھا خود کو روکے رکھنا اس کے قتل سے۔ وہ بھی صرف اور صرف آپ لوگوں کی وجہ سے" وہ غصے سے چلائی تھی۔ اور تعبیر اس کے رویے پر حیران رہ گئی تھی۔

"تو تمہاری منت نہیں کی تھی کسی نے تم نے خود ہامی بھری تھی یہ سب کرنے کیلیے۔"

"ہاں پر آپ لوگوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ اسے قتل کرنے سے پہلے اس کی جائیداد ہتھیانی ہے اور وہ بھی اس گھٹیا طریقے سے۔ اگر تم بھی یہی کر رہی تھی تو مجھے بیچ میں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ شدید طیش کے عالم میں تھی اس کا دل کر رہا تھا سب کچھ تہس نہس کر دے۔

"دیکھو ہمارا یہ مطلب نہیں تھا...." تعبیر کو گڑبڑ محسوس ہوئی تو فوراً ملتجی لہجے میں بولی۔

"تو پھر کیا مقصد ہے اس سب کا۔"

"تم میری بات تو سنو۔ میں ایک سال سے اس کی سیکرٹری ہوں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کے دل میں جگہ بنا سکوں لیکن میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ریان عباس خان کا دل ایک ایسا نا قابل تسخیر قلعہ ہے جسے فتح کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ لیکن تم نے یہ کر دکھایا۔ اگر میں ایسا کر سکتی تو تمہیں کہتے ہی کیوں؟" تعبیر نے بات سنبھالنی چاہی۔

"تو دولت آپ لوگوں کیلیے اتنی ضروری ہے کہ دوسروں کے جذبات کی ذرا پرواہ نہیں" عانیہ نے دھیمے لہجے میں اس پر طنز کیا تھا۔

"دولت نہیں انا ہے یہ۔ یہ ساری دولت جس پر ریان آج قبضہ جما کر بیٹھا ہے یہ ہماری دولت کا دسواں حصہ بھی نہیں نہ ہمیں اتنی دولت سے کوئی فرق پڑنے والا ہے۔ ریان نے سب کے سامنے حماد کو چیلنج کیا تھا کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ اپنی دولت واپس حاصل کر سکے۔ اس لیے ہمیں ہر حال میں اس کی دولت چاہیے۔ اور تم اب کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتی۔ اس کے قتل کے بعد ہم نے ہی تمہیں پناہ دینی ہے۔ کوئی کیس نہیں بنے گا تم پر سو اپنے کام پر دھیان دو۔" تعبیر اسے بہت کچھ باور کراتی دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

"یا اللہ اتنے خود غرض اور بے حس لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنوں کے ساتھ ہی یہ سلوک کرتے ہیں" وہ بے یقین سی کھڑی تھی۔ لیکن اب پیچھے مڑنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے خود کو کمپوز کیا اور پارٹی ہال کی جانب چل پڑی۔

---

"اب کیا ہوا ہے؟ منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے؟" حدیقہ نے عنیقہ سے پوچھا جو لان میں بیٹھی کسی دکھی آتما جیسی لگ رہی تھی۔

"وہ بہت ہی روڈ ہے حدیقہ" اس کی غمزدہ آواز ابھری۔

"اب کیا کیا ہے اس نے؟"

"سارا پیالہ کھا کر بھی اجنبی کا اجنبی ہی رہا۔ اتنی گرمی میں میں نے کھیر بنائی تھی۔ لیکن فائدہ کیا۔ ابھی کھانے کی میز پر ایسے پوز کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بندہ تھوڑا سمائل ہی پاس کر دیتا ہے۔" وہ منہ پھلائے بول رہی تھی اور حدیقہ اپنی ہنسی چھپانے کیلیے منہ پھیر گئی تھی۔ لیکن عنیقہ اس کی ہنسی دیکھ چکی تھی۔

"ہنس لو جب تم پر یہ وقت آیا تو پوچھوں گی تم سے"

"اللہ نہ کرے کہ مجھ پر ایسا وقت آئے۔ میں تمہاری طرح محبت کا روگ نہیں پالوں گی۔"

"مجھے کونسا شوق ہے روگ پالنے کا۔ میں تو بس کوشش کر رہی ہوں کے کسی طرح میرے جذبات اس تک پہنچ جائیں"

"تو زبان کس لیے ہے جاؤ اور سب کہہ دو۔" حدیقہ نے مشورہ دیا۔

"یہی تو نہیں کر سکتی۔ انا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔" عنیقہ نے اسے جھاڑ پلائی۔

"اے یار کچھ ایسا ویسا نہ کر دینا" حدیقہ اس کے ارادے بھانپتے ہوئے بولی۔

"ڈونٹ وری۔ تم بس دیکھتی جاؤ میرے دماغ کا کمال" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ حدیقہ نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔ عنیقہ نے اس کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالی اور اٹھ کر کمرے سے چلی گئی۔

"پتہ نہیں اب کیا کرے گی یہ لڑکی۔ اور اوپر سے کچھ بتا بھی نہیں رہی۔" وہ پریشان سی سوچنے لگی۔

-------------------------------------

وہ ہال میں پہنچی تو اس کیلیے ایک اور مصیبت منہ کھولے کھڑی تھی۔ اسے ایک لڑکے کی شکل جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے یاد آگیا کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کا پاؤں اس نے توڑا تھا جب وہ اور حدیقہ رات کو پارک سے واپس آرہے تھے تو اس لڑکے نے ان کا راستہ روکا تھا۔ لڑکے کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی اور وہ بھی اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

(یہ کیا؟...یہ لڑکا تو کراچی میں تھا یہاں کیسے آگیا۔اگر اس نے مجھے پہچان کر ریان کے سامنے بھانڈا پھوڑ دیا تو....۔نہیں مجھے اسے روکنا ہو گا۔کیسے کروں کیا کروں کہ یہ خود ہی مجھے پہچاننے سے انکاری ہو جائے"عانیہ نے سوچوں کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔اس نے ادھر ادھر دیکھا ریان اسے کہیں نظر نہ آیا۔وہ اس لڑکے کے گروپ کی جانب بڑھ گئی۔وہ اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا شاید وہ بھی اسے پہچان چکا تھا۔

"ہائے برو واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز......تم یہاں۔کیسے؟"اس نے سب کے سامنے ایسے ظاہر کیا جیسے ان کی بہت جان پہچان ہو۔اور حمزہ کی تو جان پر بن آئی اسے لگا ابھی وہ سب دوستوں کے سامنے بتا دے گی کہ اس نے رات کو آوارہ گردی کرتے ہوئے اس لڑکی سے مار کھائی تھی۔کیا عزت رہ جائے گی اس کی۔

"ایکسکیوز می۔"وہ سب سے کہتا اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ایک جانب چل پڑا۔تھوڑی دیر بعد وہ ایک لابی میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"ارے برو ایسی بھی کیا بیگانگی شاید بھول چکے ہو مجھے کوئی بات نہیں میں یاد کروا دیتی ہوں"اس سے پہلے کے وہ مزید گوہر افشانی کرتی وہ بول اٹھا۔

"شٹ اپ۔میں تمہیں نہیں جانتا۔"عانیہ نے شکر کا سانس لیا۔

"اگر جانتے نہیں تھے تو سب کے سامنے سے مجھے یہاں کیوں لے کر آئے۔اب تو سب کو پتہ چل چکا ہو گا کہ تم مجھے جانتے ہو"

"کیا چاہتی ہو تم؟"وہ زچ ہو چکا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے برو"اس نے اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کیا۔

"حمزہ"ناچاہتے ہوئے بھی اس نے اسے بتایا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟"اگلا سوال

"ریان کی برتھڈے پر آیا ہوں۔"

"لیکن میں نے تمہیں کراچی میں دیکھا تھا۔"

"میں وہاں اپنے رشتے داروں کے گھر رہنے گیا تھا۔ اور میرا یقین کرو اس دن میں پہلی دفعہ رات کو باہر نکلا تھا۔ اور کسی لڑکی کو چھیڑا تھا بد قسمتی سے پہلی ہی ایسی ٹکرائی کہ پھر توبہ کر لی تھی۔" وہ شرمندگی سے کہتا عانیہ کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"تو وہ جو تم بڑی بڑی بڑھکیں مار رہے تھے وہ کیا تھا"

"وہ تو میں نے ایک فلم می ڈائیلاگ سنے تھے۔ دیکھو مجھے معافی دو اور کسی کے سامنے یہ بات ظاہر نہ کرنا کہ میں تمہیں جانتا ہوں" وہ ملتجی ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں سب کے سامنے ایسے ہی ظاہر کروں گی کہ میں تمہیں جانتی تک نہیں اوکے" عانیہ نے کہا تو وہ خوش ہو گیا۔ وہ اسے اس دن والے لڑکے سے بہت مختلف لگا تھا۔

"تو اب میں جاؤں" وہ ڈرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں جاؤ" وہ سنتے ہی مڑا۔

"سنو" وہ ٹھہر گیا۔

"تمہارا پاؤں کیسا ہے اب؟" عانیہ نے اس کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے" وہ شرمندہ سا بولا۔

"سوری میری وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی" عانیہ اس سے معافی مانگتی اسے حیران کر گئی۔ وہ تو اسے سخت قسم کی ہٹلر لگی تھی جس نے اس کے بازو اور پاؤں میں درد کر دیا تھا۔

"اٹس اوکے" وہ کہتے ہوئے چلا گیا۔ عانیہ اس کو پیچھے سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کون تھا" پیچھے سے تعبیر کی آواز آئی وہ کرنٹ کھا کر پلٹی لیکن تعبیر کو دیکھ کر سینے میں اٹکی سانس خارج کی۔

"نن آف یور بزنس" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ تعبیر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

-------------------------------

پارٹی اپنے عروج پر تھی۔ڈی جے نے اونچی آواز میں گانے لگائے ہوئے تھے۔اس پارٹی میں کوئی پچاس کے قریب لوگ شامل تھے جو مختلف ٹولیوں کی شکل میں کھڑے گپیں لگا رہے تھے۔ریان بھی ایک جگہ کھڑا لوگوں سے بات چیت کر رہا تھا۔کچھ دیر سے اسے دیا دکھائی نہیں دی تھی اس لیے اس کی نظر ادھر ادھر بھٹک رہی تھی۔

"سر گیارہ ہو چکے ہیں بارہ بجے کیک کٹے گا تو کیوں نا تھوڑا ہلہ گلہ ہو جائے" تعبیر نے ریان سے مسکرا کر کہا۔ریان نے اسے نا سمجھی سے دیکھا۔

"ہے گائز کیا خیال ہے تھوڑی موج مستی ہو جائے" تعبیر نے اونچی آواز میں سب کو مخاطب کر کے کہا۔کچھ منچلوں نے سیٹیاں بجا کر تائید کی۔اور سب نے تالیاں بجائیں۔

"تو پھر کپل ڈانس کے لیے سب سے پہلے کون آئے گا۔" تعبیر نے سب لوگوں پر ایک نگاہ دوڑائی۔

"بھئی سب سے پہلے تو ریان ہی باہر نکلے۔"ایک لڑکے کی آواز آئی جو اندر آتی عانیہ نے سنی تھی۔اسی لمحے ریان کی نظر اس پر اٹھی تھی۔پہلے بھی بہت سی پارٹیز میں اسے ڈانس کرنے پر اس کے دوستوں نے بہت دباؤ ڈالا تھا لیکن اس نے کبھی ان کی نہیں مانی۔لیکن آج اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ دیا کہ ساتھ ڈانس کرے۔

"چھوڑو یار ریان اور ڈانس۔اس نے پہلے کبھی کیا ہے جو اب کرے گا۔" حدید نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہاں کیوں کہ اس وقت سر کو کوئی ایسی لڑکی ہی نہیں ملی تھی" تعبیر ہر قیمت پر یہ چاہتی تھی کہ ریان عانیہ کے ساتھ ڈانس کرے۔

"تو کیا اب ایسی لڑکی مل گئی ہے" کسی نے کہا۔

"لگتا تو ہے" حدید نے شرارت سے کہا۔ ریان نے دیا کی طرف دیکھا جس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا وہ اس وقت ضبط کی انتہا پر تھی۔ ریان کے دیکھنے پر اس نے نگاہیں چرا لی تھیں۔ ریان سمجھ گیا کہ وہ ایسا نہیں چاہتی۔

"یار تم لوگ ڈانس کرو مجھے ایسے کاموں سے دور ہی رکھو۔" ریان نے اپنی جان چھڑائی اور عانیہ نے بھی سکون کا سانس لیا۔ تعبیر نے اسے غصے سے گھورا لیکن وہ نظریں پھیر گئی۔ تھوڑی دیر بعد حدید اپنی منگیتر ہمنہ کے ساتھ ڈانس فلور پر آ چکا تھا۔ ڈی جے نے گانا سٹارٹ کیا تو ان دونوں کا کپل ڈانس شروع ہو گیا۔ اس وقت سارے ہال میں اندھیرا تھا سوائے ڈانس فلور کے۔ تعبیر موقع پا کر عانیہ کے نزدیک جا کر کھڑی ہو گئی۔

"اتنا اچھا موقع گنوا دیا تم نے" تعبیر نے عانیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں کسی کی مرضی سے کام نہیں کرتی یہ میرا مسلہ ہے۔ تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔" عانیہ نروٹھے پن سے بولی۔ تعبیر نے خود کو بمشکل کوئی سخت بات کہنے سے باز رکھا۔

بارہ بجے تک دو تین جوڑیوں نے ڈانس کر لیا تھا۔ اب کیک کٹنے کی باری تھی۔ ریان کے دائیں جانب حدید اور اس کی منگیتر موجود تھے۔ جبکہ بائیں جانب اویس کھڑا تھا اور اس کے ساتھ عانیہ کھڑی تھی۔ گھڑی کی سوئی نے بارہ کے ہندسے کو چھوا تو تالیوں کی گونج میں ریان نے کیک کاٹا۔ اور ایک ٹکڑا اٹھا کر اویس کے منہ کی طرف لے گیا لیکن اویس تیزی پیچھے ہٹا اور عانیہ کو پکڑ کر آگے کر دیا۔ عانیہ کو تو سمجھ ہی نہ آئی تھی کہ یہ اچانک کونسی افتاد ٹوٹ پڑی ہے۔ جب سمجھ آئی تو ریان نے اس کے لبوں کے سامنے کیک کا ٹکڑا کیا ہوا تھا۔ ریان کو خود کوئی سمجھ نہیں آئی تھی۔ غائب دماغی سے ہی عانیہ نے منہ کھولا اور ریان نے کیک اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس دفعہ

سیٹیوں اور تالیوں کی آواز پہلے سے کئی زیادہ تھی۔ حدید نے اویس کو شاباشی کا اشارہ دیا۔ ریان بھی خجل سا ہو کر رہ گیا۔ اگر یہاں عانیہ کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو خوشی سے پھولے نہ سماتی۔ کیک کاٹنے کے بعد خشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ عانیہ کھانا کھائے بغیر ہی روم میں آ گئی۔ اسے سخت نیند آئی ہوئی تھی۔ سو جلدی سے کپڑے بدل کر سونے کیلیے لیٹ گئی۔

-------------------------

وہاب پیپر کی تیاری کر رہا تھا۔ آس پاس کتابیں اور نوٹس بکھرے پڑے تھے۔ پاس رکھے اس کے موبائل پر میسج کی گھنٹی بجی لیکن ابھی اس کا کچھ کام رہ گیا تھا سو دھیان نہ دیا۔ ایک منٹ بعد پھر میسج کی ٹون بجی تو وہاب نے حیران ہوتے ہوئے موبائل اٹھایا اور انبکس کا چیک کیا۔ کوئی ان ناؤن نمبر تھا۔ اس نے پہلا میسج کھولا تو وہ حیران رہ گیا۔

"مقدر میں لکھی کوئی بات ہو تم

تقدیر کی اک خوبصورت سوغات ہو تم

کر کے پیار تم سے محسوس یہ ہوا

جیسے صدیوں سے یونہی میرے ساتھ ہو تم۔"

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے یہ میسج کون کر سکتا ہے۔ عموماً ایسے میسجز لڑکیوں کو موصول ہوتے ہیں لیکن وہ تو لڑکا تھا۔ اسے کس نے ایسا میسج کرنا تھا۔ یونی میں کئی لڑکیاں اس کے گے پیچھے پھرتی تھیں لیکن کسی کے پاس اس کا نمبر نہیں تھا تو پھر یہ کون تھی؟

(یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے۔ شائد کسی لڑکے نے مجھے لڑکی سمجھ کر ٹرائے کیا ہو۔ لیکن پھر دوسرا میسج بھی آیا ہے۔ کون ہے یہ؟) وہ پریشانی سے سوچ رہا تھا۔

(کہیں حدیقہ تو نہیں!... نہیں وہ ایسی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے تنگ کرنے کیلیے ایسا کر رہی ہو۔ مجھے یقین ہے یہ حدیقہ نہیں۔ میں اسے خود سے بھی زیادہ جانتا ہوں) اس کے دل نے حدیقہ کے کردار کی گواہی دی تھی۔ ویسے اگر یہ حدیقہ ہوتی تو وہ خوشی سے پاگل ہی ہو جاتا۔ اس نے اگلا میسیج دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا

"غلط سنا تھا محبت آنکھوں سے ہوتی ہے

دل تو وہ بھی لے جاتے ہیں جو پلکیں تک نہیں اٹھاتے"

وہاب کیلیے یہ ایک انٹرٹینمنٹ سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اس نے موبائل رکھ کر کام پر توجہ دینا بہتر سمجھا۔ لیکن دو دو منٹ کے وقفے سے لگاتار میسج آتے رہے۔ اگر وہ ان کو دیکھنا شروع کر دیتا تو ہو گئی تھی اس کی تیاری۔

-------------------------------

طلوع ہوتے سورج کی کرنیں کھڑکی سے گزر کر اس تک پہنچیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ رات کو دیر تک جاگنے سے اس کی آنکھ فجر کے وقت نہ کھل سکی۔ اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ گردن میں بھی درد تھا۔ وہ سست روی سے بستر پر سے اتری اور فریش ہونے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لاؤنچ میں موجود تھی۔

"دیا بی بی آپ آج بہت دیر سے جاگیں ہیں" بتول نے اسے کہا۔

"ہاں رات کو پارٹی کی وجہ دیر سے سوئی تھی۔ اس لیے" عانیہ کنپٹی مسلتے ہوئے بولی۔

"بی بی جی آپ کے سر میں درد تو نہیں" بتول نے اسے کنپٹی مسلتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"نہیں غازی چلا گیا ہے کیا؟" عانیہ نے بات بدلی۔

"جی ابھی گئے ہیں۔ میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں" بتول نے جاتے ہوئے کہا۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر چیک کیا تو حماد بھائی کی پانچ مس کالز آ چکی تھی۔ اس نے سائلینٹ پر لگایا ہوا تھا اس لیے اسے آواز نہیں آئی تھی۔

"میں دس منٹ بعد آپ کو کال کرتی ہوں" اس نے حماد بھائی کو میسج کیا۔ اور فون بند کر دیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ بتول کو بتا کر اوپر ٹیرس پر آ گئی تھی۔ اور حماد بھائی کو فون کیا جو پہلی ہی بیل پر اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو عانیہ کیسی ہو؟" حماد نے اس سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہو آپ سنائیں" عانیہ نے عام سے لہجے میں کہا جیسے کل کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کی یہی خوبی تھی کہ بات جتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو اگلے بندے کو اس کے ایکسپریشنز کا پتہ بہت مشکل سے لگتا تھا۔ وہ خود کو بہت جلد کمپوز کر لیتی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن یہ میں کیا سن رہا ہوں تعبیر سے" حماد نے تمہید باندھی۔

"کیا سن رہے ہیں" عانیہ نے اطمینان سے پوچھا۔

"دیکھو عانیہ تم ہمیں غلط مت سمجھنا۔ یہ سب تمہاری مرضی سے ہی طے پایا تھا۔ ہمیں دولت کا اتنا مسلہ نہیں ہے۔ اسے قتل کرنے کا پلان ہی کچھ ایسا ہے کہ تمہیں اس کے پاس رہنا ہے۔ لیکن اگر تمہیں اب کوئی مسلہ ہے تو نو ٹینشن تم واپس آ جاؤ" حماد نے مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی مسلہ نہیں ہے۔ مجھے بس تھوڑی سی مس انڈرسٹینڈنگ ہو گئی تھی وہی تعبیر سے کنفرم کی تھی۔ آپ بے فکر رہیں میں کبھی ادھورا کام نہیں کرتی۔" عانیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اندر سے وہ بہت بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ لیکن اس نے حماد کو یہ تاثر دیا کہ بس چھوٹی سی غلط فہمی ہوئی تھی۔

"گڈ گرل مجھے تم سے یہی امید تھی۔ یہ تعبیر بھی نا بس چھوٹی سی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی عادت ہے اسے۔ کہہ رہی تھی تم کسی لڑکے سے چھپ کر بات کر رہی تھی" عانیہ کو سمجھ آ گئی کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے

"کراچی میں اسے میں نے دیکھا تھا۔ اور کچھ بات چیت بھی ہوئی تھی۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ اس لیے اسے سائیڈ پہ کر کے پوچھ گچھ کی تھی۔ اگر وہ ریان کے سامنے کچھ کہہ دیتا تو سارا منصوبہ فیل ہو جاتا۔ اسی لیے اسے سمجھایا تھا کہ کسی کے سامنے مجھ سے بات نہ کرنا" اسے نا چاہتے ہوئے بھی ساری تفصیل بتانی پڑی۔

"اچھا مجھے تو پریشانی لگ گئی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اسی لیے تو تمہارے لاکٹ میں وہ آڈیو ڈیوائس ڈالی تھی تاکہ بروقت ہمیں اطلاع مل جائے کرے۔ ابھی تک ملا نہیں وہ تمہیں"

"میں نے کوشش کی تھی ڈھونڈنے کی لیکن نہیں ملا"

"چلو پھر اس دفعہ کلینک کا چکر لگاؤ تو تمہیں دوسری ڈیوائس دے دوں گا۔"

"نہیں اس کی اب ضرورت نہیں کام اینڈ پر پہنچنے ہی والا ہے"

"اچھا لیکن دھیان رکھنا یہ نہ ہو جلد بازی میں سارا کام الٹ ہو جائے" "ڈونٹ وری میں سنبھال لوں گی چلیں میں رکھتی ہوں اب۔"

"اوکے گڈ بائے۔ ٹیک کیئر۔" حماد نے کہا تو اس نے فون بند کر دیا۔ اور ریلنگ پر کہنیاں ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ حماد کے فون کرنے کا مقصد اچھی طرح سمجھ گئی تھی اور اس نے اپنے طور اسے مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن اپنے دماغ میں اٹھتے سوالوں کا اطمینان بخش جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس کے سر کا درد لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا۔ اس لیے اس نے سوچوں کو جھٹکا اور نیچے چلی گئی

---------------------------------

وہ ایک مستطیل نما کمرہ تھا جسے لائبریری کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ سامنے اور پیچھے والی دیواریں لمبی تھیں جبکہ دائیں بائیں والی دیواریں چھوٹی تھیں۔ سامنے والی دیوار میں دائیں طرف دروازہ تھا۔ جسے کھول کر اندر بڑھو تو

بائیں دیوار کے ساتھ کتابوں کے ریک لگے تھے۔ اور کچھ فاصلے چھوڑ کر درمیان میں ایک کتابوں کا ریک تھا۔ اور ان دونوں ریکس کے درمیان ایک لمبا میز تھا جس کے ارد گرد دس کرسیاں پڑیں تھیں۔ درمیان والے ریک کو پچھلی دیوار سے تھوڑے فاصلے پر رکھا گیا تھا۔ تا کہ اندر جانے کا راستہ رہے۔ یہ اس مستطیل کمرے کا دائیں والا حصہ تھا جبکہ دوسرے حصے میں بائیں دیوار کے ساتھ دو کمپیوٹر پڑے تھے۔ جن کا اپنا اپنا الگ سوئچ بورڈ تھا لیکن ان دونوں بورڈز کا کنکشن پیچھے سے ایک بورڈ پر تھا۔ جو سامنے والی دیوار پر لگا تھا وہاں کچھ اور بھی بٹنز تھے۔ لیکن کمپیوٹر والا بٹن وہاں سے ہمیشہ آن رہتا تھا البتہ کمپیوٹر کے الگ بورڈز آن یا آف ہوتے تھے۔

حدیقہ نے آج سوچا کہ لائبریری میں ہی بیٹھ کر پڑھ لے۔ اس لیے وہ ایک کرسی پر بیٹھی میز پر کتاب رکھے انہماک سے مطالعہ کر رہی تھی جس کا موضوع سپین میں مسلمانوں کی تاریخ تھا۔ اسے اسلامی تاریخی کتب بہت پسند تھیں۔ اور اب تک تو درجنوں پڑھ چکی تھی۔

وہ ریلیکس ہونے کیلیے کتاب سے نظریں ہٹا کر کرسی سے پشت لگا کر انگڑائی لینے لگی تھی جب اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ چونک کر سیدھی بیٹھی اور کتابوں سے بھرے ریک کے دوسری جانب جھانکا وہاں سے کوئی اندر آیا تھا۔ اور کمپیوٹر کا بٹن آن کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ حدیقہ بنا آواز پیدا کیے کرسی سے اٹھی اور آگے بڑھ کر ریک میں سے کتاب کو تھوڑا سا سرکا کر غور سے دیکھا تو اسے پتا چلا کہ وہ وہاب تھا۔ اب وہ کمپیوٹر پر سی لینگوئج میں کوئی پروگرام ان پٹ کر رہا تھا اس کے پاس ایک کتاب بھی تھی جس پر وہ پروگرام لکھا ہوا تھا۔ وہاب تیزی سے پروگرام ٹائپ کرتا وقفے وقفے سے کتاب پر بھی نظر ڈال رہا تھا۔ پروگرام بہت لمبا تھا۔ حدیقہ کو یہ موقع غنیمت لگا تھا۔ اب بس اس پروگرام کے ختم ہونے کا انتظار تھا۔ لکھتے لکھتے وہاب نے صفحہ پلٹا تو اس کے اینڈ تک جا کر وہ پروگرام ختم ہوتا تھا۔ حدیقہ بغیر کوئی آہٹ کیے آہستہ آہستہ ریک سے کے پچھلی جانب سے نکلی اور مین سوئچ بورڈ کے پاس جا کر چپکے سے کھڑی ہو گئی۔ وہاب اب بس اینڈ پر پہنچنے ہی والا تھا۔ صرف پانچ منٹ میں اس نے

اتنا بڑا پروگرام لکھ دیا تھا۔ وہ آخری لائن پر تھا کہ کمپیوٹر آف ہو گیا۔ حدیقہ سوئچ آف کر کے تیزی سے ریک کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

"ڈیم اٹ۔" وہاب کی جھنجھلائی ہوئی آواز نے اسے بہت خوشی دی تھی۔

وہاب نے پہلے سمجھا کہ بجلی چلی گئی ہے لیکن پنکھا تو آن تھا۔ اس نے چہرہ موڑ کر میں سوئچ کو دیکھا تو کمپیوٹر کا سوئچ آف تھا۔

"یہ خود بخود کیسے ہو سکتا ہے۔" وہاب حیرانی سے بڑبڑایا تھا۔ اگر حدیقہ کمپیوٹر کے ساتھ پنکھے کا سوئچ بھی آف کر دیتی تو شاید اس کا دھیان یہاں نہ پڑتا لیکن اب خود کو کوسنے کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

وہاب کو سمجھ آگئی تھی کہ یہ حدیقہ کی شرارت ہے وہ چہرہ جھکا کر مسکرا دیا اور اٹھ کر ریک کی جانب بڑھا تھا جہاں حدیقہ سوئچ آف کر کے چھپی تھی۔ حدیقہ اس کے قدموں کی آواز قریب آتی محسوس کر کے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر چکی تھی۔ جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے کہ اب وہ نہیں آئے گی۔ وہاب چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور اسے یوں ڈر کے مارے آنکھیں بند کیے دیکھ کر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی تھی۔ لیکن اس نے خود کو سخت غصے میں ظاہر کرنا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" حدیقہ کو وہاب کی کرخت آواز سنائی دی تھی تو اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے وہاب اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کک.... کیا؟" وہ منمنائی تھی۔

"کمپیوٹر کیوں آف کیا ہے؟" وہاب نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا

"کمپیوٹر آف کیا ہے۔ لیکن میں نے تو پنکھا آف کیا تھا۔ یہ کمپیوٹر کیسے بند ہو گیا۔" وہ مصنوعی حیرانگی سے کہتی سوئچ بورڈ کی طرف بڑھنے لگی یہ ظاہر کرنے کیلیے کہ وہ دیکھے تو صحیح کیا چیز بند ہوئی ہے لیکن اس کا ارادہ وہاں سے کھسکنے کا

تھا۔وہاب بھی اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا اس لیے اس نے جلدی سے اس کے سامنے سے بازو بڑھا کر ریک پر ہاتھ جما لیا تھا۔وہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو ہاں۔تم چھپ کر مجھے تنگ کرو گی اور مجھے پتہ نہیں چلے گا۔مجھے آج صاف صاف بتا دو کہ تم چاہتی کیا ہو" وہ غصے میں بول رہا تھا اور حدیقہ کو بھی پتنگے لگ گئے۔

"پہلی بات یہ کہ میں خود کو جو بھی سمجھوں یہ میرا مسلہ ہے۔دوسری بات،میں کسی کو چھپ کر تنگ نہیں کرتی۔سب کو پتہ ہے جو کام خراب ہوتا ہے وہ حدیقہ ہی کرتی ہے اور تیسری بات یہ کہ میں کیا چاہتی ہوں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔" حدیقہ نے اس بار پر اعتماد ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

"اچھا تو تم کسی کو چھپ کر تنگ نہیں کرتی تو پھر یہ کیا ہے" وہاب نے جیب سے موبائل نکال کر انبکس اس کے سامنے کیا اس نے اچنبھے سے موبائل پکڑنے کر میسج پڑھنے شروع کیے تو اس کا دماغ ہی گھوم گیا

"تمہارا مطلب یہ میں نے تمہیں بھیجے ہیں" حدیقہ کی آنکھوں میں حیرانی تھی جو وہاب کی توقع کے عین مطابق تھی۔وہ جانتا تھا کہ یہ اس نے نہیں کیا لیکن وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"تمہارے علاوہ اور کس کا کام ہو سکتا ہے" وہاب نے کندھے اچکا کر کہا تو اس کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی تھی۔

"لیٹ می ٹیل یو مسٹر وہاب۔یہ میں نے نہیں کیا۔میں ایسے پوئٹری میسجز کبھی اپنے شوہر کو بھی نہ کروں تو تم کیا چیز ہو۔" غصے میں اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا بول گئی ہے جبکہ وہاب نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ روکی تھی۔حدیقہ خفت مٹانے کو پھر اس پر بھڑکنے لگی۔

"خود کو شہزادہ گلفام سمجھنا چھوڑ دو۔تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہر لڑکی تمہاری شکل دیکھ کر تمہاری دیوانی ہو جائے گی لیکن میں ایسی لڑکی بالکل بھی نہیں ہوں اور یہ.....۔کسی پر الزام لگانے کیلیے ثبوت درکار ہوتے ہیں جب تمہیں میرے

خلاف ثبوت مل جائیں تو مجھ سے وضاحت مانگ لینا" وہ درشتگی سے کہتی ایک سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی جب وہاب نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی اور وہاب کی طرف غصے سے دیکھنے لگی۔ وہاب نے اسے دیکھتے ہوئے آہستہ سے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔

"تم تو آپنا غصہ نکال کر چلتی بنی لیکن میں کس پر غصہ نکالوں۔" وہاب نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے کہا

"کس بات کا غصہ" وہ حیرانی سے گویا ہوئی جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔

"اتنی مشکل سے میں نے پروگرام ٹائپ کیا تھا۔ اور اینڈ پر پہنچ چکا تھا کہ تم نے سارا کام خراب کر دیا اب اسے ٹھیک کون کرے گا" وہاب نے آئبرو اچکا کر کہا تھا

"تمہارا مطلب میں..... یعنی کہ حدیقہ حیدر تمہیں تنگ کرنے کا کفارہ ادا کرے گی" وہ ہنسی تھی۔

"ہاں تم یہ سارا پروگرام لفظ بہ لفظ ٹائپ کرو گی" وہاب نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"حدیقہ صرف کام خراب کرنا جانتی ہے ٹھیک کرنا نہیں" اس نے ادائے بے نیازی سے کہا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے لیکن جلد ہی وہاب کی آواز پر اس کے چلتے قدم رکے تھے

"اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تمہاری ہر شرارت کے بارے میں آنٹی عمرینہ کو بتا دوں گا اور اس میں سر فہرست تمہاری چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے والی حرکت ہو گی" وہاب نے اسے دھمکی دی تو وہ رک کر پلٹی تھی

"لیکن تم نے کہا تھا ماما کو کچھ نہیں بتاؤ گے" لمحے بھر میں ساری شیخی ہوا ہو چکی تھی۔ تصور میں ہی وہ ماما کی غصے میں جلی کٹی سن کر جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"کہا تو میں نے یہ بھی تھا کہ میں تم سے بدلہ لوں گا۔" وہاب نے اطمینان سے کہا تو حدیقہ نے دانت کچکچائے۔ لیکن تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ آگے بڑھ کر کمپیوٹر آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ وہاب بھی چلتا ہوا کمپیوٹر کے پاس آ چکا تھا۔

"کونسا لکھنا ہے" وہ منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔ اسے یہ کام کرنے میں بہت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ کام خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"یہ والا" وہاب نے اس کے سامنے کتاب کرتے ہوئے صفحے پر اشارہ کیا۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ پروگرام ٹائپ کرنا شروع ہو گئی۔ وہاب اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگائے اور سینے پر ہاتھ باندھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ کو اس کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے گھور کر وہاب کو دیکھا جو گڑبڑا کر ایک دم سیدھا ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حدیقہ نے پھر اپنی توجہ کمپیوٹر کی جانب مرکوز کر لی اور وہ چلتا ہوا ریک کی پچھلی جانب میز کے پاس پہنچا جہاں حدیقہ کی کھلی ہوئی کتاب پڑی تھی۔ اس نے اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔ وہاب کو بھی اسلامی تاریخ بہت پسند تھی لیکن پڑھائی کی وجہ سے وہ ایسی غیر نصابی کتب کا مطالعہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اس کے ٹیسٹ کو سراہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد حدیقہ نے سارا پروگرام ٹائپ کر لیا تھا۔

"ٹائپ کر دیا ہے۔" حدیقہ نے اس کے پاس آتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کتاب کھینچی۔

"تھینکس۔" وہاب نے سر کو خم دے کر کہا۔ اور جا کر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آئندہ اگر مجھے تنگ کیا تو یاد رکھنا بدلہ میں پورا لوں گا۔ ویسے میں اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل سے کسی کو پریشان کرنے کی بجائے انہیں خود ہی حل کرتا ہوں۔ اس لیے بے فکر رہو۔ تمہاری شکایتیں آنٹی تک نہیں پہنچیں گیں" وہ کمپیوٹر پر نظریں جمائے بولا تو حدیقہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ یعنی کہ وہ دھمکی جھوٹی تھی۔ اس کا دل کیا ایک دفعہ پھر کمپیوٹر آف کر دے لیکن اب فائدہ نہیں تھا وہ سیو کر کے اپنی یو ایس بی میں بھی ٹرانسفر کر چکا تھا۔

"تم یہاں سے جاؤ گے یا میں ہی چلی جاؤں" وہ بمشکل غصہ دباتے ہوئے بولی۔

"نہیں نہیں آرام سے بیٹھ کر سٹڈی کرو میں جا رہا ہوں" وہاب نے اٹھتے ہوئے کہا اور ایک دل جلانے والی سمائل پاس کرتا باہر نکل گیا۔ حدیقہ تو تلملا کر رہ گئی۔ آج تک اس نے جسے بھی تنگ کیا تھا وہ سر پیٹنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکا تھا۔ یا اسے برا بھلا کہہ کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس دفعہ لگتا تھا کہ مقابلہ برابر کا تھا۔

(دیکھ لوں گی میں تمہیں مسٹر وہاب۔ تمہاری بھی ایسی کی تیسی نہ کر دی تو نام بدل دینا میرا۔ ہاؤ ڈیئر یو مجھ پر گھٹیا الزام بھی لگایا اور بدلہ بھی لیا اور اوپر سے مجھے باتیں بھی سنائی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا) حدیقہ کا غصے سے برا حال تھا۔ اب وہ اسے سبق سکھانے کا طریقہ سوچ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے کوئی خیال آیا تو وہ مسکرا دی۔ اور اطمینان سے کتاب پڑھنے لگی۔

---------------------------------

دوپہر تک وہ سخت بخار کی لپیٹ میں آچکی تھی اور بے سدھ سی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ سارا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ سر میں بھی شدید درد تھا۔ بتول سے کہہ کر اس نے سر درد کی گولی منگوا کر کھالی تھی۔ آج باہر کا موسم بھی خوشگوار تھا صبح سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان پر بادل بھی جمع ہو رہے تھے۔ برسات شروع ہو رہی تھی اور اسے یہ موسم بہت ہی پسند تھا۔ وہ دیر تک بارش میں بھیگتی رہتی تھی۔ لیکن اب اسے اس میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ تین دن پہلے ہونے والی بارش میں بھی وہ سالار کے اصرار کے باوجود نہیں گئی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا اور سالار بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔

"دیا آپی چلیں نا بارش ہونے والی ہے چل کے موسم انجوائے کریں۔" سالار بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کھینچا۔

"تم جاؤ میرا دل نہیں کر رہا۔"

"یہ کیا بات ہوئی پچھلی دفعہ بھی آپ نے یہی کہا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگلی دفعہ باش میں میرے ساتھ کھیلیں گیں۔"وہ منہ پھلائے بولا۔

"اس دفعہ میری طبیعت ذرا خراب ہے نیکسٹ ٹائم ضرور کھیلوں گی۔ وعدہ"عانیہ نے اسے پچکارا۔

"نہیں مجھے ابھی بارش میں آپ کے ساتھ کھیلنا ہے۔ پلیز اٹھیں کوئی بہانہ نہیں چلے گا اب۔"وہ ضد کرتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگا تھا۔اور عانیہ اسے نہ کیسے کہہ سکتی تھی سو نقاہت کے باوجود اٹھی اور اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ باہر آتے ہی ٹھنڈی ہوا نے اس کا استقبال کیا اور اس کے گرم تپتے جسم کو ٹھنڈی راحت کا احساس ہوا تھا۔ ہوا بہت تیز تھی اس کے کھلے بال اور کپڑے پیچھے کی جانب اڑنے لگے تھے۔ اس نے اپنے پاؤں جوتے کی قید سے آزاد کیے اور ننگے پیر سبز گھاس پر چلنے لگی۔

"کل کتنی گرمی تھی کاش اس موسم میں انکل ریان کی برتھڈے پارٹی ہوتی تو کتنا مزا آتا"سالار اس کے ساتھ چلتے ہوئے معصومیت سے بولا۔عانیہ اس کے انداز پر مسکرا دی تھی۔ اچانک بارش کی ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں تھیں۔عانیہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تھا اور اپنے بازو پھیلا کر بارش کا استقبال کیا تھا۔اور آنکھیں بند کر کے مسکرا دی۔

"واؤ کتنا پیارا موسم ہو گیا ہے دیا آپی پلیز مجھے جھولا دیں نا"سالار نے آنکھیں پٹ پٹا کر فرمائش کی تو عانیہ بخار کے باوجود اسے منع نہیں کر پائی تھی۔ ویسے بھی ڈیڈ نے اس کی بہت سخت ٹریننگ کروائی تھی۔ وہ بخار میں بھی اسے جھولا تو دے ہی سکتی تھی۔ وہ شروع سے ہی صحت مند تھی بچپن میں ایک دو دفعہ بخار ہوا ہو گا جو اسے یاد تک نہیں تھا۔ لیکن مام ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد وہ پورے دو ہفتے بیمار رہی تھی اور یہی وجہ تھی کہ کل پارٹی اٹینڈ کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہوئی اور دوپہر تک بخار نے آ گھیرا تھا۔اس نے سالار کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے اردگرد گول گول گھمانا شروع کر دیا تھا۔سالار آہستہ آہستہ ہوا میں معلق اس کے اردگرد برستی بارش میں اڑنے لگا تھا

۔بارش آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور عانیہ کے جسم کی حرارت ختم ہوتی جا رہی تھی۔اچانک اس کا ایک ہاتھ سالار کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔سالار گھومتے ہوئے نیچے گرنے ہی والا تھا کہ اس نے سالار کو سنبھالا دیا تھا لیکن اس چکر میں وہ خود گر پڑی تھی اور اس کی کمر اور بائیں بازو میں درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔البتہ سالار آرام سے ہی نیچے بیٹھ گیا تھا۔

"لگی تو نہیں سالار" وہ گہرے سانس لیتی ہوئی بولی تھی۔

"نہیں لیکن آپ تو زور سے گر گئی ہیں۔ آپ کو درد ہو رہا ہے کیا۔" سالار نے فکر سے پوچھا تھا۔عانیہ کا سارا جسم اس وقت دکھ رہا تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کہنیوں کے بل اٹھتی بولی تھی۔ لیکن اب اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ اٹھ کر کھڑی ہو سکتی۔ دماغ گھوم رہا تھا۔سارے جسم پر اس کا اختیار کھو رہا تھا۔

(کم آن عانی اٹھو یہاں سے ادھر پڑی رہی تو پھر جنازہ ہی اٹھے گا)اس نے خود کو ہمت دلائی تھی۔

"آپی آپ کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہو گئی میں ماما کو بلا کر لاتا ہوں" سالار اسے اس طرح دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔وہ بھاگتا ہوا اندر کی جانب چلا گیا تھا۔

عانیہ دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر بمشکل کھڑی ہوئی تھی لیکن اسے اپنے آس پاس کی ہر چیز گھومتی نظر آئی تھی۔وہ لڑکھڑا کر پھر گر گئی۔گیلے بال اس کے چہرے سے چپک گئے تھے۔وہ پھر سے کوشش کر کے اٹھنے لگی تھی۔بے شک اس کی ٹریننگ سخت ہوئی تھی لیکن اس وقت اسے سخت بخار تھا اور رہی سہی انرجی اس کے اوپر برستی بارش نے ختم کر دی تھی۔اس دفعہ وہ کھڑی ہوئی تھی اور دو قدم چلی تھی اسے اپنے ہاتھ پاؤں شل ہوتے محسوس ہوئے تھے اسے ایک زور دار چکر آیا اور وہ گرنے ہی والی تھی جب دو مضبوط بازوؤں نے اسے سنبھال لیا تھا۔عانیہ کی آنکھیں بند ہونے کو تھی لیکن آنکھیں بند کرتے کرتے وہ یہ جان چکی تھی کہ اسے سہارا دینے والا ریان ہے۔اس

کا دل کیا کہ اسے دھکا دے کر دور گرا دے لیکن اب تو وہ خود اس کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ریان نے پریشانی سے ایک نظر اسے دیکھا۔ اور اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اندر کی جانب چل پڑا۔ عانیہ کے گیلے کپڑوں کی وجہ سے ریان کے کپڑے بھی گیلے ہو چکے تھے۔ اندر آ کر اس نے احتیاط سے عانیہ کو بیڈ پر لٹایا۔

"پاگل لڑکی بیماری میں اٹھ کر بارش میں نہانے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے بڑبڑایا۔ وہ باہر آیا جہاں بتول سالار کو ڈانٹ رہی تھی۔ "میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ دیا بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو تم نے کیوں ضد کی۔ بولو" سالار نظریں جھکائے چپ چاپ بتول کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

"اسے ڈانٹنے میں وقت ضائع مت کرو بتول جاؤ جا کر اس کے گیلے کپڑے چینج کروا دو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں" ریان نے اسے کہا اور سیڑھیاں چڑھتا اوپر کمرے میں چلا گیا۔ آج موسم خوشگوار ہونے کی وجہ سے سب دوستوں نے پکنک کا پلان بنایا تھا لیکن وہ گھر آ گیا تھا۔ وہ کمرے میں آفس کا کام پھیلائے بیٹھا تھا جب بتول نے اسے دیا کے بارے میں بتایا کہ اسے صبح سے بخار ہے اور سر درد کی گولی دی ہے۔ ریان اس کا حال پوچھنے کیلیے اس کے کمرے میں گیا تھا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ جب وہ باہر آیا تو سالار بتا رہا تھا کہ دیا آپی باہر بارش میں گر گئیں ہیں تو وہ بھاگتا ہوا باہر آیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر اس کے بازوؤں میں گر گئی تھی۔ دیا اس وقت ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور ریان سخت پریشانی میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ اسے تکلیف میں دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

---

وہاب تھکا ہارا کمرے میں آیا تھا تو شوز پہنے ہی بیڈ پر لیٹ گیا۔ لیکن یہ کیا! جیسے ہی وہ لیٹا تھا اسے گیلا پن محسوس ہوا تھا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ لگا کر چیک کیا تو سارا بیڈ گیلا پڑا تھا۔

"پھر سے وہی۔ حدیقہ تم کب بڑی ہو گی" وہ گہرا سانس بھرتا بولا اور صوفے کی جانب بڑھ گیا تاکہ کچھ دیر آرام کر لے۔ لیکن صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ صوفہ بھی گیلا ہے

"لگتا ہے آج مجھے نیچے ہی سونا پڑے گا۔ چلو کوئی بات نہیں۔ سبق تو میں بھی تمہیں سکھا کر رہوں گا" وہ کہتا ہوا نہانے چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ حدیقہ نے دوپہر والی بات کا بدلہ لیا ہے۔ اور کیا ہی اچھا بدلہ لیا ہے ساری رات اسے زمین پر سو کر گزارنی پڑے گی۔

---

اس نے اپنے آپ کو ایک دلدل میں کھڑے دیکھا تھا۔ جیسے کسی نے ابھی ابھی اسے اس دلدل میں دھکا دے دیا ہو لیکن آس پاس اسے کوئی نظر نہ آیا تھا۔ وہ اکیلی کھڑی باہر نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں چلتی باہر نکلنے کی جتنی بھی کوشش کر رہی تھی اتنی ہی اندر دھنستی جا رہی تھی۔ خوف کے عالم میں وہ چیخ چیخ کر مام ڈیڈ کو بلا رہی تھی لیکن اس وقت کوئی بھی اس کی پکار سن نہیں پا رہا تھا۔ وہ سینے تک دھنس چکی تھی جب اسے دور سے کوئی نقاب پوش گھڑ سوار آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ گرد اڑاتا تیز رفتار گھوڑے پر بیٹھا ایک ہاتھ سے گھوڑے کی باگ تھامے دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھائے اس کے پاس آ رہا تھا۔ جینے کی ایک امید ابھری تھی۔ اس نے ہاتھ گھڑ سوار کی طرف بڑھا دیا تھا۔ جوں جوں گھڑ سوار قریب آ رہا تھا وہ اندر دھنستی جا رہی تھی۔ وہ کبھی دلدل کو دیکھتی اور کبھی گھڑ سوار کو دیکھتی جب دلدل اس کے تھوڑی تک پہنچی تو گھوڑا اس کے پاس آ چکا تھا گھڑ سوار نے جھک کر اس کا ہاتھ تھاما اور اوپر کھینچا تھا وہ اچھل کر گھڑ سوار کے پیچھے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔ گھوڑا دور سے ہی تیز رفتار سے بھاگتا آ رہا تھا اس لیے ایک ہی جست میں دلدل پار کر گیا تھا۔ عانیہ چاہ کر بھی گھڑ سوار کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی کیونکہ اس نے چہرے پر نقاب چڑھایا ہوا تھا۔

اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بستر پر پایا تھا لیکن اس وقت اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔کچھ دیر تو اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ حقیقت تھی یا خواب تھا۔شاید اس کا ذہن صحیح طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔

"دیا تم ٹھیک ہو؟"وہ اس کے پاس آ کر فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔عانیہ پہلے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔اچانک اس کی نگاہوں میں ریان کیلیے نفرت ابھری تھی۔اس نے مٹھیاں اور لب بھینچ لیے تھے۔وہ اس وقت بھول چکی تھی کہ وہ ریان کو پھنسانے کا ڈرامہ کرنے یہاں آئی ہے۔

"یہ لو پانی پیو"ریان نے ایک ہاتھ سے پانی سے بھرا شیشے کا گلاس اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔ریان نے جب گلاس اس کے لبوں سے لگایا تو اس نے زور سے ہاتھ مار کر اسے دور پھینک دیا جو نیچے گرتے ہی ٹوٹ گیا۔کچھ پانی بیڈ پر اور نیچے گر گیا تھا۔ریان نے حیرانی سے اسے دیکھا جس کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

"کیا ہوا دیا تم ٹھیک تو ہو نا۔کوئی برا خواب تو نہیں دیکھا۔"وہ اس کے سامنے بستر کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے بولا تھا۔

"نہیں ہوں میں دیا۔سنا تم نے"وہ اسے دھکا دیتے ہوئے بلند آواز میں چیخی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں دیا کیوں اس طرح ری ایکٹ کر رہی ہو"وہ اس کی کلائی پکڑتے ہوئے بولا تھا۔

"آئی ول کل یو۔ریان۔آئی ول کل یو"وہ چلائی تھی۔جبکہ ریان حیران نگاہوں سے اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے سوچا شاید کوئی پرانی یاد ہو جس پر اس کا اس طرح کا ری ایکشن سامنے آ رہا ہو۔

"دیا مجھے نہیں پہچانا میں غازی ہوں"ریان نے پیار سے کہا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ تم قاتل ہو۔ تمہارا انجام بہت برا ہو گا یاد رکھنا تم" عانیہ نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی آزاد کروانی چاہی لیکن ریان کی گرفت مضبوط تھی۔ اس نے اس کی دوسری کلائی بھی پکڑ لی تھی۔ وہ دیوانہ وار روتے ہوئے اپنی کلائیاں آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی جب کہ ریان ششدر رہ گیا تھا۔ اسے دیا اپنے ہوش و حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔ اسی لیے اس نے اس کی باتوں پر زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ جو بالکل سچ تھیں۔ اسے لگا شاید دیا کو کوئی دورہ پڑا ہو۔

"میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ میں تمہیں...." وہ بولتے بولتے اچانک رکی تھی۔ اسے اب ہوش آیا تھا۔ کہ وہ کتنا غلط بول چکی تھی۔ اس نے ریان کی طرف دیکھا تو وہ پریشان سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا اب سارے منصوبے پر پانی پھر چکا ہے۔

"آہ... میرا سر" اس نے چہرے پر تکلیف کے تاثرات سجا لیے

"دیا۔ کیا ہوا ہے زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟" ریان نے اسے کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

(کیا ایسا شخص قاتل اور دہشت گرد بھی ہو سکتا ہے) ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھ کر سوچا تھا۔ سر جھٹک کر گہری سانس لی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"پلیز لیو میں الان" آنکھیں بند کیے ہوئے اس نے کہا۔

"لیکن تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں" ریان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔ ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔" وہ آنکھیں کھول کر بولی۔

"لیکن...."

"پلیز میں نے کہا نا لیو میں الان۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"اوکے تم آرام کرو اور اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو مجھے ضرور بتانا۔"

"اوکے "وہ بولی توریان لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

"تھینک گاڈ اسے کچھ پتہ نہیں چلا ورنہ سارا کام خراب ہو جاتا۔"وہ شکر کرتے ہوئے بولی تھی۔اب اس کی سوچوں کا محور وہ خواب تھا۔کوئی تو مطلب تھا اس خواب کا۔کیا وہ کسی مشکل میں تو نہیں پھنسنے والی تھی۔اور اسے اس مشکل سے نکالنے والا بھی تھا جس کا چہرہ وہ نہیں دیکھ پائی تھی۔

(اف...اور پریشانیاں کم تھی جو اس خواب کی ٹینشن لگ گئی ہے۔مجھے یہاں جلد سے جلد اپنا کام ختم کرنا ہو گا۔اب یہاں مزید رکنا خطرے سے خالی نہیں۔)وہ سوچنے لگی۔اس نے اب کام کو وائنڈ اپ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

---------------------------------

آج کئی دنوں بعد اسے ماما تائی جان کے ساتھ بیٹھی نظر آئیں تھیں۔اور ماحول بھی کافی خوش گوار تھا۔حدیقہ کو تھوڑی حیرانی ضرور ہوئی تھی جو جلد ہی ختم ہو چکی تھی۔معاملہ کچھ یوں تھا کہ انگلینڈ سے تائی صاحبہ کی بڑی بیٹی بمع سسرال کل ان کے گھر تشریف لارہی تھی اور چونکہ عمرینہ بہت اچھی شیف تھیں تو ارم کو اس کا ساتھ درکار تھا سو بہت دیر سے عمرینہ کو مکھن لگانے میں مصروف تھی۔ویسے تو عمرینہ ان کے ایک بار ہی کہنے پر ان کی مدد کر دیا کرتی تھیں لیکن اس دفعہ معاملہ تھوڑا خراب تھا۔ہوا یوں تھا کہ جب عمرینہ نے وہاب کو اپنے پاس بلا لیا تو ارم نے بہت ہنگامہ کیا تھا۔

"پتا نہیں کس کو گھر میں پناہ دے دی ہے۔آجکل کس کا بھروسہ ہے۔گھر میں جوان بچیاں ہیں اور آپ کسی اجنبی کو گھر میں لے آئیں ہیں"

"وہ میری مرحوم دوست کا بیٹا ہے۔ بچپن یہیں گزرا ہے اس کا اور میں نے اس کی تربیت کی ہے۔ مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ بہت باکردار لڑکا ہے" عمرینہ نے انہیں سمجھانا چاہا لیکن وہ بہت کچھ سنا کر چلی گئیں۔ اور اب کام پڑ چکا تو مکھن لگانا ضروری ہو گیا تھا۔

"چلو پھر میں سامان منگوا لیتی ہوں سارا۔ کھیر اور کسٹرڈ رات کو ہی تیار کر کے فریج میں رکھ دیں گے۔ باقی کا صبح کر لیں گے اصل میں وہ لوگ بارہ بجے تک پہنچ جائیں گے اور پھر ان کا خاندان بھی تو بہت بڑا ہے بہت کچھ تیار کرنا پڑے گا۔ ورنہ سسرال میں میری بیٹی کی کیا عزت رہ جائے گی" تائی جان کی باتیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ حدیقہ کب سے اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ ان کی بات ختم ہو اور وہ اپنی کہے لیکن اسے لگنے لگا کہ انتظار میں شاید بوڑھی ہی نہ ہو جائے اس لیے تائی جان ذرا سا سانس لینے کو رکی تھیں جس کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

"ماما مجھے آپ سے بات کرنی ہے"

"کتنی دفعہ سمجھایا ہے حدیقہ جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو درمیان میں نہیں بولتے۔ چلو جاؤ یہاں سے بعد میں بات کر لینا" عمرینہ نے برہمی سے اسے ڈانٹا۔

"ارے عمرینہ سن لو بچی کی بات میری بات تو بس ختم ہو گئی ہے" کچھ خوشامدی پن تھا اور کچھ تجسس تھا کہ بات کیا ہے۔

"وہ.... ماما میں سپورٹس کلب جوائن کرنا چاہتی ہوں" وہ نظریں جھکائے دھیمی آواز سے بولی تو عمرینہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔ یہ بات وہ اکیلے میں بھی کر سکتی تھی ارم کے سامنے ضرور کرنی تھی۔ اب اس بات پر ایک لمبا سا لیکچر سننے کو ملے گا۔

"ایسی باتیں اپنے بابا سے کہا کرو۔ اگر وہ اجازت دیں گے تو کر لینا" عمرینہ نے اپنی جان چھڑائی۔

"اسی لیے تو پہلے آپ کو منا رہی ہوں پھر میں اور آپ مل کر بابا سے بات کر لیں گے" حدیقہ نے عمرینہ کو پھر گھسیٹا تو ان کا دل کیا کسی طرح اسے یہاں سے غائب کر دے۔

"اچھا تم جاؤ ابھی بعد میں بات کریں گے۔" عمرینہ نے گھور کر اسے کہا تو وہ خوش ہوتی وہاں سے چل دی۔ چلو ماما نے انکار تو نہیں کیا نا۔

"ویسے عمرینہ بچیوں کو اتنی کھلی چھوٹ نہیں دینی چاہیے کہ جو منہ میں آئے فرمائش کر ڈالیں۔" وہ انہیں دھیمے لہجے میں سمجھانے لگیں۔ اگر ان سے کام نہ ہوتا تو ایک منٹ میں عزت اتار کر ہاتھ میں رکھ دیتیں۔

"میں تو اس طرح کے معاملات میں مداخلت ہی نہیں کرتی۔ وہ جانے اور اس کے بابا۔" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولیں۔

"بھائی صاحب نے کونسا اسے منع کر دینا ہے۔ جو وہ کہتی ہے بھائی صاحب اس کی تائید میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ جب اس نے اپنی دوست کے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی تو بھائی صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بھلا آجکل کے زمانے کا کیا بھروسہ۔ اور پھر وہ اکیلی گاڑی لے کر گھر سے نکل جاتی ہے۔ مانا کہ تم نے اس کی تربیت بہت اچھی کی ہے لیکن لڑکیوں پر اتنا بھروسہ اچھا نہیں ہوتا۔ اور اوپر سے تم کسی اجنبی کو بھی گھر میں لے آئی۔" وہ سمجھاتے ہوئے بھی طنز سے باز نہ آئیں جبکہ عمرینہ کو اپنی بیٹی کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہ لگی۔

"میں آپ کی اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ اگر لڑکی کا کردار پختہ ہو تو بے شک زمانہ جتنا بھی خراب ہو تو اس کا کچھ بگڑ نہیں سکتا۔ اور لڑکیوں کی چھوٹی چھوٹی سی تو خواہشات ہوتیں ہیں اگر انہیں روک دیا جائے تو ان کی شخصیت میں ایک خلا رہ جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھا سکتیں۔ ویسے بھی اس کے بابا کا کہنا ہے کہ بچوں کو کھلا میدان دینا چاہیے جس میں وہ اپنی قسمت آزمائیں۔ مستقبل بنائیں۔ زمانے کے ساتھ چلنا سیکھیں۔ ماں

باپ تو زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے نا ان کے ساتھ۔ اور نہ وہ ہمیشہ ماں باپ کی انگلی پکڑ کر زمانے سے چھپ سکتے ہیں۔" عمرینہ نے اپنے خیالات بیان کیے تو ارم پہلو بدل کر رہ گئی۔

"باتیں تمہاری ساری ٹھیک ہیں لیکن اس معاشرے میں ایسے اصول صرف مردوں کے لیے ہیں۔ میدان مارنا ، قسمت آزمانا، مستقبل بنانا یہ سب مردوں کے کھیل ہیں۔ عورتیں تو بس ہانڈی چولہے کیلئے ہوتی ہیں۔ پہلے ماں باپ کے گھر اور پھر سسرال میں خدمت گزاری کرنا۔ ایسے میں وہ کیا میدان ماریں گیں۔ آخر میں کرنا تو ہانڈی چولہا اور بچے پالنا ہی ہے نا۔ میری مانو تو اس کی پڑھائی چھڑواؤ اور گھر داری سکھاؤ۔ میں تو عنیقہ کو میٹرک کے بعد ہی چھڑوانا چاہتی تھی لیکن بھائی صاحب کے کہنے پر آگے پڑھنے دے رہی ہوں۔ اب بھی میرا تو دل ہے انٹر ہی بہت ہے۔ اس کا رزلٹ نکل آئے تو ہاتھ پیلے کر دوں گی اس کے۔ تم بھی اپنی بیٹی کیلیے کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر جلد از جلد شادی کر یہ نہ ہو دیر ہو جائے۔" ارم نے مفت مشورہ دیتے ہوئے ساتھ میں طنز بھی مارا۔

"اللہ بہتر کرے گا۔" عمرینہ بس یہی کہہ سکی تھی۔

"اللہ تو بہتر ہی کرتا ہے لیکن انسانوں کو بھی اپنی عقل استعمال کرنی چاہیے۔ اب یہ کیا تک بنتی ہے کہ جوان لڑکی کو پڑھنے کیلیے گھر سے باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ بھئی اس کی شادی کر کے بوجھ اتارو۔ جب تک شادی نہیں ہو جاتی ماں باپ کو یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کچھ غلط نہ کر دے اور لوگوں کی باتیں ماں باپ کو ہی سننی پڑتی ہیں۔" ارم کی کڑوی کسیلی سن کر عمرینہ کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا۔

"مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ کبھی میرا سر نہیں جھکائے گی۔ اور رہا شادی کا مسلہ تو وہ بھی ہو جائے گی۔ میں بھی جلدی شادی کرنے کے حق میں ہوں لیکن لڑکیوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔"

عمرینہ نے کہا تو ارم اپنا مقصد پورا ہونے پر خوش ہو گئی۔ وہ اپنے بھانجے کیلیے حدیقہ کا رشتہ مانگنا چاہتی تھی تا کہ عمرینہ کو اپنے سامنے بے بس کر سکے۔ اب اسے اپنا کام ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

"اچھا میں پھر چلتی ہوں۔عنیقہ اکیلے کام کر کر کے تھک چکی ہو گی بے چاری۔میں اس کا ہاتھ بٹا دوں۔تم کل جلدی آجانا۔" ارم اٹھ کر چلی گئی تو عمرینہ نے بھی لیکچر ختم ہونے پر شکر کیا اور غصے سے حدیقہ کے کمرے کی جانب چل دیں۔

(موقع محل دیکھتی نہیں بات شروع کر دیتی ہے۔پتا بھی ہے اسے کہ ارم کو اس کی یہی عادتیں بری لگتی ہیں۔وہ تو شکر ہے آج ارم کو مجھ سے کام تھا ورنہ جو باتیں مجھے سننا پڑ جاتیں تو دو تین گھنٹے پار تھے۔" وہ بڑبڑاتیں سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

---------------------------------

ریان سفید ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں ملبوس فوجی کٹ ہیئر اسٹائل کے ساتھ کسی سکول بوائے کی طرح لگ رہا تھا۔اس کے پرکشش چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے وہ آفس کا کام کر رہا تھا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔اس کے ارد گرد ہمیشہ کی طرح کاغذ بکھرے پڑے تھے۔دفعتاً وہ ایک کاغذ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا جب دروازے پر اسے دیا کھڑی دکھائی دی۔بے بی پنک کلر کی امبریلا فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس، براؤن بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے وہ اسے بلا کی حسین لگی تھی۔کچھ دیر تک تو وہ اپنی نظریں اس سے ہٹا نہیں سکا تھا۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" دیا کی خوبصورت آواز نے اسے چونکایا تھا۔

"ہاں....ہاں آؤ" وہ اس سے نظریں ہٹا کر بولا۔عانیہ اندر آگئی اور اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر فکرمندی سے بولا۔

"ٹھیک ہوں۔وہ میں تم سے سوری کہنے آئی تھی۔ پلیز مجھے معاف کر دو میں نے وہ سب جان بوجھ کر نہیں کہا تھا ۔پتہ نہیں اس وقت مجھے کیا ہوا تھا۔میں خود سمجھ نہیں پائی....."

"ریلیکس دیا.....میں تمہاری کنڈیشن سمجھ سکتا ہوں۔شاید وہ ماضی کی کوئی تلخ یاد ہوگی جس کا ری ایکشن تم نے دیا ہے۔اٹس نیچرل۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔"ریان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے تو تمہیں قتل کرنے کا بھی کہا تھا۔ تمہیں واقعی برا نہیں لگا"وہ پتہ نہیں کس خیال کے تحت بولی۔

"میں نے کہا نا میں تم سے ناراض نہیں ہوں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔بے شک تم میری جان بھی لے لو۔ تمہیں تو میں اپنا قتل بھی معاف کر سکتا ہوں۔"ریان نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ذو معنی لہجے میں بولا۔

"یہ بس کہنے کی ہی باتیں ہوتیں ہیں حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا"اس نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔

"چاہو تو آزما کر دیکھ لو"وہ بھی دوبدو بولا۔

(اتنا اعلیٰ ظرف کوئی نہیں ہوتا کہ اپنا قتل معاف کر دے لیکن میں تمہیں ضرور آزماؤں گی۔)عانیہ نے تنفر سے سوچا۔

"یہ تو بتاؤ کل تمہیں ضرورت کیا پڑی تھی بارش میں بھیگنے کی۔ کتنی طبیعت خراب کر لی تھی تم نے اپنی۔میرا تو ایک دفعہ دل کیا کہ تمہاری کلاس لوں۔ لیکن الٹا تم ہی نے میری کلاس لے ڈالی۔"

"بس ویسے ہی دل کیا تو چلی گئی۔ڈونٹ وری دیکھو آج بخار اتر بھی گیا۔"

"لیکن بتول تو کہہ رہی تھی سالار ضد کر کے تمہیں لے گیا تھا۔"

"ارے نہیں میرا خود بڑا دل چاہ رہا تھا۔ جسم بہت تپ رہا تھا تو سوچا بارش میں بھیگوں۔کیا تم لوگوں نے سالار کو ڈانٹا تو نہیں"

"بتول ہی ڈانٹ رہی تھی۔ مجھے تو اس وقت تمہاری پریشانی کھائے جا رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں تمہارے اتنے ٹھنڈے ہو گئے تھے۔"

"بس بس مجھے یقین آ گیا کہ تم میری وجہ سے پریشان تھے۔" اسے عجیب سی الجھن ہو رہی تھی ریان کو اس طرح سے اپنی فکر کرتے دیکھ کر۔

"اگر آ گیا ہے تو آئندہ اپنا خیال رکھنا"

"جو حکم۔ ویسے کیا کر رہے تھے تم"

"آفس کا کام کر رہا تھا۔ تھوڑا سا رہ گیا ہے بس۔ پھر لنچ اکٹھے ہی کریں گے۔ اصل میں مجھے کل رات دبئی جانا ہے اس لیے یہاں کا کام جلد از جلد مکمل کرنا چاہتا ہوں" ریان نے لیپ ٹاپ پر نظر جماتے ہوئے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

"کیا؟...... تم دبئی جا رہے ہو۔" وہ ایک دم چلا اٹھی۔ ریان نے اسے پہلے حیران ہو کر دیکھا۔ پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تم میرے جانے سے کچھ زیادہ ہی اداس نہیں ہو گئی۔ اگر کہو تو تمہیں بھی ساتھ لے چلتا ہوں"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم اپنا کام کرو میں اب جاتی ہوں" وہ کہتے ہوئے جلدی سے اٹھی اور جانے لگی۔

"ارے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ بیٹھو نا۔" وہ اسے اٹھتا دیکھ کر بولا

"نہیں۔ تمہارا وقت ضائع ہو گا۔" وہ مڑ کر بولی اور تیزی سے نکل گئی۔ ریان کی حیران نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

---------------------------------

"ہیلو عانیہ کیسی ہو؟" حماد بھائی نے ہمیشہ کی طرح سلام کیے بغیر تیز لہجے میں اس کا حال پوچھا جیسے انہیں کہیں جانے کی جلدی ہو۔

"میں کل واپس آرہی ہوں" عانیہ نے اطلاع دی تو وہ چونک اٹھا۔

"کیا مطلب کام ہو گیا ہے؟" وہ اتنی جلدی کام ہونے پر حیران تھے۔

"آل از ڈن"

"اس نے کھل کر اظہار محبت کیا ہے تم سے یا صرف تمہارا اندازہ ہے یہ"

"آپ کو اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے آپ کو جائیداد چاہیے اس کی۔ تو میں گیرنٹی دیتی ہوں۔ وہ جان تک دینے کو تیار ہے میرے لیے۔ میں کل آرہی ہوں اور سب بندوبست ہوا ہونا چاہیے" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم فکر مت کرو۔ کل تم اپنے بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کر سکو گی۔ میں سارا بندوبست کروادوں گا۔"

"تھینکس۔ میں فون رکھتی ہوں پھر" اس نے کال کاٹ دی۔ اب صبر اور برداشت کے لمحے ختم ہونے والے تھے وہ عنقریب اپنے ماں باپ کے دشمن کو جہنم واصل کرنے والی تھی۔ اس کا دل جیسے پتھر کی طرح بے حس ہو چکا تھا۔ قتل کرنے کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کا دل نہیں کانپا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ مارتے ہوئے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو ضرور کانپیں گے۔

---

حدیقہ بہت خوش تھی۔ کیوں کہ بابا مان گئے تھے کہ وہ سپورٹس کلب جا سکتی ہے۔ اسے شروع سے صرف ایک کھیل پسند تھا اور وہ تھا بیڈ مینٹن۔ پڑھائی کے دنوں میں وہ اتنا کھیل تو نہ پاتی لیکن چھٹیوں میں وہ بہت کھیلتی۔ اس نے یہ کھیل عمیر بھائی سے سیکھا تھا۔ اسے شٹل کاک کو ریکٹ سے اڑانے میں اتنا مزہ آتا تھا کہ شٹل کاک اس سے دور ہی کیوں نہ ہو اسے ہر حال میں اسے نیچے گرنے نہیں دیتی تھی اور اس کے لیے زور سے اوندھے منہ بھی گر جایا کرتی۔ ایک دو دفعہ تو پاؤں بھی تڑوالیا۔ لیکن بیڈ مینٹن سے محبت میں کمی نہ ہوئی۔ وہ ہر کسی کو اس میں ضرور ہراتی تھی سوائے عانیہ کے۔ دس دس منٹ ان کا راؤنڈ چلتا۔ لیکن جیت عانیہ کے مقدر میں ہی ہوتی۔ عانیہ کو تو خیر

دوسرے بہت سے کھیلوں میں بھی دسترس حاص تھی لیکن حدیقہ کا پسندیدہ کھیل یہی تھا۔اور اب وہ باقاعدہ کسی سپورٹس کلب میں اس کھیل کو کھیلنا چاہتی تھی۔ دراصل اسے یہ آئیڈیا کرن نے دیا تھا۔کہ دونوں شام کے وقت وہاں آکر کھیلا کریں تاکہ ملنے کا ایک بہانہ بن جائے اور ساتھ ساتھ آؤٹنگ بھی ہو جایا کرے۔اب وہ بہت خوش تھی اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کیلیے کوئی شرارت نہ کرے۔پہلے اس کے زہن میں عنیقہ کا نام آیا۔لیکن آج تو ان کے مہمان آئے ہوئے تھے۔اس لیے اس کو تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اب اس کے قدم تیزی سے عمیر بھائی کے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔کمرے کے پاس پہنچ کر اس نے دروازہ کھولنے کیلیے ہاتھ رکھا لیکن کچھ سوچ کر پیچھے ہٹا لیا اور دروازے سے کچھ آگے کھڑکی کی جانب بڑھی۔کھڑکی کے شیشے بند تھے لیکن پردہ ہٹا ہوا تھا۔اس نے اندر جھانکا تو عمیر بھائی سٹڈی ٹیبل پر ڈھیر ساری کتابیں رکھے کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔شاید وہیں پر قیلولہ فرما رہے تھے۔یعنی کہ موقع اچھا تھا۔ایک سیکنڈ میں اس کے دماغ نے پلان بنا ڈالا۔جس پر دل نے خوش ہو کر شاباشی دی۔وہ مسکراتی ہوئی الٹے قدموں بھاگی۔کچھ دیر میں وہ ہاتھوں میں کوئی سامان اٹھائے آہستہ سے عمیر کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔عمیر کے پاس پہنچ کر اس نے ایک نظر سوئے ہوئے بھائی کو دیکھا جسے اب وہ بہن بنانے جا رہی تھی۔احتیاط سے سارا سامان سٹڈی ٹیبل پر رکھا اور میک اپ کٹ اٹھا کر کھول لی۔اس میں سے پنک کلر انگلی پر لگایا اور اس انگلی کو عمیر کی دائیں آنکھ پر پھیرنے لگی۔عمیر نیند میں ہلکا سا کسمسایا اور حدیقہ کا تو جیسے دل اچھل کر حلق میں آگیا۔حسب عادت اس نے آنکھیں بند کر لیں۔لیکن سب کچھ ٹھیک ہونے پر پھر سے آنکھیں کھول کر انگلی سے دوسری آنکھ بھی گلابی کر دی۔پھر اس نے لپ گلوز کھول کر عمیر کے ہونٹوں پر پھیرا۔لپ سٹک لگانے کا رسک اس لیے نہ لیا کیونکہ لپ سٹک کو ذرا دبا کر لگانا پڑتا ہے۔اور اس وجہ سے عمیر اٹھ بھی سکتا تھا۔جب وہ اس کے گالوں کو بھی سرخ کر چکی تو ایک تنقیدی نظر عمیر کے چہرے پر ڈالی۔داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اب بالکل کسی لڑکی کی طرح لگ رہا

تھا۔ حدیقہ اپنی امڈتی ہوئی ہنسی کو بمشکل کنٹرول کر رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور کیمرہ آن کر کے مختلف پوز سے تصویریں کھینچنے لگی۔ تین چار تصویریں کھینچ کر موبائل آف کیا اور باقی کا سامان اٹھا کر باہر نکلی ہی تھی کہ وہاب سے سامنا ہو گیا۔ وہ شاید عمیر کے کمرے کی جانب ہی آ رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں میک اپ کا سامان اور فون دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ حدیقہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو خوفزدہ ہوئی لیکن یہ سوچ کر کہ اب تو وہ اپنا کام کر چکی ہے اب کیا ٹینشن، اس نے وہاب کو دیکھ کر تیوری چڑھائی اور آگے بڑھ گئی۔

اپنی چھوٹی سے ستواں ناک سکوڑتے ہوئے وہ اسے بہت پیاری لگی تھی۔ اس کے گولڈن بال پونی میں بندھے اس کی پتلی کمر پر جھول رہے تھے۔ وہاب اس کو پیچھے سے جاتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"لگتا ہے کوئی نئی شرارت کر کے آئی ہے۔" وہ سوچتے ہوئے اندر داخل ہوا اور عمیر کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ نہ روک سکا۔ عمیر صاحب تو لگتا تھا سب گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ نا تو انہیں حدیقہ کی کارستانی کا پتہ چلا اور نہ ہی وہاب کے اونچی آواز میں قہقہے کا علم ہو سکا۔ وہاب اپنی ہنسی روکتا ہوا عمیر کے پاس آیا اور اسے جھنجھوڑ کر اٹھانے لگا۔

"عمیر... عمیر اٹھو" اس نے اونچی آواز میں کہا۔ عمیر نے کسمسا کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"عمیر اٹھو۔ عصر کی اذان ہو گئی ہے نماز پڑھنے نہیں جانا" اس نے اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔ تو عمیر نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول دیں۔

"عصر ہو گئی" وہ آنکھیں ملتا ہوا سستی سے بولا۔

"ہاں جلدی اٹھو۔"

"یار اتنی جلدی ہو بھی گئی ابھی تو میں سویا تھا۔" وہ انگڑائیاں لیتے ہوئے اپنی سستی دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"دو گھنٹے سے سو رہے ہو۔ میں خود تمہیں دیکھ کر گیا تھا۔ چلو اب سستی مت کرو نماز کیلیے لیٹ ہو جائیں گے۔"

"ایک تو تم ہر وقت میری اماں بنا رہا کرو....." باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ کیوں کہ وہ شیشے میں اپنا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

"یہ.... یہ میرے چہرے کو کیا ہو گیا؟" صدمے سے اس کا برا حال تھا۔

"اب یہیں رونے مت بیٹھ جانا وضو کیلیے منہ دھوؤ گے تو صاف ہو جائے گا"

"حدیقہ کی بچی یہ تمہارا ہی کام ہے۔ آج میں اس کی یہ حرکت ماما کو ضرور بتاؤں گا۔ بلکہ ابھی یہی چہرہ دکھاتا ہوں تاکہ ان کو پتہ چلے ان کے لاڈلی کیا کرتی پھرتی ہے۔" وہ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا تو وہاب نے کھینچ کر اسے واش روم کی جانب کیا۔

"تمہیں ضرورت نہیں اپنا چہرہ دکھانے کی۔ حدیقہ خود ہی دکھا دے گی کیوں کہ وہ اپنے فون میں تمہاری تصویریں بھی کھینچ کر لے گئی ہے۔ تم اب شرافت سے وضو کرو ورنہ لیٹ ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

"یہ تو بہت برا ہوا یار اب وہ ہر کسی کو میری تصویریں دکھائے گی۔ میرا مذاق بنا دے گی یار" عمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ حدیقہ سے تصویریں ڈیلیٹ کروا دے کیوں کہ یہ وہی جانتا تھا حدیقہ اسے کتنا تنگ کرنے والی ہے۔

"کچھ نہیں ہوتا یار تمہاری بہن ہے۔ زیادہ سے زیادہ پیسے ہی مانگے گی۔ تم دے کر جان چھڑا نا ابھی تو وضو کر کے نماز کیلیے جلدی آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں" وہاب نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

" جسے دیکھو مجھے ہی کہتا ہے۔ تمہای چھوٹی بہن ہے۔ ہونہہ۔ اللہ کسی دشمن کو بھی اس طرح کی بہن نہ دے" وہ غصے سے بڑبڑایا اور واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

-------------------------

حدیقہ بہت خوش تھی۔ کیوں کہ بابا مان گئے تھے کہ وہ سپورٹس کلب جا سکتی ہے۔ اسے شروع سے صرف ایک کھیل پسند تھا اور وہ تھا بیڈ مینٹن۔ پڑھائی کے دنوں میں وہ اتنا کھیل تو نہ پاتی لیکن چھٹیوں میں وہ بہت کھیلتی۔ اس نے یہ کھیل عمیر بھائی سے سیکھا تھا۔ اسے شٹل کاک کو ریکٹ سے اڑانے میں اتنا مزہ آتا تھا کہ شٹل کاک اس سے دور ہی کیوں نہ ہو اسے ہر حال میں اسے نیچے گرنے نہیں دیتی تھی اور اس کے لیے زور سے اوندھے منہ بھی گر جایا کرتی۔ ایک دو دفعہ تو پاؤں بھی تڑوا لیا۔ لیکن بیڈ مینٹن سے محبت میں کمی نہ ہوئی۔ وہ ہر کسی کو اس میں ضرور ہراتی تھی سوائے عانیہ کے۔ دس دس منٹ ان کا راؤنڈ چلتا۔ لیکن جیت عانیہ کے مقدر میں ہی ہوتی۔ عانیہ کو تو خیر دوسرے بہت سے کھیلوں میں بھی دسترس حاصل تھی لیکن حدیقہ کا پسندیدہ کھیل یہی تھا۔ اور اب وہ باقاعدہ کسی سپورٹس کلب میں اس کھیل کو کھیلنا چاہتی تھی۔ دراصل اسے یہ آئیڈیا کرن نے دیا تھا۔ کہ دونوں شام کے وقت وہاں آکر کھیلا کریں تاکہ ملنے کا ایک بہانہ بن جائے اور ساتھ ساتھ آؤٹنگ بھی ہو جایا کرے۔ اب وہ بہت خوش تھی اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کیلیے کوئی شرارت نہ کرے۔ پہلے اس کے ذہن میں عنیقہ کا نام آیا۔ لیکن آج تو ان کے مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس لیے اس کو تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اب اس کے قدم تیزی سے عمیر بھائی کے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کمرے کے پاس پہنچ کر اس نے دروازہ کھولنے کیلیے ہاتھ رکھا لیکن کچھ سوچ کر پیچھے ہٹا لیا اور دروازے سے کچھ آگے کھڑکی کی جانب بڑھی۔ کھڑکی کے شیشے بند تھے لیکن پردہ ہٹا ہوا تھا۔ اس نے اندر جھانکا تو عمیر بھائی سٹڈی ٹیبل پر ڈھیر ساری کتابیں رکھے کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔ شاید وہیں پر قیلولہ فرما رہے تھے۔ یعنی کہ موقع اچھا تھا۔ ایک سیکنڈ میں اس کے دماغ نے پلان بنا ڈالا۔ جس پر دل نے خوش ہو کر شاباشی دی۔ وہ مسکراتی ہوئی الٹے قدموں بھاگی۔ کچھ دیر میں وہ ہاتھوں میں کوئی سامان اٹھائے آہستہ سے عمیر کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ عمیر کے پاس پہنچ کر اس نے ایک نظر سوئے ہوئے بھائی کو دیکھا جسے اب وہ بہن بنانے جا رہی تھی۔ احتیاط سے سارا سامان سٹڈی ٹیبل

پر رکھا اور میک اپ کٹ اٹھا کر کھول لی۔ اس میں سے پنک کلر انگلی پر لگایا اور اس انگلی کو عمیر کی دائیں آنکھ پر پھیرنے لگی۔ عمیر نیند میں ہلکا سا کسمسایا اور حدیقہ کا تو جیسے دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ حسب عادت اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن سب کچھ ٹھیک ہونے پر پھر سے آنکھیں کھول کر انگلی سے دوسری آنکھ بھی گلابی کر دی۔ پھر اس نے لپ گلوز کھول کر عمیر کے ہونٹوں پر پھیرا۔ لپ سٹک لگانے کا رسک اس لیے نہ لیا کیونکہ لپ سٹک کو ذرا دبا کر لگانا پڑتا ہے۔ اور اس وجہ سے عمیر اٹھ بھی سکتا تھا۔ جب وہ اس کے گالوں کو بھی سرخ کر چکی تو ایک تنقیدی نظر عمیر کے چہرے پر ڈالی۔ داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اب بالکل کسی لڑکی کی طرح لگ رہا تھا۔ حدیقہ اپنی امڈتی ہوئی ہنسی کو بمشکل کنٹرول کر رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور کیمرہ آن کر کے مختلف پوز سے تصویریں کھینچنے لگی۔ تین چار تصویریں کھینچ کر موبائل آف کیا اور باقی کا سامان اٹھا کر باہر نکلی ہی تھی کہ وہاب سے سامنا ہو گیا۔ وہ شاید عمیر کے کمرے کی جانب ہی آ رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں میک اپ کا سامان اور فون دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ حدیقہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو خوفزدہ ہوئی لیکن یہ سوچ کر کہ اب تو وہ اپنا کام کر چکی ہے اب کیا ٹینشن، اس نے وہاب کو دیکھ کر تیوری چڑھائی اور آگے بڑھ گئی۔

اپنی چھوٹی سے ستواں ناک سکوڑتے ہوئے وہ اسے بہت پیاری لگی تھی۔ اس کے گولڈن بال پونی میں بندھے اس کی پتلی کمر پر جھول رہے تھے۔ وہاب اس کو پیچھے سے جاتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"لگتا ہے کوئی نئی شرارت کر کے آئی ہے۔" وہ سوچتے ہوئے اندر داخل ہوا اور عمیر کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ نہ روک سکا۔ عمیر صاحب تو لگتا تھا سب گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں۔ نا تو انہیں حدیقہ کی کارستانی کا پتہ چلا اور نہ ہی وہاب کے اونچی آواز میں قہقہے کا علم ہو سکا۔ وہاب اپنی ہنسی روکتا ہوا عمیر کے پاس آیا اور اسے جھنجھوڑ کر اٹھانے لگا۔

"عمیر... عمیر اٹھو" اس نے اونچی آواز میں کہا۔ عمیر نے کسمسا کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"عمیر اٹھو۔ عصر کی اذان ہو گئی ہے نماز پڑھنے نہیں جانا" اس نے اس کا منہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔ تو عمیر نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول دیں۔

"عصر ہو گئی" وہ آنکھیں ملتا ہوا سستی سے بولا۔

"ہاں جلدی اٹھو۔"

"یار اتنی جلدی ہو بھی گئی ابھی تو میں سویا تھا۔" وہ انگڑائیاں لیتے ہوئے اپنی سستی دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"دو گھنٹے سے سو رہے ہو۔ میں خود تمہیں دیکھ کر گیا تھا۔ چلو اب سستی مت کرو نماز کیلیے لیٹ ہو جائیں گے۔"

"ایک تو تم ہر وقت میری اماں بنا رہا کرو....." باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ کیوں کہ وہ شیشے میں اپنا چہرہ دیکھ چکا تھا۔

"یہ.... یہ میرے چہرے کو کیا ہو گیا؟" صدمے سے اس کا برا حال تھا۔

"اب یہیں رونے مت بیٹھ جانا وضو کیلیے منہ دھوؤ گے تو صاف ہو جائے گا"

"حدیقہ کی بچی یہ تمہارا ہی کام ہے۔ آج میں اس کی یہ حرکت ماما کو ضرور بتاؤں گا۔ بلکہ ابھی یہی چہرہ دکھاتا ہوں تاکہ ان کو پتہ چلے ان کے لاڈلی کیا کرتی پھرتی ہے۔" وہ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا تو وہاب نے کھینچ کر اسے واش روم کی جانب کیا۔

"تمہیں ضرورت نہیں اپنا چہرہ دکھانے کی۔ حدیقہ خود ہی دکھا دے گی کیوں کہ وہ اپنے فون میں تمہاری تصویریں بھی کھینچ کر لے گئی ہے۔ تم اب شرافت سے وضو کرو ورنہ لیٹ ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

"یہ تو بہت برا ہوا یار اب وہ ہر کسی کو میری تصویریں دکھائے گی۔ میرا مذاق بنا دے گی یار" عمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح وہ حدیقہ سے تصویریں ڈیلیٹ کروا دے کیوں کہ یہ وہی جانتا تھا حدیقہ اسے کتنا تنگ کرنے والی ہے۔

"کچھ نہیں ہوتا یار تمہاری بہن ہے۔زیادہ سے زیادہ پیسے ہی مانگے گی۔تم دے کر جان چھڑانا ابھی توضو کر کے نماز کیلیے جلدی آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں" وہاب نے اسے ڈانٹ کر کہا۔اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

" جسے دیکھو مجھے ہی کہتا ہے۔تمہای چھوٹی بہن ہے۔ہونہہ۔اللہ کسی دشمن کو بھی اس طرح کی بہن نہ دے" وہ غصے سے بڑبڑایا اور واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

---

بتول نے صبح نماز پڑھنے کے بعد آکر ناشتہ تیار کیا۔جب تک ریان بھی آچکا تھا۔پھر وہ سالار اور عدیل کیلیے ناشتہ لے کر انیکسی چلی گئی۔سالار کو ناشتہ کرانے اور تیار کر کے سکول جانے کیلیے بھیجنے کے بعد وہ واپس آئی تو ریان بھی جاچکا تھا۔اس نے جلدی سے کچن سمیٹا اور برتن دھونے لگی۔عانیہ نو بجے ناشتہ کرتی تھی اس لیے ابھی اس کے پاس کافی ٹائم تھا۔برتن دھونے کے بعد وہ انیکسی چلی گئی اور وہاں کی صفائی کرنے لگی۔ساڑھے آٹھ بجے اس نے آکر ناشتہ تیار کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر لگادیا۔عانیہ خود ہی نو بجے ناشتے کے لیے آجاتی تھی۔اس لیے وہ مطمئن ہو کر دوسرے کاموں میں لگ گئی۔لیکن ساڑھے نو بج گئے اور عانیہ نیچے نہ آئی تو بتول کو فکر ہونے لگی۔

(کہیں طبیعت خراب تو نہیں ہو گئی دیا بی بی کی۔مجھے جا کر دیکھنا چاہیے۔)وہ سوچ کر عانیہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔پہلے دروازے پر دستک دی لیکن عانیہ کی نہ کوئی آواز آئی اور نہ ہی اس نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا۔بتول نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور دیکھا تو کمرہ خالی تھا۔اس نے آگے بڑھ کر واش روم کا دروازہ چیک کیا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا اور اندر کوئی نہیں تھا۔بتول کو تشویش ہونے لگی۔وہ بھاگتی ہوئی باہر لان میں آئی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔پھر اس نے بیک گارڈن اوپر کا ٹیرس اور ریان تک کا کمرہ چھان مارا لیکن دیا اسے کہیں نہ ملی۔وہ بھوکھلاہٹ میں انیکسی کی طرف بھاگی تاکہ عدیل کو بتائے لیکن اسے یاد آیا عدیل تو سالار کو سکول چھوڑنے گیا ہوا ہے۔اور وہ پارک میں جاگنگ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ لیٹ آتا ہے۔

"یااللہ اب کیا کروں۔ دیابی بی پتہ نہیں صبح صبح کہاں چلی گئی ہیں۔ عدیل بھی نہیں ہیں اور موبائل بھی گھر چھوڑ گئے ہیں۔ کیا کروں؟ ریان صاحب کو فون کرتی ہوں؟" وہ کہتی ہوئی فون اٹھا کر ریان کو فون کرنے لگی۔ لیکن ریان فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ بتول پریشانی میں اسے لگاتار کالز کرنے لگی۔ دس منٹ بعد فون اٹھا لیا گیا۔

"اسلام وعلیکم۔ ریان صاحب" وہ چھوٹتے ہی بولی۔

"بتول کیا ہوا ہے اتنی مس کالز۔ میں میٹنگ میں تھا۔ اور تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ اس وقت مجھے فون مت کیا کرو۔" اس نے بتول کو جھاڑ پلائی۔

"صاحب جی وہ دیابی بی...."

"کیا ہوا دیا کو" وہ یکدم پریشان سا ہو گیا۔

"وہ مل نہیں رہیں۔ میں نے ہر جگہ تلاش کر لیا ہے..."

"واٹ؟.... یہ کیا کیا کہہ رہی ہو تم تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ کہاں جا سکتی ہے وہ؟ تم دوبارہ تلاش کرو" اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"میں نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے صاحب۔ عدیل بھی ابھی گھر نہیں آئے تو میں نے آپ کو فون کر دیا۔"

"اچھا تم پریشان مت ہو۔ وہ یہیں کہیں ہو گی۔ کہاں جانا ہے اسے آخر۔ میں بس پہنچ رہا ہوں۔ تم گارڈ سے پوچھو۔" وہ پریشانی کے عالم میں کہتا باہر کی جانب بڑھا۔ اور تیز سپیڈ سے گاڑی چلاتے ہوئے گھر کی جانب ڈال دی۔ دیا کا چہرہ بار بار اس کے سامنے آ رہا تھا۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ وہ دیا کو کھو دے گا۔

(کہاں چلی گئی ہو دیا؟)

(کہیں وہ لوگ اسے پھر سے اغوا کر کے تو نہیں لے گئے جو اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔)

(نہیں ایسا نہیں ہو سکتا)

(تو پھر وہ خود سے تو کہیں نہیں جاسکتی نا۔ڈیڑھ ہفتے سے وہ میرے گھر پر ہے۔اب وہ کہاں جاسکتی ہے۔ضرور انہی لوگوں نے اسے کڈنیپ کیا ہو گا)

اس کا ذہن اس وقت مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔گھر کے سامنے آکر اس نے ہارن بجایا۔اندر سے گیٹ کھولا گیا تو وہ گاڑی پورچ میں روک کر باہر نکلا۔سامنے ہی اسے عدیل،بتول اور گارڈ پریشان سے دکھائی دیے۔

"صاحب جی گارڈ سے بھی پوچھ لیا ہے لیکن اس نے کسی کو گیٹ سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"عدیل ڈرے سہمے لہجے میں بولا

"کیا بکواس کر رہے ہو۔نہ وہ اندر ہے نہ باہر گئی ہے۔تو جن بھوت لے گئے ہیں اسے۔"وہ غصے سے دھاڑا۔

"قسم لے لو صاحب میں نے ساری رات جاگ کر ڈیوٹی دی ہے لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔"گارڈ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی مجھے لگتا ہے کوئی دیوار سے پھلانگ کر آیا ہو گا اور دیا بی بی کو اغوا کر کے لے گیا ہو گا۔"عدیل نے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا ابھی اور اسی وقت دفع ہو جاؤ اور جا کر اسے ڈھونڈو۔ورنہ یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"وہ ان کو غصے سے کہتا بتول کی جانب مڑا۔

"تم پچھلی جانب دیوار کو چیک کرو شاید کوئی سراغ مل سکے۔"اس نے کہا تو بتول بیک گارڈن کی طرف بھاگی۔وہ خود گاڑی لے کر باہر چلا گیا۔

---

وہ گاڑی کو چلاتے ہوئے ونڈو سکرین سے سڑک پر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔صبح سے شام ہو گئی تھی لیکن دیا اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔پریشانی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دیا کو کسی طرح ڈھونڈ کر اپنے سامنے لا کھڑا کرے۔

اچانک اس کے فون کی بپ بجی جو ڈیش بورڈ پر پڑا تھا۔ریان نے تیزی سے موبائل آن کیا تو کوئی واٹس ایپ کا میسج تھا۔اس نے جلدی سے اسے کھولا اور ششدرہ گیا۔وہ دیا کی تصویر تھی جس میں وہ ایک اندھیرے کمرے میں ایک کرسی پر رسیوں سے جکڑی ہوئی تھی۔اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ شاید بے ہوش لگ رہی تھی۔ریان کے دل میں درد کی ایک لہرا اٹھی تھی۔اس نے غصے سے لب بھینچ لیے تھے اور گاڑی کو بریک لگا دی۔تبھی موبائل پر کال آنے لگی۔اس نے فوراً سے پہلے کال اٹھائی۔

"دیکھ لی اپنی محبوبہ کی تصویر۔بے چین تو بڑے ہو رہے ہو گے تم" دوسری جانب سے کوئی قہقہہ لگا کر بولا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔اگر دیا کو کچھ ہوا تو بہت برا حشر کروں گا تمہارا" وہ غصے سے دھاڑا۔

"آں... آں غصہ نہیں۔مجنوں صاحب۔یہ وقت ہوش سے کام لینے کا ہے جوش سے نہیں۔یہ نہ ہو تمہاری وجہ سے اس چھوٹی سی چڑیا کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

"ہاں یہ بات کی نا کام کی۔اگر اس لڑکی کو بچانا چاہتے ہو تو ایک ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں وہاں آ جاؤ اور اگر کوئی ہوشیاری کی تو اس لڑکی کا انجام بہت برا ہو گا۔" سفاکی سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی گئی تھی۔اس نے غصے سے موبائل کو دیکھا اور سٹیرنگ پر زور سے ہاتھ مارا۔جلد ہی فون کی بپ بجی تو اس نے میسج اوپن کر کے دیکھا۔اب وہ دیے گئے ایڈریس پر جا رہا تھا۔تقریباً دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ایک جگہ پہنچا جو شہر کے گنجان آباد علاقے سے ہٹ کر تھا۔وہ گاڑی روک کر باہر آ گیا۔تبھی سڑک کے دوسری طرف سے بلیک وین آتی دکھائی دی۔ریان کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔اسے لگا کہ دیا اس وین میں ہو گی۔لیکن وین میں سے دو اسلحہ بردار آدمی نکلے۔ایک آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"دیا کہاں ہے؟" وہ ان دونوں کی جانب دیکھ کر اونچی آواز میں بولا۔

"وہیں لے کر جا رہے ہیں تمہیں" ایک آدمی نے کرخت آواز میں کہا۔ اور دوسرا آدمی ایک سیاہ پٹی اس کی آنکھوں پر باندھنے لگا۔ اگر اسے دیا کی پریشانی نہ ہوتی تو اب تک ان دونوں کو وہ ٹھکانے لگا چکا ہوتا لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکا کیونکہ دیا خطرے میں تھی۔ اس آدمی نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہاتھ بھی پیچھے کی طرف باندھ دیے۔ اور وین کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے اندر کی طرف دھکا دے دیا۔ اور دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ گاڑی سٹارٹ ہو گئی اور اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ لوگ اسے کن راستوں سے لے کر گئے ہیں۔ تقریبا ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد گاڑی روک دی گئی۔ دروازہ کھول کر اسے باہر نکالا گیا اور پتہ نہیں کس جانب لے کر چل پڑے۔ پھر کہیں پہنچ کر اسے کرسی پر بٹھا کر جکڑ دیا گیا۔ صرف بازو کھلے رکھے گئے تھے اور ریان کو حیرت ہوئی تھی۔ انہوں نے جب اس کی آنکھوں سے پٹی اتاری تو اس نے دیکھا کہ وہ کوئی آفس نما کمرہ تھا۔ ایک سائیڈ پر صوفے لگے تھے۔ جس کرسی پر اسے بٹھایا گیا تھا اس کے سامنے ایک میز تھا اور اس میز کے آگے ایک اور کرسی پڑی تھی چار اسلحہ بردار وہاں کھڑے تھے۔ کمرہ نیم تاریک تھا۔ ریان کو اپنی جان کی فکر کی بجائے دیا کی ٹینشن کھائے جا رہی تھی۔

اچانک کمرے میں کوئی داخل ہوا تو اس نے سر اٹھا کر اندر آنے والے کی طرف دیکھا۔ تقریباً چالیس سال کا شخص مونچھوں والا کرخت چہرہ لیے ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی باڈی بلڈر ریسلنگ لڑنے آیا ہو۔ وہ آ کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے درمیان میز حائل تھا۔ اس آدمی نے اپنے کارندوں کو اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ باہر نکل گئے۔ اس نے تھوڑا سا آگے ہو کر اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹکا دیں اور ریان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" ریان ضبط سے بولا۔

"کیا دے سکتے ہو تم؟" اس آدمی نے الٹا اسے سوال کیا۔

"کیا مطلب ؟" ریان اچنبھے سے بولا۔

"مطلب یہ کے ایک ہاتھ سے لو اور ایک ہاتھ سے دو۔" وہ آدمی مسکرا کر بولا۔

"کتنے چاہیں ؟" ریان کو سمجھ آگئی کہ وہ پیسوں کے بنا دیا کو نہیں چھوڑیں گے۔

"پیسے نہیں چاہیں۔ بس ایک اگریمنٹ سائن کر دو اور لڑکی لے جاؤ"

"کیسا اگریمنٹ ؟"

"اس کانٹریکٹ کے مطابق تمہیں اپنی ماربل کمپنی کے شئیرز اس لڑکی کے بدلے میں دینے ہوں گے...."

"اور ابھی تم کہہ رہے تھے تمہیں پیسے نہیں چاہیں" ریان طنز سے بولا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو۔ یہ کانٹریکٹ ایک وصیت نامہ ہے جس میں تمہاری موت کے بعد تمہاری کل جائیداد یعنی کہ تمہاری کمپنی اور تمہارا گھر سب اس خیراتی ادارے کے پاس جائے گا۔" وہ شخص کہہ رہا تھا لیکن ریان الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ وصیت نامے کے چکروں میں کیوں پڑ گیا ہے۔ وہ چاہے تو سب کچھ ابھی بھی لے سکتا ہے۔ اور وہ واقعی نیک ہے یا بننے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اس کی ساری دولت کسی خیراتی ادارے کو دینا چاہتا ہے۔ اگر انہیں تاوان چاہیے ہی نہیں تھا تو دیا کو اغوا کرنے کی وجہ کیا ہے۔ وہ سوچ میں پڑا تھا کہ اس آدمی کی آواز آئی۔

"میں جانتا ہوں کہ اپنی دولت کسی کے حوالے کر دینا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ تمہارے پاس دو آپشن ہیں لڑکی یا دولت۔ ایک کو سلیکٹ کر سکتے ہو۔ تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ غور سے کانٹریکٹ پڑھ لو۔ اور فیصلہ کر لو جب تم کانٹریکٹ سائن کرنے سے انکار کر دو گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا لیکن لڑکی کا خیال دل سے نکال دینا۔ پھر ہم جانیں کہ اس کے ذریعے کیسے کمائیں۔" وہ کرختگی سے کہتا ہوا اٹھا تھا۔ ریان فیصلہ تو اسی وقت کر چکا تھا۔ لیکن اس کی آخری بات پر غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"سنو مجھے تمہاری ڈیل منظور ہے۔میں کانٹریکٹ پر سائن کرنے کو تیار ہوں۔لیکن کیا گارینٹی ہے کہ اس کے بعد تم دیا کو چھوڑ دوگے۔"وہ اونچی آواز میں بولا۔وہ آدمی مسکراتے ہوئے مڑا۔

"واہ یہ کی نامردوں والی بات۔محبت بھی کیا کیا کروادیتی ہے انسان سے۔ویسے میرا ایک مخلصانہ مشورہ مانو۔چھوڑو محبت کو۔آج کل پیسا ہی سب کچھ ہے۔یہ لڑکی نہ سہی تو کوئی اور سہی"وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔طنز کے ساتھ ساتھ مفت مشورہ بھی دے ڈالا۔جبکہ ریان اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گیا۔

"پین دو"ریان بے تاثر چہرے کے ساتھ کانٹریکٹ کی فائل کو اپنی جانب کر کے بولا۔آدمی نے مسکراتے ہوئے پین دیا۔اور ریان نے کانٹریکٹ سائن کر دیا۔

"اس کی ایک کاپی ابھی تمہارے وکیل کو بھیج دی جائے گی۔تم اس سے فون پر بات کر کے کلیئر کرو لیکن اصل بات سامنے نہ آنے پائے۔"وہ حکم دے کر بولا۔ریان نے فون نکال کو اپنے وکیل کو فون کیا۔اور اسے بتایا کہ وہ اپنا وصیت نامہ بھیج رہا ہے تو وکیل حیران ہوا کہ اسے ابھی کیا ضرورت پڑ گئی ہے وصیت نامے کی۔اور ساتھ ہی ساتھ یہ پوچھا کہ کیا آپ نے شادی نہیں کرنی جو ساری جائیداد کسی ٹرسٹ کے حوالے کر رہا ہے۔اصل بات تو یہ تھی کہ یہ سوال ریان کے زہن میں بھی کھلبلی مچا رہے تھے۔ہو سکتا ہے اس وصیت نامے پر سائن کروانے کے بعد وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں لیکن ابھی اسے دیا کو بچانا تھا۔بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔دستخط کر کے ریان نے کانٹریکٹ اس کے حوالے کیا تو وہ آدمی پراسرار مسکراہٹ لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"گڈ.......لڑکی یہاں پہنچ رہی ہے آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔میں اب چلتا ہوں"وہ مڑ کر جانے لگا۔

"کیا تم کوئی گیم تو نہیں کھیل رہے میرے ساتھ۔"ریان مشکوک انداز میں بولا۔

"ہم غلط کام بڑی ایمانداری سے کرتے ہیں تاکہ پکڑے جانے کا خوف نہ ہو۔اس لیے بے فکر رہو۔آج کے دن تم دونوں آزاد ہوگے کل کا پتہ نہیں"وہ آدمی کہہ کر رکا نہیں تھا، تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا تھا۔اس کے چاروں

کارندے پھر سے اندر آ گئے تھے۔ ریان کے ہاتھ تو کھلے تھے لیکن وہ کرسی پر جکڑا ہوا تھا۔ اور رسی کو گرہ ایسی جگہ لگی تھی کہ کھلے ہاتھ ہونے کے باوجود وہ اسے کھول نہیں سکتا تھا۔ اب اسے آدھا گھنٹہ انتظار کرنا تھا۔

---------------------------------

حدیقہ آج پہلی دفعہ سپورٹس کلب گئی تھی جہاں کرن کے علاوہ اس کی دوسری دوستیں بھی آئیں تھیں۔ جو باتیں کرنے صرف آج کیلیے ہی آئیں تھیں۔ وہ چار بجے وہاں پہنچی تھی۔ ایک گھنٹہ تو بیڈمینٹن کا میچ دیکھتے ہوئے باتوں میں گزارا پھر کرن اور حدیقہ کا بیڈمینٹن کا مقابلہ ہوا جس میں جیت حدیقہ کی ہوئی۔ پھر باری باری سب نے اپنی قسمت آزمائی۔ آج حدیقہ کو عانیہ کی بہت یاد آئی تھی۔ اس لیے وہ کچھ اداس سی ان کے درمیان بیٹھی رہی تھی۔ جب کرن نے یہ بات نوٹس کی تو اس نے اس سے اداسی کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ عانیہ کی یاد آ رہی ہے۔ تو سب نے مل کر اسے تسلی دی پھر باتوں میں لگا کر اس کا دھیان بٹا دیا۔ اب چھ بجے وہ گھر پہنچی تھی۔ لان میں بابا اور وہاب کے علاوہ سب گھر والوں کی محفل لگی ہوئی تھی۔ تائی جان، عنیقہ، آپی نور اور اس کے سسرال والے سب اسی طرف تھے۔ وہ گاڑی پورچ میں روک کر سیدھا ان کی طرف آئی تھی۔ بے شک وہ ان کے ذاتی مہمان نہیں تھے لیکن تھوڑی دیر تو ان کے پاس بیٹھنا چاہیے تھا نا۔ یہی سوچ کر وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور سب کو اونچی آواز میں سلام کیا۔ مہمانوں میں دو ادھیڑ عمر عورتیں، نور آپی کی نند، دیور، اور شوہر تھے۔ تعارف تو نور آپ کی شادی پر ہی ہو چکا تھا اس لیے وہ حال چال پوچھنے لگی۔ تائی جان کے چہرے پر اسے دیکھ کر واضح ناگواری ابھری تھی۔ جسے اس نے جلد ہی محسوس کر لیا اور وہاں سے معذرت کرتی اٹھ کر کمرے میں آ گئی تھی۔ اے سی آن کر کے تھکن دور کرنے کیلیے بیڈ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ عنیقہ آ ٹپکی۔

"تم سپورٹس کلب گئی تھی؟" عنیقہ نے ابھی نیچے چچی جان سے سنا تھا کہ وہ سپورٹس کلب جانے لگی ہے تو اس سے رہا نہ گیا سو ڈائریکٹ پوچھنے آ گئی۔

وہ تو شکر تھا تائی جان کو بھول گیا تھا اور انہوں نے عنیقہ کو اس بارے کچھ نہ بتایا ورنہ عنیقہ بھی اس کے ساتھ ہی جانے کی ضد کرتی اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی کیونکہ تائی جان نے لعنت ملامت اسے ہی کرنی تھی کہ میری بیٹی کو بھی خراب کر دیا۔

"ہاں" وہ مختصراً بولی

"تو مجھے نہیں بتا سکتی تھی۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلی جاتی۔" عنیقہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے غصے سے بولی۔

"تمہارے مہمان آئے ہوئے تھے اس لیے تمہیں لے جانا مناسب نہ سمجھا" وہ ایسے بولی جیسے اگر مہمان نہ آئے ہوتے تو وہ اسے ضرور لے کر جاتی۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن کل سے مجھے بھی لے جانا"

"جب تک مہمان چلے نہیں جاتے تم میرے ساتھ مت جانا تائی جان ناراض ہوں گی۔"

"پتہ نہیں مہمان کب تک یہاں رکیں گے۔" عنیقہ کوفت سے بولی۔

"عنیقہ شرم کرو مہمان تمہاری بہن اور اس کے سسرال والے ہیں۔ تھوڑی سی خدمت کر دو گی تو ثواب ہو گا" وہ تو جیسے ہر حال میں اسے روکنا چاہتی تھی۔

"صبح سے ہی تو ان کی خدمتیں کر رہی ہوں۔ اتنے کام تو ماسی نے نہ کیے ہوں گے جتنے میں نے کر لیے۔ ہائے یار اب تو کمر بھی دکھ گئی ہے۔ مجھے نہیں پتہ میں کل سے تمہارے ساتھ جا رہی ہوں"

"تو وہاں جا کر کونسا کمر کو آرام مل جائے گا ہو سکتا ہے کھیل کر درد اور بڑھ جائے"

"میں کونسا کھیلنے کیلیے جاؤں گی بس بیٹھ کر تمہارا کھیل دیکھوں گی"

"تم تھوڑی ہی دیر میں اکتا جاؤ گی۔ میری مانو تو یوٹیوب پر کوئی اچھا سا ڈرامہ ڈاؤن لوڈ کر کے دیکھ لینا"

"اچھا ٹھیک ہے میں جانتی ہوں تم ماما کی وجہ سے مجھے نہیں لے کر جانا چاہتی۔"عنیقہ نے بے دلی سے کہہ کر کشن اپنی گود میں رکھ لیا۔

"بڑی جلدی سمجھ نہیں آ گیا تمہیں"وہ طنز سے بولی۔

"اچھا طنز چھوڑو ایک بات بتاؤ"وہ تھوڑا سا آگے کو ہو کر پر جوش لہجے میں بولی۔تو حدیقہ نے صرف بھنویں اچکانے پر اکتفا کیا۔

"تمہیں زوہیب کیسا لگا؟"

"کون زوہیب"وہ لاپرواہی سے بولی۔

"ارے اب اتنی بھی بھولی مت بنو۔وہی آپی نور کا دیور۔نیچے دیکھا نہیں تھا کیسے تمہیں پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔کہو تو میں تمہارا معاملہ اس سے سیٹ کروا دوں....."

"اس طرح کی بکواس کرنی ہے تو جاؤ یہاں سے"وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے درشتی سے بولی۔نہ جانے اسے اپنے بارے میں اس طرح سننا پسند نہیں تھا۔اتنا غصہ آتا تھا کہ دل کرتا جس نے اس کے بارے میں ایسی بات کہی ہے اس کا سر پھاڑ دے۔اسے کسی لڑکے کے بارے میں سوچنا بھی غلط لگتا تھا۔وہ شرمیلی تو بہت تھی لیکن ہر لڑکے کو دیکھ کر وہ شرمانے کی بجائے اعتماد سے بات کرتی تھی تاکہ سامنے والے کو پتہ چلے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ الگ سا محسوس نہیں کرتی۔اس کی شرمگیں سی مسکراہٹ کو دیکھنے کا حق تو صرف اس کے ہونے والے شوہر کو ہی تھا۔اور شادی کے بارے سوچتے ہی اس کی جان ہوا ہونے لگتی تھی۔اس لیے اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا بلکہ شادی نہ کرنے کے بارے میں ضرور سوچ لیا تھا۔

"ارے تم تو ناراض ہی ہو گئی میں تو تمہارے بھلے کو ہی کہہ رہی تھی۔"

"بھلائی کیلئے میرے اماں ابا کافی ہیں تم صرف اپنی فکر کرو"وہ رکھائی سے بولی۔

"اپنی فکر تو ختم ہی نہیں ہو گی یار "وہ یکدم اداس ہو گئی۔

"کیوں؟"

"کوئی پازیٹیو رسپانس ہی نہیں مل رہا۔ حالانکہ اس دفعہ پلان اچھا بنایا تھا۔ میں نے اسے سینکڑوں شاعری کے میسج کر دیے پر کسی ایک کا جواب نہیں دیا"عنیقہ کی بات پر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"واٹ؟.... تم اسے شاعری کے میسجز کرتی ہو؟"وہ لفظ تم پر زور دے کر چلائی۔

"تمہیں پتہ ہے پہلے سے ہی؟"عنیقہ حیرت سے بولی۔

"نہیں... میرا مطلب تم اسے شاعری کے میسجز کرتی ہو "اب کی بار لفظ شاعری پر زور دے کر فقرے کا مفہوم بدلنے کی کوشش کی گئی۔

"اچھا میں سمجھی اس نے تمہیں کہیں بتا تو نہیں دیا۔"

(وہ تو مجھ پر الزام لگا کر مجھے الٹی سیدھی بھی سنا گیا ہے)وہ ضبط سے صرف سوچ کر رہ گئی۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اگر اسے پتہ چل گیا نا کہ یہ تم تھی تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے گا"

"یار میں نے تو اس لیے کیا تھا کہ آہستہ آہستہ وہ میسجز کا عادی ہو جائے گا اور میرا دوست بن جائے گا۔ پھر بعد میں اسے پتہ چلے گا کہ یہ میں ہوں جو اسے میسجز کرتی ہوں تو وہ خوش ہو جائے گا"

"ایسا صرف ڈراموں میں ہوتا ہے ضروری نہیں کہ حقیقت میں بھی ایسا ہو۔ تم کام خراب کر رہی ہو۔ اب پلیز ایسا مت کرنا۔"

"کیوں نہ کروں۔ تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کا مشورہ ہے نہیں۔ اب میں خود بھی نہ سوچوں کہ کیا کرنا ہے۔"وہ بگڑ کر بولی۔

"یار تم سمجھ کیوں نہیں رہی اگر تائی جان کو پتہ چل گیا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری تکہ بوٹی بھی بن جائے گی۔" وہ اسے جیسے ہر حال میں اس کام سے روکنا چاہتی تھی۔

"ماما اب اتنی بھی سخت نہیں ہیں جتنی تم ظاہر کر رہی ہو۔ اور انہیں بتائے گا کون" وہ اونچی آواز میں بولی تو حدیقہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"آہستہ بولو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" وہ عنیقہ سے سرگوشی میں بولی۔

"ہاں پر زبان تو نہیں ہوتی نا" وہ لاپرواہی سے بولی۔ اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور نور آپی اندر داخل ہوئیں۔ دنوں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"یہ تم دونوں میں کونسے ایسے ریاض و نیاز چل رہے ہیں جو ماما کو پتہ نہیں چلنے چاہیں" نور آپی ان کے قریب آکر مشکوک لہجے میں بولی دونوں سٹپٹا گئیں۔

"ارے نوری آپی۔ آج آپ کچھ زیادہ ہی پیاری نہیں لگ رہیں۔ راز کیا ہے؟" حدیقہ بات بدلنے کیلئے نوری آپی کی تعریفیں شروع کر دیں۔

"بات بدلنے کی کوشش مت کرو جو پوچھا ہے سیدھے طریقے سے بتاؤ۔ پہلے تو میں نے تم لوگوں میں اتنی انڈرسٹینڈنگ نہیں دیکھی تھی۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گئیں تھیں گویا بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی اب۔ حدیقہ اور عنیقہ نے ایک دوسرے کو ایک لمحے کے لیے دیکھا۔

"آ....وہ میں آجکل بہت اچھی بچی بن گئی ہوں۔ اور عنیقہ کو ذرا بھی تنگ نہیں کرتی اس لیے عنیقہ نے مجھ سے لڑنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہم دونوں میں بہت انڈرسٹینڈنگ ہو چکی ہے۔ آپ شاید آج آئیں ہیں تو اس لیے آپ کو یہ سب نیا لگ رہا ہے" حدیقہ نے بات کا گول مول جواب دیا۔

"ہمم.... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔اچھا یہ بتاؤ تم سپورٹس کلب کیوں جانے لگی ہو؟" آج تو لگتا تھا ساری کلاس ایک ساتھ لے ڈالیں گیں نوری آپی۔

"ویسے ہی دل کیا تو چلی گئی۔اب کوشش کر رہی ہوں پبلک لائبریری جانے کی لیے بھی ٹائم نکالوں۔"

"لڑکی تمہیں گھر سکون نہیں ملتا کیا؟ تم گھر میں رہ کر بھی کھیل اور پڑھ سکتی ہو۔"نوری آپی نے ڈپٹ کر کہا۔

"وہاں میری فرینڈز بھی جاتی ہیں۔اس لیے وہاں مزا آتا ہے۔ویسے بھی بابا نے مجھے خود پرمیشن دی ہے۔اچھا چھوڑیں نا ان باتوں کو یہ بتائیں کہ دولہا بھائی کیسے ہیں۔کچھ سسرال والوں کی دو چار چغلیاں ہی کر دیں۔"

"بدتمیز تمہیں میں چغلیاں کرنے والی لگتی ہوں کیا؟"نوری آپی نے اس کی کمر پر دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چغلیاں نہ سہی اپنے شوہر کی تعریف ہی کر دیں۔"عنیقہ نے لقمہ دیا تو نوری آپی جھینپ گئیں۔

"اپنے دل میں چھپے ان کے لیے احساسات ہی بیان کر دیں" حدیقہ نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بدتمیز و شرم کرو بڑی بہن سے اس طرح کی باتیں کر رہی ہو"وہ خجالت مٹانے کو ذرا غصے سے بولیں۔

"ہاں تو کونسا چھوٹی بہن سے پوچھ رہے ہیں۔اپنی بڑی شادی شدہ بہن سے پوچھ رہے ہیں"عنیقہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔

"تم لوگوں سے بات کرنا ہی فضول ہے۔مرو تم لوگ۔جا رہی ہوں میں"نوری آپی غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر چلیں گئیں۔حدیقہ اور عنیقہ ان کے جاتے ہی ہنس پڑیں۔

"آج تو کلاس لگتے لگتے رہ گئی۔"حدیقہ شکر کرتے بولی۔

"ہاں میرا تو دل ہی ڈر گیا تھا جب انہوں نے پوچھا کہ کیا باتیں کر رہی ہو۔ویسے یار تم بات بدلنے میں ماہر ہو"عنیقہ ہنستے ہوئے بولی۔

"بس کبھی غرور نہیں کیا۔"وہ کالر اکڑا کر بولا۔

"بس بس زیادہ ہوا مت بھرو پھٹ جاؤ گی۔" وہ کہتے ہوئے جلدی سے کمرے سے بھاگ گئی اور حدیقہ کے پھینکے گئے کشن نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

نوری آپی ان دونوں سے بڑی ہونے کے ناطے ہر وقت اپنا رعب جما کر رکھتی تھی۔ اور یہ دونوں ان سے خاصی ڈرتیں بھی تھیں۔ ہر غلط کام پر ان سے الگ ڈانٹ پڑتی تھی۔ وہ کسی تھانے دارنی کی طرح انویسٹیگیشن شروع کر دیتیں تھیں۔ لیکن جب سے ان کی شادی ہوئی۔ اور وہ ان دونوں کو ڈانٹے کی کوشش کرتیں تو یہ بات گھما پھرا کر ان کے میاں پر لے جاتیں اور وہ شرما کر وہاں سے واک آؤٹ کر جاتیں۔ یہ نسخہ ان کے ہاتھ لگا تو وہ بہت خوش ہوئیں تھیں۔

-----------------------------------

ریان کو وہاں آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا جب عانیہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ میرون ٹرینڈی پولسٹر ٹاپ کے ساتھ وائٹ امبریلا سکرٹ اور میرون ٹائٹس میں ملبوس، کھلے براؤن کرل بال شانوں پر بکھرے، سپاٹ چہرہ اور آنکھوں میں سرد مہری لیے وہ ریان کا دل ایک لمحے کو دھڑکا گئی تھی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے یاد آیا کہ وہ بندھا ہوا ہے۔ عانیہ کے آتے ہی چاروں اسلحہ بردار باہر چلے گئے اور باہر سے لاک کرنے کی آواز آئی۔ عانیہ نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا تھا البتہ ریان چونکا تھا۔ عانیہ کی سرخ ہوتی نظریں اس پر جمیں تھیں جو ریان کو الجھن میں ڈال رہی تھیں۔ وہ اسی پر نظریں گاڑے چلتی ہوئی اس کے سامنے والی کرسی تک آئی اور اس پر بیٹھ گئی۔

"دیا تم.... تم ٹھیک تو ہو نا۔ ان لوگوں نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں" ڈھیر ساری الجھن کے باوجود وہ دیا کی ہی فکر کر رہا تھا۔

"کیا مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہو گا کہ تم نے اپنی ساری جائیداد دے کر مجھے بچایا ہے" اس نے عجیب سے لہجے میں طنز کیا تھا۔ ریان حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"ویسے تمہیں دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ ساری دولت کھو جانے کا غم ہے تمہیں۔ پرواہ بھی کیوں ہو گی۔ آخر تمہارے پاس اور بہت سے ذرائع ہیں کمانے کے۔ کیوں ٹھیک کہانا!" تھوڑا سا آگے کو ہو کر کہنیاں میز پر ٹکا کر اور ابرو اچکا کر بولی۔

"دیا تم کیسی باتیں کر رہی ہو اور....." ابھی ریان نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے بات کاٹ دی

"تم کیا سمجھتے ہو ساری زندگی گناہ کرتے رہو گے اور تمہاری پکڑ نہیں ہو گی۔ تو جان لو مسٹر ریان عباس خان کہ تمہارا انجام بھی آ پہنچا" وہ چبا چبا کر بولی۔ جبکہ ریان کو لگا اسے پھر کوئی دورہ پڑا ہے۔

"دیا مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی...."

"دیا نہیں ہے میرا نام.....عانیہ ہوں میں۔ عانیہ صفدر علی۔ میرے ڈیڈ کو جانتے ہو تم؟" وہ یکدم چینخی تھی۔

"جانتے بھی کیسے ہو گے کئی لوگوں کو مار کر ان کے نام تمہیں یاد نہیں ہوں گے۔"

"دیا یہ سب کیا ہے تم کیا کہہ رہی ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ تمہارا یہ رویہ....."

"ہاہ....... سمجھ نہیں آرہا تمہیں۔ اب بھی سمجھ نہیں آرہا۔ کیوں انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو؟" وہ پیچھے ہٹ کر طنزیہ ہنسی اور ماتھے پر بل ڈال کر پوچھنے لگی۔ ریان بے یقین سا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوکے لیٹ می ایکسپلین یو۔ تم دوسروں کے سامنے ایک معزز شہری بنے ہوئے ہو۔ ایک ینگ ایمرجنگ بزنس مین ہو جس کی ماربل کمپنی ہے۔ لیکن میں تمہارا اصل چہرہ جانتی ہوں۔ تم ایک گینگسٹر ہو۔ ایک دہشت گرد جو ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تمہارا باپ دہشت گردی کرتے ہوئے پکڑا گیا اور پھانسی کے پھندے پر چڑھ گیا۔ تم نے اپنے باپ کی جگہ لے لی اور جس پولیس آفیسر کی وجہ سے تمہارا باپ مرا تم نے اس کو اور اس کی بیوی کو ایک حادثے کی صورت میں بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ میں اس پولیس آفیسر کی بیٹی ہوں۔ عانیہ

صفدر۔ تمہاری زندگی میں ایک مقصد کے تحت آئی تھی اور وہ مقصد تھا انتقام۔" اس کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ وہ نفرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جبکہ ریان پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دیا میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہی ہو۔ تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ بے بسی سے صفائی دینے لگا۔ آج تک اس نے کسی کو اپنے بارے میں صفائی پیش نہیں کی تھی۔

"غلط فہمی.... میرے مام ڈیڈ کو تم نے مجھ سے دور کر دیا۔ قتل کر دیا ان کا تمہیں یہ غلط فہمی لگ رہی ہے۔ تمہیں اپنی موت نظر آ رہی ہے نا۔ تم ڈر گئے ہو۔ دوسروں کی جانیں لیتے ہوئے تمہیں یاد نہیں آیا کہ ایک دن تمہیں بھی مرنا ہے۔ یاد ہے تم نے کہا تھا کہ مجھے تمہارا قتل بھی معاف ہے۔ تو میں نے کہا تھا کہ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ اور یاد ہے پھر تم نے کیا کہا تھا؟"

"ہاں یاد ہے میں نے کہا تھا کہ آزما کر دیکھ لو۔" وہ مغموم مسکراہٹ لیے بولا تھا۔

"تو میں تمہیں آج آزمانے جا رہی ہوں۔ ویسے تم مجھے معاف نہ بھی کرو تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا" اس نے کہتے ہوئے میز کی دراز سے پستول نکال کر اس کی جانب تان لیا۔ اسے ریان کا چہرہ پر سکون لگا تھا۔ کیا اسے اس بات سے ڈر نہیں لگ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر بعد تڑپتے ہوئے مرنے والا ہے۔ یہ بات عانیہ کیلیے اچنبھے کا باعث تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ بھی بڑھا کر پستول کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پستول کی نال ریان کے سینے کی سیدھ میں رکھے دائیں ہاتھ کی انگلی ٹریگر پر رکھے اس کے ہاتھ ایک لمحے کو کانپے تھے۔

---

حدیقہ نے رات کا کھانا ایسے کھایا تھا جیسے کوئی پیچھے لگا ہو۔ ماما سے ڈانٹ بھی پڑی تھی۔ لیکن اس نے پرواہ نہ کی اور تیزی سے کھانا ختم کر کے کمرے کی جانب بھاگ گئی۔ سب حیران تھے کہ اسے کس بات کی اتنی جلدی ہے کہ کھانا بھی زہر مار ہی کیا۔ لیکن یہ بات صرف وہ جانتی تھی۔ دراصل ناول نہایت ہی دلچسپ موڑ پر پہنچ چکا تھا اور ماما نے

رات کے کھانے کے لیے بلا لیا تھا۔ پہلے تو اس کا دل کیا کھانا ہی رہنے دے لیکن اگر کھانا نہ کھایا تو ماما کی ڈانٹ کھانی پڑتی۔ سو دماغ نے کھانے کو سلیکٹ کیا۔ اور اب وہ جلدی سے کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آچکی تھی۔ سائیڈ ٹیبل سے ناول اٹھایا اور بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ تجسس سے ناول کھولا۔ اچانک اس کے سامنے ایک لال بیگ آگیا۔ حدیقہ نے پہلے حیرت اور بے یقینی سے دیکھا کہ کہیں یہ لال بیگ کی کوئی تصویر تو نہیں۔ جب سمجھ آیا کہ یہ اصلی ہے تو کتاب اٹھا کر دور پھینکتے ہوئے چیخنے لگی۔ کتاب تو دور جا گری لیکن لال بیگ اس پر ہی گر گیا۔ وہ اٹھ کر بیڈ پر ہی اچھلنے لگی۔ ساتھ میں چیخیں ابھی بھی جاری تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں سب گھر والے اس کے کمرے میں تھے۔ عمرینہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی اور اسے بیڈ سے نیچے کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔

"کیا ہوا حدیقہ کیوں چلا رہی ہو؟" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے نرمی سے پوچھنے لگیں۔

"ماما۔ وہ....." حدیقہ نے روتے ہوئے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ آپی نوری نے آگے بڑھ کر بیڈ چیک کیا تو مرا ہوا لال بیگ نظر آیا۔ انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے اسے اٹھایا اور عمرینہ کے سامنے کیا۔

"دیکھیں چچی جان یہ ایک مرے ہوئے لال بیگ سے ڈر کر چیخیں مار رہی ہے۔"

"یہ میری بک سے نکلا ہے۔" حدیقہ ڈرتے ہوئے بولی۔ وہ شروع سے ہی جانوروں اور حشرات الارض سے بہت ڈرتی تھی۔ ایک دفعہ تو ڈر کے بے ہوش ہوگئی تھی۔ ماما بابا نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ اس ڈر سے نکل آئے لیکن اس کا ڈر ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا۔ انہوں نے تھک ہار کر یہ کوشش ہی ترک کر دی۔ اب بھی اس کا یہ رویہ بے جا نہ تھا۔ ماما بابا بیڈ پر اس کے دائیں بائیں بیٹھے تسلی دینے لگے۔ تائی جان اور عنیقہ تیوری چڑھا کر باہر چلی گئیں جبکہ نوری آپی نے اسے ایک لیکچر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نارمل ہوگئی۔ ماما بابا بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کاکروچ یہاں آیا کیسے۔ وہ مرا ہوا تھا خود تو آنے سے رہا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس نے عمیر بھائی کے ساتھ شرارت کی تھی کہیں یہ انہوں نے بدلہ تو نہیں لیا۔

(لیکن آج سے پہلے تو کبھی بدلہ نہیں لیا تھا حالانکہ کہ وہ جانتے تھے کہ میں ایسی چیزوں سے ڈرتی ہوں۔ پھر بھی مجھے ایسی چیزوں سے نہیں ڈرایا تھا۔ ہونا ہو یہ وہی ہے میرا ازلی دشمن۔ وہاب..... یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔) غصے سے اس کا منہ لال ہو گیا۔

(یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ کوئی مجھے تنگ کرے جس نے آج تک سب کو آگے لگا کر رکھا۔ یعنی کہ مجھے.... مجھے ڈرایا۔ دیکھ لوں گی تمہیں وہاب۔ مجھ سے مقابلہ کرتے ہو۔ ٹھیک ہے اب تمہیں بھی میں بتاتی ہوں کہ میں کیا چیز ہوں) وہ اپنے غصے کو کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کرنے کے لیے گہرے گہرے سانس لینے لگی لیکن وہ بھی کسی صورت ختم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

(تمہارا بیڑا اترے ہو میرا دل ڈرا کے رکھ دیا۔ خود کو بڑا بہادر سمجھتے ہو۔ مجھے بھی کچھ ایسا کرنا ہو گا کہ وہ یاد رکھے۔ کیا کروں؟) طیش میں بھی آکر وہ اسے دعا ہی دے رہی تھی۔ اس کا دماغ ابھی بھی خوف سے نہیں نکلا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔ پھر تھوڑی دیر تک وہ اپنے نئے پلان کے بارے میں سوچتی رہی۔ بالآخر اس کے دماغ نے ایک ایسا آئیڈیا دیا کہ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ اور ناول اٹھا کر پڑھنے لگی لیکن پڑھنے سے پہلے ایک بار چیک کرنا نہ بھولی۔ کیا پتہ ایک اور کاکروچ نکل آتا۔

---------------------

"لیکن مجھے فرق تو پڑے گا۔ تمہیں مجھ سے ایک تحریری معافی نامہ لکھوا لینا چاہیے۔ یہ نہ ہو بعد پتہ چلے کہ میں بے قصور تھا۔ اور تمہیں سزا بھگتنی پڑے۔" ریان اسی ازلی سکون سے بولا۔ عانیہ جو بالکل اسے گولی مارنے ہی والی تھی اس کی بات پر چونکی۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اسے مارنے جا رہی ہے اور وہ ابھی بھی اس کی پرواہ کر رہا۔

"شٹ اپ۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو کہ تمہیں میری بہت پرواہ ہے۔ یہ سب دکھاوہ ہے اور تمہاری چالیں ہیں۔ مجھے تمہیں قتل کرنے کے بدلے اگر پھانسی کے پھندے پر بھی چڑھنا پڑے تو کوئی پرواہ نہیں" وہ تڑخ کر بولی۔

"" تمہیں دنیا کی سزا کی پرواہ نہیں تو کیا آخرت کی سزا کی پرواہ بھی نہیں؟" ریان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سمجھ نہ سکی کہ اس بات کا کیا مطلب ہے۔ ریان پھر بولا۔

"جب قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا کہ ایک شخص کو تم نے قتل کر دیا کیونکہ وہ تمہیں اپنے ماں باپ کا قاتل لگتا تھا۔ کیا تم نے اسے صفائی پیش کرنے کا موقع دیا۔ حالانکہ یہ قانون ہے کہ ایک مجرم اس وقت تک ملزم کہلاتا ہے جب تک عدالت اسے مجرم قرار نہ دے دے۔ اور عدالت میں اس کے سامنے اس کے خلاف ثبوت پیش کیے جاتے ہیں اور وہ اپنے دلائل سے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تم نے قانون کو انوالو نہیں کیا لیکن مجھے اپنے خلاف ثبوت دیکھنے کا حق ہے" ریان نے سنجیدگی سے کہا۔

"واہ۔ لفظوں سے کھیلنا خوب جانتے ہو میں تمہیں پاگل دکھائی دیتی ہوں جو ثبوت کے بنا تم پر الزام لگاؤں گی۔" عانیہ کو اس کی تقریر زہر لگی تھی۔

"تو پھر دکھاؤ۔ یہ نہ ہو بعد میں پچھتاؤ اور تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرے۔" ریان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عانیہ کو پتہ تھا کہ وہ اپنے خلاف ثبوت ضرور مانگے گا اس لیے اس نے پہلے ہی اپنی سکرٹ کی جیب میں وہ تصویریں اور ٹرک کے رجسٹرڈ فارم کی کاپی ڈال لیں تھیں جو حماد نے اسے ثبوت کے طور پر دکھائی تھیں۔ اس نے پستول کو میز پر رکھا اور جیب سے تصویریں نکال کر اس کے آگے رکھیں۔ ایک نظر حقارت سے اس پر ڈالی اور اس کے سامنے رجسٹرڈ فارم کرتے ہوئے بولی۔

"یہ ٹرک تمہاری ملکیت ہے؟

"ہاں؟" وہ بغور دیکھتا بولا۔

"اور یہی وہ ٹرک ہے جس سے میرے مام ڈیڈ کا گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اور اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج یہ ہے۔" اس نے تینوں تصویریں سامنے کی تھیں۔ ایک میں ٹرک کے پیچھے سے لی گئی تھی، اس کا نمبر بھی نظر آرہا تھا۔ دوسری تصویر سائیڈ پوز سے لی گئی تھی جبکہ تیسری تصویر میں ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تینوں تصویروں پر ٹائم بھی درج تھا۔ ایک ایک سیکنڈ کا وقفہ تھا سب میں۔ ریان نے فوٹیجز کو غور سے دیکھا اور مسکرا دیا۔ عانیہ جو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہی تھی کم از کم اس وقت اس کی مسکراہٹ ایکسپیکٹ نہیں کر کر رہی تھی۔

"کیا تم نے خود جا کر یہ فوٹیجز حاصل کیں ہیں؟" ریان نے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں"

"میں جانتا تھا کہ یہ تم نے خود نہیں حاصل کیں۔ اگر انسان سچا ہو تو خدا بھی اس کی مدد وہاں سے کرتا ہے جہاں سے کسی کو گمان تک نہ ہو۔ یہ دیکھو اس تصویر میں جس میں ٹرک کا پچھلا منظر ہے یہ میرا ہی ہے اور یہ دونوں تصویروں میں یہ ٹرک میرا نہیں ہے۔" وہ تصویر پر انگلی رکھ کر بولا۔

"اوہ کم آن۔ اب تم تو ایسا ہی کہو گے" وہ لاپرواہی سے طنز کرنے لگی۔

"اچھا تو یہ دیکھو جو میرا ٹرک ہے اس پر رسیاں باندھی ہوئی ہیں۔" ریان نے اس کا طنز نظر انداز کر کے کہا۔ تو وہ چونکی اور اس تصویر کو غور سے دیکھنے لگی۔ واقعی اس ٹرک پر رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور اندر ماربل کی ٹائلز بھی نظر آرہی تھیں۔ اندھیرا تھا اس لیے کچھ واضح نظر نہیں آرہی تھیں۔ ریان نے دوسری تصویر کی طرف اشارہ کیا جس کا سائیڈ پوز تھا

"اور اس میں دیکھو رسیاں کہاں گئیں۔"ریان نے اطمینان سے کہا تو اس نے جھپٹتے ہوئے تصویر کو نزدیک کر کے دیکھا۔اس سخت حیرانی ہوئی کہ اس تصویر میں واقعی رسیاں نہیں تھیں۔اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر ریان کی طرف دیکھا۔

"اب یہ نہ کہنا کہ یہ بھی میری کوئی چال ہے۔چلو مان لیا کہ رسیاں اتاری جا سکتی ہیں۔لیکن تصویروں پر لگا ٹائم یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں ایک ایک سیکنڈ کا وقفہ ہے۔تو ایک سیکنڈ کے وقفے میں کوئی اتنی جلدی رسیاں کیسے اتار سکتا ہے"

عانیہ کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے۔وہ بے یقینی سے ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔صرف یہ ایک ہی تو ثبوت تھا اور اس میں بھی نقص نکل آیا یعنی حماد نے اسے غلط ثبوت فراہم کیے تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اور کوئی ثبوت ہے؟"ریان نے طنزیہ پوچھا۔

"ہاں ہے۔"اس نے تصویر پکڑ کر اسے دکھائی۔"یہ شخص جو ٹرک میں بیٹھا نظر آرہا ہے۔کیا یہ تمہارا آدمی نہیں۔"وہ جیسے گہرے مراقبے سے جاگی۔

"نہیں جب یہ ٹرک ہی میرا نہیں تو اس میں بیٹھا آدمی میرا کہاں سے آ گیا۔"

"لیکن اس آدمی کی تمہارے ساتھ تصویر کھینچی گئی ہے"وہ اسے وہ تصویر دکھانے لگی جس میں وہ آدمی ایک پارکنگ ایریا میں ریان کے ساتھ کھڑا تھا ریان نے کچھ دیر یاد کرنے کی کوشش کی اور بولا۔

"ہاں یہ واقعی اصلی تصویر ہے لیکن میرے مینیجر نے مجھے ان دونوں سے ملوایا تھا اور کہا تھا کہ اسے جاب چاہیے لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ یہ وہیں کی تصویر ہے جہاں اس نے مجھ سے جاب کی بات کی تھی" ریان نے یقین سے کہا۔

"پھر اس کا کیا مطلب ہوا؟" اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔

"مطلب یہ کہ تمہیں پھنسایا گیا ہے۔ تمہیں مس گائیڈ کیا گیا ہے۔ تم سے کسی بے گناہ انسان کو قتل کروایا جا رہا ہے جس کا خمیازہ شاید تمہیں پوری زندگی بھگتنا پڑے۔" ریان نے بڑے سکون سے اس کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ سخت حیران تھی۔ اسے اتنا تو پتہ چل گیا تھا کہ حماد اور تعبیر نے اسے پھنسایا ہے۔ لیکن اسے سمجھ نہیں آئی کہ یہ کیسا طریقہ ہے پھنسانے کا۔ وہ اب تک ایسے شخص کو اپنا دشمن سمجھتی رہی جس نے اس کے لیے اپنی جائیداد تک قربان کر دی۔ اور جو اپنے تھے انہوں نے ہی اسے دھوکے میں رکھا تھا۔ اگر وہ ریان کو قتل کر دیتی جو بے گناہ تھا۔ تو پھر کیا ہوتا۔ ایک غلطی اس نے حماد اور تعبیر کے ساتھ آ کر کی تھی اور دوسری غلطی ان پر اعتبار کر کے کی تھی۔ وہ کسی بے گناہ انسان کو قتل کرنے جا رہی تھی یہی سوچ کر اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔ اب تو وہ ریان سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس نے دونوں کہنیاں میز پر رکھ کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ ریان اس کی پل پل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

"ریلیکس دیا۔ کبھی کبھی ایسی غلط فہمیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ تم شکر کرو کہ اللہ نے تمہیں اس گناہ سے بچا لیا۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ عانیہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ کہ جسے وہ مارنا چاہتی تھی وہ اس کی اب بھی پرواہ کر رہا ہے۔ اسے تسلی دے رہا ہے۔

"میں نے آج تک کسی کے آگے اپنی صفائی پیش نہیں کی۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ میرا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور تم یہ مت سمجھنا کہ میں نے موت کے ڈر سے تمہارے سامنے اپنی صفائی میں کچھ کہا۔ شاید میں نہیں

چاہتا کہ تم مجھ سے نفرت کرو۔ تم کتنے دن میرے گھر رہی ہو۔ کیا تم نے میری کوئی برائی دیکھی۔ کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی کی۔" وہ دھیمے لہجے میں حقیقت بیان کر رہا تھا۔عانیہ نے اس کی آنکھوں میں یقین دیکھا تھا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔اور ریان کو لگا کہ وہ ان میں ڈوب رہا ہے۔ تبھی باہر پولیس گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں آنے لگیں۔وہ دونوں چونکے۔

"دیا۔ تمہیں یہاں سے جانا ہو گا۔ جلد از جلد۔اب تو تمہیں سمجھ آ گئی ہے کہ تمہیں کیسے پھنسایا گیا ہے۔ اٹھو۔" وہ تیزی سے بولا۔ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔

"لیکن تم...." اس نے کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر بات کاٹی۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ میرا تو قتل ہو رہا تھا۔وہ تمہیں پکڑنے آ رہے ہیں۔ اٹھو۔بی فاسٹ۔ بھاگو یہاں سے۔ میں سنبھال لوں گا۔" وہ اسے ڈانٹ کر بولا۔وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بھاگی لیکن دروازے کو باہر سے لاک لگا ہوا تھا۔اس کا سر گھومنے لگا۔

"جلدی کرو" ریان پھر بولا۔

"یہ کھل نہیں رہا۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ڈیم اٹ۔ تم بری طرح پھنس چکی ہو۔ اچھا ایسا کرو یہ تصاویر بھی مجھے دے دو اور جلدی سے آ کر مجھے کھولو۔" وہ سوچ کر بولا۔اور عانیہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی تصویریں اکٹھی کر کے اسے دیں اور نیچے بیٹھ کر اس کی رسیاں کھولنے لگی۔اس کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے۔اور باہر قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ آخری گرہ رہ گئی تھی جب دروازہ دھڑ سے کھلا اور ایک طرف جا گرا تھا۔

"ہینڈز اپ۔کوئی اپنی جگہ سے نہیں ملے گا۔" پولیس آفیسر کی کرخت آواز سنائی دی۔دونوں لمحے بھر کو سن ہو گیے۔عانیہ نے آخری گرہ کھول لی تھی۔وہ اٹھ کر پلٹی اور سامنے تین پولیس اہلکار نظر آئے۔

"تو تم ہو اس سارے گینگ کی سردار ویسے حیرت ہے اتنی سی عمر میں ایسے خطرناک کام۔" وہ پولیس آفیسر حیرت سے بولا۔عانیہ اب کچھ بھی جھٹلا نہ سکی کیونکہ اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔سو چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔

"دیکھیں آفیسر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ایسا کچھ نہیں ہے۔" اب کی بار پولیس آفیسر اور حیران ہوا تھا۔یعنی کہ جسے وہ لڑکی قتل کرنے جارہی تھی وہ اس لڑکی کے حق میں بول رہا تھا۔

"ہمیں اطلاع ملی تھی کہ یہ ایک گینگسٹر کا اڈا ہے اور وہ گینگسٹر ایک لڑکی ہے۔وہ اس وقت کسی آدمی کو اغوا کر کے اپنے اڈے پر لے جا چکی ہے اور اسے قتل کرنے والی ہے۔" پولیس آفیسر نے تفصیل بتائی۔

"آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔مجھے اس نے اغوا نہیں کیا بلکہ یہ تو بچانے آئی ہے یہاں اور خود بھی پھنس گئی ہے۔" ریان نے سوچ کر بات بنائی۔

"اوہ ہمیں پاگل سمجھ رکھا ہے کیا۔اس کے سارے آدمی پکڑے جا چکے ہیں اور سب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ لڑکی ہی ان کی لیڈر رہے۔اگر یہ تمہیں بچانے آئی ہے تو پستول کیوں لے کر آئی ہے۔" آفیسر غصے سے بولا۔ریان نے عانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"چلو لڑکی ہمارے ساتھ۔اوئے لگاؤ اسے ہتھکڑیاں۔" آفیسر کی آواز پر ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر اسے ہتھکڑی لگا دی۔

"میری ایک بات یاد رکھنا آفیسر اگر اس لڑکی کے خلاف کوئی ایف آئی آر درج ہوئی تو میری ایک فون کال سے تمہاری یہ وردی بھی اتر سکتی ہے۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے سخت لہجے میں بولا تو پولیس آفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا

۔جس طرح سے ریان بات کر رہا تھا لگتا تھا کہ اس کی پہنچ اوپر تک ہے لیکن دوسری طرف حماد بھی تھا جس سے اس نے ڈھیروں رشوتیں لی ہوئی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ایک گھنٹے کا وقت دے رہا ہوں اگر ہائی کمان نے مجھے فون کر کے اس لڑکی کو چھوڑنے کا حکم دیا تو میں اس کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کروں گا۔ لیکن ابھی اسے ہمارے ساتھ جانا ہو گا" پولیس آفیسر نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملہ ہائی کمان پر چھوڑ دیا۔

"تم پریشان مت ہونا میں تمہیں لینے جلد آؤں گا۔" ریان نے اس کے قریب آکر سرگوشی میں کہا۔ وہ شرمندگی کے مارے اسے ایک نظر تک اٹھا کر نہ دیکھ سکی۔ اور خاموشی سے پولیس کے ساتھ چلی گئی۔ اس لمحے اس وہ خواب یاد آیا جس میں وہ دلدل میں پھنس رہی تھی اور کسی گھڑ سوار نے اسے بچا لیا تھا۔ اسے اب پتہ چل گیا تھا کہ وہ ریان تھا جس نے اسے دلدل سے نکالا تھا۔ وہ ایک دلدل میں ہی تو پھنسنے جا رہی تھی۔ اگر وہ ریان کو قتل کر دیتی تو وہ جیل چلی جاتی۔ لیکن اب وہ مطمئن تھی کہ اس نے قتل جیسا گناہ نہیں کیا۔ اور اس بات کا سہرا ریان کے سر ہی جاتا تھا۔

---

ریان کے پاس اس وقت فون بھی نہیں تھا کیونکہ وہ آدمی جاتے ہوئے اس کا فون لے گیا تھا۔ اور اس غیر گنجان آباد علاقے میں اسے کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی تھی جس سے وہ لفٹ لے سکتا۔ یہاں دور دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ ایک جانب چھوٹا سا محلہ تھا جہاں زیادہ تر حویلیاں اور ڈیری فارمز نظر آ رہے تھے۔ اسے بھی اسی طرح کے فارم پر لایا گیا تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر مین سڑک پر پہنچا۔ اسے جلد از جلد دیا کو بچانے جانا تھا سو پیدل ہی چلنے لگا۔ چلتے ہوئے اس کی نظر ایک دکان پر پڑی جسے ایک آدمی بند کر رہا تھا وہ بھاگتا ہوا اس آدمی کے قریب آیا۔

"ایکسکیوز می" وہ اس کے پیچھے کھڑے ہیں کر بولا تو وہ آدمی مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ دومنٹ کے لیے مجھے اپنا موبائل دے سکتے ہیں۔ مجھے بہت ضروری کال کرنی ہے۔ اصل میں میری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور فون ساتھ لانا بھول گیا ہوں۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔ تو اس آدمی نے موبائل اس دے دیا۔ اور وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک طرف چلا گیا۔ اس نے عدیل کا نمبر ملایا۔ تو تیسری گھنٹی پر اٹھالیا گیا۔ ریان نے اسے ایڈریس بتا کر جلد از جلد پہنچے کا کہا۔ اور فون اس آدمی کو دے کر دوبارہ شکریہ ادا کیا۔ عدیل آدھے گھنٹے میں پہنچ گیا۔ اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر عدیل کے موبائل سے کسی کو کال ملانے لگا۔

اور کچھ ہی دیر میں اس پولیس آفیسر کو اوپر سے حکم آگیا کہ اس لڑکی کے خلاف ایف آئی آر درج نہ کی جائے اور ریان کے آنے تک اسے باعزت طریقے سے وہاں رکھا جائے۔ پولیس آفیسر حیران تو ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ شکر ادا کیا کہ اس نے اکڑنے کی بجائے عقل مندی سے کام لیا ہے ورنہ اب تک وہ بے روز گاروں میں شامل ہو چکا ہوتا۔

عانیہ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیجنے کی بجائے باہر ہی ایک کرسی پر بیٹھا دیا گیا تھا۔ جب ریان پولیس اسٹیشن پہنچا تو رات کے نو بج چکے تھے۔ ابھی ریان پولیس آفیسر سے بات چیت کر رہا تھا کہ عانیہ نامحسوس انداز میں وہاں سے نکل گئی اور سڑک کے ایک طرف تیز تیز قدم اٹھاتی چلنے لگی۔ وہ آنسو جو اس نے دوسروں کے سامنے روکے ہوئے تھے۔ ایک دم سے سارے بند توڑ کر باہر نکلنے لگے۔ اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی نہیں روئے گی لیکن آج وہ یہ وعدہ وفانہ کر سکی تھی۔ وہ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی چلتی جارہی تھی۔ وہ اب ریان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے وہاں سے نکل آئی تھی لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اب کہاں جانا ہے۔ بس وہ ارد گرد سے بے نیاز چل رہی تھی۔ اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا ہوا تھا اور اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے حماد اور تعبیر پر اعتبار کیوں کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماضی میں اس کے ستیلے ماموں اور خالہ نے کیسے اس کی ماں کو پھنسایا تھا۔ آج سے چھبیس سال پہلے اس کو ماں کو دو گھنٹے پولیس میں گزارنے پڑے تھے اور آج تاریخ

پھر دہرائی گئی تھی۔ اسے بھی ایک گھنٹہ جیل میں گزارنا پڑا تھا اگر اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہو جاتی تو اس کا کیریئر بھی تباہ ہو سکتا تھا اور اگر وہ ریان کو قتل کر دیتی تو دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جاتے۔ تو یہ تھا ان کا بدلہ۔

نبیلہ ان کے جال میں پھنسنے سے بچ گئی تو انہوں نے عانیہ کو پھنسا دیا۔

(تو کیا یہ ایک پری پلین تھا کہ وہ مام ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد منظرِ عام پر آئے۔ اس سے پہلے تو انہیں کبھی یاد بھی نہ آیا ہو گا)

(تو کیا میرے مام ڈیڈ کو حماد نے قتل کیا ہے۔) اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اسے وہ منظر یاد آیا جب اس نے حماد سے پوچھا تھا کہ اگر کسی کی دشمنی اس کے ڈیڈ کے ساتھ ہے تو انہوں نے بلیک میل کرنے کے لیے مجھے کچھ کیوں نہیں کہا اور حماد کچھ پل بول نہیں سکا تھا۔ لیکن اب اسے سمجھ آگیا کہ ان کا پلان اسے مارنا تو تھا ہی نہیں بلکہ ساری زندگی کے لیے جیل میں بھیجنے کا تھا۔

(لیکن ایسی بھی کیا دشمنی تھی حماد کی میرے ڈیڈ کے ساتھ کہ انہیں قتل کر کے مجھے بھی دوزخ میں دھکیلنے سے باز نہیں آئے۔)

پھر اسے ایک دم سے حماد کی وہ ساری باتیں یاد آئیں جو اس نے ریان کے بارے میں بتائی تھی۔ کہ وہ ایک دہشت گرد ہے اور اس کے باپ کو صفدر علی کی وجہ سے پھانسی ہوئی۔

(تو کیا وہ سب جو اس نے ریان کے بارے میں بتایا تھا وہ اصل میں اس کے اپنے بارے میں تھا۔ حماد کے فادر میرے ڈیڈ کی وجہ سے پھانسی چڑھے تھے اس لیے اس نے یہ سب کیا۔) ایک اور گتھی سلجھنے لگی تھی لیکن ابھی بھی کچھ ایسا تھا جو اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس لیے وہ ایک بار تحقیق کرنا چاہتی تھی اور اس کے لیے اسے حماد کے پاس جانا پڑتا تھا۔ وہ خطرے کے باوجود وہاں جانا چاہتی تھی لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کا گھر کہاں ہے۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے گال رگڑ کر آنسو صاف کیے۔ ابھی جنگ باقی تھی اور اسے ہر حال میں جیتنا تھی اور اس کے لیے

ہمت چاہیے تھی۔ اس نے سر پر دونوں ہاتھ پھیر کر گہری سانس لی اور خود کو کمپوز کیا۔ اس کے اندر دوبارہ سے ہمت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ یہی تو ڈیڈ نے ٹریننگ کے دوران سکھایا تھا کہ ٹھوکر کھا کر دوبارہ سے اٹھنا چاہیے۔ وہ بظاہر دھان پان سی دکھنے والی لڑکی اندر سے بہت حوصلہ مند تھی۔ جس کے دونوں ماں باپ کو قتل کر دیا جائے وہ صدمے کی کیفیت سے ہی باہر نکل جائیں تو بڑی بات ہوتی ہے۔ اور عانیہ لڑکی ہو کر نا صرف اس صدمے سے باہر نکلی بلکہ اپنے والدین کے قتل کا بدلہ لینے کی بھی ٹھانی۔ پھر اس نے ریان سے شدید نفرت کے باوجود وہ ڈرامہ کیا۔ اور اب حماد کی طرف سے ملنے والے اس دھوکے کے بعد بھی اس نے صبر سے کام لیا۔ ابھی اور بھی امتحان باقی تھے جنہیں پاس کرنا تھا۔

اس نے نگاہ ارد گرد دوڑائی لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے۔ رات کے اندھیرے میں سٹریٹ پولز سے نکلتی روشنی مدھم سی سڑک پر پڑ رہی تھی۔ یہاں بھی سڑک کے دائیں بائیں کچھ محلے تھے۔ وہ شہر کی طرف جاتے راستے پر چل رہی تھی۔ تبھی اچانک ایک کار اس کے پیچھلی طرف سے گزری اور کچھ آگے جا کر رک گئی۔ آن کی آن میں چاروں دروازے کھلے اور چار لڑکے باہر نکلے۔ عانیہ ٹھٹک کر رکی۔ چاروں اس کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ عانیہ کو ان کے عزائم ٹھیک نہیں لگے تھے جس کا ثبوت لڑکے کے بات نے دے دیا تھا۔

"ارے یار یہ صحرا میں ننھی کلی کیسے اگ آئی۔ تم لوگوں کو دکھائی دے رہی ہے یا صرف میری نظروں کا دھوکا ہے۔" ان میں سے ایک لڑکا خباثت سے بولا تھا شاید وہ امیر ہونے کی وجہ سے ان سب آوارہ گرد لڑکوں کا سرغنہ تھا۔

"یہ تمہاری نظروں کا دھوکا نہیں بلکہ سچ ہے۔ ویسے شایان میں نے سنا ہے ویرانوں میں پریاں ملتی ہیں۔ یہ تو سچ میں پری لگتی ہے یار" اس کا ایک ساتھی عانیہ پر نظریں گاڑے بولا تو سب نے ہنستے ہوئے تائید کی۔ عانیہ کا موڈ پہلے ہی خراب تھا۔ اور اوپر سے ان لڑکوں کی بات پر تلملا اٹھی۔ دل تو کیا ایک ایک جھانپڑ رسید کرے لیکن کچھ سوچ کر

رک گئی اور آگے بڑھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ ان لڑکوں کا سامنا کیے بنا وہ آگے نہیں گزر سکتی کیونکہ کہ اس کے راستے کے درمیان کھڑے تھے۔ اگر کوئی عام لڑکی ہوتی تو ڈر کے مارے تھر تھر کانپتی الٹے قدموں بھاگ کھڑی ہوتی لیکن وہ عانیہ تھی جس نے ہر مشکل کا سامنا کرنا سیکھا تھا نہ کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔ سو وہ چلتی ہوئی ان کے پاس پہنچ گئی

"ہیلو مس آپ نے کہاں جانا ہے ہم آپ کو چھوڑ دیتے ہیں۔"شایان نے خود کو مہذب ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عانیہ ان کے پاس سے نکلتی آگے بڑھ گئی۔

"لگتا ہے گھر سے بھاگ کر آئی ہے "ایک لڑکے نے قیاس آرائی کی۔

"ہے رکو۔ تمہیں سمجھ نہیں آرہا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں "اس کا ایک چمچا بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

(ایک تو ان آوارہ لڑکوں کو اس وقت گھر سکون نہیں آتا۔)اس نے گہرا سانس لے کر سوچا۔ اور مڑی۔

"جی کیا فرما رہے ہیں" عانیہ نے آنکھیں گھما کر سوال کیا جیسے ان کی بات سن کر بہت احسان کر رہی ہو۔

"ہم نے کیا فرمانا ہے۔ ہم تو بس آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"شایان قریب آکر فراخدلی سے مسکرایا۔ باقی تینوں بھی اس کے پاس آچکے تھے۔

"نہیں چاہیے میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ رکھائی سے بولتی آگے بڑھنے لگی جب شایان نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"خوبصورت لڑکیوں کی مدد کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مدد تو تمہیں لینی ہی پڑے گی" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"یو نو واٹ.... تم جیسے گھٹیا لوگ ہوتے ہیں جو مردوں کے نام پر دھبہ ہیں۔ بدتمیز و کیوں اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی بدنام کرواتے ہو۔ او تم لوگوں کو رتی بھر بھی شرم نہیں آتی۔ میری مانو تو شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔" عانیہ نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس کا یہی کہنا تھا کہ چاروں غصے سے تلملا اٹھے۔

"تم جانتی بھی ہو کہ تم کسی سے بات کر رہی ہو؟"

"اوہ.... کہیں تم لوگ غنڈے تو نہیں۔..... دیکھیے غنڈے بھائی صاحب معاف کر دیں غلطی ہو گئی۔....اف خدایا یہ میں نے کیا کر دیا۔ بھیڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔" عانیہ نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی لیکن میٹھا طنز مارنے سے پھر بھی باز نہ آئی۔ شایان نے فخر سے سینا چوڑا کیا کہ لڑکی ڈر گئی ہے

"باتیں تو بہت کرتی ہو لیکن میں امپریس نہیں ہوا اب تم خود ہمارے ساتھ چلو گی یا اٹھا کر لے جائیں"۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم نے میری باتوں کو کچھ زیادہ ہی دل پر لے لیا ہے۔ آئی ایم سو سوری۔ وہ کیا ہے نا کہ شروع ہی سے کہیں بھی غلط کام ہوتا دیکھوں میری زبان آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتی ہے۔ خود بخود تقریر جھڑنے شروع ہو جاتی ہے۔" وہ وضاحت دینے لگی۔ شایان نے ساتھ کھڑے لڑکے کو اشارہ کیا تو وہ دو قدم آگے بڑھ کر عانیہ کے قریب آیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں سے پکڑنا چاہا عانیہ نے اپنی کلائی آگے کر کے اس کے ہاتھ کو روکا اور دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر لڑکے کی ناک پر دے مارا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس ساری کارروائی کے دوران عانیہ نے اپنی نظریں شایان کے چہرے سے نہیں ہٹائیں تھیں۔ وہ سب ہونقوں کی طرح منہ کھولے اسے دیکھنے لگے۔ شایان بھی حیران ہوا لیکن جلد ہی خود کو سنبھال گیا

"تو تم اب ہم سب سے لڑ کر اپنی عزت بچاؤ گی۔ انٹرسٹنگ..... کھیل کا مزا آئے گا" وہ طیش میں آ کر بولا اور سب کو اشارہ کیا۔ تینوں لڑکے اس کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ اور سامنے شایان کھڑا تھا جو عانیہ کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب بھاگ کر دکھاؤ۔ عانیہ اطمینان سے مسکرائی۔ اور نگاہ ارد گرد دوڑا کر ان کی پوزیشنز کا جائزہ لیا۔ دو لڑکے اس کے دائیں بائیں، ایک پیچھے اور آگے شایان کھڑا تھا۔ سب کا اس سے دو دو قدم کا فاصلہ تھا یعنی کہ وہ پوری طرح ان کے نرغے میں آ چکی تھی۔ اب شایان صاحب کی شان کا تقاضا تھا کہ وہ پہل کرتا اسی لیے وہ آگے بڑھا اور دائیں ہاتھ سے اس کی کلائی کو پکڑنا چاہا۔ عانیہ نے اسے موقع دیے بغیر اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے

جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑائی لیکن حیران رہ گیا کہ وہ مرد ہو کر ایک لڑکی سے اپنا بازو نہیں چھڑا پایا تھا۔ طیش میں آکر اس نے بائیاں بازو گھما کر عانیہ کے منہ پر مکا مارنا چاہا جسے عانیہ نے جھکائی دے کر خطا جانے دیا۔ اور اس کی بغل کے نیچے سے گزر کر اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ شایان اپنے غصے کو دباتا مڑا پھر دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے چہرے پر وار کیا اور اس دفعہ عانیہ جھکی نہیں تھی بلکہ اپنا بائیاں بازو آگے کر کے اس کا وار روکا تو شایان نے اسی لمحے بائیں ہاتھ سے اس پر وار کرنا چاہا جسے عانیہ نے دائیں کلائی سے روکا اور بائیں ہاتھ سے مکا بنا کر اس کے پیٹ میں دے مارا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اس پل اسے ادراک ہوا کہ یہ لڑکی دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے۔ عانیہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا گھوں گھومی اور اپنی کہنی جھکے ہوئے شایان کی پیشانی پر دے ماری۔ وہ درد کی شدت کو کم کرنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کی جانب گر گیا۔ شایان کے ساتھی جیسے گہرے مراقبے سے جاگے تھے۔ ان کا امیر اور جگری یار اس لڑکی کی سے مار کھا کر نیچے گرا پڑا تھا تو وہ اب کیسے پیچھے رہتے۔ نمک حلال کرنے کا وقت آچکا تھا۔ دو لڑکے سامنے سے اس کی طرف بڑھے۔ وہ بھاگ کر دو قدم آگے آئی اور دائیں والے لڑکے کے بائیں کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہوا میں اچھلی۔ اپنی دونوں ٹانگیں گھما کر بائیں والے لڑکے کے سر پر دے ماریں اور مضبوطی سے قدم نیچے رکھے۔ وہ لڑکا اپنے پیچھے والے لڑکے کو بھی ساتھ لے گرا۔ اب دائیں والے لڑکے کی باری مار کھانے کی تھی۔ عانیہ نے اسے کوئی موقع دیے بنا اس کے ناک پر مکا مارا اور بائیں ہاتھ سے اس کا بائیاں بازو مضبوطی سے پکڑ کر تھوڑا اونچا کیا اور اس طرح گھومی کہ اس کی کمر لڑکے کے سینے سے ٹکرائی۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے اونچے کیے گئے بازو کو اپنے بائیں کندھے کے اوپر سے گزار لائی اور دائیں گھٹنے کو خم دے کر بائیاں گھٹنا زمین پر ٹیک دیا۔ نیچے جھک کر اس نے لڑکے کو پیچھے سے زور لگا کر ہوا میں اچھالا اور اپنے اوپر سے گزار کر سامنے دے پھینکا۔ لڑکے کی کمر زور سے نیچے لگی اور وہ چیخ کر رہ گیا۔ اب آخری لڑکا صحیح سلامت رہ گیا تھا وہ بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا اور اسے مکا مارا لیکن اس نے وہ اپنے بائیں بازو پر روکا اور ساتھ ہی پکڑ کر اپنی طرف

کھینچتے ہوئے اس کے کندھے کی پچھلی جانب مکا دے مارا۔ وہ درد کی شدت کو سہتا ہوا تھوڑا سا جھک گیا تو عانیہ نے اپنا پاؤں اس کی ٹانگ میں اڑا کر خود الٹی کلابازی کھائی جس سے وہ لڑکا فضا میں گھومتا ہوا پیٹھ کے بل گرا تھا اور اس کی کمر درد سے اکڑ گئی تھی۔

وہ امیر زادے جو ہر وقت دس دس سیکیورٹی گارڈز کے ساتھ باہر نکلتے تھے انہیں یہ لڑائی کہاں آتی تھی۔ فائٹنگ میں طاقت سے زیادہ عقل سے کام لینا پڑتا ہے۔ بے شک وہ لڑکے تھے لیکن انہیں فائٹنگ سکلز معلوم نہیں تھے ۔اور اب وہ سارے ڈھیر پڑے تھے۔

عانیہ نے اس لڑکے کی گردن پر ایک آخری وار کیا اور اسے بے ہوش کر دیا۔ اسے اپنے پیچھے کھٹکا محسوس ہوا تو وہ ایک طرف ہو کر جھٹ سے مڑی۔ اسے ریان کو وہاں دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ وہ لڑکا شایان جس پر اس نے پہلا وار کیا تھا وہ اس وقت تک سنبھل گیا تھا اور عانیہ پر پیچھے سے وار کرنے لگا تھا کہ ریان نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

ریان دیا کو وہاں ڈھونڈتا ہوا آیا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر حیرت سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے دیکھا کہ دیا بیک وقت دو لڑکوں سے نبرد آزما تھی اور دو نیچے پڑے تھے۔ پھر اس نے جب ان دونوں کو بھی گرا دیا تو ایک لڑکے نے پھر لڑنا شروع کر دیا تو ریان حیرت سے نکل کر آگے بڑھا لیکن اس کے جانے تک عانیہ اسے سبق سکھا چکی تھی۔ البتہ پیچھے سے ایک لڑکے نے وار کرنا چاہا جسے ریان نے پکڑ لیا تھا اور اس کے منہ پر ایک مکا مار دیا تھا۔ عانیہ نے اسے لڑکے کی طرف متوجہ دیکھا تو تیزی سے آگے کی جانب چلنے لگی۔

۔"دیا میری بات سنو" اسے پیچھے سے ریان کی آواز آئی تو اس کے قدم لمحہ بھر کو رکے تھے۔ اور پھر وہ تیزی سے چلنے لگی۔ ریان پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا اور اس کے ہمقدم ہو لیا۔

"دیا کہاں جا رہی ہو؟" وہ فکرمندی سے بولا لیکن عانیہ سنی ان سنی کر گئی اور چلنا جاری رکھا۔

"دیا..... کیا پاگل پن ہے یہ؟رات کو اس وقت کہاں جاؤ گی۔ پلیز میرے ساتھ گھر چلو۔" ریان ڈپٹ کر بولا۔ عانیہ ایک دم سے رکی اور چہرہ اس کی طرف موڑ کر غصے سے دیکھا۔

"پہلی بات، میرا نام عانیہ ہے... دیا نہیں۔ دوسری بات میں جہاں بھی جاؤں، میری مرضی، تمہیں اس سے کیا۔ تیسری بات ایک غلط فہمی کی بنا پر میں نے تمہیں اپنا دشمن سمجھا اب وہ غلط فہمی دور ہو چکی تو آئندہ کیلئے ہمارے راستے الگ۔ چوتھی بات میری وجہ سے تم ہرٹ ہوئے اس کے لیے معذرت اور پانچویں اور آخری بات، اگر تم مجھ سے آئندہ کیلیے کوئی رابطہ نہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہو گا۔" اس نے جتا کر حقیقت بیان کی۔ ریان دلکشی سے مسکرا دیا جیسے اس پر اس کی لمبی سی تقریر کا رتی بھر اثر نہیں ہوا۔ عانیہ نگاہیں پھیر گئی اور دوبارہ چلنے لگی۔ ریان بھی اس کے ہمقدم ہو گیا۔

"ویسے تم ہو بہت مغرور لڑکی۔ ایٹیٹوڈ ایسے دکھا رہی ہو جیسے تم نے نہیں میں نے تمہیں دھوکا دیا ہو۔ ناراض ہونا تو میرا بنتا ہے" وہ شرارت سے بولا۔

"تو ہو جاؤ ناراض" وہ رکھائی سے بولی۔

"نہیں ہو سکتا نا۔ مجھے پتہ ہے اگر میں ناراض ہو بھی جاؤں تو تم نے کون سا منا لینا ہے"

عانیہ کو اس کے رویے پر سخت حیرت ہوئی۔ لیکن جواب دیے بنا خاموشی سے چلتی رہی۔

"تم نے تو میرا شکریہ ادا بھی نہیں کیا۔" وہ بات بڑھانے کو شرارت سے بولا۔

"اوہ تو تم ایک شکریہ وصول کرنے کے لیے میرے ساتھ چل رہے ہو۔ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔...... ویل تھینکس ویری مچ تم نے میری اتنی مدد کی کیا اب آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں" اس نے رک کر پہلے حیرت سے پوچھا اور پھر سینے پر ایک ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا نیچے جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور ریان کی ہنسی نکل

گئی۔عانیہ اسے خفگی سے گھور کر چل دی۔ لیکن ریان نے اس کو کہنی سے پکڑ لیا۔عانیہ کو سچ مچ غصہ آنے لگا آخر کس مٹی سے بنا ہے ریان۔

"دیکھو مسٹر ریان، مجھے تم پر ابھی پوری طرح یقین نہیں آیا یہ نہ ہو تمہیں ابھی قتل کر دوں" وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولی

"جب پسٹل تمہارے ہاتھ میں تھی اس وقت تو قتل کیا نہیں اب کیا خاک کرو گی" وہ مسکرا کر بولا۔عانیہ اس کی حاضر جوابی پر کلس کر رہ گئی۔

"مجھے پسٹل کے بغیر بھی قتل کرنے کا طریقہ آتا ہے"

"ہاں وہ تو میں دیکھ ہی چکا ہوں بے چارے لڑکوں کا کیا حال کیا ہے۔پتہ نہیں ابھی ادھر ہی پڑے ہیں کہ چلے گئے ہیں۔" وہ کہہ کر مڑا لیکن اسے وہ وہاں نظر نہیں آئے تھے عانیہ نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا۔اندھیرا تھا اس لیے صاف پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ لوگ واقعی چلے گئے ہیں یا ادھر ہی پڑے ہیں۔ویسے بھی ان لوگوں کی گاڑی کا رخ ان ک طرف تھا اور اگر وہ جاتے تو ان کے قریب سے ضرور گزر کر جاتے اور جیسی حالت عانیہ نے ان کی کی تھی آدھے گھنٹے سے پہلے اٹھنے والے نہیں تھے وہ۔عانیہ پلٹ کر پھر چلنے لگی۔اچانک اسے اپنے سامنے دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ساتھ تین چار ٹارچز نظر آئیں۔عانیہ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی تو وہ ریان کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف ایک گلی میں گھس گئی۔ریان بھی اس گاڑی کو دیکھ چکا تھا اس لیے حیرت کا اظہار کیے بنا اس کے ساتھ ہو لیا۔گلی شروع ہوتے ہی دائیں طرف ایک درخت تھا وہ دونوں اس کے پیچھے چھپ گئے۔عانیہ اب اس کا ہاتھ چھوڑ چکی تھی اور سر باہر نکال کر دیکھنے لگی تھی۔کچھ دیر بعد وہ گاڑی ان کے سامنے سے گزری اور تین گاڑیاں اس کے پیچھے تھیں تو عانیہ کا شک درست ثابت ہو گیا۔وہ حماد تھا جو اسے ڈھونڈ رہا تھا یا شاید ریان کو تاکہ اس کو مار کر دولت حاصل کر سکے۔عانیہ کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔اسے ریان کو یہاں سے بچا کر نکالنا

تھا۔ ابھی تو وہ لوگ سڑکوں پر پھر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے اور نہ ملنے پر وہ گلیوں محلوں کا رخ بھی کر سکتے تھے اور ایسے میں ریان کا بچنا مشکل ہو سکتا تھا۔

"کیا ہوا؟ تم پریشان کیوں ہو گئی۔ کون لوگ تھے وہ؟" ریان نے اچنبھے سے پوچھا۔

"چپ کر کے میرے ساتھ آؤ" عانیہ اس کے سوالوں کو نظر انداز کر کے گلی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی اور ریان بھی اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ گلی کافی لمبی تھی ایک منٹ چلنے کے بعد بائیں جانب ایک تنگ گلی تھی عانیہ نے اس گلی میں جا کر اسے بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ بھی اس گلی میں داخل ہو گیا۔ عانیہ وہیں گلی کی نکڑ پر رک گئی۔

"سنو ریان اگر تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو میری بات مانو...."

"تم نے میری بات مانی تھی" وہ شروع سے ہی انکاری ہو گیا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے ریان..... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حماد ہمیں ڈھونڈ رہا ہے۔ اور اگر تم اس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ یقیناً تمہیں قتل کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ کیونکہ تم نے وصیت نامے پر سائن کر کے اسے دیے ہیں جس میں تمہارے بعد تمہاری ساری جائیداد تعبیر ٹرسٹ کو دے دی جائے گی۔ اصل میں تعبیر ٹرسٹ ان کی اپنی اینجیو ہے جس کی اونر تمہاری سیکرٹری تعبیر ہے۔ وہ بھی اس سازش کا حصہ تھی۔ اس لیے تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ سو پلیز جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا۔" عانیہ نے اسے سمجھایا۔ اس کا لہجہ ملتجی تھا۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے بچانے کے لیے اس کی منت کیوں کر رہی ہے شاید اسے ہرٹ کرنے کا ازالہ کرنا چاہتی تھی۔

"ابھی وہ لوگ سڑکوں پر ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں اس سے پہلے کہ وہ گلیوں کا رخ کریں مجھے جانا ہو گا۔ تم یہیں رہنا اور یہاں سے چھپ کر سڑک پر نگاہ رکھنا۔ جب وہ مجھے لے جائیں تب......."

"میں تمہیں ان کے ساتھ جانے نہیں دے سکتا دیا" وہ درشتی سے بات کاٹ گیا۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے....۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔ جتنا مجھے ان لوگوں سے خطرہ ہے اتنا تمہیں بھی ہے۔ تم جان بوجھ کر کھائی میں گرنے جا رہی ہو۔ اور میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دے سکتا"

"تو ان کے ہاتھوں قتل ہو کہ کونسا مجھے بچا لو گے۔ دیکھو میں نے تمہارا پہلے ہی بہت نقصان کر دیا ہے اب میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہاری جان بھی چلی جائے....."

"مگر دیا....." اس نے بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہا لیکن عانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور بولی۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو اپنے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی مشکل کھڑی کر دو گے۔ مجھے فی الحال ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے اگر انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو پھر ہو سکتا ہے۔ دیکھو میں ان کو یہ ظاہر کروں گی کہ مجھے ان کے پلان کی اب بھی سمجھ نہیں آئی اور تمہیں اپنا دشمن سمجھتی ہوں۔ تو میں ان کے ساتھ جا سکوں گی اور تم بھی بچ کر نکل سکو گے۔....."

"لیکن تمہارا ان کے ساتھ جانا ضروری ہے کیا؟" ریان نے اکتا کر پوچھا۔

"ہاں بہت ضروری ہے۔ میں اصل بات کا پتہ لگانا چاہتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے ان کے ساتھ جانا ہو گا۔"

"یہ سراسر حماقت ہے دیا۔ تم مت جاؤ میں تمہیں اصل بات کا پتہ چلا دوں گا۔"

"نہیں میں خود تحقیق کرنا چاہتی ہوں یہ نہ ہو پھر کوئی غلط فہمی ہو جائے اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے" اس کے منہ سے بات پھسلی اور ریان کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"یعنی کہ تم مجھ سے شرمندہ ہو لیکن مجھے کیوں نہیں لگ رہی" وہ شرارت سے بولا اور عانیہ نے اسے خفگی سے گھورا۔

"میں تمہیں آخری دفعہ سمجھا رہی ہوں۔میں سڑک پر جارہی ہوں۔تم یہاں سے چھپ کر دیکھ سکتے ہو۔جب تک میں ان کے ساتھ چلی نہ جاؤں تم باہر مت نکلنا میں ان کو اپنی پوری کوشش کر کے یقین دلاؤں گی کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے۔اگر انہوں نے پھر بھی چیک کر لیا تو تم کسی گھر کے اندر کود جانا۔ان کے جانے کے بعد تم گھر مت جانا۔کہیں اور چلے جانا عدیل اور اس کی فیملی کو بھی کہیں بھجوا دینا۔"وہ تیزی سے اسے تاکید کر رہی تھی جبکہ ریان دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔اور مسکرا رہا تھا یعنی کہ اس کی پرزور تاکید کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"سمجھ میں آیا کہ نہیں"عانیہ نے غصے سے پوچھا۔

"نہیں"وہ اسی طور مسکراتے ہوئے بولا تو عانیہ کو پتنگے ہی لگ گئے۔

"واٹ؟......بھاڑ میں جاؤ تم۔میں تمہاری پرواہ کر کے گھنٹے سے اپنا سر کھپا رہی ہوں۔اور تمہارے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔جیسے مرضی کرو۔میں جا رہی ہوں۔اور خبردار میرا پیچھا کرنے کی کوشش بھی کی تو۔اگر میرا پلان خراب کیا تو وہ تمہیں ماریں یا نہ ماریں میرے ہاتھوں ضرور ضائع ہو جاؤ گے۔"وہ دانت پیس کر بولی اور ریان نے بہت مشکل سے ہنسی کا گلا گھونٹا۔عانیہ وہاں سے جانے لگی جب ریان نے کہنی سے پکڑ لیا۔

"تم ایسی کیوں ہو دیا؟"

"کیسی؟"وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"اتنی بہادر.....خطروں کی کھلاڑی.....پرعزم.....وارسہہ کر بھی پیچھے نہ ہٹنے والی......مقابل کے سامنے ڈٹ جانے والی۔"ریان نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر تجزیہ پیش کیا۔

"پتہ نہیں"وہ مختصراً بول کر جانے لگی

"سنو!"ریان نے پھر پکارا۔عانیہ رک گئی۔

"کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لیے وہی نفرت ہے جو پہلے تھی؟"ریان نے ایک آس سے پوچھا تھا۔عانیہ حیران ہوئی کہ بجائے غصہ ہونے کہ وہ اس طرح کے سوال کر رہا ہے۔اس نے مڑ کر اسے دیکھا تو نا جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا کہ وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"نہیں،وہ صرف ایک غلط فہمی کی بنا پر تھا۔ورنہ میں کون ہوتی ہوں خوامخواہ کسی سے نفرت کرنے والی۔"لفظ 'کسی' پر ریان کے اندر کچھ چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا۔

"کیا ہم کبھی دوبارہ ملیں گے؟"اس کے لہجے میں محبت کی ایسی شدت تھی کہ عانیہ شرمندہ ہو گئی۔

"آئی ڈونٹ نو،شاید کبھی نہیں کیونکہ اب ہمارے راستے الگ ہیں۔"وہ رکھائی سے بولی۔اور وہاں سے جانے لگی لیکن کچھ سوچ کر رک گئی۔

"اور ہاں گھر مت جانا"وہ مڑ کر بولی۔

"کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم ٹھیک کر رہی ہو۔پلیز مت جاؤ۔اگر انہیں پتہ چل گیا کہ تم ڈرامہ کر رہی ہو تو۔"وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولا۔

"میں اپنا اچھا برا خود جانتی ہوں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ویسے بھی میری ایکٹنگ کو تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔"وہ ابرو اچکا کر مسکرائی تھی۔ریان بھی ہلکا سا مسکرا دیا۔

"اچھا تمہیں سب سمجھ آگئی ہو تو میں جاؤں"

"نہیں آئی ایک دفعہ پھر سے سمجھا دو"وہ اسے روکنے کے لیے بولا تو عانیہ جواباً اس خفگی سے گھور کر رہ گئی۔اور وہاں سے چلی گئی اور ریان کا دل بھی ساتھ لے گئی۔

(کاش میرے بس میں ہوتا اور میں تمہیں روک سکتا۔کاش)وہ اسے جاتا دیکھ کر دلگرفتی سے سوچ کر رہ گیا۔عانیہ سڑک پر جا کر رک گئی۔اور وہیں چھپ کر انتظار کرنے لگی۔دو منٹ ہی گزرے تھے کہ اسے گاڑی آتی دکھائی دی

جس کے پیچھے دو گاڑیاں اور بھی تھی شاید پچھلی گاڑی والے آدمی کہیں پیچھے ہی اتر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ سڑک پر گاڑی کی طرف پشت کر کے ایسے چلنے لگی جیسے گلی میں سے نہیں بلکہ سڑک پر سے چل کر آ رہی ہو اور گلی کے سامنے رک گئی تا کہ ریان آسانی سے اسے دیکھ سکے۔ گاڑیوں کے قریب آتے ہی وہ مڑی تھی۔ اس نے اپنا لہجہ حتیٰ المقدور خوفزدہ بنا لیا تھا۔ آن کی آن میں تینوں گاڑیاں اس کے سامنے رکی تھیں اور حماد کے ساتھ باقی گاڑیوں میں سے بھی اس کے باڈی گارڈز ہاتھوں میں گنز لیے نکلے تھے۔ جس کی اس نے ذرا بھی پرواہ نہ کی اور بھاگتے ہوئے حماد کے سینے سے جا لگی تھی۔ حماد جو اس کے پولیس سے بچ جانے پر سخت غصے میں تھا ورطہ حیرت میں پڑ گیا۔

"حماد بھائی...... میں نہیں کر پائی۔ میں اسے قتل نہیں کر پائی۔ لیکن پھر بھی پولیس مجھے پکڑ کر لے گئی۔ اور اتنی دیر جیل میں بند رکھا۔ آپ نے اتنی دیر کیوں کی" وہ روتے ہوئے بولی۔ دل تو کر رہا تھا کہ ابھی قتل کر دے حماد کو۔ لیکن صبر سے کام لیا۔ حماد کیلیے یہ حیرت انگیز انکشاف تھا کہ عانیہ کو ابھی تک معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ اس کا اصلی دشمن کون ہے۔ جب اسے پتہ چلا تھا کہ پولیس کے پہنچنے تک عانیہ نے ریان کو قتل نہیں کیا تھا تو اس سخت غصہ آیا لیکن اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ پولیس پھر بھی عانیہ کو پکڑ کر لے گئی ہے۔ پولیس آفیسر نے اسے اصل بات بتانے کی بجائے کہا کہ وہ بغیر جرم کے ایک ایسی لڑکی کے خلاف ایف آئی آر نہیں کاٹ سکتا جس کا باپ ڈی آئی جی تھا۔ رشوت اپنی جگہ لیکن نوکری کو وہ ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا تھا۔ اس لیے اس لڑکی کو جانے دیا ہے۔ اسے اس آفیسر پر غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کر گیا۔ اب اسے عانیہ اور ریان دونوں کو ڈھونڈنا تھا۔ تا کہ ریان کو قتل کر کے عانیہ کو جیل کروا سکے۔ اسے اس بات کا خدشہ تھا کہ عانیہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو گی اس طرح اس کا پلان بگڑ بھی سکتا تھا۔ لیکن عانیہ کا یہ رویہ دیکھ اس نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ عانیہ ابھی بھی سچائی

سے ناواقف ہے اور اس طرح کام آسان ہو سکتا تھا۔اور وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہی پوائنٹ عانیہ کے دماغ نے پک کیا تھا۔

حماد نے آہستہ سے ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بال سہلاتے ہوئے چپ کروانے لگا۔عانیہ کو لگا اس کا پلان کام کر چکا ہے۔وہ حماد کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔حماد نے سارے باڈی گارڈز کو اشارہ کیا اور وہ سب گاڑیوں میں بیٹھ گئے اور وہ بھی عانیہ کو لے کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور گھر کی جانب بڑھ گیا۔عانیہ کو ریان کی فکر تھی جو دور ہو چکی تھی۔اب اس کے بازوؤں میں ہلکا سا درد محسوس ہونے لگا تھا جو لڑنے کی وجہ سے ہوا تھا کیونکہ وہ پہلی دفعہ چار لڑکوں سے بیک وقت لڑی تھی۔دو لڑکوں کو تو اس نے اٹھا کر پھینکا تھا اور کئی کے وار بھی اپنے بازوؤں پر روکے تھے۔گو کہ وہ ڈیڈ کے ساتھ اس طرح کی کئی دفعہ ٹریننگ کر چکی تھی جس میں اس سے بھی بھاری وزن بھی اٹھانا تھا اور پنچنگ بیگ پر پنچ مارنا تھا۔اس کے بظاہر نرم و نازک دکھنے والے ہاتھ جوڈو کراٹے میں پتھر کی ٹائلز توڑ چکے تھے۔شروع شروع میں پتھر توڑ کر پھر درد کو بہت مشکل سے برداشت کرتی تھی لیکن آہستہ آہستہ ہاتھ اور بازو سخت ہو چکے تھے۔سو اب اتنی ٹینشن کی بات نہیں تھی۔پھر اسے خیال آیا کہ جن لڑکوں کی اس نے پٹائی کی تھی وہ تو وہیں ہوں گے اور حماد نے دیکھ لیے ہوں گے۔لیکن ابھی تک ان کے بارے میں پوچھا تو نہیں ہو سکتا تھا وہ چلے گئے ہوں۔

(اگر حماد نے انہیں دیکھ لیا ہوا تو شاید وہ یہ گمان کرے کہ میرے ساتھ ریان تھا اور ان سب لڑکوں کی پٹائی ریان نے کی ہے۔کہیں وہ پھر سے ریان کو ڈھونڈنے نہ چلا جائے۔)اسے پھر سے ریان کی فکر ستانے لگی اور یہی حال ادھر ریان کا بھی تھا۔اسے بھی کسی پل چین نہیں آرہا تھا کہ عانیہ نہتے ہاتھوں شیر کی کچھار میں گھس گئی تھی اگر اس کے بس میں ہوتا تو اپنی جان دے کر بھی دیا کو بچا لیتا لیکن اسے یہ کھیل سمجھ آچکا تھا۔اپنی جان دے کر وہ دیا کو بچانے کی بجائے پھنسا دے گا کیونکہ اس کے قتل کا الزام دیا پر ہی لگایا جائے گا۔اس لیے خود کو بچانا ضروری تھا

۔اسے اس لمحے دیا کی پوزیشن واضح ہو گئی تھی۔ محبوب سے دور رہنا ہی اس کی زندگی کی ضمانت تھا وہ تو پہلے ہی دور جا رہا تھا۔ آج رات دس بجے ہی تو اسے دبئی کے لیے ایک مشن پر نکلنا تھا۔ لیکن وہ دور رہ کر بھی اس کے پل پل کی خبر رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے اپنے بہت سے ریسورسز تھے۔ اس نے عدیل کو فون کر کے ساری بات سمجھا دی تھی۔ اور انہیں کسی اور جگہ شفٹ ہونے کا کہہ دیا۔ وہ بظاہر تو منظر عام سے ہٹ گیا تھا لیکن عدیل کو یہ ذمہ داری دے دی تھی کہ وہ دیا کی پل پل کی خبر سے اس آگاہ کرے گا۔

------------------------------------

گلاس وال سے آہستہ آہستہ روشنی اندر کی طرف بڑھ رہی تھی اور اس کے کمرے کی تاریکی دور ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس کے اندر کی تاریکی جیسے بڑھتی جا رہی تھی۔ ساری رات اس نے آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ دل میں ایک کسک تھی کہ وہ مام ڈیڈ کا ابھی تک بدلہ نہیں لے سکی تھی۔ اور قاتل بھی حماد تھا جس کا مکروہ چہرہ وہ پہچان چکی تھی۔ اب بس اسے ساری بات کا پتہ چلانا تھا اور حماد کا کام تمام کرنا تھا۔ لیکن ابھی ان دونوں کو سوالوں کے جواب دے کر مطمئن کرنا تھا۔ رات کو تو اس نے بہت خوفزدہ ہونے کا ڈرامہ کیا تھا اور انہوں نے اسے کمرے میں بھیج دیا تھا اور وہ بھی ٹائم چاہتی تھی تاکہ کہانی ایسی بنا کر پیش کرے کے کوئی جھول نہ ملے اور وہ بنا چکی تھی۔ ساری رات بس اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی اور نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دل بے چین سا تھا جیسے پل پل آگ پر جل رہا ہو۔ کبھی مام ڈیڈ کی یاد آتی تو کبھی ریان کا وہ رویہ یاد آتا۔ اس نے ریان کے ساتھ اتنا برا کیا تھا لیکن وہ اپنی موت سامنے دیکھ کر بھی اس کیلیے فکرمند تھا۔ اسے قتل جیسے جرم سے بھی اس نے بچایا۔ پھر جیل جیسی دلدل سے بھی بچا لیا۔ اور جس خلوص سے وہ اسے حماد کے ساتھ جانے سے روک رہا تھا عانیہ سخت شرمندہ ہوئی تھی۔ ریان کی آنکھوں میں محبت کی چمک دیکھ کر اس کا دل پہلی بار عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ وہ نفرت کہاں گئی جو وہ اسے مام ڈیڈ کا قاتل سمجھ کر کرتی تھی۔ ایک احساس جرم بھی تھا جس نے اسے بے

چینی میں ڈالا ہوا تھا۔وہ اپنے اضطراب کو کم کرنے کیلیے کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی کبھی بالکونی میں چلی جاتی اور پھر بیڈ پر آکر لیٹ جاتی۔اور اب فجر کی اذان کے ساتھ وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور واش روم کی جانب وضو کرنے کے لیے بڑھ گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگیں۔اسے لگا جیسے اس کا سارا اضطراب ختم ہو رہا ہے وہ محفوظ پناہ گاہ میں آچکی ہے۔اس نے وہاں قرآن مجید تلاش کیا لیکن اسے نہ مل سکا تو اسے یاد آیا کہ ریان کے موبائل میں بھی قرآن مجید کی تلاوت تھی اور وہ اسے کیا سمجھتی رہی۔سر جھٹک کر اٹھی اور اپنے موبائل سے آن لائن قرآن مجید پڑھنے لگی۔جو موبائل اسے ریان نے دیا تھا وہ پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا۔یہ اس کا اپنا پرانا موبائل تھا۔تلاوت کے بعد وہ بالکونی میں آگئی تھی۔ صبح کی تر و تازہ ہوا اس کے جسم سے ٹکرائی اور ایک سکون سا اس کے اندر سرایت کر گیا۔کچھ دیر کیلیے وہ اپنا دکھ بھول گئی تھی۔آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتے ہوئے اس کے دل نے یہ خواہش کی تھی کہ کاش وہ بھی ایک پرندہ ہوتی۔اسے یہ دکھ نہ دیکھنے پڑتے۔جن کو کھانا تلاش کرنے کی علاوہ اور کوئی ٹینشن نہیں ہوتی۔اس کی نظر پچھلی عمارت کی جانب گئی جس میں یتیم بچیاں رہائش پذیر تھیں۔وہاں بھی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔لڑکیاں اندر باہر آجا رہی تھیں۔عمارت کے دروازے پر دو چوکیدار پہرہ دے رہے تھے۔اچانک ایک آدمی ایک بے ہوش لڑکی کو بازوؤں میں اٹھائے باہر سے آیا تھا۔اور چوکیدار کے پاس کھڑے ہو کر ایک منٹ بات کی اور اندر چلا گیا تھا۔عانیہ حیرت سے اس آدمی اور بے ہوش لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔اس کی چھٹی حس نے یہاں کچھ غلط ہونے کا اشارہ دیا تھا۔کیونکہ جب حماد اسے ریان کے بارے میں بتا رہا تھا تو اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے۔اور وہ یہ جان چکی تھی کہ جو اس نے ریان کے بارے میں بتایا تھا در اصل وہ اس کے اپنے بارے میں تھا۔

(تو کیا یہ سب لڑکیاں بیچنے کے لیے یہاں لائی گئی ہیں۔)وہ حیران و پریشان سی سوچ رہی تھی۔اور پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اس شخص کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔وہ شخص وہی تھا جسے اس نے ہسپتال میں

دیکھا تھا۔حماد نے اس شخص کو ریان کا خاص آدمی ظاہر کرنے کے لیے اس کے ساتھ پکچر کھینچی تھی۔یعنی کہ ایک اور جھوٹ سامنے آچکا تھا۔

(یہ شخص مجھے حماد کے سارے منصوبے کے بارے میں بتا سکتا ہے۔)وہ پر سوچ انداز میں بڑبڑائی تھی پھر جھٹکے سے مڑی اور کمرے میں آئی اپنا سوٹ کیس کھول کر ایک ووڈن باکس نکالا جس میں ڈیڈ کی طرف سے دی گئی چیزیں رکھی تھی۔اس نے وہ ڈبہ کھولا اور اندر سے ایک چار انچ لمبی سلاخ نما پن نکالی۔اس کا قطر تین سینٹی میٹر تھا۔اس کے شروع میں ایک چھوٹا سا سرخ پھول لگا تھا۔وہ اکثر جوڑا بنا کر ہیئر بینڈ یا کیچر لگانے کی بجائے اس کا استعمال کرتی تھی۔ابھی اس نے بالوں کو پونی ٹیل میں باندھ رکھا تھا اس لیے اس نے یہ پن ایسے ہی پونی ٹیل کے تھوڑا سا اوپر بالوں میں گھسا دی۔یہ اس کا بہترین ہتھیار تھا۔جسے وہ استعمال کرنے والی تھی۔

نو بجے اس ناشتے کے لیے بلایا گیا تھا۔رات کو بھی وہ کچھ نہیں کھا کر سوئی تھی۔اپنے دشمن کے گھر سے کھانا کھانے کے لیے دل تو راضی نہیں تھا لیکن دماغ کہہ رہا تھا کہ اسی دشمن کو ختم کرنے کے لیے تمہیں انرجی چاہیے اور وہ کھانے سے ہی آئے گی۔اسے یاد آیا جب حماد نے اسے ریان کے ساتھ اس کے گھر رہنے کا کہا تھا تو اس نے سب سے پہلا اعتراض تو یہ اٹھایا تھا کہ وہ اپنے دشمن کے گھر رہے اس کے گھر سے کھائے پیئے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔تو حماد نے ہی اسے سمجھایا تھا کہ دشمن کو زیر کرنے کے لیے کبھی جذباتی پن سے کام نہیں لینا چاہیے۔ایسے کاموں میں دل کی نہیں دماغ کی سننی چاہیے۔اور اب اس کا دماغ بھی کھانے کا آرڈر دے چکا تھا۔ویسے بھی اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا وہ کافی حد تک سیکھ چکی تھی۔

جب وہ ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو حماد اور تعبیر موجود تھے۔مختلف قسم کے کھانے ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔

چار نوکر باادب کھڑے تھے۔وہ خاموشی سے سنجیدہ سی شکل بنائے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"گڈ مارننگ۔رات کو اچھے سے سوئی تھی؟ڈر تو نہیں لگا؟" تعبیر نے ہمدردی جتائی۔

"نہیں" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"چلو شکر ہے میں تو تمہاری حالت دیکھ کر ہی ڈر گئی تھی۔ تم سے ہم نے کہا بھی تھا کہ تم اس معاملے میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہے۔ ہم خود ہی تمہارے دشمن کو پوچھ لیں گے" تعبیر نے اس پر طنز کیا جسے اس نے بڑے آرام سے سہا تھا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ کسی کو قتل کرنا اتنا مشکل ہوتا ہے" وہ ناشتہ کرتے ہوئے ان کے خیال کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"عانیہ تم بالکل بھی فکر مت کرو میں ڈھونڈ رہا ہوں اسے۔ ایک دفعہ مل جائے سہی تو بہت برا حشر کروں گا اس کا تم دیکھ لینا" حماد نے سفاکی سے کہا تو عانیہ کا دل ایک دفعہ سکڑ کر پھیلا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔ میں پہلے ہی بہت ڈر گئی ہوں۔ اور اوپر سے پولیس والوں نے مجھے جیل میں بند کر دیا جبکہ میں نے اسے قتل بھی نہیں کیا تھا۔" چہرے پر حد سے زیادہ معصومیت چھائی تھی۔

"پولیس تو آدھے گھنٹے بعد پہنچی تھی۔ اتنا ٹائم دیا تھا تمہیں اور تم سے ایک کام نہ ہو سکا" تعبیر تلخی سے بولی اور حماد کی گھوری نے اسے باور کرایا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔ یعنی کہ انہوں نے اسے آدھا گھنٹہ دیا تھا اور پولیس بھیج دی تھی کہ اس نے قتل کر دیا ہو گا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ پولیس آجائے گی۔ ایک تو اس نے مجھے جہنم کی یاد دلا کر ڈرا دیا تھا اور اوپر سے پولیس والوں کی گاڑیوں کے سائرن نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ میں نے تو ڈر کے مارے اسی وقت پسٹل پھینک دیا تھا۔" وہ ایسے جل کر بولی جیسے ابھی بھی اسے تعبیر کی بات کی ذرا سمجھ نہیں آئی۔ حماد نے بھی شکر کا سانس لیا تھا۔ جسے عانیہ نے محسوس کر لیا تھا۔

"جہنم کی یاد؟" تعبیر حیرت سے بولی۔

"ہاں وہ مجھے جہنم سے ڈرانے لگا۔ کہہ رہا تھا پہلے کوئی ثبوت لاؤ یہ نہ ہو قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے کہ ایک بے گناہ شخص کو تم نے صرف اس لیے مار دیا کہ تمہیں وہ اپنے ماں باپ کا قاتل لگا۔ کیا تم نے اسے صفائی پیش کرنے کا موقع دیا تھا۔ اور اگر میں بے گناہ نکل آیا تو سوچو تمہارا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔" اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کنکھیوں سے دونوں کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"خود پتہ نہیں کتنے بے گناہوں کے قتل کیے ہوں۔" تعبیر طنزیہ بولی۔ حماد کی اضطرابی کیفیت عانیہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"وہ تو اس کے اپنے عمل ہیں۔ اور میں اپنے اعمال کی جوابدہ ہوں۔ سچ میں مجھے تو جہنم سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ دنیاوی سزا کا پھر بھی رسک لیا جا سکتا ہے کیونکہ آخر کار ایک نہ ایک دن ہمیں یہاں سے جانا ہی ہے لیکن آخرت کی سزا ...... جہنم میں ساری زندگی رہنا اور وہ زندگی کبھی ختم بھی نہیں ہونے والی" اس نے بظاہر تو خوف سے جھر جھری لی لیکن چوٹ حماد پر کر رہی تھی۔ اب کی بار حماد کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو ناشتہ کرو۔ خوامخواہ میں ڈرا رہی ہو مجھے بھی" تعبیر دہل کر بولی۔ وہ بھی چپ ہو کر ناشتہ کرنے لگی۔

"پولیس والوں نے تمہیں کیسے جانے دیا؟" حماد جو پوچھنا چاہتا تھا اس کا مقصد وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

"میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں سابق ڈی آئی جی کراچی صفدر علی کی بیٹی ہوں۔ تو انہوں نے کنفرم کروا کر مجھے چھوڑ دیا۔" اس نے یہ بہانہ رات کو ہی سوچ لیا تھا اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ تکہ نشانے پر لگ گیا۔ اس پولیس آفیسر نے بھی حماد کو یہی بتایا تھا۔ حماد اب مطمئن ہو گیا تھا۔

"ویسے اگر تم میرا نام بھی لے دیتی تو وہ تمہیں اسی وقت چھوڑ دیتے۔" اس نے ہمدردی سے کہا۔ عانیہ نے غصے کو کنٹرول کیا اور بولی۔

”میں نے آپ کا نام اس لیے نہیں لیا تا کہ وہ آپ کو بھی اس کیس میں نہ پھنسا دیں۔اسی لیے آپ کو وہاں نہیں بلایا تھا۔لیکن پولیس سٹیشن سے نکل کر تو مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کہاں جاؤں۔پھر میں آپ کا انتظار کرتی رہی لیکن کوئی آیا ہی نہیں۔تو میں وہاں سے بھاگ گئی۔مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا۔بھاگتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کچھ ڈاکوؤں ایک گاڑی کو روک کر ان لوگوں پر تشدد کرنا شروع ہو گئے۔میں جلدی سے چھپ گئی۔پھر جب وہ ڈاکو چلے گئے تو میں بھی ڈرتے ہوئے باہر نکلی اور میں نے دیکھا کہ چار لڑکے بے ہوش پڑے تھے۔پھر میں سڑک پر آگے بڑھنے لگی تھی شاید پندرہ بیس منٹ بعد آپ وہاں آئے تھے۔"اس نے جھوٹی کہانی بنائی۔اور جن لوگوں کی خود پٹائی کی تھی وہ بے چارے ڈاکوؤں کے نام لگا دیا۔

"ہاں میں نے بھی انہیں وہاں پڑے دیکھا تھا۔وہ بہت مشہور اور اونچے خاندانوں کے لڑکے تھے۔میری بھی کافی جان پہچان ہے ان کے ساتھ۔اس لیے ان کے گھر فون کر دیا تھا تا کہ میڈیا پر کسی کو اس بات کی خبر نہ ہو۔"

"تو ان امیر زادوں کو کہا کس نے تھا بغیر سیکیورٹی کے باہر نکلیں۔پتہ بھی ہے کہ ان ویران راستوں پر ہی ڈاکو گھات لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔"تعبیر نے تبصرہ کیا

"وہ اس وقت آوارہ گردیاں کرنے نکلے تھے اگر سیکیورٹی ساتھ لاتے تو ماں باپ کو پتہ چلنے کا خدشہ تھا۔"حماد نے تعبیر کی عقل پر افسوس کیا۔

"ہاں یہ بھی ہے یہ ماں باپ بھی نا بچوں کو ان کی مرضی سے جینے نہیں دیتے" تعبیر کے منہ سے پھر بونگی نکلی۔حماد نے سختی سے اسے گھورا۔

"ماں باپ ان کے بھلے کو ہی کہتے ہیں۔جو لوگ ماں باپ کی نصیحتیں نہیں سنتے پھر وہ دنیا والوں کی باتیں سنتے ہیں۔"عانیہ نے تڑخ کر کہا۔اسے تعبیر کا کمینٹ بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔وہ اپنی نفرت کو چھپانے کی بھرپور

کوشش کے باوجود تعبیر کو اس بات پر سخت لہجے میں حقیقت باور کروا گئی تھی۔ تعبیر کو سمجھ نہ آیا کہ اب آگے سے کیا کہے تو اس نے حماد کی طرف دیکھا۔

"یو آر رائیٹ عانیہ۔ دراصل تعبیر کے فادر نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ اس لیے اس کے دل میں ان کے لیے نفرت سی پیدا ہو گئی ہے۔ اور سوچے سمجھے بغیر ہی والدین کے خلاف بول جاتی ہے۔" حماد نے بات بنائی۔

"جتنا برا بھی کریں۔ رہتے تو ہمارے والدین ہی ہیں۔" عانیہ بھی ہار ماننے والوں میں سے کہاں تھی۔

"میں بھی اسے یہی سمجھاتا ہوں۔" حماد نے بھی اس کی تائید کی تو تعبیر کلس کر رہ گئی۔

"اور لو نا عانیہ کتنا تھوڑا کھاتی ہو تم" اس سے پہلے کہ اس کی اور عزت افزائی ہوتی اس نے جلدی سے بات بدلی۔ عانیہ جواباً خاموش رہ کر ناشتہ کرنے لگی۔

---------------------------------

شام کے سات بجے کا ٹائم تھا۔ ماما کھانا بنانے میں مصروف تھیں اور وہاب عمیر کے کمرے میں کمبائن س میں مصروف تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اس وقت تیزی سے وہاب کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ راہداری کے آخر میں وہاب کا کمرہ تھا۔ وہ دروازے کے پاس پہنچ کر رکی اور ایک دفعہ پھر آگے پیچھے دیکھا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا اور بند کر دیا۔ وقت ضائع کیے بنا وہ تیزی سے وہاب کے بیڈ کے پاس پڑے سائیڈ ٹیبل کے پاس پہنچی۔ الارم کلاک اٹھا کر دیکھا تو پورے سات بجے تھے۔ اس نے ٹائم چینج کر کے سات کی جگہ چار کر دیا۔ یعنی کہ تین گھنٹے پیچھے کر دیا۔ وہاب ہر روز الارم کی آواز پر چار بجے اٹھتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ الارم سیٹ کر دیا تھا جو روزانہ چار بجے بجتا تھا۔ اب ٹھیک سیون پی ایم ج چکے تھے لیکں گھڑی پر فور پی ایم ٹائم تھا۔ یعنی اگر صبح چار بجے کا وقت ہو گا لیکن

گھڑی پر ون اے ایم ٹائم چل رہا ہو گا اس لیے الارم بجے گا ہی نہیں۔ اسے تو چار بجے ہی بجنا تھا اور اس کے چار اس وقت ہوں گے جب اصل میں سیون اے ایم کا وقت ہو گا۔

اس نے ٹائم چینج کر کے الارم کلاک کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دبے پاؤں باہر آگئی۔ راہداری میں کوئی نہ تھا اس لیے شکر کرتی اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ آج دوسری بار وہاب کے کمرے میں گئی تھی اس لیے اتنا ڈر نہیں لگا تھا جتنا پہلی دفعہ لگا تھا۔ اب وہ دعا کر رہی تھی کہ وہاب کی نظر الارم کلاک پر نہ پڑے۔ ٹائم دیکھنے کے لیے تو وال کلاک اور اس کے موبائل کا کلاک بھی موجود تھا اس لیے کم ہی چانس تھا کہ اس کی نظر الارم کلاک کی طرف جاتی۔ ویسے بھی اس نے الارم کلاک سائیڈ ٹیبل پر اس زاویے سے رکھا تھا بیڈ پر بیٹھ یا لیٹ کر ٹائم نظر نہیں آتا تھا۔ کام تو وہ پکا کر کے آئی تھی اب نتائج کا انتظار تھا جس کے لیے صبح کا انتظار کرنا تھا۔

---

رات نو بجے تک عانیہ کو وہ شخص دوبارہ وہاں نظر نہیں تھا۔ وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی لیے وہ بالکونی میں ہی بیٹھی پچھلی عمارت پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ وہاں سے کسی کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی کیونکہ وہ کھڑی ہونے کی بجائے نیچے بیٹھی ریلنگ کے ڈیزائن سے جھانک رہی تھی۔ اور وہاں پر اندھیرا بھی تھا۔ انتظار مشکل تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ تبھی وہ شخص وہاں آیا تھا اور عمارت کے اندر چلا گیا تھا۔ وہ اسے پشت سے ہی اسے پہچان چکی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ بے اختیار سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ اور اٹھ کر یہ یقین کیا کہ اسے یہاں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ریلنگ کو مضبوطی سے تھام کر بالکونی سے دوسری طرف پھاند گئی۔ اور پاؤں ریلنگ کے نچلے حصے میں ٹکا دیے تھے۔ نیچے پندرہ فٹ کی دوری پر زمین تھی۔ لیکن ساتھ ہی سات فٹ کی دیوار بھی تھی جو بالکونی کے بائیں جانب تھی۔ اس نے ایک ترچھی چھلانگ لگا کر بائیں والی دیوار پر پاؤں جما کر بالکونی والی دیوار پر ہاتھ ٹکا دیے۔ پھر سنبھل کر مڑی اور بیٹھ کر دیوار پر لٹکتے ہوئے نیچے چھلانگ مار گئی تھی۔ ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تھی

لیکن دونوں چوکیدار آپس میں باتیں کر رہے تھے۔اس لیے ان کا دھیان ادھر نہیں پڑا تھا۔وہ جلدی سے اٹھی اور بھاگتے ہوئے ایک درخت کے پیچھے چھپ گئی۔اب اسے اس گلی میں جانا تھا جہاں سے کوٹھی کی پیچھے عمارت کی جانب آیا جاتا تھا۔وہ وہاں سے ایک دفعہ تعبیر کے ساتھ گزری تھی جب وہ اسے پچھلی عمارت دکھانے لائی تھی۔اسے وہاں سے گزرنے کیلیے چوکیداروں کا دھیان ہٹانا تھا کیونکہ ان کے سامنے سے گزر کر دائیں جانب وہ راستہ تھا۔تبھی ایک عورت باہر نکلی تھی اور چوکیدار سے بات کرنے لگ گئی۔وہ تیزی کے ساتھ باہر نکلی اور بھاگ کر کوٹھی کی پچھلی دیوار کے ساتھ لگ گئی۔اس نے محسوس کیا کہ یہاں اندھیرا بہت ہے۔وہ اگر دیوار کے ساتھ ہی چلے تو دائیں جانب پہنچ سکتی ہے۔بس بنا آواز کیے آہستہ آہستہ قدم اٹھانا ہوگا۔ویسے بھی چوکیدار کا دھیان ابھی یہاں نہیں تھا سو وہ گزر سکتی تھی۔وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے چلنے لگی تھی۔بے تاثر چہرے پر کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔دائیں کنارے پر پہنچ کر وہ گلی میں داخل ہوئی تھی۔لمبی گلی کو عبور کرکے پورچ میں کھڑی چار گاڑیوں میں سے ایک کے پیچھے چھپ گئی اور ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔یہاں سے پوری سفید کوٹھی کا فرنٹ نظر آرہا تھا۔پورچ سے تھوڑا سا آگے دائیں دیوار میں ایک دروازہ تھا۔جس پر بھی دو پہرے دار کھڑے تھے۔وہ انیکسی کا دروازہ تھا اور ایسے لگتا تھا کہ ساتھ کسی ہمسائے کا گھر ہو۔

(تو وہ شخص بھی اس انیکسی میں ہی رہتا ہوگا)وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہی شخص پیچھے سے آتا دکھائی دیا اور وہ جلدی سے چھپ گئی۔وہ آدمی پورچ کے سامنے سے گزر کر انیکسی کے دروازے میں داخل ہوگیا۔وہ بھی پورچ سے نکلی اور وہیں سے دیوار پر بنا آواز کیے چڑھ گئی۔چوکیدار اس سے شاید پچاس فٹ کی دوری پر تھے اس لیے وہ یہاں دھیان نہ دے سکے۔دیوار کے پار پانچ پورشنز کی انیکسی تھی۔اس نے دیکھا کہ وہ لان میں سے گزرتا ہوا شاید سب سے پچھلے پورشن کی طرف جارہا تھا۔اس نے دیوار پر ہاتھ لٹکا کر نیچے چھلانگ لگا گئی۔شکر تھا کہ دروازے کے اندر کی طرف چوکیدار نہیں تھے ورنہ اس آواز سے چونک جاتے۔وہ بھاگتے ہوئے اس شخص کے پیچھے بھاگی

تھی۔وہ شخص اپنے ہی دھیان میں چلتا ہوا ابھی راستے کے درمیان ہی تھا کہ عانیہ نے پیچھے سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا اس سے پہلے کہ وہ حیرت سے نکل کر کچھ سمجھتا اس نے اس کی گردن پر سوئی رکھ دی تھی۔جس کی چبھن اسے اچھی طرح محسوس ہو گئی تھی۔ڈر کی لہر اس کے سارے جسم میں سرایت کر گئی تھی۔وہ حیران رہ گیا کہ ایک لڑکی اس کی گردن تک پہنچ چکی ہے۔کچھ لمحوں کے لیے تو وہ بول بھی نہیں سکا تھا۔

"خاموش....اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو یہیں مار دوں گی" عانیہ نے سرگوشی میں کہا تھا۔

"ک....کون ہو تم؟"ڈر کے مارے ہکلا کر بولا۔

"میرے ساتھ چلو" عانیہ نے درشتی سے کہا اور اس کی گردن پر سوئی رکھے ہی آگے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔دو پورشنز کی دیواروں کے درمیان راستہ تھا۔عانیہ اسے وہاں لے کر آگئی تھی یہاں اندھیرا نسبتاً کم تھا۔عانیہ نے اسے دھکا دے کر دیوار کے ساتھ لگا دیا۔اور اس کے بھاگنے کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔

"پہچانا مجھے؟"وہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا اور عنصر کو وہ لمحہ یاد آگیا تھا جب اس کے سامنے یہ لڑکی اپنے ماں باپ کے لیے رو رہی تھی اور اس سے دیکھا نہیں گیا تھا تو وہ جلد ہی باہر نکل گیا تھا۔

"ہاں پہچان گیا ہوں لیکن تم......"

"میں یہاں کیسے۔مجھے تو جیل میں ہونا چاہیے تھا؟یہی پلان تھا نا تم لوگوں کا؟"وہ ابرو اچکا کر پوچھنے لگی تھی۔عنصر کچھ بول نہیں پایا تھا۔

"بتاؤ کیا پلان بنایا تھا حماد نے؟"اس نے سوئی سے اس کی گردن پر زور دیا۔

"مم.....میں نہیں بتا سکتا حماد مجھے مار ڈالے گا" وہ ہکلایا۔

"فی الحال تو میرے ہاتھ تمہاری گردن کے زیادہ قریب ہیں۔اگر نہ بتایا تو میں مار دوں گی" وہ غرا کر بولی۔

"بتاتا ہوں۔پلیز مجھے مارنا مت۔اس کو پیچھے تو کرو" وہ ملتجی ہوا۔

"دوسروں کی جانیں لینے والوں کو اپنی جان کتنی پیاری ہوتی ہیں نا۔" وہ طنزیہ ہنسی تھی۔ "مجھے اے ٹوزی حماد کے منصوبے کے بارے میں بتاؤ۔"

"مجھے زیادہ تو نہیں پتہ میں ذاتی طور پر میڈم تعبیر کا ملازم ہوں۔ لیکن سر حماد کو میں نے میڈم تعمیر سے بات کرتے سنا تھا۔ وہ کسی پرانی دشمنی کی بات کر رہے تھے۔ جو ان کے اور آپ کے والد کے درمیان شروع ہوئی تھی اور اس کی وجہ افضل صاحب کی سوتیلی بہن تھی۔ انہوں نے اپنی بہن کو پھانسنا چاہا تھا لیکن خود جیل میں پھنس گئے تھے۔ پھر یہ دشمنی اس وقت بڑھی تھی جب آپ کے والد کو افضل پر یہ شک ہوا تھا کہ وہ ملک دشمن عناصر کا ساتھ دے رہے ہیں۔ پھر انہوں نے افضل کے خلاف ثبوت ڈھونڈ کر انہیں حراست میں لے لیا۔ عدالت میں کیس چلا اور افضل کو غدار وطن قرار دے کر پھانسی چڑھا دیا گیا۔ پھر سر حماد اپنے والد کی جگہ پر آ گئے۔ وہ اب اپنے والد کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ آپ کو اغوا کر کے یا قتل کر کے بھی بدلہ لے سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ جب تک آپ کے والدین زندہ تھے۔ وہ آپ کو کچھ نہ ہونے دیتے۔ کچھ نا کچھ کر کے آپ کو بچا ہی لیتے۔ اس لیے انہوں نے آپ کے والدین کو ٹھکانے لگانے کا سوچا۔ موقع تو بہت مشکل سے ملا لیکن مل ہی گیا تھا۔ آپ کے والدین ایک شادی سے گھر لوٹ رہے تھے جب ٹرک ان کی گاڑی کے ساتھ ٹکرا گیا۔ سر حماد نے ان کی گاڑی کی بریکس کو بھی فیل کروا دیا تھا۔ سو کوشش کے باوجود وہ نا بچ سکے۔ پھر میں نے ہی ایمبولینس منگوائی تھی اور ساتھ گیا تھا۔ مجھے وہاں بھیجنے کا مقصد ان کی موت کنفرم کرنا نہیں تھا بلکہ آپ کو میری شکل دکھانی تھی۔ تاکہ میری تصویر ریان عباس کے ساتھ کھینچ کر ان پر قتل ثابت کیا جا سکے۔ اس بات کا میڈیا پر بہت شور اٹھا تھا۔ اور دو ہفتے کی تفتیش کے بعد پتہ چل گیا تھا کہ ان کا قتل ہوا ہے۔ ان دنوں آپ کے والد ایک کیس پر کام کر رہے تھے اور وہ ایک مشہور سیاستدان تھا۔ انہیں آپ کے والد کا قاتل سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح سر حماد پر کسی کا شک نہ آیا۔ پھر انہوں نے آپ سے یہ کہا کہ دشمن سے بدلہ لینے کے لیے وہ آپ کی مدد کریں گے۔ اور

آپ نے ان سے مدد لینے کی ہامی بھر کے ان کے جال میں پھنس گئیں۔ مجھے انہوں نے کچھ عرصہ انڈر گراؤنڈ بھیج دیا۔ پھر ان کے کہنے پر آپ ریان کے گھر بھی رہیں۔ دراصل انہوں نے یہ سوچا کہ ایک انسان مرنے جا رہا ہے تو اس کی دولت ان کام آسکے۔ اسی لیے انہوں نے آپ کو وہاں رہنے پر مجبور کیا تھا۔ اور پھر جب ریان کو پتہ چلا کہ آپ اغوا ہو گئی ہیں تو انہوں نے آپ کو بچانے کے لیے اپنی ساری دولت دے دی۔ اور آپ کو انہیں قتل کرنے دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کو ساری زندگی جیل میں گزارنا پڑتی۔ سر حماد بظاہر تو آپ کو تسلیاں دیتے رہتے کہ آپ کو جلد چھڑوالیں گے لیکن پیشیوں پر پیشیاں بڑھاتے رہتے۔ اس طرح وہ آپ کے والد سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ تاکہ آپ کے والدین کی روح کو تڑپایا جاسکے۔ جب اولاد کامیاب ہو تو والدین کی روح کو سکون مل جاتا ہے۔ اور یہی سکون وہ ان سے چھیننا چاہتے تھے۔ اگر بالفرض وہ زندہ ہوتے تو کبھی آپ کو جیل میں نہ پھنسنے دیتے۔ اسی لیے سر حماد نے ان کو مار کر اپنا راستہ صاف کیا۔" عنصر نے دھیمے لہجے میں ساری تفصیل بتائی۔ عانیہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے غصے کو روک رہی تھی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی اتنا ظلم بھی کر سکتا ہے۔ اس نے آہستہ سے سوئی اس کی گردن سے ہٹالی اور عنصر کی سینے میں اٹکی سانس خارج ہوئی۔

"تو اس منصوبے میں تعبیر کتنی شریک ہے؟"

"ان کو اس سارے منصوبے کے بارے میں پتہ تھا۔ لیکن انہوں نے ان کی کوئی خاص مدد نہیں کی سوائے آپ کو ریان سے بدلہ لینے کیلیے کنونس کرنے کے۔ وہ زیادہ تر لڑکیوں کا کاروبار کرتیں ہیں۔ اور ان کے اس کام کو میں ہی سنبھالتا ہوں۔ مجھے اس لیے استعمال کیا گیا کہ میں سر حماد کے لیے غیر اہم تھا۔ اور کچھ دنوں کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو بھی جاتا تو سر حماد کو میرے جانے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اور میڈم تعبیر نے بھی مجھے بخوشی اجازت دے دی تھی۔"

(اگر ریان مجھے نہ بچاتا تو میں دلدل میں دھنس جاتی۔) وہ سوچ رہی تھی۔

"مس میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے چلی جائیں۔ اب تو آپ بچ گئیں ہیں لیکن وہ آپ کو کسی اور طرح بھی پھنسا سکتے ہیں۔ میں آپ کو یہاں سے بھگا سکتا ہوں"

"اگر بھاگنا ہوتا تو میں خود ہی بھاگ جاتی۔ تم میری فکر مت کرو۔ اور ہاں کسی کو اس بات کے بارے میں بتایا تو اپنی جان کے خود ہی دشمن بنو گے"

"نہیں، میں نہیں بتاؤں گا۔ مجھے مرنا ہے کیا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔" عنصر نے اسے تسلی دی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر واپس پلٹ گئی۔ انیکسی کی دیوار کود کر دوسری طرف آئی تو دونوں چوکیدار آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ گاڑیوں کے بیچ سے گزرتی آگے بڑھی تھی۔ گلی میں سے گزر کر وہ پچھلی جانب آئی تو ایک چوکیدار سو رہا تھا اور دوسرا پتہ نہیں کہاں تھا۔ وہ سنبھل کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بائیں جانب بڑھنے لگی تھی جہاں اوپر اس کے کمرے کی بالکونی تھی۔ دیوار کے پاس پہنچ کر وہ اس کے اوپر چڑھی اور کھڑی ہو گئی۔ وہاں دیوار پر کھڑے ہی وہ تھوڑا سا آگے جھکتے ہوئے دائیاں ہاتھ بڑھا کر بالکونی کی ریلنگ کا نچلا حصہ پکڑ لیا اور دیوار سے پاؤں اٹھا دیے۔ اب وہ صرف ایک ہاتھ کی مدد سے لٹکی ہوئی تھی۔ ٹریننگ کے دوران وہ ایک منٹ تک ایسے لٹکی رہتی تھی۔ جلدی سے دوسرا ہاتھ بڑھا کر ذرا اوپر سے ریلنگ کو پکڑا اور دائیاں ہاتھ چھوڑ کر اسے ایک جھٹکا دیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے تھوڑا سا اوپر پکڑ لیا۔ پھر بائیاں ہاتھ ریلنگ کے سب سے اوپر والے حصے کو پکڑ کر دوسرا ہاتھ بھی وہاں جمایا۔ پہلے دائیں پاؤں کو ریلنگ کے نچلے حصے میں ٹکایا اور اس پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا اپنی بائیں ٹانگ کا گھٹنا موڑ کر ریلنگ پر رکھا اور دائیں ٹانگ سے ریلنگ پار کر کے بالکونی میں کود گئی۔ وہ تھکے ہارے انداز میں وہیں ریلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے اندر صدیوں کی تھکن محسوس ہوئی تھی۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اب اس نے حماد کو قتل نہ کیا تو غصہ ضبط کرتے کرتے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ آنکھیں موند کر سر ریلنگ

سے ٹکائے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔اس کے معصوم سے چہرے پر کرب اور دکھ کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔جسے ہر کسی کے سامنے بڑی مہارت سے چھپا لیتی تھی۔لیکن اپنے رب کے سامنے ہر دکھ بیان کرتی تھی۔

اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب وہ آگے کیا کرے۔دل تو کر رہا تھا کہ ابھی جا کر حماد کی کنپٹی پر پستول رکھ کر ٹریگر دبا دے۔لیکن اس کے لیے پہلے اس کے اسلحہ بردار محافظوں سے لڑنا تھا اور اس تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔دوسرا راستہ یہ تھا کہ کچھ دن یہ ڈرامہ چلنے دے اور موقع پا کر اسے قتل کر دے۔لیکن یہ بھی اتنا آسان نہیں تھا۔پہلی بات یہ تھی کہ اتنے دن تک حماد کو بے وقوف بنایا نہیں جا سکتا تھا۔اور دوسری بات یہ کہ مشکل ہی وہ موقع ملتا جب سارے باڈی گارڈز اس کے پاس نہ ہوں۔

اسے کوئی راہ دکھائی نہ دی تو تھک ہار کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس پریشانی کا حل تلاش کرنے کے لیے اللہ سے رجوع کیا۔

---------------------------------

صبح کے سات بجے کا وقت تھا جب الارم کی آواز سے وہاب کی آنکھ کھلی تھی۔آج اس کا دوسرا پیپر تھا جو نو بجے شروع ہونا تھا۔وہ سست روی سے بیڈ پر سے اٹھا تو کھڑکی کے آگے پڑے پردوں کو روشن دیکھ کر ٹھٹھکا۔

(آج چار بجے سورج اتنا کیسے نکل آیا)وہ حیرانی سے سوچتا کھڑکی کی طرف بڑھا اور پردے ہٹا کر دیکھا تو سورج کی روشنی سے بیک گارڈن منور ہو چکا تھا۔اس نے تیزی سے وال کلاک کی طرف دیکھا جس پر سات بج چکے تھے۔پھر وہ تیزی سے سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا اور الارم کلاک اٹھا کر دیکھا تو اس پر ابھی چار ہی بجے تھے۔اسے لگا کہ الارم کلاک کا وقت خراب ہو گیا ہے یا سیلز ختم ہو گئے ہوں گے۔لیکن اگر بیٹری ختم ہو گئی ہوتی تو الارم کیسے بجتا؟اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔وہ جلدی سے الماری کی طرف بڑھا اور کپڑے لے

کر باتھ روم میں گھس گیا۔ پندرہ منٹ میں نہا کر باہر نکلا اور تیاری کرنے میں آدھا گھنٹہ اور لگ گیا۔ اب اس کے پاس صرف آدھا گھنٹہ تھا جس میں وہ ناشتہ کر سکتا تھا لیکن رات کو جو پیپر کی تیاری کی تھی اس کی روئین کرنے والی تھی۔ اس نے ناشتے کی بجائے اپنے نوٹس پکڑے اور ان پر سرسری سی نظر پھیرنے لگا۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن ابھی بھی کچھ پڑھنے والا رہ گیا تھا۔ اگر وہ پڑھتا ہی رہتا تو پیپر نہ دے پاتا۔ اس لیے کمرے سے باہر آ گیا۔ عمرینہ ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ پکڑے کچن سے ڈائننگ ہال کی طرف جا رہی تھی اسے دیکھ کر چونکی تھی۔

"وہاب تم اس وقت؟" وہ گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے بولی۔

"جی آنٹی نو بجے میرا پیپر ہے" وہاب نے چہرے پر اطمینان سجا کر کہا۔

"کیا؟......نو بجے۔ لیکن عمیر کا تو سیکنڈ ٹائم تھا۔ مجھے لگا تمہارا ابھی سیکنڈ ٹائم ہی ہو گا۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا۔ اور اتنی لیٹ کیوں اٹھے ہو" عمرینہ پریشان سی کہہ رہی تھی۔ اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی حدیقہ کو دل سکون پہنچ رہا تھا۔

"سوری.....وہ یاد نہیں رہا مجھے۔ آج الارم بھی خراب ہو گیا تھا۔" وہ شرمندہ سا بولا۔

"اُفف۔ دیکھو صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے پیپر کو اور تم نے ابھی ناشتہ بھی کرنا ہے۔ یونیورسٹی جانے تک کتنا ٹائم لگتا ہے؟"

"آدھا گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں" وہ مسکرا کر کہتا باہر کی جانب لپکا۔

"لیکن ناشتہ....؟" عمرینہ نے پیچھے سے آواز لگائی لیکن وہ لاؤنج سے باہر جا چکا تھا۔

"لگتا ہے زیادہ پڑھنے کی وجہ سے اس لڑکے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بتایا بھی نہیں کہ فرسٹ ٹائم پیپر ہے۔ اب اللہ کرے ٹائم پر پہنچ جائے وہاں" عمرینہ بڑبڑاتی حدیقہ کے پاس آ بیٹھی جو اپنی مسکراہٹ روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"تم کیوں مسکرا رہی ہو؟" عمرینہ نے حدیقہ سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔ ابھی وہ کوئی بہانہ سوچ ہی رہی تھی کہ وہاب وہاں داخل ہوا۔

"کیا ہوا؟ تم واپس کیوں آ گئے؟" عمرینہ وہاب کی طرف متوجہ ہو گئی تو حدیقہ نے شکر ادا کیا۔

"آنٹی میری بائیک خراب ہو گئی ہے۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔ حدیقہ کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی کیونکہ اس نے بائیک کا ٹائر بھی پنکچر کر دیا تھا۔

"تم فکر مت کرو" عمرینہ وہاب کو تسلی دیتی حدیقہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "حدیقہ جاؤ اپنی گاڑی کی چابی لے کر آؤ۔" حدیقہ کی مسکراہٹ یکدم گم ہو گئی۔

"میری گاڑی کیوں؟... عمیر بھائی کی دے دیں نا" وہ منمناتے ہوئے بولی۔

"اس کی سروس کے لیے گئی ہوئی ہے۔ جلدی جاؤ" عمرینہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"آنٹی رہنے دیں میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا" وہاب شرمندہ سا ہو کر کہتا باہر کی طرف جانے لگا لیکن عمرینہ نے اسے روک لیا۔

"رکو۔ بلکہ تم گاڑی تک پہنچو حدیقہ تمہیں وہاں چابی پکڑا دے گی۔" عمرینہ نے حکم دیا تو حدیقہ بادل ناخواستہ اٹھ گئی۔

وہاب کو گاڑی کے پاس پہنچے ابھی ایک منٹ ہی ہوا تھا کہ حدیقہ ہاتھ میں چابی پکڑے باہر آئی تھی۔ سرخ رنگ کی گھٹنوں تک آتی میکسی سکرٹ پر ہاف سلیوز والی وائٹ کلر کی وریپ ٹاپ پہنے، نیچے کیپری جینز اور نازک سی سینڈل پہنے، گولڈن بلانڈیڈ بالوں کو دو چٹیوں میں باندھ کر آگے گرائے اور نرم و ملائم چہرے پر غصے سے تیوریاں چڑھائے وہ اسے بالکل موم کی گڑیا لگی تھی۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر سینے پر ہاتھ باندھے دلچسپی سے اسے آتا دیکھ رہا

تھا۔ حدیقہ نے اس کے قریب آکر چابی اس کی طرف ایسے بڑھائی جیسے بہت بڑا احسان کر رہی ہو۔ وہاب نے ٹیک چھوڑ کر اس کے ہاتھ سے چابی لے لی۔

"شکریہ" وہ پلٹ کر چابی کو دروازے کے لاک میں ڈالتے ہوئے بولا۔ حدیقہ کا دل کیا اس کے ہاتھ سے چابی کھینچ لے۔

"تمہیں گاڑی چلانی آتی بھی ہے کہ نہیں۔" وہ اپنا غصہ نکالنے لگی۔

"اگر نہ آتی ہو تو.... ؟ مجھے یونی چھوڑنے جاؤ گی کیا؟" وہ دروازہ کھول کر اس کی طرف مڑا۔

"کیا؟ تمہیں واقعی گاڑی چلانی نہیں آتی ؟" وہ پریشان سی ہو گئی اور وہاب مسکرا دیا۔

"یاد رکھنا اگر میری گاڑی خراب کی تو میں تمہاری بائیک کا ایک ایک پیس الگ کر دوں گی۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"تم اپنی جان دیکھو اور دعویٰ دیکھو کتنا بڑا کر رہی ہو۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

"میں کر سکتی ہوں۔ تمہاری بائیک کا ٹائر میں نے ہی پنکچر کیا ہے۔"

"کیا تم نے کیا ہے ؟.... آج تو میرا دن ہی خراب ہے۔ الارم کلاک بھی خراب ہو گیا اور تم نے بھی آج ہی میری بائیک خراب کرنی تھی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ حدیقہ آنکھیں بند کر کے مسکرا دی۔ تصور میں وہ وہاب کا پریشان سا چہرہ دیکھ رہی تھی جب وہ لیٹ اٹھ کر الارم کلاک دیکھ رہا تھا۔ وہاب کو وہ اس وقت ایک چھوٹی سی بچی لگی تھی۔

"ایک منٹ..... کہیں میرا الارم کلاک بھی تو تم نے ہی خراب نہیں کیا؟" وہ اس کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھ کر مشکوک لہجے میں بولا۔ حدیقہ نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معصومیت سے سر ہلا دیا۔ وہاب اس کے انداز پر مسکراتی

نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اسے یہ بھول گیا کہ وہ پیپر کیلیے لیٹ ہو رہا ہے۔ حدیقہ اس کے یوں دیکھنے پر گھبرا گئی اور غصے سے اسے گھورنے لگی۔ وہاب اس کے گھورنے پر ہوش میں آیا۔

"اب دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔ بدلے کیلیے تیار رہنا۔" وہ پر اسرار لہجے میں بولتا اسے کانپنے پر مجبور کر گیا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہاب گاڑی میں بیٹھا اور دروازہ بند کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

----------------------------------

"تم لوگوں سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ گدھوں کی فوج پال رکھی ہے۔ سب کے سب نمک حرام ہو۔ اتنے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ کیسے بچ کر نکل گیا۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ کہاں گیا وہ۔" حماد اپنے سیکرٹری پر برس رہا تھا اور وہ خوف کے عالم میں سر جھکائے کھڑا پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ تعبیر آرام سے صوفے پر بیٹھی سیکرٹری کو ڈانٹ کھاتے سن رہی تھی۔ عانیہ جو سٹڈی میں حماد کو قتل کرنے کا موقع تلاش کرنے آرہی تھی اس کی بات سن کر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

"سر ہم نے اپنی پوری کوشش کر کے دیکھ لی ہے وہ یہاں ہوتا تو مل جاتا۔" سیکرٹری نے ڈرتے ہوئے زبان کھولی۔

"خاک کوشش کی ہے تم لوگوں نے۔ آج دوسرا دن ہو گیا ہے اور تمہیں اس کا اتا پتہ ہی نہیں۔"

"سوری سر....."

"تم لوگ سوری کہہ کر ٹینشن فری ہو جاتے ہو۔ کام تو میرا خراب ہوتا ہے نا.... کتنی مشکل سے منصوبہ بندی کی تھی۔ منزل کتنی قریب تھی۔ عانیہ کی وجہ سے سارا پلان خراب ہو گیا۔ مجھے وہ لڑکی جیل میں نظر آنی چاہیے۔ مجھے اور کچھ نہیں سننا۔ اس لڑکے کو ڈھونڈو کہیں سے بھی۔ جہاں ملے گولی مار دینا۔" ریان کے بارے میں اس طرح کے الفاظ سن کر اس کا دل انجانے خوف سے بھر گیا۔

اب بس اور نہیں۔ وہ اب حماد کو مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک دم سے دروازہ کھول کر اندر آئی تھی اور یہ جان کر کافی مطمئن ہو گئی تھی کہ یہاں سیکرٹری کے علاوہ اور کوئی سیکیورٹی گارڈ نہیں۔ کمرے میں موجود تینوں نفوس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور عانیہ کا غصے سے لال چہرہ دیکھ کر وہ وہیں ساکت ہو گئے تھے۔ حماد کو اپنا پلان فیل ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"تو یہ تھا تمہارا گھٹیا منصوبہ۔" وہ چیخ کر بولی۔

"دیکھو عانیہ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں" حماد جلدی سے اس کے پاس آکر بولا شاید اب بھی کچھ نہ بگڑا ہو۔ اور اس نے پوری بات نہ سنی ہو۔

"اب کوئی فائدہ نہیں مسٹر حماد۔ میں جان چکی ہوں کہ تم ہی میرے مام ڈیڈ کے قاتل ہو۔ اور مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتے ہو" اس کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ آواز اس نے حتیٰ المقدور نیچی رکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ کوئی سیکیورٹی گارڈ باہر سے سن کر اندر نہ آجائے۔ حماد اور تعبیر حیران و پریشان کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تمہاری یہ خواہش بھی ضرور پوری ہو گی۔ میں جیل تو ضرور جاؤں گی۔ ریان کو قتل نہ کیا تو نہ سہی تمہیں بھی تو قتل کیا جا سکتا ہے۔ مجھے جیل میں ضرور دیکھو گے... تم نہ سہی تمہاری روح سہی۔" وہ اس کے تھوڑا قریب آکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سکون سے بولی۔ حماد غرور بھرے لہجے میں مسکرا دیا جبکہ پیچھے کھڑی تعبیر خوف سے کانپنے لگی تھی۔

#ہر_پل_ساتھ

#از_قلم_دعا فاطمہ

#قسط_نمبر_پندرہ

"تم مجھے قتل کرو گی۔ مجھے "وہ تعجب سے بولا۔ "بات کرنے سے پہلے انسان کو اپنا مقام نہیں بھولنا چاہیے۔ یہ پتہ ہے کہ کہاں کھڑی ہو۔ یہ میرا گھر ہے۔ میری سلطنت۔ یہاں میری اجازت کے بنا پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔ بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے سے پہلے سو بار سوچتے ہیں۔ تم تو میرے سامنے چیونٹی کی سی حیثیت رکھتی ہو۔ چاہوں تو پل بھر میں مسل کر رکھ دوں۔ "اس کے ہر لفظ سے غرور جھلک رہا تھا۔ عانیہ طنزیہ ہنسی اور چہرہ پھیر گئی۔

"جانتی ہوں تمہیں کس بات پر اتنا غرور ہے۔ میں تم سے کیا ڈروں۔ جو اپنی حفاظت کے لیے سیکیورٹی گارڈز کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھتا ہے اس سے کیا ڈرنا" وہ ابرو اچکا کر بولی تو وہاں موجود تینوں لوگ اس کی ہمت کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"سر آپ اس کے منہ ہی نہ لگیں۔ ہم ہیں نا۔ آپ بس حکم کریں کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ ابھی دماغ ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ "سیکرٹری آگے بڑھ کر حماد سے بولا۔

"نہیں اسد اس نے میری غیرت کو للکارا ہے۔ اسے تو میں خود بھی سبق سکھا سکتا ہوں۔ تم لوگ بس تماشا دیکھو گے۔ "حماد عانیہ پر نظریں گاڑھے بولا تھا۔ عانیہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسی اسے کسی بات کا اثر نہیں۔ البتہ وہ اس بات پر مطمئن ہو گئی تھی کہ وہ حماد کے سیکیورٹی گارڈز سے لڑے بغیر اس تک پہنچ گئی ہے۔ پہلے اس کا کام تمام کر لیتی پھر اس کے سیکیورٹی گارڈز سے نمٹنا مشکل کام نہیں تھا۔

"مگر سر مجھے یہ لڑکی بہت شاطر دکھائی دیتی ہے۔ سیکیورٹی گارڈز کو بلوا لینا چاہیے۔ "سیکرٹری سرگوشی میں بولا۔

"میں نے کہا نا میں اسے خود سبق سکھاؤں گا۔ "حماد نے سیکریٹری کو ڈانٹ دیا۔ اور ایک قدم عانیہ کی طرف بڑھا۔

"تم فکر مت کرنا عانیہ میں تمہیں جان سے بالکل بھی نہیں ماروں گا۔ اگر تم مر گئی تو تمہارے والدین کی روح کو بھی سکون مل جائے گا۔ اور میں ایسا بالکل بھی نہیں چاہتا۔ میں تمہاری زندگی اتنی اذیت ناک بنا دوں گا کہ تم خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔ "وہ سفاکیت سے بولا تھا۔ عانیہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی تھی۔

حماد نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑنی چاہی تو عانیہ نے ایک دم سے پیچھے کر کے دوسرے ہاتھ سے کھینچ کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ حماد کے دماغ کے ساتھ ساتھ اس کا منہ بھی گھوم گیا۔ حماد سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک اٹھارہ سال کی لڑکی اس کے منہ پر یوں تھپڑ دے مارے گی۔ اور اس سے زیادہ حیرت کی بات کہ اس کے تھپڑ سے اس کے قدم تک لڑکھڑا گئے تھے۔ کیا کسی لڑکی میں اتنا زور بھی ہوتا ہے۔ وہ حیرت سے عانیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ دو تین سیکیورٹی گارڈز اندر آ کر اس پر بندوقیں تان چکے تھے۔ لیکن حماد نے انہیں گنز نیچے کرنے کا اشارہ کیا۔ سیکرٹری اور تعبیر بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے عانیہ کو دیکھ رہے تھے۔ عانیہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑی حماد کو ہی دیکھ رہی تھی۔ حماد جارحانہ انداز میں اس کی طرف لپکا اور اپنا بھاری ہاتھ عانیہ کے منہ پر مارنا چاہا۔ عانیہ بروقت جھکائی دے گئی اور ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ حماد کا وار خطا گیا تھا۔ اسے آج جتنی زلت محسوس ہو رہی تھی اتنی کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے سیدھے ہوتے ہی بائیاں بازو گھما کر عانیہ کے منہ پر مارا جسے عانیہ نے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا اور بائیں ہاتھ سے مکا اس کے پیٹ میں مارا۔ پھر دائیں ہاتھ سے مکا بنا کر اس کی ناک پر دے مارا۔ وہ بیک وقت دو مکے کھا کر نیچے گر پڑا تھا۔ حماد کے سارے محافظ، سیکرٹری اور تعبیر ہونقوں کی طرح منہ کھولے اپنے باس کی درگت بنتی دیکھ رہے تھے جس سے بات کرتے ہوئے بھی ان کی ٹانگیں کانپتیں تھیں۔

عانیہ نے اس کے کھڑے ہونے ہونے تک ہی ایک ٹانگ پر گھوم کر دوسری ٹانگ سیدھی اس کی گردن کے دائیں طرف دے ماری۔ گھومنے کی وجہ سے اس کے پونی ٹیل میں بندھے بال دائیں کندھے کے آگے آ کر جمع ہو گئے تھے۔ حماد گردن پر وار سہہ کر بھی اٹھنے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا آیا اور گھوم کر اپنی ٹانگ سے اس کے چہرے کو نشانہ بنایا لیکن وہ بروقت نیچے بیٹھ گئی اور دائیں ٹانگ لمبی کر کے بائیاں ہاتھ زمین پر جما کر اس کے

گرد گھومی اور حماد جو ابھی ایک ٹانگ پر ہی کھڑا تھا عانیہ کا پاؤں اس کے ٹخنے پر پڑا تھا اور وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل جا گرا تھا۔ زمین پر اس کا چہرہ لگنے سے کافی خراشیں پڑ گئیں تھیں۔ وہ تلملا کر اٹھا تھا۔

"یو بچ..... تمہاری یہ ہمت...... میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں" وہ غصے سے دھاڑا تھا۔ کچھ سیکیورٹی گارڈز آگے بڑھ کر بندوقیں عانیہ کی جانب تان گئے تھے۔ حماد نے غصے سے انہیں دیکھا۔

"تم لوگوں کو ایک بار بات سمجھ نہیں آتی۔ اگر اسے مارنا ہوتا تو گن میرے پاس بھی ہے۔ دفع ہو جاؤ تم لوگ۔" اس کے چلانے پر سارے محافظ ڈرتے ہوئے کمرے سے نکلنے لگے۔ حماد عانیہ کی طرف بھاگتا ہوا آیا اور ہاتھ سے مکا بنا کر اس کے چہرے پر مارنا چاہا لیکن عانیہ نیچے کی طرف جھکائی دے گئی اور اس کے پیچھے جا کر مڑتے ہوئے اس کی گردن پر ہاتھ اکڑا کر مارا۔ کچھ دیر کیلیے تو حماد درد کی وجہ سے اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ پھر وہ اٹھا اور اسے دائیں ہاتھ سے مکا مارنا چاہا لیکن وہ اس کے بازو کو پکڑ کر اس طرح گھومی کہ اس کی کمر حماد کے سینے سے جا ٹکرائی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا بائیاں بازو پکڑ کر اپنے بائیں کندھے کے اوپر سے اپنے سامنے لائی اور ایک گھٹنے پر بیٹھ کر پیچھے سے اس کو اچھال کر اپنے آگے پٹخ دیا۔ جاتے ہوئے سیکیورٹی گارڈز یکدم رک کر حیرت سے اس لڑکی کے اس ایکشن کو دیکھنے لگے۔ ایک جوان آدمی کو پیچھے سے اٹھا کر آگے پھینکنا بہت مشکل کام تھا اور خاص کر کسی لڑکی کے لیے۔ اس لیے سب کی حیرت بجا تھی۔ عانیہ جانتی تھی کہ سب کی حیران نظریں اس پر ٹکی ہیں لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسے تو بس مام ڈیڈ کے قاتل کو تڑپا تڑپا کر مارنا تھا۔ حماد ابھی کمر کے درد کو بمشکل سہہ پایا تھا کہ کنپٹی پر لگنے والے عانیہ کے پاؤں نے اس کی برداشت ختم کر دی تھی۔ وہ زور سے چیخ پڑا تھا۔ وہاں پر موجود سب کے دل دہل گئے جبکہ عانیہ کے دل میں عجیب سا سکون آیا تھا۔ ایک عرصے سے وہ اس سکون کی متلاشی تھی۔

حماد آخرکار درد برداشت کرتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا سارے محافظ اس کے ایک اشارے کے منتظر تھے لیکن حماد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا تھا۔ اب وہ اتنا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ ایک لڑکی سے بچنے کے لیے سیکیورٹی

گارڈز کا سہارا لیتا۔ یہی سوچ کر اس نے سب کو منع کر دیا تھا۔ اگر آج وہ اس لڑکی کو سبق نہ سکھا پایا تو کیا عزت رہ جاتی اس کی عزت تو خیر اب بھی کہاں چھوڑی تھی عانیہ نے۔

وہ اٹھا اور جارحانہ انداز میں آگے بڑھ کر عانیہ کے پیٹ میں ٹانگ ماری جسے عانیہ نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تھوڑا پیچھے ہو کر اپنی طرف کھینچا۔ حماد لڑکھڑا کر گر ا گیا عانیہ تھوڑا آگے بڑھی اور اس کی ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں پکڑی ٹانگ مروڑ کر رکھ دی۔ وہ درد سے بلبلا کر اٹھ بیٹھا۔ عانیہ اس کی ٹانگ چھوڑ کر اچھلتے ہوئے گھومی اور ایک ٹانگ اس کی کمر پر دے ماری۔ کوئی نہیں جان سکا تھا کہ گھومتے ہوئے اس نے اپنے سر سے نوکدار سوئی نکال کر ہاتھ میں چھپالی تھی۔ کیونکہ سب کے نظریں حماد کی کمر پر لگیں تھیں جہاں عانیہ نے اسے مارا تھا۔ عانیہ نے اس کے کھڑے ہونے کا انتظار کیا اور کچھ دیر بعد وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس دفعہ عانیہ اس کی طرف بڑھی تھی اور ہوا میں اچھلتے ہوئے گول گھوم کر دونوں ٹانگیں اس کے پیٹ میں دے ماریں۔ وہ پیٹ پکڑ کر جھک گیا اور عانیہ مضبوطی سے اپنے قدم نیچے جماتے ہوئے دائیاں ہاتھ ہوا میں بلند کیا جس میں نوکدار سوئی تھی اور جھکے ہوئے حماد کی گردن کی پچھلی طرف تھوڑا سا نیچے کر کے ریڑھ کی ہڈی کے قریب جا ماری۔ سوئی جلد کو چیرتی اندر تک گھس گئی۔ حماد تڑپتے ہوئے چیخ پڑا اور عانیہ بے حسی سے مسکرائی تھی۔ سب لوگ حیرت سے بت بن چکے تھے۔ حماد کی گردن سے خون نکل کر اس کی سفید شرٹ کو سرخ کرنے لگا۔ تعبیر بھاگتی ہوئی حماد کی جانب بڑھی لیکن جب عانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا تو وہ وہیں رک گئی۔ حماد نیچے گر کر بے ہوش ہو چکا تھا اور اس کا خون فرش پر ایک لکیر کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

"گدھو میر امنہ کیا دیکھ رہے ہو آگے بڑھو اور اس لڑکی کو قابو میں کرو" تعبیر سیکیورٹی گارڈز کی طرف دیکھ کر چلائی۔ اتنا تو وہ کر ہی سکتی تھی حماد کیلیے۔ سارے سیکیورٹی گارڈز تذبذب میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ تبھی سیکرٹری بولا۔

"سر حماد نے انہیں گولی چلانے سے منع کیا ہے۔"

"تو میں کونسا گولی چلانے کو کہہ رہی ہوں۔ ایک ساتھ پل پڑو اور اسے قابو میں کرو۔ ہری اپ۔ اور کوئی جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ دیکھو حماد کا کتنا خون بہہ گیا ہے۔" وہ کانپتے ہوئے سب سے کہہ رہی تھی۔ عانیہ نے سب کو ایک نظر دیکھا۔ وہ لوگ اپنے باس کا حال تو دیکھ چکے تھے اس لیے آگے بڑھنے میں تذبذب سے کام لے رہے تھے لیکن اگر اب وہ آگے نہ آتے تو بعد میں ان کے ساتھ بہت بری ہونی تھی۔

پہلے آدمی نے اپنی گن گھما کر اس کے سر میں مارنی چاہی جسے اس نے ایک ایک طرف ہو کر تھام لیا اور اچھل کر اس کے منہ پر دونوں ٹانگیں دے ماریں اس کی بندوق چھین کر دوسری طرف سے اپنی طرف آتے ہوئے آدمی کے سر کے بائیں جانب دے ماری۔ اب اس کے ہاتھ میں بندوق بھی آچکی تھی جو بھی اس کے سامنے جاتا وہ اسے گن ایسے دے مارتی جیسے گیند کو چھکا لگا رہی ہو بنا دیکھے کہ اگلے بندے کے کہاں لگ رہی ہے۔ کچھ لہرا کر گر پڑے اور کچھ دبلے پتلے اڑتے ہوئے پیچھے جا گرے۔ تعبیر نے دیکھا کہ وہ کسی صورت قابو میں نہیں آ رہی تو اس نے سیکریٹری کے قریب جا کر اس کے کان میں کچھ سرگوشی کی اور وہ سر ہلاتا نا محسوس انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک منٹ نہیں گزرا تھا کہ وہ واپس آگیا اور چپ چاپ عانیہ کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ عانیہ لڑنے میں مصروف تھی اس لیے اپنے پیچھے آنے والے کو دیکھ نہ سکی۔ اسد نے بے ہوش کرنے والا اسپرے اس کے چہرے کے پاس لا کر نوزل دبا دی۔ عانیہ کو عجیب سی بو محسوس ہوئی۔ اس نے چہرہ دائیں جانب موڑ کر دیکھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر بے ہوشی کی دوا اسپرے کر دی ہے۔ اسے اپنا دماغ تاریکی میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ بے ہوش ہوتے ہوئے بھی وہ اپنا بدلہ چکانا نہ بھولی اور بندوق سیکرٹری کے پیٹ میں دے ماری۔ وہ دونوں ایک ساتھ نیچے گرے تھے۔

عانیہ کے گرتے ہی تعبیر بھاگتی ہوئی حماد کے پاس آئی تھی۔

"حماد..... حماد اٹھو۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے بول رہی تھی پھر سیکیورٹی گارڈز کی طرف متوجہ ہوئی کر بولی۔

"میں نے ڈاکٹر کو بلانے کا کہا تھا تم لوگوں کو"

"جی میم فون کر دیا تھا ڈاکٹر بس دس منٹ میں آ رہا ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"اچھا اس کا خون تو کسی طرح روکو۔ اگر زیادہ بہہ گیا تو مسلہ ہو جائے گا۔"

"آپ پیچھے ہٹیں میں سنبھال لیتا ہوں" ایک ملازم بولا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ اور وہ ملازم زخم سے سوئی نکال کر اس پر کپڑا باندھنے لگا۔

"میم اس لڑکی کا کیا کرنا ہے اب؟" اسد نے تعمیر سے پوچھا۔

"اس کا..... اس کے جلدی سے ہاتھ پاؤں باندھ دوں کہیں ہوش میں ہی نہ آ جائے۔ اور عنصر سے کہو اس ہفتے کے مال میں اس لڑکی کو بھی بیچ دے۔ وہ لوگ خود ہی اس کی اکڑ ختم کر دیں گے۔" وہ سوچ کر بولی۔

"لیکن میم آپ سر حماد کی پرمیشن کے بغیر کوئی قدم کیسے اٹھا سکتیں ہیں۔ وہ بہت برا منائیں گے۔ وہ خود اس کو سبق سکھانا چاہتے تھے اور اب تو یہ ان کی ضد بن جائے گا۔" اسد نے کہا۔

"تم بس وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔ حماد کی فکر مت کرو میں اسے سمجھالوں گی۔ یہ سب اسی ضد کا نتیجہ ہے۔ اور میں اسے دوبارہ ایسی ضد نہیں کرنے دے سکتی۔" وہ ڈانٹ کر بولی تو ایک آدمی عانیہ کو اٹھا کر لے گیا اور سیکرٹری حماد کو اٹھا کر اس کے کمرے میں لے گیا جہاں ڈاکٹر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"وزن تو اتنا نہیں ہے لڑکی کا۔ لیکن دیکھ لو کیا حشر کیا سر حماد کا۔ کیا پٹاخہ لڑکی ہے۔" زاہد جس نے عانیہ کو اٹھایا ہوا تھا وہ بولا۔

"سچ میں یار آج تو بنا ٹکٹ کے فلم دیکھنے کو مل گئی۔ کیا فلمی ایکشنز تھے۔ کاش میرے پاس اس وقت کیمرہ ہوتا اور میں ویڈیو بنالیتا" ساتھ چلتا ہوا کبیر مزے سے بولا۔

"ہاں کہہ تو تو ٹھیک رہا ہے۔ ویسے کتنی حیرت کی بات ہے نا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی نے ہمارے باس کی وہ حالت کی ہے جو ہم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے" جنید بولا تھا۔

"باقی چھوڑ یار اس وقت تو میں حیران ہی رہ گیا جب اس نے سر حماد کو اپنے پیچھے سے اٹھا کر آگے پٹخ دیا۔ ویسے لڑکی میں ہمت ہے۔ ایسی لڑکیاں کم ہی ہوتی ہیں۔ اب بھی اگر اس کو بے ہوش نہ کرتے تو یہ قابو میں آنے والی نہیں تھی۔" کبیر تحسین آمیز لہجے میں بولا

"ماں باپ سے محبت کا حق اس لڑکی نے ادا کر دیا ہے۔ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ان کا بدلہ لے لیا ہے" زاہد بھی ستائشی لہجے میں بولا۔

"تم لوگ اس لڑکی کی مدح سرائی بند کرو اور اپنے کام پر دھیان دو میم نے سن لیا نہ تو چمڑی ادھیڑ دیں گیں۔" اشرف جو چپ چاپ ان کی باتیں سن رہا تھا تنک کر بولا۔

"تم تو بس ہی کرو دیکھ نہیں لیا آج ہم نے کہ کتنے پانی میں ہیں یہ لوگ۔ ویسے ہی ہمیں ڈرا کر رکھا ہوا ہے۔ اور بائی دا وے تمہاری کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں اس لڑکی کے ساتھ" جنید بولا۔

"ارے یار اتنی خاص دشمنی نہیں ہے بس اس لڑکی نے گن گھما کر اس کے سر پر ماری تھی تبھی تو اس کی تعریفیں ہضم نہیں ہو رہیں جناب کو" زاہد مزے لے لے کر بولا اور اشرف بے چارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

"کم از کم سامنے تو آیا تھا نہ تم لوگوں کی طرح منہ چھپا کر پیچھے تو نہیں کھڑا رہا تھا۔" اشرف خجالت مٹانے کو بولا۔ واقع جب تعبیر نے انہیں عانیہ کو قابو کرنے کا حکم دیا تھا تو کبیر جنید اور زاہد پیچھے کھڑے مزے سے سب کو عانیہ کے ہاتھوں پیٹتے دیکھ رہے تھے۔ اشرف نے ان سب کو ان کی بزدلی یاد دلائی تو وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑے۔

تہ خانے میں داخل ہو کر عانیہ کو ایک بیڈ پر لیٹایا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہاں سے چلے گئے۔شام کے وقت اسے اور ایک دوسری لڑکی کو طوائفوں کے کوٹھے پر پہنچا دیا گیا۔حماد خطرے سے باہر آ گیا تھا لیکن ابھی بھی بے ہوش تھا۔ڈاکٹرز کی ایک ٹیم گھر پر ہی بلائی گئی تھی۔کیونکہ حماد ایک مشہور سیاستدان تھا۔اور ہسپتال لے جانے سے کوئی سکینڈل بن سکتا تھا۔

----------------------------

رات کے آٹھ بج چکے تھے۔وہ کھانا کھا کر اپنے کمرے کی جانب آ رہی تھی۔اسے وہاب کی صبح والی دھمکی یاد تھی اور اب اسے لگ رہا تھا کہ وہاب نے اسے ڈرانے کے لیے کوئی چیز اس کے کمرے میں رکھ دی ہو گی۔لیکن وہ بھی نہ ڈرنے کا پختہ ارادہ کر کے دروازہ کھولتی ہوئی اندر آئی تھی۔اندر داخل ہو کر اس نے ہر جگہ اچھے طریقے سے چیک کیا لیکن اسے کوئی ڈرانے والی چیز نہ ملی تو وہ پر سکون ہو کر ڈریسنگ روم میں نائٹ ڈریس پہننے چلی گئی۔لیکن ابھی وہ دروازے کے درمیان ہی تھی کہ اس کی نظر سامنے پڑی تھی۔وہاں دیوار پر لٹکی چڑیل کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اور حواس معطل ہونے لگے۔اسے اس لمحے یہ بھی بھول گیا کہ یہ وہاب کی کوئی شرارت ہو سکتی ہے۔اس نے وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن پاؤں تو جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے۔

اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔جب سب گھر والے اس کے کمرے میں پہنچے تو وہ شدید خوف کے باعث بے ہوش ہو چکی تھی۔عمیر نے اسے وہاں سے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔عمرینہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔انہیں کچھ سمجھ ہی نہ آئی کہ حدیقہ کو کیا ہوا ہے۔ایسے میں نوری آپی نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اس کے ٹھنڈے پڑے ہاتھ پاؤں کو اپنے ہاتھوں سے رگڑنا شروع کر دیا۔کسی کو پانی لینے بھیجا اور کسی کو ڈاکٹر کو بلانے۔ان کی کوششوں سے جلد ہی اسے ہوش آ گیا اور وہ اٹھتے ہی ماما کے گلے لگ کر رو پڑی۔جب وہ رو رو کر اپنے دل کا غبار نکال چکی تو ماما نے اس سے وجہ پوچھی۔

"حدیقہ، میری جان....بتاؤ تو کیا ہوا تھا؟ تم کیوں اتنی ڈر گئی تھی۔؟" عمرینہ نے بیٹی کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"وہ.....میں نے ایک چڑیل کو دیکھا تھا" وہ آہستہ آواز میں بتانے لگی۔ سب نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کہاں دیکھا تھا؟" ماما نے پھر پوچھا۔

"وہ........!" حدیقہ بتاتے بتاتے رک گئی کیونکہ کہ یکدم اسے سمجھ آگئی کہ یہ وہاب کا کام تھا۔ اب اگر وہ وہاب کا سب کو بتاتی تو وہاب بھی اس کی شکایت لگا دیتا۔

"وہ یہاں دیوار پر دیکھی تھی۔ ہو سکتا ہے میرا وہم ہو" اس نے آپنے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حالانکہ چڑیل تو ڈریسنگ روم میں تھی۔

"بیٹا یہاں چڑیل واقع ہی نہیں آسکتی۔ تم ڈرو مت۔ وہ تمہارا وہم ہی تھا۔ یا اندھیرے میں کسی چیز کا ریفلیکشن ہو گا۔" عمرینہ نے کہا۔

"ہاں بیٹا تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تم تو میری بہادر بیٹی ہو۔ ڈر کو دور بھگاؤ اور آرام سے سو جاؤ" بابا نے بھی اسے تسلی دی۔ ماما نے اسے لٹا دیا۔

"اس کے تو ڈرامے ہی ختم نہیں ہوتے۔" تائی جان بڑبڑاتیں باہر چلیں گئیں۔ پھر سب ایک ایک کر کے وہاں سے جانے لگے۔ اینڈ پر صرف عمرینہ رہ گئی۔

"ماما پلیز آپ میرے پاس رک جائیں نا۔ میرا دل ابھی بھی ڈر کے مارے زور سے دھک دھک کر رہا ہے" حدیقہ نے ماما سے درخواست کی تو وہ مسکرا دیں۔

"کیوں نہیں میری جان میں تمہارے پاس ہی ہوں۔ اب بالکل بھی مت ڈرنا۔ اوکے۔" ماما نے چہرے سے اس کے بال پیچھے کرتے ہوئے کہا تو چونک گئیں۔

"حدیقہ تمہیں تو بخار ہو گیا ہے۔میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں" وہ تشویش سے کہتیں اٹھنے لگیں تو حدیقہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ماما معمولی سا بخار ہے۔ٹھیک ہو جاؤں گی صبح تک۔آپ پلیز مجھے اکیلا مت چھوڑ کر جائیں" وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

"آر یو شیور؟"

"یس"

"او کے ٹھیک ہے لیکن اگر بخار زیادہ ہو گیا تو یخنی پینی پڑے گی۔"

"نہیں ماما... مجھے نہیں پینی۔میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا"

"اچھا چلو ٹھیک ہے نہیں پلاتی اٹھو اور چینج کر کے آؤ۔" ماما نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا کر اٹھی ڈریسنگ روم کی طرف چل دی۔دروازہ کھولتے ہی اسے وہ چڑیل نظر آئی تو اس دفعہ وہ اتنا نہیں ڈری تھی۔آہستہ سے اس کے پاس گئی اور دھیان سے دیکھا تو وہ گڑیا تھی جس کا چہرہ بگاڑ کر بال بکھیرے ہوئے تھے۔اسے خود پر ہنسی آ گئی۔پھر وہاب پر غصہ آنے لگا۔گڑیا کو اٹھا کر الماری کے نچلے خانے میں بند کیا اور کپڑے چینج کر کے باہر آ گئی۔

---

صبح تک وہ سخت بخار کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ڈاکٹر آ کر چیک کر کے دوائیں دے گیا تھا۔ماما نے اسے یخنی سوپ پلانا چاہا لیکن اس نے بھی ایک گھونٹ نہ بھرا۔وہاب کو عمیر کے ذریعے پتہ چلا کہ حدیقہ کل ڈر گئی تھی اور اس بخار ہو گیا ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔وہ اس سے اپنے اس عمل کی معافی مانگنا چاہتا تھا اس لیے عیادت کرنے کا بہانہ بنا کر اس کے کمرے میں چلا آیا۔دروازے پر تھوڑی دیر کے لیے رک گیا اور پھر دستک دے ہی ڈالی۔

"یس" اندر سے حدیقہ کی آواز آئی۔ تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ بیڈ پر زرد چہرہ لیے نیم دراز تھی۔ وہاب کو دیکھ کر حدیقہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ غصے سے اس نے چہرہ پھیر لیا۔ حدیقہ کو بخار کی حالت میں دیکھ کر وہاب کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ بیڈ کے قریب آ گیا۔

"اب کیسی طبعیت ہے تمہاری؟" وہاب نے بات کا آغاز طبیعت پوچھنے سے کیا۔ حدیقہ نے غصے سے ایک ترچھی نظر اس پر ڈالی۔

"یہ دیکھنے آئے ہو گے کہ تمہاری اس گھٹیا شرارت کا مجھ پر کتنا اثر پڑا ہے" وہ طنزیہ بولی۔

"نہیں بلکہ تم سے معذرت کرنے آیا ہوں۔ مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ واقعی شرمندہ تھا۔

"اور میں تو جیسے ایک منٹ میں تمہیں معاف کر دوں گی نا۔ بھول ہے تمہاری۔ بدلے کے لیے تیار رہنا۔ اب مذاکرات کی میز پر نہیں بلکہ میدان جنگ میں ملاقات ہو گی۔" حدیقہ دھمکی دینے والے انداز میں بولی تو وہاب کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"یہ چیز!......اب لگی ہو نا اصلی حدیقہ۔" وہاب اپنے بائیں ہاتھ پر دائیاں ہاتھ مار کر پر جوش لہجے میں بولا۔ حدیقہ اسے بس گھور کر رہ گئی۔

"ویسے بدلہ لے ہی لو تو اچھا ہے۔ کم از کم شرمندگی کا بوجھ تو کم ہو۔" وہاب مسکرا کر بولا۔

"ایک نمبر کے ڈھیٹ اور خود غرض انسان ہو۔ شرمندگی کا بوجھ اتارنے کے لیے بدلہ لینے کی اجازت دے رہے ہو"

"خود غرض کہنے کی سمجھ تو آ گئی یہ ڈھیٹ کیوں بولا مجھے" وہ حیرانی سے گویا ہوا۔

"میری سر توڑ کوششوں کے باوجود بھی ابھی تک ٹکے ہوئے ہو" وہ بھگو بھگو کر مار رہی تھی اور وہاب کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہاری ان کوششوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا۔ لیکن تم بھی باز نہیں آئی۔ یعنی اگر میں ڈھیٹ ہوں تو تم مہا ڈھیٹ ہو" وہاب نے اس پر تنقید کی تو وہ تلملا اٹھی۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں اگر عیادت ہو گئی تو تشریف لے جایئے" وہ تنک کر بولی۔

"کتنی عزت سے بے عزتی کرتی ہو اگلے بندے کی۔ ویل.... میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں اور آئیندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ البتہ تمہیں اجازت ہے مجھے تنگ کرنے کی۔ میں برا نہیں مناؤں گا کیونکہ اب عادت سی ہو گئی ہے" وہ مسکرا کر بولتا کمرے سے چلا گیا اور حدیقہ اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے آخر میں کیا بات کہی تھی۔ کس بات کی عادت ہو گئی تھی اسے۔ مطلب صاف ظاہر تھا کہ اس کی شرارتوں کی عادت ہو گئی ہے لیکن وہ شاید سمجھی ہی نہیں تھی یا جان بوجھ کر سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

(خود کو بڑا معصوم ثابت کرنا چاہتا ہے نا۔ ہونہہ۔ بدلہ تو میں پھر بھی لے کر چھوڑوں گی۔)

-----------------------------

بے ہوش ہوتے وقت اس نے سوچا تھا کہ یہ اس کی آخری نیند ثابت ہو گی۔ اس نے تو کلمہ بھی پڑھ لیا تھا۔ لیکن جب اس کا دماغ آہستہ آہستہ بیدار ہوا تو اس نے حیرت سے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کہاں پڑی ہے اور ساکت سی چھت کو گھورتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ اسے محسوس ہوا کہ وہ زمین پر پڑی ہے۔ پھر اسے ایک طرف سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ایک ہٹا کٹا آدمی کونے میں دبکی ایک لڑکی پر ہنٹر برسائے جا رہا تھا۔ لڑکی کمر پر وار سہتے ہوئے چیخیں مار رہی تھی۔ عانیہ کا تو دماغ گھوم گیا۔ مام ڈیڈ کے جانے کے بعد اسے اصل دنیا کا تجربہ ہوا تھا اور یہ دنیا اتنی ظالم ہو گی کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس دنیا کی حقیقت بہت تلخ تھی۔ جس میں حماد جیسے انسان نما بھیڑیے تھے۔

وہ سوچوں کو جھٹک اٹھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے لگا کہ اس کا سارا جسم سن ہو چکا ہے۔ ایک منٹ کی لگاتار کوشش کے بعد وہ اٹھنے کے قابل ہوئی تھی لیکن ابھی اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ اس آدمی کے خلاف کوئی ایکشن لے سکتی لیکن اس لڑکی کی چیخیں اس کے کانوں پر ہتھوڑے برساتیں اس کے دل کو دہلا رہی تھیں۔ یہ بھی عانیہ کی کتنی عجیب بات تھی کہ خود اپنے سامنے بڑی سے بڑی مشکل کو دیکھ کر بھی اس کا دل نہیں کانپا تھا لیکن دوسرے لوگوں کی مشکل اسے پریشانی میں مبتلا کر دیتیں تھیں۔ وہ اپنی حالت کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھی اور اب کی بار کا برستا ہنٹر اپنے ہاتھ پر روک لیا۔ درد کی ایک لہر اس کے ہاتھ میں ابھری تھی۔ لیکن وہ آنکھیں بند کر کے سہہ گئی اور ہنٹر کو اسی ہاتھ میں زور سے پکڑ لیا۔ نیچے بیٹھی لڑکی جو اگلا وار سہنے کے لیے تیار تھی اور مارنے والا آدمی دونوں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"تمہاری یہ جرات۔" اس آدمی نے غصے سے ہنٹر اس کے ہاتھ سے کھینچا تھا۔ ہاتھ میں درد کی وجہ سے ہنٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس آدمی نے ہنٹر لہرا کر اسے مارا جسے اب اس نے دوسرے ہاتھ پر روکا تھا اور تیزی سے کھینچ لیا تھا۔ اب وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی اور وہی سخت قسم کی عانیہ بن چکی تھی جو لوگوں کو حیران کر دیتی تھی۔ عانیہ نے ہنٹر کا ایک بل اپنے ہاتھ پر دیا اور لہرا کر اس آدمی کے آگے بڑھتے ہاتھ پر دے مارا۔ وہ آدمی سی کر کے رہ گیا۔ نیچے بیٹھی لڑکی کے دل میں سکون سا اتر گیا۔ اس کی چیخیں اب سسکیوں میں بدل چکی تھیں۔

وہ آدمی اسے قابو کرنے کی غرض سے ایک دم سے اس پر جھپٹا تھا لیکن عانیہ پھرتی سے اس کی بغل کے نیچے سے ہو کر اس کے پیچھے جا پہنچی اور ہنٹر اس کی کمر پر مارتی ہوئی مڑی تھی۔ اس آدمی کی کمر پر جہاں ہنٹر لگا تھا وہاں سے جلد ابھر آئی تھی۔ وہ بھی برداشت کرتے ہوئے تیزی سے مڑا لیکن ایک اور ہنٹر اس کے سینے پر پڑا تھا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا تھا۔ لیکن ہمت نہ ہاری تھی۔ تو بس پھر عانیہ کے ہاتھ میں ہنٹر تھا جو اس آدمی کے جسم کو ادھیڑے جا رہا تھا۔ آخر کار بیس اکیس ہنٹر کھانے کے بعد وہ ہمت ہار گیا۔

"بب.....بس.....بس کرو مجھے جانے دو۔ مجھے مت مارو۔" وہ روتے ہوئے ملتجی ہوا۔

"کیوں؟ ختم ہو گئی ہمت۔ تم تو مرد ہو نا۔ تم سے بھی برداشت نہیں ہو رہا تو سوچو اس معصوم لڑکی کو کیسے درد ہو رہا ہو گا۔" عانیہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"آ... آئندہ ایسا نہیں کروں گا میری توبہ۔" وہ ہکلا کر بولا۔ وہ کچھ زیادہ ہی ڈر گیا تھا کیونکہ اسے کبھی ایسی لڑکی سے پالا نہیں پڑا تھا جس نے اس کے ہاتھ سے ہنٹر کھینچ کر اسے ہی روئی کی طرح دھنک دیا تھا۔ پانچ سال سے وہ یہاں کام کر رہا تھا اور اس کا کام ہی ان لڑکیوں کی پٹائی کرنا تھا جو ان کا کہنا ماننے سے انکار کرتیں ہیں لیکن آج جو اس کے ساتھ ہوئی تھی اس کی وجہ سے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ لڑکیوں پر کتنا ظلم کرتا رہا ہے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے" عانیہ ہنٹر ایک طرف پھینکتے ہوئے بولی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ عانیہ تیزی سے اس لڑکی کے پاس آئی جو ابھی تک رو رہی تھی۔

------------------------------

حماد کو اگلی دوپہر ہوش آیا تھا۔ تعبیر جو کل سے اس کے پاس بیٹھی اس کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی کرسی سے اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"حماد اٹھو......حماد" وہ حماد پر جھکی اسے پکار رہی تھی اور حماد بمشکل آنکھیں کھول پا رہا تھا۔ وہ مڑ کر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی اور باہر کھڑے نوکر کو ڈاکٹر کو بلانے کے لیے کہا۔ اور واپس آگئی۔ حماد کی نیم وا آنکھوں میں درد کے آثار تھے۔

"میں نے ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔" تعبیر اس کے درد کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"عانیہ کہاں ہے؟" حماد نے سخت لہجے میں پوچھا۔ اسے اپنی اور اس کی لڑائی یاد آگئی تھی اور سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عانیہ کو کچا چبا جائے۔

"ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہم اس بارے بعد میں بات کریں گیں" تعبیر نے کہا تو وہ کچھ بولنے والا ہی تھا کہ ڈاکٹر اور نرس اندر آ گئے۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا۔ اس کی رپورٹس پڑھ کر تعبیر کو تسلی دی کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے لیکن ایک مہینے تک بلکل ٹھیک ہو جائے گا۔ زخم ریڑھ کی ہڈی کے قریب تھا اس لیے ایک حصہ پیرالائزڈ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر حماد کو ایک ڈرپ لگا کر باہر چلا گیا۔

"عانیہ کہاں ہے وہ بھاگ تو نہیں گئی کہیں؟" حماد نے پھر تعبیر سے پوچھا

"نہیں وہ کہیں نہیں بھاگی۔ اور اب وہ جہاں ہے وہاں سے کبھی بھی نہیں بھاگ سکتی۔" تعبیر کرسی پر بیٹھتی سکون سے بولی۔

"کیا مطلب؟" حماد اچنبھے پن سے بولا۔

"میں نے اس بے ہوش کر کے طوائفوں کے کوٹھے پر بھجوا دیا ہے۔"

"کیا؟...... تم میری اجازت کے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہو۔" وہ غصے سے چلایا۔

"ریلیکس حماد۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ ویسے بھی تم اسے جیل میں ساری زندگی کے لیے بھیجنا چاہتے تھے نا تو اب بے فکر ہو جاؤ وہ ایسی جیل ہے جہاں اس کی عزت بھی محفوظ نہیں۔"

"وہ پہلے کی بات تھی اس نے جو میرے ساتھ کیا اس کی سزا میں اسے خود دینا چاہتا ہوں۔ میرا دل کرتا ہے کہ وہ بے بسی سے میرے سامنے روئے، سسکے، میرے پاؤں پڑے تب بھی میں اسے معاف نہ کروں۔ اسے بتا دوں کہ حماد کے ساتھ ٹکر لینے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"جیسی اس نے تمہاری حالت کی ہے۔ اس میں تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے کجا کہ اسے اپنے سامنے بے بس کر دینا۔ اس لیے تم آرام کرو اور اپنے ذہن کو تھوڑا سکون دو۔" تعبیر نے طنزیہ کہا تو وہ سلگ اٹھا۔

"تم طنز کر رہی ہو مجھ پر"

"نہیں میرا مقصد طنز کرنا نہیں تھا۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم تھوڑا ریلیکس کرو خود کو۔ ٹھیک ہو جاؤ تو بدلہ بھی لے لینا۔ وہ کونسا وہاں سے بھاگی جا رہی ہے۔ اس کی اکڑ وہیں ٹوٹے گی۔" تعبیر نے بات سنبھالی۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ لیکن میں ابھی تک شاکڈ ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی مجھے ہاتھ بھی لگائے اور پھر وہ بھی ایک لڑکی۔ میرے سب آدمی اس پر بندوقیں تانے کھڑے تھے اور وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بنا مجھ سے اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ لیتی رہی۔ میری عزت خاک میں ملا دی۔" وہ حیران سا بول رہا تھا۔

"میں نہیں مان سکتی کہ کسی لڑکی میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اپنے سے دگنے وزن والے شخص کو اٹھا کر پٹخ دے۔ یقیناً جادو ٹونا کرتی ہو گی......"

"کیا بات کر رہی ہو تعبیر۔ عقل سے کام لو۔ میرے خیال سے وہ بلیک بیلٹ ہے۔ مارشل آرٹس کی ماہر ہے۔ تبھی تو میں مرد ہو کر بھی اس سے مار کھا گیا۔ مجھے فائٹنگ کی تکنیک نہیں معلوم جو اسے معلوم ہیں۔ اسی لیے تو اکڑ دکھا رہی تھی۔"

"تو تم بھی سیکھ لو یہ سب کچھ"

"فی الحال تو بستر سے اٹھ سکوں یہی بہت ہے" حماد نے کہہ کر آنکھیں موند لیں۔ تعبیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آرام کرنے چلی گئی۔

---

وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس کے سرخ چمکتے لمبے بال کھلے ہوئے تھے اور چہرے کے اطراف سے ہو کر شانوں پہ بکھرے پڑے تھے۔ سفید نرم و ملائم سے پری چہرے پر دکھ کے واضح اثرات تھے۔ گول پیشانی، بلی کی طرح کی گرے رنگ کی پرکشش آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ لمبی پلکوں کی باڑ پر آنسو شبنم کے

قطروں کی طرح دکھ رہے تھے۔پتلی سی ناک کی نچلی نوک بلی کی طرح خوبصورتی سے اوپر کو اٹھی ہوئی تھی ۔چھوٹے چھوٹے سرخ گلاب کی پتیوں کی طرح کے مڑے ہوئے ہونٹ درد کی شدت سے کانپ رہے تھے۔اگر اس کے سرخ بالوں کو دو پونیوں میں باندھ دیا جائے تو اس کی شکل پر بلی کا سا گمان ہونے لگتا تھا۔یہ وہی لڑکی تھی جسے عانیہ نے عنصر کو لے جاتے دیکھا تھا۔اب بھی وہ سرخ رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس نیچے بیٹھی کانپ رہی تھی۔ہنٹر کھانے کی وجہ سے کمر پر سے قمیض پھٹ گئی تھی اور دوپٹہ سائیڈ پر پڑا ہوا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"عانیہ اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھتی فکر مندی سے پوچھنے لگی۔اس لڑکی نے ایک نظر عانیہ کو دیکھا اور پھر اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔اسے تو جیسے کسی ہمدرد کا کندھا چاہیے تھا آنسو بہانے کے لیے۔

"بس....پلیز چپ کر جاؤ اگر روؤ گی تو ہمت ہار جاؤ گی۔"عانیہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولی۔

"مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔اس نے مجھے بہت مارا تھا۔"وہ اس کے سینے کے ساتھ ہی لگے روتے ہوئے بولی۔

"میں نے بھی تو اسے تمہارے سامنے کتنا مارا تھا۔چپ کر جاؤ۔بہت جلد تمہارا درد ختم ہو جائے گا۔"عانیہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تو وہ یکدم اس سے الگ ہوئی تھی۔

"کیسے ہو گا۔یہاں تو اس درد میں اور اضافہ ہو گا۔میں مر جاؤں گی۔ہمیشہ میرے ساتھ ہی برا کیوں ہوتا ہے؟"وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔اللہ پر بھروسہ رکھو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔....اچھا یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟"عانیہ اطمینان سے پوچھنے لگی جیسے اسے کوئی پریشانی نہیں۔

"حریم"وہ سسکتے ہوئے بولی۔

"واؤ۔بیوٹی فل نیم۔"وہ ستائیشی لہجے میں بولی تو حریم نے اسے رشک بھری نظروں سے دیکھا۔اتنے مشکل حالات میں بھی وہ کیسے پر سکون رہ سکتی ہے۔

"آپ کو ڈر نہیں لگ رہا ہم کتنی مشکل میں آ چکے ہیں۔ یہ طوائفوں کا کوٹھا ہے۔ اور یہ لوگ بہت جلد ہمیں بھی طوائفیں بنا دیں گے۔ میں اپنی عزت کو داغدار نہیں کر سکتی۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"جہاں ایمان پر بات آئے تو وہاں جان دے دو۔" عانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حریم کو بھی عانیہ کے الفاظ سے حوصلہ ملا تھا۔ وہ تو پہلے ہی موت کو چن چکی تھی اور ان لوگوں کی بات نہ مان کر ہنٹر کھا رہی تھی۔

اچانک کمرے کے باہر قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ حریم نے خوفزدہ نگاہوں سے عانیہ کو دیکھا تو وہ اسے تسلی دیتی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دروازہ کھلا اور ایک موٹی سی عورت کے ساتھ دو تگڑے تگڑے پہلوان نما آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ اس عورت نے آتے ہی عانیہ کو غصے سے گھورنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو تم ہو وہ لڑکی جس نے وکی کو ہنٹر مارے ہیں۔ اس لڑکی کو سبق سکھاؤ ذرا۔ خود کو سمجھتی کیا ہے یہ" اس عورت نے دونوں کو اشارہ کیا تو وہ ہاتھ میں ہنٹر لیے اس کی طرف بڑھے۔ حریم سہم کر عانیہ کو دیکھنے لگی لیکن وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑی اس عورت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی۔ دونوں آدمی آ کر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور ہوا میں ہنٹر لہرا دیے۔ عانیہ لمحے میں جان چکی تھی کہ ایک اس کی ٹانگوں کو نشانہ بنانا چاہتا ہے اور دوسرا اس کی کمر پر وار کرنا چاہتا ہے۔ یکدم وہ الٹا جمپ لگا کر ہوا میں اس طرح اچھلی کہ جب وہ ہوا میں افقی پوزیشن میں تھی تو ایک ہنٹر اس کے نیچے سے اور ایک اوپر سے گزر گیا۔ اور وہ ہاتھوں پر الٹی کھڑی ہو گئی۔ وہیں سے وہ ہاتھوں پر گھومی اور اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب کھڑے آدمی کے منہ پر مارتی سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ایک سیکنڈ میں یہ سارا کھیل ہوا تھا اور ان دونوں کو کچھ سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ ان کے وار سے کیسے بچ گئی۔ موٹی عورت بھی ہونقوں کی طرح منہ کھولے اس انوکھی قسم کی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ جس آدمی کے منہ پر عانیہ نے پاؤں مارے تھے اسی سے ہنٹر کھینچ کر اس پر یکے بعد دیگرے دو تین اکٹھے مار دیے۔ اب تو اس آدمی کی شامت ہی آ گئی کیونکہ دوسرا آدمی جب بھی عانیہ کو نشانہ بناتا وہ پھرتی سے اس آدمی کے پیچھے ہو جاتی۔ دونوں طرف سے مار

کھا کر وہ بے سدھ ہو گیا۔ اور نیچے گر پڑا۔ اب صرف ایک آدمی اس کے مد مقابل تھا جو اپنے بھاری جسم کے ساتھ ریسلر لگ رہا تھا۔ اس آدمی نے تیزی سے ہنٹر گھما کر عانیہ کی کمر پر مارنا چاہا لیکن وہ جلدی سے نیچے ہو گئی اور ہنٹر کے گزر جانے کے بعد سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر اس آدمی نے اس کی ٹانگوں پر ہنٹر مارنا چاہا تو اس نے ہوا میں اچھل کر ہنٹر نیچے سے گزرنے دیا۔ اب کی بار عانیہ نے کوئی موقع دیے بغیر اس کے سینے پر وار کیا درد کو سہنے کے لیے ایک لمحے کو وہ رکا تھا اور یہی لمحہ غنیمت جان کر عانیہ نے ایک اور وار اس کے ہنٹر والے ہاتھ پر کر دیا۔ اس آدمی کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ گیا۔ جسے دوبارہ پکڑنے کے لیے وہ نیچے جھکا اور عانیہ نے اوپر سے تابڑ توڑ حملے کر دیے۔ وہ آدمی برستے ہنٹرز میں اٹھا اور اپنا ہنٹر گھما کر عانیہ کی کمر پر دے مارا جسے اس نے دائیں بازو پر روکا تھا۔ اور وہاں سے اس کی جلد سرخ ہو گئی تھی۔ حریم کے منہ سے ایک چیخ نکلی تھی۔ عانیہ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ اس کی نظروں میں تسلی تھی۔ حریم اس کے پر سکون چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس آدمی نے ایک اور وار کیا لیکن وہ جھکائی دے گئی اور ساتھ ہی اس آدمی کی ٹانگوں پر ہنٹر مارا۔ اور پھر عانیہ کا ہنٹر اس وقت تک نہ رکا جب تک وہ آدمی نیچے نہ گر گیا۔ عانیہ نے فاتح نظروں سے اس موٹی عورت کو دیکھا۔

"تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ میرے تین آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ تم بھول رہی ہو کہ تم کہاں ہو۔ یہ طوائفوں کا کوٹھا ہے اور یہاں سے کوئی لڑکی نکلے گی تو مر کر ہی نکلے گی۔ تم یہاں سے بھاگنے کا سوچنا بھی مت ایک قدم بھی باہر نکالا تو جان سے جاؤ گی۔" وہ عورت چلائی تھی۔

"یہ بات آپ پہلے ہی آرام سے بتا دیتیں تو آپ کے آدمیوں کو زخمی نہ ہونا پڑتا۔" عانیہ سکون سے بولی۔

"مطلب؟" وہ عورت نا سمجھی سے بولی۔

"مطلب۔ میں جانتی ہوں کہ یہاں سے کوئی بھاگنے کی کوشش کرے تو آپ لوگ اسے جان سے مار دیتے ہیں۔ اور اگر پستول ہاتھ میں ہو تو مارنا کتنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن میں آپ کو پہلے ہی بتا دوں مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا

ہے۔" عانیہ کے دماغ نے پلان ترتیب دے دیا تھا جس پر وہ عمل شروع کر چکی تھی۔ حریم نے حیرانی سے عانیہ کے بدلتے روپ کو دیکھا۔

"اگر مرنا نہیں چاہتی تو تمہیں چپ چاپ وہ کرنا ہو گا جو ہم کہیں گے" عورت نے مغرور لہجے میں حکم دیا۔

"اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو ہمیں کیا ملے گا" عانیہ کی بات پر حریم کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔

"دنیا کی ہر آسائش۔ جو تم لوگ چاہو"

"ہرگز نہیں۔ میں آپ کی بات کبھی نہیں مانوں گی بے شک مجھے مار دیں" حریم چیخ کر بولی۔ عورت نے غصے سے اسے گھورا۔

"پہلے غربت کی زندگی گزارتے رہیں اور جب سب آسائشیں میسر آئیں تو مر جائیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ یہ تو نا سمجھ ہے ابھی۔ اسے اپنے اچھے برے کا پتہ نہیں لیکن میں اس کی بڑی بہن ہوں اور اس کے فیصلے کرنے کا اختیار میرے پاس ہے آپ فکر نہ کریں میں اس کو منا لوں گی لیکن کسی نے اس کا بال بھی بیکا کرنے کی کوشش کی تو میرے ہاتھوں نہیں بچے گا۔ بس مجھے کچھ ٹائم چاہیے۔ پھر ہم دونوں وہی کریں گی جو آپ کہیں گے۔ ہم عزت دار گھرانے کی لڑکیاں ہیں۔ ضمیر کو سلانے میں دیر تو لگے گی" عانیہ نے خود کو جس سکون سے اپنے آپ کو حریم کی بڑی بہن بتایا تھا۔ حریم کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ کوئی گیم کھیل رہی ہے۔ اس لیے وہ بھی مطمئن ہو گئی۔

"کتنا ٹائم چاہیے تم لوگوں کو ضمیر سلانے کے لیے" وہ عورت طنزیہ بولی۔

"کچھ دن تو دیں نا" وہ بھی ازلی اعتماد سے بولی۔

"ٹھیک ہے ایک ہفتہ ہے تم لوگوں کے پاس۔ لیکن اس کے بعد میں تم لوگوں کی ایک نہیں سنوں گی۔" وہ عورت کر ختگی سے بولی۔ اور وہاں سے جانے لگی

"سنو!" عانیہ نے پیچھے سے پکارا تو وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے پلٹی۔

"ہمیں کسی اور کمرے میں جگہ دی جائے۔ یہ کمرہ بہت چھوٹا ہے۔اس میں اندھیرا اور گھٹن بہت ہے۔مجھے یہ کوئی تہ خانے لگ رہا ہے۔جہاں دوسری لڑکیاں رہتی ہیں ہمیں بھی وہاں لے چلو۔" عانیہ بااعتماد لہجے میں بولی تو غیر متوقع طور پر وہ عورت مان گئی۔وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کی بات کیسے مان گئی۔ آج تک اس نے صرف اپنی ہی منوائی تھی۔

"آؤ میرے ساتھ" وہ مختصراً کہہ کر پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔عانیہ حریم کی جانب بڑھی اور اسے سہارا دیتے ہوئے دونوں بے ہوش پڑے آدمیوں کے قریب سے لے کر کمرے سے نکل گئی۔

تہ خانے کی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ اس عورت کے پیچھے اوپر آئیں تو دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے سٹور کی شکل دی گئی تھی۔سٹور کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔جہاں پر تین اکٹھے بیڈ لگے ہوئے تھے۔وہ عورت انہیں لے کر کمرے سے نکل آئی جہاں دروازے پر دو ملازم کھڑے تھے۔

"نیچے تہ خانے میں جاؤ اور زخمیوں کو اوپر لے آؤ۔ڈاکٹر کو فون کر دو آکر انہیں دیکھ جائے" وہ عورت دونوں ملازموں کو حکم دیا اور وہ حیران ہوتے نیچے چلے گئے کیونکہ لڑکیاں تو یہاں تھی پھر کون زخمی ہوا تھا۔اور ایک زخمی آدمی پہلے بھی یہاں سے گزرا تھا۔وہ نیچے پہنچے تو دو آدمی زخمی ہو کر بے ہوش پڑے تھے۔ان کی سمجھ سے یہ معاملہ بالاتر تھا۔سو ذہن پر زیادہ زور دینے کی بجائے کام پر دھیان دیا۔

وہ موٹی سی عورت انہیں لاؤنج اور ساتھ ملحق لابی سے گزار کر ایک کمرے کے سامنے آ کر رک گئی اور دروازہ کھول دیا۔

"یہ ہے تم لوگوں کا کمرہ" وہ عورت اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔عانیہ اور حریم بھی ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھ کر اندر داخل ہو گئیں۔جدید طرز سے سجا کمرہ فل فرنشڈ تھا۔دو بیڈ لگے ہوئے تھے۔اور سہولت کی ہر چیز موجود تھی۔عانیہ نے حریم کو لا کر ایک بیڈ پر بیٹھا دیا۔

"جب ڈاکٹر آئے تو یہاں بھی بجھوایئے گا۔جتنی جلدی یہ ٹھیک ہو گی اتنا ہی آپ کو فائدہ ہو گا۔" عانیہ مڑ کر اس عورت کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ ناک بھوں چڑھاتی باہر چلی گئی۔عانیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور پلٹ کر حریم کے پاس آ بیٹھی۔حریم کے چہرے پر ابھی بھی تکلیف کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔اس کی ساری کمر اور دائیں بازو پر جلن سی ہو رہی تھی۔

"اب بھی زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟" عانیہ نے ہمدردی سے پوچھا۔حریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس مشکل وقت میں اسے ایک ہمدرد مل جائے گا۔

"ہاں ابھی بھی بہت زیادہ ہو رہا ہے۔آپ کے بھی تو لگی ہے۔آپ کو درد نہیں ہوتا"

"درد تو ہوا تھا لیکن تمہارے مقابلے میں بہت کم تھا اور فکر مت کرو ابھی ڈاکٹر آ کر دوا دے جائے گا تو پھر ٹھیک ہو جائے گا۔" عانیہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے ایسی اذیت سہنی پڑے گی کبھی۔مجھے لگ رہا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔اب بھی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔میں آپ کی طرح بہادر نہیں ہوں۔جب آپ کے بازو پر ہنٹر لگا تھا تو میں نے آپ کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں دیکھے تھے۔آپ میں اتنی طاقت ہے کہ درد کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔یقیناً میری ہمت بندھانے کے لیے آپ نے چہرے کو پر سکون رکھا تھا نا۔" حریم نے درست تجزیہ کیا تھا۔

"تم بھی بہت بہادر ہو حریم۔ تم نے اتنی مار کھا کر بھی ان کی بات ماننے سے انکار کیا۔یہی تو تمہاری ہمت تھی۔برداشت کرنے والا بہادر ہوتا ہے۔حالانکہ میں نے ایک چال کے طور پر ہی سہی لیکن ان کی بات مان لی ہے۔شاید تکا لگ جائے اور ہمارے بچنے کا کوئی سبب بن جائے۔"

"آپ واقعی بہت بہادر ہیں۔میں نے ایسی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔اتنی ٹف سچویشن میں بھی آپ کے تاثرات نارمل تھے۔اور جس طرح کی آپ نے کسی ہیرو کی طرح فائٹنگ کی میں تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ظلم روکنے کے لیے تین لوگوں کے مدمقابل ہو گئیں۔یہ بھی پرواہ کیے بنا کہ اس سے آپ کی جان کو خطرہ ہے۔آئی ریئلی اپریشیٹ یو۔اور پھر جس کمال کی ہوشیاری سے ان لوگوں سے ٹائم لیا۔جب آپ نے مجھے اپنی بہن کہا تو میں سمجھ گئی تھی کہ آپ کوئی گیم کھیل رہی ہیں۔کیسے کر لیتیں ہیں یہ سب۔"

"یہ تعریف کچھ زیادہ نہیں ہو گئی"عانیہ جھینپ مٹانے کو بولی۔

"زیادہ.....یہ تو بہت کم ہے۔آج سے آپ میری آئیڈیل ہیں۔ویسے آپ کا نام کیا ہے۔وہ تو پوچھا ہی نہیں۔"

"عانیہ صفدر۔"

"بہت پیارا نام ہے۔اور عمر کیا ہے آپ کی؟"

"اٹھارہ سال"

"اس کا مطلب آپ مجھ سے ایک سال بڑی ہیں تو مجھے آپ کو آپی کہنا چاہیے۔ویسے اتنی کم عمری میں آپ کے پاس اتنی پاور ہے کہ تین آدمیوں کو بے ہوش کر دیا۔ضرور آپ نے ٹریننگ لی ہو گی۔"

"ہاں میں ایک بلیک بیلٹ فائٹر ہوں"

"اووووو......ایم......جی...۔بلیک بیلٹ فائٹر۔"اس نے بے یقینی سے گالوں پر ہاتھ رکھ لیے۔"مطلب اب تو مجھے ٹینشن فری ہو جانا چاہیے۔ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔مجھے آپ پر یقین ہے کہ آپ مجھے یہاں سے نکال لیں گی۔"

"خود پر یقین رکھو کہ تم خود یہ کر سکتی ہو۔"عانیہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"خود پر یقین رکھنے سے سب کام ہو جاتے ہیں کیا؟"وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

"ہاں جو تم سوچ سکتی ہو وہ تم کر بھی سکتی ہو۔"

"اگر میں خود پر یقین رکھوں اور سوچوں کہ میں یہاں سے باہر نکل سکتی ہو تو کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ہو سکتا ہے۔اپنے دماغ کو کام میں لاؤ اور سوچو کہ یہاں سے کیسے باہر نکلا جا سکتا ہے؟"

"ایک آئیڈیا ہے"وہ پر جوش لہجے میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"آپ فائٹنگ کر کے سب کو ہرا دیں ہم دونوں یہاں سے بھاگ جائیں گے"

"ہر جگہ فائٹنگ کام نہیں کرتی۔دماغ کو بھی استعمال میں لانا پڑتا ہے۔"

"تو پھر کیسے نکلیں گے۔دوسرا آپشن تو پھر موت ہی رہ جاتا ہے۔کیونکہ میں ان کی بات کبھی نہیں مانوں گی۔"وہ اداسی سے بولی۔

"جانتی ہو میں نے ان لوگوں سے وقت کس لیے مانگا تھا؟"

"کس لیے؟"وہ اچنبھے سے بولی۔

"دیکھو یہاں بہت سی لڑکیاں ہیں۔ یہ عورت ان سے لاکھوں کمار ہی ہے۔ ہمیں یہ آبزرو کرنا ہو گا کہ کونسی لڑکی سب سے زیادہ قیمتی ہے یعنی کون ہے وہ جس سے یہ عورت کی سب سے زیادہ کماتی ہے۔" عانیہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"سمجھ گئی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ بادشاہ کی جان کس طوطے میں ہے"

"ہاں اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ وہ ان سب لڑکیوں سے خوبصورت ہو گی اور یہ عورت اسے تمام لڑکیوں پر فوقیت دے گی ہم نے اسی پر نظر رکھنی ہے۔ اور کچھ ہم باتوں ہی باتوں میں لڑکیوں سے اگلوا سکتے ہیں۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں باتیں اگلوانا تو میرا بچپن کا شوق ہے اور اب تو خاصا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ لیکن مجھے ایک سمجھ نہیں آئی۔ اس لڑکی کا پتہ چل گیا تو پھر ہم اس بات سے فائدہ کیسے اٹھائیں گے۔ آپ نے یقیناً اس کی بھی کوئی پلاننگ کر رکھی ہو گی۔"

"ہاں ہم اسے یرغمال بنا کر یہاں سے نکلیں گے۔" عانیہ نے بتایا تو وہ مسکرائی۔

"کیسے؟"

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔ فی الحال تم اپنے کام پر فوکس رکھو۔ کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ ہم دونوں بہنیں نہیں اور یاد رکھو تم نے ان کے سامنے کم بولنا ہے اور انہیں زیادہ بولنے دینا ہے" عانیہ نے اسے سمجھایا۔

"جی ایسا ہی کروں گی۔ لیکن اب تو کوئی نہیں تو پھر باتیں کر لوں۔ اگر چپ ہو گئی تو میرا دھیان زخموں پر چلا جائے گا اور پھر درد زیادہ ہو گا۔"

"کیا تمہیں ابھی بھی درد ہو رہا ہے؟ عانیہ فکرمند ہوئی۔

"اب تو خاصا کم ہو چکا ہے۔ اگر ہلوں تو کپڑا لگنے سے جلن ہوتی ہے۔ آج تو لگتا ہے الٹا سونا پڑے گا۔ ظالم وحشی نے ساری کمر ادھیڑ کر رکھ دی ہے اچھا کیا آپ نے اس کے ساتھ۔ مجھے تو قسم سے سکون مل گیا تھا جب اس کی چیخیں

نکلیں تھیں۔"وہ مسلسل بول رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔عانیہ نے جا کر دروازہ کھولا تو ایک لڑکی اپنے ساتھ ڈاکٹر کو لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ڈاکٹر نے حریم کے زخم چیک کر کے دوا دے گیا۔جس میں پین کلر اور زخموں پر لگانے والی مرہم تھی۔عانیہ نے حریم کی کی کمر پر مرہم لگا دی۔

"آپی عانی ذرا اپنا بازو دکھائیں۔"جب عانیہ اسے مرہم لگا چکی تو وہ مرہم کی ٹیوب عانیہ سے لیتے ہوئے بولی۔

"میرا اتنا سیریس مسلہ نہیں ہے۔بس ہلکا سا زخم آیا ہے۔رہنے دو"وہ بے زاری سے بولتی اٹھ کھڑی ہوئی۔لیکن حریم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پلیز بیٹھیں نا۔مجھے دیکھنے تو دیں کتنا زخم آیا ہے"حریم نے کہا تو وہ بیٹھ گئی۔حریم نے اس کے دائیں بازو کی آستین اوپر کی تو کہنی سے تھوڑا سا نیچے ہنٹر لگنے کا نشان واضح نظر آرہا تھا۔جلد ابھر کر سرخ ہو چکی تھی۔اس نے ٹیوب میں سے مرہم نکال کر عانیہ کے زخم پر لگا دی۔پھر اسے یاد آیا کہ عانیہ کے دونوں ہاتھوں پر بھی ہنٹر لگے تھے تو اس نے عانیہ کے ہاتھ کھول کر دیکھے لیکن وہاں کسی چیز کا نشان تک نہیں تھا۔حریم بہت حیران ہوئی۔

"آپ کے ہاتھ سخت معلوم ہوتے ہیں۔اتنی زور سے ہنٹر پڑنے کے بعد بھی یہاں کوئی نشان نہیں۔لگتا ہے جوڈو کراٹے میں ہاتھوں سے اینٹیں توڑ چکیں ہیں۔"

"ہاں بہت توڑیں تھیں۔"وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔

"ہائے کبھی میرے سامنے توڑیں نا۔مجھے بہت شوق ہے جوڈو کراٹے دیکھنے کا۔"

"اگر موقع ملا تو دکھاؤں گی تمہیں۔"عانیہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔تھوڑی دیر بعد ان کیلیے رات کا کھانا کمرے میں آگیا تھا۔کھانا کھانے کے بعد حریم سو چکی تھی جبکہ عانیہ عشاء کی نماز پڑھنے لگی تھی۔

---------------------------

اس نے جلدی میں اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور ابھی ایک پاؤں اندر رکھا ہی تھا اور دوسرا باہر تھا کہ اس کی نظر کمرے پر پڑی تھی اور پلٹنا بھول گئی تھی۔ وہ اودھم مچا ہوا تھا کمرے میں کہ ہر چیز اوپر کی نیچے ہو چکی تھی۔ بیڈ کا میٹرس اور بیڈ شیٹ پتہ نہیں کہاں غائب تھے اور سرہانوں کی روئی سارے کمرے میں بکھری برف کا سا منظر پیش کر رہی تھی۔ وارڈروب کھلا ہوا تھا اور سارے کپڑے نیچے گرے ہوئے تھے۔ سائیڈ ٹیبل، سٹڈی ٹیبل اور ڈریسنگ ٹیبل کے سارے دراز نکل کر ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ اس کی ساری فائلز کھلی پڑیں تھیں اور ان میں سے پیج نکل کر سارے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ تصویریں بھی دیوار کی بجائے زمین پر پڑیں تھی۔ سٹڈی ٹیبل کے ساتھ ایک شیلف پر اس نے اپنے اب تک کے انعامات سجا کر رکھے تھے وہ بھی نیچے پڑے تھے۔ وہاب سب سے پہلے بھاگتا ہوا وہاں گیا تھا اور نیچے بیٹھ کر سب پرائز کو اٹھا کر چیک کیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ پرائزز شیشے کے ہونے کہ باوجود صحیح سلامت تھے۔

(یعنی حدیقہ نے انہیں آرام سے اٹھا کر نیچے رکھا ہے۔ گڈ گرل) وہاب منہ میں ہی بڑبڑا کر مسکرا دیا۔ پرائزز کو اپنی جگہ پر رکھ کر وہ مڑا شیشے پر نظر پڑی جہاں اسے اپنا عکس نظر آنے کی بجائے سفیدی سی نظر آرہی تھی۔ وہ جا بجا بکھرے کاغذات کے درمیان میں سے جگہ بناتا شیشے تک گیا اور دیکھا کہ اس پر ٹوتھ پیسٹ لگی ہوئی تھی۔ پھر اس نے بکھرے کاغذات کو سمیٹنا شروع کیا۔ کل اس کا تیسرا پیپر تھا اور اس کے نوٹس جو اس نے بڑی مشکل سے تیار کیے تھے اب بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے یہ بات حدیقہ پر غصہ کرنے کیلیے کافی تھی لیکن وہاب کا دل ہی تو حدیقہ کا سب سے بڑا وکیل تھا۔ ایسی دلیلیں دیتا کہ وہاب کا غصہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ سارے کاغذات چن کر انہیں سٹڈی ٹیبل پر رکھا۔ انہیں ترتیب دینے کیلیے اب الگ سے وقت ضائع ہونا تھا۔ پھر وارڈروب کی جانب بڑھا اور ایک ایک کر کے اپنے کپڑے اٹھانے لگا۔ ان کے اوپر سے روئی جھاڑ کر وارڈروب میں سیٹ کیے ۔ پھر تصویریں اپنی جگہ پر لٹکائیں۔ بیڈ کا میٹرس اسے بیڈ کے نیچے سے ملا۔ اسے نکال کر بیڈ پر سیٹ کیا۔ اب پتہ

نہیں بیڈ شیٹ کہاں تھی۔پلوز کی تو پریشانی ہی ختم ہو گئی تھی کیونکہ حدیقہ ان سب کا آپریشن کر کے، چیر پھاڑ کر کے جا چکی تھی۔اب ان کا تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا سو وہاب نے ان پر فاتحہ پڑھ لی اور زمین پر پڑے درازوں کو ٹیبلز میں سیٹ کرنے لگا۔پھر ہاتھ سے روئی سمیٹی اور ایک کپڑے میں بند کر دیا۔شیشے کو گیلے کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا۔پھر بیڈ شیٹ ڈھونڈنے لگا۔جو اسے سب سے اوپر والی شیلف پر ملی تھی۔بیڈ شیٹ کو بیڈ پر سیٹ کیا تو کمرے کی تھوڑی سی اصلی شکل نکلی اور وہ شکر کرتا بیڈ پر لیٹ گیا۔تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا تھا اسے صفائی کرنے میں۔لیکن اب اتنی تھکن بھی نہیں تھی کہ بیڈ پر پڑا رہتا۔جلدی سے اٹھ کر شاور لینے چلا گیا ابھی کل والے پیپر کی تیاری بھی رہتی تھی۔جو اس نے عمیر کے ساتھ مل کے کرنی تھی۔

---------------------------

یہ رات بھی پچھلی رات کی طرح اس نے جاگ کر گزاری تھی۔اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔جو اس نے حماد کے ساتھ کی تھی اسے یقین تھا کہ اب وہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔اسے اس بات کی پرواہ بھی نہیں تھی کہ آگے اس کے ساتھ کیا ہو گا۔لیکن اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ لوگ اسے جان سے مارنے کی بجائے بیچ دیں گے۔یوں اس کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کریں گے۔لیکن اسے اپنی عزت و ناموس پر حرف نہیں آنے دینا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ ایسا کر لے گی البتہ نتائج کی خبر نہیں تھی۔انجام موت بھی ہو سکتا تھا۔اس کے لیے ذلت کی زندگی سے عزت کی موت پیاری تھی۔اور یہی بات ڈیڈ نے اسے سمجھائی تھی۔

صبح کے چار بج چکے تھے۔اندھیرا آہستہ آہستہ روشنی میں تبدیل ہو رہا تھا۔دور کہیں سے اذانوں کی آوازیں آ رہی تھی۔اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو حریم ساتھ والے بیڈ پر پڑی سو رہی تھی۔درد سے کملایا ہوا سفید چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔اس کے سرخ لمبے سیدھے بال سرہانے پر بکھرے ہوئے تھے۔وہ سوتے ہوئے بہت معصوم لگ رہی تھی۔اسے دیکھ کر عانیہ کو حدیقہ کی یاد آ گئی۔اس کے لبوں پر مغموم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔وہ اٹھ کر باتھ روم میں

وضو کرنے چلی گئی۔ اس مرتبہ بھی اس نے جائے نماز کے بغیر ہی زمین پر نماز پڑھی تھی۔ نماز اور دعا سے فارغ ہو کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کے دل کو سکون مل گیا۔ اور اذکار کرتے ہوئے نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

آٹھ بجے حریم نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"عانی آپی اٹھیں۔ ناشتہ کر لیں" حریم نے اسے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟"

"آٹھ بج چکے ہیں۔ ایک لڑکی آکر کہہ گئی ہے کہ پانچ منٹ میں ناشتے کی میز پر پہنچیں ورنہ ناشتہ نہیں ملے گا۔"

"اچھا تم جاؤ میں بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔"

"اچھا یہیں بیٹھ جاؤ میں بس دو منٹ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ اور ڈرو نہیں۔ اب وہ ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتے" عانیہ نے مسکرا کر کہا اور واشروم کی جانب بڑھ گئی۔

دو منٹ بعد وہ ڈائننگ ہال میں موجود تھیں۔ جہاں کل والی موٹی سی عورت سربراہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اور اس کے دونوں اطراف میں آٹھ آٹھ کرسیاں میز کے ارد گرد لگیں تھیں۔ تقریباً دس لڑکیاں وہاں بیٹھی تھی سب کی سب نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ ملازم ان کے آگے ناشتہ لگا رہے تھے۔ ان کے وہاں داخل ہوتے ہی سب لڑکیوں کی گردنیں ان کی طرف مڑیں تھیں۔ اس عورت نے بھی ان کی طرف دیکھا۔ حریم ڈر کے مارے عانیہ کے قریب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ گئی تھی۔

"آؤ آؤ لڑکیو۔ وہاں کیوں کھڑی ہو گئی ہو۔ ڈرو مت۔ یہاں آکر بیٹھو اور ان سب کو اپنا تعارف کرواؤ۔" وہ عورت نرمی سے مسکرا کر بولی تو سب لڑکیاں حیرانی سے منہ کھولے جلاد صفت رخشندہ بیگم کو دیکھنے لگیں۔ جہاں آج تک

کسی نے نرم مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ البتہ مکروہ ہنسی ضرور دیکھی تھی۔ عانیہ حریم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھینچتی ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور حریم ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سب کی نظریں ان پر لگیں تھیں۔

"اپنے نام بتاؤ؟" درخشندہ بیگم نے حکمیہ لہجے میں پوچھا۔

"عانیہ" اس نے مختصراً کہا تو درخشندہ بیگم حریم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ح.... حریم" حریم نے ہکلاتے ہوئے اپنا نام بتایا۔ سب لڑکیاں جو غور سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں اب سرگوشی میں ان کی خوبصورتی کی تعریفیں کر رہیں تھیں۔

"یہ لڑکیاں کل ہی آئی ہیں۔ بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ ذرا سی مار بھی برداشت نہیں ہوئی تو جلد ہی ہار مان لی تھی اسی لیے انہیں کل ہی تہ خانے سے اوپر کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔" درخشندہ بیگم کے اس جھوٹ پر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"لڑکیو ناشتہ شروع کرو۔ بعد میں ان سے اپنا اپنا تعارف کروا دینا۔ اب انہیں یہیں تو رہنا ہے۔" وہ سختی سے حکم دیتی خود بھی ناشتہ کرنے لگی۔ اور وہاں موجود سب لڑکیاں اس کا حکم بجالاتے ہوئے کھانے کی پلیٹ پر جھک گئیں۔ کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ دوبارہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ سکتیں۔ عانیہ نے طائرانہ نگاہ سب پر دوڑائی لیکن اسے کوئی لڑکی ایسی نظر نہیں آئی تھی جس کو وہ درخشندہ بیگم فوقیت دے رہی تھی۔ سب ہی اس سے ڈری سہمی ہوئی لگ رہیں تھی۔ حریم نے عانیہ کی طرف مایوسی سے دیکھا۔ اس نے حریم کو تسلی دی۔ اور ناشتہ کرنے کا کہا۔

ناشتہ کرنے کے بعد سب لڑکیاں ٹیرس پر چلیں گئیں۔ عانیہ بھی حریم کو ساتھ لیے وہاں آ گئی۔ ٹیرس سے نیچے لان اور آس پاس کے گھروں کا منظر نظر آتا تھا۔ عانیہ کو ہر جگہ اسلحہ بردار آدمی کھڑے نظر آئے۔ یعنی یہاں سے باہر جانا خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ لیکن وہ اس سے بڑے خطرے کو دیکھ چکی تھی۔ اس لیے ڈر کم

ہو چکا تھا۔ ٹیرس پر میز اور کرسیاں پڑے تھے۔ عانیہ ریلنگ کے پاس آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور حریم بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ ساری لڑکیاں ان کی طرف آگئیں۔ عانیہ نے حریم کو اشارہ کر دیا کہ ان سے باتیں اگلوانے کی پوری کوشش کرے۔

"ہائے۔ میرا نام شانزے ہے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ دونوں بہت خوبصورت ہیں۔ بہنیں تو نہیں۔"

"ہاں بہنیں ہیں۔" عانیہ مختصراً بولی۔

" آپ دونوں ان کے ہاتھ کیسے لگ گئیں ؟۔" ایک دوسری لڑکی بولی۔

"بس غربت کی وجہ سے۔ پیٹ بھرنے کے لیے کچھ بھی کرنا پڑتا ہے۔" عانیہ بے چارگی ظاہر کرتے ہوئے بولی

"اس کا مطلب آپ اپنی مرضی سے یہاں آئیں ہیں" ان میں سے ایک بولی۔

"نہیں۔ ہمیں تو نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ہمیں یہاں لے آئیں گے۔ ہمیں تو انہوں نے کہا تھا کہ آپ بہت خوبصورت ہیں۔ آپ کو شوبز میں کام دیں گیں۔ تو ہم ان کے ساتھ آگئے۔ لیکن انہوں نے ہمیں بے ہوش کر کے یہاں بھیج دیا۔"

"تو پھر آپ اتنی جلدی کیسے مان گئیں ؟"

"بتایا نا غربت کی وجہ سے اور یہاں کوئی دوسرا راستہ ہے سوائے موت کے۔"

"ہاں کہا تو آپ نے ٹھیک ہے۔ اگر ان کی بات نہ مانیں تو یہ بہت برا حشر کرتے ہیں۔ جب میں یہاں آئی تھی تو میں نے بھی پہلے انکار کیا تھا پھر ایک آدمی نے مجھے کوڑوں سے مارا تھا اور میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کے بعد تو جیسے میں سانس بھی بیگم صاحبہ کا حکم ہو تو لیتی ہوں۔" وہ لڑکی اداسی سے بولی۔ شاید اسے اس مار کی تکلیف یاد آگئی تھی۔

"یہاں ہر ایک کی یہی کہانی ہے۔ایک لڑکی آئی تھی یہاں اور وہ اتنی ڈھیٹ تھی کہ کوڑے کھا کر بے ہوش ہو جاتی لیکن ان کی بات نہ مانی۔ آخر کار مار کھا کھا کر مر گئی تھی۔"ایک اور لڑکی بولی۔ حریم نے سہم کر عانیہ کی طرف دیکھا تھا۔

"ویسے آپ دونوں کو کتنی مار پڑی ہے؟"

"مجھے تو نہیں پڑی لیکن اسے بہت پڑی ہے اور میں نے اس سے عبرت حاصل کر کے مار کھانے سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیے۔"

"یہ اچھا کیا تم نے۔ آخر بات تو ماننی ہی پڑے گی تو مار کھانا ضروری ہے۔"ایک لڑکی بولی۔

"یہاں کل کتنی لڑکیاں ہیں؟"عانیہ نے سوال کیا۔

"شاید پندرہ تھیں۔پانچ اپنے اپنے محازوں پر ہیں۔کچھ دنوں تک آجائیں گیں پھر ہماری باری ہو شاید۔"شانزے بولی۔

"ویسے یہ بیگم صاحبہ اتنی سخت ہیں یا صرف چہرے سے ہی لگتی ہیں۔"عانیہ بولی۔

"وہ تو اس ہنٹر والے شخص سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بھی خود ہنٹر سے مارتیں ہیں کہ نانی یاد آجاتی ہے۔ تبھی تو ان کے سامنے ہماری جان نکلتی ہے۔"

"تو آج تک کوئی ان کی نظر میں ایسا مقام نہیں بنا سکا کہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کر دیں۔"حریم نے بات گھما کر اپنے مطلب کی پوچھی تو عانیہ نے اسے نظروں ہی میں شاباشی دی۔

"ہاں ہے نا۔ان کی بیٹی مینا۔اس کو ہر غلطی معاف ہے۔لیکن شروع میں جب بیگم صاحبہ نے اسے بیچنا چاہا تو اس نے بھی انکار کیا تھا اور بیگم صاحبہ نے اسے خود ہنٹر ز سے روئی کی طرح دھنک ڈالا تھا۔ہم میں سے کچھ لڑکیوں نے خود اسے مار پڑتے دیکھا تھا۔اس کی چیخوں کے ساتھ ہماری چیخیں بھی نکل گئی تھی۔ لیکن اس عورت کو ترس نہیں

آیا بیٹی پر۔اور تو اور اس کا کھانا بھی بند کر دیا تھا۔اس طرح وہ بھی ان کی بات مان گئی۔"شانزے بولی۔عانیہ اور حریم نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو کیا وہ بہت خوبصورت ہے؟"عانیہ نے تجسس سے پوچھا۔

"ایسی ویسی خوبصورت۔اتنی پیاری ہے کہ کیا بتاؤں۔کروڑوں کماتی ہے۔ابھی بھی دبئی گئی ہوئی ہے کسی کے ساتھ۔"

"اچھا پھر تو ہمیں بھی اس سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے۔واپس کب آئے گی؟"حریم نے لہجے کو پر جوش بناتے ہوئے کہا۔

"شاید ایک ہفتے تک آئے گی۔لیکن تم لوگ صرف اسے دور سے ہی دیکھ سکتے ہو۔بیگم صاحبہ کسی کو اس کے پاس نہیں جانے دیتیں۔دو باڈی گارڈز تو ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ایک دفعہ اس نے کسی لڑکی سے بات کرنے کی کوشش کی تھی اور اس لڑکی کو دس کوڑے پڑے تھے بیگم صاحبہ سے۔پھر اس نے خود ہی کسی سے بات نہیں کی۔"حریم کو مایوسی ہوئی لیکن عانیہ جانتی تھی کہ اس تک کیسے پہنچنا ہے۔بس وہ بروقت یہاں پہنچ جائے سہی۔

"اچھا ہم بھی اسے دور سے ہی دیکھ لیں گے۔ویسے وہ کہیں آزادی سے آجا نہیں سکتی؟"عانیہ نے پوچھا۔

"نہیں جب بھی باہر جاتی ہے سیکیورٹی گارڈز ساتھ جاتے ہیں۔لیکن جب کوئی خریدار اسے لے کر جاتا ہے تو پھر سیکیورٹی گارڈز نہیں جاتے۔"ایک لڑکی بولی۔

"جو عورت اپنی بیٹی کے معاملے میں اتنی سخت ہے۔ہم تو مر کر بھی بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔"دوسری بولی۔

"یہ سارا سیکٹر ریڈ لائٹ ایریا ہے۔یہاں سے بھاگے تو کسی اور کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔"شانزے کے کہنے پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔سب لڑکیاں کچھ نہ کچھ انہیں بتاتی ہی رہیں۔ان کی باتیں سن کر حریم کے چہرے پر مایوسی چھاتی جا رہی تھی۔

"اور تم لوگوں کو یہاں سب سہولیات میسر ہیں؟" عانیہ نے ایک اور سوال کیا۔

"ہاں۔ دنیا کی ہر آسائش میسر ہے سوائے دلی سکون کے۔ بہترین کھانا ملتا ہے۔ ہم سے ایک کام بھی نہیں کرواتے۔ ابھی نیچے ملازم صفائی کر رہے ہیں اس لیے ہم سب اوپر آ گئے ہیں۔ اور نو بجے ہم نے سیلون پہنچنا ہے جہاں روز ہمارے چہرے کہ ٹریٹمنٹ ہوتی کے۔ سیلون اسی گھر میں ایک کونے پر بنا ہوا ہے۔" شانزے بولی۔

"ہاں یار پانچ منٹ رہ گئے ہیں چلو اٹھو چلتے ہیں ورنہ بیگم صاحبہ کی ملازمہ نے شکایت لگا دی تو کہیں مار ہی نہ پڑ جائے" ایک لڑکی کلائی پر پہنی گھڑی کو دیکھ کر بولی تو سب تیر کی تیزی سے اٹھتی ہوئیں وہاں سے نیچے کی طرف بھاگیں۔

"تم پھر مایوس ہو رہی ہو حریم۔ اگر ایسے ہی مایوس ہوتی رہی تو ہار جاؤ گی۔" عانیہ نے اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھا تو اس کے کندھے پر تھپکی دے کر کہا۔

"کیا کروں پھر مجھ سے خود کو مضبوط رکھا ہی نہیں جا رہا۔ میں چاہ کر بھی آپ جیسی نہیں بن سکتی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اللہ پر یقین رکھو۔ کامیابی کی پہلی سیڑھی تو پار کر بھی لی ہے ہم نے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ جسٹ چل یار۔ آؤ تمہیں مفت میں بیوٹی پارلر کی سیر کراؤں۔ اٹھو" عانیہ بشاشت سے مسکراتے ہوئے بولی تو حریم کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ کبھی کبھی مشکل گھڑی میں آپ کے مسکرانے سے کسی کو حوصلہ ملتا ہے۔ آپ کی مسکراہٹ کسی کی آنکھوں میں امید کے دیے روشن کر دیتی ہے۔ مشکل وقت میں ایک ساتھی ہی مل جائے تو مشکل آسان لگنے لگتی ہے۔ اور جو مشکل میں آپ کے کام آئے، آپ کا دکھ بانٹے وہی آپ کا سچا اور مخلص دوست ہوتا ہے۔ اور حریم یہ جان چکی تھی کہ عانیہ اس کی پہلی اور مخلص دوست ہے۔ جس پر وہ رب کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔

-----------------------------

دو دن تک مسلسل کوششوں کے باعث آج عدیل کو عانیہ کے بارے کچھ پتہ چلا تھا اور اب جو کچھ پتہ چلا تھا وہ ریان کو بتانا بہت مشکل تھا۔ ریان ان دو دنوں میں کئی دفعہ کالیں کر کے عانیہ کے بارے میں پوچھ چکا تھا لیکن عدیل اندر کی بات معلوم کرنے میں میں کسی طور کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ آج بھی اس نے حماد کے گھر کے باہر مکمل پہرہ لگا رکھا تھا جب سارے ملازمین ایک ساتھ اپنے اپنے سامان لیے باہر آئے تھے۔ عدیل کے آدمیوں نے ایک کو گھیرے میں لے کر گاڑی میں بٹھا لیا اور اس سے عانیہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ساری بات بتا دی۔ اب عدیل نے ریان کو یہ بات بتانی تھی۔ لیکن یہ کام اسے پہاڑ سر کر لینے سے زیادہ مشکل لگ رہا تھا۔ وہ گومگو کی سی کیفیت میں بیٹھا تھا جب بتول اس کے پاس آئی تھی۔

"کیا سوچا ہے پھر؟"

"کیا سوچنا ہے مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ریان صاحب کو حقیقت کیسے بتاؤں۔ وہ مجھ پر بھی غصے ہو سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بنا واپس آ جائیں۔"

"اگر آپ نے بعد میں بتایا تو وہ زیادہ خفا ہوں گے۔ اور آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ کا تو کوئی قصور نہیں نا۔ آپ نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی۔ میرے خیال میں جتنا جلد ہو سکے آپ کو بتا دینا چاہیے۔"

"ہاں یہ بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" اس نے کہتے ہوئے فون نکال کر ریان صاحب کو کال ملائی۔

دوسری طرف ریان کا دل فون پر عدیل کے نام کو جگمگاتا دیکھ کر تیزی سے دھڑکا تھا۔ دو دن تک وہ خود ہی عدیل کو بار بار کالز کر رہا تھا اور اب عدیل نے خود فون کیا ہے تو کوئی نہ کوئی بات ضرور پتہ چلی ہو گی۔

"عدیل کچھ پتہ چلا؟" فون تیزی سے اٹھاتے ہوئے وہ بولا۔

"جی صاحب پتہ چل گیا ہے"

"کیا؟... وہ ٹھیک تو ہے نا۔ کہاں ہے وہ؟" وہ بے تابی سے بولا۔ عدیل ریان کی بے بی کو سمجھ سکتا تھا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہے صاحب۔"

"کیا مطلب؟"وہ حیران و پریشاں سا پوچھنے لگا۔

"وہ صاحب جی دیا بی بی نے بہت بڑی گڑبڑ کر دی ہے۔ انہوں نے حماد پر اس کے سارے سیکیورٹی گارڈز کے سامنے قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن وہ بچ گیا ہے۔ دیا بی بی نے اس پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ ایک مہینے کے لیے مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ پھر وہ سیکیورٹی گارڈز کے قابو بھی نہیں آ رہی تھیں۔ گولی اس لیے نہیں چلائی کہ حماد کا حکم تھا۔ لیکن پھر انہیں بے ہوشی کے اسپرے کر کے بے بس کر دیا گیا اور فحاشی کے اڈے پر بھیج دیا گیا۔ آگے کا کچھ پتہ نہیں زندہ ہیں یا......."حماد نے بات ادھوری چھوڑ دی لیکن دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ ریان پر تو جیسے کسی نے ساتوں آسمان گرا دیے تھے۔ اس کے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ اور وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ تو اپنی محبت کو بچانے کی خاطر اس دور بھی ہو گیا تھا لیکن وہ پھر بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ فحاشی کے اڈے کا سن کر تو جیسے اس کا دل کانپ گیا تھا۔ اس کی دیا مشکل میں آ چکی تھی اور وہ یہاں اس سے اتنی دور تھا۔ کاش وہ اس کی بات نہ مانتا، کاش وہ اسے جانے ہی نہ دیتا۔

"پاگل لڑکی یہ کیا کر دیا تم نے۔"وہ غصے سے بڑبڑایا۔

"صاحب جی اب آگے کیا کرنا ہے؟"عدیل بولا۔

"تم ایسا کرو یہ پتہ کرنے کی کوشش کرو کے دیا کو کہاں بھیجا گیا ہے میں آج رات ہی واپس آ رہا ہوں۔"

"صاحب جی یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ انہوں نے سارے ملازمین کو فارغ کر دیا ہے۔ اور وہ خود بھی پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں۔"

"کیا؟......کہاں چلے گئے۔ تم نے نظر نہیں رکھی ان پر۔"وہ غصے سے بولا۔

"صاحب جی میرے آدمیوں کو جب دیا بی بی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا تو وہ وہاں سے آ گئے۔ جب مجھے یہ بات پتہ چلی تھی میں نے انہیں پھر بھیجا تو اسی دوران وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔" عدیل نے ڈرتے ہوئے وضاحت دی۔ ریان نے کچھ اور سنے بغیر کال کاٹ دی۔ صبح چھ بجے وہ گھر آ چکا تھا۔

-----------------------------------

آج دس اگست تھی اور وہ تیسرا پیپر دے کر گھر آ چکا تھا۔ یہ پیپر مشکل بھی تھا اور اس کے تیاری کے لیے دن بھی ایک ہی دیا گیا تھا۔ اگلا پیپر پندرہ اگست کو تھا یعنی ابھی بہت وقت پڑا تھا تیاری کے لیے۔ سو ٹینشن فری ہو کر اس نے موبائل فون پکڑ لیا۔ آن کرتے ہی سینکڑوں ان ریڈ میسیجز اس کے منتظر تھے۔ اس نے ان باکس کھول کر دیکھا تو وہی رومینٹک پوئٹری میسجز تھے۔ اسے سخت کوفت ہوئی۔

(آخر یہ کون اتنا فارغ ہے جسے میسیجز کرنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں) وہ جھنجھلاہٹ سے سوچنے لگا۔

(مجھے چیک کرنا چاہیے۔) وہ کمپیوٹر کے سبجیکٹ پڑھ رہا تھا اور اسے ہیکنگ بھی آتی تھی۔ اس کے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ کون ہے جو اسے میسیج کے ذریعے تنگ کر رہا ہے لیکن وہ پیپرز کی تیاری میں مصروف تھا کہ اس طرف دھیان ہی نہ گیا۔ اب اسے فرصت ملی تھی اور وہ معلوم کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لائبریری میں ایک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا اور سامنے سکرین پر ہیکنگ سسٹم کھلا ہوا تھا۔

اسے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ اسے میسیج کرنے والی عنیقہ تھی۔ اس کا تو میٹر گھوم کر رہ گیا۔ جس طرح کے وہ اسے میسیج کر رہی تھی صاف ظاہر تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اتنے بے باک انداز میں اظہار محبت کیا گیا تھا کہ دو تین میسیج پڑھ کر ہی وہاب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

(کوئی لڑکی اتنی بے شرم کیسے ہو سکتی ہے۔ اپنی انا اور وقار کی ذرا پرواہ نہیں اسے۔ نہ ماں باپ کی عزت کا خیال ہے)

وہ حدیقہ کو پسند کرتا تھا لیکن لڑکا ہو کر بھی ابھی تک تو وہ اس سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کر پایا تھا اور عنیقہ نے پہلی بات ہی ایسی کی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو جج نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والا انسان تھا۔ اب بھی وہ عنیقہ کے بارے میں یہ جان کر اس پر غصہ نہ کرتا کہ وہ اپنے اعمال کی خود ذمہ دار تھی لیکن مسلہ یہ تھا کہ یہ معاملہ اس سے بھی جڑتا تھا۔ اگر اس بارے کسی کو پتہ چلتا تو اس کی عزت خراب ہونے کا خدشہ تھا۔ انکل حیدر اور آنٹی عمرینہ کو اس پر بھروسہ تھا جو وہ کبھی بھی توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک دفعہ اعتماد اٹھ جائے تو پھر بہت مشکل سے ہی آتا ہے اس لیے وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو چکا تھا۔

---

"اب کیا ہوگا عانی آپی۔ اگر انہوں نے ہمیں مینا کے آنے سے پہلے ہی بیچ دیا تو پھر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔" حریم سخت مایوسی کے عالم میں بولی۔

"ریلیکس حریم!.... خدا پر یقین رکھو۔ وہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔ ہمارے پاس ابھی ایک ہفتہ ہے اور مینا ایک ہفتے تک آجائے گی۔ اگر نہ بھی آئی تو میرے لیے ان سے مزید وقت لینا مشکل نہیں۔ یہ تم جانتی ہو۔ اس لیے مایوس مت ہو۔"

"مجھے یقین ہے آپ یہ کر لیں گیں۔ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہوتیں تو اب تک میں مر چکی ہوتی۔ آپ جیسی دوست کے لیے میں اللہ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ لیکن میں سوچتی ہوں کہ کاش میں آپ سے اس طرح نہ ملی ہوتی۔ ہماری ملاقات کہیں اور ہوئی ہوتی۔ میں جانتی ہوں اللہ نے آپ کو میری مدد کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ آپ اس گندی جگہ پر میری وجہ سے پھنسی ہیں۔"

"نہیں میں یہاں تمہاری وجہ سے نہیں پھنسی حریم۔ میں یہاں اپنی وجہ سے آئی ہوں۔ اور یہ اللہ کی کوئی حکمت ہے کہ تم میرے ساتھ ہو۔"

"لیکن آپ یہاں پھنس کیسے گئیں حالانکہ آپ ایک فائٹر ہیں؟"

"بس..... یہ قسمت کا کھیل ہے۔ میں نے کسی کا دل دکھایا ہے جس کی سزا مجھے ملی ہے۔" عانیہ آزردگی سے بولی۔ اس پل اسے ریان کی یاد شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

"کس کا دل دکھایا تھا آپ نے؟" حریم اسے کریدتے ہوئے بولی تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہے کوئی۔"

"ہمم.... اس کا مطلب کوئی سیکرٹ ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے" وہ اس کی شرارت بھانپ گئی اور جلدی سے تردید کرنے لگی۔ حالانکہ بات سراسر یہی تھی۔

"ارے میں کونسا کچھ کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ نہیں بتانا چاہتیں تو نو پرابلم (میں خود پتہ چلا لوں گی)۔" وہ پراسرار سا مسکرا دی۔

"دراصل لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گی...... فرصت سے" عانیہ نے تاویل پیش کی

"ویسے ایک بات تو بتائیں۔ آپ اتنی خوبصورت ہیں تو ابھی تک آپ کی زندگی میں کسی لڑکے کی اینٹری نہیں ہوئی کیا؟"

"حریم اگر تم نے مجھ سے بدتمیزی کی تو بہت ماروں گی" وہ چہرے پر خفگی لاتے ہوئے بولی لیکن اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اس کے سارے راز افشاں کر رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ریان اسے کیوں یاد آرہا ہے۔

"ہائے اللہ کتنی پیاری مسکراہٹ ہے آپ کی۔ بالکل جُو جِنگ یِی کی طرح دکھتی ہیں آپ۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو اب تک آپ پر مر مٹی ہوتی۔"

"یہ جُو جِنگ یِی کون ہے؟" وہ جان چکی تھی کہ اسے ڈانٹ کر چپ نہیں کروایا جا سکتا۔ اسی لیے بات بدل دی۔

"ارے آپ کو اس کا نہیں پتہ۔ مشہور چائینیز ایکٹریس ہے۔ میں نے اس کے سارے ڈرامے دیکھے ہوئے ہیں۔"

"مجھے پاکستانی ایکٹریسز کے بارے میں کچھ نہیں پتہ اور تم چائنیز ایکٹریس کی بات کر رہی ہو۔"

"آپ اسے ایک دفعہ دیکھ لیں تو حیران رہ جائیں بالکل آپ کی ہمشکل ہے وہ۔۔میں تو اس کی بہت بڑی فین ہوں۔جب میں نے آپ کو دیکھا تو مجھے لگا جُو جِنگ یِي میرے سامنے آگئی ہے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی ڈرامے نہیں دیکھتی"

"ہاں نا اب تک تو سینکڑوں دیکھ چکی ہوں گی۔پاکستانی، کورین، چائینیز، تھائی، اسپینش جاپانی اور ترکش بھی۔ہر وقت ڈرامے دیکھنے کی وجہ سے مجھے ماما سے ڈانٹ بھی بہت سخت پڑتی تھی لیکن مجھے کوئی اثر نہیں ہوتا تھا کیونکہ ڈرامے دیکھنا تو میرا جنون تھا۔" وہ پرجوش لہجے میں بولتی یکدم اداس ہو گئی۔ماما بابا اور بھائی بہنوں کی یاد آنے لگی۔

"اگر ڈرامے ہی دیکھتی رہتی تھی تو پڑھتی کب تھی؟"

"میٹرک کے بعد چھوڑ دی تھی پڑھائی۔بابا کہتے تھے کہ لڑکیوں کو زیادہ نہیں پڑھنا چاہیے۔میں ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیوں لیکن میں نہیں پوچھ سکتی تھی۔ویسے بھی میں انکی پانچویں نمبر کی بیٹی تھی۔میری تعلیم پر پیسے خرچ کرنے کے بجائے انہوں نے بڑی بہنوں کا جہیز بنانے کو ترجیح دی۔ان کے مطابق آخر میں ہمیں کرنا تو ہانڈی چولہا ہی ہے نا۔" حریم اپنے ماں باپ کو یاد کر کے اداس ہو رہی تھی جبکہ عانیہ کو اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے۔جنہوں نے اس کی پڑھائی میں کبھی پابندی نہیں لگائی تھی۔

"کوئی بات نہیں یار تم اب پڑھ لینا۔ابھی کونسا بوڑھی ہو گئی ہو کہ پڑھ نہیں سکتی۔"

"نہیں پڑھ سکتی کیونکہ میں اب گھر واپس جا ہی نہیں سکتی۔میرے بابا تو مجھے دیکھتے ہی قتل کر دیں گے۔میرے جانے کے بعد پتہ نہیں میری ماں کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔کن کن لوگوں کی باتیں سننی پڑی ہوں گی۔سب کو لگ رہا ہو گا کہ میری ماں نے میری تربیت اچھی نہیں کی اس لیے میں کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔...... لیکن آپی میرا یقین کریں میں ایسی بالکل بھی نہیں ہوں۔میں گھر سے نہیں بھاگی" وہ دل گرفتگی سے بولتی رو پڑی۔

"میں جانتی ہوں تم ایسی نہیں ہو۔" عانیہ اسے گلے لگا کر کہا۔

"میری ایک غلطی زندگی کی سب سے بڑی سزا بن گئی۔ میں اپنے ماموں زاد بھائی کی شادی پر ماما کے ساتھ گئی تھی۔ پہلے ہم ان لوگوں سے ناراض تھے۔ کوئی پرانی دشمنی تھی لیکن پھر بہت عرصے بعد ماموں ہمارے گھر آ گئے اور صلح ہو گئی۔ انہوں نے ہمیں اپنے بیٹے کی شادی پر دعوت دی تو صرف میں ماما کے ساتھ گئی تھی۔ بابا کو لڑکیوں کا کہیں آنا جانا اچھا نہیں لگتا تھا اس لیے بڑی بہنیں نہیں گئی تھیں۔ میں اس وقت پندرہ سال کی تھی اس لیے ضد کر کے چلی گئی تو ان کے چھوٹے بیٹے عدنان نے مجھے دیکھ لیا اور میرے پیچھے پڑ گیا سکول آتے جاتے ہوئے مجھے تنگ کرنے لگا۔ مجھے اس آدمی پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے سیدھا ماما کو بتایا اور انہوں مجھے خاموش کروا کر خود ماموں سے بات کی۔ مجھے یقین نہ آیا کہ ایک ماں اپنی بیٹی سے اس قدر نفرت بھی کر سکتی ہے۔ ماما نے ماموں سے کہا کہ وہ میرے لیے عدنان کا رشتہ لے کر آئیں۔ میں نے بہت احتجاج کیا لیکن انہوں نے مجھے کہا کہ میں ان پر بوجھ ہوں اور وہ مجھے جلد از جلد اپنے سر سے اتارنا چاہتی ہیں۔ ان کے کہنے پر اگلے دن ہی ماموں رشتہ لے کر گھر آ گئے لیکن بابا کو ان پر غصہ آ گیا۔ پھر بابا اور ماموں کی سخت لڑائی ہوئی۔ بابا ماما سے بھی ناراض ہو گئے۔ اور رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ عدنان نے ضد میں آ کر مجھے اغوا کروا دیا۔ تاکہ جب میں بازیاب ہو کر واپس آؤں تو وہ ہم پر احسان کر کے مجھ سے شادی کر لے۔ جن غنڈوں کو اس نے اغوا کرنے کے پیسے دیے تھے وہ اصل میں تعبیر ٹرسٹ کے بندے تھے۔ انہوں نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو ایک لڑکی نے مجھے بتایا کہ میں اسلام آباد میں ہوں اور یہ تعبیر ٹرسٹ جو بظاہر یتیم لڑکیوں کے لیے خیراتی ادارہ ہے اصل میں یہ لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کو بیچتا ہے۔ یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس سے اگلے دن ہی مجھے دوبارہ بے ہوش کر کے آپ کے ساتھ یہاں بھیج دیا گیا۔"

"تو تمہیں کیسے پتہ چلا تھا کہ یہ تمہارے کزن نے ہی کروایا ہے۔"

"وہ بے غیرت خود اغوا کرنے والوں کے ساتھ تھا۔ بے ہوش ہوتے ہوئے میں نے اس کی باتیں سن لیں تھیں۔ قسم سے مجھے اس پر اتنا غصہ ہے کہ وہ ایک دفعہ میرے سامنے آجائے منہ نوچ لوں اس کا۔ اتنی بری شکل کا آدمی ہے وہ۔ کالے سیاہ چہرے پر نحوست صاف دکھائی دیتی ہے اس کے۔ بڑی بڑی مونچھیں، پیلے دانت، سموکنگ کی وجہ سے کالے سیاہ ہونٹ، بھینگی آنکھیں ایسا لگتا ہے جیسے ایکسرے فٹ کروائے ہوں، اور اوپر سے گنجا بھی، بڑے بڑے کان ہیں اور پتلا اور لمبا سا منہ......" وہ ابھی اور بھی غصے میں عدنان کی تصویر کشی کرنے والی تھی کہ عانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس بس۔ غصہ ختم کرو میری چھوٹی سی بلی۔ اور شکر کرو تم اس کے پاس پہنچنے کی بجائے تعبیر ٹرسٹ پہنچ گئی ورنہ اب تک اس کی دلہن بنی ہوتی" عانیہ شرارت سے بولی۔

"ارے اس چوہے کی دلہن بننے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لیتی۔ بلی ہوں میں۔ اور چوہے سے کیسے شادی کروں بھلا۔" وہ برا منائے بغیر بولی تو عانیہ مسکرا دی۔

"ویسے میں ایک بات سوچ رہی تھی کہ اگر ہم یہاں سے نکل سکے تو کیا ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے؟" وہ یکدم اداس ہو کر پوچھنے لگی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟... گھر جانا چاہتی ہو؟" عانیہ نے پوچھا۔

"چاہتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں میں نہیں جا سکتی۔ لوگ تو کیا میرے ماں باپ بھی مجھے قبول نہیں کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے دیکھتے ہی قتل کر دیں۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے آزردگی سے بولی۔ وہ اپنی پوزیشن اچھی طرح سے جانتی تھی۔ ویسے بھی ماما بابا کو اس سے کوئی جذباتی تعلق تو تھا نہیں کہ اسے مارتے ہوئے انہیں کوئی دکھ ہوتا۔ وہ ہمیشہ سے ان کی نفرت ہی سہتی آئی تھی۔

"تو پھر تم فکر مت کرو۔ میں نے تمہیں اپنی جھوٹی بہن کہا ہی نہیں مانا بھی ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد تم میرے ساتھ رہو گی۔ اپنی سٹڈیز کمپلیٹ کرو گی اور جب تم کچھ بن کر ساری دنیا کے سامنے آؤ گی تو تمہارے وہی ماں باپ جو تمہیں قتل کر دینا چاہتے تھے فخر سے تمہیں اپنائیں گے۔" عانیہ پیار سے اس کے چہرے پر بکھرے سرخ بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی تو حریم کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔ اسے اپنی منزل قریب نظر آئی جو اسے اپنے گھر میں رہتے ہوئے بہت دور نظر آتی تھی۔ وہ ہمیشہ سے سائنٹسٹ بننا چاہتی تھی۔ اس کے سگے ماں باپ نے اسے کوئی امید بندھانے کی بجائے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب وہ بے گھر تھی لیکن اس کی امید جاگ اٹھی تھی۔ یہ اسے کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ وہ فرطِ جذبات سے عانیہ کے گلے لگ گئی۔

"رئیلی..... مجھے سائنٹسٹ بننا ہے۔ کیا میں بن سکوں گی۔ اور ماما بابا کو اپنی بے گناہی کا یقین دلا سکوں گی؟"

"ہاں تم کر سکو گی۔ آخر تم عانیہ کی بہن ہو کوئی عام لڑکی تو نہیں نا جو مشکلوں سے گھبرا جائے۔" عانیہ اس کی کمر سہلاتے ہوئے بولی۔ اسے بھی تو کتنا شوق تھا کہ اس کی ایک چھوٹی سی بہن ہو۔ وہ اس کا خیال رکھے۔

"آئی لو یو عانی آپی۔" وہ اس کے گلے لگے ہی بولی تو عانیہ مسکرا دی۔

-----------------------------------

کمال احمد صاحب سب سے چھوٹے تھے۔ ان سے بڑے بھائی کا نام دانیال احمد تھا۔ اور ایک بڑی بہن تھی جس کا نام رئیسہ تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے اور دونوں بھائی اپنی بڑی بہن رئیسہ کو ہی اپنی ماں کی جگہ مانتے تھے اور اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ اسی لیے اس کے لہجے میں غرور شامل تھا۔ کسی کو اپنے سامنے کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی وہ۔ ہر کسی کو تکلیف میں دیکھ کر سکون میں رہتی تھی۔ جہاں سسرال والے اس سے تنگ تھے تو وہاں اس کی دونوں بھابیاں بھی عاجز آ چکی تھیں۔ اس کی شادی خاندان سے باہر ہی ہوئی تھی اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ شوہر اچھا مل گیا لیکن اس کے سسرال والوں کی قسمت پھوٹ گئی۔ وہ ہر کام میں اپنی مرضی چلاتی تھی اور شوہر کی شہ کی وجہ

سے نندوں اور ساس کا جینا محال کر کے رکھ دیا تھا۔اور دوسری طرف غزالہ اور کبریٰ بھی اس کے اعتاب سے بچی ہوئی نہیں تھیں۔غزالہ کمال احمد کی بیوی تھی اور کبریٰ دانیال احمد کی بیوی تھی۔ان دونوں کو رئیسہ نے ہی پسند کیا تھا اور خود بھائیوں کی شادیاں کروائی تھیں۔وہ دونوں نئی دلہنوں کی طرح آنکھوں میں سپنے سجائے اس گھر میں آئیں تھیں لیکن رئیسہ جیسی نند نے انہیں پہلے ہی دن یہ باور کروادیا تھا کہ اس کے بھائی اس کی مٹھی میں ہیں۔وہ انہیں نند سے زیادہ سخت قسم کی ساس لگی تھی۔انہوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی کوشش تو کی لیکن رئیسہ نے پہلے ہی ہفتے ان دونوں کو ان کے شوہروں سے مار پڑوادی۔تب ان دونوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے شوہر کبھی ان کے بس میں نہیں ہوسکتے۔اگر یہاں گزارا کرنا ہے تو رئیسہ کا حکم ماننا پڑے گا۔اس کے بعد انہوں نے کبھی رئیسہ سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔وہ جو بھی کہتی سر جھکا کر مان لیتیں۔جب رئیسہ ہفتوں رہنے کے بعد سسرال جاتی تو ان کی سانس میں سانس آتی۔البتہ سسرال والوں کی سانس اٹک جاتی۔

کچھ عرصے بعد کبریٰ کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا تو دانیال احمد کا سلوک اس سے اچھا ہو گیا۔اس کی پوزیشن مستحکم ہو گئی تھی اور اس نے پھر سے رئیسہ کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن منہ کی ہی کھانی پڑی۔غزالہ کے ہاں پہلی بیٹی ہوئی تھی۔اس کا نام آئمہ رکھا گیا۔غزالہ بہت خوش تھی کیونکہ یہ اس کی پہلی اولاد تھی لیکن اس کی خوشی پل بھر میں ختم ہو گئی جب رئیسہ نے اسے بیٹی پیدا کرنے پر طعنے دیے۔کمال احمد نے بھی بیٹی کو پسند نہیں کیا تھا اور ان کا سلوک غزالہ سے مزید برا ہو گیا تھا۔ نتیجتاً غزالہ بھی بیٹی سے متنفر ہو گئی تھی۔

وقت گزرتا گیا اور دانیال احمد کی دو بیٹیاں مزید ہو چکی تھیں۔بڑی کا نام سائرہ تھا اور چھوٹی کا نام مائرہ تھا۔ پھپھو کی مہربانی کی وجہ سے کبھی ان کے باپ نے ان سے پیار سے بات نہیں کی تھی۔البتہ وہ ماں کی محبت سے محروم نہیں رہی تھیں۔

دوسری طرف غزالہ کے ہاں حسیب کی پیدائش ہوئی تو کمال احمد بہت خوش ہوئے لیکن بیوی سے اپنا رویہ نہ بدل سکے۔ وہ پہلے کی طرح چھوٹی چھوٹی غلطی پر اسے ڈانٹ دیتے اور کبھی ایک دو تھپڑ بھی لگا دیتے۔ اور غزالہ اپنی قسمت پر رونے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔ قسمت بھی اس پر مہربان نہیں ہوئی۔ اوپر تلے چار بیٹیاں پیدا کر کے اس نے کمال کی نظروں میں اپنا مقام اور بھی کم کر لیا تھا۔ حریم سب سے چھوٹی تھی اور اس کی پیدائش پر تو کمال احمد نے غزالہ کو روئی کی طرح دھنک دیا۔ کچھ تو ان کی اپنی جہالت تھی اور کچھ بہن کے ہنگامے کی وجہ سے انہوں نے بیٹی کے ہونے کا غصہ بیوی پر نکال دیا اور اس طرح غزالہ کو حریم سے سخت نفرت ہونے لگی۔ نفرت تو دوسری بیٹیوں سے بھی تھی لیکن اس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ وہ سارا دن روتی رہتی لیکن ماں نے کبھی اسے سینے سے نہ لگایا۔ بڑی بہنوں نے ہی اس کی دیکھ بھال کی اور حسیب بھی اس سے کافی اٹیچ ہو گیا تھا۔ اسے ہر وقت اٹھائے رکھتا اور اس کی ہر ضد پوری کرتا۔ تبھی وہ کچھ ضدی ہو گئی تھی۔ کمال احمد کا الیکٹرونکس کا کاروبار تھا اور بہت اچھا چل رہا تھا۔ وہ کافی امیر تھے لیکن پھر بھی بیٹیوں پر کبھی پیسے خرچ کرنے کا نہ سوچا۔ انہیں پرائمری سے آگے تعلیم بھی نہ دلوائی۔ البتہ حسیب کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ جتنا چاہے پڑھ لے اور جتنا چاہے پیسے خرچ کر لے۔ حریم یہ جانتی تھی اس لیے پرائمری سے آگے پڑھنے کی بات بھائی سے کی اور اس نے پتہ نہیں کس طرح بابا کو منا لیا۔ اس طرح وہ آگے پڑھنے لگی۔ اور ضد کر کے بھائی سے گاڑی چلانا سیکھی۔ اس کا فون بھی ہتھیا لیا۔ یہ دو فیورز حسیب نے چوری چھپے اسے دیے تھے۔ ماما بابا کو اس بارے میں ذرا بھی نہیں پتہ تھا۔ وہ دونوں اپنی نفرت کی وجہ سے اس سے بہت دور ہو چکے تھے اس لیے کبھی اس پر دھیان ہی نہ دیا تھا کی وہ کیا کرتی ہے۔ اس کا دل تو بہت کرتا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھ کر ان سے باتیں کرے ان سے لاڈ اٹھوائے لیکن اس کی یہ حسرت ہی رہ گئی۔ وہ دونوں تو اسے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ان کے بے رخی دیکھ کر وہ بہت روتی تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ اس نفرت کی عادی ہو گئی اور خود کو پڑھائی میں گم کر لیا۔ دسویں کے بعد اسے مزید پڑھنے سے روک دیا گیا تو وہ بہت

روئی تھی۔وہ سائینس دان بننے کی خواہش کو پورا کرنے کیلیے بھائی کے سامنے بھی گڑ گڑائی تھی لیکن اب حسیب بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔اس لیے وہ چپ کر گئی اور غم بھلانے کے لیے فون میں لگ گئی۔اور دنیا جہان کے ڈرامے دیکھ ڈالے۔

جب وہ آٹھویں جماعت میں تھی تو اس کی کزن سائرہ کسی لڑکے سے محبت کرنے لگی۔اس نے ماں کو بھی اس لڑکے کے بارے میں بتایا لیکن انہوں نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ اس لڑکے سے اب کوئی تعلق نہ رکھے اور کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔رئیسہ پھپھو کو اگر یہ بات پتہ چلتی تو بہت ہنگامہ ہوتا تھا۔لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ ہنگامہ جلد ہی ہونے والا تھا۔سائرہ اس لڑکے کی جدائی برداشت نہ کر سکی اور اس کے ساتھ بھاگ کر شادی کر لی۔پیچھے سے اس کی ماں اور بہن کی سختی آگئی تھی۔دانیال احمد نے غصے میں آکر ان دونوں کو سخت تشدد کیا۔رئیسہ نے انہیں اتنی باتیں سنائیں کہ ان کا خودکشی کرنے کو دل کرنے لگا۔ایک مہینے بعد اسے اور اس کے شوہر کو پکڑ کر واپس لایا گیا۔دانیال احمد بیٹی کو قتل کرنے کے حق میں نہیں تھے البتہ اس کے شوہر کو قتل کرنا چاہتے تھے۔رئیسہ نے انہیں غیرت دلائی اور سائرہ کو مارنے پر اکسایا۔کمال احمد نے بھی بہن کا ساتھ دیا اور دانیال احمد نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹی کو قتل کر دیا۔اس کی موت پر مائرہ اور کبریٰ بہت روئی تھیں۔بے شک اس کے بھاگنے کی وجہ سے ان پر سختی آئی تھی لیکن وہ غزالہ کی طرح اپنی بیٹی سے نفرت نہ کر سکی تھی۔دانیال بھی بیٹی کے مرنے کے غم میں ٹوٹ گئے تھے لیکن کمال اور رئیسہ کا رویہ نارمل تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔حریم اپنے باپ کی سفاکیت جان چکی تھی اور اب جانتی تھی کہ اس کا حشر بھی سائرہ جیسا ہو گا۔اسی لیے وہ اب گھر واپس جانے سے ڈر رہی تھی۔

------------------------------

"ہائے.....آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟"

حدیقہ بیک گارڈن میں ایک کرسی پر بیٹھی کتاب میں غرق تھی جب اسے آواز آئی تو اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔زوہیب اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولا تھا۔

"میں اکیلے رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں "اس نے بمشکل اپنی ناگواری چھپائی۔لیکن زوہیب کو محسوس ہو چکی تھی۔

"ہاں یہ تو میں جان ہی چکا ہوں۔کب سے میں یہاں ہوں اور آپ نے ایک سلام تک نہیں کیا۔"

"ضروری نہیں سمجھا"وہ کہہ کر اپنی کتاب پر جھک گئی جبکہ زوہیب کو سبکی محسوس ہوئی۔اتنی لڑکیاں اس کے ارد گرد پروانوں کی طرح منڈلاتی تھیں اور یہ ہے کہ اسے گھاس بھی نہیں ڈال رہی۔

"لیکن میں آپ کا مہمان ہوں۔آپ کا فرض بنتا ہے کہ مجھے کمپنی دیں۔اور میری بوریت دور کریں"وہ خود کو پرسکون ظاہر کرتے ہوئے بولا لیکن اس کی بات سے حدیقہ کا سکون غارت ہو گیا۔

"میں آپ کو کوئی مسخرہ یا انٹرٹیز لگتی ہوں جو آپ کی بوریت دور کروں.....ہاں۔اور آپ میرے مہمان نہیں ہے۔اس لیے پلیز بوریت دور کرنے کے لیے اپنے میزبانوں سے رابطہ کریں۔"وہ غصے سے بولی اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔اور زوہیب وہاں بیٹھا ہکا بکا رہ گیا۔اسے ماما نے کہا تھا کہ وہ اس کی شادی پاکستان میں کسی ایسی لڑکی سے کریں گیں جو شادی سے پہلے منگیتر سے بھی بات کرنا گناہ سمجھتی ہیں۔اور یہاں آکر اس کی ماما کو پہلی نظر میں ہی حدیقہ اچھی لگی تھی۔اور وہ اپنی ماما کی چوائس کو داد دینے لگا تھا۔

---------------------------------

"یہ لڑکا کون ہے عمرینہ۔شادی پر تو نہیں دیکھا اسے "ساجدہ بیگم نے عمرینہ سے پوچھا۔اس وقت ارم اور اس کی بہن ساجدہ دونوں عمرینہ کی طرف چائے پر گپ شپ کرنے آئیں ہوئیں تھی۔ارم نے وہاب کے بارے میں سب کچھ ساجدہ کو بتا دیا تھا لیکن وہاب کو عمیر کے ساتھ لاؤنج سے گزرتے دیکھ کر دوبارہ پوچھ لیا۔تجسس تھا کہ عمرینہ اسے کیا بتاتی ہے۔

"میری دوست کا بیٹا ہے۔پہلے ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا پھر میری دوست کی ڈیتھ ہو گئی تو اس کے دادا اسے اپنے ساتھ لے گئے۔اب یہاں سٹڈیز کے لیے آیا ہوا ہے۔ماشاءاللہ سے بہت ہی فرمانبر دار اور سعادت مند بچہ ہے۔یونیورسٹی میں ہمیشہ ٹاپ کرتا ہے۔"عمرینہ نے جو سچ تھا وہ بتا دیا اور آخر میں اس کی تعریف کرنا نہیں بھولی تھی۔

"یہ آپ لوگوں کے ساتھ کیوں رہتے تھے۔ان کا کوئی اپنا گھر بار نہیں تھا کیا؟"ساجدہ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"گھر بار کیا.....سندھ کے کسی گاؤں کے جاگیر دار تھے اس کے دادا۔اور آپ تو جانتی ہیں نا ان بڑے لوگوں کی آپس میں کئی دشمنیاں ہوتی ہیں۔وہاب کے بابا حیدر علی کی دوست تھے اس لیے جب ان کی وفات ہوئی تو وہاب کے دادا نے جبین کو ہمارے پاس بھیج دیا۔"عمرینہ نے بتایا تو ساجدہ کے بہت متاثر ہوئی تھی جبکہ ارم سمجھ رہی تھی کہ عمرینہ جھوٹ بول رہی ہے۔اس کے خیال میں جبین گھر بھاگی ہوئی لڑکی تھی اور وہاب اس کے گناہ کا نتیجہ تھا۔اب اس کا جیسا ذہن تھا اس نے تو ویسا ہی سوچنا تھا۔

"لیکن وہ یہاں کسی ہاسٹل وغیرہ میں بھی تو رہ سکتا تھا نا۔دوبارہ یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"ارم نے پھر وہی راگ الاپنا شروع کر دیا۔

"وہ دو سال سے کراچی آیا ہوا تھا اور اس نے ہمیں نہیں بتایا تھا۔وہ جانتا تھا کہ ہم اسے اپنے ساتھ رہنے پر اصرار کریں گے۔اور وہ منع نہیں کر سکے گا لیکن وہ خود دار تھا۔اسی لیے ہمیں اپنے آنے کی خبر تک نہ دی۔وہ تو ایک دن عمیر نے اسے دیکھ لیا اور ضد کر کے گھر لے آیا۔پھر میں نے اسے جانے نہیں دیا۔جب یہ پیدا ہوا تھا تو سب سے پہلے میں نے اسے اٹھایا تھا۔اس کا نام میں نے رکھا تھا۔اس کی پرورش میں نے اپنے ہاتھوں سے کی تھی۔مجھے عمیر سے زیادہ یہ پیارا تھا۔جب اسکے دادا اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے تو میں بہت اداس ہو گئی تھی اور اس کے دوبارہ ملنے پر کیسے جانے دیتی اسے۔یوں سمجھ لیں کہ وہ میرا بیٹا ہے۔"عمرینہ کے انداز میں وہاب کے لیے اتنی اپنائیت

تھی کہ وہ دونوں لاجواب سی ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ آج وہ دونوں یہ سوچ کر آئیں تھیں کہ عمرینہ سے زوہیب اور حدیقہ کے رشتے کی بات کر کے جائیں گی۔ لیکن عمرینہ جس طرح وہاب کی تعریفوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہی تھی ساجدہ کو رشتے کا چانس زیرو ہی نظر آ رہا تھا۔ البتہ ارم ابھی بھی ساجدہ کو اشارے کر رہی تھی کہ وہ رشتے کی بات کرے لیکن ساجدہ سمجھدار تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ عمرینہ وہاب کو اپنا بیٹا کیوں کہہ رہی ہے۔ اس لیے بات کر کے بے عزتی ہی کروانی تھی سو چپ رہی۔

---------------------------------

"بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں تم دونوں کو۔ جلدی سے آؤ" درخشندہ بیگم کی ملازمہ ان کے کمرے میں آ کر اطلاع دے گئی تھی۔ آج انہیں یہاں تیسرا دن تھا اور بہت سکون سے گزر رہا تھا۔ انہیں فیس ٹریٹ منٹ کروانے، کھانا کھانے، سونے اور باتیں کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ ان تین دنوں میں حریم نے عانیہ سے اپنے بارے میں ڈھیروں باتیں کر ڈالی تھیں۔ اسے لگتا تھا کہ وہ شروع سے ایک دوسرے کو جانتی ہیں۔ یہاں سے نکلنے کی پلیننگ اور اس کے بعد کی پلیننگ کر رہی تھیں۔ البتہ عانیہ نے اسے اپنے بارے میں کچھ خاص نہیں بتایا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ وہ کم گو تھی اور اپنے بارے میں کم ہی کسی کو بتاتی تھی۔ اور دوسرا یہ کہ حریم بہت زیادہ باتونی تھی۔ ان تین دنوں میں اس کی باتیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں تھیں۔ اب بھی وہ اپنے سکول کا کوئی قصہ چھیڑے بیٹھی تھی جب درخشندہ بیگم کا بلاوہ آ گیا۔ حریم کے چہرے پر یکدم پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ عانیہ اسے تسلی دیتی درخشندہ بیگم کے کمرے کی طرف چل دی۔

"ہمم..... تو کیسے گزر رہے ہیں دن تم لوگوں کے۔ عیش کر رہی ہو؟" درخشندہ بیگم نے طنز اور غرور سے کہا۔

"جی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا" عانیہ نے چہرے پر عاجزی لا کر کہا۔

"ہم تمہاری طرف سے بھی اچھے سلوک کے منتظر ہیں۔"

"ہم انکار نہیں کریں گے" عانیہ بھی اسی انداز میں بولی تو درخشندہ بیگم غرور سے مسکرادی۔

"آج یہاں آئے ہوئے تم لوگوں کو تین دن ہو چکے ہیں۔ ہم نے تم لوگوں پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا۔ تم لوگوں کو ایک ہفتہ دیا تھا۔ اور پندرہ تاریخ کو ڈیڈلائن ختم ہو جائے گی۔ اس وقت تک تم لوگوں نے خود کو اس دھندے کے لیے بے شک تیار نہ کیا ہو لیکن تمہیں کرنا پڑے گا ورنہ دوسرا راستہ تم لوگ اچھی طرح جانتی ہو۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تمہیں کوئی گر سکھادوں جس سے مردوں کو قابو کیا جاسکے۔ آج سے تم دونوں ڈانس سیکھو گی۔" درخشندہ بیگم حکم دے کر ان دونوں کے چہروں کو بغور دیکھنے لگی۔ عانیہ کا چہرہ تو بے تاثر تھا لیکن حریم خوفزدہ ہو چکی تھی۔

"جیسا آپ کہیں.... آخر کار ہمیں کرنا تو وہی ہے جو آپ لوگ چاہیں گے۔"

"شاباش۔ یہ ہوئی نا بات۔ تم جیسی فرمانبردار لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اپنی بہن کو بھی سمجھا دینا اور آج سے ہی ڈانس پریکٹس شروع کر دو۔ میں فرح سے کہہ دیتی ہوں تم لوگوں کو ڈانس سکھائے۔ پندرہ تاریخ کی شام کو کچھ لوگ آئیں گے اور تم دونوں کو ان کے سامنے ناچنا ہے۔ اگر ان لوگوں کو تمہارا ڈانس پسند آگیا تو وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس لیے اس معاملے میں بہت احتیاط کرنا۔ اب جاؤ تم لوگ۔ دوپہر کے کھانے کے بعد فرح کے پاس پہنچ جانا۔" درخشندہ بیگم نے حکم دیا تو وہ وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

حریم کمرے میں آتے ہی غصے سے بڑبڑانے لگی۔

"اتنی ذلالت..... مردوں کے سامنے ناچنا پڑے گا اب ہمیں۔" سرہانہ اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ عانیہ ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"یمیں تو انہوں نے سچ مچ طوائف ہی سمجھ لیا ہے۔" سائیڈ ٹیبل پر پڑے شیشے کے گلاس کو اٹھا کر نیچے دے مارا اور وہ ٹوٹ گیا لیکن اس کا اشتعال ابھی بھی کم نہیں ہو رہا تھا

"۔بس اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا.... غصہ ضبط کرتے ہوئے میرے کانوں سے دھواں نکلنے لگ پڑا ہے۔" وہ چلتے چلتے رک کر کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میرا تو دل کر رہا ہے اس موٹی عورت کو بجلی کے کھمبے سے لگا دوں خود ہی ناچتی رہے وہاں۔" وہ غصے سے تلملاتی پھر چکر کاٹنے شروع ہو گئی۔ عانیہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی روک رہی تھی۔

"غضب خدا کا کوئی شرم لحاظ ہی نہیں رہ گیا۔ پیسوں کی خاطر انسان کتنا گر چکا ہے کہ انسانیت کی کوئی قدر ہی نہیں۔" وہ رک کر عانیہ کی طرف مڑی اور انگلی اٹھا کر بولی "میں آپ کو بتا رہی ہوں میں کوئی ڈانس وانس نہیں سیکھ رہی۔"

"اوہ..... میری پیاری بلی کو کچھ زیادہ ہی غصہ آتا ہے۔ کول ڈاؤن۔ میں ہوں نا تو پریشانی کیا ہے۔ ٹیمپر لوز مت کرو اپنا۔" عانیہ اس کی طرف بڑھی اور کندھوں سے تھام کر بولی۔

"لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو گا آپی۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"دیکھو اپنا مقصد پانے کے لیے مشکلات تو سہنی پڑتی ہیں نا۔ اور یہ تو اتنی چھوٹی سی مشکل ہے۔ ہمیں صرف ڈانس سیکھنا ہے۔ کرنا نہیں۔ اگر ہم یہاں رہیں گے تو ڈانس کریں گے نا۔"

"ٹھیک ہے سیکھ لیتی ہوں ڈانس بھی۔ لیکن میری ایک بات لکھ لیں میں لڑکوں کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ آپ کو پتہ ہے میرے بابا کبھی کسی شادی پر بھی ہمیں ڈانس کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن ہم پتہ کیا کرتے تھے ساری ینگ لڑکیاں ایک کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیتی تھیں اور گانے لگا کر ڈانس شروع کر دیتیں تھیں۔"

"اس کا مطلب تمہیں ڈانس تو آتا ہو گا پھر۔" عانیہ مشکوک لہجے میں بولی۔

"بس تھوڑا سا آتا ہے۔ وہاں تو صرف لڑکیاں ہی تھی نا۔ اس لیے میں بھی کر لیتی تھی۔" وہ کھسیا کر بولی تو عانیہ ہنس پڑی۔

---------------------------------

آج چودہ اگست کا دن تھا۔ سارے ملک میں جشن کا ساسماں تھا۔ ہر گھر سبز جھنڈیوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر جگہ ملی نغموں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ لوگوں نے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں تک جھنڈے لگا رکھے تھے۔ کئی جگہ جلوس اور ریلیاں نکالی گئیں تھی۔ لوگ یوم آزادی کسی عید کی طرح منا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سارا کراچی ساحل سمندر پر امڈ آیا ہو۔ عمیر اور وہاب نے بھی بیچ پر جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ عمرینہ نے حدیقہ کو بھی ساتھ جانے کا کہہ دیا تھا اور عنیقہ پیچھے کیسے رہ سکتی تھی۔ خاص کر وہاں جہاں وہاب ہو۔ اس لیے ماما کو بتائے بغیر ہی ان کی ساتھ آگئی تھی۔ ورنہ ارم کو جب یہ پتہ چلتا کہ وہاب بھی ساتھ ہے تو وہ اسے کبھی بھی نہ جانے دیتی۔

وہ لوگ ساحل سمندر کے ایک ایسے کنارے پر تھے جہاں رش ذرا کم تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا اور سورج کا سفر افق کی طرف رواں دواں تھا۔ آسمان پر سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا سمندر کی لہروں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں۔

وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ساتھ ریکٹس اور شٹل کاک بھی لے آئے تھے۔ اس وقت عمیر اور حدیقہ کے درمیان بیڈ منٹن کا مقابلہ عروج پر تھا۔

حدیقہ سفید رنگ کے کھلے پائنچوں والے ٹراوزر اور سبز رنگ کی سلیو لیس فراک میں ملبوس تھی جس کی اگلی سائیڈ گھٹنوں تک تھی اور پچھلی سائیڈ پاؤں تک آتی تھی۔ سفید رنگ کا ریشمی دوپٹہ گلے میں ڈالے سنہرے بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے اور ہلکا سا میک اپ کیے وہ وہاب کا دل تیزی سے دھڑکا گئی تھی۔ کتنے ہی پل وہ بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا تھا۔ پونی ٹیل میں سے کچھ بال نکل کر پیشانی پر بکھرے تھے جو ہوا کی وجہ سے بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آرہے تھے لیکن وہ پرواہ کیے بنا کھیلنے میں مصروف تھی۔ جبکہ وہاب کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہاتھ

بڑھا کر اس کے بالوں کو سمیٹ لے۔ جب وہ ہوا میں اچھلتی تو اس کے بالوں کے ساتھ ساتھ فراک بھی ہوا میں لہرا جاتی۔ لیکن وہاب کا دل اس لمحے ڈر جاتا کہ کہیں وہ گر ہی نہ جائے۔

عنیقہ اس کے پاس کھڑی اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچ رہی تھی۔ لیکن وہاب کا دھیان وہاں نہیں تھا۔ وہ کب سے وہاب کو حدیقہ پر نظریں جمائے دیکھ رہی تھی لیکن وہ ماننا ہی نہیں چاہ رہی تھی کہ وہاب حدیقہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر حدیقہ خوبصورت تھی تو وہ بھی تو کم نہیں تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"حدی" اس کے ہونٹ سرگوشی میں ہلے تھے لیکن اگلے ہی لمحے اسے ہوش آیا تو وہ چونک کر عنیقہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اب بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی یعنی کہ اس نے نہیں سنا تھا۔

"کھیل" وہ رکھائی سے بول کر چہرہ پھیر گیا۔ اسے عنیقہ کے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ پہلے وہ اس کی دل سے عزت کرتا تھا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ وہ اسے پوئٹری میسیجز کرتی ہے تو وہ اس کی نظروں سے گر گئی تھی۔ اسے عنیقہ پر کچھ زیادہ ہی غصہ آنے لگا تھا کہ وہ کون ہوتی ہے اس پر اس طرح سے حق جتانے والی۔ جس کا وہ تھا اس کو تو اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ عنیقہ نے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بھانپ لیے تھے اور اس کے دل میں کچھ چھن کر کے ٹوٹا تھا۔

"آج بہت اچھا موسم ہو رہا ہے۔ ہیں نا!" وہ اپنی بے عزتی بھلا کر خوشگوار لہجے میں بولی۔ وہاب جواب دیے بنا سامنے دیکھتا رہا۔

"ایک لمبا چکر نہ لگا کر آئیں بیچ پر؟" وہ بولی تو وہاب کو سخت غصہ آگیا۔

"لگا آتے ہیں لیکن ان دونوں کے ساتھ" وہ اس کی طرف مڑ کر سکون سے بولا۔عنیقہ تو جھنجھلا کر رہ گئی۔ جس سے وہاب کو اور سکون ملا۔وہ اور کچھ کہے بنا وہاں سے چل دیا اور عمیر کے پاس پہنچ گیا۔ عمیر کی توجہ وہاب کی طرف ہو گئی اور اس کی طرف آتی شٹل کاک نیچے گر گئی۔ حدیقہ نے خوشی سے تالی بجائی اور عمیر کا منہ بن گیا۔

"یہاں دو مجھے۔میں تمہیں سمجھاتا ہوں کیسے کھیلتے ہیں۔"وہاب نے عمیر سے ریکٹ مانگا۔

"مجھے کھیلنا تو آتا ہے۔حدیقہ کو میں نے ہی سکھایا تھا اور یہ اب مجھے بھی ہرا دیتی ہے۔"عمیر نے اسے ریکٹ پکڑاتے ہوئے کہا۔حدیقہ اور عنیقہ دونوں کا منہ بن گیا۔

"کھیل میں پیشن چاہیے ہوتا ہے....ہمیشہ جیتنے کا اور مدمقابل کو ہرانے کا...اور وہ اس میں ہے جبکہ تم میں نہیں"وہاب نے شٹل کاک کو ہوا میں اچھالا اور ریکٹ سے زور لگا کر اسے حدیقہ کی طرف پھینک دیا۔حدیقہ تھوڑا سا پیچھے ہٹی اور اچھل کر شٹل کاک کو ریکٹ سے ہٹ کیا۔عنیقہ تو جل بھن کر رہ گئی وہ سمجھ رہی تھی کہ حدیقہ وہاب کے ساتھ کھیلنے سے انکار کر دے گی لیکن وہاب نے آتے ہی اس کی تعریف کر دی تھی اس لیے کھیل سے پیچھے ہٹنا گوارا نہیں تھا۔

حدیقہ کے پاس ایک ٹرک تھا جس سے وہ مقابل کو ہمیشہ سے ہرا دیتی تھی۔وہ نشانہ لے کر سیدھا گلے کے منہ پر شٹل کاک مارتی تھی۔اب بھی وہاب کی منہ کا نشانہ لیا تھا لیکن سامنے بھی وہاب تھا۔جو یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ اسے حدیقہ کے دل کی ہر خبر ہے۔

تھوڑا سا سائیڈ پر ہو کر اس نے زور سے شٹل کاک کو ہٹ کیا تو حدیقہ اپنے ٹرک کے فیل ہونے پر پریشان ہو گئی۔لیکن ابھی پریشان ہونے کا وقت نہیں تھا شٹل کاک سیدھی اس کے منہ پر آ رہی تھی۔وہاب نے اس کی تکنیک اسی پر لوٹا دی تھی۔اس نے جلدی میں ریکٹ کو چہرے کے سامنے کر دیا اس طرح اس کا چہرہ تو بچ گیا لیکن شٹل کاک نیچے گر گئی۔پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر غصے سے وہاب کی طرف دیکھنے لگی جو فاتحانہ انداز میں اسے دیکھ رہا

تھا۔ عمیر نے خوشی سے نعرہ لگایا تھا۔عنیقہ کیلیے یہ اچھا موقع تھا۔وہ بھاگتی ہوئی سامان سے ریکٹ کا ایک جوڑا اور لے آئی اور عمیر کو پکڑاتے ہوئے بولی۔

"عمیر یہ پکڑو۔ ٹینز میں کھیلتے ہیں اب۔ تم حدیقہ کے پاس جاؤ اور میں وہاب کی ٹیم بنوں گی۔" وہاب اس کی چالاکی پر تلملا کر رہ گیا لیکن عمیر کے سامنے کچھ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ عنیقہ ریکٹ پکڑے وہاب کی طرف آگئ اور عمیر حدیقہ کی طرف چلا گیا۔ عمیر نے شٹل کاک کو وہاب کی طرف اچھال کر کھیل کا آغاز کیا۔عنیقہ کو تو یہ کھیل آتا ہی نہیں تھا اس نے وہاب کو ہی کھیلنے دیا۔وہاب نے جان بوجھ کر شٹل کاک حدیقہ کی طرف پھینکا تھا جسے اس نے بڑی مہارت سے اچھل کر ہٹ کیا تھا۔ کھیل شروع ہو گیا جو صرف اور صرف وہاب اور حدیقہ کے درمیان جاری تھا۔عنیقہ تو چپ کر کے ایک طرف کھڑی ہو کر تلملانے لگی تھی جبکہ دوسری جانب سے عمیر کوشش کے باوجود شٹل کاک کو ہٹ نہیں کر پا رہا تھا۔وہاب شٹل کاک کو چھینک ہی حدیقہ کی طرف رہا تھا۔جب تک عمیر شٹل کاک تک پہنچتا حدیقہ اسے ہٹ کر چکی ہوتی۔ آخر کار وہ بھی ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

وہاب اور حدیقہ کے درمیان مقابلہ ابھی بھی جاری تھا۔دونوں پسینے میں شرابور ہو چکے تھے لیکن کھیل رہے تھے۔اچانک تیز ہوا آئی اور شٹل کاک اڑ کر سمندر میں جا گری۔وہاب چاہتا تو بڑی آسانی سے اسے ہٹ کر سکتا تھا لیکن اس نے یہ تاثر دیا کہ بڑی کوشش کے باوجود بھی وہ شٹل کاک کو ہٹ نہیں کر پایا۔اس وقت حدیقہ کے چہرے پر خوشی دیکھنے والی تھی۔وہاب اس کے خوش ہونے پر مسکرا دیا۔

"چلو یار اب بس کرو۔کچھ کھا لیتے ہیں۔" عمیر نے کہا تو سب ایک جگہ آ کر بیٹھ گئے جہاں ان کا کھانے پینے کا سامان پڑا تھا۔حدیقہ کا سانس کھیلنے کی وجہ سے اکھڑ رہا تھا۔وہاب نے آتے ہی پانی کی بوتل کھول کر اس کی طرف بڑھائی تھی جسے عمیر نے تو نہیں البتہ عنیقہ نے ضرور محسوس کیا تھا۔حدیقہ نے ہانپتے ہوئے بوتل پکڑ لی اور پینے لگی۔

"ویسے تم دونوں کا کھیل زبردست رہا۔ دونوں برابر کی ٹکر کے تھے۔ ہے نا عنیقہ. "عمیر نے عنیقہ سے تائید چاہی تو اس نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر عمیر نے نان سٹاپ باتیں شروع کر دیں جس میں حدیقہ بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔ وہاب کی نگاہ بار بار بھٹک کر حدیقہ کے چہرے کا طواف کرنے لگتی۔ جبکہ عنیقہ کو یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"آؤ حدیقہ سمندر کے کنارے ایک چکر لگا آئیں۔ "اس نے کسی بھی طرح حدیقہ کو یہاں سے ہٹانا تھا۔ سو اس کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی تیزی سے اسے پکڑ کر اٹھالیا اور سمندر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ساحل کے کنارے پر چلنے لگیں جہاں سمندر کی لہریں ان کے پیروں کو چھو کر بھگو جاتیں۔ حدیقہ نے ٹراؤزر کے کونوں کو پکڑ کر اونچا کر لیا تھا تاکہ بھیگ نہ جائیں۔ پاس ہی دو تین بچے کھیل رہے تھے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں بالٹی تھی۔ وہ اس بالٹی میں پانی بھر بھر کو دوسرے بچوں پر پھینکتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ عنیقہ نے آگے بڑھ کر اس سے بالٹی لی اور جھک کر اسے پانی سے بھرتے ہوئے حدیقہ پر پھینک دیا۔ حدیقہ کے سمجھ آنے تک وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ عنیقہ پاس کھڑی ہنس رہی تھی اور اس کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے عنیقہ سے بالٹی پکڑ کر پانی بھرنے کے لیے جھکی ہی تھی کہ عنیقہ وہاں سے بھاگ گئی۔ وہ پانی سے بھری بالٹی کو اٹھائے بمشکل چلتی عنیقہ کے پیچھے آئی اور زور سے اس پر پانی اچھال دیا لیکن یہ کیا؟.... سامنے تو وہاب چہرے کے سامنے بازو کیے کھڑا تھا۔ اسے پل بھر میں سمجھ آگئی تھی کہ عنیقہ جان بوجھ کر وہاب کے پیچھے چھپ گئی ہے۔ اس نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ وہاب نے چہرے سے بازو ہٹا کر دیکھا تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ برسات کی موسم میں کسی بھیگی ہوئی کلی کی طرح لگ رہی تھی۔ گیلے کپڑے اس کے جسم کے حسن کو اور زیادہ دلکش بنا رہے تھے۔

"اف..... حدیقہ تم اپنی حرکتوں سے کب باز آؤ گی۔ ماما نے منع بھی کیا تھا کہ پانی میں نہیں بھیگنا لیکن تم نے پھر وہی کیا اور وہاب کو بھی گیلا کر دیا۔ تم ذرا گھر چلو آج ماما کو بتاتا ہوں تمہارا میں۔ "عمیر کی کڑوی کسیلی باتوں پر اس

نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور ایک نظر وہاب کو دیکھا۔کالی پینٹ اور سفید کالر والی بھیگی شرٹ میں وہ وجاہت کا شاہکار معلوم ہو رہا تھا۔حدیقہ نے جلدی سے نظریں چرا لیں تھیں۔

"ارے یار کچھ نہیں ہوتا۔بچی ہے۔غصہ مت کرو تم۔اسے گاڑی میں لے جاؤ ورنہ ٹھنڈ لگنے سے بیمار پڑ جائے گی۔"وہاب نے عمیر کو کہا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کی بھی نظر اس کے جسم پر پڑے جو گیلے پن کی وجہ سے نمایاں ہو رہا تھا۔حدیقہ تو پہلے ہی عمیر کی دھمکی کی وجہ سے ڈر گئی تھی اب وہ احتجاج بھی نہ کر سکی اور عمیر اسے لے کر گاڑی کی طرف آ گیا۔عمیر نے عنیقہ سے بھی اس کے پاس جانے کہہ دیا اور وہ بادل ناخواستہ سی اپنی عقل کو کوستی حدیقہ کے پاس آ گئی۔

"اتنے سے پانی پڑنے پر بیمار ہو جائے گی۔ہونہہ۔سارا مزا کرکرا کر کے رکھ دیا۔اتنی مشکل سے موقع ملا تھا اور ابھی تو میں نے انجوائے کرنا تھا۔تمہاری وجہ سے یہاں بیٹھنا پڑ رہا ہے۔"عنیقہ غصے سے بڑبڑاتی گاڑی میں اس کے پاس آ بیٹھی۔

"ایکسکیوز می یہ تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے۔مجھے کیوں ڈانٹ رہی ہو۔" حدیقہ نے تعجب سے پوچھا۔

"میری نہیں تمہاری وجہ سے ہی ہوتا ہے سب کچھ۔"

"لو دیکھو ذرا۔غلطی بھی اپنی اور ڈانٹ بھی مجھے رہی ہے۔تم نے پہلے مجھ پر پانی پھینکا پھر جب میں نے تم پر پانی پھینکا تو تم وہاب کے پیچھے چھپ گئی۔اب دیکھنا گھر جا کر عمیر بھائی میری شکایت لگائیں گے۔اور مجھے ماما سے ڈبل ڈانٹ پڑے گی۔ایک تو خود بھی بھیگ گئی اور دوسرا وہاب کو بھی گیلا کر دیا۔تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا تم پھر کیوں غصے ہو رہی ہو۔"

(سب سے زیادہ نقصان میرا ہی تو ہوا ہے۔)اسے وہ لمحہ یاد آیا جب وہاب حدیقہ کے بھیگے وجود کو دیکھ رہا تھا۔اس سے تو اچھا تھا وہ خود بھیگ جاتی۔

"اب پتہ نہیں وہ کہاں رہ گئے ہیں۔ گھر نہیں چلنا کیا۔ یہاں بیٹھ بیٹھ کر تو میں بور ہو جاؤں گی" عنیقہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے یار تھوڑی دیر صبر کر لو۔ میرے کپڑے سوکھ جائیں تو پھر گھر چلیں گے۔ ہو سکتا ہے ماما کی ڈانٹ سے بچ جاؤں۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی تو عنیقہ ناگواری سے چہرہ پھیر گئی۔ حدیقہ کے لیے یہ حیرانی کی بات نہیں تھی کیونکہ وہ زیادہ تر اس سے الجھی ہی رہتی تھی۔ جب کوئی کام ہوتا تو تب ہی سیدھے منہ بات کرتی تھی۔ یا جب پیٹ میں باتیں بھر جاتیں تو حدیقہ کے کان کھانے اس کے پاس آجاتی۔ لیکن اب کوئی بات بھی نہیں تھی کرنے کو۔ حدیقہ کو سمجھ آچکا تھا کہ عنیقہ کو اس کے ساتھ یہاں بیٹھنا بہت برا لگ رہا ہے تبھی ایسے بی ہیو کر رہی ہے۔ لیکن اسے بھی کہاں پرواہ تھی۔

---

عانیہ اور حریم کو آج یہاں ہفتہ ہو چکا تھا اور ان کو دی گئی ڈیڈ لائن بھی ختم ہو چکی تھی۔ ان دنوں میں حریم اور عانیہ کو مختلف گانوں پر ڈانس سکھایا گیا تھا۔ وہ دونوں بادل ناخواستہ ڈانس سیکھ رہی تھیں صرف اور صرف اس امید پر کہ ان کا پلان کامیاب ہو جائے۔ درخشندہ بیگم نے انہیں بتا دیا تھا کہ آج رات سات بجے انہیں ان کے خریداروں کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔ اس لیے وہ اچھے سے تیار ہو جائیں۔ اور مینا کے گھر پہنچنے کا ٹائم بھی سات بجے کا تھا۔ یہ عجیب سا اتفاق تھا۔ یہ جان کر حریم کے چہرے پر تو مایوسی کے سائے لہرانے لگے۔ عانیہ نے اسے کئی بار تسلی دی لیکن وہ رو پڑتی عانیہ اسے کمرے میں لے جا کر اچھی طرح سمجھایا اور ہاتھ جوڑ کر منت کر ڈالی کہ وہ کسی کے سامنے روئے نہ۔ اب شام کے چھ بج چکے تھے۔ عانیہ اور حریم دونوں بیوٹی پارلر نما ڈریسنگ روم میں شیشے کے سامنے بیٹھیں تھیں۔ دو بیوٹیشنز ان کا میک اپ کرنے میں مصروف تھیں۔ انہیں دلہنوں کی طرح تیار کیا جا رہا تھا۔ عانیہ نے اس وقت سلکی سلیولیس اور پاؤں تک آتی میکسی زیب تن کی ہوئی تھی۔ جس کا انر سادہ اور گولڈن رنگ کا

تھا۔ جبکہ اس کی اوپر والی تہ براؤن رنگ کی نیٹ ایمبرائیڈڈ سے بنی تھی جس پر گولڈن رنگ کی کڑھائی اور نگینوں سے بھاری کام کیا گیا تھا۔ براؤن بال جو اوپر سے سیدھے، درمیان سے ہلکے سے ویوی، اور اینڈ سے بالکل رول کی طرح کرل تھے ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر دونوں اطراف سے ٹِوسٹ بناتے ہوئے پیچھے پنوں سے سیٹ کیے گئے تھے۔ اور نیچے سے کھلے رکھے گئے تھے جو اس کی کمر پر خوبصورتی سے پڑے ہوئے تھے۔ بھوری آنکھوں پر براؤن کلر کے آئی شیڈز خوب جچ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہونٹوں پر بھی براؤن لپسٹک لگائی گئی تھی۔ گلے ہاتھوں اور کانوں میں گولڈن جیولری تھی جس پر جا بجا ہیرے اور موتی جڑے تھے۔ وہ آج اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ کسی کی نظر نہیں ہٹ رہی تھی۔ اسے اتنے بھاری ڈریس اور جیولری میں الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن پلان کے مطابق چپ رہنا تھا۔ اور حریم کا تو جیسے بس نہیں چل رہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر وہ کہیں دور بھاگ جائے۔ اس نے بے بی پنک کلر کی ریشم سے بنی سلیو لیس میکسی پہنی ہوئی تھی جس کے ٹاپ پر نگینوں سے بھاری کام کیا گیا تھا جبکہ نیچے سے سادہ رکھا گیا تھا۔ اس کے بال زیادہ لمبے تھے اسی لیے آگے سے خوبصورت سا پف نکال کر پیچھے سے اونچا جوڑا کر دیا گیا تھا۔ بلی کی طرح کی گرے رنگ کی پرکشش آنکھوں پر گلابی آئی شیڈز اور ہونٹوں پر بھی گلابی رنگ کا لپ لوز لگایا گیا تھا۔ اس کا چہرہ بہت معصوم لگتا تھا تو بیوٹیشن نے یہی رنگ منتخب کیا تھا۔ دونوں اس وقت چاند سے اتری ہوئی پریاں لگ رہی تھیں۔ درخشندہ بیگم کئی بار آکر ان کی بلائیں لے چکی تھی اسے تو ان کی جگہ پیسے ہی نظر آ رہے تھے۔ باقی لڑکیاں بھی آکر انہیں دیکھ کر ان کی خوبصورتی کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ عانیہ تو چہرے پر مسکراہٹ سجا کر ان سے تعریفیں وصول کر رہی تھی لیکن حریم نے تو بمشکل آنسو اپنی آنکھوں میں روکے ہوئے تھے وہ کیا مسکراتی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا حریم کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے۔ لیکن عانیہ کو اللہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ انہیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ کہ مینا وقت پر آجائے اور اس کا پلان کامیاب ہو جائے۔

بیوٹیشنز اب ان کے میک اپ کو فائنل ٹچ دے رہیں تھی۔ ساتھ بجنے میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔ حریم اور عانیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ حریم کی آنکھوں میں بے بسی تھی اور عانیہ کی آنکھوں میں امید کے جگنو ٹمٹمار ہے تھے۔

"تیار ہو گئی ہیں لڑکیاں؟" درخشندہ بیگم نے اندر آتے ہی مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس کی خوشی آج چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ اور اس کی مسکراہٹ حریم کو زہر لگ رہی تھی۔

"جی دونوں تیار ہو گئی ہیں۔" ایک بیوٹیشن نے کہا۔

"چلو تم لوگ آؤ میرے ساتھ۔ سات بجے کچھ لوگ آئیں گے۔ تم لوگوں نے ان کے ساتھ جانے سے پہلے ان کے سامنے ناچنا ہے۔ ذرا مجھے ایک دفعہ ناچ کر دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں ان لڑکیوں نے تم لوگوں کو کتنا سکھایا ہے۔" وہ نخوت سے کہتی مڑی اور حریم کا منہ بن گیا۔ عانیہ نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ حریم آنسو روکتی جلدی سے بھاگتی ہوئی عانیہ کے پیچھے آئی۔ درخشندہ بیگم انہیں ہال نما کمرے میں لے آئی جہاں صوفے لگے تھے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور انہیں ڈانس کرنے کا حکم دیا۔ وہاں ایک ڈی جے کے علاوہ دو ملازم بھی کھڑے تھے۔ حریم نے بے چارگی سے عانیہ کو دیکھا۔ ڈی جے نے 'میں تینو سمجھاواں کی' گانا لگا دیا۔ جس کے ساتھ عانیہ ڈانس کرنے شروع ہو گئی۔ حریم بھی ہچکچاتے ہوئے ڈانس کرنے لگی۔ دونوں نے آنکھیں بند کر رکھیں تھیں جیسے وہ اس وقت کڑوا گھونٹ پی رہیں تھیں۔ درخشندہ بیگم تو ان کے صدقے واری جا رہی تھی۔ ابھی انہیں پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ درخشندہ بیگم کا سیل فون بجا۔ فون پر مینا کی کال تھی جو ایئرپورٹ پر لینڈ کر چکی تھی اور پورے سات بجے وہاں پہنچنے والی تھی۔ دو سیکیورٹی گارڈز اور ڈرائیور اسے وہیں مل گئے تھے۔ درخشندہ بیگم نے خیر خیریت پوچھ کر جلدی آنے کی تاکید کی فون بند کر دیا۔ اب یہ قسمت کی بات تھی کہ عانیہ مینا تک پہنچ پاتی تھی یا نہیں۔ وہ اب بھی مایوس نہیں تھی کیونکہ اسے تقدیر سے زیادہ تدبیر پر بھروسہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد درخشندہ بیگم نے انہیں بیٹھنے کا حکم دے دی اور وہ آکر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ حریم نے عانیہ کا

ہاتھ پکڑ لیا تھا۔اس کے ہاتھ بہت ٹھنڈے ہو رہے تھے۔عانیہ نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ اسے نچلا لب دانتوں میں دبائے کنفیوژڈ سی نظر آئی۔

عانیہ مسکرا دی۔

"ڈرنے کی بجائے اللہ سے دعا کرو"عانیہ کے کہنے پر وہ دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگی۔درخشندہ بیگم اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں اور جانے سے پہلے انہیں یہیں بیٹھے رہنے کا حکم دیا کیونکہ وہ ان لوگوں کو یہیں لانے والی تھی۔اس کے جاتے ہی عانیہ اٹھی اور حریم بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب کیا ہو گا۔ہم کیسے مینا تک پہنچیں گے؟"

"میرے ساتھ آؤ؟"عانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کمرے کے دروازے تک آئی۔سامنے ہی اسے لاؤنج دکھائی دیا جہاں درخشندہ بیگم ایک صوفے پر بیٹھیں ان کی طرف پشت کیے ہوئے تھی۔اور بہت سی لڑکیاں اور ملازم وہاں موجود تھے۔وہ تیزی سے دروازے کے اندر ہو گئی۔

"حریم میری بات غور سے سنو۔میرے خیال میں وہ مینا کا استقبال کرنے کی بجائے اپنے گاہکوں کا استقبال کرے گی۔ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا ورنہ ہم مینا تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پر ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے۔باہر جانے والے راستے میں تو وہ موٹی عورت بیٹھی ہے۔اور جگہ جگہ اس کے ملازم پھر رہے ہیں۔"

"تمہیں کسی جگہ چھپنا ہو گا۔جب تک میں کوئی بندوبست نہ کر لوں۔"

"کہاں چھپوں؟"

"میرے ساتھ آؤ"عانیہ کہہ کر واپس ہال میں مڑی اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو گلاس ونڈو تھی۔جس کے پار گیلری تھی۔لیکن باہر ایک اسلحہ بردار آدمی پہرہ دے رہا تھا۔عانیہ نے احتیاط سے اس کو ان لاک کیا اور بنا کوئی

آواز پیدا کیے سلائیڈ کر کے کھولا۔وہ حریم کو وہیں چھوڑ کر کھڑکی سے کودی تو وہ آدمی چونک کر مڑا۔اس کے کچھ سمجھنے تک عانیہ کا ایک مکا اس کے ناک پر اور دوسرا ہاتھ اکڑا کر اس کی گردن پر دے مارا۔وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ڈیڈ نے اسے جلد بے ہوش کرنے کا طریقہ سکھایا تھا جو آج اس کے کام آ گیا تھا۔وہ واپس کھڑکی کی طرف مڑی جہاں اندر کی طرف حریم کھڑی تھی۔اس نے ٹائم دیکھا تو سات بجنے میں دس منٹ رہتے تھے۔اس نے جلدی سے حریم کو سہارا دے کر باہر نکالا اور ارد گرد دیکھا تو پاس ہی اسے درخت نظر آیا۔وہ درخت لان کے شروع میں تھا۔حریم کو لے کر وہ وہاں پہنچی اور درخت کے پیچھے ہو گئی۔

"حریم درخت پر چڑھ جاؤ گی۔"

"ہا....ہاں" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔یہ اس کی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ تھا اور اس کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔عانیہ نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"تم یہ کر سکتی ہو۔اگر نیچے رہی تو وہ تمہیں ڈھونڈ لیں گے۔"

"میں چڑھ جاؤں گی۔" حریم نے پر جوش لہجے میں کہا تو عانیہ نے اسے سہارا دے کر تھوڑا اوپر کیا اور وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ درخت کے تنے پر پاؤں جماتی اوپر چڑھنے لگی اور تھوڑی دیر کوشش کے بعد وہ اوپر چڑھ کر ایک موٹی سی ٹہنی پر بیٹھ گئی۔

" صحیح سے بیٹھ گئی ہو۔گرو گی تو نہیں۔" عانیہ نے نیچے سے پوچھا۔

"نہیں۔آپ جائیں اب۔ٹائم کم ہے۔"

"اچھا ہلنا مت اوکے" عانیہ نے کہا اور وہاں سے بھاگ کر اس آدمی کے پاس آئی جو بے ہوش ہو کر گرا پڑا تھا۔اسے گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔پھر کھڑکی سے اندر کود کر اسے بند کیا اور پردہ آگے کر دیا۔اب صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔وہ جلدی سے ہال سے نکلی تو لاؤنج کے دروازے پر درخشاں بیگم دو

آدمیوں کو لے کر داخل ہو رہی تھی۔وہ انکی طرف متوجہ تھی۔عانیہ جلدی سے سامنے ہی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے ٹیرس پر آگئی۔اسے ایک گاڑی گیٹ میں داخل ہوتی دکھائی دی۔جو ڈرائیو وے سے ہوتے ہوئے پورچ میں آرکی۔عانیہ دم سادھے اس گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔گاڑی کا دروازہ ایک ملازم نے کھولا تو ایک لڑکی کا پاؤں باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔وہ سینے میں اٹکی سانس خارج کرتے ہوئے مسکرائی۔اور ریلنگ کے پاس آکر اسے تھام کر کھڑی ہو گئی۔

حریم درخت سے اسے وہاں دیکھ چکی تھی۔اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ کوئی اس کے کان کے قریب ڈھول بجا رہا ہے۔

ادھر درخشندہ بیگم نے کمرہ خالی دیکھ کر سب ملازمین کو انہیں تلاش کرنے کے لیے دوڑا دیا تھا۔

مینا اور اس کے ارد گرد دو سیکیورٹی گارڈز چلتے ہوئے اندر کی طرف آرہے تھے۔عانیہ کو اپنے پیچھے قدموں کی آواز آئی تو وہ چونک کر مڑی۔

"وہ وہاں ہے لڑکی جلدی سے پکڑو اسے" دو آدمی ابھی سیڑھیوں کے پاس ہی کھڑے تھے۔ایک آدمی نے چلا کر کہا تھا۔عانیہ نے نیچے دیکھا تو مینا قریب ہی پہنچ آئی تھی۔وہ ریلنگ پر چڑھ گئی اور ایک دفعہ پھر پیچھے دیکھا تو وہ آدمی بالکل اس کے قریب پہنچ کر اسے پکڑنے ہی والا تھا۔اگر وہ یہاں ان کے ساتھ لڑتی تو مینا نیچے سے گزر جاتی اسی لیے اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔دونوں آدمی ایک دم سے تھوڑا سا آگے ہو کر رک گئے تھے اور حریم کا دل بھی اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔نیچے گرتے ہوئے عانیہ کا دائیاں پاؤں ایک سیکیورٹی گارڈ کے بائیں کندھے پر پڑا تھا اور وہ اسے ساتھ لیتے ہوئے زمین پر گر پڑی۔اس کے دائیں پاؤں کی موچ نکل گئی تھی لیکن اس آدمی کے اوپر گرنے کی وجہ سے کافی بچت ہو گئی تھی۔نیچے پڑے آدمی کو سخت چوٹیں آئیں تھیں۔عانیہ اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر

اس سے بندوق چھین کر اٹھ کر کھڑی ہوئی اور مینا کی کنپٹی پر بندوق تان لی۔ان سب پر یہ افتاد اتنی اچانک آئی تھی کہ بوکھلاہٹ کے سبب وہ سنبھل نہ سکے۔جس آدمی پر عانیہ گری تھی وہ تو دوبارہ اٹھ بھی نہ سکا تھا۔جبکہ دوسرے آدمی کے سنبھلنے تک وہ مینا پر بندوق تان چکی تھی مینا اور اس کا سیکیورٹی گارڈ وہیں ساکت سے کھڑے رہ گئے تھے۔خوف کے مارے مینا تھر تھر کانپنے لگی اور آنکھیں بند کر لیں۔

"اگر ذرا سے بھی ہلے تو اسے جان سے مار دوں گی" عانیہ نے سخت لہجے میں کہا۔ہال کے دروازے کے اندر کی جانب کھڑے ایک ملازم نے دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگا اور جا کر درخشندہ بیگم کو ہانپتے ہوئے سب بتایا تو وہ ہولتے دل کے ساتھ باہر کو بھاگی۔سب لڑکیاں اور ملازم بھی ان کے پیچھے بھاگے اور باہر کا منظر دیکھ کر سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔حریم بھی سب دیکھ چکی تھی اور درخت سے نیچے اتر کر زمین پر زور سے گری۔درد کی پرواہ کیے بنا تیزی سے عانیہ کے پاس آکر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی تاکہ کوئی اسے ہی پکڑ کر یرغمال نہ بنا لے اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔

"وہیں رک جاؤ سب اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو اس کی تڑپتی لاش دیکھو گے" عانیہ نے رعب سے کہا۔

"نن.....نہیں۔اسے کچھ مت کہنا" درخشندہ بیگم خوف سے ہکلاتے ہوئے بولی۔مینا اس کے لیے کروڑوں کی مالیت کی تھی۔اسے اس وقت بھی بیٹی کی جان سے عزیز پیسے ہی تھے۔

"یہ اس وقت تک سلامت رہے گی جب تک تم لوگ کوئی ہوشیاری نہ کرو۔ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔اور اس وقت تک تمہاری بیٹی کو یرغمال بنا کر رکھیں گیں جب تک ہم سیف زون میں پہنچ نہیں جاتے۔"

"تم اسے چھوڑ دو۔میں وعدہ کرتی ہوں تمہیں یہاں سے جانے دوں گی۔لیکن اسے مت لے کر جاؤ۔" درخشندہ بیگم بے بسی سے بولی۔

"تمہارے وعدے پر یقین ہوتا تو یہی سب کرنا پڑتا۔"

"لیکن...."

"ماں مجھے بچالو پلیز جیسا یہ کہتی ہے ویسا کرو۔ مجھے نہیں مرنا" مینا خوف کے باعث روتے ہوئے بولی۔ درخشندہ بیگم کی لاکھوں کی جمع پونجی ایک دم سے یوں ختم ہو جاتی اسے یہ کیسے گوارہ تھا۔ اگر مینا کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی پھر بھی وہ کچھ کر لیتی۔ لیکن مسلہ یہ تھا کہ مینا ان سب سے مہنگی تھی۔ سو خاموشی سے سر جھکا دیا۔

"گاڑی کی چابی کہاں ہے؟" عانیہ نے مینا سے پوچھا۔

"وہ.....وہ ڈرائیور کے پاس ہے۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ڈرائیور کہاں ہے۔ چابی دو" عانیہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا ایک آدمی نے آگے بڑھ کر چابی عانیہ کو پکڑا دی اور عانیہ نے حریم کو پکڑا دی۔ حریم مینا کی گاڑی کو دیکھ چکی تھی سو چابی ملتے ہی وہ اس کی گاڑی کی طرف بڑھی۔ وہ تو شکر تھا کہ بھلے وقتوں میں اس نے بھائی سے گاڑی چلانا سیکھ لیا تھا ورنہ یہ کام بھی عانیہ کو کرنا پڑتا اور ایسے میں وہ لوگ عانیہ کی بے خبری کا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

"موبائل پاس ہی ہے؟" عانیہ نے پھر مینا کو دیکھ کر پوچھا۔

"جی....اس میں ہے۔" مینا نے ہاتھ میں پکڑے ایک خوبصورت سے کلچ کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو ہمارے ساتھ۔ جب ہم تمہیں گاڑی سے اتار دیں گھر والوں کو فون کر کے بلا لینا" عانیہ بول کر درخشندہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اور ہاں میں تم لوگوں کو پھر سے کہہ رہی ہوں کہ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ اگر میں نے اپنے پیچھے کسی گاڑی کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو انجام کے لیے تیار رہنا۔ جب تمہاری بیٹی تمہیں خود فون کر کے بلائے تو اسی وقت آنا۔" وہ سختی سے کہتی مینا کے سر پر بندوق تانے مڑی اور ڈرائیو وے کی جانب چل دی جہاں حریم نے گاڑی سٹارٹ کر کے پورچ سے نکال لی تھی۔ عانیہ نے پچھلا دروازہ کھول کر اسے اندر بیٹھنے کو کہا اور وہاں کھڑے

چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا تو اس نے بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔عانیہ نے مینا کو وہیں سے دوسری سیٹ پر جانے کا کہا۔اور خود اس کی سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے حریم کو گاڑی چلانے کا کہا۔درخشندہ بیگم تو وہیں گر گئی۔سب لڑکیاں جو دم سادھے گیٹ سے نکلتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی چونک کر بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا اور بھاگ کر اس کے پاس آکر انہیں اٹھانے لگیں۔

"میری بچی۔میری ساری زندگی کی کمائی.....میری ساری جمع پونجی....اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی۔"وہ ہزیانی انداز میں بولی تو سب لڑکیوں نے اسے تاسف کی نگاہ سے دیکھا۔سب نے اسے تسلی دی اور اٹھا کر اندر لے گئیں۔ہر طرف چہم گویاں شروع ہو گئیں۔یہ سب ان کے لیے بہت حیران کن تھا کہ ایک لڑکی درخشندہ بیگم کو بے بس کر کے یہاں سے نکل گئی ہے۔جو کہتی تھی کہ یہاں سے اگر کوئی لڑکی نکلے گی تو مر کے ہی نکلے گی۔آج رات اس واقعے پر کافی تبصرہ ہونا تھا۔جن دو آدمیوں کو آج بلایا تھا ان کے لیے دو اور لڑکیوں کو منتخب کیا گیا۔انہیں اس واقعے کی خبر نہیں ہوئی تھی کیونکہ درخشندہ بیگم نے انہیں شراب پینے کے لیے دے دی تھی اور وہ اس وقت نشے میں دھت پڑے تھے۔

---------------------------------

حریم کو آج اتنی خوشی اور ایکسائٹمنٹ ہو رہی تھی کہ بیان سے باہر تھی۔اس کا دل کر رہا تھا ہنسنے کے ساتھ روئے بھی۔لیکن اس وقت بھی ابھی خطرہ ٹلا نہیں تھا اس لیے فل سپیڈ سے گاڑی چلا رہی تھی۔عانیہ نے وہاں سے نکلتے ہی بندوق نیچے کر لی تھی اور آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا چکی تھی۔لیکن مینا کی ابھی بھی ملنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔حریم نے بیک ویو مرر سے عانیہ کو اس طرح آنکھیں بند کیے ٹینشن فری دیکھا تو مسکرا دی۔

دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد انہیں نیا علاقہ نظر آگیا تھا جو کافی گنجان آباد تھا۔

"یہیں روک دو گاڑی"عانیہ نے حریم سے کہا تو اس نے گاڑی روک دی۔

"اب تم جاسکتی ہو۔ لیکن گاڑی نہیں لے جاسکتی۔ یہ کرتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا لیکن کیا کریں مجبوری ہے۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے۔"

"کوئی بات نہیں آپ لے جائیں۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"اور سوری کہ تمہیں اتنا ڈرا دیا۔ میرا ارادہ تمہیں مارنے کا قطعی نہیں تھا۔ ہم وہاں سے نکلنا چاہتے تھے اسی لیے ایسا کیا۔"

"آپ کو سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں بالکل بھی نہیں ڈری۔ انفیکٹ مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے مجھے اس جہنم سے آزاد کروا دیا" مینا نے اطمینان سے کہہ کر انہیں حیرت میں ڈال دیا۔

"مطلب؟" عانیہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بولی۔

"مطلب یہ کہ میں وہاں نہیں جا رہی۔ میری ماں مجھ سے زبردستی وہ سب کرواتی رہی اور اگر میں ماننے سے انکار کرتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے مجھے مارتی تھی۔ میری چیخیں اس پر کوئی اثر نہیں کرتیں تھیں۔ اسے میری کوئی پرواہ نہیں اسے تو بس پیسے سے پیار ہے۔ مجھے بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اپنی ماں سے شدید نفرت کرتی ہوں۔" مینا کے آنسو بہنے لگے۔ حریم اور عانیہ نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر عانیہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔ مینا نے تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب کیا چاہتی ہو تم؟" عانیہ نے پوچھا۔

"میں آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ گناہوں سے پاک۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ اب میں واپس نہیں جاؤں گی۔ اپنی زندگی میں دوبارہ کبھی اپنی ماں کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تو جاؤ گی کہاں؟"

"عذیر..... وہ میری مدد ضرور کرے گا۔ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ آپ مجھے یہیں اتار دیں۔"

"اگر تم پکڑی گئی تو....." حریم نے اسے کہا تو وہ چپ سی ہو گئی۔ تو پھر اسے وہی کرنا تھا جو اس کی ماں چاہتی ہے۔

"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے" عانیہ اچانک بولی۔

"کیا؟" دونوں یک دم چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہمیں کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ وہ لوگ تمہارا پیچھا ہی نہ کریں۔ کیونکہ وہ لوگ کبھی نہ کبھی اسے ڈھونڈ ہی لیں گیں۔" عانیہ بولی۔

"لیکن کیسے ؟" مینا بے تابی سے بولی۔ تو عانیہ نے اسے سارا پلان سمجھایا۔

عانیہ اور مینا گاڑی سے باہر نکل آئیں۔ مینا نے درخشندہ بیگم کو فون ملایا جو پہلی ہی گھنٹی پر اٹھا لیا گیا۔

"میری بچی کہاں ہے تو۔ وہ منحوسیں چلیں گئی کیا؟" چھوٹتے ہی درخشندہ بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔ مینا نے عانیہ کی طرف دیکھا جو سپیکر آن ہونے کی وجہ سے سن چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر مینا کو بات کرنے کا اشارہ کیا۔

"ماں.... یہ لوگ مجھے پتہ نہیں کہاں لے آئے ہیں۔..... مجھے بچا لو ماں..... یہ مجھے مار دیں گے"

"کک.... کیا مطلب ؟..... انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ تجھے نہیں ماریں گے۔ وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں" درخشندہ بیگم کا تو دماغ گھوم گیا۔

"انہوں نے کہا ہے کہ اپنی ماں سے آخری بار بات کر لو..... مجھے نہیں مرنا ماں...... مجھے بچا لو۔ آہ..."

عانیہ نے ہوائی فائرنگ کی اور مینا نے زوردار چیخ ماری دوسری طرف درخشندہ بیگم چیخیں مارنے لگیں۔ عانیہ نے کال کاٹ دی اور موبائل کو بند کر کے دور کہیں درختوں کے درمیان پھینک دیا۔ پھر جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ مینا پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ حریم نے گاڑی کو فل سپیڈ سے آگے بڑھا دیا کیونکہ فائرنگ کی آواز سے آس پاس کے محلوں کے لوگ وہاں آ سکتے تھے۔ اور اب تک تو درخشندہ بیگم نے ان کے پیچھے سیکیورٹی گارڈز کو بھیج دیا ہو گا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ روشنیوں میں نہائے بازار میں داخل ہو چکی تھیں۔ حریم نے گاڑی کو ایک پی سی او کے سامنے روک دیا۔

"آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری اتنی مدد کی۔ میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گی۔" مینا مسکراتے ہوئے بولی۔

"شکریہ تو آپ کا بنتا ہے۔ آپ کی وجہ سے ہم دونوں وہاں سے بھاگی ہیں۔" عانیہ بھی جواباً مسکرائی تھی۔

"اللہ آپ دونوں کو خیر و عافیت سے آپ کی منزل پر پہنچائے۔ اور اس نیکی کا اجر دے۔ میں خواہش کرتیں ہوں کہ زندگی میں ہم کبھی دوبارہ ملیں"

"اللہ نے چاہا تو ضرور"

"میرے پاس کچھ پیسے پڑے ہیں۔ پتہ نہیں آپ کا سفر کتنا لمبا ہو۔ کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں۔" مینا نے اپنے چھوٹے سے بیگ سے دو ہزار کے نوٹ نکال کر انہیں دیے۔ حریم نے جلدی سے پکڑ لیے مبادا عانی آپی انکار ہی نہ کر دے۔ اور اسے اس وقت سخت بھوک لگی تھی۔

مینا نے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ ان دونوں کی طرف اچھالی اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔ دروازہ بند کر کے تھوڑا سا جھک کر عانیہ اور حریم سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ جواباً وہ دونوں بھی مسکراتیں گاڑی آگے بڑھا لے گئیں۔ آج پہلی بار مینا یوں آزادی سے کھلی فضا میں سانس لے رہی تھی۔ کتنی دعائیں مانگی تھی اس نے اس دن کے لیے۔ وہ خوشی کے آنسو بہاتی پی سی او میں داخل ہوئی اور عذیر کو کال ملائی۔

"ہیلو... عذیر" وہ بھیگی آواز میں بولی تو دوسری طرف عذیر کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"مینا.... تم؟"

"ہاں... میں۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے عذیر۔ میں وہاں سے بھاگ آئی ہوں" وہ آنسو پونچھتے بولی۔

"رئیلی .... کہاں ہو تم اس وقت؟" پہلے تو وہ شاکڈ رہ گیا پھر بے تابی سے بولا اور مینا نے ایڈریس بتا دیا۔

"میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ تم وہیں رکو اوکے۔ آئی ایم کمنگ" عذیر نے کہہ کر کال کاٹ دی اور تیزی سے چابی لے کر باہر کو بھاگا۔

عذیر سے اس کی ملاقات ایک شادی پر ہوئی تھی جب وہ ایک مشہور بزنس مین کے ساتھ گئی ہوئی تھی۔ درخشندہ بیگم بھی ساتھ تھیں۔ بے دھیانی سے چلتے ہوئے وہ عذیر سے ٹکرائی تھی اور اسے نیچے گرنے سے بچاتے ہوئے عذیر کے ہاتھ میں سے جوس دونوں کے کپڑوں پر گر گیا۔ وہ اس کے بازو پر گری دم سادھے پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی جبکہ عذیر چہرے پر مسکراہٹ لیے اسے پر شوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحے یوں ہی گزر گئے اور جب مینا کو ارد گرد کا احساس ہوا تو یکدم سیدھی ہو کر اس سے الگ ہوئی تھی اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ عذیر نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار واضح دیکھے تھے۔ درخشندہ بیگم دوسری طرف منہ کیے کھڑی تھی سو بچت ہو گئی۔ وہ بھاگ کر ماں کے پاس آئی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ ابھی بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ درخشندہ بیگم نے اس کے کپڑوں پر جوس کے نشان دیکھ کر اسے ڈانٹا اور واش روم میں جا کر صاف کرنے کو کہا۔ وہ ابھی واش روم تک پہنچی ہی تھی کہ عذیر نے وہاں آ کر اس سے بات کرنی چاہی لیکن وہ تو کچھ بولنے کی بجائے تھر تھر کانپنے لگی۔ اگر اس کی ماں کو پتہ چل جاتا تو اس کا کیا حشر ہونا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔ پھر اس ملاقات کے بعد تو جس پارٹی میں وہ جاتی عذیر اسے وہیں دکھائی دیتا۔ سیکیورٹی گارڈز کے باوجود وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی جان پر بن آتی۔ پھر ایک دن موقع پا کر عذیر نے اسے گھیر لیا اور کہا کہ وہ جان چکا ہے کہ وہ اس طرح کیوں ڈرتی ہے۔ اور یہ کہ وہ کون ہو۔ اس کا دل کیا کہ زمین پھٹے اور وہ وہیں گھڑ جائے۔ اس کی اپنی ہی ماں نے اسے کسی کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اہانت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنسو آنکھوں سے ٹوٹ کر گرنے لگے۔ لیکن عذیر نے جب اس سے یہ کہا کہ وہ اس کی مدد کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا

ہے کہ وہ یہ سب کچھ مجبوری کے تحت کر رہی ہے تو وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر خوف چھا گیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی کسی نا کسی طرح جان بخشی ہو جائے گی لیکن اس لڑکے کو اس کی ماں نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کسی کی جان جائے سو اسے سخت لہجے میں ڈانٹ کر وہاں سے چلی گئی جبکہ عذیر حیران کھڑا تھا کہ اسے بولنا بھی آتا ہے۔ مینا کے ڈانٹنے کے باوجود وہ اس کا پیچھا کرتا رہا اور یہاں تک کہ زبردستی اس کا موبائل نمبر بھی لے لیا۔ اور رات کو فون کرتا۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اور اس کی سوچوں میں کب وہ داخل ہو چکا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کی کال کی منتظر رہتی۔ جب وہ کال کرتا تو اسے اپنی ڈھیروں باتیں بتاتا اور اسے کہتا کہ وہ وہاں سے بھاگ آئے وہ اس کی مدد کرے گا لیکن وہ ہر دفعہ اسے ڈانٹ دیتی۔ اور آج اس نے خود عذیر کو فون کر کے کہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ آئی ہے تو اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔

وہ سوچوں میں گھری پی سی او کے باہر کھڑی تھی کہ سامنے گاڑی آرکی اور عذیر گاڑی میں سے نکل کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس تک آئی اور اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی تھی۔ عذیر خاموشی سے اس کے بال سہلانے لگا۔ کچھ دیر رونے کے بعد اس کے دل کا غبار چھٹا تو عذیر اسے لے کر گاڑی کی طرف آیا اور اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"میں نے کہیں سے سنا تھا کہ مشکل وقت میں انسان اپنوں کو ہی پکارتا ہے اور آج یہ ثابت بھی ہو گیا" وہ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے شرارت سے بولا۔ مینا اسے ایک نظر دیکھ کر سر جھکا گئی۔

"کہیں یہ میری محبت تو نہیں کہ تم اتنی بہادر ہو گئی ہو اور وہاں سے بھاگ آئی ہو"۔

"وہ.....وہ ایک لڑکی کی وجہ سے میں وہاں سے نکلی ہوں۔" وہ سٹپٹاتے ہوئے بولی۔

"وہ کیسے ؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"دولڑکیاں نئی آئیں تھیں وہاں۔ان میں سے ایک لڑکی بہت بہادر تھی۔میں آج شام کو ہی گھر واپس آئی تھی تو جب میں اور میرے سیکیورٹی گارڈز اندر ہال کی قریب پہنچے ہی تھے کہ وہ اچانک چھت سے چھلانگ لگا کر میرے ایک سیکیورٹی گارڈ پر گری اور اس بندوق چھین کر مجھ پر تان لی...."

"او تیری۔مطلب چھت سے چھلانگ بھی لگائی اور تم پر بندوق بھی تان لی۔"وہ بے یقینی سے بولا۔

"ہاں۔اور جب اس نے ماں سے کہا کہ وہ مجھے یرغمال بنا کر یہاں سے نکلنے والی ہے تو میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی لیکن چہرے کو خوفزدہ بنا کر ماں سے کہا کہ مجھے بچالو۔اسے میری تو نہیں خیر پیسوں کی پرواہ تھی جس کی خاطر اس نے مجھے ان دونوں کے ساتھ آنے دیا۔جب انہوں نے مجھے جانے کے لیے کہا تو میں نے انہیں بتایا کہ میں واپس نہیں جانا چاہتی تو انہوں نے میری اس وقت بھی مدد کی۔میں نے ماں کو فون ملایا اور کہا کہ یہ لوگ مجھے پتہ نہیں کہاں لے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی ماں سے آخری دفعہ بات کرلو۔اور خوفزدہ لہجے میں ماں کی منتیں کرنے لگی کہ مجھے بچالو۔اس لڑکی نے ہوائی فائرنگ کی اور میں نے چیخ مار کر ماں کو ظاہر کرایا کہ گولی مجھے لگی ہے اور میں مر گئی ہوں تاکہ وہ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرے۔اگر انہوں نے پولیس کو انوالو کیا تو خود بھی پھنسنا پڑے گا۔"

"گریٹ یار۔میں تو حیران ہوں اس لڑکی کی ہمت پر۔"

"میں تو خود حیران ہوں۔میں موت کے ڈر سے آج تک سب کچھ سہتی رہی اور وہ ہے کہ موت کی پرواہ کیے بنا وہاں سے نا صرف خود نکلی بلکہ دو لڑکیوں کو بھی وہاں سے آزاد کرادیا۔"اس کے لہجے میں احسان مندی تھی۔

"اس کا مطلب کہ اب تم آزاد ہو۔اپنے فیصلے خود کر سکتی ہو۔ہے نا"عذیر نے ابرو اچکا کر پوچھا تو وہ مسکرادی۔

"تو میرے بارے میں تم کیا فیصلہ کرتی ہو؟"وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کونسا فیصلہ"وہ اچنبھے پن سے بولی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" عذیر نے مسکراتے ہوئے اس کے سر میں بم پھوڑا وہ کچھ دیر اسے حیرانی سے دیکھتی رہی اور پھر نظریں چرا گئی۔

"میں تمہارے قابل نہیں ہوں.... عذیر۔" وہ سر جھکائے بولی۔

"یہ جج کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کون کس قابل ہے۔ اور تم نے تو سنا ہی ہو گا۔ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں اور اگر ہمارا رشتہ بھی آسمان پر اللہ کی مرضی سے طے پا گیا تو ہم تم کون ہوتے ہیں روکنے والے۔" عذیر کی دلیل پر وہ ہنس پڑی۔

"تم بہت اچھے ہو.... عذیر۔ اور میں بہت بری ہوں" وہ ہنستے ہوئے یکدم ہی اداس ہو گئی

"پھر وہی بات۔ نہیں ہو تم بری۔ نفرت انسان سے نہیں بلکہ برائی سے کرنی چاہیے۔ اور خدا کو منظور تھا تو تم میرے ساتھ ہو۔ توبہ کے دروازے موت تک کھلیں ہیں۔ اور اللہ نے تمہیں موقع دیا ہے کہ تم توبہ کر لو۔" عذیر نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا اور ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی امید بندھائی۔

"مجھے پوری امید ہے کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی۔ تم بھی میرے لیے دعا کرنا۔"

"ضرور کروں گا۔ لیکن اب میں کیا سمجھوں کہ فیصلہ میرے حق میں ہو گیا ہے۔" وہ پھر شریر لہجے میں بولا تو مینا گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور نظریں جھکا گئی۔

"اگر لڑکی سر جھکا دے تو اس کا مطلب ہاں میں ہوتا ہے۔"

"میں نے کب جھکایا ہے" وہ اپنا جھکا سر اٹھا کر بولی تو عذیر ابرو اچکا کر رہ گیا۔ اور وہ پھر جھک گئی۔ عذیر کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

-------------------------

"اس ڈائن نے میری بچی کو مار دیا۔ہائے میری کروڑوں کی بیٹی۔ میری مینا کو مار دیا۔" فون پر مینا کی چیخ سننے کے بعد وہ رونے پیٹنے لگی۔ سب ملازم، نوکرانیاں اور لڑکیاں کھڑے اس کارونا پیٹنا دیکھ رہے تھے اور عانیہ کی جرات پر ورطہ حیرت میں ڈوبتے جارہے تھے۔ کچھ دیر واویلے کے بعد اسے ارد گرد کا احساس ہوا۔

"تم لوگ کیا منہ اٹھا کر مجھے دیکھ رہے ہو۔ کہیں تم لوگ بھی بھاگنے کا ارادہ تو نہیں کر رہے۔ یاد رکھنا ابھی بھی مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تم میری ایک آواز پر لبیک کہو۔ دفعہ ہو جاسب اپنے اپنے کمروں میں۔" ساری لڑکیاں بھاگ کر اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ اور ملازم اپنی ڈیوٹی پر۔

"اے جمیلہ ذرا تعبیر کو فون ملا اس سے پوچھوں ذرا کہ یہ کیسی آفت کی پڑیا بھیجی ہے۔ ہائے میری مینا۔ پتہ نہیں کہاں اس کی لاش پڑی ہو گی۔" وہ پاس کھڑی ایک ملازمہ سے بولی تو وہ بھاگتی ہوئی بیگم صاحبہ کے کمرے سے موبائل لائی اور تعبیر کو کال ملا کر اسے دی۔

"تم نے یہ کونسی ڈائن بھیج دی ہے" تعبیر کے فون اٹھاتے ہی درخشندہ بیگم کی سخت آواز اس کے کان پھاڑ گئی۔

"کیا؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"وہ لڑکی عانیہ.... وہ اپنی ساتھی لڑکی کو لے کر بھاگ گئی۔...."

"واٹ؟.... یہ کیسے ہو سکتا ہے" وہ بے یقینی سے بولتی ہوئی کرسی سے اٹھی۔ پاس لیٹے حماد نے بے چینی سے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا ہوا ہے۔

"اور میری معصوم بیٹی مینا کو قتل کر دیا اس نے۔" وہ بین کرتے ہوئے بولی۔

"کیا؟..... قتل کر دیا۔ تم نے پولیس کو انفارم تو نہیں کر دیا۔" اس پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ لیکن یہ ڈر بھی تھا کہ اگر پولیس کو انوالو کیا تو انہیں لڑکیاں بیچنے کے کاروبار کے بارے میں پتہ نہ چل جائے۔

"نہیں بتایا۔ مینا تو اب زندہ ہونے سے رہی۔ الٹا پولیس کو بتا کر خود پھنس جاؤں۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے تمہیں کوئی ڈھنگ کی لڑکی نہیں ملی تھی۔ مجھے میرے پیسے واپس کرو۔"

"اچھا... تمہیں تمہارے پیسے مل جائیں گے۔ پہلے مجھے پوری بات بتاؤ" تعبیر کے کہنے پر درخشندہ بیگم نے روتے ہوئے ساری بات بتادی۔ فون بند کر کے وہ کرسی پر ڈھے سی گئی۔

"کیا ہوا ہے تعبیر کچھ مجھے بھی بتاؤ گی؟" حماد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"عانیہ بھاگ گئی وہاں سے" وہ ڈرتے ہوئے بولی۔

"کیا؟..... کیسے؟" وہ ششدر رہ گیا۔

"اس کی بیٹی مینا کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ دوسری لڑکی کو بھی بھگا کے لے گئی۔ اور کسی نامعلوم جگہ پر مینا کو قتل کر دیا۔"

"یہ لڑکی تو میری سوچ سے بھی زیادہ خطرناک نکلی۔ تمہیں ضرورت ہی کیا تھی اسے وہاں بھیجنے کی۔ مجھے وہ لڑکی اپنے سامنے چاہیے تعبیر۔ یہ سب تمہاری عقلمندی کا نتیجہ ہے۔" وہ بھڑک اٹھا۔

"میں کیسے ڈھونڈوں اسے؟ وہ تو کہتی تھی کہ کوئی لڑکی وہاں سے نہیں نکل سکتی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"وہ ابھی ادھر ہی کہیں آس پاس ہو گی تم سب کو آدمیوں سے کہو کہ وہ تلاشی لیں۔"

"ناممکن۔ ہم وہاں سے سب ملازموں کو فارغ کر چکے ہیں۔ اور وہ گاڑی پر ہیں اب تک پتہ نہیں کہاں پہنچ چکی ہوں"

"گاڑی پر..... کس کی گاڑی پر۔ اس کا نمبر کیا ہے؟" وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

"مینا کی گاڑی تھی نمبر نہیں پتہ"

"تم اس کی ماں کو فون کر کے گاڑی کا نمبر پوچھو میں ابھی پتہ کروالیتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟"

"لیکن حماد وہ بہت خطرناک لڑکی ہے۔ مشکل ہے ہمارے قابو میں آئے اور اگر ہم اسے پکڑ بھی لیں تو وہ ہمارا نقصان بھی کر سکتی ہے۔" وہ سمجھداری سے بولی۔

"تم سے جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ اپنا دماغ چلانے کی زیادہ کوشش نہ کرو۔ پہلے ہی یہ تمہارے عقل کی کارستانی ہے جو وہ بھاگ گئی ہے" حماد نے اسے جھاڑا اور وہ تلملاتی ہوئی کر درخشندہ بیگم کو فون کر کے گاڑی کا نمبر پوچھنے لگی۔

حماد نے کسی کو فون کیا اور اس گاڑی کا نمبر بتا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ گاڑی اس وقت مری روڈ پر آچکی ہے۔

"میں عنصر کو فون کرتی ہوں وہ کچھ آدمیوں کو لے کر اس گاڑی کے پیچھے جائے۔" تعبیر نے کہہ کر عنصر کو فون کیا اور اسے عانیہ کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ عنصر تو اپنی نوکری چھوڑنے کے غم میں پڑا تھا کہ تعبیر میڈم کا فون آگیا تو وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا اور جب یہ خبر ملی کہ عانیہ کو جس کوٹھے پر بھیجا تھا وہ وہاں ایک لڑکی کو قتل کر کے بھاگ گئی ہے اور اس نے اس کا پیچھا کرنا ہے تو ساری خوشی ہوا ہو گئی۔ وہ لڑکی اس پر پہلے بھی قاتلانہ حملہ کر چکی تھی اور حماد کو تو قتل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور اب ایک اور لڑکی کا قتل۔ بادل نخواستہ کڑوا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے دوسرے ملازموں کو فون کیے جن میں سے صرف تین لوگ مانے۔ اور وہ چاروں ایک گاڑی میں سوار ہو کر مری روڈ کی جانب چل پڑے۔

---------------------------

مینا کو پی سی او کے سامنے اتارنے کے بعد انہوں نے ایک بیکری کے سامنے گاڑی روکی اور حریم وہاں سے کھانے پینے کی ڈھیر ساری چیزیں خرید لائی۔ عانیہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے فل سپیڈ میں گاڑی آگے بڑھا دی۔

"مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔ آپ کو نہیں لگی؟" حریم پیکٹ میں سے پیزا نکالتے ہوئے بولی۔

"پہلے تم کھالو میں بعد میں کھالوں گی۔" عانیہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ساتھ ساتھ آپ کو بھی کھلا دیتی ہوں نا۔ کب سے دوپہر کا کھانا کھایا ہوا ہے۔ اور اب رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔"

"نو تھینکس میں بعد میں کھالوں گی۔ تم آرام سے کھاؤ۔"

"ویسے ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"مری"

"مری میں..... آپ کے رشتہ دار ہیں وہاں کیا؟"

"ہاں میری دوست ہے حدیقہ۔ ویسے تو وہ کراچی میں ہی ہوتے ہیں لیکن انہوں نے مری میں بھی ایک گھر بنایا ہوا ہے۔ دعا کرو وہاں تک پہنچ جائیں۔ میں کچھ دن منظر عام سے ہٹنا چاہتی ہوں۔ اب تک تعبیر کو پتہ چل چکا ہو گا۔ اسے بھی ابھی سبق سکھانا ہے۔" عانیہ سامنے دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ حریم چپ چاپ کھانے لگی۔

"ہمیں وہاں پہنچنے میں کتنا ٹائم لگ جائے گا؟" کچھ دیر بعد حریم بولی۔

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ جائے گا۔"

"میں نے کھالیا ہے اب آپ کھالیں میں گاڑی چلاتی ہوں۔" وہ جوس کا ڈبہ ختم کرتے بولی۔

"اوکے" اس نے کہہ کر گاڑی سائیڈ پر روکی اور دروازہ کھول کر دوسری طرف آ گئی اور حریم اندر ہی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عانیہ کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"سنیکس، چاکلیٹس، برگر، کیک، پیزا اور جوس۔ اتنی ساری چیزیں لے آئی ہو اور کھایا کتنا تھوڑا سا ہے۔" عانیہ نے اسے ڈانٹا۔

"مجھے یہ سب بہت پسند ہیں اور میرے سامنے تھیں اسی لیے لے لیں۔ بعد میں کھا لیں گیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔ عانیہ بھی مسکرا کر کیک کا ایک پیس کھانے لگی تو ریان کی یاد آگئی۔ جب برتھ ڈے پر اس نے اپنے ہاتھ سے اسے کیک کھلایا تھا اور یہ سب ایک لڑکے کی شرارت سے اتنا اچانک ہو تھا کہ دونوں ہی حیران رہ گئے۔

"کیا ہوا رک کیوں گئیں؟ کیا کسی کی یاد آگئی ہے؟" حریم شرارت سے بولی تو عانیہ اس کے تکے پر حیران ہو کر مسکرا دی۔

"آپ کو اپنا گھر یاد نہیں آتا؟" حریم نے پوچھا۔

"آتا ہے" وہ کھاتے ہوئے مختصراً بولی۔

"اور پیرنٹس؟" حریم نے دوبارہ پوچھا تو عانیہ کا منہ تک جاتا ہاتھ رک گیا۔

"ہاں بہت زیادہ۔ لیکن میں ان سے چاہ کر بھی نہیں مل سکتی۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں" وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اداسی سے بولی۔

"اوہ آئی ایم سوری۔ آپ کو دکھی کر دیا۔" حریم شرمندہ ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں ان کی یاد تو مجھے ہر وقت دکھی رکھتی ہے۔"

"آپ میں صبر اور برداشت کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ زندگی میں ہمیشہ میرے ساتھ ہی برا کیا ہے۔ مجھے اپنا آپ سب سے مظلوم لگتا تھا۔ لیکن آپ کا دکھ مجھ سے بہت بڑا ہے۔ آپ بہت سنجیدہ سی اور اپنے خول میں بند رہنے والی لڑکی ہیں۔ اپنا دکھ چھپا کر چہرے پر مسکراہٹ لے آتی ہیں۔ آئی ایم امپریسڈ"

"آئی ڈونٹ نو بٹ ڈیڈ نے مجھے بتایا تھا کہ اللہ انسان پر اتنی ہی آزمائش کا بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے۔جب مام ڈیڈ زندہ تھے تو میں سوچتی تھی کہ میں ان سے ایک پل کیلیے بھی جدا نہیں ہو سکتی۔لیکن ان کے بعد بھی میں جی رہی ہوں۔آئی ہیو ٹو سروائو۔یہاں اپنی مرضی سے نہ کوئی آیا ہے اور نہ جا سکتا ہے۔"

"آپ بہت ہمت دینے والی باتیں کرتیں ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ میری مشکلات بہت کم ہیں اور میں بھی آپ کی طرح ان کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔میں زندگی میں کبھی بھی درخت پر نہیں چڑھی۔لیکن جب آپ نے مجھے کہا کہ تم یہ کر سکتی ہو تو میں نے خود پر یقین کیا اور کر دکھایا۔اور جب آپ نے چھت سے چھلانگ لگائی تھی تو میرا دل تو لرز کر رہ گیا اور جب آپ نے کھڑے ہو کر مینا پر بندوق تان لی تھی تو میں سمجھ گئی کہ آپ نے بھی خود پر یقین کیا اور کر دکھایا۔میں نے آپ سے سیکھا ہے کہ خود پر یقین کرنے سے ہی کامیابی ملتی ہے۔"وہ مسکرا کر حقیقت بیان کر رہی تھی۔عانیہ بھی مسکرا دی۔

"میں نے یہ خود اعتمادی ڈیڈ سے سیکھی ہے۔"

"آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ آپ کافی کلوز تھیں ان کے۔"حریم نے اندازہ لگایا۔

"ہاں مام سے زیادہ میں ان کے قریب تھی۔اپنی ہر بات ان سے شئیر کرتی تھی۔وہ میرے ڈیڈ سے زیادہ میرے دوست تھے۔مام تھوڑی سختی کرتیں تھیں تاکہ ڈیڈ کی زیادہ محبت کی وجہ سے میں بگڑ نہ جاؤں اور جب میں کوئی ضد کرتی تو ڈیڈ میری سائیڈ لیتے اور انہیں بھی میرے ساتھ مام کی ڈانٹ سننی پڑتی۔ان کے جانے کے بعد ہم دونوں خوب ہنستے۔"وہ کہتے ہوئے ایک دم سے کھو سی گئی۔حریم بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔"وہ دن واقعی ہی بہت اچھے تھے یار۔.....کوئی ٹینشن نہیں تھی سوائے مام کی ڈانٹ کے۔......مجھے بہت یاد آتی ہے ان کی ڈانٹ کی۔....ڈیڈ کی...جب وہ مجھے ٹریننگ کرواتے تھے....اور میں ٹریننگ سے چھٹی کرنے کے لیے بہانے کرتی تھی......جب میں ان کے ساتھ سینما جاتی تھی.....ہم دونوں کو ایڈونچر اور ایکشن سے بھرپور موویز پسند

تھیں۔......جب ڈیڈ میری کامیابیوں پر خوش ہوتے تھے۔مجھے گفس دیتے تھے۔.....میں بہت یاد کرتی ہوں ان کو۔....ان کی محبتوں کا صلہ میں کبھی بھی نہیں دے سکتی لیکن کوشش تو کر سکتی ہوں نا۔"وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں۔حریم اب بھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا یہ ظلم ہو گا کہ میں ان کے قاتل کو انجام تک پہنچاؤں۔اگر یہ ظلم ہوتا تو میرے ہاتھ ضرور کانپتے حماد کو قتل کرتے ہوئے۔"وہ خود کلامی میں بول رہی تھی۔

"قتل؟...."حریم خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ہاں میں نے قتل کیا ہے حماد کا۔وہ میرے مام ڈیڈ کا قاتل تھا۔کیا غلط کیا ہے میں نے۔پولیس تو جیسے اس کی مٹھی میں ہے۔میں اپنے مام ڈیڈ کا انصاف کہاں سے مانگتی۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔لیکن آپ کو ڈر نہیں لگا تھا کہ اس کے بعد آپ کا کیا ہو گا۔"

"نہیں۔لیکن اس کی سزا تو دے بھی دی انہوں نے مجھے اس طوائفوں کے کوٹھے پر بھیج کر۔اور وہ یہ نہیں جانتے کہ عانیہ کبھی ادھار نہیں رکھتی۔اس کا حساب بھی دینا ہو گا انہیں۔"عانیہ سپاٹ چہرہ لیے بولی۔

"آپ کیا کریں گیں۔"

"بتاؤں گی تمہیں بعد میں لیکن تم فکر مت کرو۔اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں کروں گی نہ ہونے دوں گی۔"عانیہ اس کا خوفزدہ چہرہ دیکھ کر مسکرائی اور پیزا کی بائٹس لینے لگی۔

"آپ جو بھی کریں میں آپ کا ساتھ ہمیشہ دوں گی۔"حریم عزم سے بولی۔عانیہ نے پیار سے اس کے سر پر تھپکی دی۔

"اب تم یہاں آجاؤ میں گاڑی چلاتی ہوں۔"عانیہ کھانا کھا کر بولی۔حریم نے گاڑی روک دی۔اس دفعہ وہ باہر سے گھوم کر دوسری طرف آئی اور عانیہ اندر ہی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔گاڑی ایک دفعہ پھر منزل کی طرف

رواں دواں ہوگئی۔ ان کی گاڑی کی سپیڈ اب کافی نارمل تھی۔ بہت سی گاڑیاں انہیں اوورٹیک کر کے آگے جا رہی تھیں۔ اچانک عانیہ کو بیک ویو مرر سے سڑک پر گاڑی کی دو ہیڈ لائٹس نظر آئیں۔ جو کچھ ٹائم سے ایک ہی سپیڈ اور ایک ہی فاصلے پر ان کے پیچھے تھی۔ لیکن عانیہ نے خاص دھیان نہ دیا۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی اتنے ہی فاصلے پر دوبارہ نظر آئی تو عانیہ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ وہ گاڑی ان کا پیچھا کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"مجھے لگتا ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" عانیہ مرر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوہ کہیں اس گاڑی میں ٹریکنگ سسٹم تو نہیں۔" حریم بھی پیچھے دیکھ کر بولی۔

"شاید ہو"

"اب ہم کیا کریں گے؟"

"ریلیکس ڈرو نہیں اب تو ہم ان کے قبضے میں آنے والے نہیں۔ اور اگر غور کرو تو وہ صرف ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ اگر پکڑنا ہوتا تو اس ویران جگہ پر ان کے لیے کیا مشکل ہے۔ میرے خیال سے یہ صرف جاسوسی کرنا چاہتے ہیں۔" عانیہ نے اندازہ لگایا۔ جو کافی حد تک درست بھی تھا۔ کیونکہ حماد کا حکم تھا کہ اس پر گولی نہیں چلانی لیکن بے ہوش ضرور کر سکتے تھے۔ اس وقت وہ چار لوگ گاڑی میں تھے۔ اسلحہ بھی نہیں تھا کیونکہ نوکری سے نکالتے وقت ان سے اسلحہ واپس لے لیا گیا تھا اور جتنی جلدی عانیہ کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا حکم دیا تھا اسلحہ دینا تو درکنار گارڈز بھی میسر نہیں تھے۔ اب صرف وہ چار لوگ تھے۔ ڈنڈے اور چاقو انہوں نے ساتھ رکھ لیے تھے لیکن تعبیر نے انہیں بتایا تھا کہ عانیہ نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا ہے اس کا مطلب کہ اس کے پاس اسلحہ بھی تھا۔ اسی لیے عنصر اور اس کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا تھا کہ خاموشی سے پیچھا کرتے ہوئے ان کا ٹھکانہ معلوم کریں اور پھر فل فورس کے ساتھ حملہ کریں۔ عنصر کو تو ویسے بھی لڑائی بھڑائی نہیں آتی تھی اور عانیہ کی لڑائی کا انداز تو وہ دیکھ ہی چکا تھا۔

"اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں تو پھر....؟

"اگر پیچھا کریں گے تو پتہ چلے گا نا" عانیہ نے گاڑی روک کر پیچھے سے بندوق پکڑتے ہوئے کہا۔

"مطلب...؟"

"مطلب.....یہ" عانیہ نے پچھلی سیٹ سے بندوق پکڑ کر کھڑکی سے بازو باہر نکالا اور پیچھے دیکھتے ہوئے ایک ہیڈ لائٹ کے تھوڑا سا نیچے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ گولی سیدھی ٹائر پر لگی اور ٹائر پھٹنے کی وجہ سے گاڑی آؤٹ آف کنٹرول ہو کر سڑک کے کنارے رکھے بلاکس سے ٹکرا گئی۔ عنصر نے جلدی سے بریک لگائی اور گاڑی الٹنے سے بچ گئی۔ اب وہ اور اس کے ساتھی حیران و پریشان گاڑی سے باہر نکل کر عانیہ کی گاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اب تو نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ پیچھے۔

"واؤ یہ بہت اچھا ہوا ان کے ساتھ۔ اب ساری رات ادھر رہیں تو مزا آ جائے۔" حریم خوش ہو کر بولی۔

ابھی وہ گاڑی سٹارٹ کرنے ہی والی تھی کہ ایک فائر کی آواز آئی اور ان کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ عانیہ نے پیچھے دیکھا کہ کہیں انہوں نے گاڑی پر فائرنگ تو نہیں کی۔

"یہ انہوں نے فائر کیا ہے اب ہم کیا کریں گے۔" حریم خوفزدہ ہو کر بولی۔ عانیہ دروازہ کھول کر باہر آئی اور گاڑی کے اندر لگی ہوئی لائٹ کی روشنی میں دیکھا تو آگے والا دایاں ٹائر پنچر ہوا تھا۔

"وہ نہیں ہیں۔ یہ کسی اور نے دائیں جانب سے فائر کیا ہے۔" عانیہ چیک کرتے ہوئے بولی۔

"کیا ہم کسی اور جگہ پھنسنے جا رہے ہیں۔" وہ ہنوز ڈر رہی تھی۔ عانیہ جلدی سے گھوم کر بائیں جانب آئی اور دروازہ کھول کر حریم کو تیزی سے باہر نکال کر نیچے بیٹھ گئی۔ ایک اور گولی دائیں طرف سے آئی اور گاڑی کا شیشہ توڑ کر سیٹ پر جا لگی۔ حریم نے ایک خوفزدہ چیخ ماری اور عانیہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ حریم تو سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی تھی۔ ایک اور گولی پچھلی کھڑکی کو توڑ گئی۔ اور ساتھ ہی قدموں کی آواز آنے لگی۔ عانیہ اٹھ

کر کھڑی ہو گئی تو دیکھا کہ دس پندرہ اسلحہ بردار آدمی دائیں طرف کی پہاڑی سے اتر کر ان کی طرف آرہے تھے۔ سب سے آگے والے آدمی نے اسے دیکھ لیا۔ حریم بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو چکی تھی۔ عنصر اور اس کے تینوں ساتھی فائرنگ سے بچنے کے لیے جلدی سے سڑک کے کنارے لگے درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔

"سردار صاحب یہ تو دونوں لڑکیاں ہیں۔ مرد کوئی نہیں ان کے ساتھ۔" وہ حیرانی سے ساتھ والے شخص کو بولا۔ پینتیس چھتیس سالہ سردار نے ان کے قریب آکر ٹارچ کی روشنی میں انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"کون ہو تم لوگ؟" سردار ولید ایاز گرج کر بولا تھا۔

"ہم مری جارہے ہیں لیکن آپ نے ہمارا راستہ کیوں روکا ہے؟" عانیہ نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"خان حویلی جارہی ہو؟" سردار ولید ایاز نے جواب دینے کی بجائے سوال پوچھا تو عانیہ اور حریم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر عانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نتیجے کا انتظار کرنے لگی۔ اور نتیجہ بہت ہی برا تھا۔

"پکڑلو ان دونوں کو۔ یہ دشمنوں کی لڑکیاں ہیں۔" سردار نے پیچھے دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ایسے کیسے لے...." حریم غصے سے بولی تو عانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور حریم نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ عانیہ نے سر کو ہلکا سا نفی میں ہلایا جس کا مطلب تھا کہ ابھی ایکشن لینے کا وقت نہیں ہے۔ دو آدمی ان کی طرف آئے اور انہیں بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے آگے کی جانب چلنے لگے۔ سردار نے باقیوں کو ان کی گاڑی یہاں سے ہٹانے کا حکم دیا اور آگے چل پڑا۔ سڑک کے بائیں طرف گہری کھائی تھی سردار کے آدمیوں نے گاڑی کو سٹارٹ کر کے کھائی کی طرف کر دیا اور وہ بلا کسی سے ٹکراتی پلٹی کھا کر کھائی میں جا گری۔

پہاڑی کا موڑ مڑتے ہوئے آگے ان کی گاڑیاں کھڑی تھی۔انہیں ایک گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر بٹھا کر ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے اور آگے دو لوگ بیٹھ گئے۔باقی لوگوں کے بیٹھنے کے بعد گاڑیاں چل پڑیں۔حریم کے چہرے پر مایوسی چھائی ہوئی تھی جبکہ عانیہ جانتی تھی کہ جو بھی ہوتا ہے اچھے کیلیے ہوتا ہے۔

دوسری طرف حماد کے آدمی پیچھے سے دیکھ چکے تھے کہ عانیہ کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی ہے اور کچھ دیر بعد ان کی گاڑی کھائی میں جا گری ہے۔تو ایسے میں دو لڑکیاں مرنے سے کیسے بچ سکتی تھیں۔وہ عانیہ اور حریم کو ان لوگوں کے ساتھ جاتا نہیں دیکھ سکے تھے۔ تبھی انہیں پورا یقین ہو چکا تھا کہ دونوں مر چکیں ہیں۔

"چلو.....ہماری تو جان چھوٹی۔"عنصر نے گہرا سانس لے کر شکر ادا کیا۔

"ویسے کس نے ان پر فائرنگ کی تھی؟"الیاس تجسس سے بولا۔

"بیٹا جا کر پوچھ لینا تھا نا۔اچھے طریقے سے سمجھاتے تمہیں۔"ارشد نے کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"فضول کی باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ اب کیا کرنا ہے۔"دانش تنک کر بولا۔

"کرنا کیا ہے۔تعبیر میڈم کو فون لگاتے ہیں اور ساری بات بتا دیتے ہیں۔"عنصر نے کہا۔

"اور واپس کیسے جائیں گے؟"ارشد نے کہا۔

"ایک دفعہ تعبیر میڈم سے بات کر لوں پھر سوچتے ہیں کچھ۔شاید وہ ہی ہم پر کچھ ترس کھا کر کوئی گاڑی بھیج دیں اگر نہیں تو کسی گاڑی سے لفٹ مانگ لیں گے۔"عنصر بولا۔

"اور اگر صبح تک کوئی گاڑی ہی نہ آئی تو؟"الیاس بولا۔

"تو صبح تک کا انتظار کر لیں گے۔"عنصر نے کہتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا اور تعبیر کو کال کرنے ل۔

---------------------------------

"واٹ.... یہ کیا کہہ رہے ہو؟ آئی ڈونٹ بلیواٹ" تعبیر بے یقینی سے بولی۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ نو بج چکے تھے لیکن وہ ابھی جاگ رہی تھی کہ عنصر کا فون آگیا اور اب ملنے والی خبر پہلے سے زیادہ شاکڈ کر دینے والی تھی۔ وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی حماد کے کمرے کی جانب بڑھی۔

"کیا ہوا ہے تعبیر؟ عانیہ کا کچھ پتہ چلا؟" حماد نے اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر کہا۔

"وہ.... عانیہ مر گئی ہے"

"کیا؟ دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا کہہ رہی ہو۔" وہ اسے مذاق سمجھ رہا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ابھی عنصر کا فون آیا ہے۔ وہ لوگ ابھی اس کی گاڑی تک نہیں پہنچے تھے کہ ان کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی تھی۔ تین گولیاں چلیں تھیں اور ان کی گاڑی کو کھائی میں پھینک دیا گیا ہے۔ اب بتاؤ وہ کیسے بچ سکتی ہیں۔" وہ اسے اپنی بات کا یقین دلاتے ہوئے بولی۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن میرا دل نہیں مانتا وہ اتنی جلدی کیسے مر سکتی ہے" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"تو تمہیں دکھ ہو رہا ہے اس کے مرنے پر" وہ شکی لہجے میں بولی۔

"مجھے کیوں ہو گا دکھ۔ مجھ سے بڑھ کر اور خوشی کسے ہو گی۔ لیکن میں اسے خود ذلیل کر کے قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس بات کا تھوڑا سا افسوس تو ہے"

"اوہو چھوڑو بھی یار۔ شکر کرو جان چھوٹ گئی اس سے۔ اگر زندہ رہتی تو ہماری زندگی اجیرن کر دینی تھی اس نے۔"

"ایسے ہی اجیرن کر دینی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کیا کر لیتی۔ پولیس میں رپورٹ کرا دیتی۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"آج کل میڈیا کا دور ہے اور سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کتنی مشکل سے تم نے سیاست میں اپنی ساکھ بنائی ہے۔ اگر وہ لڑکی سب کے سامنے منہ کھول دیتی تو سوچو کیا عزت رہ جاتی تھی تمہاری۔ اس لیے شکر کرو کہ وہ مر گئی۔" تعبیر نے ڈپٹ کر کہا۔

"اب اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوں میں کہ ایک لڑکی کا منہ بھی نہ بند کروا سکوں۔" وہ برا مان گیا۔

"ایک تو تم میرے سمجھانے پر غصے ہو جاتے ہو۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تو کس نے کہا ہے کہ سمجھاؤ۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔ میرا سر نہ کھاؤ" وہ غصے سے بولا۔ اور وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

---

وہ ایک انگریزی طرز کی محل نما حویلی تھی جس کے احاطے میں اس وقت وہ دونوں بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ کھڑی تھیں۔ سردار ولید ایاز کے اشارے پر اس کے دو آدمی انہیں گھسیٹتے ہوئے اندر کی جانب بڑھے۔ ایک ہال اور لابی سے گزر کر وہ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں ایک پچاسی سالہ بوڑھا چارپائی پر لیٹا حقے کے کش لے رہا تھا اور پاس ایک تقریباً ساٹھ سالہ شخص بھی کرسی پر بیٹھا تھا

"اسلام و علیکم آغا جان" سردار ایاز علی نے بیڈ پر لیٹے ایک بوڑھے شخص کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کام ہو گیا؟" اس بوڑھے شخص نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی آغا جان۔ لیکن یہ تو دو لڑکیاں تھیں۔ جبکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایک لڑکی اور ڈرائیور ہو گا۔" سردار ایاز علی نے حیرانی کا اظہار کیا۔ عانیہ اور حریم چپ چاپ دو آدمیوں کے درمیان کھڑی تھیں۔

"ہو سکتا ہے یہ وہ نہ ہوں۔خان حویلی والے اتنے بے غیرت تو نہیں ہو سکتے کہ دو لڑکیوں کو اکیلے سفر کرنے کی اجازت دے دیں۔ڈرائیور ہوتا تو بھی سمجھ آتی تھی۔"

"نہیں انہوں نے خود کہا ہے کہ یہ خان حویلی ہی جا رہی تھیں۔اور ان کی گاڑی رکی ہوئی تھی۔مطلب کہ ڈرائیور کہیں باہر نکلا ہو گا۔ہمیں فائر کی آواز بھی آئی تھی۔لیکن اصل ماجرا کیا ہے وہ نہیں پتہ۔ہو سکتا ہے ان کے ڈرائیور نے گولی چلائی ہو یا اس پر کسی نے چلائی ہو۔"

"ہمم....۔اب بات کچھ سمجھ میں آئی ہے۔شاباش۔تم نے یہ کام کر کے میرا دل جیت لیا ہے۔اب دیکھنا اس خان کے بچے کو میں کیسا سبق سکھاتا۔ان کے خاندان کی عزت اب ہمارے ہاتھ میں ہے "اس بوڑھے شخص کے چہرے پر مکروہ ہنسی آ گئی۔حریم کو اب صحیح معنوں میں ادراک ہوا تھا کہ وہ دوبارہ پھنس چکے ہیں اور بہت برا پھنس چکے ہیں۔البتہ عانیہ ان کی اس طرح کی بات سن کر بھی مطمئن تھی کیونکہ اس گھر کا ڈیزائن ایسا تھا کہ یہاں سے آسانی سے بھاگا جا سکتا تھا اور دوسرا یہ کہ وہ کسی خان حویلی کو نہیں جانتی تھیں تو وہ لوگ ان کے ذریعے بلیک میل کیسے ہو سکتے تھے۔

"انہیں تہ خانے میں پہنچا دو اور بیگم صاحبہ سے کہنا کہ ان کا خاص خیال رکھے۔یہ دونوں بہت اہم ہیں۔"

چار ملازم انہیں اپنے ساتھ لیے اس کمرے سے نکل کر ایک راہداری سے گزر کر دوسرے پورشن میں داخل ہوئے۔

"بیگم صاحبہ ابھی آرام کر رہی ہیں" ایک ملازمہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

"اچھا انہیں بے شک صبح بتا دینا لیکن ابھی انہیں تہ خانے میں بند کر دو۔کھانہ وغیرہ بھی پوچھ لینا" ملازم نے عانیہ اور حریم کی طرف اشارہ کر کے کہا اور پلٹ کر وہاں سے چلا گیا جبکہ باقی تین ملازمہ کے ساتھ انہیں تہ خانے میں لے کر آئے۔وہ ایک ہال نما کمرہ تھا۔جس کو چار دروازے لگے ہوئے تھے یعنی ان دروازوں کے پار بھی کمرے

تھے۔ ملازمہ نے چابی سے دائیں طرف والے کمرے کے دروازے کا تالا کھولا اور اندر جا کر لائٹ آن کی۔ وہ ایک سادہ سا کمرہ تھا۔ بستر چارپائی کی بجائے زمین پر پڑے تھے۔ ایک طرف کچھ صندوق اور پیٹیاں پڑیں تھیں۔ ایسے لگتا تھا سالوں سے اس کی صفائی نہیں ہوئی۔ اندر داخل ہوتے ہی گردو غبار نے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ ایک ملازم نے ان کے ہاتھ کھول دیے۔

"آپ لوگ آرام کریں میں کھانا لے کر آتی ہوں۔" ملازمہ کہہ کر جانے لگی۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کھالیا تھا۔" عانیہ نے کہا تو ملازمہ وہاں سے چلی گئی۔ ایک ملازم نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور دو تو واپس پلٹ گئے جبکہ ایک کو ساری رات وہیں رکنے کا حکم دیا گیا تھا

"ہم پھر پھنس گئے آپی عانی۔" حریم مایوسی سے بولی۔ عانیہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"آپ مسکرا رہیں ہیں اور یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہیں۔ پتہ نہیں یہ لوگ اب ہمارے ساتھ کیا کریں گے۔ ان لوگوں کے تیور مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ دیکھیں ہمیں کتنے خوفناک تہ خانے میں قید کر دیا" حریم کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔

"اوہو روؤ تو مت۔ کچھ نہیں ہو گا میں ہوں نا۔ اور ویسے بھی یہ تو سنا ہو گا کہ ہر کام میں اللہ کی حکمت ہوتی ہے۔" عانیہ اس کے قریب آکر بولی۔

"اس میں بھلا کیا حکمت ہوئی۔ ہم اسی وقت کچھ نا کچھ کر لیتے تو شاید بچ جاتے اب اتنی سیکیورٹی میں سے کیسے بھاگیں گے۔ پہلے ہی اتنی مشکل سے بھاگے تھے۔" وہ رونے لگی۔

"کیا کر لیتے ہم وہاں۔ پیچھے حماد کے آدمی تھے اور آگے یہ تھے۔ ان سے ہم کسی نا کسی طرح بچ بھی جاتے تو ساری رات اس ویران راستے میں گزارتے۔ گاڑی کا ٹائر تو پنکچر ہو گیا تھا اور رش کم ہونے کی وجہ سے بمشکل ہی کوئی لفٹ ملتی۔ شکر کرو شہر تو پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے نکلنا بہت آسان ہے۔ چاروں طرف گھنے جنگلات ہیں" عانیہ اس کے

آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ حریم کو بھی یہ بات دل کو لگی۔ واقعی اگر ان کے ساتھ نہ آتے تو اس ویران جگہ پر رات کیسے گزارتے۔

"اور ایک مزے کی بات اور سنو۔ ہمارے پیچھے حماد کے آدمیوں نے ہم پر فائرنگ ہوتی دیکھی ہے اور ہماری گاڑی بھی کھائی میں گری ہے تو وہ سمجھے ہیں کہ ہم مر گئے ہیں۔ اب وہ تعبیر کو میرے مرنے کی خبر سنائیں گے اور میری طرف سے مطمئن ہو جائیں گے۔ ایسے میں تعبیر سے بدلہ لینا بہت آسان ہو گا۔ تبھی تو میں نے تمہیں اس وقت روک دیا تھا۔"

"ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن یہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"وہ میرا مسلہ ہے تم اب آرام سے سو جاؤ۔ اور مجھے بھی سونے دو۔ آج شاید سکون کی نیند ہی آ جائے۔" عانیہ کہہ کر زمین پر پڑے ایک بستر پر لیٹ گئی جس میں سے فرش کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ اور بازو سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ کمرے کا ٹمپریچر نارمل تھا۔ عانیہ کو آج بہت نیند آ رہی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی۔ آج وہ اپنی ساری پریشان سوچوں کو جھٹک کر سونا چاہتی تھی۔

"جیولری تو اتار لیں آپی" حریم دیوار پر لگے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی جیولری اتارتے ہوئے بولی۔ عانیہ سست روی سے اٹھ کر بیٹھی اور وہیں جیولری اتارنے لگی۔

"لیکن آپ اب بھی تو ان کی غلط فہمی دور کر سکتی تھیں نا۔ کہ ہم خان حویلی نہیں جا رہے تھے۔" حریم اس کی طرف چہرہ کر کے بولی۔

"پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے ہم پر یقین ہی نہیں کرنا تھا کیونکہ ہمارے خان حویلی جانے کے بارے میں، میں نے ان کے شک کو یقین میں بدل دیا ہے۔ اور جب وہ لوگ ان کی کسی بلیک میلنگ کا اثر ہی نہیں لیں گے تو تب انہیں

بھی سمجھ آجائے گی" عانیہ کانٹا اتارتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ اور کمرے کے ساتھ ملحق واشروم میں منہ سے میک اتارنے چلی گئی۔

---------------------------

سردار شجاع انصاری ایک زمانے میں مشہور سیاستدان تھے۔ ان کی بیوی کا نام سدرہ شجاع انصاری تھا۔ سردادایاز شجاع، سردار امتیاز شجاع اور گل رعنا ان کے تین بچے تھے۔

سردار ایاز شجاع کی شادی حفصہ بیگم سے ہوئی تھی اور ان کے چار بچے تھے، ولید، وقاس، امیمہ اور اسما۔ سب سے بڑا ولید تھا اور دوسرے نمبر پر وقاص۔ پھر امیمہ اور اسما تھیں۔ سردار ایاز شجاع اب اپنے باپ کی سیٹ پر سیاست دان تھے۔ جسے جلد ہی وہ اپنے بیٹے ولید کو دینے والے تھے۔

ولید اور وقاص کی شادی ہو چکی تھی۔ ولید کی بیوی کا نام نائلہ اور وقاص کی بیوی کا نام زینب تھا۔ ولید کے دو بچے تھے حسان اور ساحر۔ حسان دس سال کا تھا اور ساحر بارہ سال کا تھا۔ جبکہ وقاص کی ایک پانچ سالہ بیٹی ایمان تھی۔

امیمہ کی شادی انس سے ہوئی تھی جو اس کے چچا امتیاز کا بیٹا تھا اور اسما ابھی کنواری تھی۔

سردار امتیاز شجاع کی شادی صفیہ بیگم سے ہوئی تھی اور ان کے بھی چار بچے تھے۔ سب سے بڑا انس، پھر ماریہ ،شاہویز اور پھر رباب تھی۔ سردار امتیاز شجاع کا زمینوں کا کاروبار تھا۔

انس اور امیمہ کے دو بچے تھے۔ آٹھ سالہ حسنہ اور پانچ سالہ بیٹا احد تھا۔ ماریہ کی شادی اس کے ماموں زاد احمر سے ہوئی تھی۔ ان کا ایک بیٹا پانچ سال کا تھا جس کا نام باسم تھا۔ شاہویز اور رباب ابھی کنوارے تھے۔ شاہویز ہائیر سٹڈیز کے لیے انگلینڈ گیا ہوا تھا۔

سردار شجاع انصاری کی چھوٹی بیٹی گل رعنا کی شادی رضا خان کے بڑے بیٹے سے کی گئی تھی جو ایک سیاستدان تھا۔ کیونکہ اس وقت سردار شجاع کو سیاسی سپورٹ چاہیے تھی۔ بعد میں ان کے تعلقات خراب ہو گئے اور گل رعنا

دو بچوں کے بعد طلاق لے کر واپس باپ کے در پر آ گئی۔ سسرال والوں نے پانچ سالہ بیٹا نہ دیا جب کہ دو ماہ کی بیٹی رینم ساتھ بھیج دی۔ وہ طلاق کا صدمہ برداشت نہ کر سکی اور چھ مہینے بیماری میں رہ کر جان ہار دی۔ اس وقت رینم کو ایک ملازمہ نے سنبھالا۔ لیکن دس سال بعد وہ بھی چل بسی تو رینم کو سنبھالا دینے والا اس بھرے خاندان میں کوئی نہیں تھا۔ اسے اس گھر میں دشمنوں کی بیٹی تصور کیا جاتا تھا حالانکہ وہ گل رعنا کی بھی تو بیٹی تھی۔ ابھی وہ دس سال تک اس نے پانچویں جماعت پاس کر لی تھی اور اسے آگے پڑھنے سے روک دیا گیا تھا جبکہ اسما اور رباب جو اس کی ہم عمر تھیں انہیں میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ پھر اس کی حیثیت ایک نوکرانی کی سی ہو گئی تھی۔ صبح سے رات تک کام کرتی رہتی تھی۔ ان کے حکم نہ ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اگر وہ کام غلط کر دیتی تو اس کی ممانیاں اسے روئی کی طرح دھنک دیتیں۔ گھر کے مردوں نے کبھی اس معاملے میں بولنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اسما اور رباب الگ اس پر رعب جماعتیں تھیں۔ اور تو اور سردار ایاز کا بڑا بیٹا ولید شادی شدہ ہونے کے باوجود اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا جس سے اس کی زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ ولید کی بیوی اس پر شک کرتے ہوئے کئی دفعہ اس پر تھپڑوں کی بارش کر چکی تھی۔ اس کی تو خیر تھی وہ تو شروع سے مار کھاتی آ رہی تھی لیکن نائلہ نے اسے گھٹیا اور دوسروں کے شوہروں پر نظر رکھنے والی مشہور کر دیا تھا وہ برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ سب اسے ہی قصور وار سمجھتے تھے جبکہ ولید ہر الزام سے بری الزمہ تھا۔ وہ سب کے طعنے، ماریں سہہ کر کمرے میں آ کر رونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے آیا جی سے سنا تھا کہ اس کا ایک بھائی اور باپ بھی ہے جو اس کے نانا کے دشمن ہیں۔ اس نے اپنی اٹھارہ سالہ زندگی ان دیکھے بھائی اور باپ کو ملنے کی خواہش میں گزار دی۔ ماں سے تو چاہ کر بھی نہیں مل سکتی تھی۔ لیکن اس کی آیا نے اسے اس کی ماں کی شادی کی تصویر کہیں سے ڈھونڈ کر لا دی تھی جو اب تک اس نے سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ ہو بہو اپنی ماں کی طرح خوبصورت سے تھی۔ کالے کمر سے نیچے تک آتے لمبے گھنے سیاہ بال اور سیدھی کھنچی ہوئی بھنوں کے ساتھ بڑی بڑی کالی آنکھوں پر مڑی ہوئی پلکوں کی باڑ

سجائے، چھوٹی سی نیچے سے اوپر کو اٹھی ہوئی پتلی سی ناک، پھولوں کی پتیوں کی طرح ہلکے سے مڑے گلابی ہونٹ، تھوڑی پر ڈمپل اور سفید رنگت کے ابھرے گالوں والے چہرے کے ساتھ وہ بلا کی حسین تھی۔ لیکن ہر وقت بیمار رہنے سے اس کے سفید نقاہت زدہ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد گھرے ہلکے تھے۔ دمے کی وجہ سے سانس بھی مشکل سے آتی تھی لیکن ایسے میں بھی اسے کام سے چھٹی نہیں تھی۔ اگر کام کرتی رہے ان کے طعنوں سے بچی رہتی تھی۔ اب اسے یہ کام زیادہ آسان لگتے تھے۔ اگر فارغ ہوتی تو اپنی زبوں حالت پر روتی اور کڑھتی رہتی۔ اس کی امید بالکل ختم ہو چکی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اللہ نے اس کی مدد کیلیے کسی کو بھیج دیا ہے۔ کیونکہ انسان جتنا برداشت کر سکتا ہے اللہ اس پر اتنی ہی آزمائش ڈالتا ہے۔ اور رنیم کی آزمائش کا وقت ختم ہونے والا تھا

-------------------------

نائلہ اور امیمہ تہ خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو عانیہ اور حریم کو زمین پر پڑے سوتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ دونوں خوبصورت فراکوں میں ملبوس اور خوبصورت نین ونقش کے ساتھ آسمان سے اتری ہوئی پریاں لگ رہیں تھیں۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ دونوں بڑے سکون سے سو رہیں تھیں جیسے اپنے گھر میں لیٹیں ہوں۔ امیمہ اور نائلہ نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"دیکھو کیسے مزے سے سو رہی ہیں۔ اٹھاؤ انہیں ذرا۔" نائلہ نے امیمہ سے اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ عانیہ کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ وقت اسے سمجھنے میں لگا کہ وہ ہے کہاں۔ اپنے سامنے دو لڑکیوں کو کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

"اسے بھی اٹھاؤ۔ سو ایسے رہی ہیں جیسے اپنا گھر ہو۔" امیمہ نے طنز کیا لیکن عانیہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور حریم کو جھنجھوڑ کر اٹھانے لگی۔

"اٹھو حریم صبح ہو گئی ہے۔"

"آپی تھوڑی دیر اور سو لینے دیں۔ بعد میں نماز پڑھ لوں گی نا" حریم نے کسمسا کر کروٹ بدل لی۔ وہ جب سے عانیہ کے ساتھ تھی عانیہ اسے زبردستی صبح اٹھا کر نماز پڑھواتی تھی۔ ہر بار کی طرح آج بھی وہ بعد میں پڑھنے کا بہانہ کرنے لگی۔

"ہم آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں نماز کے لیے۔ جلدی سے اٹھو۔" عانیہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کے پاس نماز پڑھنے کا وقت نہیں اب۔ بی جان بلا رہی ہیں۔ اگر ذرا سی بھی دیر کی تو تم لوگوں کو سزا ملے گی۔" نائلہ نے سختی سے کہا۔ حریم بھی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اور اگر نماز نہ پڑھی تو اللہ سے سزا ملے گی۔ میرے خیال میں تمہاری بی جان کی سزا پھر ٹھیک رہے گی۔ جا کر بی جان کو بتا دو کہ ہم دس منٹ تک آ جائیں گے۔" عانیہ کے پر اعتماد لہجے پر وہ دونوں چونکی تھیں۔ یہ انہیں کچھ عجیب سی لڑکی لگی تھی۔ اپنے دشمنوں کے گھر میں کتنے نڈر لہجے میں بات کر رہی تھی۔ اور وہ بھی بی جان کی بات سے انکار۔

"اور ہاں۔ اگر دوپٹہ ہو تو لا دو۔" عانیہ نے جتنے سکون سے کہا وہ دونوں اتنا ہی تلملاتی پیر پٹختے ہوئے باہر چلی گئیں اور بی جان کو بتایا کہ وہ نماز پڑھ کے آ رہی ہیں۔ اب بی جان انہیں نماز پڑھنے سے روک کر خود کو برا مسلمان تو ظاہر نہیں کر سکتی تھی سوچ پڑ ہو رہی۔

-----------------------------

سدرہ بیگم ستتر سال کی بوڑھی تھی لیکن اپنے صحت مند اور فربہی مائل جسم کی وجہ سے اب بھی اپنی اولاد اور خصوصاً بہوؤں کے لیے جلاد صفت اور سخت قسم کی بی جان تھیں۔ کوئی ان کے سامنے بولنے کی جرات نہیں کرتا

تھا۔اسی لیے دونوں بہوئیں اور ان کی بہوؤں نے بھی کبھی کھلے عام ایک دوسرے سے تو تو میں میں نہیں کی تھی۔ لیکن سرد جنگ ضرور چل رہی تھی جس کا بی جان کو نہیں پتہ تھا۔

بی جان صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ایک بڑے ہال میں اپنے مخصوص پلنگ پر بیٹھ کر صبح کے اذکار میں مصروف تھیں۔ صفیہ بیگم اور خفصہ بیگم ان کی دونوں بہوئیں بھی ان کے پاس کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ ساری لڑکیاں سوائے رنیم کے اپنے کمروں میں سو رہی تھیں۔ مرد حضرات مسجد سے نماز پڑھ کر آ کر اپنے اپنے کمروں میں سوئے ہوئے تھے۔ گرمیوں کی راتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے سب پر اب بھی نیند حاوی تھی۔ البتہ سارے ملازمین صبح صبح ہی اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔

عانیہ اور حریم دونو کرانیوں اور دو ملازموں کے ساتھ ہال میں داخل ہوئیں تو بی جان کے ساتھ ساتھ اس کی دونوں بہوؤں کی نظریں بھی ان پر اٹھی تھیں۔بی جان نے حقارت سے انہیں سر تا پا دیکھا۔

"کیا نام ہیں تم دونوں کے ؟"سخت آواز میں کہا گیا۔

"میں عانیہ ہوں اور یہ حریم ہے"عانیہ نے کہا۔

"ہمم....۔خان حویلی سے کیا تعلق ہے تم دونوں کا؟"

"کوئی تعلق نہیں؟"وہ حیرانی ظاہر کرتے ہوئے ایسے بولی جیسے پوچھ رہی ہو آپ کو ایسا کیوں لگا کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔بی جان کو اس کے اس طرح کہنے سے جلال آ گیا۔صفیہ اور حفصہ نے ایک دوسرے کو دیکھ کر بی جان کو دیکھا۔

"تم لوگوں کو ایک بات بتا رہی ہوں اور اسے پلے سے باندھ لو۔اگر میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات بھی کی تو چمڑی ادھیڑ دوں گی تم لوگوں کی۔"بی جان غصے میں بولیں۔

"میں جھوٹ نہیں بولتی۔ ہمیں تو پتہ بھی نہیں کہ یہ خان حویلی ہے کدھر اور ہے بھی یا نہیں۔"عانیہ بولی۔

"یعنی تم لوگ ایسے نہیں مانو گی۔"

"آپ بے شک خان حویلی والوں سے پوچھ لیں۔" عانیہ نے مشورہ دیا۔

"وہ لوگ تو تم لوگوں کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھ چکے ہوں گے۔" بی جان بولی۔

"چلیں.... تعزیت کے بہانے ہی پوچھ لیں کہ ان کی دو لڑکیاں مسنگ تو نہیں۔ اور کیا وہ جنازہ ان لڑکیوں کا ہی ہے" ایک اور مشورہ حاضر تھا۔

"تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں کیا۔ کیسے پٹر پٹر زبان چلا رہی ہو۔" صفیہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"سوری.... آپ کو میری بات بری لگی ہے تو لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہم وہ نہیں ہیں جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں۔" عانیہ انتہائی شائستہ لہجے میں بولی جیسے اس سے زیادہ اخلاق والا اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ بی جان اور اس کی دونوں بہوئیں اس کے دھوپ چھاؤں رویے کی وجہ سے حیرت زدہ رہ گئیں۔ بی جان بھی شش و پنج میں مبتلا ہو گئیں کہ آیا یہ لڑکی سچ بول رہی ہے یا ولید ایاز سچ بول رہا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ جب اس نے اس لڑکی سے پوچھا کہ خان حویلی جا رہی ہو تو اس نے ہاں میں جواب دیا تھا لیکن اب یہ لڑکی جتنے یقین سے خان حویلی سے لاتعلقی ظاہر کر رہی تھی بی جان کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ پھر بی جان کو سوچ آئی کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے برے سلوک سے بچنے کے لیے جھوٹ بول کر انہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ان لڑکیوں کو کام پر لگاؤ اور کھانا دینے کی ضرورت نہیں جب تک یہ سچ نہیں بول دیتیں۔" بی جان نے کسی ملکہ کی طرح حکم دیا۔ دونوں ملازمائیں ان کی طرف آئیں اور انہیں بازو سے پکڑ کر گھسیٹتیں باہر لے گئیں۔ حریم نے عانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"ان لڑکیوں کا حشر ریم سے زیادہ برا ہونا چاہیے۔ ذرا سا بھی گڑبڑ کریں تو ٹانگیں توڑ کے رکھ دینا۔" بی جان سفاکی سے بولیں۔ انہیں شروع سے ہی لڑکیاں ناپسند تھیں۔ لڑکوں کو سر پر بٹھائے رکھتیں اور لڑکیاں ان کے سامنے

آتے ہی کانپنے لگتیں۔ ان کے خیال میں جب تک لڑکیوں کو مار مار کے رکھا جائے کنٹرول میں رہتی ہیں ورنہ اپنی من مانی کر کے ایک دن خاندان کی عزت داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی گل رعنا کو بھی ہر وقت کی مار کٹائی اور ڈانٹ ڈانٹ کر اس کی شخصیت کی خود اعتمادی چھین کر احساس محرومی بھر دیا تھا۔ اور جب اس کے باپ نے اپنے فائدے کے لیے اس کی شادی خان حویلی کی تھی وہ بول بھی نہ سکی تھی۔ لیکن صفیہ بیگم اور حفصہ بیگم اتنی سفاک نہیں تھیں کہ اپنی بیٹیوں کو ہر وقت مارتی ہی رہتیں۔ البتہ رینم کی پٹائی کرتے ہوئے ان کی ممتا کانپتی نہیں تھی

-----------------------------

وہ دونوں صبح نماز پڑھنے کے بعد جاگنگ کیلیے قریبی پارک کی طرف جا رہیں تھی۔ اس وقت چھ بج چکے تھے اور سورج طلوع ہو چکا تھا۔ حدیقہ نے جاگر اور جینز پر بلیو سلکی ایمبرائیڈیڈ فراک نما ٹاپ پہنا ہوا تھا جس کی لمبائی گھٹنوں سے تھوڑا اوپر تک تھی۔ گلے میں ڈوپٹے کا ہالہ سا بنایا ہوا تھا۔ پونی ٹیل میں بندھے ریشمی گولڈن بال کمر پر جھول رہے تھے۔ ماتھے پر تھوڑے سے بال بکھیرے میک اپ سے عاری چہرہ کسی کی توجہ کھینچ لینے کے لیے کافی تھا۔ عنیقہ نے قمیض اور شلوار کے ساتھ گلے میں ڈوپٹا لٹکایا ہوا تا۔ کالے لمبے بالوں کو چٹیا میں باندھ کر آگے کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں ہم قدم چل رہی تھیں۔ ان کا گھر مین گلی میں تھا اس گلی سے نکل کر سڑک پر دائیں طرف آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر پارک تھا۔ گلی اور سڑک پر معمول کا رش تھا۔ وہ ابھی پارک کے اینٹرینس میں داخل ہی ہوئیں تھیں کہ ایک بارہ تیرہ سالہ بچہ چھوٹے سے سفید کتے کے ساتھ کھیلتا ہوا دکھائی دیا۔ حدیقہ کی جب اس پر نظر پڑی تو یکدم ڈر کر عنیقہ کے ساتھ ہو گئی۔ بچے نے اسے ڈرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اب شرارت بھری مسکان کے ساتھ کتے کو ہاتھوں میں اٹھا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ حدیقہ کے تو ڈر کے مارے سانس رک گیا۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے عنیقہ کی طرف دیکھا لیکن وہ تو خود ڈر رہی تھی۔ اس پر بھروسہ کرنا عبث تھا۔ اس لیے

ٹریک پر بھاگنے لگی جہاں لوگ جاگنگ کر رہے تھے۔وہ بچہ بھی حدیقہ کے پیچھے بھاگنے لگا تو عنیقہ جو بچے کو کتا پکڑے اپنے پاس آتا دیکھ کر سہم گئی تھی شکر کیا کہ بچے کا دھیان اس پر نہیں پڑا۔

اچانک حدیقہ کو ٹریک کے سائیڈ پر سنگی بینچ کے قریب وہاب کھڑا نظر آیا۔اس نے مڑ کر بچے کو دیکھا جو اس کے قریب ہی پہنچ چکا تھا تو تیزی سے وہاب کی طرف دوڑی۔وہاب اسے پریشان سا اپنی طرف بھاگتا دیکھ کر پہلے تو حیران ہو کر رکا اور اس کے پیچھے کتے کو پکڑے بچے کو بھاگتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"وہاب....مجھے بچاؤ۔وہ لڑکا مجھے کتے سے ڈرا رہا ہے۔" حدیقہ ہانپتے ہوئے اس کے سامنے آکر بولی اور پھر اس کے پیچھے چھپ گئی۔بچہ بھی بھاگتے ہوئے وہاب سے ڈر کر رک گیا۔

"کیا کہا؟......مجھے سنائی نہیں دے رہا۔" وہاب گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس بچے کو روکو پلیز" حدیقہ کا منہ رونے والا ہو گیا۔

"کیوں روکوں؟" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"وہ مجھے ڈرا رہا ہے۔پلیز میری مدد کرو"

"میں تمہاری....مدد کیوں کرنے لگا۔تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے وہ سب یاد ہے مجھے" وہاب مزے سے کہہ کر آگے بڑھا اور بچے کے ہاتھ کتا اٹھا لیا۔حدیقہ کا تو صحیح معنوں میں دماغ گھوم گیا۔اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔قدم زمین سے چپک گئے۔اسے وہ سب یاد آنے لگا جو اس نے وہاب کو تنگ کرنے کے لیے کیا تھا اور آج تو لگتا تھا کہ مکافات عمل شروع ہو گیا ہے۔وہاب کتا لے کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے کتے کو دیکھ رہی تھی۔اس نے ارد گرد دیکھا لوگ ٹریک پر آ جا رہے تھے لیکن کسی کا دھیان نہیں تھا۔کسی کو مدد کیلیے پکارنا اپنی بے عزتی کرانے کے مترادف تھا۔لوگ کیا کہتے،وہ ایک چھوٹے سے کتے سے ڈر گئی ہے۔اور بھاگ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہاب نے ایک منٹ نہیں لگانا تھا اس تک پہنچنے میں۔

"پ...پلیز....اسے دور کرو.....مجھے ڈر لگ رہا ہے" وہ سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی۔وہاب اس کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا اور وہ دو قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

"ہر ظلم تیرا یاد ہے۔ذرا ان مظالم کا بدلہ نا لے لوں۔موقع اچھا ہے۔"وہاب نے اور قریب آکر کتا اس کی طرف بڑھایا۔

"آئندہ ایسا نہیں کروں گی.....؟وہ جلدی سے منت بھرے لہجے میں بولی۔

(اب تو جان چھوٹے بعد میں بتاؤں گی اسے۔)

"کیا نہیں کرو گی؟"وہاب کان ذرا قریب کر کے بولا۔

(بہرہ کہیں کا)وہ سوچ کر رہ گئی۔وہاب نے کتے کو ذرا اس کی طرف بڑھایا۔

"نن....نہیں کروں گی......تمہیں تنگ۔"وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"پرامس"وہاب شکی لہجے میں بولا۔

"پرامس"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔کہ تم مجھے تنگ کرنا چھوڑ دو گی۔اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کتے کو اجازت دے دوں وہ تمہیں کاٹ لے۔بے چارہ کتا کتنا بھوکا لگ رہا ہے۔تمہارا کیا جائے گا صرف چودہ ٹیکے ہی تو لگیں گے۔"وہاب نے اسے زچ کرنے کی انتہا کر ڈالی۔کتے کا کاٹنا اور چودہ ٹیکے.....وہ تو سوچ کر بے ہوش ہو گئی تھی۔وہ لہرا کر گرنے کو ہی تھی کہ وہاب نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔اور کتے کو نیچے چھوڑ کر پریشانی سے اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔اس کی وجہ سے حدیقہ آج دوسری بار ڈر کے مارے بے ہوش ہوئی تھی۔عنیقہ نے دور سے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔اسے تو حدیقہ کا وہاب سے مدد مانگنا اور دو منٹ بات کرنا بری طرح کھٹک رہا تھا اور کہاں اب وہ بے ہوش اس کی بانہوں میں پڑی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حدیقہ کو وہاں سے غائب کر دے۔وہ جا کر

حدیقہ کو اس کے بازو سے پیچھے ہٹانا چاہتی تھی لیکن وہ بچہ کتے کے ساتھ وہی کھیلنے لگا تھا اس لیے ڈر کے مارے وہیں کھڑی رہی۔ دو لڑکیاں وہاں سے گزر رہی تھیں حدیقہ کو بے ہوش ہوتے دیکھ کر ان کی طرف آئیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"بس تھوڑی سی طبیعت خراب تھی تو بے ہوش ہو گئی۔" وہاب حدیقہ کو سہارا دے کر سنگی بینچ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"زیادہ خراب تو نہیں طبیعت؟" دوسری لڑکی بولی۔

"نہیں ابھی ہوش میں آجائے گی۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں" اس نے کہتے ہوئے پاس پڑی بوتل کھول کر پانی حدیقہ کے منہ پر پھینکا۔ حدیقہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور وہاب کو سامنے دیکھ کر چیخ مارنے لگی ہی تھی کہ وہاب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا کر رہی ہو حدیقہ۔ یہ پارک ہے۔ چیخ مت مارنا۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتا اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا گیا۔ حدیقہ کو گردو پیش کا خیال کر کے چیخ مارنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ اور پاس ہی کتے کو گھومتے دیکھ کر ڈرنے لگی۔

"نائس کپل" پاس کھڑی ایک لڑکی نے دوسری سے مسکرا کر سرگوشی میں کی اور وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں۔ وہاب نے ان کا کمنٹ سن لیا تھا اور مسکرا دیا۔

"ڈرو مت۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ یہ پانی پیو" وہ اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اور پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ حدیقہ نے کانپتے ہاتھوں سے بوتل پکڑلی اور دو گھونٹ پانی پیا۔ نظریں اس کی کتے پر ہی لگیں تھیں۔

"سوری میری وجہ سے تم پھر بے ہوش ہو گئی۔"

"تم نے کہا تھا اب تم مجھے نہیں ڈراؤ گے۔" وہ غصے سے بولی۔

"سوری....؟لیکن تم مجھ سے اس بات کا بدلہ بھی لے سکتی ہو۔" وہاب شرمندہ سا بولا۔وہ خفگی سے چہرہ پھیر گئی۔لیکن اب اسے وہاب پر یقین آچکا تھا کہ وہ اب کتے کو اس تک آنے سے روک لے گا۔اسی لیے مطمئن ہو کر بیٹھی رہی اس کے دل کی رفتار معمول پر آنے لگی۔اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو عنیقہ اسے دور کھڑی نظر آئی۔اس نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔عنیقہ نے کتے کی طرف اشارہ کیا کیونکہ کتے کے سامنے سے گزر کر ان کے پاس پہنچنا تھا۔

"کتے کو پیچھے کرو مجھے جانا ہے" وہ قدرے تحکم بھرے لہجے میں بولی تو وہاب چہرے پر دلفریب مسکراہٹ لیے اسے ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر کتے کی طرف بڑھ گیا۔حدیقہ جلدی سے اس کے پیچھے سے گزر گئی۔

"کیا ہوا تھا تمہیں۔بے ہوش کیوں ہو گئی تھی۔" حدیقہ اس کے پاس پہنچی تو وہ مصنوعی فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔چلو" وہ خفگی سے کہتی ٹریک کی دوسری طرف چلنے لگی۔غصہ تو اسے عنیقہ پر بھی آرہا تھا کہ وہ ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی اور عنیقہ دور کھڑی دیکھتی رہی۔اور عنیقہ بھی دل ہی دل میں اس پر تلملا رہی تھی۔وہاب کا اس کے لیے پریشان ہونا اور اسے دیکھ کر مسکرانا، ذہن سے بھول ہی نہیں رہا تھا۔

"ویسے کیا کہہ رہا تھا وہ" عنیقہ کا انداز تفتیشی تھا۔

"ڈرا رہا تھا اور بے ہوش کر کے پھر معافی مانگ رہا تھا۔اور کیا کہنا ہے" وہ تنک کر بول۔

"ویسے یہ طریقہ اچھا ہے کسی لڑکے کے دل کو اپنی طرف جھکانے کے لیے....اس کے پاس جا کر بے ہوش ہو جانا" عنیقہ نے اس پر طنز کر کے دل کا غبار اس پر نکالا۔اسے یہ آتا ہی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کوئی برا کرے اور وہ جواب میں چپ رہے۔حدیقہ کو جب اس کی بات سمجھ آئی تو غصہ بھی آیا لیکن اس بات سے خوش ہوئی کہ وہ جیلس ہو رہی ہے۔

"تم مجھ سے جیلس ہو رہی ہو؟" مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تم سے شکوہ کر رہی ہوں مجھے ایسا طریقہ نہیں بتایا۔" وہ کہاں کسی سے کم تھی۔

"تمہیں میں ایسی گھٹیا لڑکی لگتی ہوں جو لڑکوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس جا کر جان بوجھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔" حدیقہ کو اس کی ڈھٹائی پر غصہ آیا۔

"اوہو یار کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو نیا آئیڈیا ملا ہے وہاب کے قریب ہونے کا۔ اس میں گھٹیا پن والی کونسی بات ہوئی بھلا۔"

"حد ہو گئی ہے یار" وہ تاسف سے بولی۔

"ویسے ایک بات سچی بتاؤں۔ مجھے دکھ تو بہت ہوا تھا تمہیں اس کی بانہوں میں دیکھ کر۔ اپنی چیز کیلیے ہر کوئی پوزیسو ہوتا ہے۔ مجھے جیلسی فیل ہوئی تو اس میں نئی بات کیا ہے۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔ حدیقہ کو سمجھ تو آ گئی تھی کہ وہ در پردہ اسے یہ بات باور کروانے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس کا وہ اسے وہاب کے قریب برداشت نہیں کر سکتی اس لیے آئیندہ ایسا کرنے کا سوچے بھی مت۔ وہ کونسا جان بوجھ کر اس کے پاس گئی تھی اور بے ہوش ہوئی تھی۔ عنیقہ کی بات سے اسے ذلت محسوس ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نا آیا کہ اسے کیا جواب دے اپنی صفائی میں کیا کہے۔ اسی لیے خاموشی سے چلتی رہی۔

عنیقہ کے دل میں شروع سے ہی اس کے لیے کینہ اور بغض پیدا ہو گیا تھا لیکن اب تو جیسے اس واقعے سے اس بغض کی آگ کو ہوا ملی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اس وقت وہ حدیقہ کی جگہ وہاب کے قریب ہوتی۔ اس کتے کی وجہ سے وہ وہاب کے قریب نہیں جا سکی۔ اب اسے رہ رہ کر کتے پر غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

-----------------------------------

"بتاؤ کہاں بھیجا ہے اسے؟" ریان نے سخت غصے میں کرسی پر بندھے آدمی کو کالر سے پکڑ کر منہ پر دو مکے مار کر پوچھا تھا۔ عدیل نے جو ساتھ کھڑا تھا آگے بڑھ کر ریان کو اور مکے مارنے سے روکا تھا۔ عدیل نے اسی آدمی کو دوبارہ پکڑ لیا تھا جس سے پہلے بھی اس کے آدمیوں نے پوچھ گچھ کی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔ مجھ سے قسم لے لو۔ میں تو معمولی سا باورچی تھا ان کا۔ وہ اندر کی باتیں ہمیں نہیں بتاتے۔ پہلے بھی جو کچھ آپ لوگوں نے پوچھا تھا جتنا مجھے معلوم تھا میں نے آپ کو بتا دیا تھا۔" جواد منہ کا درد برداشت کرتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولا۔ ریان کو اس پر اور غصہ آگیا۔

"اگر تم نے کچھ نہ بتایا تو یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔" ریان نے سخت لہجے میں کہا۔ عدیل نے ریان کو مارنے سے روک کر اس پیچھے کیا۔

"دیکھو جواد یہ کسی کی زندگی کا معاملہ ہے۔ اگر تمہارے تعاون سے کسی کا بھلا ہو جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہو گی۔ ہم تمہیں منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔" عدیل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بھائی مجھے پتہ ہوتا تو اب تک میں بتا چکا ہوتا۔" وہ روہانسا ہو گیا۔ ریان اور عدیل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ریان کی خوبصورت پیشانی پر اس وقت پریشانی سے بل پڑے ہوئے تھے۔

"تم وہاں پر کسی اور آدمی کو جانتے ہو جو ان کے زیادہ قریب ہو اور اسے ساری معلومات ہوں؟" عدیل نے پوچھا۔

"انہوں نے سارے ملازمین کو فارغ کر دیا تھا لیکن ایک شخص کو میں جانتا ہوں جسے شاید باہر نہ نکالا گیا ہو۔"

"کسے؟"

"عنصر کو۔ وہ تعبیر میڈم کے لیے کام کرتا تھا۔ لڑکیاں اغواء کرتا تھا لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے بھی کچھ پتہ نہ ہو کیونکہ لڑکیوں کو آگے بیچنا اس کا کام نہیں ہے۔" جواد نے ڈرتے ہوئے تفصیل بتائی اور ریان کو امید کی کرن دکھائی دی۔

"تم اسے کال کر کے پوچھو۔"عدیل اس کا موبائل اسے واپس کرتے ہوئے بولا اور اس کے ہاتھ کھول دیے۔جواد عنصر کو کال ملانے لگا۔

"سپیکر آن کرو"ریان نے کہا تو اس نے ڈرتے ہوئے جلدی سے سپیکر آن کر دیا کہیں ایک مکا اور ہی نہ پڑ جائے۔

"اسلام علیکم عنصر بھائی۔"جواد لہجے کو خوشگوار بنا کر بولا۔

"وعلیکم السلام.....جواد کیا حال چال ہیں؟۔"عنصر نے دوسری طرف سے پوچھا۔

"بس بھائی صاحب۔بے روزگاری میں کیسے حال چال ہو سکتے ہیں۔"وہ بے چارگی سے بولا۔

"اوہو تم فکر نہ کرو جلد ہی تمہیں کام پر لگوا دوں گا۔",دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ تو مجھے پتہ ہے آپ مجھے کسی نا کسی کام لگوا ہی دیں گے۔لیکن عنصر بھائی اس نوکری بہت مزے کی تھی۔یہاں تو کھلا پیسہ ملتا تھا۔مجھے تو اس لڑکی پر غصہ آ رہا ہے۔نہ ہی وہ سر حماد کو قتل کرنے کی کوشش کرتی اور نہ ہم سب لوگوں کی نوکری جاتی۔"جواد بات کو گھما پھرا کر لڑکی پر لے آیا۔

"ہاں یار غصہ تو مجھے بھی اس پر بہت تھا لیکن مجھے تعبیر میڈم نے پھر سے نوکری دے دی ہے اور اس لڑکی کا انجام بہت برا ہوا ہے۔"عنصر نے کہا تو ریان کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"اچھا....کیا ہوا ہے اسے؟"عام سے انداز میں پوچھا۔

"یار وہ لڑکی تو بہت تیز نکلی لیکن ایک نہ ایک دن یہ تیزی بھی کام نہیں آتی۔جس کوٹھے پر اس کو تعبیر میڈم نے ایک لڑکی کے ساتھ بھیجا تھا۔وہاں وہ طوائف کی بیٹی کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ دوسری لڑکی کو بھی لے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی......"عنصر کے کہنے پر ریان نے شکر کا سانس لیا لیکن ابھی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔

"اور بعد میں اس کی بیٹی کو کسی نامعلوم مقام پر جا کر قتل کر دیا۔ وہ لڑکی اس وقت اپنی ماں کو فون کر کے مدد مانگ رہی تھی جب فائر کی آواز کے ساتھ اس لڑکی کی چیخ بھی سنائی دی۔....." اس بات پر تینوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے تھے۔

"اس کی ماں نے تعبیر میڈم کو فون کر کے ساری حقیقت بتائی تو انہوں نے مجھے فون کیا کہ میں اپنے ساتھ کچھ بندوں کو لے جا کر ان کا پیچھا کروں انہیں شاید گاڑی کے ٹریکنگ سسٹم کے ذریعے ان کی لوکیشن معلوم ہو گئی تھی کہ وہ اس وقت مری روڈ پر ہیں۔ ہم چار بندے بغیر اسلحے کے ایک گاڑی میں سوار ہو کر ان کے پیچھے گئے۔ لیکن ہم نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی لڑائی تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ اس لڑکی کو بھی ہمارا پیچھا کرنے کا پتہ لگ گیا حالانکہ ہم نے بڑی احتیاط بھی کی تھی۔ پھر اس نے ہماری گاڑی پر فائر کر کے ٹائر پنچر کر دیا۔ بڑی مشکل سے گاڑی کو روکا اور باہر نکل آئے۔ اسی وقت پہاڑی کی طرف سے اس لڑکی کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی۔ اور چیخ کی آواز بھی سنائی دی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ان کی گاڑی پر فائرنگ ہوتی دیکھی اور جلدی سے ساتھ لگے درختوں میں چھپ کر دیکھنے لگے۔ وہ لوگ شاید کوئی لٹیرے یا غنڈے تھے۔ انہوں نے ان کی گاڑی کے قریب آ کر کچھ دیر چیک کرنے کیلیے کھڑے رہے اور پھر ان کی گاڑی کو کھائی میں گرا کر چلے گئے۔ یہ تو ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ وہ دونوں لڑکیاں مر گئی ہیں۔ لیکن اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ فائر لگنے سے مریں ہیں یا کھائی میں گر کر۔ ہو سکتا ہے کہ مار کے وہ لاشیں اپنے ساتھ ہی لے گئے ہوں۔" عنصر نے ساری تفصیل بتائی۔ اور جواد نے کچھ دیر بعد فون بند کر دیا۔ ریان نے صرف فائرنگ ہونے تک کی بات سنی تھی اس سے آگے تو اس سے کچھ سننے ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دیا کا چہرہ آ رہا تھا۔ وہ یکدم مڑا اور باہر کی طرف تیزی سے قدم بڑھا دیے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا اور گاڑی کو تیز سپیڈ سے سڑک پر بے مقصد دوڑانے لگا۔ وہ ریان

جو کبھی بھی نہیں رویا تھا دیا کی موت نے اسے رلا دیا تھا۔ دل ابھی بھی نہیں مان رہا تھا کہ دیا مر سکتی ہے۔ وہ خود کو اس کی موت کا قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

"دیا ایک دفعہ واپس آجاؤ۔ پھر میں تمہیں خود سے کبھی دور نہیں کروں گا۔.... بے شک تم جتنا غصہ کرو.... میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا.... پلیز ایک دفعہ آجاؤ۔" وہ خود کلامی میں بڑبڑایا تھا۔ اس کے دماغ کی رگیں تن گئیں تھیں۔ اس کے اندر کا اکیلے پن دیا کی وجہ سے ختم ہوا تھا۔ وہ پہلی بار دیا کے لیے دل سے مسکرایا تھا۔ اسے تو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ وہ کیسے چپکے سے اس کے دل میں آبسی ہے اور یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ اب وہ اس سے دور چلی گئی تھی ہمیشہ کیلیے اور اسے گولی لگی تھی۔ اس کو کتنا درد ہوا ہو گا یہ سوچ کر ریان کا دل بھی درد سے بھر گیا۔ اس کا دھیان سڑک سے ہٹ چکا تھا۔ اسی لیے سامنے آتی گاڑی کو بروقت نہ دیکھ سکا تھا اور اس کی گاڑی بری طرح اگلی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ اس نے بریک لگانے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ زندگی کی امید ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی اور گاڑی الیکٹرک پول سے جا ٹکرائی۔ اس کا سر آگے لگا تھا اور اگلا شیشہ ٹوٹ کر اس کی کمر پر چبھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ بے ہوش ہوتے ہوئے بھی اس نے دیا کو پکارا تھا اور آنکھوں کے سامنے بھی دیا ہی تھی۔

---------------------------

وہ محل کی طرح خوبصورت سی حویلی تھی۔ بڑے بڑے ہال، لمبی لمبی راہداریاں، فرنشڈ رومز اور سرسبز لان دیکھنے والوں کو دعوت نظارہ دیتے تھے۔ وہ گھر ایک پہاڑی پر بنایا گیا تھا اور مین سڑک تک اس کا راستہ کچا تھا۔ اس کے ساتھ دائیں طرف ہی مالٹوں اور سیبوں کے باغات تھے جو سردار شجاع انصاری کی ملکیت ہی تھے۔ پیچھے کی طرف جنگلی درخت تھے۔ وہاں سے پہاڑی جنگل شروع ہوتا تھا۔ اس حویلی سے نیچے آس پاس کے گھر تھے۔ اس کے ٹیرس پر سامنے کی طرف سے سارے گھر نظر آتے تھے۔ ٹیرس کا بائیاں اور پچھلا کونا پہاڑ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

عانیہ اور حریم دو ملازماؤں کے ساتھ مردان خانے میں داخل ہوئیں تھیں۔ جہاں سردار شجاع انصاری کے سیاسی دوستوں کی بیٹھک لگتی تھی۔

"ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ساری بیٹھک کو صاف کرو۔ ساری جاڑھ پونچھ کر کے پانی سے فرش دھونا ہے۔" ایک ملازمہ نے حکم دیتے ہوئے کہا۔ عانیہ نے یہ کام کبھی نہیں کیا تھا لیکن حریم پہلے بھی ایسے کام کرتی رہی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ اتنے بڑے ہال کی جاڑھ پونچھ کرنا اور فرش کو پانی سے دھونے سے کمر اکڑ جاتی ہے۔

"ویسے یہ کام تو ملازماؤں کا نہیں؟" عانیہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"تمیز سے بات کرو بیگم صاحبہ کو شکائت لگا دوں گی" دوسری ملازمہ سخت لہجے میں بولی۔

"بیٹا ہے تو یہ ملازماؤں کا کام لیکن تم لوگوں کا یہاں ملازموں سے بھی برا حشر ہونے والا ہے۔..... اور ہاں آخری بار تم لوگوں کی نازک سی ہڈیوں پر ترس کھا کر معاف کر رہی ہوں۔ اگر آئندہ میرے سامنے زبان چلائی تو بی جان کو جا کر بتا دوں گی اور انہیں تو ویسے بھی لڑکیوں سے سخت نفرت ہے۔" پہلی ملازمہ نے رعب جھاڑا تو عانیہ لب بھینچ کر اثبات میں سر ہلانے لگی جیسے کہہ رہی ہو 'میں سمجھ گئی'۔

"تم ان دونوں کا دھیان رکھو یہاں۔ ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو مجھے بتانا آکر۔" وہ دوسری سے کہتی وہاں سے چلی گئی۔

"اتنا بڑا ہال صاف کرنے میں تو پورا دن لگ جائے گا اور صرف ایک گھنٹہ دیا ہے۔ میری کمر اکڑ جائے گی۔ اور اوپر سے یہ کپڑے انہیں سنبھالوں یا کام کروں۔" حریم عانیہ کی طرف دیکھ کر پریشان لہجے میں بولی۔

عانیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

اس ملازمہ کی نگرانی میں انہوں نے ہال میں پڑے فرنیچر کی ایک ایک چیز کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ پھر عانیہ نے ساتھ لگے باتھ روم سے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر ہال کے فرش پر پھینکیں جبکہ حریم وائپر لگانے لگی۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہال چمک رہا تھا اور حریم کمر پر ہاتھ رکھ کر جھکی ہوئی تھی۔ ڈر کی وجہ سے جلدی جلدی ہاتھ پاؤں

چلائے تھے اس لیے زیادہ تھک گئی تھی۔عانیہ نے کبھی صفائی کی تو نہیں تھی لیکن ڈیڈ نے اسے اس سے کئی گنا زیادہ مشقت برداشت کرنا سکھایا تھا۔وہ حریم کو سہارا دے کر ایک کرسی پر لائی تھی کہ ملازمہ بول اٹھی تھی۔

"یہاں مت بیٹھنا۔سزا ملے گی"

""ایک بات تو بتاؤ..... کہیں ہم کسی پچھلے زمانے کے بادشاہی محل میں تو نہیں آ گئے۔..... ذرا سی بات پر سر قلم کر دیا جائے گا۔"عانیہ حریم کو کرسی پر بیٹھا کر اس کی طرف مڑ کر بولی تو وہ ایک لمحہ کے لیے تو گڑبڑا گئی لیکن جلد ہی سنبھل گئی۔

"اس علاقے کے سردار ہیں یہ لوگ۔ کسی بادشاہ سے کم ہیں کیا۔اگر تم لوگوں کو مار دیا تو کوئی تمہاری لاشیں اٹھانے والا بھی نہیں ہو گا۔"ملازمہ حقارت سے بولی۔

"پرواہ بھی کسے ہے کہ مرنے کے بعد لاش اٹھانے والا کوئی نہیں ہو گا۔جن کی لاشیں اٹھانے والے ہزاروں ہوں گے انہیں بھی تو آخر کار اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔"عانیہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور وہ نا سمجھی سے عانیہ کو دیکھنے لگی۔حریم نے عانیہ کو غور سے دیکھا تو اس کی مسکراہٹ میں درد نظر آیا۔اسے لگا کہ وہ اپنے پیرنٹس کو مس کر رہی ہے۔اچانک دوسری ملازمہ اندر آئی تو حریم جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کام ختم ہو گیا ہے یہاں؟"اندر آنے والی ملازمہ نے پوچھا۔

"ہاں ہو گیا ہے۔"دوسری نے جواب دیا۔

"اچھا میرے ساتھ آؤ"وہ کہہ کر مڑی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔عانیہ اور حریم گیلے کپڑوں کے ساتھ اس کے پیچھے چل دیں۔

------------------------

عنیقہ بتارہی تھی کہ تم وہاں کتے سے ڈر گئی تھی" ماما نے ناشتے کی میز پر پوچھا تو حدیقہ کے ساتھ ساتھ وہاب کا بھی منہ تک جاتا ہاتھ رک گیا۔ ایک لمحے کے لیے ان دونوں کی نظریں ملیں تھیں جو عنیقہ کو سخت ناگوار گزرا تھا۔

"آ..... وہ ایک بچہ کتے سے مجھے ڈرا رہا تھا۔ وہ بہت ڈراؤنا سا کتا تھا۔" وہ ڈرتے ہوئے بولی۔ اس نے دانستہ وہاب کا نام نہ لیا۔

"اور تم ڈر کر بے ہوش ہوگئی ہوگی۔ ہے نا" عمیر نے لقمہ دیا۔

"جی نہیں۔ وہاب نے اس بچے کو ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔" حدیقہ نے مزے سے کہا تو وہاب کو اچھو لگتے لگتے رہ گیا۔ حدیقہ نے اسے شرمندہ کرنے والی نظروں سے دیکھا۔ جیسے اس پر احسان کر رہی ہو لیکن اصل بات تو یہ تھی کہ وہ وہاب کی شکایت لگا کر خود پھنسنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر وہ وہاب کی شکایت لگا دیتی تو کیا پتہ وہاب اس کی اب تک کی ساری شکایات مرچ مصالحہ لگا کر سب کو بتاتا۔ اس کے وہاب کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنے پر عنیقہ کا دل جل بھن کر رہ گیا تھا۔

"حدیقہ تم کب بڑی ہوگی۔ کب تک ڈرتی رہو گی۔ ہر جگہ کوئی تمہیں بچانے نہیں آسکتا۔ خود پر بھروسہ رکھو بیٹا۔ یہ جانور انسانوں کے تابع ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرنا نہیں چاہیے۔" عمرینہ نے حدیقہ کو ڈانٹ پلائی تو اس کا منہ بن گیا۔

"کوئی بات نہیں حدیقہ۔ میں تمہارے لیے سیکیورٹی گارڈ کا انتظام کر دیتا ہوں جو روز صبح تمہیں پارک لے جائے گا ..... عمیر بیٹا۔ کل سے تم بھی مارننگ واک کیلیے جایا کرو گے۔" حیدر علی صاحب نے حدیقہ کو تسلی دی اور عمیر کو حکم دیا۔

"میں کیوں؟... مجھے صبح صبح بہت نیند آتی ہے...." وہ منمناتے ہوئے بولا اور کھا جانے والی نظروں سے حدیقہ کو دیکھا۔

"ارے یار چلنا۔ بہت مزا آئے گا۔" وہاب نے اس کی کمر پر تھپکی دے کر کہا تو وہ تاسف سے وہاب کو دیکھنے لگا جیسے اس سے یہ امید نہیں تھی کہ مشکل وقت میں ساتھ چھوڑ دیتا۔ یعنی جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

"اگر اتنا ہی ڈر لگتا ہے تو پارک جانے کی ضرورت کیا ہے۔ یہیں لان میں واک کر لیا کرو۔ خوامخواہ میں میری نیند بھی خراب کرو گی۔" عمیر نے بالآخر خود سٹینڈ لیا۔

"مجھے پارک ہی میں واک کرنی ہے" حدیقہ ضدی بچے کی طرح بولتی وہاب کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"تم فکر مت کرو بیٹا۔ پارک میں ہی چلی جانا۔ اگر عمیر نہیں جاتا ہے تو کیا ہوا۔ وہاب تو جاتا ہے نا۔" عمرینہ نے اس بات کے پس پردہ وہاب کو باور کروایا کہ وہ اسے صرف اپنا بیٹا کہتے ہی نہیں مانتے بھی ہیں اور انہیں اس پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ وہاب کیلیے بڑے مان کی بات تھی۔ حدیقہ وہاب کا نام سن کر پریشان سی ہو گئی۔ عنیقہ تو جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو خود کو کوس رہی تھی کہ یہاں ناشتہ کرنے آئی ہی کیوں۔

"وہاب تم پارک میں دھیان رکھنا کوئی کتا نہ آجائے۔" حیدر علی نے شرارت سے کہا تو عمرینہ اور عمیر ہنسنے لگے جبکہ حدیقہ اور عنیقہ دونوں پریشان بیٹھی رہ گئیں تھیں۔

---------------------------

"گھر کے کل لوگ بائیس ہیں۔ ان کا ناشتہ تیار کرنے کے بعد ملازمین کا ناشتہ بھی تیار کرنا ہو گا۔ اور چار کتوں کے لیے بھی روٹیاں بنانی ہوں گی۔ دو گھنٹے ہیں تم لوگوں کے پاس۔ آٹھ بجے سب کچھ تیار ہونا چاہیے۔" حمیدہ جس کے انڈر ساری ملازمائیں کام کرتی تھیں وہ عانیہ اور حریم کے ساتھ چلتے ہوئے انہیں حکم دے رہی تھی۔ وہ جان بوجھ کر اتنا زیادہ کام دے رہی تھی تا کہ وہ کوئی غلطی کریں اور یہ ان کی پٹائی کرے۔ اسے لگا تھا کہ اب تو وہ ضرور احتجاج کریں گیں لیکن عانیہ اور حریم خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہیں کچن کے دروازے پر حمیدہ ایک ملازمہ کو وہیں

رک کران کو سمجھانے کا کہہ کر خود چلی گئی۔ کچن میں داخل ہوتے ہی انہیں سفید رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس لمبے بالوں کی چٹیا بنائے ایک لڑکی برتن دھوتی نظر آئی جس کی پشت ان کی طرف تھی۔

"یہ والے کیبنٹ کھولو اس میں آٹا ہے۔ ایک اسے گوندھو اور دوسری فرائی پین میں آملیٹ بناؤ۔" اس ملازمہ نے کہا تو برتن دھوتی لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اپنی ہم عمر خوبصورت اور انجان لڑکیوں کو یہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ حیران تو وہ دونوں بھی رہ گئی تھیں۔ وہ لڑکی بلاشبہ بہت خوبصورت تھی لیکن ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اسے مار مار کر چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ خوبصورت آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ ایک آنکھ کے نیچے نیل پڑا ہوا تھا۔ ہونٹ کے ایک کنارے پر زخم تھا۔ جیسے کسی کے مارنے سے وہاں سے پھٹ گیا ہو اور علاج نہ کرانے سے وہ زخم بڑا ہو گیا ہو۔ گردن کے دائیں طرف بھی نشان تھا۔ عانیہ اور حریم کے دل میں اسے دیکھ کر درد سا اٹھا تھا۔ عانیہ کو یوں لگا جیسے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ دونوں اس لڑکی کو دیکھتی رہیں۔ شکل و صورت سے تو وہ ملازمہ نہیں لگتی تھی لیکن اس کا حالت ملازموں سے بھی بدتر تھی۔ بالآخر وہ لڑکی نظریں چرا گئی اور مڑ کر پھر برتن دھونے ہی والی تھی کہ عانیہ اس کی طرف آئی اور اپنا دائیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"ہیلو..... میرا نام عانیہ ہے.... آپ کا نام کیا ہے؟" عانیہ نے مسکرا کر کہا تھا۔ وہ لڑکی ڈر کر ملازمہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"تعارف کروا دو اپنا ان سے۔ یہ تمہاری خان حویلی سے ہی آئیں ہیں۔ آئندہ سے تمہارے ساتھ ہی کام کریں گیں۔" ملازمہ نے کہا تو وہ لڑکی حیران ہو کر عانیہ کو دیکھنے لگی۔ عانیہ نے ہاتھ اور آگے بڑھایا تو اس نے تذبذب کے عالم میں پکڑ لیا۔ البتہ بولی کچھ بھی نہیں۔ عانیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی انگارے کو چھو لیا ہو حالانکہ اس کا ہاتھ اس وقت گیلا تھا۔ اس نے ذرا آگے بڑھ کے دوسرے ہاتھ سے اس کی پیشانی چیک کی تو وہ بھی بہت گرم تھی۔

"اس لڑکی کو تو بہت تیز بخار ہے۔ اور پھر بھی اس سے کام کروا رہے ہو۔ شرم ہے تم لوگوں میں کچھ۔ خود دور کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے کے پیسے لیتی ہو۔" عانیہ کو جب غصہ چڑھ جاتا تھا تو یہ نہیں دیکھتی تھی کہ وہ کہاں کھڑی

ہے۔ نوکرانی بھی تلملا کر رہ گئی۔ وہ لڑکی حیرانی سے اسے دیکھنے لگی جبکہ حریم کے لیے اب یہ حیرانی کی بات نہیں تھی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔ تم لوگوں کا بھی حال اس سے برا ہونے والا ہے۔ پھر تمہاری ہمدردی بھی ختم ہو جائے گی۔" ملازمہ اکڑ کر بولی۔ عانیہ چہرہ پھیر کر طنزاً مسکرائی اور پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا آپ ہمیں کچھ دیر کیلیے اکیلا چھوڑ سکتی ہیں۔ بچی اپنا تعارف کروانے سے ڈر رہی ہے۔ دیکھیے نا یہاں دو گھنٹے کھڑے رہ رہ کر آپ کی ٹانگیں تھک جائیں گیں۔" عانیہ نے میٹھے لہجے میں کہا تو وہ نا سمجھی سے اس دیکھنے لگی۔

"تم لوگوں کو یہاں تعارف کروانے نہیں بھیجا۔ دو گھنٹے کے اندر ناشتہ تیار نہ ہوا تو....."

"تمہیں تو سزا نہیں ملے گی....... ہمیں ہی ملے گی۔ تو تم کیوں اپنی انرجی ضائع کر رہی ہو یہاں کھڑے ہو کر۔ جاؤ جا کر موج اڑاؤ۔ ویسے بھی وہ دو گھنٹے سے پہلے یہاں آنے والی نہیں ہے۔" عانیہ نے دوسری ملازمہ کے بارے میں کہا اور اس کی بات تو نگی کے دل کو بھائی۔ لیکن ان لڑکیوں کا کیا بھروسہ کہیں بتا ہی نہ دیں۔ اس لیے تذبذب کا شکار ہوئی۔

"کسی کو نہیں بتاؤں گی یار۔" عانیہ نے ایسے کہا جیسے ان کے درمیان بڑی دوستی ہو۔

"جا رہی ہوں۔ لیکن ذرا کام پر بھی دھیان دینا۔ ورنہ نقصان تم لوگوں کا ہی ہو گا۔" نگی ان پر احسان کرتی وہاں سے چلی گئی۔ جب دو گھنٹے آرام بھی مل رہا ہو اور پیسے بھی تو بندہ فائدہ بھی نہ اٹھائے۔

"اچھا اب بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟" عانیہ رینم کی طرف مڑ کر بولی۔ حریم بھی ان کے قریب آ گئی۔

"رینم" وہ نروس سی بولی۔

"میرا نام حریم ہے۔" حریم رینم کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی تو اس نے تھام لیا۔

"آپ کو تو بہت زیادہ بخار ہے۔" حریم بولی تو اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑایا

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بول کر مڑی۔

"حریم تم برتن صاف کرلو۔باقی کا میں کرلوں گی۔" عانیہ نے حریم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں میں خود کرلوں گی۔" رینم خوفزدہ ہوگئی۔عانیہ نے حریم کو اشارہ کیا تو وہ سنک کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم یہاں آؤ.....مجھے سمجھانا اگر میں کچھ غلط کروں۔دراصل پہلے کبھی نہیں کیا۔" عانیہ رینم کی کلائی پکڑ کر کھینچتی ہوئی کیبنٹ کی طرف آئی۔رینم ڈرتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی کہ کہیں کسی نے دیکھ لیا تو پھر سے مار پڑ جائے گی۔

"ڈرو مت۔کوئی نہیں آنے والا۔اور ویسے بھی میں کوئی لڑکا تو ہوں نہیں جو تم اس طرح ڈر رہی ہو۔یہاں سلیب پر بیٹھ جاؤ۔بخار میں زیادہ دیر کھڑے نہیں ہونے ہوتا۔" رینم حیران تھی کہ کسی باہر والے کو اس کی کتنی پرواہ ہے اور اپنے یہ سلوک کر رہے ہیں۔

"میں عادی ہوں....بخار میں سارا دن کام کرنے کی۔آپ کو میری فکر نہیں کرنی چاہیے۔میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے ساتھ برا سلوک ہو۔آپ نے میرا کام بھی اپنے سر لے لیا ہے۔اگر وقت پر کام پورا نہ کیا تو آپ لوگوں کے ساتھ شاید مجھ سے بھی برا حشر ہو۔" وہ نقاہت زدہ چہرے کے ساتھ بولی۔

"ہم جانتے ہیں کہ یہاں ہمارے ساتھ برا سلوک ہو گا۔تم زیادہ پریشان مت ہو۔" اس نے لاپرواہی سے ناک سے مکھی اڑائی اور پھر یکدم لہجے کو ملتجی بنا کر بولی "۔اگر زیادہ ہی فکر ہو رہی ہے تو بس یہاں بیٹھ کر مجھے سمجھاؤ۔اگر تم نے میری مدد نہ کی تو مجھے بہت مار پڑے گی....پلیز بتاؤ کیا کروں۔" عانیہ کے اس طرح کہنے پر حریم برتن دھوتی ہوئی ہنس دی۔عانیہ نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا اور وہ سلیب پر بیٹھ گئی۔

"آٹا یہاں ہے." رینم سلی کے نچلے خانے کی طرف اشارہ کر کے بولی تو عانیہ نے اسے کھولا اور آٹا نکال کر پانی لینے کیلیے سنک کی طرف بڑھ گئی۔رینم کے سارے جسم میں درد ہو رہا تھا۔گردن کے پٹھے کھنچے ہوئے تھے۔وہ بڑی مشکل سے کھڑی ہو کر برتن دھو رہی تھی اور برداشت کی آخری حد پر تھی۔اب وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی جس

نے اس مشکل وقت میں اس کیلیے مدد بھیجی تھی۔عانیہ پانی لے کر مڑی تو رینم کو آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے دیکھا۔عانیہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔لیکن ابھی وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔اتنا تو وہ جان چکی تھی کہ رینم خان حویلی سے ہے اور یہاں اس کے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا ہے۔

"آپ اتنا آٹا کیسے گوندھیں گیں۔"رینم آنکھیں کھول کر بولی۔

"تم بھی تو گوندھتی رہی ہو۔"عانیہ نے پانی کا برتن آٹے کے برتن کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔

"میری بات تو اور ہے۔میں شروع سے یہ کام کرتی آئی ہوں۔لیکن آپ پہلی دفعہ کر رہی ہیں. آدھا آپ گوندھ لیں آدھا میں گوندھ لیتی ہوں."رینم بولی۔

"تم بس بتاؤ کیا کرنا ہے۔"عانیہ اٹل لہجے میں بولی۔

"رینم!...آپی عانی پر زیادہ ترس کرنے کی ضرورت نہیں۔یہ ہر کام کر سکتی ہیں۔"حریم برتن دھوتے ہوئے بولی۔رینم نے عانیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔عانیہ نے مسکراتے ہوئے آٹے کی طرف اشارہ کیا۔رینم حیران رہ گئی کہ یہ لڑکیاں اتنی مشکل میں بھی مسکرا سکتی ہیں۔وہ عانیہ کو آٹا گوندھنے کا طریقہ سمجھانے لگی اور عانیہ نے گوندھنا شروع کر دیا۔

"نگی کہہ رہی تھی کہ آپ لوگ بھی خان حویلی سے آئی ہیں۔وہاں کے لوگ کیسے ہیں؟"رینم تجسس سے بولی۔

"ہم وہاں سے نہیں آئے۔ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"عانیہ آٹے کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہوئے بولی۔رینم یکدم مایوس ہوگئی۔

"پھر آپ ہمیشہ کے لیے شاید یہاں نہ رہیں۔"

"ہاں ہم اس گھٹن زدہ ماحول میں ہمیشہ نہیں رہ سکتے۔جہاں انسانیت کی کوئی قدر ہی نہیں۔"حریم نے جواب دیا۔

"ویسے تمہارا یہاں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔"عانیہ نے پوچھا۔

"شاید اس قید سے کبھی نہ نکل سکوں۔" وہ اداس لہجے میں بولتی عانیہ کو کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی۔ جب تک حریم نے برتن دھوئے عانیہ نے آٹا گوندھ دیا۔ رینم ان دونوں کی تیزی پر حیران ہوئی۔ کمزوری کی وجہ سے وہ بہت سستی سے کام کرتی تھی۔ لیکن ان دونوں نے پندرہ منٹ میں کام ختم کر دیا تھا۔ حریم فریج سے انڈے نکال لائی اور چولہے پر فرائی پین رکھ کر ایک ایک انڈے کا آملیٹ بنانے لگی۔ جبکہ عانیہ نے پراٹھ بنانے کیلیے آٹے سے زور آزمائی کرنے لگی لیکن وہ گول ہونے کی بجائے کسی اور شکل میں بن جاتی۔ کہیں سے موٹی اور کہیں سے اتنی پتلی ہوتی کہ پھٹ جاتی۔ حریم کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ رینم بھی بمشکل اپنی مسکراہٹ روک رہی تھی۔ آج پہلی بار اسے کوشش کر کے مسکرانا نہیں پڑ رہا تھا۔

"آپی آپ انڈے فرائی کر لیں میں پراٹھے بنا دیتی ہوں۔" حریم نے ہنستے ہوئے آفر کی۔

"بد تمیز پہلے کیوں نہیں بتایا تمہیں پراٹھے بنانے آتے ہیں۔" عانیہ نے بھی ہنستے ہوئے اسے ڈانٹا۔

"اتنا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ بس چار پانچ دفعہ بنائیں تھیں روٹیاں اور ماما سے وہ ڈانٹ پڑی کہ پھر جب ماما مجھے دوبارہ روٹیاں بنانے کا کہتیں میں کوئی اور کام لے کر بیٹھ جاتی۔" حریم کہتے ہوئے دوسری طرف آ گئی جہاں عانیہ پراٹھے بنانے کی بجائے کسی ملک کے نقشے بنا رہی تھی۔

"عانی آپی یہ کس ملک کا نقشہ ہے؟" حریم نے شرارت سے پوچھا۔ عانیہ نے اس کی کمر پر دھپ رسید کی۔

"رینم دیکھو کتنی بے عزتی ہو رہی ہے میری۔ تم مجھے روٹی بنانا سکھا دو تاکہ لوگوں کا منہ بند ہو جائے" عانیہ رینم کو مخاطب کر کے بولی۔ تو وہ مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"یار ہنسنا منع تو نہیں ہے۔ ہنسی آئے تو کھل کر ہنسنا چاہیے۔ طبیعت فریش ہو جاتی ہے۔ کم آن۔ لیٹس سمائل۔" عانیہ نے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو کھول کر ہونٹوں کے قریب لے جا کر کہا تو وہ بھی

کھل کر مسکرائی۔اس لمحے اسے اپنے سارے دکھ بھول گئے تھے۔وہ حیران تھی کہ مسکرانے سے دکھ بھلائے جا سکتے ہیں۔

"آپی آپ کو اب انڈہ بھی فرائی کرنا نہیں آتا ہو گا۔بلکہ فرائی کیا آپ کو تو انڈہ توڑنا بھی نہیں آتا ہو گا" حریم بولی

"کوئی بات نہیں جتنا مذاق اڑانا ہے اڑا لو.....ریم مجھے تم سے اب امید ہے کہ تم میرا مذاق بنانے کی بجائے مجھے سکھاؤ گی۔"

"میں انڈے فرائی کر دیتی ہوں۔"ریم کہہ کر اٹھنے لگی تو عانیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔شکر کرو کچھ پل سکون کو مل گئے۔ہم کر لیں گے۔"

"اگر ان لوگوں کو آپ کا کام پسند نہ آیا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ لوگوں کو ماریں نا۔آپ نے جتنی میری مدد کی ہے میرا بھی فرض بنتا ہے آپ کی مدد کرنا۔"

"ضرور مدد کرنا لیکن جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہو۔"عانیہ نے کہا تو باہر سے کسی کے چلنے کی آواز آئی۔عانیہ نے جلدی سے ریم کو کھینچ کر چولہے کے سامنے کھڑا کر دیا۔اور اس کے ہاتھ میں ایک انڈا پکڑا دیا۔خود جا کر بیلنی سنبھال لی۔حریم پراٹھے کو گھی لگا کر پکا رہی تھی۔ریم تو اندر تک کانپ گئی تھی۔

"ہمم.....تو کام ہو رہا ہے۔"حمیدہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولی تو وہ تینوں مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"ریم نے برتن دھو لیے تھے اس لیے میں نے اسے کہا کہ ہماری مدد کر دے۔"عانیہ نے ریم کے بارے میں وضاحت دی۔

"چلو......کر لو مدد لیکن ہمیں ہر وقت تم لوگ کام کرتی نظر آؤ۔کہیں بیٹھ کے آرام کرتے ہوئے نہ دیکھوں میں تم لوگوں کو۔اچھا ہے ریم کے ساتھ رہو تمہیں کام سمجھا دے گی اچھے سے۔....اور یہ نگی کہاں گئی ہے۔میں نے

اسے یہاں چھوڑا تھا۔ہڈ حرام سے صرف نگرانی کرنے کا کہا تھا وہ بھی اس منحوس ماری سے نہیں ہو سکتا۔"حمیدہ بولی۔

"نگی تو گئی کام سے.... "حریم نے سرگوشی میں عانیہ اور رینم سے کہا۔

"آ....وہ ابھی گئی ہے باتھ روم میں۔"عانیہ جلدی سے بولی۔

"اچھا کام کہاں تک پہنچا ہے۔کتنے پراٹھے بن گئے ہیں۔"حمیدہ ان کے قریب آکر بولی۔اور ہاٹ پاٹ کا ڈھکن اٹھا کر ایک ایک پراٹھے کو چیک کرنے لگی۔چار پراٹھے بن چکے تھے جن میں سے دو اتنے اچھے تو نہیں تھے لیکن پھر بھی کھانے کے قابل تھے۔جبکہ دو کا برا حال تھا اور وہ عانیہ نے بنائے تھے۔

"یہ دو روٹیاں کیوں خراب بنی ہیں۔"حمیدہ نے کرخت لہجے میں پوچھا۔عانیہ نے اپنی پوزیشن چیک کی تو پتہ چلا کہ وہ بیلنی پکڑے روٹیوں کو بیلنے کھڑی ہے۔جبکہ حریم پکا رہی ہے۔

"یہ دو میں نے بنائی تھیں مجھ سے خراب بن گئیں۔آپی نے مجھے پکانے پر لگا کر یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔"حریم نے بروقت بات بنائی جو حقیقت کے بلکل برعکس تھی لیکن اب مسلہ یہ تھا کہ عانیہ اس وقت بیلنی پکڑے کھڑی تھی سو جھوٹ بولنا پڑا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔لیکن ملازموں کے لیے تم روٹیاں بناؤ گی جتنی جلدی سیکھ جاؤ بہتر ہو گا تمہارے لیے۔"حمیدہ نے رعب جمایا۔

(رعب تو ایسے جما رہی ہے جیسے نوکرانی نہ ہو بلکہ اس گھر کی مالکن ہو)۔حریم نے منہ بنا کر سوچا۔

پھر صفیہ بیگم کچن میں آگئیں اور وہ تینوں خاموش ہو کر کام کرنے الگیں۔حریم کا بولا گیا جھوٹ اب عانیہ کے گلے پڑ چکا تھا۔اسے حمیدہ کے سامنے روٹی بیلنی تھی اور بالکل سیدھی بیلنی تھی۔لیکن وہ حریم کو غور سے دیکھ چکی تھی کہ اس سے کہاں غلطی ہوتی ہے اور روٹی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔وہ بہت جلدی چیزوں کو سیکھ جاتی تھی اسی لیے کوشش

ترک نہ کی اور روٹی کی گول شکل نکل ہی آئی۔ البتہ حمیدہ کے توجہ ہٹنے پر حریم نے ہی روٹی اٹھا کر توے پر ڈالی تھی۔ عانیہ اس کام کو بھی غور سے دیکھ کر سیکھ رہی تھی۔ جب گھر کے لوگوں کے لیے پراٹھے بن گئے تو حمیدہ نے حریم کو ملازموں کے لیے روٹیاں بنانے کا کہا اور عانیہ کو دہی سے لسی بنانے کا حکم دیا۔ رنیم کو مینگو جوس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس نے جوس بناتے ہوئے عانیہ کو لسی بنانے کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔ عانیہ کو رنیم کی طبیعت کی فکر ہو رہی تھی اور اوپر سے صفیہ بیگم اس کے سر پر کھڑے ہو کر طعنے اور کوسنے دیے جا رہیں تھیں۔ صفدر علی نے اپنی بیٹی کو اس قابل تو بنا دیا تھا کہ بڑی سے بڑی تکلیف کو ہنس کر سہہ جائے۔ مشکلات کے سامنے ڈٹ جائے لیکن دوسروں کے لیے اس کی حد سے زیادہ حساس طبیعت کو نہیں بدل سکے تھے۔ وہ دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتی تھی۔ مظلوموں کے لیے ظالم کے سامنے ڈٹ جاتی تھی۔ اسے رنیم کے ساتھ یہ سلوک بری طرح کھول رہا تھا لیکن مصلحتاً چپ تھی۔ اس کے بولنے سے رنیم کے لیے مشکلات کھڑی ہو سکتیں تھی۔

ناشتہ تیار کرنے کے بعد تینوں نے صفیہ بیگم کی نگرانی میں میز پر ناشتہ لگایا۔

"یہ لو ناشتہ" حمیدہ بیگم نے ایک سوکھی روٹی کے ساتھ اچار رنیم کو پکڑا کر کہا تو اس نے جلدی سے پکڑ لیا کہیں واپس ہی نہ لے لیں۔ جبکہ عانیہ اور حریم کو تو وہ بھی نہ ملی کیونکہ بی جان کا حکم تھا کہ جب تک وہ یہ نہ مانیں کہ وہ خان حویلی سے ہیں اس وقت تک انہیں کھانا نہیں دینا۔

"تم دونوں چائے بناؤ۔" حمیدہ ان دونوں سے بولی تو حریم اکتا گئی۔ عانیہ نے آگے بڑھ کر فریج سے دودھ نکالا اور حریم بھی اس کے پاس آکر اس کی مدد کرنے لگی۔

"آپ دونوں بھی میرے ساتھ کھالیں۔" رنیم نے نظر بچا کر انہیں سرگوشی میں آفر کی عانیہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

-----------------------------

اوپر والی منزل کے ایک ہال میں اسما، رباب، نائلہ، امیمہ اور زینب صوفوں پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جس کا دروازہ ٹیرس میں کھلتا تھا۔ان کے سامنے ٹی وی بھی لگا ہوا تھا۔رابی، افرا، حسنہ، ایمان اور احد پاس ہی کھلونوں سے کھیلنے رہے تھے۔

"میں ابھی نماز پڑھ کر سونے لیٹی ہی تھی کہ امی آگئیں اور مجھے اٹھا دیا۔پتہ چلا کہ خان حویلی سے دو لڑکیاں آئیں ہیں۔اور نیچے تہ خانے میں بند ہیں انہیں بی جان کے پاس لے کر آؤ۔ تجسس کے مارے نیند بھی قربان کر دی۔دیکھوں تو سہی ہیں کیسیں۔"نائلہ بولی۔

"کیسی ہیں؟"رباب نے پوچھا۔

"ہیں تو بہت خوبصورت لیکن ایک مجھے بڑی تیز لگتی ہے۔"نائلہ ناک چڑھا کر بولی۔

"جب ہم نے اسے کہا کہ بی جان بلا رہی ہیں تو کہتی ہے نماز پڑھ کہ آؤں گی۔ہم نے نماز بھی پڑھنی ہو تو بی جان کا بلاوہ آجائے تو بھاگ کے جاتے ہیں۔اور وہ دشمنوں کی لڑکی بی جان سے کہہ رہی ہے انتظار کریں۔"امیمہ بولی۔

"ابھی نئی آئی ہے نا۔اپنی من مانی کر رہی ہے۔جلد ہی ان کا حشر بھی رینم جیسا ہونے والا ہے۔"اسما حقارت سے بولی۔

"یار وہ بڑی چالاک ہے۔رینم تو بہت معصوم سی ہے۔اس کے ساتھ زیادتی کرو تو چپ ہو جاتی ہے۔لیکن یہ لڑکیاں آنکھوں میں دیکھ کر بات کرتیں ہیں۔"امیمہ بولی۔

"تم فکر مت کرو ان کی اکڑ تو میں توڑوں گی تم دیکھنا ذرا۔ہمارے سامنے آنکھ اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گیں۔"نائلہ مغرور لہجے میں بولی۔

"ویسے خان حویلی سے کیا تعلق ہے ان کا؟"اسما نے پوچھا۔

"یہ تو نہیں پتہ۔وہ تو کہہ رہی تھیں کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں لیکن ولید نے کہا تھا کہ انہوں نے خود مانا تھا وہ خان حویلی جا رہی ہیں اور اب انکار کر رہی ہیں۔" امیمہ نے کہا۔

"جھوٹ بول رہی ہوں گی۔" رباب نے کہا۔ تبھی رینم اور عانیہ چائے کے کپ ٹرے میں سجائے وہاں داخل ہوئیں تھیں۔ساتھ نگی بھی تھی۔ صفیہ بیگم نے چائے پک جانے کے بعد اوپر لڑکیوں کو دے کر آنے کا حکم دیا تھا اور حریم بے چاری اکیلی بی جان کے کمرے میں چائے دینے گئی تھی۔زینب، اسما اور رباب بھی عانیہ کی خوبصورتی کو دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے مبہوت رہ گئیں تھیں۔

"یہ خان حویلی کی ساری لڑکیاں اتنی خوبصورت کیوں ہوتی ہیں۔" زینب نے رباب کے کان میں سرگوشی کی جس پر اس نے ناک چڑھائی تھی۔عانیہ نے آگے بڑھ کر چائے کا ٹرے میز پر رکھا اور رینم کے ہاتھ سے بھی ٹرے پکڑ کر میز پر رکھ دیا۔وہاں بیٹھی لڑکیوں ایک دوسرے کو دیکھا۔اس نے ایک ایک کپ اٹھا کر ان سب کو دیا۔اور ٹرے اٹھا کر جانے لگی۔

"رکو خالی برتن لے کر جانا۔تب تک کچھ گپ شپ ہی کر لیں تم سے۔ نگی تم نیچے بتا دینا ہم نے انہیں روک لیا ہے۔" اسما نے کہا تو نگی نیچے چلی گئی۔عانیہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب وہ اپنا رعب جھاڑنے کے لیے مختلف طریقے اپنائیں گیں لیکن اسے ٹھنڈا رہنا تھا۔

"چائے تو اچھی بنائی ہے۔تم نے بنائی ہے کیا؟" نائلہ نے کہا۔

"نہیں" عانیہ نے مختصراً جواب دے کر چہرہ پھیر لیا۔

"اکڑ تو دیکھو مہارانی کی ذرا" رباب بڑبڑائی۔

"پہلے کبھی کسی کے کام کیے ہیں۔" امیمہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں" عانیہ پھر بولی۔رینم اس کے ساتھ سر جھکائے کھڑی بخار کی وجہ چکرا رہی تھی۔

"اب کیسا محسوس ہو رہا ہے کسی کی ملازمہ بننا" نائلہ نے پوچھا۔

"اچھا محسوس ہو رہا ہے۔ مجھے کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔" عانیہ کے جواب پر وہ حیران ہوئیں۔

"واقعی۔ کیا سیکھنے کو مل رہا ہے؟"

"احساس ذمہ داری..... صبر......ہمت اور وہ احساس جس میں ملازموں کے دل پر کیا بیتتی ہے جب ان کے مالک ان کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں" عانیہ ہلکا سا مسکرائی تو وہ حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"اچھا یہاں آؤ" نائلہ نے اسے کہا تو وہ اس کے قریب آئی۔

"نیچے بیٹھو۔" نائلہ پھر بولی تو سب اشتیاق سے اسے دیکھنے لگی کہ اب اس کا ردعمل کیا ہو گا۔ عانیہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ در آئی۔ ریئم کو بہت برا لگ رہا تھا۔

"میرے پاؤں دباؤ" نائلہ نے اپنے پاؤں آگے کر کے اگلا حکم دیا۔ عانیہ کا دل تو کر رہا تھا کہ منہ توڑ دے اس کا لیکن اس نے اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھا۔ اس نے آہستہ سے نائلہ کا پاؤں پکڑ لیا۔ اس لمحے وہ برداشت کرنا سیکھ رہی تھی۔ وہ اسے ایک منٹ میں سبق سکھا سکتی تھی اور اس کے بعد جو اس کے ساتھ ہوتا اس کی پرواہ بھی نہیں تھی لیکن اسے حریم کی پرواہ تھی اس نے وعدہ کیا تھا کہ اسے یہاں سے باہر نکالے گی۔ اور اب تو ریئم کی حالت دیکھ کر بھی اسے ترس آ رہا تھا۔

"ذرا زور سے دباؤ۔ ہاتھوں میں جان نہیں ہے کیا۔" نائلہ نے رعب جھاڑا تو اس نے پاؤں کو زور سے دبایا اور نائلہ کی چیخ نکل گئی۔

"آہ۔ تھوڑا آہستہ دباؤ۔ اب اتنا زور سے بھی نہیں کہا تھا۔" نائلہ کھسیا کر بولی تو عانیہ نے مسکراہٹ دبائی۔

"اچھا یہ بتاؤ گھر یاد نہیں آتا تمہیں۔" رباب نے پوچھا۔

"نہیں" عانیہ بولی۔

"کیوں؟" اسماحیرانی سے بولی۔

"جن کا گھر ہی نہ ہوا نہیں کیا یاد آئے گا۔ ہم فقیر لوگ ہیں۔ جہاں اللہ لے جائے وہیں خوش رہتے ہیں۔" ان سب کو عانیہ کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔ عجیب لڑکی تھی وہ جو انہیں پل پل حیران کر رہی تھی۔ ان کے ہر سوال کا ایسا جواب دیتی کہ انہیں لاجواب کر دیتی۔

"اے تم یہاں آؤ میرے پاؤں دباؤ۔" رباب نے ریثم سے کہا تو وہ آکر اس کے پاؤں دبانے لگی۔ رباب نے اسے زور سے پاؤں دے مارا اور وہ پیچھے جا گری۔ عانیہ کو یہ برداشت کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

ریثم اٹھ کر دوبارہ اس کے پاؤں دبانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"ریثم.....رابی کو پکڑو جلدی..... کہیں ٹیرس پر نہ چلی جائے"۔ امیمہ نے ریثم سے کہا۔ تو وہ مشکل سے اٹھتی ہوئی ہال کے دروازے تک گئی جہاں سے رابی ٹیرس پر جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے رابی کو اٹھایا تو اسے ایک زوردار چکر آیا۔ خود کو گرنے سے بچانے کے لیے ایک ہاتھ سے دروازے کو پکڑا تھا لیکن دوسرے ہاتھ سے رابی نیچے گرنے لگی تو اس نے دروازے کو چھوڑ کر اسے پکڑ لیا اور خود نیچے گر گئی۔ امیمہ سخت غصے کے عالم میں اس کی طرف بڑھی اور رابی کو کھینچ کر اسے ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔ عانیہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"بچی کی فکر کرنے کی بجائے محترمہ اپنی فکر کر رہی ہے۔ اگر یہ گر جاتی تو۔" امیمہ نے اونچی آواز میں بولتے ہوئے ایک اور تھپڑ رسید کیا۔ ریثم کی سسکی ابھری تھی۔

"ہڈ حرام سے ایک بچی نہیں سنبھالنے ہوئی۔ مفت کی روٹیاں توڑتی رہتی ہے۔ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے یہ۔ آنسو بہانا بند کرو اور دفعہ ہو جاؤ" امیمہ نے ایک ٹانگ اس کی کمر پر ماری تو اس کے بے آواز آنسوؤں میں اضافہ ہوا تھا۔

"برتن بھی لے جاؤ۔" رینم دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور میز کی طرف خالی برتن اٹھانے بڑھی تو عانیہ نے دونوں برتن اٹھا لیے اور اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ رینم کو آنسو صاف کرتے دیکھ کر اسے افسوس ہوا تھا لیکن اس سے کچھ نہ بولی۔

"دیکھو ذرا مجھ سے اجازت بھی نہیں مانگی اور چلی گئی" نائلہ تپ کر بولی۔

"یہ لڑکی رینم سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی نہیں دکھا رہی۔" اسما بولی۔

"ایک خاندان کی جو ہوئیں۔ بے چاریاں ہمدردی دکھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتیں۔" رباب نے مصنوعی تاسف سے کہا۔ جبکہ زینب کو رینم کی حالت پر رحم آیا تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ باہر سے آئی لڑکی رینم سے اچھا سلوک کر رہی ہے۔ جبکہ وہ اس کے خاندان تھا جس نے اس کی زندگی عذاب بنا دی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" امیمہ نے زینب کو کچھ سوچتے دیکھا تو پوچھنے لگی۔

"کچھ نہیں؟" وہ مختصراً بول کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں نے آج آپ لوگوں کے لیے ایک مووی ڈاؤن لوڈ کی ہے۔ جب دوپہر کو سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے جائیں گے تو سب میرے کمرے میں آجانا اگر دیکھنی ہے تو۔" اسما رازداری سے بولی۔ سب نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

---------------------------

نیچے جا کر اسے پتہ چلا کہ حریم بھی صفیہ بیگم سے مار کھا چکی ہے کیونکہ چائے سرو کرتے ہوئے ان پر حریم کے ہاتھ سے چائے گر گئی تھی۔ اب وہ صحن کو دھو رہی تھی۔ غصے سے وہ مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔ رینم کو اپنی تکلیف بھول گئی

تھی اور وہ حریم کے لیے فکر مند ہو گئی تھی۔ انہیں بھی حریم کے ساتھ صحن دھونے کا کہا گیا اور وہ جب حریم کے پاس آئیں تو وہ رو رہی تھی۔ عانیہ نے اسے چپ کروایا اور آدھے گھنٹے تک صحن کی دھلائی کی۔ رینم کو صحن دھلانے کی بجائے وائپر پکڑا کر سائیڈ پر کھڑا کر دیا تھا۔ دس بجے کے قریب انہیں کپڑے دھونے کا حکم دیا گیا۔ جہاں ملازموں کے لیے کوارٹر بنائے گئے تھے ان کے سامنے صحن میں کپڑے دھونے کی مشین لگائی گئی تھی۔ سر میں کڑکتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ چندھیائی آنکھوں کے ساتھ وہ کام کر رہی تھیں۔ رینم کا بخار اور دھوپ سے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے کراہ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی ڈرتے ہوئے ہاتھ چلا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمیدہ وہاں سے چلی گئی تو عانیہ نے رینم کو سہارا دے کر اٹھایا اور لے جا کر دیوار کے سائے میں بٹھا دیا۔ رینم پر غنودگی چھانے لگی۔

"عانیہ" وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگا کر بولی۔

"ہمم" عانیہ جو اسے بٹھا کر جانے لگی تھی اس کے پکارنے پر پلٹی تھی۔

"میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ میں چاہ کر بھی انہیں کھول نہیں پا رہی۔ لیکن میں سونا نہیں چاہتی۔ ورنہ یہ لوگ مجھے بہت ماریں گے۔" وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گرے تھے۔

"تم آرام سے سو جاؤ۔ جب کوئی آئے گا تو میں تمہیں اٹھا دوں گی۔ ایسا کرو زمین پر لیٹ جاؤ۔ ٹھنڈی زمین سے باڈی ٹمپریچر میں کمی ہو گی۔" عانیہ نے اسے زمین پر لٹاتے ہوئے کہا اور وہ وہیں آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ عانیہ نے ایک کپڑا گیلا کر کے اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔ اور اپنا کام کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کپڑے کو دوبارہ سے ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھ دیتی۔ ایک بجے تک سارے کپڑے مکمل دھو دیے۔ اچانک حمیدہ کے ساتھ نائلہ بھی آنکھوں پر ہاتھ کی چھاؤں کیے وہاں آ گئی۔

"اچھا تو یہ میڈم یہاں سوئی پڑیں ہیں جیسے اسے کوئی کام ہی نہیں ہے۔ایسے بے کار شخص کا مر جانا ہی بہتر ہے۔اٹھاؤ اسے ذرا اس کی ہڈیاں توڑوں میں۔" نائلہ آتے ہی شروع ہو گئی۔

"سوئی نہیں.....بے ہوش ہو گئی ہے۔" عانیہ نے کہا تو وہ تھوڑا سا حیران ہو کر کھسیائی۔

"ڈرامے کر رہی ہو گی۔کوئی بے ہوش نہیں ہوئی۔اٹھاؤ اسے" نائلہ غصے سے بولی۔

"اگر یقین نہیں آتا تو میں آپ کے سامنے اٹھا کر دیکھ لیتی ہوں۔میں نے بہت کوشش کی تھی اسے اٹھانے کی منہ پر پانی بھی گرایا لیکن نہیں اٹھی۔یہ واقع بے ہوش ہے۔" عانیہ نے کہتے ہوئے بالٹی میں سے پانی مگ میں بھر کر آہستہ سے اس کے چہرے پر گرایا لیکن وہ ہلی تک نہ۔عانیہ جانتی تھی سخت بخار میں دماغ صحیح طریقہ سے کام نہیں کرتا اور انسان پر ایسی غنودگی چھا جاتی ہے کہ وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔عانیہ نے اس کے منہ پر گیلی پٹیاں رکھیں تھیں اور ریئم نے ابھی تک آنکھیں نہیں کھولیں تھیں۔اس لیے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ مکمل طور پر بے سدھ پڑی ہے۔اور عانیہ نے اسے بچانے کے لیے جھوٹ بول دیا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔نائلہ کو یقین آگیا کہ وہ واقعی بے ہوش ہے۔

"اسے ایک دفعہ ہوش میں آلینے دو پھر میں پوچھتی ہوں اسے۔تم لوگ بتاؤ۔کام مکمل کیا یا گپیں ہی مارتی رہی ہو۔" نائلہ ریئم کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تو عانیہ نے شکر کیا۔

"جی سارا ہو گیا ہے۔" عانیہ تاروں پر لٹکے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"چلو تم لوگ میرے ساتھ آؤ اور حمیدہ تم چیک کرو کپڑے صحیح سے دھلے بھی ہیں کہ صرف پانی سے نکال کر سوکھنے کیلیے لٹکا دیے ہیں۔" نائلہ بول کر جانے لگی۔

"ریئم کو کمرے میں چھوڑ آؤں۔یہاں زیادہ گرمی ہے۔" عانیہ نے پوچھا۔

"تم؟" نائلہ بولی تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسے اٹھا کر..... کمرے میں لے کر جاؤ گی؟" نائلہ نے بے یقینی سے کہا۔

"کوشش کروں گی۔" عانیہ نے اس کے تجسس کو ہوا دی۔ اسی بہانے ریتم کمرے میں تو پہنچے گی۔

"اچھا کر لو کوشش لیکن کوئی اور تمہاری مدد نہیں کرے گا۔" نائلہ نے اسے چیلنج کیا جیسے یہ کوئی کھیل ہو۔ عانیہ ریتم کی طرف بڑھی نیچے جھک کر اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ نائلہ جو دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی ایک دم سے اس کا منہ کھل گیا عانیہ نے بڑی آسانی سے اسے اٹھا لیا تھا۔

"اس کا کمرہ کہاں ہے؟" عانیہ نے نائلہ سے پوچھا۔

"اس کو کمرہ دکھاؤ" نائلہ حمیدہ سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ اور عانیہ حمیدہ کے ساتھ چل پڑی۔ حریم بھی اس کے ساتھ چل دی۔ سب سے آخری کوارٹر میں تین کمرے تھے۔ باقی دو کمرے دوسری ملازماؤں کے زیر استعمال تھے جبکہ ایک ریتم کا تھا۔ ایک چھوٹا سا کچن بھی تھا جس کو تالا لگا ہوا تھا۔ ہال میں سے گزر کر وہ ریتم کے سادہ سے کمرے میں پہنچیں۔ عانیہ نے زمین پر پڑے بستر پر اسے لٹا دیا۔ اور اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ چل دی۔

"بھوک تو لگ رہی ہو گی نا تم دونوں کو" حمیدہ نے تمسخر اڑایا۔ عانیہ نے اسے تاسف سے دیکھا جبکہ حریم کے پیٹ میں دوڑتے چوہوں کی سپیڈ اور تیز ہو گئی۔

"عمر کتنی ہے آپ کی؟" عانیہ نے پوچھا۔

"پچاس کی ہونے والی ہوں۔... کیوں؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"آدھی زندگی گزر گئی۔ شاید آدھے سے زیادہ گزر گئی ہو۔ یا شاید پوری گزر گئی ہو اگلے لمحے کی کیا خبر.... ساری زندگی ایسے ہی گناہوں میں گزار دی ہے۔ تمہیں ذرا بھی خوف خدا نہیں ہے۔ چلو ہماری بات چھوڑ دو ہم تو ابھی کل آئے ہیں۔ ریتم کے ساتھ آج تک جو کچھ ہوا ہے تم پر بھی اس کا ذمہ آتا ہے۔" عانیہ نے اسے اچھا خاصا لیکچر

دے ڈالا جیسا اس نے اپنے مالکوں سے بھی نہ سنا ہو گا۔ اس کے چہرے سے تمسخرانہ ہنسی یکدم غائب ہو گئی۔ اور ہلکی سی ندامت کی جھلک نظر آئی تھی جو پل بھر میں معدوم ہو گئی تھی۔

"زیادہ فلاسفر بننے کی کوشش مت کرو۔ ہم تو یہاں کے نوکر ہیں۔ ہمیں جو کہا جائے گا وہی کریں گیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولی اور آگے بڑھ گئی کہیں پھر سے وہ کچھ سنا نہ دے۔

-------------------------------

دوپہر کے وقت انہیں تندور پر روٹیاں لگانا سکھایا گیا تھا جو چھت پر تھا۔ تندور کی تپش اور اوپر سے سورج کی گرمی سے ان کا برا حال ہو چکا تھا۔ پسینے کی وجہ سے کپڑے گیلے ہو کر جسم سے چپک گئے تھے۔ حریم تو بے زاری سے ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھی جبکہ عانیہ کا سٹیمنا اتنا تھا کہ وہ یہ سب کچھ برداشت کر سکتی۔ سالن وغیرہ ملازماؤں نے ہی تیار کر لیا تھا جبکہ کھانا عانیہ اور حریم نے سرو کیا تھا۔ کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے تو حمیدہ نائلہ سے بولی۔

"بیگم صاحبہ اب ان لڑکیوں کو کونسا کام دینا ہے۔"

"کام پر لگانا ہے تو نگرانی بھی کرنی پڑے گی۔ تم کر لو گی؟" نائلہ نے پوچھا۔

"بی بی جی ساری رات منے کے رونے کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔ اب میں سونا چاہتی ہوں۔" وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے رونے کا بہانہ بناتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے.... ان کو بھی کہہ دو کچھ دیر آرام کریں۔ لیکن کھانا دینے کی ضرورت نہیں۔" نائلہ کہہ کر جانے لگی۔

"ان کو تہ خانے میں بند کرنا ہے؟" حمیدہ نے پھر پوچھا۔

"اوپر ہی کسی کمرے میں بند کر دو۔ ملازموں کے کوارٹر میں سے کوئی کمرہ دیکھ لو"

"وہ تو سارے زیر استعمال ہیں البتہ رینم کے کمرے میں ان کے لیے جگہ بن سکتی ہے۔"

"اچھا۔ چلو اسی کے کمرے میں بند کر دو۔ باہر سے لاک ضرور لگانا۔" نائلہ کہہ کر سیڑھیوں سے اوپر چلی گئی۔ حمیدہ نے انہیں رینم کے کمرے میں پہنچا کر باہر سے دروازہ لاک کر دیا۔ عانیہ جلدی سے رینم کی طرف آئی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا تو ٹمپریچر کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی بھی وہ ہوش میں نہیں آئی تھی۔

"آپی مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ مجھ سے اب برداشت نہیں ہو رہا۔" حریم دیوار سے ٹیک لگا کر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔ عانیہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"تھوڑا سا صبر اور کر لو۔ میں کچھ کرتی ہوں۔" عانیہ نے اسے تسلی دی۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیں پھر سے لاک کر کے چلے گئے ہیں۔ مجھے تو پیزا بہت یاد آ رہا ہے جو ہم نے کل رات کو کھایا تھا۔ اور دوسری چیزیں بھی جو گاڑی کے ساتھ ہی کھائی میں گر گئیں تھیں۔ آپ کو یاد نہیں آ رہیں کیا؟" حدیقہ نڈھال ہو کر بول رہی تھی۔

"ان چیزوں کو یاد کرو گی تو زیادہ بھوک لگے گی۔ سمجھو تم نے روزہ رکھا ہوا ہے۔" عانیہ نے کہا۔

"وہ تو میں سمجھ لوں لیکن یہ روزہ افطار کب ہو گا۔ کہیں یہ لوگ ہمیں بھوکا رکھ کر مارنا تو نہیں چاہتے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ان کے خیال میں ہم جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ ہمیں اس جھوٹ کی سزا مل رہی ہے۔"

"ہم مان جاتے ہیں نا کہ ہم جھوٹ بول رہے تھے۔ ہو سکتا ہے پھر سزا ختم ہو جائے۔"

"نہیں۔ ہم یہ نہیں مان سکتے۔ ظالم سے ہمدردی کی امید رکھنا عبث ہے۔ اگر ہم مان گئے تو وہ ہمیں اس سے زیادہ سزا دیں گے۔" عانیہ نے اسے سمجھایا۔

"توجب انہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ ہمارا تعلق کسی خان حویلی سے نہیں تو وہ ہمیں یہاں سے جانے دیں گے۔"

"پتہ نہیں۔" وہ مختصراً سا بول کر نیچے لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ کل جب وہ یہاں آئی تھی تو اسے یہاں سے جانا جتنا آسان لگ رہا تھا لیکن آج رنیم کی حالت دیکھ کر اتنا ہی مشکل لگ رہا تھا۔ اس کی ماں کی بھی ایک وقت میں ایسی حالت تھی جب وہ نصرت اور افضل کی قید میں تھی۔ ڈیڈ نے اسے مظلوم کی مدد کرنا سکھایا تھا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ رنیم کی حالت جان کر اس کی مدد کیے بنا خود یہاں سے چلی جاتی۔ وہ جو اٹھارہ سال سے یہاں قید تھی اسے یوں ہی اس جہنم میں چھوڑ کر چلی جانا اسے خودغرضی لگی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے یہاں مزید ظلم سہنے کیلیے نہیں چھوڑے گی۔

---

آج صبح وہاب نے حدیقہ کو کتے سے ڈرایا تھا وہ اسے ابھی تک نہیں بھولا تھا۔ اب وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ وہ کب اس سے بدلہ لے لیکن ابھی تک کوئی موقع میسر نہیں آیا تھا اور یہی بات حدیقہ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ کمرے میں ٹہلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ کیسے اس سے بدلہ لے۔ لیکن دماغ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ تھک ہار کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

(کیا کروں؟.....کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ لیکن یہاں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کے قریب جا کر بدلہ لینے کا کوئی موقع مل جائے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے مجھے نیچے جانا چاہیے۔) وہ اپنے آپ سے خود کلامی کر کرتی اٹھی تھی اور کمرے کا دروازہ کھول کر نیچے آئی۔ اس کا رخ وہاب کے کمرے کی طرف تھا۔ اس کا ارادہ کھڑکی سے چھپ کر اس کی جاسوسی کرنے کا تھا تا کہ اس سے بدلہ لینے کا کوئی سرا ہاتھ لگے۔ جب اس نے کھڑکی چیک کی تو وہ کھلی ہوئی تھی اور اندر سے وہاب اور عمیر کی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ

ڈر گئی تھی کہ اگر عمیر بھائی نے اسے یہاں دیکھ لیا تو وہ کیا سوچیں گے لیکن انتقام کا جذبہ ڈر پر غالب آ گیا۔ وہ اپنے دل کی دھڑکن سننے کی بجائے ان کی باتیں سننے کوشش کرنے لگی۔

"یار پیپرز تو ختم ہونے دو ابھی تو رزلٹ بھی نہیں آیا۔" وہاب نے کہا تو حدیقہ کا تجسس بڑھا۔

"مجھے پتہ ہے فرسٹ پوزیشن تمہاری ہی آئے گی۔ مجھے آج ہی ٹریٹ چاہیے۔" عمیر ضدی پن سے بولا۔

"جب رزلٹ آئے گا تو مجھے پھر سے سب دوستوں کو ڈنر کروانا پڑے گا۔ مجھ پر تھوڑا سا رحم کرو یار بے روزگار بندہ ہوں۔" وہاب نے منت کی۔

"ابھی صرف مجھے کروا دو نا۔ جب رزلٹ آئے گا تو دوسرے دوستوں کو بھی کروا دینا۔ میں تو تمہارا جگری یار ہوں اگر میں اس وقت بھی آ جاؤں تو تم مجھے منع تو نہیں کرو گے۔ اور میں کھاتا ہی کتنا ہوں۔ چھوٹا سا تو پیٹ ہے میرا۔" عمیر نے کہا تو وہاب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"چلو یار ٹھیک ہے۔ آج رات کو میری طرف سے سپیشل سلاطین ریسٹورنٹ میں ڈنر ہو گا۔ آٹھ بجے تیار رہنا۔" وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"یاہو.... یہ ہوئی نا بات۔ تم جیسا اچھا دوست اس دنیا میں ملنا بہت مشکل ہے۔" عمیر کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور حدیقہ وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے ایک زبردست آئیڈیا آیا تھا۔

"یس.... مجھے اپنی ذہانت پر پورا بھروسہ تھا۔ ایسا کمال کا آئیڈیا آیا ہے کہ وہاب کو نانی یاد آ جائے گی۔" وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کمرے سے باہر نکلی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے نیچے آئی تو وہاب اور عمیر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس کے لیے اچھا موقع تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی وہاب کے کمرے میں آئی۔ سٹڈی ٹیبل پر اسے موبائل رکھا ہوا نظر آیا۔ اس نے جلدی سے بڑھ کر موبائل اٹھایا اور آن کیا تو اس کا پرجوش لہجہ مایوسی میں بدل گیا۔ موبائل کا پاسورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ تو اسے یاد ہی نہیں رہا تھا۔

(موبائل کا پاسورڈ میری برتھ ڈے ہے)

ایک جھماکے سے اسے وہاب کے الفاظ یاد آئے تھے جب وہ اس کے موبائل کو چیک کر رہی تھی اور وہاب نے پیچھے سے دیکھ لیا تھا۔

(کیا پتہ چینج کر دیا ہو)

(لیکن مجھے چیک تو کرنا چاہیے۔)

(اب اس کی برتھ ڈے کیسے پتہ کروں)" اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔ موبائل وہیں رکھ کر وہ سٹڈی ٹیبل کے دراز چیک کرنے لگی۔

(اس کے کسی نوٹس یا کاپی پر اس کی برتھ ڈے ہو سکتی ہے)۔

(لیکن اس طرح ڈھونڈنے میں تو بہت وقت لگ جائے گا۔) ایک اور سوچ ابھری۔ پھر اسے یاد آیا جب اس نے وہاب کا کمرہ خراب کیا تھا تو میز میں سے دراز نکالتے ہوئے اس کی سرسری سی نظر وہاب کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی پر پڑی تھی۔ اور وہاں تو برتھ ڈے ضرور لکھی ہوئی تھی۔

(مجھے وہ فوٹو کاپی تلاش کرنی ہوگی۔ پتہ نہیں کس دراز میں ہے)

وہ تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے دراز چیک کر رہی تھی۔ سب سے اینڈ والے دراز میں ایک فائل میں سے وہاب کے آئی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپی مل ہی گئی۔ وہ خوشی سے اسے اٹھا کر دیکھنے لگی تو حیران رہ گئی۔ وہاب کی برتھ ڈے چھ مارچ سن انیس سو ستانوے تھی۔ جبکہ اس کی برتھ ڈے چھ مارچ سن انیس سو ننانوے میں تھی۔ یعنی کہ دونوں کی برتھڈے ایک دن کو ہی تھی لیکن دو سال کا فرق تھا۔ پہلے تو وہ اس اتفاق پر حیران ہوئی لیکن پھر اسے وہاب پر غصہ آنے لگا۔

(اسے چھ مارچ کو ہی پیدا ہونا ضروری تھا۔ کسی اور دن پیدا نہیں ہو سکتے تھے تم)

(اس کے اختیار میں تھوڑی تھا۔)اندر سے آواز آئی اور اس نے اپنے خیالوں کو جھٹک کر کام پر فوکس کیا۔موبائل پر نمبرز کی بورڈ تھا جس کا مطلب تھا پن کوڈ ہے۔اور مارچ کی جگہ تین لگے گا یا زیرو تین لگے گا۔اس نے دونوں لگا کر چیک کر لیں لیکن کام نہ بنا۔وہ یکدم مایوس ہو گئی۔

(منتھ کوڈے سے پہلے رکھ کر دیکھتی ہوں)اس خیال کے ساتھ وہ پھر سے پر جوش ہو گئی اور پن کوڈ لگانے لگی۔حیرت انگیز طور پر موبائل کھل گیا۔اس وقت اس کی خوشی دیدنی تھی۔مسکراتے ہوئے وائی فائی آن کی اور واٹس ایپ کھول لیا۔

"ڈئیر فرینڈز.... آج آپ سب کے لیے میری طرف سے سپیشل سلاطین ریسٹورنٹ میں ڈنر پارٹی ہے۔ضرور آیئے گا۔مجھے خوشی ہو گی۔" حدیقہ نے میسج ٹائپ کر کے سینڈ ٹو آل کر دیا۔واٹس ایپ پر بیس لوگوں کے کونٹیکٹس تھے۔جن میں سب کے سب لڑکے تھے۔اس نے وائی فائی آن ہی رہنے دی اور موبائل بند کر کے وہیں رکھ دیا جہاں پہلے پڑا ہوا تھا۔پھر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتی اس کے کمرے سے باہر آ گئی۔

(اب دیکھنا... بیس لوگوں کو کھانا کھلانے میں تمہارا کتنا خرچہ آئے گا۔)وہ مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی۔اس کے ذہن میں وہاب کو بے عزت کرنے کی سوچ بھی نہیں تھی۔کہ جب وہ عمیر کو ڈنر کرانے لے کر جائے گا تو وہاں سب دوستوں کو دیکھ کر پریشان ہو جائے گا۔اس کے پاس اتنے پیسے ہی نہیں ہوں گے کہ وہ سب کو ڈنر کروا سکے اور اس کی بے عزتی ہو۔بلکہ وہ تو صرف اس کا خرچہ کروانا چاہتی تھی۔اسی لیے اس نے وائی فائی آن رہنے دی تا کہ جب اس کے دوستوں کے حیرت بھرے میسجز آئیں تو وہ پڑھ سکے اور پہلے ہی بندوبست کر لے اور اسے یقین تھا کہ وہ وہاں جانے سے پہلے موبائل ضرور چیک کرے گا۔

---------------------------

"یار یہ لڑکی عانیہ مجھے بہت پسند آئی ہے۔ سمجھو یہ اب میری ہی ہے" انس نے خباثت سے کہا۔ اسے اس بات کا احساس بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی کے بھائی کے سامنے بیٹھا ہے لیکن بھائی کو اپنی بہن کا احساس نہیں تھا تو اسے کیا ہوتا۔

"سوچنا بھی مت۔ یہ دونوں لڑکیاں ہی میری ہیں۔" ولید نے سنجیدگی سے اسے ڈانٹا۔

"یہ زیادتی ہے یار۔ تم نے ریشم پر بھی ہماری کبھی نظر بھی نہیں پڑنے دی اور اب ان دونوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتے ہو۔" وقاص نے کہا۔

"قبضہ کیا کرنا ہے۔ آج تک اس سے صحیح طرح بات بھی نہیں ہو سکی۔ ایک دفعہ مجھے سیٹ جیت لینے دو پھر دیکھنا کسی کی بھی نہیں سنوں گا اور اس سے شادی کر کے رہوں گا۔ یہ اب میری انا کا مسلہ بن چکا ہے" ولید نے اٹل لہجے میں کہا۔

"تم بے شک جو کرنا لیکن یہ دونوں لڑکیاں اب ہماری ہیں۔" وقاص بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن جب تک مجھے اقتدار نہیں مل جاتا یہ بات گھر والوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ ورنہ آغا جان عاق کر دیں گے۔" ولید نے سمجھایا تو انہوں نے خوش ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

---------------------------------

وہاب گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تو عمیر نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ان دونوں نے ڈنر سے پہلے ایک دوست کے گھر جانے کا پلین کیا تھا۔ سو ساڑھے چار بجے وہ دونوں نکل پڑے تھے

گاڑی میں بیٹھے ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے جب وہاب نے جوس پیتے ہوئے موبائل نکالا تھا۔ آن کرنے پر واٹس ایپ میسجز کے نوٹیفکیشن سکرین پر جگمگا رہے تھے۔

"وائی فائی کس نے آن کی" وہ حیرت سے بڑبڑایا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا عمیر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا کہا؟"

"کچھ نہیں" وہاب کہتا ہوا تیزی سے پن کوڈ ملانے لگا اور واٹس ایپ کھول کر دیکھا تو اسے زور سے اچھو لگا۔ شکر تھا کہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی ورنہ سارا جوس گاڑی کے اندر یا اس کے کپڑوں پر گرنا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟" عمیر اچنبھے سے بولا۔

"گاڑی روک۔" وہ ہنوز موبائل سکرین پر نظریں جمائے بولا۔ تو عمیر نے گاڑی روک دی۔ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ یہ بھی حدیقہ کا کام ہے لیکن وہ حیران تھا کہ اسے پن کوڈ کا کیسے پتہ چلا۔ اسے پریشانی ضرور ہوئی تھی لیکن حدیقہ پر غصہ نہیں آیا تھا۔

"الحبیب بینک کس وقت بند ہوتا ہے؟" وہ تیزی سے پوچھنے لگا۔

"پانچ بجے...... تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" عمیر حیرانی سے بولا۔

"اور یہاں سے کتنی دوری پر ہے وہ؟" اس نے پھر سوال کیا۔

'شاید پندرہ منٹ کی دوری پر ہے لیکن تجھے کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔"

"ابھی سوال مت کر..... جلدی سے چل۔ میرا بینک پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

"اچھا" عمیر منہ بناتے ہوئے بولا اور گاڑی سٹارٹ کر کے بینک کی طرف ڈال دی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ بینک کے سامنے تھے اور وہاب تیزی سے اندر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اپنے اکاؤنٹ میں سے پیسے نکلوانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا اکاؤنٹ تب بنوایا تھا جب سے اس کی جاب شروع ہوئی تھی۔ اور اب تک کافی سیونگز ہو چکی تھیں۔

سوچوں میں گھرا وہ پیسے نکلوا کر باہر نکلا تو عمیر گاڑی سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بینک سے کیش کیوں نکلوایا۔ تمہارے خیال میں میں اتنا پیٹو ہوں کہ تمہیں زیادہ پیسوں کی ضرورت ہی پڑ گئی۔" عمیر کو اپنی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ شروع سے ہی بہت حساس طبیعت کا مالک تھا۔

"نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل میں نے اپنے سب دوستوں کو ڈنر پر انوائٹ کر لیا ہے اسی لیے رقم نکلوائی ہے" وہاب گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا؟...... تم نے سب دوستوں کو انوائیٹ کر لیا۔ میں نے تمہیں کہا تھا یہ صرف میرا اور تمہارا ڈنر ہو گا۔" وہ صدمے سے کہتا ہوا ناراض ہو گیا۔

"یار ایک تو تم بڑی جلدی ناراض ہو جاتے ہو۔ بالکل روٹھی محبوبہ کی طرح۔ اب تم میری گرل فرینڈ تو ہو نہیں اور نہ ہی ہم ڈیٹ پر جا رہے ہیں تو سب دوستوں کے آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مزا آئے گا یار۔ میں تمہیں اپنے پرانے روم میٹس سے ملواؤں گا۔" وہ اسے منانے لگا۔

"تم ایک نمبر کے کنجوس انسان ہو" عمیر منہ پھلائے بولا۔

"کیسے ؟" وہ ابرو اچکا کر بولا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تم دوسرے دوستوں کو ڈنر کرواؤ گے تو مجھے بھی انوائیٹ کر لینا۔ تم نے اپنے پیسے بچانے کیلیے انہیں بھی آج ہی انوائیٹ کر لیا ہے تا کہ دونوں پارٹیاں ایک ساتھ بھگت جائیں اور تمہیں دوبارہ ڈنر کروانے کا خرچہ نہ آئے... اب یہ مت کہنا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اپنی اوقات پتہ چل گئی ہے مجھے۔" عمیر منہ پھلائے بولا تو وہاب دل ہی دل میں حدیقہ کو کوسنے لگا۔

(حدی تمہیں بچانے کے چکر میں جھوٹ بولا اور خود پھنس گیا ہوں۔ اب عمیر کو کیسے مناؤں) وہ بے بسی سے سوچ کر رہ گیا۔

"اچھا یار موڈ تو نہ خراب کر اپنا۔ چلو شاباش چہرے پر مسکراہٹ لاؤ تاکہ دور سے ہی لڑکیوں کو پتہ چلے کہ شہزادہ سلیم آرہا ہے" وہاب نے شرارت سے کہا

"ویسے یار تم بھی ایسی باتیں کر لیتے ہو۔ پہلے تو کبھی تمہارے منہ سے نہیں سنیں۔"

"میں صرف اپنے خاص دوست سے ایسی بات کر لیتا ہوں۔ اگر کہو تو دو چار رومینٹک شعر بھی آپ کی شان میں عرض کر دوں۔"

"میں تمہاری گرل فرینڈ نہیں ہوں" اس نے مسکرا کر اسی کے الفاظ اسے واپس لوٹائے تو وہ بھی مسکرا دیا۔ چلو شکر ہے ناراضگی تو ختم ہوئی۔

"ویسے مجھے شعر آتے بھی نہیں" وہاب بولا تو دونوں ہنس دیے۔

---

دو گھنٹوں بعد حمیدہ امیمہ کے ساتھ ان کے کمرے میں آ پہنچی تھی۔ عانیہ نے رنیم کو بچانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتیں رنیم کو وہیں چھوڑ کر عانیہ اور حریم کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ بھوک کی وجہ سے حریم کی شکل پر بارہ بجے ہوئے تھے۔ وہ عانیہ کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر رشک کرنے لگی۔ اب عانیہ تو عانیہ ہی تھی۔ بھوک تو اسے بھی لگی تھی لیکن اپنے چہرے سے مجال ہے یہ ظاہر کیا ہو کہ وہ ایک دن سے بھوکی ہے۔ وہ بھوکی تو رہ سکتی تھی لیکن ان کے سامنے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتی تھی۔ لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ اسے اپنی بھوک کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا اور وہ بھوکے پیٹ نہیں سوئے گی۔ نائلہ نے شام تک انہیں کام میں لگائے رکھا تھا تاکہ بھوک سے نڈھال ہو کر وہ ان کے سامنے گڑگڑائیں لیکن وہ بھی اسی انتظار میں رہ گئی تھی۔ اتنا کام ہونے کے باوجود عانیہ نے ساری نمازیں ادا کی تھی۔ اب

وہ اس پر جتنا بھی حکم چلاتی لیکن نماز سے روکنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اتنی اچھائی تو وہ دکھا ہی سکتی تھیں۔

ادھر رینم کو شام سات بجے ہوش آ گیا تھا۔ جب سمجھ آئی کہ وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہے تو پریشانی سے اٹھ بیٹھی۔

"ہائے... مم..... میں یہاں کیسے پہنچی۔ ان کو پتہ چل گیا کہ..... میں سو رہی تھی تو۔.... وہ تو مجھے چھوڑیں گے نہیں۔ یا اللہ کیا کروں۔" ڈر کے مارے اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

"ممانی جان سے معافی مانگ لوں گی۔..... شاید اس طرح نہ ماریں وہ" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی لیکن ایک زوردار چکر نے اس کی خبر لی۔ بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آئی اور کوارٹر سے نکل کر سامنے صحن سے گزر کر وہ گیلری میں چلنے لگی۔

عانیہ نگی کے ساتھ برتن اٹھائے سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔ سیڑھیوں کی دیوار میں کھڑکیاں تھیں۔ وہ نیچے اترتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی جب رینم اسے کوارٹر سے اندھا دھند بھاگتی کوٹھی کی جانب بڑھتی نظر آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ رینم خوفزدہ ہو گئی ہے۔

"نگی یہ برتن پکڑنا ذرا...... مجھے واش روم جانا ہے" عانیہ بہانہ بناتے ہوئے تیزی سے نیچے آئی۔ اب تک اسے راستہ معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے رینم کی طرف بھاگی۔ ابھی وہ کوریڈور میں سے گزر ہی رہی تھی کہ ایک جالی دار دروازے سے اسے درخت کے پیچھے رینم نظر آئی تھی لیکن وہ اکیلی نہیں تھی بلکہ کوئی آدمی بھی تھا۔ عانیہ تھوڑا سا قریب آئی تو دیکھا یہ تو وہی سردار ولید ایاز ہے جو انہیں پکڑ کر لایا تھا۔ اس نے رینم کے بال سختی سے پکڑے ہوئے تھے۔ اور سفاکی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جبکہ رینم ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابھی عانیہ سوچ ہی رہی تھی کہ ولید نے ایک زوردار تھپڑ رینم کے منہ پر دے مارا تھا اور وہ تیورا کر نیچے گر پڑی تھی۔ اس کے ہونٹ کا کنارہ جس پر پہلے ہی زخم تھا پھٹ گیا تھا۔ اور خون نکلنے لگ پڑا تھا۔ ولید نے ایک ٹانگ اس کی کمر پر ماری تو عانیہ کی برداشت

جواب دے گئی۔ وہ زور سے قدموں کی آواز پیدا کیے چلنے لگی تھی۔ ولید کو اپنی عزت تو پیاری ہی تھی سو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ عانیہ تیزی ریتم کی جانب بڑھی۔ وہ زمین پر گری سسکیاں بھر رہی تھی۔

"ریتم اٹھو... ریتم" عانیہ نے اسے پکارا۔

"عانیہ..... مجھے بہت.... ڈر لگ رہا ہے۔ وہ لوگ مجھے بہت ماریں گے..... مجھے ان کے پاس جا کر معافی مانگنی ہو گی۔" وہ درد سے کراہتے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کہیں نہیں جا رہی تم..... سمجھی۔ اٹھو اور میرے ساتھ چلو" عانیہ نے زبردستی اسے کھڑا کیا۔

"عانیہ تم سمجھ نہیں رہی۔ تم ابھی انہیں جانتی نہیں ہو..... میں جانتی ہوں کہ میرے ساتھ بہت برا ہونے والا ہے۔ یہ لوگ میرا بہت برا حشر کریں گیں۔ پلیز...... مجھے ممانی جان کے پاس لے جاؤ۔ اگر میں معافی مانگ لوں گی تو وہ مجھے زیادہ نہیں ماریں گے۔" وہ روتے ہوئے منت کر رہی تھی۔ عانیہ سنی ان سنی کرتی اسے کندھوں سے پکڑ کر کھینچتی کوارٹر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کمرے میں آکر عانیہ نے اسے بستر پر لٹایا لیکن وہ روتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ریتم...... ریتم..... خاموش ہو جاؤ۔ میری بات سنو... ریتم۔" عانیہ نے اسے جھنجھوڑ کر کہا تو وہ ایک دم سے چپ ہو کر عانیہ کو دیکھنے لگی۔

"بس کرو.... ریتم تم ان سے جتنی بھی معافیاں مانگ لو انہیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔..... اور تم معافی مانگ ہی کیوں رہی ہو۔ کونسا گناہ کیا ہے تم نے؟"

"میں دن کو سو گئی تھی۔ یہی ہے میرا گناہ.... میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ مجھے اٹھا دینا۔ اب ان لوگوں کو پتہ چل گیا ہے..... وہ.... وہ لوگ مجھ پر کتے چھوڑ دیں گے...... عانیہ۔ ایک دفعہ پہلے بھی انہوں نے ایسا کیا تھا۔" وہ روتے ہوئے بولے جا رہی تھی اور عانیہ اس کے اس درجہ دردناک انکشاف پر حیران رہ گئی تھی۔

"پریشان مت ہو رینم..... میں نے تمہیں اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن تیز بخار کی وجہ سے تم بے سدھ پڑی تھی۔ میں نے نائلہ سے کہہ دیا تھا کہ تم کام کرتے ہوئے گر کر بے ہوش ہو گئی ہو" وہ نرم لہجے میں بولی۔

"وہ تو جیسے اس بات کو سچ مان لے گی۔" رینم استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"ہاں اس نے پہلے نہیں مانا تھا لیکن تمہارے منہ پر پانی گرا کر میں نے اسے یہ ثبوت بھی دے دیا تھا کہ تم واقعی بے ہوش ہو۔ اور اسی لیے تو تم ابھی تک آرام سے یہاں بیٹھی ہو۔ اب وہ بے ہوش بندے کو کیا تکلیف پہنچائیں گے۔ اسے تو کسی درد کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ظالم کو تو مظلوم کی سسکیاں سننے کا شوق ہوتا ہے اور جب تک تم بے ہوش ہو وہ تمہاری سسکیاں کیسے سن سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی سے بولی تو عانیہ مسکرا کر اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔

"مطلب کہ تم کل تک بے ہوش رہو گی۔ جب تک تمہارے کام کی چھٹی۔ آرام سے یہاں لیٹو اور آنکھیں بند کر لو۔ جب تک میں نہ آؤں آنکھیں مت کھولنا۔"

"اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں تو۔....." وہ خوفزدہ ہو کر بولی۔

"جب تک انہیں شک نہیں ہوتا اس وقت تک تو موج اُڑاؤ۔ اچھا اب جلدی سے لیٹ جاؤ۔ مجھے جانا ہے۔ بڑی مشکل سے بہانہ بنایا تھا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی اور دروازے کے پاس جا کر پھر مڑی۔

"آنکھیں مت کھولنا اگر کوئی چیک کرنے آئے تو۔ ہم دونوں آج سے تمہارے ساتھ ہی رہیں گی۔" مسکرا کر کہتی وہ اسے اپنے پیچھے حیران چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر عانیہ پر بھروسہ کر کے لیٹ گئی۔ ولید کی باتیں اور تھپڑ یاد کر کے وہ پھر سے رو دی۔ ہونٹوں سے بہتا ہوا خون تھوڑی پر سوکھ چکا تھا۔

---------------------------

"اب کیسی طبعیت ہے رینم ؟" حریم نے کمرے میں آتے سال ہی پوچھا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ عانیہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔ حریم بھی اس کی کمر پر تھپکی دے کر چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"رینم تم اب تک رو رہی ہو۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا۔.... دماغ کو تھوڑا سکون دو۔ رونے سے کام نہیں چلے گا۔" عانیہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولی۔

"رونے کے سوا میرے پاس اور کوئی حق نہیں۔ اسی لیے روتی ہوں" رینم بولی۔

"حق نہ ملے تو چھیننا چاہیے۔ اپنے حق کیلیے کھڑا ہونا سیکھو۔"

"نہیں کر سکتی میں مجھے شروع سے ہی بتا دیا گیا ہے کہ یہاں میرا کوئی حق نہیں۔ میں ان پر بوجھ ہوں۔ میرا تو زندگی پر بھی کوئی حق نہیں ہے۔ ایک ایک سانس مشکل کر دی ہے انہوں نے میری۔ لوگ تو جانوروں کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہیں کرتے جو یہ لوگ میرے ساتھ کرتے ہیں" وہ بلک پڑی تھی۔

"اللہ سے اچھے کی امید رکھو۔ رات کے بعد صبح ضرور ہو گی۔"

"مجھے اب کوئی امید نہیں رکھنی۔...... میرا دل کرتا ہے کہ میں آنکھیں بند کروں اور کسی اور جہاں میں پہنچ جاؤں۔...... اس دنیا سے میرا دل بھر گیا ہے...... زندگی میرے لیے قید خانہ ہے۔ مجھے اس قید سے آزاد ہونا ہے۔ تم میرے لیے دعا کرو...... میں آزاد ہو جاؤں سارے دکھوں سے۔ میرے مرنے کی دعا کر دو۔ میں اب اور نہیں جینا چاہتی.... میں نے اتنی بار موت کی دعا مانگی لیکن ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔.... کتنی بد قسمت ہوں نا میں بھی۔" رینم رک رک کر بول رہی تھی۔ وہ حد سے زیادہ مایوس ہو چکی تھی۔ عانیہ کا دل اس کی باتوں سے پسیج رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ حریم کے بھی آنسو جاری تھے۔

"مت روؤ..... تمہاری مشکلات آسان ہونے والی ہیں۔اندھیرا جتنا بھی ہو روشنی کی ہلکی سی کرن امید دکھاتی ہے۔تم مرے بغیر بھی اس قید سے آزاد ہو سکتی ہو۔"وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"میں کبھی اس قید سے آزاد نہیں ہو سکتی۔میں ایک بے بس لڑکی ہوں۔اگر ان کی قید سے نکل گئی تو باہر کا زمانہ اس سے کم بے رحم نہیں ہو گا۔ان لوگوں کو سکون تب ہی ملے گا جب میں مر جاؤں گی۔"

"تم کہہ سکتی ہو لیکن دنیا میں ابھی اچھے بھی لوگ ہیں۔ضروری نہیں کے ایک انسان کے ساتھ ہمیشہ برا ہی ہو۔زندگی کبھی ایک جیسی نہیں رہتی۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہیں۔آپ لوگوں کو دیکھ کر مجھے بھی یقین آگیا ہے کہ دنیا میں اچھے انسان بھی ہوتے ہیں۔ان سے کوئی خونی رشتہ نہ بھی ہو لیکن انسانیت کے ناطے وہ ہر ممکن مدد کرتے ہیں۔آج تک میری کسی نے اتنی مدد نہیں کی جتنی آپ دونوں نے کی ہے۔تمہاری امید بھری باتوں سے میرے دل کو ڈھارس بندھی ہے کہ شاید وقت بدل جائے...... میرا نصیب بدل جائے۔"ریتم عانیہ سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔نصیب بدلا جا سکتا ہے۔تدبیر کی جا سکتی ہے۔دعا اور کوشش سے تقدیر بدلی جا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مایوس ہونے کی بجائے اللہ پر مکمل یقین رکھنا ہو گا۔"عانیہ نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"یہ اللہ پر کامل یقین ہی ہے کہ تم اتنے مشکل حالات میں بھی مسکرا سکتی ہو۔اور مجھے بھی تسلی دے رہی ہو۔تم بہت عجیب ہو عانیہ۔"ریتم نے عانیہ کے بارے میں تجزیہ کیا۔

"ہاں یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہیں۔میری بھوک سے جان نکل رہی ہے اور آپی عانی کو دیکھ لو۔"حریم نے نڈھال سے لہجے میں کہا تو ریتم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب...... ابھی تک آپ لوگ بھوکے ہیں؟"ریتم حیرانی سے بولی تو حریم نے ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی۔

"افف کتنے ظالم ہیں یہ لوگ۔.....مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔اب آپ کیا کریں گے۔"

"بس اللہ پر بھروسہ رکھ کر بیٹھے ہیں۔اب تو آسمان سے من و سلویٰ اترنے کی امید بچی ہے۔" حریم بولی۔

"کچھ بھی حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں۔" عانیہ نے کہا

"میں تو صبح سے ہاتھ پاؤں چلا چلا کر تھک چکی ہوں" حریم نے اس کی بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔

"یہاں بھی ایک چھوٹا سا کچن ہے" ریتم نے رازداری سے اطلاع دی تو وہ دونوں چونکیں۔

"کچن؟.......اس میں کھانے کو کچھ ہے؟" حریم بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"ویسے میں کبھی گئی تو نہیں کیونکہ نگی نے ہر وقت اسے تالا لگایا ہوتا ہے۔ صرف کھانا پکاتے ہوئے کھولتے ہیں۔باقی دونوں کوارٹرز میں کچن کھلے رہتے ہیں لیکن یہاں میری وجہ سے ممانی جان نے نگی سے کہا ہوا ہے کہ کچن کو تالا لگا کر رکھے۔

"لیکن ہم سے تو سارے ملازمین کا ناشتہ وہاں بنوایا تھا۔" حریم حیرانی سے بولی۔

"ہاں......آپ پر زیادہ کام ڈالنے کے لیے کہا تھا ورنہ تو سارے ملازمین اپنے اپنے کوارٹرز میں کھانا بناتے ہیں۔" ریتم نے کہا۔تو حریم کو غصہ چڑھا۔

"چھوڑو اس بات کو۔ریتم.......تم یہ بتاؤ۔ہم اس کچن میں پہنچ سکتے ہیں؟" عانیہ بولی۔

"بہت مشکل ہے۔کچن کے دروازے پر لگے تالے کی چابی نگی کے پاس ہوتی ہیں۔" ریتم بولی۔

"ہم چابی حاصل بھی تو کر سکتے ہیں" حریم بولی۔

"نہیں نگی کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے سوتی ہے۔اور کوئی کھڑکی بھی نہیں جس سے کمرے میں جایا جا سکے۔" ریتم نے اس کی تجویز مسترد کر دی۔عانیہ چپ چاپ غور کر رہی تھی

"اس کا مطلب ہمارا دروازہ بھی باہر سے بند ہے۔ دوپہر کو بھی جب انہوں نے ہمیں اس کمرے میں بھیجا تھا تو باہر سے لاک لگا دیا تھا۔ اب سمجھو گئے کام سے۔ مجھ سے لکھوا لو میری موت بھوک کی وجہ سے ہی ہو گی۔" حریم نہایت مایوسی کے عالم میں بولی۔

"نہیں رات کو اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند نہیں ہوتا کیونکہ اس کوارٹر میں صرف ایک باتھ روم ہے جو یہاں سب لوگوں کے زیر استعمال ہوتا ہے۔ البتہ ہال کے دروازے کو تالا لگا ہوتا ہے اور اس کی چابی بھی نگی کے پاس ہے۔"

"کچھ زیادہ ہی رحمدلی نہیں دکھائی ان لوگوں نے۔ سوچو اگر رات کو باتھ روم کے استعمال پر پابندی لگ جائے تو......" حریم کے دماغ پر بھوک کی وجہ سے اثر پڑ گیا تھا اور وہ سوچے سمجھے بغیر بونگیاں مار رہی تھی۔ حالانکہ اپنی طرف سے وہ بہت سنجیدہ تھی۔ رنیم نے مسکراہٹ چھپالی جبکہ عانیہ نے اسے زبردست گھوری سے نوازا۔

"تمہارے پاس کوئی ہئیر پن ہے؟" عانیہ رنیم سے بولی۔

"نہیں" رنیم سوچتے ہوئے بولی۔

"میرے پاس ہے" حریم نے کہتے ہوئے اپنے بالوں میں سے پن نکال کر اسے دی۔ حریم کا جوڑا بنایا گیا تھا اور بہت سی ہئیر پنز لگائی گئی تھیں۔ تہ خانے میں اس نے جیولری کے ساتھ ساری پنز اتار کر جوڑا کھول دیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے پتہ چلا تھا کہ ایک پن اس کے سر پر ہی رہ گئی ہے اور اب وہی پن اس نے اتار کر عانیہ کو دی تھی۔ عانیہ پن کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"تم اس سے کیا کرو گی؟" رنیم ڈرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کہیں آپ اس سے تالا کھولنے کی کوشش کرنے کا تو نہیں سوچ رہیں" حریم بولی تو عانیہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھی۔

"ایسا صرف فلموں میں ہوتا ہے۔" حریم نے طنزیہ کہا۔

"تو ہماری سٹوری بھی کسی ایڈوینچر مووی سے کم ہے کیا؟" عانیہ کہتے ہوئے مڑی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی

۔

"ہاں جس میں معصوم لڑکیاں اپنے حالات سے مجبور ہو کر چوری کرنے لگ جاتی ہیں۔ یہ کہانی اچھی ہے ویسے۔" حریم بولی۔

"حریم مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تم سوچ بھی نہیں سکتی ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔" رینم بولی۔

"تم فکر مت کرو آپی عانی نے اس سے زیادہ مشکل حالات کو ہینڈل کیا ہے۔ یہ تو ان کے بائیں ہاتھ کا کمال ہے" وہ چٹکی بجا کر بولی۔

"کیا اس پر اس سے برے حالات آئے تھے؟.... اسے دیکھ کر لگتا تو نہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے اسے کوئی غم نہیں۔" رینم حیرت سے بولی۔

"وہ ایسی ہی ہیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ حالانکہ پچھلے مہینے ان کے والدین کا قتل ہوا تھا جس کا دکھ ان کے سینے میں دفن ہے لیکن انہوں نے خود کو سنبھال لیا ہے۔"

"کیا؟.... قتل۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی۔ میں کبھی اپنے ماں باپ سے نہیں ملی لیکن میرا دل ان سے ملنے کو بے چین رہتا ہے اور عانیہ نے تو ایک عمر گزاری ہو گی ان کے ساتھ۔ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ میں تو سمجھتی تھی میرا دکھ بہت بڑا ہے۔ میں ہی سب سے مظلوم ہوں۔ بہت حیرت کی بات ہے کہ وہ اپنا اتنا بڑا دکھ ہونے کے باوجود دوسروں کی مدد کرتی ہے جبکہ اس فیز میں انسان اپنی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" رینم حیرانی سے بول رہی تھی۔ حریم مسکرا دی۔ پھر اس نے اپنی اور عانیہ کی ملاقات اور طوائفوں کے کوٹھے سے بھاگنے کی کہانی سنائی تو رینم سینے پر ہاتھ رکھے دنگ بیٹھی رہ گئی تھی۔ عانیہ کے بارے جان کر اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ انسان جو

سوچ سکتا ہے وہ کر بھی سکتا ہے۔ اس نے آج تک اپنے لیے سوچا ہی نہیں تو کرتی کیا۔ اس کی تو سوچوں پر بھی ان ظالموں نے پہرے لگا دیے تھے۔

---------------------------------

اپنے کمرے سے نکل کر عانیہ ہال کے وسط میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ دائیں طرف کچن تھا جبکہ بائیں طرف نگی کا کمرہ تھا۔ اس نے پہلے نگی کے کمرے کا دروازہ چیک کیا تو وہ اندر سے بند تھا۔ پھر وہ کچن کے دروازے کی طرف بڑھی اور پن تالے کے کی ہول میں ڈال کر گھمانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد تالا کلک کی آواز سے کھل گیا اور وہ بنا آواز پیدا کیے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ ایک چھوٹا سا کچن تھا جس کی دو دیواروں پر سلیبز تھے ایک طرف فریج اور کچن کا چھوٹا موٹا سامان پڑا ہوا تھا۔ اسے سلیب پر ہاٹ پاٹ رکھا نظر آیا تو وہ اس کی طرف بڑھی اور کھول کر دیکھنے لگی۔ لیکن وہ خالی تھا۔ پھر فریج کھول کر دیکھا تو آٹا نظر آیا۔ اس نے آٹے کو باہر نکال لیا اور چولہا آن کر کے روٹیاں بنانے کی کوشش کرنے لگی۔ ساتھ میں تین انڈے ابلنے کیلیے رکھ دیے۔ دو منٹ بعد انہیں چولہے سے اتار دیا۔ پانچ چھوٹی چھوٹی روٹیاں بنائیں اور ایک ٹرے میں انہیں رکھ کر ساتھ اچار اور ابلے انڈے رکھ دیے۔ فریج میں سے دودھ نکال کر اسے گرم کیا اور ایک بڑے سے مگ کو بھر لیا۔ دودھ اندر رکھتے ہوئے اس کی نظر ڈیری ملک چاکلیٹ پر پڑی۔ اس نے مسکرا کر وہ بھی اٹھا لی۔ ساری چیزیں ایک ٹرے میں رکھ کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو رنیم اور حریم نے چونک کر اسے دیکھا اور اسکے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر وہ دونوں حیران رہ گئیں۔ عانیہ مسکراہٹ دباتی ان کے پاس آ بیٹھی۔

"واہ....واہ.... انڈے، دودھ روٹی، اور یہ چاکلیٹ کہاں سے ملی" وہ ساری چیزوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی جبکہ چاکلیٹ کو دیکھ کر اس کا دل خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

"مجھے فریج میں پڑی ملی تھی تو میں نے سوچا تمہیں بہت پسند ہے تو لے آؤں" عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ اسمایارباب کی ہو سکتی ہے۔وہ ایسی چیزیں منگواتی رہتیں ہیں۔اور میں نے نگی کو کئی دفعہ ان کی چیزیں چرا کر لاتے دیکھا ہے۔"ریئم نے کہا۔

"یعنی چوروں کو پڑ گئے مور۔"عانیہ نے کہتے ہوئے کھانا شروع کیا۔اسے نگی کو بلیک میل کرنے کے لیے یہ بات مل گئی تھی۔

"کیا مطلب ہم چوری کی چیز کھا رہے ہیں؟"حریم صدمے سے بولی۔

"یہاں ہر پڑی ہر چیز چوری کی ہے۔ڈیئر سسٹر"عانیہ نے مسکرا کر اسے اطلاع دی۔

"ان لوگوں نے ہمیں چوری کرنے پر مجبور کیا ہے۔ہمارا حق ہے یہ۔سارا دن کام کروا کر کھانا نہیں دیا تو اب ہم چوری بھی نہ کھائیں۔"حریم نے لقمہ منہ میں ڈال کر کہا۔

"ریئم تم بھی کھاؤ نا میں تمہارے لیے بھی کھانا لائی ہوں۔"عانیہ نے اسے کہا۔

"میرا دل نہیں کر رہا"ریئم بولی۔

"بخار کی وجہ سے بھوک محسوس نہیں ہو رہی ہو گی لیکن پھر بھی تمہیں کھانا چاہیے۔"عانیہ نے سمجھایا۔

"اب وہ آپ کے ہاتھ کی بنی سخت اور سوکھی روٹی نہیں کھانا چاہتی تو کیوں زور دے رہی ہیں۔"حریم نے شرارت سے کہا۔عانیہ نے استہفامیہ نظروں سے ریئم کو دیکھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"ریئم جلدی سے بولی۔

"اچھا انڈہ اور دودھ لے لو۔بخار میں بھوکا رہنا اچھا نہیں ہوتا"عانیہ نے اس کے لیے انڈہ چھیلتے ہوئے کہا۔

"میں خود کر لوں گی"ریئم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر انڈہ لینا چاہا۔

"لیٹی رہو آرام سے۔میں کر رہی ہوں نا۔"عانیہ نے اٹل لہجے میں کہا۔انڈہ چھیل کر ریئم کو دیا۔ساتھ ہی اسے دودھ کا مگ پکڑا دیا۔

"یہ اتنا زیادہ مجھ سے نہیں پیا جائے گا۔" رینم بولی۔

"اچھا جتنا پینے ہوتا ہے اتنا تو پی لو۔ باقی ختم کرنے کیلیے میں حاضر ہوں" حریم نے کھاتے ہوئے کہا۔

کھانا کھانے کے بعد حریم نے دودھ کا مگ پکڑ کر عانیہ کی طرف بڑھایا جس میں سے آدھا رینم کو انہوں نے زبردستی پلایا تھا۔ پھر حریم نے عانیہ کو پینے کا اشارہ کیا۔ لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پی لیں نا۔ اگر آپ نے نہ پیا تو پھر میں بھی نہیں پیوں گی اور مجھے دودھ بہت پسند ہے۔" حریم نے ضد کی تو عانیہ نے بھی تھوڑا سا دودھ پی لیا اور باقی کا حریم نے پی دیا۔ رینم حیرانی سے بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی جنہیں اس کا جوٹھا پینے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے یاد آیا ایک دفعہ اس نے رباب کے گلاس میں پانی پی لیا تھا تو اس نے اسے دو تھپڑ مار کر گلاس ہی پھینک دیا تھا۔ اسے اتنی زلت محسوس ہوئی تھی کہ وہ چھپ کر بہت دیر تک روتی رہی تھی

"رینم تمہیں چاکلیٹس پسند ہیں؟" عانیہ نے اس سے پوچھا تو وہ جیسے کسی مراقبے سے باہر آئی تھی۔

"ہاں...... نہیں۔ میں نے کبھی کھائی ہی نہیں" وہ چونک کر بولی۔

"کیا؟...... تم نے اپنی ساری زندگی چاکلیٹ نہیں کھائی۔" حریم سخت شاکڈ تھی۔ تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چاکلیٹ کے بغیر بھی کیا زندگی ہے۔ تم اگر ایک دفعہ چاکلیٹ کھا لو تو تم اس کی دیوانی ہو جاؤ گی۔ سچ میں..... مجھے چاکلیٹ کھانے کا کریز ہے۔" حریم نے جذباتی انداز میں کہا اور ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا تو اس نے پکڑ لیا۔ دل تو اس کا بھی کرتا تھا کھانے کو جب رباب اور اسما اس کے سامنے چاکلیٹ کھاتیں تھیں۔ لیکن وہ صرف دیکھ ہی سکتی تھی سکول جانے پر بھی اسے پاکٹ منی نہیں ملتی تھی ورنہ وہیں سے کھا لیتی۔ اس نے منہ میں چاکلیٹ ڈالی تو اس کا میٹھا ذائقہ سارے منہ میں گھل گیا۔ بے اختیار اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھو لیا۔ ایک چیز جسے آپ حاصل

کرنا چاہتے ہیں لیکن اسے حاصل کرنا آپ کے لیے ناممکن ہو اور وہ آپ کے پاس آجائے بنا کسی مشقت کے۔ تو دل میں عجیب سی خوشی پیدا ہوتی ہے۔

"مزے کی ہے؟" حریم نے رینم سے پوچھا تو اس مسکرا کر سر ہلا دیا۔ اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود حریم نے اسے اور پکڑا دی۔

"تم سے تو اچھی پھر نگی ہی رہ گئی ہے نا۔ چاکلیٹ کھانے کے لیے چوری کرنی پڑی تو وہ بھی کرلی" حریم نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہا۔

"ویسے کسی کو اس پر شک نہیں ہوا؟" عانیہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس پر کسی کا شک نہیں جاتا۔ کیونکہ نائلہ، زینب اور امیمہ...... اسما اور رباب کی چیزیں بغیر پوچھے کھا دیتی ہیں۔ وہ انہیں لاکھ منع کرتیں ہیں اور اپنے پیسوں سے کھانے کا کہتیں ہیں لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ پھر آپس میں ہی لڑتی رہتی ہیں۔" رینم نے بتایا۔

"اتنی بڑی چاکلیٹ غائب ہونے کے بعد تو یقیناً نگی کا شک ہم پر ہی جائے گا۔ اگر اس نے کسی کو بتا دیا تو...." حریم نے یکدم پریشان ہو کر کہا۔

"یہ تو چاکلیٹ کھانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا نا" عانیہ نے مسکرا کر کہا تو وہ چونکی۔

"آپ نے دماغ میں اس کا بھی کوئی حل سوچ رکھا ہو گا تبھی مسکرا رہی ہیں۔" حریم نے مشکوک انداز میں انگلی اس کی طرف کر کے کہا تو عانیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"رینم ذرا ان کی مسکراہٹ تو دیکھو۔ کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔ ایک چائینز ایکٹریس ہے جُو جِنگ یِی۔ اس سے شکل ملتی ہے آپی عانی کی۔ پتہ ہے میں نے ان سے کیا کہا تھا.... اگر میں لڑکا ہوتی تو اب تک ان پر دل و جان سے فدا ہو چکی ہوتی۔ ویسے......." اس سے پہلے کہ وہ مزید گوہر افشانی کرتی عانیہ نے گھور کر کہا۔

"حریم...."اسے پتہ تھا اس سے آگے وہ کیا کہنے والی ہے۔جو پہلے کہا تھا۔

"جی....."وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔

"پیٹ بھر گیا ہے تو فضول باتیں کرنے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرو۔"عانیہ کہتے ہوئے برتن لے کر اٹھ گئی۔حریم کا منہ بن گیا۔

"مجھے تو خوبصورتی بہت ایٹریکٹ کرتی ہے۔میں حسن کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔چلو اگر آپی عانی کی نہ ہو سکی تو تم تو ہو نا۔میں تمہاری تعریف ہی کر دیتی ہوں۔"حریم تھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس کی طرف فرصت سے دیکھنے لگی اور دل ہی دل میں اس کی شکل کسی لڑکی سے ملانے لگی۔

"ہمم.....تمہاری شکل ایک کورین ایکٹریس اور سنگر ہے.....'لی جی اُن'اس سے ملتی ہے۔.....ہاں بالکل اسی سے میچ ہوتی ہے۔بس تمہاری آنکھیں ذرا سی بڑی ہوں گیں۔ناک تھوڑا پتلا اور چھوٹا ہو گا لیکن اور گال اسی طرح کے ہیں۔"وہ اس کے چہرے کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"آپ ڈرامے دیکھتی ہیں؟"رینم نے موضوع بدلا ۔

"ہاں....بہت۔اتنے ملکوں کے ڈرامے دیکھے ہیں کہ اب یاد بھی نہیں کتنے دیکھ چکی ہوں۔لیکن مجھے سب سے زیادہ چائنیز ڈرامے پسند ہیں۔کیونکہ ان میں ایک فینٹیسی ہوتی ہے۔وہ حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔ہمارے ڈراموں کی طرح ان میں صرف ساس بہو کی لڑائیاں نہیں ہوتیں۔بلکہ اصلی والی فائٹنگ ہوتی ہے۔رومینٹک سینز تو ہر جگہ مل جاتے ہیں لیکن فائٹنگ سینز بہت کم ملتے ہیں اور وہی تو مجھے پسند ہے۔اسی لیے میں چائنیز فائٹنگ ڈرامے زیادہ دیکھتی ہوں۔...تم دیکھتی ہو؟"حریم نے کہا۔

"نہیں۔"رینم نے کہا۔

"میں کبھی تمہیں دکھاؤں گی اگر موقع ملا تو۔لیکن فکر نہیں کرو میں تمہیں سٹوری تو سنا ہی سکتی ہوں۔"

"ہاں مجھے کہانیاں سننے کا بہت شوق ہے۔" ریئم بولی۔

"اور مجھے سنانے کا" حریم بولی تو دونوں ہنس دیں۔

-----------------------------

نیلی آنکھوں اور سنہرے سٹریٹ کھلے ہوئے بالوں والی لڑکی پودے کے پاس کھڑی ایک ہاتھ سے وکٹری کا نشان بنائے مسکرا کر موبائل پر سیلفی لے رہی تھی۔ اس نے سفید کھلے سے ٹراوزر پر کالے رنگ کی لانگ چاک والی فل سلیو قمیض پہن رکھی تھی۔ سفید ریشمی دوپٹے کو دائیں کندھے اور پورے بازو پر پھیلایا ہوا تھا۔

یہ گھر کا بیک گارڈن تھا۔ وہ اس وقت اس باغ کے دائیں حصے میں کھڑی تھی۔ ساتھ ہی دیوار میں دوسرے پورشن کا دروازہ کھلتا تھا۔

صبح کے سات بج رہے تھے اور سورج کی کرنیں درختوں کے پتوں میں سے گزر کر اس کے پری چہرے پر پڑ رہیں تھیں۔ وہ مختلف پوز بناتے ہوئے اپنی تصویریں کھینچ رہی تھی جب اسے ایک طرف کھٹکا محسوس ہوا تو وہ بری طرح چونکی تھی۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا لیکن کچی مٹی ہونے کے باعث ٹوٹنے سے بچ گیا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ڈرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ اسے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹکا اور نیچے جھک کر موبائل اٹھانے لگی تھی کہ اسے دو مردانہ پاؤں نظر آئے۔ وہ ایک دم سے اوپر اٹھی اور جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کا سانس بحال ہوا تھا۔

"تم.... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے چہرے پر ناگواری لا کر پوچھا۔

"تم پارک نہیں گئی۔ ایک دن میں ہی مارننگ واک کا بھوت اتر گیا؟" وہاب نے جھک کر موبائل اٹھایا اور اسے پکڑاتے ہوئے ابرو اچکا کر بولا۔

"میری مرضی میں جاؤں یا نہ جاؤں۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟" حدیقہ نے رکھائی سے جواب دے کر نظریں پھیر لیں۔ اسے پتہ تھا اب یہ اس کی کل والی حرکت کے بارے میں پوچھے گا۔

"آنٹی نے مجھے ڈیوٹی دی ہے کہ تمہیں مارننگ واک کروایا کروں۔" وہاب بولا۔

"ایکسکیوزمی..... انہوں نے صرف میرا خیال رکھنے کا کہا تھا۔ میرے ساتھ مارننگ واک کرنے کا تم سوچنا بھی مت"

"تو پھر خیال کیسے رکھوں گا؟.... دیکھو اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے"

"وہ کیسے؟"

"اگر تم میرے ساتھ واک کیلیے پارک چلو تو تم ہر ڈر سے آزاد رہو گی اور میں لڑکیوں سے محفوظ رہوں گا" وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"لڑکیوں سے؟"

ہاں میرے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر دوسری لڑکیاں سمجھیں گیں کہ میں آل ریڈی بک ہوں تو....." وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب حدیقہ اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

"تو وہ تمہیں چھیڑیں نہ؟" وہ طنزیہ مسکرائی۔ وہاب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"وہ کیا ہے نا کہ میں ہوں ہی اتنا ہینڈسم لڑکیاں پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔"

"یعنی کہ میں تمہارے فائدے کے لیے لوگوں کے سامنے تمہاری گرل فرینڈ بن جاؤں۔ ناممکن۔ لیکن تمہاری یہ مشکل میں حل کر سکتی ہوں۔ تم ایسا کرو عنیقہ کو اپنا باڈی گارڈ رکھ لو۔ جو تمہاری محبت میں اندھی لڑکیاں تمہارے قریب بھی آئیں گی تو ان کی آنکھیں نکال کر انہیں مزید اندھا کر دے گی۔"

"عنیقہ؟" وہاب نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ہاں عنیقہ.... تو پھر بات کروں میں اس سے۔"

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے تو میرے کام ہمیشہ ہی بگاڑے ہیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ جو بات حدیقہ سننا چاہتی تھی وہ دراصل اسی موضوع کی طرف آرہا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ حدیقہ تب ہی خوش ہو گی جب اس کے ساتھ کچھ برا ہو گا۔ اور وہ تو اسے خوش ہی کرنا چاہتا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتی وہ اسے بے حد خوبصورت لگی تھی۔ کچھ پل کے لیے تو وہ کھو سا گیا۔ حدیقہ نے اسے حیرت سے دیکھا تو وہ گڑبڑا کر بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم نے میرے موبائل کو کیسے کھولا؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"پن کوڈ لگا کر اور کیسے"۔ وہ ایسے بولی جیسے یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ پن کوڈ کیسے معلوم ہوا؟"

"تم نے خود ہی تو بتایا تھا کے تمہارے فون کا کوڈ تمہاری برتھڈے ہے۔" وہ آرام سے بولی۔

"تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہاری اس حرکت سے میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔" وہ بمشکل چہرے پر سختی لا کر بولا۔ (ایک تو حدیقہ کو دیکھ کر غصہ بھی نہیں آتا مجھے۔) اس نے دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

"کیا ہوا؟"

"میرے سب دوست وہاں پہنچے ہوئے تھے جبکہ میرے پاس صرف عمیر کو ڈنر کروانے کے لیے پیسے تھے۔ میں نے ان کو ڈنر تو کروا دیا لیکن بعد میں ریسٹورنٹ والوں کے برتن دھونے پڑے۔"

"کیا؟..... تم نے وہاں برتن دھوئے تھے۔" وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہاب اس کی ہنسی میں کھونے لگا تھا لیکن اپنے دل کو ڈانٹ کر ہوش میں آیا۔

"تم.... تم ہنس رہی ہو" وہ صدمے سے بولا تو حدیقہ کے قہقہوں میں اور بھی اضافہ ہوا۔ وہاب نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑلی تو اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ وہ حیرت سے وہاب کے چہرے کو دیکھنے لگی جہاں اسے کرختگی نظر آئی۔

"میرا ہاتھ چھوڑو" وہ سخت غصے میں آکر اپنی کلائی آزاد کروانے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہاب نے اس قدر زور سے پکڑا ہوا تھا کہ اس کا ہاتھ ایک انچ بھی نہ ہلا۔

"تم میری بے عزتی کروانا چاہتی تھی نا۔ تم جانتی تھی کہ میں کتنا غریب ہوں اور میرے پاس سب دوستوں کو ڈنر کروانے کے لیے پیسے ہی نہیں ہوں گے۔ اسی لیے تم نے وہ میسج کیا تھا۔" وہاب لہجے کو سلگتا ہوا بنا کر بولا تو حدیقہ حیران رہ گئی۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ اپنے ہاتھ کو بھول کر پریشان سی وضاحت دینے لگی۔ وہاب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔

"تو پھر کیسا ارادہ تھا تمہارا؟" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا۔

"میں نے تو وائی فائی بھی آن رکھی تھی تاکہ تمہیں بروقت پتہ چل جائے۔ میں تو صرف تمہارا خرچہ کروانا چاہتی تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب ہوئے۔

"حدی... تمہیں اس طرح کے آئیڈیاز آ کہاں سے جاتے ہیں۔" اس نے اسے حدی کا نک نیم دیا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا کہ اس کا انجام برا بھی ہو سکتا ہے۔.... چڑیل سے تم ڈر جاتی ہو.... کتے سے ڈر جاتی ہو۔.... اور تو اور ایک کاکروچ سے بھی ڈرتی ہو۔ لیکن نہیں ڈرتی تو مجھ سے نہیں ڈرتی۔ ہے نا" وہ حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا ورنہ میں چیخنے لگ جاؤں گی۔" وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"بلا لو سب کو۔میں بھی تمہاری ایک ایک حرکت بتاؤں گا سب کو۔"اس نے بھی دھمکی دی تو حدیقہ خوفزدہ ہو گئی۔

"ہاتھ چھوڑو"اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟"وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھے درد ہو رہا ہے"وہ بے بسی سے بولی۔

"اچھا پہلے بتاؤ تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"وہ بھی اپنی ضد پر اڑا رہا۔

"آئندہ نہیں کروں گی ایسا"وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔اب صاف ظاہر تو نہیں کر سکتی تھی نا کہ اسے ڈر لگ رہا ہے۔

"مجھے اب تم پر اعتبار نہیں رہا۔کل بھی تم نے یہی کہا تھا لیکن پھر بھی ایسا کیا"

"اب پکا پرامس.... نہیں کروں گی۔"اس کی آواز لرزنے لگی۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے نا"وہاب کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔حدیقہ نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہاب کو اس کے بچوں کے سے انداز پر پیار آیا۔وہ مسکرا دیا۔

"کیا کر رہے ہو تم؟"زوہیب نجانے وہاں کب اور کیسے ٹپک پڑا تھا۔دونوں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔وہاب نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"حدیقہ یہ تمہیں تنگ کر رہا تھا؟....مجھے بتاؤ۔"زوہیب نے فکر مندی سے کہا جو وہاب کے ساتھ ساتھ حدیقہ کو بھی برا لگا تھا۔

"اوہو، مسٹر..... کول ڈاؤن۔ایسا کچھ نہیں ہے۔وہ تو میں نے اسے تنگ کیا تھا۔اس کا خرچہ کروا دیا اسی لیے مجھ پر غصہ ہو رہا ہے۔فرینڈز میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔"حدیقہ نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے بات سنبھالی۔وہاب اور زوہیب دونوں ہی حیران رہ گئے۔

"کیا مطلب؟.... یہ تمہارا بوائے فرینڈ ہے؟" زوہیب نے پوچھا۔

"گرل تو کہیں سے نہیں لگ رہا۔" حدیقہ وہاب کا جائزہ لیتے ہوئے حیرانی سے بولی۔ وہاب نے اس کی بات پر اپنا قہقہہ بڑی مشکل سے روکا۔

"نہیں میرا مطلب....."

"ہاں وہی مطلب ہے۔..... اچھا میں چلتی ہوں تم دونوں باتیں کرو" وہ ان دونوں کو دیکھ کر بولی اور وہاں سے کھسک لی۔

"ایک تو لڑکوں کو ہیرو بننے کا بہت شوق ہوتا ہے" بڑبڑاتی ہوئی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ زوہیب وہاب کو گھور کر چلا گیا۔

"تمہارا بھی جواب نہیں حدی..... میرے نہ سہی اپنے فائدے کے لیے تو میری گرل فرینڈ بن گئی ہو۔ اچھی ایکٹنگ کر لیتی ہو" وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

---

"یہ لو..... تم لوگوں کے لیے کپڑے لائی ہوں۔ جلدی سے پہن کر باہر آجاؤ" نائلہ نے ان سے کہا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ وہ پھٹے پرانے سے کپڑے تھے جو نائلہ ان کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"اب ان مہارانیوں کو کپڑے ہی پسند نہیں آرہے۔ تم لوگوں کی جو اوقات یہاں ہے اسی لحاظ سے ہی کپڑے ملیں گے نا۔" امیمہ نے طنز کیا۔ عانیہ نے ہاتھ بڑھا کر کپڑے لے لیے۔ حریم نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"اور رینم کو ابھی تک ہوش نہیں آیا کیا؟" نائلہ نے رینم کی طرف اشارہ کیا جو ساری رات کھانسی کے باعث سو نہیں سکی تھی اور فجر کے وقت اس کی آنکھ لگی تھی۔ عانیہ اور حریم نے بھی جاگ کر رات گزاری تھی۔ جب اس کا سانس دمے کی وجہ سے مشکل ہو جاتا تو وہ اس کا سینہ اور کمر سہلاتیں رہی تھیں۔

"رات کو ہوش آگیا تھا لیکن ساری رات کھانستی رہی ہے۔ ابھی بھی مشکل سے سانس لے رہی ہے۔ انہیلر یا کھانسی کی کوئی دوا نہیں ہے کیا۔ اس سے جلد ٹھیک ہو جائے گی" اس کے لہجے میں التجا تھی۔ اس نے رات کو رنیم کا جو حال دیکھا تھا اس کا تو ابھی تک دماغ گھوما ہوا تھا۔ کھانس کھانس کر رنیم کے منہ سے ایک دفعہ خون بھی نکل چکا تھا۔ سارا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔ عانیہ نے اس کے سینے اور گردن کو سہلایا تھا۔ حریم کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ رنیم اس وقت بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور یہ بھی نہ کہہ سکی کہ اسے ہر رات ایسا ہوتا ہے۔ انہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

"کوئی دوا نہیں ہے۔ ہماری بلا سے یہاں پڑی پڑی مر جائے۔ اس کا اب دنیا میں کام ہی کیا ہے۔ اس کے جانے سے دھرتی پر بوجھ ہی کم ہو گا۔" نائلہ سفاکی سے بول کر چلتی بنی اور امیمہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ عانیہ انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

"انسان کو اتنا ظالم بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کہ دوسرا مر رہا ہوا نہیں کوئی اثر ہی نہیں ہے۔" حریم سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔ عانیہ جواب دیے بنا کپڑے پکڑ کر باتھ روم میں چلی گئی۔

جب وہ نہا کر باہر نکلی تو نگی سے سامنا ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے کچن سے چیزیں غائب ہونے کا پتہ چل چکا ہے۔

"کیا مسلہ ہے؟" نگی کے مسلسل گھورنے پر اس نے اپنے بالوں کو خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ذرا میرے ساتھ کمرے میں آؤ۔" وہ درشتگی سے بولتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور عانیہ بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کا کمرہ سادہ تھا لیکن خوبصورت تھا۔ بستر نیچے ہونے کی بجائے دو چارپائیاں پڑیں ہوئی تھی۔

"واؤ بہت خوبصورت کمرہ سجا ہوا ہے... تم نے خود سجایا ہے؟"

"رات کو کچن میں کون آیا تھا؟" نگی نے غصے سے گھور کر پوچھا۔

"کچن میں ؟..... مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔ کچن کو تالا لگا ہوا تھا اور چابی تمہارے پاس تھی" وہ حیرانی ظاہر کرتے بولی۔

"تو پھر کچن میں کوئی جن بھوت چلا گیا ہو گا۔" نگی طنزیہ بولی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے بھوت دیواروں میں سے بھی گزر جاتے ہیں" عانیہ نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

"دیکھو زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بتا رہی ہو یا بیگم صاحبہ کے سامنے منہ کھولو گی۔ تم لوگوں کو سزا ملی تھی نا پھر تم نے کھانا چوری کیوں کیا؟" نگی کو تو جلال آ گیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں تمہارے سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔ اگر زیادہ ہی تیکلیف ہے تو تمہاری بیگم صاحبہ کو میں خود جا کر بتا دیتی ہوں۔ یہ نہ ہو تمہیں ہی پچھتانا پڑے۔"

"مطلب ؟"

"مجھے کل رات فریج میں ایک چاکلیٹ پڑی نظر آئی تھی جو یقیناً تم نے چوری کی تھی۔" چاکلیٹ کا سن کر نگی کا چہرہ فق رہ گیا۔ اب اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ آگے سے کیا کہے۔ چاکلیٹ تو اس نے چھپا کر رکھی تھی لیکن پھر بھی عانیہ کی نظر کیسے پڑ گئی۔

"تو جاؤں میں پھر ؟" عانیہ نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"رکو..... میں تمہارا کسی کو نہیں بتاؤں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم بھی میرے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ اسما اور رباب تو میری جان کو آ جائیں گیں۔" سارا غصہ اڑن چھو ہو گیا تھا۔

"گڈ..... مجھے تم سے یہی امید تھی۔ لیکن تمہیں کچھ ایکسٹرا کرنا ہو گا ورنہ جو تمہارے ساتھ ہو گا وہ تم جانتی ہو"

"کیا کرنا ہے؟" نگی کو ایکسٹرا کی سمجھ نہ آئی تو نا سمجھی سے بولی۔

"مطلب اس کے علاوہ بھی کچھ کرنا ہو گا۔ مجھے کھانسی کی دوا کہیں سے لا دو" عانیہ نے اسے کہا۔

"میں ڈاکٹر سے تو نہیں لا سکتی لیکن میں کسی کے کمرے میں دیکھتی ہوں شاید مل جائے۔ باجی زینب کی اکثر دوائیں آتی رہتی ہیں۔" نگی بولی تو عانیہ مسکرا دی۔

"تم کسی کو بتاؤ گی تو نہیں نا۔" وہ ڈرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نہیں جب تک تم نہیں بتاؤ گی میں بھی نہیں بتاؤں گی" عانیہ کہہ کر چلی گئی۔ اب عانیہ کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

---

وہ کمرے میں اکیلی لیٹی سوچوں میں گم تھی۔ آج عانیہ کی وجہ سے اسے کام سے چھٹی مل گئی تھی۔ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا نگی اس کے کمرے میں لائی تھی۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کئی سالوں سے اس نے کوئی دن ایسے گزارا ہو۔ بیمار تو وہ ہر وقت ہی رہتی تھی۔ پچھلے سال کی سردیوں سے ہر رات کو ہمیشہ اس کی طبیعت یونہی خراب ہوتی تھی لیکن کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ شاید اسے خود بھی نہیں تھی۔ اس نے کسی کو بتایا ہی نہیں تھا کہ رات کو وہ کھانستی رہتی ہے۔ جب وہ ان کے سامنے کھانستے ہوئے کام کر رہی ہوتی تھی تو انہیں پرواہ نہیں تو وہ رات کا کیا بتاتی۔ عید پر بھی اسے سکون کا سانس نہیں لینے دیا گیا تھا۔ اسے تو آج عید کا دن لگ رہا تھا۔ لیکن وہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ ساری رات عانیہ اور حریم کو سکون سے سونے بھی نہیں دیا۔ وہ سارا دن کام کرنے کے باوجود رات کو جاگ کر اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ اسے آج لگا تھا اس کی بھی کسی کی زندگی میں کوئی اہمیت ہے۔ کوئی ہے جس کو اس کی جان کی پرواہ ہے۔ اس نے خود کو محفوظ محسوس کیا تھا۔ دل عجیب سی خوشی سے بھر گیا تھا۔ وہ جو اپنے کسی نہ ہونے کے غم میں اداس رہتی تھی آج اسے لگا تھا کہ اس کا بھی کوئی ہے۔

"عانیہ اور حریم تم دونوں آج سے میری بہنیں ہو۔ تم لوگوں کو بچانے کے لیے اگر کبھی مجھے جان بھی دینی پڑی تو انکار نہیں کروں گی۔" وہ سوچ کر مسکرائی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تھیں۔

"اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔ خیریت تو ہے.....کسے سوچا جا رہا ہے۔" حریم آتے ہی شروع ہو گئی تو وہ گڑبڑا گئی۔ عانیہ حریم کو گھور کر رہ گئی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں" وہ اٹھتے ہوئے نقاہت زدہ لہجے میں بولی۔

"تو چھٹی کی خوشی منائی جا رہی ہے" حریم پھر بولی۔

"میری وجہ سے آپ لوگ ساری رات بے آرام ہوئے ہیں تو مجھے چھٹی کی خوشی کیسے ہو سکتی ہے۔" وہ یکدم اداس ہو گئی۔

"رینم تم بھی کس کی بات کو سیریس لے رہی ہو۔ اسے فضول باتیں کرنے کی عادت ہے۔ یہ دیکھو میں تمہاری کھانسی کے لیے دوا لائی ہوں۔" عانیہ نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔ گولیوں کے پتے میں سے ایک گولی نکالتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" رینم نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"تم بس آم کھاؤ پیڑ مت گنو۔ میں نے اچھی طرح چیک کر لیا ہے یہ کھانسی کی ٹیبلٹ ہے۔ تم بے فکر ہو کے کھا سکتی ہو" عانیہ نے گولی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو اس نے پکڑ کر منہ میں ڈال لی۔

حریم نے گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا۔ اس نے پانی کا گھونٹ بھر کے گولی کو بمشکل حلق سے اتارا تھا۔

"ٹیبلٹ کھانے میں مشکل ہوئی ہے کیا؟" عانیہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"وہ بس پہلے کبھی کھائی نہیں نا اس لیے تھوڑی مشکل ہوئی"

"اگر پوری نہیں کھانے ہوتی تو آدھی کر لینی تھی۔" حریم نے مشورہ دیا۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میری حالت ہر رات تقریباً ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"ایسا کب سے ہو رہا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"ویسے تو سارا سال ہی زکام لگا رہتا ہے لیکن اس طرح کی کھانسی پچھلی سردیوں سے شروع ہوئی ہے۔ اب تو عادی ہو گئی ہوں" وہ اداسی سے مسکراتی عانیہ کو تشویش میں ڈال گئی۔

"آپ دونوں نے کھانا کھایا؟" ریئم یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

"ہاں۔ انہیں آخر کار ہم پر ترس آ ہی گیا اور کھانا کھلا ہی دیا۔" عانیہ بولی۔

"اور دیکھا تھا کس طریقے سے ہمیں کھانا دیا تھا جیسے لوگ جانوروں کو بھی نہیں دیتے۔ سب کا بچا کچھا کھانا دیا تھا۔ مجھے تو قسم سے قے آنے والی تھی۔ میں تو آپ پر حیران ہوں آپ نے کیسے سب برداشت کر لیا تھا۔" حریم غصے سے بھری بول رہی تھی۔

"کچھ لوگ ہوتے ہیں وہ طاقت رکھنے کے باوجود اپنے جائز حقوق سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں وہ جھکے ہوتے ہے۔ وہ اپنی طاقت کے استعمال کے لیے صحیح وقت کے انتظار میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود سے جڑے رشتوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی جلد بازی یا جذباتی پن سے اس کے رشتوں کو نقصان پہنچے۔ اس لیے تحمل سے اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑتا ہے ۔ اکثر ظلم کرنے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ان کے سامنے ہر مجبور شخص کمزور ہے اور وہ اسے جب چاہیں چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ان کے اختیار میں ہے۔ مجھے ان کی اسی خوش فہمی کو بڑھانا ہے سو برداشت تو کرنا پڑے گا۔" عانیہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں رشتوں کے لیے سب برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ہماری وجہ سے آپ یہ سب برداشت کر رہی ہیں۔ ورنہ آپ میں اتنی ہمت ہے کہ سب کے سامنے یہاں سے جا سکتی ہیں۔" حریم بولی۔

"میں اس وقت تک یہاں سے جانا نہیں چاہتی جب تک ان سب سے ریئم کا بدلہ نہ لے لوں۔ انہوں نے اس پر جتنا ظلم کیا ہے سب بھگتنا پڑے گا۔ یہ بھی یاد کریں گے کہ کس سے پالا پڑا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟...... تم میری وجہ سے یہاں سے نہیں جاؤ گی؟..... تم پلیز ایسا مت کرو۔ اگر آپ دونوں کو یہاں سے جانے کا موقع ملے تو چلے جائیں۔ میری پرواہ مت کریں۔ میری تو جس طرح کی حالت ہے مجھے اگلی سانس کا معلوم نہیں۔ تم ایک مریض انسان جو مرنے کے قریب ہے اس کے لیے اپنی آزادی کو کیوں قربان کر رہی ہو۔" وہ حیران رہ گئی تھی۔

"اگلی سانس کا تو ہمیں بھی نہیں معلوم..... لیکن تم یہ سمجھنا چھوڑ دو کہ تم مریض ہو.....یاد رکھو جب تک انسان خود ہار نہ مانے کوئی اسے نہیں ہرا سکتا اور تم ہار مان رہی ہو ریئم۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ تم ہار مان جاؤ۔ میں نہیں جانتی کہ میں ایسا کیوں چاہتی ہوں۔ لیکن میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہی۔ میرے دل میں تمہاری جگہ ایک قیمتی دوست کی سی ہے اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو مجھے دکھ ہو گا۔ اسے میری خود غرض سمجھ لو کہ میں تمہیں دیکھ کر دکھی نہیں ہونا چاہتی۔ اسی لیے تمہاری مدد کر رہی ہوں"

"میں تمہارے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم تو بہت حساس دل کی مالک ہیں۔ مجھے تو یقین نہیں ہو رہا کہ میں اتنی اہم ہوں کہ تم مجھے اپنا قیمتی دوست سمجھ رہی ہیں۔ میں کبھی بھی تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔"

"دوستی میں شکریہ نہیں ہوتا یار" حریم نے اس کی کمر پر تھپکی دے کر کہا تو عانیہ نے بھی مسکرا کر اس کی تائید کی۔

"آج سے ہم تینوں دوستیں ہیں۔ ہم اپنی ہر چیز ایک دوسرے سے شئیر کریں گے۔ چاہے وہ خوشی ہو یا غم۔" حریم نے ان دونوں کے سامنے اپنا ہاتھ کیا تو دونوں نے مسکرا کر اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیے۔

-------------------------

وہ اس وقت ٹیرس پر تھی۔کافی کا مگ پکڑے وہ ریلینگ پر کہنیاں ٹکائے کھڑی تھی۔یہاں سے گھر کا بیک گارڈن اور ہمسایوں کی چھت بھی نظر آتی تھی۔دائیں طرف عنیقہ کے گھر کی چھت تھی۔سورج کے غروب ہونے کا منظر اسے ہمیشہ سے ایٹریکٹ کرتا تھا۔اسی لیے شام ہونے سے کچھ دیر پہلے یہاں آجاتی تھی۔بارشوں کا مہینہ تھا جس وجہ سے آج کل موسم خوشگوار تھا۔ابھی بھی سمندر کی طرف سے آنے والی ہوائیں اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔کافی کا سپ لیتے ہوئے اسے آسمان پر پرندوں کا ایک غول اڑتا ہوا نظر آیا تو وہ مگ کو ریلنگ پر رکھ کر انہیں غور سے دیکھنے لگی۔انہیں دیکھ کر اسے عانیہ کی یاد آگئی۔

(پتہ نہیں اس وقت تم کہاں ہو گی۔آئی مس یو عانی۔پلیز واپس آجاؤ) وہ آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"وہاب اس کے پاس کھڑے ہوتے ریلنگ پر کہنیاں ٹکا کر بولا تو اس نے چونک کر آنکھوں کھولیں اور دائیں طرف وہاب کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تم....تم پھر آگئے؟"

"اب بندہ اپنی گرل فرینڈ سے بات بھی نہ کرے؟"وہ سامنے دیکھتا بڑے آرام سے بول رہا تھا جس پر حدیقہ تو تلملا اٹھی۔

"کیا کہا؟....گرل فرینڈ۔تم اپنی حد میں رہو۔میں بے شک آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہوں لیکن میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔مجھے بہت غصہ آتا ہے جب کوئی میرے بارے میں اس طرح بات کرے۔سر پھاڑ دیتی ہوں میں۔"وہ بھڑک اٹھی اور بھول گئی کہ وہ اس وقت اکیلی کھڑی ہے۔وہاب نے چہرہ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"بالکل مجھے بھی بہت غصہ آتا ہے لیکن یہ بات تو تم نے کہی تھی۔"وہاب نے اسے یاد کروایا۔

"وہ میں نے تمہیں بچانے کے لیے کہا تھا۔اگر میں اسے کہتی تم مجھے تنگ کر رہے تھے تو اس نے ہیرو بنتے ہوئے تمہاری پٹائی کر دینی تھی۔"حدیقہ نے اسے تپانے کے لیے کہا تو وہ بھی تپ گیا۔

"تو میرے کونسا ہاتھ پاؤں نہیں ہیں"

"اسی.....اسی وجہ سے میں نے اس کے سامنے خود کو تمہاری گرل فرینڈ کہہ کر بات ہی ختم کر دی تھی۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو اب تک تم دونوں میں ایک جنگ عظیم برپا ہو چکی ہوتی۔ جو کسی ایک کے قتل ہونے پر ہی ختم ہوتی۔ اور تاریخ میں لکھا جاتا کہ ایک دفعہ پھر دو مردوں کی لڑائی کی وجہ ایک عورت بنی۔ مجھے سب فساد کی جڑ سمجھتے۔" حدیقہ نے سنجیدگی سے مستقبل کی صورت حال کھینچی تو وہاب قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔

"تو یوں کہو نا کہ تم نے اپنے فائدے کے لیے کہا۔ تم بہت مطلبی ہو حدی۔......جب میں نے تم سے ایسا کہا تھا تو کیسے غصہ کیا تھا اور اپنا مطلب نکالنے کے لیے تم میری گرل فرینڈ بھی بن گئی۔" وہاب نے اسے تپایا۔

"میں بنی نہیں صرف کہا تھا۔ وہ جھوٹ تھا یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اور منہ دھو رکھو اپنا۔ تمہارے ساتھ کوئی ریلیشن رکھنے سے بہتر میں موت کو ترجیح دوں گی۔ پہلے بھی تم نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں تمہیں وہ پوئٹری میسجز بھیجتی ہوں اور اب ایسی بات کر کے تم ثابت کیا کرنا چاہتے ہو میں تمہارے لیے مری جا رہی ہوں۔ تم اس طرح کہہ کر مجھے ڈی گریڈ کر رہے ہو۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ تم بار بار میرے راستے میں آ رہے ہو۔ تم انتہائی فلرٹ انسان ہو تم......" وہ مسلسل بولتے ہوئے ایک دم سے چپ ہو گئی کیونکہ وہاب ریلنگ سے ٹیک لگائے اور دونوں بازو سینے پر باندھے سکون سے مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے صبح والی بات یاد آئی تو ڈر گئی تھی اگر وہ پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تو وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں ہاں بولو.... میں سن رہا ہوں۔ رک کیوں گئی۔ تقریر کے لیے لفظ ختم ہو گئے کیا" وہ اس کے ڈر کی وجہ سمجھ گیا تھا تبھی طنزیہ بولا۔

"وہ میں کہہ رہی تھی کہ آپ انتہائی شریف انسان ہیں" حدیقہ کھسیاتے ہوئے بولی۔ اس کی مسکراہٹ میں ڈر نمایاں تھا۔

"اور ؟" وہ ٹیک چھوڑ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا تو وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ دل ڈر کے مارے کانپنے لگا۔

"اور آپ بہت مہان ہیں" اس نے خوشامد کی کیونکہ مصیبت سے نکلنے کے لیے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"اور ؟" وہ پتہ نہیں کیا سننا چاہتا تھا۔ ایک قدم اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ تو وہ بھی ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اسے تو سمجھ بھی نہیں آرہی تھی کہ اس کی اور کیا تعریف کرے۔

آپ..... آپ ہاں آپ بہت بہادر ہیں۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اور ؟" وہ مزید ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"اب اور کیا بتاؤں کوئی خوبی مل ہی نہیں رہی" وہ سر کھجا کر خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔ حالانکہ کے وہ ایک ہینڈسم اور وجیہہ لڑکا تھا۔ حدیقہ تو ابھی تک ایک لمحے سے زیادہ اس کے چہرے کو براہ راست دیکھ بھی نہیں سکی تھی کجا کہ اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتی۔

"کیا کہا؟" وہ ہنسی چھپاتے ہوئے ذرا غصے سے بولا۔

"کک.... کچھ نہیں" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ اور "میں چلتی ہوں" کہہ کر تیزی سے پتلی گلی سے نکل لی۔ وہاب اسے جاتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

(حدی..... تم بچوں جیساری ایکٹ کرتے ہوئے بہت پیاری لگتی ہو۔ معصوم اور ڈری سہمی سی ہرنی لگتی ہو۔ سیدھا میرے دل میں اترتی ہو۔ میری آنکھیں صرف تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں اور دل تمہارے ہر پل کا ساتھ مانگتا ہے۔) وہ ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سجائے سوچتا ہوا کافی کے مگ کی طرف بڑھا جو حدیقہ وہیں چھوڑ گئی تھی۔ اس میں آدھی کافی ابھی بچی ہوئی تھی جو ٹھنڈی ہو گئی تھی لیکن وہ مگ اٹھا کر کافی پینے لگا۔ اسے اس ٹھنڈی کافی کا ذائقہ بہت اچھا لگا تھا۔

(لیکن میں اپنے دل کو بہت سمجھاتا ہوں وہ تمہارے علاوہ اور کسی کیلیے مانتا ہی نہیں اب تمہیں منا کر دیکھ لیتا ہوں شاید تم میرے دل جتنی ضدی نہ ہو۔ کوشش تو دونوں کو سمجھانے کی کر رہا ہوں دیکھتا ہوں کیا رزلٹ نکلتا ہے۔)وہ کافی کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

اپنے ٹیرس پر کھڑی عنیقہ نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حدیقہ کا ایک ایک قدم پیچھے ہونا اور وہاب کا آگے بڑھنا۔ حدیقہ کے بھاگنے پر وہاب کا مسکرانا اور اس کی بچی کافی کو پینا اس کے دل میں ایک آگ سی لگا گیا تھا۔ غصے سے اس نے لب اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

(یہ تم اچھا نہیں کر رہی حدیقہ میں نے تمہیں اس سے دور رہنے کا کہا تھا لیکن تم باز نہیں آ رہی۔ تم جانتی بھی ہو کہ میں اسے کتنا چاہتی ہوں۔ اگر تم میرے اور اس کے درمیان آئی تو میں بھول جاؤں گی کہ تم میری کیا لگتی ہو۔ برباد کر دوں گی میں تمہیں۔)وہ سلگتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

------------------------

وہ دونوں صبح سے کام کر رہیں تھی جس میں انہیں صرف ایک گھنٹے کی بریک دی گئی تھی۔ سب سے پہلے ان سے برتن دھلوائے اور ناشتہ بنوایا پھر کمروں کی صفائی کروائی ٹیرس دھلویا، ایک سٹور کی جاڑھ پونچھ کروائی، ایمان احد اور حسنہ کو نہلا کر تیار کیا تھا۔ کسی کے سر کی مالش کی تھی اور کسی کے پاؤں دھوئے تھے۔ کسی کے طنز بھری باتیں سنی تھیں اور کسی کا غرور دیکھا تھا۔ شام کے سات بج چکے تھے لیکن ان کے کام ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ابھی بھی وہ دونوں کپڑے پریس کر رہی تھیں۔

"مجھے ایک جگہ کا پتہ چل گیا ہے جہاں سے ہم نکل سکتے ہیں۔" عانیہ نے ایک قمیص استری کرتے ہوئے کہا تو حریم کا چہرہ کھل اٹھا۔

"کیا؟......واقعی۔ کہاں سے نکل سکتے ہیں؟"

"ٹیرس کا بائیاں کنارہ پہاڑ سے لگا ہوا ہے۔ اونچا ہونے کی وجہ سے وہاں سے کوئی خطرہ نہیں ہے اسی لیے وہاں سیکیورٹی گارڈ نہیں ہیں۔ اگر ہم کوشش کریں تو وہاں سے نکل سکتے ہیں۔ یہ بہتر بھی رہے گا۔ ہم جنگل کا راستہ اختیار کر سکیں گے۔ مین سڑک پر پیچھے سے خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"یہ تو مجھے یقین ہے کہ جو آپ نے سوچ لیا ہے وہ آپ کے لیے ناممکن نہیں رہا ہو گا۔ لیکن کیا ہم رینم کو یہیں چھوڑ جائیں گے۔؟"

"میں اسے یہاں نہیں چھوڑنا چاہتی۔ اسی لیے تو اب تک یہیں ہوں۔ لیکن وہ اتنی ڈری ہوئی ہے کہ خواب میں بھی بھاگنے کا نہیں سوچ سکتی"

"ہم اس کا ڈر دور بھی تو کر سکتے ہیں نا اسے اعتماد میں لے کر۔" حریم بولی۔

"ہاں اسے کنونس کر سکتے ہیں۔"

"آئی بلیو یو اینڈ وش یو بیسٹ آف لک" حریم نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ عانیہ نے سارے کپڑے استری کر لیے تھے جبکہ حریم کے ابھی پڑے تھے اس نے حریم کے سامنے سے کپڑے اٹھا کر پریس کرنے شروع کر دیے۔

"عانی آپی آپ کتنی تیزی سے کام کرتیں ہیں۔"

"ہمیں جلدی ہی کام کرنا ہو گا ویسے مجھے لگ رہا ہے کہ یہ لوگ کوئی بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں ہمیں مارنے کا۔ ذرا احتیاط کرنا۔" عانیہ نے اسے سمجھایا تو اس کے ہاتھ بھی تیزی سے چلنے لگے۔ کچھ دیر بعد رباب اور اسما وہاں آ گئیں۔

"کھانا سرو کرنا ہے جلدی سے آؤ۔" رباب نے حکمیہ لہجے میں کہا۔ اور مغرور چال چلتی ہوئی چلی گئی۔ وہ دونوں اسما کے ساتھ کمرے میں آئیں تو رینم صفیہ بیگم کے سامنے سر جھکائے کھڑی ان کی ڈانٹ ڈپٹ سن رہی تھی۔ ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"یہ کونسا بخار چڑھ گیا ہے تمہیں جو اتر ہی نہیں رہا۔ سارا دن کاہلوں کی طرح پڑی سوئی رہی ہو۔ لگتا ہے اپنی حیثیت بھول گئی ہو۔ تم صرف ہماری خدمت کرنے کے لیے ہو۔ یہ نخرے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ بے شک بخار سے مرنے کے قریب ہی کیوں نہ پہنچ جاؤ کام سے چھٹی نہیں ملے گی۔" صفیہ بیگم کی سفاکیت بھری تقریر جاری تھی جب وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تھیں۔

"رنیم ساری رات کھانسنے کی وجہ سے سو نہیں سکی آپ ڈانٹنے کی بجائے اس کا چیک اپ کروا دیں تو یہ بہتر ہو گا" عانیہ نے لہجہ حتی المقدور ہلکا اور التجائیہ رکھا۔ صفیہ بیگم نے اپنا روئے سخن اس کی طرف موڑ کر اسے گھورا۔ اسما، رباب، نائلہ امیمہ اور اور ملازمائیں اس کی بات پر ٹھٹھک کر اس کی طرف دیکھا

"تم اب مجھے سمجھاؤ گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ دو ٹکے کی لڑکی اب مجھ سے منہ لگائے گی۔" وہ جلال میں آتیں اس کی طرف بڑھیں۔ رنیم اور حریم کی تو سانس ہی سینے میں اٹک گئی تھی۔

"یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کون بات کر رہا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا بات کر رہا ہے۔" عانیہ نے اعتماد سے صفیہ بیگم کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو سب کے منہ واقعی کھل گئے۔ رنیم نے حریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔ لیکن کوئی بات نہیں تمہاری اکڑ مجھے بڑی اچھی طرح نکالنی آتی ہے۔"

"میری اکڑ بعد میں نکال لیجیے گا پہلے اپنی زندگی بچانے کی فکر کریں" عانیہ نے سکون سے کہا تو سب اس کی ہمت پر دنگ رہ گئے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"یہ لڑکی..... رنیم" وہ رنیم کی طرف بڑھی اور اسے بازو سے پکڑ کر تھوڑا آگے کرتے ہوئے بولی۔

"اسے ٹی بی ہے۔" رنیم اور حریم کے دل اس انکشاف پر لرز گئے تھے۔ جب کہ باقی حیران تھے۔

"میں نے کل جو علامات اس میں دیکھیں ہیں وہ ٹی بی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ خود تو ٹی بی کی آخری سٹیج پر پہنچ چکی ہے لیکن اگر یہ تم لوگوں کے ساتھ رہی تو تم لوگوں کو بھی موت کی طرف دھکیل سکتی ہے۔ اگر میری بات پر یقین نہیں آتا تو کسی بھی ڈاکٹر سے اس کا چیک اپ کروا سکتے ہیں۔" رینم اس کے اس درجہ یقین سے کہنے پر بے اختیار لڑکھڑاتی دو قدم پیچھے ہٹی اور مایوسی سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا وہ واقعی مرنے والی تھی۔ اس کی تو دعا پوری ہونے والی تھی لیکن اس کا دل درد سے کیوں پھٹنے لگا تھا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر زور سے رگڑا۔ حریم نے اسے بھاگ کر پکڑا۔ عانیہ نے سب کے ری ایکشن دیکھے جو اس کے پلان کے مطابق ہی تھے۔ وہ رینم کو نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے کوئی بدبودار غلاظت ہو۔

"دفعہ کرو کچن سے اس لڑکی کو۔ ہمیں بھی اپنے جراثیم لگا دے گی۔ آئندہ سے یہ اپنے کمرے سے نہیں نکلے گی۔" صفیہ بیگم کو عانیہ پر اپنا غصہ بھول گیا اور اپنی فکر پڑ گئی۔ عانیہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتی مڑ کر رینم کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی وہ اسکے قریب آئی اور ہونٹوں کے کناروں کو ذرا سا خم دے کر ذرا سا مسکرائی اور ایک آنکھ دبائی تو رینم کی جان میں جان آئی۔ حریم نے بھی سینے میں اٹکی سانس خارج کی۔

"حریم اسے کمرے میں چھوڑ آؤ۔" عانیہ نے حریم سے اونچی آواز میں کہا تھا اور اس دفعہ کسی کو اسے روکنے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔

"عانیہ جھوٹ بول رہی تھی نا؟" رینم کو جیسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوارٹر کی طرف جاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔ دل کی رفتار اب بھی تیز تھی۔

"ہاں یار تمہیں سمجھ نہیں آئی۔ ہمیں مسکرا کر آنکھ ماری تھی تو اس کا کیا مطلب بنتا ہے۔" حریم نے کہا۔

"میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ اسے پہلے مجھے بتانا چاہیے تھا۔"

"وہ کس وقت کیا سوچ رہی ہیں کوئی بھی نہیں جان سکتا۔اور جو وہ سوچ لیں وہ کر دیتی ہیں۔اتنا تو میں انہیں جان گئی ہوں۔اب دیکھو ہمیں سو فیصد لگ رہا تھا کہ اب تو ان کی شامت آئی کہ آئی لیکن ہوا کیا۔وہ اس اعتماد سے بات کر رہیں تھیں کہ کوئی بھی ان کی بات کو جھٹلا نہیں سکا۔وہ اگلے بندے کو قائل کرنے اور لائن پر لانے کا گر جانتی ہیں۔"

"لیکن اگر انہوں نے میرا چیک اپ کروالیا تو عانیہ کی بات جھوٹ نکل آئے گی۔اس نے مجھے بچانے کی خاطر خود کو خطرے میں ڈال لیا ہے۔"

"تم نے خود نہیں سنا تھا کہ ان کے نزدیک تمہاری اتنی بھی اہمیت نہیں ہے کہ تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ انہیں ذرا بھی پرواہ نہیں ہوگی۔تو وہ کیسے تمہارا چیک اپ کروائیں گے۔تم ساری فکریں چھوڑو اور آرام پکڑو" حریم نے اسے کہا۔وہ چلتے ہوئے کمرے کے سامنے پہنچ گئیں تھی۔حریم نے دروازہ کھولا اور اسے لے کر اندر داخل ہوئی۔

"مجھے بھی اب پرواہ نہیں کہ ان کے سامنے میری کتنی اہمیت ہے۔" رینم بستر پر لیٹتے ہوئے بولی۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ خوش رہنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جہاں دیکھو تمہاری کوئی اہمیت نہیں وہاں سے الگ ہو جاؤ" حریم نے مسکرا کر کہا اور پلٹ گئی جبکہ وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کانپ اٹھی تھی۔

---------------------------------------

"کیا کر رہے ہو؟" عمیر کمرے میں داخل ہو کر اس سے پوچھا جو وارڈروب کھولے کپڑے چیک کر رہا تھا۔اس کی آواز پر مڑا۔

"کچھ نہیں بس کل کے لیے کپڑے چیک کر رہا تھا۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔آج اس کا سیکنڈ ٹائم آخری پیپر تھا لیکن دو پریکٹیکلز ابھی رہتے تھے۔اور ان کے لیے ابھی بہت ٹائم پڑا تھا اس لیے اس نے سوچا کہ جاب شروع کر دے۔کل اسے ایک انٹرویو کے لیے جانا تھا اسی لیے کپڑے چیک کر رہا تھا۔

"خیریت۔پہلے تو کبھی چیک نہیں کیے" عمیر اچنبھے سے بولتا ہوا اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور کشن گود میں رکھ لیا۔

"ہاں ایک جاب ہے اس کے انٹرویو کے لیے جانا ہے کل۔" اس نے بڑے آرام سے بتایا۔

"کیا؟.... لیکن بابا نے تم سے کہا تھا کہ وہ تمہیں جاب دے دیں گے"

"لیکن یار میرے پاس تو ابھی تک ڈگری بھی نہیں ہے۔ فورتھ سمسٹر کے پیپرز دیے ہیں۔ میرے خیال سے میں ابھی وہاں ٹھیک سے کام نہیں کر سکوں گا۔ شاپنگ مال میں سیلز مین کا کام ٹھیک رہے گا۔" وہاب نے عذر پیش کیا۔

"یہ بات تو تم اب ماما کو ہی سمجھانا۔ وہ بالکل بھی نہیں مانیں گیں۔" عمیر کہہ کر اٹھنے لگا تو وہاب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم میری مدد کرنا۔ میں انہیں منالوں گا۔"

"میں ان سے کیا کہوں گا کہ وہاب صاحب کو شاپنگ مال میں جاب کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیوں ڈانٹ پڑوانی ہے مجھے یار" وہ صاف انکاری ہو گیا۔

"میں خود ہی انہیں منالوں گا۔ تم دفعہ ہو جاؤ" وہاب اس کا بازو چھوڑ کر منہ بناتے ہوئے بولا۔

"جب منالو تو مجھے بھی بتانا مٹھائی لے کر آؤں گا۔" عمیر نے اسے چڑانے کو کہا اور باہر چلا گیا۔ وہاب تذبذب کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اسے پتہ تھا عمرینہ آنٹی تو کبھی بھی دوبارہ اسے یہ جاب نہیں کرنے دیں گیں۔ اور حیدر انکل نے بھی اس جاب کو چھوڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ اب مشکل ہی تھا کہ وہ وہاں جاب کر سکتا۔ وہاب جانتا تھا کہ یہ لوگ بہت خلوص والے ہیں۔ لیکن اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ پہلے ہی عمرینہ آنٹی نے ضد کر کے اسے گھر بلوا لیا تھا۔ اب وہ مزید احسان نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ابھی خیالوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلا اور آنٹی عمرینہ اندر چلی آئیں۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آنٹی آپ۔ کیا حال چال ہیں۔ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہیں۔" معصومیت سے پوچھنے لگا تو عمرینہ نے اسے تاسف سے گھورا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

"کیا؟" وہ بالوں میں ہاتھ مارتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم بار بار کیوں غیروں جیسی باتیں کرتے ہو وہاب۔ ہم نے تمہیں اپنا بیٹا کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔ لیکن تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتے۔"

"سوری آنٹی۔ میرے دل میں آپ کی حیثیت ماں جیسی ہے۔ اس دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں جسے میں اپنا سمجھوں۔" وہ شرمندہ سا بولا۔

"تو پھر ہماری بات مان کیوں نہیں لیتے۔ میں جانتی ہوں جبین نے تمہیں خودداری سکھائی ہے۔ تم کسی کا احسان لینا پسند نہیں کرتے لیکن میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا ہم غیر ہیں جن کی محبتوں کو تم احسان سمجھتے ہو۔"

"سوری.... میں نے آپ کا دل دکھا دیا۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔"

"گڈ بوائے۔ یہ ہوئی نا بات۔ میں آج ہی تمہارے انکل سے بات کرتی ہوں تمہیں اپنی کمپنی میں جاب دیں۔" عمرینہ خوش ہو کر بولی۔

"لیکن آنٹی میری تو ابھی ڈگری بھی مکمل نہیں ہوئی۔"

"مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ میرا بیٹا ان سب سے اچھا کام کرے گا جن کے پاس ڈگریاں ہیں۔ تمہیں میرا نام روشن کرنا ہے۔ اوکے۔" وہ بہت مان سے بولیں تو وہاب مسکرا دیا۔

"اچھا تم تیاری کرو کل انٹرویو کے لیے جانا ہے۔" عمرینہ نے اس کے بال بکھیرتے ہوئے کہا اور چل دیں۔ ان کے جاتے ہی عمیر ٹپک پڑا۔

"اگر کام ہو گیا ہے تو مٹھائی لے آؤں۔" عمیر نے اس پر طنز کیا وہ سکون سے مسکرا دیا

"ہاں لے آؤ مٹھائی تمہاری جاب جو لگ گئی ہے" وہاب نے کہا تو عمیر کی ہنسی گم ہوئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے آنٹی سے کہہ دیا ہے کہ اگر میرے ساتھ عمیر آفس جوائن کرے گا تو میں تب ہی کروں گا۔" وہاب نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر کہا تو عمیر کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی ایسی بکواس کرنے کی۔ میری بات کان کھول کر سن لو مجھے نہیں کرنا کام وام۔ پیپرز سے جان چھوٹی ہے تو جاب کرنے لگ جاؤں۔ اور ویسے بھی میں ابھی فورتھ سمسٹر کے پیپرز دے کر آیا ہوں۔ یہ بھی کنفرم نہیں پاس ہوں یا فیل۔ تم مجھے اس جھنجھٹ میں نہ ہی گھسیٹو تو بہتر ہے۔" عمیر نے اس کے بازو کو خود سے الگ کر کے خفگی سے بولا۔

"دیکھو عمیر انکل کی سافٹویئر کمپنی ہے جسے کل کو تمہی نے سنبھالنا ہے۔ ٹھیک ہے تم ابھی پڑھ رہے ہو لیکن تمہیں آفس جا کر کچھ نا کچھ سمجھنا چاہیے۔ آگے تمہیں آسانی ہو گی۔ اور ویسے بھی گھر رہ کر بور نہیں ہو گئے۔ وہاں میرے ساتھ چل کر کام کرنا۔" وہاب نے اسے سمجھایا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم کام کرنا میں صرف تمہارے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گا۔" عمیر خوشی سے بولا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں بات کروں آنٹی سے" وہاب۔ نے کہا تو وہ چونکا۔

"کیا مطلب ابھی بات کرنی ہے۔"

"ہاں"

"کتنے چالاک ہو تم۔ میں نہیں کر رہا۔" وہ خفگی سے اسے کشن مار کر بولا تو اس نے کیچ کر لیا۔

"مان جاؤ یار اگر تم وہاں نہ ہوئے تو مزہ نہیں آئے گا۔" وہاب نے منت کی۔

"کیوں میں کوئی جوکر ہوں کیا جسے دیکھ کر تم خوش رہو گے۔"

"یار ایک بات تو بتاؤ انکل نے کہیں تمہیں زبردستی تو یہ سافٹ ویئر انجینئرنگ نہیں رکھوادی۔ مجھے تو تمہارا اس سبجیکٹ میں ذرا بھی انٹرسٹ نظر نہیں آتا۔" وہاب نے اسے جذباتی بلیک میل کیا۔

"میں نے اپنی مرضی سے یہ سبجیکٹ رکھا ہے اور تم دیکھ لینا میں اس میں اپنا نام منوا کر رہوں گا۔" وہ جذباتی ہو بھی گیا۔

"اگر آفس جاؤ گے ہی نہیں تو کیسے منواؤ گے خود کو۔" وہاب نے لوہا گرم دیکھ کر ایک اور چوٹ کی۔

"ٹھیک ہے چلا جاؤں گا۔ صرف تمہارے کہنے پر جارہا ہوں"

"شکریہ اس احسان عظیم کے لیے۔" وہاب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھک کر کہا تو وہ مسکرا دیا۔

رات کو ڈائننگ ٹیبل پر عمرینہ نے حیدر علی سے وہاب کے بارے میں بات کی تو انہوں نے بخوشی ان کی بات مان کر ان کا مان بڑھا دیا۔ وہاب نے شکریہ ادا کر کے انہیں عمیر کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ بھی جاب کرنا چاہتا ہے تو عمرینہ اور حیدر کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ عمیر ہمیشہ مشکل کاموں سے بھاگتا تھا۔ وہ لاابالی سا لڑکا ایک کام کو ٹک کر نہیں کر سکتا تھا۔ سافٹ ویئر انجنیئرنگ بھی وہ پتہ نہیں کن حالوں سے کر رہا تھا۔ آخر باپ کی کمپنی بھی تو اسے ہی سنبھالنی تھی جو انہوں نے بڑی محنت سے بنائی تھی۔ ملک کی نامور کمپنیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے زبردستی عمیر کو یہ سبجیکٹ رکھوایا تھا۔ البتہ حدیقہ کا انٹرسٹ سافٹ ویئر انجینئرنگ میں زیادہ تھا اور وہ لائق بھی بہت تھی۔ حیدر علی حدیقہ کے انٹرسٹ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور عمیر کو اس کی مثالیں دیتے۔ عمیر چپ چاپ کڑھنے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

------------------------

"یار یہاں تمہاری کوئی زندگی نہیں۔ ہماری بات مان لو اور ہمارے ساتھ چلو۔" حریم نے اس کی منت کی۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسے سمجھا رہی تھی لیکن وہ تھی کہ مان ہی نہیں رہی تھی۔ اسے تو یہ سوچ کر بھی ڈر لگ رہا تھا اور کہاں اس پر عمل کرنا۔ عانیہ اس دوران خاموشی سے بیٹھی دونوں کی بحث سن رہی تھی۔ کیونکہ حریم نے یہ کام اپنے ذمے لیا تھا۔

"آپی عانی اب آپ ہی اسے سمجھائیں میری تو بات ہی نہیں مان رہی۔" حریم نے عانیہ کی طرف بے بسی سے دیکھ کر کہا۔

"م.... مجھے کچھ نہیں سمجھنا۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ پہلے ہی یہ لوگ مجھے اچھا نہیں سمجھتے اگر میں بھاگ گئی تو لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔ اور اگر میں پکڑی گئی تو میری وہیں قبر بن جائے گی۔ یہ بے شک مجھے کوئی اہمیت نہ دیں لیکن میرے بھاگنے سے ان کی عزت کا جنازہ نکل سکتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں خوف تھا اور اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔ عانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

"رینم یہ صرف تمہارے اندر کا ڈر ہے جو تمہیں اپنے بارے میں بھی نہیں سوچنے دے رہا۔ تمہارے زہن میں ڈر بھر دیا گیا ہے جسے تم چاہو تو نکال سکتی ہو۔" عانیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"میں نہیں کر سکتی عانیہ۔ میں کچھ نہیں بھی کر سکتی۔ مجھے اب صرف کسی معجزے کی امید ہے کہ ان لوگوں کے دل میں میرے لیے رحم پیدا ہو جائے یا موت کی امید ہے جو مجھے ان تمام دکھوں سے نجات دے گی۔ میں اب مزید درد برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ مجھے اتنا مارتے پیٹتے ہیں کہ میرا دل کرتا ہے مجھے اگلی سانس بھی نہ آئے۔ میں زندگی سے اس قدر اکتا گئی ہوں۔ مجھے یہیں پر رہ کر اپنی موت کا انتظار کرنے دو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بہہ نکلیں۔

"مایوسی گناہ ہے ریثم اور تم مایوسی کی انتہا پر ہو۔ تمہیں اپنی پرواہ نہ ہو لیکن مجھے ہے۔ ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں لیکن تمہاری وجہ سے نہیں جا رہے۔ اسے ہمارا احسان مت سمجھنا میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اگر تم ہمارے ساتھ جانے کو راضی نہیں تو ٹھیک ہے ہم بھی یہیں رہ لیں گے۔" عانیہ نے اسے کہا تو وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ لوگ میری وجہ سے ابھی تک یہاں ہیں۔"

"ہاں ورنہ ہمارے لیے یہاں سے بھاگنا مشکل نہیں۔ پچھلی قید سے ہم کیسے بھاگے تھے یہ تو میں تمہیں بتا ہی چکی ہوں۔" حریم نے اسے باور کروایا۔

"آپ لوگ اگر جا سکتی ہیں تو چلی جائیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری خاطر آپ لوگ یہیں رہ کر دکھ اٹھائیں۔ اور میرے جیسا کسی کا نصیب ہو۔"

"ہم تینوں کے نصیب بدل سکتے ہیں ریثم اگر تم چاہو تو۔ اب فیصلہ تم پر چھوڑتے ہیں۔ اور خدا بھی اس وقت تک مدد نہیں کرتا جب تک انسان اپنی مدد خود نہیں کرتا۔ تم خود اپنے لیے کچھ کرنا نہیں چاہتی تو قسمت کو الزام مت دو۔ اور گر تم کسی معجزے کے انتظار میں ہو تو جان لو کہ معجزہ تو ہو چکا۔ اگر میں چاہتی تو اسی وقت ولید اور اس کے آدمیوں کے چنگل سے بچ کر نکل سکتی تھی لیکن کیا وجہ تھی کہ میں کوئی مزاحمت کیے بنا ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ وجہ تم تھی ریثم۔ اگر تمہیں خدا پر ذرا سا بھی بھروسہ ہے تو مشکل سے لڑ جاؤ گی۔ اور مشکل وقت کے بعد آسانی بھی ہے۔ آج اگر تم اپنی زندگی کے بارے میں سوچو گی اور تھوڑی سی ہمت کر لو گی تو تمہاری باقی کی زندگی آسان گزرے گی۔ اور رہی بات عزت کی تو لکھوا لو مجھ سے اگر تم ساری زندگی ان لوگوں خدمتیں کرتی رہو گی ان کے دل میں ذرا بھی تمہارے لیے عزت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں کو تمہاری عزت کی پرواہ نہیں تم ان کی

عزت بچانے کی خاطر ساری زندگی غلامی میں رہنا چاہتی ہو۔لوگوں کو خوش کرنا بہت مشکل ہے۔تم یہاں اپنی زندگی گنوا کر سراسر بے وقوفی کر رہی ہو۔"

"تمہاری ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن یہ لوگ بہت اثر و رسوخ والے ہیں۔یہ سارا علاقہ ان کا ہے۔اگر ہم یہاں سے میلوں دور بھی چلیں جائیں تو یہ ہمیں ڈھونڈ لیں گے۔سردار ولید تو مجھے چھوڑے گا نہیں۔"وہ ابھی بھی ڈر رہی تھی۔

"اپنے خدا کو یہ مت بتاؤ کے تمہاری مشکل کتنی بڑی ہے بلکہ اپنی مشکل کو یہ بتاؤ کہ تمہارا خدا کتنا بڑا ہے۔"اس نے ریئم کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔اس کی آنکھوں میں امید کے دیے چمک رہے تھے اور ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ریئم کو لگا کہ کوئی سحر اسے خود میں جکڑ رہا ہے جو اسے عانیہ کی بات ماننے پر مجبور کر رہا ہے۔اس کا دل جو بھاگنے کے نام سے بھی ڈرتا تھا آج اس بات پر آمادہ ہو رہا تھا۔کچھ پل یونہی وہ اسے دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے مسکرائی۔حریم اور عانیہ بھی مسکرا دیں۔

"ہاں۔میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔لیکن کہیں اور نہیں بلکہ خان حویلی اپنے باپ اور بھائی کے پاس جانا چاہتی ہوں تا کہ یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ میں بری لڑکی ہوں۔"ریئم نے کہا تو وہ دونوں حیران ہوئیں۔

"تم باپ اور بھائی کے ہوتے ہوئے بھی اتنے سالوں سے یہاں قید ہو تو وہ اب تمہاری کیا مدد کریں گیں۔"عانیہ بولی۔

"یہی تو میں ان سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ انہیں کبھی میری یاد نہیں آئی۔انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں ہے کہ میں یہاں کن حالوں میں رہ رہی ہوں۔کیا ان کے نزدیک میرا وجود اتنی سی بھی اہمیت نہیں رکھتا؟انہوں نے یہ تک جاننا گوارا نہیں کیا کہ میں مر گئی ہوں یا جی رہی ہوں۔میں ایک دفعہ اپنے سگے رشتے کو آزمانا چاہتی ہوں اگر تم میری کوئی مدد کرنا چاہتی ہیں تو ایک دفعہ میری بات خان حویلی میں کروا دو۔"

"انہوں نے تمہیں چھوڑا کیوں تھا؟" حریم نے پوچھا۔

"میری ماں کی شادی سیاسی مفاد کے لیے خان حویلی کی گئی تھی لیکن بعد میں حالات خراب ہو گئے اور جب میں دو ماہ کی تھی جب ماں کو طلاق ہو گئی تھی۔ بابا نے اپنے بیٹے کو پاس رکھ لیا اور مجھے ماں کے ساتھ اس جہنم میں بھیج دیا جس میں ماں نے بھی مجھے جلد ہی اکیلا چھوڑ دیا اور چل بسیں۔ تب سے میں یہیں ہوں۔ میں ہر روز اس آس کے ساتھ جیتی تھی کہ کبھی تو وہ لوگ آئیں گے مجھے یہاں سے لینے۔ "

"یہاں ان کا کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے؟" عانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہو گا۔ کسی زمانے میں ان کے بہترین تعلقات رہے ہیں خان حویلی کے ساتھ " رینم نے کہا۔

"ہمم.... اس کا مطلب ڈھونڈنا پڑے گا لیکن تم فکر مت کرو کام ہو جائے گا تم اپنے بابا کا نام بتاؤ۔" عانیہ نے کہا۔

"نام تو نہیں معلوم لیکن آپا جی کہتیں تھیں کہ یہاں سب انہیں بڑے خان کے نام سے بلاتے ہیں۔" رینم نے کہا۔

"اور بھائی کا نام بھی معلوم نہیں ہو گا؟" حریم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں ان کا بھی نہیں معلوم۔ اگر ماں میرے ہوش سنبھالنے تک زندہ رہتی تو شاید مجھے ان کے نام پتہ ہوتے۔ آغا جان نے گھر میں ان کے ذکر پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ اور آپا جی نے بھی مجھے کبھی نہیں بتایا تھا۔ مجھے اس وقت سمجھ ہی نہیں تھی اور جب سمجھ آئی تو آپا جی نہیں تھیں۔"

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو تم خان حویلی بات ضرور کرو گی۔ میں نمبر ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔" عانیہ نے کہا۔

"کیا واقعی سچ میں۔ بہت بہت شکریہ عانیہ۔" رینم فرط جذبات سے کھل اٹھی۔

"ارے یار کر لو یقین اب تم آزاد ہونے والی ہو۔ پھر میں تمہیں چائینیز اور کورین ڈرامے دکھاؤں گی۔" حریم مسکرا کر بولی۔ رینم بھی مسکرا دی۔

---------------------------

حدیقہ اورعنیقہ آج پھر جاگنگ کے لیے گئیں تھیں اور وہاب انہیں وہاں دیکھ کر حیران ہوا۔وہ مخالف سمت سے جاگنگ کر کے اسی طرف آرہا تھا۔حدیقہ کو دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا تھا۔وہ اسے صبح کے نکھرے ہوئے پھولوں کی طرح دکھائی دی تھی۔جس پر شبنم کے قطرے سورج کی روشنی سے چمک رہے ہوں۔اس کی نظریں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں اورعنیقہ کے دل میں گھونسے پڑ رہے تھے۔حدیقہ اسے دیکھ کر ایک دم سے ڈر گئی تھی۔پچھلی دو ملاقاتوں کی یاداشت تازہ ہو چکی تھی۔

"مجھے لگا تھا تم نے جاگنگ چھوڑ دی ہے۔"وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے بے گانگی سے منہ پھیر لیا۔

"یہ تو آپ کی وجہ سے جاگنگ چھوڑ چکی تھی لیکن میں ضد کر کے لائی ہوں"عنیقہ نے مہارت سے جھوٹ بولا تو دونوں نے اسے دیکھا۔وہ اسے حدیقہ سے بدگمان کرنا چاہتی تھی۔

"یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔تھینک یو"وہ شائستگی سے بولتا حدیقہ کی جانب متوجہ ہوا۔"کیا میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے سکتا ہوں؟"

"مجھے تمہاری ضرورت نہیں میں عنیقہ کے ساتھ جاگنگ کرنے آئی ہوں۔"وہ رکھائی سے بول کر عنیقہ کو خوش کر گئی۔

"اچھا پھر میں آنٹی کو بتا دوں گا"وہ آرام سے بولا تو حدیقہ ٹھٹکی۔کہیں اس کی شکائتیں تو نہیں لگانے والا تھا وہ۔

"کک.....کیا؟"وہ ہکلاتے ہوئے پوچھنے لگی تو عنیقہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ آنٹی نے تمہاری ذمہ داری مجھے دی تھی لیکن تم نے میری بات نہیں مانی"وہاب نے ایک نظر عنیقہ کو دیکھا اور بات بدل گیا۔وہ تذبذب کے عالم میں عنیقہ کو دیکھنے لگی جس کے چہرے پر بارہ بجے تھے۔

"ٹھیک ہے عنیقہ چلو اس کے ساتھ جاگنگ کرتے ہیں۔" وہ بولی کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ وہاب نے اسے کونسی دھمکی دی ہے۔ عنیقہ خوش تو ہوئی لیکن حدیقہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اسے برا بھی لگ رہا تھا۔ وہاب نے ٹریک پر جاگنگ شروع کر دی اور وہ دونوں اس کے پیچھے بھاگنے لگیں۔ حدیقہ نے دانستہ اپنی رفتار آہستہ کر دی تھی جبکہ عنیقہ تیزی سے بھاگتے ہوئے وہاب کے ساتھ ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک چکر لگانے کے بعد وہاب نے مڑ کر دیکھا تو وہ دس پندرہ گز دور تھی۔ وہاب سمجھ گیا تھا کہ وہ جان بوجھ کر لیٹ ہو رہی ہے۔ وہ وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا تو عنیقہ بھی رک گئی۔ جب وہ قریب آئی تو وہاب نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پھر سے بھاگنے لگا۔ چار چکر لگانے کے بعد حدیقہ نے جان بوجھ کر خود کو تھکا ہوا ظاہر کیا اور ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔

"تم دونوں جاؤ میں تھک گئی ہوں۔" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

" چلیں نا وہاب میں بالکل بھی نہیں تھکی اگلے چکر میں اسے ساتھ لے لیں گے۔" عنیقہ نے موقع غنیمت جانا اور وہاب کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔ وہاب نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا اور حدیقہ کی طرف دیکھا جو اجنبیوں کی طرح چہرہ پھیر گئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کا سامنا نہیں کر پا رہی اسی لیے مسکرا کر عنیقہ کے ساتھ چل دیا اور عنیقہ کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔ وہاب اب تیزی سے بھاگ رہا تھا اور عنیقہ بمشکل اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ تیز بھاگنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولنے لگا۔ کچھ دیر تو وہ بھاگتی رہی اور اس بات پر کڑھتی رہی کہ وہاب کو اس کی اتنی پرواہ بھی نہیں کہ اس کی خاطر اپنی رفتار تھوڑی آہستہ ہی کر لے حدیقہ کی دفعہ تو رک کر اس کا انتظار کیا تھا۔

(حدیقہ لڑکوں کو اپنے پیچھے لگانے کا گر جانتی ہے۔ مجھے تو سمجھ بھی نہیں آ رہا اس کو اپنی طرف متوجہ کیسے کروں) وہ بھاگتے ہوئے سوچ رہی تھی وہاب اب کافی آگے پہنچ گیا تھا۔

(ہاں یہ کر کے دیکھتی ہوں) کچھ سوچ کر وہ بڑبڑاتی اور تیزی سے وہاب کے پیچھے بھاگی کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ تھی۔وہاب نے کوئی نوٹس نہ لیا اور وہ اپنے پلان پر عمل کرتے ہوئے لڑکھڑا کر وہاب کے سامنے گر پڑی تا کہ وہاب اسے سہارا دے لیکن اس کے سارے پلان پر پانی پھر گیا وہاب نے اسے سہارا دینا تو در کنار اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا تھا اور آگے بڑھ گیا۔اس کے پاؤں میں درد کے ساتھ دل میں بھی ایک درد سا اٹھا۔اور آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

(اگر تم میرے نہ ہوئے تو میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دوں گی۔وہاب یہ وعدہ ہے میرا) وہ اٹھ کر اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔اور دور بیٹھی حدیقہ کی طرف زہر خند نگاہوں سے دیکھا جو بیٹھی دوسرے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔عنیقہ نے شکر ادا کیا کہ حدیقہ نے نہیں دیکھا ورنہ جو طنز اس نے اسے مارا تھا وہ اس کی طرف بھی لوٹ سکتا تھا۔حالانکہ حدیقہ کی ایسی فطرت ہی نہیں تھی۔وہ شدید غصے میں بھی سخت بات منہ سے نہیں نکال سکتی تھی۔اسے وہاب پر بہت غصہ تھا لیکن اس نے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی کہ جو اسے ہرٹ کرتی۔وہ معصومانہ شرارتیں کرنے والی لاابالی سی اور زندگی سے بھرپور لڑکی تھی۔اس میں ابھی تک بچپنا تھا اور یہی بات تو وہاب کو اس کی پسند آئی تھی۔

---------------------------------

"رنیم کو تو بچا لیا ہے اب تم لوگوں کون بچائے گا۔رنیم کے حصے کے سارے کام تم لوگوں کو کرنے پڑیں گیں۔"رباب مزے سے بولی۔امیمہ اور نائلہ استہزاہیہ ہنسی تھیں۔حریم نے عانیہ کی جانب دیکھ کر آنکھیں گھمائیں۔وہ دونوں چائے کے برتن خالی ہونے کے انتظار میں کھڑی تھیں۔

بی جان تک یہ مسلہ پہنچ چکا تھا۔اور انہوں نے بھی یہی حکم دیا تھا کہ کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت نہیں مرنا تو ہے ہی اس نے۔اور ریئم کو کمرے سے باہر نہ نکلنے کا حکم دے دیا۔عانیہ کا منصوبہ کام کر گیا تھا۔لیکن وہ خود پریشان تھی کہ ایک سال سے اسے یہ مسلہ ہے تو کہیں اس کی کہی بات سچ ہی نہ ہو۔

"ویسے تم لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے کہ ایک بیمار انسان کے ساتھ ٹھہرایا ہوا ہے۔"اسما بولی۔

"اگر ہو بھی تو کونسا ہمیں الگ کمرہ دے دیا جائے گا۔"عانیہ نے کہا اور اسما لاجواب سی ہو گئی۔

"یہ چائے کے برتن رکھنے کے بعد میرے کمرے میں آنا مجھے سر کی مالش کروانی ہے"نائلہ عانیہ کی طرف دیکھ کر تحکم سے بولی۔

"اور مجھے پاؤں دھلوانے ہیں"امیمہ بولی۔طاقت کے نشے میں آکر انسانیت کی تذلیل کرنے سے ان لوگوں کو عجیب سا سکون ملتا تھا۔اور برتری کا احساس ہوتا تھا۔

"حریم کو لے جانا۔عانیہ تو آج میری خدمت کرے گی۔"نائلہ بولی۔سب نے عانیہ کے چہرے کو کھوجنا چاہا کہ ان کی باتوں کا کوئی اثر ہو رہا ہے یا نہیں لیکن ہمیشہ کی طرح اب بھی اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔وہ حیران تو ہوئیں لیکن اس کے سامنے کچھ نہ بولیں۔

"اسے تو ہمارے کسی بات کا اثر نہیں ہوتا"عانیہ اور حریم کے جانے کے بعد رباب بولی۔

"ہاں ریئم کو دو باتیں سنا دو تو اس کے آنسو نکل آتے تھے یہ کچھ زیادہ ہی سخت جان نہیں۔"امیمہ بولی۔

"ان کے آنسو بھی نکل آئیں گے۔جتنا بھی برداشت کر لیں آخر ہیں تو ایک انسان نا۔یہ لڑکی جلد ہی میرے سامنے گھٹنوں پر جھکی ہو گی اور مجھ سے رحم کی بھیک مانگے گی۔"نائلہ کے لہجے میں غرور کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

------------------------------------

حدیقہ کی گاڑی کراچی کی ایک کشادہ سڑک پر تیزی سے چل رہی تھی۔اس وقت تقریباً دو بجے تھے اور وہ علیزے کے گھر سے ہو کر آ رہی تھی۔ سورج کی دھوپ اور تپش اپنے جوبن پر تھی لیکن گاڑی میں اے سی کی وجہ سے ماحول نارمل تھا۔یہ ایک سنسان سی سڑک تھی جس کے دونوں اطراف سر سبز میدان اور پلاٹس تھے۔علیزے کا گھر غیر گنجان آباد علاقے میں تھا۔وہ بازار تو اکیلے چلی جاتی تھی لیکن ان سنسان جگہوں پر ڈرائیور یا بھائی کے ساتھ ہی جاتی تھی۔ آج ڈرائیور اور بھائی دونوں فارغ نہیں ملے تھے تو وہ اکیلے ہی آ گئی تھی کیونکہ علیزے کی برتھ سے پارٹی تھی اور وہ کسی صورت مس نہیں کر سکتی تھی۔اب وہ ڈرتے ہوئے اس سڑک کو پار کر رہی تھی کہ اچانک اس کی گاڑی رک گئی۔وہ پریشان سی ہو کر دوبارہ سٹارٹ کرنے لگی لیکن وہ تھی کہ سٹارٹ ہو کے نہیں دے رہی تھی۔اب ماما کو فون کرکے ڈانٹ سننے کے علاوہ اور کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔اس نے اپنا کلچ کھولا جس کی لمبی دوری اس کے کندھے پر تھی۔ موبائل نکال کر ماما کو کال کی جو دوسری ہی رنگ پر اٹھالی گئی۔

"ماما میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔"وہ تقریباً رونے والی ہو گئی تھی اور عمرینہ تو اس سے بھی زیادہ پریشان ہو گئی تھیں۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟ کہاں ہو تم ؟"

"میں ٹھیک ہو ماما"وہ انہیں تسلی دے کر ایڈریس بتانے لگی۔

"میں بھیجتی ہوں کسی کو۔ تم گاڑی میں ہی بیٹھنا اور پریشان مت ہونا۔"عمرینہ نے ڈانٹنے کا ارادہ ملتوی کرکے اس تسلی دی اور فون بند کر دیا۔حیدر علی صاحب بزنس میٹنگ کے لیے اسلام آباد چلے گئے تھے اس لیے ڈرائیور کو چھٹی دے دی تھی۔ عمیر دس بجے تیار ہو کر آفس جانے کے لیے گاڑی لے گیا تھا۔وہاب اپنی بائیک پر ہی آٹھ بجے آفس گیا تھا لیکن اپنے اور عمیر کے لنچ لینے کے لیے دو بجے گھر آ گیا تھا۔اور ابھی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"وہاب بچے !....ایک مسلہ ہو گیا ہے۔ حدیقہ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے اور وہ راستے میں کھڑی ہے۔..."

"کہاں ہے وہ اس وقت؟" وہاب نے بات کاٹ کر پوچھا تو عمرینہ نے اڈریس بتا دیا اور وہ انہیں تسلی دیتا ہوا حدیقہ کو لینے نکل پڑا۔ وہاں تک فاصلہ جو بیس منٹ کا تھا وہاب نے دس منٹ میں طے کیا تھا۔

حدیقہ گاڑی میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی جب دور سے ہی اسے وہاب آتا دکھائی دیا تھا۔ دل ایک لمحے کو کانپا تھا۔ پچھلی دو ملاقاتوں کے بعد اس نے وہاب سے پنگا لینا تو کیا اس کے سامنے آنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس ڈر کی وجہ نہیں جانتی تھی۔ آج تک وہ کسی کے آگے نہیں لگی تھی۔ بلکہ سب کو اپنے آگے لگا کر رکھتی تھی لیکن وہاب وہ پہلا شخص تھا جس کے سامنے اس نے ہار مانی تھی۔ اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر لمبا سانس لیا اور خود کو نارمل کیا۔

(بے شک میں نے ہار مان لی ہے لیکن ظاہر تو نہیں کر سکتی نا) خود کو سمجھایا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ وہاب نے اس کے قریب بائیک روکی اور اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ گولڈن بالوں کو پونی میں مقید کیے اور کچھ آوارہ لٹیں ماتھے پر بکھیرے، سبز رنگ کی میکسی نما پیروں تک آتی فراک پہنے جس کے جالی دار لیس والی آستینیں کہنیوں تک تھیں، گلے میں دوپٹے کا ہالہ سا بنائے زرد پڑتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ کنٹرول کرنے کے باوجود اس کی آنکھوں میں تیرتا خوف واضح تھا اور وہاب سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ فکر مندی سے بولا۔

"مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔" وہ رکھائی سے بولتی چہرہ پھیر گئی۔ تو وہ مسکرا دیا۔

"حدی.... ابھی ضد مت کرو۔ میرے ساتھ چلو ورنہ اس دھوپ میں تمہارے چہرے کا رنگ کالا پڑ جائے گا"

"اور کوئی نہیں ملا ماما کو تمہارے علاوہ۔ وہ جانتی بھی تھیں کہ میں کبھی بائیک پر نہیں بیٹھی۔"

"اس کا مطلب تمہیں میرے ساتھ جانے پر نہیں بلکہ بائیک پر اعتراض ہے۔" وہ شوخ ہوا تو وہ کلس کر رہ گئی۔

"تم..... تم...." وہ اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے ضبط سے بولی اور پھر ہاتھ نیچے کر کے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اگر تم نہیں میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو آنٹی کو خود منع کر دو" وہاب نے موبائل آن کرتے ہوئے کانٹیکٹ لسٹ نکالی۔

"مجھے بائیک پر ڈر لگتا ہے تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کم آن حدی.... میں ہوں نا۔ تمہیں نہیں گرنے دوں گا۔ چلو" وہ نرم لہجے میں بولا۔ حدیقہ کے لیے اب اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا بائیک کی طرف آگیا۔ اس کا گرم ہاتھ حدیقہ کے نرم و ملائم ہاتھ کو مضبوطی سے گرفت میں لیے ہوئے تھا اور حدیقہ کو اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز باہر تک سنائی دینے لگی تھی۔

"زندگی کے خطروں کو ایڈوینچر کی طرح لو۔ بہت مزا آئے گا۔" وہاب اس کا ہاتھ چھوڑ کر بائیک پر بیٹھ گیا حدیقہ کچھ دیر تذبذب کے عالم میں کھڑی رہی۔ وہاب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو بادل ناخواستہ اس کے پیچھے بائیں طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔ ایک ہاتھ سے بائیک کے پچھلے سٹینڈ کو پکڑ لیا دوسرا ہاتھ وہاب کے کندھے پر رکھنے کی بجائے اپنی گود میں کلچ پر رکھ دیا۔ آنکھیں بند کر لیں کیونکہ جب اسے زمین تیزی سے سفر کرتی نظر آتی تو اس کا سر گھوم جاتا تھا۔ وہاب نے بائیک سٹارٹ کی تو ساری اکڑ بھول کر جلدی سے وہاب کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہاب بے ساختہ مسکرا دیا اور بائیک کو آہستہ سے آگے بڑھا دیا۔ حدیقہ کا دل تو پتے کی مانند لرزنے لگا۔ اس کی گرفت وہاب کے کندھے پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ وہاب نے بائیک کی سپیڈ تھوڑی تیز کی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسے زمین تیزی سے بھاگتی ہوئی دکھی تو اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر دونوں ہاتھ چھوڑ کر بائیک سے چھلانگ لگا دی۔ ایک زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی اور وہاب نے جلدی سے بائیک روک دی۔ وہ نیچے اتر کر تیزی سے پریشان سا اس کی طرف بڑھا۔ حدیقہ نیچے کو جھک کر بیٹھی دائیں ٹخنے کو پکڑے رو رہی تھی۔

"یو سٹوپڈ گرل کیا کیا ہے یہ تم نے۔" وہ غصے سے کہتا اس کے کندھے کو پکڑ کر اسے سیدھا کرتے ہوئے بولا تو اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر سارا غصہ بھول گیا۔ اس کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔

"دکھاؤ مجھے کہاں لگی ہے" وہ ٹخنے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا۔ تو دیکھا کہ ہائی ہیل والی سینڈل میں مقید پاؤں پر موچ آجانے کی وجہ سے ٹخنہ سرخ پڑ چکا تھا۔ حدیقہ نے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہا۔

"چھوڑو میرے پاؤں کو درد ہو رہا ہے۔ چھوڑو" وہ درد کی شدت سے بمشکل کہہ پائی تھی۔ وہاب سنی ان سنی کرتا اس کے پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہلانے لگا۔

"چھوڑو میرے پاؤں کو توڑ دو گے تم۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے" وہ یکدم روتے ہوئے اس کے سینے پر مکے مارنے لگی تھی۔

"اچھا یہ لو چھوڑ دیا۔ اٹھو گھر چلیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ حدیقہ بھی بری طرح پھنسی تھی۔ پاؤں میں اتنا شدید درد تھا کہ اسے زمین پر رکھنے بھی نہیں ہو رہا تھا اور دوسری جانب وہاب ہاتھ اس کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔ تکلیف چاہے زیادہ تھی لیکن انا بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر تک درد ختم ہو جائے گا اور وہ خود چل لے گی۔ یہی سوچ کر وہ بیٹھی رہی۔

وہاب نے اس کی طرف سے نو رسپانس کا سگنل دیکھ کر گہرا سانس بھرا اور جھک کر اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ حدیقہ کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور وہ متحیر سی اسے دیکھے گئی۔ پہلی دفعہ براہِ راست اور نزدیک سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زبان گنگ ہو گئی اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہاب نے اسے لے جا کر بائیک پر آرام سے بیٹھایا تو وہ جیسے کسی گہرے مراقبے سے جاگی تھی سینے میں اٹکی سانس خارج کی۔ وہاب اس کے سینڈلز اتارنے کے لیے نیچے جھکا تو حدیقہ نے بے اختیار اس کے کندھے کو پکڑ لیا۔ اس نے آرام سے اس کے سینڈلز اتارنے تا کہ اس کے پاؤں کو درد نہ ہو اور انہیں ہینڈل پر لٹکا کر اس کے آگے بیٹھ گیا۔ اس دفعہ حدیقہ نے

دونوں ہاتھوں اس کے کندھوں پر جما لیے تھے۔ آنکھیں اور لب سختی سے بند کر لیے تھے۔ اور دل کی حالت اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ جس کی دھڑکن ڈر کی وجہ سے تیز نہیں ہوئی تھی۔ آج تک اسے جتنا بھی ڈر لگا تھا دل کے دھڑکنے کا انداز ایسا نہیں تھا جیسا آج تھا۔ اگر یہ ڈر نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟ وہ آنکھیں بند کیے اپنے دل کی بدلتی حالتوں پر غور کر رہی تھی لیکن کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ محبت کی یہی تو خوبی ہے کہ شروع میں سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ تب آتی ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اور انسان محبت کے آخری سٹیج پر پہنچ چکا ہوتا ہے جہاں سے پلٹنا ناممکن لگتا ہے۔

-------------------------------

اسما کا کمرہ ایک جدید طرز کا ویل فرنشڈ روم تھا۔ ضرورت کی ہر چیز میسر تھی۔ کھڑکی کے سامنے دبیز پردے لٹکے ہوئے تھے اور زمین پر قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفے کے سامنے رکھے گئے ٹیبل پر اس وقت ایک لیپ ٹاپ پڑا تھا جس پر کوئی انڈین مووی لگی ہوئی تھی۔ ہیرو اور ہیروئن کسی گانے پر ڈانس کر رہے تھے لیکن آواز کم تھی۔ صوفے پر بیٹھیں اسما، رباب، نائلہ، امیمہ اور زینب دم سادھے سکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ وہ مووی دیکھنے میں اس قدر غرق تھیں کہ انہیں یہ بھی نہ پتہ چلا عانیہ ان کے صوفے کے پیچھے کھڑی آ کر کھڑی ہو چکی ہے۔

"اتنی اچھی مووی نہیں ہے کہ بندہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے۔ بالکل بکواس مووی ہے" عانیہ سینے پر ہاتھ باندھے سکرین کی طرف دیکھتی اپنی رائے دے رہی تھی اور صوفے پر بیٹھیں سب لڑکیوں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ کرنٹ کھا کر پیچھے دیکھا تو حیران رہ گئیں۔

"تم.... تم یہاں کیسے آئی۔ دروازہ تو بند تھا۔" نائلہ اپنے ڈر پر قابو پاتے ہوئے اٹھ کر غصے سے پوچھنے لگی۔ رباب نے جلدی سے مووی بند کر دی۔

"آف کورس میں بھوت یا روح وغیرہ تو ہوں نہیں کہ بند دروازے سے بھی آ جاؤں۔ کھڑکی سے آئی ہوں" وہ سکون سے بولتی نائلہ کو تلملا گئی۔

"لیکن میں نے خود کھڑکی چیک کی تھی وہ بھی بند تھی۔" اسما حیرانی سے بولی

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ یہ دیکھو کھڑکی کھلی تبھی تو میں اندر آئی ہوں۔" وہ پردہ ہٹا کر کھلی کھڑکی دکھائی تو سب کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔ دراصل اس نے پن سے ہی کھڑکی کا لاک کھولا تھا۔

"کیا کر رہی ہو تم یہاں پر؟.... تمہیں اتنے بھی مینرز نہیں ہیں کہ کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے انسان پوچھ ہی لیتا ہے۔" امیمہ بھڑک اٹھی۔

"پوچھ تو لیتی لیکن پتہ تھا اجازت نہیں ملنی اسی لیے بغیر پوچھے آ گئی۔" عانیہ نے معصومیت سے وضاحت دی۔

"کیوں آئی ہو؟"

"ایکچولی میں یہاں سے گزر رہی تھی۔ بی جان نے بلایا تھا۔ مجھے یہاں سے گانے کی آواز آئی تو میں نے کھڑکی سے دیکھا اور حیران رہ گئی۔ بی جان جتنی سخت لگتی ہیں ویسے اتنی ہیں نہیں۔ تم لوگوں کو موی دیکھنے کی آزادی دی ہوئی ہے۔ اچھی بات ہے۔ ہر کسی کا دل کرتا ہے تفریح کرنے کا۔ جیسے مرضی چاہے کرے۔ ہے نا میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" عانیہ نے سب پر ایک نظر ڈال کر کہا اور آخر میں نائلہ پر نظریں گاڑھ دیں۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم ہمیں دھمکی دے رہی ہو..." نائلہ بھناتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور ہاتھ اٹھا کر تھپڑ اس کے منہ پر مارنا چاہا جسے اس نے درمیان میں ہی پکڑ لیا۔ سب نے حیرانی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا

"اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا.... نائلہ۔ جب تمہاری باری تھی تو میں نے برداشت کیا تھا اب میری باری ہے۔ اس دفعہ تمہیں برداشت کرنا ہو گا۔ گیم از چینج ناؤ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ نائلہ نے اپنی کلائی چھڑانی

چاہی لیکن عانیہ کی گرفت کم نہ ہوئی۔ پھر اس نے جھٹکا دے کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔ نائلہ ایک قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟" امیمہ سلگ کر بولی۔

"نہیں مجھے کیا ضرورت پڑی ہے بلیک میل کرنے کی۔ تم لوگ چھپ کر تھوڑی دیکھ رہی ہو۔ میں تو بس اپنی رائے دے رہی تھی اس مووی پر۔" وہ امیمہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"۔جاؤ جس کو بتانا ہے بتا دو جا کر۔ ہمیں کوئی ڈر نہیں۔" نائلہ نے کہا۔

"اس کا مطلب آپ لوگ چھپ کر دیکھ رہے تھے۔ بری بات ..... جو بھی کام کرو بڑوں سے پوچھ کر کرنا چاہیے۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا۔

"اپنی اوقات میں رہو تو بہتر ہے۔ یہ دھمکیاں کسی اور کو جا کر دینا۔ ہم نہیں ڈرنے والے۔ اور تمہاری بات کا یقین کون کرے گا۔ دو ٹکے کی ملازمہ ہو کر ہم پر الزام لگاتی ہو۔ ابھی ہم نے سب کچھ ڈیلیٹ کر دینا ہے اور تمہارے ساتھ جو ہو گا وہ تمہاری سوچ سے بھی باہر ہے۔" نائلہ بولی تو وہ مسکرا دی۔

"یقین دلانا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔ تم لوگ جتنا بھی ڈیلیٹ کر لو۔ جب وقت آئے گا تو ثابت کر کے رہوں گی کہ تم لوگوں نے آج تک اپنے گھر والوں سے چھپ کر کون کون سی فلمیں دیکھیں ہیں۔" سب کے دل ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گئے۔ انہوں نے تو اتنی زیادہ انڈین فلمیں دیکھیں تھیں۔ اگر گھر کے مردوں کو پتہ چل جاتا تو وہ ان کو زندہ زمین میں گاڑھ دیتے۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" امیمہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"چاہتی تو میں بہت کچھ ہوں۔ لیکن وقت آنے پر بتاؤں گی"

"یہ تم لوگوں کو ویسے ہی ڈرا رہی ہے۔ کچھ بھی نہیں کر سکتی یہ۔" نائلہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"جسٹ ویٹ اینڈ واچ" عانیہ اسے کہہ کر پلٹی اور کھلی کھڑکی پھاند کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر کیلیے وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ لڑکی بہت تیز ہے۔ دیکھو آج تک کسی ملازمہ کو ہماری اس بات کا پتہ نہیں چلا اور یہ ہمیں دھمکی بھی دے گئی ہے۔" امیمہ ڈرتے ہوئے بولی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ سارا الزام مجھ پر آئے گا کیونکہ یہ میرا لیپ ٹاپ ہے۔ تم لوگ تو بری الزمہ ہو جاؤ گی۔ میں کیا کروں گی۔" اسما کو اپنی فکر پڑ گئی۔

"اوہو یار کچھ نہیں ہو گا۔ اتنی جرات نہیں ہے اس میں کہ ہمارے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کسی کو بتائے۔" نائلہ ابھی تک اسی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ اسے یہ یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا کہ کوئی اسے بے بس کر سکتا ہے۔

"اگر جرات نہ ہوتی تو تمہارا تھپڑ اس طرح نہ روک لیتی۔ تم سے تو اپنا ہاتھ بھی نہیں چھڑایا گیا اس سے۔ یہ لڑکی واقعی خطرناک ہے" زینب نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کی بے عزتی کر ڈالی۔ نائلہ اسے غصے سے گھورتی واک آؤٹ کر گئی۔ اسما اور رباب ایک ساتھ صوفے پر گر گئیں۔ انہیں سمجھ آ چکا تھا کہ مکافات عمل شروع ہو چکا ہے۔

------------------------------

اس نے تب آنکھیں کھولیں جب بائیک رک گئی۔ وہ گھر کے پورچ میں تھے اور ماما اس کی طرف بڑھ رہی تھی وہ بائیاں پاؤں نیچے رکھ کر کھڑی ہو گئی جب کہ دائیاں پاؤں ابھی بھی درد کی شدت سے دکھے جا رہا تھا۔

"یہ کیا حدیقہ!..... جوتے کیوں اتارے ہیں۔" عمرینہ نے پریشانی سے اس کے کندھے کو تھامتے ہوئے کہا۔ وہاب بھی بائیک سے اتر آیا تھا۔

"گر گئی تھی ماما" لاپرواہی سے بتایا۔

"گر گئی تھی کہاں سے ؟" انہوں نے سہارا دیتے ہوئے پوچھا تو وہاب بتانے کے لیے منہ کھولنے ہی والا تھا کہ وہ جلدی سے بول پڑی

"وہاں زمین تھوڑی ٹیڑھی تھی اس لیے پاؤں مڑ گیا۔" وہاب نے حیرانی سے اسے دیکھا جو عمرینہ کو دیکھ کر بڑے اعتماد سے جھوٹ بول رہی تھی۔ تو کیا وہ اسے بچانے کیلیے کہہ رہی تھی۔ یہ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی تھی۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں یہ ہائی ہیل نہ پہنا کرو لیکن تم میری سنتی ہی کہاں ہو۔ فیشن سر چڑھ کر بول رہے ہیں اور ماں کی بات کی کوئی پرواہ ہی نہیں۔" عمرینہ اسے وہیں شروع ہو گئی اور وہ منہ بناتے ہوئے سننے لگی۔

"چلو اب اندر" عمرینہ نے اسے گھسیٹتے ہوئے کہا تو وہ بمشکل ایک پاؤں پر چلنے لگی۔ وہاب نے آگے بڑھ کر اس کا ایک بازو پکڑ لیا حدیقہ کا دل پھر یکبارگی سے دھڑکا تھا۔ اس سے تو وہاب کی طرف ایک نظر بھی دیکھا نہ گیا تھا۔ چھت پر کھڑی عنیقہ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور حدیقہ سے اس کی دشمنی بڑھ گئی تھی۔

"آنٹی میں چابی مکینک کو دے آتا ہوں۔ میرا دوست ہے وہ۔ گاڑی ٹھیک کر کے دے جائے گا۔ آپ ڈاکٹر کو بلا لیں اور حدیقہ کا چیک اپ کروالیں۔ مجھے لگتا ہے کہ چوٹ سخت لگی ہے بعد میں کوئی مسلہ نہ ہو جائے" لاؤنج میں پہنچ کر اسے صوفے پر بٹھا کر وہاب نے کہا۔

"لیکن بیٹا تمہیں تو پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔ کھانا بھی نہیں کھایا ابھی تک۔ عمیر انتظار کر رہا ہو گا۔" عمرینہ بولی۔

"آپ کھانا دے دیں میں مکینک کو چابی دینے کے بعد سیدھا وہیں سے آفس چلا جاؤں گا۔" وہاب نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں ابھی کھانا لاتی ہوں" عمرینہ کہہ کر کچن میں چلی گئی اور وہ چابی لینے کے لیے حدیقہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے وہاب کے کہنے سے پہلے ہی چابی اس کی طرف بڑھا دی تو وہاب نے مسکرا کر اس کی طرف

دیکھا۔حدیقہ کی پلکیں بے اختیار جھکی تھیں اور وہاب اس کی حالت سے محظوظ ہوتا چابی پکڑ کر لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ پیچھے سے حدیقہ نے ایک چور نظر اس کی پشت پر ڈالی تھی۔

-------------------------------

اس وقت لان میں گھر کے سارے افراد کرسیوں پر بیٹھے تھے۔عانیہ اور نگی ان کو چائے پیش کر رہیں تھیں۔نائلہ سمیت سبھی لڑکیوں کی نظریں اس وقت عانیہ پر جمی تھیں۔سانس سینے میں اٹکا ہوا تھا اور آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔مرد حضرات سیاست کا موضوع چھیڑے ہوئے تھے اور عورتیں اپنی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔انس کی نظریں بھٹک کر بار بار عانیہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔عانیہ بھی اس کی نظروں کو محسوس کر چکی تھی لیکن زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔چائے سرو کرنے کے بعد وہ اسما کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔

"سوچو اگر ان سب کے سامنے تمہارا بھانڈا پھوٹ جائے تو کیا ہو گا۔" عانیہ نے سرگوشی میں کہا تو اسما کے ساتھ ساتھ باقی سب لڑکیوں کے دل بھی کانپے تھے۔اور چہرے فق ہو گئے تھے۔

"پلیز ایسا مت کرنا تم جو چاہو گی میں وہ کروں گی۔" اسما بھی سرگوش میں خوفزدہ سی بولی۔

"واقعی....اچھا مجھے کچھ سوچنے دو تم سے کیا کرواؤں۔" عانیہ سوچتے ہوئے بولی۔پھر بولی۔

"تم سارے خالی برتن اٹھا کر اندر لے کر جاؤ گی۔"

"ٹھیک ہے لے جاؤں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔

پھر چائے ختم ہونے کے بعد وہ سب کے ہاتھوں سے کپ لینے بڑھی تو سب نے اسے حیرانی سے دیکھا وہ جلدی سے برتن اٹھا کر وہاں سے بھاگی۔برتن کچن میں رکھ کر وہ واپس آ رہی تھی کہ عانیہ اسے کوریڈور میں نظر آ گئی۔وہ اس کی طرف لپکی۔

"کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟ کیوں کر رہی ہو ایسا؟" وہ روہانسی ہو کر پوچھنے لگی۔

"مجھے خان حویلی کا کانٹیکٹ نمبر چاہیے۔" وہ بغیر کوئی تمہید باندھے بولی۔

"کیا؟.... خان حویلی۔ ایسا ممکن ہی نہیں۔ آغا جان نے ان کا نام لینے پر بھی پابندی لگا رکھی ہے۔ تم کیسے بات کر سکو گی۔"

"یہ میرا مسلہ ہے مجھے کیسے بات کرنی ہے۔ تمہارے پاس ایک دن ہے۔ جہاں سے بھی ڈھونڈو مجھے لا کر دو تبھی تمہاری جان چھوٹے گی اور کسی کو اس بارے میں پتہ نہیں چلنا چاہیے۔" عانیہ کہہ کر چلی گئی اور وہ آغا جان کے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہاں اسے ان کا نمبر مل سکتا تھا۔ ابھی آغا جان بھی کمرے میں نہیں تھے اور موقع اچھا تھا۔

---------------------------------

"حدیقہ ضد مت کرو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں یہ سوپ پینا ہے۔" عمرینہ نے سخت لہجے میں کہا لیکن وہ منہ پیچھے کیے مسلسل انکاری تھی۔ اسے اس کی مہک سے ہی قے آنے والی تھی۔

"ماما مجھے نہیں پینا۔ میں ویسے ہی ٹھیک ہو جاؤں گی آپ کیوں زبردستی مجھے پلا رہی ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ عمرینہ نے اس کے سامنے کی گئی چمچ کو سوپ کے پیالے میں پٹخا اور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ تبھی وہاب کھلے دروازے کو ناک کیا تھا۔

اسے دیکھ کر حدیقہ بیڈ کراؤن سے کمر چھوڑ کر ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

"وہاب بیٹا.... اندر آؤ۔ وہاں کیوں کھڑے ہو" عمرینہ نے پلٹ کر کہا تو وہ اندر آ گیا۔

"وہ دراصل میں حدیقہ کی طبیعت پوچھنے آیا تھا۔ کیا کہا ہے ڈاکٹر نے؟" وہاب اس کے پٹیوں میں جکڑے پاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"زیادہ چوٹ نہیں آئی اللہ کا شکر ہے۔ڈاکٹر نے دو تین دن تک چلنے پھرنے سے منع کیا ہے اور سوپ پلانے کا کہا ہے لیکن یہ میری بات ہی نہیں مان رہی۔ کب سے اس کی منتیں کر رہی ہوں۔ تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔" عمرینہ نے باؤل کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں ملیں تھیں اور حدیقہ فوراً نگاہیں پھیر گئی تھی۔

"حدیقہ کیوں آنٹی کو تنگ کر رہی ہو۔ چلو شاباش اچھے بچوں کی طرح بات مان لو۔اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔"

"مجھے نہیں ناپینا یہ بدذائقہ سوپ۔"وہ چڑ کر بولی تو عمرینہ نے گہرا سانس بھرتے ہوئے وہاب کی طرف دیکھا۔

"اگر تم یہ سوپ پی لو تو میں تمہیں ایک بہت ہی مزے دار چیز دوں گا۔" وہاب نے جیب میں سے ڈیری ملک چاکلیٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا اور سوپ کا پیالہ اٹھا لیا۔حدیقہ کو چاکلیٹس بہت پسند تھیں لیکن ماما اسے زیادہ کھانے نہیں دیتیں تھیں۔اور اب یہ اتنی بڑی چاکلیٹ دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا ۔لیکن اس وقت مسلہ چاکلیٹ کا نہیں تھا اصل مسئلہ تو یہ تھا وہاب نے سوپ کا پیالہ پکڑ لیا تھا اور اسے پلانے والا تھا اگر اس نے وہاب کے سامنے انکار کیا تو وہ کہیں....؟اس کے بعد وہ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔وہ خوفزدہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی جب اس نے چمچ میں سوپ بھر کے اس کے منہ کے قریب کیا تھا۔اور تحکم سے ابرو اچکا کر پینے کا اشارہ کیا۔حدیقہ کے ہونٹ بے اختیار کھلے تھے اور وہاب نے چمچ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا۔اس نے منہ بناتے ہوئے سوپ کو حلق سے نیچے اتارا تھا۔عمرینہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی تھی۔

"مجھے پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔حدیقہ کو چاکلیٹس بہت پسند ہیں۔یہ تو کمال کا آئیڈیا دیا ہے تم نے وہاب۔"عمرینہ نے وہاب کو سراہا لیکن یہ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ حدیقہ نے ڈر کی وجہ سے سوپ پیا ہے۔حدیقہ

تو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی کہ در پردہ اسے لالچی کہا جا رہا ہے اور وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ وہاب نے چمچ بھر کے پھر اس کے منہ کے قریب لائی۔

"میں خود پی لوں گی۔" وہ چمچ پکڑتے ہوئے بولی تو وہاب نے چمچ احتیاط سے اسے پکڑا دی اور پیالہ اس کی گود میں رکھ دیا۔

"وہاب جب تک یہ پورا سوپ ختم نہ کر لے اسے چاکلیٹ مت دینا اچھا۔" عمرینہ اٹھتے ہوئے بولی اور باہر کی طرف چلی گئیں تو حدیقہ نے انہیں روکنا چاہا لیکن کچھ بول نہ سکی۔ وہاب پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور نظریں اس پر جما دیں۔ حدیقہ اس کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتے ہوئے جز بز سی ہو رہی تھی۔ اسی لیے پیالے پر نظریں جمائے سوپ میں چمچ پھیرنے لگی۔

"اب پی بھی لو۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" وہاب نے اسے کہا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا اور مسکین سا منہ بنا کر پیالہ منہ کی طرف لے گئی۔ چمچ سے پینے کی بجائے ایک ہی گھونٹ میں سارا سوپ پی ڈالا۔ اس کا دل اتنا خراب ہو چکا تھا کہ اسے لگ رہا تھا ابھی قے آجائے گی۔ وہ پیالے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک دم بیڈ سے نیچے جھکی اور سینہ سہلاتے ہوئے قے کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہاب تو بوکھلا سا گیا۔ جلدی سے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف کرتے ہوئے بولا

"یہ لو پانی پیو حدی۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤ گی۔" حدیقہ نے سیدھے ہو کر کانپتے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا اور پینے لگی۔ اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ دو تین گھونٹ پینے کے بعد اس نے پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہاب نے چاکلیٹ کا ریپر اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے چاکلیٹ پکڑ لی اور پہلی ہی بائٹ میں اس کے منہ کا ذائقہ بدل گیا۔ وہاب اسے بچوں کی طرح کھاتا دیکھ کر مسکرا دیا اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوسوری۔" وہاب بولا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کس لیے؟"

"ہمیشہ میری وجہ سے تمہارے ساتھ برا ہوتا ہے۔ میری وجہ سے تم دو دفعہ بے ہوش ہوئی۔ میری وجہ سے تمہارا پاؤں فریکچر ہو گیا اور اب میری وجہ سے تمہاری یہ حالت ہو گئی۔" وہ شرمندگی سے اعتراف کر رہا تھا۔ حدیقہ خاموشی سے اپنے پاؤں کی طرف دیکھتی چاکلیٹ کھانے میں مگن رہی۔ اسے تو اب اس کے سامنے بولنا پہاڑ سر کر لینے سے مشکل لگ رہا تھا۔

"لیکن میں حیران ہوں تمہیں یہ اچانک چپ سی کیوں لگ گئی ہے۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ بڑے آرام سے بولتا اس کے دل کی دھڑکنوں کی سپیڈ بڑھا گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پلکوں کی باڑ جھک گئی تھی۔

"اور اس بات پر بھی حیران ہوں کہ تم نے میری بات کیسے مان لی۔ حالانکہ کہنے کو میں تمہارا ازلی دشمن ہوں۔" وہاب اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اور وہ آنکھیں اور ہونٹ سختی سے بند کر کے دوسری طرف منہ کر گئی۔ جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے خطرہ ٹل گیا۔

"سب سے زیادہ حیرت والی بات تو یہ ہے کہ تم نے مجھے بچانے کے لیے جھوٹ بولا۔ آج تو لگتا ہے حیران ہونے کا دن ہے میرے لیے۔" وہ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ وہ تو اس پر یہ بھی ظاہر نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس سے ڈرتی ہے اور وہاب یہ بات جانتا تو تھا لیکن حدیقہ اپنے منہ سے اعتراف نہیں کر سکتی تھی۔ سوچپ کر کے کھاتی رہی...نگاہیں ادھر ادھر کرتے ہوئے..... ایسے جیسے اسے کوئی پرواہ ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا۔

"تم تو مجھ سے بات بھی نہیں کر رہی۔ اچھا تو میں پھر چلتا ہوں۔" وہاب اٹھتے ہوئے بولا تو وہ دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگی۔ ایک قدم باہر کی طرف چل کر وہ پلٹا اور اس کی طرف بڑھا۔ حدیقہ کو اپنی سانس بند ہوتی محسوس ہوئی۔ اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہاب اس کے قریب آکر تھوڑا سا جھکا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے

ہونٹ کے کنارے پر لگی چاکلیٹ کو انگوٹھے سے صاف کر کے مسکرایا۔ اسے لگا وہ اس کی مسکراہٹ میں کھو رہی ہے۔

"اپنا خیال رکھنا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولتا وہ مڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا جبکہ حدیقہ وہیں حیرت سے گنگ بیٹھی رہ گئی۔ نہ جانے کتنے پل وہ دروازے کو دیکھتی کھوئی سی رہی پھر یکدم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ کو دیکھا اور سائیڈ پر پڑے پانی کے گلاس کو اٹھا کر پینے لگی۔ آہستہ آہستہ دل کی رفتار معمول پر آنے لگی تھی۔

(اس نے مجھے اپنا خیال رکھنے کا کیوں کہا؟ کیا وہ کہیں جا رہا ہے؟) وہ حیرانی سے سوچنے لگی۔

(پر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اس کے بارے میں سوچنے کی۔ جہاں مرضی جائے۔ ہونہہ) اس نے منہ بنایا۔ اور بستر پر دراز ہو گئی۔ لیکن آنکھیں بند کرنے پر وہاب کا چہرہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ پھر اسے وہ منظر یاد آیا جب وہ سڑک پر بیٹھی درد کی شدت سے رو رہی ہے اور وہاب نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا ہے۔ اس نے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا لیا۔ شرم سے اس کا چہرہ گلنار لگنے لگا تھا۔ پھر اسے ابھی والا منظر یاد آیا جس میں وہاب نے اس کے ہونٹوں پر سے چاکلیٹ صاف کی تھی۔

(میں اس کے سامنے کیوں نہیں بول پائی۔ کیوں اس سے ہار مان گئی؟.... لیکن اب اس سے جیتنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ایسا کیوں ہے۔ اور وہ میری اتنی کیئر کیوں کر رہا ہے؟) اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ اور اس نے یہ رات کروٹیں بدلتے ہوئے آنکھوں میں کاٹی تھی۔

-----------------------------------

ریئم کمرے میں بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ آجکل اس کے پاس یہی کام تھا۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ وہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ کیا وہ واقعی ہی یہاں سے نکل سکتی تھی؟ اس سوال کا

جواب اسے نہیں معلوم تھا کیونکہ مستقبل کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم ہوتا۔انسان اپنی طرف سے جو بھی تدبیر کرے تقدیر کے سامنے اس کی سب تدبیریں رائیگاں چلی جاتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس دفعہ تقدیر اس کے حق میں ہے۔شروع سے جو کچھ اس کے ساتھ ہوتا آرہا تھا وہ تو اب بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ اس دفعہ بھی ناکامی ہی اس کا مقدر بنے گی۔وہ مغموم سی بیٹھی چھت کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو سامنے کھڑے ولید کو دیکھ کر اس کے جسم میں جان ہی نکل گئی۔وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔اور خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"سنا ہے تمہارا اوپر کا ٹکٹ کٹ گیا ہے۔ٹی بی ہو گئی ہے تمہیں"وہ استہزا ئیہ لہجے میں بولتا ہوا اس کے قریب آگیا تھا۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ مرنے سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔تو تم بالکل غلط سوچ رہی ہو۔تم مرنے والی ہو ابھی مری تو نہیں نا۔میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی تم سے شادی کر لوں۔اقتدار تو پتہ نہیں کب ملے گا۔اتنی دیر میں تم کہیں اوپر ہی نہ پہنچی ہو۔"وہ اس کے بالوں کو پکڑ کر سفاکی سے بولا تو وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔

"ایک دفعہ تمہاری شادی مجھ سے ہو جائے پھر سکون سے مر جانا۔لیکن تمہیں اپنا بنائے بغیر مرنے بھی نہیں دوں گا یاد رکھنا تم۔"ولید نے جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے اور دھکا دے کر بولا۔وہ زور سے زمین پر گری اور اس کے گھٹنے پر سخت چوٹ لگ گئی۔

"کرتا ہوں ماں سے بات۔پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"وہ پھنکارتے ہوئے بولا اور کمرے سے نکل گیا اور رینم وہیں بیٹھی گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگ پڑی۔عانیہ اور حریم نے ولید کو کوارٹر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لیے جلدی سے اندر کی طرف بھاگیں تو رینم زمین پر بیٹھی تو رہی تھی۔

"ریم کیا ہوا ہے؟" عانیہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور نیچے بیٹھتے ہوئے اس کے کندھوں کو تھام کر پوچھا تو اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ عانیہ اس کے کمر پر تھپکی دے کر چپ کروانے لگی۔ حریم بھی پریشان سی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ کچھ لمحے وہ یونہی روتی رہی۔ پھر روتے ہوئے بھیگی آواز میں بولی۔

"عانیہ مجھے اس سے بچالو۔ وہ حیوان ہے۔ مجھے نہیں کرنی اس کے ساتھ شادی۔ وہ کہتا ہے کہ موت بھی میری اس سے جان نہیں چھڑا سکے گی۔ پلیز مجھے اس سے بچالو"

"کچھ نہیں کرے گا وہ۔ تم ڈرو مت۔ اگر تم یہاں رہو گی تو وہ کچھ کرے گا نا۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو یار۔ چپ کرو۔" عانیہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بولی۔

"لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ وہ ممانی جان سے شادی کے بارے میں بہت جلد بات کرنے والا ہے۔"

"جتنی بھی جلدی کرلے دو دن تک تو نہیں کر سکتا نا۔ اور تم دو دنوں تک یہاں ہو گی بھی نہیں۔"

"سچ میں۔ خان حویلی کا نمبر ملا تمہیں؟"

"میں کوشش کر رہی ہوں۔ امید ہے جلد مل جائے گا۔" عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ مجھے ذرا بھی نہیں پسند...... بدشکل گنجا کہیں کا..... دو بچوں کا باپ ہے اور پھر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ اور وہ نائلہ...... زہر لگتی ہے مجھے۔.... وہ بھی مجھے ہی مارتی ہے۔.... اپنے اس بدتمیز شوہر کو نہیں پوچھتی۔ بھلا مجھے کیا ضرورت ہے اس پر ڈورے ڈالنے کی۔ میں اتنی خوبصورت لڑکی اس بڈھے کو کیوں پسند کرنے لگی۔" وہ دانت پیستے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور وہ دونوں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھیں۔

"ہاں یار یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کہاں تم اور کہاں وہ۔" حریم شرارت سے اس کی کمر پر تھپکی دے کر بولی۔

"ہے نا؟" ریم اس کی تائید پا کر خوش ہو گئی۔

"ہاں... تمہارے لیے تو کوئی شہزادہ آنا چاہیے. ویسے کبھی تم نے اس بارے میں سوچا ہے؟ کوئی تو آئیڈیل ہو گا جس کا خاکہ تم نے اپنے زہن میں بنا رکھا ہو گا۔" حریم نے پوچھا تو وہ بے اختیار جھینپ گئی۔

"ارے یار دوستوں سے اب کیا چھپانا۔ اب بتا بھی دو تمہیں کیسا لڑکا پسند ہے؟"

"حریم کیوں اسے تنگ کر رہی ہو؟" عانیہ اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔

"عانی آپی آج آپ بیچ میں نہیں بولیں گی ورنہ میں آپ سے آپ کے آئیڈل کے بارے میں اگلوا کر رہوں گی۔" حریم نے عانیہ کو تنبیہہ کی تو اس نے ہاتھ اٹھا کر سیز فائر کر لیا۔

"ہاں بھئی چلو بتاؤ۔ تمہیں کیسا لڑکا چاہیے۔ جس طرح کا کہو گی ڈھونڈ کر لا دوں گی تمہیں۔" حریم نے اسے کہا تو وہ شرم سے سرخ چہرے کے ساتھ اس پر غصہ کرنے لگی لیکن ناکام رہی۔ پھر مدد طلب نگاہوں سے عانیہ کی طرف دیکھا۔ اس نے بے بسی سے شانے اچکا دیے۔ پھر وہ حریم کی طرف دیکھتے ہوئی بولی۔

"سچ بتاؤں"

"ہاں ہاں جلدی بتاؤ" حریم تجسس سے بولی۔

"لیکن ایک شرط پر"

"جو بھی شرط ہو مجھے منظور ہے۔ بس تم آج مجھے بتا ہی دو" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"کیا بتاؤں یار۔ جب میں پندرہ سال کی تھی تو میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس میں ایک نیلی آنکھوں والا خوبصورت سا شہزادہ سفید گھوڑے پر بیٹھ کر آتا ہے اور مجھے ان ظالموں کے شکنجے سے چھڑا کر لے جاتا ہے....." وہ آنکھیں بند کیے جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔ عانیہ اسے دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"اوہ........ یہ تو پھر فیری ٹیل بن گئی نا۔ اچھا پھر وہ تمہیں کہاں لے کر جاتا ہے؟"

"بہت پیاری جگہ تھی۔ بالکل جنت کی طرح۔ اب دیکھو میں نے تمہیں سچ سچ بتا دیا ہے اور میری شرط یہ ہے کہ تم بھی مجھے سچ سچ بتا دو۔"

"کیا مطلب؟" حریم کی ہنسی گم ہو گئی۔

"اپنے آئیڈیل کے بارے میں" رینم نے سکون سے کہا تو وہ حیران رہ گئی۔

"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" عانیہ نے کہا۔

"یار میں نے تو کبھی ایسا سوچا ہی نہیں۔" وہ خجل سی ٹالنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اب تم ٹالو مت۔ اتنی ہی تم معصوم۔ جلدی بتاؤ۔" رینم نے زور دے کر کہا۔

"اچھا سوچنے تو دو۔ پہلے تو کبھی نہیں سوچا۔ ابھی سوچ کر بتا دیتی ہوں۔۔۔۔ ہمم۔۔۔۔ ہمم مجھے امیر لڑکا پسند ہے جو میرے کہنے سے پہلے ہی ساری دنیا کی خواہشیں میرے قدموں میں ڈھیر کر دے۔" اس نے کہا تو رینم نے تالیاں بجا کر اس کی تائید کی۔

"ہم دونوں نے تو بتا دیا ہے اب صرف عانیہ رہ گئی ہے تم بھی بتا دو." رینم نے عانیہ سے کہا۔

"نہیں مجھے معاف ہی رکھو۔" وہ پیچھے ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر بولی۔ ایک لمحے کے لیے اسے ریان کی یاد آئی تھی۔

"ان سے کچھ پوچھنے کا فائدہ نہیں یہ کچھ نہیں بتائیں گی۔ لیکن مجھے پتہ ہے انہوں نے بھی کچھ ایسا سوچ تو رکھا ہو گا۔" حریم نے پر یقین لہجے میں کہا۔ عانیہ نے کبھی ایسا سوچا تو نہیں تھا لیکن نہ جانے اس کے دل میں بار بار ریان کی یاد کیوں آ رہی تھی۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" رینم نے اندازہ لگایا تو عانیہ کا دل کسی اور ہی لے میں دھڑکا۔

"مجھے تو ہمیشہ سے فضول دوستیں ہی ملیں ہیں۔ رینم میں تمہیں سنجیدہ سمجھتی تھی اور تم بھی اس کے ساتھ مل گئی۔ ویری بیڈ یار۔" وہ خجالت مٹانے کو بولی۔

"یونو واٹ عانی آپی!.... آپ ایسے ریکٹ کر رہی ہیں جیسے آپ کی چوری پکڑی گئی ہو۔کچھ تو ہے جو ہم سے چھپا رہی ہیں" حریم نے کہا۔تو عانیہ نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے اب اس طرح گھوریں تو مت۔کچھ نہیں کہہ رہی میں۔" حریم بولی۔

"اگر نہ ہی بولو تو اچھا ہو گا تمہارے لیے ورنہ بہت پٹو گی۔" عانیہ نے دانت پیس کر کہا تو وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتی اپنے بستر پر چلی گئی۔

"لیکن ایک بات میں آپ کو بتادوں۔.... اگر مجھے بعد میں کچھ پتہ چلا کہ آپ کسی کو پسند کرتی ہیں تو......" حریم اس کے ڈرانے کے باوجود باز نہ آئی تو عانیہ غصے سے گھورتی اس کی طرف بڑھی۔

"تو..... کیا کرو گی تم۔ہاں؟" حریم نے اپنے ہاتھ سامنے کر کے خود کو بچانا چاہا لیکن عانیہ نے اس کے دونوں بازو پکڑ لیے۔

"اس کا مطلب کوئی ہے جسے...." حریم کا فقرہ ابھی منہ میں ہی تھا کہ اس نے اس کے بازو کو ہلکا سا مروڑا۔

"تم باز نہیں آؤ گی نا"

"آہ... آ چھوڑیں اب نہیں بولوں گی نا۔" حریم کی منت پر اس نے گھورتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ رینم بھی منہ پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی۔

"ایک لڑکی اتنی سخت کیسے ہو سکتی ہے۔ میرا تو بازو توڑ کے رکھ دیا۔ میری توبہ آئندہ جو میں آپ کو کچھ کہوں۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"ڈرامے باز" عانیہ اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے بولی اور چادر کو سر تک تان لیا۔ رینم اور حریم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"خاموشی سے سو جاؤ اب" عانیہ نے کہا تو وہ جلدی سے ہنسی کو بریک لگاتیں اپنے اپنے بستر میں گھس گئیں۔

-------------------------------------

حدیقہ کی آنکھ فجر کے وقت بڑی مشکل سے لگی تھی۔نو بجے موبائل فون نے بج بج کر الارم کلاک کا کام کیا اور اس نے غنودگی میں اٹھتے ہوئے موبائل چیک کیا تو کرن کی دس مسڈ کالز تھیں۔

"اتنی صبح صبح کیوں فون کر رہی ہے یہ....." وہ زیر لب بڑبڑا کر اسے کال بیک کرنے لگی جو پہلی ہی گھنٹہ پر اٹھالی گئی۔

"حدیقہ تمہیں ایک زبردست نیوز دوں" چھوٹتے ہی وہ خوشی سے چہکی۔

"کیا؟" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"میری منگنی ہو رہی ہے۔اور وہ بھی کل۔" کرن کی کھنکتی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ حیران رہ گئی۔

"کیا؟....لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہو گا۔میری بہن صبح ہو گئی۔نیند سے اٹھو اور ہاتھ منہ دھوؤ۔تمہارا دماغ ذرا ٹھکانے آئے۔"

"تمہیں یقین نہیں نا آرہا....مجھے بھی نہیں آرہا تھا۔لیکن یہ سچ ہے۔"

"واقعی؟" وہ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں یار۔مجھے تو ماما نے بتایا ہی نہیں تھا کہ میرا کوئی بچپن کا منگیتر بھی ہے۔یار وہ میرا کزن ہے نا ابصام......وہ ہے میرا بچپن کا منگیتر اور اتنا ہینڈسم ہے۔آئی کانٹ بلیو اٹ یار۔مجھے پہلے کسی نے کیوں نہیں بتایا..."

"دھیرج رکھو میرے بچے دھیرج.....اور کچھ شرم کو بھی ہاتھ مار لو۔تم تو ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے کوئی بچہ میٹھی چیزوں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔"

"یار کیا بتاؤں سارے خاندان میں اس کی حیثیت ہیرو کی سی ہے۔اتنی لڑکیاں مرتی ہیں اس پر لیکن وہ بہت سنجیدہ اور خشک مزاج کا بندہ ہے۔مگر کل جب وہ لوگ منگنی کا بولنے آئے تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا تھا........یار مجھے تو

اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ مہمانوں کے سامنے میں نے شرم سے سر جھکائے رکھا جب اپنے کمرے میں آئی تو دروازہ بند کر کے ایسا زور سے ڈانس کیا کہ پوچھو مت۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

"او تیری.... اچھا اچھا اب بس کرو خوشی سے کہیں پھول کے کر مر ہی نہ جانا۔ یہ بتاؤ اچانک تمہارا بچپن کا منگیتر نکل کیسے آیا اور اتنی جلدی منگنی؟" حدیقہ مسکرا کر بولی۔

"یہی تو.... میں خود اس بات پر حیران ہوں جس شخص کو میں صرف خوابوں میں دیکھتی تھی وہ میرے بچپن کا منگیتر نکلا۔ بڑوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وقت سے پہلے بچوں کو نہیں بتانا۔ اسے بھی کل ہی پتہ چلا ہے۔ اصل میں وہ آرمی آفیسر ہے اور ایک مہینے کی چھٹی پر آیا ہوا ہے اس لیے منگنی کی تو صرف رسم کرنی ہے تاکہ سارے خاندان کو پتہ چل جائے اور عید کے تیسرے دن شادی ہے میری۔ یار کل سے ساری کزنز مجھے بڑے رشک سے دیکھ رہی ہیں اور کچھ تو کینہ توز نظروں سے بھی دیکھ رہی تھیں لیکن مجھے بڑا مزا آ رہا تھا۔ ایک عجیب سی فیلنگ آ رہی تھی۔"

"اور وہ فیلنگ شرم تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی ہے نا۔ یار ذرا سی بھی شرم یا ڈر محسوس نہیں ہو رہا۔ تمہاری شادی ہونے جا رہی ہے اور تم ایسے بات کر رہی ہو جیسے یہ ایک عام سی بات ہو" وہ سخت حیرانی سے بولی۔

"تو عام سی بات ہے۔ سب کی شادی ہوتی ہے۔ تمہاری بھی ہونی ہے ایک دن پھر دیکھوں گی کہ میڈم کتنا شرماتی ہیں۔" وہ بھی کمال ڈھٹائی سے بولی۔ اس کی بات پر حدیقہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی اور اس کی آنکھوں کے سامنے کل والے لمحات آ گئے جن کی وجہ سے وہ رات بھر سو بھی نہیں سکی تھی۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر کے لمبا سانس بھرا۔

"ارے تم تو ابھی سے اتنا شرما گئی ہو کہ بولتی ہی بند ہو گئی ہے۔" کرن نے طنز کیا۔

"عانیہ سچ ہی کہتی تھی تم انتہائی فضول گو ہو۔" حدیقہ نے اس پر غصہ نکالا۔

"ایکسکیوز می وہ یہ بات تمہارے بارے میں بھی کہتی تھی۔"

"ارے یاد آیا تمہاری اور عانیہ کی شرط لگی تھی نا جس کی پہلے شادی ہوئی اسے دوسرے کی بات ماننا ہو گی۔" حدیقہ نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ شٹ یار۔ خوشی میں تو میں یہ بھول ہی گئی۔ چلو خیر ہے مجھے ہار بھی منظور ہے۔ لیکن اس سے کہنا کہ منگنی پر آئے نا۔ وہاں جا کر تو ہمیں بھول ہی گئی ہے۔"

"وہ تو مجھے بھی بھول گئی ہے۔ میرا اب اس سے کوئی رابطہ بھی نہیں رہا۔" وہ یکدم اداس ہو گئی۔

"کیا؟.... لیکن کیوں؟" کرن حیران ہوئی۔

"آئی ڈونٹ نو۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے خود فون کرے گی لیکن کتنے دن ہو گئے ہیں مجھ سے رابطہ نہیں کیا میں نے ایک دفعہ اسے کال کی تھی لیکن فون ہی بند جا رہا تھا۔" وہ فکرمندی سے بتانے لگی۔

"شاید سیکیورٹی کے لیے ایسا کیا ہو تم پریشان مت ہو وہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ بالکل سیف جگہ پر ہے۔"

"ہاں اس کی سیکیورٹی کے لیے ہی تو اس کو خود سے دور کیا ہے۔ لیکن اسے اپنی خیریت کے بارے میں تو آگاہ کرنا چاہیے تھا نا۔"

"وہ ٹھیک ہو گی یار۔ تم فکر مت کرو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ میں تمہیں لینے آ رہی ہوں۔ ڈھیر ساری شاپنگ کرنی ہے مجھے۔"

"لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"میرا پاؤں فریکچر ہو گیا ہے جب میں کل علیزے کے گھر سے واپس آ رہی تھی۔"

"کیا؟.... تم گاڑی میں واپس آ رہی تھی یا پیدل چل کے۔"

"بائیک پر"

"واٹ تم اور بائیک پر..... تم اتنی بہادر کیسے ہو گئی اور بائی داوے بائیک تھی کس کی۔ کہیں وہاب کی تو نہیں جو تمہارا دشمن ہے۔" کرن حدیقہ کے منہ سے کئی بار وہاب کی برائیاں سن چکی تھی۔

"ہاں اسی کی تھی۔ میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ میں نے ماما کو فون کیا اور انہوں نے وہاب کو بھیج دیا۔ میں بیٹھ تو گئی لیکن جب اس نے سپیڈ تیز کی تو میں نے چھلانگ لگا دی۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ پھر کیا ہوا؟" کرن منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"پھر ایک پاؤں ٹوٹ گیا۔"

"پھر اس نے تمہیں سہارا دے کر اٹھایا ہو گا ہے نا۔" کرن شرارت سے بولی تو وہ منظر اس کے سامنے پھر ابھرا جسے بھلانے کی ہزار دفعہ سعی کر چکی تھی۔

"جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ میرا دشمن ہے وہ۔ میں اس کا سہارا کیوں لینے لگی۔"

"اچھا تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔" کرن طنزیہ ہنسی۔

"سچ یار میں نے کیب ہائیر کی اور گھر آ گئی۔ لیکن اس کی مدد قبول نہیں کی۔" اس سفید جھوٹ پر وہ خود بھی شرمندہ ہوئی لیکن اس کے سوا اب چارہ نہیں تھا۔ وہ تو آدھا سچ بھی منہ سے نکال کر پچھتا رہی تھی کہ وہ بائیک سے گری ہے اور وہ بائیک وہاب کی ہے۔ سیدھا کہہ دیتی کہ چلتے ہوئے پاؤں مڑ گیا لیکن اب کیا پچھتائے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

"اچھا تو پھر تم میرے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں آ رہی۔"

"علیزے اور فاریہ کو لے جاؤ۔"

"لیکن ہم نے ڈیسائڈ کیا تھا کہ اس عید کی شاپنگ اکٹھے کریں گے۔ اگر تم ساتھ آ جاتی تو منگنی کے ساتھ ساتھ عید کی بھی شاپنگ ہو جاتی۔"

"کوئی بات نہیں۔ عید کی اور تمہاری شادی کی شاپنگ اکٹھے کر لیں گے۔"

"اچھا منگنی پر تو آ ؤ گی نا۔"

"ہاں یار آؤں گی۔ چاہے ماما سے ڈانٹ ہی کیوں نہ کھانی پڑے گی۔"

"تمہارے حصے کی ڈانٹ میں کھالوں گی لیکن تم نے آنا ضرور ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم شاپنگ کرواوکے۔ سی یو لیٹر "اس نے فون بند کر دیا اور تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی کہ ماما کو کیسے منائے۔ اگر اس کے پاؤں کا فریکچر نہ ہوتا تو ماما بخوشی اجازت دے دیتیں لیکن اب اسے یہ کام مشکل لگ رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور ماما اندر آتی دکھائی دیں۔

"گڈ مارننگ.... آج تم اتنی دیر سے کیوں اٹھی ہو؟" عمرینہ نے آتے ہی پوچھا۔

"شاید الارم نہیں بجا تھا۔ پھر کرن کی کالز کی وجہ سے اٹھ گئی۔"

"کیا کہہ رہی تھی؟" عمرینہ نے پوچھا۔

"اس کی منگنی ہو رہی ہے اور اس بات کو وہ زیادہ دیر پیٹ میں نہیں چھپا سکتی تھی اسی لیے صبح صبح مجھے فون کر کے بتا دیا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا..... اسے میری طرف سے مبارکباد دینا۔ منگنی کب ہے؟"

"کل ہے"

"اتنی جلدی.... مطلب آج اسے پتہ چلا ہے اور کل منگنی ہو رہی ہے۔"

"اس کا رشتہ بچپن میں طے ہو گیا تھا۔ لیکن اسے یہ بات نہیں پتہ تھی۔ بڑوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وقت آنے پر بتائیں گے۔" حدیقہ نے کہا تو عمرینہ پر اسرار سا مسکرا دی۔

"اچھا وہ اچانک سے پتہ چلنے پر خوش ہے یا پریشان"

"ایسی ویسی خوش۔ خوشی میں ناچتی رہی ہے وہ" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"واقعی!...اس کا مطلب ہے بچپن کا رشتے کے بارے میں جب اچانک پتہ چلے تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کیسا محسوس ہوتا ہوگا؟" عمرینہ پتہ نہیں اس سے کیا پوچھنا چاہتی تھی۔

"مجھے کیا پتہ کیسا محسوس ہوتا ہے۔" وہ تو اپنے بارے میں اس طرح سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا اچانک سے کوئی بچپن کا منگیتر نکل آئے۔

"اچھا تو منگنی پر جانے کی تیاری نہیں کرنی کیا؟"

"سچ میں۔ آپ مجھے جانے کی اجازت دے رہی ہیں؟" حدیقہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں تمہارے پاؤں کا مسئلہ تو ہے لیکن تمہاری دوست کی منگنی ہے اس لیے اجازت دے رہی ہوں۔ چلی جانا لیکن یاد رکھنا ایک جگہ ٹک کے بیٹھی رہنا وہاں۔"

"اوکے ماما" وہ خوشی سے بولی۔

"اچھا کپڑے دیکھ لینا کونسے پہننے ہیں۔"

"ابھی پرسوں تو شاپنگ کی تھی۔ جو ڈریس لائی تھی وہی پہن لوں گی۔"

"ٹھیک ہے اور کچھ تو نہیں چاہیے تمہیں؟"

"نہیں ماما کچھ نہیں چاہیے۔"

"چلو شکر ہے۔ اگر شاپنگ کرنی ہوتی تو مجھے اکیلی کو ہی جانا پڑتا۔"

"وہ کیوں؟"

"تمہارے بابا اور ڈرائیور تو یہاں ہیں ہی نہیں۔ عمیر کو تو پہلے ہی شاپنگ کرنا پہاڑ سر کرلینے کے برابر لگتا ہے اور اب تو اس کی طبیعت بھی خراب ہے۔ وہاب کو بھی تمہارے بابا نے میٹنگ کے لیے اسلام آباد بلالیا ہے ورنہ وہ میرے

ساتھ ضرور چلتا۔" عمرینہ عام سے انداز میں بول رہی تھی جبکہ حدیقہ چونک اٹھی۔اس کا مطلب اس کا اندازہ ٹھیک تھا کہ وہاب کہیں جا رہا تھا۔ساتھ دل میں شکر بھی کیا کہ وہ چلا گیا ہے۔

"وہاب نے تو کل جاب شروع کی ہے اور آج میٹینگ پر بھی چلا گیا۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اس میٹنگ میں ملک کے بڑے بڑے سافٹ ویئر انجینئر شریک ہو رہے ہیں۔اس لیے تمہارے بابا نے اسے بھی بلا لیا تا کہ اسے زیادہ سے زیادہ سیکھنے کو ملے۔عمیر کو بھی بلانا چاہتے تھے لیکن اس کو تو بخار ہو گیا ہے۔"

"تو پھر میں کیسے جاؤں گی کرن کی انگیجمنٹ میں ؟" وہ پریشان سی پوچھنے لگی۔

"تم پریشان مت ہو ڈرائیور کل شاید آجائے۔میں تمہارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" عمرینہ کہہ کر اٹھ گئی اور وہ اس بات پر حیران تھی کہ ماما نے اسے اجازت دے دی ہے۔

-------------------------------------

عانیہ اس وقت ایک پرانے سے سٹور میں موجود تھی جس میں ہر چیز کاٹھ کباڑ لگ رہی تھی۔گرد و غبار سے اٹا یہ کمرہ پتہ دے رہا تھا کہ سالوں سے یہاں کوئی نہیں آیا اور اسے اس کی صفائی کرنی تھی۔اس وقت وہ پرپل رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس تھی جو خاصے پرانے سے کپڑے تھے۔دوپٹے کو اس نے دائیں کندھے پر ڈال کر بائیں طرف کمر پر باندھ رکھا تھا۔براؤن کرلی بالوں کو اس نے کیچر میں بے ترتیبی سے جوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا جو ڈھیلا ہو کر اس کے بائیں کندھے پر گرا ہوا تھا۔کچھ آوارہ لٹیں اس کے چہرے کے اطراف میں جھول رہی تھیں اور وہ بار بار انہیں کان کے پیچھے اڑسنے کی کوشش کر رہی تھی۔چہرے پر بلا کی سنجیدگی سجائے وہ معصوم شہزادی لگ رہی تھی۔وہ ایک کپڑا ہاتھوں میں پکڑے دیوار سے لگی لکڑی کی سیڑھی پر چڑھ کر تصویروں کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔ابھی تک اسے اسما یا رباب نظر نہیں آئیں تھیں ورنہ سارا کام ان سے کروانا تھا اس نے۔کیونکہ اس کے ہاتھ انہیں بلیک میل کرنے کا پتا لگ چکا تھا۔سٹور کا نیم وا دروازہ کھلا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ایک لڑکا اندر داخل

ہوتے ہوئے دروازہ بند کر رہا تھا۔عانیہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی اس نے منہ اس کی طرف کیا تو وہ اسے پہچان گئی وہ انس تھا جو اسی کو دیکھتا رہتا تھا۔عانیہ نے آنکھیں گھما کر گہرا سانس خارج کیا۔وہ اس کی طرف پلٹ کر کھڑی ہو گئی اور دونوں بازو سینے پر باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔انس اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"دھیان سے کہیں گر ہی نہ جانا" وہ اپنی طرف سے اس کے لیے فکر مندی ظاہر کرنے لگا۔عانیہ چہرہ پھیر کر طنزیہ ہنسی اور پھر اس پر نظریں جمائے اسی طرح سینے پر بازو لپیٹے ایک ایک سیڑھی اترنے لگی۔وہ حیران ہوا کیونکہ اس نے لڑکیوں کو اس سیڑھی پر ڈرتے ہوئے نیچے اترتے دیکھا تھا۔اس کی بیوی تو ایک دفعہ چیخنے لگی تھی لیکن یہ الگ لڑکی تھی وہ متاثر ہوا تھا۔اتر کر وہ اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

"تم مجھے صرف یہ کہنے یہاں آئے ہو۔مسٹر انس" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پرسکون لہجے میں بولی۔انس اس کے پرسکون لہجے پر حیران ہوا تھا

"کہنے نہیں بلکہ سہارا دینے آیا تھا جب تم اس سیڑھی سے گرتی تو میں نیچے سے تمہیں کیچ کر لیتا۔" وہ خباثت سے بولا تو عانیہ پر اسرار سی مسکرا دی۔جبکہ انس کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔اس کے خیال سے عانیہ کو ڈر کے مارے کانپنے لگا جانا چاہیے تھا۔

"اوہ تو تم ہیرو بننے آئے ہو ہیں نا۔لیکن افسوس مجھے جس کی بانہوں میں گرنا تھا میں گر چکی" وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولی جبکہ انس ٹھٹکا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب میرا ہیرو تو وہ ہے جس سے میری شادی ہو چکی ہے۔" اس نے بڑے آرام سے اس کے سر میں بم پھوڑا اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو نا!..." وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"میں کیوں جھوٹ بولوں گی۔ سردار ولید ایاز نے تمہیں بتایا نہیں کہ میں خان حویلی کی بہو ہوں۔" وہ اعتماد سے جھوٹ بول رہی تھی۔

"بہو؟"

"ہاں.....اس دن خان حویلی کی بہو اپنی دوست کے ساتھ مری آ رہی تھی ناجب ولید نے اسے اغوا کروالیا تھا۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا تمہارا خان حویلی سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ سخت حیران تھا۔ ولید نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ خان نے کی بہو ہے۔

"جھوٹ بولا تھا تا کہ ہماری یہاں سے جان چھوٹ سکے۔"

"کون ہے وہ؟.... تمہاری کس سے شادی ہوئی ہے؟ بتاؤ مجھے۔ بڑے خان کی بہو ہونا اس کا بیٹا ہی اسلام آباد میں ہوتا ہے۔" وہ عجیب دیوانگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں اسی کی بہو ہوں" وہ تکے پر تکا مار رہی تھی حالانکہ اسے پتہ بھی نہیں تھا کہ بڑے خان کا کونسا بیٹا اسلام آباد میں رہتا ہے اگر اس نے نام پوچھ لیا تو پھر کیا کرے گی۔ سوچ کر اس نے سر کھجایا۔ لیکن وہ کونسا کسی سے ڈرتی تھی یہ تو بس انس کو تکلیف دینے کے لیے سب کہہ رہی تھی۔ اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی کہ عانیہ کو بری نظر سے دیکھے۔ اور عانیہ تو اپنا بدلہ کبھی چھوڑتی نہیں تھی۔

"مجھے پرواہ نہیں کہ تم کس کی بیوی ہو۔ تم صرف میری ہو۔ سمجھی تم۔" وہ غصے سے اس کی طرف انگلی کرتے ہوئے بولا۔ اور پھر اس کی کلائی پکڑ کر بولا

"بلاؤ اپنے ہیرو کو جو تمہیں مجھ سے بچائے" طاقت کے غرور میں وہ مسکرا رہا تھا۔ عانیہ اب بھی اسے پرسکون سی دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگ رہا" وہ ابرو اچکا کر بولا۔ عانیہ نے اپنی دائیں بازو کی کلائی کی طرف دیکھا جو انس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے جھٹکے سے وہی بازو اوپر اٹھایا اور تھوڑا سا گھما کر انس کی کلائی پر ہاتھ جما دیا۔ پھر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ اکڑا کر وار کیا اور ساتھ ہی نیچے سے اس کے گھٹنے پر اپنا پاؤں مارا تو وہ یکدم لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔ اسے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا کہ اس کے ساتھ اچانک ہوا کیا ہے۔ اب وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور اس کا ایک بازو مڑ کر کمر پر عانیہ کے ہاتھ میں تھا۔ عانیہ نے اس کی شرٹ کو کمر سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کا بازو پکڑے ہی دیوار کے ساتھ لگی سیڑھی پر دو قدم تیزی سے چڑھی۔ اپنے پاؤں سیڑھی میں مضبوطی سے پھنسا کر افقی سمت گول گھومی تھی۔ انس تو ابھی پہلی حیرت سے نہیں نکلا تھا کہ دوسری افتاد آ پڑی تھی۔ عانیہ کے گھومنے سے وہ بھی زمین سے بلند ہو کر گھوما تھا۔ پھر عانیہ نے اس کا بازو یکدم چھوڑ دیا تھا اور وہ بلندی سے زمین پر گرا۔ جسم کا دائیاں حصہ زمین پر لگا اور درد کی لہر پھیل گئی۔ ایک لمحے کیلیے تو وہ سن ہو گیا تھا۔ عانیہ سیڑھی سے اتر کے اس کے پاس آئی۔

"کم آن.... اٹھو۔ ابھی سے ہمت ہار گئے۔" وہ مسکرا کر بولی تو انس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنی تکلیف کو نظر انداز کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا کہ ایک لڑکی اسے کیسے گھما کر پھینک سکتی ہے۔ عانیہ نے پیچھے ہٹ کر اس کے کھڑے ہونے کا انتظار کیا

"اب تم یہاں سے بچ کر جاؤ۔ میں بھی دیکھتا ہوں تم کیا کر کرتی ہو۔" وہ وحشیانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا اور دائیں ہاتھ سے اسے مکا مارا لیکن وہ بروقت جھکائی دے گئی اور مکا دیوار پر جا لگا۔ اس کا ہاتھ درد کی شدت سے سن ہو گیا وہ تھوڑا پیچھے ہو کر پھر اس کی طرف بڑھا اس دفعہ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کو نشانہ بنانا چاہا لیکن اب تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں کیونکہ اس کے وار عانیہ نے اپنے بازوؤں پر روکے تھے۔ نہ صرف روکے تھے بلکہ جوابی کاروائی کرتے ہوئے عانیہ نے اپنے ہاتھ اکڑا کر اس کے سینے اور گردن کے دائیں طرف مارے تھے

جو اسے کسی ہتھوڑے کی طرح محسوس ہوئے تھے۔ گردن پر پڑنے والے وار سے اس کی گردن اکڑ گئی اور اسے لگا کہ اس کے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ وہ یک دم منہ کے بل گر گیا۔ عانیہ ایک گھٹنا نیچے ٹیک کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اب یہاں مت بے ہوش ہو جانا اگر کسی کو پتہ چل گیا سب کا یہی حشر کرنا پڑے گا۔" عانیہ نے اسے کہا۔

"تم.... تم جادو گرنی ہو۔" وہ ڈر کے مارے ہکلا کر بولا۔ عانیہ اس کے ڈر سے محظوظ ہوئی تھی۔

"ہاں اس میں کوئی شک ہے تمہیں۔ ایک لڑکی میں اتنی طاقت کیسے ہو سکتی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تو انس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ بچپن سے ہی جنوں بھوتوں سے بہت ڈرتا تھا۔

"پلیز مجھے چھوڑ دو میں کبھی تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔"

"چھوڑ دیتی ہوں لیکن میری ایک شرط ہے"

"تم.... تم جو بھی کہو گی میں وہ کروں گا"

"اگر تم نے کسی کو یہ بتایا کہ میں ایک جادو گرنی ہوں تو یاد رکھنا تمہارا خون پی جاؤں گی میں۔" عانیہ نے چڑیل کی طرح اسے گھور کر کہا۔

"نہیں.... نہیں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا تو پھر جاؤ اور یہ لاسٹ وارننگ تھی اب میرے جن دوست تم پر ہمیشہ پہرہ دیں گے۔ کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔ ورنہ بہت برا حشر کروں گی۔" عانیہ نے کہا تو وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا اور اسے کھول کر باہر نکل گیا۔ عانیہ اس کے جانے کے بعد کھل کر ہنسی۔

"او مائی گاڈ..... اتنا بزدل انسان میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا ہے۔"

---------------------------------

"یہ.... یہ کیا کہہ رہا تو۔ ہوش میں تو ہے تو۔ کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا۔" حفصہ بیگم حیرت سے سے پوچھ رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ماں۔ مجھے ریشم سے شادی کرنی ہے کسی بھی صورت میں۔" ولید ہٹ دھرمی سے بولا۔

"لیکن تو جانتا ہے نا اس سے کیا ہو گا۔ آغا جان تمہیں عاق کر دیں گے۔ اور نائلہ..... اس کے بھائی غنڈے ہیں۔ وہ تو ہاتھ دھو کر تیرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ کچھ ہوش کے ناخن لے کیوں اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ وہ بھی اس دو ٹکے کی لڑکی کی خاطر۔"

"ان غنڈوں کی بہن کو آپ لوگوں نے ہی میرے پلے باندھا تھا اور میں نے چپ چاپ سر جھکا دیا تھا لیکن اب بس میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے اسما نے بتا دیا ہے کہ اسے ٹی بی ہے اور وہ مرنے والی ہے آپ لوگوں کا کیا خیال تھا یہ بات مجھ سے چھپا کر رکھ لیں گے۔.... میں آپ سے کہہ رہا ہوں میری شادی اس سے کروا دیں ورنہ میں اسے بھگا کر لے جاؤں گا۔"

"اور سرداری کا کیا ہو گا۔ وقاص تو اس قابل ہے ہی نہیں تیرے علاوہ اب تمہارا چچا ہی رہ جاتا ہے۔ آغا جان اسے سرداری دے دیں گے اور اگر ایک دفعہ اسے سرداری مل گئی تو وہ آگے سے اپنے بیٹے کو دے دے گا اور تو منہ دیکھتا رہ جائے گا۔" حفصہ بیگم کو اقتدار کی پڑی تھی۔

"اوہو ماں..... آپ بھی کن فکروں میں پڑ گئی ہیں میرے علاوہ اور کوئی بھی اس قابل نہیں ہے۔ اور الیکشن اگلے سال ہونے ہیں اب بے شک آغا جان جتنے بھی ناراض ہوں اس وقت تک میں انہیں منا لوں گا اور ان میں اب اتنی طاقت نہیں رہ گئی مجھ پر حکم چلا سکیں۔ انہوں نے جوانی میں خوب اقتدار کے مزے لے لیے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ ہم اپنی مرضی سے دوسری شادی تک نہیں کر سکتے۔ حد ہو گئی ہے۔ خود پتہ نہیں کتنی خفیہ شادیاں کر رکھیں ہوں"

"بد تمیز کیا کہہ رہا ہے... کسی نے سن لیا تو تمہاری تو جان بخشی ہو جائے گی لیکن سب مجھے ہی کوسیں گے کہ میں نے اولاد کی تربیت اچھی نہیں کی۔"

"بس ماں مجھے یہ نصیحتیں نہ دے اور شادی کا کچھ بندوست کر۔ وہ میری ضد ہے اور تجھے پتہ ہے میں اپنی ضد کا کتنا پکا ہوں۔ مرنے سے پہلے اس کو بتا دینا چاہتا ہو کہ اس کی زندگی پر صرف میرا اختیار ہے۔" وہ اٹل لہجے میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے نکل گیا۔ حفصہ بیگم پریشانی سے اپنا سر پیٹ کر رہ گئیں۔

---------------------------------

حدیقہ بیڈ پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ پاس ہی موبائل فون پڑا تھا جس میں انگلش گانا 'تھینک یو نیکسٹ' لگا ہوا تھا اور اس سے منسلک ہیڈ فون اس کے کانوں میں لگے تھے۔ وہ کتاب پڑھنے اور گانا سننے میں پوری طرح مگن تھی جب عنیقہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کل سے اس کا دل رقابت کی آگ میں جل رہا تھا اور اب حدیقہ کو پر سکون سا دیکھ کر وہ بھنا کر رہ گئی تھی۔ وہ شروع سے غصے کی تیز تھی لیکن اب وہ سمجھ رہی تھی کہ غصے سے کام نہیں چلے گا۔ اسے منافقت کا لبادہ اوڑھنا پڑے گا۔ سو مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اس کی طرف بڑھی۔

"یہ کیا ہوا ہے تمہارے پاؤں کو" وہ اس کے قریب آ کر بولی تو اس نے چونک کر اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے جلدی سے کانوں سے ہیڈ فون اتار دیے۔ اس کی مسکراہٹ عنیقہ کو زہر لگی تھی۔

"کل پاؤں مڑ گیا تھا۔" وہ اسے بیڈ پر جگہ دیتے ہوئے بولی تو عنیقہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"کیسے؟" وہ انجان بنتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کل سڑک پر چلتے ہوئے سامنے پتھر نظر نہیں آیا تھا اور پاؤں اس سے ٹکرا گیا۔"

"تو تمہارا دھیان کہاں تھا؟" وہ سلگتے ہوئے پوچھنے لگی۔ وہ جو نظریں کتاب پر جمائے اس پر انگلیاں پھیر رہی تھی یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"جب چوٹ لگنی ہو وہ لگ کے رہتی ہے۔ چاہے دھیان کہیں بھی ہو۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"بڑا شاعرانہ موڈ نہیں ہو رہا تمہارا.... بات کیا ہے؟" وہ اسے کریدنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اب میں نے اتنی شاعری بھی نہیں بولی۔ عام سے انداز میں جواب دیا ہے۔"

"چچی جان بتا رہیں تھیں کہ تمہاری دوست کی منگنی ہو رہی ہے۔" اس نے بات بدلی۔

"ہاں کرن کی۔ منگنی تو بچپن سے ہی ہو گئی تھی اب شادی ہونی ہے لیکن اس سے پہلے سارے خاندان والوں کو بتانے کے لیے منگنی کا فنکشن طے کیا ہے۔"

"ویسے اسے اعتراض نہیں ہوا بچپن کی منگنی کا۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی اور پسند ہو۔ میں تو بچپن کی منگنی کے بہت خلاف ہوں۔"

"نہیں وہ بہت خوش ہے۔ وہ تو بہت پہلے سے اسے پسند کرتی تھی۔ کل اسے جب پتہ چلا کہ وہ اس کا بچپن کا منگیتر ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی"

"ہاں خوشی تو ہو گی نا۔ بغیر محنت کے اسے اس کی پسند مل گئی۔ اور یہاں مجھے کتنی محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ پتہ نہیں کب میں اس کا دل جیت پاؤں گی۔" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔ حدیقہ کو کل والے لمحات یاد آئے تو وہ بے اختیار نظریں چرا گئی۔ اسے اپنا آپ عنیقہ کا مجرم لگنے لگا۔

"اچھا تم کل جاؤ گی کیسے۔ تمہارا پاؤں تو ٹوٹ گیا ہے۔" عنیقہ اس سے بولی۔

"کوئی نہیں۔ کل تک ٹھیک ہو جائے گا۔ جا کر ایک جگہ بیٹھ جاؤں گی۔ اب دوست کو ناراض تو نہیں کر سکتی نا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تم ایسا کرو مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔ میں تمہارا خیال رکھوں گی۔" اصل میں اس کا اپنا دل چاہ رہا تھا کسی پارٹی میں جانے کا۔ خیال رکھنے کا تو صرف بہانہ تھا۔

"ضرور مجھے تو کوئی اعتراض نہیں البتہ تائی جان سے پوچھ لینا۔" وہ دامن بچا گئی۔

"کیوں؟ جہاں تم جاسکتی ہو وہاں میں کیوں نہیں جاسکتی۔ مجھ پر ہی کیوں یہ پابندی ہے۔" وہ جذباتی ہو گئی۔

"وہ اس لیے میری بہن جہاں مجھے بلایا گیا ہے وہاں صرف میں ہی جاسکوں گی اور جہاں تمہیں انوائیٹ کیا جائے گا وہاں صرف تم ہی جاسکو گی۔" حدیقہ نے اسے سمجھایا تو وہ پھیکی پڑ گئی۔ ظاہر ہے وہ تو وہاں بن بلائے مہمان کی حیثیت سے ہی جائے گی نا۔

"تم مجھ پر طنز کر رہی ہو"

"طنز نہیں کر رہی یار۔ بس سمجھا رہی ہوں کہ اگر ماں باپ کہیں جانے سے منع کریں وہاں نہیں جانا چاہیے۔"

"ایک تو ماما مجھے ہر جگہ جانے سے روک دیتیں ہیں۔ میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے کہ نہیں۔" وہ غصے سے بولی تو حدیقہ اسے تاسف سے گھور کر رہ گئی۔

---

"مل گیا ہے نمبر؟" عانیہ نے اسما سے پوچھا۔ وہ دونوں اس وقت کاریڈور میں کھڑی تھیں جہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"نہیں ملا ابھی تک۔ میں کوشش کر رہی ہوں۔.... کل میں نے آغا جان کا پورا کمرہ چھان مارا تھا لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ وہ اپنے ڈاکیومنٹس لائبریری میں رکھتے ہیں۔ جیسے ہی موقع ملے گا میں ڈھونڈ دوں گی۔ مجھے امید ہے وہاں سے ضرور مل جائے گا نمبر۔" وہ منت بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں بھی دیکھتی ہوں شاید مجھے موقع مل جائے۔"

"نہیں تم وہاں مت جانا۔وہاں دروازے کے باہر سیکیورٹی گارڈز کھڑے ہوتے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر وہ شک میں بھی پڑ سکتے ہیں۔"

"اوکے تو پھر تم کوشش جاری رکھو۔جب مل جائے تو فوراً مجھے دے دینا۔"

"میں دے دوں گی لیکن تم پھر میرا کسی کو بتاؤ گی تو نہیں نا"

"نہیں بتاؤں گی۔"وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بولی۔اچانک وہاں رباب نمودار ہوئی تھی۔

"کیا باتیں کر رہی ہو؟ کیا نہیں بتاؤ گی"رباب نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی تم لوگوں کی فلمیں دیکھنے والی بات۔"عانیہ نے سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے بدلے تم اسماسے کوئی کام کروانا چاہ رہی ہو نا"رباب مشکوک لہجے میں بولی۔اسمانے ڈرتے ہوئے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"تم دونوں سے..... آخر تم نے بھی تو بہت سی موویز دیکھی ہوں گی۔"وہ سکون سے بولتی اسے پریشان کر گئی۔

"کک.... کونسا کام؟"

"زیادہ مشکل نہیں ہے۔سٹور روم کی صفائی کرنی ہے۔آدھا تو میں نے کر دیا ہے۔باقی کا تم دونوں صاف کرو گی۔آخر اس گھر میں رہتی ہو تم لوگ۔اور تمہارا فرض ہے اسے صاف رکھنا۔لیٹس گو"وہ کہہ کر سٹور روم کی طرف چل پڑی تو وہ دونوں بھی بے بسی سے اس کے پیچھے چل دیں۔

---------------------------

"ایسا کیا کروں جس سے وہاب حدیقہ سے بدگمان ہو جائے۔سوچو عنیقہ کچھ سوچو۔ورنہ یہ حدیقہ تمہیں لے ڈوبے گی۔کوئی نا کوئی حل تو نکالنا ہی پڑے گا۔"وہ کمرے میں ٹہلتی زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔اسے کوئی طریقہ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ حدیقہ کو وہاب کی نظروں سے گرا سکے۔اور اسے رہ رہ کر حدیقہ پر غصہ آ رہا تھا۔

(تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا حدیقہ۔ تم تو آستین کا سانپ نکلی۔ میں نے تمہیں جتنا وارن کیا تھا تم اتنی ہی اس کے قریب ہوتی جارہی ہو۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔ بہت جلد تم وہاب کی نظروں سے گر جاؤ گی۔ ذلیل ورسواء کردوں گی میں تمہیں۔ تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اور اس کی سزا تمہیں بھگتنی ہو گی۔)

(زوہیب.....ہاں زوہیب کو استعمال کر کے میں اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہوں۔ وہ بھی تو اسے پسند کرتا ہے۔ گریٹ آئیڈیا۔) یہ خیال آتے ہی وہ باہر کی طرف بھاگی۔ اس کا رخ زوہیب کے کمرے کی طرف تھا۔ کمرے کے باہر رک کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ زوہیب اندر بیٹھا موبائل پر لگا ہوا تھا جب اسے دروازہ کھٹکنے کی آواز آئی۔

"یس" وہ موبائل بند کر کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ عنیقہ نے دروازے کی ناب گھما کر اسے دھکیلا اور اندر داخل ہو گئی۔

"ارے آپ... آج سورج کہیں مغرب سے تو نہیں طلوع ہوا۔ آپ اور ہمارے غریب خانے پر۔" وہ شوخ ہوتے ہوئے بولا تو عنیقہ مسکرا کر اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں نے سوچا کئی دن ہو گئے ہیں تمہیں یہاں آئے ہوئے ہماری ٹھیک سے بات بھی نہیں ہو سکی...بائی داوے کیا کر رہے تھے" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"فیس بک پر دوستوں سے بات کر رہا تھا۔"

"ان دوستوں میں لڑکیاں بھی ہوں گیں" وہ مشکوک لہجے میں بولی تو وہ ہنس دیا۔

"ہاں لڑکیاں بھی ہیں۔ وہاں ایسا تو عام ہے۔ ہر لڑکے کی کئی کئی گرل فرینڈز ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تمہاری کتنی گرل فرینڈز ہیں؟"

"تین چار ہیں۔"

"تین چار.... کیا بات ہے۔ویسے کسی سے محبت وغیرہ کا بھوت نہیں چڑھا ابھی تک۔"

"نہیں ابھی تک تو نہیں چڑھا لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو۔ کہیں تم مجھ میں انٹرسٹڈ تو نہیں۔" وہ مزے سے بولا تو عنیقہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ لیکن ضبط سے مسکرا دی۔

"اوہ نہیں۔ میں آلریڈی کسی کے ساتھ کمٹڈ ہوں۔ دراصل میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ مجھے لگا تم حدیقہ کو پسند کرنے لگے ہو۔" بالآخر وہ اصل بات پر آ ہی گئی۔

"ہاں یہ حقیقت ہے میں آج تک جتنی لڑکیوں سے ملا ہوں وہ ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اسے پسند بھی کرنے لگا تھا لیکن اب لگتا ہے کہ وہ بھی ان لڑکیوں کی طرح ہی نکلی جن سے میں پہلے مل چکا ہوں۔"

"مطلب؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"ماما میری شادی کسی پاکستانی لڑکی سے کروانا چاہتی ہیں کیونکہ پاکستانی لڑکیاں بہت سلجھی ہوئی ہوتی ہیں، وہ شادی سے پہلے لڑکوں سے بات تک نہیں کرتیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے سوچا تھا کہ حدیقہ پاکستان میں پلی بڑھی ہے۔ اس کے والدین نے اس کی تربیت بھی اچھی کی ہوگی۔ لیکن اس کا تو ایک بوائے فرینڈ بھی ہے۔ یعنی یہ کام ہر جگہ ہوتا ہے بس فرق یہ ہے کہ یہاں ایسی بات چھپالی جاتی ہے اور وہاں کھلے عام دوستیاں ہوتیں ہیں۔"

"کیا؟..... اس کا بوائے فرینڈ۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔"

"ارے یار سچ کہہ رہا ہوں۔ اس نے خود مجھ سے کہا تھا کہ وہاب اس کا بوائے فرینڈ ہے۔" وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولا تو اس دفعہ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ یعنی کہ اس کا شک صحیح نکلا۔ وہ واقعی وہاب کو پسند کرنے لگی تھی۔ اس کے تو رگ و پے میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ لیکن ابھی وقت غصہ کرنے کا نہیں تھا۔

"تو کیا تم اتنی آسانی سے ہار مان جاؤ گے۔ وہاب کے حق میں دستبردار ہو جاؤ گے۔" وہ اسے اکساتے ہوئے بولی۔

"اس میں ہار ماننے والی کونسی بات ہے۔ اگر اس جیسی کو ہی پسند کرنا ہے تو میری گرل فرینڈز بھی بہت ہیں۔ میں نے تو ماما سے کہہ دیا ہے کہ میں واپس جا رہا ہوں اور وہیں اپنی کسی گرل فرینڈ سے شادی بھی کر لوں گا چلو بے چاری ایک تو خوش ہو جائے گی۔" وہ عام سے انداز میں بول رہا تھا جبکہ عنیقہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"لیکن تمہیں ایک کوشش تو کرنی چاہیے تھی نا۔ وہ ہے تو بہت خوبصورت" عنیقہ نے آخری کوشش کی لیکن وہ بھی ناکام گئی۔

" بھئی مجھے کیا پڑی ہے کسی کباب میں ہڈی بننے کی۔ وہ اگر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے ان کی شادی کر دی جائے۔" عنیقہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ بجھے دل سے وہاں سے اٹھ آئی۔

---

"خدا کیلیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے ذلیل مت کرو۔ میں مر جاؤں گی۔ میرے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" رباب گھٹی سی آواز میں موبائل پر کسی کی منتیں کر رہی تھی۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھی۔ دروازہ بند تھا لیکن عانیہ نے نہ صرف دروازہ کھول لیا تھا بلکہ اس کی بات بھی سن لی تھی۔ اور اندازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ رباب کس کی منتیں کر رہی ہے۔

"سکندر پلیز میرے ساتھ ایسا مت کرو۔۔۔۔۔۔ میں کہاں سے اتنے پیسے لاؤں گی۔۔۔۔۔ صرف ایک دن۔۔۔۔ نہیں سکندر پلیز کچھ تو رعایت دو۔۔۔۔۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہیں پیسے دے دوں گی۔۔۔۔۔ پلیز کچھ وقت تو دو۔۔۔۔۔ نہیں پلیز ایسا مت کرنا۔۔۔۔ سکندر۔۔۔۔ سکندر میری بات تو سنو۔۔۔ سکندر۔۔۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی جب سکندر نے کال کاٹ دی تھی۔ اور وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی۔ جب یقین آ گیا کہ کال کٹ چکی ہے تو کرسی پر بیٹھ کر رونے لگی۔ عانیہ کو کچھ کچھ سمجھ میں تو آ گیا تھا کہ چکر کیا ہے۔ کوئی لڑکا رباب کو بلیک میل کر کے پیسے لینے کی کوشش کر رہا

ہے۔اس نے دروازے کو پوری طرح کھول دیا تو رباب نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔عانیہ قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی۔

"وہ لڑکا تمہیں بلیک میل کیوں کر رہا ہے؟"اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم.... تم نے سب کچھ سن لیا.... تم یہاں کیسے آئی... دروازہ کیسے کھولا۔"وہ ہکلاتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

"یہ سب چھوڑو یہ بتاؤ کہ یہ کون ہے جو تمہیں تنگ کر رہا ہے؟"

"پلیز میرا کسی کو نہ بتانا۔میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں"وہ روتے ہوئے اس کے قدموں میں گر بولی۔عانیہ نے جھک کر اسے کندھوں سے تھاما اور اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

"نہیں بتاؤں گی لیکن تم مجھے بتاؤ تو سہی ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔"عانیہ نے کہا تو وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میری اب کوئی مدد نہیں کر سکتا۔سکندر نے مجھے صرف ایک دن دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر میں نے اس کو ایک لاکھ روپے نہیں دیے تو وہ میری تصاویر انٹرنیٹ پر ڈال دے گا۔اور پھر میرا جنازہ ہی یہاں سے نکلے گا۔"وہ مایوسی سے کہہ رہی تھی۔

"سکندر کون ہے؟"

"میں کچھ عرصہ پہلے اس سے ایک شادی کی تقریب میں ملی تھی۔پھر اس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جو میں نے قبول کر لیا اور وہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔میں گھر میں جھوٹ بول کر اس سے ملنے جاتی تھی اور ہم دونوں نے ایک ساتھ تصویریں کھنچوائی تھیں۔مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ بعد میں انہیں کیسے استعمال کرے گا۔اور اب میں مشکل میں گھر چکی ہوں۔اگر تم کسی کو نہ بھی بتاؤ تو کل تک سب کو پتہ چل جائے گا۔"

"چلو ایک ڈیل کر لیتے ہیں"عانیہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیسی ڈیل؟"وہ حیرانی سے گویا ہوئی۔

"اگر میں تمہاری اس مشکل سے نکلنے میں مدد کروں تو تمہیں اپنا موبائل مجھے دینا ہو گا۔"عانیہ کا اعتماد دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

"کیا واقعی تم میری مدد کر سکتی ہو؟"وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں"

"پھر تم جو کہو گی میں وہ کروں گی لیکن میری اس سے جان چھڑا دو۔"وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے بولی۔ڈوبتے کو تنکے کا بھی سہارا ہوتا ہے۔

"گڈ....مجھے لیپ ٹاپ دو"عانیہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"لیپ ٹاپ تو اسما کا ہے....مم....میں لے کر آتی ہوں۔"وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور ایک منٹ بعد وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں اسما کا لیپ ٹاپ تھا۔اس نے لیپ ٹاپ عانیہ کی گود میں رکھ دیا۔

"اس لڑکے کا موبائل نمبر کیا ہے؟"عانیہ لیپ ٹاپ کھولتے ہوئے بولی۔از پر کوئی پاسورڈ نہیں لگا ہوا تھا اگر لگا بھی ہوتا عانیہ کیلیے کھولنا مشکل نہیں تھا۔رباب نے موبائل سے سکندر کا نمبر اسے بتایا۔عانیہ نے وائی فائی آن کر لے ہیکنگ سسٹم آن کر لیا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟"رباب اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی ہو کر لیپ ٹاپ کی دیکھتے ہوئے ناسمجھی سے پوچھنے لگی۔

"ہیکنگ"وہ لیپ ٹاپ کی کیز کو پش کرتے سکرین پر نظریں جمائے بولی۔

"کیا.....تم ہیکر ہو؟"وہ حیرانی سے بولی۔

"ہمم"وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"اب....اب تم کیا کرو گی۔ کیا تم اس کا موبائل ہیک کر کے میری ساری پکچرز ڈیلیٹ کر دو گی۔" وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ عانیہ نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"کتنا ٹائم لگے گا؟" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"دس پندرہ منٹ لگ جائیں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اس مشکل سے نکلنے والی ہوں۔ تھینک یو سوچ۔"

"مجھے تھینکس نہیں تمہارا فون چاہیے۔"

"ہاں لے لینا۔ مجھے اب یہ چاہیے بھی نہیں۔ اسی موبائل کی وجہ سے میری زندگی عذاب ہو گئی تھی۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی اور عانیہ خاموشی سے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے اپنا کام کرتی رہی۔

"ویسے تم میری مدد کیوں کر رہی ہو۔ اگر تم چاہتی تو مجھے بلیک میل کر کے بھی مجھ سے موبائل لے سکتی تھی۔ تمہارے ہاتھ میری سب سے بڑی کمزوری آگئی تھی اور تم اپنا کام سیدھا کرنے کی بجائے میری مدد کر رہی ہو۔ ہم نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا سلوک بھی نہیں کیا۔" وہ شرمندہ سے لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"فیئر پلے ہے یہ۔ تم لوگوں نے جو ہمارے ساتھ کیا وہ تمہارے اعمال ہیں۔ جو میں تمہارے ساتھ کر رہی ہوں وہ میرے اعمال ہیں۔ اگر میری وجہ سے کسی کی عزت بچ جائے تو میرا کیا جاتا ہے۔ جو انسان پہلے ہی مشکل میں ہو، اسے اور مشکل میں ڈالنے کی بجائے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"مجھے معاف کر دو جو میں نے تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک کیا۔ میں وعدہ کرتی ہوں جو ممکن مدد ہو سکی میں کروں گی۔"

"شکریہ"

"تم عجیب ہو۔ پل پل حیران کرنے والی ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ جب تم بولتی ہو تو مقابل کو کسی سحر میں جکڑ لیتی ہو۔ اور وہ آنکھیں بند کر کے تمہاری بات پر یقین کر لینا چاہتا ہے۔"

"اب تم اتنی خوشامد کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہو" عانیہ مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تم اسے خوشامد سمجھ رہی" وہ حیرانی سے پوچھنے لگی پھر بولی۔ "یہ سچ ہے۔ کوئی چاپلوسی نہیں ہے۔ چاپلوسی تو وہ کرتے ہی جنہیں یہ لگتا ہے کہ ان کا کام اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اور میرا کام تو ہو رہا ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے چاپلوسی کرنے کی۔ یہ میں نے جو تمہاری تعریف کی ہے اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے اور میرے دل سے نکلا ہے۔" وہ سیدھے ہوتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"تھینکس۔ یہ لو تمہارا کام بھی ہو گیا۔ اس نے اپنے موبائل اور لیپ ٹاپ میں یہ تصویریں رکھیں تھی۔ میں نے دونوں جگہ سے ڈیلیٹ کر دیں ہیں۔ اب اسے فون کر کے پوچھ لو۔" عانیہ نے کہا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"یاہو۔ میں بچ گئی۔ مجھے کوئی یقین تو دلاؤ۔ چٹکی کاٹنا میرے بازو پر" عانیہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ رباب نے موبائل اٹھا کر سکندر کو فون ملایا۔

"ہیلو۔ سکندر..... میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہیں ایک لاکھ روپے دے دوں گی لیکن مجھے پہلے وہ تصاویر بھیجو جو میں نے تمہارے ساتھ کھنچوائی تھیں۔" وہ عانیہ کو آنکھ مارتے ہوئے بولی۔ عانیہ سینے پر بازو لپیٹے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھہرو میں تمہیں ابھی بھیجتا ہوں۔" سکندر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ تم نے ٹھیک کیا ہے۔ اگر اس نے کہیں اور بھی وہ تصاویر رکھی ہوئی تو ابھی وہ بھیج دے گا اور میں وہاں سے بھی ڈیلیٹ کر دوں گی۔ لیکن میرا نہیں خیال اس نے ان دو جگھوں کے علاوہ کہیں اور بھی رکھی ہوں۔ بہرحال احتیاط

اچھی ہے۔" عانیہ نے اسے سراہا۔ دو منٹ بعد واٹس ایپ پر تصاویر کی بجائے سکندر کی کال آ گئی۔ اس نے تیزی سے کال اٹھائی۔

"کیوں؟..... نہیں ملیں تصویریں"

"کیا کیا ہے تم نے؟۔ میں نے ابھی آدھے گھنٹے پہلے وہ تصاویر اپنے موبائل اور لیپ ٹاپ میں چیک کیں تھیں۔" سکندر سخت پریشانی کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔

"وہ تو میں نے ڈیلیٹ کر دیں۔" وہ مزے سے بولی۔

"ڈیلیٹ؟..... کیسے؟"

"تمہارا موبائل ہیک کر کے۔ تو کیا اب بھی تمہیں مجھ سے پیسے چاہیں۔" وہ مسکرا کر بولی تو سکندر نے غصے سے کال کاٹ دی۔ رباب نے فون کا پاسورڈ ختم کر کے اسے عانیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"یہ لو۔ وعدے کے مطابق یہ تمہارا ہوا۔"

"مجھے صرف دو تین دن تک چاہیے۔ پھر تمہیں واپس مل جائے گا" عانیہ نے فون پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں تم کسی کو فون کر کے مدد کے لیے بلانا چاہتی ہو۔ اس میں دو سو کا کریڈٹ ہے۔ بے فکر ہو کر کال کرنا۔ وائی فائی کا پاسورڈ بھی لگا ہوا ہے۔ انٹرنیٹ کی سہولت بھی موجود ہے۔" رباب نے کہا۔

"اوکے تھینکس۔ آئی ہیو ٹو گو" وہ بول کر تھوڑا سا مسکرائی اور پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ رباب نے شکر کیا کہ سکندر والی مصیبت چھوٹ گئی۔ اگر اس کی تصاویر انٹرنیٹ پر آ جاتیں تو بہت برا ہوتا۔ عانیہ کی وجہ سے وہ بچ گئی تھی۔ وہ تو عانیہ کی گرویدہ ہو چکی تھی۔ عانیہ نے برائی کا جواب اچھائی سے دے کر اس کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

-----------------------------------

شام کے سائے آہستہ آہستہ حیدر علی ہاؤس پر چھا رہے تھے۔دن بھر کے تھکے پرندے صحن میں لگے درختوں میں واپس آرہے تھے اور ان کی چہچہاہٹ فضا میں گونج رہی تھی۔پاس ہی کرسیوں پر عمیر اور عمرینہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ عمیر کو بخار تھا اور وہ کمرے میں رہ رہ کر بور ہو گیا تھا اس لیے عمرینہ اسے باہر لے کر آ گئی تھیں۔ دفعتاً عمیر کو لاؤنج کے دروازے سے حدیقہ نکلتی دکھائی دی جو ادیبہ کے سہارے تھوڑا سا لڑکھڑا کر چل رہی تھی اور انہی کی طرف آ رہی تھی۔ عمیر نے اسے دیکھا تو مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ عمرینہ نے پلٹ کر دیکھا تو حدیقہ کو دیکھ کر غصے سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچیں۔

"حدیقہ تم نیچے کیوں آئی ہو؟میں بتا رہی ہوں تمہیں کرن کی انگیجمنٹ پر جانے سے روک لوں گی۔ آرام سے ایک جگہ ٹک جایا کرو تم "عمرینہ اس کے بازو کو پکڑتے ہوئے سختی سے بولیں۔

"ماما میں بور ہو رہی تھی۔"

"تو ٹیرس پر چلی جاتی سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے کی کیا ضرورت تھی۔"عمرینہ اسے سہارا دے کر کرسیوں کی طرف آ گئیں۔اور عمیر کے سامنے بیٹھا دیا۔

"میں آپ کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں۔ عمیر بھائی۔ آپ بھی یقیناً کمرے میں بند رہ رہ کر بور ہو گئے ہوں گے۔"وہ عمیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ عمیر بھی نقاہت زدہ لہجے میں مسکرا دیا۔ عمرینہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور ادیبہ واپس چلی گئی۔

"لیکن مجھے اتنا دکھ نہیں ہے۔ اگر مجھے بخار نہ ہوتا وہاب کے ساتھ بابا نے مجھے بھی بلوا لینا تھا۔"وہاب کے ذکر پر اس کے دل میں عجیب سی بے چینی ہوئی تھی۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ کہیں جان بوجھ کر تو بخار نہیں کروا لیا۔"وہ سنبھل کر شرارت سے بولی۔

"نہیں اسے واقعی بخار ہے۔ڈاکٹر چیک کر کے گیا تھا۔"عمرینہ نے کہا۔

"ڈاکٹر کو بھی پتہ نہیں کیا مصیبت پڑی ہوتی ہے جب بھی بیمار ہو پر سکرپشن میں سوپ ضرور لکھ کر دینا ہوتا ہے اس نے" عمیر جل کر بولا۔ اسے بھی سوپ پسند نہیں تھا اور عمرینہ اسے کل سے دو بار زبردستی پلا یا چکی تھی۔ حدیقہ کو اچانک اپنا کل سوپ پینا یاد آیا تھا۔

"ہاں مجھے بھی بہت برا لگتا ہے۔ اوپر سے میرا پاؤں ہلا ہلا کر اتنا درد کر دیا تھا ڈاکٹر نے۔ مجھے کہا دو کا ٹیبل سناؤ۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ باتوں میں لگا کر میرے پاؤں کو جھٹکا دینا چاہتا ہے۔ کوئی پہلی دفعہ تو نہیں ٹوٹا تھا نا میرا پاؤں۔ مجھے اس پر بہت غصہ آیا۔ مجھے بچی سمجھ رہا تھا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"تمہاری شکل ہی معصوم سی ہے۔ اسی لیے تمہیں چھوٹی سی بچی سمجھ رہا ہو گا۔" عمرینہ نے کہا۔

"بس شکل ہی معصوم ہے۔ دماغ اس کا چالاک لومڑی کی طرح ہے۔" عمیر اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

"دیکھیں ماما بھائی مجھے چالاک لومڑی کہہ رہے ہیں۔" وہ چڑتے ہوئے بولی۔

"ارے کیوں ایسا کہہ رہے ہو۔ میری بیٹی تو معصوم سی شرارتیں کرتی ہے۔" عمرینہ حدیقہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہونہہ۔ معصوم شرارتیں..... یہ تو مجھ سے پوچھیں نا۔ اس کی معصوم شرارتوں کا میں ہی ہمیشہ شکار بنتا ہوں۔ لیکن اب لگتا ہے دو تین دن تک سکون رہے گا۔ اس کے پاؤں ٹوٹنے پر اللہ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہو گا۔"

"ہاہ..... ماما دیکھیں ان کے دل میں میری یہ عزت ہے۔ میرے پاؤں ٹوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی تو عمرینہ مسکرا دیں۔

"تنگ کر رہا ہے تمہیں۔ تم اگنور کر دو۔" عمرینہ نے کہا۔

"مجھے.... مجھے تنگ کرنے کی ہمت بھی کیسے کی آپ نے بھائی۔میرے پاؤں میں درد ہے۔زبان ماشاءاللہ صحیح سلامت ہے۔میں اب بھی آپ کو تگنی کاناچ نچاسکتی ہوں۔"وہ انگلی کو گول گھماتے ہوئے بولی۔

"اب تم زبان سے بھی تنگ کرنا شروع کردو گی۔.....مامامیں آپ کو کہہ رہاہوں اسے سمجھالیں کہ یہ لوگوں کو تنگ کرنابند کردے ورنہ آپ کو داماد ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔"عمیر نے کہاتو حدیقہ کا منہ پہلے تو حیرت سے کھل گیا۔وہی توہمیشہ عمیر کوایسی باتیں سناسنا کر تنگ کرتی تھی اور آج عمیر بدلا لینے پر تل چکا تھا۔اس نے کبھی خود کے بارے ایسی بات سنی بھی نہیں تھی۔اس لیے اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح کاری ایکٹ کرے۔غصہ بھی آرہاتھااور شرم سے اس کا چہرہ گلاب کی طرح سرخ بھی ہوچکا تھا۔کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو الفاظ ہی گم ہو گئے۔وہ صرف دانت پیس کر رہ گئی۔عمرینہ اور عمیر اس کی حالت سے محظوظ ہورہے تھے۔

"دیکھیں ماما اپنی دفعہ کتنا غصہ آرہاہے اور مجھے ہمیشہ اس نے ایسی باتیں سنائی ہے۔میں ہمیشہ چھوٹی بہن سمجھ کر خاموش ہوجاتا تھا۔لیکن اب تو یہ بڑی ہوگئی ہے۔تومجھے اسے سمجھالینے دیں۔کل کواس نے اپناگھر سنبھالنا ہے۔اگراسی طرح بچپنا رہاتو دولہا بھائی بھاگ جائیں گے۔"وہ آج سارے بدلے لے رہا تھا۔حدیقہ اپنا سرخ چہرہ دوسری طرف پھیرے سر کھجارہی تھی۔آنکھیں اور ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔عمرینہ ہنسی روکے بیٹی کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں حدیقہ عمیر کہہ توٹھیک رہاہے۔لیکن تم اتناشرما کیوں رہی ہو....اس دور میں کون اپنی شادی کی بات پر شرماتاہے۔"عمرینہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔حدیقہ کی برداشت اب ختم ہوچکی تھی۔اس نے یکدم دونوں کی طرف دیکھا۔اس کی شکل رونے والی ہوچکی تھی۔عمرینہ اور عمیر کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"میرے خیال سے مجھے چلنا چاہیے۔"وہ سخت لہجے میں بولتی اٹھی اور پلٹ کر لنگڑاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھنے لگی۔عمرینہ نے عمیر کو دیکھا جس نے ڈھٹائی سے شانے اچکادیے۔

"رکو حدیقہ میں تمہیں اوپر لے چلتی ہوں۔" عمرینہ اس کے پیچھے بھاگی۔ اور اسے سہارا دیتے ہوئے بولیں۔

"مجھے ضرورت نہیں۔" وہ رکھائی سے کہتی ان کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھ اگئی۔

"بچے کیا ہو گیا ہے۔ اتنی سی بات پر پریشان نہیں ہوتے۔" عمرینہ نے اسے دوبارہ پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پسند اپنے بارے میں اس طرح سننا۔ عمیر بھائی کو سمجھا دیجیئے گا۔"

"اچھا میں اسے سمجھا دوں گی لیکن تم اپنا موڈ تو مت خراب کرو۔" عمرینہ نے منت بھرے لہجے میں کہا لیکن وہ خاموشی سے چلتی رہی۔

"اچھا اب اپنی ماما سے بھی ناراض ہو جاؤ گی۔ ماں ہوں تمہاری اور میرا اتنا بھی حق نہیں میں تم سے ایسی بات کر سکوں۔" عمرینہ نے اسے جذباتی بلیک میل کیا تو وہ نرم پڑ گئی۔

"نہیں ماما میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ نہ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا تھا۔" وہ رک کر انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"تو پھر اس طرح ری ایکٹ تو مت کرو۔ تم تو پرانے زمانے کی لڑکیوں کی طرح شرما رہی ہو۔ کم آن۔ کل کو تمہاری شادی ہونی ہے۔ پھر کیسے یہ سب فیس کرو گی۔"

"میں شادی ہی نہیں کروں گی۔" وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"لو اور سن لو اس کی۔ بیٹا جی ماں باپ ہمیشہ ساتھ تو نہیں رہتے نا۔ ہر انسان کو ایک نا ایک دن ماں باپ کو چھوڑ کر شادی کرنی پڑتی ہے۔ یہی دنیا کا اصول ہے۔ اگر وہ اس اصول کے خلاف جائے گا تو اکیلا رہ جائے گا۔ تمہارے ذہن میں ابھی بچپنا ہے اور تم جتنی جلدی اس بچپنے کو ختم کر کے میچور ہو جاؤ اتنا ہی اچھا ہو گا۔" عمرینہ اسے ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔ اور حدیقہ خاموشی سے سر جھکائے سن رہی تھی۔

---------------------------

دوپہر کو اس نے رباب کا فون کمرے میں لا کر چھپا دیا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ رات کو گوگل میپ سے اس حویلی کا محل وقوع جاننے کی کوشش کرے گی لیکن رات کو بی جان نے اسے گیارہ بجے تک اپنے پاس خدمت گزاری کے لیے روکے رکھا اور جب وہ کمرے میں آئی تو نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل تھیں۔ وہ اس وقت بھی جاگ کر کام کر سکتی تھی لیکن حریم اور رنیم دونوں اس وقت سوئی پڑی تھیں اور اس نے محل وقوع دیکھ ان دونوں سے پلان بھی ڈسکس کرنا تھا۔ اور کیا پتہ رنیم کی خان حویلی بات ہو جاتی اور پلان چینج کرنا پڑ جاتا۔ اس نے سوچا کہ کل تک نمبر ملنے کا انتظار کر لے پھر اگر بات ہو جاتی ہے تو محل وقوع دیکھ کر اگلا لائحہ عمل تیار کرے گی۔

اگلی صبح انہیں نماز پڑھنے کے بعد الگ الگ کام پر لگا دیا گیا۔ وہ اس وقت ایک بڑے سے ہال کے فرش کو پانی سے دھو رہی تھی جب حریم اس کی طرف دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر عانیہ ٹھٹھکی تھی۔

"عانی آپی.... وہ رنیم..." حریم ہانپتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا رنیم کو؟" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"وہ نائلہ اسے پائپ سے مار رہی ہے۔" اس نے تیزی سے بتایا تو عانیہ کا دماغ ایک لمحے کے لیے سن رہ گیا۔ اسی وقت رنیم کی ایک زوردار چیخ اسے سنائی دی تو وہ وائپر پھینک کر اندھا دھند لاؤنج کی طرف بھاگی۔ سارے راستے اس نے رنیم کی دلخراش چیخیں سنی تھیں۔ وہاں پہنچ کر جو منظر اس نے دیکھا اس کا دل دہل گیا تھا۔ نائلہ رنیم پر پائپ برسا رہی تھی ساتھ غصے میں اسے کچھ کہہ رہی تھی اور رنیم کی چیخیں آہستہ آہستہ معدوم پڑتی جا رہی تھیں۔ اسے اس وقت رنیم کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دیا تھا جو خون میں لت پت زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ وہ دروازے پر رکے بغیر اندر رنیم کی طرف بھاگی اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا تو دیکھا کہ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس دفعہ پائپ رنیم کی بجائے عانیہ کی کمر پر پڑا تھا کیونکہ رنیم کو اس نے اپنی

آغوش میں لیا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے درد سہا تھا۔ وہاں پر موجود سب عورتوں کے منہ حیرت سے کھل گئے جن میں بی جان سے لے کر ملازمائیں تک تماشا دیکھ رہی تھیں۔ نائلہ کا ہاتھ رک گیا۔

"پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں آج اسے قتل کر کے رہوں گی۔ اگر تم بیچ میں آئی تو تمہارا بھی یہی حشر کروں گی۔ ہٹو پیچھے" نائلہ اس کی کمر پر پاؤں مارتے ہوئے غصے سے بولی لیکن اس وقت عانیہ کا دھیان اس رنیم کی طرف تھا جس کی اکھڑی اکھڑی سانسیں اور مدھم سی نبض چل رہی تھی۔ وہ پریشان سی کبھی اس کے چہرے کو تھپتھپاتی اور کبھی اس کے سینے کو سہلاتی۔ حریم بھی اس کے پاس کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ اس مجمعے میں صرف رباب، اسما اور زینب تھیں جن کے دل اس ظلم پر دکھ رہے تھے لیکن انہیں اپنی جگہ سے ہلنے کی مجال نہیں تھی۔ نائلہ نے کچھ دیر تو اس کے اٹھنے کا انتظار کیا لیکن عانیہ وہاں سے نہ اٹھی تو اس نے زور سے پائپ کھینچ کر اسے دے مارا۔ حریم تڑپ کر آگے بڑھی اور اگلا پائپ اس پر پڑا۔ عانیہ نے حریم کی چیخ پر بند آنکھیں کھولیں اور حریم کو زمین پر اوندھے پڑے دیکھ کر اس نے بمشکل خود کو ضبط ہارنے سے روکا۔ وہ وقت سے پہلے کوئی ایکشن لے کر ان لوگوں کو چوکنا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چاہتی تو ابھی نائلہ کو سبق سکھا دیتی لیکن وہ لوگ اس کی قوت سے باخبر ہو کر اسے رنیم اور حریم سے علیحدہ کر کے بلیک میل بھی کر سکتے تھے اور اس طرح اس کے پلان پر پانی پھر جانا تھا۔ ابھی اسے چالاکی سے کام لے کر ان لوگوں کو بے وقوف بنانا تھا۔ اور ان کی توجہ رنیم سے ہٹا کر خود پر کرنی تھی۔

"بس کرو خدا کے لیے.... اس پر ظلم کرنا بند کر دو۔ جو چند دن اس کے پاس بچے ہیں وہ تو اس سے نہ چھینو۔ کیوں کر رہے ہو تم لوگ اس کے ساتھ ایسا؟... اس لیے کہ وہ تمہارے دشمن کی بیٹی ہے۔.... تو پھر ایسا کرو اس کی سزا مجھے دے دو۔ کیونکہ میں بھی خان حویلی سے ہوں۔" وہ نائلہ کی طرف دیکھ کر بولی تو سب حیران رہ گئے۔ حریم بھی درد بھول کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"تو ولید نے صحیح کہا تھا۔ تم خان حویلی کی بہو ہو۔" بی جان نے غصے سے کانپتی آواز میں پوچھا۔ عانیہ نے نظریں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کس کی بیوی ہو؟" حفصہ بیگم نے پوچھا تو عانیہ ایک پل کے لیے خاموش رہ گئی۔ پھر اسے انس کی بات یاد آئی اسے نے بڑے خان کا نام لیا تھا۔

"بڑے خان کی بہو ہوں۔" اس نے تکا مارا جو ٹھیک نشانے پر لگا۔

"اس کا مطلب یہ ریتم کی بھابھی ہے۔ ہمدردی تو دکھائے گی نا اس کے ساتھ۔" نائلہ نے طنز کیا۔ حریم کو تو کچھ سمجھ میں آ رہا تھا کہ عانیہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ جب اس نے ایک دفعہ عانیہ سے یہ کہا تھا کہ جھوٹ بول دیتے ہیں کے ہمارا تعلق خان حویلی سے ہے تو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

"اور یہ دوسری لڑکی کون ہے؟" بی جان نے پوچھا۔

"یہ میری دوست ہے۔ میں اسے خان حویلی دکھانا چاہتی تھی اس لیے اسے ساتھ لے آئی تھی۔" ایک اور تکا۔

"تم لوگ اکیلی سفر کر رہی تھیں؟" اگلا سوال۔

"نہیں ڈرائیور ساتھ تھا۔ جب گاڑی پر فائرنگ ہوئی تو وہ گاڑی میں نہیں تھا۔" اتفاقاً عانیہ نے بھی یہی بات کہہ دی جو ولید نے اندازے کے طور پر کہی تھی۔ بی جان کی انویسٹیگیشن ختم ہوگئی اور اب سزا کی باری تھی۔

"ہمم.... تو اس نے پہلے ہم سے جھوٹ بولا تھا۔ نائلہ!... اسی پائپ سے اس کو اتنی سزا دو کہ یہ یاد رکھے۔" بی جان نے حکم دیا اور نائلہ کسی جلاد کی طرح اس کی کمر اور بازوؤں پر پائپ برسانے لگی۔ جگہ جگہ سے اس کی جلد پھٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ وہ مٹھیاں بھینچے ضبط کی انتہا پر تھی۔ ایک ایک ضرب اس کی روح تک کو گھائل کر رہی تھی۔ لیکن دشمن کے سامنے آنسو گرانا اس نے کبھی نہیں سیکھا تھا۔ سو چیخے اور روئے بغیر مار کھاتی رہی۔ ریتم ابھی

تک اس کی بازوؤں میں تھی۔ حریم نے اٹھ کر عانیہ کو بچانے کی کوشش کی لیکن دو تین پائپ کھانے کے بعد اس سے اٹھا بھی نہ گیا۔

"بس کر دو" دسویں دفعہ جب نائلہ نے اسے مارنے کے لیے پائپ ہوا میں بلند کیا تو بی جان نے ہاتھ اٹھا کر نائلہ کو روک دیا۔ عانیہ اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ انہیں سخت حیرت ہوئی تھی کہ عانیہ نے ایک دفعہ بھی ان سے رحم کی بھیک نہیں مانگی تھی۔

"انہیں کوارٹر میں لے جا کر بند کر دو۔ پورا ایک ہفتہ اسے ایسے ہی مار پڑے گی۔ اور اگلی دفعہ میرے ساتھ جھوٹ مت بولنا ورنہ تم پر کتے چھوڑ دوں گی۔" بی جان نے کسی ملکہ کی طرح حکم دیتے ہوئے اسے وارن کیا۔ حریم تو یہ بات سن کر کانپ اٹھی جبکہ عانیہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بی جان کو حقارت سے دیکھا۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا اگر اسے بند کر دیا گیا تو خان حویلی کا نمبر کیسے حاصل کرے گی۔ اس نے اسما کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی اور اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔ ایک ملازم نے آگے بڑھ کو رینم کو اٹھایا اور کوارٹر میں لے گیا۔ عانیہ اٹھ کر حریم کی طرف بڑھی جو روتے ہوئے زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے سہارا دے کر چپ چاپ وہاں سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کوارٹر میں تھیں اور باہر سے تالا لگایا جا چکا تھا۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے اسما نے اسے نامحسوس انداز میں ایک چھوٹی سی چٹ تھما دی تھی۔

عانیہ ملازماؤں کے سامنے خود کو نڈھال ظاہر کر رہی تھی ان کے جانے کے بعد وہ تیزی سے رینم کی طرف بڑھی اور اس کی نبض چیک کی۔ اسے سخت تشویش ہوئی کیونکہ وہ بہت مدھم چل رہی تھی۔ وہ اس کا سینہ سہلانے لگی۔ حریم بھی اس کے ہاتھ پکڑ کر رگڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس کو سانس لینے میں آسانی ہونے لگی اور نبض بھی معمول کی رفتار پر آنے لگی۔ عانیہ نے شکر کا سانس لیا۔

"حریم پانی گرم کر کے لاؤ۔" وہ حریم کو تیزی سے بولی تو وہ اٹھ کر کچن کی طرف بھاگی۔ عانیہ نے اسے پن سے تالا کھولنے کا طریقہ بتادیا تھا اس لیے اب وہ کچن کا دروازہ کھول سکی تھی۔

عانیہ نے رینم کو الٹا لٹا دیا اور قمیض کے پھٹے ہوئے حصے کو پیچھے کر کے اس کی کمر پر زخم چیک کرنے لگی۔ تین جگہوں پر سے جلد پھٹی تھی اور باقی کی کمر سرخ پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے تھے۔ نہ جانے کب سے وہ لوگ اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کر رہے تھے۔ اسے جو اپنے جسم پر درد ہو رہا تھا رینم کے زخم دیکھ کر وہ بھول گیا تھا۔ حالانکہ رینم اور اس کو ایک جتنی مار پڑی تھی۔ جلد تو اس کی بھی پھٹ گئی تھی اور خون بھی بہہ رہا تھا۔ ایسے حالات میں انسان دوسروں کا ہوش بھی نہیں رہتا اور صرف اپنا درد یاد ہوتا ہے۔ لیکن وہ عانیہ تھی۔ جو دوستی نبھانا جانتی تھی اور دوستی کے لیے جان تک وار سکتی تھی۔ یہ زخم تو پھر معمولی سی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ جس نے کبھی خود کے لیے رحم کی بھیک نہیں مانگی تھی اپنی دوست کو بچانے کے لیے ان ظالموں کے سامنے گڑگڑائی تھی۔ وہ جس نے کبھی کسی کی نوکری نہیں کی تھی رینم کی وجہ سے ملازمہ بن گئی تھی۔ وہ دوست کے لیے اپنی انا کو بھی قربان کر سکتی تھی۔

رینم کے مرہم لگانے کے بعد حریم نے عانیہ کے زخم صاف کیے اور مرہم لگانے لگی۔

"آپ نے ان کے سامنے جھوٹ کیوں بولا کہ آپ کا تعلق خان حویلی سے ہے۔" وہ پیچھے سے مرہم لگاتے ہوئے بولی۔

"اگر میں اس وقت ان کا دھیان اپنی طرف نہ کرتی تو وہ رینم کو مار مار کر قتل کر دیتیں۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی وہ اسے کیوں مار رہی تھیں؟" اس نے جواز پیش کیا اور جلدی سے بات بدل دی۔

"نائلہ کو پتہ چل گیا تھا کہ ولید بہت جلد رینم سے شادی کرنے والا ہے اس لیے۔ بی جان نے اسے خود اجازت دی تھی اسے مارنے کی۔"

"بہت ظالم ہیں یہ لوگ۔ قصور ولید کا ہے اور درمیان میں یہ بیچاری پس رہی ہے۔" وہ آزردہ لہجے میں بولی۔ حریم اس کو پریشان دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"میں نے پہلی دفعہ آپ کو اتنا پریشان دیکھا ہے۔"

"ہاں مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے اس کی حالت دیکھ کر۔ پتہ نہیں کب سے یہ لوگ اسے اسی طرح مار رہے ہیں۔ میں اس کی تکلیف برداشت نہیں کر پا رہی۔ جب یہ روتی ہے تو اس کے آنسو مجھے اپنے دل پر گرتے محسوس ہوتے ہیں۔ میں اس کو کھونے سے ڈرتی ہوں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسے بحفاظت یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی لیکن میں اپنا وعدہ بھی پورا نہیں کر سکی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مغموم لہجے میں کہہ رہی تھی اور حریم اس کی مخلص دوستی سے متاثر ہو رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور ہم یہاں سے ضرور جائیں گے۔" اسے سمجھ ہی نہ آیا عانیہ کو کیسے تسلی دے۔

"دعا کرو شام تک اس ہوش آجائے۔ ہمیں آج ہی یہاں سے جانا ہو گا۔"

"آج؟.... لیکن رینم تو پہلے خان حویلی بات کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کا بندوست ہو گیا ہے۔ نمبر اور موبائل دونوں مل گئے ہیں۔ اگر بات ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ ابھی میرے خیال سے ہمیں گوگل میپ آن کر کے ارد گرد کا علاقہ دیکھ لینا چاہیے۔ جب رینم کو ہوش آ جائے تو یہ بات کر لے گی۔ اس الماری سے کپڑوں کے نیچے موبائل رکھا ہے وہ لے کر آؤ۔" عانیہ نے کہا تو وہ وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر موبائل ڈھونڈنے لگی۔

"آپ کو یہ موبائل ملا کہاں سے؟" حریم موبائل پکڑے اس کی طرف آ کر بولی۔

"رباب کا ہے۔ ادھار لیا ہے۔" وہ موبائل پکڑتے ہوئے بولی۔

"لیکن اس نے آپ کو یہ کیوں دیا۔"

"بس دیکھ لو لے ہی لیا۔" گہرا سانس لے کر بولی۔

"اگر اس نے کسی کو بتا دیا تو...؟"

"نہیں بتائے گی۔" وہ گوگل میپ آن کرتے ہوئے بولی۔ حریم کو یقین ہو چکا تھا کہ رباب کسی کو کچھ نہیں بتائے گی کیونکہ اس کی عانی آپی نے جو کہہ دیا تھا اس لیے تفصیل میں جانے کی بجائے خاموش ہو کر موبائل کی سکرین پر جھک گئی۔

حویلی کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ اس کے شمال یعنی بائیں طرف پہاڑ بلند تھا اور تیسری منزل کے ٹیرس کے ساتھ لگا ہوا تھا پیچھے سے اس پہاڑ کا کونا بائیں طرف سے ڈھلوان کی صورت میں دائیں طرف نیچے آتا جاتا تھا۔ اور جنوب یعنی دائیں طرف مالٹوں اور سیبوں کے دو باغات تھے جن کے گرد چھوٹی دیواریں بنا کر احاطہ کیا گیا تھا۔ ان باغات کے پیچھے پہاڑ کی ڈھلوان بتدریج افقی ہوتی جاتی تھی۔ لیکن یہاں بھی اونچے اونچے درخت تھے۔ حویلی کے سامنے جو کچا راستہ گزرتا تھا وہ بائیں طرف پہاڑ کے ساتھ گزرتا ہوا جنگل کی طرف جاتا تھا اور دائیں جانب باغات اور ان کے ساتھ ایک اور گھر کے سامنے سے گزر کر مین سڑک سے جا ملتا تھا اس سڑک کا رخ شرقاً غرباً تھا۔ حویلی کے سامنے کچے راستے کے پار دو چار گھر تھے جن کی بلندی ڈھلوان کی وجہ سے حویلی سے کم تھی اور حویلی میں کھڑے ہو کر ایک دو گھر کا صحن بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس حویلی کے دائیں حصے میں ملازموں کے کوارٹرز تھے جن میں اس وقت وہ موجود تھیں۔ ان کوارٹرز کے سامنے سے گھر کا رہائشی حصہ شروع ہوتا تھا۔ جو حویلی کے بائیں کنارے تک جا کر ختم ہوتا تھا۔ اگر سامنے سے کوٹھی کو دیکھا جائے تو کوارٹرز نظر نہیں آتے تھے۔

عانیہ غور سے اس سارے نقشے کو دیکھ رہی تھی اور پلان ترتیب دے رہی تھی۔

"دیکھو ہم اس وقت اس گھر کے دائیں حصے میں ہیں۔ ہمارے پیچھے یہ دو باغ ہیں" وہ میپ کو زوم کر کے اسے سمجھانے لگی اور حریم غور سے سننے لگی۔

"لیکن یہاں سے ہم نہیں نکل سکتے کیونکہ اس طرف کی دیوار بہت اونچی ہے۔تو پھر ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں" اس نے بائیں طرف ٹیرس کے حصے کو زوم کیا جو پہاڑ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"لیکن یہاں تک پہنچنے کیلیے ہمیں گھر میں سے گزر کر سیڑھیاں چڑھنا پڑیں گیں۔اور تب چھت پر پہنچا جاسکتا ہے۔اور اس طرح ان کی نظروں میں آنے کا امکان بہت زیادہ ہے۔میرے پاس ایک پلان ہے جس سے تم دونوں باحفاظت ٹیرس پر جاسکتی ہو۔...."

"ہم دونوں۔.... آپ کیوں نہیں؟" وہ پریشانی سے پوچھنے لگی۔

"میں مین گیٹ سے نکلوں گی اور ان سب کا دھیان میری طرف ہو گا۔اس لیے تم لوگوں کو راستہ مل جائے گا۔"

"لیکن اس طرح آپ کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔وہ لوگ آپ کو مار بھی سکتے ہیں۔"

"انہوں نے مجھے دیکھتے ہی شوٹ تھوڑی کر دینا ہے۔تم جب چھت پر پہنچ نہیں جاتی میں ان کا دھیان یہاں بٹائے رکھوں گی اور یہ ظاہر کروں گی کہ ہم تینوں یہاں ہیں۔پھر میں انہیں ڈاج دے کر نکلنے کی کوشش کروں گی۔لیکن اگر ہم تینوں وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو نہیں بچیں گیں۔تم بتاؤ ریم کو ساتھ لے کر جاسکو گی نا؟" وہ اسے پلان سمجھا کر سوال پوچھنے لگی۔

"ہاں آپ جو بھی کہیں گی میں کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی ہیں۔ہم کسی اور طریقے سے بھی تو جاسکتے ہیں نا۔"

"یہ سب سے بیسٹ وے ہے۔تم لوگ ٹیرس سے دوسری جانب پہاڑ پر اتر کر گھر کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگ جانا۔یہاں ڈھلوان ہے۔ریم کو احتیاط کے ساتھ نیچے اتارنا اور یہ باغ ہیں تم ان کے پیچھے سے چلتے ہوئے اس گھر تک پہنچ کر رک جانا۔اس گھر کی پچھلی دیوار تھوڑی چھوٹی ہے۔اگر تمہیں پیچھے سے کوئی خطرہ محسوس ہو تو

اس دیوار کو کود جانا اور اندر کی طرف چھپ جانا میں تم سے یہیں آکر ملوں گی۔" عانیہ باغات کے ساتھ لگے گھر کی طرف اشارہ کرکے بولی جس کا دائیاں حصہ مین سڑک پر تھا۔

"آپ کیسے آئیں گیں؟" حریم کو اس کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"میں مین گیٹ سے نکل کر باغات کے سامنے سے گزر کر مین سڑک پر پہنچوں گی اور مین سڑک پر دائیں طرف مڑ کر اس گھر کے پچھلے حصے کی طرف آجاؤں گی جہاں تم لوگ ہو گے۔"

"یعنی کہ ہمیں پچھلی طرف سے اس گھر میں پہنچنا ہے اور آپ کو سامنے کی طرف سے۔ لیکن اس کے بعد ہم کیا کریں گے۔"

"اس کے بعد کا ابھی نہیں سوچا لیکن کوئی نا کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔ اگر رینم کے گھر سے اسے کوئی لینے آجاتا ہے تو اسے اسی گھر کے پچھلے حصے بلانا ہو گا۔ ورنہ ہمارے ساتھ وہ لوگ بھی خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔" وہ مین سڑک کے ساتھ لگے گھر کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"لیکن وہ ہماری بات کیسے مانیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ سیدھا یہاں آجائیں اور ہمارا پلان خراب ہو جائے یا ہو سکتا ہے وہ آئیں ہی نا۔"

"اس کے لیے رینم کو خود ان سے بات کرنی ہو گی اگر وہ اسے لینے کے لیے آسکتے ہیں تو رینم کو انہیں چھپ کر آنے پر راضی کرنا ہو گا۔"

"پھر اگر وہ لوگ رینم کو لے گئے تو ہم اس سے آخری دیکھیں گے کیا۔ ہو سکتا ہے وہ ہم پر ترس کھا کر ہمیں بھی ساتھ لے جائیں۔"

"کسی کا ترس لینے سے بہتر ہے ہم خود ہی کچھ کر لیں۔ اور ہم نہیں جانتے وہ کس طرح کے لوگ ہوں۔ ہماری مدد کے لیے راضی بھی ہوں گے یا نہیں اس لیے اپنی مدد آپ کے لیے خود کو تیار رکھو۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گئی ہوں۔ یا اللہ ہمیں یہاں سے نکلنے میں مدد دے۔ میں تو کام کر کر کے تھک گئی ہوں۔ اتنے تو میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کیے جتنے ان چار دنوں میں انہوں نے مجھ سے کروائے ہیں۔" حریم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

-----------------------------

وہ اس وقت ریشمی میکسی نما فراک میں ملبوس تھی۔ اس فراک کی دو تہیں تھیں۔ جس کا انر پیچ کلر کا سادہ سا سلیو لیس گاؤن تھا۔ اس گاؤن کے اوپر سلیو لیس بے بی پنک کلر کی چاک والی نیٹ ایمبرائیڈیڈ فراک تھی جس پر خوبصورت نگینے لگے ہوئے تھے اور کہیں کہیں کڑھائی بھی تھی۔ دائیں کندھے پر پیچ کلر کا ریشمی دوپٹہ تھا جس نے اس کے پورے دائیں بازو کو ڈھکا ہوا تھا۔ پاؤں میں نازک سی پلین سینڈل پہن رکھی تھی۔ گلے میں تین ستاروں سے مل کر بنا نیکلس جھول رہا تھا اور کانوں میں اسی طرح کے کانٹے تھے۔ گولڈن سٹریٹ بالوں کو ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر شانوں پر بکھیرا ہوا تھا۔ چہرے پر لائٹ سا میک اپ کیا ہوا تھا جو اس کے قدرتی سرخ گالوں کو اور زیادہ ابھار رہا تھا۔ نیلی آنکھوں پر پنک کلر کا ہلکا سا شیڈ لگا ہوا تھا۔ خوبصورت ہونٹوں پر گلابی لپ گلوز لگا ہوا تھا۔ جس سے اس کے ہونٹ چمک رہے تھے۔ ایک کندھے پر اپنے چھوٹے سے کلچ کی لمبی ڈوری ڈالے اور گفٹ بیگ پکڑے وہ تیزی سے چل رہی تھی۔ وہ اس وقت آسمان سے اتری ہوئی معصوم سی پری لگ رہی تھی۔ اس کا حسن آج خوب نکھرا ہوا تھا۔ وہ بہت کم تیار ہوتی تھی کیونکہ اسے خود میک اپ بھی کرنا نہیں آتا تھا اور اسے پسند بھی نہیں تھا۔ اب بھی ماما نے زبردستی اسے میک اپ کیا تھا۔ شام کے چھ بج چکے تھے اور وہ ماما کے ساتھ باہر آئی تھی۔ اس کے پاؤں کی چوٹ اب کافی بہتر تھی۔

"بیٹا اپنا خیال رکھنا۔" ماما نے اسے کہا۔

"اوکے ماما میں چلتی ہوں۔" وہ انہیں ہاتھ ہلا کر پورچ کی طرف بڑھی لیکن گاڑی پورچ سے نکل مین گیٹ کو پار بھی کر چکی تھی۔ وہ غصے سے برے برے منہ بناتی مین گیٹ کی طرف چل پڑی۔ پیچھے کھڑی عمرینہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

ابھی وہ گیٹ سے باہر ہی نکلی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ رک کر کلچ کھولا اور فون نکال کر دیکھا تو کرن کی کال تھی۔

"حدیقہ کب پہنچو گی یار چھ بج چکے ہیں؟" کال اٹینڈ ہوتے ہی کرن نے پوچھا۔

"میں نکل رہی ہوں بس۔ پندرہ منٹ میں پہنچ جاؤں گی۔" حدیقہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"جلدی کرو۔ میری ساری کزنز نے تمہارے بارے میں پوچھ پوچھ کر میرا سر کھا لیا ہے۔ یعنی کہ حد ہو گئی ہے وہ منگنی پر میرے لیے آئیں ہیں یا تمہارے لیے۔" کرن مصنوعی خفگی سے بولی تو وہ مسکرا دی۔ وہ ایک دفعہ کرن کی کزنز سے ملی تھی اور وہ انہیں بہت پسند آئی تھی۔

"تم انہیں حوصلہ دو میں بس پہنچ رہی ہوں۔" وہ گاڑی کا پچھلا دائیں طرف والا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بولی۔ گفٹ بیگ اس نے بائیں طرف رکھ دیا تھا۔ اس کے دروازہ بند کرتے ہی گاڑی سٹارٹ ہو گئی۔

"اوکے جلدی پہنچو۔" کرن نے کہہ کر فون کاٹ دیا اور وہ مسکراتے ہوئے سیل فون کو کلچ میں رکھنے لگی۔

"جلدی سے چلیں ڈرائیور انکل۔ کرن نے مجھے چھ بجے وہاں پہنچنے کا کہا تھا لیکن ماما نے مجھے میک اپ کرنے کے لیے روکے رکھا اور لیٹ کروا دیا۔ اب کرن فون کر کے چیخ رہی ہے کہ جلدی پہنچو میری کزنز تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ دراصل میں اس کی کزنز سے ایک دفعہ پہلے ملی تھی تو ہماری بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ ان سب نے میری بہت تعریف کی تھی کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔ لیکن اب دوسری دفعہ ان سے ملاقات ہونے جا رہی ہے تو وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے ڈرائیور انکل کو تفصیل بتا رہی تھی۔ وہ ان سے کافی فرینک تھی۔ جب بھی وہ اسے کہیں لے کر جاتے سارے راستے اس کی اور ان کی باتیں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن

ابھی ڈرائیور انکل نے اس کی بات کا جواب کیوں نہیں دیا۔ وہ حیران ہوئی اور غور سے بیک ویو مرر میں دیکھنے لگی۔ اس نے پل بھر میں پہچان لیا تھا کہ وہ دو آنکھیں کس کی ہیں۔

"تم....؟" وہ بھونچکی رہ گئی۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔

"ہاں میں" وہاب مسکرا کر بولا۔

"تم.... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ سخت بے یقین تھی۔

"ڈرائیونگ" وہاب نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھتے ہوئے سکون سے جواب دیا۔

"کیا؟.... لیکن تم تو یہاں تھے ہی نہیں۔" وہ سخت پریشانی کے عالم میں پوچھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی یہاں سے غائب ہو جائے۔

"ایک گھنٹے پہلے ہی آیا ہوں۔ کیوں تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی کیا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

(اوہ نو۔ یہ کیا ہو گیا۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ کیا کروں؟) وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچنے لگی۔

"گاڑی روکو..... میں کہہ رہی ہوں گاڑی روکو۔ ورنہ میں چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گی۔" وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"دروازہ لاکڈ ہے۔" وہاب نے کہا تو اس نے بے بسی سے آنکھیں بھینچ لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ نہیں بلکہ وہاب کے ساتھ انگیجمنٹ پر گئی ہے تو....؟

"ارے تم پریشان مت ہو میں پندرہ منٹ کی بجائے دس منٹ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا اور ان لوگوں کو تمہارا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا ہوا بولا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ اور مسکراتے ہوئے وہاب کی آنکھیں بیک ویو مرر میں دیکھیں۔

(کیا اس نے وہ سب سن لیا۔ افف حدیقہ تم بالکل اندھی ہو۔) وہ پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔ بھنویں خوبصورتی سے بھنچی ہوئی تھیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے منہ ایسے بنا ہوا تھا جیسے وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب وہ کیا کرے۔

"گاڑی روکو۔ مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا۔ پلیز۔" وہ رونے والی ہو گئی تھی۔

"تم تو ایسے ڈر رہی ہو جیسے میں تمہیں کھا جاؤں گا۔ کیا ہو گیا ہے حدی۔ جسٹ ریلیکس۔ بس پانچ منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔"

وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ پانچ منٹ کے لیے بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس کی نظروں کی تپش سے وہ پزل ہو رہی تھی۔ دل کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔

"تم جانتے ہو اگر ماما کو پتہ چل گیا کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ ہوں تو میری کیا عزت رہ جائے گی" وہ بے بسی سے رو پڑی۔

"فکر مت کرو۔ تمہاری عزت پر حرف نہیں آئے گا۔ کیونکہ آنٹی کو پتہ ہے تم میرے ساتھ ہو" وہاب اس کے رونے سے شرمندہ ہو گیا۔

"کیا؟....ماما نے تمہیں خود بھیجا ہے؟" وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں ڈرائیور نہیں تھا اس لیے۔" وہاب نے جواب دیا تو وہ حیرانی سے سوچنے لگی کہ ماما نے اسے بتایا کیوں نہیں۔ اور ماما ہر بار وہاب کو کیوں بھیجتی ہیں۔ پچھلی ملاقات کی یاد اس کے ذہن میں ابھری تو وہ چہرے کو ہاتھوں میں چھپا گئی۔ وہ اپنے چہرے کی سرخی وہاب کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہاب اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اب چہرہ چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میں تمہارے دل کا حال جان چکا ہوں۔" وہاب نے اس کے سر میں بم پھوڑا۔ وہ چہرے سے ہاتھ ہٹا کر خوفزدہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

(کیا اسے سب پتہ چل گیا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے)

"مجھے ڈر نہیں لگ رہا سمجھے۔" وہ خود کو بہادر ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا.... تمہارے دل کی دھڑکنیں تو مجھے کچھ اور کہتی سنائی دے رہی ہیں۔" وہاب ابرو اچکا کر بولا تو اس نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا۔اس کی بات پر حدیقہ کے گال بری طرح سے بلش کر اٹھے۔اسے توقع نہیں تھی کہ وہاب اس سے کچھ ایسا کہے گا۔اس کی بولتی بند ہو گئی اور اسے یہاں بیٹھنا محال لگ رہا تھا۔وہ بے بسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔اور بے چینی سے گاڑی کے رکنے کا انتظار کرنے لگی۔جب گاڑی رکی تو اس شکر ادا کیا لیکن ابھی اسے اس سے بھی بڑی مصیبت پڑنے والی تھی۔

وہ گفٹ بیگ اٹھاتے ہوئے جلدی سے دروازہ کھول کے باہر نکلی ہی تھی کہ وہاب بھی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔جب حدیقہ نے دروازہ بند کیا تو وہاب اس کا حسین سراپا دیکھتا رہ گیا۔اسے اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔وہ بے خودی کے عالم میں اس کی طرف بڑھا تھا۔اور حدیقہ کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔آنکھوں میں خوف ہلکورے لینے لگا۔وہ دم بخود اسے اپنے پاس آتا دیکھ رہی تھی۔ایک قدم کے فاصلے پر وہ رک گیا۔اس کی وارفتہ نگاہیں اس پر جمیں تھیں۔وہ ایک لمحے سے زیادہ اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی اور اس کی پلکوں کی باڑ لڑکھڑا کر جھک گئی تھی۔گال دہک اٹھے تھے اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔وہاب اس کی حالت سے محظوظ ہوتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔دفعتاً ہوا کا جھونکا ایک سائیڈ سے آیا تھا اور حدیقہ کے ریشمی بال اڑ کے اس کے چہرے پر بکھر گئے تھے۔کتنا مکمل حسن تھا نا اس کا۔بے ساختہ وہاب نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو چہرے سے ہٹایا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔وہاب کی انگلیاں اس کے چہرے کے ساتھ مس ہوئیں اور اس کے سارے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا۔اس نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن اس کے قدم زمین پر چپک کر رہ گئے۔دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہو گئی۔

"کیسی ہو؟.....اپنا خیال تو رکھا تھا نا تم نے؟" وہ ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے بے تاب لہجے میں بولا۔ حدیقہ نے نظریں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہاب اس کے انداز پر مسکرا دیا۔

"اور مجھے مس کیا تھا؟" وہ اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب کرتے ہوئے بولا تو وہ کانپ کر رہ گئی اور ڈرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہاب پیچھے ہٹ کر ہنس پڑا۔ حالانکہ جب سے وہ گیا تھا بات بات پر اس کی یاد حدیقہ کو آ رہی تھی لیکن اب وہ بتا تو نہیں سکتی تھی نا۔

"چلیں۔ وہاں سب تمہارے منتظر ہوں گے۔" وہاب نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔ اس نے سنبھل کر خود کو کمپوز کیا۔

"تم میرے ساتھ اندر جاؤ گے؟" وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں... کیوں؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"ان کپڑوں میں؟" اس نے کپڑوں کا بہانہ بنانا چاہا کہ وہ تو یہ پوچھ رہی تھی ان کپڑوں میں وہ کیسے جا سکتا ہے۔ وہاب نے بلیک جینز پر سفید ٹی شرٹ اور بلیک جیکٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں جاگرز تھے۔ حالانکہ وہ نائٹ فنکشن تھا جس میں سب لوگ ڈنر سوٹ میں ملبوس ہوتے ہیں۔

"ان کپڑوں کو کیا ہے؟ ٹھیک تو ہیں.... تم دیکھنا وہاں پر سب لوگوں سے زیادہ میں ہی ہینڈسم لگوں گا۔" وہ اپنے کپڑوں پر ایک نظر ڈال کر بولا اور تھوڑی دیر کے لیے رکا۔

"ویسے تم نے مجھ پر غور کیا ہے کہ میں کیسا لگ رہا ہوں۔" وہ اپنے بازو پھیلا کر بولا تو حدیقہ کے لیے اب یہاں کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ نظریں چراتی ہوئی تیزی سے بھاگی۔

"آرام سے چلو یہ نہ ہو پھر پاؤں پر چوٹ لگ جائے اور مجھے پھر تمہیں اٹھا کر اندر لے کر جانا پڑے" وہاب کی بات پر اس کے چلتے ہوئے قدم رک گئے۔ دھڑکن پھر تیز ہو گئی۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے اور آنکھیں سختی سے بند کر کے وہ سخت عاجز آ گئی تھی۔ وہاب اس کے قریب پہنچا تو وہ چہرہ دوسری جانب پھیرے آہستہ سے چل پڑی

۔پارکنگ ایریا سے نکل کر انہوں نے ایک لمبا راستہ عبور کیا اور میرج ہال میں داخل ہو گئے۔جہاں کرن کی منگنی کی تقریب میں سیکڑوں لوگ آئے ہوئے تھے۔اس نے وہاں پہنچ کر شکر ادا کیا۔

سٹیج پر ابصام کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھی کرن نے دور سے ہی اسے دیکھ لیا تھا لیکن وہاب کو نہیں دیکھا تھا۔

"ابصام!...وہ دیکھیں میری دوست آگئی جس کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا تھا۔"کرن حدیقہ کی طرف اشارہ کر کے بولی تو ابصام نے چونک کر وہاں دیکھا اور ساتھ چلتے وہاب کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ارے وہ تو وہاب ہے"

"کون؟"وہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔

"وہ جو اس کے ساتھ چل رہا ہے۔کیڈٹ کالج میں ہمارے ساتھ پڑھتا تھا۔ تین سال جونیئر تھا مجھ سے"ابصام نے حدیقہ کے ساتھ چلتے ہینڈسم سے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا تو کرن حیران رہ گئی۔حدیقہ نے اس کے بارے میں کچھ اور بتایا تھا اور وہ تو اس کے بالکل الٹ تھا۔

"یہ وہاب ہے؟"وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

حدیقہ نے اسے دیکھ لیا تھا لیکن راستے میں اس کی کزنز نے اس کو گھیر لیا۔وہ مسکرا کر سب سے ملی تو وہ وہاب کے بارے میں پوچھنے لگیں۔اس نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ وہاب اس کا کزن ہے۔

"ہاں لیکن یہ تمہاری دوست کا کیا لگتا ہے؟"ابصام نے پوچھا۔

"کزن ہے اس کا۔لیکن یہ تو اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔اور یہاں حدیقہ کے ساتھ۔بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی۔"

"ابھی تو شروعات ہے۔آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔"وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"آپ کا مطلب یہ دونوں.....؟اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ابصام نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"امپاسبل.... حدیقہ کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے اور دوسرا یہ لڑکی بہت ہی شرمیلی ہے۔ لو سٹوری کے شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہونے کے چانسز زیادہ ہیں۔"

"شرط لگالو"

"لگ گئی شرط۔ اگر میں ہاری تو میں آپ کو گفٹ دوں گی اور اگر آپ ہارے تو آپ کو گفٹ دینا پڑے گا۔"

"منظور ہے لیکن گفٹ جیتنے والے کی پسند کا ہو گا۔"

"اوکے دیکھ لیتے ہیں پھر۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔ حدیقہ اور وہاب سٹیج کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہاب نے اسے سٹیج پر چڑھنے لے سہارا دینا چاہا اور ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ نظر انداز کر کے خود ہی اوپر چڑھ گئی۔ کرن نے جتاتی نظروں سے ابصام کو دیکھا۔ ان کے قریب آتے ہی وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حدیقہ کرن کے گلے لگ کے ملی جبکہ وہاب حیرت سے ابصام کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پہچانا۔ میں تمہارا سینیر ابصام آصف" وہ بازو پھلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں یار تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں" وہ اس کے گلے لگتے ہوئے بولا۔

"حدیقہ یہ وہاب ہے نا۔" کرن اس سے الگ ہوتے ہوئے پوچھنے لگی تو اس نے نظریں چرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن تو یہاں کیسے؟" ابصام نے وہاب سے پوچھا۔

"کسی کے ڈرائیور کی حیثیت سے یہاں ہوں" وہاب حدیقہ کی طرف دیکھ کر بولا تو ابصام مسکرا دیا۔

"یار.... یہ وہاب ہے جس کی تم اتنی برائیاں کرتی تھی۔" کرن وہاب کی طرف دیکھ کر بولی۔

"آہستہ بولو سن لے گا" حدیقہ نے اس کی کمر پر دھپ رسید کیا۔

"اچھا تو پھر مجھے حدیقہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے..... کیوں؟" وہ وہاب سے بولا اور حدیقہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"اسلام علیکم۔لٹل سسٹر میرا نام ابصام آصف ہے۔ کرن نے تعارف تو کروا ہی دیا ہو گا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ آپ کی وجہ سے دو بچھڑے دوستوں کی اچانک ملاقات ہو گئی۔ یہ وہاب میرے ساتھ کیڈٹ کالج میں پڑھتا تھا۔ تین سال مجھ سے جونیئر تھا لیکن میری اور اس کی دوستی بہت اچھی تھی۔ بہت ہی اچھا سٹوڈینٹ تھا۔سب کی بہت عزت کرتا تھا اس لیے مجھے یہ بہت پسند تھا۔ جب میں وہاں سے جانے لگا تھا تو بہت اداس ہوا تھا کہ پھر کبھی شاید میری اس کے ساتھ ملاقات نہ ہو لیکن آج یوں اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔ تھینکس یو سو مچ۔" ابصام مسکرا کر بول رہا تھا اور حدیقہ حیرانی سے سب سن رہی تھی۔ وہاب اسے جتاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ یہاں اب بن بلایا مہمان نہیں رہا۔

"حدیقہ سے آپ کے بارے میں بہت سنا تھا۔ آج مل کر خوشی ہوئی۔" کرن نے وہاب سے کہا تو اس نے حیرانی سے حدیقہ کو دیکھا اور وہ آنکھیں بند کر کے ہلکا سا رخ پھیر گئی۔

"اچھا واقعی...." وہ کرن سے بولا۔

"ہاں جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔" کرن بولی۔

"اس کا مطلب میری کافی برائیاں ہوتی رہی ہیں۔" وہ حدیقہ پر نظریں جمائے بولا۔

"نہیں یہ تو آپ کی بہت تعریفیں کرتی تھی۔" کرن بولی۔

"جھوٹی میں کب تعریفیں کرتی تھی۔" وہ یکدم چونکی اور گڑبڑا کر بولی۔ اسے کرن کے جھوٹ پر بہت غصہ آیا تھا۔اس کی بات پر وہاب اور ابصام کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔ وہ غصے سے کرن کو گھورنے لگی۔

"نہیں......ویسے یہ تعریف کے قابل تو ہے۔ وہاں ہینڈسم لڑکوں میں یہ سب سے پہلے نمبر پر تھا۔اب تو کچھ زیادہ ہی گڈلوکنگ ہو گیا ہے۔" ابصام وہاب کی طرف دیکھ کر بولا۔ حدیقہ شرم سے پانی پانی ہوئے جا رہی تھی۔ وہاب اس کے بارے میں کیا سوچتا ہو گا۔

"وہاب تم یہاں پر میرے ساتھ بیٹھو۔ اتنے عرصے بعد ملیں ہیں دو چار باتیں ہی کر لیں۔ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔ اپنا کانٹیکٹ نمبر مجھے ضرور دینا۔" وہ وہاب کو اپنے ساتھ والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولا۔ کرن نے حدیقہ کے بازو کو پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی بکواس کرنے کی۔ کیا سوچتا ہو گا وہ میرے بارے میں۔" حدیقہ غصے سے دبی دبی غرائی۔

"تم ڈر رہی ہو اس سے؟" کرن نے حیرانی سے پوچھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"یار ایک بات سچی کہوں..... وہاب تو ابصام سے بھی زیادہ ہینڈ سم ہے۔ اور مجھے یقین نہیں آ رہا تم اسے اتنا ناپسند کرتی تھی۔ ڈیٹس ناٹ فیئر یار۔"

"چپ کرو مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی۔ میری ناک کٹوادی تم نے۔ میں جا رہی ہوں عبیرہ لوگوں کے پاس۔" وہ اس کی کزن کا نام لیتے ہوئے بولی۔ اور اٹھ کر جانے لگی۔ کرن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"یار غلطی ہو گئی معاف کر دو۔ اب ایسا نہیں کروں گی۔ یہاں بیٹھو وہ لوگ ادھر ہی آ رہی ہیں۔ جلدی سے اپنا موڈ ٹھیک کرو۔" کرن نے اس کی منت کی تو وہ چپ چاپ بیٹھی گئی۔ اس کی ساری کزنز وہاں آ کر اس سے باتیں کرنے لگ گئیں۔ وہ ہو ہاں میں ان کی باتوں کا جواب دینے لیکن دماغی طور پر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ خود کو ابھی تک پارکنگ ایریا میں گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے محسوس کر رہی تھی اور وہاب اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے حدیقہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟۔۔۔ چپ چپ سی لگ رہی ہو۔" کرن نے اسے یوں دیکھ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔ وہ اپنے دماغ سے سارے خیالوں کو جھٹک کر لڑکیوں کی باتوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کچھ دیر یوں ہی ہنگامہ ہوتا رہا۔ کرن نے اسے اپنے خاندان کی ساری عورتوں سے ملوایا اور سب نے اس خوبصورت اور معصوم سی گڑیا کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ ادھر ابصام اور وہاب کی باتیں ہی ختم

نہیں ہو رہیں تھیں۔ نئے مہمان آکر ابصام سے مل کر چلے جاتے اور وہ پھر پرانے قصے چھیڑ دیتا۔ پھر انگوٹھی پہنانے کی رسم کی گئی۔ انگلش گانا چل رہا تھا اور ان پر پھول برسائے جا رہے تھے۔ کرن کی طرف اس کی ماما کھڑی تھیں اور ابصام کی طرف اس کی ماما۔ باقی سب سٹیج سے نیچے تھے۔ ان کے رنگ پہنانے پر ہر طرف شور اٹھا۔ لوگ تالیاں اور سیٹیاں بجا کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک طرف ہے کر کھڑی حدیقہ نے بھی خوش ہوتے ہوئے تالیاں بجائیں۔ وہاب دلچسپی سے اسے خوش ہوتے دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ نے نظروں کی تپش محسوس کر کے سامنے دیکھا تو اس کے ہاتھ رک گئے۔ شرمندہ سی ہو کر وہ رخ پھیر گئی تھی اور وہاب مسکرا دیا تھا۔

پھر نوجوان لڑکے لڑکیوں نے شور مچا کر کرن اور ابصام کو ڈانس کرنے پر مجبور کر دیا۔ سارے ہال کی بتیاں بجھا دی گئیں اور سٹیج پر کھڑے کرن اور ابصام پر سپاٹ لائٹ سے روشنی کی گئی۔ عاطف اسلم کا گانا 'تیرے سنگ یارا' اونچی آواز میں لگا دیا گیا۔ اور وہ گانے کے ساتھ ڈانس کرنے لگے۔ ویٹرز مختلف قسم کے مشروبات کے گلاس ٹرے میں سجائے لوگوں کے درمیان پھر رہے تھے۔ حدیقہ اس وقت ایک سائیڈ پر کھڑی تھی جب ویٹر اس کے قریب آیا۔ اس نے مینگو جوس اٹھالیا تو ویٹر آگے بڑھ گیا۔ وہ جوس ہاتھ میں پکڑے پلٹی تھی کہ پیچھے کھڑے وہاب سے ٹکرا گئی۔ جوس کا گلاس اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں اچھلا اور اس کے ساتھ ہی وہ نیچے گرنے کو تھی کہ وہاب نے اس کی کمر کے پیچھے بازو کر کے اسے گرنے سے بچالیا۔ وہ اس کی شرٹ کو مٹھی میں دبوچے آنکھیں میچ گئی۔ گلاس سے سارا جوس نکل کر اس پر جھکے وہاب کی کمر پر گر پڑا۔ اور گرتا ہوا گلاس زمین سے جب ایک فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا وہاب نے تھوڑا سا جھک کر دوسرے ہاتھ سے اس کیچ کر لیا اگر شیشے کا گلاس نیچے گر جاتا تو چھناکے کی آواز سے سب کی توجہ اب تک ان دونوں پر ہو چکی ہوتی۔ حدیقہ اس کے بازو میں پڑی پتھرائی ہوئی سے اسے خود پر جھکا دیکھ رہی تھی۔ وہاب کے ہونٹ اس کے کان کے بالکل پاس تھے۔

"تم نے پھر اپنا وعدہ توڑ دیا.... حدی" وہ دلکش آواز میں اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتا ہوا مسکرایا تھا اور پھر آہستہ سے سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تک ساکت سی اسی حالت میں اس کی شرٹ پکڑے ہوئے تھے۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی اور تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ وہاب اس کے کانپتے لبوں کو دیکھ کر مسکرا اٹھا تو وہ ہوش میں آئی۔ یکدم اس کے بازو سے اٹھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ اور اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے رخ پھیر کر اپنی منتشر دھڑکنوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ شرم سے اس کے گال بلش کر اٹھے۔

"تم نے کہا تھا اب مجھے تنگ نہیں کرو گی لیکن پھر مجھ پر جوس گرا دیا۔" وہاب اس کو اس کیفیت سے نکالنے کے لیے مصنوعی خفگی سے بولا۔

"مم..... میں.... میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا" وہ بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں کیسے مان لوں کہ تم نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔" وہ ابرو اچکا کر بولا۔

"سچ میں مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم پیچھے ہو۔..... میرا یقین کرو....." وہ وضاحت دینے لگی۔

"لیکن میری شرٹ تو خراب ہو گئی نا۔"

"سوری" وہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"سوری سے تو کام نہیں چلے گا نا۔ یاد ہے ایک دفعہ میں نے تم سے سوری کہا تھا اور تم نے بدلہ لے کر مجھے معاف کیا تھا۔" وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ مسکرا دیا۔

"گھر جا کر تم نے شرٹ دھو کر دینی ہے مجھے۔" وہ اسے حکم دیتے ہوئے بولا۔

"پر مجھے تو آتا ہی نہیں۔" وہ معصوم سا منہ بنا کر بولی تا کہ وہ ترس کھا کر اسے چھوڑ دے۔ وہاب دو قدم بڑھ کر اس کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی گرم گرم سانسیں حدیقہ کے چہرے پر پڑنے لگیں اور وہ ڈرتے ہوئے آنکھیں بند کر گئی۔

"کیا کہا؟" وہاب نے رعب سے پوچھا۔

"مم..... مجھے آتا ہے۔ میں شرٹ واش کر دوں گی۔"

"گھر جا کے مکر تو نہیں جاؤ گی۔" وہاب نے پوچھا تو اس نے زور سے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے بچوں کے سے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے ایک ویٹر قریب آتا دکھائی دیا تو وہ اس کی طرف بڑھا اور ہاتھ میں پکڑا خالی گلاس اس کی ٹرے میں رکھ دیا۔

"گھر کب چلنا ہے؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"آٹھ بجے" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"ابھی تو ایک گھنٹہ ہے۔" گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر کچھ یاد آنے پر بولا "کھڑے ہونے سے پاؤں میں درد تو نہیں ہو رہا؟" حدیقہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ آدھے گھنٹے سے کھڑی تھی اور اس کے پاؤں میں درد شروع ہو چکا تھا۔ وہاب اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا نرم و ملائم ہاتھ وہاب کے دل کے تار چھیڑ گیا تھا۔ اور وہ بھی دھڑکنوں کے شور کو دباتی اس کے پیچھے چلنے لگی۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔" وہاب نے اسے ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"جوس پیو گی؟" وہ اس کے قریب ہی کھڑا ہو گیا اور بولا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"لیکن تم تو ابھی پینے والی تھی نا؟" وہاب نے اسے یاد دلایا۔ وہ کوئی جواب دیے بنا خاموشی سے زمین کو گھورتی رہی۔ وہاب سمجھ گیا تھا کہ وہ ابھی نروس ہے اسی لیے کچھ بول بھی نہیں پا رہی۔ اسی لیے خود ہی جوس لے آیا اور اس کی طرف بڑھا دیا تو حدیقہ نے خاموشی سے پکڑ کر لبوں سے لگا لیا۔ اس کے دل کو ڈری ہوئی حدیقہ بہت بھائی تھی جو اس کا ہر کہنا مان رہی تھی۔ جب وہ اس کی آنکھوں کو حیا سے جھکتے دیکھتا، اس کے لبوں کو خوف سے کانپتے دیکھتا، اس کے چہرے کی سرخیوں کو بڑھتے دیکھتا، بے چینی میں لب کچلتے اور انگلیاں چٹخاتے دیکھتا تو تب اسے

اس پر اپنی ملکیت کا احساس ہوتا۔ اسے یہ یقین آتا کہ وہ اس کے لیے ہی بنی ہے اور اس کی دھڑکنوں میں صرف اسی کا نام ہے۔

---------------------------------

رینم کو ہوش آیا تو آنکھیں کھولتے ہوئے سارے جسم میں درد محسوس ہوا تھا۔ کمر پر زخموں کی وجہ سے وہ اس وقت دائیں کروٹ پر پڑی تھی۔ عانیہ اور حریم صبح سے اس کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھیں اور اب اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر شکر کیا تھا۔

"رینم .... تم ٹھیک ہو؟" عانیہ نے کہا تو وہ بمشکل آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھ پائی تھی۔ بے آواز آنسوؤں کی لڑیاں اس کے چہرے پر بہنے لگیں تو عانیہ نے ہاتھ بڑھا کر انہیں صاف کیا۔

"میں پھر بچ گئی؟" وہ عجیب لہجے میں بولی۔

"ہاں رینم تم زندہ ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو" حریم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ رینم نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"تمہیں سانس لینے میں تکلیف تو نہیں ہو رہی نا۔" عانیہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں..... میرا تو سارا جسم دکھ رہا ہے۔" وہ نقاہت آمیز لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہو جائے گا.... بس تم ہمت مت ہارنا۔ ... یہ لو پانی پیو" عانیہ نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا اٹھایا اور پانی کا گلاس اس کے لبوں کو لگا دیا۔ بمشکل دو گھونٹ پانی کے حلق سے اتارے تو اسے اپنے جسم میں تازگی محسوس ہوئی۔

"کیا وقت ہو گیا ہے؟" رینم نے پوچھا۔

"شام کے سات بج چکے ہیں۔ اور تم صبح کے دس بجے سے بے ہوش ہو۔" حریم نے کہا۔

"مجھے لگا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔......اس وقت بہت درد ہو رہا تھا.....تو کیا وہ موت کا درد نہیں تھا.........اگر وہ نہیں تھا تو پھر کیسا ہوتا ہو گا وہ درد.....میں جاننا چاہتی ہوں......وہ آخری درد ہو گا جو میں سہوں گی پھر میرے جسم کو سکون مل جائے گا۔........شاید اسی لیے تو میں مرنا چاہتی ہوں" ریم کے الفاظ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے اور اس کی عجیب سی باتوں پر وہ دونوں پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"ریم ایسے تو مت کہو۔ میرا تو دل ڈوبا جا رہا ہے تمہاری باتوں سے۔" حریم روہانسی ہو کر بولی تو وہ آنکھیں بند کر کے اداسی سے مسکرادی۔

"ریم مایوس مت ہو۔ دیکھو.....ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔....ہمیں چھوڑ کر جانے کا سوچنا بھی مت" عانیہ نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔ ریم کی حالت اس وقت بہت بری ہو رہی تھی وہ لحظہ بہ لحظہ موت کی طرف جا رہی تھی۔ وہ ٹوٹ رہی تھی اور جینے کی امید کھو رہی تھی۔ عانیہ اس میں موت سے لڑنے کی ہمت پیدا کرنا چاہ رہی تھی۔ اس کی بات پر ریم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میری ضرورت؟....میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔"

"تم کر سکتی ہو.....صرف جینے کی خواہش۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ سانس کی ڈوری کو مت ٹوٹنے دینا ورنہ میں بھی ہمت ہار جاؤں گی۔" عانیہ نے زور دے کر کہا۔

"شاید اب یہ میرے بس میں نہیں رہا۔"

"ہمارے لیے نہ سہی اپنے باپ اور بھائی کے لیے تو زندگی جینے کی کوشش کرو یار۔ کیا تم ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" عانیہ نے اسے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ریم.....عانی آپی نے خان حویلی بات کرنے کا بندوبست کر لیا ہے۔" حریم نے اسے یقین دلایا۔

"کرنا چاہتی ہو بات؟" عانیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"تو پھر جلدی وارم اپ ہو جاؤ۔ اور مایوسی چھوڑ دو۔ حریم اس کے لیے کھانا لاؤ۔ بات کرنے کے لیے بھی انرجی چاہیے ہوتی ہے۔" عانیہ نے مسکرا کر کہا اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

"پتہ نہیں وہ لوگ کیا کہیں گے۔ شاید میرے وجود سے ہی انکار کر دیں۔"

"اچھا سوچو یار۔ وہ لوگ جیسے بھی ری ایکٹ کریں تم ان سے ایک دفعہ بات تو کر سکو گی نا۔"

"ہمم۔"

"اور تم جانتی ہو ہم نے آج ہی یہاں بھاگنے کا پلان بنالیا ہے۔ اگر تم ہمارا ساتھ دو تو ہم یہاں سے جاسکتے ہیں۔"

"میں نے کیا ساتھ دینا ہے۔ الٹا بوجھ ہی بنوں گی تم لوگوں پر۔"

"دوستی بوجھ نہیں ہوتی۔ یہ خوشی دیتی ہے۔ اگر تم محفوظ ہو گی تو میں خوش رہوں گی۔" عانیہ نے مسکرا کر کہا۔ اسی اثناء میں حریم کھانا لیے اندر داخل ہوئی۔

"چلو شاباش اٹھو.... میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی ہوں۔" عانیہ نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ ہلنے کی وجہ سے اس کے زخموں میں درد ہوا تو وہ ہلکا سا کراہ اٹھی۔

"آرام سے" حریم بے اختیار بولی۔

عانیہ اسے کھانا کھلانے لگی۔ کھانے کے بعد عانیہ نے الماری سے فون اور نمبر نکالا اور اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"پہلے تم بات کر لو نا۔ پلیز" رینم نے منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ ڈرامائی انداز میں نمبر ملاتے ہوئے بولی

"اچھا ٹھیک ہے..... اب میں نمبر ملا رہی ہوں۔..... یہ مل گیا۔..... اب بیل جا رہی ہے۔...

ایک... دو.... تین.... ہیلو...." رینم کا دل تیزی سے دھڑکا۔ وہ دم بخود عانیہ کو دیکھ رہی تھی۔

"جی کون؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ کسی بوڑھے شخص کی آواز لگتی تھی۔

"کیا یہ خان حویلی ہے؟" عانیہ رینم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"جی لیکن آپ کون بات کر رہی ہیں؟"

"مجھے بڑے خان سے بات کرنی ہے۔میں ان کی دور کی رشتہ دار ہوں۔"

"بڑے خان؟"حیرانی سے پوچھا گیا۔

"جی۔"

"آپ کو نہیں پتہ ان کے انتقال کو تو چھ سال ہو گئے ہیں۔البتہ چھوٹے خان صاحب سے بات ہو سکتی ہے۔"بوڑھے شخص نے بتایا تو عانیہ ایک لمحے کے لیے چپ سی ہو گئی۔رینم بھی سن چکی تھی اور وہ ایک دم سے بجھ گئی تھی۔آنسوؤں کی لڑیاں اس کے گالوں پر بہنے لگیں تھیں۔کیا تقدیر ابھی بھی اس سے امتحان لینا چاہتی ہے۔وہ ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی۔حریم نے اسے تسلی دی تھی۔

"ان کا ایک بیٹا بھی تھا"عانیہ نے کہا۔

"ان کے تو تین بیٹے ہیں۔پہلی شادی میں سے دو اور دوسری شادی میں سے ایک ہیں۔"

"جی وہی ان کی دوسری بیوی گل رعنا کا بیٹا۔"عانیہ بولی۔رینم پھر سے پر جوش ہو کر سننے لگی تھی۔

"وہ تو بچپن سے ہی اسلام آباد میں ہوتا ہے۔"اس کی بات پر عانیہ کو یاد آیا کہ انس نے جب اس سے پوچھا تھا کہ وہ بڑے خان کا بیٹا ہے جو اسلام آباد میں ہوتا ہے اس سے تمہاری شادی ہوئی ہے تو اس نے بغیر سوچے سمجھے ہاں کہہ دیا تھا۔تو انس اس کی بات کر رہا تھا۔اسے اب سمجھ آئی تھی۔اس نے انس کے سامنے رینم کے سگے بھائی کی بیوی ہونے کا ناٹک کیا تھا۔ایک لمحے کے لیے اسے شرمندگی نے گھیر لیا لیکن اس وقت انس کو بھی تو مزا چکھانا تھا نا۔

"تو کیا آپ کے پاس ان کا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے کیا۔"

"ان کا تو نہیں لیکن ان کا ایک ملازم ہے جس سے رابطہ ہو سکتا ہے۔ دراصل وہ بچپن سے ہی اسلام آباد میں رہے ہیں۔ باپ کے مرنے سے پہلے ایک بار آئے تھے اور پھر کبھی نہیں آئے۔ ان کا ملازم بھی انہی کے ساتھ شہر چلا گیا تھا۔"

"تو آپ مجھے اس کا نمبر دے دیں۔"

"اچھا ایک منٹ مجھے دیکھ لینے دیں۔" بوڑھا شخص بولا۔

"اوکے"

ریثم نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا ہے۔ عانیہ نے اسے تسلی دی۔ اور اشارے سے پنسل مانگی۔

"جی نمبر نوٹ کر لیں....." عانیہ نے جلدی سے نمبر اپنے ہاتھ پر لکھا۔

"اچھا ان کا نام...." ابھی وہ پوچھنے ہی والی تھی کہ کال کٹ گئی۔ عانیہ نے تعجب سے موبائل کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"بھائی کا کچھ پتہ چلا؟" وہ آنسو پوچھتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ تم اپنے بابا کی ڈیتھ سے دکھی ہو۔ اور تمہارا دکھ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ لیکن دیکھو میں نے بھی تو خود کو سنبھال لیا ہے۔ تمہیں بھی سنبھلنا ہو گا۔ کیا تم اپنے بھائی سے بات نہیں کرنا چاہتی؟"

"ہاں پلیز مجھے ان سے جلدی بات کروادو" ریثم بے تابی سے بولی۔ اس کے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ تھی۔

"اچھا اچھا کروا رہی ہوں اتنی بے صبری کیوں ہو رہی ہو۔" عانیہ اس کا دھیان بٹانے کو ذرا شوخ لہجے میں بولی اور دیے گئے نمبر پر کال ملاتے ہوئے بولی۔

"ہیلو کون" دوسری طرف سے مردانہ آواز ابھری۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"آپ نے میرا نام پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔" غصے سے پوچھا گیا۔

"نہیں آپ سے بات کرنی تھی تو مخاطب کرنے کے لیے پوچھ رہی تھی۔"

"مجھ سے ایسی کونسی ضروری بات کرنی ہے؟"

"دراصل جو آپ کے باس یا صاحب جو بھی ہیں ان سے بات کرنی ہے۔ بڑے خان کے بیٹے سے۔" اسے سمجھانے میں مشکل ہو رہی تھی۔ اگر اس کے صاحب جی کا نام پوچھتی تو وہ آگ بگولہ ہو کر کہیں فون ہی بند نہ کر دے۔

"آپ ہیں کون اور ان سے کیا بات کرنی ہے۔" چونک کر پوچھا۔

"دراصل بہت عرصے سے ان کی بہن ان کا انتظار کر رہی ہے۔ آپ ان سے کہیے کہ کچھ دیر کے لیے اپنی بہن کی بات سن لیں۔"

"بہن؟.... کہیں آپ ماورہ بی بی تو نہیں؟" حیرت سے پوچھا گیا۔

"ہاں آپ ان سے بات کروا دیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پہلے تو کبھی فون نہیں کیا۔ اب بھائی کی یاد کیسے آ گئی۔" وہ حیرت سے بڑبڑایا۔ اور پھر بولا

"کرواتا ہوں بات۔ ہولڈ کریں۔"

عانیہ نے فون ریئم کی طرف بڑھا دیا۔

"اب تم بات کرو تمہارا بھائی ہے دوسری طرف۔ اسے مجھ سے زیادہ تم اچھے طریقے سے بتا سکو گی کہ تم کون ہو۔" وہ زور دے کر بولی ریئم نے کانپتے ہاتھ کے ساتھ فون پکڑ لیا۔

"کم آن تم کر سکتی ہو۔ اسے یقین دلاؤ کہ تم اس کی بہن ہو" وہ ہلکی آواز میں اس کی ہمت بندھا رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔ جی کون؟" فون میں دلکش اور گھمبیر مردانہ آواز ابھری تو ریئم کے رگ و پے میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے بولنا چاہا لیکن آواز گلے میں اٹک گئی۔

"بھائی" بمشکل وہ بول پائی۔

"کون؟" حیرت بھری آواز آئی۔

"رینم .... آپ کی بہن۔ گل رعنا کی بیٹی" وہ روتے ہوئے بولی۔

"رینم تم..... تم تو ماں کے ساتھ مر گئی تھی؟" اس لڑکے کے ذہن میں بچپن کی ایک بھولی بسری یاد تازہ ہوئی تھی جس میں اس نے ایک چھوٹی سی لڑکی اپنی ماں کی گود میں دیکھی تھی۔ اس نے ماں سے پوچھا تھا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے بتایا تھا یہ تمہاری بہن ہے رینم۔ لیکن جب وہ اپنی بہن کا عادی ہو گیا تو اس کی ماں رینم کو لے کر ان سے دور چلی گئی۔ بعد میں بڑے ہو کر اسے یہ بات سمجھ آئی تھی کہ اس کی ماں کو طلاق ہوئی تھی اور وہ رینم کو لے کر چلی گئی تھی اور جب اس نے اپنے باپ سے ان کے بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ان دونوں کی موت طلاق کے کچھ ہی عرصے بعد ہو گئی تھی۔ سردار حویلی والوں نے جھوٹ بول دیا تھا کہ رینم بھی مر گئی ہے۔ اور اب ایک دم رینم کا یوں سامنے آ جانا اس کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث بنا تھا۔

"مری نہیں تھی بلکہ پل پل مر رہی ہوں بھائی۔" اس کی بات سن کر ٹھٹکا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"ان لوگوں نے میرے ساتھ بہت کیا ہے بھائی۔ مجھے بچا لیں۔ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیا؟..... کون لوگ؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟ کہاں ہو تم؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اس کے یوں کہنے پر وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

"سردار حویلی کے لوگ۔ یہ مجھے بہت مارتے ہیں۔ کھانا بھی نہیں دیتے۔ مجھ پر کتے چھوڑ دیتے ہیں۔ پلیز مجھے بچا لیں۔ میں مر جاؤں گی۔"

"رینم .....رینم میری بات سنو۔ رونا بند کرو اور یہ بتاؤ تم ہو کہاں اس وقت ایڈریس بتاؤ مجھے۔ میں تمہیں وہاں سے لے جاؤں گا۔ اب تمہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔"

"سچ میں بھائی آپ مجھے یہاں سے لے جائیں گے ؟" وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں تم ایڈریس بتاؤ۔" اس لڑکے نے کہا تو رینم نے ایڈریس بتا دیا جو عانیہ اسے کچھ دیر پہلے ہی رٹوا چکی تھی۔ جو سردار حویلی کا ایڈریس نہیں تھا بلکہ مین سڑک کے ساتھ لگے اس گھر کا تھا جہاں حریم نے رینم کو لے کر جانا تھا۔ کیونکہ عانیہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بھائی رینم کی حالت دیکھ کر طیش میں آجائے اور کوئی لڑائی ہو جائے۔ اس کا پلان بھی خراب ہوتا اور رینم اور اس کے بھائی کہ جان الگ خطرے میں آجاتی۔

"اس گھر کے جنوبی حصے میں آجائیے گا میں آپ کو یہیں ملوں گی۔"

"ہاں میں نے گوگل میپ سے دیکھ لی ہے جگہ۔ ٹھیک دو گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا یہاں۔ تم اس جگہ خیریت سے پہنچ تو جاؤ گی نا۔ اگر کہو تو گھر کے اندر سے بھی تمہیں لے کر جا سکتا ہوں۔"

"نہیں آپ وہیں رکیے گا۔ میری مدد کرنے کے لیے کوئی ہے۔ اور مجھے یقین ہے میں آپ تک پہنچ جاؤں گی۔"

"اوکے احتیاط کرنا۔ ایک دفعہ میں تمہیں وہاں سے صحیح سلامت نکال لو پھر میں پوچھتا ہوں ان لوگوں کو۔ تمہارے ایک ایک آنسو کا بدلہ لوں گا۔" وہ سختی سے کہتا فون بند کر گیا۔

"ہ...ہیلو.....میری بات تو سنیں...."

"کیا ہوا؟" عانیہ نے اس سے پوچھا۔ وہ یکدم عانیہ کی گردن میں بازو حمائل کرتے اس کے گلے لگ گئی۔

"میرا بھائی مجھے لینے آرہا ہے.... عانیہ۔ میں اس قید سے آزاد ہونے جا رہی ہوں۔ پتہ ہے وہ میرے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے تمہارے ایک ایک آنسو کا بدلہ لوں گا۔ میں آج بہت خوش ہوں......بہت زیادہ خوش۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہارا یقین جیت گیا عانیہ۔ خدا نے میری قسمت بدل دی۔ میں اب

زندگی کے لیے لڑوں گی۔ موت کی تمنا بھی نہیں کروں گی" وہ خوشی سے سرشار کہہ رہی تھی اور عانیہ اس کے خوش ہونے پر مسکرا رہی تھی۔

"ٹائم کیا بتایا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"دو گھنٹے تک پہنچنے کا کہا ہے۔" وہ عانیہ سے الگ ہوتے ہوئے بتانے لگی۔

"یعنی کہ ساڑھے نو بجے کا کہا ہے۔"

"رینم تم نے اپنے بھائی سے نام ہی نہیں پوچھا" حریم نے کہا تو وہ چونکی۔

"اف میں ان کا نام پوچھنا ہی بھول گئی۔ کتنی پاگل ہوں نا میں بھی۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"چلو کوئی بات نہیں بعد میں پوچھ لینا ابھی میری بات غور سے سنو" عانیہ کہہ کر اسے پلان سمجھانے لگی جسے سن کر وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"تم بھی ہمارے ساتھ جاؤ گی۔ میں تمہیں مصیبت میں ڈال کر خود کیسے جا سکتی ہوں۔"

"یار پلیز میری بات مانو۔ اگر ہم تینوں اکٹھے جائیں گے تو پکڑے جائیں گے۔ میں مین گیٹ سے جاؤں گی تو تم دونوں کے لیے راستہ صاف ہو گا۔ اور یقین کرو میں تم تک پہنچ جاؤں گی۔" عانیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ رینم شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔ حالت تو حریم کی بھی یہی تھی لیکن عانیہ نے یہ کہہ دیا تھا تو وہ اس نے کر کے رہنا تھا۔

"چلو رینم اٹھ کر چلنے کی کوشش کرو۔ تمہیں وہاں تک پہنچنے کے لیے بہت چلنا پڑے گا۔ اور آزادی تو جدوجہد کرنے سے ہی ملتی ہے۔" عانیہ نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکھڑا کر اس کے ساتھ اٹھی اور آہستہ آہستہ کمرے میں چلنے لگی۔ پہلے پانچ منٹ اس کے جسم میں بہت درد ہوا لیکن وہ برداشت کرتی رہی اور چلتی رہی۔ یہاں تک کہ ہر درد ختم ہو گیا۔ آزادی کا احساس اس درد پر غالب آ گیا۔

---------------------------

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ یہ وہاب تمہارے ساتھ کیسے آ گیا۔ یہ تو تمہارا ازلی دشمن نہیں تھا؟" کرن نے کمر پر ہاتھ رکھ کر مشکوک لہجے میں پوچھا۔ وہ کب سے دوسری لڑکیوں کے ہٹنے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ اس سے یہ سوال پوچھے۔ بالآخر جب آخری لڑکی بھی چلی گئی تو وہ اس کی طرف مڑی تھی۔

"یار مجھے خود نہیں پتہ کیسے آ گیا۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"مطلب؟"

"میں نے سمجھا تھا کہ گاڑی ڈرائیور انکل چلا رہے ہیں۔ میں پیچھے بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگ گئی لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ انکل جواب کیوں نہیں دے رہے اور جب میں نے غور کیا تو وہ وہاب تھا۔ اس نے میری ساری باتیں سن لیں۔"

"کیا؟..... یہ کس فلم کی سٹوری سنا رہی ہو؟" کرن نے ہنستے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔

"سچ میں یار میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اسے وہاں دیکھ کر۔ میں نے اسے گاڑی روکنے کا کہا۔ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگانے کی بھی دھمکی دی اور آخر میں منت بھی کی کہ اگر ماما کو پتہ چل گیا تو کیا ہو گا۔ تو اس نے سکون سے جواب دیا کہ تمہاری ماما کو پتہ ہے تم میرے ساتھ ہو۔"

"کیا؟..... مطلب آنٹی نے خود وہاب کو تمہارے ساتھ بھیجا تھا۔" وہ حیرت سے پوچھا تو حدیقہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر میری ایک بات لکھ کر رکھ لو آنٹی وہاب کو مستقبل میں اپنا داماد بنانے کا سوچ رہیں ہے۔ کوئی ایسے ہی تو نہیں نا اپنی بیٹی کو کسی اجنبی کے ساتھ بھیج دیتا۔" کرن نے وثوق سے کہا تو حدیقہ کے چہرے کے رنگ بدلے۔

"اب تم مجھے ڈراؤ تو مت۔.... ایسا کچھ نہیں ہے" خوفزدہ چہرے پر سرخی کے آثار بھی نمایاں تھے۔

"ارے تم وہی ہو نہ جو اس کو گھر سے باہر نکالنے کے لیے اسے تنگ کرتی تھی اور اب تم اس سے ڈر رہی ہو۔ چکر کیا ہے آخر"

"یار کیوں میرا دماغ کھا رہی ہو۔ کوئی چکر نہیں ہے۔ دراصل مجھے ماما کی ڈانٹ سے ڈر لگتا ہے۔"

"اچھا ویسے اگر سوچو تو وہاب تمہارا بچپن کا منگیتر نکل آئے اور تمہیں ایک دم سے یہ پتہ چلے تو پھر تمہارا ری ایکشن کیا ہو گا۔" حدیقہ کا دل تو کانپ کر رہ گیا۔

"خودکشی کر لوں گی" وہ جل کر بولی۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔" کرن ہنستے ہوئے بولی۔ حدیقہ اس کی باتوں سے اکتا کر سختی سے آنکھیں بھینچ گئی۔

"چلنا نہیں ٹائم ہو گیا ہے۔" وہاب کی آواز پر اس کی بند آنکھیں یکدم کھلیں اور دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے وہاب کو دیکھنے لگی۔ کرن دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

" چلیں" وہاب نے اس کا جواب نہ پا کر دوبارہ پوچھا۔ وہ آنکھیں جھکا کر اثبات میں سر ہلا گئی۔ کرن کے سامنے وہاب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا۔

"بیسٹ آف لک۔" کرن حدیقہ گلے لگ کر کہا۔

"وہاب بھائی میری دوست کا دل نازک سی چڑیا جتنا ہے۔ راستے میں اسے ڈرایئے گا مت۔" کرن بے تکلفی سے بولی تو حدیقہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ وہاب اس کی بات پر ہنس پڑا۔

"میری اتنی مجال کہاں جو میں اسے ڈراؤں۔" وہ حدیقہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ کرن بھی ہنس پڑی۔ وہ دونوں اسے منگنی کی مبارکباد دے کر باہر نکل آئے۔ ابھی تک دوسرے مہمان نہیں نکلے تھے تو اندھیرے میں خاموشی سی چھائی ہوئی تھی۔ حدیقہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ ہوا کی وجہ سے اس کی فراک پھڑ پھڑا رہی تھی اور پاؤں میں درد کی وجہ سے اسے چلنے میں بھی مسلہ ہو رہا تھا۔ وہاب نے یہ بات محسوس کر کے اس کی طرف ہاتھ بڑھا

دیا لیکن وہ تو ایسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی جیسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ مسکرا کر اس کے قریب آیا اور خود ہی ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔ اس میں تو ہاتھ چھڑانے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔ بس آنکھیں سختی سے بند کیے اور سر جھکائے وہ اس کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر وہاب نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھا دیا۔ اور خود دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"تھینکس" وہاب گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولی تو اس نے حیرانی سے وہاب کو دیکھا۔

"ک... کس لیے" ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سی باتوں کے لیے۔ اپنی دوست کے سامنے میری تعریف کرنے کے لیے.... ایک پرانے دوست سے ملانے کے لیے اور...." وہ گاڑی کو ارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے بولا اور کچھ دیر کے رکا۔ حدیقہ تجسس سے اس کے مزید بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"اور مجھ پر بھروسہ کرنے کے" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ حدیقہ کا دل زور سے دھڑکا اور وہ نظریں پھیر گئی۔

"مم... میں نے کوئی تعریف نہیں کی تھی تمہاری۔ کرن جھوٹ بول رہی تھی۔" وہ اس کیفیت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اچھا تو پھر کیا برائیاں کی تھیں؟" وہاب نے ابرو اچکا کر پوچھا تو حدیقہ لاجواب سی ہو گئی۔ اسے کرن پر بے اختیار غصہ آیا۔

"نہیں میرا مطلب...... میں نے بس ایک دفعہ اسے بتایا تھا کہ....." آگے سے بہانہ ہی بھول گیا۔ وہاب دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے منہ بناتے ہوئے بہانہ سوچ رہی تھی۔

"اس نے خود پوچھا تھا اس لیے میں نے اسے بتایا تھا کہ تم میرے کزن ہو۔اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"اچھا.... تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو حدیقہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس کی عزت رہ گئی۔

"ویسے میں تمہارا کزن تو نہیں ہوں۔تم نے جھوٹ کیوں بولا" وہ پھر سے مشکل میں پڑ گئی۔

"اگر میں سچ بتاتی تو پھر وہ تمہارے بارے میں سب کچھ پوچھنے لگ جاتی اور مجھے لگا تمہیں شاید یہ برا لگے گا کہ کوئی تمہاری ذاتی زندگی کے بارے میں بات کر رہا ہے۔اس لیے میں نے جھوٹ بول دیا۔" وہ سر جھکائے آہستہ آواز میں بولی۔وہاب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ارے تم تو واقعی سمجھدار ہو" اس نے حدیقہ کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا تو اسے اپنی تعریف پر خوشی محسوس ہوئی۔پھر یاد آیا کہ یہ تعریف وہاب کر رہا ہے تو منہ بنا کر رہ گئی۔

"چلو شکر ہے کزن ہی کہا.... کہیں بھائی نہیں کہہ دیا۔" اس نے کہا تو حدیقہ کے گال بلش کر اٹھے۔وہ خفگی سے برا سامنہ بنا کر چہرہ پھیر گئی۔اور کھڑکی میں بازو رکھ کر باہر دیکھنے لگی۔پھر ان میں خاموشی چھا گئی۔لیکن اس خاموشی میں ایک آواز واضح سنائی دے رہی تھی اور وہ تھی ان دونوں کے دلوں کے دھڑکنے کی آواز۔دو دل ایک ہی لے پر دھڑک رہے تھے۔اس وقت دونوں ہی ایک دوسرے کو بے اختیار سوچ رہے تھے۔

گاڑی کراچی کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی گھر کے سامنے آ رہی اور وہاب نے ہارن بجایا۔ایک منٹ میں ہی مین گیٹ کھل گیا اور گاڑی پورچ میں جا کر رک گئی۔حدیقہ نے ماما کو ہال کے دروازے سے نکل کر پورچ کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ سوچنے لگی اب ماما کا سامنا کیسے کرے گی۔وہ دروازہ کھول کر باہر آئی تو عمرینہ اس کے پاس پہنچ چکی تھی اور مسکرا کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

"حدیقہ نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟" اس سے الگ ہو کر عمرینہ نے پاس کھڑے وہاب سے پوچھا۔ وہاب نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"دراصل ڈرائیور آیا ہی نہیں تھا تو میں نے اسے بھیج دیا۔ اور پھر تمہارے خیال رکھنے کے لیے کوئی تو ہونا چاہیے تھا نا" عمرینہ نے اسے وضاحت دی اور وہ خوامخواہ ہی شرمندہ ہو گئی تھی۔

"چلو تم لوگوں نے کھانا تو کھا لیا ہو گا اب چل کر آرام کر لو۔" وہ عمرینہ کے ساتھ اندر آ گئے۔ حدیقہ جلدی سے اپنے کمرے میں بھاگی۔ اندر آ کر دروازہ بند کیا اور مڑتے ہوئے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ دل پر ہاتھ رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور لب کانپ رہے تھے۔ چہرہ کانوں تک سرخ ہو چکا تھا۔ دل کے دھڑکنے کی آواز ڈھول کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

(یہ.... یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟.... کیوں میں اتنی بے بس ہو گئی تھی اس کے سامنے؟.... میرا دل اتنی تیزی سے کیوں دھڑک رہا تھا؟..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا) وہ اپنے چہرے کو چھوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

(اور وہاب..... اسے کیا ہو گیا تھا؟..... وہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہا تھا؟......... میرے ساتھ ایسا رویہ کیوں اپنا رہا تھا؟...... کہیں وہ؟..... نہیں... نہیں.... ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے ایسا ویسا کچھ نہیں کہا۔ اس نے تو بس مجھے گرنے سے بچایا ہے۔ ریلیکس حدیقہ ریلیکس۔ کچھ نہیں ہوا..... بھول جاؤ۔) وہ سخت اضطراب کے عالم میں تھی اور خود کو تسلی بھی دے رہی تھی۔ لیکن دل اب اس کے اختیار میں کہاں تھا جو اس کی جھوٹی تسلیوں پر اس کی بات مان لیتا۔ وہ تو تیزی سے دھڑکتا ہی جا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے وہاب کا چہرہ تھا اور ذہن میں اسی کی باتیں گونج رہی تھی۔ اور سانسوں میں اسی کی خوشبو آ رہی تھی جیسے وہ کہیں آس پاس ہی ہو۔

جب کچھ نہ بن سکا تو تھک ہار کر وہیں دروازے سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھ گئی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"آہ.... کیا ہو گیا ہے حدیقہ تمہیں۔ تم ایسے کیسے ہار مان سکتی ہو۔ وہاب صرف تمہیں ڈرانا چاہتا ہے۔ تم نے وہاب کو روکنا ہے اور بالکل بھی نہیں ڈرنا۔ بلکہ اس پر غصہ کرنا ہے تا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کر سکے۔ ٹھیک ہے" وہ ایک گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کر کے بولی۔ دل کو حوصلہ دیا لیکن وہ تو صدا کا بزدل تھا۔ اب کیسے بہادری دکھاتا۔ اسے سمجھانا بے کار ہی تھا۔

"تو یہ طے ہے کہ میں اس کے سامنے کچھ نہیں کر سکتی۔ پھر دوسرا حل ہے فرار۔ میں آئندہ اس کے سامنے ہی نہیں جاؤں گی۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ گڈ آئیڈیا۔ چلو اب تو ریلیکس ہو جاؤ۔" اس نے دل کو تھپکی دے کر پر سکون کرنا چاہا اور اٹھ کر ڈریسنگ روم میں کپڑے چینج کرنے چلی گئی۔ اسے لگا تھا کہ اب وہ پر سکون ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ آج بھی اس کی رات آنکھوں میں ہی کٹے گی۔

---

وقت بے چینی سے گزر رہا تھا۔ عانیہ نے پھٹے کپڑے تبدیل کر کے وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کی اب وہ ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا مانگ رہی تھی۔ آج وہ ایک بہت بڑا رسک لے رہی تھی۔ اپنی جان کا رسک۔ رینم اور حریم کیلیے۔ اس میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی لیکن اسے دوستی کے لیے ایسا کرنا تھا۔ وہ اللہ سے اپنے پلان کے کامیاب ہونے کی دعا کر رہی تھی۔ اسے خود پر یقین نہیں تھا بلکہ اللہ پر یقین تھا۔

دعا کے بعد اس نے رینم اور حریم کی حالت دیکھی تو مسکرا دی۔

"تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے لڑکیو؟" ان کے قریب آ کر وہ پوچھنے لگی۔

"میرے تو ہاتھ پاؤں پھولتے جا رہے ہیں۔ بہت لگ رہا ہے۔ آپ کو ڈر نہیں لگ رہا۔" حریم خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"اچھا تو ڈر لگ رہا۔ ہمم.... تو چلو اٹھ کر نماز پڑھو سارا ڈر بھاگ جائے گا۔" عانیہ نے اسے حکمیہ لہجے میں کہا۔ تو وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ اٹھ گئی۔

"مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے" رنیم نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تو تم بھی نماز پڑھو۔ میں وضو کرنے میں تمہاری مدد کرتی ہوں۔ بے شک نماز بیٹھ کر پڑھ لینا اور یقین کرو تمہارے جسم میں طاقت خود بخود آجائے گی۔" عانیہ نے اسے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور عانیہ نے سہارا دے کر اسے وضو کروایا۔ پھر حریم اور رنیم دونوں نے اکٹھے نماز پڑھی۔ رنیم نے تو رو کر کامیابی کی دعا مانگی۔ اب ساڑھے نو بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔

"آر یو ریڈی" عانیہ نے ان دونوں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر" حریم نے سیلوٹ مار کر جواب دیا تو عانیہ مسکرا دی۔

"مجھے تم پر پورا یقین ہے حریم تم یہ کر لو گی۔ رنیم کو اکیلا مت چھوڑنا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر اسے سمجھانے لگی۔

"تم وہاں آؤ گی نا۔ وعدہ کرو مجھ سے" رنیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ اور پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ رنیم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"پلیز رونا بند کرو۔ وہ پہنچ جائیں گیں۔"

"اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی" وہ روتے ہوئے حریم کے گلے لگ گئی۔ حریم کے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

آٹھ بجے تک نگی سمیت دوسری ملازمائیں کوارٹر میں آ کر اپنے کمروں میں جا چکیں تھیں اور باہر سے پھر تالا لگا دیا گیا تھا۔ لیکن عانیہ کے پاس باہر نکلنے کا ایک راستہ تھا۔ وہ بنا کوئی آہٹ کیے باتھ روم کی طرف بڑھی اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ سامنے ہی دیوار پر ایک روشن دان تھا جس میں بمشکل ایک آدمی آ سکتا تھا لیکن وہ بہت اونچا تھا۔ وہ واش بیسن پر چڑھی تو اس کا ہاتھ اس روشن دان تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ وہاں جما کر اوپر چڑھنے

کی کوشش کی۔کچھ ہی دیر میں وہ کہنیاں روشن دان میں اٹکائے سر باہر نکال کر اونچائی کا جائزہ لے رہی تھی۔اس روشن دان کی اونچائی نوفٹ تھی۔عانیہ احتیاط سے روشن دان سے باہر نکلی اور نیچے چھلانگ لگا دی۔شکر تھا کہ پاؤں اتنی بلندی سے چھلانگ لگانے کی وجہ سے مڑے نہیں تھے ورنہ پلان شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ڈیڈ نے جو ٹریننگ کروائی تھی وہ آج اس کے کام آنے والی تھی۔وہاں سے اٹھ کر وہ دیوار کے ساتھ چلتی ہوئی دائیں طرف مڑی جہاں اس کوارٹر کا دروازہ تھا۔لیکن دروازے کے سامنے ایک آدمی کرسی رکھے بیٹھا تھا۔اس کے ہاتھ میں بندوق بھی تھی۔اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عانیہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔آدمی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے ایکشن لینے سے پہلے ہی عانیہ نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے بے ہوش کر دیا۔اس کی جیب سے چابی نکال کر کوارٹر کا دروازہ کھولا تو دوسری طرف حریم اور رنیم کھڑی تھیں۔

"جلدی نکلو" عانیہ نے سرگوشی میں کہا تو حریم رنیم کو سہارا دیتی کوارٹر سے نکل آئی۔عانیہ نے دروازہ بند کر کے پھر تالا لگا دیا اور چابی اسی آدمی کی جیب میں ڈال دی۔حریم اور رنیم وہاں کرسی پر سوئے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئیں۔

"بے ہوش ہے۔آجاؤ" عانیہ نے پلٹ کر کہا اور آگے چلنے لگی۔حریم رنیم کا بازو اپنی گردن میں ڈالے اس کے پیچھے چل پڑی۔کوارٹر کے سارے ایریا کو تینوں اطراف دیوار بنا کر اس حویلی سے الگ کیا گیا تھا۔اس دیوار پر ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔عانیہ نے ان دونوں کو وہاں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور جمپ لگا کر دیوار پر چڑھ گئی۔دوسری طرف ایک آدمی دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔عانیہ کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے پیچھے کھڑی حریم اور رنیم کو دیکھا اور دوسری طرف اس آدمی پر چھلانگ لگا دی۔رنیم نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔جبکہ حریم کے لیے اب یہ نئی بات نہیں تھی وہ تو اسے چھت سے چھلانگ لگاتے بھی دیکھ چکی تھی۔

دوسری طرف عانیہ نے اس آدمی کو بھی بے ہوش کر دیا تھا اور اس کی جیب سے بھی چابی لے کر دروازہ کھول دیا۔ جب وہ دونوں باہر آئیں تو ریئم کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ کیونکہ دوسرا آدمی بھی کرسی پر بے ہوش پڑا تھا۔ اب ان کے سامنے حویلی کی عزیم وشان عمارت کھڑی تھی جس کا دائیاں رخ ان کی طرف تھا۔ عانیہ انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ کچھ ہی فاصلے پر دروازہ تھا جہاں سے ملازم ابھی تک آ جا رہے تھے۔ یہ دروازہ کوارٹرز اور حویلی کے درمیان ملازموں کے آنے جانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ عانیہ نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔

"آگے کا راستہ تم لوگوں کو پتہ ہے۔ یہاں سے میں ان کو اپنی متوجہ کروں گی اور تم لوگ اندر داخل ہو جانا۔ ٹھیک ہے" وہ دونوں آنکھوں میں آنسو لیے اثبات میں سر ہلا گئیں۔

"کم آن اداس مت ہو۔ تم لوگ آزاد ہونے جا رہے ہو۔ بی بریو" عانیہ ان دونوں کو ایک ساتھ گلے لگاتے بولی۔ پھر ان دونوں کو ایک درخت کے پیچھے چھپا رہنے کہہ کر وہ دروازے کی طرف آئی اور سب ملازموں کے سامنے سے بھاگ کر اس گھر کے لان میں چلی گئی جہاں ایک حصے میں بہت سے درخت تھے۔ کچھ ملازموں نے اسے حیرانی سے بھاگتے دیکھا اور چیخ چیخ کر سب کو بتانے لگے۔ وہاں پر موجود سارے ملازمین اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور لان میں اسے ڈھونڈنے لگے۔ وہ ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس لیے کسی کو نظر نہ آئی۔ ایک ملازم اندر کی طرف دوڑا اور مالکوں کو لڑکی کے بھاگنے کی خبر دی تو سارا خاندان سوائے بی جان کے جو اپنے کمرے میں اس وقت سو رہیں تھیں، گھر کے مین ہال کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ جو حویلی کی سامنے والی دیوار کے بالکل درمیان میں تھا۔

حریم نے جب دیکھا کہ سارے لوگ باہر چلے گئے ہیں تو وہ ریئم کو سہارا دیتی اس سائیڈ والے دروازے کے پاس پہنچی تھی جو ملازموں کے آنے جانے کے لیے بنایا تھا تھا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئیں تو لابی سنسان پڑی تھی۔

"جلدی ڈھونڈو اس لڑکی کو۔" ولید نے چیخ کر کہا تو سارے ملازم درختوں کے درمیان پھرنے لگے۔ ساری عورتیں حیرت سے منہ میں انگلی دبائے ایک طرف کھڑی تھیں۔ اور لڑکے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ البتہ انس کچھ ڈرا ہوا تھا۔ جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ عانیہ جادوگرنی ہے وہ تو اپنی بیوی کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے ڈرنے لگا تھا۔ ہر وقت اسے اپنے آس پاس جن بھوت سے محسوس ہونے لگے تھے۔

"کہیں وہ باہر نہ چلی گئی ہو۔" وقاص نے کہا۔

"نہیں ہم نے اسے درختوں کے درمیان جاتے دیکھا تھا۔ ابھی تک باہر جاتے نہیں دیکھا۔" ایک ملازم بولا۔

"اچھا تو پھر ایک ایک درخت کو چیک کرو۔ وہ کسی درخت پر چھپی بیٹھی ہو گی۔" ولید نے کہا تو سب سر اٹھا کر درختوں کی شاخوں پر دیکھنے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے صحیح طرح سے کچھ نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ دفعتاً ایک آدمی کی نظر اس پر پڑی تھی۔

لابی سے گزر کر وہ مین ہال میں پہنچی تھیں جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر سے سب لوگ نظر آ رہے تھے جو عانیہ کو ڈھونڈ رہے تھے۔ دائیں طرف سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں چھپتی ہوئیں وہاں تک پہنچی اور ایک نظر باہر ڈال کر سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ ابھی احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ ہو سکتا تھا کہ ابھی کوئی اندر بھی موجود ہو۔

اس شخص کے چلانے سے پہلے ہی عانیہ نے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ ایک ہی لمحے وہ آدمی ڈھیر ہو کر زمین پر پڑا تھا۔ اور سب کی توجہ ادھر ہو گئی تھی۔

"یہاں ہے وہ۔ پکڑو اسے" ایک آدمی چلاتا اس کی طرف بڑھا اور سب اس کے پیچھے بھاگے۔ عانیہ نے سامنے والے آدمی کا بازو پکڑ کر سائیڈ والے آدمی کو گھوم کر ٹانگ ماری تو دونوں آدمی ایک ساتھ گرے تھے۔ ایک آدمی نے اسے مکا مارنا چاہا تو اس نے جھکائی دی اور اس آدمی کا ہاتھ عانیہ کے پیچھے درخت کے موٹے تنے سے لگ کر ٹوٹ گیا۔ عانیہ نے اس کی بغل سے نکل کر اس کے پیچھے آتے ہوئے گردن پر وار کر کے بے ہوش کر دیا۔ اسی اثناء

میں ایک آدمی اس کے پیچھے آکر چھپ کر وار کرنا چاہتا تھا۔عانیہ نے ایک طرف ہو کر اس کا بڑھتا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچ کر اپنے سامنے کیا۔ابھی وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ عانیہ اچھل کر ایک پاؤں درخت کے تنے پر ٹکاتے دوسرا پاؤں اس کی گردن پر مار چکی تھی۔وہ بھی وہیں گر کر بے ہوش گیا۔اگلے آنے والے آدمی کو اس نے اٹھا کر زمین پر الٹا پٹخا اور اس کی گردن پر وار کر کے بے ہوش کر دیا۔

مسلسل سیڑھیاں عبور کرتیں وہ دونوں تیسری منزل پر پہنچ چکی تھی۔ چھت پر آتے ہی ریئم گہرے گہرے سانس لینے لگی۔کچھ دیر حریم نے اس کے سانس کو اعتدال پر آنے کا انتظار کیا اور پھر اسے تسلی دیتی ٹیرس کے بائیں کونے کی طرف چل پڑی جہاں سے انہیں دوسری طرف اترنا تھا۔

ولید ملازموں کی پکار سن کر اس طرف آگیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔عانیہ کسی ماہر بلیک بیلٹ فائٹر کی طرح اپنے سامنے آنے والے ہر آدمی کو گرائے جا رہی تھی۔زیادہ سے زیادہ تین وار میں وہ اگلے بندے کو بے ہوش کر رہی تھی۔دو دو آدمیوں سے اکٹھے مقابلہ کر رہی تھی۔ساری عورتیں بھی وہاں پہنچ گئیں اور حیرانی سے عانیہ کو لڑتے دیکھنے لگیں۔نائلہ نے بے اختیار تھوک نگلا تھا۔اگر جو صبح عانیہ اس کی پٹائی کر دیتی تو۔یہ سوچ کر ہی اس نے جھرجھری سی لی تھی۔انس کو اس کے جادوگرنی ہونے پر پورا یقین ہو چکا تھا۔اسما اور رباب چہرے پر ہاتھ رکھے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے یہ کسی فلم کی لڑائی ہو۔

"رک جاؤ"ولید نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا تو عانیہ کی طرف بڑھتے سیکیورٹی گارڈز رک گئے البتہ عانیہ نے اس حکم پر ایک آدمی کو گرانے کے بعد عمل کیا تھا۔

"کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو۔ایک گولی کی مار ہو تم"ولید نے ایک سیکیورٹی گارڈ کی بندوق پکڑ کر اس کی طرف تان لی۔سب منہ پر ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگے۔عانیہ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور طنزیہ انداز میں مسکرا دی۔

"تم ایک سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔اور گولی چلانے سے پہلے سوچ لینا کہ اگلا الیکشن سر پر ہی ہے۔اس بندوق کی آواز دور دور تک جائے گی۔مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہو گا الٹا تم لوگوں کا سکینڈل نہ بن جائے کوئی۔"عانیہ نے پر سکون لہجے میں کہا تو سارے مرد پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

حریم اینٹوں سے بنے جنگلے پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور رینم کے ہاتھ کو پکڑ کر اسے اوپر چڑھنے میں مدد دی۔دوسری طرف اتر کر رینم کا ہاتھ پکڑا اور جنگلے سے نیچے اتارا۔اب وہ دونوں پہاڑ کی چوٹی پر تھیں۔پھر حویلی کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پہاڑ کی ڈھلوان سے اترنے لگیں۔

"لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اتنے سارے لوگ ہو ایک لڑکی نہیں پکڑی جاتی تم لوگوں سے۔کم آن۔بندوقوں کا سہارا لینا چھوڑ دو"عانیہ جان بوجھ کر انہیں طیش دلا رہی تھی تاکہ وہ لوگ بندوق کا استعمال نہ کریں۔اسے تو ڈیڈ نے کسی کے نشانے سے بچنا بھی سکھایا تھا لیکن اگر رینم اور حریم گولی کی آواز سن کر واپس آ جاتیں تو اس کا پلان خراب ہو جاتا۔ولید نے اپنے آدمیوں کو آگے بڑنے کا اشارہ کیا جو خالی ہاتھ تھے۔

حویلی کے دائیں کنارے تک پہنچ کر رینم کا سانس پھول چکا تھا۔اتنی مشکل ڈھلوان تھی۔

"مجھ....مجھ سے چلنے نہیں ہو رہا۔"وہ دیوار کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہمت کرو رینم تمہارا بھائی انتظار کر رہا ہو گا۔"حریم نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور قدم بڑھا دیے۔ابھی یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

عانیہ نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو لڑنے کے لیے تیار کیا۔تین لوگ ایک ساتھ اس کی طرف بڑھے تھے۔ایک کے واروں کو ناکام بناتے ہوئے وہ ہوا میں اچھل کر گھومی اور دوسرے کے منہ پر اپنے دونوں پاؤں یکے بعد دیگرے مارے تھے۔وہ آدمی تو گر پڑا لیکن تیسرے آدمی نے اس کے بائیں بازو کو پکڑ لیا تھا۔عانیہ نے اسی آدمی کا سہارا لیا اور فضا میں اچھلتی ہوئی اپنی طرف بڑھتے ہوئے ایک آدمی کو ٹانگ ماری اور نیچے قدم جما کر اس

آدمی کو اپنی طرف کھینچا جس نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ جو ٹانگ عانیہ کو پڑنی تھی وہ اس آدمی کے پیٹ میں پڑی اور وہ کراہتا ہوا نیچے گر گیا۔ سامنے کھڑے شخص نے حیرت سے عانیہ کو دیکھا کہ وہ تو بالکل اس کی ٹانگ کی زد میں تھی پھر بچ کیسے گئی۔ عانیہ نے اسے صحیح طرح سے حیران بھی نہ ہونے دیا اور اس کے سینے پر ہاتھوں سے وار کر کے اپنی دونوں ٹانگیں اچھل کر اس کے منہ پر دے ماریں۔

"بس پہنچنے والے ہیں۔ وہ گھر نظر آرہا ہے۔ درختوں کے پیچھے تمہارا بھائی کھڑا ہو گا۔ جلدی چلو" حریم نے اس کی ہمت بندھائی۔ وہ دونوں باغ کے پیچھے سے چلتی ہوئیں گھر تک پہنچ گئی تھیں۔

وقاص نے جب دیکھا کہ وہ اتنے سارے آدمیوں کے قابو میں نہیں آرہی تو اپنے آستین اوپر چڑھاتا اس کی طرف بڑھا۔

"تم لوگوں کو صرف بندوق اٹھانی آتی ہے۔ ایک لڑکی کو قابو کرنے نہیں ہو رہا۔ پیچھے ہٹو میں اس کو پوچھتا ہوں۔" غصے سے اپنے آدمیوں کو پیچھے دھکیلتا وہ عانیہ کی طرف آرہا تھا۔ سارے ملازم اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر گئے تھے۔ وقاص نے دائیں ہاتھ سے مکا بنا کر عانیہ کے منہ پر مارنا چاہا لیکن وہ پھرتی سے جھکی اور مکا درخت پر لگا۔ وقاص کا لگا اس کا ہاتھ ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ عانیہ نے ایک طرف ہوتے ہوئے اس کی دائیں کلائی پکڑ کر دائیں کندھے پر اتنا سخت وار کیا کہ اسے لگا اس کا بازو ٹوٹ گیا ہے۔ وہ پیچھے ہٹا اور درد کو بھول کر اس پر جھپٹا تھا۔ عانیہ ایک دم سے جھکائی دے گئی اور ہاتھوں پر الٹا کھڑا ہو کر دونوں ٹانگیں اس کے سینے اور گردن پر دے ماریں۔ اس کا سر درخت کے تنے سے ٹکرایا اور وہ گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"بھائی" ریئم نے دوسری طرف منہ کیے لڑکے کو کھڑے دیکھ کر کہا۔ اس لڑکے نے مڑ کر دیکھا تو ایک لڑکی دوسری لڑکی کو سہارا دیے کھڑی تھی۔ وہ پہچان گیا تھا کہ اسے کس نے آواز دی ہے اور ریئم پر نظریں جما دیں۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"بھائی۔" وہ حریم کو چھوڑ کر گرتی پڑتی اس لڑکے کی طرف بڑھی۔ اس لڑکے نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بس.... بس۔ روؤمت اب میں آگیا ہوں نا۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ چلو میرے ساتھ۔" لڑکے نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔

وقاص کو نیچے گرا کر اس نے ایک فاتحانہ نگاہ سب پر ڈالی اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

"رک جاؤں ورنہ گولی مار دوں گا۔" ولید نے سفاکی سے کہا لیکن وہ سنے بغیر قدم پیچھے کی طرف بڑھاتی گئی۔

"اگر تم نہ رکی تو تمہارے ساتھ والی لڑکی کو قتل کر دوں گا" ولید نے اسے دھمکی دی۔ تو وہ پر اسرار سا مسکرا دی۔

"نہیں بھائی میں اسے خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتی جس نے میری وہاں سے بھاگنے میں مدد کی ہے۔" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کون ہے وہ؟" لڑکے نے پوچھا۔

"مار دو۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں" عانیہ نے لاپرواہی سے کہا تو ساری عورتیں حیران رہ گئیں۔ صبح تو اس نے رینم کو بچانے کے لیے خود مار کھالی تھی۔ اور اب ایک دم سے لاتعلقی اختیار کر گئی ہے۔ ولید نے گولی چلادی اور عانیہ ایک دم سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔

"وہ....." رینم بولنے ہی والی تھی کہ فائر کی آواز سے اس کا دل دہل گیا اور وہ عانیہ کو پکارتی بے ہوش ہو کر بھائی کی بانہوں میں جھولنے گئی۔ اس لڑکے کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا۔ حریم کے قدموں تلے زمین ہی نکل گئی تھی۔ کچھ دیر وہ وہیں ساکت کھڑی رہی پھر یکدم مڑ کر پیچھے بھاگی۔

"رکو میری بات سنو" اس لڑکے نے حریم کو پیچھے سے پکارا۔ لیکن حریم نہ رکی۔

"رکو میں کہہ رہا ہوں" لڑکے نے چیخ کر کہا۔ رینم کو دیوار کے ساتھ لٹا کر وہ حریم کی طرف بڑھا۔

وہیں سے عانیہ درخت پر چڑھ گئی اور دو فٹ دور دیوار پر چھلانگ لگا دی۔ دیوار پر مضبوطی سے قدم جمائے اور بیٹھ کر خود کو بیلنس کیا۔ ولید اور اس کے ساتھی آگے بڑھے لیکن اس درخت کے پیچھے عانیہ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"ڈھونڈو اسے یہیں کہیں ہو گی وہ" ولید چلایا۔

"تم واپس کیوں جا رہی ہو؟.... تمہیں پتہ نہیں فائرنگ ہو رہی ہے اور تم خطرے میں بھی پڑ سکتی ہو۔" لڑکے نے اسے ڈانٹا۔

"مم.... میری آپی وہ.... وہ خطرے میں ہیں۔ مجھے ان کو بچانا ہے۔" ڈر کے مارے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"دیکھو تم مجھے پوری بات بتاؤ"

"انہوں نے مجھے اور ریم سے کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کی توجہ اپنی طرف کریں گیں اور ہم دونوں کو بھاگنے کا راستہ مل جائے گا۔ میں نے انہیں کہا بھی تھا کہ ہمارے ساتھ چلیں لیکن وہ نہیں مانیں۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ کچھ کچھ بات لڑکے کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟ تم مجھے بتاؤ میں اسے لے کر آتا ہوں۔ تم یہاں ریم کے پاس رکو"

"وہ حویلی میں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ سامنے والے مین گیٹ سے نکلنے کی کوشش کریں گیں۔" حریم نے حویلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ اس طرف بھاگا اور باغ کی چھوٹی سی دیوار کو پھاند کر اندر داخل ہوا۔

"وہ ہے دیوار پر" ایک آدمی نے عانیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ایک لمحہ رک کر عانیہ نے دیوار سے چھلانگ لگا دی بائیں پاؤں اور گھٹنے پر زور سے چوٹ لگی۔ ہاتھوں پر خراشیں بھی پڑ گئیں۔ کمر پر لگے زخم بھی ہلنے کی وجہ سے درد کرنے لگے تھے۔ لیکن وہ رک نہیں سکتی تھی۔ اٹھی اور اس کچے سنسان راستے پر بھاگنے لگی۔

اس لڑکے نے باغ کو عبور کیا۔ سامنے والے حصے جس کے آگے کچا راستہ تھا، میں پہنچ کر دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف چھلانگ لگائی ہی تھی کہ اچانک اس سے کوئی ٹکرا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گرنے والے کو پکڑ

لیا.....اور حیرت سے اس لڑکی کو دیکھے گیا۔وہ اس کی دیا تھی...چاند کی روشنی میں وہ اس کا چہرہ پہچان گیا تھا.....وہ اسے بھول بھی کیسے سکتا تھا۔

اور حیران تو عانیہ بھی رہ گئی تھی....وہ ریان تھا۔....وہ بھی پل بھر میں اسے پہچان گئی تھی......اور وہ اسے بھول بھی کیسے سکتی تھی۔

وہ دونوں کچھ لمحے ارد گرد سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے تھے۔دونوں اس معجزے پر حیران ہو رہے تھے۔انہیں تو یقین بھی تھا کہ وہ دوبارہ کبھی مل سکیں گے۔ریان کی امید تو اس وقت دم توڑ گئی تھی جب اس نے دیا کی موت کے بارے میں سنا تھا۔اور اب دیا اس کے سامنے تھی۔

"دیا"ریان آہستہ آواز میں بولا تو وہ ہوش میں آکر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ریان کو یاد آیا جب گولی کی آواز آئی تھی تو رینم نے بے ہوش ہوتے ہوئے عانیہ کا نام لیا تھا۔تو کیا وہ لڑکی عانیہ تھی جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس کی بہن کو یہاں سے نکلنے میں مدد دی تھی۔یہ جان کر اس کے دل میں عانیہ کیلیے عزت اور بڑھ گئی تھی۔البتہ عانیہ کو ابھی نہیں پتہ تھا کہ وہ رینم کا بھائی ہے۔

اچانک حویلی کا دروازہ کھلا اور دس بارہ لوگ بندوقیں تانے باہر نکل آئے۔ولید،ایاز اور امتیاز بھی ان کے پیچھے تھے۔عانیہ نے ایک نظر ان سب پر ڈالی اور پلٹ کر ریان کو دیکھا جس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔اس نے عانیہ کو کندھوں سے پکڑ کر اپنے پیچھے کر لیا۔عانیہ کو لگا تھا کہ وہ اب بالکل محفوظ ہو چکی ہے۔شاید وہ لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اور اسے سہارے کی ضرورت تھی۔ولید حیرت سے ریان کی طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔

"کون ہو تم؟"

"ریان عباس خان....عباس خان کا بیٹا۔رینم کا سگا بھائی"وہ چبا چبا کر بولا۔ولید کے چہرے کے رنگ بدلے تھے حالانکہ کی وہ اس وقت ریان سے زیادہ طاقت میں تھا۔اس کے آدمی ریان پر بندوقیں تانے کھڑے تھے لیکن اس

کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ولید کو اپنے جسم میں سنسنی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ رہنما کا بھائی یہاں کیسے پہنچ گیا۔ یقیناً اسے کسی نے فون کر کے بلایا تھا لیکن وہ رہنما تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اٹھارہ سالوں میں اس نے ایک دفعہ بھی اپنے ددھیال رابطہ نہیں کیا تھا تو اب کیا کرتی۔ تو پھر یہ عانیہ ہی ہو سکتی تھی جو رینم کے بھائی کی بیوی تھی۔ ولید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ عانیہ بھی اس اتفاق پر حیران رہ گئی تھی۔

"تمہیں تمہاری بیوی نے یہاں بلایا ہے کیا؟"

"بیوی؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں تمہاری بیوی ہے نا جسے ہم نے اغوا کیا تھا" ولید نے عانیہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تو اس نے حیرانی سے ایک نظر عانیہ پر ڈالی۔ جس کا منہ ایسے بنا ہوا تھا جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ ایک تو پتہ اب اور کتنی دفعہ اس نے ریان کے سامنے شرمندہ ہونا تھا۔

"ہاں۔" اس نے ولید کی طرف دیکھ کر کہا تو عانیہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"تو چلو تمہارے لیے ایک ڈیل ہے۔ تمہاری بہن ہمارے پاس قید ہے۔ تم اس لڑکی کے بدلے اسے لے جا سکتے ہو۔ بولو منظور ہے۔" ولید نے اسے آفر دی۔ اب تو اسے عانیہ کی اکڑ توڑنی تھی۔ رینم بے چاری تو مرنے ہی والی تھی۔

"لیکن مجھے تو پتہ چلا تھا کہ میری بہن رینم بچپن میں ہی ماں کے ساتھ مر چکی ہے۔ میں تو یہاں لینے ہی اپنی بیوی کو آیا ہوں۔" ریان نے سکون سے کہا تو ولید لاجواب سا ہو گیا۔

"وہ زندہ ہے اور اگر زندہ ہی چاہیے تو اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔ ویسے بھی اب یہ تمہارے کس کام کی۔ کئی دنوں سے یہ ہمارے پاس ہے۔" ولید نے اسے طیش دلانی چاہی۔ غصے سے ریان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اسے اپنی عزت کی حفاظت خود کرنی آتی ہے۔اور رہی بات رینم کی تو وہ اسی کی وجہ سے میرے پاس پہنچ چکی ہے۔اور اگر نہ بھی پہنچی ہوتی تو تمہیں کیا لگتا ہے میں اتنا بے غیرت ہوں اپنی بیوی کو اکیلا چھوڑ دوں۔"ریان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کے پر سکون لہجے کو دیکھ کر ٹھٹکا۔کہیں رینم بھی تو نہیں بھاگ گئی۔اس لڑکی کے چکر میں وہ رینم کو تو بھول ہی گیا تھا۔

"اچھا تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔اس لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے اسے بیوہ کرنا بھی تو ضروری ہے نا"ولید خباثت سے بولتا بندوق تانے اس کے قریب آیا تھا۔عانیہ نے خوف زدہ نگاہوں سے ریان کو دیکھا جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے ریان کی جان چلی جائے۔

ریان نے بھی نا محسوس انداز میں بیلٹ میں لگی پسٹل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

ولید نے اس کے سر کو نشانہ بنا کر گولی چلا دی لیکن وہ پیچھے کی طرف جھکائی دے گیا اور ساتھ ہی پسٹل کو اس کی طرف کر کے گولی چلا دی جو ولید کی ٹانگ میں لگی۔عانیہ حیران ہوئی کیونکہ ایک عام انسان کے لیے اس قدر نزدیک گولی کے نشانے کی زد سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔وہاں موجود سارے لوگ ساکت رہ گئے جس کا اس نے فائدہ اٹھایا اور آگے بڑھ کے گرتے ہوئے ولید کو پکڑ لیا۔اب وہ ولید کے پیچھے تھا اگر کوئی گولی مارتا تو ولید کو لگ جاتی۔اس نے عانیہ کو بھی اپنے پیچھے ہونے کا اشارہ کیا اور فائرنگ کر کے سیکیورٹی گارڈز کے دو بندے گرا دیے۔سردار ایاز اپنے بیٹے کو خطرے میں دیکھ کر پریشان ہو گیا اور وہاں کھڑے سبھی لوگوں میں خوف وہراس پھیلا گیا۔

"اگر اپنی اور اس کی جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔"ریان نے ولید کی کنپٹی پر پستول رکھ کر کہا تو ایاز نے جلدی سے سب کو بندوقیں پھینکنے کا اشارہ کیا۔سب نے جلدی سے بندوقیں نیچے رکھ دیں۔

"وہاں نہیں یہاں رکھو" ریان نے انہیں اپنے قریب اشارہ کر کے کہا تو سب بادل ناخواستہ اس کے قریب آکر بندوقیں زمین پر رکھنے لگے جب سب رکھ کر جا چکے تو عانیہ نے آگے بڑھ کر ان بندوقوں میں سے میگزینز نکال کر راستے کے پار گہرائی میں پھینک دیں۔ ریان اس کی عقل مندی پر خوش ہوا اور سردار ایاز کے پاس ان پر غلبہ پانے کی آخری امید بھی ختم ہو گئی۔

"اس بار میں تم لوگوں کو چھوڑ رہا ہوں۔ اگر آئندہ دشمنی نبھانے کا دل کرے تو عورتوں کو بیچ میں لانے کی بجائے خود میرے سامنے آنا۔ پھر بتاؤں گا کہ اصل لڑائی کیا ہوتی ہے۔" وہ سردار ایاز سے بولا۔ اور بے ہوش ہوئے ولید کو نیچے پھینکا۔

"چلو" سب پر حقارت بھری ڈالتا ہوا وہ عانیہ کو ساتھ لیے چل پڑا۔ پیچھے کھڑے سب لوگ بے بسی سے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔ سردار ایاز نے بھاگ کر خون میں لت پت اپنے لخت جگر کو دیکھا اور چیخ کر ڈاکٹر کو بلانے کا کہا۔

--------------------

وہ دونوں اس وقت سیبوں کے باغ کو عبور کر رہے تھے۔ چاند کی مدھم سی روشنی ان دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ ہوا کی سرسراہٹ سے درختوں کے پتے ہل رہے تھے۔ جگنو ٹمٹماتے ہوئے ارد گرد اڑتے پھر رہے تھے۔ ریان نے چلتے ہوئے عانیہ کی طرف دیکھا جو کسی سوچ میں گم تھی۔

کالے رنگ کی شلوار قمیض میں دوپٹے کو سر پر حجاب کی طرح لیے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ریان کو وہ بہت کمزور لگی تھی۔

"تم.... ٹھیک ہو؟" بالآخر ریان نے خاموشی توڑی۔ عانیہ نے چہرہ پھیر کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سامنے دیکھتے ہوئے سرد آہ بھری۔

"ہاں ٹھیک ہوں"

"مجھے تو نہیں لگ رہی"

"ٹھیک تو تم بھی نہیں لگ رہے... یہاں کیا ہوا ہے؟"اس نے ریان کی پیشانی پر اشارہ کیا جہاں ایک زخم کا نشان تھا۔

"یہ.... یہ معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا"وہ زخم پر انگلی لگاتے ہوئے بولا۔

"ایکسیڈنٹ.... کب ہوا؟"وہ پریشان ہو گئی۔ریان مسکرا دیا۔

"جب مجھے پتہ چلا کہ کسی نے تمہاری گاڑی پر فائرنگ کر کے تمہیں قتل کر دیا ہے"

"تم تک یہ خبر کیسے پہنچ گئی؟"وہ حیرانی سے بولی۔

"بس پہنچ ہی گئی..... تمہاری ایک ایک خبر۔"

"میں نے تمہیں یہاں سے جانے کے لیے کہا تھا نا۔"عانیہ نے اسے کہا۔

"تم نے مجھے مس کیا؟"وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولا۔

"نہیں تو"عانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔"وہ کہہ کر رک گیا۔عانیہ بھی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ریان نے اس کے بازو کو پکڑ کر کھینچا اور سینے سے لگا کر اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا سی گئی لیکن مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کر سکی تھی۔وہ کسی چھوٹی سی سہمی ہوئی بچی کی طرح اس کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی اور اس کے دل کی دھڑکنیں سننے لگی تھی جہاں اسے اپنا نام سنائی دے رہا تھا۔کتنے دنوں بعد اسے ایک محفوظ پناہ گاہ کا احساس ہوا تھا۔

"میں نے بہت مس کیا تمہیں۔بہت زیادہ.... مجھے امید تھی کہ ہم کبھی نا کبھی ضرور ملیں گے۔لیکن جب مجھے یہ پتہ چلا کہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہو تو میری زندگی کی امید ختم ہو گئی۔میں نے سامنے آتی گاڑی

کو دیکھ کر بچنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی لیکن معجزہ ہی تھا کہ میں بچ گیا۔اور اب اس معجزے پر حیران ہوں کہ تم زندہ اور میرے سامنے ہو۔" وہ اسے سینے سے لگائے اپنے دل کی حکائتیں بیان کر رہا تھا۔اور عانیہ کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔ پھر اس نے دھیرے سے اپنے بازو پیچھے ہٹا لیے تو وہ جلدی سے اس کے سینے سے الگ ہو گئی۔

"رینم اور حریم انتظار کر رہی ہوں گیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو یہ سارا کریڈٹ رینم کو جاتا ہے۔وہ ہمیں دوبارہ ملانے کی وجہ بنی ہے۔میں تو اس کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔" ریان شوخ لہجے میں بولا تو عانیہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے خفگی سے گھورا۔

"خبر دار جو تم نے اسے بتایا کہ ہم دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا اور قدم بڑھا دیے۔

"کیوں؟" پیچھے سے اس نے حیرت سے پوچھا لیکن وہ دیوار پار کر گئی تھی۔ریان بھی مسکراتا اس کے پیچھے چل پڑا۔

"آپی" حریم عانیہ کو اپنے سامنے صحیح سلامت دیکھ کر خوشی سے پکارتی اس کی طرف بڑھی۔

"آ۔۔آپ ٹھیک تو ہیں نا..... مم.... میں نے فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں" وہ روتے ہوئے عانیہ کے چہرے اور بازوؤں کو چھوت کر پوچھ رہی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں... رینم کہاں ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"وہ گولی کی آواز سن کر بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"کیا؟.... کہاں ہے وہ؟" عانیہ نے پوچھا تو اس نے دیوار کے پاس اشارہ کیا جہاں رینم زمین پر بے ہوش پڑی تھی۔وہ بھاگتی ہوئی اس تک پہنچی اور نیچے بیٹھ کر رینم کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔اس کی نبض چیک کی جو نارمل تھی۔

"رینم....رینم اٹھو"وہ اس کا چہرہ تھتھپاتے ہوئے بولی۔ریان بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔اس نے آگے بڑھ کے رینم کو عانیہ کی گود سے اٹھالیا۔

"ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہے منہ پر پانی گرانے سے ابھی ہوش میں آجائے گی"ریان نے عانیہ کو پریشان دیکھ کر تسلی دی۔

"آجاؤ سڑک پر گاڑی کھڑی ہے۔"کہہ کر وہ سڑک کی طرف چلنے لگا۔عانیہ اور حریم بھی اس کے پیچھے چل دیں۔

"پچھلا دروازہ کھولو"ریان نے کہا تو عانیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ریان نے اسے اندر لٹا دیا۔

"احتیاط سے اس کی کمر پر زخم ہیں"عانیہ تیزی سے بولی تو ریان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"زخم؟"

"آج صبح ان لوگوں نے اسے بہت مارا تھا۔اور یہ بے ہوش ہوگئی تھی۔"حریم نے ریان کو بتایا تو اسے سردار حویلی کے لوگوں پر سخت غصہ آیا۔

"کیا ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے؟"حریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں گاڑی میں بیٹھو۔"ریان کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر چلا گیا تو وہ رینم کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔عانیہ دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔گاڑی سٹارٹ ہو چکی تھی ڈیش بورڈ پر پانی کی بوتل پڑی تھی۔اسے اٹھا کر وہ پیچھے مڑی۔اور کھول کر رینم کے منہ پر پانی گرایا۔رینم نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"رینم.....اٹھو۔"حریم نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

"عا...عانیہ"

"ہاں وہ ٹھیک ہے یہ دیکھو"حریم نے عانیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔تو اس نے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں رینم۔ تم سے وعدہ کیا تھا.... پورا تو کرنا تھانا" عانیہ نے مسکرا کر کہا تو رینم بھی ہلکا سا مسکرا دی۔ ریان نے شکر ادا کیا کہ رینم ٹھیک ہے۔

"کہیں درد تو نہیں ہو رہا؟" حریم نے پوچھا۔

"ہاں تھوڑا سا ہو رہا ہے۔ ہم کہاں ہیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ارد گرد دیکھنے لگی۔

"ہم گاڑی میں ہیں رینم۔ اسلام آباد جا رہے ہیں۔" ریان نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

"بہت انتظار کیا اس دن کا۔ واقعی آزادی کا اپنا ہی مزا ہوتا ہے۔" وہ آنکھیں بند کر کے جذب کے عالم میں کہہ رہی تھی۔ اور تینوں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر انگڑائی لی تو ان تینوں کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ایک دم سے سیدھی ہو گئی۔

"آپ لوگ مجھے گھور کیوں رہے ہیں" وہ خجل سی پوچھنے لگی تو وہ تینوں ہنس پڑے۔

"بھائی آپ کا نام کیا ہے؟" رینم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ریان عباس" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کتنا پیارا نام ہے تھوڑا تھوڑا مجھ سے ملتا ہے۔ ہے نا" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ ریان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"عباس خان میرے بابا کا نام تھا نا۔ مجھے ان کی موت کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا۔ میں ان سے ملنا چاہتی تھی لیکن وہ بھی ماں کی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آپ تو ہیں نا۔ میرے ایک دفعہ کال کرنے سے آپ مجھے لینے آ گئے۔ حالانکہ میں سوچ رہی تھی جسے پہلے اپنی بہن کا خیال نہیں آیا اب کیا آئے گا۔ پتہ نہیں آپ آئیں گے بھی یا نہیں۔ میں بہت بدگمانی کا شکار ہو رہی تھی۔"

"میرا یقین کرو مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم زندہ ہو۔ انہوں نے جھوٹ بول دیا تھا کہ ماں کے ساتھ تم بھی مر گئی ہو۔ اگر مجھے سچ پتہ ہوتا تو تمہیں وہاں کبھی نہ رہنے دیتا۔ ویسے تمہیں پتہ تھا کہ تمہارا ایک بھائی بھی ہے؟"

"جی میری آپا جی نے مجھے بتایا تھا کہ میرے بابا اور بھائی سردار حویلی والوں کے دشمن ہیں۔ اسی لیے یہ لوگ مجھ پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ میں جب امید ہار جاتی تو آپ سے ملنا کا شوق میری ہمت بندھاتا۔ میں ہر روز آپ کا انتظار کرتی تھی لیکن کوئی بھی نہ آیا۔ اور میں بالکل مایوس ہو گئی۔ پھر ایک دن میں عانیہ اور حریم سے ملی۔ عانیہ نے میری بہت مدد کی۔ مجھے پھر سے امید دلائی۔ مجھے میری اہمیت کا احساس دلایا۔ اسی نے میری آپ سے بات کروائی۔ اور پھر اپنی جان پر کھیل کر اس نے مجھے وہاں سے نکالا۔ میں اس کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے ممنونیت سے عانیہ کو دیکھ رہی تھی۔ ریان بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں... اپنی جان کی پرواہ کیے بنا دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ بغیر کسی غرض کے" ریان کی نظریں عانیہ پر جمیں تھیں۔

"ہاں عانی آپی ہیں ہی ایسی۔ پتہ ہے رنیم آج جب تم مار کھا کھا کر بے ہوش ہو گئی تھی نا تو آپی نے تمہیں بچانے کے لیے ان کی توجہ خود پر کر دی اور ان ظالموں نے آپی کو تم سے بھی زیادہ مارا تھا۔" حریم نے کہا تو رنیم اور ریان نے پریشانی سے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"کیا تمہیں بھی مارا تھا۔ تم نے بتایا بھی نہیں۔" رنیم نے غصے سے پوچھا۔

"اس وقت تم خود تکلیف میں تھی تو آپی تمہیں بتا کر تمہاری ہمت نہیں توڑنا چاہتی تھیں۔" حریم بولی۔

"عانیہ تم بہت حساس ہو۔" رنیم نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ویسے آپی آپ وہاں سے کیسے نکلیں؟" حریم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"جادو سے" عانیہ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"سچ بتائیں نا۔ آپ نے فائٹنگ کی تھی کیا۔ اور وہ گولی کس نے چلائی تھی۔ کیا آپ پر چلائی تھی۔... اب بتا بھی دیں میں سخت بے چین ہو رہی ہوں۔" حریم بے تابی سے بولی۔

"تم لوگوں کو وہیں چھوڑ کر میں لان میں چلی گئی اور ایک درخت پر چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ سب مجھے ڈھونڈنے لگ گئے۔ پھر ایک آدمی نے مجھے دیکھ لیا اور سب کو بتا دیا۔..." وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔

"پھر.... پھر کیا ہوا؟" حریم اور رنیم یک زبان بولیں۔

"پھر..... فائٹنگ شروع ہو گئی۔" عانیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ ریان اس کے انداز پر مسکرا دیا۔

"فائٹنگ.... اف مجھے بھی دیکھنی تھی۔" حریم نے گالوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔

"پھر کیا ہوا؟" اس دفعہ ریان نے پوچھا تو عانیہ نے اسے ایک نظر دیکھا۔

"پھر وہ سارے بے ہوش ہو گئے۔" عانیہ نے معصومیت سے بتایا۔ ریان کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"سچ میں بھائی.... انہیں بہت اچھی فائٹنگ آتی ہے۔ بیلک بیلٹ فائٹر ہیں یہ۔" حریم نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ریان بھی اسے پہلے فائٹنگ کرتے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اسے چھیڑنے کے لیے بولا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ایک لڑکی اتنے سارے لوگوں سے فائٹنگ کرے۔ میں نہیں مان سکتا۔"

"نہ مانیں لیکن سچ تو یہی ہے۔.... پھر کیا ہوا؟" حریم نے عانیہ سے آگے کی کہانی پوچھی۔

"پھر سردار وقاص کو غصہ آگیا اور اپنے ملازموں کو ڈانٹ کر خود میری طرف بڑھا۔ لیکن جلد ہی بے ہوش ہو گیا اور میں نے وہاں سے بھاگنے کی کی۔ ولید نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں اپنی جگہ سے ہلی تو وہ گولی چلا دے گا۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی تو اس نے گولی چلا دی....."

"پھر" حریم اور رنیم نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"پھر میں پاس ہی ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گئی۔"

"اوہ شکر ہے۔" دونوں نے سکھ کا سانس لیا۔

"پھر میں اس درخت پر چڑھ گئی اور دیکھا تو دو فٹ کے فاصلے پر دیوار تھی۔ میں نے اس دیوار پر چھلانگ لگا دی۔.... پھر وہاں سے باہر چھلانگ لگا دی۔"

"اوہ مجھے پکا یقین تھا کہ آپ یہ کر لیں گیں۔ لیکن جب میں نے ریان بھائی کو آپ کی مدد کے لیے بھیجا تھا تو مجھے پھر سے فائرنگ کی آواز آئی تھی۔ میں تو گھبرا گئی تھی۔" حریم بولی۔

"ہاں جب وہ لوگ دروازہ کھول کر میرے پیچھے آئے تھے تو یہ بھی پہنچ چکے تھے۔ ولید نے ان پر گولی چلا دی لیکن یہ ایک سائیڈ پر ہو گئے اور ولید کی ٹانگ میں گولی مار دی۔" عانیہ نے ایسے بتایا جیسے وہ بھی ریان سے پہلی بار ملی ہے۔ اگر انہیں کی بجائے اسے کا لفظ استعمال کرتی تو ان دونوں کو شک ہو جانا تھا۔ جبکہ ریان اس کے لفظوں کے چناؤ پر کھل کر مسکرایا تھا۔ ریئم کو ولید کے گولی لگنے پر انتہا کی خوشی ہوئی لیکن اظہار نہ کیا۔ بھائی کے سامنے وہ کیا جواز پیش کرتی کہ اسے اس بات پر اس قدر خوشی کیوں ہو رہی ہے۔ ریئم اور عانیہ بھی سمجھ گئیں اور اس بارے میں کوئی بات نہ کی۔

"ویسے وہ لوگ تمہیں میری بیوی کیوں کہہ رہے تھے؟" ریان نے اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔ اسے امید نہیں تھی کہ ریان اس سے ان دونوں کے سامنے ایسا سوال پوچھ لے گا۔

"وہ دراصل انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ انہوں نے خان حویلی کی کسی لڑکی کو اغوا کرنا تھا جو بڑے خان کے کسی بیٹے کی بیوی تھی۔ اس کی جگہ ہم اغوا ہو گئے اور ہم سے پوچھا تو ہم نے انکار کر دیا۔ پھر آج جب وہ لوگ ریئم کو مار رہے تھے تو آپی نے ان کی توجہ خود پر کرنے کیلیے ان کے شک کو یقین میں بدل دیا۔ اور کہا کہ وہی خان حویلی کی بہو ہیں۔ اس طرح وہ ریئم کو چھوڑ کر آپی پر غصہ ہو گئے کہ انہوں نے پہلے جھوٹ کیوں بولا۔ اور انہیں مارنے لگ

گئے۔اس طرح ریتم کی جان چھوٹ گئی۔ ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ بڑے خان کے کس بیٹے کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔"حریم نے کنفیوژن کلیر کی اور عانیہ نے سکھ کا سانس لیا۔

"اوہ اچھا اب سمجھا۔میں بھی کہوں یہ اچانک میری بیوی کہاں سے آ گئی۔"وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ کو برا لگا؟"حریم کو اس کی مسکراہٹ کھٹکی تو پوچھا۔

"نہیں....بہت اچھا لگا۔"ریان نے کہا تو عانیہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔جبکہ حریم اور ریتم نے حیرانی سے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ کی شادی ہو گئی ہے کیا؟"ریتم نے پوچھا۔

"نہیں....ابھی تک تو نہیں ہوئی۔"وہ عانیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟"ریتم نے اس سے پوچھا۔

"تئیس سال"

"اس کا مطلب مجھ سے پانچ سال بڑے ہیں آپ۔میں اٹھارہ سال کی ہوں۔اچھا آپ کام کیا کرتے ہیں؟"ریتم نے پوچھا۔وہ تو جیسے آج ہی اس کا سارا انٹرویو لینا چاہتی تھی۔جسم میں درد کو بھول چکی تھی اب بس یاد تھا تو بھائی یاد تھا جس سے وہ پہلی دفعہ ملی تھی۔

"ویسے تو میرا اپنا بزنس بھی ہے لیکن میں ائیر فورس میں ایک پائلٹ آفیسر ہوں۔"ریان نے بتایا تو عانیہ حیران رہ گئی۔اس نے بھی تو اسی شعبے میں جانا تھا۔اتنے ڈھیر سارے اتفاق کیا ظاہر کر رہے ہیں۔وہ سوچ بنا نہ رہ سکی۔حریم بھی ریان سے متاثر ہوئی تھی۔

"کیا....آپ فائٹر پائلٹ ہیں۔"ریتم نے بے یقینی سے پوچھا۔ریان نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"پھر تو آپ کو بہت مزا آتا ہو گانا۔ جب آپ جہاز اڑاتے ہوں گے۔" ریئم نے ہاتھ سے جہاز کے اڑنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں بہت" ریان نے جواب دیا۔

"پھر اپنے بزنس کو کیسے دیکھتے ہیں؟" حریم نے پوچھا۔

"مجھے بزنس میں اتنا انٹرسٹ نہیں ہے۔ میرا دوست ہی سارا بزنس مینج کرتا ہے۔ پھر جب چھٹی پہ آتا ہوں تو خود بھی چیک کر لیتا ہوں۔"

"آپ ابھی چھٹی پر ہیں؟" ریئم نے پوچھا۔

"ہاں عید کے بعد واپس جانا ہے۔" وہ راولپنڈی کے نور خان بیس میں فلائٹ لیفٹیننٹ کی پوسٹ پر تھا۔ اسے پندرہ جولائی کو دو مہینے کی چھٹی ملی تھی اور پندرہ ستمبر کو واپس جانا تھا۔ فائیٹر پائلٹ کی جاب کرتے ہوئے اڑھائی سال ہو چکے تھے اور وہ ان اڑھائی سالوں میں ایک دفعہ بھی گھر نہیں گیا تھا۔ ویک اینڈ بھی بیس میں گزار دیتا تھا۔ اس کا سارا بزنس حدید ہی سنبھالتا تھا اور ساری ڈیٹلز ای میل کر دیتا تھا جسے وہ فارغ وقت میں دیکھ لیتا۔ گھر میں اس کا انتظار کرنے والا نہیں تھا اسی لیے وہ گھر جاتا ہی نہیں تھا۔ ابھی دو مہینے پہلے وہ فلائنگ آفیسر سے فلائیٹ لیفٹیننٹ کی پوسٹ پر آیا تھا تو اس کے ایک دوست نے زبردستی اسے دو مہینے کی چھٹی دلوائی تھی۔ اور ان چھٹیوں میں ہی ریان کو عانیہ ملی تھی۔ اس رات جب عانیہ حماد کے ساتھ جا رہی تھی اسے واپس بیس پہنچنا تھا۔ دبئی میں ایک فائٹر جیٹس کا ایئر شو تھا اور اسے پاکستان کی نمائندگی کرنے کیلیے سلیکٹ کیا گیا تھا۔ اسی لیے ایمرجینسی میں اسے بلایا گیا تھا۔ ایک تو وہ ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا تھا اور اوپر سے عانیہ بھی اسے وہاں سے جانے کا کہہ رہی تھی سو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دبئی جانا پڑا۔ تیسرے دن ایئر شو ہوا تھا اور وہ کام ختم ہوتے ہی واپس پہنچا تھا۔

"پھر آپ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے؟" ریئم نے اداسی سے پوچھا۔

"ارے اداس تو مت ہو۔ ابھی تو ایک مہینہ پڑا ہے۔ مل کر مزے کریں گے۔" ریان نے اسے تسلی دی۔

"تو اس کے بعد میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

"تم دل لگا کر اپنی پڑھائی کرنا۔"

"پڑھائی..... میں نے تو پانچویں کلاس کے بعد پڑھا ہی نہیں۔" رنیم نے پریشانی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں اب پڑھ لینا۔ ویسے بڑے ہو کر تم کیا بنو گی؟" ریان نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا۔

"ڈاکٹر" وہ خوش ہو کر بتانے لگی۔

"واؤ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ڈاکٹر بننے کے لیے تمہیں پہلے ٹھیک ہونا پڑے گا۔ علاج کروانا پڑے گا۔ تمہاری حالت مجھے بہت خراب لگ رہی ہے۔ ڈاکٹر بننا بہت محنت کا کام ہوتا ہے اس کے لیے صحت مند ہونا بہت ضروری ہے۔" ریان نے اسے سمجھایا۔ اس سے تو رنیم کی ایسی حالت دیکھی ہی نہیں جا رہی تھی۔ ہونٹ کے کنارے پر ایک زخم تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے اور ایک آنکھ پر تو نیل بھی تھا جیسے کوئی سخت چیز آنکھ پر ماری گئی ہو۔۔ سفید رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ بات کرتے وقت آواز کانپتی تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی ہے۔ اور اوپر سے اسے اتنا مارا گیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ریان کے لیے یہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر بننے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن میں نے سنا ہے اس کے لیے بہت پیسے چاہیے ہوتے ہیں۔"

"پیسوں کی فکر مت کرو۔ میں ہوں نا.... تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا؟"

"سچ میں؟"

"ہاں"

"کیا آپ مجھے میری پسند کی ساری چیزیں لے کر دیں گے" ریئم نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.... کیا چاہیے تمہیں۔" وہ سمجھ سکتا تھا کہ ریئم نے آج تک کیسے زندگی گزاری ہو گی۔ چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے ترستی رہی ہو گی۔

"مجھے پیارے پیارے سے کپڑے، جوتے، جیولری، میک اپ اور ایک لیپ ٹاپ بھی" وہ بچوں کے سے انداز میں سوچ کر بتا رہی تھی۔

"اوکے اور کچھ ؟" وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا تو وہ خوشی سے مسکرا دی۔

"اور چاکلیٹس۔ وہ بھی ڈھیر ساری" وہ بازو پھیلا کر بولی۔

"بس اتنی سی چیزیں... ؟" ریان نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں" وہ فرطِ جذبات سے لبریز لہجے میں بولی۔

"میری لٹل سسٹر بھی بہت اچھی ہے۔"

"سچ میں؟"

"ہاں بے شک ان دونوں سے پوچھ لو۔" ریان نے عانیہ اور حریم کی طرف اشارہ کر کے کہا جو بڑے غور سے ایک بہن بھائی کی باتیں سن رہی تھیں۔

"ان دونوں کو تو میں پہلے ہی اچھی لگتی ہوں۔ ہے نا" اس نے دونوں کی تائید چاہی تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ کھانستے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر گئی۔ عانیہ نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

"پانی پیو۔" وہ نڈھال سی بوتل کھول کر پانی پینے لگی۔ ریان کو اس کے کھانسنے سے تکلیف ہوئی اور وہ سختی سے آنکھیں بھینچ گیا۔

"کتنا ٹائم رہ گیا ہے؟ مجھ سے اب بیٹھنے بھی نہیں ہو رہا۔ کمر اکڑ گئی ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ابھی تو ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔ تم یہیں سو جاؤ۔" ریان نے کہا۔

"میری گود میں سر رکھ کر لیٹ جاؤ" حریم نے اسے کندھے سے پکڑ کر لٹاتے ہوئے کہا۔

"کسی کو بھوک تو نہیں لگی؟" ریان نے پوچھا۔

"نہیں مجھے تو عانیہ نے سات بجے زبردستی کھانا کھلایا تھا۔" رنیم نے آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے بھی کھالی تھی لیکن عانی آپی نے صبح سے نہیں کھائی۔" حریم نے کہا۔ کھانا تھوڑا بچا تھا اس لیے عانیہ نے اپنا حصہ رنیم کے لیے رکھ دیا تھا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ عانیہ کو ڈپٹتے ہوئے بولا اور ڈیش بورڈ سے بسکٹس کے دو پیکٹ نکال کر اسے دیے۔

"ابھی یہ کھالو پھر گھر پہنچ کر کھانا ضرور کھالینا۔" اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے جبکہ عانیہ نے لب دانتوں تلے دباتے ہوئے منہ بنایا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے درخواست کی کہ کچھ بھی الٹا سیدھا مت پھوٹ دینا۔ اسے یاد تھا حریم نے اسے جو وارننگ دی تھی۔ اگر اسے ایسا کچھ بھی پتہ چل جاتا تو وہ یقیناً اس کا خوب ریکارڈ لگاتی۔

حریم نے بھی آنکھیں بند کرلیں اور کچھ ہی دیر تک وہ دونوں نیند کی وادی میں جا چکیں تھیں۔ لیکن ریان عانیہ دونوں کی آنکھوں سے آج نیند غائب تھی۔

وہ بسکٹ کھا چکی تھی اور اب کھڑکی میں کہنی ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔

"نیند نہیں آرہی تمہیں؟" ریان نے پوچھا۔

"نہیں" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ذہن میں وہ لمحہ یاد آیا جب ریان نے اسے کھینچ کر خود سے لگا لیا تھا۔

"مجھے بھی نہیں آرہی"

"تم گاڑی چلا رہے ہو اس لیے نہیں آ رہی۔" اسے ریان کی بات پر ہنسی آ گئی۔

"تو تمہیں کیوں نہیں آ رہی؟"

"ویسے ہی۔"

"تمہیں حیرانی ہوئی ہمارے اس طرح اچانک ملنے سے"

"ہمم۔"

"تم نے تو کہا تھا ہم دوبارہ کبھی نہیں ملیں گے۔ لیکن دیکھ لو ہم پھر سے مل ہی گئے۔ تمہیں ایسا نہیں لگ رہا اس میں کوئی اللہ کی کوئی حکمت ہے۔" ریان نے اس پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

"ہاں.....شاید اس لیے کہ مجھے تم سے معافی مانگنی تھی۔ میں نے تمہیں دھوکہ دیا۔ تمہاری فیلنگز کو ٹھیس پہنچائی۔ سچ جانے بغیر تمہیں اپنے پیرنٹس کا قاتل سمجھا.... سوری۔" وہ نظریں جھکائے شرمندگی سے اعتراف کر رہی تھی۔

"تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں دیا۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ اس وقت تمہاری کیا کنڈیشن تھی۔ تمہیں قتل کا بدلہ لینا تھا اور حماد نے اسی بات کو استعمال کرتے ہوئے تمہیں جال میں پھنسایا تھا۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت تھی۔ شاید ہمیں اسی طرح ملنا تھا۔ اور جو تم نے میری بہن کے لیے کیا۔ وہ کوئی کسی اپنے کے لیے بھی نہیں کرتا۔ میں اس احسان کا بدلہ کبھی بھی نہیں چکا سکتا۔ اس لیے تمہیں اداس اور شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تم پر سوٹ ہی نہیں کرتا۔ مجھے تو وہی دیا اچھی لگتی ہے۔ جو میری آنکھوں میں دیکھ کر مجھے حکم دیتی تھی۔ جس نے شرمندہ ہونا تو سیکھا ہی نہیں۔ جو کئی دشمنوں کے ساتھ بیک وقت مقابلہ کرتی تھی۔" وہ سامنے دیکھ کر بول رہا تھا جبکہ عانیہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ وہ کتنا مخلص شخص ہے۔ اس کی ہر بات میں سچائی نظر آ رہی تھی۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہماری گاڑی پر فائرنگ ہوئی تھی۔"

"تمہارے جانے کے بعد مجھے بیس سے فون آ گیا تھا مجھے ایک مشن پر دبئی جانا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے جانا پڑا۔ لیکن میں نے عدیل سے کہہ کر مخبر وہاں بھیج دیے تھے۔ پہلے تو کچھ خاص معلوم نہیں ہوا تھا پھر ان کے ایک ملازم کو عدیل نے پکڑ ہی لیا تھا اور اس نے بتایا کہ تم نے حماد پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اور تمہیں اس بات کی سزا دینے کے لیے کسی طوائف خانے بھیج دیا گیا ہے۔ وہ سن مجھے تم پر جو غصہ آیا تھا وہ تو تم پوچھو ہی مت۔ دماغ گھوم گیا تھا میرا۔ اس کے سیکیورٹی گارڈز کے سامنے تم نے اس کی دھلائی کی پھر اسے قتل کرنے کی کوشش کی اور تمہیں اس کے انجام کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ مجھے تم سے ایسے جذباتی پن کی امید نہیں تھی...." وہ اسے ڈانٹ رہا تھا جب عانیہ نے اس کی بات کاٹی۔

"تو کیا حماد مرا نہیں تھا؟" وہ غصے سے بولی۔

"نہیں..... بچ گیا تھا۔ اور تمہاری وجہ سے اتنے سارے لوگوں کی نوکری چلی گئی۔ تم نے سب ملازموں کے سامنے اس کا جو حشر کیا تھا اب وہ ان پہلے کی طرح رعب تو جما نہیں سکتا تھا۔ اس لیے سارے ملازموں کی چھٹی کرا دی اور خود کہیں بھاگ گیا ہے۔ میں نے عدیل سے اس کے کسی ملازم کو ڈھونڈنے کے لیے کہا تا کہ تمہارا کوئی سراغ مل سکے۔ اور خود بھی آ گیا۔ پھر اسی آدمی کو پکڑ کر پوچھا لیکن اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے البتہ اس نے کسی کو فون ملا کر تمہارے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ تم نے وہاں کسی لڑکی کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ ایک اور لڑکی کو بھی لے کر بھاگ گئی ہو۔ تو مانو میرا دل خوش ہو گیا لیکن اس سے اگلی بات پر میں سخت حیران رہ گیا تم نے اس لڑکی کو قتل کر دیا تھا جسے تم یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے گئی تھی۔...."

"قتل نہیں کیا تھا اسے۔ میں نے اسے جانے کا کہا لیکن مجھے پتہ چلا کہ وہ بھی وہاں سے بھاگنا چاہتی تھی لیکن آج تک اسے موقع نہیں ملا۔ ہم نے تو اس کی تھوڑی سی مدد کی اور اس کی ماں کو یہ یقین دلایا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے تاکہ وہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہ کرے۔" عانیہ نے تفصیل بتائی۔

"اوہ آئی سی۔ یعنی کہ یہاں بھی تم نے کسی کی مدد ہی کی۔ لیکن وہ شخص بتا رہا تھا کہ اس لڑکی کی ماں نے تعبیر کو فون کر کے اسے کافی برا بھلا کہا اور اپنے پیسے واپس مانگ لیے۔ پھر اس نے کچھ لوگوں کو تمہارے پیچھے بھیجا اور وہاں انہوں نے تمہاری گاڑی پر فائرنگ ہوتے بھی دیکھی اور پھر تمہاری گاڑی کو کھائی میں گرتے ہوئے دیکھا۔ میں تو شاکڈ رہ گیا تھا۔ اس وقت میرے دل کی جو حالت ہوئی تھی وہ میں ہی جانتا ہوں۔ مجھے اس وقت تمہاری یاد شدت سے آئی تھی۔ دل میں کسک سی تھی کہ کاش تمہیں خود سے دور نہ جانے دیتا اس وقت پہلی بار میں کسی کے لیے رویا تھا۔ ٹوٹ کر بکھر چکا تھا۔ میری زندگی کی امید ختم ہو گئی تھی۔ سامنے سے آتی گاڑی کو دیکھ کر بھی میں نے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ خود کو قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ لیکن قسمت میں میرا زندہ رہنا لکھا تھا اور تم سے دوبارہ ملنا لکھا تھا سو بچ گیا دیکھو تقدیر نے ہمیں پھر ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا۔" وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ آخر میں اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اور وہ نظریں چرا گئی تھی۔ اس کے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا۔ کہ ایک اتنا طاقتور مرد اس کے لیے رویا تھا۔ کیا وہ اس کے لیے اس قدر اہم تھی۔ کیا ریان اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ وہ ان سوالوں سے چاہ کر بھی نظریں نہیں چرا سکتی تھی۔ دل ایک الگ ہی لے پر دھڑک اٹھا تھا۔ اس کی ساری خود اعتمادی پل بھر میں ختم ہو چکی تھی۔ ریان نے اسے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ گیا تھا۔

"میں حماد کو چھوڑوں گی نہیں۔ اگلی دفعہ اسے پسٹل سے گولی ماروں گی" وہ خجالت مٹانے کو حماد پر غصہ کرنے لگی اور موضوع تبدیل کر گئی۔

"تم اب ایسا کچھ نہیں کرو گی۔" ریان نے سخت لہجے میں کہا۔

"وہ میرے مام ڈیڈ کا قاتل ہے۔ میں اسے زندہ نہیں دیکھ سکتی۔ بدلہ تو میں لے کر چھوڑوں گی۔"

"تم یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اسے خود دیکھ لوں گا اور خدا کے واسطے خود کو اب کسی خطرے میں مت ڈالنا۔ مجھ پر رحم کھالو تھوڑا میں تمہیں اب خود سے دور نہیں جانے دے سکتا۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"کیا مطلب؟... میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ مجھے کراچی جانا ہے۔" وہ بدک کر بولی۔

"رہنا تو تمہیں اب میرے ساتھ ہی پڑے گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"کوئی زبردستی ہے کیا؟" غصے سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو تم مجھے روکو گے.... مجھے۔ عانیہ صفدر کو.... ہاں۔ دیکھ لیتے ہیں۔ میں کل ہی کراچی جاؤں گی اور تمہارے سامنے جاؤں گی۔" اس نے چیلنج کیا۔

"میری اتنی مجال کہاں کہ تمہیں روک سکوں اور اتنی اچھی قسمت کہاں کی تم میری بات مان لو۔ میں تمہیں جانے سے روک تو نہیں سکتا کی تمہارے ساتھ تو جا سکتا ہوں نا" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا تو عانیہ ٹھٹکی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں بھی تمہارے ساتھ کراچی جاؤں گا۔ عید کے بعد تو مجھے ویسے ہی چلے جانا ہے۔ میں اپنی باقی کی چھٹیاں کراچی میں گزارنا چاہتا ہوں تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟"

"کیا؟..... تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ رنیم اور حریم ہمارے بارے میں کیا سوچیں گی۔ اف میرے خدا۔" عانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح اسے روکے۔

"وہی جو ہمارے بیچ ہے" عانیہ کو اس کا شوخ لہجہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ اس نے ہاتھ سے مکا بنا کر ریان کے کندھے پر دے مارا۔

"آہ....میرا تو کندھا ہلا دیا۔ کسی لڑکی کا ہاتھ اس قدر سخت کیسے لگ سکتا ہے۔" وہ کندھے کو سہلاتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"یہ ناٹک کرنا بند کرو اور میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میرے پیچھے آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ ورنہ..." وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کر رہی تھی۔

"ورنہ کیا کر لو گی تم" ریان نے اس کی انگلی کو پکڑ کر نیچے کرتے ہوئے کہا۔

"ورنہ تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" وہ ذرا اونچی آواز میں بولی۔ حریم آواز سن کر کسمسائی اور ایک لمحے کے لیے بوجھل آنکھیں کھول کر بند کر لیں۔ عانیہ نے پیچھے دیکھ کر زبان دانتوں تلے دبائی اور ریان کے ہاتھ سے اپنی انگلی کھینچ لی۔

"ارے واہ... دیا کو ڈر بھی لگتا ہے" وہ تعجب سے بولا۔

"تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے"

"میں کہاں کر رہا ہوں۔ بس ایک چھوٹی سی عرض پیش کر رہا ہوں حضور کہ مجھے خود سے دور مت کیجیے۔ بندہ ناچیز آپ کی خدمت میں اپنے فرصت کے لمحات گزارنا چاہتا ہے۔" وہ آداب بجالاتے ہوئے بولا۔

"سر میں چوٹ لگنے سے تمہارے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا تو نہیں ہو گیا۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے"

"تمہاری وجہ سے ہی ایسا ہوا ہوں۔"

"فلرٹ انسان" وہ زچ ہوتے ہوئے بولی اور چہرہ پھیر گئی۔ ریان محظوظ ہوتا ہوا ہنس دیا۔

---------------------------------------

کسی زمانے میں رضا خان آزاد امیدوار کے طور پر ایک مشہور سیاستدان تھے۔ وہ ایک مخلص، سیدھے اور کھرے شخص تھے۔ انہوں نے سیاست کو اپنا ذریعہ معاش سمجھنے کی بجائے اسے لوگوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنایا تھا۔ وہ خود کو عوام کا خادم سمجھتے تھے اور عوام کا پیسہ ایمانداری سے ان پر ہی لگاتے تھے۔ تبھی تو پچھلے تین الیکشنز میں

انہیں کامیابی ملی تھی۔ وہ ستر سال کے بوڑھے تھے تو بھی ان کی سیاست عروج پر تھی جس کا زوال ان کی سردار شجاع انصاری کی دوستی کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔ سردار شجاع انصاری خود بھی ایک حلقے کے ایم این اے تھے لیکن وہ اپنے ساتھ والے حلقے پر بھی الیکشن جیتنا چاہتے تھے جس پر رضا خان کی حکمرانی تھی سو اپنا مقصد پانے کے لیے انہوں نے رضا خان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

رضا خان کی شادی سلمہ بیگم سے ہوئی تھی۔ عباس رضا خان اور الیاس رضا خان ان کے دو بیٹے تھے۔

الیاس رضا خان ان کے چھوٹے بیٹے تھے اور ان کی شادی شمیم کے ساتھ ہوئی تھی۔ رافع، حبیب، عائشہ اور زاہرہ ان کے بچے تھے۔

عباس خان کی پہلی شادی زرینہ سے ہوئی تھی اور اس وقت ایک بیٹا ہارون بھی پیدا ہو چکا تھا جب ان کی دوسری شادی سردار شجاع انصاری کی بیٹی گل رعنا سے ہوئی تھی۔ جو سراسر سیاسی مفاد کی خاطر کی گئی تھی۔

سردار شجاع انصاری نے جب دیکھا کہ رضا خان اب اپنی سیٹ اپنے بڑے بیٹے عباس خان کو دینے والا ہے تو اپنی بیٹی کی شادی عباس خان سے کروادی۔ رضا خان انہیں اپنا دوست سمجھتے تھے سو انکار نہ کر سکے۔ ویسے بھی ان کے خاندان میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج تھا۔ گل رعنا کی قسمت بری کہ اپنے گھر سے سسرال آئی تو بھی سوتن کی طرف سے سکھ کا سانس نہ ملا لیکن وہ عباس خان سے بہت محبت کرنے لگی تھی۔

اسی سال الیکشن ہوا اور عباس خان اپنے باپ کی سیٹ پر جیت گیا۔ اور دوسری طرف سردار ایاز اپنے باپ کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سردار شجاع انصاری نے کئی دفعہ عباس خان کو کرپشن کے ذریعے جائیداد بنانے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت ریان کی پیدائش کو ایک سال ہو چکا تھا جب سردار شجاع انصاری نے خفیہ طور پر عباس رضا خان کے خلاف کرپشن کے جھوٹے ثبوت ایف آئی اے کو دے دیے۔ چنانچہ ان سے پوچھ گچھ ہونے لگی اور میڈیا پر بھی اس خبر کو خوب اچھالا گیا۔ سردار شجاع انصاری نے رضا خان اور عباس خان سے لاتعلقی کا اظہار

کر دیا جس پر ان کی دوستی میں دراڑ پڑ گئی۔ ابھی تو ٹرائل چل رہا تھا اور سردار شجاع انصاری نے ان سے لاتعلقی اختیار کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ بھی ان کو مجرم سمجھتے ہیں۔ گل رعنا بھی اپنے شوہر کو مشکل میں پھنسا دیکھ کر پریشان تھی اور انہیں تسلی دیتی رہیں لیکن جب اس کے والد نے ان کے سسرال کا ساتھ چھوڑ دیا تو انہیں شوہر کے سامنے بہت زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑی۔ عباس خان نے اسے تسلی دی کہ اس وجہ سے ان کے رشتے میں کوئی دراڑ پیدا نہیں ہو گی۔ وقت گزرتا گیا اور اگلے الیکشن سر پر پہنچ گیا۔ اس دوران رضا خان کی وفات ہو چکی تھی۔ قسمت نے عباس رضا خان کا ساتھ دیا اور الیکشن سے پہلے ان کے حق میں فیصلہ آ گیا۔ وہ تمام الزامات سے بری ہو گئے اور ان کے ووٹرز پھر سے پر جوش ہو گئے۔ جبکہ سردار شجاع انصاری اور اس کے بیٹے کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ سارے منصوبے پر پانی پھر گیا تھا اور اب اگر وہ ان کے حلقے سے الیکشن لڑتے تو ہار ہی جاتے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ مقدمے کا فیصلہ چاہے جیسا بھی ہو الیکشن کے بعد ہی آئے تو وہ وہاں سے سیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن یہ منصوبہ بھی ناکام گیا۔ اس الیکشن میں بھی جیت عباس خان کی ہوئی اور انہیں اپنے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں پتہ چل گیا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے سارے رشتے بالائے طاق رکھ کر سردار شجاع انصاری کے خلاف مقدمہ درج کروا دیا اور اس طرح ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ سردار شجاع انصاری گل رعنا کو زبردستی گھر واپس لے آئے اور دھمکی دی کہ اگر اس نے مقدمہ واپس نہ لیا تو وہ گل رعنا کی طرف سے اسے خلع کا نوٹس بھیج دیں گے۔ اب اگر وہ کیس واپس لیتے تو بھی ان کی بے عزتی ہوتی اور اگر خلع کا نوٹس آ جاتا تو بھی میڈیا پر سکینڈل کھڑا ہو جاتا۔ اس لیے انہوں نے خاموشی سے طلاق نامہ دستخط کر کے گل رعنا کو بھیج دیا۔ اس وقت ریئم کی پیدائش کو دو ماہ ہو چکے تھے اور عباس خان نے ریئم کو گل رعنا کی کسٹڈی میں دے دیا۔ البتہ ریان جو اسلام آباد میں ایک کیڈٹ سکول میں داخل تھا اور وہیں رہتا تھا اسے اپنے پاس ہی رکھا۔ گل رعنا شوہر اور بیٹے کی جدائی کا غم سہہ نہ پائی اور طلاق کے چھ مہینے بعد ہی دار فانی سے کوچ کر گئی۔ جس کا

دکھ ان کے سگے رشتوں کو ذرا بھی نہیں ہوا تھا۔ البتہ عباس خان کے لیے یہ گہرا دھچکا تھا۔ انہیں گل رعنا کی موت کے ساتھ بیٹی کی موت کی بھی خبر ہوئی تھی۔ سردار ایاز نے جھوٹ بول دیا کہ گل رعنا کے بعد ریئم دو دن ہی زندہ رہ پائی تھی۔ اس طرح ریان کو بھی یہی معلوم ہوا تھا کہ اس کی چھوٹی بہن ریئم مر چکی ہے۔ زرینہ کے بھی دو بچے ہو چکے تھے۔ لڑکی کا نام محاورہ تھا اور اس سے چھوٹے لڑکے کا نام سہیل تھا۔ ریان تو رہتا ہی اسلام آباد میں تھا اس لیے زرینہ کو اس کی طرف سے اتنی پریشانی نہیں تھی اور جب اس نے گل رعنا اور اس کی بیٹی کی موت کی خبر سنی تو اس کے سر سے ساری پریشانی کا بوجھ ہی اتر گیا۔

اگلے الیکشن میں سردار شجاع انصاری کے دوسرے بیٹے سردار امتیاز نے عباس خان کے حلقے سے لڑنے کا فیصلہ کیا لیکن بری طرح ناکام رہا۔ اب بس ان کے پاس آخری حربہ رہ گیا تھا جسے استعمال کر کے وہ الیکشن جیت سکتے تھے اور وہ تھا عباس رضا خان کا قتل۔ وہ بھی اس کے سگے بھائی الیاس خان کے ذریعے۔

الیاس خان اپنے باپ اور بھائی سے مختلف تھا۔ اسے بزنس کے ذریعے پیسے کمانے کا شوق تھا اور وہ کافی حد تک لالچی انسان بھی تھا۔ اس کی یہی بات سردار شجاع انصاری نے استعمال کی تھی۔ وہ شروع سے دیکھتا آیا تھا کہ اس کا باپ اور بھائی اتنے مشہور سیاستدان ہونے کی وجہ سے بھی اپنی جائیداد کو بڑھا نہیں پائے تو اس نے سیاست کا خیال ہی دل سے نکال دیا تھا۔ لیکن سردار شجاع انصاری کے ساتھ دو ہی ملاقاتوں میں اسے یہ احساس ہوا کہ سیاست سے تو بہت پیسا حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ اب دن رات سیاست کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ آخر کس طرح اپنے بھائی سے یہ سیٹ چھین سکتا ہے۔ کئی دفعہ اس نے بھائی کا قتل کرنے کے بارے میں سوچا لیکن ڈر کی وجہ سے خود ہی اپنی سوچ کی نفی کر دیتا۔ سردار شجاع انصاری نے اس کی برین واشنگ جاری رکھی اور اسے سیاست کے فائدے بتاتے رہے۔ بالآخر اگلے الیکشن کے قریب الیاس خان نے اپنے بڑے بھائی کا قتل کروا دیا۔ اس صدمے کی وجہ سے اس کی ماں بھی چل بسی لیکن اسے تو صرف اقتدار کی پڑی تھی۔ ریان اس وقت میٹرک پاس کر چکا تھا اور چھٹیوں میں

گھر آیا ہوا تھا جب عباس خان کا قتل ہوا تھا۔ پہلے اس کی ماں دنیا سے چلی گئی اور اب باپ بھی ساتھ چھوڑ گیا۔ وہ تو ہمیشہ سے اکیلا ہی رہا تھا اور اس اکیلے پن نے اس کی شخصیت میں ایک خلا سا بھر دیا تھا۔ اور اب تو وہ حد سے زیادہ خاموش اور سنجیدہ ہو چکا تھا۔ عباس خان کی وصیت کے مطابق ریان کے لیے اسلام آباد میں ایک گھر اور ماربل کمپنی تھی۔ وہ واپس اسلام آباد چلا گیا اور اس کا بچپن کا ملازم عدیل بھی اپنی بیوی کے ساتھ اس کے پاس چلا گیا۔ ریان کا رابطہ اب خان حویلی سے بالکل منقطع ہو گیا تھا اور اسے یہ بھی پتہ نہ چل سکا تھا کہ اس کے باپ کو کس نے قتل کیا ہے۔

سردار شجاع انصاری کا دل تھا کہ عباس خان کے قتل کا الزام اس کے بھائی پر لگا دیا جائے جس کے پکے ثبوت بھی ان کے ہاتھ آ چکے تھے لیکن الیاس خان بھی گروں کا پکا تھا اس نے سب سے پہلے تو زرینہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ یہ کیس واپس لے لے۔ لیکن میڈیا کے سامنے سردار شجاع انصاری پر شک ظاہر کر دیا کہ سردار شجاع انصاری نے اس کے بھائی کا قتل کیا ہے اور وہ اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لے کر رہے گا۔ البتہ خفیہ طور پر کیس واپس لے لیا گیا اور پولیس کا منہ بند رکھنے کے لیے بھاری قیمت ادا کر دی۔ دنیا کہ سامنے پولیس تفتیش کر رہی تھی لیکن اصل میں یہ کیس بند ہو چکا تھا۔ سردار شجاع انصاری تو الیاس خان کی اس چالاکی پر تلملا کر رہ گیا وہ اسے جتنا بے وقوف سمجھتے تھے وہ اتنا ہی خطرناک نکلا تھا۔ اس کے بعد تو ان کی دشمنی اور بھی زیادہ طول پکڑ گئی۔ دونوں کی لڑائی میں ان کے کئی ورکروں کی جانیں چلی گئیں۔ کئی گھر اجڑ گئے تھے لیکن وہ تو اقتدار کے نشے میں مست تھے۔

اب سردار شجاع کے جاسوس نے اسے یہ خبر دی تھی کہ خان حویلی کی کوئی لڑکی پندرہ تاریخ کو اسلام آباد سے مری خان حویلی آ رہی ہے جو بڑے خان کی بہو ہے۔ دراصل عباس خان کا بیٹا ہارون بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے اسلام آباد چلا گیا تھا جہاں اسے ایک لڑکی پسند آ گئی اور اس نے گھر والوں سے چھپ کر اس سے شادی کر لی تھی۔ اب وہ گھر آ کر ماں کو منا رہا تھا کہ اس کی بیوی نے بھی مری خان حویلی آنے کی ضد کی لیکن اس نے منع کر دیا۔ مخبر نے

پوری بات جانے بغیر آگے خبر دے دی اور ہارون کی بیوی کو اغوا کرنے کی بجائے عانیہ اور حریم کو اغوا کر لیا گیا۔ اور سردار حویلی والوں نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہ کی کہ وہ بڑے خان کے کس بیٹے کی بیوی ہے۔ ان کے خیال میں بڑے خان کا صرف ایک ہی بیٹا ہارون اسلام آباد میں رہتا ہے۔ ریان کے بارے میں انہیں اب کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے۔ ان کے جاسوس نے انہیں صرف اتنا بتایا کہ بڑے خان کی بہو اسلام آباد سے مری آ رہی ہے۔ اور یہ بھی غلط اطلاع تھی۔ ہارون نے تو اپنی بیوی کو ابھی یہاں آنے سے روک دیا تھا۔ مخبر کی ایک غلط اطلاع کی وجہ سے کتنے اتفاق ہوئے تھے عانیہ کو ریئم سے ملنا تھا۔ اسے اس کے بھائی سے ملانا تھا۔ عانیہ اور ریان کی دوبارہ ملاقات ہونی تھی۔ سردار حویلی کے لوگوں کے سامنے عانیہ ریان کی بیوی بن چکی تھی۔ ریان کے لیے یہ اتفاق تو کچھ زیادہ ہی خوشگوار حیرت کا باعث تھا کہ دیا نے سب کے سامنے جسے اپنا شوہر تسلیم کیا وہ ریان ہی تھا۔ کیا یہ بات مستقبل میں سچ ہو سکتی تھی؟ کیا وہ دیا کا شوہر بن سکتا تھا؟ اس کے دماغ نے سوال اٹھایا تھا اور دل نے گواہی دی تھی.... ہاں۔

---

رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے جب ریان کی گاڑی گھر کے گیٹ کے باہر آ کر رکی تھی۔ ہارن کی آواز پر گارڈ نے دروازہ کھولا تو گاڑی اندر داخل ہو گئی اور ڈرائیو وے پر سے ہوتے ہوئے پورچ تک آ رکی۔ اگلے دونوں دروازے کھلے اور ریان کے ساتھ عانیہ باہر نکلی تھی۔ گاڑی کے پاس کھڑے عدیل اور بتول کی آنکھیں اسے دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ عانیہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی۔ پھر بتول کی طرف بڑھی اور اسے گلے لگا لیا۔

"ارے تم دونوں چپ کیوں ہو گئے ہو؟۔ یہ میں ہی ہوں۔ خوشی نہیں ہوئی مجھے دوبارہ دیکھ کر؟" وہ بتول سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ ریان بھی ان کے پاس آکر کھڑا ہو چکا تھا۔ عدیل نے سوالیہ نظروں سے ریان کو دیکھا تو بھی مسکرا دیا۔ عدیل کو اس کی مسکراہٹ میں گہری خوشی نظر آئی تھی۔

"اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ پوچھیں ہی مت۔ ہم تو آپ پر فاتحہ پڑھ چکے تھے۔ اور اب اچانک آپ کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ پر آپ صاحب جی کو کیسے ملیں؟" بتول نے خوشدلی سے کہا۔

"سات بجے کے قریب عدیل کو کسی لڑکی کا فون آیا تھا کیا؟" وہ عدیل کی طرف دیکھ کر بولی تو وہ چونک اٹھا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"

"وہ میں نے ہی کیا تھا۔ ویسے لگتا ہے بتول نے اچھی طرح ڈرا کر رکھا ہوا ہے۔ کسی انجان لڑکی سے ٹھیک سے بات بھی نہیں کرنے دیتی ہے نا۔" وہ شرارت سے مسکرائی تو بتول کی ہنسی نکل گئی۔

"تو آپ نے صاحب جی سے ان کی بہن کی بات کروائی تھی؟" وہ حیرت سے کبھی ریان اور کبھی عانیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں" ریان کہہ کر مڑا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر جھکتے ہوئے رینم کو بازوؤں میں اٹھالیا۔ عانیہ دوسری طرف آئی اور دروازہ کھول کر حریم کو جھنجھوڑا تو وہ کسمسا کر آنکھیں کھول گئی۔

"گھر پہنچ گئے ہیں۔ اٹھو" عانیہ نے اسے سہارا دیتے ہوئے نیچے اتارا۔

"یہ دونوں کون ہیں؟" بتول نے پوچھا۔

"یہ ریان کی بہن ہے رینم اور یہ میری بہن ہے حریم۔" عانیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کی بہن بھی ہے؟"

"ہاں دوست ہے لیکن میں نے اسے بہن بنالیا ہے۔"

"میں اسے اندر لے جاتی ہوں۔"بتول نے آگے بڑھ کر کہا۔

"نہیں میں لے جاؤں گی۔"وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔بتول اور عدیل بھی ان کے ساتھ اندر آ گئے۔ایک کمرے کا دروازہ کھولا گیا اور ریان نے رنیم کو احتیاط سے نرم گرم بیڈ پر لٹا دیا۔عانیہ نے حریم کو بھی اس کے ساتھ ہی دوسری جانب لٹا دیا۔اور دونوں نے بیڈ کے آخر میں پڑے کور کو کناروں سے پکڑ کر رنیم اور حریم پر دے دیا۔

"رات کو رنیم کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔میں یہی ان کے پاس رک جاتی ہوں۔"عانیہ نے ریان کو دیکھ کر کہا۔

"لیکن تم سوؤ گی کہاں؟"ریان نے کمرے میں نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"صوفے پر یا قالین پر ہی سو جاؤں گی۔"وہ لاپرواہی سے بولی۔

"دیا تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔اب تو تھوڑا ریلیکس کر لو۔ایسا کرو اگر یہیں رکنا ہے تو ان کے درمیان ہی جگہ بنا کر گھس جاؤ۔"ریان نے اسے حکمیہ انداز میں کہا تو اس نے اسے گھورا جس کا ریان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"اور کھانا تو تم نے کھایا ہی نہیں رکو میں بتول سے کھانے کا کہتا ہوں"وہ تیزی سے باہر نکلا اور بتول سے کھانے کا کہا۔عانیہ بھی باہر آ گئی۔

"تم سو جاؤ میں کھا لوں گی۔"وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"فکر مت کرو مجھے آج نیند نہیں آنے والی۔"وہ سرگوشی میں بولا۔عانیہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔عانیہ کو کھانا دینے کے بعد بتول اور عدیل انیکسی چلے گئے تھے۔اس نے رات کا کھانا ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھایا تھا۔ساتھ ایک کرسی پر ریان بھی بیٹھا اسے کھاتا دیکھ رہا تھا۔وہ اس کی نظروں کی تپش کو خود پر محسوس کر رہی تھی اور پزل سی ہوتی تیزی سے کھانا کھانے لگی۔

"آرام سے کھاؤ۔"ایک اور حکم آیا۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ جواب دے کر پھر سے کھانے لگی۔ ریان چہرہ پھیر کر مسکرا دیا۔ اسے عانیہ کی کیفیت کے بارے میں علم تھا اور وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ سب کے سامنے وہ کتنی پر اعتماد لڑکی تھی اور اس کے سامنے جزبز سی ہو رہی تھی۔ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ وہیں رینم اور حریم کے پاس آگئی۔ اور رینم کو تھوڑا سا آگے دھکیل کر تھوڑی سی جگہ پر خود لیٹ گئی۔ لیکن نیند تھی کہ آکر نہیں دے رہی تھی۔ اور وہاں ریان کا بھی یہی حال تھا۔ اسے بھی خوشی کے مارے ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔

فجر کے بعد سونے کی وجہ سے وہ دیر تک سوتے رہے اور دس بجے عانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا تو اس کے پاس رینم اور حریم سکڑی ہوئی پڑیں تھی۔ رینم کے خوبصورت چہرے پر وہ سکون دیکھ رہی تھی۔ آج بھی رات کو جب اس کا سانس خراب ہوا تھا تو عانیہ نے اسے سنبھالا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چیک کی تو بخار تیز ہو چکا تھا۔ لیکن آج وہ زیادہ پریشان نہیں ہوئی تھی کیونکہ رینم اپنے بھائی کے پاس تھی۔ اب اس نے علاج سے محروم نہیں رہنا تھا۔ حریم بھی ابھی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے اسے بھی جگانا مناسب نہ سمجھا اور بستر سے اٹھ گئی۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں کو کنگھی کی اور جوڑے میں باندھ دیے۔ فریش ہو کر وہ کمرے سے باہر آگئی۔ بتول صفائی میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی کھڑی ہو کر مسکرائی۔

"دیا بی بی میں نے آپ کے کمرے میں آپ کے لیے ایک سوٹ نکال کر رکھ دیا ہے وہ پہن لیں"

"میرے کمرے میں؟" وہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔ ابھی تو وہ کمرے سے باہر آئی تھی لیکن اسے تو کوئی لباس نظر نہیں آیا تھا۔

"جی وہ جس میں آپ پہلے رہتی تھیں۔" بتول نے کہا تو اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"سالار کیسا ہے؟"وہ یاد آنے پوچھنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو بہت یاد کرتا تھا۔ ابھی سکول گیا ہوا ہے۔"

"اچھا ایک بات سنو۔ تم نے ان دونوں لڑکیوں کے سامنے میرا نام نہیں لینا۔ اوکے۔ اور یہ بھی ظاہر مت کرنا کہ میں پہلے سے تم لوگوں کو جانتی ہوں۔"اس نے ذرا رازداری سے اسے بات سمجھائی تو بتول اسے اچنبھے سے دیکھنے لگی پھر مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ عانیہ بھی اس کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں وہ پہلے بھی کئی دن رہ چکی تھی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ لیکن اس دفعہ کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ہر چیز اسے اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔ بیڈ پر سلک ایمبرائیڈیڈ لانگ فراک پڑی تھی جس کی لمبی آستینیں سفید شیفون سے بنی تھیں۔ ٹاپ کا اندر بے بی پنک کلر کا تھا اور سفید اپر کسی جیکٹ کی طرح آگے سے ڈوری کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ فراک کا لمبا گھیرا بے بی پنک رنگ کا ہی تھا۔ گھیرے کے شروع میں ایک بیلٹ لگا ہوا تھا جس کے ایک کونے پر خوبصورت سا پھول تھا اس کے ساتھ سفید چوڑیدار پاجامہ بھی تھا۔ یہ اسے ریان نے ہی لے کر دیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک یہ نہیں پہنا تھا۔ وہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی اور جھک کر اس فراک کو اٹھالیا۔ کچھ دیر اسے یونہی دیکھتی رہی اور بالآخر مسکرا کر ڈریسنگ روم کی جانب چل دی۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ باہر لاؤنج میں آئی تو ریان ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ عانیہ کے قدموں کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو پھر اس کی نگاہ پلٹنا ہی بھول گئی۔

ویوی بالوں کو ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر شانوں پر بکھیرے اور بے بی پنک رنگ کی فراک پہنے وہ اسے کوئی اپسرا الگ رہی تھی۔ وہ جب بھی اسے دیکھتا وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھتی تھی۔ وہ مبہوت اسے دیکھے گیا جس سے عانیہ پہلے تو پزل ہوئی پھر یکدم غصے میں آگئی۔ آگے بڑھ کر اسے اپنا ہاتھ زور سے ڈائننگ ٹیبل پر مارا جس سے

وہاں پڑے برتن کھنکتی تھے۔ریان چونک کر ہوش میں آیا۔عانیہ غصیلی نظریں اس پر جمائے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"گڈ مارننگ "وہ سخت لہجے میں چبا چبا کر بولی تو ریان۔ مسکرا دیا۔

"اتنی سخت گڈ مارننگ۔"وہ شرارت سے بولتا عانیہ کو اور بھی غصہ دلا گیا۔وہ تاسف سے اسے گھورنے لگی۔

"تم ٹھیک تو ہو۔رات کیسی گزری۔ نیند بھی آئی تھی کہ نہیں"ریان اس کا غصہ شانت کرنے کو بات بدلنے لگا۔

"ہاں آ گئی تھی نیند۔رینم کی رات کو پھر سے طبیعت خراب ہو گئی تھی۔اب بھی تیز بخار ہے۔"

"تم پریشان مت ہو میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔"

"نہیں۔جیسی اس کی حالت ہے اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کروانا پڑے گا۔ایک دفعہ اس کے سارے ٹیسٹ کروا لو۔اسے سانس کا مسلہ بہت عرصے سے ہے۔کوئی بڑی بیماری بھی ہو سکتی ہے۔"

"ہمم......صحیح کہہ رہی ہو۔شکریہ تم نے پھر رات بھر جاگ کر اس کا خیال رکھا۔"

"نہیں میں تو بستر پر جاتے ہی سو گئی تھی۔وہ تو میں اس کے کھانسنے کی آواز سے جاگی تھی۔"اس نے سفید جھوٹ بولا۔

"لیکن تمہاری آنکھوں سے پتہ چل رہا ہے کہ تم رات بھر سو نہیں سکی۔وجہ کچھ اور تھی یا رینم کی وجہ سے جاگتی رہی ہو۔"وہ اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں وہ بہت دنوں سے ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی اس لیے۔"اس نے آنکھوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ریان مسکرا دیا جیسے اسے اس کا بہانہ بہت ہی بونگا لگا ہو۔

"کہیں میری یاد میں تو تمہاری نیندیں نہیں اڑی تھیں؟"وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"ریان......ول یو شٹ اپ۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔ریان اس دفعہ کھل کر ہنسا تھا۔عانیہ اسے کچھ سنانے ہی والی تھی کہ بتول وہاں آکر اس کے سامنے ناشتہ لگانے لگی۔

"تمہیں مجھ پر اتنا غصہ کیوں آتا ہے.... دیا" وہ بتول کے جانے کے بعد بولا۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آجاتے۔" وہ تنک کر بولی۔

"میں نے آخر ایسا کیا کہہ دیا۔" وہ معصومیت سے پوچھنے لگا۔

"کچھ نہیں۔ چھوڑو اس بات کو اور میرے کراچی جانے کا بندوبست کرو۔ مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔"

"جانا ضروری ہے کیا؟" وہ اکتا کر پوچھنے لگا۔

"بہت" سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کچھ دن تو ٹھہر جاؤ۔ اگر تم چلی گئی تو رینم کا خیال کون رکھے گا؟"

"اس کا بڑا بھائی ہے نا۔ وہ رکھے گا۔"

"لیکن سوچو تو سہی ریئم کو کتنا برا لگے گا۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ تم اسے چھوڑ کر جا رہی ہو۔"

"میں اسے سمجھا لوں گی۔ کراچی میں میری دوست میرا انتظار کر رہی ہے۔"

"تم واقعی اپنی دوست کے لیے جا رہی ہو نا؟" وہ مشکوک انداز میں بولا۔

"ہاں تو اور کس لیے جاؤں گی۔" وہ تعجب سے بولی۔

"جھوٹ۔ تم وہاں جا کر پھر سے حماد کے پیچھے جاؤ گی اور خود کو خطرے میں ڈال دو گی جو میں بالکل بھی افورڈ کر سکتا۔"

"ہاں تو اس میں شک ہی کیا ہے۔ میں اسے زندہ تو چھوڑنے والی۔"

"تو میں نے تم سے کیا کہا تھا کہ میں اسے خود دیکھ لوں گا۔ اس لیے تم میرے ساتھ ہی رہو گی۔"

"اور میں نے بھی کہا تھا کہ میں کراچی جا کر رہوں گی۔"

"تو چلی جانا۔ایک دفعہ رینم کی طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر کراچی چلیں گے نا۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"تمہیں میری بات سمجھ کیوں نہیں آرہی۔رینم اور حریم کو میں کیا جواب دوں گی۔" وہ کانٹے کو پلیٹ میں پٹخ کر بولی۔

"انہیں میں جواب دے دوں گا لیکن تمہیں اکیلے کراچی نہیں جانے دوں گا۔تم بس ایک دو دن تک یہیں رک جاؤ اور پھر سب مل کر چلیں گے۔اور تم اب کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گی جس سے تمہاری جان کو خطرہ ہو۔اچھے بچوں کی طرح میرا کہنا مانو گی۔اسی میں میری اور تمہاری بھلائی ہے۔" وہ اٹل لہجے میں اسے حکم دیتا کہنیاں میز پر ٹکاتے ہوئے آگے کو جھک کر بیٹھا تھا۔عانیہ نے گہری سانس لے کر اپنا غصہ باہر نکلنے سے روکا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کی بات کے سامنے بے بس کیوں ہو رہی ہے۔شاید اس سے زیادہ خود پر غصہ آنے لگا تھا۔

"دیکھو ریان تم میرے غصے کو ہوا مت دو۔میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔تم مجھے اس طرح نہیں روک سکتے۔اور اگر تم نے یہاں سے جانے میں میری مدد نہ کی تو میں خود بھی جا سکتی ہو یہ تم جانتے ہو۔" وہ کہہ کر کرسی سے اٹھی اور جانے کیلیے پلٹی ہی تھی کہ ریان نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔اس نے پلٹ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔لیکن وہ کوئی اثر لیے بنا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔عانیہ کو لگا وہ اس کی آنکھوں کے سحر میں جکڑ رہی ہے۔گھبرا کر اس نے نظریں پھیر لیں۔ریان آہستہ سے اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو چکا تھا اور یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔اگر یہاں ریان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی ہڈیاں تڑوا چکا ہوتا۔لیکن پاور ہونے کے باوجود وہ اس سے اپنی کلائی تک نہیں چھڑوا سکی تھی۔

"اس دفعہ میں نہیں جانے دے سکتا تمہیں۔کیونکہ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔اور میں تمہیں روک سکتا ہوں کیونکہ یہ میرے بس میں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بہت کچھ جتا گیا تھا۔عانیہ حیران تھی کہ اسے جس

طرح دوسرے لڑکوں پر غصہ آتا تھا اس طرح ریان پر کیوں نہیں آ رہا۔اس کے دل میں عجیب سی خوشی ہو رہی تھی کہ کوئی اس کی پرواہ کر رہا ہے لیکن وہ عانیہ ہی کیا جو اپنے تاثرات کو دوسروں پر ظاہر ہونے دے۔

"تو روک کے دکھاؤ مجھے۔" وہ اپنی کلائی یکدم چھڑا کر بولی۔اور سینے پر بازو باندھ کر پر اعتماد لہجے میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم مجھ سے لڑائی کرنا چاہتی ہو۔" وہ بھی سینے پر بازو باندھ کر فرصت سے اسے دیکھنے لگا۔

"لڑائی میں نہیں تم کر رہے ہو۔" وہ تلملا کر بولی۔ریان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ڈائننگ ہال کے دروازے پر حریم نمودار ہوئی تھی۔دونوں نے یکدم چونک کر اسے دیکھا جو مشکوک نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔عانیہ نے بے اختیار آنکھیں بند کر کے گہری سانس خارج کی۔

"آپ دونوں لڑ کیوں رہے ہیں" حریم ناسمجھی سے پوچھنے لگی۔ابھی کل رات ہی تو وہ یہاں آئے تھے اور ریان اور عانیہ ایسے لڑ رہے تھے جیسے کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔سو اس کے لیے حیرانی کی بات تو تھی۔

"آ....وہ یہ کہہ رہی تھی کہ اسے کراچی جانا ہے۔میں نے اس کی اتنی منتیں کیں کہ رینم بیمار ہے اس کی دیکھ بھال کے لیے یہیں رک جاؤ لیکن یہ ہے کہ مان ہی نہیں رہی تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔رینم کو کتنا برا لگے گا جب اسے یہ پتہ چلے گا کہ اس کی دوست اسے چھوڑ کر جا رہی ہے۔" ریان نے بروقت بات بنائی۔لیکن حریم کا شک پھر بھی کم نہ ہوا۔

"آپ رینم کو چھوڑیں اپنی بات کریں۔" وہ قدم قدم چلتی ان دونوں کے سامنے آ رکی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر پوچھنے لگی۔عانیہ نے ریان کو غصے سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو اب دو اسے جواب۔ریان نے کھسیایا کر سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مجھے دال میں کچھ کالا کالا سا کیوں لگ رہا ہے یا ساری کی ساری دال ہی کالی ہے" حریم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آنکھیں پر سوچ انداز میں گھماتے ہوئے بولی تو ریان ہنس دیا۔

"حریم......بکو مت۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو۔" عانیہ نے اسے گھور کر کہا۔

"لیکن میں نے تو آپ کو کچھ کہا ہی نہیں۔ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں کچھ ایسا سوچ رہی ہوں۔" حریم بھی کہاں باز آنے والی تھی۔عانیہ تو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"اوہو...لڑکی کتنی باتیں کرتی ہو تم۔بات سے بات نکالنے میں ماہر ہو۔" ریان خفت مٹانے کو بولا۔

"بس کبھی غرور نہیں کیا۔" وہ کندھے اچکا کر فخر سے بولی۔

"حریم یہ تمہاری بے عزتی ہو رہی ہے۔ تعریف نہیں۔" عانیہ نے اسے ڈپٹ کر کہا تو اس کا منہ بن گیا۔

"ایک منٹ......یہ اتنا پیارا ڈریس کہاں سے آیا۔" عانیہ جو وہاں سے واک آؤٹ کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی بات سن کر بے اختیار رکی۔ ریان نے بھی ماتھے کو چھوا۔اس لڑکی کی نظروں سے کوئی چیز نہیں بچ سکتی تھی۔

"بتول کا ہے" وہ سوچ کر بولی۔

"بتول کون؟" وہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔

"میرا ملازم ہے نا عدیل۔اس کی بیوی ہے۔" ریان نے دانستہ بتول کو ملازمہ نہیں کہا تھا کہیں وہ یہ ہی نہ پوچھ لے کہ ملازمہ کا اتنا مہنگا سوٹ۔

حریم نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تو عانیہ نے شکر کا سانس لیا۔

---------------------------

دوپہر کا وقت تھا اور سورج کی سنہری کرنیں سرمئی بادلوں سے گزر کر سارے لان کو روشن کیے ہوئے تھیں۔ موسم خوشگوار ہو رہا تھا اور ٹھنڈی تیز ہوا اس کے کھلے گولڈن بالوں سے اٹھکیلیاں کر رہی تھی لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ بیک گارڈن کے ایک مخصوص کونے میں چیئر پر بیٹھی مگن سی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ اس وقت کاٹن کے سفید کالر ٹاپ اور شیفون کی بلیک لمبی سکرٹ میں ملبوس تھی۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے، لب بھینچے اور نگاہیں کتاب پر جمائے وہ ارد گرد سے بے نیاز لگتی تھی۔ ناول کا ایک دلچسپ سین ختم ہونے والا تھا اور اس کے بعد وہ اٹھ کر کمرے میں جانے کا سوچ رہی تھی۔ دو منٹ بعد ہی سین کا دی اینڈ ہوا اور وہ گہرا سانس بھرتی کتاب بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چلتے ہوئے وہ ہال کے اینٹرینس میں داخل ہوئی جو بیک گارڈن کی طرف تھا۔ اسی ہال کا ایک دروازہ سامنے لان کی طرف بھی تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف ہی سب سے پہلا کمرہ وہاب کا تھا۔ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے کل رات کی یادیں فلیشز کی صورت میں اس کے ذہن میں چلنے لگیں۔

وہاب کا اس کے ڈرائیور کی جگہ ہونا.....

اسے مبہوت ہو کر دیکھنا......

اس کے بالکل قریب ہو جانا.....

اسے گرنے سے بچانا.......

گاڑی میں اس کا شکریہ ادا کرنا......

پھر ساری رات اس کی نیند نہ آنے کی وجہ سے کروٹیں بدلنا۔ وہ اسے جتنا ہی بھولنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اس کے ہر خیال میں آ جاتا۔ ہر بات پہ اس کا چہرہ یاد آ جاتا اور اب وہ اس کے کمرے کے سامنے سے گزری تھی تو بھی بے اختیار ہی اسے سوچنے لگی تھی۔ وہ سر جھٹکتی اوپر اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ کھولتے ہی ایک مسحور کر دینے

والی خوشبو اس کی نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ پھر کی نظر دائیں طرف صوفے پر پڑی تھی جہاں وہاب کی کالی شرٹ پڑی تھی جس پر کل اسی کی وجہ سے کل جوس گرا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تو دیکھا کہ اس پر کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا فولڈ ہوا پڑا تھا۔ تجسس سے وہ کاغذ اٹھایا اور اس کی تہ کھول کر دیکھا۔

"شرٹ کو اچھے سے دھو کر استری بھی کر دینا اور مجھے یہ شرٹ اپنی وارڈروب میں نظر آنی چاہیے" وہاب نے شرٹ کے ساتھ حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا۔

"اوہ نو" وہ ہاتھوں کو پہلوؤں میں گراتی اکتائی ہوئی آہ بھر کے رہ گئی تھی۔

(دھو کر استری بھی کروں اور اس کی وارڈروب میں بھی رکھ کر آؤں۔ کچھ زیادہ ہی نواب نہیں سمجھنے لگا خود کو۔ بلیک میلر۔ نوکر نہیں لگی میں تمہاری۔ میں کیوں جاؤں اس کے کمرے میں شرٹ پہنچانے۔) غصے سے اس نے ہاتھ میں پکڑی چٹ کو مروڑ کر رکھ دیا۔

(اور اگر میں نے شرٹ اس کی وارڈروب تک نہ پہنچائی تو کہیں وہ خود ہی لینے نہ آجائے۔ کیا مصیبت ہے یار) وہ وہاب کی شرٹ کو ہاتھوں میں پکڑے منہ بنا کر سوچنے لگی۔ کالی شرٹ کی پشت پر آم کے جوس کا داغ واضح نظر آرہا تھا۔

(ایسا کرتی ہوں جلدی سے دھو کر پریس کرتی ہوں اور اس کے آفس سے آنے سے پہلے وارڈروب میں رکھ آتی ہوں۔) وہ سوچتے ہوئے باتھ روم کی طرف بھاگی۔ سارے کپڑے ایک ہی جگہ دھلتے تھے اور کپڑے دھونے والا ڈیٹرجنٹ بھی وہیں پڑا ہوتا تھا۔ اب وہ وہاں یہ شرٹ دھو بھی نہیں سکتی تھی اس لیے وہ ڈیٹرجنٹ اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس نے کبھی پہلے کپڑے نہیں دھوئے تھے۔ لیکن کپڑے دھلتے دیکھے ضرور تھے سو اسی تجربے کو استعمال کرتے ہوئے کوشش شروع کر دی۔ شرٹ کو بیسن میں گیلا کیا اور اس پر ڈیٹرجنٹ ڈالا۔ پھر داغ والے حصے کو رگڑ رگڑ کر ملنے لگی۔ شرٹ تو پانچ منٹ میں صاف ہو چکی تھی لیکن اس نے ڈر کی وجہ سے پندرہ منٹ اسی پر

لگا دیے۔شرٹ کے دھونے کے بعد اب اسے سکھانے کا مسلہ تھا۔سپنر میں صرف ایک شرٹ تو اب سوکھنے سے رہی۔اس لیے اس نے خود ہی اپنے نازک ہاتھوں سے شرٹ کو نچوڑا اور صوفے پر پھیلا کر پنکھا فل چلا دیا۔آدھے گھنٹے تک وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے شرٹ کے سوکھنے کا انتظار کرتی رہی۔بالآخر جب وہ سوکھ ہی گئی تو اب پریس کرنے کا مسلہ تھا۔وہ تو جھنجھلا کر رہ گئی۔دل تو کیا کہ وہاب کی شرٹ پھاڑ کر کہیں پھینک دے لیکن پھر خود بچ کر کہاں جاتی۔یہی سوچ کر اس نے کیبنٹ میں سے نئی نکور استری نکالی جسے وہ کبھی کبھی ہی استعمال کرتی تھی۔اور زمین پر کوئی موٹا سا کپڑا اچھا کر اس پر وہاب کی شرٹ کو استری کرنے لگی۔ایک وقت تھا کہ اس نے وہاب کی شرٹ کو جان بوجھ کر جلایا تھا اور اب وقت نے کیسی پلٹی کھائی تھی کہ وہ وہاب کی شرٹ کو بڑی احتیاط سے پریس کر رہی تھی۔جب شرٹ میں ایک سلوٹ بھی باقی نہ رہی تو اسے لیے وہاب کے کمرے کی جانب چل دی۔راہداری میں کوئی نہ تھا اور وہ شکر ادا کرتی وہاب کے کمرے کا دروازہ کھول کر آہستہ سے اندر داخل ہو گئی۔خوبصورتی اور نفاست سے سجائے گئے کمرے کے بائیں جانب وارڈروب تھی۔وہ جلدی سے وارڈروب کی طرف بڑھی۔ابھی وہ راستے میں ہی تھی کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔وہ ٹھٹک کر پلٹی اور اپنی جگہ کسی بے جان مورت کی طرح ساکت رہ گئی۔

وہاب بلیک پینٹ پر بنیان پہنے ہوئے تھا جس سے اس کے کسرتی بازو نظر آ رہے تھے۔اس کے کالے فوجی کٹ سٹائل والے بال گیلے ہو کر کشادہ پیشانی پر چپکے ہوئے تھے۔چہرے پر پانی کی چھوٹی چھوٹی سی بوندیں اس کی وجاہت کو اور زیادہ دلکش بنا رہیں تھیں۔وہ ایک ہاتھ سے تولیے کو پکڑے سر اور گردن کو خشک کرتے ہوئے باتھ روم سے نکل رہا تھا کہ حدیقہ کو دیکھ چونکا تھا۔

حدیقہ کے ہاتھ سے ڈر کے مارے شرٹ گر پڑی تھی۔اس نے ایک ہاتھ کو منہ پر رکھ کر بمشکل خود کو چیخنے سے روکا اور دوسرا ہاتھ آنکھوں پہ رکھ کر رخ بدل گئی تھی۔وہاب ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔حدیقہ تو

سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی تھی۔اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہاب اس کے قریب آکر کھڑا ہو چکا ہے۔اس نے آنکھ سے ہاتھ کو ہلکا سا ہٹا کر دیکھا تو وہاب بے تاثر چہرے کے ساتھ یک ٹک سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔اس کے ننگے بازو اور سینہ دیکھ کر حدیقہ کی پلکیں شرم سے جھک گئیں تھیں اور دل کی دھڑکنوں کا شور بلند ہوا تھا۔اسے اب کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال سے کیسے نکلے۔وہاب بھی چپ چاپ اس پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔اچانک اسے کچھ خیال آیا تو اس نے جلدی سے جھک کر نیچے پڑی وہاب کی شرٹ اٹھائی اور اٹھتے ہوئے بازو لمبا کر کے وہاب کی طرف بڑھا دی۔

"میں نے دھو کر استری بھی کر دی ہے۔بے شک چیک کر لو۔" وہ نظریں دوسری جانب کیے ہی بولی تھی لیکن وہاب کی طرف سے کوئی ردعمل نہ پا کر اسے اس کی طرف دیکھنا پڑا۔اسے لگا کہ وہ اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا ہے یعنی کہ اس سے پھر کوئی غلطی ہو گئی تھی۔

(کہیں شرٹ کے نیچے گرنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ تو نہیں ہو گیا؟) اس نے پل بھر کے لیے سوچا اور شرٹ کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھنے لگی۔

"مم.... میں نے جان بوجھ کر نیچے نہیں گرائی۔وہ پتہ نہیں خود بخود کیسے نیچے گر گئی۔لیکن دیکھو بالکل صاف ہے۔" وہ کانپتی آواز کے ساتھ وضاحت دینے لگی لیکن وہاب اب بھی خاموشی سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔اسے وہاب کی خاموشی سے اور زیادہ خوف آنے لگا تھا۔کہیں یہ طوفان سے پہلے والی خاموشی تو تھی۔کچھ پل کے لیے تو دل دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔وہ کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح اسے دیکھنے لگی تھی جب وہاب نے ہاتھ بڑھا کر شرٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ لی تھی۔

"میں چلتی ہوں" وہ ڈر کو چھپانے اور مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی اور مڑ کر وہاں سے جانے لگی تھی کہ اس کے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں وہاب کے مضبوط ہاتھ میں آ چکی تھی۔وہاب نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر زور

سے اپنی طرف کھینچا تھا کہ وہ سنبھل نہ سکی اور واپس مڑتے ہوئے وہاب کے کشادہ سینے سے جا ٹکرائی تھی۔ اس کے سنہری بال جھٹکے سے اوپر کو اٹھے تھے اور ہوا میں گھومتے ہوئے اس کے دائیں کندھے کے آگے آکر جمع ہو گئے تھے۔ سفید شیفون کی سکرٹ بھی لہرا اٹھی تھی۔ اسے وہاب کی وہی مخصوص خوشبو آئی تھی۔ ایک لمحے کو تو دل رک سا گیا تھا اور سانس اٹک گئی تھی۔ قدم لڑکھڑا گئے تھے اور وہ خود کو بمشکل سنبھالتی پیچھے ہٹی تھی لیکن اس کا ہاتھ ابھی تک وہاب کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اب وہ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرتوں کا سمندر لیے وہاب کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

وہاب اس کی حالت سے محظوظ ہوتا یکدم مسکرا دیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ اس کی مسکراہٹ میں اپنا آپ کھو رہی ہے۔ ارد گرد کے منظر ختم ہوتے جا رہے ہیں اور وہ وہاب کے ساتھ ہواؤں کا سفر کرتے ہوئے کسی اور ہی جہاں میں پہنچ چکی ہے۔ جہاں ہر طرف خوبصورت قدرتی مناظر ہیں۔ ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں اور ہوا کی لہروں سے جھوم رہے ہیں۔ ایک طرف بلند پہاڑی سے پانی آبشار کی صورت نیچے گرتا ایک خوبصورت دھن بجا رہا ہے۔

"انعام چاہیے؟" وہاب نے اپنا چہرہ اس کے کان کے پاس لا کر سرگوشی کی تو وہ چونک کر ہوش میں آئی۔ وہاب کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر وہ بدکتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹی۔

"انعام چاہیے؟" وہاب نے ابرو اچکا کر دوبارہ پوچھا۔

"نن...... نہیں۔ مجھے جانے دو۔ پ.... پلیز" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن بے سود!۔

"تو پھر سزا لے لو۔" وہاب نے کہا تو وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"سزا یا انعام؟"

"انعام" وہ تیزی سے بولی۔ اب اس کے بنا چارہ نہیں تھا۔ وہاب نے مسکرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پلٹ کر اپنی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولنے لگا۔ حدیقہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ کچھ دیر

بعد وہاب اس کی طرف پلٹا تھا اور اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ تھی۔ چاکلیٹ کو دیکھ کر وہ بچوں کی طرح خوشی سے مسکرائی تھی۔ نہ جانے کتنے دنوں بعد وہ اس کے سامنے یوں مسکرائی تھی۔ وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

"یہ لو۔ تمہارا انعام۔ تم نے میری شرٹ بہت اچھی طرح دھوئی اور پریس کی ہے۔ گڈ گرل" وہ ایک ہاتھ سے چاکلیٹ اس کی طرف بڑھاتا دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کے بالوں کو بکھیرتا شاباشی دینے لگا۔ حدیقہ کا دل اس تعریف پر خوشی سے پھولے نہ سمایا اور اس نے بغیر کسی متامل کے چاکلیٹ پکڑ لی۔ البتہ اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔

"مم.... میں جاؤں؟" وہ ڈرتے ہوئے پوچھنے لگی کہ وہ جانے کے لیے مڑے تو وہاب کہیں اسے پھر نہ کھینچ لے۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ تھوڑی دیر اور رک جاؤ" وہ منت بھرے لہجے میں بولا تو حدیقہ نے حیرانی سے اس کے بدلتے روپ کو دیکھا۔ ابھی تو وہ کتنا سخت لگ رہا تھا اور اب اتنا نرم لہجہ۔ اس نے اس لمحے کا فائدہ اٹھایا اور الٹے قدموں تیزی سے پیچھے ہٹتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ وہاب ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ لیے اس کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد اسے گرد و پیش کا ہوش آیا تو پلٹ کر شیشے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور وہی کالی شرٹ پہننے لگا جو ابھی حدیقہ دھو کر لائی تھی۔

باہر نکل کر حدیقہ ایک لمحے کو رکی تھی۔ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے سینے پر ہاتھ رگڑا اور خود کو کمپوز کرنے لگی۔ پھر مڑ کر پیچھے بند دروازے کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ اسے اپنی دل کی بدلتی حالتوں پر حیرت ہو رہی تھی کہ اسے کوئی دکھ ہونے کی بجائے عجیب سی خوشی کیوں محسوس ہو رہی تھی۔ وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑ اپنی طرف کھینچا تھا اور وہ غصہ ہونے کی بجائے کسی پر اسرار سے سحر میں مبتلا ہونے لگی تھی۔ اگر یہاں وہاب کی جگہ کوئی اور لڑکا ہوتا تو وہ اس کا منہ توڑ دیتی۔ لیکن وہاب کے سامنے وہ پتھر کی مورت

کیوں بن جاتی تھی۔ اس میں تو پلکیں اٹھانے تک کی ہمت نہیں رہتی۔ کیا یہ سب باتیں ان کے درمیان کسی گہرے رشتے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ کیا وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

(نہیں.... نہیں.... یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ میرا وہم ہو گا۔ ریلیکس حدیقہ۔ بی بریو۔) وہ خود کو تھپکی دیتی سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے اوپر اپنے کمرے کی جانب جارہی تھی۔ اور کوئی اپنی خون رنگ آنکھوں سے اسے حصار کیے ہوئے تھا۔ اسے کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تو چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ عنیقہ جو غصے سے نتھنے پھلائے اسے پشت سے گھور رہی تھی اس کے چونک کر پلٹنے سے ایک دم دیوار کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ وہ حدیقہ سے ملنے اس کے پورشن آئی تھی تو سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر اسے وہاب کے دروازے میں سے حدیقہ باہر نکلتی ہوئی دی۔ اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔ حدیقہ اور وہاب کے کمرے میں۔ اس کے ہاتھ میں ایک چاکلیٹ بھی تھی۔ اس کا چہرہ گلنار بنا ہوا تھا اور لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ تھی۔ عنیقہ پل بھر میں جان گئی تھی کہ کیا معاملہ ہے۔ غصے سے اس نے لب اور مٹھیاں بھینچ لیں تھیں ۔ دل میں چھریاں سی چل گئیں تھیں اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر کے رکھ دے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ حدیقہ اس کے ساتھ ایسا کرے گی۔ اس کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے گی۔ وہ تو ہمیشہ سے یہی سمجھتی آئی تھی کہ وہاب حدیقہ کی طرف بے شک جتنی بھی پیش قدمی کرے لیکن وہ اس کی طرف کبھی نہیں بڑھے گی کیونکہ حدیقہ کو ایسی باتیں پسند نہیں تھیں اور وہ بھی تو حدیقہ کو وہاب کے لیے اپنی پسندیدگی سے آگاہ کر چکی تھی۔ لیکن آج اسے وہاب کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر وہ اسے بدکردار کا لقب دے چکی تھی۔ وہاب پر تو صرف اس کا حق تھا۔ حدیقہ یہ بات جانتے ہوئے بھی اس کے کمرے میں کیوں گئی۔ اسے لگا وہ وہاب کو اس سے چھین رہی ہے۔ اگر اس نے اب کچھ نہ کیا تو پانی سر سے گزر جائے گا اور اس کے ہاتھ کچھ نہیں رہے گا۔ اب وقت

آ گیا تھا کہ وہ اپنے لیے سٹینڈ لیتی۔ اب چپ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسے وہاب سے دوٹوک بات کرنی ہو گی۔ وہ سوچتے ہوئے اپنی گیلی آنکھوں کو بے دردی سے رگڑ کر پلٹ گئی تھی۔

-----------------------------

ڈاکٹر نثار، ریان عباس خان کے دوست اور بزنس پارٹنر حدید کے والد تھے۔ اس لیے کبھی بھی کوئی صحت کا مسلہ بنتا ریان ان سے ہی رجوع کرتا تھا۔ وہ ساٹھ سال کے ادھیڑ عمر شخص تھے اور کراچی کے ایک بہت بڑے ہاسپٹل کے مالک تھے۔ اب وہ مریضوں کو اتنا زیادہ چیک نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے لیے ان کا سٹاف کافی تھا لیکن جب ریان نے انہیں اپنی بہن کے بارے میں بتایا تو انہوں نے خود اس کا چیک اپ کیا اور ٹیسٹ لکھ کر دیے۔ ٹیسٹ کروانے اور رپورٹ آنے کے انتظار میں دوپہر سے شام ہو گئی تھی۔ عانیہ اور حریم بھی رنیم کے ساتھ ہی ہاسپٹل آئیں ہوئیں تھیں۔ اب وہ ہاسپٹل کے ایک کمرے میں بیڈ پر پڑی بخار سے تپ رہی تھی۔ حریم پریشان سی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ جب رپورٹ آگئی تھی۔ اس وقت عانیہ اور ریان دونوں ڈاکٹر نثار کے آفس میں بیٹھے تھے اور ڈاکٹر نثار رپورٹ کو غور سے پڑھ رہے تھے۔

"ایستھما کی تشخیص ہوئی ہے جو انہیں بچپن سے ہی تھا۔ اس کے علاوہ ٹی بی کی ابتدائی علامات بھی ظاہر ہوئی ہیں۔ یعنی کہ ابھی ٹی بی کا ابتدائی مرحلہ ہے اور دواؤں سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کیلشیم اور خون میں وائٹ بلڈ سیلز کی بہت زیادہ کمی ہے۔ اسی لیے ان کے پاس بیماریوں سے لڑنے کے لیے ول پاور بہت کم ہے۔ اور ہر وقت بخار رہتا ہے۔ لیکن آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ ان کا اگر پراپر علاج ہو تو وہ بالکل ٹھیک ہو سکتی ہیں۔ اور ان کی کمر اور بازوؤں کے زخموں کا خاص دھیان رکھیے گا۔ کہ کہیں پانی زخموں میں نہ چلا جائے۔ ورنہ وہ بگڑ کر خراب ہو سکتے ہیں۔ میں آپ کو دواؤں کے ساتھ ساتھ ان کے لیے ڈائٹ پلان بھی لکھ دوں گا۔ اگر غذا

متوازن ہو تو دواؤں کا اثر جلدی ہو گا۔" ڈاکٹر نثار نے انہیں تفصیل بتائی اور جھک کر کاغذ پر کچھ لکھنے لگے۔ ریان نے پریشانی سے عانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی تھی۔

"تھینک یو انکل۔..... آپ نے مجھے نئی امید دلا دی ہے۔ میں اس کی حالت دیکھ کر بہت پریشان تھا۔" وہ احسان مندی سے ڈاکٹر نثار کو کہنے لگا۔

"شکریہ کی ضرورت نہیں۔ تم میرے بیٹے کی طرح ہو تو تمہاری بہن بھی میری بیٹی کی طرح ہوئی نا۔ اور اپنے بچوں کے لیے کوئی شخص جتنا بھی کرے وہ احسان نہیں کر رہا ہوتا۔ مجھے شروع سے ہی تم بہت پیارے تھے اور اب تمہاری بہن کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ بہت برا سلوک کیا گیا ہے اس کے ساتھ وہاں۔ تمہیں اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" وہ اس وقت ریان کے لیے ایک ڈاکٹر سے زیادہ ایک مشفق باپ کی طرح بن گئے تھے۔ اسے تسلی دے رہے تھے اور رینم کے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ انہیں ریان نے رینم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ وہ اپنے ننھیال میں رہتی تھی اور وہ اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔ ڈاکٹر نثار بھی رینم کے زخم دیکھ کر جان چکے تھے کہ اس پر کس قدر ظلم ہوتا رہا ہے۔

"جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے ہم سے جھوٹ بول دیا تھا کہ رینم بچپن میں ہی مر گئی تھی۔ اس لیے مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ میری کوئی بہن بھی تھی۔" وہ شرمندہ سا کہہ رہا تھا۔

"اکثر والدین کی غلطیوں کی سزا بچوں کو بھگتنی پڑتیں ہیں۔ اگر تمہارے والدین کی ڈائیورس نہ ہوتی تو تمہاری بہن تمہارے ساتھ ہوتی۔ لیکن خیر!.... جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب تمہیں آگے کا سوچنا چاہیے۔ اس کا علاج کرواؤ اور اسے زندگی کی طرف لاؤ۔ مجھے امید ہی وہ جلد ہی نارمل لوگوں کی طرح اپنی زندگی گزار سکے گی۔" ڈاکٹر نے پرسکرپشن ریان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو ریان نے پکڑ لیا۔

"انشاءاللہ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ آپ بھی دعا کیجیے گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"گڈ لک!" ڈاکٹر نثار نے دعا کے ساتھ کچھ ضروری ہدایات بھی دیں تو ریان ان کا شکریہ ادا کرتا ہوا عانیہ کے ساتھ آفس سے باہر آگیا۔

"میں بل کلیئر کروا کر آتا ہوں تم ان کے پاس جاؤ اور رینم کو تسلی دینا۔" ریان نے عانیہ کی طرف دیکھ کر کہا تو عانیہ سر ہلا کر ایک طرف۔ چل دی۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں پہنچی جہاں رینم اور حریم تھیں۔ اندر آتے ہی اسے حریم کی باتوں کی آواز آئی تھی وہ اسے تنگ کر رہی تھی۔

"رینم اگر ڈاکٹر نے کہا کہ تمہارا آپریشن کرنا پڑے گا تو تم کیا کرو گی؟"

"مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں جس میں آپریشن کرنا پڑے۔ تم خوامخواہ مجھے مت ڈراؤ۔" وہ نقاہت آمیز لہجے میں ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"تمہیں بڑا پتہ ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے آپریشن کروانا پڑ جائے تو تم ڈر کے مارے بے ہوش ہو جاؤ گی اور ڈاکٹروں کو بے ہوش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔" حریم شرارت سے بولی۔ رینم ڈرے کی بجائے اداسی سے مسکرا دی۔

"کسی آپریشن کی ضرورت نہیں پڑے گی" عانیہ نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا تو دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ہاتھ باندھے مسکرا کر رینم کو دیکھ رہی تھی۔ رینم بھی اسے دیکھ کر مسکرا دی اور حریم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے آپی عانی کی ڈانٹ کا انتظار کرنے لگی۔

"اور تم.... کیوں ایسی بات کر کے اسے ڈرا رہی تھی؟" عانیہ نے اپنا روئے سخن اس کی طرف موڑا۔

"میں تو بس اندازہ لگا رہی تھی کہ...." وہ کھسیا کر بول رہی تھی جب عانیہ نے اس کی بات کاٹی۔

"تم اپنے اندازے اپنے پاس رکھو۔ڈاکٹر نے کہا ہے کہ رینم کو کوئی بڑی بیماری نہیں ہے۔بس تھوڑا سا نزلہ زکام ہے جو علاج نہ ہونے کی وجہ سے بڑھ گیا تھا۔دوائیں لینے سے وہ جلد ٹھیک ہو جائے گی۔"

"واقعی...؟"رینم خوشی سے پوچھنے لگی تو عانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر مجھے یہاں نہیں رہنا پڑے گا نا؟"

"ہاں ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ہم آج ہی تمہیں گھر لے کر جا سکتے ہیں۔"عانیہ اس کے قریب آئی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی جو ابھی بھی گرم تھی۔

"عانیہ....میری ایک بات مانو گی؟"رینم نے ایک نظر حریم کی طرف دیکھا اور پھر اسے بڑے مان سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔اسے حریم نے بتایا تھا کہ عانیہ اور وہ کراچی جا رہے ہیں اور وہ یہ سن کر بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"ہاں بولو؟"عانیہ نے پیار سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

"مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔کیا تم ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی؟"رینم نے ڈرتے ہوئے پوچھا تو عانیہ مسکرا دی۔

"ہاں رہ سکتی ہوں۔"

"واقعی....لیکن حریم نے مجھے بتایا تھا کہ تم کراچی جا رہی ہو؟"

"ہمم...کراچی جانا تو میرا ضروری ہے۔تم ایسا کرو نا میرے ساتھ کراچی چلو۔تمہارے بھائی تو کچھ دن بعد اپنی ڈیوٹی پر چلے جائیں گے۔پھر تم یہاں اکیلے رہ کر کیا کرو گی۔"عانیہ نے اسے تجویز دی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔میں بھائی سے کہوں گی مجھے بھی آپ لوگوں کے ساتھ جانا ہے۔.....لیکن اگر بھائی نے منع کر دیا تو.....؟"

"ارے میں اپنی چھوٹی سی گڑیا کو منع کیسے کر سکتا ہوں۔"ریان کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا تو تینوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔وہ رینم کی بات سن چکا تھا اور اسے لگا تھا رینم اس کے دل کی ہی بات کر رہی ہے۔

"سچ میں؟" وہ بچوں کے سے انداز میں پرجوش ہو کر بولی تھی۔

"ہاں بالکل سچ۔ میں جانتا ہوں یہ دونوں تمہاری دوستیں ہیں۔ تم ان کے بغیر اداس ہو جاؤ گی۔ اور میں تمہیں اداس نہیں دیکھنا چاہتا" وہ آگے بڑھ کر اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے بولا تو رینم فرط جذبات سے اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ ریان پیار سے اس کے بال سہلانے لگا جبکہ وہ دونوں مسکراتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہیں تھیں۔

"لیکن مجھے آپ کے ساتھ بھی رہنا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ میں چھٹیوں تک تو تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔ مل کر کراچی کی سیر کریں گے۔" ریان نے کہا۔

"اففف کتنا مزا آئے گا نا جب میں سمندر کو قریب سے دیکھوں گی۔ مجھے جلدی وہاں لے چلیں نا۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"کل چلیں گے۔ ابھی تو گھر چلو۔"

ریان نے اسے سہارا دیتے ہوئے اٹھایا اور اسے لے کر باہر کی جانب چل پڑا۔ عانیہ اور حریم بھی ان کے پیچھے چل پڑیں۔ عانیہ شکر کر رہی تھی کہ ابھی تک رینم اور حریم کو یہ نہیں پتہ چلا تھا کہ وہ ریان کو پہلے سے جانتی ہے۔ لیکن بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ آخر ایک نہ ایک دن تو ان دونوں کو سب کچھ پتہ چلنا ہی تھا۔

---------------------------

وہاب اس وقت رات کا کھانا کھا کر عمیر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عمیر کا اس کے سامنے ہی کمرہ تھا اس لیے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہاب بھی مسکراتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس مسکراہٹ کی وجہ حدیقہ ہی تھی جو ڈائننگ ٹیبل پر بالکل اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ کھانے کے درمیان چپ چپ سی رہنے لگی تھی۔ نظریں جھکائے جلدی جلدی کھانا کھاتی اور وہاں سے بھاگنے کا کرتی۔ وہاب اس کی وجہ بخوبی جانتا تھا۔ اور وجہ بھی تو وہی تھا۔

وہ سوچوں میں گم کمرے میں داخل ہوا تو سامنے نظر پڑتے ہی بے اختیار ٹھٹکا تھا۔

عنیقہ سرخ شلوار اور تنگ قمیض میں ملبوس کالے بالوں کی چٹیا بنا کر آگے ڈالے، سانولے چہرے پر ڈھیروں میک اپ کیے پنجابی فلموں کی کسی پرانی ہیروئینوں کی طرح دکھ رہی تھی۔ وہاب تو پہلے سخت حیران ہوا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر ناگواری ابھری تھی جو عنیقہ کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی لیکن وہ پھر بھی مسکرائی تھی۔

"تم...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ سخت طیش کے عالم میں بولا تھا۔

"مجھے یہاں دیکھ کر آپ کو حیرانی کیوں ہو رہی ہے۔ اگر حدیقہ یہاں آسکتی ہے تو میں کیوں نہیں۔" وہ اس کے غصے کا کوئی بھی اثر لیے بنا بولی۔ حدیقہ کے ذکر پر وہ چونکا تھا۔ تو کیا عنیقہ نے حدیقہ کو یہاں آتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے پریشانی سے سوچا۔

"بکواس بند کرو اپنی اور نکلو یہاں سے۔" وہ انگلی اٹھا کر چلایا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کیسے باہر نکالے۔

"کیا آپ نے حدیقہ کو بھی ایسے ذلیل کر کے کمرے سے نکالا تھا۔" وہ پھر حدیقہ کو درمیان میں لے آئی تو وہاب جھنجھلا کر رہ گیا۔

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تمہیں بیچ میں آنے کی ضرورت نہیں۔ اب دفع ہو جاؤ میں تمہیں ایک منٹ بھی یہاں برداشت نہیں کر سکتا۔" اسے اتنا غصہ شاید اپنی زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا جتنا عنیقہ پر آ رہا تھا۔

"بیچ تو وہ آئی تھی...... ہمارے درمیان۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں آپ کو کتنا چاہتی ہوں۔ میری ہر سانس میں صرف آپ ہی کا نام ہے۔ میں ہر وقت آپ کے بارے میں ہی سوچتی ہوں۔.... بہت پیار کرتی ہوں آپ سے۔ پھر بھی وہ ہمارے درمیان آگئی۔"

"شٹ اپ... یہ فضول بکواس کسی اور کو سنانا۔ میں ابھی تمہارا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ......"

"کیوں......کیوں کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ ایسا۔بات کرنا تو در کنار میری طرف دیکھتے بھی نہیں۔میں آپ کو ڈھونڈنے جس راستے پر آتی ہوں آپ وہ راستہ ہی بدل دیتے ہیں۔کیا قصور ہے میرا۔یہی کہ میں حدیقہ سے زیادہ خوبصورت نہیں۔ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔کیا فرق ہے ہم میں؟"وہ بولتے ہوئے رو پڑی تھی۔لیکن وہ آنسو وہاب پر اثر انداز ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

"کہہ لیا جو کہنا تھا؟....اب جاؤ یہاں سے۔"وہ رکھائی سے بولا تو عنیقہ کے دل پر چھریاں سی چلنیں لگیں۔کیا وہاب کے نزدیک اس کی کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔اس کے آنسوؤں کا وہاب پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔وہ اپنی نسوانی وقار کو روند کر اس کی طرف بڑھی تھی لیکن وہ اسے یوں ذلیل کر رہا تھا۔

"آپ میری حالت کو کیوں نہیں سمجھ رہے۔میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔خودکشی کر لوں گی اگر آپ مجھے نہ ملے تو۔پلیز مجھ پر رحم کریں۔میں صرف آپ کو چاہتی ہوں۔اور حدیقہ....وہ بہت برے کردار کی لڑکی ہے۔اس کے چاہنے والے ہزاروں ہیں۔وہ ان سب کو چھوڑ کر آپ کی طرف کبھی نہیں بڑھے گی۔آپ کے ساتھ کبھی مخلص نہیں ہو گی۔"وہ وہاب کو حدیقہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بس...حدیقہ کے خلاف اب ایک اور لفظ بھی منہ سے نکالا تو اچھا نہیں ہو گا۔میں کب سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں تم جو منہ میں آئے کہتی چلی جاؤ۔حدیقہ کے کردار کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔وہ میرے دل میں بستی ہے اور اس کے بارے میں اس طرح کی کوئی گھٹیا بات برداشت نہیں کر سکتا۔اور رہی بات تمہاری.....تم جاننا چاہتی ہو نا کہ تم میں اور اس میں کیا فرق ہے تو سن لو۔تم میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔وہ معصوم اور پاکیزہ کردار کی لڑکی ہے۔اس کی آنکھوں میں حیا کے موتی ہیں۔جبکہ تم.....تمہیں اپنی عزت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔کوئی شرم و حیا نہیں۔لڑکی ہو کر اتنی بے باک گفتگو۔تم نے ہی میری توجہ حاصل کرنے کے لیے مجھے وہ پوئٹری میسیجز کیے تھے نا؟......یہ ہے تمہارا کردار۔سخت نفرت کرتا ہوں میں تم سے۔تمہاری

شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔" وہاب دوٹوک انداز میں بولا تھا کہ وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ اور وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے ساکت وجامد سی وہاب کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس سے نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے اس کی اوقات یاد دلا رہا تھا۔ تو ٹھیک ہے وہ بدکردار ہے تو اب وہ اسے بن کر دکھائے گی۔ اپنا مقصد پانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے گالوں پر بہتے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔

"یعنی کہ تم میری محبت سے صاف انکار کر رہے ہو۔ لیکن تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں۔ عنیقہ ابرار.... جسے اگر کوئی چیز پسند آجائے تو وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔ سوچ لو ایک دفعہ..... کہیں یہ انکار تمہیں مہنگا نہ پڑ جائے۔ میں اس وقت تمہارے کمرے میں کھڑی ہوں اور میری ایک چیخ سے تم سب لوگوں کی نظروں سے گر سکتے ہو۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"اوہ واقعی.... تم مجھے بدکردار ثابت کرنا چاہتی ہو۔ لیکن افسوس تم یہ نہیں کر سکتی۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نہیں، تم میرے کمرے میں آئی ہو اور دوسری بات یہ کہ جس طرح کی تمہاری ڈریسنگ ہے کوئی بھی نہیں سوچے گا کہ میں تمہیں یہاں زبردستی یا بلیک میل کر کے لایا ہوں۔ بلکہ تم اپنی مرضی سے آئی ہو۔ اور یاد رکھو تمہارے اس طرح کے گھٹیا حربے مجھ پر اثر نہیں کرنے والے۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اس کی دھمکی کو مذاق میں اڑاتے ہوئے آخر پر اکتائے ہوئے لہجے میں اسے یہاں سے جانے کا کہنے لگا تھا۔ عنیقہ کو احساس ہو گیا تھا کہ اس کی دال یہاں نہیں گلنے والی۔

(اگر تم میرے نہ ہوئے تو میں بھی کسی کو تمہارا نہیں ہونے دوں گی۔) وہ ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈال کر تیزی سے باہر چلی گئی۔ وہاب تو اس لڑکی کی گھٹیا ذہنیت پر ششدر رہ گیا تھا۔ اس سے محبت کے بڑے بڑے دعوے کرنے والی بالآخر اپنی اصلیت دکھا گئی تھی۔ وہ اس کی محبت نہیں بلکہ ضد تھا جسے پورا کرنے کے لیے وہ اسے بھی بے عزت کر سکتی تھی۔ لیکن اسے اتنا غصہ اس بات پر نہیں آیا تھا جتنا اس وقت آیا تھا جب اس نے حدیقہ کے

بارے میں بکواس کی تھی۔ دل تو اس کا کر رہا تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ لگائے اور اس کا دماغ ٹھکانے لگا دے۔ وہ شروع سے ہی بہت غصے والا تھا۔ اب تک کے صرف ایک انسان کو ہی اس کے غصے سے معافی تھی اور وہ حدیقہ تھی۔

---------------------------------

نیلی شام کب سے رات کی سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی اور دور کہیں آسمان پر چاند کی مدھم روشنی میں ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ ہر چیز اس پر اسرار خاموشی میں ساکت سی تھی۔ ایسے میں رینم کے کمرے کی گولڈن لائٹ آن تھی اور وہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ اور ریان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ ریان بیڈ کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھا مسکراتے ہوئے اس کی بچگانہ باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ رینم اس وقت سفید کھلے اور ڈھیلے ڈھالے سے کالر ٹاپ اور بلیو جینز میں ملبوس تھی جو یہاں عانیہ نے ایک دفعہ پہنا تھا۔ رینم نے ایسا لباس اپنی زندگی میں پہلی بار پہنا تھا اور حریم نے اسے یہ زبردستی پہنایا تھا۔ اب وہ لمبے بالوں کو پونی میں باندھے کرسٹل کی گڑیا لگ رہی تھی۔ حریم بھی اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی ان کی باتوں میں حصہ لے رہی تھی۔ وہ بھی سرخ فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی اور سر پر دوپٹہ حجاب کی طرح لیا ہوا تھا۔ اس نے بھی شاید اپنی زندگی میں ایسا خوبصورت لباس کبھی نہیں پہنا تھا۔ وہ حیران تو ہوئی کہ ابھی کل تو وہ لوگ یہاں آئے ہیں پھر یہ اتنے خوبصورت اور اتنے زیادہ کپڑے یہاں کیا کر رہے ہیں۔ ریان نے اسے یہ کہہ کر ٹالا تھا کہ وہ ابھی یہ شاپنگ مال سے لے کر آیا ہے۔ حالانکہ وہ آج سارا دن ہسپتال میں تھا۔ پھر حریم نے جب بتول کو دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جو کپڑے آپی عانی نے پہنے تھے وہ کبھی بتول کے نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک تو وہ عانیہ کی نسبت تھوڑی موٹی اور بڑی تھی۔ دوسرا یہ کہ وہ ملازمہ تھی اور اس کے پاس اتنے مہنگے کپڑے کہاں سے آ گئے۔ وہ عانی آپی سے پوچھنا تو چاہتی تھی لیکن موقع ہی نہیں ملا تھا۔ عانیہ سات بجے ہی کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اب تک سو چکی تھی۔

"مجھے بھی شاپنگ پر جانا ہے۔" ریئم نے کہا۔

"لیکن ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں نا۔ تم اپنی دوستوں کو کہہ دینا وہ تمہارے لیے بہت اچھی شاپنگ کر کے لائیں گیں۔" ریان نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"ہاں ریئم۔ ہم تمہاری پسند کی چیزیں لا دیں گے۔ تم بس لسٹ بنا لینا۔" حریم نے کہا۔

"پر مجھے تم لوگوں کے ساتھ جا کر شاپنگ کرنا تھی نا۔ کتنا مزا آتا ہم مل کر ایک جیسے ڈریسز لیتے۔"

"ابھی ہم تمہارے لیے چیزیں لے آئیں گے پھر کراچی جا کر جب تم مکمل ٹھیک ہو جاؤ گی دوبارہ شاپنگ پر چلیں گے۔ ویسے بھی ریان بھائی بہت امیر ہیں تمہیں ڈبل شاپنگ کروا سکیں گے۔ ہے نا۔" وہ ریئم سے کہتی ریان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ہاں بالکل۔ تم لوگوں نے میری پیاری سی گڑیا کے لیے ہر چیز لے کر آنی ہے۔ اور تم لوگوں کے ڈریسز بھی اس طرح کے ہونے چاہئیں۔" ریان نے کہا تو وہ جزبز سی ہو گئی۔

"نہیں.... ہم کراچی جا کر اپنے لیے شاپنگ کر لیں گے۔" اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیسے منع کرے۔

"تو یہاں کیا ہے؟ یہیں شاپنگ کر لو۔" ریان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"نہیں آپی عانی کے پاس ابھی پیسے نہیں ہیں نا۔ وہ کہہ رہی تھیں ہم کراچی چل کر ہی اپنی شاپنگ کریں گے۔"

"اسے تو میں سمجھا لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔"

"وہ بہت موڈی ہیں۔ کسی کی بات نہیں مانتیں۔" دل تو اس کا بھی کر رہا تھا کہ اپنے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کرے۔ اسے شروع سے یہ بہت پسند تھا لیکن اتنے پیسے ہونے کے باوجود اس کے ماما بابا نے اسے اتنے خوبصورت کپڑے نہیں دلائے تھے۔

"میری مان جائے گی۔"

"آپ کی کیوں مانیں گیں۔" حریم نے چونک کر پوچھا۔

"اس کے کراچی جانے کا بندوست مجھے ہی تو کرنا ہے۔اس لیے" اس نے محتاط انداز میں جواب دیا تو حریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے آپی عانی نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا وہ بتول کا تو نہیں لگتا۔" وہ یکدم یاد آنے پر بولی۔ریان جو اس کے ٹلنے پر شکر ادا کر رہا تھا اس سوال پر پریشان سا ہو گیا۔

"بتول کا ہی تھا۔وہ جب چھوٹی تھی تو اس نے لیا تھا۔اور اب تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔"

"اوہ اچھا۔" حریم نے کہا۔ریان نے مزید سوالات سے بچنے کے لیے رینم کے ساتھ اپنے بچپن کی باتیں چھیڑ دیں۔

---

صبح کی ٹھنڈی ہوا میں فضا روشن ہوتی جا رہی تھی۔سورج افق سے جھانکتا ہر ذی روح کو جاگنے پر مجبور کر رہا تھا۔انسانوں کے ساتھ ساتھ جانور اور درخت بھی جیسے جاگ اٹھے تھے۔پرندے بھی خوبصورت آواز میں اپنے رب کی حمد وثنا میں مصروف تھے۔ایسے میں عانیہ فجر کی نماز پڑھ کر کمرے سے نکل آئی تھی اور اب باہر لان میں لگی سبز گھاس پر ننگے پاؤں چل رہی تھی۔آج رات کو وہ اپنے اسی کمرے میں سوئی تھی جس میں وہ پہلے کبھی رہتی تھی۔پچھلی ساری رات جاگنے کے باعث اسے رات کے آٹھ بجے ہی نیند آ چکی تھی۔لیکن اسے رینم کی فکر تھی لیکن رینم نے اسے زبردستی سونے بھیجا تھا۔

"عانیہ..... تم میرے لیے اتنی کیوں پریشان ہو رہی ہو۔میرے لیے اپنی رات کی نیندیں کیوں قربان کر رہی ہو۔میں کب سے ایسے ہی بیمار ہوں اور میری ہر رات ایسے ہی گزرتی تھی۔پہلے کچھ نہیں ہوا تو اب کیا ہو گا۔اب تو میرا علاج بھی ہو رہا ہے۔اور اگر رات کو میری سانس خراب ہوئی تو انہیلر لے لوں گی نا۔لیکن آج میں تمہارے ساتھ نہیں سوؤں گی۔مجھے ابھی سے تمہاری آنکھوں میں نیند نظر آ رہی ہے۔چلو جا کر سو جاؤ۔ورنہ میں تم سے

ناراض ہو جاؤں گی۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے ذرا درشتی سے بولتی عانیہ کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ اس کا کہنا مان کر پھر جلد ہی سونے چلی گئی تھی۔ اب فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ نماز کے بعد وہ رینم کے کمرے میں گئی تھی۔ رینم اور حریم دونوں ایک ہی بیڈ پر پڑیں سو رہی تھیں۔ اس نے حریم کو نماز کے لیے بمشکل جگایا تھا البتہ رینم کو بخار کی وجہ سے سونے دیا۔ ورنہ نماز کے وقت وہ کسی کو سونے نہیں دیتی تھی۔

وہ اس وقت پرپل ریشمی لانگ میکسی میں ملبوس تھی چہرے کے گرد شیفون کا سفید دوپٹہ بندھا ہوا تھا اور وہ سینے پر بازو باندھے گم صم سی ٹہل رہی تھی۔ آنکھوں سامنے مام ڈیڈ کا چہرہ ثبت تھا اور ذہن میں ان کی کہی باتیں گونج رہیں تھیں۔ دفعتاً اسے مین گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلتا نظر آیا تھا اور سالار سر پر ٹوپی پہنے اندر آ رہا تھا۔ وہ قریبی مسجد میں نماز اور قرآن پڑھ کر واپس آ رہا تھا اور اسے دیکھ کر یک دم چونکا تھا۔ آنکھیں سکوڑ کر ایک لمحے کے لیے عانیہ کو دیکھا۔ عانیہ نے اسے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تو وہ خوشی سے دوڑتا اس کے قریب آیا تھا۔ عانیہ نے گھٹنوں کے بل جھک کر اسے گلے لگا لیا۔

"آپی دیا.... آپ کہاں چلی گئیں تھیں؟ میں نے آپ کو بہت مس کیا تھا۔" وہ اپنے ننھے ہاتھ اس کے کندھوں پر حمائل کرتا پوچھ رہا تھا۔

"میں نے بھی تو تمہیں بہت مس کیا تھا۔ اچھا بتاؤ کیسے؟" وہ اس کے دونوں گالوں کو پیار سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہوں۔ ہم نے آپ کو بہت ڈھونڈا تھا۔ آپ چلی کہاں گئیں تھیں؟"

"میں کھو گئی تھی۔" وہ عجیب سی اداسی میں گھری کہہ رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے میں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے کلاس میں۔ اور آپ نے جو کرکٹ مجھے سکھائی تھی نا تو میں نے سکول میں وہ بھی کھیلی تھی اور اتنے چھکے مارے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی ٹیم میں شامل کر لیا ہے۔ اور مجھے جھولا

بھی بہت یاد آتا تھا جو آپ مجھے دیتیں تھیں ..... "وہ اپنی توتلی زبان میں اسے گزرے دنوں کے واقعات سنانے لگا تھا۔ پھر عانیہ نے اسے جھولا بھی دیا۔ کچھ دیر بعد بتول اسے لینے آگئی تھی کیونکہ سکول کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ منہ بناتا چلا گیا تو عانیہ بھی اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی کہ اسے ریان گیٹ سے اندر داخل ہوتا نظر آیا تھا۔

وائٹ جاگرز اور بلیک کلر کے ٹریکنگ سوٹ میں ملبوس تولیے نما چھوٹا سا رومال گلے میں ڈالے اور اس کا ایک کونا پکڑ کر چہرے سے پسینہ صاف کرتا وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔ عانیہ کچھ لمحوں کیلیے اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر اسے اس طرح دیکھنے پر خود کو کوستی رخ پھیر گئی تھی۔

"اتنی صبح صبح یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آرکا تھا۔

"جاگنگ۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی تاکہ ریان یہاں سے چلا جائے۔

"ارے تو میرے ساتھ پارک چلتی نا۔ اکٹھے جاگنگ کرتے۔"

"مجھے کیا پتہ کہ تم جاگنگ پر جاتے ہو۔"

"اور تمہیں تو یہ بھی لگتا ہو گا کہ میں صبح جلدی اٹھتا بھی نہیں۔ کبھی مسجد کا منہ بھی نہیں دیکھا ہو گا میں نے۔ ہیں نا۔" وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔

"اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کہا۔ تم خوامخواہ بات کو بڑھا دیتے ہو۔" وہ خفگی سے بولتی لان کی طرف چلنے لگی اور اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"اچھا ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ پہلے جب تم یہاں تھی تو میں تمہیں کیسا شخص لگتا تھا۔ میرا مطلب قاتل تو میں تمہیں لگتا ہی تھا اس کے علاوہ تمہیں کیا لگتا تھا کہ مجھ میں کون کون سی خامیاں ہوں گی۔" ریان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"ایک لمبی لسٹ ہے خامیوں کی۔ کون کون سی بتاؤں۔" وہ اسے چڑانے کو بولی۔

"اچھا تو کیا وہ اب بھی مجھ میں دکھتی ہیں تمہیں۔" وہ بازو سینے پر باندھتا پوچھنے لگا۔

"تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری تعریف کروں۔" وہ ابرو اچکا کر بولی تو وہ ہنس دیا۔عانیہ اس کی خوبصورت ہنسی کو دیکھ کر رہ گئی۔

"نہیں سچ بتاو۔بے شک وہ میری خامیاں ہی کیوں نا ہوں۔" وہ بولا تو عانیہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کا تنقیدی جائزہ لینے لگی۔

"ہمم....سچ بتاؤں۔پہلے میں تمہیں ایک قاتل اور برا انسان سمجھتی تھی لیکن اب تمہاری شخصیت کا یہ پہلو سامنے آیا ہے کہ تم ایک مخلص اور اچھے انسان ہو۔اپنے سے جڑے رشتوں کا پاس ہے تمہیں۔خاص کر تم ایک بہت اچھے بھائی ہے۔" وہ بولتی ہوئی اس کے گرد گھومنے لگی۔

"لیکن.....اگر میری نظر سے دیکھو تو تم ایک انتہائی بدتمیز، اکھڑ مزاج، مغرور اور فلرٹ انسان ہو۔" وہ اس کے پیچھے سے ہو کر پھر اس کے سامنے آر کی تھی اور ریان کا اس بات پر قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا جب تم میری تعریف کرو گی۔لیکن چلو خیر!....مجھے تو یہ بھی کسی تعریف سے کم نہیں لگ رہی۔"

"ڈھیٹ لوگوں کو ایسے الفاظ تعریف ہی لگتے ہیں۔" عانیہ نے مسکراتے ہوئے ایک اور چوٹ کی تو ریان نے برا سا منہ بنایا۔

"چلو یہ بھی کہہ لو۔اگر اور کچھ بھی رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ دو پھر مجھے بھی بتانا ہے کہ تم مجھے کیسی لگتی ہو۔" ریان نے کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں۔مجھے پتہ ہے کہ میں کیسی ہوں۔" وہ بول کر اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"واقعی۔ تمہیں پتہ ہے کہ تم مجھے کیسی لگتی ہو۔ میرے دل کا حال جانتی ہو کیا؟" وہ اس کا بازو کہنی سے پکڑ کر روکتا ہوا بولا۔ عانیہ نے اس کی بات پر غصہ کرنا چاہا لیکن اسے نہیں آیا۔ پھر چہرے پر مصنوعی غصہ لاتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔

"ریان...... تمہیں پتہ ہے میں ایک پاور گرل ہوں اور......" وہ اپنی طرف اشارہ کرتی بول رہی تھی جب ریان نے اس کی بات کاٹی۔

"اور میں ایک پاور بوائے ہوں۔ تو کیسی رہے گی ہماری جوڑی؟" وہ ایک ہاتھ سے اس کے دوسرے بازو کو پکڑتے ہوئے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا تھا۔ عانیہ کی تو بولتی ہی بند ہو گئی۔ وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ بلش کر اٹھی تھی۔ ریان کا چہرہ اس کے چہرے کے اتنا قریب تھا کہ اس کی گرم گرم سانسیں وہ خود پہ محسوس کر رہی تھی۔ ریان بے خودی کے عالم میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ اس پل اس کی ہمت پتہ نہیں کہاں چلی گئی تھی کہ ہلنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں ایک ہی لے میں بہنے لگیں تھی۔ یکدم فضا مہک سی اٹھی تھی۔ ارد گرد کی خوبصورتی بڑھ گئی تھی۔ ہوا کی سرسراہٹ کسی نغمے کی طرح گنگنانے لگی تھی۔ رنگ برنگی تتلیاں ان کے گرد رقص کرنے لگیں تھیں۔ کچھ لمحے یوں ہی بہہ گئے تو عانیہ نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے اپنا بازو چھڑایا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور اسے غصے سے گھورا۔

"پھر تم کہتے ہو کہ مجھے تم پر غصہ کیوں آتا ہے۔" وہ خفت مٹانے کو ذرا سخت لہجے میں اسے ڈانٹنے لگی لیکن ریان کے چہرے کی دلکش مسکراہٹ دیکھ کر اسے لگا کہ وہ پھر سے پگھلنے لگی ہے تو نظریں پھیر کر وہاں سے چل دی۔

"اچھا رکو تو.... سوری۔" وہ اس کے پیچھے آتا ہوا بولا لیکن وہ نہ رکی۔ اب ہمت بھی کہاں رہ گئی تھی اس کا سامنا کرنے کی۔ ریان اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"سوری نا۔" وہ شرمندہ لہجے میں کان پکڑتا ہوا بولا۔ عانیہ تذبذب کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اچھا وہ تمہیں بتانا تھا کہ رینم کیلیے کچھ شاپنگ کرنی ہے تو...." وہ بات بدلنے کے لیے بولا۔

"اوکے میں کر دوں گی۔" وہ رکھائی سے بولتی جانے لگی۔

"پوری بات تو سن لو۔ وہ چاہتی ہے کہ تم اور حریم بھی اس کے جیسے کپڑے خریدو۔"

"لیکن مجھے ابھی ضرورت نہیں۔ میں اور حریم کراچی جا کر ہی شاپنگ کریں گے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"مطلب کہ تم اب بھی مجھے اور رینم کو غیر ہی سمجھتی ہو۔ اور وہ رینم ہے کہ تمہاری تعریفوں میں زمین آسمان ایک کیے ہوئے ہے۔ جب اسے پتہ چلے گا تو کتنا دکھ ہو گا اسے۔"

"تم اب جذباتی بلیک میل کر رہے ہو۔" وہ سینے پر بازو باندھتے ہوئے بولی۔ اس کا ازلی اعتماد پھر سے واپس آ گیا تھا۔

"اچھا تو پھر سیدھے طریقے سے کہہ دیتا ہوں۔ رینم کیلیے شاپنگ کرنی ہے۔ اور ساتھ میں تم اپنے اور حریم کیلیے بھی وہی چیزیں لو گی جو رینم کے لیے لو گی۔ سمجھ آئی۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولا۔

"تم مجھے غریب سمجھتے ہو؟..... میری مام کا بہت بڑا بوتیک ہے۔ میں اپنے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے بھی کپڑے خرید سکتی ہوں۔ تمہیں مجھ پر رحم کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ارے یار نہیں۔ میں تم پر کوئی ترس نہیں کھا رہا بلکہ ایڈوانس فیس جمع کروا رہا ہوں۔ دراصل کراچی میں مجھے کہیں رہنا ہے تو کسی ہوٹل سے بہتر ہے میں تمہارے گھر میں ہی رہ لوں۔ تو اس کا کرایہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا نا" ریان نے بڑے آرام سے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

"کیا مطلب؟... تم میرے گھر رہو گے۔ میں نے تمہیں صرف کراچی آنے کی اجازت دی ہے اپنے گھر آنے کی نہیں۔ وہاں بہت سے ہوٹلز ہیں۔ اور تم جس طرح کا چاہو کمرہ بک کروا سکتے ہو لیکن مجھ سے کوئی امید مت

رکھنا۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولی۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ تو ہوئی تھی لیکن وہ دوسروں کو کیا جواب دیتی۔

"بڑی بے مروت ہو۔ اچھا تو میں پھر رینم کیلیے بھی ہوٹل میں ہی کوئی کمرہ بک کروا لوں گا۔" وہ برا منائے بغیر بولا۔

"وہ میرے ساتھ رہے گی۔ ویسے بھی تم کچھ دنوں کے بعد چلے جاؤ گے تو اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔ میں اس کا تم سے بہتر خیال رکھ سکتی ہوں۔"

"یعنی کہ تم کسی طور میری بات نہیں مانو گی۔"

"نہیں۔"

"سوچ لو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں ان دونوں کو سب کچھ بتا دوں گا۔" وہ دھمکی دینے پر اتر آیا اور عانیہ تو تلملا کر رہ گئی۔

"کیا بتاؤ گے؟" وہ بھنوں سکیڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"یہی کہ ہم دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اور تم پہلے میری منگیتر تھی۔" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو عانیہ کا پریشانی سے چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"تم.... تم بلیک میلر کہیں کے۔ تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی کہ مجھے بلیک میل کرو۔ ہاں۔ تم ذرا بتا کر دکھاؤ۔ پھر اپنا حشر دیکھ لینا۔" وہ ہاتھ سے مکا بنا کر اس کے کندھے پر مارتے ہوئے بولی۔ اگر ریان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کا بازو ٹوٹ چکا ہوتا۔ لیکن وہ بھی تو کڑی ٹریننگ کے بعد پائلٹ آفیسر بنا تھا اور ویسے بھی دیا کے ہاتھ سے مار اسے پھول کی طرح ہی لگتی تھی۔

"لگتا ہے تمہارا دل مجھ سے لڑنے کو کر رہا ہے۔"

"تم حرکتیں ہی ایسی کرتے ہو۔"

"میں تو ایسا ہی ہوں۔ تم بے شک مجھے جتنا مار لو اگر میری بات نہیں مانی تو میں انہیں بتا کر رہوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میرے گھر کے ساتھ والی انیکسی میں رہ لینا" وہ اس پر گویا احسان کرتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟.... میں اب تمہارے ملازموں کے ساتھ رہوں گا۔ تمہارے دل میں ہی میرے لیے جگہ نہیں تو گھر میں کیا ہو گی۔" وہ صدمے سے بولا تو عانیہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

"اچھا نا۔ رہ لینا لیکن کوشش کرنا کہ میرے سامنے مت آؤ ورنہ....." اصل میں وہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے پاس مت آنا۔

"پیچھے آسکتا ہوں کیا؟" وہ مسکراہٹ دبائے شرارت سے بولا تو عانیہ نے اکتا کر آہ بھری۔

"تم سے تو بات ہی کرنا فضول ہے۔" وہ غصے سے کہتی وہاں سے چل دی۔

"اچھا یہ تو بتا دو تم لوگوں کی شاپنگ کیلیے کتنے پیسے چاہیے ہوں گے؟" وہ پیچھے سے بولا۔

"دو لاکھ" وہ جل کر بولی اور اندر داخل ہو گئی۔ ریان کمر پر دونوں ہاتھ ٹکا کر سر جھٹکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

---------------------------

آج رات کو اس کے خواب میں بھی وہاب ہی تھا۔ وہ لمبی پیروں تک آتی سفید فراک میں ملبوس کسی شہزادی کی طرح دکھ رہی تھی اور وہاب بھی کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے چل رہی تھی۔ آسمان پر چاند اتنا بڑا نظر آ رہا تھا کہ جیسے وہ بالکل چاند کے پاس کھڑے ہوں اور ستارے گویا جگنوؤں کی طرح ٹمٹماتے ہوئے ان کے ارد گرد گھوم رہے ہوں۔ آبشار کا پانی بلند پہاڑی سے نیچے گرتا جھرنے کی صورت میں ان دونوں کے پیروں میں سے گزرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ ہوا کی لہروں سے اس کے سنہری بال اور کپڑے پیچھے کی جانب اڑ رہے تھے۔ خوبصورت نیلی آنکھیں خوشی سے چمک رہیں تھیں۔ ان کے ارد گرد ڈھیروں پھول تھے۔ سبزہ تھا۔ پہاڑ اور

ندیاں تھی جو چاند کی روشنی میں مدھم سے دیکھتے دعوت نظارہ دے رہے تھے۔وہ کچھ دیر مسکرا کر باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے تھے پھر ایک جگہ پہنچ کر رک گئے تھے۔اور ایک خوبصورت دھن پر رقص کرنے لگے تھے۔وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا تھا اور وہ اس ہاتھ کے ارد گرد گول گول گھومتی وہاب کے بازو میں جا گری تھی۔وہاب اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اس کے چہرے پر جھکا تھا۔دونوں کے ہونٹ چھونے ہی لگے تھے کہ اس کا خواب ٹوٹ گیا تھا۔اور وہ ہڑبڑا کر یکدم اٹھ بیٹھی تھی۔اے سی کولنگ کے باوجود وہ پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔دل تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا۔وہ گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ایک دم سے جاگنے کی وجہ سے خواب کچھ دیر کے لیے بھول گیا تھا جو اب آہستہ آہستہ فلیشز کی صورت میں اسے یاد آرہا تھا۔وہ بے یقین سی اس خواب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔کیا وہاب اس کے حواسوں پر اتنا چھا گیا تھا کہ خواب میں بھی دکھنے لگا اور خواب بھی اتنا رومینٹک!

(اُف حدیقہ!...تم اتنی شیم لیس کیسے ہو سکتی ہو۔تم نے وہاب کے ساتھ ڈانس کیا اور......)

(نہیں یہ جھوٹ ہے۔میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔میں تو کبھی ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی.....)

(تم نے ایسا خواب تو دیکھا ہے نا....)

(آہ! کیا ہو گیا ہے مجھے۔ہر جگہ وہی کیوں نظر آتا ہے۔بے چین کر کے رکھ دیا ہے مجھے......)

(جھوٹ۔تمہیں تو اسے سوچ کر سکون ملتا ہے۔مان لو تم اس سے محبت کرنے لگی ہو.....)

(شٹ اپ۔ایسا کچھ بھی نہیں۔میں کیوں کروں گی اس سے محبت۔....)

(اچھا اگر تم نہیں کرتی تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے بے شک وہ عنیقہ سے شادی کر لے۔)دل نے سوال کیا لیکن اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔دماغ انکار کر رہا تھا تو دل اقرار کر رہا تھا۔

(اب بتاؤنا اگر وہ تمہیں چھوڑ کر عنیقہ سے شادی کر لے تو تم خوش رہ سکو گی؟.....)

(پتہ نہیں۔مجھے پرواہ بھی نہیں۔عنیقہ اسے بہت چاہتی ہے۔میں ان دونوں کے درمیان کبھی نہیں آنا چاہتی......)

(بے شک تمہارا دل اس کی جدائی سے غم زدہ ہی کیوں نا ہو جائے؟......)

(ہاں...)

(یعنی کہ تم مانتی ہو کہ تم اس کے بغیر اداس او ادھوری رہو گی.....؟)دل اس کے اعتراف پر مسکرایا تھا۔

(ہاں.....)

(اور مانتی ہو کہ تم اس سے محبت کرنے لگی ہو؟....)

(ہاں.....)

(واقعی؟....)

(ہاں......)

(اس کا ساتھ چاہتی ہو؟....)

(ہاں....)

(ہر پل کا؟....)

(ہاں۔ہر پل کا ساتھ)وہ تھکے لہجے اور ٹرانس کی سی کیفیت میں اعتراف کر رہی تھی۔آخر کار وہ وہاب کی محبت کے سامنے اپنے دل سے ہار گئی تھی۔اسے لگا کہ وہ اب پر سکون ہو چکی ہے۔اچانک ہی اس کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا۔شاید اس کے ہار مان جانے کا جشن منا رہا تھا۔کیا کبھی ہار کر بھی سکون ملتا ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔اسے پھر سے وہ خواب یاد آنے لگا تھا اور اب وہ اس کے یاد آنے پر گھبرائی نہیں تھی بلکہ خوشی سے مسکرا دی تھی۔اسے لگا

تھا کہ وہ اڑتے ہوئے بلندیوں پر پہنچ گئی ہے اور اپنے آپ کو کھو رہی ہے۔ یہ محبت کا احساس اس کیلیے نیا تھا جو اسے مسرور سا کر رہا تھا۔ اسے ہر چیز اچھی لگنے لگی تھی۔ جب وہ ناشتے کی میز پر آئی تو بہت خوشگوار موڈ میں تھی جسے عمرینہ نے اپنی زیرک نگاہوں سے بھانپ لیا تھا۔ وہاب کے وہاں آنے پر اسکا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا اور خواہش کے باوجود بھی وہ اسے نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن اس کی نظریں اسے خود پر محسوس ہو رہی تھی۔ اضطرابی سی کیفیت میں وہ تیزی سے ناشتہ کر کے اوپر آگئی تھی۔ اب شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ خود کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہاب کو پتہ نہیں وہ پیاری بھی لگتی ہو گی یا نہیں۔ دل نے کہا....ہاں۔ اور وہ کھلے پھول کی طرح مسکرا اٹھی تھی۔ وہ جتنی آج خوش تھی پہلے شاید کبھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی خوشی بس کچھ ہی دیر کے لیے ہے۔ عنیقہ کسی چڑیل کی طرح اس کی خوشیوں کو نظر لگانے آ رہی تھی۔

"حدیقہ؟" عنیقہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اداسی سے بولی۔

"ہوں" وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ عنیقہ کے چہرے پر دکھ واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا ہوا عنیقہ؟ تم مجھے بہت پریشان لگ رہی ہو" وہ فکرمندی سے بولی تو عنیقہ نے خود کو دکھی ثابت کرنے کے لیے منہ کو اور زیادہ بگاڑ لیا۔ حدیقہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر ساتھ ہی پڑے صوفے پر بٹھایا۔

"یہاں بیٹھو آرام سے اور بتاؤ کیوں پریشان ہو؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کیلیے عنیقہ پس و پیش سے کام لیتے ہوئے اس کے تجسس کو بڑھاتی رہی اور پھر یکدم مگرمچھ کے آنسو بہانے لگی۔ حدیقہ پریشانی کے ساتھ حیرت میں بھی مبتلا ہو گئی تھی۔

"یار کیا ہو گیا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کچھ بتاؤ گی؟" وہ چڑ کر بولی۔

"وہ بہت برا ہے حدیقہ"

"کون ؟"

"وہاب" وہ بولی تو حدیقہ چپ سی ہو گئی۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا وہاب پر کوئی حق نہیں۔

"کیا کیا ہے اس نے ؟" اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"اس نے میرے ساتھ بہت برا کیا حدیقہ۔ اس نے میرا فائدہ اٹھانا چاہا۔ میرے اعتبار کو توڑ دیا۔"

"کیا مطلب ؟" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

"میری ہی غلطی تھی جو میں نے اس جیسے لڑکے سے محبت کی۔ مجھے لگتا تھا وہ بہت اچھے کردار کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ بھی گھٹیا ہی نکلا۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"تم بتاؤ حدیقہ کیا میں اتنی ارزاں ہوں کہ اپنا آپ کسی تھالی میں رکھ کر اسے پیش کردوں۔ ٹھیک ہے میں اس سے محبت کرتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں نا کہ وہ مجھ پر حق رکھتا ہے اور مجھے چھو سکتا ہے۔" عنیقہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی جبکہ اس کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ عنیقہ کیا کہہ رہی ہے یا وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہاب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل نے ہمیشہ کی طرح وہاب کے حق میں گواہی دی تھی۔ لیکن عنیقہ کی یہ حالت اور آنسو بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکتے تھے۔ اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی اور وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے عنیقہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"کل رات اس نے مجھے چھونے کی کوشش کی......" عنیقہ آگے بھی کچھ بول رہی تھی لیکن وہ کچھ سن نہیں پا رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر روئے۔ دل پر چھریاں سی چلنے لگیں تھیں۔ اس کی محبت کھو رہی تھی۔ اس کے خواب مسمار ہو رہے تھے۔ اچانک اسے اپنے گالوں پر آنسوؤں کی بے آواز لڑیاں بہتی محسوس ہوئیں تھیں۔ وہ چونک کر عنیقہ کو دیکھنے لگی جو ابھی تک روتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔

"میں بہت مشکل سے اپنی عزت بچا کر وہاں سے بھاگی تھی۔ اور پھر ساری رات میں نے روتے اور تڑپتے گزاری ہے۔ مجھے اس شخص سے اب اتنی نفرت ہو چکی ہے کہ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ میری محبت کا مذاق اڑایا ہے اس نے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ روتے ہوئے حدیقہ کے گلے لگ گئی لیکن حدیقہ تو جیسے پتھر کی طرح بے جان ہو چکی تھی۔ اور اسے تسلی بھی نہ دے سکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کب عنیقہ کب اس کے پاس سے اٹھ کر جا چکی تھی۔ اس کے دل کا سکون برباد کر کے وہ خود مسکراتی وہاں سے گئی تھی۔ اب وہ جانتی تھی کہ حدیقہ یہ سن کر تڑپ اٹھے گی اور وہاب کو برا سمجھنے لگے گی۔ یہی تو وہ چاہتی تھی۔ کہ حدیقہ کے دل میں وہاب کی محبت کی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائے اور وہ اس کی طرف کبھی نہ بڑھ سکے۔

-----------------------------

عانیہ اور حریم اس وقت اسلام آباد کے ایک مشہور شاپنگ مال میں آئی ہوئیں تھیں۔ عانیہ نے سفید جینز اور پنک رنگ کی گھٹنوں سے اوپر تک کی سکرٹ کے اوپر سفید کلر کا فل سلیو ٹاپ پہن رکھا تھا۔ کالے رنگ کے ہی ہائی ہیل بند شوز پہنے اور براؤن بالوں کی پونی ٹیل بنائے، میک اپ سے عاری چہرہ لیے، ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ حریم نیلی ریشمی پیروں تک آتی لمبی فراک میں ملبوس اپنے سرخ بالوں کو کھول کر چہرے کے دونوں جانب ڈالے نروس سی عانیہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ڈھیروں شاپنگ بیگز تھے۔ رنیم کے لیے انہوں نے سات ڈریسز لیے تھے اور اس طرح کے اپنے بھی لیے تھے۔ اس کے طرح کے جوتے بھی لیں چکیں تھیں۔ میک اپ کا سامان، جیولری غرض ہر چیز ان تینوں کی ایک جیسی تھی۔ شاپنگ تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اب بس رنیم کی پسند کی کھانے کی چیزیں رہ گئیں تھیں۔ لیکن وہ تھک چکیں تھیں اس لیے کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے کا سوچا تھا۔ وہ دونوں شاپنگ بیگ پکڑے شاپنگ مال سے باہر نکلیں تو گرم دھوپ نے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ وہ ہاتھ سے آنکھوں پر چھاؤں کیے شاپنگ مال کی سیڑھیاں اترنے لگیں۔ اس جگہ پر

بہت رش تھا۔ سینکڑوں گاڑیاں سست رفتار میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے جا رہی تھیں۔ لوگ ان کے درمیان میں سے گزر رہے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف دکانوں کی لائینیں لگی ہوئیں تھیں۔ وہ دونوں آخری سیڑھی پر پہنچیں تو انہیں ایک طرف شور سا سنائی دیا۔ دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو انہیں ایک جوان اور خوبصورت سی لڑکی گاڑی کے قریب کھڑی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں قیمتی موبائل اور کلچ تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک موٹر بائیک پر دو غنڈے بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہرے رومال سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اگلے نے موٹر بائیک کا ہینڈل پکڑ رکھا تھا اور پچھلا لڑکی پر پستول تانے اس کے ہاتھ سے موبائل اور کلچ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی پستول کو دیکھ کر ڈر کے مارے کانپ رہی تھی لیکن اپنی چیزیں دے بھی نہیں رہی تھی شاید وہ اس کے لیے بہت اہم تھیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکی سے دونوں چیزیں کھینچ کر فرار ہو گئے اور وہ لڑکی چیختی رہ گئی لیکن اس افراتفری میں کوئی بھی اس کی چیخ و پکار نہ سن سکا تھا۔ عانیہ کو تو لگ غصہ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز حریم کی طرف بڑھائے اور اس کے پکڑنے سے پہلے ہی چھوڑ دیے۔ نتیجتاً وہ نیچے جا گرے لیکن عانیہ کا دھیان یہاں نہیں تھا۔

"اس کو تو میں نہیں چھوڑوں گی۔" وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے تیزی سے اس جانب بڑھی اور تیزی سے اس لڑکی کے سامنے سے بھاگتے ہوئے ان لڑکوں کے موٹر بائیک کا پیچھا کرنے لگی۔ وہ لڑکی چیخنا بھول کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ جب کہ حریم بھی شاپنگ بیگز کا دھیان کیے بنا عانیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکے گاڑیوں کے درمیان سے جگہ بناتے اور ان کو اوورٹیک کرتے آگے بڑھ رہے تھے اس لیے ان کی رفتار ذرا کم ہی تھی ویسے بھی ایک لڑکی سے کیا خوف کہ اتنا تیز بھاگیں۔ عانیہ تھوڑا سا دائیں مڑ کر ایک گاڑی کے سائیڈ سے گزری لیکن اچانک اس کے سامنے ایک اور گاڑی آگئی۔ اور وہ لڑکے گاڑی کے بائیں طرف سے گزر رہے تھے۔ اس نے ساتھ والی گاڑی کے بونٹ پر بائیاں ہاتھ رکھا اور ایک اونچی چھلانگ لگاتے ہوئے اگلی گاڑی کے بونٹ پر اپنا ایک پاؤں رکھا جس کے

بائیں جانب لڑکوں کی موٹر بائیک تھی اور وہ اب اس گاڑی سے تھوڑا آگے جا چکے تھے۔اس نے اچھل کر دوسرا پاؤں گاڑی کی چھت پر جمایا اور زور لگا کر ہوا میں اچھلی۔ایک ٹانگ اٹھا کر ہوا میں گول گھومتے ہوئے اس کا ہائی ہیل والا پاؤں موٹر بائیک کے پیچھے بیٹھے لڑکے کے دائیں جانب چہرے اور گردن پر لگا تھا۔موٹر بائیک کا توازن کھو گیا اور وہ دونوں بائیں طرف گر پڑے تھے۔عانیہ اپنا کام کر کے فضا سے نیچے زمین پر آتے ہوئے ان لڑکوں کے پاس ہی ایک پاؤں اور گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے سنبھل چکی تھی۔سیف گارڈ ہونے کی وجہ سے وہ موٹر بائیک کے نیچے کچلنے سے بچ گئے تھے لیکن پچھلا سخت چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔اس کے ہاتھ سے فون، کلچ اور پسٹل گر کر پاس ہی پڑا تھا۔عانیہ نے اٹھتے ہوئے سامنے دیکھا تو آگے والا لڑکا اٹھتا ہوا موٹر بائیک بند کر رہا تھا۔دفعتاً اس کی نظر پاس ہی پڑے پسٹل پر پڑی تھی تو اس نے جھپٹ کر اٹھانی چاہیے لیکن عانیہ نے آگے بڑھ کر پسٹل کو ایک کک ماری اور وہ اڑتی ہوئی دور جا گری۔وہ لڑکا ابھی حیران بھی نہیں ہوا تھا کہ عانیہ نے گھومتے ہوئے دوسرا پاؤں اس کے کندھے پر مارا اور وہ لڑکا کراہ کر رہ گیا۔آس پاس کی گاڑیوں میں بیٹھے اور پیدل چلتے ہوئے لوگ ہونقوں کی طرح منہ کھولے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کسی فلم کی شوٹنگ چل رہی ہو۔عانیہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ارد گرد نگاہ دوڑائی تو سب کو اپنی طرف حیرت اور اشتیاق سے دیکھتا ہوا پایا۔وہ لڑکی خوشی سے مسکراتے ہوئے اس کے پاس آکر اپنی چیزیں پکڑ چکی تھی اور حریم بھی سارے شاپنگ بیگز پکڑے گرتی پڑتی اس کی طرف آرہی تھی۔اچانک وہاں ٹریفک وارڈن بھی آگیا۔دو لڑکوں کو موٹر بائیک سمیت نیچے پڑے اور عانیہ کو ان کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"یہ دونوں لٹیرے میرا فون اور پرس چھین کر بھاگ رہے تھے تو اس لڑکی نے انہیں روکا ہے۔" وہ لڑکی ٹریفک وارڈن کو تفصیل بتانے لگی تو اس ٹریفک وارڈن کے تاثرات کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔دوسرا ٹریفک وارڈن بھی وہیں آ گیا اور ارد گرد کھڑے لوگ پر جوش لہجے میں انہیں تفصیل بتانے لگے۔اس سے پہلے کہ لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوتا

اس نے بھاگنے کی کی۔ جلدی سے حریم کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ سے آدھے شاپنگ بیگز پکڑتے ہوئے پیچھے کی طرف دوڑ لگا دی۔ حریم بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

گاڑی میں بیٹھ کر ان دونوں نے سکون کا سانس لیا۔

"آپ وہاں سے اس طرح کیوں بھاگ آئیں۔ کوئی برا کام تھوڑی کیا ہے۔ ایک لڑکی کی مدد کی ہے اور ڈاکوؤں کی پھینٹی لگائی ہے۔" حریم ہانپتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بھاگتے نہ تو سارے لوگ اکٹھے ہو کر تماشا دیکھنے لگ جاتے اور ہو سکتا تھا پولیس بھی ہمیں تفتیش کے لیے روک لیتی۔ بھئی چور پکڑ کے ان کے حوالے کر دیے اب اور کیا چاہیے انہیں۔" عانیہ نے بول کر ڈیش بورڈ پر پڑی پانی کی بوتل اٹھائی اور کھول کر لبوں سے لگالی۔

"قسم سے کیا فلمی ایکشن تھا۔ بے چارے لڑکوں کی تو بینڈ ہی بج گئی تھی۔ اور لوگوں کو دیکھا تھا کیسے منہ کھولے حیرت کے بت بنے کھڑے تھے۔ کاش میرے پاس کیمرہ ہوتا اور میں وہ منظر قید کر لیتی۔" وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی۔ عانیہ پانی کی بوتل ڈیش بورڈ پر واپس رکھتے ہوئے زیر لب مسکرا دی اور گاڑی ریورس کرتے ہوئے پیچھے کی جانب بڑھا دی۔ حریم تو ریسٹورنٹ پہنچنے تک عانیہ کی تعریفیں کرنے اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں مصروف رہی تھی۔ آج تو اس کے لیے خوشیوں کا دن تھا جیسے۔ ایک بڑے سے شاپنگ مال میں خریداری کرنا اس کا خواب تھا جو پورا ہو چکا تھا۔ پھر عانیہ کی فائیٹنگ اور ریسٹورنٹ کے بہترین کھانے نے اس کا مزا دوبالا کر دیا تھا۔ واپسی پر انہوں نے رینم کے لیے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور تقریباً تین بجے کے قریب گھر پہنچیں تھیں۔

---------------------------

"بچے.... کھانا کیوں نہیں کھا رہی؟" عمرینہ نے حدیقہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے مخصوص نرم انداز میں پوچھا تھا۔ اس وقت ان کے چہرے پر پریشانی کے اثرات بھی نمایاں تھے۔ حدیقہ نے ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی گالوں پر بہتے آنسو جلدی سے پونچھ ڈالے تھے۔ وہ صبح سے اپنے کمرے میں بند رو رہی تھی۔ دو دفعہ ادیبہ اسے بلانے آئی تھی تو اس نے دروازہ کھولے بغیر ہی اسے ڈانٹ کر بھیج دیا تھا۔ وہاب کی اس بے وفائی سے وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھوں سرخ ہو چکیں تھیں اور چہرہ تپ چکا تھا۔ عمرینہ نے جب اس کی بکھری ہوئی حالت دیکھی تو حیرانی سے اس کی طرف بڑھی۔

"حدیقہ.... میرے بچے۔ کیا ہوا ہے؟... تم رو کیوں رہی ہو؟" انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یکدم اسے ہوا کیا ہے ابھی صبح تو کتنی خوش تھی وہ۔

"کچھ نہیں۔ بس سر میں درد ہے تھوڑا سا۔" وہ خود کو کمپوز کرتی لاپرواہی سے بولی۔ اور سوچنے لگی کہ اگر ماما کو وہاب کے بارے میں پتہ چل جائے تو ان کا بھروسہ ٹوٹ جائے گا۔

"تھوڑا سا درد۔ حالت تو تمہاری کچھ اور ہی بتا رہی۔ کیا ہوا ہے؟ سچ بتاؤ مجھے" وہ اس کے سامنے بیٹھتیں اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے بولیں۔

"سچ میں۔ کچھ نہیں ہوا۔ آپ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں۔"

"تمہیں تو بخار بھی ہو چکا ہے۔ سر میں درد تھا تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" وہ اسے ڈپٹتے ہوئے اٹھنے لگیں۔

"ماما کوئی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" (جو درد مجھے ہے اس کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں۔) بول کر وہ اداسی سے سوچنے لگی تھی۔

"اب میں تمہاری ایک بات بھی نہیں سنوں گی۔ دیکھو کیا حالت کر لی ہے اور مجھے پتہ بھی نہیں" عمرینہ سختی سے کہتی کمرے سے جا چکی تھی اور اس کی آنکھوں سے بے تاب آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔ ماما کے سامنے اس نے خود کو رونے سے جیسے روکا تھا وہ وہی جانتی تھی۔ وہ سسکیاں بھرتی بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتی آنکھیں بند کر گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے بیڈ شیٹ کو سختی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا ہر چیز تہس نہس کر کے رکھ دے۔ لیکن وہ جانتی تھی اس سے بھی اس کا اضطراب کم نہیں ہو گا۔ دل غم سے پھٹا جا رہا تھا جیسے ابھی بند ہو جائے گا۔ آج صبح وہ کتنی خوش تھی۔ اسے وہاب کے بارے میں سوچنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اس پر یہ راز کھلا تھا کہ وہ بہت پہلے سے اس کی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی۔ وہ بلندیوں پر تھی لیکن اب جیسے لگتا تھا کہ کسی نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا ہے۔ وہاب نے ایسی بری حرکت کر کے اسے اس کا اعتبار توڑ دیا تھا۔ اس نے دل کو ٹٹولا تو پتہ چلا کہ اسے یہ دکھ نہیں کہ عنیقہ کے ساتھ کچھ برا ہوا بلکہ دکھ تو یہ تھا کہ وہاب نے اس کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ وہ اسے صرف اپنا سمجھنے لگی تھی لیکن اب اس کی یہ خوش فہمی دور ہو چکی تھی۔ وہ تو اس کا تھا ہی نہیں۔

(لیکن اس کا وہ رویہ؟) دل نے سوال اٹھایا

(وہ شاید مجھے بھی عنیقہ کی طرح کھلونا سمجھتے ہوئے ٹائم پاس کر رہا ہو گا۔) تلخی سے سوچا۔

(لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ صرف تمہیں چاہتا ہے۔) دل نے اس کے حق میں گواہی دی تھی۔

(تو عنیقہ کی وہ حالت.... کیا وہ جھوٹ تھا۔ وہ تو اس سے بہت پیار کرتی تھی۔ اس کی تعریفیں کرتی تھی۔ کبھی اس کے خلاف کچھ سننا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ تو پھر وہ ایک دم وہاب سے نفرت کیوں کرنے لگی؟) دماغ نے کہا تو دل سے کوئی جواب نہ آیا۔ کوئی بات رہ ہی نہیں گئی تھی۔

(کیوں؟..... کیوں کیا وہاب تم نے ایسا؟ میری زندگی میں آ کر پھر اس طرح کیوں چھوڑ دیا۔ اگر تم عنیقہ کو پسند کرتے تھے تو مجھے اپنے سحر میں کیوں جکڑ دیا؟..... جیتے جی مار دیا تم نے مجھے۔ پلیز کہہ دو تم نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ تم

نے کچھ نہیں کیا۔ تم صرف مجھے چاہتے ہو۔ پلیز کہہ دو ورنہ میں مر جاؤں گی۔) وہ شدتوں سے رو رہی تھی۔ لیکن اسے اب بھی امید تھی کہ وہاب نے ایسا کچھ نہیں کیا ہو گا کیونکہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا۔

-----------------------------

تاریک کمرے میں کھڑکی کے سرخ دبیز پردوں سے گزرتی سورج کی روشنی مدھم سا سرخ رنگ کمرے میں بکھیرے ہوئے تھی۔ وہاں ایک گہرا سکون تھا۔ ہر چیز خاموش سی ساکن اپنی اپنی جگہ پر پڑی ہوئی تھی۔ کمرے کے سامنے والی دیوار کے درمیان جہازی سائز کا بیڈ پڑا ہوا تھا جس کے ایک کنارے پر وہ سرہانے پر سر رکھے اوپر سینے تک کور لیے لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کے انداز میں تکان تھی جیسے کوئی انسان منزل پر پہنچ کر بہت تھک جاتا ہے۔ تھکن کے ساتھ منزل پانے کی خوشی بھی ہوتی ہے۔ پھر اس کا دل کرتا ہے کہ اب وہ سکون سے ایک جگہ لیٹ جائے۔ ان آرام دہ لمحات میں اسے منزل تک پہنچنے کے راستے کی مشکلیں یاد آتیں ہیں اور وہ پر مژدہ سا مسکرا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اپنی زندگی کے اٹھارہ سال اس نے مشکلات میں کاٹے تھے۔ ہر قدم پر مصیبتیں سہیں تھیں۔ اور اس کے ساتھ جو ظلم ہوتے رہے تھے ان کی تو کوئی حد ہی نہیں تھی۔ اس کی منزل پر پہنچنے کی امید بالکل ختم ہو چکی تھی لیکن عانیہ نے کسی رہنما کی طرح اسے راستہ دکھایا تھا۔ راستے میں گر کر وہیں پڑے رہنے کی بجائے منزل پر پہنچنے کی ترغیب دلائی تھی۔ وہ عانیہ کی دل سے گرویدہ ہو چکی تھی اور حریم کی کھٹی میٹھی باتیں اس کے غم بھلا رہے تھے۔ آج دوسرا دن تھا اسے یہاں پر۔ ایسا لگ رہا تھا کی وہ غلامی سے نکل چکی ہے۔ اب وہ آزادی سے کھلی فضا میں سانس لے رہی ہے۔ گو کہ بخار کی وجہ سے وہ ابھی تک اپنے کمرے کے میں ہی تھی۔ لیکن اسے یہاں کسی گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ایک سکون سا اس کے سارے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس کا بھائی اس کا کتنا خیال رکھ رہا ہے، اسے اپنا آپ اہم لگنے لگا تھا۔ وہ تو جیسے پھر سے جی اٹھی تھی۔ کبھی وہ اپنے بھائی کو صرف ایک نگاہ دیکھنے کے لیے

ترستی تھی اور اب قسمت ایسی مہربان ہوئی تھی کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تھی۔ ہر وقت جو عدم تحفظ کا احساس اس پر غالب رہتا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اب اس کا بھائی اس کی طرف آنے والی ہر مصیبت کو روک لے گا۔ اس کی ہر خواہش پوری کرے گا۔ وہ بلاشبہ بہت خوش تھی۔

"سو تو نہیں گئی تھی؟" ریان نے ریئم کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ تو وہ چونک کر سوچوں سے باہر نکلی تھی اور دروازے پر کھڑے ریان کو دیکھا جو ہاتھ میں کھانے کی ٹرے پکڑے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی اور اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ ریان بھی مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔

"اب کیسی ہے میری گڑیا؟" وہ پیار سے کہتا اس کے پاس ہی کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے بولا۔ اور جھک کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرنے لگا۔ بخار اب بالکل اتر چکا تھا۔

"ٹھیک" وہ آنکھیں بند کر کے جذب کے عالم میں مسکرائی تھی۔ ریان کو تو بہن پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ اس نے جھک کر اس کے سر پر بوسہ دیا تھا اور ریئم کے دل میں خوشی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ بچوں کی طرح لب بھینچے ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے مجھے گھور کیوں رہی ہو۔ نظر لگاؤ گی کیا؟" وہ اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھتا ٹرے کو گود میں رکھ کر بولا۔

"آپ کتنے پیارے ہیں نا۔ ماشاء اللہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری عمر بھی آپ کو لگا دے" وہ بولی تو ریان کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ دل میں یہ خوشی بھی ہوئی تھی کہ اب اس کی بہن کی دعائیں اس کے ساتھ مل چکیں ہیں۔

"بالکل بوڑھی ماؤں کی طرح دعائیں دے رہی ہو۔"

"آپ مجھے بوڑھا کہہ رہے ہیں؟" وہ مصنوعی خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

"ارے..... ارے ناراض مت ہونا۔ یہ دیکھو میں تمہارے لیے کھانا لے کر آیا ہوں۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاتا ہوں۔ اوکے" وہ کانٹے سے مچھلی کا ایک ٹکڑا اتارتے ہوئے بولا۔ بتول نے آج فرائیڈ فش بنائی تھی۔ ریئم

نے پہلے کبھی فش نہیں کھائی تھی۔ لیکن اب ڈاکٹر نے ڈائیٹ پلان میں فش کھانے کا بھی لکھا تھا۔ ریان جانتا تھا کہ اسے فش کھانے کا طریقہ بھی نہیں آتا ہو گا۔ اسے ڈر تھا کہ کھاتے ہوئے وہ کہیں ساتھ میں فش کے کانٹے ہی نہ نگل لے اسی لیے خود کھلا رہا تھا ورنہ عانیہ ہی کل سے اسے کھانا کھلا رہی تھی۔ لیکن ابھی وہ دونوں شاپنگ سے واپس نہیں آئیں تھیں۔

"آپ کو میری ناراضگی کی کتنی پرواہ ہے۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ آپ مجھے اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ اور کیا سارے بھائی اسی طرح بہنوں کا خیال رکھتے ہیں؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی تھی اور ریان مسکرا دیا۔ نوالہ اس کے منہ کی طرف بڑھایا تو وہ اس نے آگے ہو کر اسے منہ میں لے لیا۔

"اور کسی کا تو پتہ نہیں البتہ تمہارا بھائی تمہاری خوشی کیلیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اور میرے نزدیک تمہاری کتنی اہمیت ہے وہ میرے دل سے پوچھو۔ میری کبھی حسرت رہی تھی کہ میری بھی ایک بہن ہوتی۔ یہ بہنیں ہی تو بھائیوں کو مورل سپورٹ دے کر ان کی ہمت بندھاتیں ہیں۔ ان کی دعاؤں سے بھائیوں کو کامیابی ملتی ہے۔ مجھے بھی تمہاری دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ اس لیے تم اس احساس کمتری سے نکل آؤ کہ تمہاری کو اہمیت نہیں ہے۔ تم ریان عباس کی بہن ہو۔ اب تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو جو ظلم تمہارے ساتھ ہوئے ہیں میں ایک ایک کا حساب لوں گا ان سے۔"

"نہیں بھائی۔ آپ ان کے ساتھ نہیں لڑیں گے۔ وہ بہت اثر ورسوخ والے لوگ ہیں اور کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کو کچھ ہو۔" وہ جیسے اس کی منت کرتے ہوئے بولی۔

"فکر مت کرو۔ وہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ پاکستان آرمی سے تعلق ہے میرا۔ اور وہ لوگ میری ایک کال سے اندر جا سکتے ہیں۔" اس نے نوالہ رنیم کی طرف بڑھایا

"اس کا مطلب آپ ان سے زیادہ طاقتور ہیں؟" وہ متاثر ہوتے ہوئے بولی۔ ریان ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ہم کراچی کب جا رہے ہیں؟"

"آج رات نو بجے۔"

"رات کا سفر کیوں؟" وہ تعجب سے بولی۔

"سیٹس ہی رات کی ملیں ہیں۔" ریان مے کہا تو وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب ہم جہاز پر بیٹھ کر جا رہے ہیں نا۔" ریان نے اسے سمجھایا۔

"کیا؟..... میں جہاز میں بیٹھ کر اڑتے ہوئے جاؤں گی؟" وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔اس کے لہجے میں ڈر پنہاں تھا۔

"ہاں اور ڈرنا بالکل بھی مت۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ "

"نہیں.... میں کیوں ڈرنے لگی بھلا۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"اچھا تمہاری کنڈیشن کیسی ہے؟... سفر کر سکو گی؟.... اگر نہیں تو میں اپنی اور تمہاری سیٹ کینسل کروا دیتا ہوں۔"

"نہیں مجھے عانیہ کے ساتھ رہنا ہے۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"اوکے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن مجھے ایک دفعہ دیکھنے تو دو کہ تم سفر کر سکو گی یا نہیں۔ کھانے کے بعد میرے ساتھ گھر کا ایک چکر لگانا۔ کھلی فضا میں سانس لو گی تو تمہاری صحت کیلیے اچھا ہو گا۔"

"آپ مجھے اپنا کمرہ بھی دکھایئے گا نا۔"

"پھر جلدی سے کھانا ختم کرو۔"

"میں بس.... اب اور نہیں کھایا جاتا۔" وہ اکتا کر بولی۔

"تھوڑا سا اور کھا لو۔ میڈیسنز بھی لینیں ہیں پھر۔ چلو شاباش منہ کھولو۔" ریان نے اس کے منہ کے سامنے نوالہ کیا ہوا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کھانا پڑا۔ کھانے کے بعد ریان نے اسے دوائیں بھی کھلائیں۔ پھر اس کو سہارا دیتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتارا۔ اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اب وہ نقاہت کی وجہ سے اب پہلے کی طرح لڑ کھڑا کر نہیں چل رہی تھی۔ کمرے سے نکل کر سامنے ہی لاؤنج تھا۔ اور دائیں طرف دو کمرے تھے۔ ان کے ساتھ گولائی میں گھومتا زینہ تھا اور ہال کا دروازہ تھا جس سے باہر کا لان نظر آ رہا تھا۔ ان کے بائیں طرف ایک راہداری تھی جو بیگ گارڈن کی طرف جاتی تھی۔ اسی راہداری میں کچن کا دروازہ تھا اور اس کے سامنے ڈائیننگ ہال تھا۔ سٹور روم کے علاوہ دو کمرے خالی پڑے تھے۔ ہر چیز اتنی خوبصورت تھی کہ وہ مسحور سی سب کچھ دیکھے گئی۔ بائیں طرف کی راہداری میں سے گزر کر وہ دونوں بیک گارڈن میں آ گئے۔ دیوار کے ساتھ لگے قطار میں درخت، رنگ برنگے پھول اور سبز گھاس ایک خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ یہاں سے گھر کی پچھلی سائیڈ دکھتی تھی۔ ریان کے کمرے کی بالکونی بھی دکھ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ وہیں ایک درخت کی چھاؤں میں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ پھر ریان اسے اوپر اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ سفید اور میرون رنگ کے امتزاج سے سجا یہ فرنشڈ روم اسے بہت ہی پسند آیا تھا۔ اچانک اسے رائٹنگ ٹیبل پر سلور کلر کا ایک لیپ ٹاپ پڑا نظر آیا تھا۔ وہ ریان کا ہاتھ چھوڑ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھی۔

"یہ آپ کا ہے؟" وہ اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"تمہارا بھی ہے۔" ریان نے اسے ساتھ ہی ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور لیپ ٹاپ پکڑ کر اس کے ساتھ ہی آ بیٹھا۔ وہ بچوں کی طرح تجسس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ریان نے لیپ ٹاپ کھول کر اس کی گود میں رکھ دیا۔

"پر مجھے تو چلانا ہی نہیں آتا۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"میں سکھا دیتا ہوں۔ اس بٹن سے آن کرو۔" ریان نرمی سے مسکرایا۔ تو رینم نے بٹن دبا دیا اور سکرین روشن ہو گئی۔ وال پیپر پر کوئی خوبصورت سا قدرتی منظر تھا۔ پاسورڈ کا خانہ شو ہو رہا تھا۔ ریان نے اس کے سامنے کوڈ ملایا لیکن اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ کون سی کیز دبائیں ہیں۔ پھر ریان نے اسے چلانے کا طریقہ سمجھایا جو کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اپنی بچپن سے لے کر اب تک تصویریں اسے دکھائیں اور وہ اس کو چھوٹا سا دیکھ بے تحاشہ ہنسی تھی۔ اور بابا کی تصویر دیکھ کر وہ مغموم سی ہو گئی تھی۔ ابھی وہ لیپ ٹاپ پر مصروف تھے کہ گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔

"لگتا ہے عانیہ آ گئی۔" وہ چونک کر بولی۔

چلو پھر نیچے چلتے ہیں۔" ریان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور اس سے لیپ ٹاپ لے کر سائیڈ پر رکھ دیا۔ جب وہ نیچے پہنچے تو عانیہ اور حریم لاؤنج میں داخل ہو رہی تھیں۔ رینم مسکراتی ان کی طرف بڑھی۔ اور ریان بھی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ عانیہ نے شاپنگ بیگز ٹیبل پر رکھے اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ارے یار رینم۔ تم تو بالکل ٹھیک ہو گئی ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا چاہیے تھا۔ پوچھو ہی مت کہ کتنا مزا آیا۔ تمہیں پتہ ہے آج کیا ہوا تھا....." اس سے پہلے کہ وہ مزید گوہر افشانی کرتی عانیہ نے اس کی بات کاٹی۔

"تم نے آتے ہی قصے شروع کر دیے۔ اسے شاپنگ تو دکھاؤ جو ہم نے اس کے لیے کی ہے۔" عانیہ چاہتی تھی کہ ریان کی سامنے اس بات کا ذکر نہ ہو۔ اس نے پھر خوامخواہ ہی غصہ ہو جانا تھا۔ ریان بھی اس کے اس طرح کہنے سے چونک گیا تھا۔

"وہ بھی دکھا دوں گی لیکن جب تک میں وہ نیوز رینم کو نہ سنا دوں مجھے چین نہیں آئے گا۔" وہ عانیہ سے کہتی رینم کی طرف متوجہ ہوئی اور اسے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پھر سے شروع ہو گئی۔

"ریم پتہ کیا ہوا۔ میں اور عانی آپی جب شاپنگ مال سے باہر نکل رہے تھے نا تو ہم نے دیکھا کہ دو ڈاکو ایک لڑکی کا پرس اور موبائل چھین کر بھاگ رہے تھے۔ وہ دونوں موٹر بائیک پر تھے اور ان کے پاس گن بھی تھی۔ لیکن عانی آپی نے کسی فلمی ہیرو کی طرح بھاگ کر ان کا پیچھا کیا۔ بھاگتے ہوئے ایک گاڑی کی چھت پر چڑھیں اور ہوا میں اچھلتے ہوئے موٹر بائیک پر پیچھے بیٹھے لڑکے پر گھوم کر ٹانگ ماری۔ واہ کیا منظر تھا۔ وہ دونوں لڑکے موٹر بائیک سمیت نیچے جا گرے اور عانی آپی کو ایک خراش تک نہ آئی۔ ایک تو گردن پر ٹانگ کھانے سے وہیں بے ہوش ہو گیا اور ایک نے اٹھتے ہوئے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی۔ لیکن اسے وہ مہنگی پڑ گئی۔ وہ پاس گری پسٹل قابو کرنا چاہتا تھا تو آپی نے پسٹل کو ایک پاؤں سے کک ماری اور دوسری کک اس کے کندھے پر دے ماری۔ ایسے لگ رہا تھا کوئی فلم چل رہی ہے۔ سارے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور حیران نظروں سے آپی کو دیکھنے لگے۔ وہ لڑکی جس کا موبائل اور پرس چھینا گیا تھا وہ تو خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ پھر ٹریفک وارڈن کے وہاں آنے پر ہم وہاں سے بھاگ آئے۔ سچ میں یار اگر میرے پاس کیمرہ ہوتا تو اب تم دیکھتی کتنے زبردست ایکشنز تھے آپی کے ۔ اتنی خوبصورت لگ رہیں تھی کہ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔......" وہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی اور عانیہ کا دل کر رہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ ریان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ غصے سے اپنے دانت پیس رہا ہے اور اسے ڈانٹنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہو گا۔ لیکن مجھے اس کے غصے کی کیا پرواہ۔ اس نے سوچ کر ڈھٹائی سے شانے اچکا دیے تھے۔ جبکہ حریم تجسس سے حریم کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کوئی تھرلنگ سی کہانی سن رہی ہو۔

"ابھی تو میں نے ان لڑکوں کی ٹھیک سے پٹائی بھی نہیں کی تھی اور ٹریفک وارڈن وہاں آ گیا۔ اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے اس لیے وہ میرے ہاتھ سے بچ گئے۔" وہ ریان کو اور چڑانے کے لیے بولی تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ اب ان دونوں کے سامنے وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

"مجھے بھی دیکھنی تھی فائٹنگ" ریئم منہ بناتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں ریئم تم اگلی دفعہ ہمارے ساتھ چلنا اور کسی اور لڑکے کی پٹائی ہوتے دیکھ لینا" حریم نے تجویز پیش کی۔

"شاباش لڑکیو!.... کیا پلان بنایا ہے۔ تم لوگوں کے فائٹنگ دیکھنے کے چکر میں اگلے بندے کی بے شک ہڈیاں ٹوٹ جائیں...... کوئی ضرورت نہیں تم لوگوں کو باہر کہیں جانے کی۔ جو بھی چیز لانی ہو مجھے بتا دینا۔ میں لے آؤں گا۔" پہلے اس نے انہیں شرمندہ کرنا چاہا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو سختی سے باہر جانے سے ہی منع کر دیا۔

"آپ کو کیا پتہ لڑکیوں کی شاپنگ کا۔" ریئم منہ بنا کر بولی۔

"کیوں نہیں پتہ۔ دیا کی شاپنگ میں نے ہی تو کی تھی۔" ریان کو بول کے سمجھ آیا کہ یہ نہیں کہنا تھا۔ اس نے ڈرتے ہوئے عانیہ کی طرف دیکھا تو وہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ حریم اور ریئم بے اختیار چونکیں تھیں۔

"دیا....؟" ریئم نے حیرت سے دیا کا نام دہرایا۔

"دیا کون؟" حریم نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ابھی ان دونوں کو شک نہیں پڑا تھا کہ ریان نے عانیہ کو کہا ہے حالانکہ ریان نے بولتے وقت عانیہ کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی کیا تھا۔ لیکن لگتا تھا بچت ہو گئی تھی۔

"آ..... وہ.... دیا۔" وہ بہانہ بناتے ہوئے حیرت سے پوچھنے لگا۔

"جی وہی دیا۔" ریئم نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وہ ایک لڑکی تھی۔" ریان نے ٹالنا چاہا۔

"وہ تو ہمیں بھی پتہ ہے دیا لڑکی تھی۔ یہ بتائیں آپ سے کب کہاں اور کیسے ملی؟... شروع ہو جائیں ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی" ریئم دھونس جماتے ہوئے بولی۔

"اچھاناراض نہ ہوبتاتاہوں۔"ریان نے ایک نظر عانیہ کی طرف تھوک نگلااور بے چاروں والی شکل بنالی۔

"وہ کسی ہوا کے جھونکے کی طرح یکدم ہی میری زندگی میں آئی تھی اور اسی تیزی سے چلی بھی گئی۔"

"کیامطلب چھوڑ کر چلی گئی۔ آپ نے اسے روکا نہیں؟"ریتم صدمے سے بولی

"روکا تھالیکن وہ بہت ضدی تھی۔"ریان نے تو جیسے آج ہی عانیہ سے سارے حساب چکانے تھے۔

"اب کہاں ہے وہ؟کوئی رابطہ نہیں ہوا۔"حریم نے پوچھا۔

"اب تو یہیں ہے۔میرے آس پاس ہی ہے کہیں۔"وہ رازداری سے بولا تو عانیہ کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا۔

"کیامطلب؟....کہاں ہے؟"ریتم بولی۔

"وہ تم لوگوں کو نہیں دکھے گی لیکن وہ یہیں ہے۔ہر پل ساتھ رہتی ہے میرے۔"ریان نے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ عانیہ کو دیکھا۔

"کہیں آپ کسی روح وغیرہ کی بات تو نہیں کررہے۔"ریتم نے ڈرتے ہوئے کہا۔حریم بھی ڈر گئی۔ریان نے قہقہہ لگایا۔

"آپ مذاق کررہے ہیں؟"ریتم نے کہا۔

"نہیں بالکل سچ کہہ رہاہوں۔اس کا ثبوت تمہیں وقت دے گا....اچھاتم لوگ اپنی شاپنگ دیکھو میں چلتا ہوں۔"ریان نے اٹھتے ہوئے ان سب کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالی اور پلٹ کر لاؤنج سے نکل گیا۔عانیہ کا تو غصے سے براحال ہورہاتھا۔اب یقیناًان دونوں کے درمیان لڑائی پکی تھی۔

"تمہیں کیالگتاہے عانیہ!ریان بھائی نے سچ کہاہے۔"ریتم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے لگتاہے کہ تمہارے بھائی کے دماغ پر کوئی گہری چوٹ لگی ہے۔تبھی اس طرح کی باتیں کررہے ہیں۔"عانیہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ ان کے ماتھے پر تو زخم کا ایک نشان بھی دکھ رہا تھا۔ کہیں واقعی....." رنیم پریشان لہجے میں بولی۔ عانیہ نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے۔

"ارے یار کچھ نہیں ہوا انہیں۔ صرف ہمیں کنفیوژ کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم دیا کے بارے میں نہ پوچھ سکیں۔" حریم نے اندازہ لگایا۔

"اس کا مطلب ہے وہ ہمیں ٹال گئے ہیں۔" رنیم ذرا غصے سے بولی۔

"لیکن زیادہ دیر نہیں ٹال سکیں گے۔ تم دیکھنا۔ پتہ تو میں لگا کر رہوں گی کہ یہ دیا ہے کون۔" حریم نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے پختہ لہجے میں کہا۔

"اچھا اب یہ دیا نامہ چھوڑ بھی دو۔ شاپنگ دکھاؤ رنیم کو۔" عانیہ نے بات بدلنی چاہی۔

"اچھا رنیم میں تمہیں دکھاتی ہوں۔ تمہارے لیے کچھ سوٹ میں نے پسند کیے ہیں اور کچھ عانی آپی کی پسند کے ہیں۔" حریم نے اٹھتے ہوئے ٹیبل پر سے چند شاپنگ بیگز اٹھا لیے اور صوفے پر اپنے اور رنیم کے درمیان رکھ کر ان میں سے کپڑے نکالنے لگی۔

"تم لوگوں نے میرے جیسے لیے ہیں یا کوئی اور لے لیے ہیں۔" رنیم نے پریشانی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں تمہارے جیسے ہی لیے ہیں۔ یہ دیکھو۔" حریم نے شاپنگ بیگ سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں تین ایک جیسے ڈریسز تھے۔ سرخ رنگ کے ہلکے اور ڈارک شیڈز کے امتزاج سے بنی ریشمی فراک پیروں تک آتی تھی۔ ٹاپ کا اثر ہلکے سرخ رنگ کا جب کہ اپر نیٹ ایمبرائیڈ سے بنا ہوا تھا۔ بوٹ شیپڈ گلا تھا اور ہاف سے بھی کم سلیوز تھے۔ نیچے کی سکرٹ بھی ہلکی سرخ تھی اور اس پر نیٹ کی ایک تہہ تھی۔ سکرٹ کے شروع میں بیلٹ لگا ہوا تھا جس کے ایک کونے پر دل کی لگا ہوا تھا۔ ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور ہم رنگ شیفون کا دوپٹہ تھا۔ دوسرا سوٹ بھی اسی طرح کا تھا اور سائز بھی اتنا ہی تھا۔ لیکن اس کا کلر ہاف وائٹ تھا۔ اور تیسرا سائز میں تھوڑا چھوٹا اور پنک کلر کا

تھا۔ رینم کو تو سرخ رنگ پسند آیا جو عانیہ لیا بھی اسی کیلیے تھا۔ ہاف وائٹ والا عانیہ کا تھا اور پنک کلر کا جو سائز میں تھوڑا چھوٹا تھا وہ حریم کا تھا۔ رینم کا دل تو اس خوبصورت ڈریس کو دیکھ کر خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ وہ ڈریس کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور اپنے ساتھ لگا کر چیک کرنے لگی۔ عانیہ اور حریم نے اس کی تعریف کی اور پھر اگلے ڈریسز دیکھنے لگیں۔ ہر لباس پہلے سے بڑھ کر خوبصورت نکلا تھا اور رینم کی تو آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ حریم نے جیولری، کاسمیٹک، اور جوتے سب کچھ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ پھر یکدم ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ہاتھ بلند کر کے خوشی سے اچھلنے لگی۔

"رینم تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" عانیہ نے اٹھ کر اس کے کندھوں کو پکڑ کر کہا۔

"آج مجھے مت روکو عانیہ۔" رینم نے اس کے گلے میں اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"چلو اکٹھے ایک دفعہ اچھلتے ہیں۔" حریم بھی کھڑی ہو گئی اور ان دونوں کو کندھوں سے پکڑ کر تھوڑا سا الگ کیا اور اپنے بازو دونوں کے گلوں میں ڈال لیے۔ اب وہ تینوں ایک دوسرے کے گلوں میں بازو حمائل کیے ہوئے اچھل رہیں تھی۔ اور ساتھ گول گول گھومتی جا رہی تھیں۔ تینوں کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے لاؤنج گونج اٹھا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا ہر ایک چیز ان کے ساتھ رقص کر رہی ہے۔

-----------------------------

ہر طرف شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ کمرے کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ سرخ، متورم اور روئی روئی سی نیلی آنکھوں کی چمک ماند پڑ چکی تھی۔ چہرے پر گہری اداسی لیے وہ ایک ٹک سی چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ جسم بخار سے تپ رہا تھا اور سر بھاری ہو رہا تھا۔ ماما کے اصرار کے باوجود بھی اس نے دوپہر اور رات کا کھانا نہیں کھایا تھا اور اس وقت سے ایسے ہی کمرے میں پڑی تھی۔ ڈاکٹر آ کر چیک کر گیا تھا۔ لیکن اس کے

دل کو سکون نہیں مل سکا تھا۔ گھبراہٹ کے سبب یکدم ہی وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ سینہ سہلاتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ پورا گلاس ختم کرنے کے بعد بھی اس کے دل میں لگی آگ نہ بجھ سکی تو وہ بستر سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گلاس ونڈو کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ یہاں سے بیک گارڈن اور دیوار کے پار والا پچھلا گھر نظر آ رہا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ ساکت سی اندھیرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دیکھ سامنے رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے وہاب کا چہرہ تھا۔ وہ اسے جتنا بھولنے کی کوشش کر رہی تھی اتنا ہی وہ یاد آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے بہت دور جا چکا تھا۔ اس واقعے نے ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ بنا دیا تھا۔ اس نے ونڈو پین کو سلائیڈ کر کے کھولا تو ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔ لیکن اسے کوئی خوشگوار احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کے تو جیسے سارے احساسات ہی مر گئے تھے۔ رو رو کر آنسو بھی ختم ہو گئے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس لیا لیکن دل کی بے چینی ختم نہیں ہوئی تھی۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ چونک کر پلٹی تھی۔ سامنے وہاب دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ حدیقہ کی آنکھوں میں ناگواری ابھری تھی اور غصے کی شدت کو کم کرنے کے لیے وہ مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔

"حدی کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ کیا ہوا ہے؟" وہ متفکر سا پوچھتا اس کے قریب آیا تھا۔

"رک جاؤ...." حدیقہ نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں کہا تو وہ ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟" سرد مہری اس کے لہجے میں واضح دکھی تھی۔

"حدی.....؟" وہ حیرت سے اس کے لہجے کو دیکھ رہا تھا۔

"نام بھی مت لینا میرا۔ سمجھے۔ اور جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی۔" وہ غصے سے چلائی تھی۔ وہاب تو بے یقین سا کھڑا رہ گیا۔ یہ اس کی حدی تو نہیں تھی۔ جو اس کے سامنے آ جانے پر پلکیں جھکا لیتی

تھی۔ابھی اس کی آنکھوں میں حیا کی بجائے نفرت تھی۔ آخر کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس طرح سے پیش آ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟..... تم کیوں اس طرح سے ری ایکٹ کر رہی ہو۔" وہ اس کے پاس آیا اور کندھے کو تھام کر پوچھنے لگا۔

"میں نے کہا نا۔ میرے قریب بھی مت آنا" حدیقہ نے اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور انگلی اٹھا کر چلائی۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔" وہ نرمی سے بولا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے تم جاؤ یہاں سے۔" حدیقہ نے چہرے پھیر لیا تو وہاب نے گہرا سانس بھرا۔

"مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟"

"غلطی تم سے نہیں، مجھ سے ہوئی ہے....... تمہیں جاننے میں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو وہاب کو سیدھا اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"کیا کیا ہے میں نے؟"

"اتنا کچھ کر کے بھی تم مجھ سے پوچھ رہے ہو.... میرے اعتبار کو توڑ دیا تم نے وہاب۔ تمہاری وجہ سے میں اس حالت میں ہوں۔ چھلنی کر دیا میرے دل کو۔ سارا سکون چھین لیا میرا۔" وہ یکدم ہی پھٹ پڑی تھی۔ اور وہاب تو حیران و پریشاں سا کھڑا تھا۔

"مذاق بنا دیا مجھے...... کیا سمجھتے ہو تم مجھے ہاں۔ ایک کھلونا۔ جسے دل کرے تو کھیل لو ورنہ پھینک دو۔ کیوں کیا تم نے ایسا وہاب؟..... کیوں؟" وہ روتے ہوئے اس کے سینے پر مکے مارنے لگی۔ وہاب اسے روکے بغیر چپ چاپ کھڑا اس کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ اسے مار مار کر تھک گئی تو اسے پیچھے دھکا دے دیا۔

"جاؤ یہاں سے۔ آئندہ میرے سامنے بھی مت آنا۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔ آئی ہیٹ یو۔" وہاب نے اس کی بات پر تڑپ کر اسے دیکھا۔ وہ اس سے نفرت کرتی ہے یہ خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا۔ نہیں۔ وہ جتنا بھی غصہ کرے اس سے نفرت نہیں کر سکتی۔ اس نے خود کو یقین دلایا۔

"سزا تو دے دی..... جرم بتایا ہی نہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔" وہ اس کے سامنے آ کر بولا۔

"وہ جرم اتنا گھٹیا ہے کہ مجھے بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے لیکن تمہیں کرتے ہوئے نہیں آئی۔"

"آخر بتاؤ بھی گی میں نے کِیا کیا ہے۔ یوں پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔" وہ اکتا کر بولا تھا۔

"کل رات عنیقہ تمہارے کمرے میں تھی؟" بلی آخر کار تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی اور وہاب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اوہ تو یہ مسلہ ہے۔ کہیں تم جیلس فیل تو نہیں کر رہی ہو؟" وہ شرارت سے بولا اس کی خیال میں شاید حدیقہ نے عنیقہ کو اس کے کمرے میں جاتے دیکھ لیا تھا یا عنیقہ نے اسے خود بتا دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے۔

"وہ وہاں کیسے آئی؟.... تم نے اسے بلیک میل کیا تھا نا۔ اسے اپنے کمرے میں آنے پر مجبور کیا تھا اور اس کا فائدہ اٹھانا چاہا۔ تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی کسی لڑکی کی عزت سے یوں کھیلتے ہوئے۔ وہ کتنا چاہتی تھی تمہیں اور اگر تمہیں بھی وہ پسند تھی تو مجھے بیچ میں کیوں لائے؟" حدیقہ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی جبکہ وہاب ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کی کوئی اتنا بھی گر سکتا ہے کہ اپنا مقصد پانے کیلیے کسی کی عزت کو یوں بھی اچھال سکتا ہے۔ عنیقہ اس پر اتنا گھٹیا الزام لگا دے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ غصے اور اہانت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اور کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ حدیقہ کو کس طرح اپنی صفائی پیش کرے۔

"آئی ایم سوری.... حدی۔ میری وجہ سے تمہیں اتنا دکھ پہنچا۔ بہت افسوس ہوا کہ تمہارا اعتبار ٹوٹ گیا لیکن اس بات کی خوشی بھی ہے کہ تمہیں مجھ پر کبھی اعتبار تو تھا۔" وہ آزردگی سے مسکرایا تھا۔

"لیکن میں اپنی صفائی میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا کچھ بھی نہیں۔ اس کی گواہی شاید تمہارا دل بھی دے۔ وہی تو میرا سب سے بڑا وکیل ہے۔ اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" وہاب کہہ کر پھر اداس سا مسکرایا اور واپس پلٹ گیا۔ اس کے الفاظ سیدھے حدیقہ کے دل پر لگے تھے۔ ایک سکون سا سرائیت کرتا محسوس ہو رہا تھا سارے جسم میں۔ جس کی تلاش میں نہ جانے کب سے وہ بھٹک رہی تھی۔ ایک بوجھ سا اتر گیا تھا۔

(میں نے کہا تھا نا کہ وہاب ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ تو صرف تمہارا ہے۔) دل نے وہاب کا وکیل ہونے کا پورا فرض ادا کیا تھا۔

(اس کی گواہی شاید تمہارا دل بھی دے۔ وہی تو میرا سب سے بڑا وکیل ہے۔ اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا) دماغ میں بھی وہاب کا یہ فقرہ گونجنے لگا تھا۔ کیا وہ اس قدر اس کے دل کا حال جانتا تھا۔ اس نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں اور کھڑکی میں ایک ہاتھ رکھتے ہوئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا دی۔ اس پل اسے عنیقہ کا وہ رونا بھول چکا تھا اور یاد تھا تو صرف وہاب۔ اس کے لہجے کی سچائی۔ اس کی اداس سی مسکراہٹ۔

(اُفف حدیقہ...... تم نے یہ کیا کر ڈالا۔ سب ختم کر دیا۔ کتنا دکھ ہوا ہو گا اسے جب اس نے تمہارے منہ سے اپنے لیے ایسے الفاظ سنے ہوں گیں۔ کیا سوچ رہا ہو گا اب وہ۔ بہت برا کیا تم نے۔ وہ شکل سے ہی اتنا معصوم دکھتا تھا اور تم نے کسی کے کہنے پر اسے بد کردار سمجھ لیا۔ غصے میں اسے کتنا کچھ سنا ڈالا وہ اب یقیناً تم سے خفا ہو گیا ہو گا.... نہیں۔ پلیز یا اللہ اسے مجھ سے ناراض مت کیجئے گا۔ میں اس کی ناراضگی سہہ نہیں پاؤں گی۔ پلیز۔ اسے

کہیں مجھے معاف کر دے۔ میں آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گی) وہ دونوں ہاتھوں کو باہم جوڑے کمرے میں ٹہلتے ہوئے اللہ سے دعا کرنے لگی۔

(ہو سکتا ہے وہ مجھ سے ناراض نہ ہو۔ اسے تو میری بہت پرواہ ہے۔ غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی وہ خود مجھ سے معافی مانگ رہا تھا اور میرے لیے پریشان ہو رہا تھا۔) دل نے ایک امید دلائی۔

(اتنی زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے بہت زیادہ ہرٹ کر چکی ہو۔ اس کے کردار پر الزام لگایا ہے تم نے۔ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔) دماغ نے اسے اس کی غلطی یاد دلائی۔

(اف۔ کیا کر دیا تم نے حدیقہ۔ زبان پر کنٹرول رکھنے نہیں ہوتا تم سے۔ ہاہ۔ اب کیا کروں؟ کیسے اس کا سامنا کروں گی؟) وہ یکدم رک کر ایک ہاتھ کمر پر رکھے دوسرا ہاتھ سر پر پھیرتے ہوئے پریشانی سے سوچنے لگی۔

(سامنا تو کرنا ہی ہو گا۔ پھر پتہ کیسے چلے گا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے کہ نہیں۔)

(ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن اگر وہ مجھ سے سچ میں ناراض ہوا تو....؟ مجھ سے تو معافی بھی نہیں مانگی جائے گی۔ تو پھر میں کیا کروں گی؟)

(عنیقہ جھوٹی۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم ہی تو شروع سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور کہتی تھی کہ وہ تمہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور اب اتنا بڑا الزام۔ میں نے تم پر یقین ہی کیوں کیا۔ تمہاری ان عادتوں سے تو میں شروع سے واقف تھی۔ تم اپنا مقصد پانے کیلیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہو۔ نہ اپنی عزت کی پرواہ کرتی ہو نہ کسی اور کی۔ ایسی ایکٹنگ کی کہ مجھے تمہارے آنسوؤں پر یقین آ گیا۔ چالاک عورت۔ اب میں تم سے بات بھی نہیں کروں گی۔ خطرناک ناگن کی طرح ہو تم۔ میرے دل کے سکون کو ڈس لیا تم نے۔) وہ اب عنیقہ کو کوس رہی تھی۔

(پلیز وہاب مجھے معاف کر دینا۔ پلیز) وہ یکدم رو پڑی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ پریشانی میں آج کی رات اس نے آنکھوں میں ہی کاٹنی تھی۔ اور دوسری طرف وہاب کی بھی نیند اڑ چکی تھی۔ دونوں بے

چین ہو چکے تھے اور اپنے اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے چاند کو دیکھ رہے تھے۔وہاب کا کمرہ حدیقہ کے کمرے کے بالکل نیچے تھا۔اس لیے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پائے تھے۔لیکن وہ ایک دوسرے کو اپنے سامنے محسوس کر رہے تھے۔حدیقہ اسے اپنے سامنے تصور کر کے معافی مانگ رہی تھی جبکہ وہ اس سے شکوے کر رہا تھا۔زیادہ دیر اس سے ناراض نہیں رہ سکا تھا اور اسے اپنی سچائی کا یقین دلا رہا تھا۔اداسی بھری رات نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

---

"آپ پھر جا رہی ہیں؟.....ابھی آج ہی تو میں نے آپ کو دیکھا تھا اور اب آپ جا رہی ہیں۔پلیز مت جائیں۔مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"سالار اپنا گول مول سا منہ بسورے عانیہ کو جانے سے روک رہا تھا۔وہ اس وقت جانے سے پہلے سالار سے ملنے خود انیکسی آئی ہوئی تھی۔اگر حریم اور رنیم کے سامنے اس سے بات کرتی تو سارا کٹا چٹھا کھل جاتا تھا کہ یہ دیا ہے کون۔اسی لیے اس نے سالار سے خود جا کر بات کرنے کا سوچا تھا۔وہ جانتی تھی کہ سالار بہت ضد کرے گا اور اسے منانا ہی پڑے گا۔

"مجھے بھی تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں لیکن کیا کروں میرا جانا ضروری ہے۔اور تم فکر مت کرو ہم فون پر بھی تو بات کر سکتے ہیں نا۔"عانیہ نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں نا۔اس طرح سے آپ تو نظر ہی نہیں آئیں گی۔"وہ ضدی پن سے بولا۔

"سالار ضد مت کرو۔کیوں آپی کو تنگ کر رہے ہو۔ان کے گھر والے انتظار کر رہے ہیں اور وہ یہاں ہمیشہ تو نہیں رہ سکتی نا"عدیل سالار کے قریب آ کر بولا۔

"ارے سالار کو ڈانٹیں مت۔میرے پاس ایک حل ہے جس سے یہ مجھے سامنے دیکھ کر بات کر سکتا ہے۔آپ کے پاس سمارٹ فون ہے؟"وہ عدیل سے بولی تو اس نے اچنبھے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے میرا نمبر رکھ لیں اور میں ہر روز سالار کو واٹس ایپ پر ویڈیو کال کر لوں گی۔ پھر ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر بات کر سکیں گے۔" وہ کلچ سے اپنا فون نکالتے ہوئے بولی۔ یہ موبائل اسے ریان نے ہی لا کر دیا تھا جس میں اس کی لائی ہوئی سم بھی تھی اور حماد کی دی ہوئی سم اس نے یہاں سے جاتے ہی ضائع کر دی تھی۔ وہ یہ فون جاتے ہوئے یہاں ہی رکھ گئی تھی اور اب یہاں آنے پر بتول نے اسے دے دیا تھا۔

عدیل نے اپنا موبائل نکال کر اسے نمبر دیا اور اس نے ایک دفعہ اس کے نمبر پر ابیل ماری۔

"یہ ویڈیو کال کیا ہے؟" سالار نا سمجھی سے بولا۔

"ویڈیو کال میں جب تم مجھ سے بات کرو گے تو میری تصویر بھی اپنے فون کی سکرین پر دیکھ سکو گے۔ اور میں تمہیں دیکھ سکوں گی۔" اس نے پیار سے سمجھایا۔

"سچ میں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں سچ میں۔ اب تو مجھے جانے کی اجازت ہے نا۔"

"ٹھیک ہے۔ چلی جائیں لیکن ہر روز مجھ سے بات کریں گیں۔" وہ اس پر گویا احسان کرتے ہوئے بولا۔

"اوہ سالار تم اس دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہو۔ تھینک یو۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ تم اپنا اور اپنے ماما بابا کا خیال رکھنا۔ اوکے" وہ اس کے گلے ملتے ہوئی بولی۔ سالار نے بھی مسکرا کر اسے الوداع کہا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے جانے سے دکھی ہو گا۔

جب وہ گھر آئی تو حریم اور رینم کے کمرے میں چلی گئی۔ دونوں نے ایک جیسی فراکیں پہن رکھی تھیں جو انہوں نے سب سے پہلے نکال کر رینم کو دکھائیں تھی۔ وہ دونوں اس وقت سرخ اور پنک پھول کی طرح کھلی ہوئی لگ رہی تھیں۔ رینم کے چہرے کے زخم مندمل ہو چکے تھے اور وہ سرخ رنگ میں کچھ زیادہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ گلے میں شیفون کا دوپٹہ پھیلائے لمبے بالوں کی فرنچ چٹیا کر کے آگے ڈالے باربی ڈول لگ رہی تھی۔ ہلکا سا میک اپ کیا

ہوا تھا البتہ جیولری کے نام پر صرف ایک لاکٹ پہنا ہوا تھا۔ حریم بھی اپنے کھلے بالوں کو کمر پر گرائے اور کندھوں پر دوپٹہ پھیلائے پوری طرح تیار تھی اور تیار نہیں تھی تو صرف عانیہ۔ لیکن پھر بھی وہ نمایاں دکھتی تھی۔ اگر وہ دونوں چاند کی پریوں جیسی تھیں تو وہ پریوں کی ملکہ تھی۔

"ماشاءاللہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہو دونوں۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" وہ ان کے سامنے آ کر ستائش بھرے لہجے میں بولی تو ریم ذرا سی جھینپ گئی۔

"یہ کیا آپی آپ اب تک تیار نہیں ہوئیں۔ آٹھ بج چکے ہیں اور نو بجے کی فلائٹ ہے۔ آدھا گھنٹہ تو ائیر پورٹ پہنچنے میں ہی لگ جائے گا۔" حریم پریشان سی بولی۔

"فکر مت کرو دو منٹ میں تیار ہو سکتی ہوں۔" وہ چٹکی بجا کر بولی۔

"اچھا تو یہ لیں اپنے کپڑے اور دو منٹ میں تیار ہوں۔" حریم نے شاپنگ بیگ میں سے ہاف وائٹ میکسی نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھی اور چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔

"میرا مطلب تھا کہ میں وقت پر تیار ہو جاؤں گی۔ اب اس کا یہ تھوڑی مطلب تھا کہ دو منٹ میں ہی تیار ہو جاؤں گی۔" وہ سر کھجاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ تو حریم تلملا کر رہ گئی۔

"حریم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ اگر عانیہ نے کہہ دیا ہے کہ وہ دو منٹ میں تیار ہو جائے گی تو وہ یہ کر بھی لے گی۔ کیوں عانیہ؟" ریم اپنی کہنی عانیہ کے کندھے پر رکھتے ہوئے یقین سے بولی۔ عانیہ تائیدی انداز میں مسکرا دی۔

"تو ٹھیک ہے۔ یور ز ٹائم سٹارٹ ناؤ۔" حریم نے گھڑی کہ طرف اشارہ کیا تو عانیہ نے وہاں دیکھا اور انگوٹھے سے اسے تھمبز اپ کا اشارہ کیا اور ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔ اور ایک منٹ سے پہلے ہی وہ نئے کپڑوں میں ان کے

سامنے تھے۔وہ دونوں مبہوت سی اسے دیکھے جا رہیں تھی اور وہ جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے بالوں کو پونی میں سمیٹ رہی تھی۔ پھر انہیں کی طرح کا نازک سا سینڈل پہن لیا تو دو منٹ ختم ہو چکے تھے۔

"اب بتاؤ میں ریڈی ہوں۔"وہ ان دونوں کے سامنے آکر چٹکی بجاتے ہوئے بولی۔

"اچھا میک اپ تو کرلیں تھوڑا سا۔"حریم نے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"مانا کہ آپ میک اپ کے بغیر بھی بیوٹی کوئین دکھتی ہیں لیکن ہم دونوں نے کیا ہے اس لیے آپ کو بھی ہمارے جتنا کرنا ہی پڑے گا۔اس کے لیے ہم آپ کو دو منٹ مزید دے رہے ہیں۔ چلو ر ینم ہم باہر انتظار کرتے ہیں۔"حریم نے بھی دو منٹ مزید دے کر گویا اس پر احسان کیا اور ر ینم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی باہر لے گئی۔وہ کبھی کبھی ہی میک اپ کرتی تھی۔لبوں پر ہلکا سا لپ گلوز لگا لیتی اور آنکھوں میں صرف کاجل ڈالتی تھی۔مزید کی اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے اپنا سادہ سا میک اپ کرنے لگی تھی۔

باہر ریان نے دور سے ہی ر ینم کو سرخ فراک میں ملبوس دیکھ لیا تھا اور خوشی سے مسکرایا تھا۔اس کی بہن زندگی کی طرف واپس آ رہی تھی۔اس نے بازو پھیلا کر اس کا استقبال کیا اور وہ اس کی طرف آکر اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ریان نے بھی اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے جیسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔حریم کو یہ منظر دیکھ کر اپنے بھائی کی یاد شدت سے آئی تھی۔اس کے ماں باپ بھلے ہی اس سے جتنی نفرت کرتے تھے اس کے بھائی میں تو اس کی جان تھی۔ تبھی تو اس نے بھائی سے ضد کر کے گاڑی چلانی سیکھی تھی اور اس کا سمارٹ فون بھی ہتھیا لیا تھا جس پر بعد میں اس نے دنیا جہان کے ڈرامے دیکھ ڈالے تھے۔اب تو وہ بھی اس سے بہت نفرت کرتا ہو گا۔یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔اس نے چہرہ پھیر کر آنسوؤں کو اپنے اندر اتار لینا چاہا تھا۔لیکن ریان اور ر ینم اسے دیکھ چکے تھے۔

"حریم" ریان نے اسے پکارا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ رینم کے کندھے پر پھیلائے دوسرا اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔ اس نے تذبذب کے عالم میں رینم کو دیکھ جو مسکرا کر آگے آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم بھرتی ان دونوں کے پاس پہنچ گئی۔

"میری آج سے ایک نہیں دو بہنیں ہیں۔ اب گھر والوں کو یاد کر کے رونا مت۔ اگر کوئی بھی پریشانی ہو تو مجھ سے کہنا۔ تمہارا بھائی ہونے کا پورا فرض ادا کروں گا۔" ریان نے دونوں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اسے سچ مچ لگا کہ وہ اپنے بھائی کے پاس ہے۔ اسی پل اس کی اداسی دور ہو گئی تھی۔

"یہ میلوڈرامہ کب بند ہو گا۔ ہمیں فلائٹ کے لیے دیر ہو رہی ہے۔" عانیہ نے باہر نکل کر انہیں ایک متاثر کن نظر سے دیکھا اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے سخت لہجے میں کہتی آگے بڑھ گئی۔ تینوں نے چونک کر اسے دیکھا لیکن وہ اس وقت تک لاؤنج سے باہر جا چکی تھی۔

"تم دونوں کی یہ دوست کچھ زیادہ ہی روڈ نہیں۔ مغرور سی۔ کسی سے سیدھے منہ بات کرنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔" ریان نے رازداری سے پوچھا تو دونوں نے اسے گھورا۔

"عانیہ کو کچھ مت کہیے گا۔"

"آپی کی یہی تو خوبی انہیں سب سے الگ کرتی ہے۔"

"اور وہ ہمیں ہر روپ میں پسند ہے۔" رینم نے حتمی لہجے میں کہا۔ دونوں ہی اس کے حق میں بولنے لگ پڑیں تھیں۔

"اب ایسے تو مت کہو تم لوگ۔ مجھے جیلسی محسوس ہو رہی ہے۔" ریان نے منہ بناتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا۔ تو دونوں کھکھلا کر ہنس پڑیں۔

پھر وہ جب پورچ تک آئے تو عانیہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ان کے انتظار کر رہی تھی۔ خواہش کے باوجود ریان اسے صحیح طرح سے دیکھ نہیں سکا تھا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر بیک ویو مرر سے اسے دیکھنا چاہا تو صرف اس کی کاجل سے لبریز آنکھیں نظر آ رہی تھیں جس پر زیادہ تر پلکوں کی باڑ پہرہ دیتی رہی تھی۔ وہ الگ تھلگ بیٹھی خاموش سی تھی اور چہرہ موڑے ونڈو سکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ حریم اور ریئم کی بات پوچھنے پر وہ نظریں اٹھا کر چھوٹا سا جواب دے دیتی اور اس پل وہ اس کی آنکھیں دیکھ پاتا۔ اسے لگا تھا کہ دیا جان بوجھ کر اس سے کترا رہی ہے۔ دوپہر کو جو کچھ اس نے کہا تھا یہ تو ہونا ہی تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا جب وہ اسے منائے گا تو وہ ڈانٹ کر مان جائے گی۔ ائیر پورٹ پر اس نے اسے دیکھا تھا تو کئی پل نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔ لیکن ریئم اور حریم کے سامنے اسے سنبھلنا پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ جہاز میں بیٹھ چکے تھے۔ ریئم اور حریم پہلے کبھی جہاز میں نہیں بیٹھیں تھی اس لیے ان کا جوش و خروش عروج پر تھا۔ ریان نے اپنا لیپ ٹاپ بھی ساتھ لے لیا تھا۔ حریم نے لیپ ٹاپ اس سے لے کر اپنے سامنے رکھ لیا اور ہیڈ فون کانوں میں لگائے یوٹیوب پر چائینیز اور کورین ڈرامے سرچ کرنے لگی۔ کھڑکی کی طرف حریم تھی۔ ساتھ ریئم اور عانیہ بیٹھی تھی۔ ریان کو آگے سیٹ ملی تھی اس لیے اب وہ مزے سے ایک کورین ڈرامہ 'ڈیسکینڈ ینٹس آف داسن' دیکھ رہیں تھیں جو اردو میں ڈُبڈ کیا گیا تھا۔ سارے سفر میں انہوں نے دو اقساط اکٹھی دیکھ لیں تھیں پھر عانیہ کے ڈانٹنے پر جلدی سے بند کر دیا اور اس پر تبصرے کرنے لگ گئیں۔ تقریباً رات کے گیارہ بجے وہ گھر پہنچے تھے۔ کھانا تو جہاز میں ہی کھا لیا تھا اس لیے آتے ہی سو گئے۔ البتہ عانیہ نے ایک دفعہ سارے گھر کو دیکھ کر مام ڈیڈ کی یادیں تازہ کی تھیں۔ اور مام ڈیڈ کے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

-----------------------------

ساری رات بے چینی سے گزارنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ وہاب کا سامنا کرے۔وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے بعد کیا ہو گا لیکن اس طرح چھپ کر بیٹھے رہنا بھی مسلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ایک امید بھی تھی جس کے تحت وہ خود کو ناشتے کی میز پر جانے کے لیے تیار کر پائی تھی۔

شاور لے کر اس نے بلیک جینز پر سرمئی رنگ کا کالر ٹاپ پہنا تھا جس کی لمبائی گھٹنوں سے کچھ اوپر تک تھی۔کمر میں ایک بیلٹ تھا جو اس کی خوبصورتی کو اور بھی بڑھا رہا تھا۔سنہری بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے اور کسی بھی میک اپ سے عاری چہرہ لیے وہ سیڑھیوں کے زینے اترتی مغموم سی شہزادی لگ رہی تھی۔عمرینہ اسے نیچے آتے دیکھ کر خوش ہوتی اس کی طرف بڑھی تھی اور اسے لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آگئی۔سات بج چکے تھے اور ابھی تک کوئی بھی ناشتے کے لیے نہیں آیا تھا۔وہ لاشعوری طور پر وہاب کی منتظر تھی۔آج رات اسے پتہ چلا تھا کہ انتظار کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔بیزاری سے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے وہاب لاؤنج سے گزرتا ہوا نظر آیا تھا۔بلیک کلر کے ٹریکنگ سوٹ میں ملبوس وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا اور اس کا نیم رخ ہی اسے نظر آیا تھا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ منتظر تھی کہ وہ اسے دیکھ کر کیا ری ایکشن دیتا ہے۔لیکن شاید وہ اسے دیکھ نہیں سکا تھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔وہ مایوس سی ہو کر کہنیاں میز پر ٹکاتے ہوئے بجھا سا چہرہ ہاتھوں میں گرا گئی تھی۔کچھ پل گزرے تو وہ اسے عمیر کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوتا دکھائی دیا تھا اور اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔وہ بے اختیار اسے دیکھے گئی تھی لیکن اس دفعہ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکا نہیں تھا نہ اس کے چہرے پر کوئی واضح تاثر ابھرا تھا۔سپاٹ چہرے لیے لاپرواہی والے انداز میں وہ اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا ایسے جیسے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔اور وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔اس کے دل میں چھن سے ٹوٹا تھا۔آنکھوں میں آنسو ہو بھر گئے تھے جن کو اس نے اپنے اندر ہی اتار لیا تھا۔دل رکنے سا لگا تھا اور وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ پہلے کی نسبت آج بجھا بجھا سا دکھ رہا تھا جیسے ساری رات ٹھیک سے سو نہ سکا

ہو۔ عمیر اس سے کچھ بات کر رہا تھا اور وہ سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سن رہا تھا۔ اس نے حدیقہ کی طرف ایک دفعہ بھی دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ حدیقہ کو یکدم ہر چیز بری لگنے لگی تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر کسی کونے میں جا کر بے تحاشہ روئے۔ لیکن اس طرح سب کو اس کے دل کا حال پتہ چل جاتا جو وہ بالکل بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے مارے بندھے وہیں بیٹھی ناشتہ کرتی رہی۔ وہاب اس کے پل پل کی کیفیت سے واقف تھا۔ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اس کے ایک نظر دیکھنے کی منتظر ہے۔ اپنی غلطی پر شرمندہ ہے۔ وہ چاہتا تو اسی وقت اسے یہ احساس دلا سکتا تھا کہ وہ کبھی اس سے ناراض نہیں ہو سکتا لیکن وہ چاہتا تھا کہ وہ اس سے خود بات کرے۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا لیکن وہ شاید آزمانا چاہتا تھا۔ سو خود کو لاتعلق ظاہر کر دیا اور نتیجہ اس کی توقع کے مطابق ہی تھا۔ حدیقہ بالکل رونے کے قریب پہنچ چکی تھی اور ناشتے کو درمیان میں ہی چھوڑ کر وہ اٹھ گئی تھی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہی اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو گالوں پر بہنے لگے تھے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور وہیں نیچے بیٹھتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہاب یوں اسے نظر انداز کر دے گا۔ اس نے بھی تو بہت برا کیا تھا وہاب کے ساتھ۔ تو کیا وہ اس سے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سوچ کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ اب وہاب کی بے رخی ہی اس کی سزا تھی۔ اور اسے بھگتنی ہی تھی۔ وہ زمین سے اٹھی اور واش روم جا کر واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ شیشے میں اپنا لاغر سا عکس دیکھ کر آزردگی سے مسکرا دی۔ یہ دن بھی اس پر آنا تھا کہ محبت کیلیے اسے تڑپنا بھی تھا۔ وہ تو کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی تھی لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا جیسا انسان سوچتا ہے۔ وہ تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے تھکے تھکے سے انداز میں چلتی واش روم سے باہر آ گئی۔ اچانک دروازہ کھلا تھا سامنے عنیقہ کو دیکھ کر اس کے دل میں نفرت سی ابھری تھی۔ اس کی وجہ سے اس نے وہاب پر وہ گھٹیا الزام لگایا تھا اور وہ اس سے ناراض ہو گیا تھا۔

اس نے ایک نظر عنیقہ پر ڈالی جہاں اسے کوئی پر ملال تاثر نہیں دکھا تھا۔وہ ساری رات اس دکھ سے تڑپتی رہی تھی اور عنیقہ اب ایسے تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔عنیقہ کے چہرے پر خوشی کی چمک وہ دیکھ چکی تھی اور وہ خوش ہوتی بھی کیوں نا۔حدیقہ کا حلیہ دیکھ کر اس کے دل کو ڈھیروں سکون مل گیا تھا۔اب تو وہ یقیناً وہاب سے متنفر ہو چکی ہو گی اور اس کا راستہ صاف ہو جائے گا۔وہاب جتنا بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے گا وہ اتنا ہی اس سے دور ہو جائے گی۔لیکن یہ اس کی خام خیالی ہی تھی۔وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ حدیقہ نے وہاب سے اس بارے پوچھا ہو گا اور وہاب کے ایک دفعہ ہی یقین دلانے پر وہ سچ جان چکی ہو گی۔

"کیا کر رہی ہو؟"وہ بشاشت سے بولتی اس کے قریب آئی تو حدیقہ کا دل کیا کہ اس سے چیخ چیخ کر پوچھے کہ اس نے کیوں جھوٹ بولا اس سے۔لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے سامنے کوئی شکوہ نہیں کر سکتی تھی۔شکوہ تو اپنوں سے کیا جاتا ہے جیسے اس نے وہاب سے کیا تھا۔اب اس کے سامنے وہاب تو تھا نہیں جو اس کے چیخنے چلانے اور غصہ کرنے پر خاموشی سے برداشت کر لیتا اور غلطی نہ ہونے کے باوجود اس سے معافی مانگتا۔وہ عنیقہ تھی جو اپنی غلطی ہونے کے باوجود بھی اس کی کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتی تھی اور وہ جب اسے سناتی تھی تو اسے نانی یاد دلا دیتی تھی۔اس لیے اس نے اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھا۔

"کچھ نہیں۔تم کیوں آئی؟"عام سے انداز میں پوچھ کر وہ بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔

"بس ویسے ہی سوچا تم سے مل لوں (اور تمہاری حالت ملاحظہ کر لوں جسے دیکھنے کا مجھے انتظار تھا)"وہ زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"چچی جان بتا رہیں تھیں کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔کیا ہوا تھا؟"وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتی کرید رہی تھی۔اس کے خیال میں حدیقہ اس کے ایک دفعہ پوچھنے پر سب بتا دے گی لیکن حدیقہ بھی جان چکی تھی کہ اپنے جذبات کو کنٹرول میں نہ رکھنے والا ہمیشہ خسارے میں ہی رہتا ہے۔

"کچھ نہیں بس سر میں تھوڑا سا درد ہو رہا تھا۔ ماما بھی نا بس چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتیں ہیں۔" وہ مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولی تو عنیقہ کو ذرا حیرت ہوئی۔

"لیکن تمہاری حالت تو کچھ اور ہی بتا رہی ہے۔ کہیں کل والے واقعے کی وجہ سے پریشانی تو نہیں لے لی تھی۔" اس نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے دل میں آئی بات پوچھ ڈالی۔ کل وہ جب اسے بتا رہی تھی تو اس نے حدیقہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہتی دیکھیں تھی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

"میں اس کی پریشانی کیوں لینے لگی۔ برا تمہارے ساتھ ہوا ہے جب تم اس بات کو بھول چکی ہو تو مجھے کیا ضرورت ہے اسے یاد رکھنے کی۔" وہ طنز سے مسکرائی تو عنیقہ گڑبڑا گئی۔

"میں کب بھولی ہوں یار بس بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ وہاب نے میرے ساتھ جتنا برا کیا ہے وہ آسانی سے بھلایا بھی کب جا سکتا ہے۔ یقین جانو ساری رات جاگتی رہی ہوں اور اپنے آپ سے بھی گھن محسوس ہو رہی تھی کہ میں ایک ایسے شخص سے پیار کرتی تھی جو مجھے ایک کھلونے کے علاوہ اور کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ میری ہر سانس میں اس کے لیے دعا نکلتی تھی لیکن اب میرے اندر ایک نفرت کی آگ سی جل اٹھی ہے۔ میرا دل کرتا ہے اسے اتنی بددعائیں دوں کہ وہ تباہ و برباد ہو جائے......." اس سے آگے حدیقہ سے کچھ سنا ہی نہیں گیا تھا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"عنیقہ پلیز.... لیو دس ٹاپک۔" عنیقہ ایک دم سے چپ ہو کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے خیال میں حدیقہ کو اس کی تائید کرنی چاہیے تھی۔

"ہر شخص کے اعمال کی سزا اسے مل جائے گی۔ تمہیں کسی کو بددعائیں دینے کی ضرورت نہیں۔" وہ سخت لہجے میں بولتی اسے اور حیران کر گئی۔

"لیکن اس نے میرے ساتھ کتنا برا کیا ہے حدیقہ اب میں اسے بددعائیں بھی نہ دوں۔"

"اگر تم اس سے سچی محبت کرتی ہو تو اس کے لاکھ برا کرنے پر بھی اس کو بد دعا نہیں دو گی۔"

"میں سخت نفرت کرتی ہوں اس سے"

"کبھی تو محبت کرتی تھی نا۔ یا وہ محبت تھی ہی نہیں۔ صرف ایک ضد تھی جو پوری نہ ہو سکی تو تمہیں اس سے نفرت ہو گئی۔" حدیقہ کے اس قدر درست تجزیے پر وہ ششدر سی اسے دیکھنے لگی۔

"ایسا نہیں ہے۔ اچھا چھوڑو یہ بات۔ میں نے تو تمہیں بتایا ہی نہیں کہ میری بڑی خالہ آ رہی ہیں یہاں اپنی فیملی کے ساتھ۔" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"کیوں؟" بیزاری سے پوچھا۔

"چھوٹی خالہ جو آئی ہوئی ہیں۔ ان سے ملنے آ رہی ہیں یہاں۔" اس نے خالہ ساجدہ کا نام لیا جو نوری آپی کی ساس بھی تھی اور آج کل وہ لوگ انہی کے گھر میں تھے۔

"تو تمہاری خالہ خود جا کر نہیں مل سکتیں ان سے۔" اس کے لہجے میں ایک چبھن سی خود بخود در آئی تھی۔

"ارے ان کا گھر اتنا دور ایک گاؤں میں ہے جہاں کوئی سہولت ہی نہیں۔ اور اوپر سے وہ ہیں بھی غریب۔ تو ایسے میں وہ کہاں ان کی میزبانی اچھے طریقے سے کر سکیں گے۔" وہ نخوت سے کہنے لگی۔ یہ اس کے وہی خالہ تھی جو مستقبل قریب میں اس کے ساس بننے جا رہی تھی۔

"ویسے تم نے اب کیا سوچا ہے زید کے بارے میں؟... میرا مطلب وہاب کا آپشن تو ختم ہو گیا اب پیچھے وہی بچا نا۔" حدیقہ نے تیکھے لہجے میں کہا تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ اب کہے۔ اصل میں تو اس نے وہاب کا پیچھا چھوڑا ہی نہیں تھا اور حدیقہ کو یہ بھی بتا چکی تھی کہ اس کی اور زید کی لڑائی ہو چکی ہے۔

"پتہ نہیں یار۔ ابھی کچھ اور سوچا ہی نہیں جا رہا ہے۔ میں نے تو اپنا آپ قسمت کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔" وہ خود کو دکھی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"اس کا مطلب اگر تمہاری شادی اگر زید سے ہو جائے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ کس خیال کے تحت وہ یہ پوچھ رہی تھی ورنہ سچ تو وہ بھی جانتی تھی کہ اس نے وہاب کا پیچھا ابھی بھی نہیں چھوڑا اور اب وہ صرف ڈرامہ کر رہی ہے۔

"ہاں۔ میں نے اپنی مرضی کر کے دیکھ لی ہے۔ جس کے نتائج بہت برے نکلے ہیں اور اب ماں باپ کی مرضی سے شادی کر لوں گی۔" عنیقہ اپنی طرف سے اسے پورا یقین دلا رہی تھی کہ وہ وہاب کو چھوڑ چکی ہے۔

"اچھی بات ہے۔ میں تو تمہیں پہلے ہی سمجھاتی تھی کہ ماں باپ کی بات ماننے میں ہی فائدہ ہوتا ہے۔"

"اب تو سمجھ ہی گئی ہوں۔ اور پچھتا رہی ہوں کہ پہلے کیوں نہیں سمجھ سکی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ مہمان آ رہے ہیں تو کام ذرا بڑھ گئے ہیں اور ماما کا تمہیں پتہ ہی ہے انہیں تو مجھ سے کام کروانے کا شوق ہے۔ نہ کروں تو وہ ڈانٹ سننے کو ملتی ہے کہ توبہ ہے۔" وہ کہتی ہوئی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مبادا اس کا جھوٹ سچ مچ پکڑا ہی نہ جائے۔ حدیقہ نے بھی اس کے جانے پر شکر کیا۔ وہاب کی یاد پھر سے اسے ستانے لگی تو آنکھوں سے آنسو بھی ٹپکنے لگے تھے۔

-----------------------------

صبح کے نو بج چکے تھے جب عانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔ فجر کی نماز کے وقت وہ اٹھی تھی اور حریم اور ریم کو بھی جگایا تھا۔ ریان بھی اٹھ کر مسجد نماز پڑھنے گیا تھا لیکن رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے سب نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ سو گئے تھے۔ اب وہ فریش ہو کر کمرے نکل آئی تھی۔ نیلی جینز پر گھٹنوں تک آتے براؤن کلر کا ڈھیلا ڈھالا سا بلاؤز ٹاپ پہنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھے ہوئے تھی۔ لاؤنج سے گزر کر وہ کچن میں آئی تو بانو ناشتہ تیار کر رہی تھی۔

"اٹھ گئیں آپ بی بی جی۔ میں ناشتہ لگا دوں؟" بانو اس کی طرف دیکھ کر بولی تو اس نے مسکرا کر سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ فریج میں سے مینگو جوس کی بوتل نکال کر گلاس میں جوس ڈالا اور اسے لے کر ڈائننگ ہال کی جانب بڑھ گئی۔

"ان سب کو اٹھا آؤں ؟" بانو نے اس کے سامنے ناشتہ رکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ریان سیڑھیاں اترتا نظر آیا۔ اتفاق سے اس نے بھی نیلی جینز پر براؤن ٹی شرٹ زیب تن کی ہوئی تھی ۔اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ان کی ملاقات صبح کے وقت ہی ہوتی تھی کیونکہ ان دونوں کے جاگنے کے اوقات بھی اتفاق سے ایک جیسے ہی تھے۔ایک تو وہ اس طرح کے اتفاقات سے بڑی تنگ تھی۔ ریان لاؤنج سے گزرتا ڈائیننگ ہال میں داخل ہوا تھا اور اسے دیکھ کر نرم سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ بشاشت سے بولا تھا لیکن عانیہ جواب دیے بنا خاموشی سے اپنا ناشتہ کر رہی تھی۔ ابھی کل والی اس کی ساری باتیں یاد تھی جو اس نے ریثم اور حریم کے سامنے کیں تھیں۔ اس وقت تو اس کا دل کسی اور ہی لے میں دھڑکنے لگا تھا لیکن اب اسے غصہ آرہا تھا۔ سو ایٹیٹیوڈ دکھانا لازمی تھا۔ ریان کوئی جواب نہ پا کر زیر لب مسکرا دیا تھا۔

"مہمان کو ناشتہ بھی نہیں پوچھو گی۔.... لڑکی" وہ اسے شرمندہ کرتے ہوئے بولا لیکن سامنے بھی عانیہ تھی جس نے شرمندہ ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

"بانو مہمان کے لیے ناشتہ لاؤ۔" اس نے بھی اسے مہمان ہی کہا تھا۔

"میرا نام ریان ہے۔ تم مجھے ریان بھی کہہ سکتی تھی۔" وہ شرارت سے بولا۔

"میرا نام عانیہ ہے۔ تم مجھے عانیہ بھی کہہ سکتے تھے" عانیہ نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"لیکن میں تو تمہیں دیا ہی کہوں گا۔ تم بھی بے شک مجھے غازی کہہ لو۔" وہ ڈھٹائی سے بولتا اسے غصہ دلا گیا۔

"ریان تم باز آجاؤ اپنی ان حرکتوں سے۔ میں تمہیں آخری دفعہ سمجھا رہی ہوں۔ اور یہ مجھے دیا کہنا چھوڑ دو۔ پلیز" وہ اکتا کر بولی۔

"تم پر دیا ہی سوٹ کرتا ہے۔ جب تم مسکراتی ہو تو تمہاری آنکھوں میں امید کے دیے جگمگاتے ہیں اس لیے مجھے تمہیں دیا کہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ غور سے اس کی چمکتی آنکھیں دیکھ رہا تھا۔

عانیہ اسے آگے سے سنانے کا سوچ رہی تھی کہ بانو ریان کے لیے ناشتہ لے کر آگئی اور اسے خاموش رہنا پڑا۔

"ویسے تمہارا گھر بہت زبردست ہے۔" بانو کے جانے کے بعد اس نے ارد گرد نگاہ دوڑاتے ہوئے پرستائش لہجے میں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ دیا اب غصے میں اسے کچھ سنانے والی ہے سو بات بدل دی۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو ریان..... اگر رینم اور حریم کو ذرا سی بھی بھنک پڑی کہ میرا نام ہی دیا ہے تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ تلملا کر بولی۔

"سچ میں؟" اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔ عانیہ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ پھر آگے سے کوئی ایسی بات کہنے والا ہے جس سے اس کے غصے کا گراف ہائی ہو سکتا ہے۔

"تمہیں ضرورت ہی کیا تھی ان دونوں کے سامنے وہ سب کچھ کہنے کی۔ مجھے بلیک میل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تم۔ لیکن تم مجھے ابھی جانتے نہیں ہو۔ میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتی۔"

"تو پھر اس بات سے کیوں ڈرتی ہو۔ مجھے رینم اور حریم کو بتا لینے دو کہ دیا کون ہے۔"

"بتا لو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ نقصان تمہارا ہی ہو گا۔ بہت سے دن ہسپتال میں گزارنے پڑیں گے۔" وہ لاپرواہی سے بولی تو ریان کا قہقہہ بلند ہوا۔

"یعنی کہ تم مجھے مارنا چاہتی ہو۔ ویسے تمہارا دھیان لڑائی بھڑائی کی طرف کچھ زیادہ ہی نہیں۔ بات بات پر مرنے مارنے پر تل جاتی ہو۔" وہ محظوظ سا مسکراتا بول رہا تھا۔

"شٹ اپ۔ چپ کر کے ناشتہ کرو۔ میں جا رہی ہوں.... اور ہاں اگر کہیں باہر گھومنے پھرنے کو دل چاہے تو ڈرائیور سے کہہ دینا۔ مجھے کچھ کام ہے اسلیے کمپنی نہیں دے سکوں گی۔" وہ مصروف سے انداز میں کہتی اٹھی اور باہر کی طرف بڑھنے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" ریان نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جہنم میں" وہ جل کر کہتی آگے کو چل دی۔

"رکو میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔ جہنم میں بھی اب تم میرے بغیر نہیں جا سکتی۔" وہ تحکم بھرے لہجے میں کہتا ہوا اٹھا اور اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے بھیڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہے۔ عانیہ رک کر غصے کو ضبط کرتے ہوئے آنکھیں اور مٹھیاں بھینچ گئی۔ خود کو کول ڈاؤن کیا اور گہرا سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں لیکن سامنے کھڑے ریان کو دیکھ کر پھر تو اسے پھر سے سخت تاؤ آگیا۔

"ریان...." وہ انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے اسے تنبیہہ کرنے لگی لیکن ریان پر تو جیسے اس کے غصے کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

"تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو.... ہاں؟ آج تم مجھے بتا ہی دو ذرا۔ کیوں میرے ہر کام میں رکاوٹ بنتے ہو۔ کیوں میرے راستے میں آتے ہو۔ میں جو بھی کروں میری مرضی۔ تم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے۔ کس حق سے تم یہ سب کر رہے ہو بولو۔" وہ اشتعال انگیز لہجے میں بولی۔

"اگر چاہوں تو تمہارے سارے حقوق اپنے نام لگوا سکتا ہوں۔ بی کاز آئی لو یو اینڈ آئی نو یو لو می..... تم مجھ سے جتنا بھی بھاگ لو تمہارا ہر راستہ میری طرف ہی آئے گا۔ تمہاری منزل میں ہوں۔ تمہارا سب کچھ میں ہوں۔" وہ اسے کندھوں سے تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا تو عانیہ چپ کی چپ رہ گئی۔ دل کی دھڑکن اتھل پتھل سی ہو گئی اور وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح سے اظہار محبت کر دے گا۔ اب اسے

کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آگے سے کیا جواب دے۔ شرم سے اس کے گلابی گال دہک اٹھے اور وہ پلکوں کی باڑ گرا گئی تھی۔ ریان کو یہ منظر بہت ہی خوبصورت لگا تھا اور وہ محظوظ سا مسکرا دیا تھا۔ اس نے آہستہ سے اس کے کندھے چھوڑ دیے اور عانیہ رخ پھیر کر خود کو کوسنے لگی کی اس نے ریان سے یہ پوچھا ہی کیوں۔ اب تو اس کا سامنا کرنا بھی محال ہو رہا تھا۔ اس کی ساری بولڈنیس اور خود اعتمادی ریان کے سامنے ختم ہو جاتی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" ریان نے رعب دار لہجے میں پوچھا۔

"حدیقہ کے گھر۔" وہ اسے دیکھے بغیر دھیمی آواز میں بولی۔ اب ریان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اس لیے بنا کوئی چوں چراں کیے سیدھی لائن پہ آگئی۔

"چلو۔" ریان نے مختصر اً کہا اور لاؤنج سے باہر قدم بڑھا دیے۔ عانیہ نے مصنوعی غصے سے اس کی پشت کو گھورا اور پاؤں پٹختے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔ اس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ وہ ریان پر جتنا غصہ بھی کرتی رہی ہے وہ اس سے زیادہ خود کو یقین دلانے کے لیے کرتی تھی کہ وہ اس پر غصہ ہے۔ اصل میں تو وہ کبھی اس سے خفا ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

(بی کاز آئی لو یو اینڈ آئی نو یو لو می) وہ حیران تھی کہ ریان اس کے دل کا حال کیسے جان گیا تھا۔

(تم مجھ سے جتنا بھی بھاگ لو تمہارا ہر راستہ میری طرف ہی آئے گا۔ تمہاری منزل میں ہوں۔ تمہارا سب کچھ میں ہوں۔) ریان کا تحکمانہ اور بارعب سا لہجہ بہت کچھ باور کروا گیا تھا۔

(اگر چاہوں تو تمہارے سارے حقوق اپنے نام لکھوا سکتا ہوں۔) ریان کے کہے الفاظ اس کے ذہن میں بازگشت کرنے لگے تھے۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ گردن موڑ کر باہر دیکھ رہی تھی اور خود کو ریان سے لاتعلق ظاہر کر رہی تھی۔ لیکن اس کا دل ریان کے نام پر انوکھی سی لے میں دھڑک رہا تھا۔ یہ عجیب سا احساس اس کے لیے مسرت کا باعث تھا اور وہ خود پر حیران تھی۔

"یہاں سے آگے لیفٹ مڑنا ہے۔" ریان نے پوچھا۔

"ہاں" وہ تیزی سے بولی۔

"یہیں روک دو۔" لیفٹ مڑ کے جب گاڑی ایک گلی کے سامنے آئی تو وہ بول اٹھی۔

"گلی میں ہے گھر ان کا؟" وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"ہاں۔"

"گلی تو کشادہ ہے۔ گاڑی اندر ہی لے جاتا ہوں۔ اور تم چاہے ان لوگوں کے سامنے مجھے اپنا ڈرائیور کہہ دینا۔ میں برا نہیں مناؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ تم بھی میرے ساتھ اندر چلنا۔ میں انہیں کہہ دوں گی کہ تم میرے کزن ہو۔" عانیہ خفت سے بولی تو ریان دلفریب سا مسکرا دیا۔

"اوکے۔" اس نے کہہ کر گاڑی کو گلی میں ڈال دی۔

------------------------------

"عانیہ بچے..... تم" عمرینہ فرط جذبات سے پکارتی اس کی طرف بڑھی تھی۔ اور اس کو گلے سے لگا لیا۔

"کیسی ہیں آپ آنٹی؟" عانیہ نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں لیکن تم نے رابطہ کیوں ختم کر دیا تھا۔۔ میں اور تمہارے انکل پتہ ہے کتنے پریشان ہو رہے تھے۔ دیکھو کتنی کمزور ہو گئی ہو۔" عمرینہ اس سے الگ ہوتی اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر بولی۔ پھر اس کی نظر عانیہ کے پیچھے کھڑے ریان پر پڑی تو عانیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ میرا کزن ہے۔ ریان عباس۔" عانیہ نے جھجھکتے ہوئے بتایا۔

"وہی جس کے ساتھ اسلام آباد گئی تھی؟"عمرینہ نے اچنبھے سے پوچھا تو اس نے ڈرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارا بچہ ہے۔کیسے ہو بیٹا؟"عمرینہ خوشدلی سے ریان کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔۔ریان عانیہ کے ساتھ کھڑا اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ عمرینہ دل ہی دل میں ان کی بلائیں لینے لگی تھی۔

"جی الحمدللہ ٹھیک ہوں۔"وہ بھی خوش اخلاقی سے بولا تو عمرینہ نے تو اسے اوکے کر دیا تھا۔

"آؤ اندر۔"عمرینہ نے انہیں راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"تو بیٹا کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔اپنی فیملی کے بارے میں۔"عمرینہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی بہن کے ساتھ اسلام آباد رہتا ہوں۔"

"اوہ اچھا اچھا۔بیٹھو یہاں۔"عمرینہ نے اسے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"آنٹی حدیقہ کہاں پہ ہے؟"عانیہ نے پوچھا۔

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہے۔کل سے اس کو بخار ہو گیا تھا۔آج کچھ بہتر ہے۔تم دونوں بیٹھو میں اسے بلا کر لاتی ہوں۔"عمرینہ بول کر جانے لگی تھی کہ عانیہ نے روک لیا۔

"نہیں میں خود اس کے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔"

"بری بات عانیہ۔تمہیں اپنے کزن کے ساتھ رکنا چاہیے۔کیا سوچے گا وہ۔تمہیں یہاں خود لے کر آیا ہے۔اور تم ایسا برا سلوک تو مت کرو اس کے ساتھ۔"عمرینہ نے ڈپٹتے ہوئے کہا تو ریان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"اوہ وہ عمیر بھائی آ گئے۔وہ ریان کو کمپنی دیتے ہیں۔میں حدیقہ سے مل آتی ہوں نا۔"عانیہ نے عمیر کو دیکھا تو بول اٹھی۔عمیر لاؤنج میں داخل ہوا تو عانیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکا۔

"ارے عانیہ واپس آگئی تم۔ کیسی ہو؟" وہ آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔ آپ سنائیں بھائی۔ پہلے سے زیادہ ہینڈسم ہو گئے ہیں۔" عانیہ نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ سا گیا۔

"بندہ کوئی رابطہ ہی کر لیتا ہے تم تو ایسی گئی کہ پیچھے کی کوئی خبر ہی نہیں لی۔ یہ کون ہیں؟" بات کرتے ہوئے اس کی نظر ریان پر پڑی تو پوچھا۔

"یہ کزن ہے میرا۔ جن کے ساتھ میں اسلام آباد گئی تھی۔" عانیہ نے شکر کیا کہ عمیر نے حماد اور تعبیر کو نہیں دیکھا تھا ورنہ اس کا بھانڈہ پھوٹ جاتا۔

"اوہ اچھا۔ اسلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ؟ وہ ریان کی طرف بڑھا۔ ریان اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور عمیر اس کے گلے ملتے ہوئے بولا۔ ریان تو ان لوگوں کی خوش اخلاقی اور ملنساری کا دل سے گرویدہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے عانیہ سے بڑھ کر پروٹوکول دے رہے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔" وہ الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"عمیر بھائی۔ آپ ذرا اسے کمپنی دیں میں حدیقہ سے مل آؤں۔ اور ناشتے کا بھی پوچھ لی جیئے گا۔ اس نے ابھی ناشتہ نہیں کیا تھا اور مجھے یہاں چھوڑنے آ گیا۔" عانیہ نے عجلت میں کہتی وہاں سے جانے لگی۔

"کیا؟.... تم نے اسے آرام سے ناشتہ بھی نہیں کرنے دیا۔ ویسے حد ہو گئی ہے عانیہ۔" عمرینہ نے اسے پھر ڈانٹا لیکن وہ لاؤنج سے نکل چکی تھی۔

"یہ لڑکی بھی نا.... سوری بیٹا میں ابھی ناشتہ لے کر آتی ہوں۔ تم عمیر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرو۔ اوکے" عمرینہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں آنٹی۔ مجھے بالکل بھی بھوک نہیں۔" ریان احسانمندی بولا۔

"ارے یار ہچکچاؤ مت۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔" عمیر نے کہا تو عمرینہ ناشتہ لینے چلی گئی اور عمیر نے ریان کا انٹرویو کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایسے باتیں کر رہے تھے جیسے پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ عمیر تو اس وقت بہت خوش ہوا جب اسے پتہ چلا کہ ریان پاکستان ائیر فورس میں پائلٹ ہے۔ وہ پھر ریان سے اس کے ایکسپرینس کے بارے میں پوچھنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں ریان نے ناشتہ بھی کر لیا تھا۔ عمیر ہر کسی سے جلدی گھل مل جاتا تھا اور اب وہ دونوں بہت اچھے دوست بن چکے تھے۔

---------------------------

حدیقہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ پر ملال سے چہرے پر دکھ کا عکس نمایاں تھا۔ وہ سینے پر بازو باندھے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی وہاب کو ہی سوچ رہی تھی۔ اچانک دروازہ کھلا اور وہ چونک کر سوچوں سے باہر نکلی تھی۔ مڑ کر پیچھے دیکھا تو کوئی لمحے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ عانیہ سینے پر بازو باندھے مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"عانی" وہ بے یقینی سے بولی تھی۔ عانیہ بازو پھیلائے اس کی طرف آئی تو وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر بہہ نکلا جو کب سے کسی اپنے کے سامنے گرنے کو بے تاب تھے۔ وہ اس کے ساتھ لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کل سے وہ اتنے دکھ میں تھی کہ اسے کوئی ہمدرد چاہیے تھا جس کے سامنے رو کر وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔ اور عانیہ سے بہتر اور ہمدرد نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جو بات ماما کو نہیں بتا سکتی تھی وہ عانیہ کو بتا دیتی تھی۔ عانیہ کو اس کے اس طرح رونے سے فکر ہونے لگی۔ کچھ لمحے وہ یونہی روتی رہی اور پھر جب اس کے دل کا سارا غبار نکل گیا تو عانیہ سے الگ ہو گئی۔

"حدیقہ.... میری جان۔ کیا ہوا ہے؟ یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے تم نے؟...... اور اب جھوٹ بالکل بھی نہ بولنا۔ مجھے لگ رہا کچھ سیریس ہوا ہے ورنہ تم اتنا کب روتی ہو۔ سچ بتاؤ یہ آنسو یقیناً میری جدائی کے غم میں تو بالکل

بھی نہیں بہائے جا رہے ہے۔ اصل وجہ کیا ہے؟" عانیہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر مشکوک لہجے میں پوچھا تو حدیقہ روتے ہوئے مسکرا دی اور اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"تم کافی بدل گئی ہو عانیہ۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم زندگی کی طرف لوٹ رہی ہو۔ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر مجھے اپنا دکھ بھول گیا ہے۔" وہ اداس سی مسکراہٹ لیے بولی تو عانیہ اور بھی پریشان ہو گئی۔ یہ وہ نٹ کھٹ سی حدیقہ تو نہیں تھی جو دوسروں کو رلا دیتی تھی لیکن خود نہیں روتی تھی۔

"حدیقہ بات مت بدلو۔ بتاؤ کیا ہوا ہے۔ کون سا دکھ پہنچا ہے تمہیں۔ تمہارا غم دور کرنے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ بتاؤ۔" وہ اس کا چہرہ تھامتے ہوئے بولی۔

"بتاؤں گی۔ تمہارے علاوہ اور ہے ہی کون جس سے میں اپنی ہر بات شئیر کروں گی۔ لیکن پہلے تم بتاؤ کیسی ہو؟..... وہاں سب کیسا رہا اور تم نے تو بالکل ہی رابطہ ختم کر دیا تھا۔ میں نے تمہیں بہت مس کیا۔" حدیقہ نے ایک ساتھ کئی شکوے کر ڈالے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"بس یار مجبوری تھی۔ کیا بتاؤں" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"ایک ایک واقعہ بتاؤ۔ کیا کرتی رہی ہو تم وہاں۔ خود کو کسی بڑی مشکل میں تو نہیں پھنسا یا نا۔ بدلہ لیا یا نہیں۔ سب کچھ بتاؤ۔" وہ بے تابی سے بولی تو عانیہ آزردگی سے مسکرا دی۔ اور حدیقہ کو سب کچھ سچ بتانے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔ وہ جانتی تھی حدیقہ اس سے خفا ہو گی لیکن وہ اب کم از کم حدیقہ سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔ ادیبہ ان دونوں کے لیے جوس لے آئی تھی اور اس کے جانے تک وہ خود کو تیار کر چکی تھی۔ پھر اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

اس کا حماد اور تعبیر کے گھر جانا.......

رات کو حماد کا اسے سارے ثبوتوں کے ساتھ قاتل کے بارے میں بتانا......

حماد کا پلان........

اس کا ریان کی زندگی میں داخل ہونا۔اور یاداشت کھو جانے کا ڈرامہ........

ریان کے کمرے کی تلاشی......

ریان کی سالگرہ کی تقریب اور تعبیر کو اس کی سیکرٹری کی حیثیت سے دیکھ کر شاکڈ رہ جانا.......

اس کا بخار اور بے ہوشی کے عالم میں ریان پر چلانا.........

ریان سے معافی مانگنا.......

حماد کو کال کر کے کام ہو جانے کی خبر دینا.........

پھر اگلی صبح اس کا ریان کے گھر سے چلے جانا........

ریان کا اس کو بچانے کے لیے آنا اور اس کی خاطر اپنی ساری جائیداد تعبیر ٹرسٹ کے حوالے کر دینا.........

پھر اس کا ریان سے ملنا اور اسے سب سچ بتانا اور اس نفرت کا اظہار کرنا

پھر ریان پر پستول تان لینا........

پھر ریان کا اس سے ثبوت مانگنا اور اس ثبوت میں نقص نکل آنا.......

اسے یہ احساس ہونا کہ قاتل ریان نہیں بلکہ حماد ہے اور وہ اسے جیل میں پھنسانے کے لیے سازش کر رہا ہے.......

پھر اس کا شاکڈ رہ جانا اور پولیس کا وہاں آ جانا........

ریان کا اسے جیل سے بچانا........

اس کا وہاں سے چلے جانا اور چار لڑکوں سے فائٹنگ.......

ریان کا وہاں آنا لیکن اس کا حماد کے ساتھ چلے جانا اور خود کو اس کے پلان سے لاعلم ظاہر کرنا.........

پھر حماد اور تعبیر کی تفتیش اور اس کا عنصر سے پوچھ گچھ کرنا

اگلی صبح اس کا حماد پر قاتلانہ حملہ کر دینا اور اس کے باڈی گارڈ سے فائٹنگ........

پھر تعبیر کا اسے بے ہوش کر کے حریم کے ساتھ کسی طوائف خانے بھیج دینا.........

حریم کو مار پڑنا اور اس کا بچانا اور ان کی بات ماننے کی ہامی بھر لینا......

درخشندہ بیگم کا انہیں ایک ہفتے کا وقت دینا.......

ان کا مینا کو یرغمال بنانے کا پلان.......

ایک ہفتہ وہاں رہنا اور ڈانس سیکھنا........

اور پھر وہ حساس موڑ جس کے وہ یا تو آر یا پار ہو سکتے تھے، اسی دن مینا کا وہاں آنا جس دن درخشندہ بیگم انہیں کسی کے ہاتھوں بیچنے والی تھی.....

پھر مینا کو یرغمال بنالینا اور وہاں سے بھاگ جانا.......

مینا کا ان کو شکریہ ادا کرنا اور ان کا مینا کو قتل کرنے کا ڈرامہ

پھر مری کی طرف نکل جانا.......

وہاں راستے میں حماد کا ان کا پیچھا کرنا اور اس کا ان کی کوشش ناکام بنانا..........

سردار ولید ایاز کا ان کی گاڑی پر فائرنگ کرنا اور انہیں خان حویلی کی بہو سمجھ کر اغوا کر لینا.......

وہاں ان کا رنیم سے ملنا.......

پھر چار دن وہاں گزارنا اور رنیم کے ساتھ ہونے والے ظلم کے بارے میں جاننا

اسے وہاں سے بھاگنے کیلیے کنونس کرنا اور اس کا خان حویلی بات کرنے کا مطالبہ......

اس کا نمبر اور موبائل فون حاصل کرنا.......

اگلی صبح رنیم کو نائلہ سے مار پڑنا اور اس کے بے ہوش ہو جانا........

اس کا رینم کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا کہ وہی خان حویلی کی بہو ہے اور اسے سزا ملنا اور انیکسی میں بند کر دینا........

رات کو رینم کا ہوش میں آنا اور اس کا خان حویلی بات کرنا.......

پھر رینم کا اپنے بھائی کو فون کر کے اسے مدد کے لیے بلانا.......

ان تینوں کا وہاں سے بھاگنا........

ریان کو رینم کا بھائی کی صورت میں اس کے سامنے آنا اور اس کا حیران رہ جانا.........

پھر وہ اس کا اور حریم کا ریان کے ساتھ اسلام آباد جانا.......

اس کا اور حریم کا شاپنگ پر جانا اور اس کا لٹیروں کا پیچھا کرنا.........

ریان کا تحکمانہ رویہ اور اسے وہیں اس کے پاس رہنے کی ضد کرنا........

اس کے نہ ماننے پر خود اس کے ساتھ کراچی آجانا.......

حدیقہ سینے پر ہاتھ رکھے بنا آنکھ جھپکے سحر زدہ سی اسے دیکھے جا رہی تھی اور جیسے جیسے سنتی جا رہی تھی، حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔عانیہ کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور وہ بے خبر رہی۔اسے اپنا دکھ بھول گیا اور یاد تھی تو صرف عانیہ جو اپنی مشکلات بھری داستان سنا کر اس کی طرف سے کسی رد عمل کے اظہار کی منتظر تھی۔وہ کچھ پل بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی بھی تو کیا۔

"واؤ.....کیا فلمی لو سٹوری ہے۔مطلب تم جس شخص کی جان کی دشمن تھی اس نے تمہاری مدد کی۔امیزنگ۔بھلے ہی اس سٹوری میں ہیروئن کو کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر کار ہیرو ہیروئن سے مل ہی گیا اور اب وہ دونوں ہنسی خوشی زندگی گزاریں گے۔ہے نا۔"

"میرا مذاق اڑا رہی ہو" وہ خفا ہوتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں یار۔خود سوچو یہ کیسا اتفاق ہے کہ تم اور وہ دوبارہ سے مل گئے اور جس طرح تم نے بتایا ہے کہ وہ تمہیں تحفظ دینے کیلیے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اور تمہارے نہ ماننے پر اپنے سب کام چھوڑ کر تمہارے ساتھ یہاں آگیا۔یہ بات کس طرف اشارہ کر رہی ہے۔ہی لوز یو عانیہ۔واؤ۔مجھے بھی تو دکھاؤ یار وہ کیسا ہے جس کی وجہ سے میری عانی کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی ہے۔"وہ شرارت سے بولتی اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"تم کبھی نہیں سدرھو گی حدیقہ۔میں نے تمہیں یہ اس لیے نہیں بتایا کہ تم اسے اپنی ناول سٹوریز کی طرح لو۔مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے یار۔"وہ جھنجھلا کر بولی۔

"کیسی ہیلپ؟"

"یار اب حیدر انکل تو پوری انویسٹیگیشن کریں گے مجھ سے تو میں کیا کہوں گی ریان اور اس کی بہن رینم کے بارے میں۔ابھی تو میں نے اسے اپنا کزن ظاہر کر دیا ہے جس کے ساتھ میں اسلام آباد گئی تھی۔"

"یعنی تم نے حماد اور تعبیر کی جگہ ریان اور اس کی بہن کو اپنا کزن بنا لیا ہے۔"

"ہاں تم نے حماد اور تعبیر کا نام تو نہیں لیا تھا کسی کے سامنے؟"

"نہیں"

"تھینک گاڈ۔لیکن اب مسلہ یہ ہے کہ حریم بھی میرے ساتھ ہے اور اسے بھی ریان کی بہن کے طور پر ہی پیش کرنا ہے۔"

"تم ریان اور رینم کے بارے میں جھوٹ بول دینا اور حریم کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ ایک حادثے میں اپنے ماں باپ سے بچھڑ گئی ہے اور جب تک اس کے ماں باپ نہیں ملتے وہ تمہارے ساتھ ہی رہے گی۔اور تو کوئی مسلہ ہی نہیں۔میں نے اس کے علاوہ اور کوئی بات بابا کو نہیں بتائی کہ تم اپنے کزنز کے ساتھ چلی گئی ہو۔حالانکہ کے بابا

نے مجھ سے اگلوانے کی کوشش بڑی کی تھی لیکن تم سے وعدہ کیا تھا جو پورا تو کرنا ہی تھا۔ویسے تم نے حماد اور تعبیر پر اعتبار کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی لیکن شکر ہے بچ گئی۔"

"میں نے کسی پر اعتبار نہیں کیا تھا۔اور نہ مجھے اپنی سیکیورٹی کے لیے کوئی سہارا چاہیے تھا۔مجھے تو صرف مام ڈیڈ کے قاتل کا سراغ لگانا تھا اور اس کو موت کے گھاٹ اتارنا تھا لیکن سارا کام الٹ ہو گیا۔چلو خیر کوئی بات نہیں۔ہر کام میں اللہ کی حکمت ہوتی ہے۔مجھے پتہ تو چل گیا نا کہ مام ڈیڈ کا قاتل کون ہے۔"

" صحیح کہہ رہی ہو۔اور اسی طرح تو تمہاری ملاقات ریان سے ہونی تھی۔" حدیقہ نے کہا تو اس نے خفت چھپانے کو اسے گھورا۔

"اچھا یار اس سے ملواؤ تو۔میں بھی دیکھوں......"

"اچھا۔بس...نیچے بیٹھا ہے عمیر کے ساتھ جا کر دیکھ لو" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔جانتی تھی کہ وہ پھر اس پر تبصرے کرنے والی ہے۔

"کیا؟.....تم مجھے اب بتا رہی ہو؟ چلو میرے ساتھ۔" وہ اٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کھینچنے لگی۔عانیہ بھی مسکراتی اس کے ساتھ نیچے چلی گئی تھی۔

---------------------

"اسلام علیکم" حدیقہ نے عانیہ کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اونچی آواز میں سلام کیا۔اس وقت عمرینہ اور عمیر ریان کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔اس کی آواز پر تینوں نے سر اٹھا کر لاؤنج کے دروازے میں دیکھا تو عانیہ اور حدیقہ کو وہاں کھڑے پایا۔ریان ان کے آنے پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔عمرینہ اور عمیر بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اپنی مخصوص گھمبیر اور نرم آواز میں بولا۔حدیقہ کو تو وہ عانیہ کیلیے بالکل پرفیکٹ لگا تھا۔

"میں عانیہ کی دوست ہوں.... حدیقہ "وہ جھجھکتے ہوئے بولی۔

"جی آپ کا غائبانہ تعارف تو پہلے سے ہی ہو چکا تھا۔ مل کر اچھا لگا۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔

"عانیہ نے بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔" حدیقہ نے کہا تو عانیہ نے اس کا ہاتھ دبایا جو اس نے پکڑا ہوا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے حدیقہ..... ریان پاکستان ایئر فورس میں فائٹر پائلٹ ہے۔" عمیر پر جوش لہجے میں بتانے لگا تھا۔ ان دونوں بہن بھائیوں کو پاکستان آرمی سے بہت پیار تھا اور اب ان کے سامنے پی اے ایف کا فائٹر پائلٹ تھا تو وہ دونوں خوش کیوں نہ ہوتے۔

"واقعی؟...... میں تو فائٹر پائلٹس کی بہت بڑی فین ہوں۔ آپ کو پتہ ہے۔ عانیہ نے بھی پی اے ایف رسالپور اکیڈمی میں ٹیسٹ دے دیا ہے۔ اور عنقریب یہ بھی فائٹر پائلٹ بننے والی ہے۔" اب حیران ہونے کی باری ریان کی تھی۔ اس نے جواب طلب نگاہوں سے عانیہ کو دیکھا تو وہ نظریں پھیر گئی تھی۔ ریان نے پھر اپنی حیرانی زیادہ ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ باتیں کرتے رہے تھے۔ بارہ بجے حیدر علی صاحب بھی آفس سے آ گئے تھے کیونکہ عمرینہ نے فون کر کے انہیں عانیہ کے آنے کا بتا دیا تھا۔ البتہ وہاب ابھی آفس میں ہی تھا اور اسے دو بجے گھر آنا تھا۔

گھر آتے ہی انہوں نے عانیہ اور ریان کو اکیلے میں اپنے پاس سٹڈی میں بلوالیا تھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت کچھ جان چکے ہیں جو عانیہ ان سے چھپانا چاہتی ہے۔ بہر حال اب ان سوالوں کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

ابھی وہ دونوں حیدر علی کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔ عانیہ ان کی سنجیدگی دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو رہی تھی تو ریان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی تھی۔

"اچھا تو یہ ہے تمہارا کزن ریان..... اکیلا ہی رہتا ہے یا کوئی فیملی ہے؟" سب سے پہلا سوال ہی اتنا سخت تھا کہ دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جی ایک بہن ہے میری۔ رینم۔ ماں باپ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔" ریان نے سعادت مندی سے بتایا۔

"ویسے عانیہ بیٹا۔ یہ تو تمہاری ننھیالی کزنز ہیں نا؟" اگلا سوال۔

"جی"

"اور تمہارا ننھیال تو میرے خیال سے لاہور میں تھا۔" عانیہ نے گڑبڑا کر ریان کی جانب دیکھا۔

"میں اس کا سیکنڈ کزن ہوں۔ آنٹی نبیلہ کی کزن کا بیٹا ہوں۔ ان کی شادی اسلام آباد میں ہوئی تھی۔" ریان نے کہا تو عانیہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے اس کی ماں کا نام بھی پتہ ہے اور اس نے کیسی سٹوری بنائی تھی کہ شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی

"اوہ اچھا۔ میں اب سمجھا۔ مجھے لگا تھا کہ تم نبیلہ کے سوتیلے بھائی یا بہن کی اولاد ہو۔ اور ان کا سلوک نبیلہ کا ساتھ کچھ اچھا نہیں تھا تو تم عانیہ کی مدد کیسے کر سکتے ہو۔ اس لیے کچھ پریشان تھا۔ لیکن عانیہ بیٹا اگر تمہیں سیکیورٹی کا مسلہ تھا تو تم ہمارے گھر بھی تو رہ سکتی تھی نا۔ کیا ہم پر اعتبار نہیں تھا تمہیں۔" حیدر انکل کے تاثرات کچھ دیر کیلیے نرم پڑے تھے لیکن عانیہ گئی کیوں تھی یہ بات وہ عانیہ کے منہ سے سننا چاہتے تھے سو پھر سے سخت لہجے میں پوچھنے لگے۔

"نہیں انکل ایسی بات نہیں میں تو....." اسے آگے سے کوئی جواب ہی نہیں بن رہا تھا۔

"تو پھر کیسی بات ہے؟" حیدر علی نے پوچھا تو اسے سمجھ نہ کیا کہے اب یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی نا کہ وہ بدلہ لینا چاہتی تھی۔

"میں بتاؤں۔ تم بدلہ لینا چاہتی تھی..... اپنے پیرنٹس کے قاتل سے۔ ہے نا۔" حیدر علی نے کہا تو وہ حیران نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

(انکل حیدر کو کیسے پتہ چل گیا۔ اب تو ایک لمبی ڈانٹ کیلیے تیار ہو جاؤ عانیہ بیٹا۔) اس نے پریشانی سے سوچا۔ اسے اکثر حیدر انکل سے لمبے لمبے لیکچرز سننے کو ملتے تھے۔ زیادہ تو وہ کسی دوست کی طرح ہی اسے سمجھاتے تھے لیکن غلطی کرنے پر ڈانٹتے بھی بہت تھے۔ وہ اتنا اپنے ڈیڈ سے نہیں ڈرتی تھی جتنا حیدر انکل سے ڈرتی تھی۔

"بتاؤ یہ سچ ہے کیا؟"

"جی۔ مگر آپ کو کیسے پتہ چلا؟" وہ ڈرتے ہوئے بولی۔

"کراچی کے نئے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک جو پہلے صفدر علی کے کولیگ اور بہت اچھے دوست بھی تھے وہ میرے پاس آئے تھے اور مجھے بتایا تھا کہ تم نے قاتل کو معاف کر کے کیس واپس لے لیا ہے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ تم مجھ سے پوچھے بنا یکدم ہی یہاں سے کیوں چلی گئی تھی۔ تمہیں اپنے پیرنٹس کے قاتل سے خود بدلہ لینا تھا اور تم پولیس کو بھی اس میں انوالو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایم آئی رائٹ" وہ رعب دار لہجے میں کہتے ابرو اچکا کر پوچھنے لگے۔

"جی"

"تو پھر لے لیا بدلہ۔" ان کا خیال تھا کہ عانیہ کو قاتل تو ملا نہیں ہو گا بدلہ خاک لے گی۔ اسی لیے وہ مطمئن تھے اور اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"جی لیا تھا لیکن وہ بچ گیا۔" عانیہ نے سکون سے کہا تو وہ چونک کر آگے کو ہو بیٹھے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس نے حماد پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اس کے پاس پسٹل نہیں تھی لیکن اس نے کسی نوکدار آلے سے اس پر وار کیا تھا۔ وہ بچ تو گیا ہے لیکن ایک کے لیے ہسپتال میں پہنچ گیا ہے۔" ریان نے جواب دیا۔

"کیا؟.....عانیہ مجھے تم سے اس قدر جذباتی پن کی امید نہیں تھی۔ تم کسی مصیبت میں بھی پھنس سکتی تھی۔ تم نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں وہ کسی کو اس حملے کے بارے میں نہیں بتا سکتے۔ وہ ایک مشہور سیاستدان ہے اور گمنام گینگسٹر ہے۔ اسے اپنی شہرت اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری ہے۔"

"ایسے لوگ تو اور بھی خطرناک ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنی جان کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ اور میں تو حیران ہوں تم اس پر قاتلانہ حملہ کر کے بچ کیسے گئی۔"

"ریان نے میری مدد کی تھی۔" خیر یہ تو سچ ہی بولا تھا اس نے۔ ریان کی وجہ سے ہی تو وہ جیل کی ہوا کھانے سے بچی تھی۔

"اچھا تو یہ بھی تمہارے ساتھ تھا۔ ریان تمہیں تو اسے روکنا چاہیے تھا تم خود غلط کام میں اس کا ساتھ دینے لگ پڑے۔" اب کی بار ڈانٹ ریان کو پڑ رہی تھی۔

"اس کی غلطی نہیں ہے۔ اس نے تو مجھے روکنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی سو مجبوراً اسے میرا ساتھ دینا پڑا۔" عانیہ نے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ ویسے بھی وہ بیچارہ کوئی غلطی نہ ہونے کے باوجود یہاں بیٹھا ڈانٹ سن رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے جو ہو گیا سو گیا۔ تم اب خود کچھ نہیں کرو گی۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ اور جلد ہی قاتل کو ڈھونڈ لے گی۔ تم صرف پولیس کی اتنی مدد کر سکتی ہو کہ قاتل کا نام اور حلیہ وغیرہ بتا دینا۔ اور ریان اسے باہر اکیلے مت جانے دینا ابھی خطرہ ٹلا نہیں ہے۔"

"جی بہتر "ریان نے کہا تو عانیہ کا منہ بن گیا۔ وہ تو پہلے ہی اس پر دھونس جماتے ہوئے باہر جانے سے روک رہا تھا۔ اور اب اوپر سے انکل حیدر کا بھی یہی آرڈر ہے لیکن وہ خود حماد کا قتل کرنا چاہتی تھی۔ چلو کوئی بات نہیں۔ کر تو وہ لے گی یہ اسے یقین تھا۔ اس لیے اب اسے رازداری سے کام کرنا تھا۔

"ریان بیٹا مجھے تم سے مل کر دلی خوشی ہوئی ہے۔ میں عانیہ کے بارے میں بہت پریشان تھا کہ وہ پتہ نہیں کن لوگوں کے ساتھ چلی گئی ہے۔ لیکن تم نے اس کی مدد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تم اس کے ساتھ مخلص ہو۔ اور اس کی حفاظت کر سکتے ہو۔" بالآخر حیدر انکل کے چہرے پر مسکراہٹ آ ہی گئی تھی اور عانیہ نے شکر ادا کیا تھا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں اب اسے کچھ غلط نہیں کرنے دوں گا اور نہ اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔" وہ ایک نظر عانیہ کی طرف دیکھ کر بولا تو اس کے دل کی دھڑکنوں کا انتشار بے اختیار ہی بلند ہوا تھا۔

"مجھے یقین ہے تم یہ کر سکو گے۔ اچھا تم لوگ لنچ یہیں کرنا۔ میں آفس سے تم لوگوں کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔"

"شیور "ریان نے مسکرا کر کہا اور وہ دونوں اٹھ کر سٹڈی سے باہر آ گئے۔ عانیہ نے ایسے گہرا سانس لیا جیسے کوئی سٹوڈینٹ وائیوہ دے کر امتحانی کمرے سے باہر نکلتا ہے۔ وہیں پر حدیقہ اس کا انتظار کر رہی تھی اسے دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"کیا بنا؟" وہ اس کے سامنے آتے ہوئے بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"انہیں پتہ چل گیا کہ میں وہاں بدلہ لینے گئی تھی۔"

"پھر؟"

"بہت غصے ہو رہے تھے۔ یار آج تو بال بال بچے ہیں۔ اتنا تو میں پی اے ایف اکیڈمی میں ٹیسٹ دیتے ہوئے بھی نہیں نروس ہوئی جتنی آج ہوئی ہوں۔" وہ اس کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے بولی۔

"اور اگر میں اس کی مدد نہ کرتا تو اب تک سارا بھانڈا پھوٹ چکا ہوتا۔" ریان بھی عانیہ کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

" تھینکس "وہ روکھے سے انداز میں بولی۔

" دیکھو کتنی بے مروت ہے۔ میں نے اس کی اتنی مدد کی اور سننے کو کیا ملا۔ صرف تھینکس۔ وہ بھی روکھا پھیکا سا۔" وہ حدیقہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

" آپ کیا سننا چاہتے ہیں۔ وہ بتا دیں۔" حدیقہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا تو ریان اس کی بات سمجھ کر ہنس دیا۔ جبکہ عانیہ حدیقہ کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

" مجھے تو جو بھی سنا دے میں سن لوں گا۔"

" تو پھر آپ شکریے کے طور پر عانیہ سے گانا سن لیں۔ اس کی آواز بہت اچھی ہے۔ "

" واقعی ؟" وہ خوشگوار حیرت سے بولا۔ وہ تینوں راہداری میں ساتھ ساتھ چلتے لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے۔

" ہاں اس نے آپ کو نہیں بتایا؟ " اس نے حیرت سے پوچھا تو ریان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

" بتایا تو میں نے تمہیں بھی نہیں تھا..... حدیقہ۔" وہ اسے جتاتے ہوئے بولی۔

" میں نے خود پتہ تو کر ہی لیا تھا نا۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔ ریان ایک کاؤچ پر بیٹھ کر ان کی نوک جھونک سننے لگا تھا۔

" تمہاری جاسوسی عادت ختم ہوئی کہ نہیں۔" وہ بولی تو حدیقہ کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ وہاب نے اسے کئی دفعہ جاسوسی کرتے ہوئے پکڑا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔

" ہاں ہو گئی ختم۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔ اسی پل عمیر لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ اور ریان کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا تو حدیقہ عانیہ کو ساتھ لیے اوپر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

" میں نے تو تمہیں سب کچھ بتا دیا اب تم بھی بتاؤ آخر چکر کیا ہے۔ کیوں اتنی اداس ہو؟" عانیہ نے بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی عانیہ"

"غلطی؟"

"میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا" وہ پھر سے رو پڑی تھی۔عانیہ کو الجھن ہونے لگی تھی۔

"کس کے ساتھ؟"

"وہاب.....میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے اور وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔" وہ سوں سوں کرتی بولی تو عانیہ چونک اٹھی۔

"ایک منٹ.....تمہیں کب سے کسی کی ناراضگی کی پرواہ ہونے لگی اور وہ بھی وہاب کی۔جو تمہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اور تم اس کے ساتھ برا کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔"

"ہاں میں مانتی ہوں میں نے ہمیشہ سے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔لیکن وہ تو بہت اچھا انسان تھا.....عانیہ۔بہت کیئر کرنے والا۔میں نے اسے ہمیشہ نقصان ہی پہنچایا اور باتیں بھی سنائیں۔لیکن وہ غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی ہمیشہ مجھ سے سوری ہی کرتا رہا۔اور اس دفعہ بھی غلطی نہ ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے معافی مانگی لیکن خود مجھ سے ناراض ہو گیا۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔میں اس کی ناراضگی سہہ نہیں پا رہی۔" وہ روتے ہوئے اپنے دل کا حال کھول رہی تھی اور عانیہ جان چکی تھی کہ وہاب اس کے دل کو فتح کر چکا ہے۔اس کے ہر لفظ میں وہاب کے لیے محبت کا عکس نظر آ رہا تھا۔اور اس کی یہ حالت وہاب کی ناراضگی کا نتیجہ تھی۔اس کے یہ قیمتی آنسو وہاب کے لیے گر رہے تھے۔وہ حدیقہ جو کبھی ایسی بات پر بھی غصہ کر جاتی تھی آج خود یہ بات تسلیم کر رہی تھی۔سب کچھ واضح تھا اس لیے یہ پوچھنا بے کار تھا کہ کیا اس کے دل میں وہاب کے لیے محبت ہے۔بعض دفعہ انسان کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔اور رویے بہت کچھ ظاہر کر دیتے ہیں۔

"تم نے ایسا کیا کیا ہے کہ وہ تم سے ناراض ہو گیا؟"

"میں نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے۔اس کے کردار پر الزام لگایا ہے میں نے۔وہ اب مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا

.....عانیہ۔"

"کیا؟"عانیہ تو ششدر رہ گئی تھی۔پھر حدیقہ نے روتے ہوئے اسے سب کچھ بتا دیا کہ عنیقہ نے اس سے جھوٹ بول کر وہاب سے بدگمان کرنا چاہا تھا اور اس نے غصے میں آ کر وہاب کو کتنی باتیں سنا ڈالیں تھیں۔اور اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا اور اس سے معافی مانگ کر چلا گیا۔

"تم روؤ مت حدیقہ۔وہ تم سے ناراض نہیں ہو سکتا۔میں اس سے بات کروں گی۔"

"نہیں پلیز تم اسے کچھ مت کہنا۔کہیں وہ اور ناراض نہ ہو جائے۔"

"تو تمہیں خود جا کر اس سے معافی مانگنی چاہیے پھر۔"

"نہیں میں اب اس کا سامنا بھی نہیں کر سکتی۔عانیہ میں تمہارے ساتھ چلی جاتی ہوں۔پلیز۔میں یہاں نہیں رہ سکتی۔مجھ سے اس کی بے رخی برداشت نہیں ہوتی اس لیے میں اس کے سامنے ہی نہیں آنا چاہتی۔"

"اچھا ٹھیک ہے رونا تو بند کرو نا۔میں آنٹی سے کہوں گی کہ تم میرے ساتھ جانا چاہتی ہو۔"وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

"پھر شاید اس کا دکھ بھی کم ہو جائے۔وہ جب بھی مجھے اپنے سامنے دیکھتا ہو گا تو اس کو پھر سے وہ باتیں یاد آتیں ہوں گی جو میں نے اسے سنائی تھیں۔پھر اس کے دل پر کیا بیتتی ہو گی عانیہ۔میں نے اس کی عزت نفس کو مجروح کیا ہے۔وہ یہ بات کبھی نہیں بھول سکے گا اور ہمیشہ مجھ سے ناراض رہے گا۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ زیادہ دیر تک سے ناراض رہ سکتا ہے۔لکھ کہ رکھ لو یہ"عانیہ نے وثوق سے کہا۔

"واقعی؟"اس کی آنکھوں میں یکدم امید بھری چمک آئی تھی۔

"ہاں۔جب تم منظر عام سے ہٹ جاؤ گی تو وہ خود تمہیں ڈھونڈے گا۔کیونکہ وہ تم سے پیار کرتا ہے۔"عانیہ نے اس کے گال کو چھو کر کہا تو وہ آنکھیں جھکا گئی۔دل کی اضطرابی کیفیت کو کم کرنے کے لیے وہ نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔اور سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بالکل چپ سی ہو گئی تھی۔

"اور ایک مزے کی بات بتاؤں....یہ پہلی دفعہ ہوا ہے جب تمہارے لیے کوئی ایسی بات کہنے والے کو تمہارے ہاتھوں مار نہیں پڑی۔غصہ کرنے کی بجائے محترمہ الٹا شرما رہی ہیں۔"عانیہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتی بولی تھی تو حدیقہ نے اسے گھور کر دانت کچکچائے اور اس کے کندھے پر مکے مارنے لگی۔

"بدتمیز عانی۔تمہیں یہ فضول باتیں کب سے آنے لگیں۔کہیں ریان بھائی کی وجہ سے تو نہیں۔"اس نے بدلہ چکایا۔

"ارے یار اس کی تو بات ہی چھوڑ دو۔سخت غصہ آ رہا ہے مجھے اس پر۔بلیک میلر کہیں کا۔کہتا ہے اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں حریم اور ریم کو بتا دوں گا کہ ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"وہ بظاہر غصے سے کہہ رہی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ وہ کسی بات پر بھی اس سے ناراض نہیں ہو سکتی تھی۔اس کا دل اس تحفظ کے احساس سے خوش تھا۔

"تو تمہارے بھلے کیلیے ہی کہتے ہیں نا۔وہ تمہیں کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتے ہوں گے۔اور تمہاری حفاظت کرنا چاہتے ہوں گے۔"

"آئی نو بٹ....مجھے خود حماد سے بدلہ لینا ہے۔جو کہ اب مجھے بہت مشکل لگ رہا ہے۔پہلے تو اس نے مجھے کہیں باہر جانے سے منع کر دیا تھا اور اب حیدر انکل نے بھی یہی حکم دے دیا ہے۔کسی کو مجھ پر یقین ہی نہیں کہ میں بدلہ لے سکتی ہوں۔میں مشکل حالات کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔میں مام ڈیڈ کی بیٹی ہونے کا حق ادا کرنا چاہتی ہوں۔......خیر جو بھی ہو بدلہ تو میں خود لے کر رہوں گی۔"

"تم جو بھی کرو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ تم مجھے بتاؤ کیا کرنا چاہتی ہو؟" حدیقہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ابھی تو یہ پتہ کرنا ہے کہ حماد اور تعبیر ہیں کہاں۔ ان کا ایک فون نمبر تو ہے میرے پاس اگر وہ آن ہو تو اسے ٹریس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے ابھی اتنا ہیکنگ کے بارے میں پتہ نہیں۔ تھوڑی بہت سیکھی تو تھی لیکن کسی شخص کو ٹریس کرنا نہیں آتا۔ اور میں یہ نمبر پولیس کو بھی نہیں دے سکتی۔"

"تو تم وہاب سے بات کر کے دیکھ لینا۔ عمیر بھائی ایک دفعہ کہہ تو رہے تھے کہ اسے ہیکنگ آتی ہے۔ اس کے بھی کمپیوٹر کے سبجیکٹس ہیں نا" حدیقہ نے تجویز دی۔

"واقعی؟..... چلو پھر اس سے پوچھوں گی۔ ویسے وہ ہے کدھر۔ نظر نہیں آ رہا۔"

"اس کے پیپرز ختم ہو گئے ہیں نا تو بابا کے ساتھ آفس جاتا ہے اب۔ دو بجے لنچ پر شاید آ جائے۔"

"تمہیں کچھ زیادہ ہی نہیں معلوم اس کی ٹائمنگ کے بارے میں۔" عانیہ نے اسے چھیڑا۔ اور حدیقہ بھی کہاں کم تھی۔۔

"ارے ریان بھائی آپ......" وہ دروازے کی طرف دیکھ کر کہا تو عانیہ جو کہنی کے بل نیم دراز تھی کرنٹ کھا کر اٹھی اور پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر حدیقہ کی طرف دیکھا تو وہ لبوں پر شرارتی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ عانیہ نے سرہانہ اٹھا کر اسے دے مارا۔

"حدیقہ کی بچی..... میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔"

"میں نے تو اپنا بدلہ چکایا ہے بس" حدیقہ نے بھی دوسرا سرہانہ پکڑ لیا تھا اور اب ان کے درمیان پلو فائٹنگ زور و شور سے جاری تھی۔ ایک عرصے بعد دو دوستیں دوبارہ ملیں تھیں اور اس ملنے کی خوشی ان کے چہروں پر واضح دکھ رہی تھی۔ اپنے دکھ بانٹنے کے بعد وہ اب خود کو ہلکا محسوس کر رہیں تھیں۔ اس لیے اپنی پرانی روٹین پر آ گئیں

تھیں۔وقت بھی ان کے قہقہوں کی گونج سن کر مسکرا اٹھا تھا اور ان کی دوستی کے سلامت رہنے کی دعا کرنے لگا تھا۔

---------------------

"رینم اٹھو......رینم" حریم اسے جھنجھوڑ کر جگاتے ہوئے بولی تھی۔رینم نے چند پل کے لیے بمشکل بوجھل آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر کے کروٹ بدل گئی۔

"اٹھو نا" حریم نے کندھے سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"سونے دو نا۔کیوں صبح صبح جگا رہی ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"صبح؟...میڈم دوپہر کے بارہ بج گئے ہیں۔اٹھ جاؤ" حریم اس کے کان کے پاس چیخی تو رینم نے آنکھیں سختی سے بند کر کے برا سا منہ بنایا۔

"نہ تنگ کرو یار۔قسم سے بالکل نائلہ لگ رہی ہو مجھے اس وقت۔"اس دفعہ حریم کا برا سا منہ بنا تھا۔اسے تو نائلہ کی شکل سے بھی سخت نفرت تھی۔

"اچھا مت اٹھو۔میں نے تو تمہیں ایک بات بتانی تھی۔"

"کیا؟"رینم آنکھیں کھول کر بیزاری سے بولی۔

"ملازمہ بتا رہی تھی کہ عانی آپی ریان بھائی کے ساتھ صبح کہیں گئیں تھیں اور ابھی تک وہ لوگ واپس نہیں آئے۔"

"کیا واقعی؟"رینم تجسس سے پوچھتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"آخر کہاں جا سکتے ہیں وہ" حریم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ان دونوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھ گچھ کرنا شروع کر دے۔اس کا شک پکا ہوتا جا رہا تھا اور جب تک اسے کے ہاتھ کوئی سرا نہیں لگتا تھا اسے چین نہیں آنا تھا۔

"کوئی ضروری کام بھی ہو سکتا ہے نا انہیں۔"

"اتنا بھی کیا ضروری کام تھا کہ صبح ہی صبح چل دیے۔ چلو مان لیا آپی عانی کو کام ہو سکتا ہے۔ یہ ریان بھائی کا کیا تک بنتا ہے ساتھ جانا۔"

"تمہیں یاد نہیں۔ ریان بھائی نے کہا تھا کہ وہ اب ہمیں اکیلے باہر نہیں جانے دیں گے۔" رنیم نے اسے یاد دلایا۔

"اور میرے خیال سے یہ خاص طور پر عانی آپی کیلیے ہی کہا تھا کیونکہ فائٹنگ تو وہی کرتی ہیں نا۔"

"ہاں ہم نے تو صرف فائٹنگ دیکھنے کی بات ہی کی تھی نا۔"

"ویسے مجھے ریان بھائی کا رویہ بہت مشکوک سا لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ عانی آپی میں انٹرسٹڈ ہیں۔"

"ارے ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ تو کسی دیانام کی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔ یاد نہیں کیسے اس کا ذکر کر رہے تھے۔ اس وقت ایک خاص چمک ان کی آنکھوں میں در آئی تھی۔" رنیم نے وثوق سے کہا تھا۔

"اور مجھے وہی چمک ان کی آنکھوں میں تب نظر آتی ہے جب وہ عانی آپی کو دیکھتے ہیں۔ وہ ہمارے سامنے کبھی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے اور لاتعلق سے رہتے ہیں لیکن میں نے انہیں لڑائی کرتے ہوئے خود دیکھا تھا۔"

"واقعی؟" رنیم خوشگوار حیرت سے بولی۔

"ہاں اور حیرت کی بات یہ کہ ہم رات کو ریان بھائی کے گھر پہنچے تھے اور صبح صبح میں نے ان کو لڑتے دیکھا تھا۔ جیسے وہ پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔" حریم الجھن آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"کہہ کیا رہے تھے؟"

"عانی آپی کہہ رہی تھیں کہ لڑائی میں نہیں تم کر رہے ہو۔ میں نے بس اتنا سنا تھا اور پوچھا کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں تو مجھے ٹال دیا۔"

"یہ بات تو واقعی مشکوک لگ رہی ہے حریم۔"

"تو پھر کیا خیال ہے اس بات کی کھوج نہ لگائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر دیکھتے ہیں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ویسے اگر یہ بات سچ نکل آئے تو سوچو عانیہ میری بھابھی بن جائے گی۔ہے نا۔کتنا مزا آئے گا۔"وہ پر جوش لہجے میں بولتی ہنس دی۔حریم کی ہنسی بھی اس میں شامل ہو گئی تھی۔

-------------------------

دو پہر کے کھانے میں ابھی وقت تھا۔ریان اور عمیر ،حیدر علی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور اس وقت ان کی گفتگو کا موضوع سیاست تھا۔عمرینہ ،زرین اور ادیبہ کے ساتھ مل کر کھانے کا خاص اہتمام کر رہیں تھیں۔حدیقہ اور عانیہ پلو فائٹنگ کرنے کے بعد تھوڑی دیر کمرے میں بیٹھی باتیں کرتیں رہیں اور اب وہ لان میں آرہیں تھیں۔

"ارے یار ایک بات تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔"حدیقہ نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

"کونسی بات؟"وہ جو سامنے دیکھ کر چل رہی رک کر اس کی طرف مڑی تھی۔

"کرن کی منگنی ہو گئی ہے اور عید کے تیسرے دن اس کی شادی ہو رہی ہے"حدیقہ نے پرجوش لہجے میں بتایا تو عانیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"یعنی کہ میں شرط جیت گئی۔ویسے کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟"

"اس کا کزن ہے ابصام۔پاکستان آرمی میں ہے۔کافی گڈ لکنگ بھی ہے۔وہ تو اتنی خوش تھی کہ پوچھو ہی مت۔ڈانس کر کے اس نے خوشی سیلیبریٹ کی ہے۔میں نے اسے تمہاری شرط یاد دلائی تو کہتی ہے مجھے ہار بھی منظور ہے۔"

"چلو...اسے خوش ہونے کا پورا حق حاصل ہے۔ایسا کرتے ہیں آج کرن اور باقی دونوں کو بھی انوائیٹ کر لیتے ہیں۔مزا آئے گا۔"

"ٹھیک ہے میں تینوں کو فون کر دوں گی۔" حدیقہ بولی۔ وہ لان میں ایک دیوار کی چھاؤں میں ٹہل رہی تھیں۔ ابھی وہ ہال کے دروازے کے قریب ہی تھیں کہ انہیں مین گیٹ سے ایک موٹر بائیک اندر آتی دکھائی دی تھی۔ حدیقہ کے ساتھ ساتھ عانیہ کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ وہاب ہے۔ حدیقہ کے چہرے پر سے مسکراہٹ یکدم غائب ہو گئی اور اس کی جگہ گہری سنجیدگی نے لے لی۔ وہ بالکل چپ سی ہو کر رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی جیسے اس نے وہاب کو دیکھا ہی نہیں۔ موٹر بائیک ڈرائیو وے پر دوڑتی پورچ تک آرکی تھی۔ وہاب حدیقہ کو رخ پھیرے دیکھ چکا تھا اور اب مسکراہٹ دباتا بائیک سے اترا تھا۔ بلیو جینز پر سفید رنگ کی ٹی شرٹ اور بلیک کھلے بٹنوں والی کالر شرٹ پہنے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ آنکھوں سے سن گلاسز اتار کر گریبان میں ٹکاتے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ حدیقہ کو اس کے قدموں کی گونج اپنے دل پر پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔ وہاب بھائی کیسے ہیں آپ؟" عانیہ چہرے پر نرم سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے گرم جوشی سے بولی۔ حدیقہ عانیہ کے پیچھے ہوتی بے بسی سے آنکھیں بھینچ گئی تھی۔ آنسوؤں کا پھندا گلے میں اٹکنے لگا تھا۔

"میں ٹھیک لیکن تم....؟" وہ بشاشت سے بول رہا تھا کہ عانیہ نے بات کاٹی۔

"میں عانیہ...مجھے نہیں پہچانا؟"

"پہچان گیا ہوں۔ بچپن میں میں نے کئی دفعہ تمہیں یہاں آتے دیکھا تھا۔ سناؤ کیسی ہو؟" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ حدیقہ کو لگا کہ وہاب نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو یہاں مس فٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ اس دن پارک آئے تھے تو بتایا ہی نہیں کہ آپ وہاب ہیں۔"

"اگر آپ کو امید ہو کہ کوئی آپ کو دیکھتے ہی پہچان لے گا اور وہ پہچانے ہی نہ تو خود سے بتانا کہ میں کون ہوں...... بے کار ہے۔" اس نے ایک نظر پیچھے کھڑی حدیقہ پر ڈال کر کہی تو وہ جان گئی تھی کہ یہ بات اسے ہی سنائی جا رہی

ہے۔ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ سر کو مزید جھکا گئی تھی۔ عانیہ بھی اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی اس لیے بات بدل دے کو بولی۔

"آ.....وہ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"

"ہاں کہو۔" وہ اچنبھے سے بولا تھا۔

"مجھے حدیقہ نے بتایا تھا کہ آپ کو ہیکنگ آتی ہے" وہ بول کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں" وہ مسکراہٹ چھپا کر بولا۔

"تو اگر کسی شخص کی لوکیشن اور فون کی ساری ڈیٹیلز ٹریس کرنی ہو تو آپ معلوم کر سکتے ہیں کیا؟" عانیہ نے پوچھا۔

"عانیہ تم بات کر کے اندر آ جانا میں ویٹ کر رہی ہوں۔" حدیقہ نے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا۔ اور اس کے پیچھے سے ہوتی چلی گئی۔ اس کی رونی شکل وہاب کو نظر آ گئی تھی اور اس کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔ اس کا دل کیا تھا کہ اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں پر چن لے اور اس کا ہر دکھ سمیٹ لے لیکن ابھی اس کو انتظار کرنا تھا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھی تم؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجھے کسی کی لوکیشن ٹریس کرنی ہے۔ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"ہاں نمبر بتا دو۔ اگر آن ہوا تو پتہ چل جائے گا۔" وہ جیب سے اپنا سمارٹ فون نکالتے ہوئے بولا۔

"تھینک یو۔" عانیہ نے کہہ کر اسے حماد کا نمبر لکھوا دیا جو اس نے ریان کے گھر جانے سے پہلے یاد کر لیا تھا۔

"ویسے تمہیں ضرورت کیا ہے؟" وہاب نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"آپ کسی کو بتائیں گے تو نہیں؟" اس نے رازداری سے پوچھا۔ وہاب کو حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں" وہ الجھن بھرے لہجے میں بولا۔

"اوں ہوں۔ پکا وعدہ کریں۔" وہ زور دیتے ہوئے بولی۔

"وعدہ۔ اب بول بھی چکو۔ کیا کرنا چاہتی ہو؟ اسے اب سچ مچ تشویش ہونے لگی تھی۔

"قتل" اس نے بڑے آرام سے وہاب کے سر میں بم پھوڑا تھا۔

"قتل؟...." وہ دم بخود سا رہ گیا تھا۔

"اب یہ مت کہیے گا کہ آپ میری مدد نہیں کریں گے۔"

"تم مذاق کر رہی ہو؟" وہ ابھی بھی بے یقین سا تھا۔

"آف کورس ناٹ۔ آئی ایم سیریس۔" وہ پر اعتماد لہجے میں بولی۔

"تم بہت بڑا دعویٰ کر رہی ہو۔" وہ جتاتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہوں۔ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔ پہلے بھی وہ میرے ہاتھوں بچ گیا تھا حالانکہ مجھے پکا یقین تھا کہ وہ مر چکا ہے۔"

"مطلب تم پہلے بھی اس پر قاتلانہ حملہ کر چکی ہو۔ اومائی گاڈ۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئی۔ تمہیں ذرا سا بھی ڈر نہیں لگ رہا۔ تم پر کیس بن سکتا ہے اور پھانسی پر بھی چڑھ سکتی ہو تم۔" وہ ابھی ہی اس سے ملا تھا اور اس کیلیے فکر مند ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی اسی کی طرح حساس تھا۔

"پھانسی تو خیر نہیں چڑھوں گی البتہ ہو سکتا ہے مجھے کوئی میڈل وغیرہ مل جائے حکومت کی طرف سے۔" وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

"کسے قتل کرنا چاہتی ہو؟" وہ فکر مند سا پوچھنے لگا۔

"حماد افضل کا۔ وہ میرے مام ڈیڈ کا قاتل ہے۔" ضبط سے عانیہ کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں اور وہاب کچھ پل کے لیے چپ سا رہ گیا تھا۔ ماں باپ کی جدائی کا دکھ وہ بھی جانتا تھا۔ وہ ابھی تک اپنی ماں کو بھلا نہیں پایا تھا اور عانیہ کے

والدین کا قتل تو ابھی کچھ عرصے پہلے ہی ہوا تھا۔ پھر بھی وہ سنبھل چکی تھی اور قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی تو کچھ غلط بھی نہیں کر رہی تھی۔ اگر وہ اس کی جگہ ہوتا تو وہ بھی ایسے ہی کرتا۔

"سو سوری فار دیم۔ بہت افسوس ہوا یہ جان کر۔ میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتا ہوں۔ قتل کا بدلہ لینا تمہارا حق ہے۔ لیکن یہ کام تو قانون کا ہے نا کہ وہ تمہارے پیرنٹس کو انصاف دلائے۔"

"مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا۔ میں اسے زندہ نہیں دیکھ سکتی۔ اس لیے آپ سے مدد کرنے کیلیے کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ نہیں کرنا چاہتے تو نو پرابلم۔ میں خود ہی کوئی حل ڈھونڈ لوں گی۔ تھوڑا صبر اور کر لوں گی۔"

"اوکے میں تمہاری مدد کرنے کیلیے تیار ہوں۔ لیکن تم جو بھی کرو مجھے پتہ ہونا چاہیے۔ تم پولیس کو انوالو نہیں کر رہی اور نہ انکل آنٹی کو بتانا چاہتی ہو کہ وہ تمہیں روک نہ دیں۔ اس میں بہت خطرہ ہے۔ اگر تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو اکیلی پھر کیا کر سکتی ہو۔" وہ اسے انکار نہیں کر سکا تھا۔ اگر وہ ہامی بھر لیتا ہے تو کم از کم اسے اتنا تو پتہ ہونا تھا کہ عانیہ کیا کر رہی ہے۔

"اوہ تھینک یو۔ اب آپ لگے ہیں نا اچھے والے وہاب بھائی۔"

"مکھن لگا رہی ہو؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"میرے پاس مکھن کہاں سا آگیا جو آپ کو لگاؤں گی۔" وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی تو وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنس دیا۔

"انفارمیشن کب تک چاہیے تمہیں؟"

"رات تک..... اگر آپ آسانی سے کر سکیں ورنہ کل صبح تک بھی انتظار کر سکتی ہوں۔"

"اچھا تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو میں لوکیشن ٹریس کر کے تمہیں ایڈریس بھیج دوں گا اور ہاں مجھے بتائے بغیر کچھ بھی نہ کرنا ورنہ میں انکل آنٹی کو سب بتا دوں گا۔"

"نہیں کروں گی۔ آپ میرا نمبر لکھیں۔" عانیہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اور اپنا نمبر لکھوانے لگی۔ وہاب نمبر موبائل فون پر سیو کرنے کے بعد سر کو ہلکا سا جنبش دیتے ہوئے جانے لگا جب عانیہ نے اسے پکارا۔

"وہاب بھائی" وہاب نے مڑ کر دیکھا تو وہ اسے کچھ متذبذب سی دکھائی دی۔

"کیا آپ...... حدیقہ سے محبت کرتے ہیں؟" وہ ڈرتے ہوئے پوچھنے لگی اور اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگی۔ وہاب پہلے تو اس سوال پر

حیران رہ گیا۔ پھر اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹک گیا۔

"کیا اسے ابھی بھی جاننے کی ضرورت ہے؟" اس نے حدیقہ کے بارے میں کہا۔

"وہ جانتی ہے۔ یہ میں پوچھ رہی ہوں۔" عانیہ دوبدو بولی تھی۔ وہاب کے لیے یہ بات خوشگوار حیرت کی باعث تھی کہ حدیقہ اس کے دل کا حال جان چکی تھی۔

"ہاں" وہ بول کر مسکرایا تھا۔

"تو پھر آپ اسے معاف کیوں نہیں کر دیتے۔" وہ بولی تو وہاب کا چہرہ اہانت سے سرخ پڑ گیا۔ عانیہ جانتی تھی کہ وہ اس بات کا کسی کو پتہ نہیں لگنے دینا چاہتا اسی لیے اب اسے یہی تاثر دینا تھا کہ اسے کچھ نہیں معلوم۔

"آپ کو پتہ ہے وہ کتنا رو رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا کہ اس نے آپ کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ کیا ہوا تھا لیکن میں آپ سے اتنا پوچھوں گی کہ آپ اس سے ناراض ہیں؟"

وہاب کے تاثرات تھوڑے ڈھیلے پڑے تھے۔

"ناراض نہیں ہوں۔ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"تو پھر اسے یوں تو مت رلائیں۔ وہ پہلے کبھی اتنا نہیں روئی جتنا اب روئی تھی۔ وہ تو دوسروں کو رلانے والی شریر سی لڑکی تھی۔ اس کی شرارتوں سے اگلے بندے کو کتنا نقصان ہوا ہے اسے کبھی پرواہ نہیں ہوئی تھی۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جس کے ساتھ وہ برا کر کے پچھتا رہی ہے۔ کیا آپ کو اس پر رحم نہیں آ رہا؟"

"اس کے آنسو میرے لیے بہت قیمتی ہیں لیکن میں ایک دفعہ اپنی محبت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ دیکھنا چاہتا ہوں اسے میری ناراضگی کی کتنی پرواہ ہے اور کیا وہ مجھے منانے آئے گی۔"

"لیکن اسے دوسروں کو منانا نہیں آتا۔"

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے لیے میں کوئی دوسرا ہوں یا اس کے دل میں میری اہمیت دوسروں سے زیادہ ہے۔ یوں سمجھو وہ محبت کے امتحان میں سے گزر رہی ہے۔"

"اور وہ پاس تب ہو گی جب وہ آپ سے معافی مانگے گی؟"

"نہیں......وہ مجھے بس ایک دفعہ پکار لے اور میں جانتا ہوں یہ بھی اس کے لیے بہت مشکل ہے لیکن دل میں ایک امید ضرور ہے کہ وہ مجھے پکارے گی۔"

"وہ ہمیشہ کی طرح مشکل کا سامنا کرنے کی بجائے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لیے وہ میرے ساتھ میرے گھر جا رہی ہے۔ کیونکہ آپ کا سامنا کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ کو واقعی لگتا ہے کہ وہ آپ کی طرف خود بڑھے گی اور اس مشکل کا سامنا کر سکے گی؟"

"دل تو کہتا ہے.......ہاں۔ اب دیکھو وہ کتنا سچا نکلتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ کیا میں اسے کنونس کر سکتی ہوں کہ وہ آپ کو پکارے؟"

"یہ تو چیٹینگ ہوئی نا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اوکے۔میں اس سے کچھ نہیں کہوں گی۔یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ اسے آزما سکیں۔لیکن اگر اس نے آپ کی طرف بڑھنے میں دیر کر دی تو....؟"

"میں ساری زندگی اس کا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"پھر تو وہ بہت لکی ہے۔میں دعا کروں گی کہ آپ دونوں جلد ایک ساتھ زندگی گزارنے لگیں اور اس لو سٹوری کی اینڈنگ ہیپی ہو۔ویسے اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی شادی پر آپ کی بہن کا رول ادا کر سکتی ہوں۔آخر رشتہ مانگنے کیلیے کسی بہن بھائی کا ہونا تو ضروری ہے نا۔"عانیہ نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ کر ہنس دیا۔

"تم تو دور کی کوڑی لاتی ہو۔ویسے کہہ ٹھیک رہی ہو۔تمہیں بہن بنانے میں واقعی بہت فائدہ ہے۔حدیقہ کے سامنے اپنے بھائی کی تعریفیں تو بہت کرو گی پھر تم۔"

"ہاں کیوں نہیں۔آپ کی تعریفوں میں آسمان اور زمین کے قلابے ملا دوں گی۔لیکن اس کے عوض مجھے بھی روایتی بہنوں کی طرح ٹیکس چاہیے ہو گا۔"

"ہمم....مطلب تم میری جیبیں خالی کروا کے رہو گی۔"

"پیسوں کے علاوہ میں آپ سے اور بھی کام کروا سکتی ہوں۔"

"اوکے جو چاہو۔تمہیں بہن کہا ہے اس لیے حق ہے تمہارا۔اگر کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجھک کہہ دینا۔"وہ اس کے سر پر تھپکی دے کر بولا اور مسکرا کر چل دیا۔

"اب تو آپ بے فکر ہو جائیں۔حدیقہ کے سامنے آپ کی ایسی تعریفیں کروں گی کہ رشتے سے انکار نہیں ہو گا۔"عانیہ نے پیچھے سے کہا تو اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔

------------------------

وہاب اس بات پر پریشان تو تھا کہ عانیہ خود کو خطرے میں ڈال رہی ہے۔ لیکن وہ اس کا دکھ بھی سمجھ رہا تھا۔ اس لیے اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اگر وہ اس کی مدد نہ کرتا تو وہ کوئی اور راستہ ڈھونڈ لیتی اس لیے یہی بہتر تھا۔ اس طرح اسے تو خبر رہے گی نا کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اور بروقت اس کی مدد کو پہنچ سکے گا۔ پھر جب وہ ریان سے ملا اور عمیر نے اسے بتایا کہ وہ عانیہ کا کزن ہے اور عانیہ اس کے مکمل تحفظ میں ہے تو اس کی فکر ختم ہو گئی تھی کہ عانیہ اب جو بھی کرے گی ریان سے پوچھ کر کرے گی۔ اور جتنا اس نے اندازہ لگایا تھا اس کے مطابق ریان اسے کسی خطرے میں پڑنے کی اجازت نہیں دے گا۔ کھانے کی ٹیبل پر بھی حیدر علی نے عانیہ کو وارننگ دی تھی اور ریان کو اسے باز رکھنے کا کہا تھا اس لیے اب وہ کافی مطمئن تھا لیکن وہ اب بھی عانیہ کی مدد کرنے کا سوچ رہا تھا کیونکہ عانیہ نے اس پر اعتبار کر کے اس سے مدد مانگی تھی۔ اور اگر وہ اس کی مدد نہیں بھی کرتا تو اس کے پختہ عزم سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ وہ خود ہی کچھ نہ کچھ کر لے گی۔ جس نے پہلے اپنے دشمن کو بے دردی سے موت کے منہ تک پہنچا دیا وہ اب اس کا کیا حشر کرے گی۔ حیدر علی کے پوچھنے پر ریان نے انہیں بتایا تھا کہ کس طرح عانیہ نے حماد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اور حیدر علی سمیت تمام افراد گنگ رہ گئے تھے۔ وہ تو شکر تھا کہ ریان نے سین میں خود کو ظاہر کر دیا تھا ورنہ یہ جان کر تو سب حیرت سے بے ہوش ہی ہو جاتے کہ عانیہ نے اکیلے حماد سے بدلہ لیا تھا۔

واپسی پر حدیقہ بھی ان کے ساتھ آ گئی تھی۔ تقریباً تین بجے وہ گھر پہنچے تو دروازے پر ہی حریم اور ریم انہیں مل گئیں جو کافی مشکوک نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ابھی ان کا ارادہ کچھ پوچھنے کا تھا کہ عانیہ کے ساتھ نیلی آنکھوں والی ایک خوبصورت سی لڑکی کو دیکھ کر دم بخود رہ گئیں تھیں۔ حدیقہ نے ہلکے نیلے رنگ کی پیروں تک آتی ریشمی فراک پہن رکھی تھی جس کی آستینیں شیفون کی بنی تھیں اور اس کی کہنیوں تک آتی تھیں۔ ٹاپ پر گہرے رنگ کے نیلے نگینے جڑے تھے۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیے اور گلے میں ہم رنگ شیفون کا دوپٹہ اور کندھے پر

لمبی ڈوری والا کلچ پہنے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سنہری بال چہرے کے دونوں طرف آبشار کی طرح گر رہے تھے جن میں سے کچھ بال ہلکے سے ماتھے پر گرائے ہوئے تھے اور اس کی لمبی پلکوں میں اٹکے ہوئے تھے۔

حریم نے تو اسے دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی شکل کسی لڑکی سے ملا ڈالی تھی۔ اور رینم کو اس کی نیلی آنکھیں دیکھ کر بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔

"اسلام علیکم" ان دونوں نے اندر آنے والے تینوں نفوس کو ایک ساتھ سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام۔ کیسا گزرا دن؟" عانیہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ریان اور حدیقہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔

"ٹھیک گزرا۔ اور امید کرتے ہیں کہ آپ دونوں کا بہت اچھا گزرا ہو گا۔" حریم نے چبا کر کہا تو ریان نے بمشکل اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا۔ اور رینم سے مل کر اپنے کمرے میں آرام کرنے چلا گیا۔

"اس سے ملو۔ یہ حدیقہ ہے میری بیسٹ فرینڈ۔" عانیہ نے ان کی توجہ خود پر سے ہٹائی۔

"اوہ حدیقہ؟.... نائس ٹو میٹ یو۔ آپ کا کافی ذکر سنا تھا آپی عانی سے۔" حریم نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو اس کے پکڑنے پر ایسا لگا کہ اس نے کسی نرم سی روئی کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور اب وہ حدیقہ کے ہاتھ کا بھی ایک تفصیلی جائزہ لے چکی تھی۔

"یہ حریم ہے اور یہ رینم ہے" عانیہ نے باری باری دونوں کا تعارف حدیقہ سے کروایا تو اس نے مسکرا کر ان سے سلام لیا تھا۔ اسے بھی وہ دونوں بہت خوب صورت لگیں تھیں۔

"آپ کتنی خوبصورت ہیں نا۔ بالکل....."

"ناٹ اگین حریم" عانیہ اکتا کر بولی تو حدیقہ نے نا سمجھی سے عانیہ کو دیکھا۔

"دراصل ڈرامے دیکھ دیکھ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور اب ہر نئی لڑکی کو دیکھ کر اپنی پسند کی ایکٹریس کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔" عانیہ نے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر میری شکل کس سے ملتی ہے؟" حدیقہ نے مسکرا کر حریم سے پوچھا۔

"ارے آپ کی شکل تو میری پسندیدہ چائنیز ایکٹریس سے ملتی ہے۔ ہمم.... کیا نام تھا اس کا.... ہاں ان یوئے شی۔ بالکل آپ کی ہم شکل ہے۔ ویسے آپ نے کبھی چائینیز ڈرامے دیکھے ہیں؟" وہ پر جوش لہجے میں بول رہی تھی جبکہ عانیہ نے بیزاری سے صوفے پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ رینم بھی پاس بیٹھ گئی تھی۔

"نہیں"

"تو پھر آپ ان یوئے شی کو نہیں جانتی ہوں گی۔ لیکن میں آپ کو دکھاؤں گی۔ آپ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں گیں۔"

"اچھا پھر تو مجھے بہت شوق ہو رہا ہے اسے دیکھنے کا۔"

"واقعی..... پھر میں آپ کو ابھی دکھاتی ہوں وہ۔ عانی آپی اپنا فون دیں ذرا۔" وہ پر جوش لہجے میں بولی تو عانیہ نے اسے اپنا فون اسے پکڑا دیا۔ وہ تیزی سے گوگل پر ان یوئے شی کا نام ٹائپ کرنے لگی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟ عانیہ نے آپ کا بتایا تھا کہ آپ کو بخار ہے۔" حدیقہ نے رینم کی طرف دیکھ کر کہا جو چپ کر کے ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آواز پر چونکی اور پھیکا سا مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں اب۔"

"آپ دونوں بھی عانیہ کے ساتھ ہمارے گھر آتیں نا۔"

"یہ سوئی ہوئی تھیں اس وقت" عانیہ نے بتایا۔

"یہ دیکھیں۔ بالکل آپ جیسی ہے نا۔ بس آپ کی آنکھیں اس سے بڑی اور نیلی ہیں۔ باقی اوور آل فیس لک وہی ہے۔" حریم نے فون اس کے سامنے کرتے ہوئے وثوق سے کہا تو وہ بھی اس کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ قریب سے دیکھنے پر فرق معلوم ہوتا تھا لیکن دور سے دیکھنے پر کافی حد تک اس جیسی لگ رہی تھی۔

"ارے عانیہ...... یہ دیکھو۔ یہ تو واقعی میرے جیسی ہی ہے۔" وہ خوشی سے کہتی عانیہ سے بولی تو وہ اٹھ کر فون پر تصویر دیکھنے لگی۔ اسے بھی وہ حدیقہ جیسی ہی لگی تھی۔

"اب بتائیں عانی آپی۔ میں نے کتنی پرفیکٹ ان کی ہمشکل ڈھونڈی ہے۔ اور آپ کہتی ہیں میرا دماغ خراب ہے۔" حریم نے جتاتے ہوئے کہا۔

"ویسے اگر یہ پکچر وہاب بھائی کو بھیجی جائے تو وہ پہچان پائے گا کہ یہ تم نہیں۔" عانیہ نے شرارت سے کہا۔ حدیقہ نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔ حریم اور ریتم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اچھا.... یہ عانیہ کی شکل کی بھی دکھانا ذرا۔" حدیقہ نے بھی اسی وقت اپنا بدلہ چکانا چاہا۔

"آ..... نہیں۔ میرے جیسی تو اس پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ ہے نا حریم۔" عانیہ نے تنبیہی نظروں سے حریم کو دیکھا۔

"نہیں...... ایک لڑکی ہے۔" حریم نے معصومیت سے جواب دیا۔

"ہاں تم دکھاؤ مجھے وہ۔" حدیقہ نے حریم س کہا تو وہ جلدی سے جو جنگ یی کو سرچ کرنے لگی۔ عانیہ نے حدیقہ سے نظروں ہی نظروں میں منت کی کہ ان کے سامنے کچھ مت کہنا۔ تو وہ احسان کرتے ہوئے مان بھی گئی۔

"یہ ہے جو جنگ یی۔ میری موسٹ فیورٹ چائینز ایکٹریس اور سنگر۔ دیکھیں کتنی میچ کرتی ہے آپی عانی کی شکل اس سے۔" حریم نے موبائل ان کی طرف بڑھا دیا۔ عانیہ کو اس بار واقع حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ بے یقین سی اپنی ہمشکل لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تصویر دور سے لی گئی تھی اور وہ لڑکی اسی کی طرح دکھ رہی تھی۔ غور سے دیکھنے پر معمولی سا فرق دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی تھیں اور گال تھوڑے پتلے تھے جبکہ عانیہ کی آنکھوں بڑی تھی اور گلابی گال بھی بھرے بھرے سے تھے۔


Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"ہاں واقعی یار۔ مجھے تو کوئی فرق نہیں لگ رہا۔ ویسے حریم تم تو کمال ہو۔ کسی لڑکی دیکھتے ہی ان کی ہم شکل ڈھونڈ لیتی ہو۔" حدیقہ ستائش بھری نظروں سے کہہ رہی تھی۔ رینم بھی حیرت زدہ ہو کر سکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ایک عرصہ کئی ممالک کے ڈرامے دیکھے ہیں سوائے انڈیا کے۔ اور اب تک یہ اندازہ تو ہو چکا ہے کہ کس کی شکل کیسی ہے۔ مجھے خوبصورتی بہت ایٹریکٹ کرتی ہے اور چائینیز لڑکیاں مجھے سب سے خوبصورت لگتی ہیں۔ خاص کر جو یہ ینگ ایکٹریسز ہیں۔ ان کی تو میں بہت بڑی فین ہوں۔ میں نے رینم کی بھی ایک ہم شکل لڑکی ڈھونڈی ہے۔ وہ دکھاؤں آپ کو؟"

"ہاں دکھاؤ" حدیقہ تجسس سے بولی۔ تو حریم نے گوگل پر لی جی اِیُون کو سرچ کیا اور ان کی طرف کیا تو رینم بے اختیار مسکرا دی۔

"واؤ یار یہ بھی کتنا پرفیکٹ میچ ڈھونڈا ہے تم نے۔ میں تو تمہاری فین ہو گئی ہوں ویسے تم نے اپنے جیسی بھی تو کوئی ڈھونڈی ہو گی نا۔" حدیقہ نے کہا۔

"نہیں مجھے اپنے جیسی ابھی تک تو نہیں ملی۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"چلو ٹھیک ہے میں پھر تمہارے جیسی ڈھونڈ کر تمہیں دکھاؤں گی۔"

"واقعی۔ لیکن آپ تو ڈرامے دیکھتی ہی نہیں تو آپ کو کیسے ملے گی۔"

"کوئی بات نہیں اب دیکھ لوں گی اور یہ اپنی شکل والی لڑکی کے ڈرامے تو ضرور دیکھوں گی۔" حدیقہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اسے بہت خوشی ہو رہی تھی کہ کوئی لڑکی اس کی ہم شکل ہے اور وہ بھی چائینیز لڑکی۔ وہ تو ہر وقت ناول پڑھتی رہتی تھی اسے چائینیز ڈرامے دیکھنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ وہ خود کو کوستے ہوئے سوچنے لگی تھی۔

"میں بھی لی جی اِیُون کے سارے ڈرامے دیکھوں گی۔" رینم بھی چہکی۔

"اور عانیہ تم اپنی ہم شکل کے ڈرامے دیکھنا۔" حدیقہ نے اسے کہا۔

"میرے پاس اور بھی بہت سے کام ہیں ڈرامے دیکھنے کے علاوہ۔" وہ کہتے ہوئے اٹھی اور لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

"ہاں تم تو جیسے یہاں کی وزیر اعظم ہو نا۔" پیچھے سے حدیقہ نے اسے اونچی آواز میں کہا۔

"اچھا۔مجھے اس لڑکی کے ڈرامے تو دکھاؤ..... کیا نام ہے اس کا؟" حدیقہ حریم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ان یوئے شی؟" حریم نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس کا ایک ڈرامہ میرا سب سے پسندیدہ ہے۔ دا اینڈ لیس لو۔ ورل وائنڈ گرل بھی بہت اچھا ہے۔ میں آپ کو دکھاتی ہوں۔......" وہ کہتے ہوئے تیزی سے یوٹیوب کھول کر اسے سرچ کرنے لگی۔ حدیقہ کو بھی وہ ڈرامہ بہت پسند آیا تھا اور وہ عانیہ کا لیپ ٹاپ اٹھا لائی جس پر انہوں نے اس ڈرامے کی چار ایپیسوڈز وہیں بیٹھے دیکھ دی تھیں۔ ساتھ ساتھ اپنے بارے میں بھی بتاتی رہیں اور ڈرامے پر تبصرے بھی جاری رہا۔ رینم بھی اب اس سے کافی فرینک ہو چکی تھی۔ حدیقہ ان سے مل کر واقعی بہت خوش ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے وہ کچھ دیر کیلیے سارے دکھ بھول گئی تھی۔ وہ اب ان سے ایسے باتیں کر رہی تھی جیسے شروع سے انہیں جانتی ہوں۔ شام تک ان کی باتیں جاری رہیں تھیں۔ اور دوسری طرف عانیہ اکیلی اپنے کمرے میں لیٹی مام ڈیڈ کو یاد کر رہی تھی۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔ دل میں کسک سی تھی کہ ابھی تک اس کے مام ڈیڈ کے قاتل زندہ تھے۔ لیکن وہ پختہ عزم کر چکی تھی کہ اسے زیادہ دیر زندہ نہیں رہنے دے گی۔ شام کی نماز پڑھ کر اس نے مام ڈیڈ کے لیے ڈھیر ساری دعائیں کیں اور باہر آئی تو حدیقہ رینم اور حریم تینوں ابھی تک باتیں کر رہی تھیں۔

"میں نے دو دفعہ دروازہ کھٹکایا تھا لیکن تم نے کھولا ہی نہیں۔ سو تو نہیں گئی تھی۔" حدیقہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔ کیا وہ مام ڈیڈ کی یادوں میں اس قدر کھو گئی تھی کہ دروازہ کھٹکنے کی آواز بھی نہیں آئی۔

"ہاں شاید سو گئی تھی۔ تم لوگ سناؤ۔ دوستی تو ہو گئی ہو گی تم لوگوں کی اب تک۔" عانیہ چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کو اس کے رونے کا پتہ چلے اور وہ خوامخواہ پریشان نہ ہو جائیں۔

"ہاں ہو گئی۔ ہم نے مل کر ڈرامے بھی دیکھے اور ڈھیر ساری باتیں بھی کیں۔" حریم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اور رینم کو بھی کچھ بولنے دیا کہ نہیں۔"

"میں نے اسے بولنے کا پورا پورا موقع دیا ہے پوچھ لیں حدیقہ سے۔"

"ہاں یہ بہت معصوم سے سوال کرتی ہے۔ اس کی باتوں میں بہت ہی سادگی ہے۔ البتہ حریم کی بہت سی کوالٹیز مجھ سے ملتی ہیں۔ ہماری پسند زیادہ تر ایک جیسی ہے۔ میں نے تو دونوں کا مکمل انٹرویو لیا ہے۔ ویسے تم لوگوں نے بتایا نہیں آگے کا کیا سوچا ہے۔" حدیقہ بولی۔

"میں تو آگے ایف ایس سی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں۔" حریم بولی۔ فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن ہو رہے تھے اور عید کے بعد کلاسز سٹارٹ ہونی تھیں۔ عانیہ نے اس کا ایڈمیشن کالج میں کروانے کی ہامی بھر لی تھی اور وہ کالج جانے کیلیے کافی پرجوش تھی۔

"اور رینم نے آگے کا کیا سوچا ہے؟" حدیقہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ابھی ایک مہینہ تو اسے ریسٹ کرنا ہو گا۔ اس کا علاج چل رہا ہے۔ پھر اس کی ایک سال میں اس کی اتنی تیاری کروا دوں گی کہ نائنتھ کلاس میں ایڈمیشن ہو جائے اس کا۔" عانیہ نے کہا۔

"لیکن عانیہ تم تو اکتوبر میں اکیڈمی چلی جاؤ گی اور ریان بھائی بھی تو یہاں نہیں ہوں گے۔ پھر یہ اکیلے یہاں تو نہیں رہ سکتی نا۔" حدیقہ نے کہا۔

"اس کے بارے میں بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں یہاں اگر یہ اکیلی بھی رہیں تو ان کو سیکیورٹی کا کوئی مسلہ نہیں ہو گا۔" عانیہ نے کہا۔

"میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ کیوں نا یہ دونوں میرے ساتھ میرے گھر چلیں ماما بہت خوش ہوں گی۔ پلیز عانیہ اب نہ مت کرنا۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ ان سے پوچھ لو یا ان کے بھائی سے پوچھ لو۔" عانیہ نے مسکراتے کر کہا۔

"انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔ تم دونوں بتاؤ۔ میرے ساتھ میرے گھر چلو گی نا۔" حدیقہ نے بڑے مان سے پوچھا تھا۔

"ہاں ہم آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں لیکن جب تک ریان بھائی یہاں ہیں۔ ہم یہاں رہیں گے۔" رینم نے کہا۔

"کب جانا ہے انہیں؟" حدیقہ نے پوچھا۔

"اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ کو" حریم بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ان کے جانے کے بعد تم تینوں کو میرے گھر رہنا پڑے گا۔" حدیقہ نے ان سے وعدہ لیا۔

"اچھا وہ..... کرن لوگوں کو انوائیٹ کر لیا تھا کہ نہیں؟" عانیہ نے یاد آنے پر پوچھا۔

"اف یاد ہی نہیں رہا" حدیقہ نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

"سارا وقت وہاب بھائی کو یاد کرو گی تو اور کچھ کیسے یاد رہے گا۔ چلو جلدی سے فون کرو انہیں اور ڈنر پر انوائیٹ کر لو۔ میں ذرا کھانے کا انتظام کر لوں" عانیہ نے روانی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتی باہر کو چلی گئی۔ جبکہ وہ جھینپ مٹانے کو غصہ سے اس کی پشت کو گھورنے لگی۔

"یہ وہاب کون ہے؟" حریم نے رازداری سے پوچھا۔ حدیقہ جس بات سے ڈر رہی تھی وہی حریم نے پوچھ لی تھی۔ اب اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کونسا جواب دے۔ جس سے وہ ٹل جائے۔

"آپ کے چہرے پر گھلتی سرخیاں بتا رہی ہیں کہ وہ کوئی اسپیشل ہے آپ کیلیے۔" حریم نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اندازا لگایا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"فیانسی ہو گا نا؟" ریثم نے معصومیت سے بتایا۔

"یا آپ کے خوابوں کا شہزادہ ہے وہ؟" حریم نے پر جوش لہجے میں پوچھا تو حدیقہ ہکا بکا منہ کھولے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"اچھا آپ کی شادی کب ہو رہی ہے پھر؟" ریثم نے پوچھا۔

"یا ہو چکی ہے؟" حریم دوبدو بولی۔

"بس..... خاموش ہو جاؤ. توبہ استغفار کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔ پیچھے ہٹو مجھے اپنی دوستوں کو فون کرنے دو" وہ مصنوعی خفگی سے کہتی ان کے درمیان سے اٹھی اور میز پر پڑے کلچ میں سے فون نکالنے لگی۔ ریثم اور حریم میں معنی خیز مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔

"اچھا ان کی تصویر تو دکھا دیں۔" حریم نے ریثم کو آنکھ مارتے ہوئے حدیقہ سے اونچی آواز میں کہا (عانی کی بچی۔ دیکھنا ایک دن میں بھی تمہارا بھانڈا پھوڑ کر رہوں گی۔ کہاں پھنسا دیا مجھے۔) وہ آنکھیں بند کر کے اکتاتے ہوئے بولی۔ پھر سر جھٹک کر ان کو جواب دیے بنا کرن کو فون کرنے لگی۔

---

آج کا دن واقعی بہت شور ہنگامے والا گزرا تھا۔ اتنے دنوں بعد وہ اپنے جاننے والوں سے ملی تھی تو ابھی تک خوشی کے حصار میں تھی۔ حدیقہ، انکل آنٹی، عمیر اور وہاب بھائی سے مل کر اس کے دل میں جو تنہائی کا خلا تھا وہ آہستہ آہستہ پر ہو رہا تھا۔ پھر ڈنر پر کرن، فاریہ اور علیزے بھی آ گئیں تھیں۔ اس نے کرن کو منگنی کی مبارکباد دی تو وہ کھسیا کر ہنس دی۔ کیونکہ وہ شرط ہار گئی تھی۔ لیکن اسے کوئی دکھ نہیں تھا۔ عانیہ نے ان سے ریثم اور حریم کا تعارف اپنی کزنز کے طور پر کروایا تھا۔ اور ڈنر پر ریان کو دیکھ کر کرن نے عانیہ کی طرف معنی خیز مسکراہٹ اچھالی تھی البتہ خاموش رہی تھی اور عانیہ نے شکر کا سانس لیا تھا۔ بعد میں وہ عانیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کونے میں لے گئی

اور اس سے ساری تفتیش کر ڈالی۔ عانیہ نے بڑی مشکل سے اسے مطمئن کیا تھا لیکن کرن کو اس پر کچھ خاص یقین نہیں آیا تھا۔ اب رات کے نو بج چکے تھے اور وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ حدیقہ نے اس کے ساتھ ہی سونا تھا لیکن ابھی تک وہ ریشم اور حریم کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی اس لیے عانیہ ابھی اکیلی ہی کمرے میں تھی۔ بیڈ پر لیٹے ابھی اسے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ فون پر بپ بجی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا تو وہاب بھائی کا میسج تھا۔ وہ تیزی سے واٹس ایپ کھول کر چیک کرنے لگی۔ انہوں نے حماد کے نمبر کی کرنٹ لوکیشن کے ساتھ ساتھ اس کی ساری ڈیٹیلز بھی بھجیں تھیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نمبر کی لوکیشن کراچی کی ہی تھی۔

(اس کا مطلب کہ حماد کراچی میں ہی ہے۔ اس طرح تو کام اور بھی آسان ہو گیا ہے۔) وہ سوچتے ہوئے اس ایڈریس کو گوگل میپ پر سرچ کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میپ اس کے سامنے تھا اور وہ اس جگہ کے گردوپیش کا جائزہ لینے لگی۔ وہ علاقہ کافی گنجان آباد تھا۔ جس میں زیادہ تر امراء کے بڑے بڑے بنگلے بنے تھے۔ انہی میں سے ایک بنگلہ حماد کا بھی تھا جو کئی ایکڑ اراضی پر محیط تھا۔ اس کی چار دیواری بھی کافی اونچی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے اپنے گھر سے اس بنگلے تک کا فاصلہ معلوم کر لیا تھا جو آدھے گھنٹے کا تھا۔ ابھی وہ کوئی پلان سوچ ہی رہی تھی کہ وہاب کا فون آ گیا۔

"اسلام علیکم۔ وہاب بھائی۔ کیسے ہیں آپ؟" وہ پرتپاک انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہوں۔ تمہیں انفارمیشن تو مل گئی ہو گی؟"

"جی بہت شکریہ آپ کا۔"

"اب تم مجھے بتاؤ گی کہ تم کیا کرنے والی ہو۔" وہاب کا لہجہ سخت تھا۔

"ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں اس لیے فکر مت کریں ابھی میں کچھ نہیں کرنے والی۔اب میں اتنی بھی پاگل نہیں ہوں کہ سوچے سمجھے اور کوئی پلان بنائے بغیر ہی اسے قتل کرنے نکل پڑوں۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔اسی پل حدیقہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"عانی وہ......" وہ بولتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی اور اس کے کان سے فون لگا دیکھ کر ذرا رکی تھی۔

"سوری" آہستہ آواز میں۔بول کر اسی کے پاس بیٹھ گئی تھی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ حدیقہ کی آواز تھی؟" وہاب نے دوسری طرف سے پوچھا تو عانیہ زیر لب مسکرا دی۔

"جی حدیقہ ہی ہے۔یہ لیں بات کریں اس سے" عانیہ نے تیزی سے کہا اور فون حدیقہ کی طرف بڑھا دیا وہ ہاتھ کے اشارے سے پوچھ رہی تھی کہ کون ہے لیکن عانیہ نے کوئی موقع دیے بنا ہی فون اس کے کان سے لگا دیا۔

"ہیلو" وہ مہذب سے انداز میں بولی تھی۔اسے لگا تھا کہ دوسری طرف شاید بابا ہوں۔جبکہ دوسری طرف وہاب اس کی آواز سن کر مسکرا دیا تھا البتہ بولا کچھ نہیں تھا۔

"کون؟ اس نے الجھن سے عانیہ کی طرف دیکھا جو مسکراہٹ دبائے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا تو صرف نمبر تھا۔

"کس کی کال ہے عانیہ؟" وہ پریشان ہوگئی تھی۔اور وہاب نے اس کی آواز اب بھی سنی تھی۔

"وہاب بھائی کی" عانیہ نے بڑے سکون سے جواب دیا اور اس کی سٹی گم ہوگئی۔ہاتھ یکدم کانپے اور موبائل اس کی گود میں جا گرا۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے فون کی سکرین کو دیکھ رہی تھی۔اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ابھی وہاب سے بات کر رہی تھی۔اگر وہ پھر کوئی الٹی سیدھی بات کر دیتی تو کیا ہوتا۔اسے تو سوچ کر ہی دل میں ہول اٹھنے لگے تھے۔عانیہ نے فون پکڑ کر کان سے لگا لیا۔

"وہاب بھائی۔ آپ نے اسے ایسا کیا کہا کہ دہشت سے اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور فون بھی نیچے گر گیا۔" وہ حدیقہ کی طرف شرارت سے دیکھ رہی تھی جبکہ حدیقہ مراقبے سے نکل کر غصے سے اسے گھورنے لگی تھی۔

"ابھی تو میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔" وہاب محظوظ سا مسکراتا بولا تھا۔

"یعنی کہ آپ نے اسے کافی ڈرا کر رکھا ہوا ہے۔" عانیہ نے اندازہ لگایا۔

"ہماری ایسی قسمت کہاں" وہ گہری سانس لے کر بولا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔ حدیقہ نے تلملاتے ہوئے اس اس فون کھینچنا چاہا لیکن وہ پھرتی سے اسے پیچھے کر گئی۔

"وہاب بھائی وہ کہہ رہی ہے مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے بیڈ سے اٹھ کر حدیقہ سے تھوڑا دور ہو کر کہا۔ ساتھ میں سپیکر بھی ان کر دیا۔

"مذاق مت کرو۔ میں جانتا ہوں اسے۔ بہت اچھی طرح۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن وہ نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی کم ہی مانتی ہے۔" وہاب کی دلکش اور پر یقین سی آواز سپیکر کے ذریعے اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ اور وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔ کیا وہ اس کے دل کا حال جان چکا ہے۔ کہ وہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن کر نہیں پا رہی۔ اس نے جھنجھلا کر عانیہ کے ہاتھ سے فون کھینچا اور کال کاٹ دی۔ فون بیڈ پر پھینکا اور خود بیڈ کے کنارے گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کیا سوچتا ہو گا وہ میرے بارے میں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"وہ جو تمہارے بارے میں سوچتا ہے اس نے بتا دیا ہے۔ اب تمہیں بھی اسے بتانا ہو گا کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچتی ہو۔" عانیہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"نہیں بتا سکتی یار۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ اس کا سامنا کر سکوں اور تم بات کرنے کا کہہ رہی ہو۔"

"تم نے کسی کی باتوں میں آکر اس کی انا کو ٹھیس پہنچائی ہے اور وہ ابھی تک دکھی ہے۔ اگر تم ایک دفعہ اس سے سوری کرلو تو ہو سکتا ہے اس دکھ ختم ہو جائے۔ اگر تم غصے میں آکر اسے باتیں سنا سکتی ہو تو شرمندگی میں اس سے بات کیوں نہیں کر سکتی۔ تمہارا ایک لفظ سوری تمہاری غلطی کا کفارہ بن سکتا ہے۔" اس نے وہاب بھائی سے وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ اسے سوری کرنے پر کنونس نہیں کرے گی لیکن اس سے حدیقہ کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس لیے اسے سمجھانے لگی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو عانیہ۔ مجھے اس سے سوری کرنا چاہیے۔ لیکن میں اتنی ہمت کہاں سے لاؤں۔"

"محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے حدیقہ۔ یہ ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔ اگر تمہیں اپنی محبت پر یقین ہے تو تم یہ کر سکتی ہو۔ میں جانتی ہوں یہ تمہارے لیے مشکل ہو گا لیکن ناممکن بالکل بھی نہیں ہے۔ تم خود کو تیار کرو اس کا سامنا کرنے کے لیے۔ اور میری مانو تو اگلی دفعہ جب بھی سامنا ہو معافی مانگ لینا۔ اوکے۔" وہ اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھی۔ اور وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ دل کی منتشر دھڑکنوں کو قابو پانے کی سعی کر رہی تھی

"میں کوشش کروں گی۔" وہ سر کو ہلکا سا اثبات میں ہلا کر بولی۔

"وش یو بیسٹ آف لک۔" وہ حدیقہ کے چہرے کو چھو کر بولی تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"ویسے اس نے فون کس لیے کیا تھا؟...... تمہارا کام ہو گیا جو تم نے اسے کہا تھا۔"

"ہاں یار ہو گیا۔ حماد کے فون نمبر کو ہیک کر کے ساری معلومات مجھے بھیج دیں ہیں انہوں نے۔ اور اب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ میں کیا کرنے جا رہی ہوں تو میں نے انہیں تسلی دی کہ فی الحال کچھ نہیں سوچا۔ جو بھی کروں گی انہیں بتائے بغیر نہیں کروں گی۔ ویسے وہ ہیں بہت کیئرنگ پرسن۔ میری مدد بھی کی اور فکرمند بھی ہو رہے ہیں کہ میں خود کو کسی خطرے میں نہ ڈال لوں۔ اس لیے میرا ساتھ بھی دے رہے ہیں۔" عانیہ نے وہاب کی بہن ہونے کا پورا حق ادا کیا اور اس کی تعریف کرنے لگی۔ جبکہ حدیقہ کے دل کی دھڑکن وہاب کے ذکر سے بڑھتی جا رہی

تھی۔وہاب کی تعریف پر اسے فخر سا محسوس ہو رہا تھا۔جیسے وہ اس کی بات کر رہی ہو۔اسے وہ حسین پل یاد آنے لگے تھے جب وہاب اس کی کئیر کر رہا تھا۔اس کی تکلیف پر وہاب کا پریشان ہو جانا،اسے بازوؤں میں اٹھالینا،اسے زبردستی سوپ پلانا،کرن کی منگنی پر اس کا خیال رکھنا،اسے چاکلیٹ انعام میں دینا.......بہت سے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔اور وہ اسے یاد کرتے ہوئے نیند کی وادی میں گم ہو گئی تھی۔

---------------------

"تم؟.... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"عنیقہ حیرت و بے یقینی سے چلائی تھی۔زید اس کے سامنے کھڑا تھا۔آج سارا دن کام کر کر کے اس کا موڈ پہلے ہی خراب تھا اور اوپر سے زید کے یہ ڈرامے۔وہ سخت کوفت کا شکار تھی اور اب زید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اس کے دل میں غصے کا شدید ابال اٹھا تھا۔

"تمہارا انتظار"وہ شوخ لہجے میں کہتا اس کے سامنے آر کا تھا۔عنیقہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی تھی۔اگر یہاں وہاب ہوتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی۔لیکن یہ زید تھا۔جو وہاب کی وجاہت کے سامنے بالکل زیرو تھا۔وہ تصور میں ہی ان دونوں کا موازنہ کرنے لگی تھی۔اسے زید کے چہرے سے بھی کراہیت محسوس ہونے لگی تھی۔اور وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ کبھی وہ اس چہرے کو بھی پسند کرتی تھی۔اسے زید کے علاوہ اور کوئی لڑکا ہینڈسم لگتا ہی نہیں تھا۔وہ اپنی ساری دوستوں کو اس کی تصویریں دکھا کر تعریفیں وصولتی تھی اور اترایا کرتی تھی۔

"بکواس بند کرو اور جاؤ یہاں سے۔ماما کو پتہ چل گیا تو جانتے ہو کیا ہو گا"وہ چڑ کر کہتی نظریں پھیر گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عنیقہ؟......پہلے تو تم ایسی نہیں تھی۔اب کیوں میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہو؟نہ میری کال ریسیو کرتی ہو نہ مجھ سے بات کرتی ہو.....بیزار ہو گئی ہو مجھ سے؟"وہ اس کو کندھوں سے تھام کر منت بھرے لہجے میں پوچھنے لگا تھا۔

"ہاں ہو گئی ہوں بیزار۔تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے زید؟"وہ اس کے ہاتھ کندھوں سے جھٹک کر بولی۔

"اس کی وجہ بتانا پسند کرو گی؟" وہ ضبط سے بولا تھا۔ اسے عنیقہ کا رویہ دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔

"ہاں میں پسند کروں گی۔..... تمہاری شکل ہے اس کی وجہ۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری اس معمولی سی شکل پر مر مٹوں گی۔ تمہارے ساتھ ساری زندگی رہوں گی۔ ہونہہ۔ تم میری جوتی کے قابل بھی نہیں ہو۔ یہ ہے تمہاری اوقات میری نظر میں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی تمسخرانہ انداز میں بولی تھی۔ زید اپنے بارے میں ایسے الفاظ سن کر ششدر رہ گیا تھا۔

"ہوش میں تو ہو تم۔ یہ کس طرح بات کر رہی ہو تم مجھ سے؟.... تمہارا ہونے والا شوہر ہوں میں۔" زید نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

"اسی لیے تو تمہیں بتا رہی ہوں کہ میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں۔ تم میرے شوہر بننے کی زحمت نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ میں آج تم سے ہر رشتہ توڑ رہی ہوں۔ اور مجھ سے اب کوئی امید نہ رکھنا۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"تو تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟..... کون ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھے ٹھکرا رہی ہو؟"

"ہے کوئی.... لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اور تم تو یقیناً ایسا نہیں چاہو گے نا کہ تمہاری بیوی کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ اس لیے تم اس رشتے سے انکار کر دو۔"

"ایک بات میری کان کھول کر سن لو عنیقہ۔ میں اس رشتے سے ہرگز انکار نہیں کروں گا۔ شادی تو تمہاری مجھ سے ہی ہو گی۔ کیونکہ تم صرف میری ہو اور جس نے بھی تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کی اس کو جان سے مار دوں گا۔ سمجھی" وہ اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے خود سے قریب کرتا ہوا سفاکی سے بولا تھا۔ عنیقہ نے مچل کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن زید کی مضبوط گرفت سے وہ نہ نکل سکی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے اس کے بعد میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گی۔ اگر اسے کچھ ہوا تو تمہیں برباد کر دوں گی زید۔ تمہارا قتل کر کے خودکشی کر لوں گی۔ ابھی تم مجھ جانتے نہیں ہو۔ میں جو چیز پسند کر لیتی ہوں اسے پانے کیلیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہوں۔"

"اور تم مجھے نہیں جانتی۔ میں بھی تمہیں پانے کیلیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں اس لیے اس کا خیال دل سے نکال دو اگر اس کی زندگی پیاری ہے تمہیں تو۔" وہ اشتعال انگیز لہجے میں بولتا اسے جھٹکے سے چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ عنیقہ سنبھل نہ سکی اور لڑکھڑا کر نیچے گر گئی۔ غصے سے اس کی گردن کی رگیں تن گئیں تھیں اور وہ لب بھینچے دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں سے زید گیا تھا۔ اسے زید کی دھمکی کی ابھی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے سامنے صرف اس کی ضد تھی جس کو پورا کرنے کیلیے اگر وہاب کی جان کو بھی خطرہ ہو تو اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اگر وہ اس سے محبت کرتی ہوتی تو اس کی زندگی بچانے کیلیے اپنی ساری زندگی زید کے ساتھ گزار دیتی۔ اور اس پر کوئی آنچ نہ آنے دیتی۔ لیکن وہ اسے محبت ہوتی تو وہ ایسے کرتی نا۔ وہ تو اس کی ضد تھا۔ اسے تو بس اپنے سامنے جھکانا چاہتی تھی۔ اسے تو اس کی عزت کی پرواہ نہیں تھی تو زندگی کی کیا ہوتی۔

----------------------------------

عانیہ اس وقت کچن میں موجود تھی اور اپنے لیے کریم کافی بنا رہی تھی۔ صبح سات بجے کا وقت تھا۔ اور وہ ابھی ابھی لان میں جاگنگ کرنے کے بعد کچن میں آئی تھی۔ پیچ کلر کا سلیو لیس بلاؤز ٹاپ اور بلیو جینز پہنے بہت فریش سی لگ رہی تھی۔ براؤن بالوں کا رف سا جوڑا بنایا ہوا تھا جو جوڑے کی نسبت پونی ٹیل زیادہ لگ رہا تھا۔ ماتھے پر کچھ بال بکھرے ہوئے تھے اور کچھ آوارہ لٹیں نکل کر اس کے چہرے کے اطراف پر پھسل رہی تھیں جنہیں وہ بار بار کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ بانو نے آج چھٹی کی تھی اور میزبان ہونے کے ناتے اسے ہی ناشتے کا اہتمام کرنا تھا۔ سو اپنی کافی بنانے کے ساتھ ساتھ ناشتہ بھی تیار کر رہی تھی۔ سردار حویلی میں چار دن رہ کر اسے اچھی طرح

سے ناشتہ تیار کرنا آچکا تھا۔زیادہ تر اسے ریتم نے ہی سب کچھ سمجھایا تھا۔سردار حویلی کی ظلم بھری یادوں کو جھٹک کر وہ کام کی طرف متوجہ ہو گئی اور پھرتی سے ہاتھ چلانے لگی۔ابھی تک حدیقہ، حریم اور ریتم تینوں سوئی پڑیں تھیں۔البتہ ریان کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ سویا ہوا ہے یا جاگنگ کرنے گیا ہوا ہے۔

(مجھے ضرورت بھی کیا ہے جاننے کی)وہ لاپرواہی سے شانے اچکا کر سوچنے لگی تھی۔ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آگیا تھا جب ریان نے اس سے اظہار محبت کیا تھا۔کچھ پل کیلیے اس کے چلتے ہاتھ رک گئے اور وہ کھو سی گئی تھی۔

"اُفف عانیہ۔کیا سوچ رہی ہو تم بھی۔کیوں اسے اپنے حواسوں پر سوار کر رہی ہو۔تم تو اتنی بہادر ہو۔ریان سے کیسے ڈر سکتی ہو۔"اس نے خیالوں سے نکل کر خود کو ہمت دلائی تھی جو ریان کو اپنے سامنے دیکھتے ہی سوکھے زرد پتوں کی طرح بکھر گئی تھی۔وہ بلیک پینٹ اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس ماتھے پر گیلے بال بکھرائے سر جھکائے اسی طرف چلا آرہا تھا۔اس نے شاید عانیہ کو ابھی نہیں دیکھا تھا۔جبکہ عانیہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔دفعتاً اس کی نظر اٹھی تھی اور دیا کو سامنے دیکھ کر وہ نرم سا مسکرایا تھا۔عانیہ ایک جھٹکے سے آنکھیں پھیر کر تیزی کام کرنے لگی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟"وہ اس کے پاس آتا سلیب کے ساتھ ٹیک لگا کر پوچھنے لگا۔لبوں پر ابھی بھی وہی مسکراہٹ تھی اور نظریں اس پر جمیں تھیں۔

(ہل چلا رہی ہوں۔)اس نے جل کر سوچا لیکن کچھ بول نہ سکی۔چہرے پر سنجیدگی اور سختی کے اثرات سجائے چپ چاپ اپنا کام کرنے لگی۔ریان نے اس کا جواب نہ پا کر محفوظ ہوتے ہوئے سر جھٹکا۔

"تمہیں یہ سب بھی کرنا آتا ہے کیا؟"ریان نے اس سے پوچھا لیکن وہ اس دفعہ بھی چپ رہی۔

"اور کیا کیا کر لیتی ہو؟"ریان نے بھی سوال پوچھنا نہ چھوڑا۔

"تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟.... ہوا کیا ہے تمہیں آخر؟" وہ جان بوجھ کر پوچھتا اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔

"تم ہر روز صبح صبح میرا دماغ کھانے کیوں آجاتے ہو؟" وہ جھینپ مٹانے کو یکدم چڑ کر بولی۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کام کرنے لگی۔

"کیونکہ صبح کے وقت ہی تم اکیلی ملتی ہو۔ ویسے اگر تم چاہو تو ٹائم چینج کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔" ریان نے کہا تو اس نے بیزاری سے منہ بنایا۔ ریان اس کی بچگانہ حرکت کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم ایئر فورس جوائن کرنا چاہتی ہو۔ میرے لیے تو بہت اچھا رہے گا۔ ویسے تم نے کبھی اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں۔ اور کون کون سے راز ہیں جو ابھی تک میں نہیں جانتا۔"

"بہت سے۔ بلکہ یوں سمجھ لو میں ایک راز ہوں۔ تم عانیہ کو کبھی پوری طرح جان نہیں سکو گے۔" عانیہ نے اسے چڑانے کو کہا۔ جانتی تھی کہ یہاں چپ رہنے سے کام نہیں چلے گا۔

"واقعی.... مجھے ضرورت بھی نہیں کسی عانیہ کو جاننے کی۔ میں تو اپنی دیا کو جانتا ہوں۔ اس کی ہر بات میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ میں اس کی سوچ تک پڑھ سکتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا تھا۔

"تم باتیں بنانے میں ماہر ہو۔" اس نے نظریں چرا کر مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"چاہو تو آزما لو" وہ چیلنج کر رہا تھا۔

"اچھا تو بتاؤ۔ اب دیا کے دماغ میں کونسی بات آرہی ہے۔" وہ دونوں بازو سینے پر باندھتی پر اعتماد لہجے میں بولی۔

"ہمم..... اس کے دماغ میں ایک کھچڑی پک رہی ہے۔ وہ ایک پلان سوچ رہی ہے کہ کیسے مجھ سے چھپ کر وہ حماد کو قتل کر سکتی ہے۔ ہے نا۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا تو عانیہ دنگ رہ گئی۔ اور منہ کھولے ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ وہ مجھ سے چھپ کر کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ پر یقین لہجے میں بولا۔

"اچھا.....اگر چھپ کر نہیں کر سکتی تو ڈنکے کی چوٹ پر کر کے دکھاؤں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔اور کافی کا ایک سپ لیا۔

"اور وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ میں اسے اب خطرے میں پڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"کیوں؟.....کیوں نہیں میں کر سکتی۔کیوں میں اپنے مام ڈیڈ کے قتل کا بدلہ نہیں لے سکتی۔تم لوگوں کو کیا پتہ میرے دل پر کی گزرتی ہے جب جب مجھے یاد آتا ہے کہ مام ڈیڈ کو مرتے وقت کتنا درد ہوا ہوگا۔کتنی مشکل سے میں خود کو کنٹرول کرتی ہوں۔میرا دل کرتا ہے میں خود کو ہی ختم کر ڈالوں۔ہر چیز تہس نہس کر دوں۔حماد کو تڑپا تڑپا کر موت کے گھاٹ اتار دوں۔" وہ یکدم بھڑک اٹھی تھی۔اس کی لہورنگ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔آواز بھیگ گئی تھی۔کتنے عرصے بعد وہ کسی کے سامنے اپنے دل کا حال کہہ رہی تھی۔ریان خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ سب لوگ مجھے تحفظ دینا چاہتے ہیں۔میری پرواہ کرتے ہیں۔اسی لیے مجھے روک رہے ہیں۔اگر آپ لوگ مجھ پر حق رکھتے ہیں تو مام ڈیڈ بھی مجھ پر حق رکھتے ہیں۔اور مجھے ان کی بیٹی ہونے کا حق ادا کرنا ہے۔میں کسی صورت پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی ریان.....میں تھک چکی ہوں۔اپنے صبر کو آزماتے ہوئے۔میرے دل میں جو انتقام کی آگ جل رہی ہے اس کی تپش سے میری روح تک گھائل ہو رہی ہے۔میں حماد کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی ہوں۔اس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں اپنے سامنے۔تم لوگ چاہے مجھے بے حس سمجھو۔مجھے پرواہ نہیں۔میں مام ڈیڈ کی موت کے بعد پتھر دل ہو چکی ہوں۔" وہ سسکیاں لے کر بول رہی تھی اور آخر میں سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کر ڈالیں تھیں۔اس کے آنسو ریان کو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔اس کا دکھ اپنا دکھ لگ رہا تھا۔اس سے دیا کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی تھی تو اس نے اسے بازو سے پکڑ کر سینے سے لگا لیا۔اور اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے جیسے ہمت اور تسلی دینے لگا تھا۔عانیہ کے آنسو پھر

سے بہنے لگے تھے اور وہ اس کے سینے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ جب اس کے دل کا غبار چھٹ گیا تو وہ اس سے الگ ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو صاف کرتی رخ پھیر گئی تھی۔

"سوری.... تمہیں خوامخواہ پریشان کر دیا۔ تم جا کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھو۔ میں تمہارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی اور ریان اس کی ہمت کو داد دیے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"دیا..... میں جانتا ہوں تم اس وقت کیا محسوس کر رہی ہو۔ تمہارا دکھ بہت بڑا ہے اور میرے پاس تسلی کیلیے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن میں تمہیں اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ سو جو تم چاہو کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ تم مجھے ہر جگہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔ ہر پل ساتھ......بتاؤ کیا کرنا چاہتی ہو؟" وہ اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"اس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ سفاکی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ آج شام تک تمہیں اس کی لاش مل جائے گی۔"

"کیا مطلب؟......پلیز تم اس معاملے میں مت پڑو۔ تمہارے کیریئر داؤ پر لگ سکتا ہے۔"

"کیریئر تو تمہارا بھی تباہ ہو سکتا ہے دیا۔ اس کو موت مل جائے گی اور بعد میں تم پھنس جاؤ گی۔ دنیا کی نظر میں وہ ایک اچھا انسان ہے۔ اور جب تک اس کے خلاف ثبوت نہیں ملیں گیں تم جیل میں بند رہو گی۔ اسے قتل کرنے میں نقصان سراسر تمہارا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس سے بدلہ نہ لو۔ لو لیکن ایسے کہ نقصان تمہیں نہیں اسے ہو۔ اور اس کا حل قتل نہیں ہے۔ تمہیں اسے برباد ہی کرنا ہے نا تو تم اس کی زندگی برباد کر دو۔ اور وہ موت خود مانگے۔ تم نے بتایا تھا کہ اسے اپنی عزت اپنی زندگی سے زیادہ پیاری ہے۔ وہ ایک مشہور سیاستدان ہے۔ اگر ہم اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈ کر پولیس کو دے دیں تو سوچو تمہارے ساتھ اس ملک کو بھی فائدہ ہو گا۔ وہ اکیلا تو نہیں نا اس کام میں۔ اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے جو دہشت گردی میں اس کا ساتھ دیتے ہوں گے۔ اگر تم اسے قتل

کر دو گی تو اسکی جگہ کوئی اور لے لے گا۔اس طرح ہمارے ملک کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا نا۔اور اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائیں تو اس کے ساتھ باقی لوگ بھی پکڑے جا سکتے ہیں۔ایک وفادار پاکستانی ہونے کے ناطے تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی بجائے ملک کے مفاد کے بارے میں سوچو۔اور یقین کرو اس سے تمہارا دل زیادہ مطمئن ہو گا۔تم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو گی۔بہت سے لوگوں کی دعائیں تمہیں ملیں گی جن کو حماد جیسے انسان سے نجات حاصل ہو گی۔"ریان نرمی سے سمجھا رہا تھا اور عانیہ دم سادھے اسے سن رہی تھی۔اس کی ہر بات اس کے دل کو لگ رہی تھی۔اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"میں سمجھ گئی۔جیسا تم نے کہا ہے ویسا ہی ہو گا۔میں اسے قتل کرنے کی بجائے اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈوں گی۔"عانیہ نے پختہ عزم کے ساتھ کہا تو ریان مسکرا دیا۔

"گڈ گرل۔مجھے یقین ہے تم کر لو گی۔بلکہ ہم کر لیں گے۔کیوں؟....ٹھیک کہا نا۔"وہ ابرو اچکا کر پوچھ رہا تھا۔

"تم بہت اچھے ہو ریان۔تم نے ہر دفعہ میری مدد کی ہے.....تھینکس"وہ احسان مندی سے بولی۔

"چلو شکر ہے تم نے میری تعریف تو کی ورنہ میں تو سمجھ رہا ہے کہ ساری زندگی تمہارے منہ سے اپنے لیے تعریف کے دو لفظ سننے کے انتظار میں ہی گزر جائے گی۔"وہ ماحول پر چھائی کثافت کو دور کرنے کے لیے شوخ لہجے میں بولا۔عانیہ اداس سا مسکرا دی۔

"تمہیں اپنی تعریفیں سننے کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں۔"وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

"کیا کروں۔انسان ہوں۔میرا بھی دل کرتا ہے ایک خوبصورت سی لڑکی میری تعریف کرے۔"وہ بے چارگی سے بولا تو عانیہ جھینپ کر ہنس دی۔

---------------------------

دوپہر کی دھوپ خوب چمک رہی تھی جس کی وجہ سے درجہ حرارت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ لیکن گھر کے اندر کا ماحول کافی ٹھنڈا اور پرسکون تھا۔ لاؤنج میں اے سی فل آن تھا اور وہ تینوں زمین پر کشنز رکھے، میز پر پڑے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھیں تھی۔ ہینڈ فری جو لیپ ٹاپ سے ملحق تھے، ان کے کانوں میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں پکڑے لیز کے پیکٹ میں دوسرا ہاتھ بے دھیانی سے اس میں ڈالتیں ان تینوں کی نظریں لیپ ٹاپ کی سکرین پر جمیں تھیں جس پر چائنیز ڈرامہ لگا ہوا تھا۔ انہیں اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں تھا اور ارد گرد کی حالت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ صبح سے یہاں بیٹھ کر انہوں نے بیسیوں چیزیں کھا ڈالی تھیں اور ان کے ریپر زارد گرد بکھرے پڑے تھے۔ چاکلیٹس، بسکٹس، سنیکس، کیکس اور بہت سی الا بلا چیزیں تھیں جو انہوں نے ریان بھائی سے منگوائی تھیں۔ اور شکر تھا کہ عانیہ کے سامنے نہیں منگوائی تھیں ورنہ کبھی بھی نہ آتیں۔ وہ ہر چیز میں اعتدال پسند تھی اور اس طرح کی موج مستی بھی ایک حد تک اچھا سمجھتی تھی۔ ابھی وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی اور حماد کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کا کوئی طریقہ سوچ رہی تھی۔ کافی غور فکر کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ اسے حماد کی کال ریکارڈز سننی چاہیں تا کہ کچھ پتہ تو چلے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس میں سے کچھ بھی نہ ملتا لیکن وہ ایک کوشش کر کے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے رائٹنگ ٹیبل پر سے لیپ ٹاپ لینے بڑھی تو یاد آیا کہ وہ صبح سے ان تینوں کے پاس ہے۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آئی اور لاؤنج کا حال دیکھ کر اسے سخت تاؤ آیا۔

"حریم...." اس نے ان کے قریب آکر حریم کو آواز دی لیکن جواب ندارد۔ آواز آتی تو وہ جواب دیتیں نا اور وہ ان کے دائیں جانب کھڑی تھی اس لیے ان کی نظر نہیں پڑی تھی۔

"حدیقہ......" اس نے پھر آواز دی۔ لیکن کوئی رد عمل نہ پا کر اس کے غصے میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ کا لڈ گرایا اور تینوں نے یکدم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کمر پر دونوں ہاتھ جمائے کڑے تیوروں سے انہیں گھور رہی تھی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہینڈ فری اتار دیے۔

"ہائے عانیہ.... کیسی ہو؟" حدیقہ نے ہاتھ ہلا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے اردگرد کا حال دیکھو ذرا۔" عانیہ نے سخت لہجے میں کہا تو انہوں نے اردگرد دیکھا اور شرمندہ سے مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں۔

"صبح سے تم لوگ ڈرامے دیکھ رہی ہو۔ اردگرد کا کچھ ہوش نہیں ہے۔ اور یہ اتنی چیزیں کھا ڈالیں تم لوگوں نے۔ پتہ بھی ہے صحت کے لیے یہ اچھی نہیں ہوتیں۔ اور ریئم تم..... تمہاری طبیعت خراب ہے۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ چلو اٹھو جاؤ کمرے میں۔ اتنی دیر لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھ دیکھ کر اعصاب پر برا اثر پڑتا ہے۔ اب ریلیکس کرو تھوڑی دیر اور تم لوگ..... اٹھو اور سارا لاؤنج صاف کرو۔ مجھے یہاں ایک بھی ریپر نظر نہیں آنا چاہیے۔ ہری اپ۔" وہ انگلی اٹھا کر حکمیہ لہجے میں کہہ رہی تھی اور وہ تینوں عانیہ کے پیچھے کھڑے ریان کو دیکھ کر بمشکل اپنی ہنسی چھپا رہی تھیں۔ ریان ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور اس کا حکمیہ لہجہ سن کر بے اختیار مسکرا دیا تھا۔ پھر وہیں کھڑے ہو کر سینے پر بازو باندھے دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

"ریان بھائی دیکھیں نا...... آپی عانی ہمیں کتنا ڈانٹ رہی ہیں۔" حریم نے ریان کی جانب دیکھ کر کہا تو عانیہ کرنٹ کھا کر پلٹی اور اسے یہاں دیکھ کر کچھ دیر کے لیے تو سٹپٹا کر رہ گئی لیکن جلد ہی سنبھل گئی تھی۔

"ارے میری چھوٹی چھوٹی اور معصوم سی بہنوں کو کیوں ڈانٹ رہی ہو۔" وہ اس کے سامنے آتا پوچھنے لگا اور عانیہ نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے اس سے التجا کی تھی کہ کچھ الٹا سیدھا مت کہہ دینا۔ خدا کے واسطے۔

"ہونہہ..... معصوم۔ چلو تم لوگ جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔" وہ ان کی طرف مڑ کر بولی۔

"لیکن یہ تو ملازمہ کا کام ہے۔ وہ کیوں کریں۔" ریان نے پھر بہنوں کا ساتھ دیا اور عانیہ کو تپ چڑھا۔

"ملازمہ چھٹی پر ہے۔ اور یہ انہیں ہی کرنا پڑے گا۔" عانیہ نے دوبدو جواب دیا۔ حریم اور رینم تجسس سے سننے لگیں کہیں انہیں کوئی کام کی بات ہی مل جائے جس سے ان کے تعلق کے بارے میں کچھ پتہ چل سکے۔ جبکہ حدیقہ تو سب کچھ جانتی تھی اس لیے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"تو تم نے میری بہنوں کو ملازمہ سمجھ لیا ہے کیا؟"

"صفائی کرنے سے کوئی ملازمہ نہیں بن جاتا۔"

"تو تم خود کیوں نہیں کر لیتیں۔"

"میں نے گند نہیں پھیلایا، انہوں نے پھیلایا ہے اور صاف تو انہیں کرنا ہی پڑے گا۔" وہ دونوں پھر سے لڑ رہے تھے۔ حریم اور رینم کو حیرت ہو رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ ہوا تھا۔

"واقعی؟.... تم نہیں کرو گی؟" وہ ابرو اچکا کر پوچھ رہا تھا اور عانیہ نے اس کا دھمکی آمیز لہجہ محسوس کر لیا تھا۔

"فائن..... میں کر لوں گی۔" وہ ہتھیار ڈالنے والے انداز میں بولی اور مڑ کر ان کی طرف آئی۔ تینوں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو کھوجنا چاہا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ریپر اٹھانے کیلیے جھکی تھی کہ حریم نے اسے پکڑ لیا۔

"ارے عانی آپی۔ ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ ہے نا ریان بھائی۔ چلو حدیقہ مل کر صفائی کریں ورنہ آپی ناراض ہو جائیں گیں۔" وہ صلح آمیز لہجے میں بولی۔

"میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض نہیں ہوتی۔" عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن سیریس ہو جاتی ہو۔" ریان نے اسے کہا تو وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔ حریم اور رینم کا شک پکا ہوتا جا رہا تھا۔ چاروں نے مل کر صفائی کی تو دو منٹ میں ہی لاؤنج کی اصلی شکل نکل آئی۔ ریان ادھر ہی ایک کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا اور ریموٹ پکڑ کر ٹی وی آن کر لیا تھا۔ عانیہ لیپ ٹاپ پکڑ کر کمرے میں جانے ہی والی تھی کہ باہر سے گیٹ کھلنے اور گاڑی اندر داخل ہونے کی آواز آئی تھی۔ سب نے چونک کر باہر کی طرف دیکھا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ریان کہتے ہوئے اٹھا اور عانیہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی تھی۔ آنٹی عمرینہ کو اچانک دیکھ کر وہ دونوں حیران ہوئے تھے۔ وہ عمیر کے ساتھ آئیں تھیں۔

"اسلام علیکم" ریان اور عانیہ نے اکٹھے سلام کیا تو عمرینہ نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ انہیں لے کر اندر کی طرف بڑھے تھے۔

"ماما آپ؟...." حدیقہ حیرانی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

"ہاں میں نہیں آسکتی کیا؟" وہ پیار سے اس کا چہرہ چھو کر پوچھنے لگیں۔

"ماما اس سے ملیں۔ یہ عانیہ کی کزن ہے۔ رنیم اور یہ اس کی نئی دوست حریم۔" حدیقہ نے ان دونوں کا تعارف کروایا تو وہ نرم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے ان کی طرف بڑھیں اور دونوں کو گلے سے لگایا۔ دونوں کیلیے ماں کا احساس نیا اور فرحت کا باعث تھا جسے وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے محسوس کر سکتی تھیں۔ انہیں یہ باوقار اور نرم لہجے والی آنٹی بہت ہی پسند آئیں تھیں۔

"تم لوگ کیوں نہیں آئی تھیں عانیہ اور ریان کے ساتھ؟" عمرینہ ان سے الگ ہو کر پوچھنے لگیں تو وہ دونوں ان کے خلوص بھرے لہجے سے متاثر ہو کر رہ گئی تھیں۔

"یہ دونوں سو رہی تھیں۔" عانیہ نے بتایا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ اب ضرور آنا اچھا۔ میں دو خوبصورت سی لڑکیوں کا انتظار کروں گی۔" وہ صوفے پر بیٹھتی مسکرا کر کہنے لگیں تو وہ دونوں جھینپ گئیں۔ دفعتاً حریم اور رنیم کی نظر لاؤنج کے دروازے پر پڑی تھی جہاں ریان عمیر کے ساتھ بات کرتے ہوئے داخل ہو رہا تھا۔ رنیم سکتے میں آ گئی تھی۔ دل کی دھڑکن رک سی گئی تھی اور وہ ارد گرد کا ہوش بھلائے یک ٹک سی سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ خواب یوں بھی حقیقت میں بدلا کرتے ہیں۔ دعائیں یوں بھی قبول ہوا کرتیں ہیں۔ قسمت یوں بھی مہربان ہوا کرتی ہے۔ وہ جسے اس نے اپنے

خوابوں میں دیکھا تھا، جس سے ملنے کی دعائیں کیں تھیں وہ نیلی آنکھوں والا خوبصورت سا شہزادہ اس کے سامنے تھا۔وہ عمیر تھا۔وہی شکل،وہی آنکھیں،وہی مسکراہٹ تھی۔وہ بے یقین سی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔امنگوں کے ست رنگے بلبلے ہوا میں بکھر سے گئے تھے۔جن میں تتلیاں رقص کر رہی تھیں۔فضا مسکرا رہی تھی۔سارا منظر بدل چکا تھا۔وہ مسحور سی ہو گئی تھی۔

"نیلی آنکھوں والا شہزادہ" حریم نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب اسے کہنی مار کر شرارت سے سرگوشی کی تو وہ چونکی تھی اور سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"بدتمیز.....چپ کرو کوئی سن لے گا" وہ خفت مٹانے کو ذرا ڈپٹ کر بولی۔اور رخ پھیر گئی تھی۔

"کیا یہ وہی تو نہیں جو تمہارے خواب میں آتا ہے۔" حریم اس کے غصے کو نظر انداز کر کے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔خدا کیلیے چپ کر جاؤ" وہ منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔عمرینہ حدیقہ اور عانیہ کے ساتھ مسکرا کر کچھ بات کر رہی تھی اور ریان عمیر کو ساتھ لیے وہیں ایک صوفے پر آ بیٹھا تھا لیکن اس کی نظر رینم پر نہیں پڑی تھی۔کیونکہ وہ ریان کی طرف متوجہ تھا اور رینم نے اس کے قریب آنے پر جلدی سے رخ پھیر لیا تھا۔

"میں....چائے لے کر آتی ہوں۔" رینم نے آہستہ آواز میں کہا اور ان کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی حریم کا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔دل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی اور وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کر رہی تھی۔

"رینم مجھے سچ سچ بتاؤ۔تم اس لڑکے کی وجہ سے باہر آئی ہو نا۔" حریم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا دماغ مت کھاؤ حریم" اسے کچھ اور نہ سوجھا تو الٹا ڈانٹنے لگی۔

"واہ جی واہ۔ اب مجھ سے بیزاری شروع بھی ہوگئی۔ ابھی تو ایک نظر اسے دیکھا ہے اور ہماری اہمیت زیرو ہو بھی گئی۔ ویسے بہت افسوس کی بات ہے" وہ مسکراہٹ دبائے نفی میں سر ہلاتی شرارت سے بولی۔ رینم نے خفگی سے اسے گھورا لیکن وہاں پرواہ کسے تھی۔ وہ دونوں کچن میں داخل ہو چکیں تھیں اور رینم کیبنٹ کھول کر دیکھنے لگی تھی۔

"یار تمہاری لال گالیں تو یہی بتا رہی ہیں کہ وہ وہی لڑکا ہے جو تمہارے خوابوں کا شہزادہ ہے۔"

"تمہیں بتا کر میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔" وہ کیتلی کو چولہے پر پٹختی جل کر کہنے لگی۔

"ایک منٹ.....واقعی؟.....یہ وہی لڑکا ہے؟.....یعنی میرا اندازہ درست تھا؟" وہ ٹھٹک کر بولی۔ پہلے اسے شک تھا لیکن اب پورا یقین ہو چکا تھا۔ رینم کے خوبصورت ہونٹوں کی شرمگیں سی مسکراہٹ سارے راز افشاں کر رہے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ۔ یعنی خواب میں اس لڑکے کی بھی وہی شکل تھی جو اس کی ہے۔"

"پلیز آہستہ بولو۔ کسی نے سن لیا تو۔"

"اچھا پھر بتاؤ نا۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولی۔ رینم نے لب بھینچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"واؤ۔ کیسا اتفاق ہے۔ ویسے وہ ہے تو بہت ہینڈسم۔ ہے نا"

"کتنی فضول ہو نا تم۔"

"اچھا میں فضول ہوں اور تم کیا ہو۔ کیسے اردگرد کا ہوش بھلائے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ تو شکر ہے میں تمہیں ٹہوکا دے کر خیالوں سے باہر لے آئی تھی ورنہ....."

"بول لو جتنا بولنا ہے۔ میں بھی ایک ایک بات کا بدلہ چکاؤں گی۔" وہ خفگی سے بولی۔

"ارے مجھے کیا پریشانی۔ میں تو سنگل ہوں۔ ویسے اگر کبھی کوئی لڑکا میری زندگی میں آیا جو کہ ناممکن ہے تو میں تمہیں خود بتاؤں گی۔ اور تم بے شک اپنا بدلہ چکا لینا میں برا نہیں مناؤں گی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ ریم چپ چاپ چائے پکا رہی تھی۔ اب کچھ کہنے ہی نہیں ہو رہا تھا

"اچھا یہ چائے پکڑو اور جاؤ۔" وہ چائے کے کپس کو

"کیا مطلب تم نہیں آرہی۔ آنٹی کو برا لگے گا یار۔ کتنے پیار سے ملیں تھیں وہ ہم سے۔ چلو میرے ساتھ۔"

"لیکن وہ...." ریم خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کو یہ پتہ تھوڑی ہو گا کہ وہ تمہارے خواب میں آتا ہے۔ چلو بھی۔" وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لے کر لاؤنج کی طرف چل پڑی تھی۔

"ویسے آنٹی کتنی خوبصورت اور سمارٹ سی خاتون ہیں۔ وہ لڑکا انہی کا بیٹا لگتا ہے۔" حریم ہاتھ میں چائے کے کپ کی ٹرے پکڑے اس کے ساتھ بولتی جا رہی تھی۔ ریم نے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا۔

-------------------

"انکل کیوں نہیں آئے؟" ریم اور حریم کے وہاں سے جانے کے بعد عانیہ نے پوچھا تھا۔

"ان کی کوئی ضروری میٹنگ تھی ورنہ وہ خود آتے۔ ابھی ان کا فون آیا تھا۔ دراصل ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک تم سے بات کرنا چاہتے ہیں اور اس لیے انہوں نے مجھے ایمرجینسی میں بھیجا ہے کہ تمہیں بات کرنے سے پہلے ایک دفعہ سمجھا دوں۔" عمرینہ نے کہا تو وہ ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا بات کرنی ہے انہوں نے؟" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ ریان بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"دراصل وہ کیس واپس لینے کی وجہ پوچھنا چاہتے ہیں۔ وہ صفدر بھائی کے بہت اچھے دوست تھے اور تم انہیں سچ بتا سکتی ہو کہ تم خود قاتل سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔"

"تو وہ برا تو منائیں گے نا۔" ریان نے کہا

"ہاں ہو سکتا ہے۔ پھر قانون کی اہمیت پر ایک لیکچر بھی دے دیں گے اور پھر وہ قاتل کا نام پوچھیں گے۔" عمرینہ نے اطلاع دی۔

"تو پھر مجھے بتانا پڑے گا کہ قاتل کون ہے۔" عانیہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ تم سچ بتا دینا کہ وہ شخص کون ہے۔ لیکن تم یہ مت بتانا کہ تم نے اس پر قاتلانہ حملہ کر کے بدلہ لینے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ تم یہ کہنا کہ تمہیں ابھی اس کے خلاف پورے ثبوت نہیں مل سکے۔ اور تمہیں ابھی صرف اس پر شک ہے لیکن تم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہی تمہارے پیرنٹس کا قاتل ہے۔ اوکے۔" عمرینہ نے دو ٹوک انداز میں سمجھایا۔ عانیہ نے لب بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اگر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے اس پر ہی کیوں شک ہوا ہے تو؟....." اس نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو واقعی بہت اہم سوال ہے۔" عمرینہ نے پریشانی سے کہا۔

"تم کہنا کہ تم نے قتل سے کچھ دن پہلے اپنے پیرنٹس کی باتیں سنیں تھی۔ تمہارے والد ایک کیس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اور انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ جس شخص کے گرد وہ گھیرا تنگ کر رہے تھے وہ انہیں دھمکیاں بھی دیتا رہا تھا۔ سو جب تم نے قتل کے بعد وہ کیس فائل دیکھ لی تھی اور تمہیں اسی شخص پر شک ہے۔" ریان نے سنجیدگی سے اسے سمجھایا تو عانیہ کے ساتھ عمرینہ کو بھی اس کا جواب بالکل مناسب لگا تھا۔ اور واقعی وہ ان دنوں خفیہ طور پر حماد کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہے تھے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور تم یہ بھی بتا دینا کہ وہ تمہارے سوتیلے ماموں کا بیٹا تھا اور اس بارے میں تمہیں کچھ عرصہ بعد ہی معلوم ہوا تھا۔" عمرینہ نے کہا۔ عانیہ انہیں یہ بتا چکی تھی کہ حماد اس کے سوتیلے ماموں کا بیٹا تھا اور اس کا باپ کو اس کے ڈیڈ کی وجہ سے پھانسی ہوئی تھی اس لیے اس نے انہیں قتل کر دیا۔ اور انہیں بھی یہ کہہ کر مطمئن

کیا تھا کہ اس نے ڈیڈ کی ایک کیس فائل میں اس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کی ہیں اور حماد کے ایک ملازم سے بھی تصدیق کی تھی۔ اب اسے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کو مطمئن کرنا تھا اور وہ خود کو اس کے لیے تیار کر چکی تھی۔

کچھ ہی دیر میں حریم اور رینم چائے لے کر آ گئی تھیں۔ عمرینہ نے غور سے رینم کو دیکھا جس کا زرد چہرہ اس کے بیمار ہونے کا پتہ دے رہا تھا۔

"یہاں آؤ رینم بچے۔ کیا ہوا ہے۔ تم بہت ڈاؤن لگ رہی ہو۔" انہوں نے رینم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔ اسی پل عمیر نے اسے پہلی بار دیکھا تھا اور نگاہ جیسے اٹک کر رہ گئی تھی۔ اسے اس لڑکی میں کچھ خاص محسوس ہوا تھا جو کسی اور لڑکی کو دیکھ کر کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کر نظریں پھیر لیں تھیں لیکن دل نے اسے دوبارہ دیکھنے کی ضد کی تھی۔ وہ تو حیران رہ گیا تھا۔ اس نے تو کبھی کسی لڑکی کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا اور آج اسے کیا ہوا تھا۔ وہ کیوں بار بار اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ اسے دنیا کی سب سے حسین لڑکی کیوں لگنے لگی تھی۔ اور وہی کیوں؟ کوئی اور کیوں نہیں لگی تھی؟ اور بھی تو بہت سی خوبصورت لڑکیاں اس نے دیکھی تھیں لیکن یہ ان سب سے مختلف کیوں لگی تھی؟..... شاید وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ تعلق روحوں کا ہوتا ہے جو آسمانوں پر بنتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے ایک مخصوص احساس صرف خود سے جڑی روح کو دیکھ کر ہی دل میں جنم لیتا ہے۔ وہ بے شک ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہوں لیکن ایک نہ ایک دن انہیں ملنا ہی ہوتا ہے۔

رینم نے عمرینہ سے باتیں کرتے ہوئے اس کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کی تھی اور اس کے دل کی لہروں میں ہل چل سی پیدا ہوئی تھی۔ اس سے دوبارہ اسے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"دیکھو وہ بھی تمہیں بار بار دیکھ رہا ہے۔ جیسے تمہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ لگتا ہے تم بھی اس کے خوابوں میں آتی رہی ہو گی۔" حریم نے دھیمی سی آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس کے گال دہک اٹھے

تھے۔اس نے حریم کا ہاتھ زور سے دبا کر اسے چپ رہنے کی درخواست کی تھی۔ حریم لاپرواہی سے شانے اچکا کر ڈھٹائی سے مسکرا دی تھی اور وہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔ عمرینہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہی تھی اور وہ نروس سی انہیں جواب دے رہی تھی۔ لیکن اس کا دھیان یہاں نہیں تھا۔وہ تو اب خود کو کسی اور ہی جہان میں محسوس کر رہی تھی۔اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکا اس کے سامنے ہے جو اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا۔یہ کیسا اتفاق ہوا تھا کہ اس کو حیرت کی گہرائیوں میں غرق کر گیا تھا۔وہ بہت وقت تک اس واقعے کے زیر اثر رہنے والی تھی۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

"میں تو حیران رہ گیا جب مجھے پتہ چلا کہ صفدر علی کی بیٹی نے کیس واپس لے لیا ہے۔میں نے حیدر علی صاحب سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ آپ اپنی فیملی کے ساتھ یہاں سے جا چکی ہیں۔ کہاں گئی ہیں اس کا کچھ پتہ نہیں سوائے اس کے کہ آپ اسلام آباد گئی ہیں۔ ہم نے وہاں بھی آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ نہیں ملیں۔ کیا آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ نے کیس واپس کیوں لیا اور پھر پیچھے رابطہ کیوں نہیں رکھا؟"ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔وہ ساٹھ سالہ متناسب جسم اور شخصیت کے حامل شخص چہرے سے جتنے بارعب اور سخت نظر آتے تھے بات کرتے ہوئے اتنے ہی مشفق اور دھیمے لہجے کے معلوم ہوئے تھے۔عانیہ اور ریان دونوں اس وقت ان کے سامنے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں اپنے مام ڈیڈ کے قاتل سے خود بدلہ لینا چاہتی تھی۔اس لیے میں نے کیس واپس لے لیا۔اور انکل آنٹی سے بھی رابطہ نہ رکھنے کی یہی وجہ تھی۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے کبھی خطرے میں پڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"عانیہ نے اعتماد سے کہا تھا۔ڈی آئی جی مرتضیٰ اس سے متاثر ہوئے تھے۔

"کیا آپ کو یقین تھا کہ آپ پولیس کی مدد کے بغیر بدلہ لے سکیں گیں؟"

"ہاں مجھے یقین تھا میں کر سکوں گی۔"

"تو اس یقین پر آپ کتنا پورا اتری ہیں آپ؟" وہ چیلنج والے انداز میں بولے تھے۔

"میں نے قاتل کو ڈھونڈ لیا تھا۔ لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے میں اسے قتل نہ کر سکی۔"

"اچھا تو کون ہے وہ شخص جس نے آپ کے پیرنٹس کو قتل کیا ہے؟" انہیں جیسے عانیہ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

"حماد افضل۔ میرے سوتیلے ماموں کا بیٹا۔ اس کے باپ کو میرے ڈیڈ کی وجہ سے پھانسی ہوئی تھی اس لیے اس نے بدلہ لیا تھا۔" عانیہ نے بتایا تو وہ چونک اٹھے تھے۔

"آپ کو یہ سب کیسے پتہ چلا؟"

"میں نے ایک دفعہ ڈیڈ سے اس بارے میں سنا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ حماد کے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہے ہیں اور اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ حماد کی طرف سے انہیں دھمکیاں بھی ملیں تھیں۔ پھر جب ان کا قتل ہوا تو میرا شک اسی پر گیا اور میں نے ان کی کیس فائل سٹڈی کی تھی جس کے ذریعے مجھے قتل کی اصل وجہ معلوم ہوئی تھی۔ کہ اس نے مام ڈیڈ کو مار کے اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے۔ لیکن کوشش کے باوجود بھی ابھی تک اس سے بدلہ نہیں لے پائی۔" عانیہ اضطراب اور دکھ بھرے لہجے سے کہہ رہی تھی اور ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک اس کی تکلیف کو محسوس کر رہے تھے۔

"صفدر علی میرے بہت اچھے دوست تھے۔ ان کے قتل کا دکھ مجھے بھی اتنا ہی ہوا تھا جتنا آپ کو ہوا ہے۔ میں آپ کی فیلنگز سمجھ سکتا ہوں بیٹا۔ ان کے قتل کا بدلہ لینا آپ کا جائز حق ہے لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ نے بدلہ لینے کے لیے بہت غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ کیس واپس لے کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی ہے۔ آپ کو قانون پر شاید اعتبار ہی نہیں ہے۔ لیکن بیٹا میرا یقین کریں آپ کے پیرنٹس کو انصاف دلانے کیلیے میں اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔ آپ کے کیس واپس لینے کے باوجود میں نے تفتیش جاری رکھی اور مجھے بھی حماد پر ہی شک ہوا

تھا سو میں نے اس کے گرد گھیر اتنگ کر دیا ہے۔ لیکن بیٹا میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنا آپ خطرے میں ڈالنے کی بجائے یہ کام قانون پر چھوڑ دیں تو آپ کو بہتر نتائج مل سکیں گے اور انشاءاللہ آپ اسے جلد پھانسی کے پھندے پر دیکھیں گیں۔"

"جی آپ فکر مت کریں۔ میں اب خود سے بدلہ نہیں لوں گی۔ ریان نے مجھے سمجھایا کہ اسے قتل کرنے سے ہمارے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ وہ دشمنوں کا آلہ کار ہے اگر وہ مر گیا تو اس کی جگہ کوئی اور آجائے گا لیکن اگر ہم اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے میں پولیس کی مدد کریں تو اس کا پورا گروہ پکڑا جا سکتا ہے۔ سو میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔"

"بہت اچھا فیصلہ کیا ہے آپ نے۔ ملک کا مفاد سب چیزوں سے اہم ہوتا ہے۔ وطن کی خاطر انسان کو اپنی خوشیاں تک قربان کرنی پڑتیں ہیں۔ آپ کے والد نے بھی ملک کی خاطر اپنی جان دی ہے۔ دھمکیوں کے باوجود وہ پیچھے نہیں ہٹے تھے۔ میں اس کیس میں ان کے ساتھ ہی تھا اور میں جانتا تھا کہ انہیں کئی بار دھمکیاں بھی ملیں ہیں۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ سیکیورٹی رکھنے کا بھی کہا تھا لیکن وہ نہیں مانے اور بولے تھے کہ میں اس قوم کا محافظ ہوں۔ اگر میں اپنے لیے محافظ رکھ لوں تو دوسروں کی حفاظت کیسے کر سکتا ہوں۔ پھر وقت نے بھی ثابت کیا کہ انہیں کسی محافظ کی ضرورت نہیں۔ وہ مر کر بھی زندہ ہیں کیونکہ وہ شہید ہوئے ہیں اور جنت میں ایک بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ نہ ختم ہونے والی زندگی۔ آپ ان کے لیے اداس مت ہوا کریں بیٹا۔ آپ مجھے میری بیٹی کی طرح عزیز ہیں۔ خود کو اکیلا مت سمجھیے گا کبھی۔ میں آپ کا ہمیشہ ساتھ دوں گا"

"تھینک یو۔ آپ کی باتوں نے میری ہمت بڑھائی ہے۔ میں دعا کروں گی کہ آپ حماد کو سزا دلوانے میں کامیاب ہو جائیں۔" عانیہ احسانمندی سے مسکرا کر بولی۔ بظاہر تو اس نے سب کچھ پولیس پر چھوڑ دیا تھا لیکن وہ حماد کے

خلاف ثبوت ڈھونڈنے اور اسے ہر طرف سے پھنسانے کی کوشش ضرور کرے گی یہ اس نے پختہ عزم کے ساتھ سوچ لیا تھا۔

---------------------------

سہ پہر ہو رہی تھی۔ سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا۔ ایسے میں ماحول کی گرمی کا زور ٹوٹ رہا تھا اور سب لوگ اس وقت صحن میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ارم اور اس کی دونوں بہنیں ساجدہ اور کوثر بہن اور ان کی ساری فیملی سب وہاں بیٹھے باتوں میں مصروف تھی۔ عنیقہ ان کیلیے چائے لینے گئی ہوئی تھی۔

"ارم مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" کوثر نے اپنی بہن سے جھجھکتے ہوئے کہا۔ وہ مالی حیثیت میں ارم سے کم تر تھی اور ارم ان کی کافی مدد بھی کرتی تھی اس لیے جب بھی بات کرتی ان کے لہجے میں منت بھری مٹھاس شامل ہو جاتی۔

"ہاں کوثر بولو۔" ارم نے خوشدلی سے کہا۔ سب نے تجسس سے اکوثر کی طرف دیکھا۔

"وہ..... ہم چاہ رہے تھے کہ اب بچوں کی شادی کر دینی چاہیے۔ زید ماشاءاللہ پڑھائی مکمل کر چکا ہے اور جرمنی جاب کرنے جا رہا ہے۔ تو میں نے سوچا نکاح ہو جائے تو دونوں بچوں کے کاغذات ایک ساتھ بنوا کر باہر بھجوا دیا جائے۔ پھر پتہ نہیں کب وہ واپس آئے۔" اکوثر نے ساری تفصیل بتائی اور ان کے شوہر نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ عنیقہ تمہاری امانت ہے۔ تم جب چاہو اسے لے کر جا سکتی ہو۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ جہیز تو میں نے بہت پہلے سے ہی اس کا بنا کر رکھا ہوا ہے۔" ارم کی بات سن کر زید سمیت ابراہیم اور کوثر کا دل خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا جبکہ چائے کا ٹرے پکڑے وہاں آتی عنیقہ کو یہ الفاظ سن کر دھچکا لگا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا اٹھے تھے اور زید نے اس کے چہرے کا رنگ فق ہوتا دیکھا تھا۔ پتہ نہیں کن حالوں سے وہ چلتی ہوئی میز تک آئی تھی اور

## خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں

تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا

پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی

تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے

ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر

ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر

پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

ٹرے کو میز پر رکھا تھا۔گھٹنوں اور پنجوں کے بل بیٹھ کر وہ کانپتے دل کے ساتھ سب کو چائے سرو کرنے لگی تھی۔قسمت اس کے ساتھ اتنا برا کیسے کر سکتی تھی۔ابھی تو وہاب بھی نہیں مانا تھا کی زید نے یہ نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔کاش وہ زید کو وہ سب کچھ نہ کہتی اور وہ ضد میں آکر اتنی جلدی کبھی نہ کرتا۔لیکن اب خود کو کوسنے کا وقت نہیں تھا بلکہ کچھ کرنے کا تھا۔اسے ہر حال میں اس شادی سے بچنا تھا۔اس کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

"تو پھر تم تاریخ دے دو۔سادگی سے نکاح کر لیں گے اور کچھ قریبی رشتے داروں کو بلا لیں گے۔اصل میں عید کے ایک ہفتے بعد ہی اسے جانا ہے اگر جلدی نکاح ہو جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔" کوثر نے کہا۔

"اٹھائیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔بے شک ساری تیاریاں مکمل ہیں لیکن پھر بھی بہت کام ہوتے ہیں۔انتظامات کیلیے دو دن تو چاہیے ہی ہوں گے نا۔پھر ابرار نے بھی تو امریکہ سے پاکستان پہنچنا ہے۔ہو سکتا ہے آنے میں دو دن تو لگ ہی جائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ ارم۔میں ساری زندگی تمہارا مشکور رہوں گا۔ہم عنیقہ کو اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔تمہیں کبھی کوئی شکائت نہیں ہوگی۔" ابراہیم فرطِ جذبات سے لبریز لہجے میں بولے تھے۔عنیقہ سب کو چائے دے چکی تھی اور کوثر نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ والی خالی کرسی پر بٹھا لیا تھا۔

"آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں بھائی جان۔شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے۔آجکل کے زمانے میں لڑکیوں کے لیے اتنے پر خلوص سسرال کم ہی ملتے ہیں۔میں جانتی ہوں آپ لوگ عنیقہ سے بہت پیار کرتے ہیں اور اسے اپنی بیٹی سے بھی زیادہ عزیز رکھیں گے۔"

"کیوں نہیں۔اچھا یہ بتاؤ نکاح کا فنکشن کہاں رکھیں۔یہیں گھر میں ٹھیک رہے گا یا.....؟" کوثر نے پوچھا۔

"میرے خیال سے یہیں ٹھیک رہے گا۔زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔آپ لوگ،حیدر بھائی کی فیملی اور ابرار کے دو تین کزنز ہیں ان کی فیملی ہو گی بس۔" ارم اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی اس سے بے خبر کہ عنیقہ کے دل پر

چھریاں چل رہی ہیں۔ اسے زید اور اس کی فیملی کے ساتھ ساتھ اپنی ماں سے بھی نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر انہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ یہ شادی کبھی نہیں کرے گی لیکن وہ جانتی تھی وہ یہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسے ہمیشہ سے سب کی نظروں میں اچھا بننے کا شوق تھا۔ اگر وہ اب کچھ کہے گی تو سب اسے برے کردار کی لڑکی سمجھیں گے اور پھر بھی اس کی زبردستی شادی کر ہی دیں گے۔ اسے کچھ ایسا کرنا تھا کہ اس پر نام بھی نہ آئے اور یہ نکاح بھی نہ ہو سکے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس مقصد کے لیے وہ کسی اور کی عزت سے بھی کھیل سکتی تھی۔ اور وہ کسی وہاب بھی ہو سکتا تھا۔

---

کمرے کی تاریکی میں لیپ ٹاپ کی سکرین سے اٹھتی روشنی اس کے سنجیدہ چہرے کو چمکا رہی تھی۔ وہ اس وقت ایک کرسی پر بیٹھی تھی اور سامنے رائٹنگ ٹیبل پر لیپ ٹاپ پڑا ہوا تھا۔ اس کی نظریں سکرین پر جمیں تھیں اور بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔ انگلیاں ٹچ پیڈ پر وقفے وقفے سے چل رہی تھیں اور کانوں میں ہینڈ فری لگے ہوئے تھے جو لیپ ٹاپ سے ملحق تھے۔ وہ اس وقت حماد کے موبائل نمبر کی کال ریکارڈ سن رہی تھی جو وہاب بھائی نے اسے سینڈ کی تھیں۔ وہ ایک گھنٹے سے اس کام میں لگی ہوئی تھی اور اب رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ زیادہ تر کالز حماد کی ایسی تھی جس سے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں مل سکتا تھا۔ اس کے سیکرٹری اسد کی کالز تھیں جو زیادہ تر سیاسی موضوع پر تھیں۔ خفیہ پیغامات کیلیے اس کا شاید کوئی اور نمبر تھا۔ آخری کال ریکارڈ جو آج دوپہر دو بج کے دس منٹ پر تھی جس میں حماد اپنے سیکرٹری اسد کو چھٹی سے واپس آنے کا کہہ رہا تھا اور وہ منت بھرے لہجے میں ابھی اور چھٹی مانگ رہا تھا۔ اس کی بیوی بیمار تھی اور کسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی۔ اس لیے وہ آج نہیں آسکتا تھا۔ حماد کے غصے بھرے اصرار سے وہ کل صبح دس بجے آنے پر راضی ہو گیا۔ عانیہ نے حماد کی جاسوسی چھوڑ کر اسد کے موبائل نمبر کو ہیک کرنے کا سوچا اور وہاب بھائی کو اسد کا نمبر بھیج دیا۔ ایک گھنٹے بعد اس کے نمبر کی تفصیلات بھی اس تک

پہنچ چکی تھیں اور اب وہ اس کی کال ریکارڈ سننے لگی۔اس سے اسے مزید انفارمیشن یہ ملی کہ اس کی بیوی کس ہاسپٹل میں ہے اور وہ اس کی دیکھ بھال کے لیے رات کو بھی وہیں رہتا ہے۔اور کل وہیں سے دس بجے کچھ گھنٹوں کے لیے حماد کے گھر جائے گا۔

اب اسے کیا کرنا تھا وہ یہ سوچ چکی تھی۔اس نے کانوں سے ہینڈ فری اتار دیے اور لیپ ٹاپ آف کر کے تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں تھی۔کال کی گھنٹی بجنے پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور ٹیک چھوڑ کر ٹیبل پر پڑے فون کو اٹھایا۔دیکھا تو وہاب کی کال تھی۔

"اسلام علیکم وہاب بھائی۔" وہ لہجے میں بشاشت سے لاتے ہوئے بولی تھی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" دوسری طرف سے وہاب کی آواز سپیکر میں گونجی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں حدیقہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔" وہ شرارت سے بولی تو وہاب ہنس دیا۔

"اگر آپ خود اس سے حال چال پوچھنا چاہتے ہیں تو میں بلاؤں اسے۔"

"نہیں۔مجھے پتہ چل گیا ہے وہ ٹھیک ہے۔مجھے دراصل تم سے پوچھنا تھا کہ تم اب حماد کے ساتھ کیا کرنے والی ہو۔مجھے پہلے سے بتا دو۔"

"ڈونٹ وری اس کا قتل تو نہیں کرنے والی اب۔" وہ لاپرواہی سے بولی تو وہاب چونکا۔

"واقعی؟...مطلب تم اب کچھ الٹا سیدھا تو نہیں کرو گی۔"

"آف کورس ناٹ وہاب بھائی۔میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ بدلا ہے۔اسے برباد کرنے کا نہیں۔"

"اوہ میں بھی کہوں تمہیں اتنی جلدی عقل کیسے آسکتی ہے چلو خیر اب کیا کرنا ہے۔"

"میں نے حماد کی کال ریکارڈ سنیں ہیں۔کچھ خاص معلومات تو نہیں ہو سکی البتہ اس کے سیکرٹری کے فون نمبر کی کال ریکارڈ سن کر میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

"کیسی مدد؟"

"حماد کا سیکرٹری اسد... اس کی بیوی ایک ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے اور وہ رات وہیں رہے گا۔ کل صبح دس بجے وہیں سے حماد کی طرف جائے گا۔ اگر میں اسے ٹریس کرلوں تو حماد اور اس کی باتیں سنی جاسکتی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ تمہیں ایک آڈیو بگ ڈیوائس کی ضرورت ہے جسے تم اسد کے کپڑوں میں لگادوگی اور وہ جو بھی بات کرے گا وہ تم تک پہنچ سکے گی۔ گڈ آئیڈیا۔" وہ متاثر ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں اور ہمیں یہ کل صبح اس وقت اس کی جیب میں ڈالنا ہے جب وہ حماد کے پاس جانے کیلیے بالکل تیار ہو۔یعنی کپڑے تبدیل کرچکا ہو۔"

"ٹھیک ہے۔مجھے کل آفس سے چھٹی ہے۔ میں ڈیوائس کا بندوست کرلوں گا اور اگر اس آدمی کی کوئی تصویر وغیرہ ہو تو میں اسے ٹریس بھی کرلوں گا۔"

"تصویر تو نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس آدمی کی شکل یاد ہے۔ آپ ایسا کریں کل دس بجے کے قریب ہاسپٹل کے سامنے آڈیو ڈیوائس لے کر پہنچ جائیں آگے سے میں خود کرلوں گی۔"

"تم وہاں آجو رہی ہو مجھے بتادینا کہ وہ آدمی کونسا ہے میں کرلوں گا۔ خود کو خطرے میں ڈالنا ضروری ہے کیا۔ تمہاری شکل بھی وہ لوگ بھولے نہیں ہوں گے۔ تم نے حماد کے سیکرٹری کے سامنے اس کی پٹائی کی تھی ہیں نا۔"

"ہمم... ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تھینکس میری مدد کرنے کے لیے۔"

"ویسے ریان کو پتہ ہے اس بارے میں؟"

"اسے بس اتنا پتہ ہے کہ میں اب حماد کو قتل کرنے کی بجائے اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کی کوشش کروں گی لیکن میں نے یہ کال ریکارڈ کے بارے میں ابھی کچھ نہیں بتایا۔ ورنہ وہ مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دے گا اور ہر کام خود کرے گا جو کہ میں نہیں چاہتی۔ حماد اس کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی شوٹ کر دے گا۔"

"اور تمہیں تو جیسے اس سے کوئی خطرہ ہی نہیں۔"

"مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ اس کی نظر میں مر چکی ہوں۔"

"واقعی؟.....وہ کیسے؟"

"لمبی کہانی ہے۔ بہر حال اگر اسے پتہ چل بھی جاتا ہے تو وہ مجھے قتل نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی پٹائی کر کے اس کی بہت بے عزتی کی تھی اور وہ مجھ سے اس کا بدلہ لینے کیلیے مجھے کسی اور طرح سے پھنسانے کی کوشش کرے گا۔"

"پھر تو تمہیں اور بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"ڈونٹ وری۔ میں اس کے اسلحہ بردار محافظوں کے سامنے اس پر قاتلانہ حملہ کر چکی ہوں۔ اگر وہ اس وقت کچھ نہیں کر سکا تو اب کیا کرے گا۔ بیچارہ مجھ سے خود بدلہ لینے کے لیے اپنے محافظوں کو گولی چلانے سے روکتا ہی رہ گیا۔ اگر کوئی گولی چلتی بھی تو سب سے پہلے حماد پر ہی چلتی۔ یہ مجھے یقین تھا۔ بعد کی مجھے پرواہ نہیں تھی۔ اور اب بھی نہیں ہے۔ اتنی احتیاط کے باوجود میرے مام ڈیڈ زندہ نہیں رہے تو کیا فائدہ ایسی احتیاط کا۔" اس نے تلخی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

"تم بہت بہادر لڑکی ہو عانیہ۔ ایسے حوصلہ مت چھوڑو۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے لیکن ہر انسان کو زندگی پیاری ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے ہر طرح کی احتیاط کرتا ہے۔ اپنی زندگی بچانا فرض بھی ہے اور زندگی سے مایوسی کفر ہے۔ اس لیے جتنا ہو سکے احتیاط کرنا۔" وہاب نے نرمی سے سمجھایا تو اس نے گہرا سانس لیا۔

"کیا ہم کسی دوسرے کی زندگی بچانے کی خاطر اپنی زندگی قربان کر سکتے ہیں؟" پتہ نہیں کس خیال کے تحت اس نے پوچھا تھا اور وہ وہاب کچھ لمحوں کے لیے چپ سا ہو گیا تھا۔

"ہاں اگر کسی زندہ شخص کو بچانا پڑ جائے تو خود کو خطرے میں ڈال دینا چاہیے لیکن خود کو بھی آسانی سے موت کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا وار خود پر سہنے کی بجائے مقابلہ کر کے وار کا رخ موڑ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انسان کیا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"بہت اچھی باتیں کرتے ہیں آپ۔ آئی ایم اِمپریسڈ۔ اب دیکھیے گا حدیقہ کے سامنے آپ کی تعریفوں کے پل باندھ دوں گی۔" وہ یکدم اداسی کو جھٹک کر خود کو نارمل اور خوش ظاہر کرنے کے لیے بولی تھی۔ اسے اس فن میں کمال کی مہارت حاصل تھی۔ وہ کسی کے بھی سامنے خود کو کمزور پڑتا نہیں دیکھ سکتی تھا لیکن کبھی کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا تو شکوہ زبان پر آجاتا۔ پھر وہ جلد ہی سنبھل جاتی تھی۔ گر گر چوٹ کھانے کے باوجود اٹھ جاتی تھی۔

"بہنیں تو پہلے ہی بھائیوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ اصل مزا تو تب ہے جب حدیقہ مجھ سے اِمپریس ہو جائے۔" وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

"ویسے ایک بات سچی بتاؤں۔ وہ واقعی بہت اِمپریس ہے آپ سے۔"

"لیکن وہ کبھی ظاہر نہیں کرے گی۔"

"تو آپ اس کے منہ سے اپنی تعریفیں سننا چاہتے ہیں؟"

"ہاں تو میرا حق بنتا ہے یہ۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

" چلیں پھر انتظار کریں۔ جب آپ بوڑھے ہو جائیں گے تب وہ آپ کی تعریف شاید ایک دفعہ کر ہی دے۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولی تو وہاب کا قہقہہ گونجا۔

"چلو یہ بھی منظور ہے۔ ویسے وہ کہیں آس پاس نہیں تمہارے۔"

"نہیں وہ دوسرے کمرے میں میری کزن کے ساتھ مل کر ڈرامے دیکھ رہی ہے۔ آپ کو بات کرنی ہے تو اس کے فون پر کال کریں نا۔"

"نہیں رہنے دو۔ اچھا چلو میں رکھتا ہوں پھر۔ کل وقت پر پہنچ جانا۔ ٹیک کیئر۔"

---------------------------------

"وہاب!" عنیقہ کی نے اسے دور سے پکارا تھا۔ وہ جو پارک میں ٹریک پر جاگنگ کر رہا تھا عنیقہ کی آواز پر چونک کر پلٹا تھا اور دس پندرہ قدم دور کھڑی عنیقہ کو دیکھ کر اس کے دل میں نفرت کی شدید لہر اٹھی تھی۔ اس نے بیزاری سے سر جھٹکا اور مڑ کر ٹریک پر دوڑنے لگا۔

"وہاب میری بات سنو!" عنیقہ کی آواز پہلے سے زیادہ اونچی تھی۔ شکر تھا کہ وہاں اکا دکا ہی لوگ تھے ورنہ عنیقہ کا کچھ پتہ نہیں تھا وہ سب کے سامنے اسے کیا کہہ دیتی۔ سو مجبوراً اسے رکنا پڑا تھا اور ہٹ کر ایک الگ جگہ پر کھڑا ہو گیا تھا جہاں دوسرے لوگوں کو آواز نہ جا سکے۔ وہ یہاں کوئی تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اسے بے عزت کرنے میں عنیقہ کو کوئی دکھ یا ملال نہیں ہو گا۔ جو کچھ اس نے حدیقہ کے سامنے کہا تھا اس سے وہ یہ بات اچھی طرح جان چکا تھا۔

"وہ مجھے تم سے معافی مانگنی تھی۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے مصنوعی اداسی چہرے پر سجاتی بولی تھی۔ وہاب کا دل تو کیا تھا کہ ایک تھپڑ رکھ کر اسے لگائے۔ لیکن مٹھیاں بھینچ کر ضبط کر گیا تھا۔

"اچھا.... پھر مانگو اور یہاں سے چلتی بنو۔" وہ رکھائی سے بولا تو عنیقہ نے اسے تڑپ کر دیکھا۔

"وہاب تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو۔ تم سے محبت ہی کی ہے نا۔ کوئی گناہ تو نہیں کیا جو تم مجھے معاف بھی نہیں کر سکتے۔"

"محبت.....ہونہہ!" وہ استہزاہیہ ہنسا تھا۔عنیقہ کو غصہ آنے لگا تھا۔

"تم میری محبت کا مذاق اڑا رہے ہو وہاب۔"

"اچھا تو جو تم نے میری عزت کا مذاق بنا کر رکھ دیا وہ کیا تھا۔کیا کہا تھا حدیقہ کے سامنے تم نے کہ میں نے تمہارا فائدہ اٹھانا چاہا۔واؤ۔خود کو کہاں کی مس ورلڈ سمجھتی ہو ہاں۔" وہ سینے پر بازو باندھ کر بولتا اس کو شرم سے زمین پر گڑھ جانے پر مجبور کر گیا تھا۔وہ چپ کی چپ رہ گئی تھی۔تو کیا حدیقہ نے اسے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔اس کا تو سارا پلان الٹا پڑ گیا تھا۔وہاب تو اس سے اب مزید بدگمان ہو گیا تھا۔اس کا دل ڈوب سا گیا تھا۔ذلت کا احساس اس کے چہرے پر ظاہر تھا جو وہ دوسرے لوگوں کے چہروں پر دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔

"مم.....میں نے...."

"اب یہ مت کہنا کہ حدیقہ جھوٹ بول رہی تھی۔"

"یہ سچ ہے میں نے اسے یہ کہا تھا۔لیکن اس لیے نہیں کہ میں تمہاری بے عزتی کرنا چاہتی تھی بلکہ اس لیے کہ میں حدیقہ کے دل میں تمہارے لیے محبت دیکھنا چاہتی تھی۔لیکن میں نے یہ جانا کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی۔اگر وہ کرتی تو میری بات کی بجائے تم پر اعتبار کرتی۔" اس نے سوچ سوچ کر بات بنائی۔

"اوہ شٹ اپ۔بند کرو یہ بکواس۔وہ مجھ سے محبت کرتی ہے یہ میں اس کے آنسوؤں سے جان چکا ہوں اور اگر وہ نہ بھی کرتی ہوتی تو مجھے پرواہ نہیں تھی۔میں ساری زندگی اس کا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"لیکن میں تمہارا انتظار نہیں کر سکتی وہاب۔میری شادی ہو رہی ہے۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"کانگریچولیشنز.....لیکن میں ذرا مصروف ہوں اس لیے نہیں آسکوں گا تمہاری شادی پر۔" وہ اسے خوشدلی سے مبارکباد دے کر نہ آنے کی معذرت ایسے کر رہا تھا جیسے وہ اسے اپنی شادی پر انوائیٹ کرنے یہاں آئی ہو۔

"تم بہت برا کر رہے ہو میرے ساتھ۔" اس کی آنکھوں سے آنسو لڑک گئے تھے۔

"تم نے بھی برا ہی کیا ہے۔"

"میں مر جاؤں گی تمہارے بنا۔" وہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"تو مر جاؤ۔" وہ رکھائی سے بولتا مڑا تھا۔

"اگر تم میرے نہ ہوئے تو حدیقہ کو بھی کبھی تمہارا نہیں ہونے دوں گی۔ برباد کر دوں گی اسے۔ یہ یاد رکھنا۔ تمہاری اس غلطی کی سزا اسے بھگتنا پڑے گی۔" وہ اشتعال انگیز لہجے میں بولی تو وہ کرنٹ کھا کر اس کی طرف پلٹا تھا۔

"تم اسے ہاتھ بھی لگا کر دکھانا۔ پھر پوچھوں گا تم سے۔ اگر اسے ایک خراش بھی آئی تو ٹانگیں توڑ کے رکھ دوں گا۔ بہت برا حشر کروں گا۔ اس لیے اسے نقصان پہنچانے کا خیال اپنے دماغ سے نکال دو تو بہتر ہو گا۔" وہ چبا چبا کر بولتا اسے کانپنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اس لمحے عنیقہ کو حدیقہ سے اتنا حسد محسوس ہوا تھا کہ اگر وہ اس کے سامنے ہوتی تو اسے قتل کر دیتی۔ وہاب اسے تنبیہ کر کے جا چکا تھا اور وہ بے یقین سی اسے خود سے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا اور عنیقہ جان چکی تھی کہ اب یہ فاصلہ کبھی کم نہیں ہو سکے گا۔ لیکن وہ اتنی جلدی ہار کیسے مان سکتی تھی۔ اس نے سوچ کر آنکھوں میں آئے آنسو صاف کر ڈالے تھے۔ ٹھیک ہے وہاب اس کا نہیں ہو سکتا تو نہ ہو۔ خوش تو وہ اسے بھی نہیں رہنے دے گی۔ وہ یہ عزم کر کے زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر لائی تھی۔ اب اسے وہاب کو پانے کی کوشش نہیں کرنی تھی بلکہ حدیقہ کو اس سے دور کرنے کی کوشش کرنی تھی۔

-----------------------------------

"عانیہ ہم مارکیٹ شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔ تم چلو گی؟" حدیقہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ ریتم اور حریم بھی اس کے ساتھ تھیں۔ عانیہ نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا جو مارکیٹ جانے کے لیے بالکل تیار تھیں۔

"نہیں۔مجھے کچھ کام ہے تم لوگ چلی جاؤ۔" وہ دوبارہ سکرین پر نظریں جما کر بولی۔

"پلیز آپی چلیں نا۔" حریم نے ضد کی۔

"آج میرا فائٹنگ کا بالکل بھی موڈ نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ تو رینم اور حریم ہنس دیں۔ حدیقہ نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

"لگتا ہے ریان بھائی سے ڈر گئیں ہیں۔" حریم شرارت سے مسکرائی۔ اس نے خفگی سے اسے گھورا۔

"عانیہ کسی سے نہیں ڈرتی۔" وہ بہت فخر سے بولی تھی۔

(البتہ دیا اب ریان سے بہت ڈرتی ہے) اس کے اندر سے کوئی آواز آئی تھی۔

"تو پھر چلو نا" رینم اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"یار سچ میں۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ اور رینم تمہاری طبیعت خراب ہے۔ تھوڑا صبر کر لو کچھ دنوں بعد شاپنگ کر لینا۔" وہ بات کو خود سے ہٹا کر رینم پر لے آئی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ۔ میں نے بھی جانا ہے۔ پلیز۔" اسے شاپنگ کرنے کا شوق چڑھا ہوا تھا۔ وہ پہلی بار جا رہی تھی اور اس کی ایکسائٹمنٹ عروج پر تھی۔

"اچھا دھیان سے جاؤ۔ ڈرائیور کو ساتھ لے جانا۔" وہ بولی تو رینم خوشی سے مسکراتی اس کے گلے میں بازو حمائل کر گئی اور اس کے کندھے پر تھوڑی رکھ دی۔

"آئی لو یو عانیہ۔" وہ سرگوشی میں بولی تو عانیہ مسکرا دی۔ رینم اور حریم نے بھی ان کی مسکراہٹ میں ساتھ دیا۔

"بس بس زیادہ مکھن نہ لگاؤ۔" وہ شرارت سے بولی تو رینم ہنس دی۔ عانیہ نے کبھی رینم کے یوں ہنسنے کی دعا کی تھی اور آج اس کی ہنسی سے اس کے دل میں ایک سکون سا سرائیت کر گیا تھا۔

ریان سے اجازت لے کر وہ تینوں ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ مال آگئی تھیں۔ رنیم کو لگ رہا تھا وہ کسی نئی دنیا میں آگئی ہے۔ وہ کئی منزلوں پر مشتمل بڑے بڑے پلازے تھے جن میں ہر قسم کی چیزیں دستیاب تھیں۔ ہزاروں لوگ یہاں وہاں آجا رہے تھے۔ وہ مسحور سی ارد گرد دیکھتی ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ پہلے انہوں نے نچلی منزل پر ہی ڈریسز کی شاپنگ کی تھی۔ قطاروں میں لٹکے خوبصورت ریشمی لباس کڑھائی اور ستاروں سے چمکتے اس کی نظروں کو خیرہ کر رہے تھے۔ اس نے ڈھیروں کپڑے خرید کر اگلی پچھلی ساری کسر نکال دی تھی۔ پھر دوسری منزل پر وہ لوگ جیولری اور سینڈلز خریدنے گئیں۔ عید بالکل قریب تھی اور وہ لوگ تو جیسے آج ہی ساری شاپنگ کرنا چاہتی تھیں۔ پھر جلد ہی رنیم تھک گئی تھی اور اس کا سانس بھی پھولنے لگا تھا۔ وہ اسی مال کی نچلی منزل پر ایک کیفے ٹیریا میں آگئیں تھیں۔ حدیقہ اور رنیم ذرا ہٹ کر ایک میز پر بیٹھیں تھیں جہاں زیادہ لوگ نہیں تھے اور حریم ان کے لیے مینگو سلش لینے کاؤنٹر کی طرف چلی آئی تھی۔ وہاں اور بھی لوگ تھے جو آرڈر لکھوا کر اپنی چیزیں لینے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ سب سے آخر میں اس کی باری آئی تھی۔ وہ تین مینگو سلش بتا کر کلچ میں سے پیسے نکالنے لگی۔ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے آدمی نے ایک ٹرے میں تین مینگو سلش کے گلاس رکھ کر اس کے سامنے رکھے۔ وہ پیسے دے کر ٹرے اٹھانے ہی والی تھی کہ ایک آواز نے اس کے ہاتھوں کو رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اے بلی!" یہ کسی لڑکے کی آواز تھی اور وہ جانتی تھی کہ بلی اسے ہی کہا گیا ہے۔ غصے کا شدید ابال اس کے دل میں اٹھا تھا۔ یہ کس نے اسے بلی کہا ہے؟ اس کی اتنی جرات!... وہ تو اب اسے چھوڑے گی نہیں۔ وہ طیش میں آکر ایڑیوں کے بل گھومی اور سامنے کھڑے اس خوبرو نوجوان کو دیکھ کر وہ چپ کی چپ رہ گئی تھی اور جو کچھ اس لڑکے کو سنانے کیلیے اس نے زہن میں اکٹھا کیا تھا وہ سب بھک سے اڑ گیا تھا۔ وہ لڑکا اس سے چند قدم دور کھڑا دلچسپی سے

اسے دیکھ رہا تھا۔ حریم نے حسب عادت دل ہی دل میں اس کی شکل کو اپنے کسی فیورٹ کورین ایکٹر سے ملا دی تھی۔ اور اس لڑکے کا موازنہ اپنے کزن عدنان سے کیا تو دل نے اس لڑکے کو فل مارکس دے کر پاس کیا تھا۔ ٹھیک ہے... وہ لڑکا بہت ہینڈ سم ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ اسے سر راہ چھیڑنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ کتنے لوگوں نے سنا ہو گا۔ کیا عزت رہ گئی ہو گی اس کی۔ دماغ کو کچھ ہوش آیا تو اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا لیکن شکر تھا کسی کا دھیان نہیں پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ تماشا بنے اس نے لڑکے کو اگنور کر کے یہاں سے نکلنے کی کی تھی۔ لیکن وہ لڑکا چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا اور اب مقابلے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے ؟...... بلی" لڑکے نے ایک قدم کے فاصلے پر رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر گوشی کی تھی۔ حریم کو اس کی جرات پر مزید غصہ آیا تھا۔ اس نے مڑ کر ایک مینگو سلش اٹھایا اور گلاس سمیت اس لڑکے کی جانب اچھال دیا۔ وہ لڑکا اس کے ارادے کو بھانپ چکا تھا اس لیے بر وقت ایک طرف ہو کر گلاس کو کمال مہارت سے کیچ کر لیا تھا البتہ سارا جوس نیچے گر گیا تھا۔ ارد گرد چلتے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اب لڑکا اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا جب کہ وہ بہت خوفزدہ ہو چکی تھی۔ سب لوگوں کی نظریں اس پر تھیں۔ وہ سب کے سوالوں کے جواب کیسے دے گی۔ اس کا دل کیا اس کے پاس جادو کی چھڑی آ جائے اور وہ یہاں سے غائب ہو جائے۔

"کیا ہوا لڑکی ؟..... یہ تمہیں تنگ تو نہیں کر رہا؟" ایک لڑکے نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تو اس کا شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے پوچھنے والے لڑکے کو دیکھنے لگی تھی۔

"تنگ ؟.... میں اسے تنگ کر رہا ہوں ؟.... میں نہیں بلکہ یہ مجھے تنگ کر رہی ہے۔ یہی تو ہمیشہ مجھے تنگ کرتی ہے۔ ابھی سب نے دیکھا کہ اس مجھ پر گلاس دے مارا۔ گھر میں بھی ایسے ہی سلوک کرتی ہے یہ میرے ساتھ۔ زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے۔ اللہ کسی کو اس جیسی لڑاکا بیوی نہ دے۔" وہ لوگوں کی طرف دیکھ کر

چہرے پر غصہ لاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور حریم تو ہونقوں کی طرح منہ کھولے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔لوگوں کو جب سمجھ آئی کہ یہ لڑکی تو اس کی بیوی ہے تو ان کے چہروں کے تاثرات کچھ ڈھیلے پڑے تھے ورنہ آج اس لڑکی نے اس کی پٹائی کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔لوگوں کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ حریم کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ابھی تک بے یقین سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اور تم !.... تم تو چلو میرے ساتھ گھر۔ آئیندہ تمہیں کہیں باہر گھمانے کے لے کر آیا تو نام بدل دینا میرا۔گھر میں ہی سڑنا اب۔یہی تمہاری سزا ہے۔" وہ اونچی آواز میں کسی شوہر کی طرح اسے ڈانٹتا آگے بڑھا اور گلاس کو کاؤنٹر پر رکھ دیا۔اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے لوگوں کے ہجوم سے نکلتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔حریم دل کی تیز دھڑکن پر قابو پاتی اس کے ساتھ کھینچتی چلی گئی۔وہ اس وقت سخت شاک میں تھی اس لیے چاہنے کے باوجود کچھ بول نہیں سکی تھی۔کیفیٹیریا سے باہر نکل کر ایک خالی جگہ پر اس لڑکے نے حریم کو کھینچ کر اپنے سامنے دیوار سے لگایا تھا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔پھر سینے پر بازو باندھ کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔حریم کو تو سخت تاؤ آیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی مسٹر ؟" وہ کچکچاتے ہوئے بولی۔

"کونسی بدتمیزی ؟..... تمہیں بلی کہنا یا اپنی بیوی کہنا؟" لڑکے نے سکون سے ابرو اچکا کر پوچھا تھا۔یعنی اتنا کچھ غلط کر کے بھی اسے کوئی ملال نہیں تھا۔

"خود کو سمجھتے کیا ہو تم ہاں ؟.... تم جو کچھ بھی کرو میں چپ کر کے برداشت کر لوں گی۔اگر چاہوں تو ابھی چیخ چیخ کر سارے لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی اور تمہاری پٹائی کروادوں گی۔سمجھے۔" وہ انگلی اٹھا کر چلائی تھی۔اور لڑکے نے اپنی مسکراہٹ کو بمشکل روکا تھا۔

"میں نے کیا غلط کیا ہے جو تم اس طرح مجھ پر بھڑک رہی ہو ؟..... مجھ پر جوس کا گلاس پھینک کر تم نے سب لوگوں کو متوجہ کر لیا تھا اب اگر میں وہ سب نہ کرتا تو سوچو تمہاری کتنی بے عزتی ہوتی۔"

"جھوٹ۔ تمہیں ڈر تھا کہ لوگ تمہاری پٹائی نہ کر دیں ہے نا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

"اچھا تو پھر ابھی سب لوگوں کو بلا لو۔ ان سب کی پٹائی میں اکیلے ہی کر سکتا ہوں۔ مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہو گا البتہ تمہاری عزت پر ہی حرف آئے گا۔ جو کہ میں نہیں چاہتا اسی لیے تو سب کے سامنے خود کو تمہارا شوہر ظاہر کیا تھا۔"

"تمہیں میری عزت کی اتنی ہی پرواہ تھی تو مجھ پر آواز کیوں کسی؟ کیوں مجھے بلی کہا؟" وہ اس کی پرواہ پر حیران تھی۔

"وہ.... دراصل میری ایک بلی تھی۔ وہ مجھ سے گم ہو گئی تھی۔ تمہیں دیکھا تو ایسے لگا کہ میری وہی بلی میرے سامنے آگئی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تھا اور حریم سٹپٹا گئی تھی۔ اس لڑکے کا میری بلی کہنے پر اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

"تم!..... تم اپنی لمٹس کراس کر رہے ہو مسٹر۔ میں تمہارا ابھی لحاظ کر رہی ہوں اس لیے کہ میں کوئی تماشا نہیں چاہتی ورنہ......" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔

"ورنہ؟.... کیا کر لو گی تم۔ ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔" وہ لڑکا اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکے سے اپنی طرف کھینچتا ہوا بولا تھا اور حریم کی تو ڈر کے مارے بولتی بند ہو گئی تھی۔ اسے اور کچھ سمجھ نہ آئی تو جھک کر لڑکے کی کلائی پر دانتوں سے اتنی زور سے کاٹ لیا کہ خون نکال کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی خون لگ گیا تو وہ حواس باختہ ہو کر ایک دم سے پیچھے ہٹی تھی اور ہونٹوں پر ہاتھ سے خون کو صاف کرتے ہوئے اس لڑکے کا چہرہ دیکھا تو وہ سے بے تاثر نظر آیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی تھی کہ اس نے اس لڑکے کو اتنی تکلیف پہنچائی لیکن اس نے ایک آواز تک نہیں نکالی۔ اس کی کلائی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ حریم کی طرف چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی کلائی چھوڑ کر یکدم مسکرایا تھا۔

"تو تم نے ثابت کر دیا کہ تم میری ہی بلی ہو۔ پہلے بھی تم نے مجھے کتنی دفعہ کاٹا تھا" وہ بولا تو حریم کو وہ پاگل لگا تھا۔ درد پر چیخنے کی بجائے عجیب سی باتیں کر رہا تھا۔

"تت.... تمہارا خون بہہ رہا ہے" وہ فکر مندی سے بولی تھی اور لڑکے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ اب حریم کیلیے یہاں کھڑے رہنا مشکل ہو چکا تھا۔ وہ یکدم اس کے سامنے سے ہٹ گئی اور تیز تیز قدموں سے کیفے ٹیریا کی جانب بڑھ گئی۔ یہ عادت اسے شروع ہی سے تھی۔ جس پر بھی اسے غصہ آتا تھا وہ اس کا بازو کاٹ لیتی تھی لیکن کبھی کسی کے اتنے زور سے نہیں کاٹا تھا کہ اگلے کا خون ہی نکل آئے۔ آج پتہ نہیں یہ کیسے ہو گیا تھا۔ اس نے ڈرتے ہوئے ایک دفعہ مڑ کر پیچھے دیکھا تو وہ ابھی تک وہیں کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ جلدی سے کیفے ٹیریا میں داخل ہو گئی اور اپنا کلچ چہرے کے سامنے کرتے ہوئے چلنے لگی تا کہ کوئی اسے پہچان نہ لے۔ اور پوچھنے لگ پڑیں کہ تمہارا شوہر کہاں ہے۔

"اُفف!...." وہ جھرجھری سی لیتی حدیقہ اور رنیم کے ساتھ آبیٹھی۔ وہ دونوں جو بیٹھی باتوں میں مگن تھیں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" رنیم نے حیرت سے پوچھا۔

"تم خالی ہاتھ کیوں آگئی۔ جوس لینے بھیجا تھا تمہیں۔" اتنا انتظار کرنے کے بعد بھی جوس نہیں آیا تھا تو حدیقہ کو غصہ چڑھ گیا۔

"ارے یار اس کی حالت دیکھو۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی مجھے۔" رنیم نے حدیقہ کو گھر کا اور حریم کی جانب متوجہ ہوئی تو اس کے ہونٹ پر لگے خون کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

"یہ.... یہ خون ہی ہے نا۔ حدیقہ دیکھنا ذرا۔" رنیم نے بے یقینی سے حدیقہ کو پکارا تھا۔ حدیقہ نے بھی غور سے دیکھا تو وہ خون ہی تھا۔ حالانکہ اس نے لپ اسٹک سمجھی تھی۔ حریم نے جلدی سے ہونٹوں کو رگڑا تھا۔

"میں نے ایک لڑکے کے بازو پر کاٹ لیا۔" وہ سنبھل کر لاپرواہی والے انداز میں بولی تو ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"کیا؟" دونوں نے یک زبان ہو کر چلائی تھیں۔

"بدتمیز۔مجھے بلی کہہ رہا تھا نا۔میں نے بھی پھر کہا اب تمہیں بلی بن کر دکھاؤں گی۔" وہ طیش سے بولی۔

"اوہ مائی گاڈ۔تم نے بلی کہنے پر اسے کاٹ ڈالا۔اس کو کتنا درد ہوا ہو گا۔" ریئم سینے پر ہاتھ رکھے دنگ بیٹھی رہ گئی۔

"صرف یہی نہیں۔مجھے سب لوگوں کے سامنے اپنی لڑاکا بیوی بنا ڈالا۔" اس نے بتایا تو ان دونوں کی ہنسی نکل آئی۔

"کیسے ؟" انہوں نے تجسس سے پوچھا تو اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔حدیقہ اور حریم سن کر کافی دیر تک ہنستی رہیں تھیں اور وہ کڑھتی رہی۔خون کے چند قطرے اس کے ہونٹوں پر خشک ہو کر جم گئے تھے اور وہ ویمپائر لگنے لگی تھی۔ہاتھ سے وہ صاف نہ ہو سکے تو واش روم میں چلی گئی اور پانی سے دھو کر صاف کیے۔اسے اب اس لڑکے پر ترس آ رہا تھا جس کو اس نے اتنا سخت کاٹ دیا تھا۔اس کا چہرہ ذہن میں نقش سا ہو گیا تھا۔کتنا خوبصورت تھا نا وہ!...دل نے کہا تھا اور وہ خود کو ڈپٹتی باہر آئی تو حدیقہ ان کے لیے جوس لے کر آ چکی تھی۔ اب ان کا ارادہ حدیقہ کے گھر آنٹی عمرینہ سے ملنے کیلیے جانے کا تھا۔

---------------------------

وہ بائیک سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پر باندھے سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔سامنے ہی سڑک کے پار ہسپتال کی عمارت نظر آ رہی تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کے پارکنگ ایریا کے لیے بھی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ کو استعمال کیا گیا تھا۔ابھی دس بجنے میں آدھا گھنٹہ رہتا تھا اور اسے یہاں آئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ذہن میں ابھی تک عنیقہ کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔اس کی ہٹ دھرمی، خود غرضی، اور حدیقہ کو برباد کرنے کی دھمکی.....یہ سب کچھ اسے بہت پریشان کر رہا تھا۔عنیقہ کے دل میں اس نے حدیقہ کے لیے نفرت کا زہر محسوس کیا تھا اور جس طرح کا اس کا لہجہ تھا۔وہ واقعی حدیقہ کے لیے فکر مند ہو چکا تھا۔وہ حدیقہ کو اس سے وارن کرنا چاہتا تھا لیکن وہ خود اس سے بول بھی نہیں سکتا تھا۔اس دفعہ تو حدیقہ کو ہی پکارنا پڑے گا۔یہ سوچ کر وہ رک گیا تھا لیکن وہ اس

کی حفاظت ضرور کرے گا۔ یہ تو اس کا پکا عزم تھا۔ ابھی وہ سوچوں میں غلطاں تھا کہ ایک موٹر بائیک اس کے پاس آ کر رکی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو موٹر بائیک سوار سر پر ہیلمٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ چہرہ موڑ کر سامنے دیکھنے ہی لگا تھا کہ سوار نے سر پر سے ہیلمٹ اتار دیا تھا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ وہ عانیہ تھی۔ کالے جاگرز، کالی جینز اور کالی شرٹ پر کالی لیدر کی شرٹ پہنے بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے وہ کوئی سیکرٹ ایجینٹ لگ رہی تھی۔

"اوہ تو تم یہ بھی کر لیتی ہو؟" وہاب متاثر ہوتے ہوئے بولا تھا۔ عانیہ مسکرا کر بائیک سے اتر آئی تھی۔

"وہ ڈیوائس کہاں ہے؟" وہ ہیلمٹ کو ہینڈل پر لٹکاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔ یہ رہا۔" وہاب نے جیب سے ایک چھوٹی سی چپ نکال کر اس کی طرف بڑھائی تھی۔ پھر وہاب نے اسی کے موبائل پر ڈیوائس کا اسٹیٹس چیک کرنے کا طریقہ سمجھایا تھا۔ اس دوران عانیہ کی نظریں سامنے ہسپتال کے داخلی دروازے پر بھی رہیں تھیں۔ ابھی دس بجنے میں پندرہ منٹ پڑے تھے کہ اسد ہسپتال کے داخلی دروازے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا تھا۔

"وہ ہے اسد۔ ہری اپ۔ وہ گاڑی میں بیٹھنے والا ہے۔" اس نے اسد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے کہا تو وہاب سر ہلاتے ہوئے اسد کی طرف بڑھ گیا۔ عانیہ وہاں قریب ہی ایک گاڑی کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہاب سر پہ پی کیپ ٹھیک کرتا تیز قدموں سے اسد کی طرف چل رہا تھا لیکن اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ اسد کے قریب سے گزر کر ہسپتال کے اندر جانا چاہتا ہے۔ دفعتاً سیڑھیوں پر وہ اسد سے ٹکرایا تھا اور نا محسوس انداز میں اس کی جیکٹ کی جیب میں ڈیوائس ڈال دی تھی۔

"اوہ سوری۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا تھا۔ اسد نے اسے ایک غصیلی گھوری سے نوازا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا آگے بڑھ گیا تھا۔ عانیہ کو دور سے ہی نظر آ گیا تھا کہ وہ اپنا کام کر چکا ہے۔ اس کے سینے میں اٹکی سانس

خارج ہوئی تھی۔وہاب مسکراہٹ دبائے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور ہاسپٹل میں داخل ہو گیا تھا۔جب تک اسد کی گاڑی وہاں سے چلی نہیں گئی وہ ہسپتال کے اندر ہی رہا تھا۔اس کے جانے کے بعد وہ عانیہ کی طرف آگیا تھا۔

"گڈ جاب برو۔" وہ اسے تھمز اپ کا اشارہ کرتی شاباشی دے رہی تھی۔جسے وہاب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وصول کیا تھا۔

"تمہیں سمجھ تو آگئی ہے نا کہ ان کی باتیں کیسے سننی ہیں۔" اس نے پھر پوچھا تھا۔

"ہاں آگئی ہے۔میں اب چلتی ہوں۔ریان کو پتہ چل گیا تو سو باتیں سنا ڈالے گا مجھے۔" وہ بولتی موٹر بائیک کی طرف آئی اور ہیلمٹ ہینڈل سے اتار کر سر پر پہننے لگی تھی۔

"ویسے.... تم ریان سے ڈرتی ہو کیا؟" وہاب نے تعجب سے پوچھا تھا۔وہ جو بائیک پر سوار ہونے والی ہی تھی اس سوال پر چونکی تھی اور رک کر وہاب کو ایک نظر دیکھا تھا۔اس کے چہرے سے تو نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس کے دل میں چھپے ریان کے لیے جذبات جان چکا ہے۔وہ بہت عام سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں تو.... وہ تو اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں اس کے پوچھے بنا کہیں گئی تو وہ انکل حیدر کو بتا دے گا۔اور مجھے ان کی ڈانٹ سے بہت ڈر لگتا ہے۔" عانیہ نے موٹر بائیک پر بیٹھتے ہوئے اپنے ڈر کی جھوٹی وضاحت پیش کی تھی۔

"بہت اچھا انسان ہے وہ۔میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ تمہاری بہت کیئر کرتا ہے۔ایسا مخلص دوست کسی کسی کو ہی ملتا ہے۔سو قدر کرنا اس کی۔... ہمم" وہاب نے بڑے بھائی کی طرح اسے سمجھایا تھا اور عانیہ کو اب واقعی لگا تھا کہ وہاب بھائی کے سامنے اس کا پول کھل چکا ہے۔اسے صاف سمجھ آگیا تھا کہ وہاب اس کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔اس نے پھر جلد ہی خدا حافظ کہہ کر بائیک سٹارٹ کر دی تھی۔

جب وہ گھر پہنچی تو دس بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔اس نے بائیک کو گیٹ کے باہر ہی روکا اور چھوٹے دروازے کی گھنٹی بجائی۔چوکیدار دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

"یہ لو چابی۔" عانیہ نے چوکیدار کو چابی پکڑا دی۔دراصل یہ بائیک چوکیدار کی ہی تھی جو وہ کچھ دیر کے لیے ادھار مانگ کے لے گئی تھی۔اگر وہ گاڑی پر جاتی تو ریان کو پتہ چل جانا تھا اور اس کا باہر نکلنا مشکل ہو جانا تھا۔اسی لیے اس نے چوکیدار کو خاموشی سے کچھ پیسے دیے اور بائیک کے ساتھ ساتھ یہ وعدہ بھی لیا کہ وہ اس کے کہیں جانے کے بارے میں ریان کو نہیں بتائے گا۔چوکیدار کو پیسے مل گئے تھے اب اور اسے کیا چاہیے تھا سو اس کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اب وہ کام نمٹا کر واپس آ چکی تھی۔

"ریان نے تم سے پوچھا تو نہیں میرے بارے میں؟" اس نے پوچھا تو چوکیدار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

(اس کا مطلب ابھی تک اسے پتہ نہیں چلا) وہ شکر ادا کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور صحن میں سے گزر کر دائیں جانب گیلری میں داخل ہو گئی جو آگے سے جا کر بیک گارڈن کے ساتھ ملحق تھی اور وہیں اس کے کمرے کی کھڑکی تھی۔وہ تیزی سے چلتے ہوئے اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے پہنچی تھی اور اندر کمرے میں کود گئی تھی۔ابھی وہ بیڈ پر بیٹھی جھک کر جاگرز کے تسمے کھول رہی تھی کہ دروازہ کھٹکنے کی آواز آئی تھی۔اس نے تسمے کو وہیں چھوڑا اور اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے سفید جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ریان کھڑا نظر آیا تھا۔اور عانیہ کو بلیک کپڑوں میں دیکھ کر ٹھٹھکا تھا۔کالے رنگ میں اس کا سفید چمکتا ہوا چہرہ بہت کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔وہ کچھ پل اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا اور عانیہ نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا تھا۔

"کافی مصروف ہو گئی ہو۔دو دفعہ میں نے دروازہ کھٹکایا تھا تم نے کھولا ہی نہیں۔" وہ شکوہ کرنے لگا تھا۔

"نہیں وہ بس سو گئی تھی اس لیے آواز نہیں آ سکی۔" وہ ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیتے ہوئے بولی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔

"لیکن رینم تو کہہ رہی تھی تمہیں بہت ضروری کام ہے اس لیے تم شاپنگ پر نہیں جا رہی۔ بائی داوے ایسا کونسا ضروری کام تھا جو تم نہیں گئی؟ میرے منع کرنے پر تو یقیناً تم نہیں رکی ہو گی۔ اور نہ تمہیں میرے خفا ہونے کی پرواہ ہے۔ تو پھر اصل وجہ کیا ہے؟" وہ سکون سے پوچھ رہا تھا اور عانیہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب وہ کیا جواب دے۔

"وہ....ہاں۔... مسز خان ہیں نا ان سے کچھ ضروری کام تھا۔" اسے بروقت خیال آگیا تو اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔

"کون مسز خان؟" اگلا سوال۔

"وہ مام کی سیکرٹری تھیں۔ اب وہی کمپنی سنبھال رہی ہیں تو اس سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھیں۔" وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے وضاحتیں کیوں دے رہی ہے حالانکہ یہ کام اسے دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔

"اچھا..... تم کہیں جا تو نہیں رہی تھی؟" ریان نے اس کے جاگرز کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ دل ہی دل میں اپنی عقل پر ماتم کرنے لگی تھی۔ اب یہ تو بتا نہیں سکتی تھی کہ وہ کہیں جا نہیں بلکہ کہیں سے آ رہی ہے۔ اب اس آدھ کھلے تسمے کی کیا وضاحت دے۔

"نہیں میں تو کہیں نہیں جا رہی۔ یہ صبح جاگنگ کے لیے پہنے تھے پھر اتارنے یاد ہی نہیں رہے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے جھوٹ بولا۔

"تو شوز پہنے ہی سو گئی تھی کیا؟"

"ہاں کرسی پر ہی سوئی تھی نا اس لیے۔ تم اب انویسٹیگیشن کرنا بند کرو گے پلیز۔" وہ چڑ کر بولی۔

"مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟" ریان مشکوک لہجے میں بولا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ تمہیں میری بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا؟"

"تو کیا مجھے تمہارا یقین کرنا چاہیے؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہاں" وہ معصومیت سے بولی۔

"کیوں؟" ریان نے دلچسپی سے پوچھا تو اس سے کوئی جواب نہ بن پایا تھا۔ وہ خاموشی سے لب کاٹنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکی تھی۔

"کیونکہ جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس پر یقین کرنے کیلیے وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں بھی بنا کسی وجہ سے تم پر یقین رکھتا ہوں کہ تم کوشش کے باوجود مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔.... چلو اب اچھے بچوں کی طرح سچ بتا دو۔ کہاں گئی تھی تم؟" ریان نے اس کے سر کے دائیں جانب تھپکی دیتے ہوئے نرمی سے کہا تھا اور وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ حیران رہ گئی تھی۔ اس نے کتنی احتیاط کی تھی پھر بھی وہ پکڑی گئی۔ اب ریان سے جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"وہ.... میں حماد کے سیکرٹری اسد کو ٹریس کرنے گئی تھی۔ میں نے اس کی جیب میں آڈیو ڈیوائس ڈال دی ہے جس سے اب ان کی باتیں مجھ تک پہنچ سکیں گیں۔" اس نے نظریں جھکا کر ڈرتے ہوئے بتایا تھا۔

"کیا؟..... تم حماد کے سیکرٹری تک پہنچ گئی اور مجھے بتایا تک نہیں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اس سے تمہاری جان کو کتنا خطرہ ہو سکتا ہے۔" وہ یکدم ہی غصے میں آ گیا تھا اور اسے کندھوں سے تھام کر پوچھ رہا تھا۔

"میں نے خود یہ کام نہیں کیا بلکہ کسی سے کروایا ہے۔" وہ جیسے اسے تسلی دے رہی تھی۔

"تو تم یہ بات مجھے بھی بتا سکتی تھی دیا!۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تمہارا ساتھ دوں گا پھر بھی تم نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا۔... کیوں دیا؟"

"کیوں کہ میں تمہیں خطرے میں نہیں دیکھ سکتی۔ اگر میں تمہیں بتا دیتی تو تم یہ کام خود کرتے اس بات کی پرواہ کیے بنا کہ وہ لوگ تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ اور مجھے تمہارا ساتھ نہیں بلکہ تمہاری جان عزیز ہے۔" آخری بات

جو بے دھیانی سے اس کے منہ سے پھسلی تھی ریان کے دل کو اندر تک خوشی سے سرشار کر گئی تھی۔بظاہر تو یہ ایک عام سا جملہ تھا لیکن اس جملے کو ادا کرنے والا سپیشل تھا۔سارا غصہ پل بھر میں اڑن چھو ہو گیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ مچلی تھی۔عانیہ نے اسے مسکراتے دیکھا تو آنکھیں بند کر کے زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"اور اگر میں تمہیں اپنا ساتھ بھی ہدیے میں دینا چاہوں تو؟"ریان کی دلکش اور گھمبیر آواز نے اس کے دل میں ہل چل مچ گئی تھی۔۔جیسے سمندر کی لہروں کی ہوتی ہے۔

"تم جاؤ یہاں سے۔"وہ اپنے کندھے چھڑواتی رخ بدل گئی تھی۔ریان نے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکاتے ہوئے سرد آہ بھری تھی۔

"تم کبھی بھی میری کسی بات کا جواب سیدھی طرح نہیں دو گی۔یہ تو طے ہے۔"

"تم باتیں ہی فضول کرتے ہو۔"وہ لڑنے والے انداز میں بولی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ.....تمہیں میری ساری باتیں فضول لگتیں ہیں یا صرف رومینٹک"وہ شرارت کے بولا تو عانیہ نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔

"ریان....."

"جی"

"تم نہایت ہی......"اتنا کہہ کر وہ اس کے کندھے پر مکے مارنے لگی تھی۔

"ایک تو تم ہر ملاقات کو لڑائی پر ختم کرتی ہو دیا۔...اچھا سوری ناراض مت ہو۔"وہ اسے مناتے ہوئے بولا۔اور عانیہ کی خفگی پل بھر میں ہی برف کی طرح پگھل گئی تھی البتہ وہ کچھ بولی نہیں تھی۔

"چلو پھر سے دوستی کر لیتے ہیں۔" ریان نے کہہ کر اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا تو عانیہ کے دل نے شور مچا کر اس کا ہاتھ تھامنے کی ضد کی تھی۔ بے اختیار ہی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی تھی اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ آنکھیں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا تھا اور یہ احساس اس کو مسرت سے شادماں کر گیا تھا کہ ریان اس کا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کے چراغ دیکھ چکی تھی وہ اور اب خود کو دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی سمجھنے لگی تھی۔ اس نے نگاہیں جھکا کر تذبذب سے اپنا ہاتھ بڑھا کر ریان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ ریان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی جیسے اسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے کبھی انکار نہیں کر سکے گی۔ اس نے کھینچ کر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے سینے سے لگا لیا تھا۔ عانیہ کو لگا تھا کہ اس کے سارے دکھ ختم ہو چکے ہیں۔ دل اداسی کی قید سے نکل کر خوشیوں کی فضا میں آ چکا ہے۔ جہاں اسے کوئی ڈر نہیں بلکہ ایک تحفظ کا احساس ہے۔ بالآخر وہ مان ہی چکی تھی کہ وہ ریان سے محبت کرنے لگی ہے۔ اور یہ پہلی شکست تھی جسے تسلیم کرتے ہوئے اسے کوئی غم نہیں ہوا تھا۔

---

وہ حدیقہ کے گھر پہنچیں تو عمرینہ نے گرمجوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا تھا اور ان کے آنے پر بہت زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔ حریم اور رنیم نے آنٹی عمرینہ کو گفٹ بھی دیا اور عمرینہ نے خوشی سے ان کے گال چومے تھے۔ رنیم کی طبیعت بھی کچھ خراب ہو رہی تھی تو عمرینہ کسی اپنے کی طرح اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ حدیقہ حریم کو اپنا گھر دکھانے کیلیے اوپر گئی ہوئی تھی جبکہ عمرینہ نے رنیم کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا کیونکہ اس وقت اس کی سانس میں مسلہ ہو رہا تھا۔

"اچھا کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ۔" عمرینہ نے پیار سے پوچھا تھا۔ انہیں یہ معصوم اور چپ چپ سی لڑکی سے ایک خاص انسیت محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا؟" وہ نروس سی بولی تھی۔

"تمہاری ایجوکیشن کیا ہے؟"

"میں نے بیماری کی وجہ سے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ پرائمری کے بعد چھوڑ دیا تھا۔" اسے لگا تھا کہ عمرینہ آنٹی اب اسے ان پڑھ اور جاہل سمجھیں گیں لیکن انہوں نے اس بات کی بجائے اس کی بیماری پر ردعمل ظاہر کیا تھا۔

"تو یہ بیماری تمہیں بچپن سے ہے۔ تم نے علاج کیوں نہیں کروایا؟" عمرینہ نے تعجب سے پوچھا۔ وہ کچھ دیر کیلیے چپ سی رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی تھی۔ پرانی تلخ یادیں زہن میں چلنے لگیں تھیں۔

"ماما بابا کی ڈیتھ ہو گئی تھی اس لیے میں ننھیال میں رہتی تھی انہوں نے میرا علاج نہیں کروایا۔" وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر کہہ رہی تھی۔

"تو تمہارا بھائی کہاں تھا؟" عمرینہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"وہ ددھیال میں تھے۔ میرے ماموں نے ان سے جھوٹ بول دیا تھا کہ میں مر چکی ہوں اس لیے انہیں میرے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔"

"کیا وہ کبھی اپنے ننھیال نہیں گیا جو اسے تمہارے زندہ ہونے کی خبر بھی نہیں تھی؟"

"نہیں بڑوں کی آپس میں لڑائی چل رہی تھی اس وقت۔ میرے چاچو نے ریان بھائی کو کبھی وہاں آنے ہی نہیں دیا۔" وہ محتاط انداز میں بتا رہی تھی۔ لیکن اسے اس طرح اپنا دکھ شئیر کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"تو پھر تم اس سے کب ملی تھی؟"

"کچھ عرصہ پہلے ہی میں نے ان کو فون کیا تھا۔ تو وہ مجھے وہاں سے لے آئے۔ اب وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"اچھا تو حریم کا تم لوگوں سے کیا تعلق ہے؟"

"وہ ایک حادثے میں اپنے والدین سے بچھڑ گئی تھی اور عانیہ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ جب تک اس کے پیرنٹس کا پتہ نہیں چلتا وہ یہیں رہے گی۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔ یہ بات عانیہ نے سب کو سمجھائی تھی کوئی بھی حریم کے بارے میں پوچھے تو یہی بتانا ہے۔ عمرینہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ اب مطمئن ہو چکی تھی۔

"ماما..... ماما!" وہ دونوں ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ اس آواز نے رینم کو چونکایا تھا۔ وہ عمیر کی آواز تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔

"کیا بات ہے عمیر؟" عمرینہ نے وہیں لاؤنج سے اسے آواز دی تھی۔

"ماما مجھے اپنی بلیک فائل نہیں مل رہی....." وہ جھنجھلا کر کہتا لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور رینم کو وہاں بیٹھ دیکھ کر یکدم ٹھٹکا تھا لیکن ایک پل سے زیادہ اسے نہیں دیکھ سکا تھا اور عمرینہ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"ماما میری فائل ڈھونڈ دیں۔" وہ رینم کو پوری طرح نظر انداز کر کے بولا تھا اور یہ بات رینم کے دل میں کہیں اندر چبھی تھی لیکن اس نے خود کو یہ سمجھا کر مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کونسا اسے جانتا ہے۔ جو اسے کوئی خاص اہمیت دے گا۔

"بچے بری بات۔ مہمان کو دیکھ کر سلام کرنا چاہیے۔" عمرینہ نے عمیر کو ڈپٹ کر کہا تو وہ سٹپٹا گیا تھا۔ رینم بھی نروس سی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"اسلام علیکم" عمیر نے ایک نظر اسے دیکھ کر روکھے سے انداز میں سلام کیا تھا۔ اور وہ اسی پر خوش ہو گئی تھی۔ لیکن آگے سے کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

"ماما جلدی کریں نا۔ پلیز۔ مجھے اس فائل کی بہت ضرورت ہے۔" وہ عمرینہ سے کہتا تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ عمرینہ نے معذرت خواہانہ انداز میں رینم کو دیکھا تھا۔ اس نے مسکرا کر انہیں تسلی دی تھی۔ ان کے جانے کے

بعد وہ بہت دیر تک خوشی کے حصار میں رہی تھی۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے بھی وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور چپ چپ سی تھی جسے حدیقہ اور حریم نے محسوس کر لیا تھا۔

---------------------------

سہ پہر ہو چکی تھی اور موسم بھی قدرے خوشگوار ہو چکا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کانوں میں ہیڈ فون لگائے اپنے لیپ ٹاپ پر حماد اور اس کے سیکرٹری اسد کی باتیں سننے کیلیے بالکل تیار بیٹھی تھی۔

اس نے ساڑھے دس بجے سے ہی آڈیو کا اسٹیٹس آن کر لیا تھا اور ریان کے ساتھ ان کی باتیں سننے لگی تھی۔ لیکن ابھی تک اسے کچھ کام کی بات نہیں ملی تھی۔ پہلے اسد نے حماد کو سیاسی حالات پر بریفنگ دی تھی۔ اور ایک گھنٹے تک کچھ سیاسی کارکنوں کے مسلوں کو بیان کرتا رہا۔ پھر ایک سیاسی شخصیت سے میٹنگ کا وقت بتایا تھا جو سہ پہر چار بجے کا تھا۔ حماد نے اسے چار بجے تک کی چھٹی دے دی تھی اور وہ پھر ہسپتال چلا گیا تھا۔

اب ان کے پاس چار بجے تک کا وقفہ تھا تو انہوں نے ڈیوائسز آف کر دی۔ رینم، حدیقہ اور حریم کے آنے کا بھی وقت ہو چکا تھا اس لیے ریان اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ تو عمیر نے اسے کال کی تھی۔

"میں اور وہاب ویک اینڈ منانے بیچ پر جا رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ پہلے کسی ریسٹورنٹ میں لنچ بھی کر لیں گیں۔" عمیر نے اتنے خلوص سے دعوت دی تھی کہ وہ منع نہیں کر پایا تھا اور اب ان دونوں کے ساتھ بیچ پر انجوائے کر رہا تھا۔ حریم، رینم اور حدیقہ حسب معمول ایک کمرے میں بیٹھیں ڈرامے دیکھ رہیں تھیں۔ حدیقہ گھر سے آتے ہوئے اپنا لیپ ٹاپ لے آئی تھی کیونکہ عانیہ کا لیپ ٹاپ فارغ نہیں تھا۔

بہزاد شاہ کے ساتھ حماد کی میٹینگ شروع ہو چکی تھی اور جیسے جیسے وہ سنتی جا رہی تھی اس کا دماغ سن پڑتا جا رہا تھا۔ بہزاد ایک ملک دشمن گینگسٹر تھا۔ کراچی کے ایک حلقے کا ایم این اے تھا اور حکومت میں ایک خاص سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ حماد اس کے سامنے جی جی کرتا نہیں تھک رہا تھا۔ یقیناً اسی کے لیے کام کرنے پر حماد کو اتنی دولت

ملی تھی۔وہ لوگ منشیات اور بھاری اسلحے کی سمگلنگ کے بارے میں بات کر رہے تھے۔اس کے علاوہ چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کے اغوا اور سمگلنگ کرنا،نوجوانوں کو غیر قانونی طریقے سے ملک کی سرحدیں پار کروانا،اور پولیس آفیسرز کو اپنے قابو میں کرنا ان کا مقصد تھا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔میں کل نہیں تو پرسوں تک مال آپ تک پہنچادوں گا۔اصل میں چھوٹے پولیس آفیسرز کو خریدنا اتنا مشکل کام نہیں لیکن وہ ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک......وہ میرے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے ہر جگہ ناکے لگوادیے ہیں۔میں نے اسے خریدنے کی کوشش تو بہت کی ہے لیکن وہ بھی پچھلے ڈی آئی جی کی طرح بہت ایماندار ہے۔مجھ سے تعاون کرنے کی بجائے میرے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہا ہے۔"

"تو تم نہیں جانتے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے نمٹا جاتا ہے۔اگر لالچ سے نہیں مانتے تو مجبور کر کے کام نکالو۔اس کی کوئی کمزوری ڈھونڈو۔میں نے پہلے ہی تمہیں سمجھایا تھا کہ ڈی آئی جی صفدر کو قتل نہ کرواؤ بلکہ اس کی بیٹی کو اغوا کروالو۔پھر وہ تمہارے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کرے گا لیکن تم نے میری ایک نہیں مانی اور انتقام کی آگ میں اسے قتل کروادیا۔اب اس دوسرے ڈی آئی جی کو بھگتو۔"بہزاد سخت لہجے میں بول رہا تھا۔تجسس کے مارے عانیہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔اب وہ لوگ کیا کرنے والے تھے؟کیا ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کو بھی قتل کروادیا جائے گا یا اسے کسی اور طرح سے ٹارچر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

"اسے زیادہ دیر بھگتنا نہیں پڑے گا۔اس کی کمزوری میں نے تلاش کر لی ہے۔اور وہ بہت جلد ہماری مٹھی میں ہو گا۔"حماد نے مغرور لہجے میں کہا تھا اور عانیہ یکدم ٹیک چھوڑ کر آگے کو ہو کر بیٹھی تھی۔

"اچھا وہ کیسے؟"

"اس کی بھی ایک جوان بیٹی ہے۔بہت مشہور آرچیٹیکٹ ہے۔اگر ہم اسے اغوا کروالیں تو کام بن سکتا ہے۔"

"تو پھر انتظار کس بات کا کر رہے ہو۔جلدی سے یہ کام کرو اور مجھے رپورٹ کرو۔"

"وہ لڑکی اس وقت اسٹیٹ ریوینیو روڈ کی ایک کنسٹرکشن سائیٹ پر ہے۔ لیکن ہم سب ایمپلائز کی چھٹی تک اسے اپروچ نہیں کر سکتے۔ اطلاع کے مطابق ساڑھے چار بجے سب چلیں جائیں گے البتہ وہ لڑکی پانچ بجے تک وہیں رہے گی۔ میں ابھی بندوں کو آرڈر کر دیتا ہوں۔ وہ آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔" یہ آواز اسد کی تھی جو بڑے فخر سے اپنے کام کی تفصیل بتا رہا تھا جبکہ عانیہ پوری طرح الرٹ ہو چکی تھی۔ اب بس اسے کنسٹرکشن سائیٹ کی ایگزیکٹ لوکیشن معلوم ہو جائے سہی۔ وہ دعا کرتی انتظار کر رہی تھی۔ اسد نے کچھ دیر بعد کسی کو فون کیا تھا اور کنسٹرکشن کمپنی کی لوکیشن بتاتے ہوئے آرڈر دیا تھا کہ وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچیں اور جس لڑکی کی تصویر وہ انہیں سینڈ کر رہا ہے اس کو اغوا کر لائیں۔ پانچ اسلحہ بردار آدمیوں کو ساتھ لے کر جانے کا کہا تھا تاکہ کوئی اگر کوئی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑے تو لڑنے کے لیے فورس تو ہونا۔ اور آج انہیں واقعی مشکل حالات پیش آنے والے تھے۔

عانیہ نے ہیڈ فون کانوں سے اتارے اور گوگل میپ سے اس کنسٹرکشن کمپنی کو سرچ کیا تو اس کا فاصلہ اس کے گھر سے پینتالیس منٹ کا تھا۔

"اوہ نو۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا اور وہ اپنے حواس کو کنٹرول کرتی تیزی سے اٹھی تھی۔ بھاگ کر جلدی میں بلیک ہائی ہیل شوز ہی پہن لیے۔ وہ اس وقت صبح والے ہی کپڑوں میں تھی بلیک ہائی نیک سلیو لیس شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس بالوں کی اونچی پونی باندھے وہ فل فارم میں لگ رہی تھی البتہ جیکٹ اتاری ہوئی تھی اور اب اسے پہننے کا وقت بھی نہیں تھا۔ دروازہ کھول کر بھاگتی ہوئی وہ مام ڈیڈ کے کمرے میں پہنچی اور اندر داخل ہو کر سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ تیسرے دراز میں اسے ایک پسٹل مل گیا تھا جو اس کے ڈیڈ کا تھا۔ پسٹل کو جینز کی بیلٹ میں ٹکاتے وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج سے گزرتی لان میں بنے پورچ کی طرف بڑھی تھی۔ بانو نے

اسے تیزی سے باہر جاتے اور گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تو بھاگتی ہوئی اندر کمرے میں آئی جہاں وہ تینوں بیٹھی ڈرامہ دیکھ رہیں تھیں۔

"بی بی جی۔" وہ زور سے چلائی تو سب نے چونک کر اسے دیکھا اور ہیڈ فون کانوں سے اتار دیے۔

"بی بی جی وہ..... عانیہ بی بی کہیں جا رہی ہیں۔" بانو ہانپتے ہوئے بتانے لگی تھی۔ تینوں حیران و پریشان رہ گئی تھیں۔

"کیا؟..... کہاں جا رہی ہے؟" حدیقہ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ میں نے انہیں جلدی میں بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب تک تو وہ جا بھی چکی ہوں گی؟" بانو نے کہا تو تینوں باہر کو بھاگیں تھیں اور دیکھا تو گیٹ بند ہو رہا تھا یعنی گاڑی نکل چکی تھی۔

"اب کیا کریں؟" حریم نے مایوسی سے پوچھا۔

"ریان بھائی کو کال کرتے ہیں۔" ریئم نے مشورہ دیا تو حریم نے جلدی سے ریان بھائی کو فون کر کے عانی آپی کے کہیں جانے کے بارے میں بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"ایسے کہاں جا سکتی ہے۔ تم لوگوں کو کچھ تو بتایا ہو گا نا۔"

"نہیں بتایا۔ بانو نے انہیں تیزی سے جاتے دیکھا تو ہمیں بتا دیا۔"

"اچھا میں پہنچ رہا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ اسے شاید کوئی ضروری کام ہو گا۔" ریان نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے ڈیوائس سے حماد کی باتیں سن لی ہوں گیں اور پتہ نہیں کونسی ایسی بات تھی کہ کسی کو بتائے بغیر ہی چلی گئی۔ حالانکہ اس نے وعدہ بھی کیا تھا کہ اسے بتائے بغیر کچھ نہیں کرے گی۔ کچھ تو تھا جس نے عانیہ کو ایک دم سے کہیں جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا وہ پھر سے خطرے میں جا چکی تھی۔ نہیں۔ یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ اس کی دیا پھر سے کسی خطرے میں ہے۔ عمیر اور وہاب بھی اس کے ساتھ ہی گھر آئے تھے۔ عانیہ کا

لیپ ٹاپ چیک کیا تو اسے لاک لگا ہوا تھا۔وہاب نے اسے ہیک کر کے لاک توڑ دیا اور اب وہ ڈیو اس کی ریکارڈنگ سن رہے تھے۔

------------------------

اس نے پینتالیس منٹ کا سفر پورے اٹھائیس منٹوں میں طے کیا تھا یعنی وہ ان اغواکاروں سے دو منٹ پہلے پہنچ چکی ہے۔شکر کا سانس بھرتی وہ گاڑی سے نکلی اور سڑک کے دائیں جانب کنسٹرکشن کمپنی کے داخلی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھی تھی۔اردگرد کچھ زیر تعمیر عمارتیں اور کھلے میدان نظر آرہے تھے۔گیٹ کے پاس ایک بوڑھا چوکیدار تھا۔جو اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"اُفف....پہلے اس سے بھی نمٹنا پڑے گا۔" وہ جھنجھلا کر سوچنے لگی۔اب اگر وہ اس کو یقین دلاتی رہتی کہ وہ اس لڑکی کو بچانے کے لیے آئی ہے تو پھر ہو گیا تھا کام!....وہ پچھلی طرف بیلٹ کے ساتھ لگی پسٹل پر ہاتھ جماتی اس آدمی کی طرف بڑھی تھی جو ہاتھ میں بندوق پکڑے حیرت اور اچنبھے سے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اس سے کوئی سوال پوچھتا عانیہ نے اس کی بندوق پر بائیاں ہاتھ جماتے ہوئے گھومی تھی اور دائیں ہاتھ میں پکڑی پسٹل اس کے سینے پر گردن کے پاس دے ماری۔وہ آدمی ایک ہی وار سے تیورا کر نیچے گر پڑا تھا۔عانیہ نے ادھر ادھر دیکھا تو داخلی دروازے کے پاس ایک بڑا سا گلدان رکھا نظر آیا تھا۔اس نے آدمی کو کالر سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اسے گلدان کے پیچھے خالی جگہ پر لٹا دیا تھا۔پھر ایک نظر اس ویران سڑک پر ڈالتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔وہ پر تعیش سی تین منزلہ عمارت تھی۔سارا عملہ جا چکا تھا البتہ ریسیپشن پر ایک لڑکی کان اور کندھے کے درمیان ٹیلی فون کا ریسیور دبائے فائل پلٹتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔عانیہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا تھا۔

"سنیں مس!..... کہاں جارہیں ہیں آپ؟" وہ عانیہ کو دیکھتے ہی ریسیور رکھ کر حیرت سے پوچھنے لگی۔ عانیہ آگے جانے کی بجائے اس کی طرف آئی تھی۔

"سارا اسٹاف چلا گیا ہے کیا؟" اس نے لڑکی کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"ہاں لیکن آپ.....؟"

"سنو لڑکی!..... اپنی جان بچانا چاہتی ہو تو ایک منٹ کے اندر اندر یہاں سے غائب ہو جاؤ۔" عانیہ نے پسٹل والا ہاتھ اس لڑکی کے سامنے کرتے ہوئے رعب دار لہجے میں کہا تو وہ اندر تک کانپ اٹھی تھی۔ اس کے حواس ایسے جواب دے گئے تھے کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی اپنا پرس بھی وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ عانیہ نے نیچے والی منزل کے سارے کمرے چیک کیے تھے لیکن وہاں عریج نہیں تھی۔ وہ دوسری منزل پر آئی تو دور سے ہی اس کا آفس روم نظر آگیا تھا جس کے گلاس ونڈو سے وہ میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف دوڑی تھی اور دروازے کو دھکیلتی اس کے سر پر جا پہنچی تھی لیکن عریج میز پر جھکی نقشوں کے ڈیزائن بنانے میں اتنی مگن تھی کہ اس کے آنے کا پتہ بھی نہ چل سکا۔

"مس عریج....!" اس نے میز پر ہاتھ زور سے ہاتھ مارا تو عریج چونکنے کے ساتھ ایک دم سے ڈر گئی تھی۔ اور سامنے ایک چھوٹی سی لڑکی کو دیکھ کر شکر کا سانس لیا تھا۔

"کون ہو تم؟" ڈر ختم ہوا تو غصہ کرنے کا ہوش آیا تھا۔

"چلو میرے ساتھ" عانیہ نے اسے پسٹل دکھاتے ہوئے کہا تو وہ ڈر اور حیرت کے مارے گنگ ہو گئی تھی۔ عانیہ کے پاس اسے سمجھانے کے لیے وقت نہیں تھا اس لیے اسے پسٹل سے ڈرا کر بات منوانی چاہی لیکن یہاں تو الٹا حساب ہو گیا تھا۔ عریج تو وہیں فریز ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اکتا کر سر جھٹکا، عریج کی کلائی پکڑ کر کرسی سے اٹھایا اور اپنے ساتھ گھسیٹتی باہر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔کون ہو تم ؟....اور مجھے اس طرح اپنے ساتھ کیوں لے کر جا رہی ہو۔" ابھی وہ دروازے کے پاس ہی پہنچی تھی کہ عریج مراقبے سے جاگ پڑی تھی اور اپنا بازو چھڑاتی خوف سے چلائی تھی۔عانیہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو.....میرے پاس تمہارے سوالوں کے جواب دینے کا وقت نہیں ہے۔اگر زندگی پیاری ہے تو چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔"

"تم مجھے جانتی نہیں ہو شاید۔میں ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی بیٹی ہوں اگر مجھے ہاتھ بھی لگایا ناتو ساری زندگی جیل میں سڑو گی تم" عریج نے دھمکی دی تو عانیہ ذرا سی مسکرائی تھی۔

"تم چلو گی یا نہیں ؟" اس نے آگے بڑھ کر عریج کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تاثر تھا کہ عریج کو اس کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا تھا۔

"چ....چلتی ہوں۔بیگ تو لے لوں" وہ میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تو عانیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔وہ شولڈر کٹ بالوں والی سرخ فراک میں ملبوس پچیس سال کی خوبصورت سی لڑکی تھی۔

"لے لو" اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو عریج بھاگتی ہوئی میز کی طرف بڑھی اور پرس کے ساتھ ساتھ انار کے جوس کی بوتل بھی اٹھالی تھی جو وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتی تھی۔عانیہ کو حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کو یہ بیگ اور ایک جوس کی چھوٹی سی بوتل اپنی زندگی سے پیاری ہے۔لیکن اب یہ حیرت ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔عریج کے پاس آتے ہی اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کھول کر تیز قدموں سے چلتی باہر سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی لیکن اچانک ہی دو جوان آدمی ہاتھوں میں پسٹلز پکڑے سیڑھیوں سے چڑھتے ان کے سامنے آگئے تھے۔اور ان دونوں کو دیکھ کر پسٹلز ان کی طرف تان لی تھیں۔ان کے چلتے قدموں کو بے اختیار بریک لگی تھی اور عانیہ نے عریج کو

اپنے پیچھے کر لیا تھا۔ عریج کو تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ کیا یہ آدمی بھی اس لڑکی کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ لیکن وہ اسے بچانے کے لیے اپنے پیچھے پناہ کیوں دے رہی تھی؟ یہ بات حیرت کا باعث تھی۔

"سر یہاں ایک دوسری لڑکی بھی ہے۔" ایک آدمی نے کان میں لگے آلے کو دباتے ہوئے کہا تو عریج کو سمجھ آئی کہ یہ لڑکی ان آدمیوں کے ساتھ نہیں تو پھر یہ کون تھی اور اسے کیوں بچا رہی تھی۔

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو اس آدمی نے سر ہلا دیا۔

"لڑکی اگر اپنی جان بچانا چاہتی ہو تو بھاگ جاؤ یہاں سے.....۔ ہٹو اس لڑکی کے سامنے سے ورنہ شوٹ کر دوں گا۔" وہ گرجدار آواز میں بولا تو عریج سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی تھی۔ وہ لوگ اسے لینے آئے تھے اور یہ لڑکی اپنی جان کی پرواہ کیے بنا اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی تھی۔ اس نے دعا کی تھی کہ کاش یہ لڑکی اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر مت جائے۔

"نیچے بیٹھ جاؤ" عانیہ نے سامنے دیکھتے ہی ذرا سا پیچھے ہو کر سرگوشی کی تھی اور وہ جلدی سے نیچے ہو گئی تھی۔ دونوں آدمیوں نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"تو تم ایسے نہیں مانو گی۔"

"دیکھو اس لڑکی کو جانے دو۔ اس کی جگہ میں تم لوگوں کے ساتھ چلتی ہوں" عانیہ نے اعتماد سے کہا تو وہ دونوں آدمی بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

"اچھا تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میرے لیے تو کسی کا قتل کرنا چیونٹی مسلنے کے برابر لگتا ہے۔" وہ آدمی مغرور لہجے میں بولتا ٹریگر دبا گیا تھا اور عانیہ لمحے کے ہزارویں حصے کے اندر نیچے ہوئی تھی۔ عریج کی بے ساختہ چیخ نکلی تھی اور وہ دونوں آدمی گولی کے نشانے کو خالی جاتے دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب چکے تھے۔ ان کی غفلت کا یہی لمحہ عانیہ نے غنیمت جانا تھا اور بائیں ہاتھ سے عریج کی جوس کی بوتل کو اچکتے ہوئے اوپر اٹھی تھی۔ دائیں ہاتھ

سے پسٹل کو دوسرے آدمی پر تان کر اس کے بازو پر گولی ماری اور بائیں ہاتھ میں پکڑی بوتل گھما کر پہلے آدمی کے ہاتھ پر دے ماری اور اس کے ہاتھ سے پسٹل نیچے جا گری تھی۔ دوسرے آدمی کو بھی اس بازو پر گولی لگی تھی جس سے اس نے پسٹل پکڑی تھی سو اب دونوں اسلحے سے محروم ہو چکے تھے۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ بوکھلا کر رہ گئے تھے۔ ایک تو ویسے ہی گر چکا تھا جبکہ دوسرا حواس باختہ ہو کر عانیہ کو دیکھ رہا تھا۔ عانیہ دو قدم آرام سے چل کے اس آدمی کے قریب آئی تھی۔

"آئندہ یاد رکھنا چیونٹیاں بھی کبھی کبھی جان لیوا ثابت ہو جایا کرتی ہیں۔" وہ مسکرائی تھی اور گھوم کر اس کے سینے پر اپنا پاؤں مارتے ساتھ ہی اس کا بازو پکڑ کر مروڑ گئی۔ جب وہ مڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ چکا تو عانیہ نے دائیں ہاتھ میں پکڑی پسٹل کے دستے سے اس کی گردن پر وار کر کے بے ہوش کر دیا۔

وہ مڑ کر عریج کی طرف آئی جو اسے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

"تت.... تم نے یہ کیسے کیا؟" وہ خوف کے مارے ہکلا کے بولی تھی۔

"ایک تو تم سوال بہت پوچھتی ہو۔ جلدی چلو میرے ساتھ۔" عانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا اور ساتھ لیتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ سامنے ہی بڑے سے ہال میں انہیں چار لوگ کھڑے نظر آئے تھے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں پسٹل تھی اور باقی تینوں کو شاید عار محسوس ہوئی تھی کہ ایک لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے پسٹل کی مدد کیوں لیں بھلا۔ وہاں پاس ہی ریسیپشن کاؤنٹر تھا۔ عانیہ نے عریج کو اس کے پیچھے دھکیل دیا تھا اب وہ آسانی سے لڑ سکتی تھی۔ چاروں آدمی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

وہ لوگ آڈیو ڈیوائس سے فائر کی آواز اور پھر کسی لڑکی کے بولنے کی آواز تو پہلے ہی سن چکے تھے لیکن اس وقت انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ لڑکی ان کے دو آدمیوں سے بچ کر نکل سکے گی۔ عانیہ قدم قدم چلتی سب سے آگے کھڑے آدمی کے سامنے جا رکی تھی جس کے ہاتھ میں پسٹل تھی۔

"کون ہو تم؟" اس آدمی نے اچنبھے سے پوچھا۔

"میں مس عریج کی باڈی گارڈ ہوں۔ تم لوگوں کو ان کی طرف بڑھنے سے پہلے میرا سامنا کرنا ہو گا۔" عانیہ اپنے اسی ازلی اعتماد سے بولی تھی اور ان لوگوں کو واقعی یقین ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی ان کے دو اسلحہ بردار آدمیوں کو شکست دے چکی ہے۔ اس نے سوچے سمجھے بغیر عانیہ پر گولی چلا دی۔ وہ یکدم نیچے گری تھی اور اس آدمی نے سمجھا تھا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ لیکن گولی خطا گئی تھی اور عانیہ نے لیٹے ہی اس پر گولی چلا دی۔ اس کے پسٹل پکڑے بازو پر گولی لگی تھی اور وہ چیختا ہوا پیچھے گرا تھا۔ پیچھے کھڑے تین لوگوں کو تو سمجھ ہی نہیں آئی تھی کہ یہ ہوا کیا ہے۔ اپنے ساتھی کو گرتے دیکھ کر وہ ہوش میں آئے تھے۔

"اگر بھاگے تو جان سے جاؤ گے۔" وہ ان تینوں پر پسٹل تانتے ہوئے بولی تھی۔ وہ انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتی تھی اور گولی بھی نہیں چلانا چاہتی تھی۔ پہلے دو آدمی زخمی ہو گئے تھے۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو وہ پسٹل کا استعمال نہ کرتی لیکن اپنی زندگی بھی تو بچانی تھی اسے۔

وہ تینوں آدمی اپنی جگہ پر ساکت رہ گئے تھے۔ بے بسی سے انہیں ذلت تو محسوس ہوئی تھی لیکن جان زیادہ پیاری تھی۔

"دیکھو لڑکی یہ پسٹل نیچے کرو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔" ایک نے چالاکی سے کہا تو عانیہ طنزیہ مسکرائی۔ وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں تھے ہی کب۔ اسے قابو کرنے کیلیے چال چل رہے تھے اور عانیہ بھی تو یہی چاہتی تھی۔ اس نے پسٹل کو پیچھے کی طرف پھینک دیا۔ وہ اس کی بہادری پر حیران تو ہوئے لیکن جلد ہی سنبھل کر اس کی طرف جارحانہ انداز میں بڑھے۔ دو آگے تھے اور ایک ان کے پیچھے تھا۔ عانیہ نے دائیں جانب سے آتے آدمی کے اپنی طرف بڑھتے ہاتھ کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور اپنی طرف زور سے کھینچتے ہوئے سائیڈ سے گزار کر زمین پر دھکیل دیا۔ وہ منہ کے بل اندھا گرا تھا اور کچھ لمحوں کے لیے اسے سمجھ ہی نہیں آیا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا

ہے۔دوسرے کا وار اس نے جھک کر خطا جانے دیا اور اٹھتے ہوئے اچھلی تھی۔ گھوم کر اس کے منہ اور سینے پر پاؤں مارے اور اسے پیچھے کی جانب گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اتنے میں پیچھے گرا شخص بھی سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور سامنے والا بھی اس کے سر پہنچ گیا تھا۔اس نے آگے والے کے دو مکے اپنی کلائیوں پر روکے تو پیچھے والے نے اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے جکڑ لیا۔اسے تو لگ سخت غصہ گیا۔بازو اوپر اٹھا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے اس نے دونوں ٹانگیں اٹھائیں اور سامنے والے کے سینے پر دے ماریں۔وہ اچھل کر پیچھے جا گرا اور اسے پکڑنے والے شخص کا توازن بھی کھو گیا۔ نتیجتاً اس کی گرفت بھی تھوڑی ڈھیلی پڑی اور عانیہ نے اسے جھٹکا دے کے پیچھے کی جانب دھکیلا۔وہ کمر کے بل زور سے زمین پر گرا۔عانیہ نے پلٹ کر اسے نفرت سے دیکھا۔وہ کافی موٹا اور صحت مند آدمی تھا اسی لیے عانیہ کچھ دیر کیلیے اس کی گرفت میں آگئی تھی اور اس بات کا غصہ اس نے اس آدمی کے چہرے پر دو مکے مار کر نکالا تھا۔اسے بے ہوش کرنے کے بعد وہ دوسروں کی طرف بڑھی جو ہوش میں ہونے کے باوجود اٹھ نہیں سکے تھے۔ایک ایک وار کر کے انہیں بھی بے ہوش کر دیا۔اب آگے پولیس جانے اور ان کا کام۔وہ پلٹ کر اپنی پسٹل کی طرف آئی جو اس نے پھینک دی تھی۔پسٹل اٹھاتے ہی اسے ڈیڈ کی یاد آئی تھی۔وہ مغموم سا مسکرا دی۔

کھیل ختم ہو چکا تھا۔وہ اپنے یقین پر پوری اتر چکی تھی اور اب فاتح بن کر ان سب کے درمیان کھڑی تھی۔اسے یقین تھا کہ وہ عریج کو بچا لے گی۔لڑنے کی وجہ سے بازوؤں میں ہلکا سا درد جاگ اُٹھا تھا۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو عریج کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔عانیہ درد کے باوجود مسکراتی اس کی طرف بڑھی تھی۔اور عریج روتے ہوئے اس کے گلے لگ کر رو پڑی تھی۔شاید وہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔اگر عانیہ اس کی مدد نہ کرتی تو اب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا یہی سوچ سوچ کر اس کے دل میں ہول سے اٹھ رہے تھے۔عانیہ اسے تسلی دیتی باہر

لے آئی اور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔جبکہ عریج اب بھی کانپتے ہوئے بری طرح رو رہی تھی۔

------------------------

گاڑی ویران اور کشادہ سڑکوں پر سے دوڑتی گھر کے سامنے آرکی تھی۔اس کے ہارن بجانے سے پہلے ہی گیٹ کھول دیا گیا تھا۔پورچ میں گاڑی کھڑی کی لیکن خلاف متوقع کوئی بھی باہر نہیں آیا تھا۔ہو سکتا تھا کسی کو اس کے یوں جانے کا پتہ ہی نہ چلا ہو۔اگر ایسا تھا تو پھر اس کے حق میں تو بہت ہی اچھا تھا۔اس نے سوچا۔عریج بھی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آچکی تھی۔اس کے چہرے پر ابھی بھی خوف کے آثار نمایاں تھے۔

"ریلیکس مس عریج۔آپ اب بالکل محفوظ ہیں۔یہ میرا گھر ہے۔آپ تھوڑی دیر کے لیے آرام کریں پھر اپنے فادر کو فون کر کے بلا لیجیے گا۔" عانیہ نے اس کے قریب آکر نرم لہجے میں کہا تو عریج نے احسانمندی سے اسے دیکھا۔

"شکریہ "وہ بھیگی آواز میں بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"مجھے آپ سے شکریہ نہیں بلکہ ایک فیور چاہیے۔"عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیسا فیور؟"وہ اچنبھے سے بولی۔

"آپ کو بچانے کے لیے میں نے چھ لوگوں سے فائٹنگ کی ہے اور دو کو تو شوٹ بھی کر دیا۔یہ بات میرے گھر والوں کو پتہ نہیں چلنی چاہیے۔اوکے "عانیہ نے بتایا تو عریج پہلے حیران ہوئی پھر تائیدی انداز میں مسکرا کر سر ہلا دیا۔

لان میں سے گزر کر وہ دونوں گھر کے داخلی دروازے کے سامنے پہنچیں تو وہ کھلا ہوا تھا۔عانیہ نے دروازہ دھکیل کر اندر جھانکا تو وہاں گہرا سناٹا تھا۔عانیہ کو یہ خاموشی طوفان سے پہلے کی خاموشی لگی تھی۔عریج کے اندر داخل ہونے

کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا اور ارد گرد دیکھتی آہستہ سے چلتی آگے بڑھنے لگی تھی۔ لاؤنج میں سے گزر کر دائیں جانب راہداری تھی جس میں ڈائننگ ہال تھا اور ساتھ ہی کچن تھا۔ لیکن کوئی بھی وہاں نہیں تھا۔ اس نے عریج کو ڈائننگ ہال میں بٹھایا اور خود کچن میں جا کر فریج میں سے جوس کی بوتل اٹھا لائی۔ عریج کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ کر اسے گلاس میں جوس ڈال کر دیا۔ تو وہ کانپتے ہاتھوں سے پکڑ کر پینے لگی۔ عانیہ نے دوسرا گلاس بھرا اور خود پینے لگی۔

"آپ کے گھر والے کہاں ہیں؟" عریج نے پوچھا۔ ابھی عانیہ نے جواب نہیں دیا تھا کہ بانو نے وہاں سے گزرتے اسے دیکھا اور یکدم ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ پھر الٹے پیروں بھاگتی عانیہ کے کمرے میں گئی تھی۔

"ابھی آجاتے ہیں" عانیہ کو پتہ تھا کہ بانو ان سب کو بتانے گئی ہے۔

\-----------------------

سب نے ایک گھنٹے اور بیس منٹ کی ریکارڈنگ سنی تھی اور سب ہی ساکت رہ گئے تھے۔ سب کو پتہ چل چکا تھا کہ عانیہ ڈی آئی جی کی بیٹی کو بچانے گئی ہے۔ ابھی انہیں ریکارڈنگ آف کیے ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ دھڑ سے دروازہ کھلا اور بانو گرتی پڑتی اندر داخل ہوئی تھی۔ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہ.......عانیہ بی بی آگئیں ہیں۔" اس نے اطلاع دی تو سب اس کی دوسری بات سنے بغیر باہر کی طرف بھاگے تھے۔

"آپی عانی" حریم تو دور سے چیختی ہوئی آئی تھی۔ عانیہ کا منہ تک جاتا جوس کا گلاس وہیں رک گیا تھا۔ اس نے بے اختیار تھوک نگلا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ حریم نے اس کے پاس آکر اسے گلے سے لگا لیا۔

"ارے کیا ہو گیا؟" وہ ایسے پوچھ رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لیکن حریم رو رہی تھی۔ اسے عمیر، وہاب، حدیقہ، رنیم اور پھر ریان اندر داخل ہوتے دکھائی دیے تھے۔ ان سب کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ وہ سب کچھ جان چکے ہیں۔ حدیقہ اور رنیم بھی روتے ہوئے اس کے گلے لگ گئیں تھیں۔

"کیوں اس طرح اچانک چلی گئی تھی تم؟ تمہیں پتہ ہے ہم سب کتنے پریشان تھے۔" حدیقہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے.... تم سب خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے ہو۔ ان سے ملو۔ یہ ہیں مس عریج مرتضیٰ۔" عانیہ نے ریان کی جانب دیکھا جو غصے کو ضبط کرتے ہوئے اسے گھور رہا تھا اس لیے اس نے بات بدلنی چاہی۔ سب کو پتہ تو پہلے ہی چل چکا تھا کہ یہ عریج ہی ہے جسے عانیہ بچانے گئی تھی اور کامیاب لوٹی تھی۔ سب کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی البتہ ریان کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ وہ یکدم اس کی جانب بڑھا تھا اور اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کیا تھا اور سب حیران سے دم سادھے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"کیسے پریشان نہ ہوں ہم؟.... ہاں۔ تم بغیر بتائے اکیلے ہی خطرے میں کود پڑی اور ہم پریشان بھی نہ ہوں۔ تمہیں نہ سہی ہمیں تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اب تم مجھے بتائے بغیر کچھ نہیں کرو گی پھر بھی تم نے کیا۔" وہ اس کے دونوں سے تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر چلایا تھا۔ سب اس کے استحقاق بھرے لہجے پر ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ عانیہ نے اس سے نگاہیں ہٹا کر سب کو ایک نظر دیکھا جو انہی کی طرف متوجہ تھے۔

"میرے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ میں کسی کو بتا سکتی۔ میں اسے ان لوگوں کے آنے سے پہلے وہاں سے نکالنا چاہتی تھی۔" اسے پتہ نہیں کیوں رونا آ گیا تھا۔ ریان نے اس کے کندھوں کو چھوڑ کر سر جھٹکا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟.... کہیں کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟" وہ نرم لہجے میں پوچھنے لگا تو سب کا شک یقین میں پکا ہو چکا تھا۔ اب وہ سب انہیں دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں..... میں نے تو فائٹنگ کی ہی نہیں پھر چوٹ کیسے لگے گی۔ ہم ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل آئے تھے۔........ بے شک مس عریج سے پوچھ لو۔" عانیہ نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے عریج کو بھی بیچ میں گھسیٹا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"ہ..... ہاں۔ ہم پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔" وہ ہکلاتے ہوئے نروس سے لہجے میں بولی تو عانیہ کا دل کیا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ ریان نے کمر پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے لب بھینچ کر اسے جتاتی نظروں سے گھورا تھا۔

"کتنے لوگ تھے وہ؟" ریان نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"چھ" اس نے ڈرتے ہوئے مختصراً بتایا۔ عریج حیران رہ گئی جو لڑکی چھ آدمیوں سے لڑ سکتی ہے وہ اس ایک شخص سے ڈرتی ہے۔ یقیناً یہ کوئی سپیشل تھا۔

"پسٹلز بھی ہوں گی ان کے پاس پھر؟"

"میرے پاس بھی تھی۔" عانیہ نے فخر سے بتایا اور پسٹل کو بیلٹ سے اتار کر اسے دکھایا۔ ریان تو گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔ پسٹل پکڑ کر اس کی بولیٹس چیک کیں تو دو کم تھیں۔

"تم نے کسی کو شوٹ کیا ہے؟" ریان حیرت سے پوچھ رہا تھا اور عانیہ نے معصومیت سے سر ہلا دیا۔

"کیوں؟"

"مجبوری تھی۔ وہ دو لوگ پسٹلز پکڑے کھڑے تھے تو میں کیا کرتی پھر۔ پہلے انہوں نے فائر کیا تھا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو سب نے مسکراہٹ دبائی جب کے ریان کے غصے کا پارہ ہائی ہو چکا تھا۔

"اور اگر تمہیں لگ جاتی تو؟"

"تو کیا....؟ دوسری طرف سے نکل جاتی۔" وہ جیسے اس کی کم عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سب اس کی بات پر تعجب سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"واٹ" ریان کو اس سے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔

"تم......ایک انتہائی ضدی، ہٹ دھرم اور پاگل...... عورت ہو۔" ریان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے ڈھیروں القابات سے نواز دے۔ لیکن اس کی ڈکشنری میں صرف اتنے ہی الفاظ تھے اس لیے اسے اور بھی غصہ آ رہا تھا۔

"کیا؟..... تم نے مجھے عورت کہا؟" عانیہ کو اور القابات کی پرواہ بھی نہیں تھی بس اسے عورت کیوں کہا۔ وہ تو ابھی بمشکل اٹھارہ سال کی ہی تو ہوئی تھی۔ غصے سے وہ بھی تلملا اٹھی تھی۔

"ہاں تو نہیں ہو کیا.....؟" ریان کو اب اسے چڑانے میں مزا آ رہا تھا۔ اس کو اتنا پریشان کیا تھا تو بدلہ لینے میں حرج ہی کیا تھا۔ عانیہ نے غصے سے لب کاٹے۔

"ٹھیک ہے۔ میں ہی پاگل ہوں۔ تمہاری ڈانٹ سنی۔ تمہیں اتنی صفائیاں پیش کیں اور تم سب کے سامنے میری انسلٹ کر رہے ہو۔" وہ سلگتے لہجے میں کہتی سچ مچ خفا ہو چکی تھی اور ریان کو اب احساس ہو رہا تھا کہ اسے دیا کو ناراض نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"ایک منٹ...... آپ لوگ میری وجہ سے مت لڑیں۔ میں ہی ساری فساد کی جڑ ہوں۔ آپ دونوں پلیز ناراض مت ہوں۔" عریج نے اٹھتے ہوئے کہا تو دونوں نے اسے دیکھا۔

"اوہ آپ پریشان مت ہوں مس عریج۔ اسے ناراض ہونے کیلیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں۔ جب دل کرے ناراض ہو جاتی ہے۔" ریان نے اسے تسلی دی۔

"پھر آپ اسے مناتے کیسے ہیں؟" عریج نے اشتیاق سے پوچھا تھا تو عانیہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی گڑبڑا گیا تھا۔ سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا اور عانیہ نے ریان کو کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے اسے منانے کی۔ خود ہی راضی ہو جاتی ہے۔" ریان نے لاپرواہی سے شانے اچکا کر کہا۔ عانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب کو بتائے کہ کیسے ایک دفعہ اس نے کان پکڑ کر معافی مانگی تھی لیکن مسلہ تو یہ تھا کہ وہ یہ بتا ہی تو نہیں سکتی تھی۔ سو اس کی بات کو نظر انداز کر دیا

"مس عریج آپ اپنے فادر کو فون کر لیں۔ وہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولتی کچن میں چلی گئی تھی۔ ریان نے لب بھینچ کر خود کو کوستے ہوئے سر جھٹکا۔ اسے سب کی معنی خیز خاموشی کی بجائے دیا کی خفگی ڈسٹرب کر رہی تھی۔ اب غصہ تو نکل چکا تھا لیکن دیا کو کیسے منائے گا اب۔

"ارے پریشان مت ہو یار۔ راضی ہو جائے گی وہ۔ غصہ کرنے کی بجائے شکر کرو وہ کامیاب واپس آ گئی ہے۔" عمیر نے اس کے قریب آکر اسے تسلی دی۔ وہ پھیکا سا مسکرا دیا۔

"اب بتاؤ میری پریڈیکشن سچ ثابت ہو گئی نا۔" حریم نے ریم سے سرگوشی کی تو اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ حدیقہ بھی ان کی بات سن کر مسکرا دی۔

"ویسے یہ لڑکی چینگ شو آنگ طرح دکھتی ہے نا۔" حریم نے عادت سے مجبور ہو کر کہا تھا اور دونوں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی تھی۔ اچانک عریج کا فون بج اٹھا تھا۔ اس نے بیگ میں سے فون نکال کر دیکھا تو بابا کی کال تھی۔

"عریج بیٹا......؟" اس نے کال اٹھائی تو مرتضیٰ ملک کی بے تاب سی آواز سپیکر میں گونجی تھی۔ حماد نے اپنے بھیجے گئے آدمیوں کا حشر دیکھے بنا ہی انہیں دھمکی آمیز کال کر دی تھی کہ ان کی بیٹی اس کے قبضے میں ہے سو اگر اس کی عزت پیاری ہے تو اس کے کاموں میں دخل اندازی نہ دیں۔ وہ یہ سن کر شاکڈ رہ گئے تھے۔ اور خود کو ایک بے

بس باپ تصور کر رہے تھے۔ پریشانی میں ہی انہوں نے عریج کے موبائل پر کال کی تھی تا کہ اسے اپروچ کیا جا سکے۔

"بابا" وہ رو پڑی تھی۔

"روؤ مت میرے بچے۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ میں ہوں نا۔ وہ لوگ تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں تمہارے پاس۔" وہ سخت لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"بابا..... وہ مجھے کوئی نقصان پہنچا بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ مجھے اغوا کر ہی نہیں سکے۔ میں بچ گئی ہوں بابا۔"

"کیا؟.... کیسے ؟" انہیں خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"وہ ایک لڑکی تھی جس نے مجھے ان لوگوں سے بچایا تھا۔ میں اس وقت اکیلی آفس میں تھی جب وہ لڑکی وہاں آئی اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے کر جانا چاہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ پھر جب وہ لوگ مجھے اغوا کرنے وہاں پہنچ گئے اور اس لڑکی نے چھ آدمیوں سے مقابلہ کر کے مجھے بچایا تو میں تب سمجھی تھی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ کیوں لے کر جانا چاہتی تھی۔ میں اب اسی کے گھر ہوں۔" اس نے پرجوش لہجے میں بتایا تو مرتضیٰ ملک کچھ دیر کیلیے تو ششدر رہ گئے۔ چھ آدمیوں سے فائٹنگ!.... اور وہ بھی ایک لڑکی۔ ناممکن۔ اگر عریج کسی لڑکے کا ذکر کرتی تو پھر بات کچھ سمجھ میں آتی تھی۔

"کون ہے وہ؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا تو اس نے سوالیہ نظروں حدیقہ کی طرف دیکھا

"اس کا نام کیا ہے؟"

"عانیہ صفدر" حدیقہ نے بتایا۔

"اس کا نام عانیہ صفدر ہے۔" اس نے بتایا تو وہ چونک اٹھے۔

"وہ ڈی آئی جی صفدر علی کی بیٹی..... عانیہ؟اس نے تمہیں بچایا؟" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ لڑکی تو اٹھارہ برس کی چھوٹی سی لڑکی تھی اور چھ آدمیوں کا مقابلہ بھلا کیسے کر سکتی تھی۔ اور اسے یہ بات بر وقت پتہ کیسے چل گئی کہ وہ لوگ عریج کو اغوا کرنے والے ہیں۔

عریج کو بھی حیرت ہوئی کہ عانیہ سابق ڈی آئی جی کی بیٹی ہے۔

"اچھا اب تو تم بالکل محفوظ ہونا۔"

"جی"

"میں سمیع کو بھیجتا ہوں۔ دراصل مجھے ابھی وہاں جا کر خود چیک کرنا ہو گا۔ اس لیے تمہیں لینے نہیں آسکوں گا۔"

"نو پرابلم۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آرہا تو وہاں پڑے بے ہوش لوگوں سے پوچھ لیجیے گا کہ کیا ہوا تھا۔" وہ مسکرا کر بولی اور کال کاٹ دی۔

"بابا ان لوگوں کو گرفتار کرنے سائٹ پر جا رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے بھائی کو بھیجا ہے مجھے لینے کیلیے۔" عریج نے فون رکھ کر اطلاع دی۔

"ارے آپ سب لوگ چپ چاپ کھڑے کیوں ہیں۔ مجھے اپنا تعارف کروائیں۔ آپ میری محسن کے گھر والے ہیں مجھے آپ کے ساتھ بات کر کے خوشی ہو گی۔ ویسے ماشاءاللہ ساری یوتھ ہی نظر آرہی ہے۔ آپ کے بڑے کہاں ہیں؟" وہ سب پر ایک نگاہ ڈالتی بے تکلفی سے بولی۔

"ہم سب اس کے فرینڈز ہیں۔" حدیقہ نے بتایا۔

"پھر تو عانیہ واقعی بہت لکی ہے۔ اتنے خیال رکھنے والے دوست ہیں اس کے۔" عریج نے بطور خاص ریان کو دیکھ کر کہا تھا۔

"چائے پیئیں گیں آپ؟" عانیہ نے کچن کے دروازے پر کھڑے ہو عریج سے پوچھا۔

"اوہ ہاں کیوں نہیں۔ اگر آپ سب لوگ بھی میرا ساتھ دیں تو ضرور۔" اس نے خوشدلی سے کہتے ہوئے سب کو ڈائننگ ٹیبل کی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ مہمان کی عزت اور تکریم ان سب کا فرض تھا اس لیے سب اسے کمپنی دینے کیلیے اسی کے پاس کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ چائے کے دوران وہ ان سے ایسے باتیں کر رہی تھی کہ جیسے وہ ان کی ہی کوئی گروپ فرینڈ ہو۔ وہ نرم اور میٹھے لہجے والی جلد ہی گھل مل جانے والی لڑکی تھی۔ اس نے باقاعدہ ایک ایک کا انٹرویو لیا تھا اور چائے کے ختم ہونے تک وہ ان کے بارے میں کافی کچھ جان چکی تھی۔ اور اپنے بارے میں بھی تعارف کروا چکی تھی کہ وہ ایک آرچیٹیکٹ ہے۔ اور اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ عید کے بعد شادی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بابا کے فون کے پندرہ منٹ بعد ہی باہر دروازے کی گھنٹی بجی تھی تو خوشی سے عریج کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ اس واقعے کے بعد تو جیسے گھر والوں کی قدر مزید بڑھ گئی تھی۔

"میں جاتی ہوں" حریم اٹھتی ہوئی بولی تھی اور بھاگتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل گئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا جس کے چہرے پر پریشانی سے بارہ بجے ہوئے تھے۔ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھا تھا اور اس کے پیچھے ہٹنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا نیتجتاً گزرتے ہوئے اس لڑکے کا بائیاں کندھا حریم کے دائیں کندھے سے ٹکرا گیا۔ اس نے رک کر اسے پکڑنے یا نیچے گرنے سے بچانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی بلکہ بھاگتا ہوا اندر چلا گیا تھا کیونکہ اس کی منگیتر عریج اندر تھی اور پتہ نہیں کس حال میں تھی۔

حریم اس وقت دروازے کو چھوڑ کر ہائی ہیل والی سینڈل پہنے صرف ایک پاؤں پر کھڑی تھی سو جب وہ لڑکا ٹکرا کر آگے بڑھ گیا تو وہ ایڑی کے بل گھومتی لہرا کے نیچے گری تھی۔ لیکن وہ زمین پر نہیں گری تھی بلکہ کسی کے بازو پر گری تھی۔ اس نے کانپتے دل کے ساتھ آنکھیں کھول کر دیکھا تو خود پر جھکے چہرے کو دیکھ کر اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ وہیں اس کے بازو میں پڑی ساکت سی پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحے یوں

ہی بے یقینی سی کی کیفیت میں بہہ گئے تھے۔وہ لڑکا بھی حیران سا اس کی سرمئی آنکھوں میں دیکھ تھا۔پھر یکدم مسکرایا تھا اور اپنا بازو اس کی آنکھوں کے سامنے کر کے دکھایا جس کی کلائی پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔

"اب تو یاد آگیا ہو گا کہ میں کون ہوں.....بلی "ابرو اچکا کر پوچھا تو وہ جیسے گہرے مراقبے سے جاگی تھی اور تیزی سے اس کے بازو سے اٹھتی دو قدم دور جا کھڑی ہوئی تھی۔صبح ہونے والے واقعے کے منظر اس یکدم ہی زہن میں ابھرے تھے۔

"تم......تم یہاں کیسے؟"وہ غصے سے چلائی تھی۔

"دیکھ لو۔اتفاق سے "وہ جتاتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جھوٹ۔تم میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہو۔ہے نا۔"وہ اندازے سے بولی اس لڑکے نے بولنے کیلیے لب وا ہی کیے تھے کہ وہ پھر سے بول اٹھی۔

"نکلو......نکلو یہاں سے.....میں کہہ رہی ہوں جاؤ۔"وہ باہر دروازے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"ایک منٹ.....میری بات تو سنو....."وہ اسے کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔

"جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"وہ اب واقعی کسی جنگلی بلی کی طرح بنی ہوئی تھی۔وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر تاسف سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ٹھہرو تم ایسے نہیں مانو گے۔ابھی بتاتی ہوں تمہیں۔"وہ طیش میں بھری بولتی ہوئی ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔دروازے کے پاس ہی ایک میز پر گلدان پڑا تھا۔وہ تیزی سے اس جانب بڑھی اور گلدان اٹھا کر زور سے اس کی طرف پھینک دیا۔

"اوہ تیری....."گلدان کو کیچ کرتے ہوئے اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ابھی تو شکر تھا وہ کرکٹ میں اچھا تھا اور کیچ کرنا جانتا تھا ورنہ اب تک تو اس کا ناک منہ پھٹ گیا ہوتا تھا۔وہ گلدان کو پکڑے ششدر سا اس سرخ بالوں

والی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو حواس باختہ سی منہ پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔شاید وہ عمل کرنے سے پہلے سوچتی نہیں تھی بلکہ عمل کرنے کے بعد اسے سمجھ آتا تھا کہ یہ اس نے کیا کر دیا۔ تھوڑی پاگل تھی لیکن اسے اچھی لگی تھی۔اس نے گلدان نیچے رکھا اور مسکراہٹ دباتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"رکو......اندر کہاں جا رہے ہو تم؟" وہ اونچی آواز میں چلاتی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

-----------------------------

"عریج....!" حمزہ نے اسے ڈائننگ ہال میں بیٹھے دیکھ لیا تھا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔عریج سمیت سب نے اسے دیکھا تھا۔عریج کی ہنسی یکدم گم ہوئی تھی۔

(بابا نے تو سمیع کو بھیجا تھا یہ کہاں سے آ گیا۔) اس نے منہ بنا کر سوچا۔لیکن حمزہ کو تو جیسے اس کے علاوہ وہاں کوئی نظر ہی نہیں آیا تھا ورنہ جان لیتا کہ تین لوگ اسے اچھے سے جانتے تھے۔

"میری جان..... تم ٹھیک تو ہو نا؟" وہ اس کے پاس آتا اس کے چہرے کو تھام کر بولا تھا۔عریج اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھاتی رہ گئی کہ یہاں سب کھڑے دیکھ رہے ہیں۔اسے اتنی فکر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔

"تمہیں کہیں لگی تو نہیں۔کون تھے وہ لوگ جنہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی؟" وہ اس کا اشارہ سمجھے بنا اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔عریج نے اس کی پیشانی پر اپنی دو انگلیاں رکھ کر پیچھے دھکیلا اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔تمہیں زیادہ پریشانی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ چبا چبا کر کہتی ان سب کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"یہ حمزہ ہے۔میرا فیانسی۔" اس نے سب سے تعارف کروایا تو حمزہ، ریان اور ساتھ کھڑی عانیہ کو وہاں دیکھ کر یکدم ٹھٹک گیا تھا۔

"ریان.... تم یہاں کیسے ؟"وہ عانیہ کو نظر انداز کرتا ریان کی طرف بڑھا تھا کیونکہ عانیہ سے شناسائی ظاہر کرنا اس کے اپنے حق میں ہی خلاف تھا کہ کیا بتاتا ان کی ملاقات کیسے ہوئی تھی۔وہ لمحہ پھر سے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا جب اس لڑکی نے اس کا پاؤں توڑ کے رکھ دیا تھا۔اور ابھی تک تو وہ عانیہ کا نام بھی نہیں جان سکا تھا۔یہ عانیہ کے حق میں بھی بہتر تھا۔اگر وہ سب کے سامنے اسے دیا بول دیتا تو اس کا بھانڈہ پھوٹ جاتا۔

"ارے یہ تو وہی ہے نا۔جسے تم نے....."حدیقہ نے حیرانی سے عانیہ کے کان میں سرگوشی کی تھی تو عانیہ نے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں مارتے ہوئے اسے چپ کروایا۔ریان بھی خوشدلی سے اس سے ملا تھا۔وہ دونوں بزنس فرینڈز تھے۔ریان ابھی اسے بتا ہی رہا تھا کہ وہ یہاں اپنی کزن کے گھر آیا ہوا ہے کہ باہر سے ایک لڑکا اندر آیا تھا اور اس کے پیچھے حریم بھاگتی آرہی تھی۔

"یہ میرا بھائی ہے۔سمیع۔"عریج نے آگے بڑھ کر اندر آنے والے لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔اس کے پیچھے آتی حریم یہ سن کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔سمیع نے ایک جتاتی نظر اس پر ڈالی تھی کہ وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں نہیں آیا تھا۔

"یہ عانیہ صفدر ہے۔اس نے مجھے ان اغواکاروں سے بچایا ہے۔میں تو اس لڑکی کی زبردست فائٹنگ ایکشنز دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔"عریج نے مزے سے سمیع اور حمزہ کو بتایا۔حمزہ پر تو وہ ایک بار اپنی فائٹنگ کا تجربہ کر بھی چکی تھی اس لیے وہ جلد ہی اس بات پر یقین کر چکا تھا البتہ سمیع اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔عانیہ نے انہیں بھی چائے کے لیے روک لیا تھا۔اور اب سارے لڑکے لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب کہ ساری لڑکیاں عریج کے پاس بیٹھی تھیں۔کچھ دیر بعد دونوں محفلیں برخاست ہو گئی تھیں کیونکہ عریج لوگوں کے جانے کا وقت ہو گیا تھا۔

"ہماری شادی پر آپ سب ضرور آیئے گا"عریج نے عانیہ سے گلے ملتے ہوئے کہا تھا پھر کچھ یاد آنے پر ریان کی طرف دیکھا۔"اور ہاں.....اپنی شادی پر بھی مجھے ضرور بلایئے گا۔"وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ریان جھینپ

کر ہنس دیا جبکہ عانیہ پر گھڑوں پانی گر پڑا تھا۔ آج توریان کی وجہ سے سب کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اب وہ کیسے حریم کا سامنا کرے گی جو پہلے ہی اسے مشکوک نظروں سے دیکھتی تھی۔ چلو خیر اب سامنا تو کرنا ہی تھا۔ کوئی نہ کوئی بہانہ تو وہ بنا ہی لے گی۔ اس نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے سوچا تھا۔

---------------------------

ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے اپنے ماتحت پولیس آفیسرز کے ساتھ اس جگہ کا خود جا کر جائزہ لیا تھا اور حیران رہ گئے تھے۔ پانچ آدمی بے ہوش پڑے تھے اور دو کے تو گولی بھی لگی ہوئی تھی۔ چھٹے مجرم کو پولیس کے آنے سے پہلے بھاگنے کا موقع مل گیا تھا۔ تینوں کو جیل میں ڈال دیا اور دو کو جو گولی لگنے کی وجہ سے زخمی تھے انہیں ہسپتال ایڈمٹ کروا دیا تھا۔ میڈیا کے سامنے عانیہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس واقعے پولیس ریڈ بتایا گیا تھا۔ ورنہ تفتیش میں اسے بھی ہر جگہ بلانا پڑتا اور سب یقین ہی نہ کرتے کہ یہ سب ایک لڑکی نے کیا ہے۔ البتہ ان مجرموں نے پولیس آفیسرز کے سامنے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ ایک لڑکی نے ان کی پٹائی کی ہے۔ مرتضیٰ ملک اب تو واقعی عانیہ کے بہت مشکور تھے اور انہوں نے حیدر علی کو فون کر کے بڑے فخر سے عانیہ کا کارنامہ بتایا تھا۔ وہ بھی حیران ہونے کے ساتھ ساتھ عانیہ کو اس کام کیلیے اپریشیئیٹ کرنے لگے تھے۔ وہ اگر بروقت ڈی آئی جی کی بیٹی کو ان لوگوں سے نہ بچاتی تو اب تک پتہ نہیں کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر نہ صرف ایک لڑکی کی عزت کو بچایا بلکہ اس کے باپ کو مجبور ہونے سے بھی بچا لیا تھا۔ یہ بات واقع سراہے جانے کے قابل تھی۔ مرتضیٰ ملک نے عانیہ کو فون کر کے اس کا خود شکریہ ادا کیا اور اس کے کارنامے پر شاباشی دی تھی۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے بروقت اس بات کا کیسے پتہ چلا تھا۔ عانیہ نے آڈیو ڈیوائس کے متعلق بتایا تو انہوں نے اسے لنچ پر اپنے گھر انوائیٹ کیا اور ساتھ ہی ڈیوائس کی وہ ریکاڈنگ ساتھ لانے کا کہا تو اس نے ہامی بھر لی۔

دوسری طرف وہ شخص جو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ حماد کے سیکرٹری اسد کے پاس خالی ہاتھ پہنچ چکا تھا۔اور جیسے جیسے وہ اپنی ناکامی کی داستان اسے سناتا جارہا تھا اسد کا چہرہ فق ہوتا جارہا تھا۔اسے ان آدمیوں کی طرف سے کوئی ٹینشن نہیں تھی جو گرفتار ہو چکے تھے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ یہ کام کس کے لیے کر رہے ہیں اس لیے پولیس ان سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکتی تھی۔بلکہ پریشانی کی بات تو یہ تھی کہ اس کے چھ آدمیوں کو ایک لڑکی نے ہرادیا ہے۔اسے بے اختیار وہ لڑکی یاد آئی تھی جس نے اس کے باس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا لیکن بعد میں تو اس نے سنا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔تو پھر یہ کون لڑکی تھی جو اتنی خطرناک تھی۔واپس آنے والے لڑکے نے بتایا تھا کہ وہ لڑکی عریج کی باڈی گارڈ تھی لیکن ان کو جو اطلاع ملی تھی اس کے مطابق تو عریج کے پاس کوئی سیکیورٹی نہیں تھی۔پھر یہ اچانک سے ایک باڈی گارڈ کہاں سے آگئی جو تھی بھی ایک لڑکی۔

اب اسے اپنی فکر بھی کھائے جارہی تھی کہ وہ یہ ناکامی کی داستان اپنے باس کو کیسے سنائے گا۔اس کی نوکری تو اب خطرے میں پڑ چکی تھی اور بیوی بیمار ہسپتال میں پڑی تھی۔بہر حال اب بتانا تو تھا ہی کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ڈرتے ڈرتے اس نے ساری بات حماد کو بتادی اور وہ ورطہ حیرت میں اس قدر ڈوب گیا تھا کہ اسے اسد پر غصہ کرنے کا ہوش بھی نہ رہا۔

"وہ لڑکی.....عانیہ ہی تھی۔وہ مری نہیں تھی۔مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ وہ لڑکی اتنی آسانی سے کیسے مر سکتی ہے۔وہ واقعی بہت خطرناک لڑکی ہے۔میں کبھی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بولا تھا۔اس کے لہجے میں خوف سمایا ہوا تھا اور اسے اپنی موت قریب ہی نظر آرہی تھی۔وہ لڑکی تو اس کی جان کو آچکی تھی۔اسے برباد کرنے والی تھی۔لیکن وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں سکتا تھا۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی تھی تو اس نے چونک کر فون اٹھایا۔کوئی ان ناؤن نمبر تھا۔اس نے اچنبھے سے کال پک کی تو دوسری طرف کی آواز سن کر اس کا پارہ مزید ہائی ہو گیا تھا۔

"کیسے ہو مسٹر حماد۔ناکامی مبارک ہو۔"یہ عانیہ ہی کی آواز تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس پر طنزیہ مسکرا رہی ہے۔لیکن وہ بے بسی سے ضبط کر گیا تھا۔

"مجھے نہیں پہچانا۔میں عانیہ ہوں۔حیرانی تو ہوئی ہو گی یہ جان کر کہ میں زندہ ہوں۔"

"فون کیوں کیا؟"وہ درشت لہجے میں پوچھنے لگا۔

"ظاہر ہے تمہارا حال چال پوچھنے کے لیے تو بالکل بھی نہیں کیا۔بس وارن کرنا تھا کہ بچ کے رہنا۔"عانیہ نے چبا چبا کر کہا تھا۔

"ایسی دھمکیاں مجھ پر اثر نہیں کرنے والیں۔کیا کر لو گی تم ہاں۔مجھے قتل کر دو گی۔پچھلی دفعہ یاد ہے کیا ہوا تھا مجھ پر حملہ کرنے کا انجام۔طوائف کا ٹھپہ لگ چکا ہے تم پر اور یہ بات پھیلتے دیر نہیں لگے گی۔اس لیے اگر عزت سے جینا چاہتی ہو تو میرے راستے میں آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔

"او تو تم لوگوں کو بتاؤ گے کہ میں اغوا شدہ ہوں؟"

"ہاں"

"تو کیا یہ بھی بتاؤ گے کہ اس میں کس کا ہاتھ تھا؟"عانیہ نے پوچھا تو حماد کو کوئی جواب نہ آیا۔

"میں بتاؤں گی کس نے مجھے بیچا تھا۔تعبیر نے جو تمہاری منگیتر ہے شاید۔ہے نا۔"

"تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔"

"نہ ہو۔افواہیں پھیلتے دیر تو نہیں لگتی نا"وہ اسی کے الفاظ اسی کو واپس لوٹاتے محظوظ سا مسکرائی تھی۔

"میں جانتی ہوں تمہیں اپنی ریپوٹیشن جان سے بھی پیاری ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں قتل کرنے کی بجائے تم پر زندگی تنگ کر دوں۔لوگوں کے سامنے تمہارا وہ چہرہ دکھاؤں جو میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔"وہ پر عزم لہجے میں بولی تو حماد زور سے ہنس دیا۔

"آخر پتہ تو چلے میں نے کیا کیا ہے۔.... دیکھو عانیہ اگر تم اپنے کام سے کام رکھو تو بہتر ہو گا۔ میں نے آج تک جتنے بھی جرم کیے ہیں کبھی ان کا ثبوت نہیں چھوڑا۔ اس لیے تم میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتی۔" وہ اس کی دھمکی کو مذاق میں اڑاتے ہوئے بولا تھا۔

"اور اگر میرے پاس ثبوت ہو تو؟" عانیہ نے یقین سے کہا تو حماد چونکا تھا۔ اب تک وہ اس کے بارے میں جان چکا تھا کہ یہ لڑکی جو کہتی ہے وہ کر بھی دکھاتی ہے۔

"کک..... کونسا ثبوت؟"

"اپنے سیکرٹری اسد کی جیب چیک کرو ذرا۔ پتہ چل جائے گا" عانیہ نے کہا تو اسے خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے حیرت سے اسد کی طرف دیکھا جو مؤدب سا اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا اور اس کی جیکٹ کی جیبوں کو چیک کیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی آڈیو ڈیوائس باہر آئی تھی۔ اسے دیکھ کر اسد کے ساتھ ساتھ وہ بھی اندر تک لرز اٹھا تھا۔ اسد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ ڈیوائس اس کی جیب میں کیسے آ گئی۔ عانیہ کو فون میں سے ایک زوردار تھپڑ کی آواز آئی تھی جو یقیناً اسد کو پڑا تھا۔ اس بیچارے کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن عانیہ کو افسوس کرنے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام تھے۔

"یہ.... یہ کیا؟" وہ اسد کو تھپڑ مار کر حواس باختہ سا اس سے پوچھ رہا تھا۔ اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے سن سا کھڑا تھا۔ حماد نے اسی وقت اس آڈیو کو دانتوں میں رکھ کر توڑ دیا۔ لیکن اب کیا فائدہ تھا۔ جو کچھ عانیہ نے سننا تھا وہ تو سن چکی تھی۔

"چہ..... چچ۔ ایسی کونسی باتیں کر رہے تھے تم لوگ کہ لیک ہونے کا اتنا ڈر ہے ہاں۔ کہیں آج بہزاد شاہ کے ساتھ کوئی سیکرٹ میٹنگ تو نہیں تھی تمہاری۔" عانیہ نے مزے سے پوچھا تو حماد کو ہر چیز گول گول گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسی مات کیسے کھا گیا۔ اس کے اپنے ہی سیکرٹری نے اس کے ساتھ غداری

کر کے اسے بہت بڑی مشکل میں پھنسا دیا تھا۔ اسے اپنے سامنے ہی پھانسی کا پھندا نظر آ رہا تھا۔ اور اس کی شہرت......! کتنی مشکل سے عزت حاصل کی تھی اور ایک دم سے ختم ہونے جا رہی تھی۔ نہیں۔ وہ اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کچھ کرنا ہو گا۔ کسی بھی طرح اپنی سیکرٹ میٹنگ کی آڈیو کو پولیس تک پہنچنے سے روکنا ہو گا۔ اس کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

"عانیہ..... میری بات سنو!.... اگر میری یہ باتیں تم سے کسی اور تک پہنچی تو یاد رکھنا۔ بہت برا حشر کروں گا۔"

"حشر تو اب تم اپنا دیکھنا مسٹر۔ جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔" عانیہ کہہ کر کال کاٹ دی تھی اور وہ ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا تھا۔

"یہ کیا کر دیا تم نے اسد۔ ساری زندگی کی کمائی تباہ کر دی۔" وہ اتنے زور سے چلایا تھا کہ کمرے کے باہر کھڑے گارڈ کے ساتھ ساتھ تعبیر بھی اندر آئی تھی۔

"سر میرا یقین کریں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے نہیں پتہ یہ کیسے میری جیب میں آ گیا۔" وہ بے بسی سے اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ اور حماد اگر مفلوج نہ ہوتا تو اب تک اسے قتل کر چکا ہوتا۔

"کیا ہوا ہے حماد؟" تعبیر نے اس کے قریب آ کر حیرت سے پوچھا۔ حماد نے ایک نظر اسے دیکھا اور سب ملازموں پر نگاہ دوڑائی تو وہ سب باہر کی جانب کو بھاگے۔ پھر اس نے تعبیر کو ساری بات بتائی تو وہ بھی منہ پر ہاتھ رکھے پیچھے ہٹی تھی اور کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔

"اب بتاؤ میں کیا کروں۔ اس کی وجہ سے وہ لڑکی مجھ تک پہنچی ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اس میں اسد کا کوئی قصور نہیں۔ اور اس کو مارنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ ہمیں کچھ ایسا کرنا ہو گا کہ عانیہ وہ آڈیو کسی کو نہ دے سکے۔ کسی بھی طرح اسے مجبور کرنا ہو گا۔" تعبیر کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اسے کوئی ڈر نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی کمزوری ہے کہ ہم اسے بلیک میل کر سکیں۔ ماں باپ تو رہے نہیں اور اسے اپنی زندگی کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ تو پھر وہ کیسے مجبور ہو گی۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"کوئی تو کمزوری ہو گی۔ کوئی تو قیمتی چیز ہو گی اس کے پاس۔.....ہاں حماد تمہیں یاد ہے اس کی ایک دوست تھی۔" وہ یاد آنے پر پر جوش لہجے میں بولی تھی۔ حماد کے چہرے پر امید ابھری تھی۔

"ہاں وہ جو اس کے ساتھ رہتی تھی۔"

"ہاں وہی۔ اگر ہم اس کے ذریعے عانیہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کریں تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

"گریٹ آئیڈیا!....اسد یہ تمہارے پاس آخری موقع ہے اپنی وفاداری اور بے گناہی ثابت کرنے کا۔ تم آج سے ہی عانیہ کے گھر کی نگرانی شروع کرو۔ وہ لڑکی عانیہ کے ساتھ ہی رہتی ہے یا عانیہ کا پیچھا کرنے سے اس کے گھر تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تمہیں اس لڑکی کا حلیہ تعبیر اچھے سے سمجھا دے گی اور یاد رکھنا صرف دو دن ہیں تمہارے پاس۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں سر۔ اس دفعہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ سر خم تسلیم کرتے ہوئے بولا۔

(چلو بھئی عانیہ اب دیکھتے ہیں تم میرا کیا بگاڑ لیتی ہو۔ اگر میں سامنے سے تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا تو کیا ہوا۔ چھپ کر پیچھے سے وار کرنے میں مجھے کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ تمہاری اس دوست کا تو ایسا حشر کروں گا کہ تم میرے سامنے گڑگڑاؤ گی۔ تمہارا بدلہ بھی اسی سے لوں گا۔) وہ سکون سے سوچتا بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ آ چکی تھی۔ حماد ان لوگوں میں سے تھا جو پلان سوچ کر ہی سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو بھی چکے ہیں۔ بنا انجام جانے ہی انہیں لگتا ہے کہ بس اب تو دنیا ان کی مٹھی میں آ چکی ہے۔ یقیناً وہ بہت ہی خوش فہم ہوتے لوگ ہوتے ہیں۔

---------------------------

رات کی تاریکی میں اس کا دل ڈوب سا رہا تھا۔ ایک بے چینی سی اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیوں اتنی اداس ہے۔ حالانکہ وہ اس اداسی کی وجہ تو جانتی بھی تھی لیکن اسے یقین نہیں آ رہا

تھا۔ آج کتنی ہی دیر عمیر اس کی نظروں کے سامنے رہا تھا۔ بے تاب دل اس کے دیکھنے کا منتظر تھا لیکن وہ اتنی ہی لاتعلقی سے انجان بنا ہوا تھا اور اس کی طرف ایک دفعہ بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بظاہر تو یہ ایک سادہ سی بات تھی کہ وہ اسے جانتا ہی نہیں تو اس کی طرف توجہ کیوں دے گا مگر اس دل کو کون سمجھاتا۔ دل تو کہتا تھا کہ عمیر بھی اس کے لیے ایسے ہی جذبات رکھتا ہے جیسے کہ وہ۔ اس کا دل بھی اسی لے پر دھڑکتا ہے جس لے پر اس کی دھڑکنیں چلتی ہیں۔ وہ اس کے دل کا حال جانتا ہے۔ وہ اس کے سامنے آنے پر چونکتا بھی ہے لیکن ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن کیوں؟..... کیوں وہ اسے نظر انداز کر رہا ہے۔ کیا وہ اس سے کترا رہا ہے۔ کہیں وہ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اس کے دل میں انجانی سی تکلیف اٹھی تھی۔ بے چینی مزید بڑھ گئی تھی۔

(نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے تو پھر میرے خوابوں میں کیوں آتا تھا؟)

(وہ تو بس ایک خواب تھا اور یہ حقیقت ہے۔ تمہارا اس سے زیادہ امیدیں وابستہ کرنا سراسر حماقت ہے۔ اگر تم اس سے محبت کرتی ہو تو یہ ضروری تو نہیں کہ وہ بھی تم ہی سے محبت کرے۔ اور نہ تم اسے ایسا کرنے پر مجبور کر سکتی ہو) دماغ نے سمجھایا تو اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر خود کو اس کیفیت سے نکالنا چاہا لیکن کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ گھبرا کر بستر سے اٹھی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ آج چاند بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ اس لیے باہر بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مایوسی نے اس کے گرد گھیرا اور تنگ کر دیا۔ اچانک دروازہ کھلا اور حریم اندر آئی تھی۔ وہ سوچوں میں اتنی گم تھی کہ حریم کے آنے کا پتہ بھی نہ چل سکا۔ کمرے کی بند لائٹ اور اسے کھڑکی میں گم صُم سا کھڑے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"کیا ہوا رنیم؟..... لائٹ کیوں بند کی ہوئی ہے؟" وہ اس کے پاس آتے ہوئے بولی تو رنیم چونک کر گڑبڑائی تھی۔

"ویسے ہی آف کر دی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی تو حریم کو وہ ذہنی طور پر اپ سیٹ لگی تھی۔

"کیا سوچ رہی تھی؟" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتی بولی تھی۔

"کچھ بھی نہیں" ریمشہ پھیکا سا مسکرائی۔

"کچھ تو سوچ رہی تھی۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجھے بتانا نہیں چاہتی۔" اس نے شرارت سے کہا تو ریمشہ نے اسے گھورا۔

"اچھا سچ بتاؤ.... اپنے اسی شہزادے کے بارے میں سوچ رہی تھی نا۔"

"حریم میرے ساتھ بدتمیزی مت کرو۔" وہ خفت مٹانے کو ڈپٹ کر بولی۔

"اوہو خفا مت ہو۔ دوست ہو تم میری۔ مجھے تمہارے دل کی حالت پتہ نہیں ہو گی تو اور کسے ہو گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم کیوں پریشان ہو۔ تمہیں عمیر بھائی کا یوں نظر انداز کرنا دکھ دے رہا ہے۔ ہے نا۔" حریم نے صاف گوئی کہا تو وہ اسے ہکا بکا سی دیکھتی رہ گئی۔

"دیکھو..... تم ابھی سے مایوس ہو رہی ہو۔ انہیں کچھ وقت تو دو کہ انہیں تمہاری اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ میں نے نوٹس کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر تم سے کترا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ گھبرا جاتے ہیں۔ کہ کہیں کوئی ان کے دل کا حال نہ جان لے۔ سوچو کچھ تو ہے نا ان کے دل میں تمہارے لیے جو وہ چھپانا چاہتے ہیں اور اسی ڈر کی وجہ سے تمہاری طرف دیکھتے نہیں۔" وہ نرمی سے سمجھاتی اسے امید دلا رہی تھی۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن میرے دل میں ایک خوف سا ہے کہ جسے میں نے اپنے خوابوں میں دیکھا تھا وہ کسی اور کا ہوا تو میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔ میں پہلے ہی بہت تکلیفیں سہہ چکی ہوں۔ اب اور دکھ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ اب تو سوچتی ہوں کہ کاش میں کبھی اس سے ملی ہی نہ ہوتی۔ کسی کو پا کر کھو دینا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔"

"تمہیں اب اذیت نہیں سہنی پڑے گی۔ خوش ہو جاؤ۔ تم انہیں ضرور پا لو گی۔ اور تم جانتی ہو کہ میری پریڈیکشن کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی۔" وہ جتا کر بولی تھی۔

"ہاں جانتی ہوں۔"وہ بھی کھل کر مسکرائی تھی۔حریم کی بات پر اس کا دل پھر اسے امید کے دیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔جیسے اسے پورا یقین تھا کہ حریم کی دعا ضرور قبول ہو گی۔

"ویسے یار کتنا مزا آیا تھا ناجب ریان بھائی آپی کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ ڈرتے ہوئے صفائیاں دے رہیں تھی۔سوچو وہ کب کسی سے ڈریں ہیں اور ریان بھائی ان کیلیے کیسے فکر مند ہو رہے تھے۔واہ کیا سین تھا جب دونوں لڑ رہے تھے۔پرفیکٹ کپل لگ رہے تھے بالکل۔"حریم نے خوشی سے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔دوسرے لوگ اتنے حیران نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ ان دونوں کو کزن کے طور پر جانتے تھے۔جبکہ حریم حقیقت جانتی تھی اس لیے اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔

"ہاں اب دیکھنا ریان بھائی عانیہ کو منائیں گے ضرور۔"رینم نے وثوق سے کہا۔

"اور پھر ان کی لڑائی ہو جائے گی۔ایسا کرتے ہیں چھپ کر ان کی لڑائی سنیں گے۔"

"ارے نہیں یار۔چھپ کر کسی کی باتیں نہیں سننی چاہیں۔"

"تم اپنے لیکچر ذرا اپنے پاس رکھو اور اٹھو۔حدیقہ چائے بنا رہی ہے۔اکٹھے بیٹھ کے پیتے ہیں۔"حریم نے اس کی نصیحت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی۔

وہ دونوں کچن میں داخل ہوئیں تو حدیقہ چولہے کے سامنے کھڑی تھی اور چائے ابل ابل کر کیتلی سے باہر آنے کو تھی لیکن اس کا دھیان وہاں نہیں تھا۔حریم نے رینم کا ہاتھ چھوڑا اور بھاگ کر چولہے کے پاس آئی۔حدیقہ کے ہاتھ کو جھٹک کر پیچھے کیا جس پر چائے گرنے ہی والی تھی اور چولہا بند کر دیا۔حدیقہ نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ اسے گھورنے لگی۔

"تمہارا دھیان کہاں تھا؟.....ہاتھ جل جاتا تو"حریم بولی تو وہ خفت زدہ ہو گئی۔اس کی آنکھوں میں نمی سی ابھری تھی۔

"ایک منٹ..... کہیں تم بھی تو نہیں.....اپنے شہزادے کی یادوں میں گم تھی۔" حریم نے شرارت سے کہا۔

"دفعہ ہو جاؤ۔ایسا کچھ بھی نہیں۔" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

"لو بھئی یہ دونوں تو گئیں کام سے۔" حریم نے منہ بناتے ہوئے سوچا۔ پھر اچانک ہی دل میں سمیع کی یاد آئی تھی۔ یہ کیسا اتفاق تھا کہ وہ ایک لڑکے سے ایک دن میں دوسری دفعہ مل بھی چکی تھی اور ملاقات بھی کافی رومینٹک ہی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر سر جھٹکا۔

"اچھا اگر چائے بن گئی ہے تو ٹی وی لاؤنج میں لے آؤ۔ میں عانی آپی کو بلا کر لاتی ہوں۔" وہ تیزی سے بولتی باہر نکل گئی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو عانی آپی کہیں نظر نہیں آئیں تھی۔ ساتھ ہی واش روم سے شاور میں سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ سمجھ گئی کہ وہ نہا رہیں ہوں گیں۔ وہ مایوسی سے واپس پلٹنے ہی والی تھی کہ سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کی گھنٹی بجی۔ وہ کچھ دیر کے لیے متذبذب سی رہی کہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ پھر سوچا اٹھا ہی لے شاید کوئی ضروری کال ہو۔ فون اٹھا کر دیکھا تو سکرین پر سالار لکھا نظر آ رہا تھا۔

(سالار؟..... یہ تو بتول کے بیٹے کا نام تھا نا۔ اس کا عانی آپی سے کیا کام۔) اس نے تجسس سے سوچتے ہوئے کال اٹھا لی۔

"ہیلو!"

"ہیلو دیا آپی!" دوسری طرف سے سالار اپنی توتلی زبان سے بولا تو وہ چونک اٹھی۔ دیا.... وہ کسے دیا آپی کہہ رہا تھا۔ یہ فون تو عانی آپی کا ہے۔ کیا وہ عانی آپی کو دیا کہہ رہا ہے۔

"کون دیا؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔ سالار بھی حیران ہوا۔ یہ تو اس کی دیا آپی کی آواز نہیں تھی۔

"تم کون ہو اور دیا آپی کہاں ہیں؟ انہیں فون دو۔" وہ ذرا غصے سے بولا۔

"اچھا دے دیتی ہوں پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہاری ماما کا نام بتول ہی ہے نا۔" وہ اپنے یقین کو مزید پکا کرنے کیلیے اسے کریدنے لگی تھی۔

"ہاں۔"

"تو دیا آپی تمہاری کیا لگتی ہیں پھر؟"

"وہ میری بیسٹ فرینڈ ہیں۔"

"تم لوگوں کی دوستی کیسے ہے؟"

"وہ ریان انکل کی فیانسی تھیں نا اور ان سے ملنے آئیں تھیں۔"

"واٹ....؟" وہ خوشگوار حیرت سے چلائی تھی۔ پھر آواز دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی پل عانیہ دروازہ کھول کر باہر آئی تھی اور اس کے ہاتھ میں اپنا موبائل دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"کسی سالار کا فون ہے۔ ابھی کال پک ہی کی تھی۔ یہ لیں۔" وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بول رہی تھی کہ اسے کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔ عانیہ بھی کال ٹائم پر دھیان دیے بنا سالار سے بات کرنے لگ گئی۔ حریم سے تو یہ خبر اب پیٹ میں چھپانے ہی نہیں ہو رہی تھی۔ سو وہ بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی اور گرتی پڑتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ رینم اور حریم نے اسے چونک کر دیکھا۔

"میرے پاس ایک بہت ہی زبردست خبر ہے۔" وہ ان کے پاس آکر خوشی سے چلائی تو وہ دونوں اچنبھے سے اسے دیکھنے لگیں۔

"رینم مجھے دیا کا پتہ چل گیا۔" وہ رینم کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کیا؟.... کیسے...؟ کون ہے وہ؟"

"عانی آپی ہی دیا ہیں۔"

"کیا؟......واقعی؟"رینم بھی مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں یار۔وہ بتول کا بیٹا ہے نا سالار۔وہ آپی کا فرینڈ ہے۔جب میں آپی کے کمرے میں گئی تو وہ واشروم میں تھیں اور فون بجا تو میں نے اٹھالیا۔وہ آپی کو دیا آپی بلا رہا تھا۔میں نے پوچھا کہ تم انہیں کیسے جانتے ہو تو اس نے بتایا کہ عانی آپی ریان بھائی کی فیانسی تھیں اور ان سے ملنے آئیں تو ان کی دوستی بھی ہو گئی۔واؤ یار اٹس امیزنگ۔مجھے پہلے ہی شک پڑ گیا تھا۔ویسے عانی آپی کو یہ بات ہم سے چھپانی نہیں چاہیے تھی کہ وہ ریان بھائی کو پہلے سے جانتی ہیں اور ان کی منگیتر ہیں۔"وہ پرجوش لہجے میں کہتی ہوئی یکدم اداس ہو گئی تھی۔

"وہ فیانسی نہیں ہے اس کی"حدیقہ نے اطلاع دی تو دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ان کی ملاقات حادثاتی طور پر ہوئی تھی اور مجبوری کے تحت عانیہ کو ریان بھائی کے گھر پناہ لینی پڑی تھی۔سو انہوں نے پھر سب کو یہی بتایا تھا کہ وہ ان کی فیانسی ہے اور یہاں علاج کیلیے آئی ہے"حدیقہ نے محتاط الفاظ میں وضاحت دی تھی۔اب وہ اصل بات تو بتا نہیں سکتی تھی کہ عانیہ اسے اپنے پیرنٹس کا قاتل سمجھتی تھی اور اسے قتل کرنے زبردستی اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی۔اور یہ ڈرامہ کیا تھا کہ اس کی یادداشت چلی گئی ہے۔ریان نے نہیں بلکہ عانیہ نے اسے اپنا فیانسی ظاہر کیا تھا۔

یہ بات سن کر وہ دونوں تو دنگ بیٹھی رہ گئیں۔

"پھر وہ انہیں چھوڑ کر کیوں گئیں تھیں۔"رینم نے حیرت سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"اسے حماد سے بدلہ لینا تھا۔جب اس نے حماد پر قاتلانہ حملہ کیا تو ان لوگوں نے اسے بے ہوش کر کے تمہارے ساتھ کسی طوائف کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔"حدیقہ نے بتایا۔

"اور پھر وہ رینم کے ذریعے ان سے دوبارہ مل گئیں۔واؤ۔کیسا اتفاق ہے۔"حریم بولی۔

"اس کا مطلب ریان بھائی عانیہ سے شادی کریں گیں۔ اور وہ میری بھابھی بن جائے گی۔" رینم کی آواز ایکسائٹمنٹ میں اونچی ہوئی تھی۔

"ارے آہستہ بولو۔ ابھی انہیں یہ بالکل بھی پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ ہم ان کے بارے میں سچ جان چکے ہیں۔ جب وہ اکٹھے ہوں گے تو تب ان سے پوچھیں گے۔ پھر تو ان کے فیس ایکسپریشنز دیکھنے والے ہوں گے۔ مجھے لگتا ہے کہ ان کے درمیان زبردست اور مزے دار سی لڑائی ہونے والی ہے۔ اب تو میں چھپ کر ان کی باتیں ضرور سنوں گی ۔اور حدیقہ تم پلیز انہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی۔" حریم نے کہا۔

"اوکے" حدیقہ نے شانے اچکا کر کہا۔ عانیہ نے بھی تو اس کا بھانڈہ پھوڑا تھا نا تو اب وہ عانیہ کو کیوں باخبر کرے۔ اسے تو ابھی سے ہی عانیہ کا سرخ شرمایا سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

---------------------------

"دیا....!" ریان نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی۔ وہ جو بیک گارڈن کے پودوں کو پانی دے رہی چونک کر مڑی تھی اور اسے دیکھ کر خفگی سے منہ بناتی دوبارہ کام میں مشغول ہو گئی۔ ریان زیر لب مسکراتا اسکے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ناراض ہو؟" وہ پودوں کی طرف دیکھتا بولا۔ عانیہ نے بچوں کی طرح نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر بول کیوں نہیں رہی۔" وہ بولا تو عانیہ کوئی ردعمل ظاہر کیے بنا چپ چاپ کام کرتی رہی۔

"اچھا پلیز سوری۔ اب نہیں ڈانٹوں گا۔ تم جو مرضی کرو۔ کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ صلح آمیز لہجے میں بولا تو عانیہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے لب بھینچے۔ اسے اس کی ڈانٹ بری نہیں لگی تھی۔ بس اسے عورت کیوں کہا۔ لڑکی بھی تو کہہ سکتا تھا نا۔ جان بوجھ کر اسے بڑی عمر کا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بوڑھی اور موٹی سی آنٹیوں والی فیلینگ ابھی سے آنی شروع ہو گئی تھی۔

"اب کیا کان بھی پکڑوں۔"

"نہیں۔تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔تم کیوں پکڑو گے کان۔اگر کہو تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں تم سے" وہ رکھائی سے بولی۔

"اب ایسے تو مت کہو۔میں جانتا ہوں میری غلطی تھی۔لیکن کیا کرتا غصے میں آ گیا تھا نا۔تم نے بھی تو کتنا تنگ کیا مجھے۔کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا کہ گولی لگ کر دوسری طرف سے نکل جاتی۔ایسے بھی کوئی کہتا ہے یار۔"

"اور تم نے بھی تو پورا بدلہ لیا تھا۔سب کے سامنے کیسے مجھے ڈانٹا تھا۔کیا سوچتے ہوں گے سب۔"

"مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں۔تم بتاؤ تمہیں میرا ڈانٹنا برا لگا تھا۔" اس نے پوچھا تو عانیہ چپ ہو گئی۔ریان کا اس کی فکر کرنا اور اسے ڈانٹنا تو اس کے دل کو عجیب سا سکون پہنچا گیا تھا۔ریان کے دل میں اپنے لیے اتنی اہمیت دیکھ کر اسے خوشی سی ہوئی تھی۔اس نے بے اختیار نظریں چرائیں تھی۔ریان مسکراتے ہوئے اس کو کندھے سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔عانیہ کے ہاتھ میں پانی کا پائپ اس کے ریان کی جانب مڑنے سے ان دونوں کے پیروں کے درمیان پانی کی موٹی موٹی بوندیں گرانے لگا تھا۔

"تمہیں اچھا لگا تھا۔ہے نا۔" وہ اس کی جھکی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔عانیہ نے پلکیں اٹھ کر اسے دیکھا تھا اور دیکھتی رہ گئی تھی۔کچھ لمحے ایسے ہی گزر گئے۔ان کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں اپنے عکس نظر آ رہے تھے۔پائپ سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔اور ان دونوں کے پاؤں بھیگ گئے تھے۔

"ایک بات بری لگی تھی۔" عانیہ نے نظریں پھیر کر کہا تو ریان نے سوالیہ ابرو اچکائی۔

"تم نے مجھے عورت کیوں کہا تھا؟" وہ نروٹھے پن سے بولی تو ریان زور سے ہنس دیا۔

"تم بھی حد کرتی ہو دیا۔یعنی کہ تمہیں غصہ صرف عورت کہنے پر آیا تھا" عانیہ نے اسے خفگی سے گھورا تو وہ سیز فائر کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیے

"اوکے اب نہیں کہوں گا۔ بلکہ بے بی کہہ لیا کروں گا۔"

"اس سے بہتر ہے دیا ہی کہہ لو۔" وہ مسکراہٹ چھپاتی پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

"کسے دیا کہہ لیں" پیچھے سے حریم کی آواز آئی تو دونوں کرنٹ کھا کر پلٹے تھے۔ حریم ہال کے دروازے میں سینے پر بازو باندھے کھڑی انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دائیں بائیں حدیقہ اور رینم بھی کھڑی تھیں۔ عانیہ کا تو سانس ہی اٹک گیا تھا جبکہ ریان نے اکتا کر سر جھٹکا تھا۔

"فکر مت کریں۔ ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ سچ میں۔" حریم ان کے قریب آتے ہوئے بولی تو ان دونوں کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ سب دیکھ اور سن چکی ہے۔ عانیہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اکتائی ہوئی آہ خارج کی تھی۔ جس بات کو وہ چھپانا چاہتی تھی وہ ظاہر ہو کر ہی رہی تھی۔

"ریان بھائی! آپ بتائیں یہ چکر کیا ہے آخر۔ آپ عانی آپی کو دیا کیوں کہہ رہے تھے۔ کہیں ان میں آپ کو اس لڑکی کی شکل تو نہیں دکھتی یا ان کی شکل اس لڑکی جیسی ہے۔" حریم ریان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"یہ وہی لڑکی ہے۔" ریان نے صاف گوئی سے کہا تو عانیہ نے اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"ریان..... میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ تمہاری وجہ سے انہیں پتہ چلا ہے۔" وہ خفت مٹانے کو غصے سے کہتی اس کے کندھے پر مکے برسانے لگی۔

"ارے یار کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری دوستیں ہیں یہ۔ آخر انہیں بھی تو پتہ چلنا چاہیے کہ تمہارا ہیرو کون ہے۔.... ہمم" ریان نے اس کا وہ والا ہاتھ پکڑ لیا جس سے وہ اسے مکے مار رہی تھی اور اپنا ایک بازو اس کے کندھوں کے گرد حمائل کرتے ہوئے بولا اور ابرو اچکا کر تائید چاہی تو عانیہ منہ کھولے ہکا بکا سی اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں یہ تو ریان بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہیں ہم سے یہ چھپانا نہیں چاہیے تھا۔" ریnم بھی قریب آ چکی تھی اور مسکرا کر بولی تھی۔ عانیہ نے ایک نظر سامنے کھڑی اپنی تین دوستوں کو دیکھا جن کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ

رہے تھے۔ آج یقیناً اس کا خوب ریکارڈ لگنے والا تھا۔ اسے ریان پر سخت غصہ آیا جو ابھی تک اس کا ایک ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے بازو کے حصار میں لیے کھڑا تھا۔ اس نے پائپ والا ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور اس کا منہ ریان کی طرف کر دیا۔ اس کے خیال میں اب تو ریان کو اسے چھوڑ کر اپنے آپ کو پانی سے بچانا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے پیچھے ہٹنے کی بجائے پائپ کو آگے پکڑ کر عانیہ کی جانب کر دیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ بھیگ گئی۔ اس نے جلدی سے پائپ نیچے پھینکا اور ریان سے الگ ہوتے ہوئے کسی سے بھی نظریں ملائے بغیر وہاں سے بھاگتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ریان مسکراہٹ چھپانے کے لیے نچلا لب دانتوں میں دبائے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

"آپ انہیں دیا کیوں کہتے ہیں؟" حریم نے پوچھا۔

"میری مرضی" وہ کندھے اچکا کر کہتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے سے تینوں نے بدمزہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ ابھی تو مزید سوال پوچھنے تھے ان سے اور وہ دونوں چلے گئے۔ چلو کوئی بات نہیں بعد میں پوچھ لیں گی۔ پھر کونسا سامنا نہیں ہو گا ان سے۔ حریم سوچ کر مسکرائی تھی۔

---

"عنیقہ کی کال!..." اس نے حیرت سے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے کال اٹھائی تھی۔

"ہیلو حدیقہ....." عنیقہ جلدی میں بولی تھی۔

"کیا ہے؟" وہ رکھائی سے بولی۔

"ابھی مل سکتی ہو۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔" عنیقہ نے بھی کوئی تمہید باندھے بغیر کہا تھا۔

"فون پر ہی کر لو"

"نہیں یہ بات فون پر کرنے والی نہیں ہے۔" عنیقہ نے جھنجھلا کر کہا تو اسے اچنبھا ہوا کہ اب وہ کیا کہنے والی ہے۔

"میں عانیہ کی طرف ہوں۔ دوپہر کو گھر آؤں گی تو پھر بات کریں گے۔" اس نے بات ختم کرنی چاہی۔

"نہیں۔گھر پر نہیں۔میں نزدیکی پارک میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔تم وہیں آ جاؤ اور پلیز پندرہ منٹ میں ہی پہنچ جانا۔"عنیقہ نے حکمیہ لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی تو اس نے تعجب سے فون کو دیکھا۔ایسی بھی کیا بات تھی کہ ابھی ہی کرنی تھی اور گھر میں بھی نہیں کرنی۔کیا وہ وہاب کے متعلق کچھ کہنے والی تھی۔تجسس کی وجہ سے اس نے جانے کی ہامی بھر لی۔

"عانیہ مجھے کچھ دیر کے لیے گھر جانا ہو گا۔عنیقہ نے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔"وہ عانیہ سے بولی۔

"کیا بات کرنی ہے اب اس نے؟"

"پتہ نہیں۔شاید وہاب کے بارے میں کچھ کہنا ہو گا۔مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس کی بات سن لینی چاہیے۔یہ نہ ہو بعد میں وہ کچھ الٹا سیدھا کر دے اور مجھے پچھتانا پڑے۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔چلو میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔"عانیہ نے اسے پیش کش کی۔

"نہیں رہنے دو۔اس نے مجھے گھر کے نزدیک پارک میں بلایا ہے۔میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔تھوڑی دیر تک آ جاؤں گی۔"

"اوکے ایزیو وش۔دھیان سے جانا"عانیہ نے مسکرا کر کہا۔

اس کے بیٹھنے پر ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر کے گیٹ سے نکال لی۔سڑک کے دوسرے کنارے کھڑے ایک موٹر سائیکل سوار نے دور سے ہی اسے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ہیلمٹ اتار کر اس نے اسد کو فون ملایا تھا۔

"سر وہ لڑکی عانیہ کے گھر سے نکلی ہے۔وہ گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ ہے۔"

"تمہیں یقین ہے یہ وہی لڑکی ہے؟"اسد نے پوچھا۔

"جی سر۔اس کے بال سنہرے ہیں۔اسے ابھی ہی اغوا نہ کر لوں۔"

"نہیں تم اس کا ابھی صرف پیچھا کرو۔" اسد نے کہہ کر فون بند کر دیا اور وہ ہیلمٹ پہن کر موٹر بائیک سٹارٹ کرتے ہوئے گاڑی کے پیچھا کرنے لگا جو ابھی بھی دور سے نظر آ رہی تھی۔

---------------------------------

"سر وہ لڑکی گھر جانے کی بجائے کسی پارک میں جا رہی ہے۔" اس نے حدیقہ کو پارک میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم اس کے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کس سے ملتی ہے۔" اسد نے کچھ سوچ کر کہا تو وہ جی سر کہتا ہوا حدیقہ کے پیچھے ہی پارک میں داخل ہو گیا البتہ کال نہیں کاٹی تھی۔

"سر وہ ابھی ایک لڑکی سے مل رہی ہے..... اور وہ دونوں اب ایک درخت کے پیچھے کھڑی ہو چکی ہیں۔" وہ ان دونوں کو مسلسل دیکھتے ہوئے اسد کو رپورٹ دے رہا تھا۔

"اچھا تم ایسا کرو قریب جا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرو۔" اسد تو جیسے اس دفعہ ہر کام پرفیکٹ کرنا چاہتا تھا۔ اس کیلیے پوری معلومات ہونا بہت ضروری تھی۔

"جی سر" وہ کہہ کر کال کاٹنے ہی والا تھا کہ اسد کی آواز آئی تھی۔

"کال مت کاٹنا اور سپیکر آن کر دو۔"

اس نے فون کان سے ہٹا کر سپیکر آن کیا اور چلتا ہوا اس درخت کے قریب پہنچ گیا تھا جس کے پیچھے دونوں لڑکیاں کھڑی تھیں۔ پاس ہی ایک بینچ پڑا تھا جس پر وہ بیٹھ گیا تھا اور غور سے ان کی باتیں سننے لگا تھا۔

"اتنی ایمرجینسی میں کیوں بلایا مجھے۔ کیا بات کرنی تھی کہ وہ گھر میں نہیں کو سکتی تھی؟" حدیقہ نے سامنے کھڑی عنیقہ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر اضطراب اور الجھن نمایاں تھی۔

"مجھے تم سے وہاب کے متعلق بات کرنی تھی۔"

"اب کیا کر دیا ہے اس نے؟..... دیکھو میں اب اس کے متعلق کچھ نہیں سن سکتی۔" وہ اکتا کر بولی۔

"پلیز حدیقہ۔مجھے تمہاری مدد چاہیے۔میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔میں جان چکی ہوں کہ وہ چاہے جتنا بھی برا کیوں نہ ہو میں اس سے نفرت نہیں کر سکتی۔" عنیقہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ تو اپنے رنگ بدلنے میں گرگٹ سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اگر ایسے کام نہ ہوا تو ویسے سہی۔ لیکن اب وہ اس کے مقصد کے لیے خود کو استعمال نہیں ہونے دے سکتی تھی۔اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔

"میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی عنیقہ۔ تم نے پہلے بھی مجھے استعمال کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا تھا۔ تم نے وہاب کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔ اور میں نے تمہاری جھوٹی بات پر پتہ نہیں کیسے یقین کر لیا ۔غصے میں آکر میں نے اسے اتنی باتیں سنا ڈالیں۔ بہت ہرٹ کیا ہے میں نے اسے۔ اب اور نہیں۔" وہ چہرہ پھیر کر کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں اذیت پنہاں تھی اور آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ اور عنیقہ شرمندہ ہونے کی بجائے سلگ اٹھی تھی۔

"مجھے ایک بات سچ بتاؤ گی؟" اس نے تلخ لہجے میں پوچھا تو حدیقہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم وہاب سے محبت کرتی ہو؟" وہ بولی تو حدیقہ کچھ دیر کیلیے چپ رہ گئی تھی۔

"دیکھو عنیقہ میں نے کبھی بھی تمہارے اور اس کے درمیان میں آنے کی کوشش نہیں کی....."

"میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" عنیقہ نے درشتگی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"ہاں" یہ آواز اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی اور وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس نے عنیقہ کے سامنے یہ سچ کیوں بولا۔ عنیقہ کو بھی اس سے ایسی صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔ وہ تو تلملا کر رہ گئی تھی۔ اسی پل اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور حدیقہ کے گال پر پڑتا سرخ نشان ثبت کر گیا تھا۔ حدیقہ کو حیرانی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کی عادت

سے واقف تھی۔ درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے اس نے اپنے آنسو اندر ہی اتار لیے تھے۔ اور نہ ہی اس تھپڑ کے جواب میں اسے کوئی رد عمل دیا تھا۔ بس نظریں پھیر لیں تھیں۔

"کیوں کیا تم نے میرے ساتھ دھوکا۔ تم جانتی تھی نا کہ میں اسے کتنا چاہتی ہوں۔ پھر تم کیوں اسے چاہنے لگی۔ تم تو آستین کا سانپ نکلی حدیقہ۔ میں نے تم پر بھروسہ کیا اور تم نے میری پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود اس کے قریب چلی گئی تم۔ اسی لیے وہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔ کیوں آئی ہو تم ہمارے درمیان.... ہاں؟" حدیقہ کے خلاف نفرت کا زہر اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"میں نے اس سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کی عنیقہ...... میں نہیں جانتی کہ کیسے میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔" اس نے عنیقہ کی طرف دیکھا۔

"لیکن اب اتنا جانتی ہوں کہ اسے چاہنے سے خود کو نہیں روک سکتی۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔" اس نے نظریں واپس موڑ لیں تھیں۔

"لیکن تم فکر مت کرو میں اب بھی تم دونوں کے بیچ نہیں آؤں گی۔ وہ میری محبت ہے، ضد نہیں۔ اور محبت دینے کا نام ہے لینے کا نہیں۔" وہ بہت تکلیف زدہ لہجے بول رہی تھی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس بات پر عمل کرنا کتنا مشکل ہو گا۔ اپنی محبت کسی اور کے حوالے کر دینا آسان تھوڑی ہوتا ہے۔ اس نے اپنے چہرے کی اضطرابی کیفیت کو چھپاتے ہوئے ایک گہری سانس بھری اور ایک نظر سامنے کھڑی عنیقہ کو دیکھ کر پر مژدہ سی مسکرائی۔ پھر اور کچھ کہے بنا وہاں سے چلتی گیٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ پیچھے کھڑی عنیقہ اشتعال بھری سرخ آنکھوں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ یہیں اس کو مار ڈالے اور اس کا قصہ ہی ختم دے۔

(تم تو اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤ گی لیکن وہ کبھی نہیں ہو گا۔ یہ میں جانتی ہوں۔ کاش میں وہاب کے بارے میں تم سے وہ سب نہ کہتی اور نہ اس کی نظروں میں گرتی۔ لیکن میں تمہیں بھی اس کی نظروں سے گرا کر رہوں گی۔ تم دونوں کو کبھی ایک نہیں ہونے دوں گی۔ اس کیلیے بے شک مجھے تمہارا قتل ہی کیوں نہ کرنے پڑے۔) وہ کسی خطرناک چڑیل کی طرح زہریلا سا مسکرائی تھی۔ اور درخت کے پیچھے سے نکل کر دائیں جانب روش پر چلتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ یہ دیکھے بنا کہ پاس ہی کوئی شخص بینچ پر بیٹھا نہ صرف ان کی باتیں سن بھی چکا ہے بلکہ کال کے ذریعے آگے پہنچا بھی چکا ہے۔ اور ظاہر ہے وہ باتیں فون میں ریکارڈ بھی تو ہو چکیں تھیں۔

"کاشف! تم اِس کو چھوڑو اور دوسری لڑکی کا پیچھا کرو جس سے وہ ابھی باتیں کر رہی تھی۔"

"جی سر سمجھ گیا۔" کاشف نے سر ہلا کر کہا اور فون بند کرتے ہوئے عنیقہ کے پیچھے ہو لیا۔

اسد ان دونوں کی باتیں سن چکا تھا اور معاملہ بھی اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ دوسری لڑکی نفرت میں اس لڑکی کو نقصان پہنچانے میں کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔ اور اس کی اسی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے کنونس کر لیتا تو اس لڑکی کو آسانی سے اغوا کیا جا سکتا ہے۔ باس سے وفاداری کا ثبوت دینے کا ایک موقع ملا تھا اور وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھا رہا تھا۔

---------------------------

سارا رستہ وہ بے آواز روتی گھر پہنچی تھی لیکن اندر جانے کی بجائے وہ گیلری سے ہوتی بیک گارڈن میں آ گئی تھی اور دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھ کر بے تحاشہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ وہ آج خود اپنی محبت کسی کے حوالے کر آئی تھی اور اب جیسے دل خالی سا ہو چکا تھا۔ اسے عنیقہ کے رویے کا ذرا بھی دکھ نہیں تھا اور نہ ہی اس تھپڑ کی تکلیف ہوئی تھی۔ اصل دکھ تو یہ تھا کہ وہ اب چاہ کر بھی وہاب کو نہیں چاہ سکے گی۔ وہ کبھی کسی کی دکھ دے کر اپنی خوشیوں کا محل تعمیر نہیں کر سکتی تھی اسی لیے عنیقہ سے نفرت کے باوجود اس کی خوشی میں خود کو فراموش کر دیا تھا۔ وہ جانتی

تھی کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر کے آئی ہے کہ وہ وہاب کے راستے میں کبھی نہیں آئے گی اور اس دعوے کو نبھانا اس کے لیے بہت مشکل ہو گا۔ پل پل اذیت میں گزارنا پڑے گا۔ وہاب کو کھونے کے بعد شاید وہ پھر ساری زندگی سنبھل نہ سکتی۔ یہ رونا ہی شاید اس کی زندگی کا مقدر بنے گا مگر وہ غلط تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ چاہے اس سے جتنی بھی دور جانے کی کوشش کرے وہ قدم قدم اسی کی طرف بڑھ رہی ہو گی۔ چاہے جتنے بھی رستے بدلے وہ وہاب تک ہی جا کر ہی ختم ہوں گے۔ رستہ تو جتنا بھی دشوار گزار ہو آخر کار منزل تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ اور وہ بھی ابھی رستے میں تھی۔ مشکلوں سے ہمت ہار رہی تھی۔ امیدیں کھو رہی تھی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

عانیہ نے ڈرائیور کو گھر میں دیکھا اور حدیقہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ تو کب کے آ چکے ہیں تو وہ حیران ہوتی اسے ڈھونڈنے لگی اور اب وہ اسے یہاں ملی تھی۔ وہ بھی روتے ہوئے۔ وہ پریشانی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"حدیقہ کیا ہوا؟" اس کے سامنے ہی نیچے بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ تھام کر بولی تھی۔ حدیقہ نے سرخ متورم سی آنکھوں سے ایک نظر اسے دیکھا اور اس کے گلے لگ کر رو پڑی تھی۔ ایک عانیہ ہی تو تھی جس کے سامنے رو کر وہ اپنے دل کا حال بیان کر سکتی تھی۔

"کیا کہا عنیقہ نے تمہیں؟" عانیہ نے کچھ دیر بعد پوچھا تھا۔

"وہ کہتی ہے کہ میں اس کے اور وہاب کے بیچ آ رہی ہوں۔ لیکن میرا یقین کرو عانیہ میں نے اسے دھوکہ نہیں دیا۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ عانیہ نے اس کے چہرے کے بائیں گال کو غور سے دیکھا جو سرخ تھی۔

"یہ کیا حدیقہ..... اس نے تمہیں تھپڑ مارا ہے؟" وہ چونک کر بولی تو حدیقہ نے نظریں چراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"اس کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔اسی طرح کا نشان اس کے منہ پر نہ بنایا تو میرا نام بدل دینا۔ سمجھتی کیا ہے وہ خود کو اور تم نے اسے کچھ نہیں کہا آگے سے" عانیہ کو تو لگ غصہ گیا۔

"کچھ کہنے سے ہی تو تھپڑ پڑا تھا۔میں نے اسے سچ بتا دیا کہ میں وہاب سے محبت کرتی ہوں۔تو اس نے غصے میں آ کر میرے منہ پر تھپڑ مار دیا۔اور سچ پوچھو تو مجھے اس سے یہی امید تھی۔"

"تو پھر رو کیوں رہی تھی۔"

"اپنی قسمت پر رو رہی تھی۔اب تو شاید ساری زندگی رونا ہی پڑے گا۔کیونکہ میں اپنی خوشی کے لیے کسی اور کو رلا نہیں سکتی۔"

"کیا مطلب ؟"

"میں نے عنیقہ سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں کبھی بھی اس کے اور وہاب کے بیچ نہیں آؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے پھر سے رونے لگی۔

"یہ کیا کیا تم نے حدیقہ ؟..... تم کیسے اپنا حق کسی کو دے سکتی ہو۔اور وہ بھی عنیقہ کو جس نے تم سے جھوٹ بولا۔اور وہاب بھائی کا تو سوچو حدیقہ۔انہیں کتنا دکھ ہو گا یہ جان کر کہ تم نے ان پر گواپ کر دیا ہے۔تم عنیقہ کو ان پر فوقیت دے رہی ہو۔"

"مجھے نہیں پتہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔بس میں خود غرض نہیں بن سکتی۔"

"اوکے۔ریلیکس۔اگر انسان کو کچھ سمجھ نہ آئے تو اسے سب کچھ تقدیر پر چھوڑ دینا چاہیے۔اللہ سب بہتر کرے گا۔اگر وہاب بھائی تمہارے نصیب میں ہیں تو کوئی بھی انہیں تمہارا ہونے سے روک نہیں سکتا۔تم خود بھی نہیں۔اس لیے پریشان مت ہو۔چلو اٹھو یہاں سے۔اندر چلو۔" عانیہ کے الفاظ نے جیسے اس کے زخمی دل پر

مرہم کا کام کیا تھا۔وہ واقعی ریلیکس فیل کرنے لگی تھی۔اسے کیا ضرورت ہے اتنا سوچنے کی۔ہو گا تو وہی جو اللہ کو منظور ہو گا۔

--------------------------

آج ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کے گھر تقریب تھی جس کے مہمان خصوصی عانیہ اور ریان تھے۔مرتضیٰ ملک نے عانیہ کو خاص طور پر آئی جی صاحب سے ملوایا تھا اور بڑے فخر سے اس کا کارنامہ بتایا تھا جیسے وہ ان کی اپنی بیٹی ہو۔وہاں اور بھی پولیس آفیسرز آئے ہوئے تھے اور حیدر علی صاحب بھی مدعو تھے۔سب عانیہ کے کارنامے پر انہیں ہی مبارک باد دے رہے تھے کیونکہ اب وہی اس کے سرپرست کی جگہ تھے۔کافی دیر وہ سب عانیہ اور ریان سے باتیں کرتے رہے تھے۔پھر عانیہ نے وہ ریکاڈنگ مرتضیٰ ملک کو دے دی تھی اور اب اسے سن کر واقعی ششدر رہ گئے تھے۔ان کی ناک کے نیچے یہ کام ہو رہے تھے اور وہ سب بے خبر تھے۔کچھ تو وہ حماد کے بارے میں پہلے سے جانتے تھے لیکن اس قدر گہرے انکشافات نے انہیں ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔حماد کے ساتھ ساتھ بہزاد شاہ کی اصلیت بھی کھل کر سامنے آچکی تھی۔اب انہوں نے اس کے خلاف بھی مزید ثبوت ڈھونڈنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ رنگے ہاتھوں پکڑ کر انہیں کورٹ میں پیش کیا جا سکے۔اس کے لیے انہیں یہ سب رازداری سے کرنا تھا۔سب نے عانیہ کو اس کی عقل مندی پر سراہا تھا اور عانیہ کو آج واقعی لگا تھا کہ اس کے مام ڈیڈ بہت خوش ہوں گے۔اس کی وجہ سے ملک کے دو غدار پکڑے جا رہے تھے۔اس کے مام ڈیڈ کا نام تو روشن ہونا ہی تھا۔لنچ پر ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی فیملی بھی ساتھ تھی۔عریج اور اس کی والدہ لائبہ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔بہت دیر تک عریج ان دونوں سے باتیں کرتی رہی تھی۔سمیع اور حمزہ نے بھی انہیں کمپنی دی تھی۔

"ناراضگی ختم ہو گئی تم دونوں کی؟"عریج کو باتیں کرتے ہوئے یاد آیا تو پوچھنے لگی۔

"ہاں کب کی۔"ریان نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تم نے منایا کہ تھا کہ خود ہی مان گئی۔" عریج نے شرارت سے پوچھا۔

"خود ہی کہ۔ میں نے کہا تھا نا کہ یہ مجھ سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی۔" ریان نے فخر سے بتایا اور عانیہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"ویسے تم لوگوں کی لڑائی تھی بہت مزے کی۔ کیوٹ سی۔ بالکل بچوں کی طرح لگ رہے تھے تم لوگ"

اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے وقت گزر گیا اور وہ دونوں سہہ پہر کے وقت وہاں سے نکلے تھے۔

"سب لوگ بہت تعریف کر رہے تھے نا تمہاری" ریان نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں؟ تم جیلس ہو رہے ہو کیا؟"

"نہیں بس ڈر لگ رہا تھا کہ وہ لوگ تمہیں کہیں نظر ہی نہ لگا دیں۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تو عانیہ چپ ہو گئی۔

"ویسے اگر میں تمہاری تعریف کروں تو تمہیں میری نظر تو نہیں لگے گی نا؟"

"لگ جائے گی" عانیہ نے تیزی سے کہا مبادا وہ تعریف کر ہی نہ دے۔

"اوکے اوکے نہیں کرتا تعریف۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا لیکن تعریف کرنے سے باز بھی نہیں آیا تھا۔ "لیکن ایک بات تو ہے

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

عانیہ نے اپنے گالوں کی سرخی کو چھپانے کے لیے اسے غصے سے گھورا تھا۔

"ریان تم باز آجاؤ۔"

"مجھے لگا تھا کہ اب تو تم میری تعریف کر ہی دو گی۔"

"کر ہی نہ دوں۔" اس نے جل کر کہا۔

"کرنی تو پڑے گی تمہیں ایک نہ ایک دن۔" وہ پر وثوق لہجے میں کہتا مسکرایا تھا اور عانیہ کا دل اس کی مسکراہٹ دیکھ کر زور سے دھڑکا تھا۔ ایک تو جب بھی وہ مسکراتا تھا عانیہ کو اپنا آپ کسی سحر میں جکڑتا محسوس ہوتا تھا۔ اونہہ ۔اسنے اکتا کر سر جھٹکا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

---------------------------

"حدیقہ تمہیں کیا ہوا ہے؟..... تم روتی رہی ہو کیا؟" حریم نے بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے فکر مندی سے پوچھا۔ حدیقہ نے گڑبڑا کر خود کو کمپوز کیا اور پھیکا سا مسکرا دی۔

"نہیں تو"

"جھوٹ مت بولو حدیقہ۔ مجھے پتہ ہے تم پریشان ہو۔ اور یہ بھی پتہ ہے کیوں پریشان ہو"

"کیوں؟" اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کسی کی یاد آرہی ہے۔ ہے نا۔"

"کسی کی بھی نہیں آرہی۔" وہ نظریں پھیر کر بولی۔

"تو پھر یوں کمرے میں بند ہو کر چلا تو نہیں کاٹ رہی کہیں۔" حریم نے طنزیہ کہا تو اس نے اسے گھورا۔

"یار اگر تمہیں وہاب بھائی کی یاد آرہی ہے تو جا کر مل کیوں نہیں آتی۔ رونے سے تو کچھ نہیں ہو گا نا۔" حریم نے اکتا کر اسے سمجھایا۔

"اب شاید کبھی نہ مل سکوں" وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتی بڑبڑائی تھی۔ حریم کو اس کی آواز بہت آہستہ سے آئی تھی اس لیے وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی

"کیا کہا؟"

"کچھ نہیں۔ چھوڑو اس بات کو۔ میں نے تمہیں ایک سرپرائز دینا تھا۔وہ یاد ہی نہیں رہا۔" وہ بات بدلتے ہوئے بشاشت سے بولی۔

"کیسا سرپرائز؟" حریم پرجوش حیرت کے ساتھ بولی۔

"میں نے تمہاری ہمشکل لڑکی ڈھونڈلی ہے۔" حدیقہ نے سائیڈ ٹیبل پر سے اپنا موبائل پکڑتے ہوئے کہا۔

"کیا؟.....واقعی۔کون ہے وہ؟"

"وہ اصل میں لڑکی نہیں۔کارٹون ہے۔" حدیقہ نے نظریں موبائل پر جمائے ہی کہا تو حریم کا منہ بن گیا۔

"میں تمہیں کارٹون لگتی ہوں؟" اس نے صدمے سے پوچھا۔

"ارے یار وہ بہت پیاری ہے۔ تمہاری طرح کی آنکھیں ہیں اور بال بھی تمہاری طرح کے۔ مجھے تو وہ بالکل تمہارے جیسی ہی بلی لگی ہے۔ تم خود دیکھ کر بتاؤ کہ کیسی ہے وہ" حدیقہ نے فون اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ تو فروزن کارٹون والی آنا ہے۔ ایلسا کی چھوٹی بہن۔ ہاں اس کی شکل مجھ سے ملتی ہے اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔"

"پیاری ہے نا۔"

"ہاں لیکن مجھ سے زیادہ نہیں" حریم نے ادائے بے نیازی سے کہا تو حدیقہ کو ہنسی آگئی۔

"چلو رینم کو بھی جا کر بتاتی ہوں۔" حریم اٹھتے ہوئے بولی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اپنے ساتھ لیتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

-------------------------------

کل رات اس کا نکاح ہونے والا تھا اس لیے ماما نے اسے آپی نور کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس نے اس نکاح سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں تو بہت مارے تھے لیکن جب کچھ نہ بن پڑا تو اسے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے

تھے۔اب وہ اکتائی سی بے دلی سے شاپنگ کر رہی تھی۔شام ہو چکی تھی اور ابھی بھی کچھ شاپنگ رہتی تھی۔وہ چلتے ہوئے دائیں سائیڈ پر پڑیں چیزوں پر نگاہ ڈالتی آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک کسی نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔

"مس عنیقہ" وہ اس آواز پر کرنٹ کھا کر پلٹی تھی تو دیکھا کہ ایک لڑکا کھڑا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس نے ڈرتے ہوئے ارد گرد دیکھا تو دور نوری آپی کاؤنٹر کے سامنے کھڑی نظر آئیں تھیں اور ان کی پشت اس کی طرف تھی۔شکر تھا کہ ابھی انہوں نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ابھی وہ یہاں سے کھسک سکتی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"کاشف نے تیزی سے کہا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔پھر ایک نظر نوری آپی کی طرف دیکھا جو ابھی بھی ادھر ہی کھڑیں تھیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟"وہ غصے سے دبی دبی غرائی تھی۔

"مس میں تو آپ کے فائدے کے لیے کہہ رہا تھا۔پھر بعد میں آپ کو پچھتانا نہ پڑ جائے۔"کاشف نے کندھے اچکا کر کہا تو وہ ٹھٹک تھی۔

"کیا مطلب؟"وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

"اس آواز کو تو آپ پہچانتی ہی ہوں گیں۔"کاشف نے فون میں سے آڈیو ریکارڈنگ آن کی تو پہلے فقرے پر ہی وہ پہچان گئی تھی۔یہ اس کی اور حدیقہ کی باتیں تھی جو انہوں نے دوپہر کو پارک میں کیں تھیں۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔

"اگر ہم دو منٹ کہیں بیٹھ کر آرام سے بات کر لیں تو میرے خیال سے ہم دونوں کا فائدہ ہو سکتا ہے۔"کاشف اسے فاتحانہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"ایک منٹ...... میں اپنی سسٹر کو بتا آؤں۔ پلیز" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ تو کاشف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔عنیقہ بھاگتی ہوئی آپی نور کے پاس گئی اور بتایا کہ اس کی کوئی دوست نظر آ گئی ہے۔ دو منٹ کا بتا کر وہ واپس آئی تو اس کاشف نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ اور شاپ سے باہر نکل گیا

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ایک کیفے ٹیریا میں داخل ہوئے تھے اور ایک خالی میز کی طرف آ گئے۔

"آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں کیا؟" اس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ کاشف بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"نہیں اگر آپ میری بات سننے پر راضی ہو جاتیں تو اس کی نوبت نہ آتی۔ دراصل میں نے آپ دونوں کی باتیں سن لیں تھیں اور مجھے سارا معاملہ بھی سمجھ میں آ گیا ہے۔ اس لیے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری مدد؟.... لیکن کیوں؟" وہ اچنبھے سے بولی۔

"کیونکہ اس میں میرا بھی فائدہ ہے"

"میں سمجھی نہیں۔"

"کیا آپ حدیقہ کو اپنے اور وہاب کے درمیان سے ہٹانا چاہتی ہیں؟" کاشف نے پوچھا تو اس نے بے ساختہ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور میں حدیقہ کو اغوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اسے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہیں تو اسے اغوا کرنے میں میری مدد کریں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔" کاشف نے کہا اور اس کے چہرے کے تاثرات غور سے پڑھے۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا اس طرح وہ حدیقہ سے چھٹکارا پا سکتی تھی۔ لیکن وہ اس طرح کیسے کر سکتی تھی۔ وہ اس کی کزن تھی اور اس کے اغوا ہونے پر اس کے خاندان کی بے عزتی ہونی تھی۔ ضمیر کے ملامت کرنے پر وہ مخمصے میں پڑ چکی تھی البتہ دل تو

کر رہا تھا کہ ابھی ہامی بھر لے۔اس سے سنہری موقع اسے پھر شاید کبھی نہ ملے۔بے عزتی اس کی تو نہیں ہو گی نا۔حدیقہ کی ہی ہو گی جس سے وہ سخت نفرت کرتی ہے۔

"میں جانتا ہوں آپ کیلیے اتنی جلدی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ایسا چاہتی ہیں۔اس لیے یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔جب آپ کا ذہن بن جائے آپ مجھے فون کر کے اپنا فیصلہ بتا دیں۔آپ کے پاس انکار کا بھی آپشن ہے۔"کاشف نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ میں اپنا کارڈ پکڑایا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔اور وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھی سوچوں میں گھری کارڈ کو دیکھتی رہی تھی۔پھر گردوپیش کا ہوش آتے ہی کارڈ کو بیگ میں ڈالتی اٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گئی تھی۔گھر آکر وہ ماما کی باتوں سے جان چھڑاتی جلدی سے اپنے کمرے میں آگئی تھی اور دروازہ بند کر کے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔

بے شک یہ کام اس کے لیے بہت مشکل بھی ہو سکتا تھا۔پکڑے جانے کا خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا تھا اور اس کے چچا حیدر علی کی عزت خاک میں مل جانی تھی۔لیکن وہ کیوں دوسروں کے بھلے کا سوچتی رہے۔اس کے اپنے مسلے بھی تو بہت تھے۔ایک طرف اس کی شادی سر پر تھی اور دوسری طرف وہاب اس سے دور جا چکا تھا۔اگر وہ یہ کام کر دیتی تو حدیقہ کو وہاب سے دور کرنے کے علاوہ اس کی شادی بھی رک سکتی تھی۔ہاں۔وہ بے اختیار بولی۔اب تو اسے ضرور ہی یہ کرنا تھا۔چاہے کسی کی عزت جاتی ہے یا کسی کی جان۔اسے پرواہ نہیں تھی۔اسے بس اس شادی سے بچنا تھا۔اگر وہ نکاح ہونے سے پہلے حدیقہ کو اغوا کروا دیتی تو اس کی ماما نے سب مہمانوں کے سامنے عمرینہ چچی کا تماشا بنانے سے بھی گریز نہیں کرنا تھا۔وہ اپنی ماں کی اس عادت سے اچھی طرح واقف تھی۔اس طرح اس کی شادی رک سکتی تھی۔یا ایک اور چانس یہ بھی تھا کہ جب حدیقہ اغوا ہو چکی ہو گی تو کیا اس کے بابا اپنے بھائی کا دکھ بانٹنے کی بجائے اپنی خوشیاں مناتے رہتے۔ماما تو پھر بھی نکاح کروانے کی کوشش ضرور کرتیں لیکن بابا اپنی بھتیجی کے غم میں ایسا نہیں کر سکتے تھے اور نتیجتاً اس کی جان اس شادی سے چھوٹ جانی تھی۔

(واہ۔ایک تیر سے دو شکار۔ایک طرف حدیقہ وہاب سے دور ہو جائے گی اور دوسری طرف اس کی شادی رک جائے گی۔) کتنے اچھے وقت پر اس لڑکے نے اس کی مدد کی تھی۔اب اسے یہ جاننے کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ اس آدمی نے حدیقہ کو کیوں اغوا کرنا تھا اور نہ اس بات کی پرواہ تھی کہ وہ لوگ اسے اغوا کرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا کریں گے۔اسے تو اپنا مقصد حل ہوتا نظر آرہا تھا۔کتنی مشکل سے اندھیرے میں ایک امید کی کرن دکھی تھی اور وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

-------------------------

وہ صبح بہت گہری اور پراسرار سی خاموشی کے ساتھ ابھری تھی۔سورج کی سنہری کرنیں، چمکتا آسمان، اگست کی گرمی، درختوں پر پرندوں کی چہکار، کراچی کی سڑکوں پر ٹریفک کا شور، سب کچھ ویسا ہی تھی جیسے پہلے ہوتا تھا لیکن آج کچھ معمول سے ہٹ کر تھا یا ہونے والا تھا۔لیکن کوئی بھی یہ بات نہیں جانتا تھا۔

وہ حریم اور رینم کے ساتھ مل کر لیپ ٹاپ پر ڈرامہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا فون بجا تھا۔اس نے اٹھا کر دیکھا تو ماما کی کال تھی۔کال پک کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آگئی۔

"اسلام علیکم ماما۔" اس نے تابعداری سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بچے۔کیسی ہو۔" عمرینہ اس کی آواز سن کر خوشی سے مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہوں ماما۔آپ بتائیں کیسی ہیں۔میری یاد تو نہیں آرہی کیا؟" وہ بشاشت سے بولی۔

"ہاں نا۔یاد تو آرہی ہے۔تم واپس بھی آجاؤ نا۔"

"بٹ ماما مجھے ابھی عانیہ کے ساتھ رہنا ہے۔مجھے یہاں حریم اور رینم کے ساتھ بہت مزا آرہا ہے۔گھر میں بور ہی ہوتی رہوں گی۔" وہ جان بوجھ کر گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔وہ اب وہاب کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اچھا صرف آج کیلیے آجاؤ۔عنیقہ کا نکاح ہو رہا ہے آج رات کو۔..."

"کیاعنیقہ کا نکاح؟........کس کے ساتھ" بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"اس کے کزن زید سے۔ تم نہیں جانتی؟" عمرینہ نے تعجب سے پوچھا۔ لیکن وہ اس وقت جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس خبر پر حیران تھی یا خوش۔ یا شاید دونوں کیفیتیں اکٹھی ہی اس کو گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ تو کل وہاب کو عنیقہ کے نام کر آئی تھی اور آج اس کی شادی زید سے ہونے جا رہی تھی۔ کیا قسمت اتنی جلدی بھی مہربان ہو سکتی ہے۔ کیا عنیقہ نے وہاب کا پیچھا چھوڑ کر زید سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے یا کسی دباؤ کے تحت وہ ایسا کر رہی ہے۔ بہر حال وہ جیسے بھی اس شادی کے لیے مانی ہو اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ نہ وہ اس کی کوئی مدد کر سکتی تھی۔

"میرا مطلب اتنی جلدی؟" سوچوں سے نکل کر وہ سنبھلتے ہوئے بولی تھی۔

"زید نے ابروڈ جانا تھا اس لیے جلدی نکاح کر رہے ہیں۔ مجھے بھی کل ہی پتہ چلا ہے۔ میں نے تمہیں فون کر کے بلانا چاہا لیکن تمہارا نمبر بند تھا تو سوچا کہ کل ہی بتا دوں گی تمہیں۔ اب بس تم جلدی سے آ جاؤ۔ ارم بھابھی کتنی دفعہ تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہیں۔"

"اور آپ خوامخواہ شرمندہ ہوتی رہی ہوں گیں۔ ہے نا۔" وہ شرارت سے بولی۔ لہجے میں ایک خوشی سی در آئی تھی۔

"ارے نہیں۔ میں نے بتا دیا کہ تم فرینڈز کے ساتھ ہو۔ اس میں برا بھی کیا ہے جو میں شرمندہ ہوں گی۔ اچھا چلو پھر میں کسی کو بھیجتی ہوں تم آنے کی تیاری کرو۔" عمرینہ نے کہا۔

"نہیں.....میں خود آ جاؤں گی ڈرائیور کے ساتھ۔" وہ تیزی سے بولی۔ جانتی تھی کہ ماما کسے بھیجیں گیں۔ انہیں ہر دفعہ وہاب ہی ملتا تھا ریسکیو کے لیے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" عمرینہ نے پھر چند ایک نصیحتیں کر کے فون رکھ دیا تو وہ بھاگتی عانیہ کے کمرے میں پہنچی تھی۔

"عانیہ......مجھے گھر جانا ہے۔"اس کی مسکراہٹ کی چمک اس کی خوشی کو ظاہر کر رہی تھی۔

"کیوں؟"عانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"عنیقہ کی شادی ہو رہی تھی۔ آج رات اس کا نکاح ہے۔"حدیقہ نے پر جوش لہجے میں کہا تو عانیہ کو اور بھی حیرانی ہوئی۔

"تو تم کیوں خوش ہو رہی ہو؟....ایک منٹ اس کی شادی اس کے کزن کے ساتھ ہو رہی ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اوہ تبھی محترمہ کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی۔ویسے عنیقہ مان کیسے گئی؟"

"آئی ڈونٹ نو۔اور مجھے جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔یہ اس کا اور اس کے گھر والوں کا آپس کا معاملہ ہے۔جب سے مجھے اس کے جھوٹ کے بارے میں پتہ چلا ہے مجھے تو اس کی شکل بھی دیکھنے کا بھی دل نہیں کرتا۔لیکن اب جتنی بھی ناراضگی ہو اس کی شادی میں جانا ضروری ہے۔"

"اچھا مجھے بھی مارکیٹ جانا ہے۔اکٹھے ہی چلیں جائیں گے۔"عانیہ نے موبائل فون پر ٹائم دیکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں کہا۔

"دیکھ لو۔کہیں پھر ریان بھائی سے تمہیں ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔"حدیقہ نے کہا تو عانیہ نے اسے گھورا۔

"باز آجاؤ تم حدیقہ۔وہاب بھائی کہتے ہیں حدیقہ دنیا کی سب سے معصوم لڑکی ہے۔مجھ سے پوچھے کوئی اس کی معصومیت کے بارے میں۔"عانیہ نے جل کر کہا تو حدیقہ چونکی۔

"کیا؟.....اس نے یہ کہا کہ میں معصوم ہوں۔"وہ خوشگوار حیرت سے پوچھنے لگی تھی۔

"انہوں نے یہ تو کہنا ہی ہے نا۔عشق کی پٹی جو بندھی ہے آنکھوں پر۔"عانیہ نے کہہ کر اپنا بدلہ لیا۔

"جھوٹی۔اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا ہو گا۔" حدیقہ اس کی شرارت بھانپ کر اس کی کمر پر دھپ رسید کرتے ہوئے بولی۔

"بے شک خود پوچھ لینا۔" وہ شانے اچکا کر بولی تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

---

دوپہر بارہ بجے وہ دونوں گھر سے نکلیں تھیں۔حدیقہ کو اس کے گھر چھوڑنے کے بعد مال سے کچھ شاپنگ کی اور بوتیک چلی آئی۔مام کی یادیں پھر سے تازہ ہو گئی تھیں۔ان کا آفس بھی سونا سونا سا لگ رہا تھا۔وہ کبھی کبھار مام سے ملنے یہاں آیا کرتی تھی اور مام اس پر اپنے ڈیزائن کیے ہوئے کپڑے چیک کرنے لگ جاتیں تھیں۔پھر گھنٹوں اس کی بلائیں لیا کرتیں تھیں۔ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

سب کچھ ویسے ہی چل رہا تھا جیسے پہلے تھا۔سب ایمپلائیز اس سے بہت احترام سے ملے تھے۔مسز خان نے اسے سارے کام کے بارے میں بریفینگ دی تھی۔اس نے مسز خان پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے انہیں اسی طرح کام جاری رکھنے کا کہا تھا۔بے شک وہ بوتیک اب اس کا تھا لیکن اسے اس کام کی زیادہ سمجھ نہیں تھی اسی لیے مسز خان ہی سب سنبھال رہیں تھیں۔وہاں سے وہ دو بجے گھر پہنچی تھی۔

"کھانا کھا لیا تم دونوں نے؟" اس نے رنیم اور حریم سے پوچھا۔

"جی کھا لیا۔" حریم نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بنا جواب دیا۔

"لیکن ریان بھائی نے نہیں کھایا۔" رنیم نے بتایا تو اسے حیرت ہوئی۔اس نے تو صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔

"کیوں؟" اس نے پوچھا تو رنیم بتانے ہی والی تھی کہ حریم بول اٹھی۔

"ہمیں کیا پتہ۔خود پوچھ لیں نا۔"

وہ حیران ہوتی اوپر آئی اور ریان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ بیڈ پر سویا ہوا نظر آیا تھا۔

(ہیں۔یہ ابھی تک سورہا ہے۔)وہ آہستہ سے چلتی اس کے قریب آئی تھی۔

"ریان.....ریان" دو دفعہ آواز دی لیکن وہ نہیں اٹھا تھا۔وہ شش و پنج میں پڑتی اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔اسے اب حیرت کے ساتھ پریشانی بھی ہونے لگی تھی۔ہاتھ کو اس کے ماتھے پر رکھا تو ایسے لگا جیسے کسی گرم انگارے کو چھو لیا ہو۔

(اسے تو بہت سخت بخار ہے۔)ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔پھر اس کی نبض چیک کی تو اس کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔اس کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

"ریان....."اب وہ اسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ اس کی آواز کیوں نہیں سن رہا تھا۔دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"ریان.....اٹھو۔یا خدا کیا ہو گیا اسے۔یہ بے ہوش کیوں ہو گیا۔ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"وہ خود کلامی میں بڑبڑاتی جانے ہی لگی تھی کہ اس کی کلائی کسی کی مضبوط گرفت میں آچکی تھی۔اس نے کرنٹ کھا کر پیچھے دیکھا تو ریان اس کی کلائی تھامے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم.....تم بے ہوش نہیں تھے؟"وہ حیرت واستعجاب سے چلائی تھی۔ریان جواب دینے کی بجائے ذرا سا مسکرایا تھا۔عانیہ نے خفگی سے اسے دیکھا اور ہاتھ چھڑا لیا۔وہ جانتی تھی کہ ریان اس کے پریشان ہونے پر مسکرا رہا ہے۔

"تم آرام کرو۔میں ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں۔"وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"رہنے دو۔"وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولا۔

"کیوں؟....صبح بھی تم نے کچھ نہیں کھایا اور نہ لنچ کیا ہے۔اتنا سخت بخار ہے تمہیں اور ڈاکٹر کو کیوں نہ بلاؤں۔"

"مجھ سے دوائیں نہیں کھانے ہوتیں۔ابھی شاور لوں گا تو بخار اتر جائے گا۔"وہ اٹھتے ہوئے بولا۔عانیہ کو مزید غصہ چڑھا۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر لٹاتے ہوئے تحکم آمیز لہجے میں بولی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر کو فون کیا اور ٹھنڈے پانی کا باؤل اور تولیے نما ایک چھوٹا سا رومال اپنے ساتھ اوپر اس کے کمرے میں لے آئی۔ وہ اس وقت اتنی پریشان تھی کہ رینم اور حریم کو بھی نہ بتا سکی کہ ریان کو سخت بخار ہے۔

ریان آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے آنے پر چونک کر آنکھیں کھولیں اور اس کے ہاتھ میں پانی کا باؤل پکڑے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ دس منٹ تک پہنچ جائے گا۔" وہ سائیڈ ٹیبل پر باؤل رکھتے ہوئے بولی اور دیوار کے ساتھ پڑی کرسی کو کھینچ کر بیڈ کے قریب لے آئی۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی دیا" ریان نے اسے پانی میں کپڑے کو بھگوتے دیکھا تو بولا۔

"اوں ہوں۔ بخار میں زیادہ بولتے نہیں۔" وہ ٹھنڈی پٹی کو اس کے ماتھے پر رکھتے ہوئے بولی۔ ٹھنڈ کے احساس نے ریان کے چہرے کی گرمی کو ختم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ اس ٹھنڈی پٹی سے زیادہ یہ بات سکون دے رہی تھی کہ اس کی تیمارداری دیا کر رہی ہے۔ دس منٹ تک وہ مستعدی سے اس کی پیشانی پر ٹھنڈی پٹیاں رکھتی رہی تھی۔ ڈاکٹر نے آکر ریان کو چیک کر کے بخار کی دوا لکھ دی تھی۔ اور اب عانیہ کے ساتھ رینم اور حریم بھی اس کی تیمارداری کر رہیں تھیں۔

---

آج دوپہر سے ہی ارم نے گھر کو سجانا شروع کروا دیا تھا۔ فنکشن رات کا تھا اس لیے باہر صحن میں انتظام کیا گیا تھا۔ صحن کے شروع میں ایک سٹیج لگایا گیا تھا جس پر دولہا اور دلہن کے لیے صوفے رکھے گئے تھے۔ سٹیج کے سامنے قطاروں میں بہت سے گول میز رکھے گئے تھے جن کے گرد کرسیاں کسی پھول کی پتیوں کی مانند لگ رہیں

تھیں۔ گیٹ سے لے کر سٹیج تک سرخ قالین بچھایا گیا تھا۔ چار دیواری کے ساتھ لگے درختوں کو چھوٹی چھوٹی ایل ای ڈیز کے ساتھ سجایا گیا تھا جس کی روشنیاں ابھی تک گل تھیں۔ اس لان کو تو آج دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ آپی نوری، ارم، ساجدہ، اور کوثر مسلسل کام میں لگیں نکاح کے انتظامات کر رہی تھیں جبکہ عنیقہ روایتی دلہنوں کی طرح کمرے میں بند تھی۔ ابرار صاحب بھی کل ہی واپس آ چکے تھے اور اب نکاح کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ حیدر علی اور عمیر بھی ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ البتہ وہاب وہاں نہیں تھا۔ اس تقریب کی خوشی تو اسے بھی ہوئی تھی لیکن وہ اس فنکشن کو اٹینڈ کرنے کے لیے اپنا ایک اہم کام تو نہیں چھوڑ سکتا تھا نا۔ اس لیے عمرینہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔

مہمان دوپہر سے ہی آنا شروع ہو گئے تھے۔ گاؤں سے کوثر کے سسرال والے بھی آ چکے تھے۔ عنیقہ اور حدیقہ کی سیکنڈ کزنز بھی آ چکی تھیں۔ ابرار صاحب کے کچھ دوست بھی آنے تھے۔ گھر کے دونوں پورشنز میں چہل پہل جاری ہو چکی تھی۔

حدیقہ نے گھر آ کر لنچ کیا اور تیار ہونے کیلیے کمرے میں گھس گئی۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ پوری طرح سے تیار ہو کر باہر آ چکی تھی۔ میرون کلر کی سلیولیس پیروں تک آتی لمبی ریشمی فراک تھی جس کے کناروں پر کالے رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ٹاپ پر بھی کالے رنگ کی کڑھائی اور نگینوں کا نفیس سا کام کیا گیا تھا۔ گلے میں کالے رنگ کا شیفون کا دوپٹہ تھا جس کے نیچے سے ایک ہاٹ شیپڈ نیکلس گزرتا سینے تک آ رہا تھا۔ اس کی طرح کے آویزے کانوں میں جھولتے اس کی لمبی صراحی دار گردن کو اور بھی خوبصورت بنا رہے تھے۔ سنہرے بالوں کو درمیان سے مانگ نکال کر چہرے کے دونوں اطراف گرایا ہوا تھا۔ اور پیشانی کے شروع سے بالوں کی دو چٹیاں بنا کر سر کے دونوں اطراف سے گزار کر پیچھے پن اپ کی گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی خوبصورت سا تاج پہن رکھا ہو۔ ماتھے پر کچھ بال بکھرے ہوئے تھے جو گولائی کی صورت میں نیچے آتے اس کی لمبی پلکوں پہ اٹکے ہوئے

تھے۔چہرے پر ہلکا سا میک تھا۔میرون رنگ کا آئی شیڈ اور بلیک آئی لائنر نیلی آنکھوں کی دلکشی کو چمک دے رہے تھے۔چھوٹے سے خوبصورت لبوں پر چمکتا لپ گلوز لگایا ہوا تھا۔نرم و ملائم سے سفید چہرے کے گالوں کو ہلکا سا بلش کیا گیا تھا۔یہ سارا میک اپ ادیبہ نے اسے زبردستی کیا تھا۔پہلے کی طرح آج بھی وہ ساری کزنز سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔سب اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی تھیں۔ان سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ دوسرے پورشن میں آئی تھی جہاں رات کے فنکشن کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

"ارے واہ حدیقہ۔تم تو آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔"نوری آپی نے اسے دیکھ کر اس کی تعریف کی اور پاس سے گزرتی تائی جان نے منہ بگاڑا۔

"عنیقہ اپنے روم میں ابھی تک بند پڑی ہے۔پلیز اس کو جا کر کہو کہ بیوٹی پارلر جانے کی تیاری کرے۔وقت بہت کم رہ گیا ہے۔"نوری آپی نے مصروف سے انداز میں کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔عنیقہ سے تو اس نے بات بھی نہیں کرنی تھی۔ان کے سامنے سر اثبات میں ہلا دیا لیکن ان کے جانے کے بعد ایک کزن کو کہہ دیا کہ عنیقہ کو جا کر بیوٹی پارلر جانے کا کہہ دے۔وہ کزن دوبارہ اس کے پاس آئی اور اسے بتایا کہ عنیقہ اسے بلا رہی ہے۔وہ تذبذب کا شکار ہوتی اس کے کمرے میں چلی گئی۔عنیقہ بیگ میں دلہن والا لہنگا تہ کر کے رکھ رہی تھی۔تاکہ بیوٹی پارلر میں جا کر پہنا جا سکے۔حدیقہ نے کھلے دروازے کو بجا کر اسے متوجہ کیا تھا۔

"حدیقہ.....باہر کیوں کھڑی ہو؟اندر آؤ۔"عنیقہ نے اس کو دیکھ کر نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو حدیقہ حیرت سے بے ہوش ہونے والی ہو گئی تھی۔یہ وہی عنیقہ تھی نا جس نے اسے کل تھپڑ مارا تھا۔کل وہ نفرت کا زہر اگل رہی تھی اور آج اس کے منہ سے پھول کیسے جھڑ سکتے تھے۔

"میں جانتی ہوں تم بہت حیران ہو رہی ہو۔لیکن یہی حقیقت ہے۔میں اس رشتے کو قبول کر چکی ہوں۔اور وہاب اب سے تمہارا ہی ہے۔میں اب تم دونوں کے درمیان نہیں آؤں گی۔"وہ اس کے سامنے آتے ہوئے کہہ رہی

تھی اور حدیقہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اس کی بات پر کس قسم کا ردعمل ظاہر کرے۔ بس خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"اور پلیز مجھے معاف کردو۔ میں نے کل تمہیں غصے میں آکر تھپڑ مار دیا۔" عنیقہ نے چہرے پر دنیا جہان کی معصومیت طاری کر کے بولی تھی اور حدیقہ ایک دفعہ پھر اس سے دھوکہ کھا چکی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہونا۔" عنیقہ نے لاڈ سے پوچھا تو حدیقہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔ جیسے اس کے کرتوت تھے وہ معاف کرنے کے لائق تو نہیں تھے لیکن چلو خیر۔ خوشی کا موقع تھا اور وہ کوئی بد نظمی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر عنیقہ کو چلے جانا تھا اور کونسا اس نے آئندہ اس کے ساتھ گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرنی تھیں۔

"اچھا تو پھر میرے ساتھ بیوٹی پارلر تک چلو نا۔ میں وہاں اکیلی بور نہیں ہونا چاہتی۔" وہ دھونس جماتے ہوئے بولی تو حدیقہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ماننا ہی پڑا۔

"تم جا کر ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہو میں ابھی آتی ہوں۔" عنیقہ نے کہا تو وہ سر ہلا کر باہر چلی گئی۔

(تم کیا سمجھتی ہو میں اتنی آسانی سے میں وہاب کو تمہارا ہونے دوں گی۔ اتنی آسانی سے ہار مان لوں گی۔ ہونہہ۔ خوش فہمی ہے تمہاری اور مجھے تمہیں اسی خوش فہمی میں مبتلا رکھنا ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے میں تمہاری قربانی دینے جا رہی ہوں حدیقہ۔ سوری لیکن میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا) وہ مسکراتے ہوئے فون پر کاشف کا نمبر ملا رہی تھی۔ پہلی ہی گھنٹی پر کال اٹھا لی گئی تھی۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے؟" دوسری طرف سے کاشف کی آواز آئی تھی۔

"میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔" وہ تیزی سے بولی دوسری طرف سے کاشف فاتحانہ انداز میں مسکرایا تھا۔ عنیقہ نے اسے ایک جیولری شاپ کا ایڈریس بتا دیا کہ وہ حدیقہ کو وہاں لے آئے گی۔

فون بند کر کے اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے اور خود کو کمپوز کرتی بیگ لے کر باہر آ گئی۔ شکر تھا کہ نوری آپی اور سب اتنے مصروف تھے کہ اس کے ساتھ بیوٹی پارلر نہیں جا سکتے تھے۔ ایک کزن نے اس کے ساتھ جانے کی پیش کش کی تو اس نے سختی سے منع کر دیا۔ جب وہ گاڑی تک پہنچی تو حدیقہ بھی وہیں کھڑی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھیں تھیں۔

"چچی جان کو تو بتا دیا تھا نا کہ تم میرے ساتھ پارلر جا رہی ہو؟" عنیقہ نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گاڑی سڑکوں پر دھول اڑاتی تیزی کے سفر کرنے لگی تھی۔ عنیقہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی تھی اور ساتھ بیٹھی حدیقہ اتنی ہی پر سکون تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ کبھی کبھی یہ بے خبری بھی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ اگر انسان کو پہلے سے پتہ چل جائے کہ اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے تو ڈر کے مارے وہ بے سکون ہو جائے گا۔ کیونکہ اس چیز سے بچنا تو انسان کے بس میں ہوتا ہی نہیں۔ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کو مشکل میں ڈالتا ہے تو اس سے نکلنے کا سدباب بھی وہی کرتا ہے۔ عنیقہ اپنی طرف سے چال چل کے سمجھ رہی تھی کہ وہ کامیاب ہو جائے گی لیکن وہ یہ بھول گئی تھی کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ اور جلد ہی اس کا ثبوت اسے ملنے والا تھا۔

"یہاں روک دیں۔" عنیقہ نے ڈرائیور سے کہا تو حدیقہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"شاپ سے کچھ جیولری اٹھانی تھی۔ چلو۔" عنیقہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ حدیقہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتیں سڑک کے دائیں کنارے چلنے لگیں تھیں۔ وہاں بہت زیادہ رش تھا۔ چار پانچ دکانیں چھوڑ کر اگلی دکان جیولری کی تھی۔ اس نے گاڑی اتنی پیچھے اس

لیے کھڑی کروائی تھی کہ ڈرائیور کو اس کے اغوا ہونے کا پتہ نہ چل سکے۔ ورنہ وہ فون کر کے گھر بتا سکتا تھا جبکہ وہ خود بتانا چاہتی تھی اور اس کے لیے صحیح وقت کا انتظار کرنا تھا۔

"یہ ہے شاپ۔ یہاں کافی رش لگ رہا ہے۔ تم ایسا کرو یہیں کھڑی رہو میں جا کر لے آتی ہوں۔" عنیقہ نے اسے وہیں کھڑے رہنے کا کہہ کر خود تیزی سے آگے بڑھ گئی اور اسے کچھ کہنے کا موقع بھی نہ دیا۔ جب عنیقہ شاپ کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی تو باہر کھڑی حدیقہ کے پاس ایک گاڑی آ کر رکی تھی۔ آن کی آن میں پچھلا دروازہ کھلا تھا اور کوئی اندر سے نکلا تھا جس کے ہاتھ میں بے ہوشی کا انجیکشن تھا۔ حدیقہ دوسری طرف منہ کیے کھڑی تھی سو اسے پتہ نہ چل سکا۔ بس اپنے بازو پر تھوڑی سے چبھن محسوس ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر اس آدمی کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اسے گاڑی میں ڈالا گیا اور دروازہ بند کر کے گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ عنیقہ کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ چمکی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کسی نے اس کی یہ مسکراہٹ دیکھ لی ہے۔

وہاب سڑک کے دوسرے کنارے لیپ ٹاپ کی دوکان کے سامنے کھڑا اپنے کسی دوست سے بات کر رہا تھا جب اس نے حدیقہ اور عنیقہ کو ساتھ چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ دور سے ان کا نیم رخ نظر آ رہا تھا۔ وہاب ناراضگی کے باوجود حدیقہ کے پاس چلا جاتا لیکن عنیقہ اس کے ساتھ تھی اس لیے وہیں کھڑا ان پر نظر رکھے دوست سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے دیکھا کہ عنیقہ اسے وہیں سڑک پر اکیلا چھوڑ کر اندر جا رہی ہے تو دوست معذرت کرتا تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا لیکن ایک گاڑی اس کے سامنے سے گزر کر حدیقہ کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی کے بلکل پیچھے آ چکا تھا جب دیکھتے ہی دیکھتے وہ آدمی حدیقہ کو اغوا کر کے لے جا بھی چکا تھا۔ وہاب کو تو ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ کوئی شخص اس کے سامنے حدیقہ کو اٹھا کر لے گیا تھا اور وہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔ بمشکل اپنے حواس بحال کرتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ گاڑی کہیں بھی نہیں تھی البتہ عنیقہ شاپ کے گلاس ڈور

کے پار کھڑی مسکرا رہی تھی۔اس کی مسکراہٹ میں ایک زہریلی کاٹ تھی۔وہ مکروہ مسکراہٹ وہاب کو بہت کچھ باور کروانے کے لیے کافی تھی۔وہ لمحے بھر کو سن رہ گیا تھا۔کیا عنیقہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔حدیقہ اس سے دور کرنے کے لیے وہ اس حد تک جا سکتی تھی یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔نفرت اور غصے کا ایک طوفان سا ابھرا تھا اس کے اندر۔وہ تیزی سے شاپ کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر عنیقہ کے سر پر جا پہنچا تھا۔عنیقہ جو اپنی کامیابی پر مسرور ہوتی آرام سے پلٹنے ہی والی تھی کہ یکدم وہاب کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔پہلے حیران ہوئی تھی پھر اس کے تیور دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی۔کیا اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس نے حدیقہ کو اغوا کروایا ہے۔دل رک سا گیا تھا اور وہ دم سادھے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہی تھی۔وہاب نے اسے وہاں کچھ نہیں کہا تھا ۔اس کی کلائی کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دیا۔وہ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ اس کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔دل میں ہزاروں وسوسے ابھر رہے تھے اور ایک امید بھی تھی کہ شاید اسے یہ نہ پتہ چلا ہو کہ اسی نے حدیقہ کو اغوا کروایا ہے۔

وہاب نے ایک ویران گلی میں آتے ہوئے اسے اپنے سامنے کیا۔وہ ابھی پوری طرح سنبھل کر ٹھیک سے کھڑی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہاب نے کھینچ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا۔اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا تھا اور وہ دیوار کا سہارا لیتی بمشکل سنبھلی تھی۔اسی پل اس پر یہ ادراک ہو چکا تھا کہ وہاب سب کچھ جان چکا ہے۔سب امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔سب تدبیریں اسی پر الٹ پڑ گئیں تھیں۔خدا نے اسے ثبوت دے دیا تھا کہ وہ دیکھ رہا ہے۔اس کی چال کو لمحہ بھر میں ناکام کر چکا ہے۔وہ درد سے جلتے رخسار پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے اور سامنے کا منظر ڈبڈبا گیا تھا۔

"کہاں بھیجا ہے حدیقہ کو۔.....بتاؤ" وہ زور سے دھاڑا تھا اور وہ یکدم ڈرتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ڈر کے مارے اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

"بولو.....ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔"

"مم....میں نے کچھ نہیں کیا....."وہ منمنائی تھی۔وہاب نے طیش میں آکر ایک اور تھپڑ اس کے چہرے پر مارا تھا۔اس دفعہ وہ نیچے گری تھی اور اس کے منہ سے خون نکل آیا تھا۔دماغ سنسنا کر رہ گیا تھا۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔اس نے رونا چاہا لیکن کوئی آواز نہ نکل سکی تھی۔وہاب کا اب بھی غصے سے برا حال تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے عنیقہ سے اگلوانے کہ حدیقہ کو وہ لوگ کہاں لے گئے ہیں۔

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں۔بتادو حدیقہ کہاں ہے؟"اس نے عنیقہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"مم....مجھے نہیں پتہ وہ اسے کہاں لے کر گئے ہیں۔"وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولی تھی۔

"ان کا کوئی رابطہ نمبر......وہ تو ہو گا تمہارے پاس۔"وہاب کچھ سوچتے ہوئے تیزی سے بولا۔اس نے سر اثبات میں ہلا دیا کہ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔کندھے پر لٹکے لمبی ڈوری والے کلچ سے فون نکالا اور کانپتے ہاتھوں سے اسے آن کر کے دیا۔وہاب نے اٹھتے ہوئے کال لاگ چیک کیا تو بیس منٹ پہلے ایک ان ناؤن نمبر پر کال کی گئی تھی۔اور اتنا تو وہ جانتا ہی تھا کہ آخری کال ان اغواکاروں کو ہی کی گئی ہے۔وہ نمبر اپنے موبائل میں نوٹ کیا اور عنیقہ کے موبائل میں سے آل کال لاگ ڈیلیٹ کر دیا۔عنیقہ کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ انہیں فون کر کے کوئی اطلاع ہی نہ دے دے۔ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالتا فون اس کی گود میں پھینک کر تیزی سے بھاگتا وہاں سے نکل گیا۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں جھکی بیٹھی بے یقینی سے سامنے دیوار کو گھورتی رہی تھی۔سارا جسم لرز رہا تھا اور اس میں اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ اٹھ کر گاڑی تک پہنچ پاتی۔بدنامی کا خوف دل میں پنجے گاڑھ چکا تھا۔اب وہاب نے سب کو بتا دینا تھا کہ حدیقہ کو اس نے اغوا کروایا ہے۔

وہ تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ پھر کیسے سب کے سوالوں کے جواب دے گی۔ سب اسے لعنت و ملامت کریں گے۔ حدیقہ کی بجائے اس کے حصے میں ساری رسوائی آئے گی۔ نہیں۔ سوچ کر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

اسے کچھ کرنا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہاب سب کو بتائے اسے یہ الزام حدیقہ کے سر پر ہی رکھنا ہوگا۔ حواس بحال ہوئے تو اس کے شیطانی ذہن نے پھر سے کوئی نیا منصوبہ سوچنا شروع کر دیا۔ اگر وہ سب کو یہ بتادے کہ حدیقہ خود ہی کسی دوست کے ساتھ چلی گئی ہے تو وہ بچ سکتی تھی۔

لیکن ایک منٹ۔ وہ چونکی۔ اسے اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہاب ابھی حدیقہ کی ٹینشن میں تھا۔ وہ پہلے اسے بچانے کے لیے کچھ کرے گا۔ اور کسی کو کچھ نہیں بتائے گا تاکہ حدیقہ کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے۔ ابھی اس کے پاس ٹائم تھا۔ اسے آرام سے اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔ اگر وہ ابھی گھر والوں کو یہ بات بتادیتی تو نکاح تک یہ خبر پرانی ہو جاتی تھی اور ماما نے تو اس کا نکاح کروا کر چھوڑنا تھا۔ وہ ہونٹوں سے خون صاف کرتی پورا لائحہ عمل تیار کر کے وہاں سے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی شاپ پر پہنچی۔ وہاں سے جیولری اٹھائی جو کل اس نے آرڈر کروائی تھی۔ پھر خود کو کمپوز کرتی اعتماد سے چلتی گاڑی میں آبیٹھی تھی۔ ڈرائیور نے اسے اکیلے آتے ہوئے حیرانی سے دیکھا تو اس نے دوپٹے میں اپنا سرخ رخسار چھپالیا کہ کہیں ڈرائیور کی نظر ہی نہ پڑ جائے۔

"حدیقہ بی بی نے نہیں آنا کیا؟" وہ بیک ویو مرر سے دیکھتا بولا تھا۔

"نہیں وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ کہیں چلی گئی ہے۔ واپسی پر دوبارہ جوائن کر لے گی۔ اور سنو یہ بات کسی کو بھی مت بتانا۔" عنیقہ نے اپنے منصوبے کے مطابق کہا جو ڈرائیور کو اس کی بجائے حدیقہ پر شک کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ مطلب حدیقہ گھر میں جھوٹ بول کر آئی تھی کہ وہ عنیقہ کے ساتھ بیوٹی پارلر جا رہی ہے لیکن راستے میں اپنے کسی دوست کے ساتھ چلی گئی ہے۔ جیسا وہ چاہتی تھی ڈرائیور نے بھی ویسا ہی سمجھا تھا۔ اگر حدیقہ کے ڈرائیور

انکل یہاں ہوتے جو اس کا بہت احترام کرتے تھے وہ یہ بات کبھی بھی نہ مانتے کہ حدیقہ یوں کسی کے ساتھ جا سکتی ہے۔اب حدیقہ کو وہ ڈرائیور بری لڑکی سمجھ رہا تھا اور عنیقہ کو اس کی ہمدرد سمجھ رہا تھا لیکن اسے کیا تھث۔وہ ان دونوں لڑکیوں کا آپس کا معاملہ تھا۔اسے کیا ضرورت تھی کسی کو بتانے کی۔لاپرواہی سے سوچ کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔عنیقہ ایک شخص کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔اس کا مطلب تھا وہ سب کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔یہ بات اس کے دل میں طمانیت بھر گئی تھی۔اس نے تھکے تھکے سے انداز میں سر پشت سے ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

---------------------------------

وہ عنیقہ سے ان اغواکاروں کا نمبر لینے کے بعد سیدھا لیپ ٹاپس کی دکان پر آیا تھا جہاں اس کا دوست ابھی بھی موجود تھا۔اس سے لیپ ٹاپ لے کر وہ سائیڈ پہ ایک کرسی پر بیٹھ کر تیزی سے کام کرنے لگا۔ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔پتہ نہیں اس کی حدی کس حال میں ہو گی۔دل کی بے چینی سے اس کا کنسینٹریٹ بار بار کام سے ہٹ رہا تھا۔اگر اس کے اعصاب ابھی سے جواب دے جاتے تو وہ حدیقہ کو کیسے بچاتا۔سو سر جھٹک کر لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف متوجہ ہوا جہاں ہیکنگ سسٹم آن ہو چکا تھا۔ایک تو کال آن ہو تب کرنٹ لوکیشن ٹریس ہوتی ہے لیکن وہ ایک ماہر ہیکر تھا اور اسے یہ معلوم تھا کہ سم کے ذریعے کسی کی کرنٹ لوکیشن کیسے ٹریس کی جاتی ہے چاہے کال آن ہو یا نہ ہو۔البتہ سم آن ہونی چاہیے۔لیکن اگر یہ سم بند ہوئی تو....؟یہ خیال پھر سے اسے مایوس کر رہا تھا۔اگر وہ بند ہوئی تو وہ حدیقہ کا نمبر ٹریس کرے گا لیکن قوی امکان یہی تھا کہ حدیقہ کی سم بھی بند ہو چکی ہو گی۔ضبط سے انتظار کرتے ہوئے وہ بے چینی سے سکرین کو دیکھے جا رہا تھا۔جب پندرہ منٹ بعد سکرین نے لوکیشن اسے دکھائی تو وہ سیدھا ہو بیٹھا۔وہ لوگ سمندر کی طرف کسی ویران سے علاقے میں تھے۔اور لگ رہا تھا کہ وہ پہنچ چکے ہیں۔اس نے وہیں سے گوگل میپ آن کیا اور دیکھا تو بیس منٹ کا ہی فاصلہ تھا جو اسے دس منٹ میں طے کرنا تھا۔موبائل بند

کر کے جیب میں ڈالتا وہ تیزی سے باہر کو بھاگا۔موٹر بائیک سٹارٹ کی اور جہاز کی طرح دوڑاتا آگے بڑھ گیا۔لوگ حیرانی سے اسے پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے کہ اتنے رش میں یہ کون پاگل اتنا تیز چلا رہا تھا۔

---

وہ ایک زیر تعمیر تین منزلہ عمارت تھی جس کی دوسری منزل پر وہ اس وقت ایک کرسی پر بندھی ہوئی تھی۔منہ پر بھی ایک پٹی بندھی ہوئی تھی۔کاشف کے ساتھ ساتھ اسد اور ان کے بہت سے کارندے وہیں کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔اسد کے اشارے پر کاشف نے حدیقہ کے منہ پر پانی گرا کر اسے ہوش میں لایا تھا۔اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے سے کھلیں تھیں اور سامنے کا منظر دیکھ کر اسے یہ سمجھنے میں کچھ وقت لگا تھا۔وہ کہاں تھی؟اس کا دل ڈرنے لگا۔پھر اسے یاد آیا کہ وہ عنیقہ کے ساتھ بیوٹی پارلر جا رہی تھی اور راستے میں وہ جیولری شاپ پر اتری تھیں۔پھر.....وہ یہاں کیسے پہنچی۔کیا وہ کڈنیپ ہو چکی ہے۔اس نے آنکھیں جھپکتے کر دیکھا تو کچھ لوگ اسلحہ پکڑے اس کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔اس نے ہلنا چاہا لیکن محسوس ہوا کہ وہ رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔بولنا چاہا لیکن منہ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔دل ڈوبنے سا لگا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔وہ جھٹکے سے خود کو رسیوں کی قید سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سب بے سود تھا۔اچانک اسے کوئی آدمی فون سے اس کی ویڈیو بناتا نظر آیا تھا۔اسے لگا کہ وہ رسوا ہونے جا رہی ہے۔یہ ویڈیو اگر اس کے خاندان والے دیکھ لیں گے تو کیا عزت رہ جائے گی اس کی۔سب اسے اغوا شدہ لڑکی کہہ کر حقارت سے اسے دیکھیں گے۔وہ اب تیزی سے روتے ہوئے خود کو چھڑانے لگی تھی۔

وہ اسد تھا جو اپنے فون میں اس کی ویڈیو بنا رہا تھا۔یہ ویڈیو عانیہ کو بھیج کر اسے بلیک میل کرنا تھا اور اسے وہ آڈیو اپنے ساتھ لے کر آنے پر مجبور کرنا تھا۔پورے ایک منٹ کی ویڈیو بنا کر وہ سر حماد کی طرف چلا گیا تھا جو اپنے گھر میں بیٹھا بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔اس ویڈیو کو دیکھ کر حماد کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔

"شاباش اسد۔اب اس ویڈیو کو عانیہ کے نمبر پر بھیج دو۔پھر میں دیکھتا ہوں کیسے میرے خلاف ثبوت کسی کو دیتی ہے۔"حماد نے فون اسے دے کر کہا تو اس نے جلدی سے عانیہ کے اسی نمبر پر اس ویڈیو کو واٹس ایپ کر دیا جس سے عانیہ نے حماد کو کال کی تھی۔

دوسری طرف عانیہ اس ویڈیو کو دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھی۔وہ حدیقہ ہی تھی جو کرسی پر بندھی روتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔حماد نے اسے بلیک میل کرنے کیلیے حدیقہ کو اغوا کر لیا تھا۔اسے لگا ساتوں آسمان ایک دم سے اس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔کچھ دیر وہ بے یقینی سے اس ویڈیو کو دیکھتی رہی تھی۔پھر کال آنے پر وہ چونکی تھی۔اسے پتہ تھا یہ کال حماد کی ہی ہے۔

"ہیلو...."

"کیسی ہو لٹل سسٹر عانیہ"حماد فاتحانہ انداز میں بولا تھا۔

"حماد بکواس بند کرو اور میری بات دھیان سے سنو اگر حدیقہ کو کچھ بھی ہوا تو بہت برا حشر کروں گی تمہارا۔"وہ سخت لہجے میں تنبیہہ کر رہی تھی۔

"اوہو۔اتنا غصہ۔رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔اب بھی دیکھو کیسے تڑخ کر بات کر رہی ہو۔اتنا یاد رکھو کہ تم اس وقت بے بس ہو۔تمہاری ذرا سی بھی غلطی تمہاری دوست کو بہت بڑا نقصان پہنچا سکتی ہے۔"وہ محظوظ سے لہجے میں کہہ رہا تھا اور عانیہ نے گہرا سانس لے کر غصے پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"دیکھو....یہ لڑائی تمہاری اور میری ہے۔حدیقہ کو جانے دو۔"وہ منت کرتے ہوئے بولی تھی اور حماد زور سے ہنسا تھا۔

"اسے جانے دوں تاکہ تم جو مرضی آئے کرتی رہو۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"وہ ریکاڈنگ جس میں میری اور بہزاد شاہ کی خفیہ میٹنگ کی آڈیو ہے۔ اسے لے کر ایک گھنٹے کے اندر اندر میرے گھر پہنچو۔ گھر کا ایڈریس تو تمہیں پتہ ہی ہو گا۔" وہ بول کر تمسخرانہ ہنسا تھا۔ عانیہ تو وہ آڈیو آگے دے بھی چکی تھی البتہ اس کی ایک کاپی ابھی بھی اس کے لیپ ٹاپ میں پڑی تھی۔

"ٹھیک ہے میں لے کر آ رہی ہوں۔ لیکن حدیقہ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔"

"جب تک تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گی اسے کچھ نہیں ہو گا۔ کسی کو بتانے کی یا کوئی چال چلنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ کیونکہ میں نے تمہاری دوست کو اپنے گھر کی بجائے کہیں اور قید کیا ہوا ہے۔ اس لیے ذرا سنبھل کے۔" حماد نے دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا تیزی سے لیپ ٹاپ کی طرف بڑھی اور ایک میموری کارڈ کو یو ایس بی میں لگا کر لیپ ٹاپ کے ساکٹ میں لگا دیا۔ اس آڈیو کو میموری کارڈ میں ٹرانسفر ہونے تک جلدی سے اپنے لانگ بلیک جاگرز نکال کر پہننے لگی جو اس کے گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ وہ اس وقت سفید کالر شرٹ اور بلیو جینز میں ملبوس تھی۔ بال پونی ٹیل میں باندھے ہوئے تھے۔ آڈیو ٹرانسفر ہو چکی تھی۔ اس نے میموری کارڈ نکال کر جینز کی جیب میں رکھا اور ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز سے چھوٹا سا چاقو ایک جاگر میں ڈال لیا۔ اسے یقیناً اب بہت مشکل حالات پیش آنے والے تھے۔ حماد نے اسے اپنے گھر بلایا تھا اور وہ جانتی تھی کہ حماد اسے اتنی آسانی سے واپس جانے نہیں دے گا اور یہ آڈیو حاصل کرنے کے بعد بھی وہ حدیقہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہو گا۔ اس وقت اس کا پکڑا بھاری تھا۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس والا حساب بن چکا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت حدیقہ کہاں ہے اس لیے وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے باوجود وہ حماد کے پاس جا رہی تھی اور یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ زندہ واپس آئے گی بھی کہ نہیں۔ لیکن اس وقت اسے اپنے بجائے حدیقہ کی ٹینشن تھی۔ اس لیے نہ جانے کے بارے میں سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن صرف وہاں جانے سے اور خود کو حماد کے حوالے کر دینے سے حدیقہ کبھی بھی سیف نہیں ہو سکتی تھی۔

(ایسا کیا کروں کہ حدیقہ بچ جائے۔چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔)

(وہاب بھائی۔ہاں وہ حدیقہ کو ڈھونڈ سکتے ہیں۔وہ اسے ٹریس کر کے اس تک پہنچ سکتے ہیں۔تب تک میں حماد کو اپنی طرف متوجہ رکھوں گی کہ میں پہنچ ہی رہی ہوں۔) یہ خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا تھا۔اس نے فون اٹھا کر وہاب بھائی کے نمبر پر کال ملائی اور فون کو کان سے لگائے باہر کی طرف بھاگی تھی۔لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے حریم نے اسے دیکھ لیا تھا اور بے اختیار ٹھٹکی تھی۔

"آپی....."اس کی آواز پر عانیہ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا اور کچھ کہے بنا آگے بڑھ گئی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں دکھ کے آثار حریم دیکھ چکی تھی۔وہ بھاگتی ہوئی اوپر ریان کے کمرے میں پہنچی۔

"آپی عانی پھر کہیں جا رہی ہیں۔"اس نے کہا۔

"کہاں ؟"وہ بخار کے باوجود بیڈ سے اترتے ہوئے پریشانی سے بولا تھا۔

"پتہ نہیں۔وہ بہت پریشان لگ رہیں تھیں۔"حریم نے کہا تو وہ بھاگتا ہوا نیچے آیا اور باہر کی جانب لپکا تھا۔عانیہ گاڑی سٹارٹ کر چکی تھی اور گیٹ سے باہر نکالنے ہی والی تھی کہ ریان اس کے سامنے آ گیا تھا۔تو اسے گاڑی روکنی ہی پڑی۔

"کہاں جا رہی ہو"وہ حیران و پریشان سا پوچھتا اس کے قریب آیا تھا۔وہ بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔

"حدیقہ خطرے میں ہے ریان۔مجھے اسے بچانا ہو گا۔"

"کیا ہوا اسے ؟"اس نے تیزی سے پوچھا۔حریم بھی وہاں آ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"حماد نے اسے اغوا کر لیا ہے۔جب تک میں وہاں نہیں جاؤں گی وہ حدیقہ کو نہیں چھوڑے گا۔"وہ یکدم رو دی۔حریم نے سن کر منہ پہ ہاتھ رکھتی ششدر رہ گئی تھی۔

"میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

"نہیں۔اس نے کہا ہے کہ اگر میں نے کسی کو بھی بتایا تو وہ حدیقہ کو نقصان پہنچائے گا۔جب تک حدیقہ اس کے قبضے میں ہے مجھے اس کی مرضی کے مطابق چلنا ہو گا۔اور اگر حدیقہ کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔اس لیے پلیز مجھے مت روکو۔" وہ منت بھرے لہجے میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ریان اس کی مجبوری سمجھ سکتا تھا۔جتنا پیار وہ دیا سے کرتا تھا اتنا ہی پیار دیا بھی اپنی دوست حدیقہ سے کرتی تھی۔اگر وہ دیا کی جگہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر دیا کے آنسو پونچھ دیے تھے۔

"روؤ مت دیا۔تم ایک بہادر لڑکی ہو۔مجھے تم پر پورا یقین ہے کہ تم یہ کر سکتی ہو۔جاؤ۔فی امان اللہ۔" وہ اس کا چہرہ تھام کر بولا تو عانیہ کے دل کو ڈھارس بندھی تھی۔وہ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھتی سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔خود کو کمپوز کرتی گاڑی میں بیٹھی اور زن سے آگے بڑھا دی تھی۔وہاب بھائی کو ابھی بھی کال جا رہی تھی لیکن ان کا نمبر بند تھا۔

"پلیز وہاب بھائی۔فون اٹھائیں۔" وہ پریشانی سے جھنجھلا کر بولی تھی۔اب وہ گاڑی چلانے کے ساتھ بار بار وہاب بھائی کو کال ملانے رہی تھی لیکن دوسری طرف سے ناٹ ریسپانڈنگ کا میسج آ رہا تھا۔

------------------------------

وہاب نے موٹر بائیک کو اس عمارت سے آدھا کلو میٹر دور ہی سڑک پر کھڑا کیا تھا۔وہ ایک چھوٹا سا محلہ تھا جہاں فارم ہاؤسز اور چند ایک گھر تھے۔اس محلے کے پیچھے وہ عمارت الگ تھلگ سی کھڑی تھی جس میں اس وقت حدیقہ قید تھی۔شام کی اذانیں ہونے لگیں تھیں اور گلیوں میں نیلا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ہر طرف جیسے ویرانی ہی ویرانی تھی۔وہ مین گلی سے گزرتا دائیں جانب ایک تنگ گلی میں داخل ہوا تھا۔اس کے بعد دو مزید گلیاں کراس کیں تو سامنے ہی اس عمارت کا دائیاں رخ نظر آیا تھا جس کے آدھے حصے میں صرف دیوار تھی اور آدھے حصے میں تین منزلہ عمارت قائم کی گئی تھی یعنی اس عمارت کے سامنے ایک بڑا سا صحن بھی تھا۔اس نے یہیں سے اندر داخل

ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ گو دیوار کافی اونچی تھی لیکن وہ کیڈیٹ کالج میں پڑھ چکا تھا اور اس کے لیے ایسے حالات کا سامنا کرنا اب مشکل نہیں رہا تھا۔ ایک ہی جست میں وہ دیوار پر چڑھا تھا اور نگاہ اندر کی جانب دوڑائی تھی۔ اس کا داخلی گیٹ کھلا ہوا تھا اور بائیں دیوار کے ساتھ اینٹوں اور ریت کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جبکہ بائیں دیوار کے ساتھ پانچ گاڑیاں اور دو خالی ٹرک پڑے تھے۔ صحن کے درمیان چارپائیوں پر دس پندرہ لوگ بیٹھے آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے اور ان کی نظر اس پر ابھی تک نہیں پڑی تھی۔ وہ اندر کی جانب کود کر ٹرکوں اور گاڑیوں کی آڑ لیتا عمارت کے داخلی حصے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں سے اندر داخل ہونے کا کوئی دروازہ نہیں تھا بلکہ وہ عمارت ابھی تک سامنے سے کھلی رکھی گئی تھی۔ وہاں سے بڑے بڑے ہال نظر آرہے تھے جو بہت سی دیواروں سے منقسم کیے گئے تھے۔ وہ ان ہالز میں سے گزرتا آگے کی جانب بڑھنے لگا۔ اتنا عجیب نقشہ اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ ابھی شکر تھا کہ کوئی آدمی یہاں نہیں تھا۔ کچھ حصے دیکھنے کے بعد اسے سیڑھیاں نظر آئیں تو اس نے اوپر جانا زیادہ مناسب سمجھا۔ دوسری منزل پر پہلے کی نسبت زیادہ گند پڑا ہوا تھا۔ ریت، سیمنٹ، بجری اور مختلف اوزار جا بجا بکھرے پڑے تھے۔ وہ سیڑھیاں ایک کمرے میں کھلتیں تھیں جس کی سامنے والی دیوار پر ایک دروازہ اور ایک کھڑکی جتنے دو شگاف تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا یکدم ٹھٹک کر رکا تھا۔ کھڑکی میں سے اسے سامنے والے ہال کی آدھی دیوار اور اسے کے پار حدیقہ کرسی پر جکڑی نظر آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کے لبوں سے شکر کا سانس نکلا تھا لیکن وہیں اسے روتے دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا تھا۔ وہ احتیاط سے قدم اٹھاتا اس کمرے سے باہر نکلا اور اس سامنے والے ہال کی دیوار کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑا سا آگے کو جھک کر اس نے اگلے والے ہال کا جائزہ لیا جہاں حدیقہ بندھی ہوئی تھی۔ وہاں چار آدمی تھے جن میں سے دو کے ہاتھ میں پسٹلز تھیں اور وہ چاروں اس کی طرف پشت کیے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ البتہ حدیقہ کا رخ اسی کی طرف تھا اور وہاب کو لگا کہ وہ اسے دیکھ چکی ہے۔ حدیقہ کی آنکھوں میں سے آنسو زوروں سے بہنے لگے تھے اور وہ ملتجی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اگر

اس کے منہ پر پٹی نہ بندھی ہوتی تو وہ کب کا اسے پکار بھی چکی ہوتی۔ لیکن اب بھی وہاب نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے تسلی دی اور چپ رہنے کا کہا تو حدیقہ نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا۔ وہاب نے ان لوگوں کی پوزیشنز کا ایک دفعہ پھر جائزہ لیا اور تیزی سے بھاگتا ایک آدمی کی گردن کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں پکڑی پسٹل کو اپنے قبضے میں کرتے ہوئے اسے نیچے پٹخا اور ان کی آن میں حدیقہ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی پشت حدیقہ کی طرف تھی اور اس نے پسٹل تان کر اس آدمی پر نشانہ رکھ دیا تھا جس کے ہاتھ میں پسٹل تھی لیکن وہ ابھی تک ایکشن فارم میں نہیں آیا تھا سو وہاب کو اس پر برتری حاصل تھی۔ ایک آدمی تو نیچے گر کر اپنا سر آگے سے پھٹوا چکا تھا اور اب بے ہوش نیچے پڑا تھا۔ جبکہ باقی تینوں حیران سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہلنا مت ورنہ گولی چلا دوں گا۔" اس نے بارعب اور سخت لہجے میں کہا تو وہ تینوں ڈر کے مارے وہیں جم گئے تھے۔ البتہ پسٹل والے آدمی نے نا محسوس انداز میں پسٹل کو اس پر تاننا چاہا لیکن وہاب نے اسے کوئی موقع دیے بغیر گولی چلا دی جو سیدھا اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ حدیقہ تو گولی کی آواز سن کر ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ دونوں آدمی بھی دم سادھے ششدر سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور ایک کے منہ پر مکا مارا جبکہ دوسرے کے منہ پر گھوم کر اپنی ٹانگ دے ماری۔ وہ دونوں ایک ساتھ نیچے گرے تھے اور دوسرے ہی وار پر بے ہوش ہو گئے تھے۔ وہاب نے انہیں یہ رعایت دے دی تھی کہ انہیں گولی نہیں ماری تھی ورنہ غصے سے اس کا دل کر رہا تھا کہ ایک ایک کو پکڑ کر شوٹ کر دے۔ لیکن حدیقہ کو بچانا اس سے بھی زیادہ ضروری تھا۔ فائر کی آواز یقیناً بہت دور تک گئی تھی اور نیچے بیٹھے لوگ اوپر آ رہے ہوں گے سو پسٹل کو جینز کی جیب میں ڈالتا جلدی سے حدیقہ کی طرف پلٹا جو آنکھیں بند کیے اور سر کو ایک جانب جھکائے بے ہوش پڑی تھی۔ پہلے اس نے اس کے منہ سے پٹی کو نیچے کیا اور پیچھے جا کر جیب سے ایک چھوٹا چاقو نکال کر اس کے ہاتھوں کے گرد بندھی رسی کو کاٹنے لگا۔ اس کی نرم و

ملائم سی کلائی پر رسیوں کے سرخ نشان پڑ چکے تھے۔ساری رسیاں اتارنے کے بعد اس نے پاس پڑی پانی کی بوتل سے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔وہ کسمسا کر ہوش میں آئی ۔

"حدی.....اٹھو۔دیکھو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" وہ اس کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خود کو رونے سے روکنے لگی تھی۔وہ اتنی ڈر چکی تھی کہ کھڑے بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔وہاب اس کے سامنے کھڑا تھا تاکہ وہ پیچھے والا منظر دیکھ کر پھر سے کہیں ڈر کے مارے بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔

"کچھ نہیں ہوا حدی۔سب ٹھیک ہے۔چلو میرے ساتھ۔" وہ اسے کندھوں سے تھام کر بولا اور اپنے ساتھ لیتا آگے کی جانب بڑھ گیا۔پیچھے سے قدموں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تھیں اس لیے وہ پیچھے نہیں جا سکتے تھے۔یہاں سے نکلنے کیلیے انہیں اب کوئی اور ہی راستہ تلاش کرنا تھا۔وہ حدیقہ کو بازو سے پکڑے کمرے اور راہداریاں کراس کر رہا تھا۔حدیقہ کے حواس بحال ہونا شروع ہوئے تو اسے احساس ہوا کہ وہ اپنا وزن اسی پر ڈالے چل رہی تھی۔اس کی کانپتی ٹانگیں اس کا بوجھ سہارنے سے جواب دے چکیں تھیں۔سامنے بغیر ریلنگ کے سیڑھیاں تھیں جو تیسری منزل تک جاتیں تھی۔وہاب اسے سہارا دیتا سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔پیچھے سے لوگوں کے بولنے اور قدموں کی بڑھتی ہوئی آواز سے خوفزدہ ہوتے ہوئے اس نے تیزی سے اوپر چڑھنا چاہا لیکن آگے کو گر پڑی۔

"آرام سے۔ڈرو نہیں۔" وہاب نے اس کا دوسرا بازو بھی پکڑ کر اسے گرنے سے بچایا تھا۔وہ شرمندگی کے مارے اس کی جانب دیکھ بھی نہ پائی تھی۔وہ ساری باتیں یاد آ رہیں تھیں جو اس نے وہاب سے کہیں تھیں لیکن وہ پھر بھی اسے بچانے کے لیے آ گیا تھا۔وہ حیران بھی تھی کہ جب بھی اس کو مشکل پڑتی ہے ہر دفعہ وہاب ہی اسے بچانے آتا ہے۔ابھی وہ یہی دعا کر رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی وہاب اسے بچانے آ جائے اور وہ آ گیا تھا۔اسے

اپنی دعا پوری ہونے پر اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اس کا دل چاہا کہ ہواؤں میں اڑتے ہوئے رقص کرے۔ اسے اب یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ اسے یہاں سے بچا کر لے جائے گا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ اب خالی چھت پر کھڑے تھے جس کے کناروں پر کسی قسم کا کوئی جنگلہ نہیں تھا۔ اس نے پریشانی سے وہاب کی طرف دیکھا جو ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر چھت کے پچھلے حصے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ حدیقہ بھی اس کے ساتھ چلتی کونے تک آئی تھی اور ایک نظر نیچے دیکھ کر تو اس کا دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ جبکہ وہاب آگے کو جھک کر نیچے دیکھ رہا تھا۔ چھت کا کچھ حصہ بڑھا کر اسے اور بھی کھلا کیا گیا تھا اور اس بڑھے ہوئے حصے کے نیچے ابھی تک لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے اور ان کے نیچے لکڑی کے بانس تھے جو نیچے زمین تک جاتے تھے۔ ان بانسوں کو لکڑی کے تختوں سے باندھنے کیلیے رسی کا استعمال کیا گیا تھا اور کچھ رسیاں نیچے کی جانب لٹک رہی تھیں۔ اسے نیچے ایک ریت سے بھرا ٹرک بھی نظر آیا تھا یعنی کہ وہ نیچے چھلانگ لگا سکتے تھے۔ اس نے پلٹ کر حدیقہ کی طرف دیکھا جو حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

" کبھی چھت سے چھلانگ لگائی ہے؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا جبکہ حدیقہ ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔ کیا وہ اب چھت سے چھلانگ لگانے جا رہے تھے اور وہ بھی تیسری منزل سے۔ نہیں نہیں۔ اس کی ہڈیوں کا تو کچومر بن جائے گا۔ وہ یہ نہیں کر سکتی۔ وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی مطلب اسکی طرف سے پہلے ہی صاف انکار تھا۔ وہاب نے ایک گہرا سانس لیا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ دوبارہ پکڑ لیا۔

"ہمیں یہ کرنا ہو گا حدی۔ ان لوگوں کو یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔" وہ نرمی سے اسے سمجھاتا کنارے کے قریب لے آیا تھا جبکہ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ پلیز..... نہیں۔ مجھے نہیں مرنا۔ پلیز۔" وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔ میں ہوں نا۔"

"نہیں۔ مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔ میں مرنا نہیں چاہتی پلیز۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا حدی۔" وہ اس کے بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر بولا تھا۔ "یہاں دیکھو میری طرف......" وہ اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتا بولا تھا۔ حدیقہ یکدم چپ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ "تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ میں بچالوں گا تمہیں۔ پرامس۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پریقین لہجے میں بولا تھا اور حدیقہ کے دل کو جیسے اس پر یقین آچکا تھا کہ وہ اسے بچالے گا۔ اس نے سر جھکا کر خود کو اس کے حوالے کر دیا تھا۔ وہاب نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنے گلے میں ڈال دیے۔ اس کے اتنا قریب ہونے پر حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا اور وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

" چیخیں مت مارنا۔" وہ سرگوشی میں کہتا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کو اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔ حدیقہ اس کے سینے سے پیشانی ٹیکے آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ وہاب نے ایک بازو اس کی کمر پر حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگالیا تھا اور ایک نظر نیچے دیکھا تھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور نیچے چھلانگ لگادی۔ وہ دونوں اب ایک ساتھ نیچے آرہے تھے۔ ابھی وہ دوسری منزل کے برابر پہنچے ہی تھی کہ وہاب نے ایک ہاتھ سے بانسوں کے ساتھ لٹکتی ہوئی رسی کو پکڑنا چاہا۔ رسی اس کے ہاتھ سے رگڑ کھاتی کم ہوتی جارہی تھی اور بالآخر رسی کی آخری گرہ پر اس کا ہاتھ مضبوطی سے اٹک گیا تھا۔ پانچ سیکنڈز وہاں رک اس نے خود کو بیلنس کیا تھا۔ اس کے رسی پکڑنے سے ان کے گرنے کی رفتار میں کمی آگئی تھی اور اب وہ پہلی منزل کے برابر لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ پھر سے نیچے گرنے لگے تھے۔ مطلب اب وہ جیسے پہلی منزل سے ہی چھلانگ لگا کر نیچے آرہے تھے۔ وہ دونوں ریت سے بھرے ٹرک میں گرے تھے اس لیے ان کی بچت ہو گئی تھی۔ وہاب نیچے ریت پر گرا تھا اور حدیقہ اس کے اوپر گری تھی۔ وہاب نے شکر کیا کہ اسے کوئی زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی بس ایک دفعہ سارے جسم کی ہڈیاں ہل کر رہ گئیں تھیں پتہ نہیں حدیقہ کا کیا حال ہو گا۔ اس نے

حدیقہ کو کندھوں سے پکڑ کر ہلایا لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ پھر سے بے ہوش ہو چکی ہے۔اس نے اسے کندھوں سے پکڑ کر خود سے اٹھا کر دیکھا تو وہ واقعی آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت تھی۔وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا تھا۔اسے سیدھا کر کے ایک بازو سے اسے سہارا دیتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کی نبض چیک کی جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔اسے اب جلد از جلد ہوش میں لانا تھا۔لیکن اس کے منہ پر تھپڑ مار کے یا اس کا سانس بند کر کے اسے ہوش میں لانے کیلیے وہاب کا دل نہیں مانا تھا۔

"اب پانی کہاں سے لاؤں اسے ہوش میں لانے کیلیے" وہ گھٹنوں کے بل اٹھتا ارد گرد دیکھ کر پریشانی سے بڑبڑایا تھا۔ایک جگہ تعمیراتی اوزاروں کے ساتھ اسے ایک بالٹی رکھی نظر آئی تھی۔شاید اس میں پانی ہو۔وہ حدیقہ کو بازوؤں میں اٹھا کر ٹرک سے نیچے کودا تھا اور تیزی سے چلتا اس بالٹی کے قریب آ گیا تھا۔شکر تھا کہ تھوڑا سا پانی اس میں تھا۔اس نے ایک گھٹنے اور ایک پاؤں پر نیچے بیٹھ کر حدیقہ کو احتیاط سے نیچے لیٹایا۔ایک بازو سے حدیقہ کے کندھوں کو نیچے سے پکڑ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور دوسرے ہاتھ سے بالٹی میں سے پانی بھر کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔اس کی پلکوں میں ہلکی سی لرزش ہوئی اور تھوڑی ہی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"حدی.... اٹھو۔" وہاب اس کے چہرے پر جھکا اسے آوازیں دے رہا تھا۔کچھ دیر وہ وہاب کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اسے سمجھ آیا کہ وہ کیوں بے ہوش ہوئی تھی۔

"مم.... میں زندہ ہوں" وہ یکدم اس کے بازو سے اٹھی تھی اور خود کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔پھر اوپر دیکھا جہاں سے انہوں نے چھلانگ لگائی تو پھر سے رونا آ گیا۔

"تم بالکل پاگل ہو۔اتنی اوپر سے چھلانگ لگا دی۔اگر میں مر جاتی تو۔میری تو ہڈیاں بھی نہیں ملنیں تھیں۔" وہ اب وہاب کے سینے پر مکے مارتے ہوئے اپنا غصہ اتار رہی تھی۔اور وہاب بڑی فرصت سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا

جیسے اسے اور کوئی کام ہی نہیں۔ حدیقہ کو اسے یوں مسکراتا دیکھ اور بھی تپ چڑھا تھا۔ لیکن اب اسے مارنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بے آواز رونے لگی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا حدی۔ روؤ مت۔ تم تو بریو گرل ہو نا۔ ہمت کرو اور اٹھو ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہو گا۔" وہاب نے اس کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا اور اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ وہ اس وقت عمارت کے بالکل پیچھے تھے اور وہاں دور دور تک کھلے میدان نظر آرہے تھے جبکہ دائیں جانب محلہ شروع ہو رہا تھا۔ جو اب ان کی واحد پناہ گاہ تھا۔ وہ حدیقہ کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ رہا تھا کہ اسے کچھ لوگ ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے جو یقیناً انہیں ہی ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ حدیقہ کو کھینچتے ہوئے تیزی سے ایک دیوار کے پیچھے ہو گیا تھا۔ اس جگہ کا جائزہ لیا تو وہ ایک تنگ اور لمبی سی گلی تھی۔ وہ اسی گلی میں احتیاط سے آگے بڑھنے لگا تھا۔ آگے سے وہ گلی بائیں جانب مڑتی تھی ۔جب وہ اس دہانے پر پہنچ چکے تھے تو پیچھے سے وہ لوگ بھی اس گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاب نے حدیقہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس کا بازو مضبوطی سے تھام لیا اور بھاگنے کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن اسے محسوس کہ ان لوگوں کے قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی ہے۔ انہیں کہیں چھپنا ہو گا۔ اس نے سوچا۔ اور رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ گلی کے بائیں جانب کی دیوار بہت اونچی تھی اور حدیقہ کو ساتھ لے کر اس پر چڑھنے میں بہت وقت لگنا تھا اور وہ لوگ بلکل پیچھے ہی تھے۔ البتہ جانب کی دیوار چھوٹی تھی اور اندھیرے میں بھی صاف دکھ رہا تھا کہ وہ ایک قبرستان تھا۔ اس سے پہلے کہ حدیقہ کی نظر ان قبروں پر پڑتی وہاب تیزی سے اس کے سامنے آگیا ایسے کہ حدیقہ کے سامنے کا منظر چھپ گیا۔ ابھی وہ ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہاب نے جھک کر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور دائیں جانب قبرستان کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ دم سادھے وہاب کو دیکھ رہی تھی اور اسے پتہ تب چلا تھا جب وہ قبرستان کے اندر آ چکے تھے۔ چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں۔ وہ اندر تک کانپ اٹھی تھی۔ چڑیلیں، بدروحیں اور جن سب اسے اپنے ارد گرد گھومتے نظر آنے لگے تھے۔ وہ ڈرتی ہوئی وہاب کے سینے میں چہرہ چھپا گئی

تھی۔ چیخ مارنے سے اس نے خود کو کیسے روکا تھا یہ وہی جانتی تھی۔ وہاب چلتا ہوا ایک اونچی سی قبر کے پیچھے آ گیا تھا اور جھک کر حدیقہ کو نیچے بٹھایا تھا۔ حدیقہ نے بند آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا تو سمجھ آئی کہ وہ دو قبروں کے درمیان بیٹھی ہے۔ اب وہ خود کو چیخ مارنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ لیکن وہاب اسے روک سکتا تھا۔ وہ اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا اور تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ جما کر اس کو چیخنے سے روکا تھا۔

"شش..... ہلکی سی بھی آواز مت نکالنا۔ وہ لوگ ہمارے قریب ہی ہیں۔" وہاب نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی تھی لیکن اپنا ہاتھ اس کے منہ سے نہیں ہٹایا تھا۔ وہ بے بسی سے رونے لگی تھی۔ اتنا ڈر اسے اپنی زندگی میں پہلی بار لگا تھا۔ وہ تو کسی شہزادی کی طرح نازوں سے پلی بڑھی تھی اور اسے کبھی بھی ایسے مشکل حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ لیکن آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔ پہلے اسے اغوا کر لیا گیا پھر اس نے فائر کی آواز سنی۔ تیسری منزل سے چھلانگ لگانی پڑی اور اب قبرستان میں قبروں کے درمیان بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ ان قبروں کے نیچے مردے پڑے تھے جن کے اب تک شاید صرف ڈھانچے رہ چکے ہوں۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ڈھانچے قبروں سے نکل کر اسے کھا جائیں گے۔ حالانکہ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا لیکن وہم کا بھی تو کوئی علاج نہیں ہوتا۔ اور جن بھوت تو حقیقت ہی تھے نا۔ وہ بھی تو قبرستان اور ویران جگہوں پر موجود ہوتے تھے۔ وہاب کو پتہ تھا کہ وہ قبرستان سے ڈر رہی ہے۔ اس نے حدیقہ کو بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے سینے سے لگا لیا تھا اور اس کے بال سہلانے لگا تھا۔

"ڈرو مت۔ میں ہوں نا۔" وہ سرگوشی میں اسے دلاسا دے رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتی تھی کہ وہ اسے یہاں سے لے جائے لیکن نزدیک آتے قدموں کی آواز نے اسے چپ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر ایک آدمی کی آواز آئی تھی جو فون پر بات کر رہا تھا۔

"سر وہ لڑکی بھاگ گئی ہے..... ایک لڑکا آیا تھا جس نے ہمارے چار آدمیوں کو زخمی بھی کر دیا ہے......جی سر.... ہم ڈھونڈ رہے ہیں انہیں...... اوکے سر۔"" وہ کاشف تھا جو قبرستان کی دیوار کے باہر ہی کھڑا فون پر اسد سے بات کر رہا تھا۔ دو لوگ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آ چکے تھے۔

"وہ کہیں نہیں ملے۔" ایک آدمی نے اطلاع دی۔

"سر نے کہا ہے کہ انہیں جلد از جلد ڈھونڈیں اور شوٹ کر دیں۔" یہ بات سن کر حدیقہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ابھری تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ ابھی بلڈنگ کے اندر ہی ہوں۔ یہ چھوٹا سا محلہ ہے۔ اگر یہاں ہوتے تو اب تک مل چکے ہوتے۔ ہم نے گھروں کو بھی چیک کر لیا ہے۔" ایک آدمی نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ان کے خیال میں وہ دونوں قبرستان میں نہیں جا سکتے تھے کیونکہ وہاں چھپنے کی کوئی خاص جگہ بھی نہیں تھی۔

"اچھا کچھ لوگوں کو کہو کہ دوبارہ سے پوری بلڈنگ چیک کریں۔ میں یہیں رک کر انہیں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" کاشف انہیں حکم دیتے ہوئے بولا تو وہ دونوں بھاگ کر بلڈنگ کی جانب چلے گئے۔ جبکہ کاشف وہیں کھڑے ہاتھ میں پسٹل پکڑے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔ وہاب نے گردن ذرا سی اونچی کر کے اوپر سے اسے دیکھنا چاہا تو حدیقہ نے تیزی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے حیرت سے حدیقہ کو دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلا کر نہ جانے کی التجا کی تھی۔ وہاب نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے خاموش سی تسلی دی اور دوبارہ باہر دیکھنے لگا تھا۔ وہ شخص گلی کے دائیں جانب والی اونچی دیوار کو چیک کر رہا تھا۔ شاید وہ وہاں سے اوپر چڑھنے کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہاب کیلیے یہی موقع غنیمت تھا سو احتیاط سے اٹھ کر اس قبر کے پیچھے سے نکلا اور بنا آواز کیے قبرستان کی دیوار کود کر اس کاشف کے پیچھے پہنچ گیا۔ کاشف ابھی آدھی دیوار پر ہی چڑھا تھا کہ وہاب نے اس کے پاؤں کو پکڑ نیچے کھینچا، اس کے نیچے گرتے ہی اس کے پسٹل والے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے سینے پر اپنے گھٹنے ٹکا کر اسے زمین پر

لیٹے رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے کہ کاشف ٹریگر پر انگلی دباتا وہاب نے اس کے اسی بازو پر اتنا سخت وار کیا کہ اس میں ٹریگر دبانے کی ہمت ہی نہ رہی اور پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہاب نے اسی اثناء میں پسٹل کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر کہیں دور پھینک دیا۔ اگر فائر کرنا ہوتا تو پسٹل تو اس کے پاس بھی تھا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ فائر کی آواز سے سب یہاں آجائیں اور اس طرح ان کا یہاں سے نکلنا بہت مشکل ہوتا۔ اس آدمی کو تو وہ ویسے ہی سبق سکھا سکتا تھا۔ وہاب پسٹل کی طرف متوجہ تھا اس لیے کاشف کو کھڑے ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ اور وہ وہاب کو کوئی بھی موقع دیے بنا اس پر جھپٹا تھا۔ وہاب نے اس کے مکے اپنے بازوؤں پر روکے تھے اور اس کے ایک بازو کو پکڑ کر گھومتے ہوئے نیچے دے پٹخا تھا۔ کاشف کا موبائل اس کی جیب سے نکل کر ساتھ ہی گر پڑا اور وہ درد کی شدت سے ہلکا سا کراہا تھا۔ وہاب نے دو مکے اس کے منہ پر مارے اور کاشف کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔ پھر اس نے کاشف کی شرٹ کو پکڑ اوپر اٹھایا اور دیوار کے ساتھ زور سے پٹخا۔ اس کا سر دیوار سے بجا اور وہ وہیں بے ہوش کر نیچے گر پڑا۔ واپس پلٹتے ہوئے وہاب کی نظر اس کے موبائل پر پڑی تھی تو اس نے جھک کر اس کا موبائل اٹھا لیا۔ اس کے ذریعے پتہ چلایا جا سکتا تھا کہ حدیقہ کو اغوا کرنے والے کون لوگ تھے۔ اس فون کو تو وہ بعد میں چیک کرے گا پہلے حدیقہ کی خبر لے۔ وہ کہیں پھر سے ہی نہ بے ہوش ہو گئی ہو۔ فون جیب میں ڈالتا وہ قبرستان کے اندر آیا تھا اور بھاگتا ہوا اس قبر کے پیچھے گیا جہاں حدیقہ بیٹھی تھی۔

"حدی....." وہ اس کے قریب پہنچ کر رکا تھا۔ حدیقہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ہلکی سی روشنی نے اس کے چہرے کے کرب کو واضح کیا تھا۔ پھر وہ یکدم اٹھی تھی اور وہاب کے سینے سے لگ گئی تھی۔ وہاب پہلے حیران ہوا تھا پھر مطمئن سا مسکرا دیا اور اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکا دی تھی۔ سارے گلے شکوے اسی وقت ختم ہو چکے تھے۔ اس کی امید کی ڈولتی کشتی کو کنارہ مل چکا تھا۔ ایک سکون اس کے دل و جاں میں سرائیت کر گیا تھا۔

"وہاب..... تم کہاں چلے گئے تھے؟" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں تمہیں میری فکر ہو رہی تھی کیا؟" وہ شرارت سے بولا تھا۔ حدیقہ کچھ لمحوں کے لیے چپ ہو گئی تھی۔

"مم.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے وہاب۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ پلیز۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"میں تمہاری مدد کیوں کرنے لگا؟" وہاب نے پچھلی دفعہ کی طرح پھر اس کی مدد سے انکار کر دیا تھا۔

"سوری.... میں تمہیں آئندہ کبھی بھی تنگ نہیں کروں گی۔ پلیز" اس نے مدد مانگنے کی آڑ میں اس سے معافی بھی مانگ لی تھی۔ اور وہاب جانتا تھا کہ وہ کس بات کی معافی مانگ رہی ہے۔ اسے یہ تو پتہ تھا کہ حدیقہ اس سے شرمندہ ہے لیکن اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس سے معافی بھی مانگے گی۔

"اور آئندہ مجھ پر شک بھی نہیں کرو گی؟" وہاب نے ایک اور وعدہ لیا۔

"نہیں کروں گی۔.... سوری۔" وہ تیزی سے بولی۔

"پرامس" وہ اسے خود سے الگ کرتے بے یقینی سے مشکوک لہجے میں پوچھنے لگا تو حدیقہ نے معصوم سا منہ بنا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہاب اس کے انداز پر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔ حدیقہ نے سٹپٹا کر نظریں پھیر لیں تھی۔ اور وہ محظوظ سا مسکرا دیا تھا۔ اس نے حدیقہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور اس نے حیرانی سے وہاب کو دیکھا۔

"میں تمہیں اپنا ایک سیکرٹ بتاؤں" وہ رازدارانہ انداز میں بولا تو اس نے اچنبھے سے سر ہلا دیا۔ مطلب جاسوسی کی عادت ابھی تک نہیں گئی تھی۔ وہاب نے سوچ کر مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"آئی.... لو..... یو" وہ اپنا چہرہ اسے بالکل قریب لا کر سرگوشی میں بولا تو حدیقہ کا دل رک سا گیا تھا۔ وہ ساکت سی بنا پلک جھپکے وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔ سانس بھی سینے میں اٹک چکی تھی۔ وہ شاید ابھی بے یقینی سی کی کیفیت میں تھی۔

"تم اتنی بے یقین کیوں ہو حدی۔ کیا تم میرے دل کا حال نہیں جانتی۔ چلو کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ تم وہ شہزادی ہو جو میرے دل پر حکمرانی کرتی ہے۔ تم نے میرے دل کو تسخیر کر لیا ہے۔ میری ہر سانس میں بستی ہو تم۔ میں کسی غلام کی طرح تمہاری ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا نصب العین سمجھتا ہوں اور انعام میں صرف تمہاری ایک مسکراہٹ کا منتظر رہتا ہوں۔ لیکن تم بہت ہی مغرور شہزادی ہو کہ ایک دفعہ مڑ کر میری طرف دیکھتی تک نہیں۔ میری دھڑکنوں میں اضافے کی وجہ تم ہو۔ مجھے بالکل بے بس کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔ میری نیندیں اڑا کر خود کتنے مزے سے سوتی ہو۔ مجھے تنگ کر کے تمہیں خوشی ملتی ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے اچھی لگتی ہو۔ اب چاہے جیسی بھی ہو میری تو لٹل پرنسز ہو نا۔ اور یہ یقین رکھنا میں بھی صرف تمہارا ہوں۔ اپنے دل سے کہو کہ مجھے اپنا لے۔ کیونکہ میرا دل کرتا ہے کہ ہم ہر پل ساتھ رہیں" وہ اسی طرح اس کے چہرے کے قریب، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے سرگوشی میں کہتا اس کے دل کے سمندر میں لہروں کے شور کو بڑھا گیا تھا۔ وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ پلکیں جھکائے سب سن رہی تھی۔ سانس لینے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ آج اسے واقعی بہت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن اتنا مشکل مرحلہ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ ایک طرف تو وہ بہت خوش تھی اور دل چاہ رہا تھا ابھی وہاب کو بتا دے کہ وہ بھی اس کے ہر پل کا ساتھ چاہتی ہے جبکہ دوسری طرف وہ شرم کے مارے گھبرا چکی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسا ری ایکٹ کرے۔ وہاب اس کی پل پل کی کیفیت سمجھ رہا تھا اور دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اسی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ وہ جھکتے ہوئے اس کے چہرے کے اور قریب آیا تھا اور دونوں کی پیشانیاں مس کرنے لگیں تھی۔ حدیقہ اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں سے نکالتی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی اور رخ پھیر کر گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اسی پل اسے وہ خواب یاد آیا تھا جس میں وہاب اس کے ساتھ تھا۔ اسے یہ قبرستان گلزار لگنے لگا تھا۔ وہی خواب والا خوبصورت منظر ہر سو چھا گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور کچھ سمجھ نہ آیا تو

وہاب کے سینے پر مکے مارنے لگی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ ساری خفگی مصنوعی ہے۔ اسے اب خود پر بھی غصہ آنے لگا تھا لیکن نکل سارا وہاب پر ہی رہا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ چڑیلیں مجھے کھا جائیں گیں۔ پلیز مجھے یہاں سے لے بھی چلو نا۔" وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اسے واقعی ڈر لگ رہا ہے یا وہ بات بدلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بس اسے یہی ایک صورت نظر آئی تھی فرار کی۔ وہاب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ اس کی سانسیں پھر سے تھمی تھیں۔ وہاب کے سینے سے لگ کر وہ ہر ڈر سے خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔

"اوہ حدی۔ فکر مت کرو۔ چڑیلیں اپنے خاندان والوں کو نہیں کھاتیں۔" وہ شوخ لہجے میں بولا تھا جبکہ حدیقہ کو اب اصلی والا غصہ آیا تھا۔

"کیا....؟" وہ اس سے الگ ہوتی اتنی زور سے چلائی تھی کہ وہاب نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"میرا مطلب..... تم تو ایک خوبصورت شہزادی ہو۔ پریوں اور چڑیلوں سب کی شہزادی۔ تم ان سب سے زیادہ پاورفل ہو۔ اس لیے وہ تمہیں کیسے کھا سکتیں ہیں۔" وہاب نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جلدی سے بات بنائی تو وہ اپنی شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کے لیے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتی چہرہ جھکا گئی تھی۔ پھر چہرے پر خفگی لاتے ہوئے اسے گھورا۔

"اگر تم نہیں آنا چاہتے تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹتے ہوئے آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے بے مروت لڑکی۔ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر جاؤ گی کیا۔ چڑیلیں مجھے کھا جائیں گیں۔" وہ اس کے سامنے آتا بولا تو وہ زور سے کھلکھلا اٹھی تھی۔ وہاب کو لگا کہ جیسے کسی شیشے کی سطح پر سفید موتی گر رہے ہوں اور ان کی کھلکھلاہٹ فضا میں گونج اٹھی ہو۔ ہر سو چاندی اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ حدیقہ اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے آگے

بڑھنے لگی تھی جیسے وہ اسے چڑیلوں سے بچا کر لے جا رہی تھی۔ اب تو ڈر اور خوف کا دور دور تک کوئی نشان بھی باقی نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے قبروں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ سارے جسم میں ایک ہمت اور توانائی سی بھر گئی تھی۔ اور یہ سب وہاب کے ہونے کی وجہ سے تھا۔ قبرستان کی چھوٹی سی دیوار کے پار جانے کیلیے بھی اسے وہاب کے سہارے کی ہی ضرورت تھی۔ گلی میں داخل ہو کر حدیقہ کی نظر سامنے زخمی آدمی پر پڑی تو وہاب جلدی سے اس کے سامنے آگیا۔

"آں.... آں۔ بے ہوش مت ہونا۔ پلیز۔ پھر مجھے تمہیں اٹھا کر لے کر جانا پڑے گا۔" وہ تیزی سے بولا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"اچھا خیر اب تم اتنی بھی وزنی نہیں۔ بے شک بے ہوش ہو جاؤ۔ نو پرابلم۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا تو اس نے اکتا کر گہری سانس بھرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں تھی۔ وہاب اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا تھا۔ حدیقہ نے دھڑکن پر قابو پاتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور اس کے دیکھنے پر نگاہیں پھیر لیں تھیں۔ وہاب سر جھٹک کر زیر لب مسکرا دیا تھا۔

دفعتاً وہاب کی جیب میں رکھے فون پر گھنٹی بجی تھی تو وہ چونک کر رکا تھا۔ اس کا فون تو بند تھا تو یہ پھر اس شخص کا تھا جسے اس نے بے ہوش کر دیا تھا۔ اس نے حدیقہ کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے فون نکالا اور دیکھا تو نمبر جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ اچنبھے سے اس نے کال پک کی تھی۔

"ہیلو کاشف۔ وہ لڑکی ملی کہ نہیں۔" آواز بھی کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔ لیکن ابھی حیرت ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔

"نہیں ابھی ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ کاشف کی آواز اور لہجے میں بولا تو حدیقہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"نااہل انسان۔ وہ لڑکی بہت اہم ہے۔ اس کی دوست عانیہ ابھی تک ہمارے پاس نہیں پہنچی اور اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ اس کی دوست بھاگ گئی ہے تو وہ پھر ہمارے ہاتھ کبھی نہیں آئے گی۔ جلدی سے اسے ڈھونڈو۔ اس لڑکی سے ہم آگے بھی بہت سے کام لے سکتے ہیں۔" دوسری طرف سے اسد جھنجھلا کر کہہ رہا تھا اور یہاں کھڑا وہاب کچھ لمحوں کے لیے سن رہ گیا تھا۔ یہ تو اسد کی آواز تھی جو حماد کا سیکرٹری تھا۔ آڈیو میں وہ اس کی آواز سن چکا تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ حماد نے عانیہ کو بلیک میل کرنے کے لیے حدیقہ کو اغوا کر لیا تھا اور اب عانیہ ان کے پاس جا رہی تھی۔ حدیقہ کو بچانے کے لیے وہ خود کو پیش کرنے جا رہی تھی۔ اب اسے جلد از جلد عانیہ کو آگاہ کرنا تھا کہ حدیقہ اب سیف ہے اور وہ حماد کے پاس نہ جائے۔

"جی سر" وہ بدقت کہہ پایا تھا۔ اسد نے دو چار باتیں اور سنا کر فون رکھ دیا تھا لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا فون نکالا اور آن کیا تو اسی وقت عانیہ کا ایک وائس میسج آیا ہوا تھا۔ اس نے سیلولر ڈیٹا آن کر کے واٹس ایپ کھولا۔

"وہاب بھائی۔ حماد نے حدیقہ کو اغوا کر لیا ہے۔ اور میں اس کے گھر جا رہی ہوں لیکن میں جانتی ہوں وہاں جا کر بھی میں حدیقہ کو نہیں بچا سکوں گی۔ پلیز میری مدد کریں۔ حدیقہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ تب تک میں خود کو حماد کے حوالے کرنے جا رہی ہوں۔ لیکن آپ مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ جب بھی حدیقہ کے بارے میں کچھ پتہ چلے مجھے ضرور بتائیے گا۔" یہ منت بھرے لہجے میں کہی گئی بات عانیہ کی تھی۔ دونوں اس کو سن کر ششدر رہ گئے تھے۔ وہاب نے وقت دیکھا کہ کس وقت یہ میسج آیا ہے تو دو منٹ ہو چکے تھے۔ اب وہ تیزی سے عانیہ کو کال ملا رہا تھا اور حدیقہ بے چینی سے عانیہ کے کال اٹھانے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

-----------------------------------

وہ گاڑی کو فل سپیڈ میں چلا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہاب بھائی کو کال ملانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ان کا نمبر بند جا رہا تھا۔ پورے پینتالیس منٹ کی مسافت کے بعد وہ حماد کے گھر کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس نے گاڑی کو گلی کے سامنے سڑک پر ہی کھڑا کیا تھا۔ ابھی ایک گھنٹہ پورا ہونے میں پندرہ منٹ تھے۔ اس لیے اس نے وہاب بھائی کو ایک دفعہ پھر کال ملائی لیکن نمبر ابھی بھی بند جا رہا تھا۔ وہ بالکل مایوس ہو چکی تھی کہ ایک خیال امید کی ہلکی سی کرن کی طرح اس کے ذہن میں روشن ہوا تھا۔ اس نے وہاب بھائی کو واٹس ایپ کے ذریعے وائس میسج بھیجا جس میں اس نے حدیقہ کے اغواء کے بارے میں مختصر سا بتا کر اسے ڈھونڈنے کا کہا اور یہ بھی بتایا جب انہیں حدیقہ کے بارے میں کچھ پتہ چلے وہ اس سے رابطہ کر کے بتا دیں۔ اس کے لیے اس نے بلیوٹوتھ ایئرپیس کا استعمال کیا تھا ۔اس نے فون گاڑی میں ہی رکھ دیا اور بلیوٹوتھ ایئرپیس کو ایک کان میں لگا کر پونی ٹیل کھول کر بال چہرے کے ارد گرد بکھیر دیے تاکہ کسی کو اس کے کان میں لگا وہ بلیوٹوتھ نظر نہ آئے۔ اب جب بھی وہاب بھائی اس کے فون پر کال کرتے تو وہ اسی بلیوٹوتھ سے اٹینڈ کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حماد سب سے پہلے اس کا موبائل ہی اس سے لے گا تاکہ اس کا رابطہ کہیں پیچھے نہ ہو سکے۔ سو یہ انتظام کرنا ضروری تھا۔

وہ ایک کھلی سڑک تھی جس کے کناروں پر بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر کیے گئے تھے۔ گاڑی سے نکل کر وہ چلتی ہوئی بائیں گلی میں داخل ہوئی۔ دائیں طرف دو گھر چھوڑ کر حماد کے گھر کا گیٹ تھا جس کے سامنے ایک جیپ کھڑی تھی۔ وہ ابھی گیٹ سے سو قدم دور ہی تھی کہ گھنٹی کی آواز آئی تھی۔ ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے کان میں لگے بلیوٹوتھ کے ایئرپیس کا بٹن دبا کر کال پک کی۔

"عانیہ.... تم جہاں بھی ہو وہیں رک جاؤ۔ آگے مت جانا۔" وہاب سخت اصرار کرتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار رک گئی تھی۔

"میں نے حدیقہ کو ڈھونڈ لیا ہے۔اور اب وہ سیف ہے۔"وہاب نے اسے یہ خوشخبری دی تو اسے لگا جیسے وہ ایک دم تپتے صحرا سے ٹھنڈے گلزار میں آ گئی ہے۔شکر کا ایک گہرا سانس اس کے لبوں سے خارج ہوا تھا۔وہ خود ابھی خطرے سے نہیں نکلی تھی لیکن حدیقہ کے مل جانے پر دل ایسے خوش ہو رہا تھا جیسے اس کی اپنی جان کسی شکنجے سے آزاد ہو گئی ہو۔

"عانیہ پلیز حماد کے پاس مت جانا۔"یہ آواز حدیقہ کی تھی۔وہ پریشان سی اسے پکار رہی تھی۔لیکن عانیہ فرط جذبات سے کچھ لمحے بول نہیں سکی تھی۔

"ہیلو عانیہ۔میری آواز آ رہی ہے تمہیں۔تم بول کیوں نہیں رہی؟"وہاب نے پوچھا تھا۔

"جی"وہ اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"تم کہاں ہو اس وقت؟"وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں گاڑی چلا رہی ہوں۔ابھی راستے میں ہی تھی۔"اس نے کچھ سوچ کر جھوٹ بولا۔

"اوہ شکر۔تم وہیں سے پلٹ جاؤ۔گھر پہنچ کر مجھے فون پر اپنی خیریت کے بارے میں ضرور بتانا۔"وہاب نے کہا۔

"تھینکس وہاب بھائی۔میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔اگر حدیقہ کو کچھ ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتی۔آپ نے میری دوست کے بچانے کے ساتھ مجھے بھی ایک بڑے گلٹ سے بچا لیا ہے۔"وہ دل کی گہرائیوں سے اس کی شکر گزار تھی۔

"وہ میری بھی کچھ لگتی ہے۔اس لیے تمہیں شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں۔جلدی سے گھر پہنچو اوکے۔ہم بھی وہیں آ رہے ہیں۔"دوسری طرف وہاب نے ایک نظر حدیقہ پر ڈال کر کہا تھا تو اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

"اوکے۔ آئی ایم کمنگ" عانیہ نے کہہ کر جلدی سے کال کاٹ دی۔ اگر وہ انہیں سچ بتا دیتی کہ وہ حماد کے گھر کے بالکل سامنے کھڑی ہے تو وہ اس کے لیے پریشان ہو جاتے اور اسے بچانے کے لیے اپنی زندگی کی بھی فکر نہ کرتے۔ اور عانیہ یہ بالکل بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی لڑائی میں اس سے جڑے رشتوں کو نقصان پہنچے۔ اسی لیے انہیں تسلی دی کہ وہ ابھی تک راستے میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔ حالانکہ وہ جان چکی تھی کہ وہ خطرے میں ہی ہے۔ اور نہیں جانتی تھی کہ وہ زندہ واپس جائے گی یا نہیں۔ لیکن وہ زندہ رہنا چاہتی تھی۔ جب سے ریان ملا تھا وہ زندگی کی تمنا کرنے لگی تھی۔

کال کاٹتے ہی اسے اپنے پیچھے کسی کھٹکے کی آواز آئی تھی۔ اس نے سر ہلائے بغیر کن اکھیوں سے بائیں طرف دیکھا تو سٹریٹ پول کی روشنی میں اسے ایک ہیولہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی اور عانیہ جان چکی تھی کہ وہ اسے بے ہوش کرنے کیلیے کوئی اسپرے تھی۔ اس نے اپنا سانس بند کر لیا اور اس آدمی کو اپنے قریب آنے دیا۔ جب وہ بالکل اس کے پیچھے آ گیا اور اس کے بائیں طرف سے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کے قریب اسپرے کرنا چاہا تو عانیہ نے ایک ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ سے اسپرے کی بوتل چھین لی۔ ایسا کرتے ہوئے اسپرے کی نوزل دبی تھی لیکن عانیہ نے چہرہ جلدی سے پیچھے کر لیا تھا اور سانس تو اس نے پہلے ہی بند کر لیا تھا۔ اسپرے کو ایک جانب پھینک کر وہ اس کے بازو پکڑے ہی اس کی طرف مڑی تھی اور اس کی کمر پر گردن کے قریب ایک سخت سا مکا مارتے ہوئے اس کا بازو بھی موڑ دیا۔ اب وہ آدمی دوسری طرف منہ کیے درد سے منہ بگاڑے ہلکا سا جھکا کھڑا تھا اور عانیہ اس کا دایاں بازو موڑ کر پیچھے اس کی کمر سے لگائے کھڑی تھی۔ پھر اس کا مڑا بازو پکڑے ہی فاتحانہ انداز میں چلتی اس کے بائیں طرف آئی تھی تو اس آدمی نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ عانیہ نے ہلکی سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور تیزی سے گھومی تھی۔ وہ آدمی بھی پلٹی کھاتا زمین سے اٹھا تھا اور عانیہ نے اسے اپنے پیچھے سے لا کر آگے کی جانب اچھالا اور اتنی زور سے زمین پر پٹخا کہ وہ چلا کر

رہ گیا تھا۔اسے بے ہوش کرنے کے بعد وہ سیدھی ہی ہوئی تھی کہ سامنے سے پانچ آدمی اپنی طرف آتے دکھائی دیے تھے۔اسی اثناء میں گلی کے دونوں اطراف کے گھروں کی دیواروں سے پانچ پانچ لوگ ہاتھوں میں لکڑی کے ڈنڈے اٹھائے اس کے دائیں بائیں جانب کودے تھے۔اسے اپنا یہاں سے بچ کر نکلنا مشکل لگن لگا تھا لیکن ڈر نہیں لگا تھا۔وہ گھبرانے کی بجائے اللہ سے دعا کرنے لگی تھی۔اور ان سب کی پوزیشنز کا جائزہ لینے لگی۔پھر پیچھے سے قدموں کی آہٹ پر وہ مڑی تو حماد کا سیکرٹری اسد اور تعبیر چلتے ہوئے اس کے سامنے آرکے تھے۔تعبیر اسے مغرور اور فاتحانہ انداز میں دیکھ کر مسکرا رہی تھی جبکہ اسد ہاتھ میں پسٹل پکڑے مؤدب سا کھڑا تھا۔

"اگر اپنی دوست کو صحیح سلامت دیکھنا چاہتی ہو تو خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" تعبیر نے حکمیہ لہجے میں کہا تو وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"میں اسے صحیح سلامت دیکھ چکی ہوں۔اس لیے مجھے بلیک میل کرنے کا کوئی اور طریقہ ڈھونڈو۔"اس کی یہ بات اسد کو اس کی نااہلی باور کروانے کے لیے کافی تھی۔ تعبیر نے اچنبھے سے اسے دیکھا پھر اسد کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔لیکن وہ حیران تھا کہ اتنی جلدی عانیہ کو یہ بات کیسے پتہ چلی تھی۔اس نے تو ڈانٹ کے ڈر سے حماد اور تعبیر کو بھی نہیں بتایا تھا۔اب لگتا تھا اس کی نوکری تو پکی خطرے میں آگئی تھی۔اسے کاشف پر سخت غصہ آنے لگا تھا۔

"دراصل میڈم۔اس لڑکی کو لڑائی بھڑائی کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔اسی لیے اس کا پورا بندوبست کیا ہے میں نے۔"اسد جلدی سے تعبیر کو اپنی صفائی میں گول مول جواب دیتا عانیہ کی طرف مڑا تھا۔

"یہ پندرہ لوگ ہیں جتنا مرضی ہے ان سے لڑلو اور اگر چاہو تو اور لوگ بھی منگوادوں گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ آخرکار تمہیں خود کو ہمارے حوالے کرنا ہو گا۔اور مجھے گولی چلانے پر مجبور نہ ہی کرو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"اسد نے کہتے ہوئے اس پر پسٹل تان لی تھی۔

"تمہیں گولی چلانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔" عانیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ حیران ہوا۔ لیکن عانیہ نے اسے زیادہ موقع نہیں دیا تھا۔ پہلے ایک سائیڈ پر ہو کر خود کو گولی کے نشانے کی زد سے نکالا اور دو قدم دوڑ کر اس کے قریب آئی تھی۔ ہوا میں اچھل کر گھومتے ہوئے اپنا پاؤں اس کے پسٹل والے ہاتھ پر دے مارا۔ پسٹل اڑ کر گلی کی دیوار کے پار جا گری تھی اور اسد کو لگا کہ اس کا ہاتھ بالکل ٹوٹ چکا ہے۔ وہ سب اتنی جلدی ہوا تھا کہ وہاں کھڑے سب لوگ پلک جھپکے بغیر ششدر سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ تعبیر منہ پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ عانیہ دوسرا پاؤں اسد کی گردن کے بائیں جانب مارتی نیچے آئی تھی اور زمین پر مضبوطی سے قدم جما دیے۔ اسد درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں دو آدمی اس کے بالکل پیچھے پہنچ چکے تھے۔ اس نے اچھل کر ایک پاؤں، گھٹنوں پر بیٹھے اسد کے کندھے پر رکھا اور وہیں سے پنجے کے بل گھوم کر مڑی تھی۔ اس آدمی نے لکڑی کا بھاری ڈنڈا اس کے سر پر مارنا چاہا تھا لیکن عانیہ مڑتے ہوئے اپنے ہاتھ پر ڈنڈے کو روکا تھا اور دوسرے آدمی کو ٹانگ مارتے ہوئے قدم نیچے جمائے جو ڈنڈے سے اس پر وار کرنے ہی والا تھا۔ وہ آدمی کچھ دیر کے لیے پیچھے ہٹا تھا اور عانیہ کو موقع مل گیا۔ اس نے پہلے والے آدمی سے ڈنڈا کھینچ کر دوسرے آدمی کے عین کندھے کے اوپر دے مارا اور اس آدمی کے ہاتھ سے ڈنڈا نیچے جا گرا تھا۔ اسی پل پہلے والے آدمی نے اسے پیچھے کمر پر مکا مارنا چاہا لیکن وہ بروقت جھکائی دے گئی۔ سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے دیکھا کہ دو لوگ ایک ساتھ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ ساتھ کھڑے آدمی نے اسے دوبارہ مکا مارنا چاہا جو اس نے بائیں کلائی پر روکا اور اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ جماتی ہوا میں افقی پوزیشن میں اچھلی تھی کہ اس کی پشت نیچے کی طرف تھی۔ دونوں آدمی ڈنڈے پکڑے اس کے قریب آ چکے تھے۔ دائیں جانب والے آدمی کے سینے پر زور سے بائیاں پاؤں مار کر وہ وہیں سے ایسے پلٹی تھی کہ اس کی پشت اوپر کی جانب ہو گئی۔ ساتھ ہی اس کا دائیاں پاؤں بھی گھومتا ہوا بائیں والے آدمی کے کندھے پر پڑا تھا۔ اس پلٹنے کے دوران اس نے دوسرا ہاتھ بھی اس آدمی کی گردن

پر جما دیا تھا جس آدمی کے کندھے کو وہ ایک ہاتھ سے تھام کر ہوا میں اچھلی تھی۔ نتیجتاً وہ بھی اس کے ساتھ ہی گھوما تھا۔ اور جب وہ ایک گھٹنے اور دوسرے پاؤں کے سہارے زمین پر آئی تھی تو تینوں آدمی اس کے ارد گرد پڑے درد سے تڑپ رہے تھے۔ ٹریننگ کے دوران اس نے یہ بھی سیکھا تھا کہ کونسی جگہ پر وار کرنے سے انسان تکلیف کی شدت سے بے بس ہو جاتا ہے اور اس وار کے بعد اس کے لیے اٹھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے آج وہ وہی تکنیک استعمال کر رہی تھی۔ اتنے سارے لوگ تھے اور ایک دفعہ جس کو اس نے گرا لیا ہو اور وہ دوبارہ اٹھ کر اس کے سامنے آجائے تو پھر اسے گرانے کا فائدہ کیا۔ سو وہ تاک تاک کر ایسی جگہ پر وار کر رہی تھی کہ وہ لوگ ایک ایک وار میں ہی گر کر بے ہوش چکے تھے۔ اب وہ ان سے ٹینشن فری ہو چکی تھی۔ اب باقی بچے تھے گیارہ آدمی۔ اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے ارد گرد دیکھا تو سب لوگ اس کے ارد گرد آچکے تھے اور تعبیر تو کہیں غائب ہی ہو چکی تھی۔

(اوکے.... اوکے۔ آئی کین ڈو اٹ۔ ٹیک اٹ ایزی عانیہ) آنکھیں بند کر کے اس نے گہرا سانس خارج تھا۔ پھر آنکھیں کھول کر ارد گرد نگاہ دوڑائی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ پہلے کون اس کے مقابلے میں آنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اب اس کے چاروں اطراف پر چار آدمیوں کے علاوہ زیادہ تو نہیں آسکتے تھے نا۔ بے شک وہ سارے اکٹھے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے لیکن وہ یہ بات جانتی تھی کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار آدمی ہی آگے آکر اس پر حملہ کر سکیں گے اور باقی سب پیچھے کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنا زیادہ مناسب سمجھیں گے۔ اور ہوا بھی وہی۔ چاروں اطراف سے ایک ایک آدمی ہاتھوں میں ڈنڈے گھماتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ سب سے پہلے پیچھے والا آدمی اس پر وار کرے گا۔ اس کے بعد سامنے والے نے کرنا تھا اور دائیں، بائیں والے شخص ابھی تھوڑے پیچھے ہی تھے۔ جب پیچھے کھڑے آدمی نے ڈنڈا گھما کر اس کے سر کے پچھلی جانب مارنا چاہا تو وہ آگے کو جھکائی دے گئی۔ اسی اثناء میں ڈنڈا شاں کی آواز کے ساتھ اس کے اوپر سے گزر گیا۔ اس نے

دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر ٹانگیں پیچھے کی طرف اچھالیں جو سیدھی پیچھے کھڑے آدمی کے سینے پر جا لگیں۔ سامنے والا آدمی جس کی طرف الٹا کھڑے ہونے کی وجہ سے عانیہ کی اب پشت ہو چکی تھی، بھی بے دھیانی میں اس پر وار کر چکا تھا لیکن عانیہ اس کی پہنچ سے دور ہو چکی تھی۔ وہیں سے عانیہ نے اپنی دونوں ٹانگیں اس کی طرف بڑھائیں اور دونوں پاؤں اس کے گلے کے گرد ڈال کر آپس میں جکڑ دیے۔ اب وہ اس کے ساتھ الٹی لٹک چکی تھی۔ دائیں، بائیں والے دونوں آدمیوں نے ایک دفعہ ٹھٹک کر اسے دیکھا اور اگلے ہی پل اس کے گھٹنوں پر ایک ساتھ ڈنڈوں سے وار کر دیے۔ وہ ذرا سا اوپر کو اٹھی اور دونوں ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھینچ لیے۔ پھر دائیں ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا بائیں والے شخص اور بائیں ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا دائیں جانب کھڑے آدمی کی طرف پھینک دیا۔ دونوں کے سر پھٹ گئے اور وہ درد سے بلبلاتے پیچھے ہٹ گئے۔ اور جس شخص کی گردن کے گرد پاؤں پھنسائے وہ الٹی لٹکی ہوئی تھی، درد کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ شاید اس کی گردن کی کوئی رگ دبی ہوئی تھی اور وہ مسلسل خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ لیکن عانیہ کی گرفت مضبوط تھی۔ دفعتاً عانیہ کو نظر آیا کہ ایک آدمی سامنے سے اس کے چہرے کا نشانہ لے کر ڈنڈا اس کی طرف بڑھا رہا ہے۔ ایک لمحے میں ہی وہ اوپر کو اٹھی تھی اور ڈنڈا اس کے نیچے سے گزرتا اس آدمی کی دونوں ٹانگوں پر پڑا تھا جس کے ساتھ وہ لٹکی ہوئی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا تھا اور عانیہ نے اس کی گردن اپنے پیروں سے آزاد کرتی ہاتھوں کی مدد سے الٹی کھڑی ہو گئی۔ وہ آدمی جس نے اس کے منہ کا نشانہ بنایا تھا ابھی اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا اس نے عانیہ کے دونوں پاؤں پکڑنے چاہے لیکن رانے ہاتھوں پر گھومی اور دونوں پاؤں یکے بعد دیگرے اس کے منہ اور گردن کی سائیڈ پر مارے۔ وہ بھی بے ہوش ہو گیا تھا۔ مزید پانچ آدمی گر چکے تھے۔ اب رہ گئے چھ۔ دماغ میں آدمیوں کی تعداد گنتی ارد گرد دیکھنے لگی تھی۔ سامنے والا آدمی اس کے بالکل پہنچ چکا تھا۔ اس نے ڈنڈا گھما کر عانیہ کے سر پر مارنا چاہا جسے عانیہ نے اپنے بائیں بازو پر روکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈنڈا پیچھے کرتا عانیہ نے بازو پر درد کی پرواہ کیے بنا ڈنڈے کو

پکڑ لیا۔اس دوران ایک شخص عانیہ کے دائیں جانب آچکا تھا۔عانیہ نے اسے دائیں ٹانگ زور سے مار کر پیچھے اچھالا اور دوبارہ اس سامنے والے آدمی کی طرف متوجہ ہوئی جس نے ابھی تک ڈنڈے کو نہیں چھوڑا تھا۔عانیہ نے اس کے ڈنڈا پکڑے ہوئے بازو کی کہنی کو پکڑا اور اس طرح گھومی کہ اس کی کمر اس آدمی کے سینے سے جا ٹکرائی۔پھر ذرا سا آگے کو جھک کر زور لگاتے ہوئے اس آدمی کو اپنے پیچھے سے اٹھا کر، اپنے اوپر سے اچھالا اور سامنے آتے آدمی پر دے مارا۔دونوں آدمی اوپر تلے ایک ساتھ نیچے گرے تھے۔ایک اور ڈنڈا گھومتا اس کے بائیں جانب سے آیا تھا اور وہ بروقت جھکائی دیتی نیچے بیٹھ گئی۔نیچے دو تین ڈنڈے پڑے تھے اس نے ان میں سے ایک اٹھا لیا اور نیچے بیٹھے ہی اسے گھما کر بائیں جانب والے آدمی کے ٹخنے پر دے مارا۔جب وہ آدمی نیچے گرا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔اس نے باقی رہ جانے والے لوگوں کی تعداد گننی چاہی لیکن یہ کیا....؟یہ اتنے سارے لوگ کہاں سے آ گئے؟ بھئی یہ تو زیادتی تھی نا۔وہ ایک اکیلی لڑکی اور سامنے پندرہ مرد کھڑے تھے۔ابھی تو اس نے پندرہ کو چار کیا تھا اور یہ پھر پندرہ ہو چکے تھے۔

"اف...اللہ جی مجھے بچا لیں۔"اس نے دعا کرتے ہوئے ارد گرد دیکھا تھا۔اس کے سامنے بڑی عمر کے مردوں کی بجائے جوان اور نوجوان سے لڑکے تھے۔جو لڑائی میں تیز اور پھرتیلے ہو سکتے تھے لیکن انہیں اٹھا کر پٹخنا اس کے لیے آسان تھا۔اس نے ایک دفعہ پھر گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور جھک کر ایک اور ڈنڈا ہاتھ میں اٹھا لیا۔دونوں ڈنڈوں کو انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے وہ بالکل ایکشن فارم میں آ چکی تھی۔چار لڑکے اس کی طرف بڑھے تھے۔دائیں بائیں والے لڑکوں کے ڈنڈوں کے وار کو اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑے ڈنڈوں پر روکا، سامنے والے کو گھوم کر ٹانگ ماری اور ایک ڈنڈا پچھلے والے کے سر کا نشانہ لے کر پھینک دیا۔اسی اثناء میں اطراف میں کھڑے لڑکوں نے اس کے سر کا نشانہ بناتے ہوئے زور سے ڈنڈا گھمایا تھا لیکن وہ یکدم نیچے بیٹھی اور ان دونوں کی ٹانگوں پر ڈنڈوں سے وار کر دیا۔وہ بھی نیچے گر پڑے۔ابھی وہ نیچے ہی بیٹھی تھی کہ ایک لڑکا اس کی

طرف بڑھا تھا اور گھوم کر اپنی ٹانگ عانیہ کے کندھے پر مارنی چاہی۔ لیکن وہ کہنیوں کے بل پیچھے کو جھکائی دے گئی اور لڑکے کی ٹانگ پکڑ لی۔ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کھینچ کر اسے اپنے سامنے کیا۔ جو ڈنڈا عانیہ پر لگنا تھا وہ اس لڑکے کے سر کے عین پیچھے لگ گیا۔ پھر اسے ٹانگ سے پکڑے ہی گھوم کر زمین پر پٹخ دیا وہ تو سامنے والا شخص نظر آیا۔ دونوں اطراف سے بھی دو لڑکے آتے دکھائی دیے۔ اس نے اکتا کر سر جھٹکا۔ اور سامنے والے آدمی کے ڈنڈے کو بازو پر روکتے ہوئے اس کے سر پر زور سے ڈنڈا مارا۔ پھر دائیں جانب والے کو ایک ڈنڈا مارا لیکن اس دوران بائیں جانب والے لڑکے نے اس کے بازو کی کہنی پر زور سے ڈنڈا مار دیا۔ درد کو برداشت کرنے کے لیے وہ ایک لمحے کو رکی تھی اور آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ لیکن یہ غفلت اسے مہنگی پڑ گئی۔ ایک اور ڈنڈا اس کے دونوں گھٹنوں پر لگا تھا۔ وہ یکدم نیچے بیٹھ گئی تھی۔ سخت درد کے باوجود اس نے نیچے پڑے دو ڈنڈے اٹھائے اور اپنی طرف آنے والے دو ڈنڈوں کو روکا۔ پھر کھڑے ہوتے ہوئے وہ اچھل کر اس طرح گھومی کہ دو ڈنڈے اس کے دائیں بائیں سے گزر گئے۔ اجک کے سینے پر پاؤں مارتی وہ دو لوگوں کو ڈنڈے سے نشانہ بنا چکی تھی۔ جب پیچھے سے ایک ڈنڈا اس کی کمر پر پڑا تھا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں درد اٹھا تھا۔ وہ سنبھل نہ سکی اور کمر کے بل نیچے گرے۔ اگلے ہی پل ایک ڈنڈا سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس نے نیچے لیٹ کر ڈنڈے کو بائیں ہاتھ پر روکا تھا۔ لیکن ڈنڈے کو پکڑ کر کھینچنے کی ہمت اب نہیں رہی تھی۔ ان لڑکوں نے اسے گرا دیکھ کر موقع غنیمت جانا اور اس کی ٹانگوں پر کئی وار ایک ساتھ کر دیے۔ زمین پر لیٹے ہی اس نے ایک پلٹی کھائی تھی اور دو ڈنڈے جو اس کی ٹانگوں پر پڑنے تھے زمین پر لگے لیکن اگلے ہی پل دو ڈنڈے اور اس کے گھٹنوں پر لگے تھے۔ ہر وار پر اس کی تکلیف بڑھ رہی تھی اور وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی۔ چار پانچ ڈنڈے جو اس کے پیٹ پر پڑنے تھے وہ اس نے اپنے بازوؤں پر روکے تھے۔ اور آخر میں ایک ڈنڈا اس کے سر کی طرف بڑھا تھا۔ ابھی اس کے پاس آگے پیچھے ہونے کی سکت نہیں تھی سو خود کو اس ڈنڈے کے وار سے بچانا ناممکن ہی تھا۔ اسے لگا کہ اس کی پیشانی پھٹنے والی ہے۔ اس

پل بھی وہ ناامید نہیں ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ اس کی مدد کرے گا۔ یہ تو ایک چھوٹا سا امتحان تھا کہ وہ بے بس ہو کر بھی اللہ سے اچھی امید رکھتی ہے کہ نہیں۔ اور اس کا یقین سچ ثابت ہوا تھا۔ ڈنڈا اس کے سر پر نہیں لگا تھا۔ اس نے حیرت سے آنکھیں سکوڑ کر دیکھا تو کسی کے ہاتھ نے اس ڈنڈے کو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے نگاہیں گھما کر اپنی مدد کرنے والے شخص کو دیکھا۔ وہ ریان تھا جو ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی اس کی مدد کو آیا تھا لیکن وہ یہاں پہنچا کیسے؟ وہ اچنبھے سے سوچ رہی تھی۔

ریان نے اس لڑکے سے ڈنڈا ایک جھٹکے سے چھینا اور اسے گردن سے پکڑ کر نیچے پٹخ دیا۔ دائیں طرف والے لڑکے کے ڈنڈے کو بازو پر روکتے ہوئے اسے ایک مکا مار کر گرنے پر مجبور کر دیا اور پیچھے والے کو ایک ٹانگ سے پرے دھکیلا۔ اب وہ کسی کو عانیہ کی طرف آنے بھی نہیں دے رہا تھا۔ کسی چٹان کی طرح وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور سب اس سے ٹکرا کر نیچے گرتے جا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد عانیہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور دیکھا تو وہ لوگ کم ہونے کی بجائے اور زیادہ ہوتے جا رہے تھے۔ شاید حماد اسے بے بس کر کے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا اسی لیے اسے لڑنے کا موقع دے رہا تھا کہ کتنے لوگوں سے لڑ پائے گی اور کب تک لڑ پائے گی۔

اس نے ایک نظر ریان کو دیکھا جو بیک وقت تین تین لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے جاگرز میں سے چاقو نکالا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گھٹنوں میں درد ہوا تو وہ تھوڑی سی لڑکھڑائی تھی لیکن ہمت نہیں ہاری اور ایک دو جمپ لگانے کے بعد خود کو پھر سے فائٹنگ کے لیے تیار کیا۔ ٹریننگ کی وجہ سے اس میں ول پاور بہت زیادہ آ گئی تھی اور درد کو سہنا آ گیا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر ریان کی دائیں جانب آ گئی اور اس طرف سے حملہ کرنے والے لڑکے کے ہاتھ سے ڈنڈا کھینچتے ہوئے اس کے بازو میں زور سے چاقو مار دیا۔

"دیا..... پیچھے ہٹو۔" رہان نے غصے سے کہا۔ وہ اس وقت ایک آدمی کو اٹھا کر پھینک چکا تھا اور دوسرے آدمی کا بازو موڑے اس گھٹنوں پر بیٹھے پہ مجبور کر چکا تھا جب عانیہ نے اس کے دائیں جانب سے آنے والے آدمی پر چاقو سے

حملہ کر دیا تھا۔وہ تو کچھ لمحوں کے لیے ششدر رہ گیا تھا۔ابھی تو اسے اتنی سخت چوٹیں آئی تھیں اور اب یہ پھر سے ان لوگوں کے مدمقابل آچکی تھی۔

"تم جانتے ہو میں یہ نہیں کروں گی۔"عانیہ نے چاقو اس لڑکے کے بازو سے کھینچا اور وہ لڑکا بہتے خون کے ساتھ نیچے گر گیا۔ایک آدمی پھر اس کے سامنے آچکا تھا۔عانیہ نے جھکائی دے کر اس آدمی کا وار خالی جانے دیا اور نیچے بیٹھ کر ایک ہاتھ زمین پر جما کر،ایک پاؤں کے گرد گول گھومی اور اس آدمی کی ٹخنے پر اپنا دوسرا پاؤں مارتے ہوئے اسے منہ کے بل گرنے پر مجبور کر دیا۔پھر اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اس کی کمر پر چاقو سے وار کر دیا۔

"تم اتنی ضدی کیوں ہو دیا۔اپنی حالت پر تھوڑا سا تو رحم کھالو۔پیچھے ہٹ جاؤ۔میں ان سب کو دیکھ لوں گا۔"ریان نے جھنجھلا کر کہا تھا۔سامنے آنے والے آدمی کے ڈنڈے کو کھینچ کر دائیں جانب آنے والے آدمی کے سر پر دے مارا جو عانیہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔عانیہ نے دیکھا کہ وہ اس کی طرف آنے والے آدمی کی طرف متوجہ تھا اور بائیں جانب سے آنے والا لڑکا ریان پر حملہ کرنے والا تھا۔

"وہ تو میں اچھی طرح جان چکی ہوں کہ تم سب سے اکیلے ہی لڑ سکتے ہو۔"عانیہ نے اس آدمی کی کمر سے چاقو نکال کر طنزیہ کہا اور ریان کے پیچھے سے ہوتی بائیں طرف والے حملہ آور کے سامنے آگئی جو ریان کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس کا ڈنڈا اپنے بازو پر کھایا جس کی تکلیف اس سے زیادہ ریان کو ہوئی تھی۔گھومتے ہوئے اس کے سینے پر ٹانگ ماری جس سے وہ زمین پر گر پڑا اور عانیہ نے اس کے پیٹ میں چاقو مار دیا۔اسی اثناء میں ایک آدمی دائیں طرف سے ان دونوں کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ریان نے ابھی اس سے نمٹنے کا سوچا ہی تھا کہ عانیہ وہیں سے چاقو نکالتی الٹی چھلانگ لگاتے ہوئے ریان اور اس آدمی کے درمیان اچکی تھی۔ریان کے کندھے پر ایک ہاتھ جمایا اور دونوں ٹانگیں ہوا میں اچھالیں۔سامنے والے شخص کے سیدھا منہ پر ماریں اور جب وہ نیچے آئی تو ریان نے اسے دونوں بازوؤں

سے پکڑ کر سنبھلنے میں مدد دی۔ اس نے ایک جتاتی نظر سے ریان کو دیکھا اور پیچھے ہٹ کر پلٹی تھی۔ تین آدمی سامنے سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

"اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو ڈانٹ سننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" ریان بھی اس کے بائیں جانب کھڑا ہو چکا تھا

"منظور ہے"۔ عانیہ کے سامنے نیچے دو آدمی گرے پڑے تھے۔ اس نے یکے بعد دیگرے دونوں قدم ان آدمیوں پر رکھے اور ریان کے کندھے پر پھر اسی طرح ہاتھ جما کر اوپر کو اچھلی لیکن اس دفعہ سامنے والے آدمی منہ پر مار کر اسے نیچے گراتی اس کے پار جا کھڑی ہوئی تھی۔ باقی دونوں کو ریان نے ایک مکے اور ٹانگ کے وار سے نیچے گرایا اور بھاگ کر عانیہ کے پاس پہنچا جو تین اور آدمیوں میں گھری ہوئی تھی۔

"تمہیں مجھ سے آگے نکلنے کا کچھ زیادہ ہی شوق نہیں۔" ریان نے لطیف سا طنز کیا تھا۔ اس نے مسکراہٹ دبائی اور سامنے والے آدمی جس کا بازو موڑ کر اسے آگے کو جھکنے پر مجبور کر چکی تھی اس کے اوپر سے الٹا کودی تھی۔ کڑک کی آواز سے اس آدمی کا وہ بازو اتر گیا اور وہ ایک پلٹی کھاتا نیچے گر گیا۔ ریان اپنی حیرت کو بمشکل چھپاتا دونوں آدمیوں سے نبرد آزما ہو گیا تھا۔ ایک کو اٹھا کر نیچے پٹخنے کے بعد دوسرے کی گردن سے پکڑ کر سر زمین سے دے مارا۔ ایک آدمی کی گردن پر ہاتھ جما کر وہ اوپر کو اچھلی تھی اور اس آدمی کے اوپر سے گزرتی اگلے آدمی کے منہ پر اپنے پاؤں مارتی زمین پر آئی تھی اور ساتھ اس آدمی کا سر بھی زمین سے پٹخ دیا تھا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے عانیہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا چاقو ایک طرف زور سے پھینکا تھا جو ریان کے سامنے سے گزرتا اس کے دائیں جانب آنے والے آدمی کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔

"یار یہ لوگ تو جان ہی نہیں چھوڑ رہے۔ میں پسٹل سے ان سب کو شوٹ کرنے لگا ہوں۔" ریان نے اکتا کر کہا۔

"نہیں۔ تم ایسا کچھ نہیں کرنے والے۔ کسی کے ایسی جگہ لگ گئی جس سے وہ مر گیا تو۔" عانیہ نے سختی سے منع کیا۔ اسے ان لوگوں کے مرنے کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی جو پیسوں کی خاطر حماد جیسے لوگوں کے آلہ کار ہوتے

ہیں۔ انہی کے زور پر تو وہ خود کو طاقتور سمجھنے لگتے ہیں اور قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ملک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور ویسے بھی وہ اپنے دفاع میں لڑ رہے تھے۔ ان پر قتل کا گناہ نہیں لگتا تھا۔ لیکن اصل میں مسلہ یہ تھا کہ گولی لگنے سے کوئی مر جاتا تو ریان پر کیس بھی بن سکتا تھا اور اس کا کیریئر متاثر ہو سکتا تھا۔ سو پر زور لہجے میں اسے گولی چلانے سے روک دیا تھا۔ اب وہ دونوں شانہ بشانہ لڑ رہے تھے۔ ایک منٹ بعد اب سامنے صرف چار لڑکے رہ گئے تھے۔ ریان نے دونوں کو ٹھکانے لگایا جبکہ عانیہ نے ابھی ایک کو ہی نیچے گرایا تھا۔ اس لیے ریان تیسرے شخص کی طرف بڑھ گیا اور عانیہ نے ساتھ کھڑے ہو کر سکھ کا سانس لیا تھا۔ لیکن زیادہ دیر وہ پر سکون نہیں رہ سکی تھی۔ ہلکی سی روشنی میں اس کی نظر سامنے کھڑی گاڑی کے پیچھے پڑی تھی۔ ایک شخص ریان پر پستول سے نشانہ بنائے کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر ریان کو دیکھا جو آخری آدمی کو بھی گرا کر سیدھا کھڑا ہو چکا تھا لیکن دھیان ابھی بھی اس آدمی کی طرف ہی تھا۔ اور جب اس نے دوبارہ اس آدمی کی طرف دیکھا تو وہ فائر کر چکا تھا۔ صرف ایک لمحہ لگا تھا اسے یہ فیصلہ کرنے میں کہ کیسے وہ ریان کو اس گولی سے بچا سکتی ہے۔ گولی سیدھی ریان کے سینے پر بائیں طرف آ رہی تھی۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ریان کو کھینچ کر ادھر ادھر کرتی اس لیے وہ تیزی سے گھومی تھی اور ریان کے سامنے آ گئی۔ ریان کو بھی پتہ چل چکا تھا کہ وہ گولی کی زد میں آ چکا ہے لیکن وہ گولی لگنے سے پہلے عانیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا عانیہ کو ایک زور دار جھٹکا لگ چکا تھا۔ مطلب وہ گولی عانیہ کو لگ چکی تھی۔ اس کا دل جیسے گہری کھائی میں ڈوب گیا تھا۔

"نہیں۔" اس نے بولنا چاہا لیکن آواز لبوں سے نہ نکل سکی تھی۔ وہ سن سا عانیہ کے دونوں بازو تھامے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ رہا تھا۔

گولی عانیہ کے دائیں کندھے کے پچھلی جانب لگی تھی اور اسے یوں لگا کہ کوئی آگ کا انگارہ اس کے کندھے میں گھس گیا ہے۔ لبوں سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی تھی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ

ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی ریان کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ ریڑھ کی ہڈی کے قریب گولی لگنے کی وجہ سے اس کے اعصاب جلد ہی جواب دے گئے تھے اور پہلے ہی وہ بہت زخمی ہو چکی تھی اس لیے وہ زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہ سکی تھی۔ اس کے کندھے سے خون نکل کر نیچے بہتا ریان کے ہاتھ کو سرخ کرنے لگا تھا۔ ریان نے ایک گہری سانس لے کر اپنے اعصاب کو کنٹرول کیا اور بائیاں بازو اس کے کمر پر یوں حمائل کیا کہ عانیہ کا دائیاں زخمی کندھا اس کے بازو کے ساتھ مس کرنے لگا اور خون کے بہنے کی رفتار کم ہو گئی۔ اسی ہاتھ سے بائیں کندھے کو بھی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ وہ نیچے نہ گرے اور جلدی سے رخ پھیر کر بیلٹ کے ساتھ لگی پسٹل نکال لی۔ پھر چہرہ پھیر کر گاڑی کی طرف دیکھا جہاں اب ایک آدمی کی بجائے دو آدمی گن اسی کی جانب تانے کھڑے تھے لیکن ابھی تک انہوں نے گولی نہیں چلائی تھی کیونکہ عانیہ اس کے سامنے تھی اور انہیں ریان پر گولی چلانے کا حکم ملا تھا۔ حماد نے عانیہ کو مارنا تو تھا ہی نہیں۔ ریان کو قتل کر کے وہ اس کا سارا الزام عانیہ کے سر دھرنا چاہتا تھا اس طرح ایک طرف تو ملک کا ایک ہونہار فائٹر پائلٹ مر جاتا اور اس کی دولت تو پہلے ہی وہ اپنی ٹرسٹ کے نام لگوا چکا تھا اور دوسری جانب عانیہ جیل چلی جاتی۔ تعبیر نے گیٹ میں کھڑے ہو کر ساری لڑائی دیکھی تھی اور ویڈیو کال کے ذریعے حماد کو ساری انفارمیشن دیتی رہی تھی۔ اسی نے حماد کو یہ بتایا تھا کہ ریان بھی عانیہ کی مدد کے لیے آ چکا ہے تو حماد نے ایک آدمی کو اسے قتل کرنے کے لیے بھیج دیا اور ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی وہ ناکام ہوا تھا۔ تعبیر نے اسے یہ خبر بھی پہنچا دی تھی کہ ریان کے حصے کی گولی عانیہ نے خود پر کھالی ہے اور وہ سن کر تو کلس کر رہ گیا تھا۔ یہ عانیہ تو اسے ہر دفعہ اس کا پلان فیل کرتے ہوئے اسے ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ سارا کام الٹا پڑنے والا تھا۔ یہ خدشہ اب یقین بننے جا رہا تھا۔

ان دونوں آدمیوں کو کوئی بھی موقع دیے بنا ریان نے سیدھا ان کے سینوں کا نشانہ لے کر فائرنگ کر دی تا کہ وہ جلد ہی بے بس ہو جائیں اور ان پر جوابی حملہ نہ کریں۔ اور اگلے ہی لمحے وہ دونوں نیچے پڑے تڑپ رہے تھے۔ تعبیر

ایک لمحے کے ساکت سی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے سامنے پڑی لاشوں کو دیکھا اور پھر الٹے قدموں پیچھے کی طرف بھاگی تھی۔اب کسی میں باہر آنے کی ہمت نہیں رہی تھی کیونکہ اندر چند ہی سیکیورٹی گارڈز رہ گئے تھے جن کی ڈیوٹی حماد کی حفاظت کرنا تھی اگر وہ بھی باہر آجاتے تو حماد بھی خطرے میں پڑ سکتا تھا۔گلی اب سنسان ہو چکی تھی۔سٹریٹ پولز کی مدھم سی روشنی تھی لیکن ریان کو ہر سو گہرا اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔وہ اس وقت ضبط کی انتہا پر تھا۔ابھی تک بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی دیا ایک دفعہ پھر موت کے بالکل قریب جاچکی ہے۔اس نے نظریں جھکا کر عانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا جو بے خبر اور پر سکون سی اس کے بازو میں پڑی تھی۔ایک گہری خاموشی تھی اس کے لبوں پر۔جیسے کسی آندھی اور طوفان کے بعد خاموشی سی چھا گئی ہو۔اسے یوں دیکھ کر ریان کا دل غم سے پھٹا جارہا تھا۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر عانیہ کے چہرے پر پڑا تھا۔پھر اسے ہوش آیا کہ عانیہ کا خون مسلسل بہہ رہا ہے تو اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا تھا۔وہ جھک کر اسے اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر پلٹا اور بھاگتا ہوا گلی کے باہر سڑک پر اپنی گاڑی کی طرف آگیا۔عانیہ کی گاڑی اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی اس لیے اس نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا تھا۔البتہ عانیہ کا فون ریان کی جیب میں ہی تھا۔جب عانیہ عریج کو بچانے گئی تھی تو ریان نے وہاب سے کہہ کر عانیہ کے فون میں ایک ٹریسر لگوادیا تھا۔جانتا تھا کہ آگے بھی وہ کسی کو مشکل میں دیکھ کر آرام سے گھر نہیں بیٹھ سکے گی اور اسے بچانے کی خاطر خود مشکل میں پڑ جائے گی۔سو اسے بتائے بغیر حفظ ماتقدم کے طور پر اس کے موبائل میں ٹریکر ڈال دیا تھا اور آج جب عانیہ نے اس سے منت بھرے لہجے میں کہا تھا کہ اسے حدیقہ کو بچانے کے لیے جانے دے تو اس نے بھی اسے جانے دیا لیکن اسے اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔اس لیے اسے ٹریس کرتے ہوئے اس کے پیچھے آیا تھا۔

عانیہ کا خون بہے جارہا تھا اور وہاں کوئی کپڑا بھی نہیں تھا جس سے اس کے زخم پر پٹی باندھی جاسکتی۔اس لیے ریان اسے اپنی گود میں ہی لیے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔بائیں بازو سے اسے سہارا دیے دائیں ہاتھ سے سٹیئرنگ

تھامے وہ تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اسے اب جلد از جلد کسی قریبی ہاسپٹل پہنچنا تھا۔ عانیہ کی سانسیں مدھم پڑتی جا رہیں تھیں اور ریان کی دھڑکنیں رکتی جا رہیں تھی۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھا اور اللہ سے دعا بھی نہیں مانگنے ہو رہی تھی۔ ایک کسک سی دل میں اٹھ رہی تھی کہ کاش دیا کی جگہ وہ اس گولی کا شکار ہو جاتا۔ اس کی اتنی اذیت نہ ہوتی جتنی اس بات کی تھی کہ دیا نے اسے بچانے کے لیے خود کو پیش کر دیا تھا۔ سب اسی کی غلطی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس کی دیا اسی کی وجہ سے خطرے میں جا چکی تھی۔

"نہیں دیا.... میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ میں اللہ سے اپنی زندگی کے بدلے تمہاری زندگی مانگ لوں گا۔ مجھے یقین ہے وہ مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی دیا۔ تم سن رہی ہو نا۔ پلیز کچھ تو کہو۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ دیا۔" وہ اسے اپنے سینے کے ساتھ بھینچتا بے تاب لہجے میں کہہ رہا تھا۔ لیکن دکھ تو یہی تھا کہ دیا سن نہیں رہی تھی۔

پانچ منٹ بعد سڑک کے کناروں پر دکانیں اور مالز نظر آنے شروع ہو گئے تھے۔ شہر کی روشنی بڑھ رہی تھی اور جلد ہی اسے ایک ہاسپٹل نظر آ گیا تھا۔ اس نے گاڑی اس کے سامنے روکی اور تیزی سے عانیہ کو بازوؤں میں اٹھائے اندر کی جانب بڑھا تھا۔ بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔ جب دیا اس کی زندگی میں پہلی بار آئی تھی تو وہ اسے اسی طرح اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ہسپتال لے کر جا رہا تھا۔ پھر ایک ایک کر کے دیا کی ہر یاد اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ جب ڈاکٹرز نے عانیہ کو سٹریچر پر لٹایا تو اس وقت تک ریان کی سفید شرٹ بائیں طرف سے سرخ ہو چکی تھی۔ کوئی اس سے پوچھ رہا تھا کہ لڑکی کو گولی کیسے لگی لیکن وہ ابھی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سو ڈاکٹر نے سوال پوچھنے پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اس سے ایک پیپر پر سائن کروا لیا۔ اسے ہوش تب آیا تھا جب ڈاکٹرز عانیہ کو سٹریچر پر ڈالے آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھ گئے تھے۔ وہ اکیلا اس کوریڈور میں رہ گیا تھا اور اسے لگا تھا کہ وہ ساری دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں پیچھے ہٹا اور بینچ پر بیٹھ کر

چہرے کو دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔ دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا جیسے کسی سمندر کے بھنور میں ایک کشتی ڈوب کر بار بار ابھرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ یہ امید کرنا چاہتا تھا کہ دیا ٹھیک ہو جائے گی لیکن ناامیدی کا بھنور اسے خود میں گم کرتا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر دیا کو کچھ ہو گیا تو وہ بھی مر جائے گا۔ پچھلی دفعہ جب اسے پتہ چلا تھا کہ دیا مر چکی ہے تو وہ ایکسیڈنٹ کروا کر تین چار دن ہسپتال پڑا رہا تھا۔ اسے اتنی سخت چوٹیں تو نہیں آئیں تھیں لیکن وہ چار دن اس نے بہت تکلیف میں گزارے تھے۔ اسے ہر سانس پر لگتا تھا کہ وہ مرنے والا ہے۔ لیکن اس کا دل کہتا تھا کہ دیا زندہ ہے۔ بالآخر جب اس نے اللہ سے پورے یقین کے ساتھ دعا مانگی کہ دیا زندہ ہو تو اسی دن اسے رینم کی کال آئی تھی اور وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی دعا اتنی جلدی پوری ہونے جا رہی ہے۔ جب دیا دوبارہ اس سے ملی تھی تو اسے وہ کسی معجزے سے کم نہیں لگا تھا۔ شاید اب بھی کوئی معجزہ ہو جائے۔ وہ پر امید ہوا۔ لیکن معجزے یقین مانگتے ہیں۔ اللہ پر مکمل یقین۔

-----------------------------

وہاب حدیقہ کو ساتھ لیے عانیہ کے گھر آ گیا تھا۔ اسے ابھی عانیہ کی ٹینشن تھی سو آنٹی عمرینہ کو فون کر کے حدیقہ کے بارے میں بتا بھی نہیں سکا تھا۔ اور عانیہ کے گھر پہنچ کر اس کی ٹینشن مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی۔

"آدھے گھنٹے پہلے اس نے بتایا تھا کہ وہ گھر جا رہی ہے تو ابھی تک کیوں نہیں پہنچی؟" وہاب پریشان لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ریان بھائی بھی ان کے پیچھے گئے ہیں۔" حریم نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ رینم اور حدیقہ بھی وہیں کھڑیں عانیہ کے محفوظ ہونے کی دعا کرنے لگیں تھیں۔ وہاب نے تیزی سے فون نکال کر عانیہ کے نمبر پر کال کی۔ دوسری طرف ریان نے اس کی کال اٹھائی تھی۔

"ہیلو عانیہ۔ ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچی تم؟" چھوٹتے ہی وہاب نے پوچھا تھا۔

"عانیہ ٹھیک نہیں ہے وہاب۔" اسے لگا کہ وہ ابھی رو دے گا۔

"کیا ہوا اسے؟"

"اسے گولی لگ گئی ہے۔"

"واٹ؟..... یہ کیسے ہوا.... کہاں ہو تم لوگ اس وقت؟" دوسری طرف وہاب حیرت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حدیقہ رینم اور حریم بھی پریشانی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں تھیں۔

"ہاسپٹل میں ہیں۔" ریان سے زیادہ بات بھی نہیں کرنے ہو رہی تھی۔ وہاب نے ہاسپٹل کا نام پوچھا تو اس نے فون بند کر دیا۔ وہ تینوں جو وہاب کے حیران و پریشان ہونے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھیں، بے چینی سے اس کی کال ختم ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔

"عانیہ کو گولی لگی ہے۔" وہاب نے فون بند کرتے ہوئے غمگین لہجے میں کہا تو حدیقہ بے یقینی اور خوف سے لڑکھڑائی تھی۔ رینم اور حریم بھی کچھ پل کے ساکت رہ گئیں تھیں۔

جب وہ چاروں ہاسپٹل پہنچے ریان آپریشن تھیٹر کے سامنے بیٹھا نظر آیا تھا اور انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاب بھاگتا ہوا سب سے پہلے اس کے پاس پہنچا تھا۔

"کیسی ہے وہ اب؟"

"مجھے نہیں پتہ۔ وہ لوگ آپریشن کے لیے اندر لے گئے ہیں۔"

"اس نے تو ہمیں فون پر بتایا تھا کہ وہ ابھی تک حماد کے پاس نہیں پہنچی تو پھر یہ سب کیسے ہوا؟"

"وہ وہاں پہنچ چکی تھی لیکن تم لوگوں کو شاید اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم پریشان نہ ہو جاؤ۔ حماد کے درجنوں ادمی اسے گھیر چکے تھے جب میں وہاں پہنچا تھا۔ لیکن میں اسے پھر بھی بچا نہیں سکا۔ وہ گولی میری طرف آ رہی تھی لیکن وہ سامنے آ گئی۔ گولی اس کے دائیں کندھے پر پچھلی جانب لگی ہے اور اب پتہ نہیں وہ کس حال میں ہے۔" دکھ بھرے لہجے میں بتاتے ہوئے آخر میں اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے چہرہ جھکا لیا تھا لیکن وہاب اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریان کو گلے سے لگا لیا تو وہ بچوں کی طرح رو دیا تھا۔

"ہمت کرو یار۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔ گولی پچھلی جانب لگی ہے اس لیے کم ہی نقصان ہو گا۔" وہاب نے اس کی کمر پر تھپکی دے کر کہا تو وہ آنسو پونچھتا اس سے الگ ہو گیا۔ حدیقہ، ریئم اور حریم بھی رونے لگیں تھیں۔ وہاب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اللہ سے دعا کرنے کا کہا تھا تو وہ تینوں بہتے آنسوؤں کے ساتھ زیر لب قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے دعائیں مانگنے لگیں تھیں۔ دفعتاً آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور ایک ڈاکٹر منہ سے ماسک ہٹاتا باہر آیا تھا۔ ریان تیزی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا۔

"گولی ہم نے آپریٹ کر کے نکال دی ہے۔ لیکن ان کا خون بہت بہہ گیا ہے۔ ہمیں فوری طور پر خون کی دو بوتلیں چاہیں۔ او نیگیٹو کا بندوبست کرنے کی کوشش کریں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میرا ابھی او نیگیٹو ہے۔ لیکن یہ تو بتا دیں وہ ٹھیک ہے" ریان کا بلڈ گروپ بھی او نیگیٹو تھا اس لیے خون کے ارینجمینٹ کی پریشانی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن ابھی تک یہ نہیں پتہ چلا تھا کہ وہ کیسی ہے تو اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"ابھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ گولی ان کی ریڑھ کی ہڈی کے قریب لگی ہے جہاں بہت حساس نروز ہوتیں ہیں۔ اس سے وہ کوما میں بھی جا سکتی ہیں یا ڈیتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر انہیں ہوش آ گیا تو وہ خطرے باہر آ جائیں گیں لیکن ابھی انہیں خون کی ضرورت ہے سو پلیز میرے ساتھ آیئے۔" ڈاکٹر نے پیشہ وارانہ

انداز میں کہا اور اپنے پیچھے ان کو بے یقینی، ناامیدی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں چھوڑ گیا۔ وہاب نے ریان کی کمر پر تھپکی دے کر اسے تسلی دی اور اندر جانے کا اشارہ کیا۔ ریان اندر داخل ہوا تو سیدھی عانیہ پر نظر پڑی جو بے حس و حرکت بیڈ پر پڑی تھی۔ دائیں طرف سے کندھے کے نیچے سہارا دے کر تھوڑا سا اوپر کو اٹھایا گیا تھا کیونکہ وہاں ابھی آپریشن کر کے نئے نئے ٹانکے لگے تھے۔ اس لیے اس کی گردن بائیں جانب کو جھکی ہوئی تھی اور منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر چٹکیاں لگی ہوئی تھیں اور ساتھ پڑی مشین کی سکرین پر اس کی ہارٹ بیٹ شو ہو رہی تھی جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔ بائیں جانب ایک سفید جالی دار پردہ لگا ہوا تھا جس کے پیچھے ایک بیڈ پڑا ہوا تھا۔ ایک ڈاکٹر نے اسے اس بیڈ پر لیٹنے کا اشارہ کیا اور ساتھ پڑے سٹینڈ پر ایک خالی بوتل سیٹ کرنے لگا۔ اس کے وہاں لیٹتے ہی دوسرے ڈاکٹر نے اس کی بائیں بازو کی آستین اوپر چڑھا کر اس کی نبض پر سوئی لگا دی۔ جس کے ساتھ لگا پائپ آگے بوتل میں اور وہاں سے پائپ ڈائریکٹ عانیہ کے بازو میں سوئی کی مدد سے لگایا جا چکا تھا۔ انہوں نے ڈائریکٹ اس لیے کیا تھا کہ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ عانیہ کو خون کی فوری ضرورت تھی اور وہ ایک دفعہ ریان کا خون نکال کر ایک بوتل میں جمع کرتے اور بعد میں عانیہ کو لگاتے تو اس طرح بہت دیر ہو جاتی۔ خون ریان کے بازو سے نکلتا قطرہ قطرہ عانیہ کے بازو میں داخل ہو رہا تھا۔ کاش اس کی زندگی بھی اسی طرح اس سے نکل کر دیا کے وجود میں داخل ہو سکتی۔ اس نے جالی دار پردے میں سے عانیہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے کرب سے سوچا تھا۔

---

رات کے سات بج چکے تھے جب عنیقہ اکیلی گھر پہنچی تھی۔ ان کے پورشن میں فنکشن تھا اس لیے وہ عمرینہ چچی کے پورشن میں داخل ہوئی تھی۔ وہاں مرد تو زیادہ نہیں تھے البتہ کافی عورتیں اور لڑکیاں ادھر ادھر پھر رہیں

تھیں۔ ابھی باقاعدہ فنکشن شروع نہیں ہوا تھا اسی لیے ارم اور نوری آپی کے ساتھ ان کے سسرال والے بھی یہیں موجود تھے۔ عمرینہ نے اسے اکیلے ہی اپنا بیگ اٹھا کر گاڑی سے باہر آتے دیکھا تو اسے اچنبھا ہوا۔

"حدیقہ کہاں ہے؟" عمرینہ نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تو ایک لمحے کے لیے تو وہ گڑبڑا گئی تھی پھر جلدی سے سنبھلتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی تھی:

"وہ تو گھر نہیں آ گئی تھی"

نوری آپی کے علاوہ دوسری کزنز بھی ان کے قریب آچکی تھیں۔

"گھر آ گئی؟..... اسے تو تمہارے ساتھ گھر آنا تھا نا۔"

"نہیں.... وہ تو میرے ساتھ بیوٹی پارلر تک بھی نہیں گئی۔" عنیقہ نے پرزور لہجے میں بتایا تو عمرینہ کو یقین نہیں آیا تھا۔ حدیقہ نے انہیں عنیقہ کے ساتھ بیوٹی پارلر جانے کا کہا تھا اور وہ ان سے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتی تھی۔

"لیکن وہ تمہارے ساتھ گئی تھی عنیقہ۔ پھر کہاں گئی؟" نوری آپی تشویش ناک لہجے میں بولی۔

"جب ہم جیولری شاپ پہ پہنچے تو اس نے مجھے کہا میں اکیلی ہی پارلر چلی جاؤں۔ شاید اسے کسی دوست کے ساتھ جانا تھا۔" عنیقہ نے چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا تھا عمرینہ نے سر ہلکا سا نفی میں ہلایا تھا۔ حدیقہ اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی کہ اپنی کزن کو اکیلے چھوڑ کر فرینڈز کے ساتھ چلی جاتی۔ لیکن مسلہ تو یہ تھا کہ کسی اور کو یہ نہیں پتہ تھا اور وہاں موجود سب لڑکیاں عنیقہ کی بات پر یقین کر رہیں تھی۔ ارم کے ساتھ بڑی عمر کی عورتیں بھی وہاں جمع ہو رہی تھیں۔

"کس کے ساتھ گئی ہے وہ؟" عمرینہ نے پوچھا۔

"وہ شاید کوئی لڑکا تھا۔" عنیقہ نے اب کے سروں پر بم پھوڑا تھا۔ لیکن عمرینہ اب بھی یقین نہیں کر رہی تھی۔ جبکہ سب لڑکیاں حدیقہ کو برے کردار کی لڑکی سمجھنے لگیں تھیں۔ لڑکے کے ساتھ جانے کا مطلب تھا کہ اس کا کوئی

بوائے فرینڈ ہے جس کے ساتھ جانے کیلیے اس نے اپنی کزن کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔اور ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی۔

"تو تم نے اسے کسی لڑکے کے ساتھ جانے کیوں دیا۔فون کر کے ہمیں بتا نہیں سکتی تھی؟"ارم نے عنیقہ کو ڈانٹتے ہوئے پوچھا جیسے وہ سب کچھ سچ بول رہی ہے۔

"میں کیا بتاتی۔اس نے مجھے سختی سے منع کیا تھا اور کہا تھا وہ مجھے واپسی پر جوائن کر لے گی لیکن پھر اس نے فون پر مجھے کہا کہ وہ گھر پہنچ چکی ہے۔میں اکیلی گھر آجاوں۔مجھے تو اس پر سخت غصہ آیا۔"عنیقہ نے غصے سے کہا۔

"لیکن وہ گھر بھی نہیں تو کہیں ابھی تک اپنے اسی دوست کے ساتھ تو نہیں۔"ارم نے طنزیہ انداز میں کہا۔آج ہی تو اسے عمرینہ سے سارے بدلے لینے کا موقع ملا تھا۔ساری لڑکیوں کے درمیان معنی خیز نگاہوں کے تبادلے ہوئے تھے۔

"نہیں میری بیٹی ایسا نہیں کر سکتی۔میں اسے کال کرتی ہوں۔"عمرینہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیسے اپنی بیٹی کی صفائی پیش کرے۔اس لیے جلدی سے کہہ کر پلٹ گئی اور اندر کی جانب جاتے ہوئے حدیقہ کو فون ملانے لگی۔لیکن اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔پانچ منٹ تک بے تابی سے اس کے کال اٹھانے کا انتظار کرتی رہی۔پھر ڈوبتے دل کے ساتھ حیدر علی کو کال ملا کر گھر بلایا۔حیدر علی اور عمیر اس وقت مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے جب عمرینہ نے انہیں ایمرجینسی میں گھر بلایا تو وہ دونوں ہی کچھ دیر بعد عمرینہ کے پاس لاوئنج میں آچکے تھے۔انہیں حدیقہ کے بارے میں ساری بات بتائی تو کچھ پل وہ دونوں ششدر رہ گئے تھے۔انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ حدیقہ اپنی کزن کی شادی والے دن اپنے دوست کے ساتھ چلی گئی اور وہ بھی کسی لڑکے کے ساتھ۔

"میں ایک دفعہ عنیقہ سے خود پوچھنا چاہتا ہوں۔اسے بلاؤ"حیدر علی نے سخت لہجے میں کہا تھا۔تو نوری آپی عنیقہ کو کمرے سے بلانے چلیں گئیں۔وہ جو کمرے میں بیڈ پر لیٹی اپنی کامیابی کی منزل کو قریب دیکھتے ہوئے بڑی خوش ہو

رہی تھی چاچو کے بلاوے پر پریشان ہو گئی۔ اور پھر ان کے سامنے جا کر اس کا دل ایک دفعہ ڈگمگایا تھا۔ اس نے ڈرتے ہوئے وہی سارا جھوٹ بول دیا جو پہلے سب کے سامنے کہا تھا۔ سارے خاندان والے بھی یہ سن کر خود کو پریشان ظاہر کرنے کیلیے وہیں اکٹھے ہو رہے تھے لیکن اصل وجہ تو جاسوسی تھی ابرار علی بھی یہ خبر سن کر وہیں آ گئے تھے۔

"ماما.... یہ وہاب کہیں نظر نہیں آ رہا۔ کہیں وہ اسے لے کر بھاگ تو نہیں گیا۔" عنیقہ نے ارم کے کان میں سرگوشی کی تو ارم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ حدیقہ اور عمرینہ کی تذلیل کا ایک نیا موقع ہاتھ میں آیا تھا۔

"ویسے عمرینہ وہ تمہارا منہ بولا بیٹا وہاب.... وہ بھی تو نظر نہیں آ رہا۔ مجھے تو لگتا ہے وہ تمہاری بیٹی کو لے کر بھاگ گیا ہے۔" ارم نے بھرے مجمعے میں اونچی آواز میں کہا تھا اور سب ایک پل کیلیے ششدر رہ گئے تھے۔ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ ابرار صاحب نے غضب ناک تیوروں سے گھورا لیکن اس پر چنداں فرق نہ پڑا تھا۔ سب لوگوں کی طنزیہ نگاہیں عمرینہ اور حیدر علی کی طرف اٹھی تھیں۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ وہاب ایسا نہیں کر سکتا لیکن وہ سب کو کیسے یقین دلاتے۔

"ایسا تو مت کہیں بھابھی۔ ہمیں وہاب پر اپنے بیٹے سے بھی زیادہ یقین ہے۔" عمرینہ نے صدمے سے ارم کو دیکھ کر کہا جو سارے خاندان میں ان کا تماشا بنانے پر تلی ہوئی تھی۔

"ارے کیوں نہ کہوں میں ایسا۔ تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ اس لڑکے کو گھر میں جگہ نہ دو۔ غیر ہمیشہ غیر ہی ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ لڑکا کہاں رہا ہے اور اس کی تربیت کیسی ہوئی ہے۔ لیکن تم نے میری بات نہیں مانی اور اس کا نتیجہ بھگت لیا اب۔ مجھے پورا یقین ہے اس کا تمہاری بیٹی کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اس لڑکے کے ساتھ بھاگی ہے۔" ارم نے کا ایک ایک لفظ عمرینہ کے دل کو چھلنی کر رہا تھا اور وہ بے یقین سی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ارم کے طنزیہ لہجے کو دیکھ رہی تھی جس نے دو منٹ میں ان کی عزت کو اچھال کر رکھ دیا تھا۔ ذلت اور اہانت

سے عمرینہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔ آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی تھی۔ وہ ارم کو بڑی بہن سمجھتی تھیں اور وہ انہی کی عزت کی دھجیاں اڑا رہی تھیں۔ ان کی بیٹی کو سب کے سامنے رسوا کر رہی تھیں۔

"آپ اپنے اندازے اپنے پاس ہی رکھیں تو بہتر ہو گا۔ اگر وہ وہاب کے ساتھ ہے تو آپ کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" حیدر علی نے ارم کی تقریر کا کوئی اثر لیے بنا بڑے آرام اور سکون سے کہا تو ارم کو سخت حیرانی ہوئی۔

"بھائی صاحب آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو رہی۔ کیسے ماں باپ ہے آپ لوگ۔ ذرا بھی فکر نہیں ہو رہی کہ اس وقت آپ کی بیٹی ایک نامحرم مرد کے ساتھ ہے۔" ارم نے حیرت زدہ لہجے میں کہا تو عمرینہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"نامحرم نہیں ہے وہ۔ شوہر ہے وہ اس کا" عمرینہ نے جتاتے لہجے میں کہا تھا تو یکدم ارم کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ باقی سب نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور عنیقہ پر تو جیسے ساری چھت گر پڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ساکت سی عمرینہ کو دیکھ رہی تھی۔ تو اسی لیے چاچو حیدر علی کا چہرہ پر سکون تھا۔ لیکن عمیر کو یہ بات پہلے نہیں پتہ تھی سو اس کی حیرت بجا تھی۔

"اسے حق ہے کہ جب چاہے اپنی بیوی کو جہاں لے کر جانا چاہے لے جا سکتا ہے۔" عمرینہ نے کی فاتح نظریں ارم پر ہی مرکوز تھیں۔ جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا تو سب لوگوں کی نگاہیں اب اس پر لگیں تھیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو عمرینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"میں جانتی ہوں آپ کیا کہنے والی ہیں۔ یہی کہ میں اپنی عزت بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہوں۔ لیکن میں آپ کو نکاح نامہ دکھا سکتی ہوں۔ جب وہاب کی ماں مرنے والی تھی تو اس کی آخری خواہش کو پورا کرنے کے لیے میں نے اس کے سامنے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے بیٹے سے کروایا تھا۔" عمرینہ کہہ رہی تھی اور عنیقہ قدم قدم پیچھے

ہٹتی جا رہی تھی۔ وہاب تو کبھی بھی اس کا تھا ہی نہیں۔ وہ تو حدیقہ کا شوہر تھا۔ اسی لیے وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا اور حدیقہ کو پورے حق سے دیکھتا تھا۔ قسمت نے اس کے ساتھ کیسا مذاق کیا تھا۔

"تو آپ لوگوں نے ہمیں بتانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔" ارم نے شکوہ کرتے ہوئے غصے سے کہا۔ اب جتنی بے عزتی اس کی ہو چکی تھی بات بدلنی ضروری تھی۔

"اس کی وجہ بھی آپ کی یہی ڈھنڈورا پیٹنے والی عادت ہی تھی۔ آپ نے سارے خاندان میں یہ نشر کرنا تھا کہ میں نے اپنی کم سن بیٹی کا نکاح کسی لاوارث لڑکے سے کر دیا۔ حالانکہ آپ یہ جانتی بھی ہیں کہ وہ لاوارث نہیں تھا۔ وہ ایک جاگیر دار کا پوتا اور سید زادہ تھا لیکن آپ کو دوسروں کی عزت سے کھیلنے کا اتنا شوق ہے کہ جھوٹ کو سچ بنا کر بتا دینا آپ کیلیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور آج بھی آپ نے یہی کیا۔ ذرا سا بھی خوف خدا ہے آپ میں۔ شرم نہیں آئی میری بیٹی کی عزت کو یوں اچھالتے ہوئے۔ میں نے آپ کی بیٹی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھا اور آپ میری محبتوں کا یہ صلہ دے رہیں ہیں۔ آپ میری بیٹی کے لیے پریشان ہونے کی بجائے اتنی بے حسی سے سارے خاندان کو بتا رہی ہیں کہ وہ بھاگ گئی ہے۔ اتنی نفرت کرتیں ہیں آپ میری بیٹی سے۔ لیکن میں آپ کو آخری دفعہ وارن کر رہی ہوں آئندہ اگر میری بیٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" عمرینہ نے بھی آج ارم کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ ہر جگہ وہ ان کی بیٹی پر طنز کرتی پائی جاتی تھیں اور آج عمرینہ نے بھی اگلے پچھلے سارے بدلے چکائے تھے۔ حیدر علی نے انہیں روکنا چاہا تھا لیکن اگر وہ آج چپ ہو جاتیں تو ان کی بیٹی رسوا ہو جاتی ابرار علی تو آج اپنی بیوی کی وجہ سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اور ارم بھی تو اپنی اس قدر ہونے والی بے عزتی پر غصے سے نتھنے پھلائے عمرینہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو دوسروں کی عزت سے کھیلتی تھی اور اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ بازی اس طرح بھی الٹ سکتی ہے۔

"بھابھی اس کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں۔ اسے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ابرار علی عمرینہ سے شرمندہ لہجے میں بولے تھے۔

"آپ کی اس میں کوئی غلطی نہیں۔ پلیز آپ شرمندہ ہونے کی بجائے اپنے مہمانوں کو کمپنی دیں۔" عمرینہ نے سرد مہری سے کہا تھا۔

"لیکن حدیقہ ابھی تک لاپتہ ہے۔ میں کس طرح آپ کو پریشانی میں چھوڑ کر اپنی بیٹی کی خوشی سیلیبریٹ کر سکتا ہوں۔"

"عنیقہ بھی میری بیٹی جیسی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ہم حدیقہ کی وجہ سے عنیقہ کی خوشی کو پس پشت ڈال دیں۔ اور اتنے سارے مہمان آپ کے بلانے پر اپنا قیمتی وقت نکال کر یہاں آئے ہیں۔ اس لیے آپ نکاح کروا دیں۔ اور حدیقہ کی فکر مت کریں۔ اگر وہ وہاب کے ساتھ نہ بھی ہوئی تو میرا خدا اس کی حفاظت کرے گا۔" عمرینہ نے بدقت چہرے پر مسکراہٹ لائی تھی جو پل بھر میں ہی معدوم ہو گئی تھی۔ حیدر علی نے بھی ابرار کو تسلی دی کہ وہ آج ہی عنیقہ کا نکاح کروا دیں جبکہ عنیقہ کو آج تو جیسے جھٹکوں پر جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کا دل کیا ہر چیز تہس نہس کر کے رکھ دے۔ لیکن وہ سب کے سامنے اپنے تماشا نہیں بنوا سکتی تھی اس لیے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں تھیں۔ عمرینہ نے جلدی سے وہاب کے نمبر پر فون ملایا جو پہلی ہی کال پر اٹھا لیا گیا۔

"وہاب بچے تم کہاں ہو؟ حدیقہ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔" عمرینہ نے ایک نظر مجمعے پر ڈالی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ہے۔" وہاب نے دوسری طرف سے جواب دیا۔

"اوہ شکر۔ کہاں ہو تم لوگ؟"

"ہاسپٹل میں ہیں۔ عانیہ کو گولی لگی ہے۔"

"کیا؟....."اس نے بے یقینی سے کہتے ہوئے ایک نظر حیدر علی کی طرف دیکھا جو منتظر نگاہوں سے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ک... کونسے ہاسپٹل میں ہے وہ؟" وہ ہکلاتے ہوئے بولی تھی اور حیدر علی کی تشویش اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" عمرینہ کے فون کان سے ہٹاتے ہی انہوں نے پوچھا تو عمرینہ کی آنکھوں میں آنسو ابھرے تھے۔

"عانیہ کو گولی لگی ہے۔ وہ دونوں وہیں گئے ہیں۔" یہ خبر ان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ کتنا سمجھایا تھا عانیہ کو کہ خطرناک کاموں میں نہ پڑے لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ اب پتہ نہیں کس حال میں ہو گی۔ عمیر سمیت وہ تینوں اسی وقت ہسپتال جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے ابرار نے بھی ان کے ساتھ جانے کا کہا تو حیدر علی نے منع کر دیا تھا۔ ان کے ہسپتال جانے کے بعد عنیقہ کا نکاح کروا دیا گیا تھا۔ اور وہ نکاح نامے پر دستخط کرنے کے بعد اب اپنے کمرے میں پاگلوں کی طرح اپنے بال کھینچ کھینچ کر رو رہی تھی۔ ساری جیولری نوچ نوچ کر پھینک دی تھی اور کمرے کی ہر چیز الٹ پلٹ کر دی تھی۔ لیکن دل میں لگی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہیں پڑ رہی تھی۔ حدیقہ ایک دفعہ پھر اس سے آگے ہو چکی تھی۔ جیسے بچپن میں ہمیشہ سے ہی اس سے آگے ہوتی تھی۔ یہی بات تو اس کے دل میں بغض و عناد کی بنیاد بنی تھی اور آج تو نفرت کی عمارت مکمل ہو چکی تھی۔ حدیقہ نے کبھی اس سے مقابلہ بھی نہیں کیا تھا لیکن ہر دفعہ وہی کیوں جیت جاتی تھی۔ جبکہ وہ اتنے منصوبے بناتی تھی، اتنی چالیں چلتی تھی حدیقہ کو ہرانے کیلیے لیکن ہار ہمیشہ اس کا مقدر ہی بنتی تھی۔ اس دفعہ بھی حدیقہ جیت چکی تھی۔ وہاب نے اسے ان اغواکاروں سے بچا لیا تھا اور اب وہ اس کے ساتھ تھی۔ یہ سوچ کر ہی دل کی آگ نئے سرے سے الگ اٹھی تھی۔

"نہیں حدیقہ..... کبھی نہیں۔ میں تم دونوں کو کبھی بھی ایک نہیں ہونے دوں گی۔ مہں تمہیں قتل کر دوں گی حدیقہ۔ آخر کب تک وہاب تمہاری حفاظت کر سکے گا۔ کبھی نہ کبھی تو مجھے موقع ضرور ملے گا۔ اور میں اپنا بدلہ ضرور چکاؤں گی۔" وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔

---------------------------------

وہ آنٹی عمرینہ کی کال اٹینڈ کرنے کے بعد حدیقہ کی طرف آیا تھا جس نے رورو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ ساتھ ہی حریم اور ریئم بھی بیٹھی بے آواز رو رہی تھیں اور زیر لب دعائیں پڑھ رہیں تھیں۔

"حدی.....چپ کر جاؤ۔ کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔" وہاب اس کے ساتھ بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ سب میری غلطی ہے۔ وہ میری وجہ سے وہاں گئی تھی۔ اور اسے گولی لگ گئی۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر میں نے اسے کھو دیا تو میں مر جاؤں گی۔" وہ خود کو رونے سے جتنا روک رہی تھی آنسو اتنا ہی ابل ابل کر باہر آرہے تھے۔ آنکھیں سرخ متورم ہو چکی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر وہاب کے دل میں درد اور بڑھ گیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ تم اللہ سے دعا کرو۔ یہ لو پانی پیو" وہاب نے اس کے سر پر تھپکی دی اور پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی تھی۔ اس نے بیزاری سے چہرہ پیچھے کر لیا۔ ہر چیز سے دل اُچاٹ ہو چکا تھا۔ وہاب نے اصرار نہ کیا اور بوتل کو بینچ پر ایک جانب رکھ دیا۔

پندرہ منٹ بعد حیدر علی، عمیر اور عمرینہ بھی ہاسپٹل پہنچ چکے تھے۔ حدیقہ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور جا کر عمرینہ کے گلے لگ گئی تھی۔ وہاب بھی ان کی طرف بڑھا تھا۔

"ڈاکٹرز نے کچھ بتایا ہے کہ وہ کیسی ہے اب؟" حیدر علی نے پوچھا۔

"گولی اس کے دائیں کندھے پر سپائنل کارڈ کے قریب لگی ہے۔ ڈاکٹرز نے آپریشن کر کے نکال دی ہے لیکن ابھی تک وہ خطرے سے باہر نہیں آئی۔ خون بھی بہت بہہ چکا تھا اور ریان کا بلڈ گروپ اس سے میچ کر گیا تھا اس لیے اب وہ بھی اندر خون دینے گیا ہوا ہے۔ اگر چوبیس گھنٹوں میں اسے ہوش نہ آیا تو وہ کوما میں بھی جا سکتی ہے۔" اس نے تفصیل بتائی تو عمرینہ کا دل خوف سے کانپنے لگا تھا۔

"اسے گولی کیسے لگی؟" حیدر علی نے وہاب سے پوچھا۔

"حماد نے عانیہ کو بلیک میل کرنے کے لیے حدیقہ کو اغوا کر لیا تھا۔ اور اسے بچانے کیلیے عانیہ کو حماد کے پاس جانا پڑا۔" یہ خبر ہضم کرنے کے لیے انہیں کچھ دیر لگی تھی۔ حدیقہ کو اغوا کر لیا گیا تھا اور انہیں خبر بھی نہ ہو سکی۔ عمرینہ نے بے اختیار حدیقہ کو خود سے بھینچ لیا تھا۔ لیکن عنیقہ نے تو کہا تھا کہ وہ خود کسی کے ساتھ گئی تھی۔ یہ سوال اس کے زہن میں کلبلایا تھا لیکن ابھی اسے عانیہ کی ٹینشن تھی۔

"حدیقہ کو بچاتے ہوئے اسے گولی لگی ہے؟" حیدر علی نے دل گرفتگی سے پوچھا تھا۔

"نہیں میں نے حدیقہ کو ٹریس کر کے اسے بازیاب کروالیا تھا۔ ان اغوا کاروں میں سے ایک کا فون مجھے ملا تھا اور اس پر آنے والی کال حماد کے سیکرٹری اسد کی تھی۔ تو تب مجھے پتہ چلا تھا کہ حماد نے حدیقہ کو اغوا کیا تھا اور اب عانیہ خطرے میں تھی۔ میں نے پھر اسے فون کر کے حدیقہ کے محفوظ ہونے کا بتایا لیکن اس وقت دیر ہو چکی تھی۔ وہ ان لوگوں کے نرغے میں آچکی تھی۔ لیکن اس نے ہمیں یہی بتایا کہ وہ ابھی راستے میں ہی ہے۔ پھر ہم دونوں اس کے گھر گئے تو پتہ چلا کہ وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی اور ریان بھی اس کی مدد کو اس کے پیچھے جا چکا ہے۔ میں نے عانیہ کو فون کیا جو ریان نے پک کیا اور بتایا کہ عانیہ کو گولی لگ گئی ہے اور وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔" وہاب نے مختصراً ساری تفصیل بیان کی تھی۔ اس وقت عانیہ کی اتنی پریشانی تھی کہ یہ سوال بالکل ہی دب گیا تھا کہ وہاب کو کیسے پتہ چلا کہ حدیقہ اغوا ہو گئی ہے۔ لیکن جلد ہی یہ سوال اٹھنے والا تھا۔

---

رات قطرہ قطرہ پگھلتی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اس وقت ہسپتال کے کوریڈور کی خاموشی میں صرف گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز آرہی تھی۔ اور سب کو اپنے دل اس آواز کے ساتھ دھڑکتے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک بج چکے تھے لیکن عانیہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ اس کے خون کی کمی تو پوری ہو چکی تھی لیکن وہ خطرے سے

باہر نہیں آئی تھی۔ اسے آپریشن روم سے نکال کر آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اور اس وقت کئی مشینیں اس کے جسم کے مختلف سسٹمز کو سکرینز پر شو کر رہی تھیں۔

باہر پہلے سے موجود لوگوں میں اضافہ ہوا تھا۔ ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی پوری فیملی بھی پہنچ چکی تھی۔ ہاسپٹل کے باہر فل سیکیورٹی لگا دی گئی تھی۔ مرتضیٰ ملک نے ریان اور وہاب سے پوچھ گچھ کی تھی اور جب انہوں نے وہاب سے پوچھا کہ وہ کیسے جان گیا تھا کہ حدیقہ اغوا ہوئی ہے تو ایک لمحے کو وہ چپ سا رہ گیا تھا۔ وہ عنیقہ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا کہ اس نے حدیقہ کو اغوا کروانے میں مدد کی تھی اور اس نے اتفاقاً دیکھ لیا تھا لیکن وہ اس لیے تذبذب کا شکار ہوا تھا کہ پتہ نہیں انکل حیدر یہ بات کسی کو بتانا پسند کریں گے بھی یا نہیں کہ ان کی بیٹی کو ان کی بھتیجی نے اغوا کروایا تھا۔ اور پھر یہ بھی سوال اٹھتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ایسی کون سی دشمنی تھی کہ اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور اس کی وجہ وہی تو تھا۔ یہیں آ کر اسے کچھ دیر کے لیے چپ لگی تھی۔ عمرینہ بھی پاس ہی موجود تھی جس نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھا تھا۔

"کیونکہ اسے میرے سامنے سے ہی اغوا کیا گیا تھا۔ وہ اس وقت کسی جیولری شاپ کے باہر کھڑی تھی اور میں سڑک کے دوسری جانب تھا۔ میں وہاں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا جب میری نظر اس پر پڑی تھی۔ میں اس کے پاس جانے ہی والا تھا کہ ایک گاڑی میرے سامنے سے گزری تھی اور اس میں سے کسی شخص نے نکل کر حدیقہ کو اغوا کر لیا تھا۔ پھر میں نے حدیقہ کا نمبر ٹریس کر کے اس کی لوکیشن معلوم کی تھی۔" اس جواب سے مرتضیٰ ملک تو مطمئن ہو چکے تھے البتہ عمرینہ نہیں ہوئی تھی۔ عنیقہ نے انہیں بتایا تھا کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ چلی گئی تھی لیکن وہاب نے اسے جیولری شاپ کے باہر اکیلے کھڑا دیکھ کر اس کی طرف آیا تھا اور وہ تب اغوا ہوئی تھی۔ تو پھر اس نے عنیقہ کو فون کر کے کیسے بتایا کہ وہ گھر پہنچ چکی ہے۔ کیا عنیقہ نے جھوٹ بولا تھا لیکن کیوں بولا تھا۔ کیا وہ اس کے اغوا ہونے کے بارے میں جانتی تھی۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ عمرینہ نے اپنے خیال کی خود ہی تردید کر دی

تھی۔ لیکن یہ سوال کسی آندھی کی طرح اس کے دماغ میں چلنے لگے تھے۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات تو تھی جو وہاب نے دانستہ چھپائی تھی۔ وہ وہاب پر شک نہیں کر رہی تھی لیکن عنیقہ پر شک کی وجہ سے وہ وہاب سے یہ بات ضرور پوچھنا چاہتی تھی۔

وہاب اور ریان سے کچھ مزید سوال اور پوچھے گئے اور اس دفعہ حماد کے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر درج کر لی گئی تھی۔ اب صبح عدالت سے اس کے اریسٹڈ وارنٹ جاری کروا کر اسے گرفتار کرنا تھا۔

ریان مرتضیٰ ملک کے سوالوں کے جواب دینے کے بعد ہسپتال سے نکل آیا تھا۔ اور قریبی مسجد میں چلا گیا تھا۔ بخار سے جسم تپ رہا تھا اور خون کم ہونے کی وجہ سے اسے چکر بھی آ رہے تھے۔ لیکن اس وقت اسے اپنی پرواہ ہی کب تھی۔ وضو کرنے سے کچھ سکون ملا تھا۔ وہ اندر آ کر ایک صف کے کونے میں بیٹھ گیا تھا۔ ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس اندھیرے میں بیٹھا رو رو کر اللہ سے دعائیں کرتا رہا تھا۔ دیا کی زندگی مانگتا رہا تھا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے ضد کرتے ہوئے ایک چیز مانگنے لگ جاتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔ اور اللہ تو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے۔ وہ کیوں اس کی ضد پوری نہ کرتا۔

وہ تہجد کا وقت تھا اور ایک بوڑھے بزرگ نے آ کر اذان دی تھی۔ اس نے اللہ سے وعدہ کیا کہ وہ آج تہجد پڑھے گا اور پھر ساری زندگی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ ادھر اس کی پیشانی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئی تھی اور ادھر عانیہ کی آنکھیں دھیرے سے کھلنے لگیں تھیں۔ ڈاکٹرز نے جلدی سے اس کا معائنہ کیا اور باہر کھڑے لوگوں کو یہ خوشخبری دی کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔

"کیا ہم اس سے مل سکتے ہیں؟" عمرینہ نے پوچھا تو ڈاکٹر نے وہاں موجود سب لوگوں کی طرف نگاہ دوڑائی جو تعداد میں کافی زیادہ تھے۔ اور مریض سے ایک وقت میں اتنے لوگ کیسے مل سکتے تھے۔ انہوں نے تین کو اندر جانے کی اجازت دی تو عمرینہ، حدیقہ اور وہاب کو پہلے اندر گئے تھے۔

عانیہ کو آنکھیں کھولتے ہوئے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا تھا۔کچھ دیر تک تو سامنے کا منظر بھی واضح نہیں ہوا تھا اور وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگی تھی۔پھر آہستہ آہستہ اس کی ساری حسیات جاگنے لگی تھیں اور دائیں کندھے پر شدید درد ہوا تھا۔پھر اسے سب یاد آگیا کہ یہ درد اسے گولی لگنے کی وجہ سے ہوا ہے تو کیا وہ بچ گئی تھی جبکہ بے ہوش ہوتے ہوئے اسے لگا تھا کہ شاید یہ اس کی آخری نیند ہو۔اور ریان۔اسے کچھ ہوا تو نہیں۔ریان خیال آتے ہی اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔اس نے آنکھیں جھپک کر پوری کھول لیں اور ایک نظر سب پر ڈالی جو اشتیاق سے اسے دیکھ رہے تھے۔لیکن اسے ریان کہیں نظر نہیں آیا تھا۔اسے لگا اس کا دل رکنے لگا ہے۔

"ریان "اس نے کہنا چاہا لیکن آواز نہ نکل سکی تھی۔اس پل اسے شدید بے بسی کا احساس ہوا تھا۔درد کی ایک ٹیس دائیں طرف سے ابھری تھی اور پورے جسم میں پھیل گئی تھی۔چہرے پر تکلیف کے آثار واضح ہونے لگے تھے۔

"ریان "اس دفعہ ہلکی سی آواز اس کے لبوں سے نکلی تھی جو پاس آتی ہوئی عمرینہ کو سنائی دے گئی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے عانیہ۔"عمرینہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

"وہ.....کہاں ہے؟"عانیہ نے بمشکل دھیمی آواز میں پوچھا تھا لیکن لہجے کی بے تابی صاف نمایاں تھی۔

"وہ مسجد میں تمہارے لیے دعا مانگنے گیا ہے۔"وہاب نے عمرینہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر اطلاع دی تو اسے یقین آگیا کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔دل کو گویا ڈھیروں سکون ملا تھا اور یہ جان کر تو اور بھی خوشی ہوئی تھی کہ وہ اس کے لیے دعائیں مانگ رہا ہے۔لیکن ساتھ ہی شرمندگی بھی ہوئی کہ وہ سب کے سامنے ریان کو پکار رہی تھی۔سب کیا سوچتے ہوں گے۔

"حدیقہ....."اس نے وہاب سے نظریں ہٹا کر اس کے پیچھے کھڑی حدیقہ پر ڈالیں تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جذبات کی شدت کو روکنے لگی تھی۔عانیہ نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے اپنا بائیاں ہاتھ آہستہ سے اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لیا۔

"آئی ایم سوری۔ تمہیں میری وجہ سے اتنی تکلیف سہنی پڑی۔" وہ پھر سے رو پڑی تھی۔ اس نے حدیقہ کو تسلی دینی چاہی لیکن اس کے حواس پھر سے کھونے لگے تھے۔ اور آنکھیں پھر سے بند ہوتی چلی گئیں جس سے سب ایک دفعہ پھر سے پریشان ہو گئے تھے لیکن ڈاکٹرز نے ان سب کو تسلی دی کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ دواؤں کے اثر سے غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ گھر چلے گئے تھے البتہ سمیع وہیں رک گیا تھا۔ رینم کی طبیعت بھی رو رو کر خراب ہو چکی تھی اس لیے حیدر علی نے عمرینہ سے کہا تھا کہ اسے بھی گھر لے چلیں۔ وہاب نے حدیقہ کو بھیجنا چاہا لیکن وہ نہیں مانی تھی۔ سو عمرینہ رینم، عمیر اور حیدر علی صبح کے ساڑھے تین بجے گھر کے لیے نکل گئے تھے۔

اب وہاں حدیقہ، حریم، سمیع اور وہاب رہ چکے تھے۔ وہ عانیہ کے خطرے سے باہر آنے پر کافی حد تک نارمل ہو چکے تھے۔ وہاب اور سمیع ہلکی پھلکی باتیں بھی کر رہے تھے۔ حریم اور حدیقہ دوسرے بینچ پر چپ سی بیٹھی تھیں۔ اتنی پریشانی کے بعد اس خوشخبری نے بہت اندر تک سکون پہنچایا تھا اور اب انہیں نیند کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ریان بھی مسجد سے آ گیا تھا اور وہاں اتنے کم لوگوں کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"واہ ریان!.... کیا اثر ہے تمہاری دعاؤں میں۔ عانیہ خطرے سے باہر آ چکی ہے" وہاب نے اٹھ کر اس کی کمر پر تھپکی دی تھی۔ اور اسے لگا تھا کہ کسی نے سخت گرمی میں ٹھنڈے پانی سے اسے بھگو دیا ہو۔ اس کی دعا اتنی جلدی قبول ہو گئی تھی۔ دل اسی وقت اللہ کا شکر ادا کرنے لگا تھا۔

"ہوش میں آئی ہے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ لبوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی جسے وہاں موجود سب نے غور سے دیکھا تھا۔

"ہاں آئی تھی اور تمہارا پوچھ رہی تھی۔ پھر دواؤں کے زیر اثر جلد ہی غنودگی میں چلی گئی تھی۔"

"میں اسے دیکھ کے آتا ہوں" وہ تیزی سے کہتا اندر چلا گیا تھا۔

عانیہ آنکھیں بند کیے چہرہ بائیں طرف کیے لیٹی ہلکی ہلکی سانسیں لے رہی تھی جو ریان کو اپنی زندگی کی وجہ محسوس ہوئی تھیں۔اس کے دل کی دھڑکن بھی نارمل جا رہی تھی اور ریان کو اپنا دل بھی اسی کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔سامنے پڑی یہ عجیب سی لڑکی ایک دم سے اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور پھر اس کے لیے اتنی اہم ہو گئی تھی کہ اس کے بغیر وہ خود کو ادھورا محسوس کرنے لگا تھا۔اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ جانتا تھا کہ وہ بھی نہیں جی سکے گا۔

اس پر نظریں جمائے وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا تھا۔چند لمحے ارد گرد سے بیگانہ ہو کر اسے ہی دیکھتا رہا تھا۔اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو جیسے اپنی آنکھوں میں جذب کر تا رہا تھا اور پھر جھک کر اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی تھی۔ پیچھے ہٹ کر پھر اس کے چہرے کو دیکھتا مسکرا دیا تھا۔

"ہزاروں سال جیو" سرگوشی میں اسے لمبی زندگی کی دعا دی اور پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

---------------------

"اسے میں نے کہا بھی تھا گھر چلی جائے لیکن میری بات نہیں مانی اور اب یہی سوئی ہوئی ہے" وہاب نے حریم سے کہا۔حدیقہ جو حریم کے کندھے پر سر رکھے اونگھ رہی تھی اس کی آواز پر یکدم آنکھیں کھول دیں۔

"میں سو تو نہیں رہی" اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے جلدی سے صفائی پیش کی تو وہاب اور حریم مسکرا دیے۔

"تمہیں نیند آرہی ہے۔چلو" وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا لیکن اس نے تیزی سے پیچھے کر لیا۔

"کہاں؟"

"یہاں پاس ہی ایک روم ہے۔وہاں بیڈ بھی ہے۔تم دونوں وہاں جا کر سو جاؤ" وہاب نے دونوں کو اطلاع دی تو حدیقہ نے حریم کی طرف دیکھا۔

"نہیں مجھے نیند نہیں آ رہی۔ آپ اسے ہی لے جائیں۔ مجھے یہیں بیٹھ کر عانی آپی کے جاگنے کا انتظار کرنا ہے۔" اس نے جان بوجھ کر حدیقہ کو اکیلے جھوڑ دیا تھا اور حدیقہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں بھی یہیں اس کے جاگنے کا انتظار کروں گی۔" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

"نہیں میری بہن۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم جا کر سو جاؤ۔ جب عانی آپی کو ہوش آیا تو میں تمہیں جگا دوں گی۔" حریم نے ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی اور حدیقہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"کیا؟.... تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہاب نے حیرت بھرے غصے سے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چیک کی جو واقعی بہت گرم ہو رہی تھی۔ آج صدمے بھی تو اتنے بڑے بڑے ملے تھے بیچاری کو۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے" وہ خوفزدہ لہجے میں منمنائی تھی۔ جسے وہاب نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس نے ملتجی نگاہوں سے حریم کو دیکھا لیکن اس نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے۔ وہاب اس کا ہاتھ پکڑے اسے ایک کمرے میں لے آیا تھا جس میں ایک بستر تھا۔ ساتھ ہی ون سٹر صوفہ پڑا تھا۔ حدیقہ نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ وہاب کو دیکھا جس نے سوالیہ ابرو اچکا کر پوچھا کہ کیا ہوا؟

"تم جاؤ یہاں سے۔" اس نے جی کڑا کر کے کہا تھا۔ وہاب نے مسکراہٹ دبائی۔

"اگر تمہیں اکیلے میں ڈر لگا تو۔"

"نہیں لگے گا۔ تم جاؤ۔" وہ نظریں پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا تم سو جاؤ۔ پھر چلا جاؤں گا۔ تب تک میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں۔" وہ صوفے پر بیٹھ گیا تو حدیقہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں اسے دیکھا اور پاؤں پٹختے ہوئے باہر جانے لگی۔ وہاب تیزی سے اٹھا اور اس کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔ وہ جو اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی ایک جھٹکے سے مڑی تھی اور سنبھل نہ

سکی۔ نتیجتاً وہاب کے سینے سے جا ٹکرائی تھی اور اسے لگا کہ اس کا دل رک گیا ہے۔ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی ہے۔ اس نے بے یقینی سے وہاب کو دیکھا جو اسی کی چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک طرف ہو کر دروازہ بند کر دیا تو حدیقہ کا دل کانپنے لگا۔

"اب خود ہی سوؤ گی یا مجھے ہی سلانا پڑے گا۔" وہاب نے اس کو دیکھ کر کہا تو اس نے آنکھیں سختی سے بند کر کے برا سامنہ بنایا۔ پھر آنکھیں کھولیں تو اسے مسکراتے دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہوا۔ کچھ دیر کیلیے لب بھینچ کر غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی اور پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"جاؤنا یہاں سے۔ میری بات تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہی۔" وہ اس کے سینے پر مکے مارتے ہوئے غصے سے بولی تھی۔ وہاب نے اس کی کلائیوں پکڑلیں تو وہ یکدم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"سب سمجھ رہا ہوں حدی۔ تم خوفزدہ ہو لیکن کیا کروں میں خود بہت ڈر گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم اگر ایک پل کیلیے بھی میری نظروں سے اوجھل ہوئی تو میں تمہیں کھو دوں گا۔ یہ سوچ کر ابھی بھی میرا دل کانپ اٹھتا ہے کہ اگر اس وقت میری نظر تم پر نہ پڑتی تو..... اس لیے پلیز مجھے خود سے دور مت کرو۔ میں تمہیں محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نگاہیں جھکا گئی تھی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اس پر یقین کرتی ہے۔ وہاب تو اس کی محفوظ پناہ گاہ تھا۔ وہ کیوں اس سے ڈر رہی تھی۔ دل کو عجیب سی خوشی ہوئی تھی کہ وہاب اس کی کتنی زیادہ کیئر کرتا ہے۔ وہ اتنی بڑی مشکل میں پڑنے والی تھی جہاں سے وہاب نے اسے بچایا تھا اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اسی پر غصہ ہو رہی تھی۔ اگر وہ اس سے ناراض ہو جاتا تو کیا وہ اس کی ناراضگی سہہ پاتی۔ ابھی پچھلا سبق نہیں بھولا تھا اسے۔

وہاب نے آہستہ سے اس کی کلائیاں چھوڑ دیں تھیں اور پیچھے ہٹ کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک گم صُم سی کیفیت میں گھری نظریں جھکائے وہیں کھڑی رہی تھی۔ شاید اسے پھر سے فریز ہونے کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہاب سوچ

کر سر جھٹکتا مسکرا دیا تھا۔ آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑا اور بیڈ کے پاس لے گیا۔ حدیقہ بیڈ پر بیٹھ گئی تو جھک کر سینڈلز کے سٹریپس اتارنے چاہے لیکن وہاب اس سے پہلے ہی نیچے بیٹھتے ہوئے اس کے سینڈلز اتارنے لگا تھا۔ اس وقت اسے بہت شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ سینڈلز کی قید سے آزاد ہوتے ہی اس نے پاؤں اوپر کھینچ لیے تھے۔ وہاب اسے دیکھے بنا اٹھا اور مصروف سے انداز میں اس کے اوپر کور ڈالنے لگا۔ اس نے جلدی سے اپنا چہرہ بھی کور میں چھپا لیا۔ وہاب پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور حدیقہ کور کے اندر سے بھی اس کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتی دھڑکنوں کے انتشار کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

-------------------------

وہ اب کوریڈور میں اکیلی بیٹھی تھی لیکن اس چھوٹی سی راہداری کے آخر سے آوازیں ابھرنا شروع ہو گئی تھیں سو اسے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ البتہ نیند کے زوردار جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سر دیوار کے ساتھ ٹیک دیا تھا۔ سمیع جو ہاسپٹل کی سیکیورٹی چیک کرنے گیا تھا اب واپس آ رہا تھا کہ اسے وہ اکیلی آنکھیں بند کیے بیٹھی نظر آئی تھی۔ کسی کھڑکی سے ہلکی سی روشنی اندر آتی اس کے پر پڑ رہی تھی۔ سمیع کچھ پل کے لیے اس سے نظریں نہیں ہٹا پایا تھا۔ وہ ایک اجنبی لڑکی جس کا وہ ابھی تک نام بھی نہیں جان پایا تھا وہ پہلی ہی نظر میں اس کا دل کسی اور ہی لے میں دھڑکا گئی تھی۔

(کیا اسی کو لو ایٹ فرسٹ سائٹ کہتے ہیں۔) وہ سوچ کر مسکرا دیا تھا اور آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

حریم نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر پہلے وہ ساکت ہوئی پھر اچنبھا ہوا اور پھر غصے کا ابال ابھرا تھا۔

"تم؟..... تم تو چلے گئے تھے۔" وہ اٹھ کر غصے بھری حیرت سے بولی تھی۔ جس میں ڈر کا واضح تاثر نمایاں تھا۔

"بڑا دھیان رکھتی ہو میرے آنے جانے کا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تو اس نے دانت کچکچائے۔ کاش وہ وہاب بھائی کی بات مان لیتی اور حدیقہ کے ساتھ چلی جاتی۔ اس وقت اسے اکیلے بھیجتے ہوئے کتنا مزا آیا تھا اور اب وہ خود پھنس چکی تھی۔

"صرف جانے کا" اس نے آنکھیں گھما کر نخوت سے کہا۔

"چلو یہ بھی بہت ہے۔ ویسے تمہیں یہاں اکیلے ڈر نہیں لگ رہا۔"

"نہیں۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"واقعی۔ اب بھی نہیں لگ رہا؟" وہ اس کے قریب آکر بولا تو اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا تھا۔ ساتھ ہی غصے کا آتش فشاں باہر آیا تھا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ سمیع" وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کرنے لگی تھی۔

"ارے واہ۔ تمہیں تو میرا نام بھی معلوم ہے۔ اچھا اپنا نام تو بتا دو" سمیع پر اس کے غصے کا رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"کیوں بتاؤں" اس نے ناک چڑھا کر کہا تو سمیع کا دل کیا اس کا چھوٹا سا ناک پکڑ کر کھینچ دے۔

"اچھا مت بتاؤ۔ لیکن یاد رکھنا اگر میں نے سب کے سامنے تمہیں بلی کہہ کر پکارا تو نقصان تمہارا ہی ہو گا۔"

"خبردار جو تم نے کسی کے سامنے مجھے بلی کہا۔ سر پھاڑ دوں گی میں تمہارا۔ تم خود کو سمجھتے کیا ہو آخر۔ اور میں تمہیں اپنا نام کیوں بتانے لگی بھلا۔ ایسی کونسی دوستی ہے ہمارے بیچ ہاں۔" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"دوستی نہیں ہے لیکن ہو بھی تو سکتی ہے۔"

"مجھ سے زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کرو ورنہ ریان بھائی کو بتا دوں گی۔"

"دھمکی تو کوئی ڈھنگ کی دے دو" وہ اس کی دھمکی کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا تو اس نے لب بھینچ کر سر ہلایا اور اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

"اے رکو کہاں جا رہی ہو" سمیع نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا تو حریم کا دل زور سے دھڑکا۔ پھر گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کیا اور مڑ کر ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اسے پاس کی۔

"ریان بھائی کے پاس۔"

"کیوں کباب میں ہڈی بننا چاہتی ہو؟" اس نے اسے روکنے کیلیے عذر پیش کیا۔

"ہڈی..... کس کے کباب میں؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"پاگل محاورہ بولا ہے۔ ریان کب سے عانیہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہے۔ جب وہ ہوش میں آئے گی تو ان کی پرائیویٹ باتوں میں تم ہڈی کا کردار ہی ادا کرو گی نا۔" اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں کہا تو حریم بھی سمجھ گئی۔ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں نہ ہم اپنا کباب بنا لیں" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

"تکہ بوٹی نہ بناؤں تمہارا۔" وہ جل کر بولتی بینچ پر آبیٹھی۔

"ویسے کتنا کیوٹ اور لولی سا کپل ہے ریان اور عانیہ کا" وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے تبصرہ کرنے لگا تھا۔

"ہاں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ اسی لیے تو آپی عانی نے اپنی جان کی پرواہ کیے بنا ان کے حصے کی گولی کھا لی۔ وہ ہیں ہی اتنی پر خلوص، اتنا پیار کرنے والیں۔ دوستی کے لیے جان دینا ان کے لیے کوئی بڑی بات ہی نہیں۔ انہوں نے ہمیشہ خود کو خطرے میں ڈال کر مظلوموں کا ساتھ دیا ہے۔ اگر وہ مجھ سے نہ ملتیں تو آج شاید میں زندہ بھی نہ ہوتی۔ انہوں نے مجھے اتنا مان اور پیار دیا ہے جتنا کبھی میرے سگے ماں باپ نے بھی نہیں دیا۔ میں تو ان کی دل سے غلام ہو چکی ہوں۔" وہ غیر مرئی نقطے کو دیکھتی انتہائی جذب کے عالم میں کہہ رہی

تھی۔اس کے چہرے کی چمک میں عانیہ کے لیے ڈھیروں محبت چھپی ہوئی تھی۔اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ سمیع کے سامنے یہ سب کیوں کہہ رہی ہے حالانکہ یہ ان کی تیسری ملاقات تھی۔لیکن کبھی کبھی کچھ اجنبی اپنے سے لگتے ہیں اور دل کرتا ہے کہ اس سے اپنے دل کی ساری باتیں شیئر کر دیں۔سمیع اس نے خوبصورت چہرے کی طرف بغور دیکھ رہا تھا

"تمہارا عانیہ سے کیا تعلق ہے؟"اس نے اچانک پوچھا تو حریم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔دل میں ایک درد سا اٹھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ درد نمی کی صورت میں آنکھوں میں آتا وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔ہماری دوستی کچھ عرصہ پہلے ہی ہوئی تھی۔"

"اور تمہارے پیرنٹس......وہ کہاں ہیں؟"سمیع نے پوچھا تو اب کی بار کرب کی لہر اس کے چہرے پر آئی تھی جو سمیع سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔اگلے ہی پل وہ خود کو کمپوز کرتی مسکرائی تھی۔

"ایک منٹ....میں یہ سب تمہیں کیوں بتا رہی ہوں۔"وہ اپنی عقل پر افسوس کرتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ اب ہماری بہت اچھی دوستی جو ہو چکی ہے۔"وہ دوبدو بول کر مسکرا دیا تھا۔اس کی مسکراہٹ کی دلفریبی حریم کو کچھ پل کیلیے مبہوت کر گئی تھی۔پھر یکدم اس نے نظریں پھیر لیں تھیں۔اسے یاد آیا کہ وہ اغواشدہ لڑکی ہے اور اپنے دل کی بات ماننا وہ افورڈ نہیں کر سکتی۔

"اچھا اپنا نام تو بتا دو۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"اس نے ڈھٹائی سے کہہ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"ٹھیک ہے میں خود پتہ لگا لوں گا۔"

"کک....کیا؟"وہ یکدم آنکھیں کھول کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"تمہارے بارے میں سب کچھ۔"سمیع نے کہا تو اس کی آنکھوں میں خوف ابھرا تھا۔

"تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی کی پرائیویسی میں دخل اندازی کرو۔" وہ سختی سے بولی تھی۔ چند لمحے پہلے کی شناسائی اب معدوم ہو چکی تھی۔

"اوکے۔ سوری۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔ لیکن یہ دعا ضرور کروں گا کہ تم ایک دن خود مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی۔"

"تم کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار نہیں۔" وہ پھر سے مسکرائی تھی اور سمیع اس کے دھوپ چھاؤں رویے کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"خوش فہمی نہیں۔ کانفیڈینس کہو۔"

"پھر تو بڑا تجربہ ہو گا تمہیں۔ اب تک کتنی لڑکیوں سے ان کے راز اگلوا چکے ہو۔" اس کے چوٹ کرنے پر سمیع کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"شاید سینکڑوں۔ میری پرسنیلٹی ہی اتنی شاندار ہے کی لڑکیاں مجھ سے بات کرنے کیلیے مرتی ہیں۔"

"تم تو خود سرائی بھی بہت اچھی کر لیتے ہو۔"

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہاں بالکل۔ وہ دیکھو۔ سامنے جو آنٹی وائپر پکڑے نظر آ رہی ہیں نا۔ ان سے ان کا نام پوچھ کر دکھاؤ۔" حریم نے کوریڈور کے اینڈ پر ایک ملازمہ کی طرف اشارہ کیا جو صفائی کر رہی تھی تو سمیع نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں وہاں دیکھا۔

"اور اگر میں تمہیں ایسا کر دکھاؤں تو۔" اس نے چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا؟"

"تو تمہیں اپنا نام مجھے بتانا ہو گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تو حریم نے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے جیسے کہہ رہی ہو دیکھیں گے۔ سمیع اس کے پاس سے اٹھا اور چلتا ہوا اس ملازمہ تک پہنچ گیا۔ حریم غور سے دیکھ رہی تھی۔ سمیع نے کچھ دیر اس ملازمہ سے بات کی اور واپس اس کی طرف آیا تھا۔

"شبنم عرف شبی نام ہے اس کا۔ چلو اب تم بتاؤ۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر بولا تو حریم کو حیرانی ہوئی۔ نام کے علاوہ عرف بھی بتا دیا۔

"اگر نہ بتاؤں تو۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"تو مجھے اور بھی طریقے آتے ہیں بات نکلوانے کے۔" سمیع نے جیکٹ کے اندر سے ایک پسٹل نکال لی جو بابا نے اسے جاتے وقت دی تھی کیونکہ وہاں موجود ساری سیکیورٹی اس کے انڈر تھی۔

"ارے..... یہ اصلی پسٹل ہے نا۔ ذرا دکھاؤ تو۔ کتنی زبردست ہے۔" حریم نے پسٹل کو دیکھ کر اشتیاق بھرے لہجے میں کہا تو سمیع کا دل کیا کہیں جا کر اپنا سر پھوڑ لے۔ یہ لڑکی تو اسے پل پل حیران کر رہی تھی۔

"پہلے نام بتاؤ" اس نے پستول پیچھے کرتے ہوئے کہا تو حریم نے بدمزہ ہو کر اسے تاسف سے دیکھا۔

"حریم" لہجے میں ایسی اکتاہٹ تھی کہ جیسے بہت ہی بڑا احسان عظیم کر رہی ہو۔ سمیع نے زیر لب اس کا نام دہرایا تھا۔ اسے نام بھی بہت اچھا لگا تھا۔

"دھیان سے۔ یہ چل بھی جاتی ہے۔" وہ پستول کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو اس نے تیزی سے اس کو پکڑ لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ ایکشنز موویز میں پسٹل دیکھ کر اس کا دل بھی کرتا تھا کہ اس کے پاس ایک پسٹل ہو۔

"میں اس کی بولیٹس نکال سکتی ہوں۔" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی تو سمیع نے پستول اس کے ہاتھ سے لیا اور بولیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"اس میں کس ایٹم کا بارود بھرا گیا ہے۔" وہ گولی کو انگلیوں میں گھماتی پوچھ رہی تھی۔ آخر وہ مستقبل کی سائنسدان تھی۔ کم از کم یہ تو اسے پتہ ہونا چاہیے تھا نا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ حیران ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"تم دیکھنا میں اس سے بھی پاور فل بولیٹ بناؤں گی۔" وہ اپنے ہی دھیان میں کہے جا رہی تھی۔

"کیسے؟"

"جب میں بہت سارا پڑھ کے سائنٹسٹ بنوں گی نا تو پھر بناؤں گی۔" اس نے سمیع کی طرف دیکھا جو متاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حریم اس کے مسلسل دیکھنے پر گڑبڑائی تھی۔

"اچھا تم بتاؤ۔ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے" اس نے بات کا رخ اس کی طرف موڑنا چاہا تو سمیع مسکرا دیا۔

"ایس ایس جی کمانڈو۔" اس نے فخر سے بتایا۔ وہ دو سال آرمی ٹریننگ کر چکا تھا اور ایس ایس جی ٹریننگ کیلیے اپلائی کر چکا تھا۔

"پھر تو تمہیں فائٹنگ بھی سیکھنی پڑے گی۔ ہے نا۔"

"وہ تو مجھے اب بھی آتی ہے۔ آرمی میں ہوں۔"

"سچ میں۔ عانی آپی کو بھی فائٹنگ آتی ہے۔ مجھے تو ان کی فائٹنگ دیکھنے کا بہت زیادہ شوق ہے۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی تھی۔ وہ بڑے نارمل انداز میں بات کر رہی تھی اور بھول گئی تھی کہ وہ دونوں کچھ دیر پہلے ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ وہ تو تھی ہی سدا کی باتونی۔ اپنے احساسات اور جذبات کو جلد ہی ظاہر کر دینے والی۔ جو شخص اسے اچھا لگے اس سے جلد ہی گھل مل جاتی تھی۔ سمیع بہت محبت اور دلچسپی سے اس سے گفتگو کر رہا تھا اور وہ اپنوں کی محبت کو ترسی لڑکی اسے اپنا سمجھنے لگی تھی۔

"اچھا پھر میں تمہیں کسی دن اپنی فائٹنگ دکھاؤں گا۔" اس نے پسٹل اپنی جیکٹ میں دوبارہ ڈال لی۔

"میں کیوں دیکھوں تمہاری فائٹنگ" بلی نے پھر اپنی چھوٹی سی ناک سکوڑی۔

"تمہیں تو اجنبی بنتے ہوئے دیر بھی نہیں لگتی۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"تو ہم اجنبی ہی ہیں نا" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو پھر مجھ سے دوستی کرو گی؟" سمیع نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور۔اس پل اسے ادراک ہوا تھا کہ اسے ایک اجنبی سے یوں بے تکلفی سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔وہ بے شک بہت اچھا لڑکا تھا اور وہ اسے پسند بھی کرنے لگی تھی لیکن یہ تعلق اسے مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ایک اغوا شدہ لڑکی جس کے گھر والے اسے بد کردار سمجھتے ہوں اور اس کی جان کے دشمن بن چکے ہوں انہیں اپنی معصومیت کا یقین دلانے کیلیے اسے ایک عرصہ انتظار کرنا تھا۔اور سخت محنت کرنی تھی۔اگر ایسے میں وہ اپنے دل کی مان کر ایک لڑکے سے کوئی تعلق رکھتی تو بے گناہ ہو کر بھی گناہگار ٹھہرائی جاتی۔وہ اپنے گھر والوں سے دور تھی اور ان لوگوں کو نہیں پتہ تھا کہ وہ کس سے مل رہی ہے یا کس سے بات کر رہی ہے لیکن وہ پھر بھی اسے اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال تھا۔وہ اب خود کو کوس رہی تھی کہ کیوں سمیع سے اتنی ڈھیر ساری باتیں کر ڈالیں۔

"اے ہیلو کہاں کھو گئی؟" سمیع نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ خیالوں سے چونکی۔

"ایکسکیوز می۔" وہ تیزی سے کہتی اٹھ کر باہر کی طرف چلی گئی۔اس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے جبکہ سمیع اس کے رویے پر پریشان ہوا تھا۔

---

دوبارہ اس کی آنکھ صبح کے ساڑھے چھ بجے کھلی تھی۔ساری حسیات جاگتے ہی دائیں کندھے میں شدید درد ہونے لگا تھا۔چہرے پر تکلیف کے آثار ابھرے تھے۔ریان جو اس کے پاس ہی بیٹھا تھا چونک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

"آہ" ایک ہلکی سی کراہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔

"دیا" وہ اس کے پاس آکر بولا تھا تو عانیہ نے یکدم آنکھیں کھول دیں جو درد سہنے کے لیے اس نے بند کر رکھیں تھیں۔ وہ سامنے ہی تھا اس کے۔ صحیح سلامت۔ وہ اب اپنا درد بھول کر یک ٹک سی اسے دیکھنے لگی تھی۔

"دیا۔ درد زیادہ تو نہیں ہو رہا" وہ پریشانی سے بولا تھا۔ عانیہ درد کے باوجود چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لائی تھی۔ اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ریان جانتا تھا کہ اسے بہت درد ہو رہا ہے لیکن وہ مانے گی نہیں۔

"اچھا یہ پانی پیو۔" ریان نے پاس پڑی پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولتے ہوئے کہا۔ عانیہ کو بھی اس وقت سخت پیاس کا احساس ہوا تھا۔ ریان نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا اوپر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگائی۔ دو تین گھونٹ پینے کے بعد اس نے بس کر دیا تو ریان نے بوتل واپس رکھ دی۔

"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔" ریان کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ اس سے کیا کہے تو ڈاکٹر کو بلانے کے لیے جانے لگا۔

"رکو" عانیہ نے پیچھے سے اسے ہلکی سی آواز دی تو اس کے چلتے قدم بے اختیار رک گئے تھے۔ مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" عانیہ کو ابھی بھی اسی کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ ریان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"نہیں میں ٹھیک نہیں ہوں دیا۔" وہ گہری سانس لے کر بولا تو عانیہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ تم ٹھیک نہیں ہو۔ بہت رلایا ہے تم نے مجھے۔" وہ اس کے پاس آکر بولا تو عانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اوہ..... بے بی۔ تم روتے رہے تھے؟" عانیہ نے بائیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ایسے کہا جیسے کسی چھوٹے سے بچے کو پچکار رہی ہو۔ ریان نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ ابھی تک روتے ہو۔ لوگ کیا سوچتے ہوں گے۔ بی بریو یار۔ اور مجھے تو کسی نے یہ بھی کہا تھا کہ انسان کو اتنا کمزور بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کسی کے جانے سے صدمے میں ہی چلا جائے۔" عانیہ نے اسے اسی کی کہی بات یاد دلائی تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"میں غلط تھا۔ شاید پتھر دل تھا۔ لیکن تم نے ہی تو اس پتھر کو پگھلایا ہے اور اب کہتی ہو رونا بھی مت۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تو عانیہ نے نظریں پھیر لیں۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ دل گرفتگی سے پوچھنے لگا۔

"کیا کیا ہے میں نے؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولی۔

"تم نے میری زندگی بچانے کے لیے خود کو آگے کر دیا۔ تم نے کیوں کیا ایسا؟"

"تم جانتے ہو" عانیہ نے جتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں لیکن تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں کھونے سے ڈرتی تھی۔ میں رونا نہیں چاہتی تھی۔ تم اسے میری خود غرضی بھی سمجھ سکتے ہو۔" عانیہ نے صاف گوئی سے کہا جو ریان کے دل کی گہرائیوں تک خوشی سے سرشار کر گیا تھا۔

"خود غرض تو تم واقعی بہت ہو۔ ہمیشہ مجھے اکیلے چھوڑ کر چلی جاتی ہو۔ یہ بھی نہیں سوچتی کہ میرا کیا ہو گا۔ میری کوئی بات نہیں مانتی لیکن اب میں تمہیں اپنی من مانی نہیں کرنے دوں گا۔ تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔ ورنہ ڈانٹ کھانے کیلیے تیار رہنا۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولا تو عانیہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور برا سا منہ بنایا۔

"اور میں تو جیسے چپ کر کے تمہاری ڈانٹ کھا لوں گی۔"

"پھر تو ہماری بہت لڑائی ہونے والی ہے۔" وہ سینے پر بازو باندھتے ہوئے بولا۔

"اور میں ہی جیتوں گی۔"

"اوکے۔دیکھ لیں گے۔"وہ چیلنج قبول کرتے ہوئے بولا۔کچھ پل کے لیے ان دونوں کے درمیان خاموشی چھاگئی تھی۔وہ دونوں اس وقت ایک ہی خوشی کی کیفیت میں گھرے ہوئے تھے۔کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔جیسے ایک دوسرے کا حال پہلے سے ہی جانتے ہوں۔

"ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی کے قریب لگی ہے جس سے تمہاری نروز بھی ڈیمیج ہو سکتی ہیں۔اس لیے ڈاکٹر نے ای ایم جی ٹیسٹ سجیسٹ کیا ہے۔"ریان نے تھوڑی دیر بعد کہا

"اس کی کیا ضرورت ہے۔مجھے نہیں لگتا کہ میرا نروس سسٹم اس سے متاثر ہوا ہے۔یہ دیکھو میں اپنے ہاتھ کی انگلیاں ہلا سکتی ہوں۔"عانیہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں ذرا سی ہلائیں تھیں لیکن کندھے میں درد بھی ہوا تھا۔

"ارے کیا کر رہی ہو۔ہلنے سے زخم کے ٹانکے ٹوٹ جائیں گے۔"وہ تیزی سے ڈپٹ کر بولا۔عانیہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔اسے تو یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس کا آپریشن ہو چکا ہے۔ظاہر ہے گولی تو آپریشن کر کے ہی نکلنی تھی نا۔اور اب پتہ نہیں کتنے دن اسے دائیاں بازو ہلانے سے روکنا ہو گا۔یہ تو اسے کسی صورت قبول نہیں تھا۔

"تو پھر میں کھاؤں گی کیسے؟"وہ صدمے سے بولی تھی۔

"آپ کو فکر کرنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے ملکہ عالیہ۔آپ کی خدمت کے لیے ہزاروں ملازم موجود ہیں اور ان میں سر فہرست یہ آپ کا خاص ملازم ہے۔"وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا تو عانیہ مسکرا دی۔ریان کو لگا کہ اس کی زندگی واپس لوٹ آئی ہے۔

"تو پھر مجھے جلدی سے پیزا لا کر دو۔"عانیہ نے حکم دینے والے انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر نے سپائسی کھانا کھانے سے منع کر دیا ہے۔ اس لیے جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتی تمہیں پھیکے پھیکے سوپ پینے پڑیں گیں۔ پیزے کا تو خیال بھی دل سے نکال دو۔" ریان نے اس سے بھی زیادہ حکمیہ لہجے میں کہا تو عانیہ نے مسکین سی شکل بنا کر اسے منانے کی کوشش کی۔ ریان نے مسکراہٹ دبا کر سر نفی میں ہلا دیا۔

"کس نے کہا تھا میرے سامنے آ جاؤ۔ یہ جو ساری تکلیف تم اس وقت جھیل رہی ہو یہ میرے حصے کی تھی۔ کاش تم میرے سامنے نہ آتی۔" وہ پھر سے افسردہ ہوا تھا۔

"اچھا نہیں مانگتی پیزا۔ تم تو کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گئے ہو۔ جسٹ چل یار۔ میں زندہ ہوں۔" اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں مذاق کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"تمہیں درد ہو رہا ہے نا" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا اور وہ جو اپنے درد کو چھپا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی ناکام ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یو نو واٹ۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ پلیز اس طرح درد کو دل میں مت رکھا کرو۔ شئیر کرنے سے تمہارا درد کم ہو جائے گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"ہاں بہت زیادہ درد ہو رہا ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ ریان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر آہستہ سے آگے بڑھا تھا۔ اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اس کے چہرے پر جھکا تھا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے دیا۔ عانیہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی اور سانس تو جیسے سینے میں ہی اٹک گئی تھی۔ اگلے ہی پل وہ پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن عانیہ کو ابھی تک پیشانی پر اس کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ ریان کے دیکھتے ہی وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

"اب درد کم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتا مڑا تھا اور اسے اپنے پیچھے گم صُم سی کیفیت میں چھوڑ گیا جس میں وہ بہت دیر تک رہنے والی تھی۔

---------------------------------

"حدیقہ اٹھو...." حریم نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا تھا۔وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔اور حریم کی طرف دیکھا جو خوشی سے مسکرا رہی تھی۔

"آپی عانی کو ہوش آ گیا ہے۔" وہ بولی تو حدیقہ نے کور ایک طرف پھینکا اور بستر سے اتر آئی۔تیزی سے پاؤں سینڈلز میں ڈالے لیکن وہ تھے کہ ڈل کے ہی نہیں دے رہے تھے۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ننگے پاؤں ہی دوڑ کر عانیہ کے پاس پہنچ جائے۔

"ابھی ڈاکٹرز ان کا چیک اپ کر رہے ہیں۔اس لیے آرام سے جوتے پہنو۔" حریم نے اسے بازو سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔وہ سر اثبات میں ہلا کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور جھک کر آرام سے سینڈلز پہننے لگی۔اسی پل اسے وہاب کی یاد آئی تھی اور دل نے اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی لیکن وہ پتہ نہیں کہاں تھا۔

"نیند تو اچھے سے آ گئی تھی نا۔" حریم نے شرارتی لہجے میں اس سے پوچھا اور وہ اس کی شرارت بھانپ بھی گئی تھی۔لیکن جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

"منہ ہاتھ بھی دھو لو۔" حریم نے اسے کہا اور ایک طرف لے کر چل پڑی۔دو منٹ میں ہی وہ گیلے چہرے کے ساتھ واش روم سے باہر آئی تھی۔اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس چہرہ خشک کرنے کے لیے کوئی کپڑا نہیں تھا۔جو فراک اس نے پہنی ہوئی تھی وہ سلیولیس تھی ورنہ وہ آستین سے ہی چہرہ صاف کر لیتی۔کچھ سمجھ نہ آیا تو ایک بینچ پر بیٹھ کر فراک کا نیچے لٹکتا ایک حصہ پکڑا اور منہ کی طرف لے جانے ہی والی تھی کہ کسی نے اس کے سامنے رومال پیش کیا تھا۔اس نے پہلے حیرت سے رومال کو دیکھا پھر نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہاب سامنے کھڑا تھا۔کچھ پل تو حیرت میں ہی گزر گئے پھر اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے فراک کا پلو چھوڑ دیا اور رومال اس کے ہاتھ سے لے لیا۔جب چہرے کے قریب لے کر گئی تو وہاب کی وہی خوشبو محسوس ہوئی تو جو ہر دفعہ اس کے قریب آنے پر محسوس ہوتی تھی۔

حریم نے بڑے مزے سے یہ منظر دیکھا تھا اور کمنٹ پاس کرنا نہیں بھولی تھی۔

"وہاب بھائی اگر آپ اس کا چہرہ خود صاف کر دیتے تو کیا جاتا آپ کا؟" وہاب نے اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھا اور پھر خفیف سا مسکرا دیا جبکہ حدیقہ پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی حریم پر سخت غصہ آیا۔ لیکن وہاب کے سامنے اسے گھور بھی نہیں سکتی تھی۔ چہرہ پونچھنے کے بعد وہ ہاتھ میں رومال لیے تذبذب کا شکار ہو رہی تھی کہ وہاب نے رومال واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا اور اس نے تیزی سے رومال اسے پکڑا دیا۔

"عانیہ آپ سب کو بلا رہی ہے۔" سمیع نے ان کے قریب آ کر اطلاع دی تو حدیقہ اٹھ کر سب سے پہلے بھاگی تھی۔

"عانیہ" وہ دروازے میں سے ہی پکارتی اس کی طرف بڑھی تھی۔ عانیہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" حدیقہ نے بیتابی سے پوچھا۔

"آج اس کا ایکسرے اور ای ایم جی ٹی ٹیسٹ کروانا ہے۔ تب ہی کچھ پتہ چل سکے گا کہ یہ کب تک ریکور کر سکتی ہے۔" ریان نے بتایا۔ جب ڈاکٹرز عانیہ کے زخم کا معائنہ کر رہے تھے تو وہ پاس ہی کھڑا تھا۔ اور ایک لمحے سے زیادہ اس کے زخم کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ اسے ایسے لگا تھا کہ اس کا دل زخمی ہو گیا ہے۔ اور ابھی تک اس کا زخم نہیں بھولا تھا اسی لیے وہ بہت افسردہ لگ رہا تھا۔

"آپی آپ کو بہت زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟" حریم نے فکرمندی سے پوچھنے لگی تھی تو اس نے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ جانتی تھی کہ مسکرائے گی تو انہیں کچھ تسلی ہو گی۔

"ارے سمیع!... تم بھی یہاں ہو؟" اس کی نظر اب سمیع پر پڑی تھی تو وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ بولی تھی۔

"جی۔ بابا نے مجھے ہاسپٹل میں تعینات سیکیورٹی کی ذمہ داری دی تھی۔" اس نے مسکرا کر وضاحت دی۔

"سیکیورٹی.... وہ کیوں؟" عانیہ اچنبھے سے بولی۔

"ظاہر ہے تمہاری سیکیورٹی کے لیے اور انکل مرتضیٰ خود بھی ساری فیملی کے ساتھ آئے تھے۔ حماد پر ایف آئی آر کاٹ لی ہے اور جلد ہی آس گرفتار کر لیں گے۔" ریان نے جواب دیا۔

"اب تک تو وہ بھاگ چکا ہو گا۔" عانیہ نے اندازے سے کہا۔

"کہاں تک بھاگے گا۔ جب عدالت سے نوٹس آئے گا تو سب کے سامنے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اسے قانون کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔" ریان نے کہا۔ عانیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"ویل.... سمیع آپ کا اور آپ کی پوری فیملی کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اس مشکل گھڑی میں میری مدد کی۔" عانیہ احسانمندی سے مسکرائی۔

"اور آپ نے میری بہن کی اتنی مدد کی تھی۔ حیرت ہے آپ اب بھی ہمارا شکریہ ادا کر رہی ہیں۔" وہ متاثر ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"عانیہ تم نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ تم ابھی حماد کے پاس نہیں پہنچی۔" حدیقہ نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں تمہیں بچانے وہاں گئی تھی اور جب مجھے پتہ چلا کہ وہاب بھائی نے تمہیں بازیاب کروالیا ہے تو تم دونوں کو سچ بتا کر میں پھر سے تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ ویسے وہاب بھائی آپ کو حدیقہ کے اغوا ہونے کا پتہ کیسے چلا؟"

"اتفاقاً میری نظر اس پر پڑ گئی تھی جب وہ اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ پھر میں نے اس کے نمبر سے ٹریس کر لیا۔" وہ ایک نظر حدیقہ کو دیکھ کر بولا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔

"اچھا لیکن ریان تمہیں تو میں نے حماد کے گھر کا ایڈریس نہیں بتایا تھا پھر تم وہاں کیسے پہنچے؟" عانیہ کو یکدم یاد آیا تھا تو اس نے ریان کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا تھا۔ ریان نے گڑبڑا کر وہاب کی جانب دیکھا۔

"جب تم عریج کو بچانے گئی تھی تو ہم نے تمہارے لیپ ٹاپ میں سے وہ آڈیو سنی تھی تو وہیں سے میں نے اسے حماد کے گھر کا ایڈریس نکال کر دیا تھا۔" وہاب نے جلدی سے کہا تو عانیہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ ریان نے اس کے ٹلنے پر شکر ادا کیا۔

اور اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں ان کے درمیان ہوتیں رہیں۔ آٹھ بجے عمرینہ اور حیدر علی ان سب کے لیے ناشتہ ساتھ لے کر وہاں آ گئے تھے۔ عانیہ کے لیے ڈاکٹر کی ہدایت پر یخنی سوپ اسے پلایا گیا تھا۔ لیکن اس کی بھوک اس سوپ سے نہیں مٹی تھی۔ زبان کا ذائقہ بھی عجیب سا بن ہو گیا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کوئی سپائسی چیز کھائے لیکن زخم کی وجہ سے خود کو روک لیا۔

دوپہر تک اس کا ای ایم جی ٹیسٹ اور کمر کا ایکسرے بھی ہو گیا تھا۔ رپورٹ آنے تک ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے اس کا بیان بھی ریکارڈ کر لیا تھا جس کے مطابق حماد نے اس پر اور ریان دونوں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ عریج جب پھولوں کے بکے لیے اس کی طرف آئی تھی تو رو پڑی تھی۔ وہ جو اس کی آئیڈیل تھی، جس نے اس کی جان بچائی تھی اسے اس حالت میں دیکھ کر اسے دلی دکھ ہوا تھا۔ عانیہ نے اسے بھی مسکرا کر تسلی دی تھی۔

ایک بجے اس کی رپورٹ آ چکی تھی اور حیرت انگیز طور پر اس کی نروز کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا ایکسرے رپورٹ کے مطابق اس کی کندھے کی ہڈیاں صحیح سلامت تھیں۔ وہ ٹریننگ کر کر کے اپنی ہڈیوں کو بہت مضبوط بنا چکی تھی اس لیے اس کی ہڈیاں گولی کا وار سہہ کر بھی اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھیں۔ پھر ڈاکٹرز نے اسے چلنے کا کہا تو وہ سہارے سے آہستہ آہستہ چلنے بھی لگی تھی۔ یہ بات سب کے لیے خوشی کا باعث بنی تھی۔ اور انہوں نے اسے جلد از صحت یاب ہونے کی دعا دی تھی۔ ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کر دیا تھا کیونکہ اب اس کا ٹریٹمنٹ گھر میں بھی ہو سکتا تھا۔ حیدر علی نے فیصلہ کیا تھا کہ اب سے عانیہ ان کے گھر میں ہی رہے گی۔ سو ریان اور حریم نے بھی اس کے ساتھ ہی جانا تھا۔

---------------------------

جب اس کی آنکھ کھلی تو سانس اکھڑ رہا تھا۔ سینے پر دباؤ زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ گہرے گہرے سانس لینے کی وجہ سے گلے سے آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔ علاج ہونے کے باوجود رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھتے وقت اس کا سانس ایک دفعہ ضرور خراب ہوتا تھا۔ لیکن انہیلر لینے سے جلد ہی سانس سنبھل جاتی تھی۔ اب بھی اس نے کہنیوں کے سہارے اٹھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا لیکن وہاں انہیلر نہیں تھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ وہ حدیقہ کے گھر ہے۔ اسے اتنی پریشانی بھی نہیں ہوئی تھی وہ تو ایک عرصے سے اس تکلیف کو جھیلتی آرہی تھی۔ اب تو جیسے اس کو عادت سی ہو گئی تھی۔ سرہانے کو بیڈ کراؤن کے ساتھ لگا کر اس سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر تک تو سانس کے اعتدال پر آنے کا انتظار کرتی رہی لیکن کچھ فرق نہ پڑا تو اکتا کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور واش روم میں فریش ہونے چلی گئی۔ جب باہر آئی تو سانس پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہو چکی تھی۔ لیکن وہ بیٹھنے کی بجائے ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شیشے میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔ وہ اس وقت بے بی پنک لانگ فراک میں ملبوس تھی جس کی آستینیں سفید شیفون کی بنی ہوئی تھیں اور ٹاپ پر سفید رنگ کی ہلکی سی کڑھائی کا کام کیا گیا تھا۔ شیفون کا سفید دوپٹہ گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ سفید خوبصورت سا چہرہ پانی کے قطروں سے چمک رہا تھا۔ گھٹنوں تک آتے لمبے کالے بالوں کی چٹیا کی گئی تھی۔ عانیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس نے بالوں کی چٹیا کھولنی شروع کر دی تھی۔ سانس بدستور خراب ہوتا جا رہا تھا۔ لمبے بالوں میں ہلکی ہلکی لہریں بنی ہوئی تھیں۔ اس نے دراز میں سے ہیئر برش نکال کر بالوں میں پھیرنا شروع کر دیا۔ لہریں ختم ہو گئیں اور اس کے بال سیدھے ہونے سے اور بھی لمبے ہو کر ریشم کی طرح چمکنے لگے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے کر کے دوبارہ چٹیا بنانی چاہی لیکن ہمت جواب دے گئی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر آگے کو جھک کر وہ کھینچ کھینچ کر سانس لینے لگی تھی لیکن جسم میں پوری آکسیجن نہیں جا رہی تھی اس لیے وہ سخت نڈھال ہو چکی تھی۔ لمبے بال کمر سے

پھسل کر چہرے کے اطراف پر آ گئے تھے۔ لیکن ان کو پیچھے کرنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ پاس ہی ایک کرسی پڑی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر اس کرسی تک آئی اور بیٹھنے ہی والی تھی کہ دروازہ کھلا تھا اور ادیبہ اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے عمرینہ نے رینم کا دھیان رکھنے کا کہا تھا کیونکہ وہ ہاسپٹل عانیہ کے پاس جا رہے تھے۔ اب اس نے رینم کو اس بری حالت میں دیکھا تو بھاگ کر اس کے پاس آئی۔ رینم کو پتہ چل گیا تھا کہ کوئی لڑکی اس کے پاس آئی ہے لیکن وہ اسے دیکھ بھی نہ سکی۔

"کک..... کیا ہوا آپ کو؟" ادیبہ نے حواس باختگی سے پوچھا تو اس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔

"لیکن آپ کی یہ حالت۔ آپ سے تو بولنے بھی نہیں ہو رہا۔ کہیں آپ کا سانس بند تو نہیں ہو رہا۔" ادیبہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ رینم نے جواب نہیں دیا تو وہ بھاگ کر سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا لائی اور رینم کے منہ سے لگایا لیکن اس کا سانس اتنا چھوٹا ہو چکا تھا کہ پانی پینے کیلیے ایک لمحہ بھی سانس روکنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ اس نے گلاس کو زور سے پیچھے دھکیلا اور ایک آہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ سینے میں درد بڑھ گیا تھا جو اس کے چہرے سے بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو لڑی کی صورت میں بہنے لگے تھے۔ ادیبہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ کچھ سمجھ نہ آیا کہ کس طرح اس کے سانس کو بحال کرے۔ رینم نے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی بھی دی لیکن وہ دیکھے بغیر باہر کو بھاگی تھی تا کہ آنٹی عمرینہ کو کال کرکے رینم کی حالت کے بارے میں بتا سکے۔ جب وہ لاؤنج پر پہنچی تو عمیر بھی اندر داخل ہو رہا تھا اور اسے یوں پریشانی سے بھاگتا دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"کیا ہوا ادیبہ؟"

"وہ جو نئی لڑکی آئی ہے.... اس کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔" ادیبہ نے ہانپتے ہوئے بتایا تو عمیر پل بھر میں ہی سمجھ گیا کہ وہ رینم کی بات کر رہی ہے۔

"کیا ہوا اسے ؟" لہجے کی فکر مندی کو حتیٰ المقدور چھپانے کی کوشش کی تھی البتہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنی کیفیت کو خود سے چھپانا چاہتا ہے یا ادیبہ سے۔

"ان کا سانس اکھڑ گیا ہے۔" ادیبہ کے چہرے پر پھیلے پریشانی کے آثار اسے رینم کی حالت کی سنگینی کا پتہ دے رہے تھے۔

"کہاں ہے وہ؟" وہ کچھ سوچے بنا تیزی سے بولا تو ادیبہ اسے لے کر سیڑھیوں سے اوپر آئی اور ایک کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ عمیر کی اس وقت عجیب سی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہو رہا تھا لیکن دل کو اب اس وقت تک چین نہیں آنا تھا جب تک وہ خود رینم کو دیکھ نہ لیتا۔ دماغ تو اسے بہت روک رہا تھا کہ اس اجنبی لڑکی کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی شش و پنج میں وہ رینم کے کمرے تک پہنچ گیا اور پھر سامنے ہی وہ لڑکی کرسی پر کہنیاں ٹکائے نڈھال سی بمشکل سانس لیتی نظر آئی تھی۔ کچھ بالوں نے اس کی پوری کمر کو ڈھانپ رکھا تھا اور کچھ اس کے جھکنے کی وجہ سے پھسلتے نیچے زمین پر لگ رہے تھے۔ عمیر ایک لمحے کے لیے تو اس کے لمبے بال دیکھ کر مبہوت کھڑا رہ گیا تھا۔ دل کی دھڑکن بھی بڑھی تھی لیکن رینم کی حالت دیکھ کر اسے شدید دکھ ہوا تھا ۔اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیسے اس کی طبیعت کا پوچھے۔ ادیبہ رینم کے قریب کھڑے ہو کر اس کے چہرے سے بال پیچھے کر رہی تھی۔

"کیا ہوا آپ کو؟" عمیر نے بالآخر ہمت کر کے پوچھ ڈالا تھا۔ رینم نے اس کی آواز سن کر یکدم نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور کچھ پل اسے یہ یقین کرنے میں لگے تھے کہ عمیر واقعی اس کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کا دل یکبارگی سے دھڑکا تھا اور وہ چہرہ جھکا کر آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی تھی۔ سانس کی تکلیف پر اسے جو تھوڑا بہت دکھ تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا لیکن سانس ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

عمیر کا تو پریشانی کے مارے برا حال ہو گیا تھا۔ رنیم کی اکھڑی اکھڑی سانسیں، چہرے پر تکلیف کے آثار، اور آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے دل کو چھلنی کرتے جا رہے تھے۔ وہ اس وقت اتنی مشکل میں تھی کہ بات کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

"پلیز آپ کچھ بولیں تو سہی۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا تھا اور رنیم کو اس کے فکر مند ہونے پر عجیب سی خوشی ہوئی تھی۔ لیکن وہ جواب دینے کی بجائے یونہی سر جھکائے آنکھیں بند کر کے بمشکل سانس اندر کھینچنے لگی تھی۔

"او کے۔ ریلیکس۔ کچھ نہیں ہو گا آپ کو۔ ادیبہ جلدی سے پانی گرم کر کے لاؤ۔" عمیر نے کچھ سوچ کر جلدی سے کہا۔ تو وہ الٹے پیروں باہر کو بھاگی۔ عمیر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ رنیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ عمیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال چہرے سے پیچھے کیے تو وہ دم بخود رہ گئی۔ وہ جو عمیر کے ایک نظر دیکھنے کی منتظر رہتی تھی کہاں اب وہ اس کے سامنے بالکل قریب بیٹھا اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

"ری.... رنیم" عمیر نے اسے نرمی سے پکارا تھا اور رنیم کے دل کا زیر و بم اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ اب اس کے بالوں کو کندھے کے پیچھے کر رہا تھا۔

"ہمت سے کام لیں۔ چہرہ اوپر کریں اور ریلیکس ہونے کی کوشش کریں۔" عمیر نے اسے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی تھی اور پلکیں جھکا گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔ دل کو ایک سرور اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ عمیر کا یہ نرم رویہ اسے آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچا رہا تھا۔ وہ کہاں اتنی اہمیت کے قابل تھی۔ زندگی کے اٹھارہ سال اس نے حسرت اور محرومی میں گزارے تھے۔ ولید کتنا سنگدل اور بے حس تھا اور عمیر اس سے کتنا مختلف تھا۔ بلکہ وہ تو تھا ہی سب سے مختلف۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کے چہرے پر بہتے جا رہے تھے۔ عمیر خود کو روک نہ سکا تو ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو انگلیوں کے پوروں پر چن لیے تھے۔ رنیم کی پلکیں لرزیں تھیں جسے عمیر نے اپنے پوروں پر

محسوس کیا تھا اور تیزی سے ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔ دل کی دھڑکن کو قابو کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور خود کو کوسا۔ اسی پل ادیبہ گرم پانی لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم اس کی کمر سہلاؤ۔ تاکہ سانس لینے میں آسانی ہو۔" عمیر نے ادیبہ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے کہا اور پانی کو رنیم کے لبوں کے قریب لے گیا۔ سانس چھوٹا ہونے کے باوجود اس نے ہمت کر کے پانی کا ایک گھونٹ بھر لیا اور چہرہ پیچھے کر لیا۔ گرم پانی اس کے گلے میں سے گزرا تو اسے سانس لینے میں کچھ آسانی ہوئی۔ ادیبہ بھی اس کی کمر سہلانے لگی تھی۔ عمیر نے تھوڑی دیر رک کر پانی کو پھر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے ایک گھونٹ بھرا تھا۔ سینے کو تھوڑا اور سکون ملا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ گھونٹ بھرتی رہی اور اس کا سانس اعتدال پر آتا گیا تھا۔

"بس؟" عمیر نے اس سے پوچھا تو اس نے جھکا سر اثبات میں ہلا دیا۔ ادیبہ نے آگے بڑھ کر عمیر کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔ دونوں نے شکر کیا کہ اس کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ عمیر کی فرسٹ ایڈ کے طور پر کی گئی مدد کام کر گئی تھی۔ اس کے ایک دوست کا بھی کبھی کبھی ایسے ہی سانس خراب ہوتا تھا تو وہ گرم پانی پیتا تھا۔ یہی بات اس کے ذہن میں آئی تھی سو فوری ٹریٹمنٹ کے طور پر رنیم کو گرم پانی پلایا لیکن اب ڈاکٹر کو دکھانا ضروری تھا۔

"میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" عمیر نے کہا اور باہر جانے کے لیے مڑا۔

"نہیں...... اس کی ضرورت نہیں۔ میں میڈیسن لے رہی ہوں۔" عمیر کو اس کی کانپتی ہوئی خوبصورت سی آواز آئی تو وہ رک گیا۔

"کہاں ہے میڈیسن؟" اس نے مڑ کر پوچھا۔

"وہ گھر پڑی ہیں۔ میں واپس جا کر لے لوں گی" اس نے تسلی دینے کی کوشش کی اور نجانے عمیر کو اس کے واپس جانے کے بارے میں سن کر برا کیوں لگا تھا۔

"اور اگر اس وقت تک پھر سے سانس خراب ہو گئی تو۔" اس نے خدشے کا اظہار کیا تو رنیم نے خاموشی سے لب کاٹے۔

"عمیر بھائی آپ کسی میڈیکل سٹور سے انہیلر لا دیں۔" ادیبہ نے آسان حل ڈھونڈا تھا۔ عمیر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے باہر چلا گیا۔ اگر اس وقت رنیم کی پاس انہیلر ہوتا تو اسے اتنی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑتی۔ وہ یہ سوچ کر اور بھی افسردہ ہو گیا تھا

(اس کے پاس انہیلر نہیں تھا تو اس میں تمہاری کیا غلطی ہے۔ ایک اجنبی لڑکی کی اتنی مدد کر دی یہی بہت ہے۔ زیادہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ لڑکی تمہارے حواسوں پر کچھ زیادہ ہی سوار ہوتی جا رہی ہے۔ خود پر قابو رکھو۔ تم اس کے بھائی کے دوست ہو اور اگر اسے پتہ چل گیا کہ تم اس کی بہن کے بارے میں اس طرح سوچتے ہو تو اس کا وہ اعتماد تم پر ٹوٹ جائے گا جو ایک انسان کو اپنے دوست پر ہوتا ہے۔) دماغ نے جھنجھلا کر اسے سمجھایا تھا۔

(نہیں میں ریان کو کبھی بھی دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں خود کو روک لوں گا اور اس کی طرف نہیں دیکھوں گا۔ بلکہ اس کے سامنے بھی نہیں آؤں گا۔) دل نے ناچاہتے ہوئے بھی ہتھیار ڈال دیے تھے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ چاہے اس سے جتنا کترا لے وہ اسی کا مقدر بن کے رہے گی۔

---

ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے عانیہ کا بیان ریکارڈ کرنے کے بعد کورٹ سے حماد کے خلاف اریسٹ وارنٹ نکلوائے اور اسے گرفتار کرنے کیلیے اس کے گھر تک پہنچ گئے لیکن عانیہ کے اندازے کے مطابق وہ رات کو ہی وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ انہوں نے اس آڈیو کی مدد سے حماد کے بہت سے ٹھکانوں کا پتہ کر لیا تھا اور وہاں بھی چھاپے مارے تھے لیکن حماد وہاں موجود سب لوگوں کو انڈر گراؤنڈ جانے کا اسی وقت حکم دے دیا تھا جب عانیہ نے فون کر کے اسے

بتایا تھا کہ وہ آڈیو بگ ڈیوائس کے ذریعے اس کی باتیں سن چکی ہے۔ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک حماد کو ڈھونڈنے کے لیے بہزاد شاہ کے گھر کے باہر بھی خفیہ پہرے لگا دیے تھے۔لیکن بہزاد بھی بہت ہوشیار انسان تھا۔اس نے بھی پہلے ہی اپنا ٹھکانہ بدل لیا تھا اور اب وہیں حماد اس سے ملنے آیا ہوا تھا۔اسے تو پولیس سے ذرا برابر بھی ڈر نہیں تھا کیونکہ وہ حکومت کا خاص بندہ تھا اور اس کے ایک دفعہ کال کرنے سے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک سسپنڈ ہو سکتے تھے البتہ حماد کے پاس ابھی اتنے اختیارات نہیں تھے۔پولیس سے بچنے کیلیے اسے بہزاد شاہ کی مدد کی ضرورت تھی اور حماد بھی تو سارے غیر قانونی کام اسی کے کہنے پر کرتا تھا تو مشکل وقت میں اسے ہی اس کی مدد کرنی تھی سو کل رات ہی حماد نے اسے فون پر ارجینٹلی لاہور پہنچنے کا کہا تھا جہاں آج ان کے درمیان میٹینگ ہو رہی تھی۔حماد نے اسے اے ٹو زی اساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا جسے سن کر بہزاد شاہ کے غصے کا گراف ہائی ہو گیا تھا۔

"تمہاری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے کیا؟....تم غلطیوں پر غلطیاں کیے جا رہے ہو۔میں نے کتنی دفعہ تمہیں سمجھایا ہے کہ اس دھندے میں ذاتی دشمنیاں پس پشت ڈالنی پڑتی ہیں لیکن تم سمجھو تو تب نا۔پہلے تم نے مجھ سے کہا کہ تم ڈی آئی جی کی بیٹی کو اغوا کر کے اسے مجبور کر دو گے لیکن وہ ایک چھٹانک بھر لڑکی تمہارے آدمیوں کی پٹائی کر کے لڑکی کو لے گئی۔اور تو اور وہ تمہارے سیکرٹری تک بھی پہنچ گئی۔ہماری اتنی خفیہ باتیں اس نے ریکارڈ کر لیں۔پھر تم نے مجھ سے کہا کہ تم سب سنبھال لو گے تو اب کیا کیا تم نے۔اس کی دوست کو بھی صحیح طرح سے اغوا نہیں کرنے ہوا تم سے۔چلو وہ بھی چھوڑو۔تمہارے پاس ملازموں کی کتنی فوج تھی لیکن تم سے وہ لڑکی....عانیہ قابو نہیں ہو سکی۔تف ہے تم پر۔اور کیا ضرورت تھی تمہیں اس لڑکے پر گولی چلانے کی۔بھائی جو کام تم سے نہیں ہوتا وہ کرتے ہی کیوں ہو۔میری اجازت کے بغیر قدم اٹھاؤ گے تو یہی ہو گا نا۔" بہزاد شاہ نے حماد کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی اور وہ نظریں جھکائے خاموشی سے بے عزتی کروا رہا تھا بہر کیف وہ ابھی تھا بھی اسی قابل۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اگر تم پہلے ہی یہ بات مجھ سے پوچھ لیتے تو اب یہ نوبت ہی نہ آتی۔ خیر تم کچھ دیر کیلیے انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ میں اب خود دیکھ لوں گا سب کو۔" بہزاد شاہ نے اسے ایک دفعہ پھر لتاڑا۔

"لیکن ڈی آئی جی نے میرے خلاف اریسٹڈ وارنٹ نکلوا لیے ہیں۔ اگر میڈیا کو خبر ہو گئی تو۔"

"اس کا ٹرانسفر میں کروا دوں گا اور رہی بات کورٹ نوٹس کی تو میں بھی دیکھتا ہوں کونسے جج میں اتنی طاقت ہے کہ میرے بندے کے خلاف کوئی کاروائی کرے۔" بہزاد شاہ نے سگریٹ پیتے ہوئے مغرور لہجے میں کہا تھا۔

"تو پھر یہ معاملہ میڈیا پر تو نہیں آئے گا نا۔" حماد کو ابھی بھی میڈیا کا ڈر تھا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ میڈیا بھی میری مٹھی میں ہے اور اگر اب تم نے کوئی کام مجھ سے پوچھے بغیر کیا تو اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دوں گا تمہیں۔ میری ٹیم میں تم جیسے بے کار بندے کی کوئی جگہ نہیں۔" بہزاد شاہ کا غصہ تو کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"اس ہفتے میں میرے بندوں نے دو لڑکیاں اغوا کی ہیں۔ تعبیر تو انہیں کسی کوٹھے پر بیچنا چاہ رہی تھی لیکن میں نے کہا کہ آپ کے مال کے ساتھ بھیج دوں۔" حماد نے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرتے ہوئے داد لینی چاہی۔

"ابھی ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ۔ مال کو جب بارڈر پار پہنچانا ہوا تب انہیں بھجوا دینا۔ میں نئے اسلحہ بردار آدمی تمہارے ٹھکانے پر بھیج دوں گا۔ پہلے تو سارے ہی بیکار نکلے۔ لیکن اب یہ سارے لوگ ایک ایک سال کی ٹریننگ کر کے آئے ہوئے ہیں۔ میری مانو تو تم بھی لڑائی کی ٹریننگ لے لو۔ تمہاری ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ تم اپنی طاقت کی بجائے اپنے سیکیورٹی گارڈز کی طاقت پر انحصار کرتے ہو۔ دماغ تو ہے نہیں تم میں تھوڑی جسمانی طاقت ہی حاصل کر لو۔" بات پھر وہیں کی وہیں تھی۔ اس نے تھوڑی سی تعریف چاہی تھی لیکن آج تو لگتا تھا بے عزتی کا عالمی دن ہو۔ ہر بات پہ بے عزتی۔ اف۔

"جیسے آپ کہیں۔" اس نے یہ نہیں کہا کہ میری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں کیونکہ ابھی اگلی بے عزتی ہضم نہیں ہوئی تھی۔ سو سر جھکا کر حکم ماننے میں اپنی خیریت جانی تھی۔

------------------------

عمیر قریبی میڈیکل سٹور سے انہیلر لے آیا تھا اور ادیبہ کو دے کر ہاسپٹل چلا گیا تھا۔ ادیبہ جلدی سے بھاگتی اوپر والے کمرے میں آئی تھی۔ رینم ابھی تک گم صُم سی کیفیت میں گھری عمیر کو ہی سوچ رہی تھی کہ اس کے آنے پر چونکی تھی۔

"عمیر بھائی انہیلر لے آئے ہیں۔" ادیبہ نے اسے خوش ہوتے ہوئے اطلاع دی تو اس نے انہیلر کی طرف دیکھا جس کے اوپری ڈبے کی سیل ادیبہ اتار رہی تھی۔ یہ عمیر نے اسے لا کر دیا تھا۔ ابھی تک تو اسے عمیر کا نرم رویہ نہیں بھولا تھا کہ اس کی ایک اور چیز مل گئی تھی۔ اس نے بڑی محبت سے اس انہیلر کو ہاتھ میں پکڑا تھا۔ وہ اسے زیادہ استعمال نہیں کرے گی بلکہ گھر جا کر کہیں سنبھال کر رکھ دے گی۔ وہ سوچتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ پھر اس کا ڈھکن کھول کر لبوں سے لگا یا لیا۔ اس کے اندر بھری گیس جونہی اس کے گلے سے ہو کر پھیپھڑوں تک پہنچی تو ایک سکون سا دل میں اتر گیا تھا۔ جو کسی دوا میں محسوس نہیں ہوا تھا۔ یہ نادان دل بھی نا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"آپ کتنی خوبصورت ہیں نا۔ اور آپ کے بال کتنے لمبے ہیں۔" ادیبہ نے ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھتے ہوئے رشک آمیز لہجے میں کہا تھا تو اس نے پہلے چونک کر اسے دیکھا پھر بے اختیار جھینپ گئی تھی۔

"تم نے انہیں کیوں بتایا تھا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ خوامخواہ پریشان کر دیا میں نے انہیں۔" وہ بات بدلنے کو بولی۔

"میں اب کیا کرتی۔ آپ کی حالت ہی اتنی خراب ہو گئی تھی کہ مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔ سب لوگ باجی عانیہ کے پاس ہسپتال گئے ہوئے تھے صرف عمیر صاحب ہی گھر پر تھے تو میں نے انہیں ہی بتانا تھا نا پھر۔"

"اچھا اب کسی اور کو میری طبیعت خراب ہونے کے بارے میں مت بتانا۔ پہلے ہی سب عانیہ کی وجہ سے پریشان ہیں۔ پتہ نہیں اب اس کی کیسی حالت ہو گی۔ مجھے بھی اس کے پاس جانا ہے۔"

"آپ کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ جب انکل آنٹی واپس آئیں گے تو آپ ان سے پوچھ لیجیے گا۔ ویسے آپ یہاں رہیں گی اب۔"

"نہیں آج میں عانیہ کے ساتھ ہاسپٹل میں رکوں گی۔ اس نے میری اتنی مدد کی اور میں اس کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔" وہ خود پر افسوس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"باجی عانیہ نے آپ کی کیا مدد کی تھی؟" ادیبہ نے تجسس سے پوچھا۔

"اس نے میری زندگی بدل دی ہے۔ اگر آج میں زندہ ہوں تو اس کی وجہ سے ہوں۔" اس نے ادیبہ کی طرف دیکھ کر کہا تو ادیبہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"وہ کتنی بہادر ہیں۔ میں نے سنا ہے انہوں نے ایک لڑکی کو اغوا ہونے سے بچایا ہے اور چھ لوگوں سے لڑائی کی ہے۔" ادیبہ متاثر لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں اور کل اس نے اتنے لوگوں سے لڑائی کی ہے۔ میرے بھائی کو بچانے کے لیے خود سامنے آ گئی اور گولی اس کو لگ گئی۔"

"کیا؟..... واقعی۔ مجھے تو لگا تھا کہ اچانک انہیں کسی نے گولی مار دی ہے۔ لیکن وہ خود سامنے آئیں ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس سے جان بھی جا سکتی ہے۔" ادیبہ کی حیرت تو کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"جب وہ کسی کو مشکل میں دیکھتی ہے تو سوچے سمجھے بغیر خود اس کے سامنے آ جاتی ہے پھر بعد میں اس کے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو جائے، اسے پرواہ نہیں ہوتی۔" یہ بات اس سے بہتر کون جانتا تھا۔ اسے ذہن کے پردوں پر وہ

منظر چلنے لگے تھے جب عانیہ اسے سردار حویلی سے بھاگنے کیلیے کنونس کر رہی تھی پھر اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے وہاں سے نکالا تھا۔

پھر کچھ دیر وہ دونوں عانیہ کی ہی باتیں کرتی رہیں تھیں۔ ادیبہ نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور کچھ اس کے بارے میں پوچھا۔ کچھ سوالوں کے جواب ریئم نہ دے سکی لیکن وہ دونوں اب دوستیں بن چکی تھیں۔ پھر ادیبہ نے کچن میں کچھ کام کرنا تھا تو ریئم بھی اس کے ساتھ ہی کچن میں چلی آئی اور اس کی مدد کرنی چاہی لیکن ادیبہ نے سختی سے منع کر دی۔

دوپہر کے دو بجے سب لوگ عانیہ کو ہاسپٹل سے گھر لے کر آ گئے تھے۔ ریئم اس کے ساتھ ملتے ہوئے رو پڑی تھی۔ عانیہ نے اسے بھی تسلی دی تھی۔ اور اب وہ اوپر والی منزل کے ایک خوبصورت کمرے میں ایک جہازی سائز بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ تینوں لڑکیاں اس کے ارد گرد بیٹھی اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ سب بہت تھکے ہوئے تھے لیکن پھر بھی عانیہ کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ ریئم نے تو اس کی پریشانی میں ناشتہ بھی نہیں کیا تھا حالانکہ ادیبہ نے اس کی بہت منتیں بھی کی تھیں۔ اور اب ادیبہ نے عمرینہ کو بتا دیا کہ اس نے ناشتہ نہیں کیا تو عمرینہ اوپر آ گئی تھی۔

"ریئم..... بچے تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا؟" ان کے لہجے کی فکرمندی نے ریئم کو شرمندہ کیا تھا۔

"ریئم بری بات۔ اپنی طبیعت کا کچھ خیال کرو یار۔ چلو اٹھو جا کر کچھ کھاؤ۔" عانیہ نے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"کھانا بالکل تیار ہو چکا ہے۔ تم لوگ نیچے ڈائننگ ٹیبل پر جلدی سے پہنچو۔ میں عانیہ کا کھانا یہیں لے آؤں گی۔" عمرینہ نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

"ماما کیا ہم یہیں عانیہ کے پاس بیٹھ کر نہیں کھا سکتے کیا؟" حدیقہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے ضد کی۔

"بالکل بھی نہیں۔ آنٹی انہیں کھانے کے بعد یہاں نہیں آنے دیجیے گا۔انہیں اب آرام کی ضرورت ہے۔" عانیہ نے بھی سختی دکھائی تو تینوں کے منہ بن گئے۔

"پلیز......عانیہ" حدیقہ نے منت کی لیکن عانیہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"بائے....سہ پہر کو ملاقات ہو گی۔" عانیہ نے بائیں ہاتھ ہلا کر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔اور وہ تینوں پیر پٹختی باہر چلی گئیں۔عمرینہ انہیں دیکھ کر ہنس دی۔

"میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔" عمرینہ نے اسے محبت سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آنٹی پلیز سوپ نہیں۔مجھے کوئی مزے کی، کوئی سپائسی چیز لا کر دیں نا۔" وہ بڑے نخرے والے انداز میں بولی۔

"لیکن ریان نے مجھے سختی سے منع کیا ہے کہ تمہیں کوئی ایسی چیز کھانے کو نہیں دینی۔" عمرینہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"اتنا تھوڑا کھانے سے کونسا کچھ ہو جائے گا۔پلیز"

"اونہوں۔میں ریان کو بھیجتی ہوں۔وہ خود ہی تمہیں کھانا کھلائے۔میں تو اب تمہیں ڈانٹ بھی نہیں سکتی۔" عمرینہ کہہ کر باہر چلی گئی اور وہ اپنی عقل کو کوس کر رہ گئی۔کیا ضرورت تھی سوپ پینے سے انکار کرنے کی۔اسے بے اختیار وہ لمحہ یاد آیا تھا جب ریان اس کے چہرے پر جھکا تھا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔کچھ دیر وہ پھر سے اسی کیفیت میں چلی گئی تھی اور پیشانی پر حدت کا احساس ہونے لگا تھا جیسے ریان نے ابھی ہی پیشانی سے اپنے لب ہٹائے ہوں۔اس نے اپنا بائیاں ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے پیشانی پر پھیرا تھا۔پھر یکدم چونک کر برا سا منہ بنایا اور خود کو کوسا۔اسی اثناء میں دروازہ کھلا تھا اور ریان اندر داخل ہوا تھا تو اس نے جلدی سے خود کو نارمل کیا۔ریان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا جس میں سوپ کا ایک پیالہ پڑا تھا۔

"آنٹی عمرینہ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں کوئی سپائسی چیز کھانے کے لیے چاہیے۔" وہ اس کے قریب آیا اور مذاق اڑانے والے انداز میں بولا تو عانیہ نے دانت کچکچائے۔

"ہاں تو۔ تم لے کر آئے ہو؟" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ہاں اتنی سپائسی ڈش لے کر آیا ہوں کہ تم نے کبھی زندگی میں ایسی ڈش نہیں کھائی ہو گی۔" وہ اس کے سامنے ہی بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ عانیہ نے سوپ کی طرف دیکھا تو اسے تعجب ہوا۔ پانی کی طرح کا سوپ تھا وہ اور ریان کہہ رہا تھا کہ وہ سپائسی ڈش لایا ہے۔

"یہ کیا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"یہ چائنیز فش سوپ ہے۔" ریان نے کہا تو اس نے اکتا کر سانس خارج کی۔ ریان نے چمچ میں سوپ بھر کر اس کے لبوں کے قریب کیا تو اس نے جلدی سے بائیاں ہاتھ بڑھا کر چمچ کو پکڑ لیا۔

"میں خود ہی پی لوں گی۔ تم جا کر کھانا کھاؤ۔"

"ابھی کھانا ٹیبل پر لگنے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ اس لیے تم میری بالکل بھی فکر مت کرو۔ چلو شاباش منہ کھولو۔" ریان نے اٹل لہجے میں کہا تو اس نے بے دلی سے لب وا کیے۔ پہلے سپ پر تو اسے قے ہی آنے والی ہو گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے پینا جاری رکھا۔ یہ ہو کیسے سکتا تھا کہ وہ مشکل حالات کا سامنا نہ کر سکے۔ سوپ کو بھی اس نے چیلنج سمجھ کر پی ڈالا اور بعد میں اسے احساس ہوا کہ وہ اتنا بد مزا بھی نہیں تھا۔

"گڈ گرل۔ کیسا تھا سوپ؟" ریان نے مزے سے پوچھا۔

"بہت ہی مزے کا۔" اس نے جتاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر رات کیلیے بھی یہی سوپ تمہیں پینا پڑے گا۔" ریان نے مسکراہٹ دبائی۔

"پی لوں گی۔" وہ لاپرواہی سے بول کر نظریں پھیر گئی۔

"درد ہو رہا ہے کیا؟" ریان نے نرمی سے پوچھا تو عانیہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔ اب تو وہ کبھی اس کے سامنے نہیں مانے گی کہ اسے درد ہو رہا ہے۔

"نہیں۔" وہ تیزی سے بولی تھی تو ریان کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہ تو دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"ریان مجھے کمزور سمجھنے کی غلطی بالکل بھی نہ کرنا۔ میں ابھی بھی تم سے لڑائی کر سکتی ہوں۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"اب میں نے ایسا بھی کیا کر دیا کہ تم اتنی غصے ہو رہی ہو۔" وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولا۔ عانیہ کا دل تو کیا اس کو دو چار سنا ڈالے۔ لیکن پھر خود کو روک لیا۔ اگر اسے سنایا تو کچھ الٹا سیدھا سننا پڑے گا۔

"اوکے۔ جاؤ اب" اس نے رکھائی سے کہا۔ جیسے وہ اب اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تو ریان شانے اچکا کر اٹھ کھڑا ہوا کہ جیسے تمہاری مرضی اور اس کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالتا باہر چلا گیا۔

---

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ اوپر والا پورشن بھی فل مرنشڈ تھا اور اس میں چار کمرے۔ دو دائیں جانب اور دو بائیں جانب تھے جن کے دروازے ایک لاؤنج میں ہی کھلتے تھے۔ پچھلی جانب دو کمروں کی بالکونیاں تھیں جہاں سے بیک گارڈن بھی نظر آتا تھا۔ ایک کمرہ تو حدیقہ کا تھا جبکہ دوسرا والا حریم کو دیا گیا تھا۔ ٹیرس کی طرف والے دونوں کمرے عانیہ اور رنیم کے حصے میں آئے تھے۔ البتہ ان کی بھی ایک ایک کھڑکی ٹیرس کے ساتھ والے ہال میں کھلتی تھی لیکن بالکونی والا مزا کھڑکی سے کہاں آسکتا تھا۔

نیچے والی منزل پر چھ کمرے تھے۔ دو کے دروازے لاؤنج میں کھلتے تھے لیکن ان میں سے ایک ہی حیدر اور عمرینہ کے زیر استعمال تھا۔ باقی چار کمرے اس راہداری میں تھے جو بیک گارڈن کی طرف جاتی تھی۔ راہداری کے آخر پر وہاب اور عمیر کے کمرے تھے اور ان کے ساتھ والا ایک کمرہ ریان کو دے دیا گیا تھا۔ اور اس راہداری کے شروع

میں سیڑھیاں اوپر کو جا کر لاؤنج میں ختم ہوتی تھیں اور وہیں سے گھوم کر اوپر والی چھت تک جا پہنچتی تھیں۔ گھر کا ڈیزائن بہت ہی عمدہ تھا اور اتنے لوگوں کے اضافے سے بھی وہ کم نہیں پڑا تھا۔ سو اب سارے آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں لیٹے نیند میں جا چکے تھے لیکن وہاب ابھی تک جاگ رہا تھا حالانکہ کل رات اس نے جاگ کر گزاری تھی۔ پہلے حدیقہ کی ٹینشن رہی پھر عانیہ کے لیے ٹینشن شروع ہو گئی اور آج بھی سارا دن ہسپتال میں ہی گزر گیا۔ اب اسے آرام کا موقع ملا تھا لیکن شاور لینے سے پہلے اسے یہ یاد آ گیا تھا کہ اسے تو ابھی وہ موبائل فون پوری طرح چیک کرنا ہے جو ان اغوا کاروں سے ملا ہے۔ سو اس نے شاور لینے کے بعد اس فون کو چیک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اور اب وہ سٹڈی ٹیبل کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا اس موبائل کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ سمارٹ فون کافی مہنگا تھا۔ ایک منٹ میں ہی وہ اس کا لاک توڑ چکا تھا اور اس کو لیپ ٹاپ سے کونیکٹ کر کے سارا ڈیٹا اس میں ٹرانسفر کر لیا۔

اس کی سم میں سے ساری کال ریکارڈز اور ای میلز حاصل کر لی تھیں۔ میموری میں کچھ کالز ریکارڈ ہوئی پڑیں تھیں لیکن سب کا ریکارڈ وہاں نہیں تھا۔ وہاب نے اوپر نیچے کر کے دیکھا اور پھر ایک کے اوپر انگوٹھے سے ٹچ کیا تو آڈیو آن ہو گئی۔ اور یہ وہی آڈیو تھی جس میں کاشف نے اسد کو بتایا تھا کہ حدیقہ پارک میں کسی لڑکی سے مل رہی ہے۔ اور جب آگے سے اسد نے اسے حکم دیا کہ ان دونوں کی باتیں ریکارڈ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی سپیکر کے ذریعے سنائے تو وہاب یہ سنتے ہی چونک کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کیونکہ اسی وقت اس نے حدیقہ کی آواز سنی تھی۔

"اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلایا مجھے۔ایسی کیا بات کرنی تھی کہ وہ گھر میں نہیں ہو سکتی تھی؟"وہاب سمجھ گیا تھا کہ وہ لوگ اس کا اسی طرح پیچھا کرتے اس کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے لیکن عنیقہ کا ان سے رابطہ کیسے ہو گیا۔اس سوال کا جواب اسے اگلے ہی لمحے میں مل گیا تھا۔

"مجھے تم سے وہاب کے متعلق بات کرنی تھی۔"یہ عنیقہ کی آواز تھی اور اس دفعہ اسے ساری سمجھ آگئی تھی کہ ان لوگوں نے ان کی باتیں سنی اور عنیقہ کو اپنے ساتھ ملا کر اسے اغوا کیا تھا لیکن ان دونوں کے درمیان ایسی کونسی بات ہوئی تھی۔اور بات اسی کے متعلق ہی تھی تو وہ تھوڑا متجسس ہوا تھا۔

"اب کیا کر دیا ہے اس نے؟.....دیکھو میں اب اس کے متعلق کچھ نہیں سن سکتی۔"یہ اکتائی ہوئی آواز حدیقہ کی تھی۔

"پلیز حدیقہ۔مجھے تمہاری مدد چاہیے۔میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔میں جان چکی ہوں کہ وہ بے شک جتنا بھی برا کیوں نہ ہو میں اس سے نفرت نہیں کر سکتی۔"یہ سن کر تو وہاب کو سخت غصہ آیا اور ساتھ ہی حدیقہ کے جواب کا منتظر تھا۔

"میں اب تمہاری مدد نہیں کر سکتی عنیقہ۔تم نے پہلے بھی مجھے استعمال کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا تھا۔تم نے وہاب کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔اور میں نے تمہاری جھوٹی بات پر پتہ نہیں کیسے یقین کر لیا۔غصے میں آکر میں نے اسے اتنی باتیں سنا ڈالیں۔بہت ہرٹ کیا ہے میں نے اسے۔اب اور نہیں۔"گڈ۔حدیقہ کی آواز پہ اس نے خوشی سے اسے شاباشی دی تھی۔

"مجھے ایک بات سچ بتاؤ گی؟"پھر ایک لمحے کے لیے خاموشی ہوئی تھی۔

"تم وہاب سے محبت کرتی ہو؟"

وہاب اس کی بات پر بری طرح چونکا تھا۔دل تیزی سے دھڑکا تھا کہ پتہ نہیں حدیقہ انکار کرے گی یا اقرار۔ویسے اسے امید یہی تھی کہ وہ اپنی کزن کو خوش کرنے کے لیے انکار کر دے گی۔اور وہ تھی بھی اتنی شرمیلی کہ مر کے بھی اپنے دل کی بات کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"دیکھو عنیقہ میں نے کبھی بھی تمہارے اور اس کے درمیان میں آنے کی کوشش نہیں کی....."حدیقہ نے جیسے ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔یعنی کہ وہ وہاب کی سوچ پر پورا اتری تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔

"میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔"عنیقہ نے چلا کر پوچھا تھا۔اب تو وہاب اور بے چین ہو چکا تھا کہ حدیقہ کیا جواب دیتی ہے۔ہاں کہے گی یا نہ۔وہ دم سادھے انتظار کرنے لگا۔ایک لمحے کا وقفہ اسے صدیوں سے بھی زیادہ لگا تھا۔اور پھر حدیقہ بولی تھی۔

"ہاں۔"اسے حیرت کا سخت جھٹکا لگا تھا۔اسے حدیقہ سے اس قدر صاف گوئی کی توقع نہیں تھی اور وہ بھی عنیقہ کے سامنے۔لبوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔تو حدیقہ بھی مان چکی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔اس کی ہاں نے جیسے اس کی ساری تھکن دور کر دی تھی۔اسے لگا کے سارے جہان کہ خوشیاں اسے مل گئی ہیں۔لیکن یہ خوشی زیادہ دیر نہیں رہ سکی تھی کیونکہ آڈیو میں ایک زوردار تھپڑ کی آواز گونجی تھی۔وہ پل بھر میں جان گیا تھا کہ عنیقہ نے غصے میں آکر حدیقہ کو تھپڑ مارا ہے۔اس کی اتنی جرات۔اس کے اندر غصے کا ایک آتش فشاں ابھرا تھا۔اگر عنیقہ اس کے سامنے ہوتی تو اب تک اسے دو تھپڑ لگا چکا ہوتا۔خیر دو تھپڑ تو ویسے بھی وہ اسے مار ہی چکا تھا۔اس خیال نے اسے دل سکون پہنچایا تھا۔

"کیوں کیا تم نے میرے ساتھ دھوکہ۔تم جانتی تھی نا کہ میں اسے کتنا چاہتی ہوں۔پھر تم کیوں اسے چاہنے لگی۔تم تو آستین کا سانپ نکلی حدیقہ۔میں نے تم پر بھروسہ کیا اور تم نے میری پیٹھ میں خنجر گھونپا ہے۔میرے منع کرنے

کے باوجود اس کے قریب چلی گئی تم۔اسی لیے وہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔کیوں آئی ہو تم ہمارے درمیان....ہاں؟"عنیقہ کی غصیلی آواز پر اس نے نفرت سے سر جھٹکا تھا۔پھر اسے حدیقہ کی شکست خوردہ سی آواز سنائی دی تھی

"میں نے اس سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کی عنیقہ......میں نہیں جانتی کہ کیسے میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی.....لیکن اب اتنا جانتی ہوں کہ اسے چاہنے سے خود کو نہیں روک سکتی۔یہ میرے بس میں نہیں ہے.....لیکن تم فکر مت کرو میں اب بھی تم دونوں کے بیچ نہیں آؤں گی۔وہ میری محبت ہے،ضد نہیں۔اور محبت دینے کا نام ہے،لینے کا نہیں۔"آخری فقرہ وہاب کے دل پر لگا تھا۔حدیقہ کے لہجے میں چھپی اذیت اسے محسوس ہو چکی تھی کہ وہ کس دل سے یہ کہہ رہی تھی۔آڈیو میں کچھ اور بھی سنائی دے رہا تھا لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔وہ کتنی ہی دیر اس کے اعتراف محبت کے انداز پر حیران رہا تھا۔ویسے تو وہ اس کے سامنے جیسے چپ کا روزہ رکھ لیتی ہے لیکن عنیقہ کے سامنے ایک تھپڑ کھا کر بھی اپنی محبت کے اعتراف کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائی تھی۔کتنا پیارا انداز تھا اس کا۔اسے اس پل ٹوٹ کر حدیقہ پر پیار آیا تھا۔

(وہ میری محبت ہے،ضد نہیں۔اور محبت دینے کا نام ہے،لینے کا نہیں۔)یہ فقرہ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔نیند اڑ چکی تھی اور وہ اب کچھ وقت حدیقہ کو ہی سوچنا چاہتا تھا۔

--------------------------------

اس کی آنکھیں سہ پہر ساڑھے پانچ بجے کھلیں تھیں۔اور پوری طرح سے ہوش میں آتے ہی اسے کندھے میں درد ہوا تھا جو ایک دم سے پورے جسم میں پھیلتا چلا گیا تھا۔وہ پرواہ کیے بنا بائیں ہاتھ کی مدد سے اٹھ بیٹھی تھی۔کمرے میں پنکھا چل رہا تھا البتہ اے سی بند تھا۔کھڑکی کے سامنے سے پردے ہٹے ہوئے تھے۔اور باہر نیلی شام اترتی نظر

آرہی تھی۔ ہر بار کی طرح سب سے پہلے مام ڈیڈ کی یاد آئی تھی۔ جس نے ماحول کی اداسی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر آہستہ سے چھوٹے چھوٹے قدم بھرتی کھڑکی کے قریب آئی تھی۔

(آئی ایم سوری مام.....ڈیڈ۔ آپ کا قاتل ابھی تک زندہ ہے۔ ابھی میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی ہوں لیکن میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا کر رہوں گی اور اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو اسے قتل کرنے سے خود کو نہیں روک سکوں گی۔ لیکن اس سے پہلے مجھے اس کے ساتھ شامل سب لوگوں کو بھی انجام تک پہنچانا ہے جو میرے ملک کے دشمن ہیں۔ میں اپنے ملک کی خاطر اپنا ذاتی انتقام پس پشت ڈال سکتی ہوں اور یہ آپ نے ہی مجھے سکھایا تھا...ڈیڈ۔) آنسوؤں کی لڑیاں اس کے چہرے سے بہنے لگیں تھیں۔ وہ سوتے ہوئے بھی مام ڈیڈ کی یاد میں روتی تھی اور جاگ کر بھی بے آواز رونے لگتی تھی۔ اور اب تو زخم بھی درد کر رہا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ مام کے گلے لگ کر رو رو کر انہیں بتائے کہ اسے بہت درد ہو رہا ہے لیکن وہ اب کبھی ایسا نہیں کر سکتی تھی اور یہی بات اس کے دل میں کسک پیدا کرتی تھی۔

اچانک اسے ونڈو پین کے باہر حدیقہ نظر آئی تھی جو ٹیرس کے ریلنگ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور پھر ریئم اور حریم بھی نظر آئیں تھیں۔ وہ ارد گرد دیکھتیں باتیں کر رہی تھیں اور انہیں دیکھ کر عانیہ کے چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ آئی تھی۔ اگر اللہ نے اس کے مام ڈیڈ کو اس سے جدا کیا تھا تو کتنے نئے رشتے عطا کر دیے تھے۔ اور ریان......وہ بھی تو اسے مل گیا تھا۔ اس کی زندگی بچانے کے لیے اس نے اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ وہ اس کے لیے اس قدر اہم ہو گیا تھا اور ایک وقت تھا کہ جب وہ اس سے انتہا کی نفرت کرتی تھی۔ انتقام لینے اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور پھر عین وقت پر جب وہ اس پر پستول تان چکی تھی تو اس پر حقیقت کھلی تھی کہ ریان بے گناہ ہے۔ پھر ریان نے اس کا کتنا ساتھ دیا اور اس دلدل سے بچایا تھا جس میں پھنسنے کے بعد وہ شاید ساری زندگی نہ نکل سکتی۔ اور جب وہ اسے حماد کے پاس جانے سے روک رہا تھا اس وقت اس کا دل ریان کے لیے

ایک انوکھی لے پر دھڑکا تھا۔شاید اس وقت وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی۔اسے چھوڑنے کا دکھ بھی اسے ہوا تھا اور پھر جب وہ اسے دوبارہ ملا تو خوشی بھی ہوئی تھی۔کتنے عجیب طریقے سے ملے تھے وہ۔اس کی آنکھوں کے سامنے کا منظر بدلا تھا اور وہ خود کو مری میں محسوس کرنے لگی تھی۔جب وہ سردار حویلی کی دیوار سے باہر چھلانگ لگا کر اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی اور ریان سے ٹکرائی تھی۔وہ تو اتنی حیران رہ گئی تھی اور ریان تو جیسے اس سے بھی زیادہ حیران تھا۔اسے تو دیا کی موت کی خبر ملی تھی لیکن وہ اس کے سامنے تھی۔پھر اس نے کیسے سردار حویلی والوں سے بچایا تھا اور اس باغ سے گزرتے ہوئے ریان نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے اسے کتنا مس کیا۔اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اور ہی جہان میں پہنچ چکی ہے۔جیسے اسے جینے کی وجہ مل گئی ہے۔اور وہ اپنی جینے کی وجہ کو کیسے کچھ ہونے دے سکتی تھی سو اس کی طرف آنے والی تکلیف کے سامنے خود آ گئی اور یہ درد سہنے میں بھی اسے اللہ سے کوئی شکوہ نہیں کیونکہ ریان تو صحیح سلامت تھا نا۔

اس نے آنکھیں سے بہتے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے اور مسکرا دی تھی۔ایک ایسی مسکراہٹ جو بہت سی تکلیفوں کے بعد کسی خوشی پر آتی ہے اور یہ مسکراہٹ ریان کے نام تھی۔

ایک نظر کھڑکی کے پار دیکھا تو وہ تینوں ٹیرس پر رکھیں کرسیوں پر بیٹھ چکی تھیں۔وہ آہستہ سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور ٹیرس کی طرف آ گئی۔سب سے پہلے ریئم کی نظر اس پر پڑی تو وہ ان دونوں کو بھی بتاتی اس کی طرف بڑھی تھی۔وہ دونوں بھی اس کے پیچھے اس تک پہنچی تھیں۔عانیہ انہیں دیکھ کر مسکرا دی۔

"عانیہ ہمیں بتا تو دیتی ہم تمہارے پاس آ جاتے۔" حدیقہ نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"کیسے بتاتی؟" عانیہ نے کہا۔

"فون پہ" حریم نے شرارت سے کہا تو عانیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلکا سا ہلا دیا۔زخم کی وجہ سے وہ اب گردن کو بھی ٹھیک سے ہلا نہیں سکتی تھی۔وہ اب ان تینوں کے ساتھ کرسیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ویسے حدیقہ تمہارا فون کہاں ہے؟" عانیہ کو نے یاد آنے پر پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ ان لوگوں نے مجھ سے میرا کلچ لے لیا تھا۔ اور فون بھی اسی میں تھا۔" حدیقہ نے بتایا تو وہ پریشان ہوئی تھی۔

"وہ تمہارے فون کے ذریعے بہت سے غیر قانونی کام بھی کر سکتے ہیں جن کا الزام سید حاتم پر لگایا جائے گا۔" عانیہ نے اسے بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"اللہ مالک ہے۔ میں عمیر بھائی سے کہوں گی کہ سم کو بلاک کروا دیں۔" وہ اس کو ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

"ویسے حدیقہ۔ اس فون میں تمہاری کوئی پرسنل چیزیں تو نہیں تھیں۔" حریم نے عانیہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" اس نے حریم کو غصے سے گھورا۔

"حدیقہ.... وہاب بھائی کے ساتھ صلح ہو گئی تمہاری۔" عانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا تو حدیقہ نے اسے تاسف کے ساتھ دیکھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے کی سرخیاں بڑھیں تھیں جسے ان تینوں نے محظوظ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟.... ان دونوں کی لڑائی ہوئی تھی کیا؟" حریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں لیکن اب لگتا ہے صلح ہو گئی ہے۔" عانیہ نے کہا۔ حدیقہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"ارے یاد آیا۔ حدیقہ کو وہاب بھائی وہاں سے بچا کر لائے تھے نا۔ ہائے کتنا رومینٹک سین ہوتا ہے نا جب ہیرو ہیروئن کو لے کر بھاگ رہا ہوتا ہے۔" حریم نے کہا تو حدیقہ کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔ اس کے لبوں کی ہلکی سی مسکراہٹ سب سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"چلو حدیقہ جلدی سے بتاؤ۔ کیا ہوا تھا وہاں۔ وہاب بھائی نے تمہیں وہاں سے کیسے نکالا؟" عانیہ نے حکمیہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں کیوں بتاؤں۔" وہ اپنی مسکراہٹ بمشکل چھپاتی شانے اچکا کر بولی۔

"جلدی سے پھوٹو۔ ورنہ مجھے اگلوانے کے سارے طریقے آتے ہیں۔" حریم نے اس کے کندھے پر دھپ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"یار کیا بتاؤں۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ تم بات کو خواہ مخواہ ہی بڑھا دیتی ہو۔" حدیقہ نے چڑ کر کہا۔ حریم نے سر تائیدی انداز میں ہلایا جیسے حدیقہ ٹھیک کہہ رہی ہے اور دوسرے ہی پل اس کے دونوں ہاتھ حدیقہ کی گردن تک پہنچ چکے تھے۔ پہلے تو حدیقہ حیرانی ہوئی پھر گدگدی ہونے کی وجہ سے اس کے نقرئی قہقہے فضا میں گونجنے لگے۔ اس نے اٹھ کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن حریم نے اس کے بازو کو پکڑ کر کرسی پر بٹھایا اور اس کے پیٹ میں تیزی سے اسے گدگدی کرنے لگی۔ رنیم اور عانیہ مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ جب ہنس ہنس کر حدیقہ کا سانس بند ہونے والا ہو گیا تو اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سیز فائر کر دیا۔ حریم نے بھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

"اب بتاؤ۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر دھونس جماتے ہوئے بولی تو حدیقہ نے اپنے سانس کو اعتدال پر لاتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"تم دونوں کتنی خود غرض دوستیں ہو۔ میرا یہاں برا حال ہو رہا ہے اور تم دونوں آرام سے بیٹھی مسکرا رہی ہو۔" وہ عانیہ اور رنیم کی طرف دیکھ کر بولی۔ شاید اب ہی وہ دونوں اس کی مدد کر دیں۔

"بھئی حریم اس وقت سب سے زیادہ پاور فل ہے۔ میں نے اپنا کندھا مزید زخمی نہیں کروانا۔" عانیہ نے اپنا دامن بچایا تو اس نے رنیم کی طرف دیکھا۔

"اور تمہیں پتہ تو ہے میں کتنی کمزور ہوں۔ حریم کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔" رنیم نے بھی صفائی پیش کی تو حریم نے اسے جتاتی نظروں سے دیکھا۔

"اب تم بتا رہی ہو یا پھر گدگدی کروں۔" وہ اپنے ہاتھ سے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"نہیں پلیز۔ میں بتا رہی ہوں۔" حدیقہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تو حریم فخر سے مسکرائی۔

"چلو شروع سے شروع کرو۔ ایک ایک بات بتاؤ۔" حریم کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جب مجھے ہوش آیا تو میں کسی اونچی سی عمارت میں ایک کرسی پر بندھی ہوئی تھی۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بتانا شروع کیا۔ "شاید چار پانچ آدمی میرے ارد گرد پھر رہے تھے۔ دو کے پاس پسٹلز بھی تھیں۔ میں نے ڈر کے مارے چیخنا چاہا لیکن انہوں نے میرے منہ پر بھی پٹی باندھی ہوئی تھی۔ میں خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے رونے لگی تھی اور ایک آدمی نے اپنے فون پر میری ویڈیو بنالی اور وہاں سے چلا گیا۔" اس پل کی تکلیف کے ہلکے سے آثار اس کے چہرے پر آئے تھے۔

"مجھے اس وقت سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ میری ویڈیو کیوں بنا رہا ہے لیکن بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ ویڈیو عانیہ کو بلیک میل کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ پھر تقریباً آدھا گھنٹہ میں بے بسی سے روتی رہی اور اللہ سے دعائیں مانگتی رہی۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی تھی جیسے وہ ذہنی طور پر وہیں پہنچی ہوئی تھی۔ اور وہ تینوں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہیں تھیں۔

"پھر میں نے اپنے سامنے وہاب کو دیکھا تھا اور مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ میری دعا اتنی جلدی قبول ہو گئی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور جلدی سے ایک دیوار کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ میں نے وہاں موجود سب لوگوں کو دیکھا تو کسی کا دھیان وہاب کی طرف نہیں ہوا تھا۔ پھر وہ ان لوگوں کے پیچھے پہنچ گیا اور مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن میں اور رونے لگی تھی۔"

"ہیرو کی اینٹری ہی کتنی فلمی ہے۔ لڑائی تو ضرور ہوئی ہو گی؟" حریم نے کمنٹ پاس کیا۔

"ہاں لیکن میں نے نہیں دیکھی تھی۔"

"کیوں؟" حریم صدمے سے بولی۔

"وہاب نے ایک آدمی سے پسٹل کھینچ لی اور اسے نیچے پٹختے ہوئے میرے سامنے آ گیا۔ میرا تو سانس ہی خشک ہو گیا اور پھر فائر کی آواز سے میں بے ہوش ہو گئی۔" اس نے بتایا تو حریم بدمزا سی ہوئی تھی۔

"اچھا پھر؟" رینم نے تھوڑی تلے ہاتھ رکھتے ہوئے اشتیاق سے کہا۔

"پھر جب میں ہوش میں آئی تو میری رسیاں کھلی ہوئی تھیں اور وہ مجھے پکار رہا تھا۔ اس نے کہا کہ سب ٹھیک ہے لیکن میرا دل اتنا ڈر رہا تھا کہ میں خود کو رونے سے نہیں روک سکی تھی۔ پھر ہمیں لوگوں کے قدموں کی آواز سنائی دی تو ہم ایک طرف بھاگنے لگے۔ ایک طرف سیڑھیاں نظر آئیں تھیں اور ہم وہاں سے چھت پر چڑھ گئے لیکن اس کے آگے کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"پھر کیسے نکلے وہاں سے۔" اس بار عانیہ نے پوچھا۔

"وہ کھلا چھت تھا اور کناروں پر ریلنگ بھی نہیں تھی۔ وہ مجھے لے کر ایک کنارے کی طرف چلا گیا اور نیچے دیکھنے لگا۔ میں نے تو ایک نظر نیچے دیکھا تو مجھے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر اس نے بڑے آرام سے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کبھی چھت سے چھلانگ لگائی ہے۔"

"کیا؟.... تم دونوں نے چھت سے چھلانگ لگائی تھی؟" حریم حیرت سے چلائی۔

"ہاں۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ وہ لوگ اوپر پہنچنے والے ہیں اس لیے ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔"

"پھر؟" رینم نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر میں جب ہوش میں آئی تو میں تیسری منزل کی چھت سے نیچے پہنچ چکی تھی۔"

"کیا مطلب تم پھر بے ہوش ہو گئی تھی؟"عانیہ نے ہنسی روکتے ہوئے اس سے پوچھا

"کیا مصیبت ہے یار۔جب بھی مزے کا سین آتا ہے تم بے ہوش ہو جاتی ہو۔"حریم اس دفعہ پہلے سے زیادہ بدمزہ ہوئی تھی۔

"اب اس کا سٹیمنا ہی اتنا ہے تو وہ بے چاری بے ہوش ہی ہو گی نا۔اور تیسری منزل سے چھلانگ لگانا کوئی آسان کام ہے۔"عانیہ نے کہا۔

"پھر تو وہاب بھائی کو داد دینی چاہیے جنہوں نے اسے ساتھ لے کر اتنی اوپر سے چھلانگ لگا دی اور حدیقہ کی ہڈیاں بھی نہیں ٹوٹیں۔ضرور وہاب بھائی نے اسے پکڑ رکھا ہو گا اور یہ ان کے اوپر گری ہو گی۔"حریم نے اندازے سے کہا تو حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"بکو مت ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔مجھے جب ہوش آیا تو میں زمین پر پڑی تھی۔"وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ صفائی دینے لگی۔

"اچھا اس وقت تمہاری ہڈیاں درد کر رہی تھیں؟"حریم نے پوچھا۔

"نہیں"اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر میرا اندازہ سو فیصد درست ہے۔مجھے تو وہاب بھائی پر ترس آ رہا ہے ایک تو وہ نیچے گرے اور اوپر سے حدیقہ کا وزن بھی سہنا پڑا۔کیا بنا ہو گا ان کا۔"وہ شرارتی لہجے میں بولی۔

"دفعہ ہو جاؤ تم۔"حدیقہ کو اور کچھ سمجھ نہ آئی تو دانت پیس کر بولی۔

"پہلے پوری داستان محبت سناؤ پھر دفعہ بھی ہو جاؤں گی۔"حریم بھی کہاں باز آنے والی تھی۔

"حریم یاد رکھنا جب تمہاری باری آئے گی تو سارے بدلے لوں گی۔"وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"منظور ہے۔" وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولی البتہ سمیع کی یاد ایک دفعہ ضرور آئی تھی۔

"اچھا پھر آگے کیا ہوا تھا؟" رینم نے پوچھا۔

"پھر ہم وہاں سے بھاگ گئے۔" اس نے گویا بات ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس سے آگے وہ انہیں کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔

"ایک منٹ۔ پوری تفصیل تو بتاؤ۔ ایسے کیسے بھاگ گئے۔ کوئی رومینٹک سین ہی نہیں آیا۔" حریم صدمے سے بولی تھی۔ رینم اور عانیہ ہنس پڑیں اور حدیقہ تو شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔

"رومینٹک سین آیا ہو گا لیکن تمہیں پتہ نہیں ہو گا۔ پھر جو بے ہوش ہو گئی ہو گی۔" حریم کی اس بات سے اسے مزید تپ چڑھا۔

"اچھا بس بس۔ اب اتنا بھی نہ تنگ کرو میری معصوم سی دوست کو۔" عانیہ نے بالآخر حدیقہ کا ساتھ دیا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے طوفان کا رخ اپنی طرف موڑ لیا ہے۔

"اچھا۔ پھر آپ اپنی کہانی ذرا بیان کر دیں۔" حریم نے اپنا روئے سخن اس کی طرف کیا تو اس کی مسکراہٹ گم ہوئی۔

"کونسی کہانی؟"

"ریان بھائی نے کیسے مدد کی آپ کی وہاں؟"

"اچھا وہ.... یار وہاں صرف ایکشن سین تھا۔ تمہیں کوئی رومینٹک سین سننے کو نہیں ملے گا۔ ٹرسٹ می۔" عانیہ نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا اور ابرو اچکا کر یقین دلایا۔

"اچھا فائٹنگ سین ہی بتا دیں۔" رینم نے کہا۔

"مجھے اب صحیح طرح یاد تو نہیں کہ کیا ہوا تھا۔ بس اتنا یاد ہے کہ وہ پندرہ لوگ تھے۔ ابھی میں نے آدھے لوگوں کی پٹائی ہی کی تھی کہ کچھ اور لوگ آ گئے۔ بالآخر ایک جگہ مجھ سے تھوڑی غفلت ہو گئی۔" اس نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"پھر؟" وہ تینوں یک زبان بولیں۔

"سارا مزا کرکرا ہو گیا۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ان تینوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مطلب؟" حریم نے پوچھا۔

"مطلب پٹائی۔ قسم سے یار ابھی تک ہڈیاں درد کر رہی ہیں۔" وہ مسکین لہجے میں بولی۔ ان تینوں کے دل دکھے تھے۔

"پھر کیا ہوا؟" رنیم نے پوچھا۔

"آگے میں بتاتی ہوں۔ اب ہوئی ہو گی ہیرو کی اینٹری۔ ہے نا۔" حریم نے بالکل درست اندازہ لگایا تو عانیہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ایک ڈنڈا میرے پیشانی پر پڑنے والا تھا جسے ریان نے پکڑ لیا تھا۔ پھر وہ ان لوگوں سے لڑنے لگا تھا۔ مجھے سنبھلنے کیلیے کافی وقت مل گیا تھا تو پھر میں بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور ان لوگوں سے لڑنے لگی۔"

"واؤ۔ پھر سے فائٹنگ۔ مطلب دونوں ایک ساتھ۔" حریم بولی۔

"ہاں۔ میں نے چاقو نکال لیا تھا اور اس سے ان لوگوں کو گرانے لگی۔ وہ لوگ کم ہی نہیں ہو رہے تھے اور ریان تو جلد ہی اکتا گیا۔ کہنے لگا میں پسٹل سے سب کو شوٹ کرنے لگا ہوں تو میں نے اسے سختی سے روک دیا۔ اور جب وہ آخری آدمی کو نیچے گرا رہا تھا میری نظر ایک آدمی پر پڑی تھی جس نے ریان کی طرف پسٹل تانی ہوئی تھی۔ مجھے

اس وقت کچھ سمجھ نہیں آیا تھا میں بے اختیار ہی اس کے سامنے آگئی۔" وہ بول کر ذرا سا مسکرائی۔ تینوں کے لبوں سے سرد آہ نکلی تھی۔

" پھر اس کے بعد میں نہیں جانتی وہاں کیا ہوا۔ مجھے بے ہوش ہوتے ہوئے بھی یہی ڈر تھا کہ وہ لوگ اس پر دوبارہ فائر نہ کر دیں۔"

"ریان بھائی بتا رہے تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں پر فائرنگ کی تھی" حریم نے بتایا تو عانیہ پریشان ہو گئی۔ جس کام سے منع کیا تھا وہ اس کے ہی چھوڑا۔

" میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔ اب اگر اس پر کیس بن گیا تو کیا ہو گا؟"

" ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ ان لوگوں کے پاس بھی پسٹلز تھیں۔ اگر وہ انہیں نہ مارتے تو وہ فائرنگ کر دیتے۔ ویسے بھی یہ بات پولیس کو نہیں بتائی گئی اس لیے ٹینشن کی بات نہیں۔" اس کی بات پر عانیہ کو کچھ تسلی تو ہوئی تھی۔

" اور آپ کو پتہ ہے۔ ریان بھائی کا بلڈ گروپ آپ کے ساتھ میچ کر گیا تھا اور انہوں نے خون کی دو بوتلیں آپ کو ڈونیٹ کی تھیں۔" حریم نے بتایا تو وہ چونکی تھی۔ ریان نے اسے اپنا خون دے کر بچایا تھا اور اسے بتایا تک نہیں۔

" اچھا۔ یہ بات اس نے مجھے تو نہیں بتائی۔" وہ اپنی حیرت چھپا نہیں سکی تھی۔

" اس بات پر تو ایک زوردار فائٹنگ ہونا بنتی ہے۔ کیوں؟" حریم نے اسے طیش دلائی۔

" بد تمیز کیوں ان دونوں کے بیچ پھوٹ پڑوانا چاہتی ہو۔" اب کی بار ریم نے اسے گھر کا تو اس نے گھوم کر اسے ایک پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تھا اور وہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔ عانیہ اور حدیقہ نے یہ بات محسوس کی تھی۔

" کیا کہا؟.... ذرا پھر سے کہو۔" وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولی۔

" کک..... کچھ نہیں۔" وہ خوفزدہ ہو گئی تھی کہ کہیں وہ اس کا بھانڈہ ہی نہ پھوڑ دے۔

"نہیں۔ کہو۔ میں تو پھوٹ ڈلوانے والی ہوں نا۔"

"نہیں تو۔ تم تو میری پیاری سی معصوم سی بہن ہو۔" ریئم نے اسے رام کرنے کی کوشش کی۔

"ایک منٹ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ یہ چکر کیا ہے۔" حدیقہ کی جاسوسی حس بیدار ہوئی۔ ریئم نے حریم کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔

"چکر نہیں بلکہ سیدھا سادھا معاملہ ہے۔ ریئم کے خوابوں میں ایک لڑکا آتا ہے اور یہ چاہتی ہے کہ وہ حقیقت میں بھی اس سے ملے" حریم نے مزے سے بتایا۔

"اچھا واقعی۔ کون ہے وہ؟" حدیقہ نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ کون ہے وہ۔ میں کونسا اس سے ملی ہوں۔ صرف خواب میں دیکھا ہے" ریئم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے جلدی سے کہہ دیا۔ حریم نے اس کے جھوٹ پر حیرت سے اسے دیکھا لیکن خاموش رہی۔

"اگر وہ تمہیں مل جائے تو؟" حدیقہ نے پوچھا۔

"تو کیا؟.... کچھ نہیں۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔ حریم تو اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تمہیں خوشی تو ہو گی نا۔" حدیقہ نے پھر پوچھا۔

"ہاں تھوڑی بہت۔ لیکن ضروری تو نہیں کہ وہ مجھے حقیقت میں بھی مل جائے۔ اچھا چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ شاپنگ کیلیے کل پھر نہ چلیں عید آنے میں صرف دو دن بچے ہیں۔

" ریئم نے مہارت سے بات بدلی۔

"ہاں میری بھی کچھ شاپنگ رہتی ہے اور نیا فون بھی لینا ہے۔" حدیقہ نے کہا۔

"میں بھی بھائی سے بولوں گی کہ مجھے بھی فون چاہیے۔" ریئم بھی بولی۔

"اور میں اپنی پیاری سی آپی سے بولوں گی کہ مجھے بھی ایک فون دلا دیں۔" حریم عانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں بولی تھی۔اور خوبصورت سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر آنکھیں پٹپٹانے لگی تھی۔عانیہ کو اس کی انداز پر ہنسی آئی تھی۔

"اوکے۔میری چھوٹی سی بلی۔لے لینا۔" وہ حریم کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ مسرت سے مسکرا دی۔فون کے بغیر بھی بھلا کوئی زندگی تھی۔کتنا ہی عرصہ وہ بھائی کے موبائل پر قبضہ جمائے اس پر ڈرامے دیکھتی رہی تھی۔اسے اس پل بھائی کی یاد بہت زیادہ آئی تھی۔باقی بہنوں اور ماں باپ کی یاد اتنی نہیں آتی تھی جتنی اس کی آتی تھی۔ایک وہی تھا جو اسے سمجھتا تھا اور دوسرے تو اس سے نفرت ہی کرتے تھے۔سب کہتے تھے کہ حسیب نے حریم کو سر پر چڑھایا ہوا ہے تبھی یہ بگڑ گئی ہے۔اب سب اس کے بھائی کو طعنے دیتے ہوں گے کہ تمہاری شہ کی وجہ سے حریم گھر سے بھاگی ہے۔کاش وہ گھر واپس جا سکتی۔دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی اور اداسی بن کر اس کے چہرے پر چھا گئی تھی۔

"حریم کیا ہوا؟" عانیہ جو اس کے چہرے پر اداسی کے بادل دیکھ چکی تھی بولی۔

"ہاں.....کچھ نہیں۔بس بھائی کی یاد آ گئی تھی۔" وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"اگر تم اس سے ملنا چاہو تو....."

"نہیں۔میں ان کیلیے کوئی مسلہ نہیں بنانا چاہتی۔میں فیس بک پر ان کی تصویر دیکھ لوں گی۔انہوں نے قربانی کے بکرے کے ساتھ اپنی تصویر کھینچ کر فیس بک پر ضرور چڑھائی ہو گی۔" وہ سنبھلتے ہوئے نارمل سے انداز میں بولی لیکن عانیہ جانتی تھی کہ وہ اپنی فیملی کو بہت مس کر رہی ہے اور ڈر کی وجہ سے ان سے مل بھی نہیں سکتی تھی۔عانیہ کو اس پر بہت ترس آیا تھا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔حدیقہ اور ریم بھی اس کیلیے اداس ہو گئی تھیں۔بظاہر ہر

وقت مسکرانے اور شرارتیں کرنے والی باتونی سی لڑکی اندر سے بہت دکھی تھی۔شاید وہ عانیہ کی طرح غم میں بھی خوش رہنا سیکھ رہی تھی۔

اسی اثناء میں عمرینہ چھت پر آئی تھی اور ان چاروں کو اکٹھے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں تین گلاس جوس کے تھے ایک کپ کافی کا تھا جو عانیہ کیلیے تھا۔حریم نے جیسے ہی انہیں دیکھا مسکراتی ہوئی اٹھی اور بھاگ کر ان کے پاس پہنچی۔

"آنٹی آپ اوپر کیوں آئیں۔ہمیں نیچے بلا لیا ہوتا۔"عمرینہ کے ہاتھ سے ٹرے پکڑتے ہوئے وہ خوش اخلاقی سے بولی۔

"ارے میں اوپر کیوں نہیں آسکتی۔تم مجھے بوڑھی سمجھتی ہو۔"عمرینہ نے مذاق کرتے ہوئے کہا تو حریم ہنس دی۔

"نہیں میری اتنی مجال کہاں۔میں تو بس احتراماً کہہ رہی تھی۔ویسے آپ بوڑھی نہ سہی ہماری بڑی تو ہیں نا" وہ بولتے ہوئے عمرینہ کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

"ہاں تو بڑے اپنے بچوں کے لیے سب کچھ کرتے ہیں۔"عمرینہ نے کہا تو اسے اپنی ماں یاد آئی تھی جس نے اسے پیدا کرنے کے بعد دوسروں کے در پر چھوڑ دیا تھا اور کبھی اس کا خیال نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ پانچویں بیٹی تھی اور اس دنیا میں آنا اس کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کی سزا اس کی ماں نے اسے ساری زندگی دی تھی۔ماں کی نفرت ایک بچے کیلیے سب سے بڑی سزا ہوتی ہے۔جب اس کی ماں ہی اسے قبول نہیں کرتی تو زمانہ کیسے کرتا۔ماں کی محبت نہ ملنے کی وجہ سے اس کے دل میں ایک خلا سا رہ گیا تھا جسے اس کے بھائی نے کسی حد تک پر کرنے کی کوشش کی تھی۔اور باپ کا تو جیسے اس کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ہفتوں اس کی بابا کے ساتھ بات نہیں ہوتی تھی۔اور جب بھی بابا کو اس سے کوئی ضروری بات کرنی ہوتی ماما سے کہہ دیتے تھے۔اب ان سب لوگوں کی محبت اسے اپنوں کی بے رخی کا احساس بڑی شدت سے دلا رہی تھی۔

وہ دونوں کرسیوں کے پاس پہنچ چکیں تھیں۔ حریم نے جھک کر ٹرے ٹیبل پر رکھا اور ایک ایک کر کے سب کو پکڑا دیا۔ ایک ہی کرسی خالی تھی جس پر عمرینہ بیٹھ چکی تھی اور وہ کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر عمرینہ کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی تھی۔ گرلز" عمرینہ نے بشاشت سے پوچھا تھا۔

"عید کی تیاریوں کے بارے میں باتیں ہو رہی تھی۔ ماما کیا ہم کل شاپنگ پر جا سکتے ہیں؟" حدیقہ نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن اب اکیلے نہیں جانا۔" عمرینہ نے کہا تو حدیقہ نے منہ بنایا۔

"اب کیسی طبعیت ہے عانیہ بچے۔ زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔" عمرینہ نے عانیہ سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر تھوڑی دیر عمرینہ ان سب باتیں کرتی رہی اور مغرب کی اذان ہونے پر انہیں نماز پڑھنے کا کہہ کر نیچے چلی گئی۔

---

رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ نیلی شام تاریکی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ آٹھ بجے کھانا کھایا جا چکا تھا۔ ساری لڑکیوں نے ضد کر کے عانیہ کے پاس ہی بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ اور لڑکوں نے نیچے حیدر علی کے ساتھ کھانا کھایا۔ حیدر علی عانیہ کو گھر لے کر آنے کے بعد آفس چلے گئے تھے۔ کل نہ جانے کی وجہ سے بہت سا کام پڑا تھا اور ایک اہم میٹنگ بھی تھی۔ سو وہ رات کو گھر پہنچے تھے اور عانیہ کا حال چال پوچھنے کے بعد کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آئے تھے۔

اب انہیں ریان اور وہاب سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ بہت سی ضروری باتیں کرنی تھیں اس لیے دونوں کو سٹڈی میں بلوا لیا تھا۔ عمرینہ بھی ان کے لیے چائے لے کر وہیں آ گئی تھی۔ وہ بھی جانتی تھی کہ کیا بات ہونے والی ہے۔ کیونکہ حیدر علی اس سے پہلے ہی ڈسکس کر چکے تھے۔

"ڈی آئی جی صاحب کا فون آیا تھا اور انہوں نے بتایا ہے کہ حماد یہاں سے فرار ہو گیا ہے۔ لیکن وہ اسے جلد ہی ڈھونڈ لیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب عانیہ کو اس معاملے سے دور ہی رکھا جائے۔" حیدر علی نے چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"میں تو اسے پہلے بھی روکتا رہا ہوں لیکن اس دفعہ اس کی دوست کی جان کا مسلہ تھا سو میں اسے نہیں روک سکا۔" ریان نے کہا۔

"ہاں میں مانتا ہوں وہ میری بیٹی کی جان بچانے کے لیے وہاں گئی تھی۔ اسی لیے میں بہت شرمندہ ہوں کہ وہ ہماری وجہ سے اس تکلیف میں ہے۔ اور میں اس تکلیف کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہماری بیٹی ہے اور اس کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ میں اب اسے کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" حیدر علی نے کہا تو ریان کو اچنبھا ہوا۔

"کیا تم اس کی ذمہ داری قبول کر سکتے ہو؟" انہوں نے پوچھا اور ریان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ کیا وہ شادی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ کچھ لمحے وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"بولو ریان۔ کیا تم اس سے شادی کر سکتے ہو؟.... دیکھو ہم اب اس کے ماں باپ کی جگہ ہیں۔ ہم اس کی حفاظت کر سکتے ہیں لیکن بیٹیاں کبھی بھی ساری زندگی کے لیے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ انہیں اس معاشرے میں رہنے کیلیے مرد کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور عانیہ کیلیے تم سے بہتر اور کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں۔" عمرینہ نے کہا تو ریان کو یقین نہیں آیا تھا کہ اس کی منزل اتنی قریب ہے۔ اسے تو لگا تھا پہلے عانیہ کو شادی کیلیے راضی کرنا پڑے گا پھر انکل آنٹی سے اجازت لینی پڑے گی لیکن یہ تو اس کا کام ہی آسان ہو گیا تھا۔ اللہ نے اس کے دل کی دعا قبول کر لی تھی۔ اس کے دل کی خوشی اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن آپ پہلے اس سے پوچھ لیں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا اور حیدر علی خوشی سے مسکرائے تھے۔

"تم فکر مت کرو۔ ہم اس سے پوچھ لیں گے۔ وہ یقیناً اس رشتے سے انکار نہیں کرے گی۔ اس عید پر تم دونوں کی منگنی کی اناؤنسمنٹ ہوگی اور تمہارے جانے سے پہلے منگنی کا فنکشن کر دیں گے۔ اگر عانیہ کے کیریئر کا مسلہ نہ ہوتا تو میں کل کی بجائے آج ہی تم دونوں کی شادی کروا دیتا۔ اکیڈمی جوائن کرنے کیلیے ان میریڈ ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ابھی صرف منگنی ہی ٹھیک رہے گی۔ بہر حال مجھے یہ تو اطمینان رہے گا کہ میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہے۔" حیدر علی نے کہا تو عمرینہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا جبکہ ریان نے سر جھکا دیا۔

"اور وہاب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" حیدر علی اب وہاب کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور وہ جو ریان کی خوشی میں خوش ہوتا بڑے مزے سے چائے پی رہا تھا بری طرح چونکا تھا۔ اچھو لگتے لگتے رہ گیا۔ ریان اور عمرینہ نے بمشکل اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا تھا جبکہ حیدر علی بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی....؟" وہ ناسمجھی کے سے انداز میں بولا البتہ سمجھ تو گیا ہی تھا۔

"ماشاءاللہ اب تم بھی اپنی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوگئے ہو جس کا ثبوت تم دے چکے ہو۔ میں اس بات پر تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا کہ تم میری بیٹی کو بحفاظت ان اغواکاروں کے قبضے نکال لائے ہو کیونکہ وہ تمہاری بیوی ہے اور یہ تمہارا فرض تھا۔ نکاح تو تم دونوں کا بچپن میں ہی ہو گیا تھا اور اب میں چاہتا ہوں کہ شادی بھی جلد از جلد کر دوں۔ میں جانتا ہوں ابھی وہ بہت امیچیور ہے لیکن اس کے اغوا والے واقعے کے بعد یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ میں اپنی بیٹی کی عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دے سکتا۔ اور اس کی عزت تم سے بھی جڑی ہے سو میں اسے تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میرے فیصلے پر تمہیں اعتراض ہے تو تم کہہ سکتے ہو۔" حیدر علی اپنی بات کہہ کر اس کے جواب کے منتظر تھے۔

"نہیں۔ جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے بھی سعادت مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔ ریان کو یہ بات پتہ تو پہلے ہی چل گئی تھی کہ حدیقہ اور وہاب ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ دونوں بچپن سے نکاح کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم میری امید پر پورا اترے ہو۔ جیتے رہو۔" وہ اس سے کہہ کر عمرینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔" اگر عانیہ اور ریان کی منگنی پر ان دونوں کی رخصتی یا ولیمے کا فنکشن بھی ہو جائے تو کیسا رہے گا؟"

"میرے خیال سے یہ بہتر رہے گا۔ اور اگر عید پارٹی میں سارے خاندان کو ان کے نکاح کے بارے میں آگاہ کر دیا جائے تو یہ اور بھی اچھا ہو گا۔" عمرینہ نے ان کی تائید کی۔ ریان اور وہاب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے۔ دونوں اس وقت ایک ہی کیفیت میں گھرے ہوئے تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے بچیوں کو کنونس کر کے اعتماد میں لینا ضروری ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں میں انہیں سمجھا دوں گی۔ آپ بس انتظامات شروع کریں۔" عمرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں۔" حیدر علی نے اس کی بے تابی دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"ہاں تو ہر ماں کو جلدی ہوتی ہے۔ اور اوپر سے اتنے پیارے پیارے داماد مل رہے ہوں تو دیر کیوں کروں۔" عمرینہ نے محبت سے اپنے سامنے بیٹھے وہاب اور ریان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ آج حقیقتاً بہت خوش تھی۔ اور جانتی تھی کہ ان کی دوست جبین کی روح بھی بہت خوش ہو گی اور عانیہ کے والدین بھی تو کتنے خوش ہوں گے۔

---------------------------

وہاب جب اپنے کمرے میں آیا تو بہت خوش تھا۔ اس کے دل کی مراد پوری ہونے جا رہی تھی۔ حدیقہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہونے جا رہی تھی۔ وہ بہت پہلے ہی اس کی ہو چکی تھی لیکن اب وہ اس کے ساتھ رہے گی۔ ہر پل

ساتھ۔اور یہی بات اس کے دل کو خوشی سے سرشار کر رہی تھی۔کتنے ہی لمحے ایک دلفریب سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو حصار میں لیے رکھا تھا۔

اسے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کمرے میں آئے ہوئے کہ دروازہ ناک ہوا تھاوہ جو بیڈ پر نیم دراز تھاچونک کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔دروازہ کھلتے ہی عمرینہ کا چہرہ نظر آیا تھااور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"سو تو نہیں گئے تھے ؟"عمرینہ نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں۔"اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"خوش ہو؟"عمرینہ نے اس کا گال تھپکتے ہوئے کہا تھاتو وہ سر جھکا کر مسکرا دیا تھا۔عمرینہ تو اس پر صدقے واری ہوئے جا رہی تھی۔ان کی محبت بھری نظروں نے وہاب کی بلائیں لیں تھیں۔

"اور میں دیکھ رہی ہوں حدیقہ کا رویہ بھی تمہارے ساتھ بہت اچھا ہو چکا ہے۔یا ابھی بھی پہلے کی طرح تنگ کرتی ہے تمہیں؟"عمرینہ جانتی تھی کہ حدیقہ اسے بہت تنگ کرتی تھی۔اس نے ایک دفعہ حدیقہ کو ڈانٹنا بھی چاہا لیکن وہاب نے منع کر دیا تھا۔اس طرح حدیقہ اس سے اور بھی ناراض ہو سکتی تھی۔عمرینہ نے بھی مسکراتے ہوئے اس کی بات مان لی تھی۔اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن حدیقہ کا رویہ وہاب کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن ایک دفعہ اس نے حدیقہ اور عنیقہ کی باتیں سن لیں تھیں جس میں عنیقہ نے وہاب سے محبت کا اعتراف کیا تھا اور حدیقہ سے مدد مانگی تھی۔پھر جب حدیقہ نے اس کی مدد کرنے کی ہامی بھر لی تو عمرینہ کو اپنی بیٹی کی عقل پر سخت غصہ آیا۔اور عنیقہ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔اب اسی لیے ان کا شک عنیقہ کی طرف ہی جا رہا تھا کہ وہ اس کے اغوا ہونے کے بارے میں جانتی تھی لیکن سب کے سامنے جھوٹ بھول دیا کہ وہ اپنے کسی فرینڈ کے ساتھ چلی گئی ہے۔

"نہیں۔"

"ہمم.... کرتی بھی ہوئی تو کونسا تم مجھے بتاؤ گے کہ کہیں میں تمہاری معصوم سی بیوی کو ڈانٹ نہ دوں۔" عمرینہ شرارت سے مسکرائی تو وہ ہنس دیا۔

"معصوم تو وہ واقعی ہے۔"

"ہاں کچھ زیادہ ہی ہے۔ زمانے کی اونچ نیچ سے بالکل ناواقف ہے۔ لوگوں کے چہروں کے پیچھے چھپے ان کے اصلی چہروں کو پہچان نہیں سکتی اور جلد ہی ان پر بھروسہ کر لیتی ہے۔ تم پلیز اس کی مدد کرنا اور ایسے لوگوں سے بچا کر رکھنا۔ اس واقعے کے بعد میں بہت ڈر چکی ہوں۔ سوچتی ہوں اگر تم اسے نہ دیکھتے تو کیا ہوتا۔ میرا دل کانپ کر رہ جاتا ہے۔"

"آنٹی آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ آپ اس کے لیے اتنی دعائیں کرتیں ہیں تو کوئی مشکل کیسے اس تک پہنچ سکتی ہے۔" وہاب نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"عنیقہ نے گھر آ کر سب کے سامنے یہ کہا تھا کہ حدیقہ اسے اکیلے چھوڑ کر اپنے فرینڈز کے ساتھ چلی گئی ہے......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر وہاب کے چہرے اتار چڑھاؤ بغور دیکھنے لگی تھی۔ اور وہاب تو عنیقہ کے جھوٹ پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ اب سچ چھپانے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"اس نے جھوٹ بولا ہے۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"اس نے حدیقہ کو اغوا کرنے میں ان لوگوں کی مدد کی تھی۔" وہاب نے بتایا تو عمرینہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے لگا جیسے اس کے کانوں میں کوئی گرم سیسہ انڈیل رہا ہو۔ زہن میں کل سے جو واہمے اور خدشات جنم لے رہے تھے وہ سچ ثابت ہو چکے تھے۔

"نہیں۔" اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی تھی۔ عنیقہ اس طرح کیسے کر سکتی تھی۔ اتنی گھٹیا حرکت۔ اپنی ہی بہن جیسی کزن کو نفرت کی بھینٹ چڑھا دیا اور واپس آکر کیسے اعتماد سے جھوٹ بولا تھا۔ اور ارم اس کی بیٹی کو سارے خاندان کے سامنے طعنے دیتی تھی لیکن اپنی بیٹی کے کرتوتوں سے بے خبر تھی۔

"وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ ان لوگوں سے عنیقہ نے رابطہ کیسے کیا؟ وہ تو عانیہ کے دشمن تھے نا؟" عمرینہ اب بھی بے یقینی کا شکار تھی تو وہاب نے انہیں ساری بات بتا دی۔ کہ کیسے ان لوگوں نے عنیقہ اور حدیقہ کی باتیں سنیں اور پھر عنیقہ کا پیچھا کرتے ہوئے اس کو اپنے ساتھ ملایا۔ تبھی عنیقہ اسے بیوٹی پارلر اپنے ساتھ لے کر گئی تھی اور راستے میں گاڑی رکوا کر اسے اغوا کروایا۔ اور اس کی نظر عین وقت پر پڑی تھی تو اس نے عنیقہ سے اس آدمی کا نمبر لیا جس سے وہ ان لوگوں سے رابطے میں تھی۔ اس طرح وہ حدیقہ کو ٹریس کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

عمرینہ سب سن کر دنگ رہ گئی تھی اور فیصلہ کر چکی تھی کہ آئندہ کبھی حدیقہ کو عنیقہ کے قریب بھی نہیں جانے دے گی۔

(حد ہوتی ہے خود غرضی کی۔ اتنی کمینگی ہے اس کے دل میں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی خاندان کی عزت کو تار تار کر دیا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔) وہ اپنے کمرے سے واپس آتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ حیدر علی نے انہیں یوں افسردہ دیکھا تو حیران ہوئے۔ وہ ابھی تو اتنی خوش تھی اب کیوں اتنی پریشان لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا عمرینہ؟"

"کچھ نہیں۔" وہ چونک کر سنبھل گئی تھی۔ اگر یہ بات حیدر علی کو پتہ چلتی تو وہ یقیناً ہرٹ ہوتے اور اس طرح دو بھائیوں کے درمیان لڑائی بھی ہو سکتی تھی سو وہ بات بدل گئی تھی۔

-----------------------------

صبح کے دس بج چکے تھے لیکن وہ ابھی تک نہیں جاگا تھا۔ پچھلی رات جاگ کر گزاری تھی اور دن کو بھی نہیں سویا تھا تو اب اسی لیے بے خبر سویا پڑا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور عمیر اندر آیا۔ اسے اتنی دیر تک سوئے ہوئے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے پیچھے کیے تو صبح کی نکھری نکھری روشنی کھڑکی کے شیشوں سے گزر کر وہاب کے صبیح چہرے پر پڑی تھی۔ اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔ آئی بروز سکڑ گئیں اور بازو آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ عمیر مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا اور اس سے کور اتار کر ایک طرف ہر دیا۔

"آج سب گدھے گھوڑے بیچ کر خرگوش کی نیند سو گئے ہو کیا؟ وہ وہاب کو جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا اور وہاب جو پوری طرح جاگ چکا تھا مسکرا دیا۔ یہ جملہ وہ ہمیشہ عمیر کو صبح جگاتے ہوئے کہتا تھا اور آج وہ اس کا جملہ اسی کو لوٹا رہا تھا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟" وہ آنکھیں نیم وا کرتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں پوچھنے لگا۔

"دس بج چکے ہیں۔ جلدی سے تیار ہو کر باہر آؤ۔ ماما کا آرڈر ہے کہ لڑکیوں کو عید کی شاپنگ کروانے ہم دونوں کو جانا ہے۔" عمیر نے اطلاع دی۔

"اوکے آ رہا ہوں۔" وہ انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا۔

"یار تم کبھی ماما کی بات کا انکار نہیں کرتے۔ ان کے ایک دفعہ کہنے پر ہی سر جھکا دیتے ہو جبکہ مجھے وہ ایک بات سو دفعہ کہیں تب جا کر میں ان کی بات مانتا ہوں۔ اسی لیے ماما تم سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔" وہ بڑے عام سے انداز میں

تبصرہ کر رہا تھا۔ کوئی حسد یا جلن اس کے دل میں نہیں تھی۔ وہاب اس کی بات پر مسکرا دیا اور عمیر کو ایک دم سے کوئی بات یاد آئی تھی۔

"وہاب تمہیں میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولا تو وہاب نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ عمیر کے چہرے کی اداسی دیکھ کر حقیقتاً پریشان ہوا تھا۔

"تم نے شادی کرلی......" وہ بڑا سنجیدہ تھا جبکہ وہاب پہلے تو حیران کہ اسے بھی پتہ چل گیا پھر اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

"تو تم سے کرنی چاہیے تھی کیا؟" وہ شرارت سے بولا۔

"اوہو پوری بات تو سن لیا کرو یار۔ تم نے مجھے بتائے بغیر شادی کرلی۔ چلو مانا کہ تم اس وقت چھوٹے تھے لیکن اب تو بتا دیتے۔ کتنے عرصے سے تم میرے ساتھ ہو اور مجال ہے جو مجھے اس بات کی بھنک بھی پڑنے دی ہو۔" وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا.... تو کیا بتاتا تمہیں کہ تم میرے سالے ہو۔" وہ اسے جتاتے ہوئے بولا۔

"شٹ اپ۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ اپنی اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائے رکھی اور اب بھی کیسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔"

"اچھا سوری۔ کیا ہو گیا ہے یار۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اتنا اچانک سرپرائز ملنے پر اور تم منہ لٹکا کر بیٹھے ہو۔" وہ اسے منانے لگا۔

"ہاں خوش تو میں ہوں لیکن ناراض بھی ہوں۔" وہ نخرا دکھاتے ہوئے بولا۔

"اوکے لنچ سے راضی ہو گے یا اور جرمانہ بھی بھرنا پڑے گا۔"

"ساتھ میں ایک گفٹ بھی ہو تو پھر سوچا جا سکتا ہے۔" کیا ادائے بے نیازی تھی اس کی۔ وہاب نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کچھ رعائیت چاہی۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم بے روزگار اور غریب سے بندے ہو۔" عمیر نے اس وارن کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"چلو ٹھیک ہے یار کیا یاد کرو گے۔ کس سخی سے پالا پڑا تھا۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولا اور اٹھ کر واشروم میں گھس گیا۔ عمیر اس کو جاتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیا۔

-----------------------------

وہ دونوں اس وقت گاڑی میں بیٹھے لڑکیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ وہاب ڈرائیونگ سیٹ پر تھا جبکہ عمیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پانچ منٹ ہو چکے تھے لیکن لگتا تھا کہ آج کی تاریخ میں لڑکیاں باہر نہیں نکلیں گیں۔

"صبح سے حدیقہ نے میرا سر کھایا ہوا ہے کہ شاپنگ پر جانا ہے اور اب میں یہاں گاڑی میں بیٹھا کب سے انتظار کر رہا ہوں لیکن وہ میڈم نکل ہی نہیں رہی۔ یقیناً مجھے غصہ دلانے کیلیے دیر کر رہی ہو گی۔" عمیر سخت اکتائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"یار صبر کرو۔ صرف پانچ منٹ ہوئے ہیں اور تم شور ایسے مچا رہے ہو جیسے پورا گھنٹہ ہو گیا ہے تمہیں یہاں بیٹھے۔" وہاب نے ذرا ڈپٹ کر کہا۔

"اوہ تو میں اب سمجھا۔ تم حدیقہ پر غصے کیوں نہیں ہوتے۔ وہ جتنا بھی برا کرے تم نے ہمیشہ اسی کا ساتھ دیا ہے۔ لیکن تمہارا دماغ بھی جلد ٹھکانے آجائے گا جب اسے بھگتنا پڑے گا۔" وہ خفگی سے کہہ رہا تھا جبکہ وہاب سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ اسی اثناء میں اندر سے تین لڑکیاں نکلیں تھیں۔ عمیر جو پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا رنیم کو دیکھ کر اور غصے ہو گیا تھا۔ کل اس کی طبیعت اتنی خراب تھی تو کیا ضرورت ہے شاپنگ پر جانے کی۔ لیکن تمہیں کیا ہے۔ اس کی اپنی مرضی۔ دماغ نے جھنجھلا کر اسے ٹوکا تھا۔

وہ تینوں مسکرا کر باتیں کرتیں گاڑی تک آئیں تھیں اور جب گاڑی میں بیٹھیں تو حدیقہ اور رنیم کو چپ ہی لگ گئی۔ جبکہ حریم ابھی بھی لگاتار باتیں کر رہی تھی لیکن آواز اب ذرا دھیمی تھی۔ وہاب نے ایک مسکراتی نظر حدیقہ پر ڈال کر گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" وہاب نے پوچھا۔

"پہلے موبائل فونز کی کسی اچھی سی دکان پر لے کر چلیں۔ ہم تینوں کو فون خریدنے ہیں۔" حریم نے بتایا۔

"عمیر بھائی مجھے اپنی پرانی سم بھی بلاک کروانی ہے۔" حدیقہ نے جھجھکتے ہوئے کہا تھا۔

"کروادی تھی۔" وہاب نے جواب دیا تو وہ لب کو دانتوں میں دبا کر رہ گئی تھی۔ سب کے سامنے اسے براہ راست مخاطب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عمیر بھائی کیا سوچتے ہوں گے حالانکہ عمیر بھائی نے تو ایک کام کے ٹلنے پر شکر ادا کیا تھا۔

حریم نے بھی مسکراتے ہوئے اسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تھا اور شاید کچھ الٹا سیدھا بول بھی دیتی اگر رنیم کھانسنے نہ لگ جاتی۔

"کیا ہوا رنیم؟" وہ دائیں جانب بیٹھی رنیم کو دیکھ کر فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" وہ بھاری ہوتی سانس کے ساتھ بولی۔ عمیر نے بھی پریشان ہو کر اسے دیکھا تھا۔ حریم نے جلدی سے کلچ کھول کر اسے انہیلر نکال کر دیا۔ تو اس نے جلدی سے منہ میں رکھ کر انہیل کیا۔

"پرفیوم کی خوشبو کی وجہ سے سانس خراب ہو رہا ہے کیا؟" حریم نے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ عمیر کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔ ساری گاڑی میں اسی کے کپڑوں پر لگی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"کھڑکیاں کھول دو سب۔" وہاب نے اپنی طرف کی کھڑکی کھولتے ہوئے کہا تو سب نے اس کی تقلید کی۔ کچھ ہی دیر میں رنیم کی طبیعت سنبھل گئی اور عمیر نے بے ساختہ شکر کا سانس لیا تھا۔

گاڑی ایک سمارٹ فونز کی دکان کے سامنے جا رکی اور وہ سارے باہر نکل آئے۔

"ہم باہر کھڑے ہوتے ہیں۔ تم لوگ جلدی لے کر آنا۔" عمیر نے ان سے کہا۔

"ہمیں کیا پتہ کونسا فون لینا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چل کر خود لے کر دیں۔" حریم نے کہا۔ عمیر انکار کرنے ہی والا تھا کہ وہاب نے ہامی بھرلی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دکان میں کھڑے ان کو فون اور سمز لے کر دے رہے تھے۔ تینوں نے ایک جیسے ہی لیے تھے جو کافی مہنگے بھی تھے۔ اور جب وہاب تینوں کو فون آن کر کے دیے تو ان کے چہروں کی خوشی دیدنی تھی۔ رنیم کو مسکراتا دیکھ کر عمیر کو خوامخواہ ہی غصہ چڑھ رہا تھا۔ ایک موبائل ہی تو تھا اس میں اتنا خوش ہونے والی کونسی بات تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ رنیم نے زندگی میں پہلی بار موبائل لیا تھا اس لیے اس کا خوش ہونا بجا تھا۔

پھر وہ ایک شاپنگ مال میں آگئے تھے۔ عید کے قریب ہونے کی وجہ سے وہاں اتنا رش تھا کہ جیسے سارا شہر اسی مال میں امڈ آیا ہو۔ حریم کو جلد ہی ایک جگہ بوتیک نظر آگئی تھی سو وہ تینوں جلدی سے اس طرف بھاگیں تھیں۔ وہاب اور عمیر اس دکان کے باہر ہی کھڑے ہو گئے تھے۔

"ایک تو مجھے ان لڑکیوں کی سمجھ نہیں آتی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے شاپنگ کیلیے ضرور جائیں گی۔ اگر اس عید پر پرانے کپڑے پہن لیں تو شان میں کمی تو نہیں ہو جائے گی۔" عمیر کوفت زدہ لہجے میں بولا۔

"تو تمہیں کیا ٹینشن ہے؟..... کچھ زیادہ ہی غصہ نہیں آرہا تمہیں۔ بات کیا ہے آخر؟" وہاب نے مشکوک لہجے میں پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"ابھی تک میں تم سے راضی نہیں ہوا۔ جاؤ میرے لیے ایک گفٹ لے کر آؤ۔" وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔

"اوہ ہاں یاد آیا۔ اچھا تم ان کے ساتھ ہی رہنا میں ابھی آتا ہوں۔" وہاب جلدی سے بولتا ایک طرف چل پڑا تھا۔ عید پر تو حدیقہ کو بھی کوئی گفٹ دینا بنتا تھا۔ سامنے ہی ایک اور بوتیک تھی۔ اگر وہ اپنی پسند کا لباس حدیقہ کے

لیے لے اور چپکے سے اس کے کمرے میں رکھ دے تو کیا وہ اسے پہنے گی۔ وہ سوچتے ہوئے اس بوتیک میں داخل ہوا تھا اور پہلی ہی نظر ایک لباس پر پڑی تھی کہ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ سیاہ رنگ کی ریشمی فراک تھی جس کے ٹاپ پر ہیروں کی طرح کے چھوٹے چھوٹے سفید موتی ایک مخصوص ڈیزائن کے پیٹرن میں لگے ہوئے تھے۔ لمبے آستین شیفون کے بنے ہوئے تھے۔ نیچے والا گھیر الانگ میکسی سکرٹ کی طرح تھا جس کے بارڈر پر سفید نگینوں سے ہلکا سا کام کیا گیا تھا۔ ساتھ میں کالے رنگ کا ہی چوڑی دار پاجامہ اور شیفون کا دوپٹہ بھی تھا۔ اس نے سیل گرل سے اس لباس کی قیمت پوچھی تو اس نے بتایا کہ یہ تیس ہزار کا ہے۔ اس نے پیسوں کی فکر کیے بنا وہیں سے انہیں پیسے نکال دیے اور لباس خرید لیا۔ ایک دکان سے عمیر کے لیے جیکٹ بھی خرید لی۔ وہ جب واپس آیا تو حدیقہ لوگ بھی شاپنگ کر کے باہر نکل رہیں تھیں۔ اور اب ان کے ساتھ میچنگ جیولری اور جوتے لینے تھے۔ جوتے نیچے ہی ایک دکان سے مل گئے تھے لیکن جیولری شاپ اوپر تھی۔ اتنے سارے شاپنگ بیگز ہو گئے تھے۔ حریم نے اپنے اور رینم کے جلدی سے عمیر بھائی کو پکڑائے اور اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے پکڑ لیے۔ جبکہ وہاب نے حدیقہ سے کچھ کہے بنا اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لے لیے۔

"یار نیچے سے ہی جیولری لے لیتے ہیں نا۔ مجھ سے اب اوپر نہیں جایا جاتا۔" رینم نے تھکے سے لہجے میں کہا۔ کب سے چل چل کر وہ جیولری کی شاپ تلاش کر رہیں تھیں۔

"جیولری کی شاپ اوپر ہے۔" حدیقہ نے بتایا۔

"اچھا ہم دونوں جیولری لے آتے ہیں تم ایسا کرو تب تک مہندی لگوا لو۔" حریم نے ایک جگہ بیوٹی پارلر دیکھا جہاں لڑکیوں کو مہندی لگائی جا رہی تھی۔ تو رینم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ چلو کہیں بیٹھنے کی جگہ تو ملے گی۔

"وہاب بھائی رینم کو ہم یہاں بیوٹی پارلر میں مہندی لگوانے کے لیے چھوڑ جائیں۔" اس نے وہاب سے پوچھا۔

"اکیلے تو نہ چھوڑو اب۔ ایسا کرو.... عمیر تم یہیں اس کے پاس رکو میں ان کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہاب نے عمیر کو کہا تو اس کا منہ ہی بن گیا۔ وہ رنیم کے ساتھ بھلا کیوں رکے۔ وہ جتنا ہی اس سے کترانے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اس کے قریب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاب کو منع کرتا وہاب ان دونوں کو ساتھ لیے اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔

اس نے مڑ کر رنیم کی طرف غصے سے دیکھا جو گھبرا کر نظریں جھکا گئی تھی۔ لمبے سیاہ بالوں کو ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر دونوں اطراف سے ٹوسٹ کرتے ہوئے پیچھے کیچر سے باندھا ہوا تھا۔ باقی کھلے بال اس کی کمر پر پڑتے گھٹنوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ سفید شیفون کا دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے، کلچ کی لمبی ڈوری ایک کندھے پر ڈالے، موبائل فون ہاتھ میں پکڑے اور زرد رنگ کی ریشمی فراک پہنے وہ سورج مکھی کا پھول لگ رہی تھی۔ عمیر کچھ پل کے لیے مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ سارا غصہ ختم ہو گیا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ رنیم کے علاوہ اور کوئی بھی یہاں موجود نہیں۔ رنیم کے دوبارہ دیکھنے پر وہ ہوش میں آیا تھا اور سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ خود پر سخت غصہ آیا جو اس نے رنیم پر ہی نکالا۔

"کہاں جانا ہے؟" اتنے سخت لہجے میں پوچھا کہ رنیم بیچاری سہم گئی۔ ڈرتے ہوئے سامنے والے بیوٹی پارلر کی طرف اشارہ کیا۔

"تو جاؤ" ڈپٹ کر کہا تو وہ اپنے آنسو اندر اتارتی تیزی سے اس طرف چلی گئی۔ اب اسے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ اندر جا کر بات کیا کرنی ہے۔ بہت برا پھنسایا تھا حریم نے اسے۔ وہ حریم کو کوستی اندر داخل ہوئی اور کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی نے اسے دیکھ کر سوالیہ ابرو اچکائی۔

"وہ.... مجھے مہندی لگوانی ہے۔" وہ نروس سے لہجے میں بولی۔

"سوری مس۔ابھی دس کسٹمرز پہلے سے انتظار میں بیٹھیں ہیں۔آپ بعد میں آجائیے گا۔"اس لڑکی نے معذرت کرتے ہوئے کہا تو وہ مایوس ہو کر باہر آگئی۔

"واپس کیوں آگئیں آپ؟"عمیر نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ....دس لڑکیوں کو مہندی ابھی لگنی ہے۔"اس نے ڈرتے ہوئے بتایا تو عمیر کا دماغ ہی گھوم گیا۔ابھی دس لڑکیاں ہیں اور جب تک اسے مہندی نہ لگی یہ گھر واپس بھی نہیں جائے گی۔اس نے غصے سے آگے بڑھ کر ریم کا ہاتھ پکڑا اور دروازہ کھول کر اندر لے گیا۔ریم تو حیرت اور خوف کے مارے بے ہوش ہی ہونے والی ہو گئی تھی۔لڑکھڑاتی اس کے پیچھے کھنچتی چلی گئی تھی۔عمیر نے ریسیپشن پر کھڑی لڑکی کو کہا کہ اسے جلد از جلد مہندی لگا کر فارغ کریں اور پیسے چاہے جتنے لے لیں۔ان کو اور کیا چاہیے تھا سو ایک نرم مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ایک اور لڑکی وہاں آکر کھڑی ہو چکی تھی اور بڑے رشک سے ریم اور عمیر کو دیکھنے لگی تھی۔ان دونوں کی جوڑی بلا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔اس لڑکی نے کچھ سوچ کر شرارت سے نچلا ہونٹ دبایا۔ریسیپشن والی لڑکی ریم کا نام پوچھ چکی تھی تو اس نے جلدی سے عمیر کا نام بھی پوچھ لیا۔

"سر آپ کا نام کیا ہے؟"بڑے پروفیشنل انداز میں پوچھا تھا اور عمیر نے تذبذب سے اسے اپنا نام بتا دیا۔ریسیپشن والی لڑکی بھی سمجھ چکی تھی اور مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔

"نوشی اس کو اندر انیلا کے پاس لے جاؤ۔"

نوشی نے مسکرا کر سر ہلایا اور ریم کو پچھلی جانب ایک کمرے میں لے گئی۔جہاں کوئی بڑی بیوٹیشن بیٹھی ہوئی تھی اور اتنے کم پیسوں کیلیے لڑکیوں کو مہندی لگانا اس کی شان کے خلاف تھا۔البتہ اگر زیادہ پیسے مل رہے ہوں تو مہندی لگانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا۔

"انیلا یہ سپیشل کسٹمر ہے۔ ان کے ہاتھوں پر پیاری سی مہندی لگا دو۔" نوشی نے انیلا سے کہا تو اس نے ایک نظر ریتم کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوتے ہوئے مسکرا دی۔ ریتم نروس سی لب کاٹ رہی تھی اور بار بار اسے وہ لمحہ یاد آرہا تھا جب عمیر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اندر لے کر آیا تھا۔ دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

"آپ وہاں بیٹھیں۔" انیلا نے اسے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ مڑ کر وہاں چلی گئی۔ نوشی نے انیلا کے کان میں کوئی سرگوشی کی تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اگر وہ برا منا گئی تو کہیں مجھ سے لڑنے ہی نہ لگ جائے۔" انیلا نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ارے نہیں لڑتی۔ شکل سے ہی کتنی معصوم لگ رہی ہے۔" نوشی نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اور اگر وہ لڑکا اس کا بھائی ہوا تو؟"

"مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ اس کا بھائی ہے لیکن پوچھ لیتے ہیں۔" نوشی نے کہا اور ریتم کی جانب بڑھ گئی۔ انیلا بھی دو مہندی کی کونیں اٹھا کر اس کی طرف آگئی اور اب دونوں اس کے سامنے بیٹھ کر اس کا ایک ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے چکیں تھیں۔

"ویسے تم ہو بہت خوبصورت۔" نوشی نے اس کی آستین کہنی تک اوپر چڑھاتے ہوئے بات شروع کی۔ ریتم اس غیر متوقع تعریف پر جھینپ گئی اور سر جھکا گئی۔

"اکیلی آئی ہو؟" انیلا نے پوچھا۔ وہ بھی اس کے دوسرے بازو کی آستین اوپر چڑھا چکی تھی اور کہنی کے قریب سے بازو کی اوپری حصے پر پہلا پھول بنانے شروع ہو چکی تھی۔

"نہیں کزنز کے ساتھ۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔ نوشی اسے ساتھ عمیر کو دیکھ چکی تھی اور اگر وہ کہتی کہ فرینڈز کے ساتھ آئی ہے تو وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا بھی سوچ سکتی تھیں اور وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اب بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہیں۔

"وہ جو ہینڈسم سالڑکا تمہارے ساتھ تھا وہ تمہارا کزن تھا۔" نوشی نے چہک کر پوچھا تو وہ کچھ دیر کیلیے چپ سی رہ گئی اور پھر سر آہستہ اثبات میں ہلا دیا تو نوشی نے جتاتی نظروں سے انیلا کو دیکھا۔ پھر دونوں سر جھکا کر اسے مہندی لگانے لگیں اور وقفے وقفے سے کوئی بات کر لیتیں۔

وہ زندگی میں پہلی بار مہندی لگوا رہی تھی اس لیے کافی پرجوش اور خوش تھی۔ مہندی کے خوبصورت نقش و نگار کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی لیکن وہ یہ نہیں جان سکی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھوں کے اندر والے حصے پر بالکل درمیان میں عمیر کا نام لکھا جا چکا ہے۔ دونوں ہاتھوں پر ایک ہی ڈیزائن بن رہا تھا اور درمیان میں عمیر کا نام انگلش میں اس طرح لکھا تھا کہ دور سے وہ مہندی کی ڈیزائن ہی لگتا تھا البتہ اگر غور سے دیکھو تو صاف سمجھ آتی تھی کہ عمیر لکھا ہوا ہے۔ لیکن وہ بیچاری تو پرائمری تک پڑی ہوئی تھی اس لیے مشکل ہی تھا کہ اسے پتہ چل جاتا۔

---

وہ دونوں وہاب کے ساتھ اوپر آئیں تھیں اور کافی دیر دھکے کھانے کے بعد انہیں جیولری شاپ نظر آگئی تھی۔ وہ دونوں بھاگتیں اندر گئیں تھیں جبکہ وہاب نے باہر ہی کھڑا ہونا مناسب سمجھا تھا۔ انہوں نے ہلکی اور نازک سی جیولری پسند کی اور جلد ہی باہر آگئی تھیں۔

"مجھے پرفیوم بھی لینی ہے۔" حریم نے کہا تو حدیقہ نے اسے اکتا کر دیکھا۔

"چلو ڈھونڈ لیتے ہیں پھر۔" وہاب نے کہا اور ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اتنے رش میں ایک تو چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا اور مطلوبہ دکان ڈھونڈنا بھی مصیبت ہی تھا۔ وہاب نے محسوس کر لیا تھا کہ حدیقہ بہت تھک چکی ہے

حالانکہ جیولری ساری تو حریم نے پکڑ رکھی تھی لیکن پھر بھی اس نازک شہزادی کو اس رش میں چلنا مشکل ہو رہا تھا۔وہ اس کے پیچھے تھا اس لیے ایک قدم تیزی سے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔حدیقہ نے چونک کر اس دیکھا جو اس کے آگے ہو کر چلنے لگا تھا تا کہ اس کے لیے راستہ بن سکے۔حدیقہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی اور اس نے ڈرتے ہوئے حریم کی طرف دیکھا جو ارد گرد دیکھتی پرفیوم کی شاپ ڈھونڈ رہی تھی۔ایک طرف انہیں ایک کیفے شاپ نظر آ گئی تھی۔

"کچھ دیر کیلیے یہاں چلتے ہیں۔" وہاب نے اس طرف اشارہ کیا تو حریم نے منہ بنایا۔کیفے میں داخل ہو کر وہ دونوں دروازے کے پاس ایک میز کی طرف بڑھ گئیں اور وہاب ان کے لیے جوس لینے چلا گیا۔ابھی حریم بیٹھ ہی رہی تھی کہ اس کی نظر شیشے کے پار ایک بڑے سے بھالو پر پڑی تھی جو بچوں کے ساتھ چلتا ہوا جا رہا تھا۔وہ ایک کارٹون کریکٹر تھا جس کے ساتھ بچے سیلفیز کھنچوا رہے تھے۔اس کے دل میں خواہش ابھری تھی کہ وہ بھی کارٹون کے ساتھ سلفی کھنچوائے۔سو کچھ سوچے سمجھے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" حدیقہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یار میں نے بھالو کے ساتھ سیلفی لینی ہے۔ایک منٹ میں آ رہی ہوں۔" وہ بولتی باہر کی طرف بھاگ گئی اور پیچھے سے وہاب دو گلاس جوس کے ہاتھ میں پکڑے وہاں آیا تو حریم کو باہر جاتے دیکھ کر حیران ہوا۔

"حریم کہاں گئی ہے؟" اس نے حدیقہ سے پوچھا۔

"کارٹون کریکٹر کے ساتھ سیلفی لینے گئی ہے۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"اچھا فکر مت کرو۔آ جائے گی۔" وہاب نے اس پریشان دیکھ کر تسلی دی اور مسکرا کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔حدیقہ نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ سر جھکا لیا اور انگلیاں چٹخانے لگی۔

(اگر اس بیچاری کو پتہ چل جائے کہ یہ میری بیوی ہے تو ڈر کے مارے بے ہوش ہی ہو جائے گی۔ وہ چھوڑو اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ اس کا اعتراف محبت میں سن چکا ہوں تو کیا بنے گا اس کا۔) وہ اس کی طرف دیکھتا سوچ رہا تھا۔

"جوس پیو۔" وہاب نے جوس اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو اس نے جلدی سے پکڑ کر لبوں سے لگا لیا۔

"شاپنگ ہو گئی تمہاری؟" جب حدیقہ نے سانس لینے کے لیے گلاس پیچھے ہٹایا تو اس نے پوچھا۔ حدیقہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اپنا فون دو" وہاب نے اس کے ہاتھ میں پکڑے نئے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا تو اس نے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہاب نے اس کا نٹیکٹ لسٹ میں اپنا نمبر سیو کر دیا۔

"میں نے اپنا نمبر تمہارے فون میں سیو کر دیا ہے۔ اگر تمہیں ضرورت پڑے تو مجھے کال کر سکتی ہو۔" وہ اسے فون واپس کرتے ہوئے بولا تھا۔

"اور آئندہ میرے بغیر تم کہیں باہر نہیں جاؤ گی۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولا تو حدیقہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔ وہ پھر سے وہی پرانی حدیقہ بن گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ کیوں جاؤں گی؟" شانے اچکا کر تعجب سے ناک چڑھائی تو وہاب کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر سر جھٹک گیا۔

"مطلب اکیلے باہر نہیں جانا۔"

"ہاں تو میں کونسا اکیلے جا رہی ہوں۔ عمیر بھائی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے جتایا کہ اس کا ایک عدد بھائی بھی ہے۔ وہاب نے چہرہ جھکا کر مسکراہٹ چھپائی۔

"اگر وہ نہ مانے تو مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ یہ غلام چوبیس گھنٹے آپ کے حکم کا منتظر رہے گا۔" اس نے بڑی عاجزی سے کہا تھا۔ حدیقہ نے نظریں چراتے ہوئے جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔ اسے اس پل وہ بہت اچھا لگا تھا۔ اپنا سا

لگا تھا جو اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ یہ احساس ہی اس کے دل کے موسم کو سہانا سا بنا گیا تھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس نے تو ابھی تک وہاب کا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ وہاب نے اپنی جان پر کھیل کر اسے بچایا تھا اور پتہ نہیں اس نے چھت سے کیسے چھلانگ لگائی تھی۔ پتہ نہیں اسے کتنی چوٹیں آئیں ہوں۔ ایک دفعہ بھی اس کا حال نہیں پوچھا تھا اس نے۔

"وہ.....مجھے کچھ کہنا تھا۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو۔" وہاب کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"شکریہ۔" بالآخر ہمت کرتے ہوئے اس نے کہہ ڈالا تھا۔ وہاب جان گیا تھا کہ وہ کس لیے اس کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ لیکن اسے شکریہ کے علاوہ بھی کچھ چاہیے تھا۔ عموماً ہر لو سٹوری میں تو یہی ہوتا ہے نا کہ ہیرو ہیروئن کی جان بچاتا ہے اور وہ شکریے کے طور پر اس سے شادی کر لیتی ہے۔ اور حدیقہ اسے خالی شکریہ پر ہی ٹرخا رہی تھی۔ یہ تو زیادتی تھی بھئی۔

"صرف شکریہ۔" وہاب نے مایوس لہجے میں پوچھا تو اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ وہاب کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی اور پلکوں کی باڑ گرا گئی۔ وہاب اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر محظوظ سا مسکرایا تھا اور نگاہیں پھیر گیا تھا۔

-------------------

اس کارٹون کریکٹر کا پیچھا کرتے ہوئے وہ بہت آگے تک آ چکی تھی۔ آخر کار وہ ایک جگہ رک گیا تھا اور سب اس کے ساتھ تصویریں کھینچنے لگے تھے۔ وہ بھی اس کے سامنے دائیں جانب کھڑی ہو گئی اور ایک ساتھ دو تین سیلفیز لے ڈالیں۔ پھر کارٹون کو مسکرا کر بائے بائے کیا اور وہاں سے جانے لگی تو اس نظر پرفیومز کی دکان پر پڑی تھی۔ اس نے سوچا کہ ابھی ہی پرفیوم خرید لے اور حدیقہ کو چکر نہ لگانا پڑے۔ صرف اسے ہی نئی پرفیوم چاہیے تھی

اس لیے جلدی سے پرفیومز کی دکان میں داخل ہو گئی۔ وہاں موجود سیل گرل کو دو تین پرفیومز دکھانے کو کہا تو اس نے جلدی سے وہ پرفیومز اس کے سامنے رکھ دیں۔ حریم نے ایک کو اٹھا کر کھولا اور ہاتھ کی پشت پر اسپرے کر کے سونگھا تو اس کی مہک اس کے دل و دماغ کو تر و تازہ کر گئی۔

"ہائے بلی۔" پیچھے سے ایک مانوس سی آواز آئی تو وہ چونک کر پلٹی اور سمیع کو وہاں کھڑے دیکھ کر حیران ہوئی۔ سمیع کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اب یہ مت کہنا۔ واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔ میں جانتی ہوں تم میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہو۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں جیسے مجھے تمہارا پیچھا کرنے کے علاوہ تو اور کوئی کام ہی نہیں نا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ اس نے حریم کو کارٹون کے ساتھ سیلفی لیتے ہوئے دیکھا تھا تو اس سے ملنے آ گیا تھا۔

"لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔" وہ ہلکی آواز میں بڑبڑاتی ہوئی دوسری پرفیوم اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

"کیا تم میرے ساتھ ایک کپ کافی پینے چلو گی۔" کیا اعتماد تھا اس کا۔ حریم تو عش عش کر اٹھی تھی۔

"نہیں۔ میں دوستوں کے ساتھ آئی ہوں۔" رکھائی سے جواب دیا اور سیل گرل کو ایک پرفیوم پیک کرنے کا کہا۔

"اچھا اپنا نمبر تو دے دو۔" وہ اس کے ہاتھ میں فون دیکھ کر بے تکلفی سے بولا تھا۔ حریم نے اسے غصے سے گھورا۔

"نہیں۔ تم جاؤ یہاں سے۔" سیل گرل نے اسے پرفیوم پکڑائی اور اس نے کلچ سے پیسے نکال کر اسے دیے تھے۔ اسی دوران سمیع نے اس کے ہاتھ سے موبائل کھینچ لیا۔

"آں.... میرا فون۔ دو ادھر۔" وہ رونی شکل بناتے ہوئے چلائی تھی۔

"مس آپ پلیز یہاں شور مت کریں۔" سیل گرل نے نرم لہجے میں سمجھایا تو حریم شرمندہ ہوئی اور سمیع کو دیکھا جو اس کا فون چیک کر رہا تھا۔ ابھی فون نیا تھا اس لیے پاسورڈ نہیں لگایا تھا سو سمیع نے باآسانی کھول کر وہاں سے اپنے موبائل نمبر پر کال کر دی۔

"بدتمیز۔ دیکھنا میں یہ نمبر ہی بدل لوں گی۔" اس نے غصے سے کہتے ہوئے فون اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور پرفیوم اٹھا کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔

"اچھا سنو تو۔" وہ اس کے پیچھے آیا۔ لیکن وہ رکی نہیں تھی۔ وہ بہت گھبرا گئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سمیع کا ساتھ اس کی ایک حسرت ہی رہے گا۔ وہ چاہ کر بھی کبھی اس کو نہیں پا سکے گی۔ پچھلی ملاقات کے بعد اس نے سوچا تھا کہ اب وہ کبھی سمیع کے سامنے نہیں جائے گی اور نہ اس سے رابطہ رکھے گی۔ لیکن وہ آج پھر اس کے سامنے تھا۔ اور اس کا فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ وہ تو بمشکل اپنے دل کو روک رہی تھی اور اب سمیع کو روکنا کتنا مشکل ہو گا۔

سمیع نے اسے دو تین دفعہ پکارا لیکن وہ سنے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی تو سمیع کو بھی غصہ لگ گیا۔ وہ کیفے ٹیریا میں داخل ہوئی تو سمیع بھی اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔ وہاب اس وقت کاؤنٹر تک گیا تھا۔ جب وہ حدیقہ کے پاس پہنچی تھی۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی حریم۔" حدیقہ اس کو دیکھ کر فکرمندی سے بولی تھی۔

"حریم۔ میری بات سنو۔" سمیع بھی اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ حریم نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر حدیقہ کو دیکھا جو مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی وہاب وہاں پہنچ چکا تھا اور حریم نے شکر کا سانس لیا تھا۔

"سمیع.... تم یہاں؟" وہاب خوشگوار حیرت کے ساتھ بولتا اس کی طرف بڑھا تھا اس کے گلے لگا۔

"ہاں بس عید کی کچھ شاپنگ کرنی تھی۔ تم سناؤ۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"میں بھی انہیں شاپنگ کروانے لے کر آیا تھا۔ تم بیٹھونا کچھ دیر۔"

"نہیں آپ لوگ انجوائے کریں۔ میں چلتا ہوں۔ عانیہ کی عیادت کرنے آؤں گا تو پھر ملاقات ہو گی۔" وہ اس سے مصافحہ کرتے ہوئے خوش اسلوبی سے بولا اور ایک نظر حریم پر ڈال کر واپس چلا گیا۔

"وہاب بھائی میں نے پرفیوم لے لیا ہے۔" حریم نے بتایا۔

"اچھا چلو پھر۔ وہ دونوں انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہاب نے ٹیبل سے شاپنگ بیگ اٹھاتے ہوئے کہا اور وہ تینوں کیفے ٹیریا سے باہر نکل کر نیچے کی جانب بڑھ گئے۔

-------------------------------

دونوں بازوؤں پر لگی مہندی جو ہاتھ کی پشت سے گزر کر اس کی انگلیوں کے آخر تک جا ختم ہوتی تھی خشک ہو چکی تھی البتہ ہاتھوں کے اندر کی طرف لگی مہندی ابھی تھوڑی گیلی تھی اس لیے کندھے سے لٹکتے دوپٹے کو ٹھیک کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ نوشی نے اس کا دوپٹہ بھی ٹھیک کر دیا اور اس کا فون اس کے کلچ میں ڈال دیا۔ اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور پیمنٹ کے بارے میں پوچھا تو نوشی نے بتایا کہ اس کے کزن نے پیمنٹ کروادی ہے۔ اس کا دل عجیب سی خوشی میں گھر گیا وہ مسکراہٹ روکنے کیلیے نچلا لب دانتوں میں دبائے باہر آگئی تھی۔ لیکن باہر کہیں عمیر نظر نہیں آیا تو اسے یکدم ہی خوف نے گھیر لیا۔ آگے پیچھے دیکھا اور پھر ایک طرف تھوڑا آگے ہو کر دیکھنا چاہا۔ لیکن ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس کے بالوں میں جہاں کیچر لگا تھا وہاں کوئی چیز اٹک گئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھنا چاہا تو دائیں طرف ایک گلدان رکھا تھا جس میں کوئی بڑا سا پودا لگا ہوا تھا اور اس کی ٹہنی اس کے بالوں میں پھنس گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ آئی تو ذرا سا پیچھے ہٹی اور ہاتھ بڑھا کر اس ٹہنی کو پکڑنا چاہا لیکن یاد آیا ہاتھ پر تو مہندی لگی ہے۔ لیکن اب یہیں اٹک کر تو کھڑی نہیں رہ سکتی تھی نا۔ یہی سوچ کر اس نے ٹہنی کو پکڑنے کیلیے ہاتھ بڑھایا۔

"رکیں۔" پیچھے سے عمیر کی آواز پر وہ چونکی اور اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ وہ اس کے پیچھے تھا اس لیے اس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکی لیکن جان چکی تھی کہ وہ بہت غصے میں ہو گا۔ دل میں خوف آیا کہ کہیں وہ اسے ڈانٹ نہ دے لیکن وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ ایک ہاتھ سے ٹہنی کو پکڑ کر پیچھے کرنے لگا لیکن اس ٹہنی کا ایک کانٹا کیچر میں پھنسا ہوا تھا۔ سو اس نے کیچر کو پکڑ کر کھول دیا اور ٹہنی کے ساتھ رینم کے بال بھی آزاد ہوتے کسی آبشار کی طرح اطراف پر بکھر گئے تھے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ یکدم مڑی اور اس کے ہاتھ میں پکڑے کیچر کو دیکھ کر شرمندہ لہجے میں لب کاٹے۔ عمیر نے ایک بے نیاز سی نظر اس پر ڈالی اور کیچر اس کی طرف بڑھا دیا۔ جب اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس کے ہاتھ پر مہندی لگی دیکھ کر وہ پھر سے جھنجھلایا تھا۔ اس مغرور شہزادے کو غصہ آ گیا اور اس نے وہ کیچر زور سے زمین پر دے مارا جو چھناکے کی آواز سے ٹوٹ کر راستے میں ادھر ادھر بکھر گیا۔ رینم کے دل میں بھی کچھ چھن کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ وہ دم سادھے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے کیچر کے ٹوٹے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جب حیرت سے عمیر کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی تھی جسے دیکھ کر عمیر کچھ پل کیلیے شرمندہ تو ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل غصے سے نظریں پھیر گیا تھا۔ رینم نے بمشکل اپنے آنسو اندر اتارے اور گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ جانتی تھی اب بہت دیر تک وہ عمیر کا غصہ بھول نہیں سکے گی۔ اب تو اس کے ساتھ کھڑے ہونا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی لیکن بار بار آنکھیں بھیگ رہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہاب، حدیقہ اور حریم بھی اس کے پاس پہنچ گئے۔

"یار جلدی گھر چلو۔ مجھ سے اب یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکنے ہوتا۔" عمیر نے دہائی دی۔

"لیکن مجھے مہندی بھی لگوانی ہے۔" حدیقہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ میں جا رہا ہوں۔ خود ہی آ جانا ٹیکسی پر۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔

"اچھا ٹھیک ہے ہم بھی چلتے ہیں۔ حدیقہ مہندی کل لگوا لیں گے۔ ابھی عانی آپی کے گھر سے سامان لینے بھی جانا ہے۔ اگر مہندی لگی ہوئی تو پیکنگ کیسے کریں گے۔" حریم نے کہا تو عمیر جو اس کی پہلی بات پر خوش ہوا تھا آخری بات پر پھر اکتا گیا۔ ابھی ایک اور کام ہے۔ چلو وہ تو گھر کا ہی کام ہے۔ آرام کرنے کیلیے صوفہ تو ملے گا اور اے سی بھی۔ یہاں تو گرمی نے اس کو اور چڑچڑا بنا دیا تھا۔ سو احسان کرتے ہوئے مان گیا اور اب وہ چاروں عانیہ کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

--------------------------------

"میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم مجھ سے ملنے آؤنا۔" عانیہ نے سالار سے کہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ویڈیو کال پر بات کر رہے تھے۔ سالار نے کال آن ہوتے ہی پہلی بات یہی کہی تھی کہ وہ اس عید پر اس سے ملنے آئے۔

"کیا ہوا آپ کو؟" سالار نے معصومیت بھری فکر مندی سے پوچھا۔

"بس تھوڑا سا بخار ہے۔" اس نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔ البتہ اسی پل کندھے میں شدید درد اٹھا تھا۔ اور وہ ضبط کر کے رہ گئی تھی۔

"وہ جیسا پہلے ہوا تھا آپ کو جب آپ مجھے بارش میں جھولے دے رہی تھیں اور بے ہوش ہو گئی تھیں۔" سالار نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں ویسا ہی۔" وہ اداسی سے بولی۔

"پھر آپ یہاں نہیں آ سکیں گیں۔ لیکن مجھے آپ سے ملنا ہے۔" وہ مایوسی سے ضد کرنے لگا

"میں ریان سے کہوں گی کہ وہ تمہیں میرے پاس لے آئے۔" عانیہ نے اسے کہا۔

"گریٹ آئیڈیا۔ پھر تو ماما بابا بھی منع نہیں کر سکیں گیں۔" سالار خوشی سے مسکرایا۔ اسے پتہ تھا کے اس کے بابا ریان انکل کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔

"لیکن عید پر تو تم لوگوں نے مری نہیں جانا۔" عانیہ نے اس سے پوچھا۔ان کا سارا خاندان مری میں تھا سو عید پر تو وہ لوگ جاتے ہی ہوں گے۔

"ہاں لیکن ہم عید کے دوسرے دن جاتے ہیں۔" سالار نے بتایا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے۔ تم آنے کی تیاری کرو میں تمہارے لیے ایک زبردست سا گفٹ تیار کرتی ہوں۔" عانیہ نے کہا تو ننھا سالار اور بھی خوش ہو گیا۔

وہ ابھی اس سے بات کر ہی رہی تھی کہ عمرینہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اس نے جلدی سے سالار کو بائے کہا اور فون بند کر دیا۔

"کیا کر رہی تھی؟" عمرینہ نے بشاشت سے پوچھا۔

"ایک لٹل فرینڈ ہے۔سالار۔جب اسلام آباد ریان کے گھر گئی تھی تو وہاں اس سے دوستی ہوئی تھی۔بہت ہی کیوٹ بچہ ہے۔ابھی کہہ رہا تھا کہ اس عید پر مجھ سے ملنے آؤ تو میں نے بتایا کہ میری طبیعت خراب ہے۔" وہ تفصیل بتانے لگی۔

"تو اس کو یہاں انوائیٹ کر لو۔" عمرینہ نے اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ریان سے کہوں گی کہ اس کو ایک دن کیلیے لے آئے۔" اس نے بتایا تو عمرینہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔پھر بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ درد میں کوئی فرق پڑا ہے یا ابھی بھی اتنا ہے۔"

"نہیں اب بہت کم ہے۔"

"چلو شکر ہے۔شام کو ڈاکٹر چیک کرنے آئے گا تو پھر ہی زخم کی صورتحال کا اندازہ لگایا جا سکے گا۔تم جلدی جلدی ٹھیک ہو جاؤ لڑکی۔تمہارے لیے ایک کام پڑا ہے۔"

"کیسا کام؟" وہ حیران ہوئی۔

"اسے چھوڑو پہلے ایک بات بتاؤ مجھے۔ اور سچ سچ بتانا۔" عمرینہ نے دوستانہ رویہ اپناتے ہوئے کہا تو عانیہ نے انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم نے ریان کی زندگی بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی؟" عمرینہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تو وہ کچھ دیر کیلیے چپ سی رہ گئی۔ اس غیر متوقع سوال کا جواب اسے فوری طور پر نہیں آیا تھا۔ اور عمرینہ آنٹی اس سے یہ بات کیوں پوچھ رہی ہیں۔ یہ بات وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ کیا انہیں سب پتہ چل گیا تھا کہ وہ ریان کو چاہتی ہے۔ لیکن ابھی بھی ایک بہانہ تھا جو وہ بنا سکتی تھی کہ وہ اپنے سامنے کسی انسان کو مرتے نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے یہ بولنے کیلیے لب کھولے ہی تھے کہ عمرینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"سچ بتاؤ۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" وہ جیسے پہلے ہی بھانپ گئی تھی اور عانیہ کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آرہا تھا۔

"کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟" عمرینہ نے دوسرے ہی لمحے بڑے نارمل انداز میں پوچھا تو وہ حیران رہ گئی۔ جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ اب تو کوئی بہانہ بھی نہیں بچا تھا بنانے کو۔ وہ لب کاٹتے ہوئے نگاہیں چرا گئی۔

"پتہ تو مجھے چل ہی گیا ہے لیکن اگر تم اپنے منہ سے ایک دفعہ کہہ دو تو تمہارا رشتہ کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔"

"کیا....؟" وہ ٹھٹک کر بولی تھی۔

"تمہارے انکل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری اور ریان کی شادی کر دیں۔ وہ تو راضی ہے اب تم بھی بتا دو۔"

"پلیز آنٹی ابھی نہیں۔....." وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ہکلائی کر بولی تھی۔

"فکر مت کرو۔ ابھی صرف منگنی کرنا چاہتے ہیں۔ شادی تین سال بعد ہو گی۔ جب تم فائٹر پائلٹ بن چکی ہو گی۔" عمرینہ نے اسے تسلی دی تو اس نے شکر کیا۔ لیکن دل ابھی بھی عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اب تو یقیناً ریان سے سامنا بھی نہیں کرنے ہو گا۔ وہ جانتی تھی۔

"اگر تمہیں کوئی اعتراض ہو تو بتا دو۔" وہ پیار سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے بولی تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"تم مجھے میری بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ میں تمہارے دل کا حال جانتی ہوں۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں ریان کیلیے محبت دیکھی ہے۔ اس لیے یہ بالکل درست فیصلہ ہے۔ اگر تمہارے ماں باپ زندہ ہوتے تو وہ بھی تمہاری خوشی کو ہی ترجیح دیتے۔ تم ریان کے ساتھ شادی کر کے خوش رہو گی تو ان کی روح بھی خوش رہے گی۔" وہ اس کے بال پیشانی سے پیچھے کرتے ہوئے نرم لہجے میں بول رہی تھی۔ عانیہ نے سر کو ہلکا سا اثبات میں ہلا دیا تو عمرینہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

"چلو شکر۔ یہ محاز تو سر ہوا۔ اب اگلے کی تیاری کرو۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی

"اگلا کونسا؟" عانیہ حیرت سے بولی۔

"حدیقہ کو بھی تو منانا ہے شادی کیلیے۔"

"کیا واقعی...؟ حدیقہ کی شادی وہاب بھائی سے ہو گی نا۔" وہ مسکراتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولی۔

"ہو گی نہیں بلکہ ہو چکی ہے۔ وہاب اور اس کا نکاح بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ تمہارے پیرنٹس بھی یہ بات جانتے تھے۔" عمرینہ نے کہا تو وہ ہکا بکا سی منہ کھولے ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگی۔ مطلب حدیقہ وہاب کی بیوی تھی۔ اگر اس کو یہ بات پتہ چلتی تو اس کیا حشر ہونا تھا۔

"واقعی یہ تو بہت بڑا محاذ ہے۔" وہ عمرینہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اسے منانے کے لیے۔"

"یہ تو بہت مشکل کام ہے آنٹی۔ حدیقہ جیسی شرمیلی لڑکی کے سامنے اس کی شادی کی بات کرنا سمجھو اپنا سر ہی پھڑوانا ہے۔ اور یہاں تو اسے شادی کیلیے راضی نہیں کرنا بلکہ یہ بتانا ہے کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ وہ تو مجھے کچا چبا جائے گی۔" وہ ڈرتے ہوئے بولی تو عمرینہ ہنس دی۔

"اسی لیے کہا ہے کہ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ یہ مشکل کام تمہیں ہی کرنا ہے۔ آخر تم اس کی بیسٹ فرینڈ ہو۔ تمہارے انکل چاہتے ہیں کہ تمہاری منگنی پر ہی ان دونوں کی رخصتی کا فنکشن کر دیں۔"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں۔ میں جانتی ہوں وہ بہت مشکل سے مانے گی لیکن یہی اس کے لیے ضروری ہے۔ اس کے اغوا والے واقعے سے میں بہت ڈر چکی ہوں۔ وہاب اگر اس کے ساتھ ہو گا تو وہ محفوظ رہے گی۔" عمرینہ نے دل گرفتگی سے کہا تو عانیہ کو سخت شرمندگی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے ہی تو حدیقہ اغوا ہوئی تھی۔

"آنٹی اس دن عنیقہ کی شادی تھی نا۔ اور اس دن تو بہت سے مہمان آپ کے گھر آئے ہوں گے۔ کہیں ان کو حدیقہ کے اغوا کے بارے میں پتہ تو نہیں چل گیا۔" وہ خدشہ ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں بچت ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں نا جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے" عمرینہ مسکرائی تو عانیہ نے اسے اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔ پھر عمرینہ نے اسے ساری بات بتا دی کہ حماد کے آدمیوں نے عنیقہ سے رابطہ کیا تھا اور اس نے اپنے مقصد کے لیے حدیقہ کو اغوا کروا دیا۔ وہ تو شکر ہے وہاب نے دیکھ لیا تھا اور بچ بچا ہو گئی۔ عنیقہ جب اکیلے گھر آئی تھی تو سارے خاندان کے سامنے کہا کہ حدیقہ کسی لڑکے کے ساتھ چلی گئی ہے اور ارم نے بھی حدیقہ کو سب کے سامنے زلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی کہ وہ وہاب کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ اسی لیے انہیں وہاب اور حدیقہ کے نکاح کے بارے میں سب کو بتانا پڑا تھا۔ البتہ اس سے حدیقہ کے اغوا والی بات دب گئی تھی۔ اور اب حدیقہ اور وہاب کی جلد از جلد شادی کر کے ہی لوگوں کا منہ بند رکھا جا سکتا تھا۔

عانیہ دم سادھے ششدر سی سب کچھ سن رہی تھی۔ عنیقہ پر اتنا سخت غصہ آیا کہ وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ ایک دفعہ وہ صحیح ہو جائے پھر پوچھے گی اس عنیقہ سے جو خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتی تھی۔

"بیٹا تم یہ بات حدیقہ کو مت بتانا۔وہ ہرٹ ہو گی۔اب تو وہاب اس کی حفاظت کے لیے اس کے ساتھ ہو گا تو اسے خوامخواہ پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" آخر میں عمرینہ نے اس سے کہا تھا۔

"جی آنٹی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔آپ فکر مت کریں اسے میں منالوں گی۔"

"اوہ تھینکس عانی۔" عمرینہ احسانمندی سے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

-----------------------------

"ذرا یہاں آؤ میرے سامنے۔" حدیقہ نے حریم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔وہ تینوں اس وقت عانیہ کے کمرے میں پہنچ چکیں تھیں۔رینم بیڈ پر بیٹھ گئی اور وہ دونوں اس کے سامنے ہی کھڑی تھیں۔

"وہ لڑکا سمیع....وہ تمہارے پیچھے کیوں آ رہا تھا؟" حدیقہ نے دونوں بازو سینے پر باندھتی ہوئے رعب سے پوچھا۔رینم نے حیرت سے حریم کو دیکھا۔

"کون سمیع؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولی۔

"وہ جو تمہارا نام بھی پکار رہا تھا۔"

"اچھا وہ؟....مجھے کیا پتہ۔" پہلے ایسے بولی جیسے بتانے لگی ہو لیکن پھر مجھے نہیں پتہ بولی تو حدیقہ بدمزہ ہوئی۔

"ارے کون سمیع؟.....کیا بات کر رہی ہو؟ مجھے بھی تو کچھ پتہ چلے۔" رینم نے کھڑے ہوتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"رینم اس سے بولو کہ مجھے سچ سچ بتائے۔پتہ ہے کل اس نے میرے ساتھ کتنی بکواس کی تھی اور اب دیکھو خود کتنی گھنی میسنی بنی ہوئی ہے۔" حدیقہ رینم سے بولی تو اس نے حریم کی طرف دیکھا جو مسکین سی شکل بنا کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"مجھے تو پتہ بھی نہیں اس لڑکے کا نام سمیع ہے۔" اسے اپنی صفائی میں کہنے کیلیے صرف یہی ملا تھا۔

"اور اب تم یہ بھی کہو گی کہ تم اس سے پہلی دفعہ ملی ہو۔"

"نہیں.... پہلی دفعہ تو نہیں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"اچھا پھر پہلی دفعہ کہاں ملی تھی؟"

"جب وہ اپنی بہن عریج کو لینے آیا تھا ہیں نا۔" ریئم نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو۔اسی وقت سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے بدتمیز۔لیکن یقین جانو میں نے تو اس سے ایک دفعہ بات نہیں کی۔" حریم نے بڑی مہارت سے سفید جھوٹ بولا تھا لیکن سامنے بھی حدیقہ تھی۔

"تم کچھ چھپا تو نہیں رہی؟" وہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔ حریم نے جھٹ نفی میں سر ہلایا اور اسی وقت اس کا فون بج اٹھا۔دونوں نے چونک کر اس کے موبائل کی طرف دیکھا اور حریم تو سٹپٹا کر رہ گئی۔اسے بھی ابھی فون کرنا تھا۔

"ہیں!ابھی تو تم نے نیا فون لیا ہے اور ہم نے ایک دوسرے کو نمبر بھی نہیں دیا تو تمہیں کون کال کر رہا ہے۔" حدیقہ حیرت سے بولی تھی۔

"سم والوں کا ہو گا شاید۔" حریم نے کہہ کر جلدی سے کال کاٹ دی لیکن حدیقہ کی نظر اس ان ناؤن نمبر پر پڑ چکی تھی۔

"فون دکھاؤ ذرا۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولی۔ حریم نے فون کو جلدی سے اپنے پیچھے کیا لیکن حدیقہ گھوم کر اس کے پیچھے آ گئی۔ حریم بھی پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا ہے حدیقہ؟..... میں وہاب بھائی کو بتا دوں گی؟" حریم نے دھمکی دی۔

"میں نہیں ڈرتی کسی سے۔" حدیقہ اس کی طرف بڑھی۔اس سے پہلے کہ حدیقہ کا ہاتھ اس کے فون پر پڑتا وہ رخ پھیر گئی اور اسی پل دوبارہ فون بج اٹھا۔ حریم نے اکتائی ہوئی سانس بھری اور کال پک کرلی۔ حدیقہ بھی اس کے فون کے ساتھ کان لگا کر سننے لگی۔

"ہائے بلی۔ کیسی ہو؟" سمیع کی آواز فون پر ابھری تھی۔ حریم نے غصہ ضبط کرتے ہوئے لب بھینچے۔ حدیقہ تو منہ کھولے حیران رہ گئی۔

"تم خود ہو گے بلے۔ وہ بھی جنگلی۔ آئندہ مجھے فون کیا تو.... تو دیکھنا۔" وہ بھڑک اٹھی۔ دوسری طرف قہقہہ گونجا تھا۔

"تو کیا کرلو گی تم.... ہاں؟ فون میں سے کوئی چیز پھینکنے سے تو رہی۔ اگر کہو تو تمہارے سامنے آجاؤں۔ تمہارا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا حریم نے جلدی سے کال بند کردی۔ اس نے تو سوچا تھا کہ ایک دفعہ فون اٹھا کر دو چار سنائے تو ہو سکتا ہے وہ دوبارہ فون نہ کرے۔ لیکن یہ تو الٹا لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ سمیع پر غصے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا البتہ حدیقہ اس کی طرف کافی مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ سب کچھ سن چکی تھی۔

"اب بتاؤ۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"اوکے۔ بتا رہی ہوں۔...." وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"یہ وہی لڑکا ہے جس نے مجھے اس کیفے ٹیریا میں بلی کہا تھا۔ اور میں نے اس پر جوس کا گلاس پھینک دیا تھا"

"پھر دوسری دفعہ کب ملی تھی؟"

"وہ جب اپنی بہن کو لینے آیا تھا۔"

"تسری دفعہ؟"

"ہاسپٹل میں"

"چوتھی دفعہ؟"

"ابھی شاپنگ مال میں۔ میں پرفیوم خرید رہی تھی تب۔ اس نے زبردستی میرا فون نمبر لیا ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں اسے یقین دلانے لگی۔

"اچھا تو یہ تو ہو گئی اس کی بات۔ تم ذرا اپنے بارے میں بتاؤ۔ تمہارے کیا ارادے ہیں؟" حدیقہ نے اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بڑے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔ حریم نے اس کا بازو پیچھے جھٹکا۔ دل میں درد سا اٹھا۔ دل تو پہلی نظر سے ہی اسے چاہنے لگا تھا لیکن وہ دل کی نہیں مان سکتی تھی۔

"اب وہ اتنا ہینڈسم بھی نہیں کہ میں اس کی دوستی قبول کر لوں۔" خود کو نارمل کرتے ہوئے مغرور مسکراہٹ سے بولی تو حدیقہ نے منہ کھول کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"اچھا تو تمہیں کتنا ہینڈسم لڑکا چاہیے؟" حدیقہ نے طنز کیا۔

"کیوں تم رشتے کروانے والی ماسی ہو؟" وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا گئی۔ اس کی آنکھوں میں چھپا دکھ رینم کو دکھ چکا تھا۔

"ایک منٹ!..... تم بھی اسے پسند کرتی ہو۔ ہے نا۔" رینم نے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو اس نے نظریں چرائیں۔ حدیقہ نے بھی اسے غور سے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ پل بھر میں تاریک ہو چکا تھا۔ رینم اور حدیقہ پریشان سی ہو گئیں۔

"کیا ہوا حریم؟ ہم نے کچھ غلط کہہ دیا ہے کیا" حدیقہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ تم صحیح ہو۔ میرا دل اسے چاہتا ہے لیکن میں دل کی نہیں مان سکتی۔" وہ اتنی آسانی سے اعتراف محبت کر لے گی یہ ان دونوں کو توقع نہیں تھی۔

"میں ایک اغواشدہ لڑکی ہوں اور اپنی فیملی کی نظروں میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی۔ ایسے میں، میں سمیع کے ساتھ کوئی بھی تعلق افورڈ نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنے گھر والوں کے سامنے یہ ثابت کرنا ہے کہ میں بری لڑکی نہیں ہوں۔ میں ان کے دل میں اپنے خلاف بھری نفرت کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ بے شک اس سے میرا دل بھی دکھی کیوں نا ہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔ اسی لیے میں سمیع سے دور رہنا چاہتی ہوں اور پلیز آئندہ مجھ سے اس معاملے پر بات نہ کرنا۔" وہ سنجیدگی سے کہتی انہیں اپنے پیچھے حیران وپریشان چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ وہ اس کا مسلہ حل کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھیں لیکن اس نے معاملے پر بات کرنے سے ہی منع کر دیا تھا۔ اس لیے وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی حالانکہ دونوں کو سمیع اور اس کی جوڑی پرفیکٹ لگی تھی۔

-----------------------------

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ آج بہت عرصے بعد وہ خود کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت سرخ کالر ٹاپ اور بلیک لانگ سکرٹ میں ملبوس تھی۔ براؤن بال پونی ٹیل میں بندھے تھے اور ماتھے پر کچھ آوارہ لٹیں جھول رہی تھیں۔ خوبصورتی سے تراشا گیا چہرے کا ایک ایک نقش شرم کی سرخی میں دمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر کھلتی مسکراہٹ اس کے دل کا حال بیان کر رہی تھی۔ شاید وہ آج کسی اور ہی جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔ جب سے عمرینہ آنٹی نے اسے بتایا تھا کہ اس کی شادی ریان سے ہوگی تو تب سے اس کا دل عجیب سی خوشی میں گھرا ہوا تھا۔ سارا درد بھول چکا تھا۔ یاد تھا تو صرف اور صرف ریان عباس خان جو ہمیشہ کے لیے اس کا ہونے جا رہا تھا۔ یہ خیال اسے خوشی سے سرشار کر گیا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے مسکرا دی تھی۔ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور اس نے بھی آنکھیں جھٹ سے کھول دیں۔ شیشے میں ریان کا عکس دیکھ کر وہ چونک کر پلٹی تھی

"تم؟..... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ریان کو تعجب ہوا۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں کہا۔

"کیوں؟ میں یہاں نہیں آسکتا کیا؟" وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے سامنے آرکا تھا اور سینے پر بازو باندھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔ عانیہ نے اپنی عقل کو کوسا پھر خود کو نارمل کیا۔

"میرا مطلب.... کیسے آنا ہوا؟" اسے کوئی بہانہ بھی نہیں مل رہا تھا۔ ریان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جو سرخ تھا۔ آنکھیں جھکیں ہوئی تھیں۔ اور لب کانپ رہے تھے۔ مطلب کہ شادی کی خبر اس تک پہنچ چکی ہے۔ ریان نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہاں وہ ایک خوشخبری سنانی تھی تمہیں۔" اس کی بات پر عانیہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا اور وہ کچھ بول بھی نہیں سکی تھی۔

"پوچھو گی نہیں کیا؟" ریان نے ابرو اچکا کر کہا تو اسے پھر پوچھنا ہی پڑا۔

"کیا؟"

"ہماری شادی ہونے جا رہی ہے۔" اس نے بڑے پرجوش لہجے میں بتایا تھا۔ عانیہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی اور وہ اسے ایسے حیرانی سے دیکھنے لگی جیسے ابھی ابھی یہ خبر سنی ہو۔

"ارے تمہیں خوشی نہیں ہوئی کیا؟..... کہیں تمہیں اس بات کا غم تو نہیں کہ میں نے ڈائریکٹلی تمہیں پرپوز کرنے کی بجائے انکل سے بات کر دی۔" چاہے یہ بات حیدر انکل نے خود اس سے کی تھی لیکن عانیہ کو اس کی اہمیت کا احساس دلانے کیلیے وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے اس نے خود اس کا رشتہ مانگا ہو۔ کیونکہ وہ یہی تو چاہتا تھا اور اس کا یہ ارادہ بھی تھا کہ وہ انکل آنٹی سے اس بارے میں بات بھی کرے گا۔

"کیا؟.... تم نے ان سے خود شادی کی بات کی تھی؟" عانیہ کا دماغ غصے سے گھوما تھا۔ ریان نے سکون سے سر اثبات میں ہلا دیا جس سے عانیہ کو پتنگے ہی لگ گئے۔

"اف ریان۔ اف.... تمہیں ضرورت کیا تھی ان کے سامنے ایسے بولنے کی۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ میرے بارے میں۔" وہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے بارے میں نہیں، میرے بارے میں کیونکہ شادی کی بات میں نے کی ہے۔ اگر میں تمہیں پرپوز کرتا اور تم انکل آنٹی کو مناتی تو پھر وہ تمہارے بارے میں سوچتے نا۔" ریان نے اسے سمجھایا۔

"اور میں تو جیسے یہاں انتظار میں بیٹھی تھی کہ کب تم مجھے پرپوز کرو اور میں اسی وقت جا کر انکل آنٹی کو منا لوں۔" عانیہ نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ ریان نے متاثر ہوتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

"اوکے۔ میں ابھی پوچھ کر دیکھ لیتا ہوں۔" وہ بولا تو عانیہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"ول یو میری می۔" وہ اس کے چہرے پر ہلکا سا جھک کر سرگوشی میں بولا تھا۔ عانیہ کچھ دیر کیلیے ساکت سی رہ گئی تھی۔ دل دھڑکنا بھول گیا تھا اور سانس سینے میں اٹک گئی تھی۔ ریان اس کی حالت سے محظوظ ہوتا پیچھے ہٹا اور اپنی منتظر نگاہیں اس پر ٹکا دیں۔ عانیہ نے گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدلہ اور ایک گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"نو۔" رخ پھیرتے ہوئے وہ بولی تھی۔ ریان کو اس سے یہی امید تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ عانیہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ دلفریب سا مسکرا دیا۔

"واقعی؟" وہ بولا تو عانیہ کی آنکھوں کے ساتھ چہرہ بھی جھک گیا۔ ریان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی سے بالوں کو پیچھے ہٹایا اور اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ سے تھوڑا سا اوپر کو اٹھایا۔ عانیہ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"اچھی لگتی ہو شرماتی ہوئی۔ مجھے انتظار رہے گا اس وقت کا جب تم میری ہو جاؤ گی۔ پھر تمہارے چہرے پر حیرت کی جگہ اقرار ہو گا۔ تب تم مجھے قریب آنے سے روک نہیں سکو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر دھیمی آواز میں کہتا مسکرایا تھا اور پلٹ گیا۔ عانیہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ چلا گیا تھا لیکن

اسے ابھی بھی اپنے سامنے کھڑا محسوس ہو رہا تھا۔اس کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے اور وہ بہت دیر تک گم صُم سی کیفیت میں گھری وہیں کھڑی رہی تھی۔

-----------------------------

دوپہر دو بجے وہ لوگ گھر پہنچے تھے۔سارا سامان لاؤنج میں رکھا اور تھکن سے چور صوفوں پر بیٹھ گئے۔عمرینہ نے جلدی سے ٹھنڈا جوس ان کو لا کر دیا جسے پینے کے بعد وہ کچھ تازہ دم ہوئے تھے۔وہاب اور عمیر اپنے کمروں میں چلے گئے تھے جبکہ وہ تینوں عمرینہ کو شاپنگ دکھانے لگیں۔عانیہ نے بھی شور سنا تو سیڑھیوں سے نیچے آ گئی۔جب وہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھی تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ارے عانی آپی۔آپ نیچے کیوں آ گئیں۔"حریم اس کے پاس آتے ہوئے فکر مندی سے بولی۔

"گولی میرے کندھے پر لگی ہے۔ٹانگوں پر نہیں۔"اس نے منہ بناتے ہوئے کہا سب اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"اچھا مجھے بتاؤ۔کیا کیا شاپنگ کی تم لوگوں نے۔"وہ بشاشت سے بولی۔

"تمہارے لیے یہ ڈریس خریدا ہے۔دیکھو کیسا ہے؟"حدیقہ نے ایک خوبصورت فراک اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔وہ پیچ کلر کی سلیولیس ریشمی فراک تھی جس کا اپر نیٹ ایمبرائیڈیڈ کا بنا ہوا تھا۔ٹاپ پر سفید نگینے جڑے ہوئے تھے اور نچلے گھیرے پر بھی کافی کام کیا گیا تھا۔عانیہ نے متاثر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"بہت خوبصورت ہے۔تم لوگ اپنے ڈریسز تو دکھاؤ۔"

"ہمارے بھی آپ کے جیسے ہی ہیں۔لیکن کلر الگ الگ ہیں۔"حریم نے سارے ڈریسز اسے دکھائے۔

"ہاں بہت اچھی چوائس ہے تم لوگوں کی۔"عانیہ نے کھلے دل سے ان کی تعریف کی۔وہ تینوں خوش ہو کر جیولری اور جوتے بھی اسے دکھانے لگیں۔

"ریئم نے مہندی بھی لگوائی ہے۔دکھاؤ ذرا۔"اس کی نظر ریئم کی مہندی پر پڑی تھی تو اس نے کہا۔ریئم نے دونوں بازو اس کے سامنے کر کے دکھائے۔مہندی ڈھل کر اب سرخ رنگ کی ہو چکی تھی اور اس کے خوبصورت نقش و نگار عانیہ کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔مام کی یاد پھر سے آئی تھی۔انہیں بہت اچھی مہندی لگانی آتی تھی اور ہر عید پر وہ اسے مہندی لگاتی تھیں۔ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"تم دونوں نے کیوں نہیں لگوائی۔"وہ حریم اور حدیقہ سے بولی۔

"ہم نے تمہارے گھر سے سامان پیک کر کے لانا تھا نا۔اس سوٹ کیس میں تمہارے کپڑے ہیں۔میں ابھی تمہاری وارڈروب میں سیٹ کر دوں گی۔"حدیقہ نے زمین پر پڑے چار سوٹ کیسز میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ان میں سے دو حریم اور ریئم کے تھے جبکہ ایک ریان کا تھا۔

"کچھ کھانے پینے کی چیز نہیں لائے تم لوگ؟"عانیہ نے پوچھا تو ان تینوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔

"عانیہ تم باہر کی کوئی چیز نہیں کھا سکتی۔اگر بھوک لگی ہے تو مجھے بتاؤ۔سوپ لے آؤں تمہارے لیے۔"عمرینہ نے کہا۔

"نہیں میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔"اس نے جلدی سے کہا مبادا لے ہی نہ آئیں۔کل سے سوپ پی پی کر اس کی زبان پر عجیب سا ذائقہ آ گیا تھا۔اس کا دل کچھ نیا کھانے کو کر رہا تھا۔کچھ تیکھا، سپائسی یا کھٹا میٹھا۔

"فکر نہ کرو عانیہ۔پرسوں عید ہے۔پھر باربی کیو کھا لینا۔"حدیقہ نے اسے تسلی دی۔

"قسم سے یار بہت بور زندگی ہو چکی ہے۔مرچوں کی بہت یاد آ رہی ہے۔"عانیہ مایوسی سے منہ بناتے ہوئے بولی۔وہ تینوں ہنس پڑیں تھیں۔

"ماما اس کو مرچیں منع ہیں۔میٹھا تو نہیں نا۔اگر میں اس کیلیے کیک بنا دوں تو کیا یہ کھا سکتی ہے؟"حدیقہ نے عمرینہ سے پوچھا۔

"اوکے۔ بنالو۔ لیکن زیادہ میٹھا بھی ٹھیک نہیں اس کیلیے۔" عمرینہ نے کہا تو عانیہ خوشی سے مسکرائی۔

"لیکن پہلے سوپ پینا پڑے گا۔" عمرینہ کی اگلی بات پر اس نے پھر سے منہ بنایا اور سب ہنس پڑیں۔

-----------------------------

دوپہر کے ساڑھے تین بج چکے تھے۔ سب لوگ کھانا کھانے کے بعد آرام کی غرض سے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ لیکن حدیقہ اس وقت کچن میں لیمن فلیور کیک بنانے میں مصروف تھی۔ سلیب پر مختلف باؤلز اور کیک کے اجزائے ترکیبی پڑے تھے۔ کیک بیک ہو چکا تھا اور وہ اب اسے اوون سے نکال کر ایک ٹرے میں رکھ چکی تھی۔ ایک باؤل میں لیمن کریم اور دوسرے میں چاکلیٹ چپس پڑیں تھیں۔ پہلے اسے کیک پر کریم کی ایک تہہ لگانی تھی پھر اوپر چاکلیٹ چپس لگانی تھیں۔

وہ اس وقت سفید کالر ٹاپ اور بلیو جینز میں ملبوس تھی۔ گولڈن بال کیچر میں رف سے انداز میں بندھے ہوئے تھے۔ شرٹ کی جیب میں فون پڑا تھا جس پر سپینش گانا 'ڈِسپے سیٹو' لگا ہوا تھا۔ اور اس سے ملحق ہیڈ فون اس کے کانوں میں لگے ہوئے تھے۔ گانے کی ٹون کے ساتھ جھومتی ہوئی وہ ساتھ ساتھ کام بھی کر رہی تھی۔ وہاب جو اپنے لیے کافی بنانے کچن میں آیا تھا اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ اس وقت یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ سب لوگ تو اس وقت آرام کر رہے تھے۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا لیکن حدیقہ کی اس کی طرف پشت تھی اس لیے اسے پتہ نہ چل سکا۔ وہاب کی نظریں اس پر سے پھسلتی سامنے سلیب پر بکھری چیزوں پر پڑیں تو اسے سمجھ آیا کہ وہ کیک بنا رہی ہے۔ اسی پل حدیقہ کریم کا باؤل اٹھائے دائیں جانب پڑے کیک کی طرف ہوئی تھی تو اس کی نظر وہاب پر پڑ گئی۔ یکایک آنکھوں میں خوف ابھرا اور باؤل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہاب تیزی سے جھکا اور نیچے گرتے باؤل کو آخر کار پکڑ ہی لیا۔ ورنہ اس شیشے کے باؤل کے ٹوٹنے کی آواز دور دور تک جاتی اور حدیقہ کو دوبارہ کریم بنانی پڑتی۔ وہ باؤل لیے جب اوپر کو اٹھا تو حدیقہ کو آنکھیں بند کیے دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی

کرتی تھی۔جب بھی اسے اچانک اپنے سامنے دیکھتی ہاتھ میں جو بھی چیز ہوا سے چھوڑ دیتی۔حدیقہ کے خیال میں اب تک تو باؤل کے گرنے کی آواز آجانی چاہیے تھی لیکن آئی کیوں نہیں؟اس حیرت سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہاب کے ہاتھ میں باؤل تھا۔گہرا سانس لے کر شکر کیا اور وہاب کی طرف دیکھا تو اسے لگا کہ وہ اسے غصے سے گھور رہا ہے۔اس نے گھبرا کر کانوں سے ہیڈ فون اتارا اور اس کے ہاتھ سے باؤل پکڑ کر رخ پھیر لیا۔پھر باؤل کو کیک کے قریب سلیب پر رکھا اور پاس پڑا اسپیچولا اٹھا لیا جس سے کریم کیک پر لگانی تھی۔وہاب بھی سلیب کے ساتھ ٹیک لگا کر اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا اور اس کی نظروں کی تپش حدیقہ کے گال دہکا رہی تھی۔کچھ دیر تو اس نے وہاب کے جانے کا انتظار کیا اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کیک پر کریم لگاتی رہی لیکن وہاب کا اسے مسلسل دیکھنا خوفزدہ کر گیا تھا۔وہ کچھ بول کیوں نہیں رہا؟ایسے خاموشی سے دیکھنے کا کیا تک بنتا ہے بھلا۔

"کیا ہے وہاب.... تمہیں؟"وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جھنجھلا کر بولی تھی۔

"کیا ہوا؟"وہ انجان بنتے ہوئے معصومیت سے بولا۔

"تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟"وہ لڑنے والے انداز میں بولی تھی۔دوسرے ہی پلکیں جھکا گئی اور زبان دانتوں تلے دبائی۔اف یہ کیا کہہ دیا اس نے۔اگر اس نے کوئی الٹا سیدھا(مطلب رومینٹک قسم کا)جواب دے دیا تو....؟

"میں تو کیک کو دیکھ رہا ہوں۔"وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا بولا تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

"یہ کس کے لیے بنا رہی ہو؟"

"عانیہ کے لیے۔"اس نے جھٹ سے جواب دیا لیکن وہاب کے چہرے پر مایوسی دیکھ کر اسے شرمندگی ہوئی۔پھر جلدی سے تصحیح کی۔"مطلب سب کے لیے بنا رہی ہوں۔"

"میرے لیے بھی؟" وہ ابرو اچکا کر پوچھنے لگا۔ حدیقہ نے سر آہستہ سے اثبات میں ہلا دیا اور چہرہ پھیر کر کام کرنے لگی۔

"لیکن مجھے تو چاکلیٹ کیک پسند ہے۔" اس نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا کہ حدیقہ کیسے ری ایکٹ کرتی ہے اور اس کا ری ایکشن خلاف توقع تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی بھری حیرت دیکھنے والی تھی۔ جیسے اسے اپنی ساری محنت ضائع ہوتی لگ رہی تھی۔ یعنی کہ اب وہ اس کے لیے اس قدر اہم ہو گیا ہے۔ دل عجیب سی خوشی سے سرشار ہو گیا تھا۔

"لیکن کوئی بات نہیں۔ میں یہ بھی کھا لوں گا" وہاب نے اسے تسلی دی تھی۔

"نہیں تم اب یہ نہیں کھا سکتے۔" حدیقہ جلدی سے بولی تو وہاب کو حیرت ہوئی۔

"کیوں؟" تعجب سے پوچھا گیا۔

"میں تمہیں چاکلیٹ کیک بنا دوں گی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی تو وہاب کو اس کی معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ چند لمحے وہ یونہی اس کو دیکھتا رہا تھا۔

"تم خوامخواہ تکلف مت کرو۔ میں یہ ہی کھا لوں گا۔"

"نہیں۔ اٹس اوکے۔ میں کر لوں گی۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"تو ٹھیک ہے۔ کیک کے ساتھ بلیک کافی بھی بنا کر میرے کمرے میں لے آنا۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا اور ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتا وہاں سے چلا گیا۔ حدیقہ کی نظروں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ اس نے تو صرف کیک بنا کر دینے کا کہا تھا اور وہاب اسے دو کام مزید بتا گیا تھا۔ کافی بھی بناؤ اور اس کے کمرے میں بھی لے کر جاؤ۔ پچھلی دفعہ کا تجربہ ابھی بھولا نہیں تھا جو وہ اب بھی اس کے کمرے میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ اس کی بات کا انکار نہیں کر سکتی تھی۔ سو جلدی سے دوسرا کیک بنانے لگی۔ تھکن کا اب کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ بلکہ وہ پہلے سے زیادہ مستعدی اور احتیاط سے کام کر رہی تھی کیونکہ یہ وہاب کیلیے تھا۔

آدھے گھنٹے بعد چاکلیٹ کیک بھی بیک ہو چکا تھا جو ایک چھوٹی پلیٹ کے برابر تھا۔اس کے اوپر کریم لگا کر چاکلیٹ چپس بکھیر دیں۔کیک کی پلیٹ اور بلیک کافی کا مگ ایک ٹرے میں رکھا اور اسے اٹھا کر کچن سے باہر آ گئی۔لاؤنج اور راہداری سنسان پڑی تھی۔وہ تیزی سے قدم اٹھاتی وہاب کے کمرے کی جانب چلنے لگی۔کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازہ ناک کیا اور ٹرے کو زمین پر رکھ کر تیزی سے بھاگتے ہوئے سیڑھیوں سے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔دوسرا کیک اس نے پہلے ہی سجا کر فریج میں رکھ دیا تھا اور تھوڑی بہت صفائی بھی کر دی تھی۔سو کچن کی پریشانی نہیں تھی۔

دوسری طرف وہاب جس نے اس امید پر دروازہ کھولا تھا کہ پھر حدیقہ کو دیکھے گا وہاں صرف زمین پر ٹرے رکھا دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔

"تمہارا ابھی جواب نہیں حدی۔" سر جھٹک کر مسکراتا ٹرے کو اندر لے آیا اور کانٹے سے کیک کھانے لگا۔کیک واقعی بہت مزے کا تھا۔شادی کے بعد حدیقہ بہت اچھی بیوی ثابت ہونے والی تھی۔وہ کافی پیتے ہوئے سوچ کر مسکرا دیا۔

---------------------------------

میٹھا کیک کھا کر اس کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔وہ اب بوریت سے منہ لٹکانے کی بجائے سب کے درمیان لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔تھوڑی دیر پہلے ڈاکٹر بھی اسے چیک کر گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ایک ہفتے میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی جس سے سارے گھر کے افراد میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔اب وہ سب بیٹھے عید کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ابھی سب لڑکوں کی شاپنگ رہتی تھی اور کل انہیں قربانی کے جانور بھی خریدنے جانا تھا۔حیدر علی نے اونٹ کی قربانی دینی تھی۔ریان اور وہاب نے بھی دو بکرے خریدنے تھے اور عانیہ نے بھی مام

ڈیڈ کو ثواب پہنچانے کے لیے دو بکرے اللہ کی راہ میں قربان کرنے تھے۔ سو کل کیلیے کام کافی تھا۔عانیہ نے ریان سے سالار کو یہاں لانے کیلیے بھی کہا تھا تو وہ مان گیا تھا۔

مردوں کی بات چیت میں صرف عانیہ اور عمرینہ حصہ لے رہی تھیں جبکہ وہ تینوں ایک صوفے کے ساتھ زمین پر بیٹھی اپنی ہی باتیں کر رہیں تھیں۔ انہیں اب صرف ایک ہی ٹینشن تھی کہ کل کیلیے اتنے کام بھی ہیں اور حریم اور حدیقہ نے مہندی بھی نہیں لگوائی تھی۔

"بیٹا تم لوگ وہاں الگ کیوں بیٹھی ہو؟" حیدر علی نے انہیں کہا تو تینوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"یہ شاید عید کی تیاریوں کے بارے میں باتیں کر رہی ہیں۔" عمرینہ نے جواب دیا۔

"اچھا تو ہمیں بھی بتاؤ۔ کونسی تیاریاں رہ گئی ہیں میری بیٹیوں کی؟" حیدر علی نے بڑی محبت سے پوچھا تھا۔ حریم اور رنیم بے اختیار جھینپ گئیں۔

"ہماری صرف مہندی لگوانے والی رہ گئی ہے۔" حدیقہ نے جواب دیا۔

"تو ابھی کل کا دن ہے نا۔ لگوا لینا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن کل تو آپ کیلیے ڈھیر سارے کام ہیں۔ پھر ہمیں کیسے لے کر جائیں گے۔" حدیقہ نے مایوسی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ بیوٹیشن گھر بلوا لیں گے۔" حیدر علی نے کہا تو وہ خوشی سے مسکرائی تھی۔ لیکن وہاب کی نظروں کی تپش نے اسے رخ پھیرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مہندی والا آخری مسلہ تھا ان کو جو حل ہو گیا تھا اس لیے وہ جلد ہی اٹھ کر اوپر آ گئیں تھیں اور لیپ ٹاپ پر ڈرامہ دیکھنے لگیں تھی۔

"آپ تو چھپے رستم نکلے وہاب بھائی۔" جب محفل برخاست ہوئی تو عانیہ نے وہاب کے ساتھ چلتے ہوئے متاثر لہجے میں کہا تھا۔ پہلے تو وہاب کو اچنبھا ہوا پھر اسے سمجھ آ گئی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے تو ذرا سا مسکرا دیا۔

"شادی بھی کرلی اور مجھے بتایا بھی نہیں۔ حالانکہ میں نے سوچا تھا کہ حدیقہ کو آپ کے ساتھ شادی کرنے کیلیے راضی کر کے آپ پر ایک احسان چڑھادوں گی۔ لیکن یہاں تو کب سے شادی ہو چکی ہے۔" وہ افسوس کے ساتھ کہہ رہی تھی اور وہاب ہنس دیا۔

"تمہارے لیے ایک اور کام بھی ہے۔ اگر کر دو تو ساری زندگی احسانمند رہوں گا۔"

"کیسا کام؟"

"وہ دراصل میں نے حدیقہ کے لیے ایک ڈریس خریدا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ عید پر وہ ڈریس پہنے۔"

"اوہ.....تو آپ جا کر اسے دے دیں اور کہیں کہ اسے عید پر پہن لینا۔" اس نے آسان سا حل بتایا۔

"اور وہ تو جیسے میری بات مان لے گی نا۔ اسے یہ پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ یہ ڈریس میں نے خریدا ہے ورنہ وہ نہیں پہنے گی۔" وہاب نے اسے سمجھایا۔

"اوکے تو آپ چاہتے ہیں کہ یہ ڈریس میں اسے اپنی طرف سے دوں۔"

"ہاں لیکن اسے شک نہیں ہونا چاہیے۔"

"آپ فکر مت کریں۔ مجھے ویسے بھی تینوں کو ایک ایک ڈریس گفٹ کرنا تھا۔ حدیقہ کا نہیں منگواؤں گی اور اس کی جگہ آپ کا خریدا ہوا ڈریس اسے دے دوں گی۔ کیسا؟" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"گڈ آئیڈیا۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" وہاب اسے تھمبز اپ کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور وہ وہیں ایک دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی یہ جانے بغیر کہ یہ کمرہ ریان کا تھا۔ اور اسی وقت ریان نے دروازہ کھول دیا۔ وہ جو بڑے آرام سے ٹیک لگائے ایک پاؤں پر کھڑی تھی اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی اور پیچھے گرنے ہی والی تھی کہ ریان نے اس کا بائیاں بازو پکڑ کر اسے سہارا دیا۔

"دھیان سے "وہ بے اختیار بولا تھا اور شکر کیا کہ جلدی میں دائیاں بازو نہیں پکڑ لیا۔عانیہ شرمندہ سی ہوتی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم میرے کمرے کے باہر کیا کر رہی ہو؟"وہ مشکوک لہجے میں پوچھنے لگا۔

"تم سے ملنے نہیں آئی۔کام تھا وہاب بھائی سے۔"وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"کونسا کام؟....ایک منٹ تم پھر تو حماد کے چکر میں نہیں پڑنے والی؟"وہ کسی قدر غصے سے پوچھنے لگا تھا۔

"نہیں یار۔ایک گفٹ حدیقہ تک پہنچانا تھا۔"وہاب بھی وہاں آتے ہوئے اس کی بات سن چکا تھا تو اسے گفٹ بیگ دکھاتے ہوئے کہا تو اس نے شکر کا سانس لیا۔عانیہ نے اسے غصے سے گھورا اور بیگ پکڑ کر چلی گئی۔

"لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تم دونوں کی۔"وہاب نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

_________________________

سارے گھر پر رات کی چاندنی اتر آئی تھی۔سب اپنے کمروں میں جا کر سو چکے تھے۔حدیقہ بھی حریم کے کمرے سے آ گئی تھی اور اب شاور لے کر واشروم سے باہر نکلی تھی۔سادہ سی لمبی سفید فراک پہنے وہ نائٹ بلب کی دھیمی سی روشنی میں کسی روح کی طرح لگ رہی تھی۔سنہرے بال گیلی لٹوں کی مانند اس کے خوبصورت چہرے کے ارد گرد چپکے ہوئے تھے اور ان کے کناروں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔سامنے ہی بیڈ پر تولیہ پڑا تھا جس سے اس نے بال خشک کرنے تھے۔وہ ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔اور آن کی آن میں وہ پیچھے کی جانب گھومتے ہوئے مڑی تھی۔پانی کی بوندیں اس کے بالوں کے گھومنے سے کمرے میں دور دور تک بکھر گئیں تھیں۔اس سے پہلے کہ وہ ایک زوردار چیخ مارتی وہاب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا۔اس کی خوف سے بند آنکھیں مدھم روشنی میں وہاب کو دکھیں تھیں تو وہ مسکرا دیا تھا۔وہ شاید سمجھ رہی تھی کہ کوئی جن بھوت ہو گا۔دل خوف کے مارے رک گیا تھا اور وہ پتے کی مانند

لرزنے لگی تھی۔اوپر سے چیخ بھی نہیں مارنے ہو رہی تھی۔اور اتنی بھی سکت نہیں رہی تھی کہ ہاتھ کو اپنے منہ سے ہٹا سکتی۔

وہاب نے آہستہ سے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور سامنے وہاب کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔مدھم سی روشنی میں اس کو اس قدر قریب دیکھ کر اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا جس اس کی حالت اتنی بری ہو چکی تھی کہ کچھ بولنے بھی نہیں ہو رہا تھا۔بس کانپتے ہوئے اپنی خوفزدہ نگاہوں سے وہاب کو دیکھنے لگی تھی۔وہاب کو اور کیا چاہیے تھا۔وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ڈوب سا رہا تھا۔کچھ لمحے یونہی بہہ گئے تھے۔حدیقہ کی حالت کچھ ٹھیک ہوئی تو وہ سٹپٹا کر نظریں جھکا گئی تو وہاب نے افسوس سے سر جھٹکا۔مجال ہے جو یہ لڑکی کچھ دیر اپنی آنکھوں میں دیکھ لینے دے۔

"جاؤ یہاں سے.....پلیز۔"وہ کانپتی آواز میں بولی تھی لیکن وہاب نے جواب نہیں دیا تھا۔اس کی نظریں حدیقہ کی جھکی پلکوں پہ جمیں ہوئی تھی جن میں پانی کے قطرے اٹکے ہوئے تھے اور ان میں سے ہلکی سی روشنی گزرتی منعکس ہو رہی تھی۔یہ منظر بہت دلفریب لگا تھا اسے۔دفعتاً ایک پانی کا قطرہ نیچے گرنے لگا تھا جسے اس نے اپنی انگلیوں کے پوروں پر چن لیا تھا۔حدیقہ نے اپنی لرزتی پلکیں اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھا تھا جو ابھی تک اسے مبہوت سا دیکھ رہا تھا۔حدیقہ کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ اب کیا کرے۔گھبرا کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے ایک سائیڈ سے ہو کر نکلنا چاہا لیکن وہاب نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر پھر دیوار کے ساتھ لگا دیا۔

"کیا تم کچھ دیر کیلیے ایسے ہی میرے سامنے کھڑی ہو سکتی ہو؟"وہ منت بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور حدیقہ دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں بند کر گئی تھی۔

"اونہوں۔آنکھیں کھولو۔"وہ اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اب حکمیہ لہجے میں بولا تھا۔حدیقہ نے میکانکی انداز میں بے اختیار آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"گڈ۔ چلو ایک گیم کھیلتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں۔ جس نے پہلے پلکیں جھپکیں وہ ہار گیا۔" وہ اسے چیلنج کرتے ہوئے بولا تھا۔

"مجھے نہیں کھیلنی ایسی گیم۔ تم جاؤ یہاں سے۔" وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے ہوئے غصے سے بولی تھی۔ لیکن وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اوکے چلا جاتا ہوں۔ تمہارا شکریہ تو ادا کر لوں۔"

"شکریہ؟" وہ اچنبھے سے بولی تھی۔

"کیک اور کافی کیلیے۔ اگر تم دروازے کے باہر رکھنے کی بجائے کمرے میں آ کر دے جاتی تو مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے یہاں نہ آنا پڑتا۔" وہ اسے قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

"تم ...... یہاں کیسے آئے؟" اسے اب یہ سوال پوچھنا یاد آ رہا تھا۔

"تمہارے کمرے کی بالکونی سے۔" وہاب نے بڑے آرام سے جواب دیا۔

"کیا؟.... تم نیچے سے اوپر کیسے چڑھ گئے؟" وہ حیران و پریشان رہ گئی تھی۔

"سیڑھیوں سے۔ اور چھت سے تمہاری بالکونی میں چھلانگ لگانا کوئی مشکل کام نہیں۔"

"اگر کسی کو پتہ چل جاتا تو؟.... تم جاؤ یہاں سے۔ پلیز۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی تھی۔ وہاب نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"پلیز مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تم جاؤ نا۔" وہ یکدم چلائی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں تھیں۔ وہاب نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"حدی میری بات سنو۔" وہ اس کے دونوں بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔ حدیقہ نے خاموش ہو کر اسے دیکھا۔

"تم مجھ سے اتنا کیوں ڈرتی ہو؟....میں کھا تو نہیں جاؤں گا نا تمہیں۔جسٹ ریلیکس یار۔" وہ نرم لہجے میں اسے تسلی دینے لگا۔

"یہاں آؤ.......بیٹھو۔" وہ اسے بیڈ کی طرف لے گیا اور بٹھاتے ہیں بولا تھا۔سائیڈ ٹیبل سے شیشے کا گلاس اٹھایا اور جگ میں سے اس میں پانی انڈیل کر حدیقہ کی طرف بڑھایا۔حدیقہ نے کانپتے ہاتھوں سے اسے پکڑ لیا اور لبوں سے لگا لیا۔دو تین گھونٹ پینے کے بعد اس نے گلاس لبوں سے ہٹایا تو وہاب نے گلاس اس سے لے لیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔پھر کچھ دیر اس کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے سامنے ہی زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔حدیقہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے دیکھا۔وہاب نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو انگلیوں کے پوروں پر چن لیا تھا۔حدیقہ بھی سنبھل گئی تھی

"ایک بات مانو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔حدیقہ نے اچنبھے سے سوالیہ ابرو اچکائی۔

"مجھ سے دوستی کرو گی؟" وہ اپنا دائیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تھا اور حدیقہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز۔مجھے میری وہی حدی واپس چاہیے جو ڈنکے کی چوٹ پر مجھ سے بات کرتی تھی۔جو ہمیشہ مجھے تنگ کرتی تھی۔مجھے اپنی شرارتوں کا عادی بنا کر اب تم پیچھے کیوں ہٹ گئی ہو؟" وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ حدیقہ کے دل کو لگ رہا تھا۔

"لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اب تمہیں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔" وہ معصومیت سے بولی تو وہاب مسکرا دیا۔

"خیر ہے۔تم وعدہ توڑ سکتی ہو۔" وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف مزید بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں۔پھر تم بدلہ بھی لو گے۔"

"نہیں لوں گا۔" وہ بھی دوبدو بولا تھا۔ حدیقہ نے حیرت سے اسے دیکھا تو اس نے ابرو اچکا کر اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ حدیقہ نے کچھ سوچا اور اپنا مخملیں ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہاب اپنی امید کے پورے ہونے پر دلفریب سا مسکرا دیا۔ حدیقہ کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا اور وہ چہرے کی مسکراہٹ چھپانے کے لیے گھٹنوں پر جھک گئی تھی۔ اس کے گیلے بال کمر سے پھسل کر نیچے زمین کو چھونے لگے تھے۔

"اچھا اوپر اٹھو تو۔ مجھے اپنی نئی فرینڈ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ اس کے بال اٹھا کر اس کی کمر پر رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"کونسی فرینڈ۔" وہ یکدم اٹھی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتی مشکوک لہجے میں بولی۔ وہاب ہنس دیا۔

"تم پھر مجھ پر شک کر رہی ہو۔" وہ اسے کچھ یاد دلاتے ہوئے بولا تھا۔ حدیقہ شرمندہ سی ہو گئی اور دوبارہ گھٹنوں میں منہ چھپانا چاہا لیکن وہاب نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

"ناؤ وی آر فرینڈز۔ لیٹس ٹاک فیس ٹو فیس۔" وہ بارعب لہجے میں کہہ رہا تھا۔ حدیقہ نے سر آہستہ سے اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اب اس سے کافی حد تک نارمل ہو رہی تھی۔ وہاب نے شکر کیا تھا۔

"کیک بہت مزے کا تھا۔ تھینکس۔" وہ تو جیسے اس سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا تھا۔

"اور کافی؟"

"وہ تھوڑی کڑوی زیادہ تھی۔ بالکل تمہاری طرح۔" وہ شرارت سے مسکرایا تو حدیقہ نے غصے اس کے کندھے پر مکا مارا تھا۔ اور وہ سر جھکا کر ہنس دیا تھا۔

"اچھا اور کیا کیا بنانا آتا ہے تمہیں؟" کہنی کو اس کے دائیں جانب بیڈ پر ٹکا کر ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بس بیکنگ.... اور میٹھی چیزیں بنانی آتیں ہیں۔" وہ پر سوچ انداز میں بولی تھی۔

"لیکن مجھے تو نمکین چیزیں پسند ہیں۔" وہ دوپہر کی طرح اس دفعہ بھی بولا تھا۔ حدیقہ نے پہلے اسے تعجب سے دیکھا پھر اسے غصہ آیا۔

"میں کیا کروں پھر؟" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"کتنی بے مروت ہو۔ بندہ اگلے کا دل رکھنے کیلیے ہی جھوٹ بول دیتا ہے۔ تم یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ مجھے وہ بھی آتا ہے۔ میں نے کونسا تم سے زبردستی بنوا لینا تھا۔"

"ہاں اور بعد میں میرا جھوٹ کھلتا تو میں کتنی شرمندہ ہوتی۔"

"کافی سمجھدار ہو تم۔ میں تو تمہیں بے وقوف سی لڑکی سمجھتا تھا۔" وہاب متاثر ہوتے ہوئے بولا تھا۔ حدیقہ کو پھر غصہ آیا اور دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر پیچھے دھکیل دیا۔ وہاب نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"جاؤ یہاں سے۔" وہ نظریں پھیرتے ہوئے بولی۔ وہ سیدھا ہوا اور بازو باندھ کر اس کے گھٹنوں پر رکھ لیے۔ حدیقہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"چلو ایک گیم کھلیں۔" وہاب نے کہا۔

"نہیں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ بدک کر بولی تھی۔

"میں سلا دوں؟" وہ شرارت سے بولا تھا۔ حدیقہ بس اسے غصے سے گھور کر رہ گئی۔

"اوکے۔ اوکے۔ جا رہا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔ اور آج حدیقہ کا دل کیا تھا کہ وہ نہ جائے۔

"ایک منٹ۔ تم نے اس دن چھت سے کیسے چھلانگ لگائی تھی؟" اسے یکدم یاد آیا تو پوچھ لیا۔

"ارے تمہیں نہیں پتہ میں سوپر ہیرو ہوں۔ اڑتے ہوئے نیچے آ گیا تھا۔" وہ بڑے فخر سے کالر اکڑاتے ہوئے بولا تھا۔

"سچ بتاؤنا۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کی اتنی اونچی جگہ سے لگانے سے میری ہڈیاں سلامت کیسے رہ گئیں۔"

"کیونکہ تم میرے اوپر جو گری تھی۔" اس نے بڑے آرام سے حدیقہ کے سر میں بم پھوڑا۔ پہلے وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی پھر شرم سے نظریں جھکا گئی اور پھر زبان دانتوں تلے دبا کر برا سا منہ بنایا۔ وہاب حدیقہ کی اس حرکت پر محظوظ ہوتا مسکرا دیا۔

"تمہارے کہیں لگی تو نہیں تھی؟" وہ بات بدلنے کو بولی۔

"نہیں لگی۔ ویسے تمہیں کچھ زیادہ ہی جلدی یاد نہیں آ گیا میرا حال پوچھنے کا؟" اس نے طنز کیا تو حدیقہ نے شرمندگی سے سر جھکا کر لب کاٹے۔ وہاب نے جھک کر اس کا بازو پکڑا اور اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"مذاق کر رہا تھا یار۔ تم نے مجھ سے پوچھا یہی کافی ہے میرے لیے۔ اس لیے پریشان مت ہو۔ تم میرے دل کی خوشی ہو۔ تمہارے منہ سے نکلا ہر لفظ میرے زخمی دل کی مرہم بنتا ہے۔ میں صرف تمہیں ہی دیکھنا اور سننا چاہتا ہوں لیکن جانتا ہوں یہ ابھی ممکن نہیں۔ آج رات تو شاید نیند بھی نہ آئے مجھے۔ لیکن چلو خیر یہ انتظار کی گھڑیاں بھی کبھی نہ کبھی ختم ہو ہی جائیں گیں۔" وہ دھیمی سی آواز میں کہتا اس کے دل میں ہل چل مچا گیا تھا۔ وہ پلکیں جھکائے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سب سن رہی تھی۔ وہاب کچھ دیر بے خود سا اسے دیکھتا رہا تھا جیسے ہمیشہ کے لیے اسے اپنی نگاہوں میں جذب کر لینا چاہتا ہو پھر سنبھل کر سر جھٹک گیا تھا۔

"گڈ نائٹ۔" وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولا اور پلٹ گیا۔

"بالکونی سے مت جانا۔ دروازے سے چلے جاؤ۔" حدیقہ نے ہچکچاتے ہوئے اسے مشورہ دیا تھا اور وہ رک کر مسکرایا تھا۔ لیکن پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ جانتا تھا کہ دل پھر سے اس کے ہر پل کا ساتھ مانگے گا۔ ایک تو اس نادان دل کو سمجھانا کتنا مشکل کام تھا۔ وہ اپنے دل کو ڈپٹتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اور حدیقہ اپنے دل کی کیفیت پر حیران ہوتی اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

---------------------------

اگلی صبح بہت اجلی اور نکھری سی تھی۔ رات کے پچھلے پہر بارش ہوئی تھی لیکن اب سورج کی کرنوں نے بادلوں کو بکھرنے پر مجبور کر دیا تھا اور آسمان پر خوبصورت قوس قزاح کے رنگ اُمڈ آئے تھے۔ صحن میں لگے درختوں کے پتوں سے ابھی تک بارش کے قطرے ٹپکا رہے تھے۔ پرندے چہچہاتے اس سہانے موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور گھر کے اندر بھی آج معمول سے زیادہ چہل پہل تھی۔ عید کیلیے گھر کو سجایا جا رہا تھا۔ حریم، حدیقہ اور رنیم، عمرینہ کے ساتھ مل کر ہر جگہ کو پہلے سے زیادہ خوبصورت بنا رہیں تھیں۔ عانیہ اکیلی کمرے میں بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ ریان صبح آٹھ بجے ہی سالار کو لینے اسلام آباد کے لیے نکل چکا تھا۔ فلائٹ کا دورانیہ تقریباً دو گھنٹے کا تھا لیکن اسے کچھ آفس کا کام بھی دیکھنا تھا اس لیے اسے واپس آتے ہوئے شام ہو جانی تھی۔ عمیر اور وہاب، حیدر علی کے ساتھ قربانی کے جانور خریدنے گئے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی بھی بہت سے کام باقی تھے۔

اس وقت وہ اوپر والے لاؤنج کی سجاوٹ کر رہیں تھی۔ حدیقہ کے ہاتھ میں ایک خوبصورت گلدستہ تھا جس میں سے پھولوں کی ٹہنیوں کو ایک ایک کر کے وہ گلدان میں سجا رہی تھی۔ چہرے پر انہی پھولوں کی طرح کا تبسم کھلا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ سے سجاوٹ کرنے میں ماہر رہی تھی۔ پینٹنگ بھی کرتی تھی اور ایک ایسی آرٹسٹ تھی جو تب تک اپنے کام سے مطمئن نہیں ہوتی جب تک اپنی سجائی ہوئی چیز کو ایک خاص لُک نہ دے دیتی۔ چاہے وقت کی کمی کیوں نہ ہو۔

"میڈم جی۔ اس کی جان چھوڑ دو۔ بے چارہ گلدان بھی کیا سوچتا ہو گا کہ کس کے آگے پھنس گیا۔" حریم نے اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ادیبہ اور رنیم جو مل کر فرش دھو رہیں تھیں اس کی بات پر مسکرا دیں۔

"یہی سوچتا ہو گا کہ اسے کتنی محبت سے سجایا جا رہا ہے۔" وہ ایک پروفیشنل آرٹسٹ کی طرح مسکرا کر بولی تھی۔ حریم متاثر ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

"ویسے تم اس گلدستے کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ایک منٹ یہیں رکو میں تمہاری پکچر لے لوں۔" وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے سے موبائل لے آئی اور حدیقہ کی تصویریں کھینچنے لگی۔حدیقہ نے مختلف پوز بنا کر تصویروں کھنچوائی تھیں۔ایک میں پھول کی ٹہنی کو گال کے ساتھ مس کیا تھا اور ایک ہاتھ کمر پر رکھے وہ کسی خوبصورت دیوی کا مجسمہ لگ رہی تھی۔

(یہ تو وہاب بھائی کو بھیجنی چاہیے۔) حریم نے پر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ سوچا تھا۔اور بھاگ کر عانیہ کے کمرے میں گئی۔اس سے وہاب بھائی کا نمبر لیا اور اس تصویر کو واٹس ایپ کر دیا۔

دوسری طرف وہاب جو قربانی کے جانوروں کو دیکھ رہا تھا فون کی میسیج ٹون بجنے پر چونکا تھا اور جب کھول کر دیکھا تو بے اختیار مسکرا دیا۔اسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ حریم نے اپنے نمبر سے اس کی تصویر بھیجی ہے ورنہ وہ تو نہ بھیجے کبھی بھی۔اس نے حریم کو تھینکس کا میسیج بھیج کر اپنی ایک تصویر ایک خوبصورت بکرے کے ساتھ کھینچی اور حدیقہ کے نمبر پر واٹس ایپ کر دی۔

حدیقہ کا فون اس کی جیب میں ہی تھا۔گھنٹی بجنے پر اس نے چیک کیا تو وہاب کی طرف سے میسیج دیکھ کر حیران ہوئی اور جب وہاب کی تصویر اس کے سامنے تھی تو ہلکا سا مسکرا دی۔حریم نے اسے مسکراتے دیکھا تو جلدی سے اس کے قریب آگئی۔لیکن حدیقہ کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔

"واہ۔اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔" وہ کھنکار کر بولی تو حدیقہ نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر جلدی سے فون پیچھے کر لیا۔

"یار دکھاؤ نا۔" حریم اس کے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی تو وہ پیچھے ہٹی۔حریم اس کی طرف بڑھی اور وہ بھاگتی ہوئی ٹیرس پر آگئی۔لیکن حریم نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔بھاگتے ہوئے وہ دونوں چھت کے کنارے پہنچ چکی تھیں جہاں دوسرے گھر کا چھت لگا ہوا تھا اور عنیقہ ابھی ابھی اوپر کپڑے اتارنے آئی تھی۔حدیقہ کو دیکھ کر

دل کے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ حدیقہ کی نظر بھی اس پر پڑ گئی تھی اور اسے اب یاد آرہا تھا کہ اس کے اغوا ہونے کے بعد عنیقہ اکیلی گھر گئی ہو گی۔ وہ اصل بات نہیں جانتی تھی لیکن اب عنیقہ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس دن تو اس کی شادی تھی۔ بے شک وہ اس سے ناراض تھی اسے شادی کی مبارکباد تو دینا بنتی تھی نا۔ یہی سوچ کر اس نے مسکرا کر دور سے ہی ہاتھ ہلایا۔ عنیقہ نے شکر کیا کہ وہ ابھی تک حقیقت سے بے خبر تھی ورنہ اسے مسکرا کر ہائے فائے نہ کرتی۔ وہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس کے قریب آنے لگی۔

"یہ کون ہے؟" حریم نے اس سے پوچھا۔

"یہ عنیقہ ہے میری کزن۔" حدیقہ نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی اس نے عنیقہ کو یہاں نہیں دیکھا تھا اور ان کا گھر بھی کتنا پاس تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں گھروں کے افراد اب ایک دوسرے سے بہت دور ہو چکے تھے۔

"ہائے کیسی ہو؟" حدیقہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں لیکن تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" عنیقہ نے خود کو اس کا ہمدرد ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ حدیقہ کے چہرے پر بھی تکلیف کے آثار ابھرے تھے۔

"مجھے تو اتنی حیرت ہوئی کہ تم اچانک کہاں چلی گئی۔ کچھ دیر ادھر ادھر ڈھونڈا۔ تمہارے نمبر پر کال بھی کی لیکن تم اٹھا ہی نہیں رہی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ تم شاید کسی فرینڈ کے ساتھ نہ چلی گئی ہو۔ میں نے پورا ایک گھنٹہ وہاں تمہارا انتظار کیا لیکن تم واپس نہیں آئی تو میں نے گھر فون کر کے بتایا۔ چچی جان نے کہا کہ وہ عانیہ سے پتہ کرتیں ہیں۔ پھر میں بھی بیوٹی پارلر جانے کی بجائے گھر آ گئی۔ پھر پتہ چلا کہ عانیہ کو گولی لگی ہے اور تم وہاں ہو۔" عنیقہ نے مہارت سے سفید جھوٹ بولتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ حدیقہ اس کے جواب سے کچھ مطمئن ہو گئی

تھی کہ اسے اغوا والی بات کا نہیں پتہ چلا ورنہ سارے خاندان کو بتا دیتی۔ لیکن وہ یہ تو جانتی ہی نہیں تھی کہ اس نے ہی اسے اغوا کروایا تھا۔ اور عنیقہ نے بھی شکر ادا کیا تھا ی

کہ اسے کچھ بھی پتہ نہیں چلا تھا ۔ یہی اس کے حق میں اچھا تھا۔ حدیقہ سے انتقام لینے کے لیے اس سے بنا کر رکھنی ضروری تھی۔ اس سے جتنی قریب ہوتی اسے نقصان پہنچانا اتنا ہی آسان ہونا تھا۔

"ویل..... کانگریجو لیشنز شادی کیلیے۔" حدیقہ نے خوش اخلاقی سے کہا تھا۔ عنیقہ بدقت مسکرائی لیکن اس بارے میں کچھ بول نہ سکی۔

"یہ کون ہے؟" وہ حریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ عانیہ کی کزن ہے حریم۔ اور میری نئی فرینڈ۔" اس نے مسکرا کر حریم کی طرف دیکھا۔ لیکن حریم عنیقہ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی زیرک نگاہیں عنیقہ کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔ شادی کی بات پر اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا اور اس کی مسکراہٹ اسے مصنوعی لگی تھی۔ آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ کیا وہ حدیقہ کو نفرت سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن کیوں؟....... کہیں وہاب بھائی کی وجہ سے تو نہیں۔ یہ خیال اس کے تیز دماغ میں بجلی کی طرح کوندا تھا۔ اپنے خیال کی تصدیق کرنے کیلیے اس نے کچھ اور بھی سوچ لیا تھا۔

"عانیہ کیسی ہے اب؟" وہ اب عانیہ کے بارے میں پوچھنے لگی تھی۔ حدیقہ اسی کی طرف متوجہ تھی اور حریم نے اس کے ہاتھ سے فون اچک لیا۔ حدیقہ نے خوفزدہ لہجے میں اسے دیکھا جو وہاب کی تصویر کو دیکھ رہی۔

"کتنے کیوٹ لگ رہے ہیں وہاب بھائی۔" اس نے اونچی آواز میں کہا تھا۔ عنیقہ ٹھٹک کر فون کی سکرین کی طرف دیکھنے لگی اور وہاں وہاب کی تصویر دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ حریم کو اس دفعہ عنیقہ کی کیفیت واضح محسوس ہوئی تھی۔

"فون دو میرا۔" وہ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کرتی بولی تھی۔

"ایک منٹ..... مجھے یہ تو بتاؤ انہوں نے اپنی تصویر کیوں بھیجی۔ ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔ یہ چکر کیا چل رہا ہے آخر؟" حریم نے عنیقہ کو بہت کچھ باور کروا دیا تھا اور اب اس کے چہرے کی اضطرابیت دیکھنے والی تھی۔ حدیقہ کا تو دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"دفع ہو جاؤ حریم۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی تھی۔ پیچھے سے عانیہ اور رنیم بھی وہاں آچکیں تھیں۔

"عانی آپی یہ دیکھیں۔ وہاب بھائی نے اسے اپنی تصویر سینڈ کی ہے۔" وہ فون عانیہ کی طرف لے گئی۔ عانیہ نے ایک نظر عنیقہ کو دیکھا جو چہرے پر زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں تو تمہیں کیا ہے؟ یہ ان دونوں کا آپس کا مسلہ ہے۔ تم اسے فون واپس کرو۔" بظاہر اس نے حریم کو ڈپٹا تھا لیکن درپردہ عنیقہ کو سنایا تھا حدیقہ پر تو گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ حالانکہ وہ عنیقہ کے سامنے وہاب سے محبت کا اعتراف کر چکی تھی۔ اس لحاظ سے تو اس کا شرمندہ ہونا نہیں بنتا تھا۔

حریم نے اسے فون واپس کیا تو اس نے اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"شادی کی مبارک ہو۔" عانیہ نے عنیقہ کی طرف بڑھی اور مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اگر عنیقہ اتنا کچھ کر کے ڈھیٹوں کی طرح حدیقہ سے مسکرا کر بات کر سکتی تھی تو وہ بھی کمال کی اداکارہ تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ عنیقہ ابھی تک پیچھے نہیں ہٹی۔ وہ ابھی بھی حدیقہ کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اب اس کے ہوتے ہوئے تو وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔ یہ اس نے سوچ لیا تھا۔

"خیر مبارک۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اس کے شائستہ سے لہجے پر عانیہ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ رزلٹ آنے والا ہے۔ کہیں اس کی ٹینشن تو نہیں لے رہی۔" عانیہ نے اسے کریدنا چاہا اور عنیقہ کو سبکی محسوس ہوئی۔ مارکس جو کم آتے تھے۔ میٹرک میں بھی دو سپلیاں آئیں تھیں۔ اب پتہ نہیں کتنی آتیں ہیں۔

"نہیں۔ رزلٹ بھی کوئی ٹینشن لینے والی بات ہے بھلا۔ اور مسلے تھوڑے ہیں زندگی میں۔" وہ لاپرواہی سے بولی تھی لیکن اس کے لہجے کی چبھن وہ جان گئی تھی۔

"سٹوڈنٹ لائف میں تو صرف ایک رزلٹ کا ہی تو مسلہ ہوتا ہے لیکن تم اب پریکٹیکل لائف میں آچکی ہو۔ اور شادی کے بعد تو بہت زیادہ مسلے ہوتے ہیں۔" عانیہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"مجھے شادی کا مسلہ نہیں۔ بس یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ کچھ دنوں بعد میں جرمنی چلی جاؤں گی۔ وہاں گھر والوں کی بہت یاد آئے گی۔" وہ اداسی سے بولی تو عانیہ نے شکر کیا۔ جان چھوٹے اس بلا سے۔ حدیقہ اور وہاب کی زندگی تو پرسکون ہو جائے گی۔

"تم جرمنی جا رہی ہو؟" حدیقہ نے حیرت سے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ حدیقہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر عنیقہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جلد ہی چلی گئی تھی۔

"مجھے ایسے لگتا ہے جیسے یہ اپنی شادی سے خوش نہیں۔" حریم نے اندازہ لگایا جو بالکل درست تھا۔

"ہاں۔ لیکن انسان جس کے قابل ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔" عانیہ نے کہا تو حریم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"حدیقہ تم نے اس سے پوچھا نہیں جب تم اغوا ہوئی تھی تو اس نے پھر کیا کیا تھا؟" عانیہ نے پوچھا تو حدیقہ نے وہ بتا دیا جو عنیقہ نے ابھی اس سے کہا تھا۔ عانیہ تو اس کے جھوٹ پر عش عش کر اٹھی تھی۔ چلو خیر یہ ایک لحاظ سے ٹھیک بھی تھا۔ حدیقہ کو حقیقت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ وہ بہت ہرٹ ہوتی اور یہی بات عانیہ نہیں چاہتی تھی۔

---

حریم اس وقت اکیلی کمرے میں بیٹھی تھی۔ اسے تنہائی چاہیے تھی کچھ دیر رونے کیلیے۔ ایک طرف تو بھائی کی یاد آرہی تھی اور دل کر رہا تھا کہ اڑتی ہوئی اپنے گھر پہنچ جائے اور دوسری طرف گھر والوں کی بے رخی اسے رلا رہی

تھی۔وہ ماں باپ کے چہرے پر اپنے لیے نفرت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اور وہ جانتی تھی کہ اگر ابھی وہ اپنے باپ کے سامنے چلی جائے تو وہ اسے صفائی کا موقع دیے بنا قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

اس کے فون پر حسیب بھائی کی فیس بک کھلی ہوئی تھی۔حسیب کی ابھی ابھی اپ لوڈ ہونے والی تصویر کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا۔وہ پہلے سے کچھ کمزور ہو گیا تھا۔پتہ نہیں وہ اسے یاد کرتا بھی ہو گا کہ نہیں یا دوسرے گھر والوں کی طرح اس سے نفرت کرنے لگا ہو گا۔

وہ یک ٹک سی بھائی کی تصویر دیکھ رہی تھی کہ فون پر میسج کی گھنٹی بجی تھی۔اس نے چیک کیا تو سمیع کا تھا۔کل والی کال کے بعد وہ اسے آج میسج کر رہا تھا۔دل کی مانی اور آنسو ساف کرتے ہوئے اس نے میسج دیکھ لیا۔

"بلی کہاں ہو؟"ہیں یہ کیوں پوچھ رہا ہے۔وہ میسج پڑھ کر حیران ہوئی تھی لیکن اس کی حیرانی زیادہ دیر نہیں رہی تھی۔

"حریم"حدیقہ نے دروازہ کھولتے ہوئے اسے پکارا۔اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نیچے سمیع اور عریج،عانیہ کی عیادت کیلیے آئے ہیں۔عریج تمہارا پوچھ رہی ہے۔"حدیقہ نے اس کے قریب آتے ہوئے بتایا۔تو اسے سمجھ آیا کہ وہ کیوں پوچھ رہا تھا۔

"میرا دل نہیں کر رہا کسی سے ملنے کو۔"وہ بیزاری سے بولتی لیٹ گئی تھی۔

"کسی سے مراد سمیع ہے نا؟"حدیقہ نے پوچھا۔

"جو بھی سمجھ لو۔"وہ چہرہ پھیرتے ہوئے بولی تو حدیقہ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔سمیع اس سے بار بار حریم کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔اور اس نے کہا تھا کہ وہ اسے ابھی لے کر آتی ہے لیکن یہاں تو مزاج ہی بگڑے ہوئے تھے۔وہ اور کچھ کہے بنا نیچے چلی آئی تو سمیع نے بیتابی سے حریم کے بارے میں پوچھا۔

"وہ نہیں آرہی۔"اس نے آہستہ سے بتا دیا۔

"اسے مسلہ کیا ہے آخر۔ابھی پرسوں تو ٹھیک تھی پھر ایک دم سے کیا ہو گیا ہے اسے؟"وہ دبی دبی آواز میں جھنجھلا کر بولا تھا۔اب اونچی آواز میں بول بھی نہیں سکتا تھا کہ سب پاس بیٹھے تھے۔

"حریم نیچے آؤ۔"اس نے حریم کو دوبارہ میسج کیا جسے حریم نے ایک نظر دیکھ کر ڈیلیٹ کر دیا۔وہ پہلے ہی بہت اپ سیٹ تھی اور اوپر سے سمیع بھی پتہ نہیں اسے کیوں بلا رہا تھا۔

سمیع نے دو تین میسج اور کیے لیکن کوئی جواب نہ آیا تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔یہ عجیب لڑکی تھی جو اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی اور باقی سب اس سے بات کرنے کیلیے آہیں بھرتیں تھیں لیکن اس نے کبھی پلٹ کر دوبارہ ان کی طرف دیکھا نہیں تھا۔اور مسلہ بھی یہی تھا کہ اسے صرف حریم سے ہی بات کرنی تھی۔

"حریم کا کمرہ کہاں ہے؟"اس نے دھیمی آواز میں حدیقہ سے پوچھا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"فکر مت کرو۔میں صرف اس سے ایک دفعہ بات کرنا چاہتا ہوں۔پلیز۔"وہ منت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"اوپر۔دائیں طرف دوسرا کمرہ۔"اس نے ڈرتے ہوئے بتا ہی دیا۔اگر حریم کو پتہ چلا تو وہ اسے کچا چبا جائے گی۔لیکن وہ دو پیار کرنے والوں کو الگ الگ ایک دوسرے پر غصہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔بات کرنے سے ہی مسلے کا حل نکل سکے گا۔یہی سوچ کر اس نے بتا دیا تھا۔ سمیع فون پر کسی کو کال ملاتے اٹھ کر لاؤنج سے باہر آ گیا تھا تاکہ کسی کو شک نہ پڑے کہ وہ بلاوجہ باہر کیوں گیا ہے۔سامنے ہی سیڑھیاں تھیں۔وہ جلدی سے اوپر چڑھا اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ حریم کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔اب پتہ نہیں وہ اسے اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر کیسے ری ایکٹ کرتی ہے۔اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر سوچا تھا۔پھر دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ سامنے ہی اس کی طرف پشت کیے زمین پر بیٹھی تھی۔ایک کہنی بیڈ پر ٹکائے سر اس پر رکھا ہوا تھا اور اس کی سسکیوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھیں۔وہ حیران و پریشان سا کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ہر وقت ہنسنے کھیلنے والی لڑکی کو ایسی کونسی

پریشانی تھی جو وہ اس طرح رو رہی ہے۔وہ چلتا ہوا اس کے قریب آگیا تھا لیکن وہ رونے میں اتنی مصروف تھی کہ اسے سمیع کے قدموں کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔

"حریم!" اس نے آہستہ سے پکارا تو وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔اسے اپنے سامنے دیکھ کر کچھ لمحے حیرت سے بول نہیں سکی تھی۔اور سمیع اس کی بھیگی آنکھوں کو دکھ سے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے آگئے؟" وہ یکدم اٹھ کر غصے سے پوچھنے لگی۔سمیع نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ پھر بول پڑی۔

"جاؤ یہاں سے۔" وہ آنسو صاف کرنے لگی تھی۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟" وہ اپنا سارا غصہ بھول کر نرمی سے پوچھنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا ہے؟میں روؤں یا ہنسوں۔" وہ رکھائی سے بولتی نظریں پھیر گئی تھی۔

"یہ تمہیں اچانک ہو کیا گیا ہے؟کیوں اس طرح کر رہی ہو تم میرے ساتھ؟" وہ اس کے قریب آتے ہوئے جھنجھلا کر بولا تھا۔حریم اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"کونسا غم ہے جو تمہارے اور میرے بیچ آرہا ہے۔مجھے بتاؤ۔میں اسے ختم کردوں گا۔لیکن پلیز ایسے تو مت کرو۔کیا تم اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت بھی مجھے نہیں دے سکتی؟کیا میں تمہاری دوستی کے قابل نہیں ہوں یا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟......"

"پلیز سمیع مجھے اکیلا چھوڑ دو۔مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی نہ تم سے کوئی تعلق رکھنا ہے۔میں پہلے ہی بہت پرابلم میں ہوں۔تم ان میں اضافہ مت کرو۔پلیز۔" وہ منت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے رونے لگی تھی۔اور سمیع کو اس کا ہر آنسو اپنے دل پر گرتا محسوس ہو رہا تھا۔وہ کچھ دیر تاسف سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے کندھوں سے پکڑ لیا اور کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

حریم چپ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن خود کو اس سے الگ نہ کر سکی تھی۔ دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ اور وہ سمیع کے دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔ اس پل اسے لگا تھا کہ اسے سب کچھ مل گیا ہے۔ وہ خود کو اس دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

"رولو جتنا رونا ہے۔ لیکن اس کے بعد میں تمہیں کبھی روتے نہ دیکھوں۔" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر پھر بہہ نکلا تھا۔ پھر وہ اتنا روئی تھی کہ سمیع کی شرٹ ہی بھیگ گئی تھی۔ وہ جیسے سب غموں پر آج ہی رو لینا چاہتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے دل کا غبار چھٹ گیا تو وہ چپ کر گئی تھی۔ اور اس سے الگ ہو گئی۔

"بس؟" سمیع نے شرارت سے پوچھا تو وہ اداسی سے مسکرا دی۔ اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

"میں تم سے اب یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کیوں رو رہی تھی یا تمہیں کیا پریشانی ہے لیکن یہ دعا کروں گا کہ تم مجھے خود بتاؤ جب تم مجھے اس قابل سمجھو کہ میں تمہارا غم دور کر سکتا ہوں۔" سمیع نے کہا تو اس کا دل کیا اپنے سارے دکھ اس سے بانٹ لے۔

"اور اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے کوئی تعلق نہ رکھوں تو میں تمہاری خوشی کیلیے ایسا بھی کر سکتا ہوں۔" وہ سنجیدہ ہوا تو حریم نے اسے تڑپ کر دیکھا تھا۔

"لیکن یہ یاد رکھنا میں بہت دکھی ہو جاؤں گا۔" اور اب وہ حیران ہوئی تھی۔

"تم حیران ہو رہی ہو گی کہ میں یہ سب تمہیں کیوں کہہ رہا ہوں تو سنو تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو جس نے مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے ورنہ میں تو لڑکیوں کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ لیکن تم نے میرے دل میں ہل چل مچا دی حریم۔" اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ پلکیں جھکا لیں تھیں۔ اور دل خوشی سے سرشار ہو گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں بہت پہلے سے تمہیں جانتا ہوں۔اور تمہارے دل کی بات بھی جانتا ہوں۔"اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

"تم بھی مجھے ہی چاہتی ہو لیکن تم کسی وجہ سے مجبور ہو۔"اب تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔وہ کیسے اس کے دل کا حال جان گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں اب کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا۔نہ تم سے بات کرنے کی کوشش کروں گا لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کیسا وعدہ؟"اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔

"تم ہمیشہ میری رہو گی۔مجھے چاہو گی۔تم پر صرف میرا حق ہے۔تم میری امانت ہو۔اور تم کبھی اس میں خیانت نہیں کرو گی۔جیسے بھی حالات ہوں اور تم کتنی ہی مجبور کیوں نہ ہو میرے سوا اور کسی کو قبول نہیں کرو گی۔بولو کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟"وہ اس کے کندھوں کو تھام کر رعب سے بولا تھا اور اس کی گھمبیر آواز حریم کو دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔وہ بھی تو ایسا ہی چاہتی تھی لیکن کیا وہ ایسا کر سکے گی۔ہاں وہ کر سکے گی۔دل پورے یقین کے ساتھ دھڑکا تھا۔اس نے بھیگی پلکیں اٹھائیں اور اس دیکھا۔ہلکا سا مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔سمیع کے دل میں ڈھیروں سکون اتر گیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔خاموشی سے تمہارا انتظار کروں گا۔"وہ بول کر ذرا سا مسکرایا اور پلٹ گیا تھا۔حریم کا دل کیا اسے روک لے لیکن اس نے خود ہی تو اسے دور کیا ہے۔اور ابھی یہی بہتر تھا۔

--------------------------

"یار لائف سخت بور چکی ہے۔" عانیہ نے لاؤنج میں آ کر منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔ اور وہ تینوں جو لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھیں اب اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"کیا ہوا؟" حدیقہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے نرمی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ دل کو سکون نہیں مل رہا۔ شاید کچھ نیا چاہتا ہے۔ ایک ہی جگہ لیٹ لیٹ کر میں اکتا چکی ہوں۔"

"تو کوئی بات نہیں۔ ہمارے ساتھ ڈرامے دیکھو۔ وقت اچھا کٹ جائے گا۔" حدیقہ نے اسے مشورہ دیا۔

"نو۔ کچھ اور۔" وہ ضدی بچوں کی طرح بولی۔

"اوکے مجھے بتاؤ۔ میں ایسا کیا کروں کہ تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے۔"

"تم سچ میں وہ کرو گی؟" اس نے پوچھا تو حدیقہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ حریم اور رنیم کو تجسس ہوا کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔

"ڈانس کرو۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو حدیقہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔ حریم اور رنیم بھی حیران ہوئیں۔

"ڈانس؟"

"ہاں تمہیں شغل ڈانس آتا ہے نا۔"

"لیکن وہ سیکھے تو کافی عرصہ ہو گیا ہے۔"

"کیا؟...... حدیقہ تمہیں ڈانس کرنا آتا ہے؟" حریم نے حیرت سے پوچھا۔

"اب کوئی نہیں آتا۔" وہ تیزی سے بولی۔

"آتا ہے۔ جھوٹ مت بولو۔" عانیہ نے کہا۔

"اگر ڈانس دیکھنا ہے تو انٹرنیٹ پر دیکھ لو۔"

"نہیں تمہارا ہی دیکھنا ہے۔"

"اوکے لیکن ساتھ گانا تم گاؤ گی۔"

"اوکے ڈن۔" عانیہ مان گئی۔

"آپی آنی آپ کو گانا گانا آتا ہے۔" حریم اب حیران سی عانیہ سے پوچھنے لگی تھی۔

"ایک منٹ عانیہ تمہیں تو صرف وہی آتا ہے نا۔ جو تم نے برتھ ڈے پر گایا تھا اور مجھے دوسرے گانے پر ڈانس آتا ہے۔"

"کونسا گانا؟"

"فیڈڈ۔"

"ٹھیک پھر میں یہی گاتی ہوں۔ حریم اس کا بیک گراؤنڈ میوزک لگاؤ۔" اس نے حریم سے کہا تو وہ جلدی سے گوگل کھول کر ٹائپ کرنے لگی۔

"آ گیا۔ لگا دوں۔" حریم پر جوش لہجے میں بولی۔

"ایک منٹ۔" حدیقہ کہہ کر تیزی سے کمرے میں چلی گئی اور جب وہ باہر آئی تو اس کے پیروں میں سفید جاگرز تھے۔ سر پر پی کیپ تھی اور گولڈن بال دو پونیوں میں بندھے آگے کی طرف آئے ہوئے تھے۔ اور وہ اس وقت بے بی پنک کلر کی بلاؤز ٹاپ، سفید گھٹنوں سے اوپر تک آتی سکرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس تھی۔ سب نے اسے متاثر نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ ان کے سامنے ایک کھلی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ حریم نے عانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے ون، ٹو، تھری کہہ کر اسے اوکے کا اشارہ دے دیا۔ اور حریم نے میوزک پلے کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے عانیہ کی خوبصورت آواز آہستہ آہستہ سے ابھری تھی۔

You were the shadow to my light

?Did you feel us

Another star

You fade away

Afraid our aim is out of sight

Wanna see us

Alight

حریم اور ریئم کی حیران رہ گئی تھیں۔اتنی خوبصورت اور دلکش آواز انہوں نے پہلی بار سنی تھی۔ ریئم نے تو پہلے کبھی گانا سنا ہی نہیں تھا لیکن حریم نے یہ گانا سنا ہوا تھا۔میوزک کے ساتھ اس کا پرفیکٹ میچ تھا۔اب وہ رک چکی تھی اور تیز دھن شروع ہو گئی تھی۔اب حدیقہ کے جسم کو جنبش ہوئی تھی اور سب کی نظریں اس کے پیروں پر لگ گئیں تھی۔وہ شفل ڈانس کر رہی تھی جس میں دونوں پاؤں ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوتے زمین پر رگڑ کھاتے حرکت کرتے ہیں۔یہ ڈانس اس نے اس وقت سیکھا تھا جب وہ سولہ سال کی تھی۔اسے صرف یہی ایک ڈانس پسند آیا تھا۔اور جو چیز اسے پسند آتی وہ اسے سیکھ لیتی تھی۔

?Where are you now

?Where are you now

?Where are you now

?Was it all in my fantasy

?Where are you now

?Were you only imaginary

عانیہ آنکھیں بند کیے بڑے جذب کے عالم میں گاتی تھوڑی دیر کے لیے رکی تھی اور حدیقہ کے پاؤں دھن کی لے کے ساتھ اتنی تیزی سے حرکت کر رہے تھے کہ حریم اور رینم کو اپنی آنکھیں تھکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں تھیں۔

?Where are you now

Atlantis

Under the sea

Under the sea

?Where are you now

Another dream

The monster's running wild inside of me

I'm faded

I'm faded

So lost, I'm faded

I'm faded

So lost, I'm faded

حدیقہ کے خوبصورت فٹ سٹیپس یہاں تھوڑے مدھم ہوئے تھے کیونکہ دھن سلو ہو گئی تھی۔عانیہ بھی دھیرے دھیرے سے گانے لگی تھی

These shallow waters never met what I needed

I'm letting go a deeper dive

Eternal silence of the sea. I'm breathing alive

?Where are you now

?Where are you now

Under the bright but faded lights

You've set my heart on fire

?Where are you now

?Where are you now

اور یہاں سے وہ پھر تیزی سے ڈانس کرنے لگی تھی۔ دھن تیز ہو گئی تھی۔ اس کا اوپری جسم اتنا حرکت نہیں کر رہا تھا لیکن دونوں بازو آگے پیچھے ہو رہے تھے۔

?Where are you now

Atlantis

Under the sea

Under the sea

?Where are you now

Another dream

The monster's running wild inside of me

I'm faded

I'm faded

So lost, I'm faded

I'm faded

So lost, I'm faded

اس نے آنکھیں کھولیں تو حدیقہ بھی آخری سٹیپس ختم کر چکی تھی۔

"واؤ۔زبردست پرفارمینس۔" حریم نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ ریئم نے بھی تالیاں بجا کر داد دی اور وہ مسکراتی ہوئی عانیہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"یار میں نے تو صحیح طرح سے دیکھا ہی نہیں۔" عانیہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اب میں دوبارہ نہیں کروں گی۔" وہ بدک کر بولی

"کوئی بات نہیں عانی آپی۔ آپ یہ دیکھ لیں۔" حریم نے اپنا فون عانیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو عانیہ نے حیرت سے پکڑ کر دیکھا۔

"حریم تم نے میری ویڈیو بنالی ہے۔" حدیقہ فون کی سکرین دیکھ کر صدمے سے بولی تو حریم نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں سر ہلا دیا تو اس نے اسے غصے سے گھورا۔ اس سے پہلے کہ وہ فون لے کر ویڈیو ڈیلیٹ کرتی حریم اس کا ارادہ بھانپ گئی اور تیزی سے فون جھپٹ لیا۔

"حریم ڈیلیٹ کرو۔" وہ غصے سے بولی۔

"کیوں؟" وہ کندھے اچکا کر بولتی اسے مزید تپا گئی۔

"عانیہ اسے کھونا ڈیلیٹ کرے۔" وہ بولی تو عانیہ نے حریم سے فون مانگا۔ لیکن وہ فون اپنے پیچھے کر کے کھڑی ہو گئی۔ حدیقہ بھی اٹھ کر اس کی طرف بڑھی لیکن وہ بھاگ کر صوفے کے پیچھے چلی گئی اور حدیقہ بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگی۔ آگے پیچھے بھاگتی وہ دونوں سیڑھیوں کے دہانے پر پہنچ گئیں تھیں۔ حریم نے اسے ایک نظر مڑ کر دیکھا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ پیچھے حدیقہ بھی تیزی سے سیڑھیاں اکٹھی پھلانگنے لگی تھی۔ جب وہ درمیان میں پہنچیں تو حریم کو وہاب بھائی نظر آئے تھے جو فون پر کسی سے بات کرتے تیزی سے راہداری کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اور اس کیلیے سیڑھیوں کے سامنے سے گزر کر جانا تھا۔ حریم کے شرارتی دماغ نے اسی وقت ایک پلان بنایا اور اس نے کچھ اور سوچے سمجھے اس پر عمل بھی کر دیا۔

سیڑھیوں کے دائیں طرف دیوار تھی اور دوسری طرف ریلینگ تھی۔ حدیقہ نے اسے رکتے دیکھا تو اس کی طرف آتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے کو پکڑنا چاہا۔ لیکن حریم پھرتی سے مڑتی دائیں جانب دیوار کے ساتھ لگ گئی اور حدیقہ جس کے دونوں پاؤں اکٹھے ہی اوپر اٹھ چکے تھے اور سامنے سے جگہ بھی خالی ہو چکی تھی تو اس کا نیچے گرنا بنتا تھا۔

وہاب بھی اس وقت سیڑھیوں کے سامنے پہنچ چکا تھا اور حدیقہ کو نیچے گرتے دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ وہ ہوا میں لہراتی اور گھومتی ہوئی نیچے آ رہی تھی لیکن وہاب نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں سنبھال کر نیچے گرنے سے بچا لیا۔ حدیقہ جو ڈر کے مارے آنکھیں بند کیے اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ ابھی اس کے کہیں چوٹ لگے گی اور وہ درد کی وجہ سے چیخ اٹھے گی، انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ وہاب اس کے چہرے پر جھکا مسکرا دیا تھا۔ اسی پل حدیقہ نے آنکھیں کھول دیں اور خود کو وہاب کے بازوؤں میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ان کے دل نے ایک ایک بیٹ مس کی اور ایک ہی لے پر دھڑکنے لگے تھے۔ حدیقہ نے سٹپٹا کر اوپر دیکھا تو

حریم سیڑھیوں پر کھڑی انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ وہاب نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں اوپر دیکھا تو اسے جلدی سے سیدھا کر کے چھوڑ دیا۔

"تم نے پھر میرے فون کی سکرین توڑ دی۔" وہ تاسف سے کہتا نیچے جھکا اور اپنا فون اٹھا لیا۔ حدیقہ کو بچانے کے چکر میں فون نیچے گر پڑا تھا۔ لیکن حدیقہ خاموشی سے سر جھکائے لب کاٹتی رہی۔

"دھیان سے چلا کرو۔" وہ مسکرا کر اس کے سر پر تھپکی دیتا آگے بڑھ گیا۔ اور حریم نیچے اتر کر اس کے قریب آگئی تھی۔

"کہیں لگی تو نہیں؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ حدیقہ ابھی تک اس گم صُم سی کیفیت سے باہر نہیں نکلی تھی سو خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"سوری۔" حریم نے شرمندہ لہجے میں کہا تھا۔ اس کے خیال میں اب تو حدیقہ کو اس پر غصے سے چلانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ خاموشی سے رخ پھیر گئی اور آنکھیں بند کر کے برا سا منہ بنایا۔ اب تو حریم کا سامنا بھی نہیں کرنے ہو رہا تھا۔

"تم نے بھی تو سمیع کو اوپر بھیجا تھا نا۔ یہ اس کا بدلہ تھا۔" حریم نے اسے اس کیفیت سے نکالنے کیلیے بات بدلنی چاہی۔

"اس نے بتا دیا تمہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔ آج کل تو بھلائی کا زمانہ ہی نہیں۔ اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

"نہیں مجھے پتہ تھا تم نے ہی اسے میرے کمرے کے بارے میں بتایا تھا۔"

"اس نے خود پوچھا تھا۔ پھر میں کیا کرتی۔"

"میں کونسا تمہیں کچھ کہہ رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو حدیقہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا کہا پھر اس نے؟" حدیقہ تجسس سے بولی۔

"سچ بتاؤں۔" وہ اس کے تجسس کو ہوا دیتے ہوئے بولی۔

"ہاں"

"اس نے مجھے پرپوز کیا۔" وہ رازدارانہ انداز میں بتانے لگی تھی۔ حدیقہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کیا؟.....اور تم نے کیا کہا پھر؟" وہ خوشی سے چلائی تھی۔

"آہستہ بولو۔"

"اچھا بتاؤ نا۔"

"میں نے ہاں کہہ دیا۔" وہ شانے اچکا کر ادائے بے نیازی سے بولی تھی تو حدیقہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"لیکن تم نے تو کہا تھا...."

"ہاں میں نے اس سے بھی یہی کہا تھا کہ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھ سے کسی طرح کا رابطہ رکھنے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن ساتھ ہی اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ بھی لے لیا ہے۔"

"اور اگر تمہارے پیرنٹس نے تمہاری شادی کہیں اور کرنی چاہی۔" حدیقہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ شاید زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے نہ مل سکوں۔ اور اگر ملوں گی تو ابھی نہیں۔ چھ سات سال بعد۔ جب میں اس قابل ہو جاؤں گی کہ وہ میری بات کا یقین کرنے لگیں۔ تب میں انہیں بتا دوں گی کہ میں سمیع سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ مجھے جانتے ہیں جو کچھ بھی مجھے پسند آئے میں جھجھکے بغیر وہ مانگ لیتی ہوں۔ اور اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلے پر میں کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتی۔ وہ اس وقت مجھے انکار نہیں کر سکیں گے۔" وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر غیر مرئی نقطے کو دیکھتی بول رہی تھی اور پھر اس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے مسکرا دی۔

"وش یو بیسٹ آف لک۔"

"ویسے سوچو اگر کبھی وہاب بھائی تمہیں پرپوز کریں تو تم میں اتنی ہمت ہے کہ ہاں کہہ سکو۔" حریم نے شرارت سے کہا تو حدیقہ اسے غصے سے گھور کر رہ گئی۔

"تمہاری بہادری کا قصہ تو میں جا کر تمہاری عانی آپی کو بتاتی ہوں نا۔" حدیقہ کہتی اوپر جانے لگی۔

"میں خود انہیں بتا دوں گی۔ تم رہنے دو۔" وہ بھی کہتی اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

"لیکن اگر انہوں نے برا منایا تو؟"

"ارے وہ ایسی نہیں ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ ہر انسان کی زندگی اس کی اپنی ملکیت ہے وہ جس طرح چاہے گزارے۔" حدیقہ نے اسے تسلی دی۔

"عانیہ اس نے تم سے ایک بات کہنی ہے۔" حدیقہ نے واپس آتے ہوئے کہا تو عانیہ نے حیرانی سے حریم کی طرف دیکھا۔ حریم نے گڑبڑا کر حدیقہ کی طرف دیکھا تو اس نے اشارہ کیا کہ بولو نا اب۔ لیکن اس پل اس پر ادراک ہوا تھا کہ وہ عانی آپی کے سامنے بلا جھجک یہ نہیں کہہ سکے گی۔

"کیا بات ہے حریم؟" عانیہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"اوہ لڑکی شرما گئی۔ میں بتاتی ہوں۔ حریم کو ایک لڑکے نے پرپوز کر دیا اور وہ بھی پانچویں ملاقات میں۔" حدیقہ نے پرجوش لہجے میں کہا اور عانیہ حیرانی سے منہ کھولے حریم کو دیکھنے لگی۔ حریم نے ڈرتے ہوئے لب کاٹے۔ اور جس طرح اس نے شرماتے ہوئے چہرہ جھکایا تھا عانیہ کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ بہت خوش ہے۔

"ارے اتنی جرات کس کی ہوئی کہ اس نے حریم کے ساتھ پنگا لیا۔" وہ شرارت سے مسکرا کر بولی۔

"سمیع۔" حدیقہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"وہ عریج کا بھائی؟"عانیہ نے خوشگوار حیرت سے پوچھا تھا۔وہ بہت اچھا لڑکا تھا اور سب سے بڑھ کر ہینڈسم تھا۔اور حریم تو ویسے ہی ہمیشہ سے خوبصورتی کو پسند کرتی تھی۔خود بھی تو وہ خوبصورت تھی اور ایک خوبصورت انسان کو چاہنا اس کا حق تھا۔عانیہ کو حریم اور سمیع کی جوڑی پرفیکٹ لگی تھی۔

"ہاں۔"

"حریم تم نے انکار تو نہیں کر دیا اسے؟"ریئم نے پوچھا۔

"نہیں۔لیکن میں نے اسے کہا ہے کہ جب تک میں نہ چاہوں وہ مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھ سکتا۔"وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"کیوں؟"عانیہ صدمے سے بولی۔

"پہلے مجھے اپنی فیملی کو یہ دکھانا ہے کہ میں بری لڑکی نہیں ہوں۔اس لیے مجھے بہت محنت کرنی ہے۔میں ایک دن سائنٹسٹ بن جاؤں گی اور میری فیملی کو مجھ پر یقین آجائے گا کہ میں کسی کے ساتھ بھاگی نہیں تھی۔اگر بھاگتی تو سائنٹسٹ نہ بنتی۔"وہ سنجیدگی سے بولی۔

"لیکن اس کیلیے بہت عرصہ لگے گا۔کیا سمیع تمہارا انتظار کرلے گا؟"عانیہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"تو پھر تم بے فکر رہو تمہاری شادی اسی سے ہوگی۔میں تمہارے پیرنٹس کو منانے میں تمہاری ہیلپ کروں گی اور انہیں یقین دلاؤں گی کہ تم خود نہیں گئی تھی بلکہ تمہیں اغوا کیا گیا تھا۔"عانیہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بھی احسانمندی سے مسکرا دی۔

"چلو حریم اسی خوشی میں میری ویڈیو ڈیلیٹ کرو۔"حدیقہ نے کہا۔

"کیوں۔آپی عانی آپی کو ایک دفعہ دکھا تو لوں۔"

"اچھا پھر کر دینا"

"ٹھیک ہے کر دوں گی۔ آپی آپ کو ایک اور بھی چیز دکھانی ہے۔" حریم نے عانیہ کے سامنے موبائل کیا۔ اس ویڈیو میں حدیقہ سیڑھیوں سے گرتی وہاب کے بازوؤں میں جا رکی تھی۔ اور حدیقہ حیران رہ گئی تھی کہ اس نے اتنی جلدی اس کے گرنے کی ویڈیو بھی بنالی۔ خود کو گرتے دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی تھی۔ لیکن وہ اپنی ہنسی کا گلا گھونٹتی غصے سے حریم کو ویڈیو ڈیلیٹ کرنے کا کہتی رہی۔ حریم نے بھی کچھ دیر اسے تنگ کر کے دونوں ویڈیوز ڈیلیٹ کر دیں لیکن حدیقہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے اس کے ڈانس والی ویڈیو ڈیلیٹ کرنے سے پہلے کاپی کر لی تھی۔

---

شام کے سائے ہر سو لہرانے لگے تھے۔ اور سارا گھر سفید رنگ کی لائٹس سے جگمگا اٹھا تھا۔ وہ تینوں اس وقت عانیہ کے کمرے میں موجود تھیں۔ اور عانیہ انہیں عید کے گفٹس دے رہی تھی۔ وہ خوبصورت لباس تھے جو اس نے مام کی بوتیک سے آرڈر کروائے تھے۔ لیکن حدیقہ کا نہیں منگوایا تھا کیونکہ وہاب نے اس کے لیے جو لباس خریدا تھا وہی اسے دینا تھا۔ ایک خوبصورت سی ساڑھی عمرینہ آنٹی کے لیے بھی منگوائی تھی۔ ادیبہ کو بھی ایک لباس گفٹ کیا تھا۔ اور اپنے لیے وہ میکسی منگوائی تھی جو مام کو اس پر سب سے زیادہ خوبصورت لگی تھی۔

"یہ فرسٹ ڈے پہننے ہیں تم لوگوں نے۔" اس نے خاص طور پر حدیقہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہاب بھائی سے وعدہ جو کیا تھا کہ حدیقہ پہلے دن ان کا خرید الباس ہی پہنے گی۔

"کتنے خوبصورت ہیں۔ یہ آپ کی ماما نے ڈیزائن کیے تھے؟" حریم بولی۔

"ہمم۔" وہ اداسی سے مسکرا دی۔ یہ اس کی پہلی عید تھی جو مام ڈیڈ کے بغیر گزرنے والی تھی اور اب تو سب عیدیں ان کے بغیر ہی گزرنی تھیں۔ لیکن وہ کل کچھ دیر مام ڈیڈ کے پاس گزارنا چاہتی تھی۔ اس نے آنٹی عمرینہ سے کہا تھا کہ وہ کل صبح صبح قبرستان جانا چاہتی ہے تو انہوں نے اجازت تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس سے اس کی تشنگی ختم

نہیں ہو گی۔ آج بھی وہ دونوں اسے بے حساب یاد آتے تھے۔ دوسروں کے سامنے تو وہ خود کو سنبھال لیتی تھی لیکن تنہائی میں وہ روپڑتی تھی۔ اسی لیے اب تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ وہ اب زیادہ تر خود کو دوستوں میں مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ اب بھی ان دوستوں کے چہروں پر چمکتی خوشی دیکھ کر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"باجی عانیہ وہ ریان صاحب آگئے ہیں اور آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔" ادیبہ نے آکر اطلاع دی تو وہ اٹھ کر جلدی سے نیچے بھاگی۔

"اوہ سالار۔ یہاں آؤ۔" وہ سیڑھیوں سے اتر کر لاؤنج میں آئی تو وہاں ریان کے ساتھ سالار کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائی۔ سالار بھی مسکراتا اس کی طرف بڑھا تو اس نے جھک کر ایک بازو اس کے کندھے پر حمائل کرتے ہوئے گلے لگایا تھا۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ کے دوسرے بازو کو کیا ہوا؟" سالار نے محسوس کیا کیا تھا کہ اس نے ملتے وقت دوسرے بازو کا استعمال نہیں کیا تھا۔

"اس میں تھوڑا درد ہے۔" وہ اس کی سمجھداری سے متاثر ہوئی تھی۔

"تو پھر آپ مجھے جھولا نہیں دیں گیں؟" وہ اداسی سے پوچھنے لگا اور عانیہ ہنس پڑی۔

"فکر مت کرو میں دے دوں گا۔" ریان نے پیچھے سے کہا تو سالار حیران ہوا تھا۔ یہ ریان انکل کو کیا ہو گیا تھا۔ اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے تھے۔ پہلے تو کبھی نہیں دی تھی۔ اسے جہاز کا جھولا دلوایا۔ راستے میں اس کا خیال بھی رکھا اور اب اس کو خود جھولا دیں گے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے لیے سفارش ہی اونچی جگہ سے آئی تھی۔

"ارے واہ تمہارا دوست تو بہت پیارا ہے۔" حدیقہ نے سالار کے گال پچکارتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گیا تھا۔

"ہاں اور میں نے اس کے لیے گفٹ بھی لیا ہے۔ چلو آؤ میرے ساتھ۔" عانیہ اسے اپنے ساتھ اوپر لے آئی تھی اور اسے ایک گفٹ دیا۔ سالار نے تجسس سے کھولا تو اندر سے ایک خوبصورت گھڑی نکلی تھی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ پھر اتنی دیر وہ اسے اپنے سکول کی باتیں سناتا رہا تھا۔ جسے عانیہ کے ساتھ ان تینوں نے بھی بڑی دلچسپی سے سنا تھا۔

---

"ریم تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" عانیہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی تھی۔ ریم نے چونک کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔ وہ اس وقت ٹیرس پر لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی۔

"ویسے ہی آسمان دیکھ رہی تھی۔"

"کیوں؟"

"رات کو چاند تارے دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے مجھے۔ کتنا کھلا آسمان ہے۔ میں جب بھی اسے دیکھتی ہوں تو مجھے سب کچھ اپنا اپنا سا لگتا ہے۔" وہ چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے تمہیں پیار ہو گیا ہے تبھی چاند تاروں کی بات کر رہی ہو۔" عانیہ نے شرارت سے مسکراہٹ دبائی۔ اور ریم تو گڑبڑا کر رہ گئی۔ کیا اس کا راز کھل گیا۔ اس نے پریشانی سے سوچا۔ اس نے تو ہمیشہ سے اپنی خواہشات کو دل میں دبا کر رکھا تھا۔ کیونکہ اسے کبھی امید ہی نہیں رہی تھی کہ اس کی خواہشات پوری ہوں گیں تو دوسروں کو بتانے کا فائدہ کیا۔ اب بھی وہ ناامید تھی۔

عانیہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور اسے اپنی بات سچ ثابت ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہے۔ کیا ہوا؟ کہیں سچ میں تو نہیں....."

"نہیں۔ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ریئم میں تمہاری دوست ہوں۔اور تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اپنے ہر غم اور خوشی میں مجھے شامل کرو گی۔"عانیہ نے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔لیکن مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ وہ میری خوشی ہے کہ غم۔"اس نے عانیہ کو بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"کون؟"عانیہ نے بے اختیار پوچھا۔

"عمیر۔"اور وہ بھی بے اختیار ہی بولی تھی۔عانیہ حیران ہوئی۔

"وہ وہی ہے عانیہ جو بچپن سے میرے خوابوں میں آتا ہے۔نیلی آنکھوں والا مغرور شہزادہ۔"وہ چاند کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"کیا؟..... مطلب عمیر بالکل وہی لڑکا ہے جسے تم نے خواب میں دیکھا ہے؟"وہ بے یقین سی تھی۔ریئم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو پھر پریشانی کی کیا بات ہے؟جو لڑکا تمہارے خوابوں میں آتا تھا وہ اب حقیقت میں تمہارے سامنے ہے اور تم اداس ہو۔"

"پتہ نہیں اب میں مزید اداس رہنے لگی ہوں۔اب سوچتی ہوں کاش میں اس سے نہ ملی ہوتی۔یہ انتظار ہی رہتا۔حسرت تو نہ بنتا۔"

"کیوں ریئم؟....تم اتنی مایوس باتیں کیوں کر رہی ہو۔تم میں کونسی کمی ہے کہ کوئی تمہیں پسند نہ کرے۔تم ہر لحاظ سے چاہے جانے کے قابل ہو۔"

"اور اگر اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو؟"وہ خوفزدہ لہجے میں بولی تھی۔

"کیوں ٹھکرائے۔ آخر کوئی وجہ بھی تو ہو؟" عانیہ نے اسے یقین دلانے کے لیے پر زور لہجے میں کہا۔

"ہو بھی تو سکتی ہے۔ اگر وہ کسی اور کو پسند کرتا ہوا تو؟"

"میں جانتی ہوں اسے۔ ابھی تک اس کی زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آئی۔ وہ بھی حدیقہ کی طرح تھوڑا شرمیلا ہے۔ تھوڑا نخریلا اور جذباتی سا ہے۔ غصے بہت جلدی ہو جاتا ہے لیکن دل کا بہت اچھا ہے۔..... اگر کہو تو میں پتہ کروں نا کہ موصوف کے ارادے کیا ہیں۔" وہ آخر میں شرارت سے مسکرائی اور رنیم جو بڑی دلچسپی سے عمیر کے بارے میں سن رہی تھی اس آخری بات پر چونکی تھی۔

"کیوں مروانا ہے یار۔ اگر اس نے غصے میں آکر ریان بھائی کو میرا بتا دیا تو؟" وہ بدک کر بولی تو عانیہ ہنس دی۔

"ریان کی فکر مت کرو تم۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اور ویسے بھی کسی کو پسند کرنا بری بات تو نہیں نا۔"

"پھر بھی وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے اور خود عمیر کیا سوچے گا۔ میں اس کے بے رخی تو برداشت کر سکتی ہوں لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتی کی وہ میرے بارے میں کچھ برا سوچے۔ اس کے لیے میں ساری زندگی یہ خواہش دل میں دبا کر بھی رکھ سکتی ہوں۔"

"لیکن تمہاری یہ خواہش تم سے اب چھپے بھی چھپائی نہیں جائے گی۔ تمہاری آنکھیں سب کچھ کہہ دیں گیں۔ اس لیے تم اسے زیادہ چھپانے کی کوشش مت کرو اور اچھے کی امید رکھو۔ تم اتنی دور سے عمیر کے پاس پہنچ گئی ہو کیا یہ صرف اتفاق ہے۔ تم دونوں کا کوئی نہ کوئی خاص تعلق تو ہو گا نا۔ آگے بھی اچھا ہو گا۔"

" تھینکس عانیہ۔ ہر دفعہ کی طرح میری ہمت بندھانے کے لیے۔ ریان بھائی بہت خوش قسمت ہیں جو انہیں تم ملی ہو۔ پتہ نہیں اب تم میری بھابھی کب بنو گی۔"

" تین سال بعد۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا؟" ریئم خوشگوار حیرت کے ساتھ بولی۔

"ہاں اور عید کے بعد انگیجمنٹ ہونے جارہی ہے۔ حیدر انکل اور ریان کی بات ہو چکی ہے پھر عمرینہ آنٹی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بھی ہاں کہہ دیا۔"

"ارے تم تو چھپی رستم نکلی۔"

"میں نہیں تمہارا بھائی۔ اس نے خود انکل سے شادی کی بات کی ہے۔" اس نے ریان کو یاد کر کے ناک سکوڑی۔

"اچھا لیکن انہوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ پوچھوں گی ذرا۔ ویسے میں ان سے بہت ہی خوش ہوں۔ ان کی وجہ سے مجھے اتنی اچھی بھابھی مل رہی ہے۔ کتنا مزا آئے گا تمہاری منگنی پر۔"

"صرف میری منگنی نہیں۔ حدیقہ کی شادی بھی ہو رہی ہے وہاب بھائی کے ساتھ اسی دن۔" عانیہ نے اسے اطلاع دی اور ریئم حیران تو ہوئی لیکن زیادہ حیران حدیقہ ہوئی تھی جو مہندی لگوا کر ان کے پاس آ رہی تھی لیکن یہ خبر سن کر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ وہ وہیں دیوار کے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی اور اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"کیا؟.... حدیقہ کی شادی ہو رہی ہے؟"

"ان دونوں کا نکاح بچپن میں ہی ہو گیا تھا اب صرف رخصتی کرنی ہے۔" عانیہ نے کہا تو حدیقہ کو اس دفعہ حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس کا نکاح وہاب کے ساتھ بچپن میں ہو گیا تھا اور اسے پتہ بھی نہیں۔ اس کا مطلب وہاب اس کا شوہر تھا۔

(اوہ نو.... نو.... نو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں یقیناً کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ وہاب؟..... وہاب میرا ہزبینڈ ہے۔ اف حدیقہ اف۔ اب کیا ہو گا؟) اس کا ذہن یہ حقیقت قبول کرنے سے انکاری ہو رہا تھا۔

"کیا؟.... وہ دونوں میاں بیوی ہیں؟" ریئم کی آواز پر حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔

"ہاں جب وہاب بھائی دس سال کے تھے اس وقت اس کی ماں کی آخری خواہش کو پورا کرنے کے لیے عمرینہ آنٹی نے وہاب بھائی اور حدیقہ کا نکاح کروا دیا تھا۔ وہاب بھائی جانتے تھے لیکن حدیقہ کو اس بارے میں کچھ نہیں پتہ۔ اور عمرینہ آنٹی نے مجھے کہا کہ میں حدیقہ کو یہ بات بتاؤں۔ تاکہ اسے شادی کیلیے راضی کیا جا سکے۔ جب حدیقہ اغوا ہوئی تھی تو اس دن عنیقہ کی شادی تھی اور حدیقہ کی تائی نے سب کے سامنے وہاب بھائی پر الزام لگایا تھا کہ وہ حدیقہ کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ پھر ان کے نکاح کے بارے میں سب کو بتانا پڑا تھا۔ اس لیے اب یہ شادی ضروری ہو گئی ہے۔......" عانیہ کچھ آگے بھی بتا رہی تھی لیکن حدیقہ سے اب اور کچھ سننے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ وہ منہ پر سختی سے ہاتھ جمائے بھاگتی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ اس شادی سے بہت خوفزدہ ہو چکی تھی اور دوسری طرف تائی جان کی اس حرکت پر بہت پریشان ہو گئی تھی۔ شاید اسی لیے ماما بابا اس کی جلد از جلد شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ وہاب کا کیسے سامنا کرے گی اب۔ اس کا دل زور سے کانپا تھا۔ اس نے گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا لیکن دل تھا کہ زور زور سے دھڑکا ہی جا رہا تھا۔ کچھ دن بعد وہ وہاب کے کمرے میں ہو گی۔ یہی سوچ سوچ کر اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے۔ لیکن اندر کہیں سے دل چپکے سے مسکرایا تھا۔ وہ تو چاہتا ہی وہاب کا ساتھ تھا۔ اس کی تو تمنا پوری ہو رہی تھی لیکن وہاب کو فیس کرنا اب اس کیلیے بہت مشکل تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی۔ لیکن یہ ضروری تھا خاص طور پر وہاب اور اس کی عزت کیلیے۔ اور وہاب کیلیے تو وہ جان بھی دے سکتی تھی۔ سورات کے آخری پہر وہ اس رشتے کو قبول کر چکی تھی۔ خود کو ذہنی طور پر اس شادی کے لیے منا چکی تھی اور اتنی ہمت پیدا کر چکی تھی کہ سب کا سامنا کر سکے البتہ وہاب کا سامنا کرنے کی ابھی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

-------------------------------

آج عید الاضحیٰ کا دن تھا۔ فجر کی نماز کے بعد سورج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ چمکتا طلوع ہو گیا تھا۔ قریبی مساجد کے سپیکرز میں تکبیر تشریق اونچی آواز میں پڑھی جانے لگی تھی۔ اور ماحول سحر زدہ ہو چکا تھا۔

عانیہ اس وقت قبرستان میں آئی ہوئی تھی۔ ریان بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس سے تھوڑا دور کھڑا ہو گیا تھا اور عانیہ مام ڈیڈ کی قبروں کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔ زخم پھر سے تازہ ہونے لگے تھے۔ ذہن کے پردوں میں کبھی مام کا چہرہ آتا اور کبھی ڈیڈ کا۔ بہت ضبط کے باوجود بھی وہ اپنے آنسو روک نہیں سکی تھی۔ دونوں قبروں پر وہ پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔ ساتھ ساتھ زیر لب اپنے دل کی باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔ لیکن کوئی جواب نہ پا کر اس کا دل دکھ سے پھٹنے والا ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سورت فاتحہ پڑھی اور سرخ گلاب کے پھول دونوں کی قبروں پر بکھیر دیے۔ پھر وہیں کچھ دیر بیٹھی روتی رہی تھی۔ ریان اب اس کے قریب آ گیا تھا۔

"اٹھو دیا۔ گھر چلیں۔" وہ اس کے رونے کی وجہ سے دکھی ہو گیا تھا اور اب مزید روتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے ذرا سا جھک کر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ عانیہ نے اس کی طرف دیکھے بنا اس کی کلائی دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی اور اپنا سر ہاتھوں پر ٹکا کر بلک بلک کر رونے لگی۔ ریان بھی اس کے ساتھ گھٹنے اور پنجے کے بل بیٹھ گیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو سینے لگا کر سہلانے لگا تھا۔

"بس۔ بس۔ چپ ہو جاؤ۔ وہ ٹھیک ہیں۔ جنت میں ہیں۔ جو اس دنیا سے ہزاروں گنا بہتر ہے۔ اس لیے ان کے لیے روؤ مت۔ بلکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ اور تمہیں پتہ ہے شہید کو مرتے وقت ذرا سا بھی درد نہیں ہوتا۔" وہ دھیمے لہجے میں اس کو تسلی دے رہا تھا اور اس کی آخری بات پر عانیہ چونکی تھی۔

"مام ڈیڈ کو بھی درد نہیں ہوا تھا نا؟" وہ اس سے الگ ہو کر اسے دیکھتے ہوئے معصومیت سے پوچھنے لگی تھی۔ ریان نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہی بات تو اسے اتنی تکلیف دیتی تھی کہ اس کے مام ڈیڈ کو مرتے وقت بہت درد ہوا ہو گا لیکن شہید کو درد تو ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ شہید کبھی مرتا نہیں۔ وہ تو زندہ رہتا

ہے۔اس کی روح جنت کے پرندوں میں منتقل ہو جاتی ہے۔اس لحاظ سے شہید کیلیے رونے کی بجائے توخوش ہونا چاہیے۔

اس نے آنکھوں سے آنسو پونچھ ڈالے اور قبروں کی جانب دیکھ کر مسکرا دی۔اسے لگ رہا تھا کہ مام ڈیڈ جنت میں بہت خوش ہیں اور اسے بھی اب خوش رہنا ہے۔رہی جدائی تو وہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہو ہی جائے گی۔اگلے جہان وہ ان سے ضرور ملے گی۔

گاڑی میں وہ خاموشی سے بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں آنسوؤں کی بجائے امید کی چمک تھی۔آج شاید اسے پوری طرح صبر آچکا تھا اور اب وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"ریان نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا۔

"ہاں....کچھ نہیں۔بس مام ڈیڈ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔اب مجھے ان کی یاد اتنی تکلیف نہیں دے رہی۔وہ جنت میں خوش ہیں اس لیے میں بھی ان کے لیے خوش ہوں۔میں اب اداس ہونے کی بجائے پرسکون ہوں اور یہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔میری ہمت بندھانے کے لیے تھینکس۔"وہ ذرا سا مسکرائی تھی اور ریان کا دل بھی خوش ہو گیا تھا۔

"تو اب تمہارا موڈ ٹھیک ہے نا۔"

"ہمم۔"

"عید مبارک۔"

"خیر مبارک۔میری عیدی؟"وہ اس کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے بولی۔

"عیدی کیوں؟یہ تو عید الاضحیٰ ہے اور اس دن کی عیدی گوشت ہوتا ہے۔دوپہر تک مل جائے گا۔پھر جی بھر کے کھا لینا۔"

"اونہوں مجھے گوشت زیادہ نہیں پسند۔مجھے تو عیدی ہی چاہیے۔"

"تو پھر مجھے زبردستی تمہیں کھلانا پڑے گا۔"

"نہیں کھاؤں گی میں جب تک مجھے عیدی نہیں ملے گی۔"

"تم میری جیب خالی کروا کر رہو گی۔"

"اب تم غریبوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"اور تم بالکل بیویوں کی طرح عیدی مانگ رہی ہو۔"

"بدتمیز۔"وہ چہرہ پھیرتے ہوئے بولی تو ریان ہنس دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں عیدی دوں گا لیکن مجھے بھی تم سے عیدی چاہیے۔"

"میں تو تم سے چھوٹی ہوں نا۔"اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو ریان کو بے اختیار وہ دن یاد آیا جب وہ دیا کو ڈنر کروانے لے کر گیا تھا اور اس نے پوچھا تھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو دیا نے کہا تھا دس سال۔اس دن کی طرح آج بھی ریان زور سے ہنسا تھا۔

"ہنسے کیوں؟"عانیہ تعجب سے بولی۔

"کچھ نہیں۔بس کوئی پرانی بات یاد آگئی تھی۔"

"کونسی بات؟"

"چھوڑو نا۔تم یہ بتاؤ تمہیں مجھ سے عیدی چاہیے؟"

"ہاں۔"اس نے مسکین سی شکل بنائی۔

"تو اس کے بدلے میں مجھے بھی کچھ چاہیے۔"

"کیا؟"

"میری مرضی۔میں جو مانگوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے پہلے عیدی تو نکالو۔"

"رات کو دوں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں؟"

"ابھی میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"اوہو۔ہوریان کتنے کنجوس ہو تم۔"

"مجھے ایسے مت کہو یہ نہ ہو تمہیں اپنے یہ الفاظ واپس لینے پڑ جائیں۔"

"اوہ پھر تم مجھے بہت زیادہ پیسے دینے والے ہو؟"وہ تجسس سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"میری مرضی میں جو دوں۔"

"یہ کیا؟.....تم دوگے بھی اپنی مرضی سے اور لوگے بھی اپنی مرضی سے۔"

"ہاں کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں۔اور پھر تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔"

"ایکسکیوزمی۔فیانسی۔"اس نے تصحیح کی۔

"تو ساری زندگی فیانسی ہی رہوں گا کیا؟"

"اگر میں شادی سے انکار کردوں تو پھر ساری زندگی فیانسی رہ بھی سکتے ہو۔"

"مجھے چیلنج مت کرو۔بھگا کر لے جاؤں گا تمہیں۔"

"بڑا نام روشن کروگے میرا۔"عانیہ نے جل کر کہا تو ریان کا قہقہہ گونجا۔کبھی کبھی وہ ایسی بات کر دیتی تھی کہ ریان کو ہنسی روکنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔

"دیا تم بھی نا.....عجیب ہو۔بلکہ ساتھ غریب بھی ہو۔"اسے تپانے کیلیے ساتھ غریب بھی بول دیا۔

"اب کیا کر دیا ہے میں نے۔" عانیہ نے بے چارگی سے پوچھا۔

"نہیں تم تو کچھ کرتی ہی نہیں۔.... بلکہ سب کچھ خود بخود ہو جاتا ہے تم سے۔"

"اب آگے سے میں کچھ کہوں گی تو تم کہو گے کہ میں لڑائی کر رہی ہوں۔"

"نہیں کہتا۔ تم جو دل میں آئے کہہ دو۔" اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔

"پاگل۔"

"تمہارے لیے۔" وہ بھی دوبدو بولا۔

"فلرٹی انسان۔" ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی جھنجھلا کر بولتی دوسری طرف چہرہ پھیر گئی تھی اور ریان نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔

---

"عید مبارک۔" وہ گھر پہنچی تو سب نے عید مبارک کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا حدیقہ کے علاوہ اس وقت سب لاؤنج میں موجود تھے۔ لڑکیوں نے ابھی تیار ہونا تھا جب کہ لڑکے عید کی نماز کیلیے بالکل تیار تھے۔ ریان جلدی تیار ہوا تھا کیونکہ عانیہ کو قبرستان لے کر جانا تھا۔ آج ان تینوں نے معمول سے ہٹ کر شلوار قمیض پہنی تھی۔ جو ان پر کافی جچ رہی تھی۔ عمرینہ تو ان کی بلائیں لیتے تھک نہیں رہی تھی۔ ریئم نے تو صرف ایک نظر عمیر کی طرف دیکھا تھا اور پھر پلکیں جھکا لیں تھیں۔ وہ آج اسے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا اور خواہش کے باوجود وہ اسے دوبارہ دیکھ نہیں سکی تھی۔ البتہ حریم نے عمیر اور وہاب کی تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے زبردستی عیدی لی تھی۔ اور جب ریان آیا تو انہیں چھوڑ کر اس کی تعریفیں کرنے لگی۔ اور جب ریان نے حریم اور ریئم کو عیدی دی تو عانیہ کا منہ ہی بن گیا۔ اس کی دفعہ تو کہتا ہے میرے پاس ابھی پیسے نہیں ہیں۔ ہونہہ۔ کڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔

اور جب پر وقار سے حیدر انکل سفید قمیض شلوار میں ملبوس تیار ہو کر آئے تو عانیہ اور حریم نے مل کر ان کی مدح سرائی کی اور نتیجتاً کافی عیدی حاصل کر لی۔ عیدی مانگنے کا تو ایک اپنا ہی مزا تھا۔ لیکن رینم نے جھجک کے باعث کسی سے عیدی نہیں مانگی تھی البتہ حریم کے ذریعے مل سب سے گئی تھی۔

پھر وہ لوگ جلد ہی عید کی نماز پڑھنے چلے گئے تھے اور وہاں سے انہیں فارم ہاؤس جانا تھا جہاں قربانی کے جانور قربان کرنے تھے۔ اور وہاں سے ان کی واپسی دوپہر کو ہی ہونی تھی۔

"آنٹی حدیقہ نیچے کیوں نہیں آئی؟" عانیہ نے پوچھا۔

"سوئی ہوئی ہے ابھی تک۔ ایک تو پتہ نہیں اس لڑکی کو عید والے دن ہی اتنی نیند کیوں آتی ہے۔ دو دفعہ میں جگانے گئی ہوں لیکن نہیں جاگی۔"

"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ بول کر اوپر آگئی۔ لاؤنج میں رینم اور حریم صوفوں پر بیٹھیں اپنے پسندیدہ مشغلے میں مصروف تھیں۔ لیپ ٹاپ پر چائنیز ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔

"بیٹا جتنی موج کرنی ہے کر لو۔ عید کے بعد تم دونوں کی سٹڈیز سٹارٹ ہو جائیں گیں اور پھر تم دونوں مجھے یہ ڈرامے دیکھتی نظر نہ آؤ۔" وہ رعب دار لہجے میں کہتی حدیقہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"ارے پھر تو جلدی جلدی دیکھ لو۔ اس ڈرامے کی آخری ایپیسوڈز تو ختم کر لیں۔" حریم نے فکر مندی سے کہا تھا۔ اور عانیہ اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔

حدیقہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بیڈ پر کروٹ کے بل سوئی نظر آئی۔ اس کا رخ مشرق کی جانب تھا اور جب عانیہ نے کھڑکی کے پردے ہٹائے تو مجبوراً اسے ہوش میں آنا ہی پڑا۔ عانیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

"عید مبارک ڈیئر سسٹر۔" وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے پیار سے بولی تو حدیقہ بوجھل آنکھیں کھول کر مسکرا دی۔

"تمہاری آنکھیں سرخ ہیں۔ رات کو نیند ٹھیک سے نہیں آئی کیا؟" عانیہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے فکر مندی سے بولی تو اس نے نظریں چرائیں۔

"نہیں تو۔ ٹھیک آئی تھی۔" وہ اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

"پھر دیر تک کیوں سوئی رہی؟"

"عید والے دن مجھے کچھ زیادہ نیند آتی ہے۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"آنٹی بھی یہی کہہ رہیں تھیں کہ تمہیں عید والے دن زیادہ نیند آتی ہے۔" عانیہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"یقیناً ڈانٹ رہیں ہوں گیں مجھے۔ لیکن میں بھی کیا کروں۔ کبھی کبھی اتنی سخت نیند آتی ہے کہ اٹھنے کا دل ہی نہیں کرتا۔"

"لیکن اتنی سستی بھی ٹھیک نہیں ہوتی حدیقہ۔ آنٹی تمہارے لیے پریشان رہتی ہیں۔"

"اب تم مجھے بڑی بوڑھیوں کی طرح لیکچر مت دینے شروع ہو جانا۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ کہیں اس کی شادی کی بات ہی نہ کر دے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ عانیہ اس سے اب یہی بات کہنے والی ہے۔ آخر یہ ہونا تو تھا ہی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ"

"کیا؟"

"شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے بڑے آرام سے پوچھا اور حدیقہ کچھ دیر کیلیے چپ سی رہ گئی۔

"کچھ زیادہ اچھا نہیں۔" اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"ارے کیوں؟" عانیہ تعجب سے بولی۔

"ویسے ہی۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"لیکن ایک نہ ایک دن تو تمہیں شادی کرنی ہی پڑے گی نا۔"

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔" وہ چہرہ پھیرتے ہوئے بولی۔

"وہ تب تو آگئی پھر" عانیہ مسکرائی اور حدیقہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"کیا مطلب؟" وہ انجان بنی۔

"انکل آنٹی تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" عانیہ نے کہہ کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور وہاں حیرت کی بجائے کچھ اور ہی تھا۔ شرم سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ آنکھیں جھکا گئی تھی۔

"تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ کیونکہ میں کل رات ہی جان چکی تھی جب تم رنیم کو سب بتا رہی تھی۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو عانیہ حیران ہوئی۔

"تو تمہیں یہ بھی پتہ چل گیا ہو گا کہ تمہارا نکاح بچپن میں وہاب بھائی کے ساتھ ہو چکا ہے۔"

"ہاں۔"

"تو کیا تم اب اس شادی کے لیے تیار ہو؟" اس نے پوچھا تو حدیقہ نے سر جھکا دیا۔

"اوہ اس کا مطلب تم مان گئی۔ تھینکس حدیقہ۔ تمہیں پتہ ہے آنٹی تمہارے اس فیصلے سے کتنی خوش ہوں گیں۔" عانیہ اس کے گلے لگتے ہوئے بولی تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اور تمہیں پتہ ہے میری انگیجمنٹ بھی ساتھ ہی ہو رہی ہے۔ اس مشکل گھڑی میں خود کو اکیلا مت سمجھنا۔ میری ہمدردی تمہارے ساتھ ہو گی۔" عانیہ نے شرارت سے مسکرا کر کہا تو وہ جھینپتے ہوئے مسکرا دی۔

"ہاں البتہ ہمدردی کے علاوہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ وہاب بھائی کو فیس کرنے کیلیے خود کو تیار کر لو۔ بہت جلد تم ان کے کمرے میں ہو گی۔"

"دفعہ ہو جاؤ تم۔" وہ کشن اٹھا کر اسے مارتی ہوئی بولی۔

"جا رہی ہوں۔ تم بھی جلدی تیار ہو کر نیچے آؤ۔" عانیہ کہہ کر باہر چلی گئی اور حدیقہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

-----------------------------

"ماشاءاللہ کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔" عمرینہ نے حدیقہ کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ اس اسی بلیک فراک میں ملبوس تھی جو وہاب اس کے لیے لایا تھا۔ بال کھلے ہوئے چہرے کے دونوں اطراف سنہری آبشار کی طرح نیچے آتے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ میک اپ سے عاری چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ گلے میں ہم رنگ شیفون کا دوپٹہ تھا اور اس کی لمبی فراک پیروں میں پڑتی پیچھے سے سیڑھیوں پر پھسلتی اس کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔

"عید مبارک۔" جب وہ نیچے آئی تو عمرینہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے کی خوشی بتا رہی تھی کہ حدیقہ کا اقرار ان تک پہنچ چکا ہے۔

"خیر مبارک ماما۔" وہ بھی محبت اور عقیدت کے ساتھ بولی تھی۔

"تھینکس میری بات کا مان رکھنے کیلیے۔" عمرینہ نے اس الگ ہوتے ہوئے کہا تو وہ چہرہ جھکا گئی تھی۔ یہ وہی حدیقہ تھی جو کہتی تھی میں شادی ہی نہیں کروں گی اور عمرینہ اس وجہ سے بہت پریشان بھی ہوئی تھیں لیکن اب انہیں دلی سکون مل گیا تھا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس حقیقت کو مان لے گی۔ اس لیے ان کا خوش ہونا بنتا تھا۔

"ارے حدیقہ یہ میں کیا سن رہی ہوں؟..... تمہاری شادی ہو رہی ہے؟" حریم نے شرارت سے پوچھا تو اس نے عاجز سے لہجے میں آنکھیں بند کر لیں۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ اسے بہت زیادہ ستانے والی ہے۔ اور ہوا بھی وہی۔ اس کی باتوں پر تو حدیقہ کا دماغ ہی گھوم گیا۔ پھر وہ زیادہ دیر ان کے پاس نہیں رکی تھی بلکہ اپنے کمرے میں

آگئی تھی۔اس سے تو بہتر تھا وہ سوئی رہتی۔اس نے کڑھتے ہوئے سوچا اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔یہ سوچ سوچ کر اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے کہ اب وہاب کا سامنا کیسے کرنا ہے۔بہت دیر تک وہ عجیب سی کیفیات کی شکار رہی اور پھر تھک ہار کر صوفے پر بیٹھ گئی۔اور وہ پھر سے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی۔

دوپہر کے بارہ بجے اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تھیں۔

"میں سو گئی تھی کیا؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھتی خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی تھی۔

"ہاں۔ویسے تم بھی میری طرح ہی ہو۔عید سو کر ہی گزارتی ہو۔" وہاب کی آواز پر چونک کر اس نے دائیں طرف دیکھا۔وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا۔شاید ابھی ابھی اندر آیا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ بھی سن چکا تھا۔وہ کالے کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس آج اسے پہلے سے زیادہ ہینڈسم لگا تھا۔کیونکہ وہ آج اسے اپنے شوہر کی حیثیت سے دیکھ رہی تھی۔وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور کچھ دیر خوفزدہ لہجے میں اسے دیکھتی رہی۔پھر اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔

"آ.... آپ۔" وہ ہکلائی تھی۔وہاب کو تو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔وہ اسے آپ کہہ کر بلا رہی تھی۔اس کا مطلب وہ جان چکی تھی کہ وہ اس کا شوہر ہے۔بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی اور اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"یہ تم مجھے ہی آپ کہہ رہی ہو نا۔یا مجھے سننے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔یا میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔حدی تم میری اتنی عزت کب سے کرنے لگی۔" وہ خود کو سخت حیران ظاہر کرتے ہوئے بولا تھا۔حدیقہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے خود کو کوسا تھا۔کیا ضرورت تھی اسے آپ کہنے کی لیکن اب وہ شوہر کو تم کہتی اچھی تو نہیں لگتی تھی۔بہت بری پھنسی تھی۔یقیناً وہاب کو اب پتہ چل گیا ہو گا کہ وہ نکاح کے بارے میں جان چکی ہے۔وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہی تھی۔

اور وہاب اس کی منہ بنانے والی بچگانہ حرکت سے محظوظ ہوتا اس کے قریب آیا تھا۔ وہ آج اسے بہت پیاری لگ رہی تھی کیونکہ اس نے وہی سیاہ لباس پہنا ہوا تھا جو وہ لایا تھا۔ نظر تھی کہ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ حدیقہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور سٹپٹا کر رخ پھیر لیا۔

"اب کیا ہو گیا تمہیں حدی؟" وہ اس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔

(اب کیا کروں؟ اف حدیقہ تم اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتی تھی۔ اب کیا جواب دوں اسے۔ کچھ سوچو۔ اس کا ذہن اس بات کی طرف قطعاً نہیں جانا چاہیے۔ ورنہ میں اس کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔) وہ چہرہ جھکائے اور آنکھیں بند کیے جھنجھلا کر سوچ رہی تھی۔ وہاب سینے پر بازو باندھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا اور نچلا لب دبائے بمشکل اپنی مسکراہٹ روک رہا تھا۔ حدیقہ نے پلکیں اٹھا کر اسے ایک نظر دیکھا اور اسے محویت سے اپنی طرف دیکھتے پا کر دل نے کہا تھا۔

(کچھ کرو حدیقہ۔)

(سوچنے تو دو۔) دماغ نے پریشانی سے کہا۔ لیکن وہاب کی نظروں کی تپش نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی مفقود کر دیں تھیں۔ اگر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا تو وہ کبھی کوئی بہانہ سوچ نہیں سکے گی۔ یہ سوچ کر اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اٹھا کر وہاب کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ وہاب حیرت و استعجاب سے کچھ کہے بنا کھڑا رہا۔ حدیقہ کے ہاتھ کا لمس اس کی بند آنکھوں کو ایک ٹھنڈا سا سکون پہنچا گیا تھا۔ دوسرے ہی پل حدیقہ نے ہاتھ اس کی آنکھوں سے ہٹا لیا اور ساتھ ہی بازو سے پکڑ کر اس کا رخ موڑ دیا۔ اب وہ اس کی پیچھے تھی سو اب وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کیا ہے حدی؟" وہ تعجب سے بولتا واپس مڑنے لگا۔

"ایک منٹ پلیز۔"وہ اس کے بازوؤں کو پیچھے سے تھام کر بولی تو اس نے گہری سانس بھری۔ چلو ایک منٹ بھی ختم ہو ہی جائے گا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ حدیقہ بھی اس کی طرف پشت کیے کھڑی دماغ کے گھوڑے دوڑا رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اسے بہانہ مل ہی گیا تھا۔

"ابھی تک ایک منٹ نہیں ہوا تمہارا۔"

"ہاں مل گیا۔"وہ خوشی سے چہکی اور وہاب نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔"اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔ اسے بہانہ مل گیا تھا۔

"تم آج عجیب عجیب حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟"جانتا تو تھا لیکن پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"آج عید ہے نا۔"

"اوہ تو عید والے دن ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔"

"نہیں۔ میرا مطلب تھا عیدی۔"وہ جھجھکتے ہوئے بولی۔ ایک یہی بہانہ رہ گیا تھا اس کا دھیان بٹانے کا ورنہ وہ خود کبھی بھی اس سے عیدی نہ مانگتی۔

"تمہیں عیدی چاہیے؟"وہاب نے مسکرا کر پوچھا تو اس نے نگاہیں پھیرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور اگر میرے پاس پیسے نہ ہوں تو؟"وہ ذرا سا آگے کو جھکا تھا۔

"تو پھر میں نہیں مانگوں گی۔"اس نے شرمندہ لہجے میں تیزی سے کہا تھا۔ اس کا بہانے نے کام نہیں کیا تھا۔ شٹ۔

"اور اگر میں تمہیں دینا چاہوں تو؟"وہ مزید جھکا۔

"تو دے دیں۔"وہ ایک قدم پیچھے ہٹی اور اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے بولی تھی۔ وہاب نے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر غور سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی لیکن اس کی لرزتی پلکیں اس

کے دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھا تھا اور حدیقہ ڈر کے مارے رخ ہی پھیر گئی تھی۔ اس نے پیچھے سے حدیقہ کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں اور ایک بازو بلند کرتے ہوئے اس طرح گھمایا کہ حدیقہ اس کی طرف پلٹ گئی تھی۔ اور اس کے دونوں بازو پیچھے کی جانب مڑے ایک دوسرے کے اوپر سے گزرتے وہاب کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔ اور وہ اس کے اس قدر قریب تھا کہ اس کی گرم گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہیں تھی۔ دل رک سا گیا تھا اور وہ دم سادھے خوف سے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خود کو اس کی خوشبو میں لپٹا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ گھبراہٹ سے اس کا برا حال ہو چکا تھا۔ اس کا سرخ چہرہ اور لرزتی پلکیں دیکھ کر وہاب مسکرا دیا تھا۔

"تم آج بہت خوبصورت لگ رہی۔ پہلے سے کئی زیادہ۔ کیونکہ تم آج میری بیوی کے روپ میں میرے سامنے کھڑی ہو۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم اس رشتے کو دل سے مان چکی ہو۔ تھینکس۔" وہ محبت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ حدیقہ نے آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لی تھیں۔ تو وہ اس کے دل کا حال جان گیا تھا۔ جس کا ڈر تھا وہی ہوا تھا۔ وہ اسے آنکھیں کھول کر دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ وہ خوفزدہ سی لڑکی پیار کی اتنی شدت کو سہہ نہیں سکتی تھی لیکن وہاب اسے آہستہ آہستہ اس کا عادی بنا رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے کچھ دنوں تک ہماری باقاعدہ شادی ہونے جا رہی تھی اور پھر تم میرے ساتھ رہو گی۔ ہر پل ساتھ۔ مجھے اس دن کا بہت انتظار ہے۔ کیا تمہیں ہے؟" وہ سرگوشی میں کہہ رہا تھا اور وہ بے چاری کیا بولتی۔ وہ تو بمشکل اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اگر اس نے پکڑا نہ ہوتا تو اب تک نیچے گر چکی ہوتی۔

"پلیز کچھ تو بولو۔ اپنے فرینڈ سے دل کی بات شئیر نہیں کرو گی؟" وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔ اور وہ بولی بھی تو کیا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" اس کی کانپتی آواز پہ وہاب کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا۔ حدیقہ کو ہینڈل کرنا واقعی مشکل تھا لیکن اس کے لیے ناممکن نہیں تھا۔

"تم اتنی ان رومینٹک کیوں ہو حدی؟"اس نے حدیقہ کی کلائیاں چھوڑ دی تھیں اور مسکرا کر پوچھا تھا۔حدیقہ کی شکل رونے والی ہو گئی تھی۔

"رونا مت۔میں کچھ نہیں کہہ رہا اب۔چلو تمہاری بھوک کا کوئی بندوبست کروں۔"

"میں خود کرلوں گی۔"

"اوکے جیسی تمہاری مرضی۔ویسے میرے پاس تو تمہارے لیے ایک مزے کی چیز ہے۔"وہاب نے جیب سے چاکلیٹ نکال کر اس کے سامنے کی تو وہ کسی ننھی بچی کی طرح خوش ہوتی مسکرائی تھی۔جلدی سے چاکلیٹ کو پکڑا اور ریپر اتار کر ایک بائٹ لے لی۔

"لڑکی ادب سیکھ جاؤ۔پہلے شوہر کو کھانے کے لیے دیتے ہیں۔"اس نے شرارت سے کہا تو حدیقہ کا منہ تک جاتا ہاتھ رک گیا اور وہ شرمندہ سے لہجے میں سر جھکا گئی۔اب تذبذب کا شکار ہو رہی تھی کیونکہ وہ خود اسے کیسے دے سکتی تھی۔وہاب نے بھی سینے پر بازو باندھ لیے کہ اب وہ خود ہی اسے کھلائے۔حدیقہ نے چاکلیٹ کو اس کی طرف تھوڑا سا بڑھایا لیکن اس نے پھر بھی نہ پکڑا۔تھوڑا سا نخرہ کرنا اس کا بھی حق بنتا تھا۔حدیقہ نے ڈرتے ہوئے چاکلیٹ کو اس کے منہ ہے قریب کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔پھر جان بوجھ کر وہیں سے بائیٹ لی جہاں سے حدیقہ نے لی تھی۔اور حدیقہ مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔

"ارے یہ آج کچھ زیادہ میٹھی نہیں لگ رہی۔"وہاب نے حیرت سے کہا تو حدیقہ جان گئی تھی وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔کوشش کے باوجود وہ اپنی مسکراہٹ کو روک نہیں سکی تھی۔

"ویڈنگ نائٹ کو تمہیں عیدی منہ دکھائی کی صورت میں دوں گا۔ابھی اسی چاکلیٹ کو عیدی سمجھ لو۔"وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولا تھا۔اور پلٹ کر باہر چلا گیا تھا۔حدیقہ نے نوٹ کیا تھا کہ وہ ہمیشہ اسے کچھ سمجھاتے وقت اس کے بال بکھیر دیتا ہے۔وہ آہستہ آہستہ اس کی عادات کے بارے میں جاننے لگی تھی۔اور یہ عادت اسے بے حد

اچھی لگی تھی۔وہ شیشے میں خود کو دیکھتی مسکرادی تھی۔دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔وہاب کا سامنا کرنا واقعی بہت مشکل تھا۔

-------------------------------

"آنٹی میں آپ کی کچھ ہیلپ کروادوں؟"ریتم نے عمرینہ سے پوچھا۔اور عمرینہ جو کچن میں ایک ساتھ کئی ڈشز بنا رہی تھی چونکی تھی۔

"تم....بچے تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"عمرینہ نے فکرمندی سے کہا

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔آپ کیا بنا رہی ہیں؟"اس نے چولہے کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بکرے کا گوشت اور شامی کباب ہیں۔ساتھ مٹن بریانی ہے۔تم گوشت پکانا جانتی ہو؟"

"جی۔"

"اچھا۔بڑی حیرت کی بات ہے۔حالانکہ حدیقہ تو گوشت کو دیکھتے ہی ناک چڑھا لیتی ہے۔وہ تو گوشت کھاتی نہیں پکائے گی کیا۔ویسے تم کون کون سی ڈشز بنا لیتی ہو؟"عمرینہ نے پوچھا تو اس نے تقریباً گوشت کی ساری ڈشز کے نام بتا دیے تھے۔سردار حویلی والوں کی مہربانی سے وہ ہر کام سیکھ چکی تھی۔

"ارے پھر تو تم بہت اچھی شیف ہو۔تمہارے ہاتھ کا ذائقہ تو چکھنا چاہیے پھر"عمرینہ نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"ماما کھانے میں کتنا ٹائم رہ گیا ہے؟مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"عمیر اکتائے ہوئے لہجے میں کہتا کچن میں داخل ہوا تھا اور ماما کے ساتھ ریتم کو کھڑے دیکھ کر پہلے ٹھٹک کر رکا تھا پھر اس کے چہرے پر غصہ ابھرا لیکن جلد ہی اسے نظر انداز کر کے ماما کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"بچے کھانا پک رہا ہے۔ایک گھنٹہ انتظار کرلو۔"

"مجھے گوشت نہیں کھانا۔ آپ پلیز کچھ اور جلدی سے بنا دیں۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولا۔

"میں نہیں بنا رہی کچھ اور۔ تم یہی کھاؤ گے۔" عمرینہ کو اس کی ضد پر غصہ آیا تھا۔ ایک تو وہ اپنے دونوں نخریلے بچوں سے بہت تنگ آ گئی تھی۔ کبھی یہ نہیں کھانا تو کبھی وہ نہیں کھانا۔ آج عید کا دن تھا آج تو گوشت کھا لیتا لیکن نہیں۔ مسٹر کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ اس نے جھنجھلا کر سوچا تھا۔

"ماما پلیز۔ مجھے ابھی بہت بھوک لگی ہے۔ اگر آپ نے نہ بنا کر دیا تو کچھ بھی نہیں کھاؤں گا۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولا اور مڑ کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"عمیر!" عمرینہ نے سخت لہجے میں پکارا۔

"آنٹی.... میں بنا دیتی ہوں۔" وہ جھجکتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی تھی لیکن عمیر نے اس کی بات سن لی تھی اور ایک لمحے کے لیے رک کر سوچا تھا کہ اب منع ہی کر دے لیکن اب یہ بھی نہیں کر سکتا تھا سو غصے کو ضبط کرتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا کروں میں اس لڑکے کا۔" عمرینہ غصے سے سر جھٹک کر بولی۔

"کیا بناؤں؟" رینم نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"پاستہ بنا لو۔" عمرینہ نے کہا تو اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کے چہرے کی ہلکی سی مسکراہٹ نے عمرینہ کو چونکایا تھا۔ کہیں یہ مسکراہٹ عمیر کے نام تو نہیں تھی؟۔ اور ایک خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں کوندا تھا۔ اس نے بغور رینم کا جائزہ لیا اور ہر لحاظ سے بہتر پایا تھا۔ رینم اور عمیر کی جوڑی کمال کی لگی تھی اسے۔ لیکن کیا پتہ یہ صرف اس کا وہم ہو کہ رینم عمیر کو پسند کرتی ہے۔ اور وہ اپنی خوشی کے لیے اپنی مرضی کسی پر تھوپ تو نہیں سکتی تھی۔ وہ رینم کو اپنی بہو کے لحاظ سے پسند کر چکی تھی لیکن رینم کی پسند جاننا بھی تو ضروری تھی۔

جب رنیم پاستہ بنا چکی تو عمرینہ نے اس کا ذائقہ چکھا اور دنگ رہ گئی۔ اتنے مزے کا پاستہ تو اس سے بھی کبھی نہیں بنا تھا۔ بلاشبہ رنیم کے ہاتھ میں ذائقہ بہت تھا۔ عمرینہ نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"اچھا یہ جلدی سے عمیر کو دے آؤ۔" عمرینہ نے جان بوجھ کر اسے کہا اور اس کے تاثرات جانچے۔ وہ واضح طور پر گڑبڑائی تھی۔ اور کسی قدر خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ لیکن کچھ پس و پیش کے بعد پاستے کی پلیٹ اٹھالی تھی۔ اور کچھ دیر بعد وہ عمیر کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ تھوک نگلتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکایا۔

عمیر نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی بلکہ وہیں سے آواز دے دی۔

"آجائیں۔" اسے لگا ماما ہوں گی لیکن باہر کھڑی رنیم تو اب صحیح معنوں میں پریشان ہو گئی تھی۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے دروازے کو دھکیلا اور سامنے ہی عمیر نظر آیا جو بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور وہ ابھی دروازے میں ہی کھڑی تھی۔

"وہ میں.... کھانا لائی تھی۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا۔ اور عمیر اسے تو رنیم کو دیکھ کر غصہ ہی آتا تھا اور وہ بھی خوامخواہ۔ اسے دیکھ کر وہ خود کو بے بس سا محسوس کرتا تھا۔ دل تھا کہ اس کی ہی طرف ہمکتا تھا۔ وہ بہت مشکل سے خود کو اس کے بارے سوچنے سے روکتا تھا اور جب بھول جاتا تو اس کی ایک جھلک سے پھر وہ دل و دماغ میں آسماتی تھی۔ یہ لڑکی اس کے راستے میں کچھ زیادہ ہی آرہی تھی بلکہ ہر راستے میں آرہی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا دو چار سنا ڈالے پھر غصے پر قابو پاتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھا اور کچھ بھی کہے بنا پلیٹ اس کے ہاتھ میں لے لی۔ شکل سے تو پاستہ بہت عمدہ لگ رہا تھا اور بنایا بھی رنیم نے ہی تھا اگر اس وقت بھوک نہ لگی ہوتی تو وہ اس کے ہاتھ کا بنا کبھی نہ کھاتا۔

رنیم اس کے چہرے پر غصے اور جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھ چکی تھی اور نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ پلٹ کر چلی گئی تھی۔ عمیر نے اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ لی تھی۔ اور اسے اچنبھا ہوا تھا کہ رنیم اس کے غصے پر رونے والی کیوں ہو

جاتی ہے۔جب اس نے شاپنگ مال میں اس کا کیچپ نیچے پھنیک کر توڑ دیا تھا تب بھی اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔کیا وہ کسی کے ذرا سے غصے سے افسردہ ہو جاتی ہے یا صرف اس کے برے سلوک کی وجہ سے؟کیا وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے؟.....

(اُفف عمیر کیا سوچ رہے ہو۔یہ صرف تمہارا وہم ہے۔کچھ لڑکیاں بہت ہی نازک مزاج ہوتی ہیں اور دوسروں کے رویے ان پر بہت زیادہ اثر کرتے ہیں۔)اس نے خود کو اطمینان دلایا لیکن رینم کے آنسو دیکھنے بعد اب کہاں سکون ملنا تھا۔وہ تو بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔سب کچھ بھاڑ میں بھیج کر اس نے کھانا شروع کیا اور پہلے ہی لقمے پر اس نے لذیذ ذائقے اعتراف کر لیا تھا۔یعنی رینم کی یاد پھر سے تازہ!......اف۔

---------------------------

دوپہر کا کھانے کے بعد ابھی سب ڈائننگ ٹیبل پر ہی تھے کہ حیدعلی نے حدیقہ اور وہاب کی شادی کا اعلان کر دیا۔سب نے خوشی کا اظہار کیا اور حدیقہ تو شرم سے زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔جبکہ وہاب چہرے پر دلکش مسکراہٹ سجائے بڑے اعتماد سے سب کی مبارکباد وصول کر رہا تھا۔پھر عانیہ اور ریان کی منگنی کا بھی اعلان ہو گیا اور سب کی توجہ ان دونوں کی طرف ہو گئی تو حدیقہ نے شکر کا سانس لیا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آج کا دن بہت مشکل ہونے والا ہے۔کیونکہ آج رات کو عید پارٹی پر سب مہمانوں کے سامنے ان کے نکاح کے بارے میں بتایا جانا تھا۔

مغرب کی اذان کے بعد مہماں آنے شروع ہو گئے اور گھر کی رونق بڑھ گئی۔فنکشن کا اہتمام لان میں کی گیا تھا۔چار دیواری کے ساتھ لگے درختوں پر ہلکی سی لائیٹننگ بھی کی گئی تھی جس سے رات کا پر سکون ماحول اور زیادہ دلکش ہو گیا تھا۔ایک جگہ میوزک سسٹم رکھا ہوا تھا جہاں ایک ڈی جے بھی موجود تھا اور اس وقت ایک آہستہ سی دھن

پیش کی جا رہی تھی۔ اور ایک جگہ باربی کیو تیار کیا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی ہر چیز مہیا کی گئی تھی۔ ویٹرز بھی ہاتھوں میں ٹرے پکڑے اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہے تھے۔

حیدر علی اور عمرینہ کے عزیز و اقارب اپنی ساری ساری فیملی کے ساتھ وہاں آئے تھے۔ ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی ساری فیملی بھی آئی تھی۔ حدیقہ کی ساری سیکنڈ کزنز اور دوستیں بھی موجود تھیں۔ البتہ ابرار علی کی فیملی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ تو ابیروڈ جا چکے تھے اور ارم نے سب مہمانوں کے سامنے جو کچھ کیا تھا وہ اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل کہاں رہی تھی۔ اور عمرینہ نے بھی ایک دفعہ اسے آنے کیلیے نہیں کہا تھا۔ کچھ عورتوں نے بڑے طنزیہ انداز میں ارم کے نہ آنے کے بارے میں پوچھا تھا لیکن زیادہ تر نے عمرینہ کی حمایت کی تھی کہ ارم اسی سلوک کی مستحق تھی۔ اس کا نہ آنا ہی بہتر تھا۔

بہر حال فنکشن کا ماحول خوشگوار تھا۔ ایک طرف مردوں کی محفل جمی تھی تو دوسری طرف عورتوں کی۔ اور ینگ جنریشن تو ایک جگہ ٹک کر بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔

وہ چاروں آج پریوں کی طرح حسین لگ رہی تھیں لیکن عانیہ کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ میرون کلر کی لمبی فراک میں ملبوس وہ پریوں کی ملکہ لگ رہی تھی۔ حدیقہ بھی رات کی سیاہی میں سفید موتیوں والا لباس پہنے رات کا ایک خوبصورت حصہ لگ رہی تھی۔ حریم کی شرارتی مسکراہٹ اور رنیم کی خاموش معصومیت بھی انہیں سب لڑکیوں سے ممتاز کر رہی تھی۔ حدیقہ کی کوئی دس پندرہ کزنز تھیں جو آتے ساتھ ہی اس کے پیچھے پڑ گئیں تھیں۔

"حدیقہ تمہارا نکاح بچپن میں ہو گیا تھا؟" ایک نے چہک کر کہا۔ چلو..... سب کو پتہ چل گیا۔ حدیقہ نے اکتائی ہوئی آہ بھری۔

"ایک منٹ......؟ کیا کہا؟" یہ کرن بولی تھی۔ وہ حیرانی سے حدیقہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور حدیقہ نے مدد طلب نگاہوں سے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔اس کا نکاح بچپن میں وہاب بھائی کے ساتھ ہوا تھا اور اب جلد ہی شادی ہونے والی ہے۔" عانیہ نے اسے بتایا لیکن سنا سب نے تھا۔

"نہ کر یار۔" کرن بے یقینی سے بولی۔ پھر حدیقہ کے چہرے پر شرم کی سرخی دیکھ کر اس کی حیرت کم ہوگئی۔

"تو اب مانتی مجھے حدیقہ۔ میری پیشین گوئی سچ ثابت ہوگئی نا۔" وہ فخر سے بولی تو حدیقہ نے اسے غصے سے گھورا۔

"ویسے دکھاؤ تو تمہارے ہزبینڈ ہیں کیسے ؟" ایک کزن بولی۔ حدیقہ اب آگے سے کیا بول سکتی تھی۔ بس برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"مجھے لگتا ہے وہ نہیں چاہتی کہ کوئی دوسری لڑکی اس کے شوہر کو دیکھے۔ کیوں؟" کرن نے شرارت بھرے لہجے میں کہا اور سب ہنس پڑیں۔ پھر سب اسے تنگ کرنے لگیں اور اور وہ ضبط سے کام لیتے ہوئے سب سننے لگی۔

"اوہو پوزیسونیس۔"

"فکر مت کرو حدیقہ ہم انہیں اپنا بھائی سمجھیں گے۔ آخر ہمیں بھی تو پتہ ہونا چاہیے کہ ہماری کزن کی شادی کس سے ہوئی ہے۔"

"ہاں یار بتا دو ہم کھا تو نہیں جائیں گے انہیں۔"

"ارے کوئی تصویر ہی دکھا دو۔"

"تصویر کیوں۔ ہمیں اصلی والے دیکھنے ہیں۔" ایک کے بولنے پر سب ہنسیں تھیں۔

"کوئی نہیں دکھانا۔ جان چھوڑو میری۔" وہ چہرے پر خفگی لاتے ہیں بولی تھی لیکن یہ حیرت انگیز بات تھی کہ اس کا دل ان باتوں پر برا نہیں منا رہا تھا۔

"یار اتنا غصہ مت کرو۔ ہم تمہاری کزنز ہیں۔ کوئی غیر تھوڑی نا ہیں۔" ایک نے جذباتی بلیک میل کیا۔

"ارے چھوڑو یار۔ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ کیوں نہیں دکھانا چاہتی۔" ایک نے کہا تو سب نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"کیوں؟"

"ہینڈسم نہیں ہوں گے نا اس کے شوہر۔" اس نے شرارت سے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔ اور عانیہ اس کی چالاکی پر مسکرا دی۔ البتہ حدیقہ کی شرارت نہ بھانپ سکی اور غصے سے اسے گھورنے لگی۔

"ارے نہیں یار اب اتنی بھی بری شکل نہیں ہے اس کی۔" کرن نے بھی اپنا پتا پھینکا۔ دراصل وہ سب جانتی تھیں کہ حدیقہ بے حد شرمیلی ہے۔ اس لیے وہ ضد بنا چکی تھیں کہ حدیقہ خود انہیں وہاب کے متعلق بتائے۔

"حدیقہ اب تمہیں ان کے منہ بند کرنے ہی پڑیں گے۔" حریم نے اسے تھپکی دی۔

"تم ہی کر دو نا۔" اس نے منت بھرے لہجے میں سرگوشی کی۔

"کیسے؟" حریم نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ وہاں کھڑے ہیں نا۔ تم وہاں اشارہ کر دو۔" حدیقہ نے نیچے ایک طرف ہلکا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ سب اس وقت ٹیرس پر ریلنگ کے ساتھ کھڑیں تھیں۔ یہاں اندھیرا تھا سو نیچے سے کوئی ان سب کو نہیں دیکھ سکا تھا البتہ صحن میں لائٹنگ کی وجہ سے وہاں موجود سب لوگ نظر آرہے تھے۔ وہاب، ریان، عمیر، ابصام، سمیع اور کچھ دوسرے نوجوان لڑکے ایک ہی گروپ بنا کر کھڑے تھے۔ وہاب کا رخ بھی ان کی جانب تھا اور سفید روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔

"ارے واہ میں کیوں کروں؟" حریم نے دامن بچایا تو حدیقہ نے عانیہ کی طرف دیکھا۔ عانیہ سینے پر بازو باندھے کھڑی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کی مدد طلب نگاہوں پر اپنے ایک مخصوص انداز میں ابرو کو جنبش دے کر اسے اشارہ کیا کہ دکھا دو۔ اور حدیقہ نے چاروناچار انگلی سے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"کہاں ؟"سب نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔وہاں اب اتنے سارے لڑکے تھے تو انہیں سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کس طرف اشارہ کر رہی ہے۔

"بلیک کپڑوں میں۔"اس نے بتایا تو کچھ لمحوں کی تلاش کے بعد سب لڑکیوں نے وہاب کو دیکھ ہی لیا۔اور حیران رہ گئی تھیں۔

"ارے واہ یار۔حدیقہ تمہارے ہزبینڈ تو بہت ہینڈسم ہیں۔"

"ہاں کتنا پرفیکٹ میچ ہے۔"

"انہیں ایک ساتھ کھڑا کر کے دیکھیں نا۔"ایک نے مشورہ دیا۔حدیقہ نے خوفزدہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھا جو سر اثبات میں ہلا رہی تھیں۔وہ اپنی کزنز کو اچھی طرح جانتی تھی اور یہ بھی جان چکی تھی کہ آج اس کا خوب ریکارڈ لگنے والا ہے۔

"تو چلو انہیں بلانے چلتے ہیں۔"مسکان جو اس کی سب سے تیز کزن تھی چہک کر بولی۔کرن اور حریم بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

"اے رکو کہاں جا رہی ہو تم لوگ؟"حدیقہ نے بدحواسی سے پوچھا اور ان کے پیچھے بھاگی۔دو تین لڑکیاں اس کے سامنے آ گئیں اور اس کا راستہ روک دیا۔

"پیچھے ہٹو یار وہ پتہ نہیں کیا کہہ دیں جا کر۔"حدیقہ سخت پریشانی سے بولی۔

"حدیقہ پریشان مت ہو۔کچھ نہیں ہو گا۔حریم ساتھ گئی ہے نا۔"عانیہ نے اسے تسلی دی اور وہ پلٹ کر نیچے دیکھنے لگی۔وہ تینوں اب ان لڑکوں کے گروپ کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

-------------------------------------

"وہاب بھائی۔" حریم نے اس کے پیچھے پہنچ کر آواز دی تو وہ چونک کر مڑا تھا۔ ساتھ ریان بھی ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"حدیقہ بلا رہی ہے آپ کو۔" اس نے شرارتی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تو وہاب کو حیرت ہوئی۔

"جھوٹ۔ میں مان ہی نہیں سکتا۔" وہاب نے وثوق سے کہا تو حریم ہنس پڑی۔ اسی وقت سمیع بھی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"دراصل اس کی کزنز چاہتی ہیں کہ وہ سب سے آپ کا تعارف کروائے۔" کرن نے کہا۔

"تم لوگ کیوں اس بیچاری کو مشکل میں ڈال رہی ہو۔" وہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنی بات کریں۔ کہیں آپ تو نہیں مشکل سے ڈر رہے۔" حریم نے کہا۔

"وہاب اب تو تمہیں جانا ہی پڑے گا۔" ریان نے کہا۔

"اور ریان بھائی آپ بھی ساتھ چلیں نا۔ آخر آپ بھی تو عانی آپی کے ہونے والے فیانسی ہیں۔ تعارف کروانے میں کیا حرج ہے۔" حریم نے کہا۔

"ارے نہیں لڑکیو مجھے معاف ہی رکھو۔" ریان نے کہا تھا۔

"عانیہ کی منگنی ہو رہی ہے؟" کرن نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں حدیقہ کی شادی کے ساتھ ہی منگنی ہو رہی ہے تو کیا خیال ہے انہیں بھی ساتھ لے کر چلنا چاہیے پھر۔" حریم نے کہا تو کرن نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟" ریان نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جو ہم کہیں گے وہی کریں گے" کرن نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ آئیں گے تو بتائیں گے نا۔ویسے میرا نہیں خیال آپ وہاں کسی بھی طرح کی کم ہمتی کا مظاہرہ کریں گے۔"حریم نے کہا تو ریان بھی شانے اچکا کر ان کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔کرن نے ابصام کو بھی ساتھ آنے کا کہہ دیا۔

"کیا میں بھی اس محفل کا حصہ بن سکتا ہوں؟"سمیع نے براہ راست حریم سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی تھی لیکن جلد ہی سنبھل کر مسکرائی۔

"جی کیوں نہیں۔"وہ پر اعتماد لہجے میں بولی۔کرن اور مسکان ان چاروں کو لے کر چلیں گئیں لیکن حریم کی نظر عمیر بھائی پر پڑ گئی تو اس نے سوچا کہ انہیں بھی لے چلے۔اگر وہ وہاں نہ جاتا تو رینم بہت اداس ہوتی۔

"عمیر بھائی خیریت تو ہے۔بڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔موڈ خوشگوار لگ رہا ہے آج تو۔"وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی اور عمیر جو حمزہ سے بات کر رہا تھا چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور بات سمجھ آنے پر مسکرا دیا۔

"عید کے موقعے پر بھی اب نہ ہنسوں؟"

"ہنس لیں لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ جوائن کریں گے تو موڈ اور بھی بہتر ہو جائے گا۔"

"اچھا وہ کیسے؟"وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے وہاں اپنی فیورٹ گرل کو دیکھ کر آپ خوش ہو جائیں۔"اس نے رازداری سے کہا تو عمیر سٹپٹا گیا۔

"ک....کون؟"

"ارے مجھے کیا پتہ وہ کون ہے۔آپ کو پتہ ہو گا نا۔"حریم نے شانے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا تو عمیر نے شکر کا سانس لیا۔

"لیکن میں تو اپنے دوست سے باتیں کر رہا ہوں۔"اس نے حمزہ کی طرف اشارہ کر کے عذر پیش کیا۔

"توکوئی بات نہیں دوست کو بھی ساتھ لے چلیں۔ ویسے حمزہ بھائی عریج آپی نظر نہیں آرہیں۔"

"وہ آنٹی کے ساتھ ہوگی۔" اس نے عریج کی والدہ کے بارے میں کہا۔

"اچھا آپ ٹیرس پر چلیں میں انہیں لے کر آتی ہوں۔" حریم نے کہااور عورتوں کی جانب چل پڑی۔ اور ایک جگہ وہ کھڑی نظر آہی گئیں۔

"عریج آپی؟" حریم نے ان کے سامنے پہنچ کر کہاتو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"حریم تم لوگ کہاں ہو یار۔ تمہیں تو میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں۔ کوئی اور بھی نظر نہیں آرہی۔"

"ہم سب ٹیرس پر ہیں۔ میں آپ کو بلانے ہی آئی تھی۔ بڑا ذبردست ہنگامہ ہونے والا ہے۔"

"اچھا کیا؟" عریج اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

"حدیقہ اور وہاب کو بس تھوڑا سا تنگ کرنا ہے۔"

"ارے ہاں ان کی تو شادی ہو رہی ہے نا۔" عریج بھی عمرینہ سے سب سن چکی تھی۔

"ہاں اور عانی آپی کی منگنی بھی ہو رہی ہے ریان بھائی کے ساتھ۔"

"مجھے تو اسی دن پتہ چل گیا تھا جب وہ دونوں لڑ رہے تھے۔ ویسے تمہارا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عریج نے کہا۔

"کیا؟" وہ ہونقوں کی طرح بولی۔

"سمیع نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور شاید تم بھی۔" عریج نے کہا۔ حریم نے مسکرادی اور عریج کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ بھی اسے ہی پسند کرتی ہے۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی تھی کہ میرا بھائی تمہیں پسند کرتا ہے۔ تم اس کی خوشی ہو اس لیے میرے لیے بھی خوشی کا باعث ہو۔ تم مجھے اپنی بڑی بہن سمجھ سکتی ہو اور اگر کبھی میری مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔" عریج نے خلوص دل سے کہا اور وہ اس کی محبت سے متاثر ہوتے ہوئے مسکرا دی۔

----------------------------

ساری ینگ پارٹی ٹیرس پر جمع ہو چکی تھی۔ اور حدیقہ کے تو حواس معطل ہو رہے تھے۔ اس کی شرارتی کزنوں نے اسے دھکیل کر وہاب کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ اور عانیہ جس نے شکر کیا تھا کہ اس کی شادی نہیں ہو رہی ورنہ اس کی بھی یہی درگت بنتی، کرن کی نگاہوں میں آ گئی۔ کرن نے اسے بھی ریان کے ساتھ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"تم لوگ ہمارے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟" ریان نے اچنبھے سے پوچھا۔

"بس تھوڑا تنگ کریں گے اور دیکھیں گے کہ آپ میں کتنی ہمت ہے۔" کرن نے جواب دیا۔

"ایسا کرتے ہیں دونوں جوڑوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دونوں کو ایک جیسی شرطیں دیں گے جسے پورا کرنا ہو گا اور جو ہار گیا اس کو سزا بھگتنی ہو گی۔" عریج نے کہا تو سب نے پرجوش لہجے میں تائید کی۔ ویسے بھی عریج وہاں موجود سب لوگوں سے عمر میں بڑی تھی سوائے حمزہ کے تو رعب بھی خوب جما رہی تھی۔

"کیسی شرائط؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا" وہاب نے ناسمجھی سے کہا۔

"اچھا پہلی شرط سنیں تو سمجھ بھی آ جائیے گی۔"

"جی کہیں۔" ریان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"پہلی شرط یہ کہ آپ عانیہ کو پرپوز کریں گے۔" عریج نے ریان کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا دیا۔ جبکہ عانیہ ساکت رہ گئی تھی اور حدیقہ کا اس سے بھی برا حال تھا۔ ظاہر ہے جو شرط ریان اور عانیہ کیلیے تھی وہ ان کیلیے بھی تھی۔

"لو یہ کونسا مشکل کام ہے۔" ریان نے پر اعتماد لہجے میں کہا اور عانیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ عانیہ نے اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے گھورا۔ سب ان کے سامنے دائرے کی شکل میں کھڑے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"اب میری عزت کا سوال ہے میں کیا کروں۔ میں نہیں چاہتا یہ سب لوگ مجھے بزدل سمجھیں۔" ریان نے اسے بے بس لہجے میں عذر پیش کیا۔

"تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گی ریان" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑائی تھی۔ لیکن شکر تھا ریان کے سوا کسی نے سنا نہیں تھا۔

"اوکے......ول یو میری می دیا؟" اس نے بڑے دلکش لہجے میں کہا تھا اور زبردست ہوٹنگ ہوئی تھی۔ کچھ کے ذہن میں یہ بات بھی آئی تھی کہ ریان نے عانیہ کو دیا کے نام سے پکارا تھا۔

"یس۔" عانیہ نے آنکھیں بند کر کے مرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ اور سب اس کے انداز پر ہنس پڑے تھے۔ ریان نے سب کی طرف فاتح نظروں سے دیکھا۔

"ہمم.....اچھا سین تھا بٹ کچھ زیادہ مزا نہیں آیا۔ یار کوئی فلمی ڈائیلاگز بھی نہیں آتے تمہیں اور عانیہ تو نہایت ہی ان رومینٹک ہے۔" عریج نے کسی جج کی طرح تبصرہ کیا تھا۔ اور سب نے اس کی تائید کی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں اب دوسرے کپل کا ٹیلنٹ دیکھ لیتے ہیں۔" عریج وہاب کی طرف متوجہ ہوئی تو حدیقہ کا سانس ہی سوکھ گیا۔ وہاب نے ایک نظر حدیقہ کی طرف دیکھا اور پھر عریج کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے ہار منظور ہے۔" ایک طرح سے اس بات نے بھی اس کی محبت کو ظاہر کیا تھا۔ سب نے تحسین آمیز لہجے میں اسے دیکھا تھا۔

"ارے واہ کیا بات ہے۔ آئی ایم ایمپریسڈ۔ لیکن ابھی تو یہ پہلا مرحلہ ہے اور آپ کی ٹیم ہار گئی۔ آگے کیا کریں گے۔" عریج نے کہا۔

"ہار ناہی ہے پھر۔"

"اچھا ٹھیک ہے اگلی شرط یہ ہے کہ آپ لوگوں کو کپل ڈانس کرنا ہے۔"

"اوہ نو.... یہ مجھے بالکل بھی نہیں آتا۔" وہاب بولا تھا۔ اور حدیقہ نے دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کیا۔

"اور مجھے بھی۔" ریان نے بھی صاف جواب دیا۔ عریج نے بدمزہ ہو کر منہ بنایا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ اگلی شرط ہے گانا۔" عریج نے کہا تو ریان اور وہاب دونوں مان گئے تھے

"لیکن گانا آپ چاروں کو الگ الگ ہو گا۔ وہ بھی میں بتاؤں گی۔"

"اوکے۔" ریان نے کہا۔

"پہلے تم دونوں میں سے کون گائے گا؟" اس نے عانیہ اور ریان سے پوچھا۔

"دیا۔" اس نے عانیہ کی طرف جلدی سے اشارہ کیا۔

"فائرورک" اس نے عانیہ سے کہا۔ اور عانیہ نے شکر کیا یہ اسے آتا تھا۔ یہ گانا مام کو بہت زیادہ پسند تھا۔ پھر اس نے جب یہ گانا مام کو اپنی آواز میں سنا کر سرپرائز دیا تھا تو وہ بہت خوش ہوئیں تھی۔ تصور میں ان کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی تھی۔ اب ان کی یاد غم نہیں بلکہ خوشی کا باعث تھی۔

"اگر ساتھ میوزک ہو تو زیادہ مزا آئے گا۔" حریم نے مشورہ دیا۔

"ہاں لیکن گٹار کہاں سے لائیں۔" عریج نے کہا۔

"میرے پاس ہے۔" عمیر نے جلدی سے کہا۔

"بٹ مجھے گٹار بجانا نہیں آتا۔ میں فون پر بیک گراؤنڈ میوزک لگا لیتی ہوں۔" عانیہ نے کہا تو عریج نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو پھر ریڈی ہو عانیہ۔" وہ فون پر میوزک نکالتے ہوئے بولی تو عانیہ نے شانے اچکائے۔ سب کی منتظر نظریں اس پر جمیں تھیں اور وہ خود کو گانے کیلیے بالکل تیار کر چکی تھی۔ ریان بھی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور جیسے ہی میوزک شروع ہوا اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں

Do you ever feel like a plastic bag

Drifting thought the wind

Wanting to start again

Do you ever feel, feel so paper thin

Like a house of cards

One blow from caving in

Do you ever feel already buried deep

Six feet under scream

But no one seems to hear a thing

Do you know that there's still a chance for you

Cause there's a spark in you'

You just gotta ignite the light

And let it shine

Just own the night

Like the Fourth of July

Cause baby you're a firework'

Come on show 'em what your worth

"!Oh, oh, oh" Make 'em go

As you shoot across the sky-y-y

Baby you're a firework

Come on let your colors burst

"!Oh, oh, oh" Make 'em go

You're gonna leave 'em fallin' down down down

دھن ختم ہو چکی تھی اور عانیہ بھی خاموش ہو چکی تھی۔ لیکن سب لوگ ابھی بھی اس کی آواز کے طلسم میں کھوئے ہوئے تھے۔ یہ گانا واقعی بہت مشکل تھا لیکن عانیہ کی آواز اس قدر پختہ تھی کہ تیز دھن کے ساتھ کسی ندی کی طرح بہتی محسوس ہو رہی تھی۔

"واؤ۔ زبردست۔" عریج نے تالیاں بجا کر اسے داد دی اور ساتھ ہی سب پرجوش لہجے میں تالیاں بجانے لگے تھے۔

"یہ گانا تم نے یقیناً میرے لیے گایا ہے۔" ریان نے اس کی طرف ہلکا سا جھک کر سرگوشی میں کہا تو عانیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں سے نکل آیئے بادشاہ سلامت۔" عانیہ کی بات پر اس کی ہنسی نکل گئی۔

"کسی بھی محفل میں دو لوگ سرگوشی میں بات نہیں کر سکتے۔ اس لیے سب کو بتاؤ کس بات پر مسکرا رہے ہو تم دونوں۔" عریج نے انہیں کہا۔

"نتھنگ اسپیشل۔" ریان نے جلدی سے جواب دیا۔

"بٹ پرسنل" عریج نے بھی دوبدو کہا تو سب ہنس پڑے۔

"اب اتنی بھی پرسنل نہیں تھی۔ بس یہ کہہ رہی تھی کہ یہ گانا میں نے تمہارے لیے گایا ہے اور اب تم بھی میرے گاؤ۔" ریان نے سکون سے جواب دیا تو عانیہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"اچھا تمہیں گانا آتا ہے کوئی۔"

"ہاں تھوڑے بہت تو آتے ہی ہیں۔"

"کس سنگر کے گانے پسند ہیں؟" عریج نے پوچھا۔

"ایڈ شیران۔"

"اچھا تو پھر اس کا کوئی گانا سنا دو۔"

"اوکے۔" ریان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ایک منٹ تمہیں گٹار بجانا آتا ہے؟"

"ہاں۔"

"عمیر لے کر آؤ پھر جلدی سے۔" عریج عمیر کی طرف مڑی تو وہ سر ہلا کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں کالے رنگ کا ایک خوبصورت سا گٹار تھا جسے اس نے ریان کو دے دیا اور اب ریان سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ سفید قمیض شلوار میں ملبوس پر وقار شخصیت کا حامل یہ نوجوان لڑکا کچھ اور ہینڈسم لگنے لگا تھا۔ وہاں موجود بہت سی لڑکیوں کو عانیہ پر رشک ہوا تھا۔ لیکن عانیہ نے ایک دو لمحے سے زیادہ دیر تک اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اسے دیکھنے لگی تو پھر دیکھتی ہی رہ جائے گی لیکن جب بھی بھٹکتی ہوئی نظر ایک لمحے کے لیے اس پر پڑتی تو دل

اس کی بلائیں لے لیتا۔اب بھی عانیہ نے صرف ایک نظر اسے دیکھا تو وہ مسکرایا تھا اور گانا شروع کر دیا۔اس کی آواز بھی اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کی طرح دلکش تھی۔

Loving can hurt

Loving can hurt sometimes

But it's the only thing that I know

When it gets hard

You know it can get hard sometimes

It is the only thing that makes us feel alive

We keep this love in a photograph

We made these memories for ourselves

Where our eyes are never closing

Hearts are never broken

Times forever frozen still

So you can keep me

Inside the pocket

Of your ripped jeans

Holdin' me closer

Til our eyes meet'

You won't ever be alone

Wait for me to come home

Inside the necklace you got when you were sixteen

Next to your heartbeat

Where I should be

Keep it deep within your soul

And if you hurt me

Well, that's OK, baby, only words bleed

Inside these pages you just hold me

And I won't ever let you go

When I'm away

I will remember how you kissed me

Under the lamppost

Back on 6th street

Hearing you whisper through the phone

"Wait for me to come home"

دھیمی سی لے میں گایا گیا یہ گانا سب کو پسند آیا تھا۔اور جس طرح اس نے گانے کے ساتھ گٹار بجایا تھا واقع قابل تعریف تھا۔سب نے دل کھول کر اسے داد دی تھی۔

"بھئی مجھے تو لگتا ہے عانیہ اور ریان یہ مقابلہ بھی جیت جائیں گے۔دونوں ہی ٹاپ کے سنگر نکلے۔تو کیا خیال ہے تم دونوں ان کو ہرا سکتے ہو؟"عریج نے وہاب اور حدیقہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم تو پہلے ہی ہارنے کیلیے تیار ہیں۔"وہاب نے کہا۔

"تھوڑی سی تو کوشش کریں۔میں جانتی ہوں آپ سب دوست ہیں لیکن مقابلہ مقابلہ ہی ہوتا ہے۔کیوں حدیقہ گاؤ گی پھر؟"عریج نے کہا تو حدیقہ نے نروس سے لہجے میں وہاب کی طرف اجازت طلب نگاہوں سے دیکھا۔وہاب کو اس کا اجازت مانگنے کیلیے دیکھنا بہت اچھا لگا تھا۔وہ ذرا سا مسکرایا اور آئی برو کو جنبش دے کر اسے گانے کا اشارہ کیا تھا۔

"حدیقہ کو گانا آتا ہے۔"کرن نے جلدی سے بتایا مبادہ وہ انکار ہی نہ کر دے۔

"اچھا تو پھر حدیقہ تم اپنی مرضی سے کچھ گا لو۔"عریج نے اس کی مشکل کچھ حل کر دی تھی۔وہ بچپن سے ہی سنگنگ میں حصہ لیتی تھی اور اس کی آواز بھی سب کو پسند آتی تھی۔اسے کچھ گانے یاد تھے۔ان میں سے سب سے پسندیدہ وہ گانے لگی تھی۔

Lily was a little girl

Afraid of the big, wide world

She grew up within her castle walls

Now and then she tried to run

And then on the night with the setting sun

She went in the woods away

So afraid, all alone

t go there’They warned her, don

s creatures who are hiding in the dark’There

Then something came creeping

It told her

t you worry, just follow everywhere I go’Don

Top over the mountains or valley low

ve been dreaming of’Give you everything you

Just let me in ohh

ve been told’gonna be the magic story you ’Everything you wantin

ll be safe under my control’And you

Just let me in, ooh

Just let me in, ooh

She knew she was hypnotized

And walking on cold thin ice

Then it broke, and she awoke again

Then she ran faster than

?Start screaming, is there someone out there

Please help me, come get me

Behind her, she can hear it say

t you worry, just follow everywhere I go’Don

Top over the mountains or valley low

ve been dreaming of’Give you everything you

Just let me in, ooh

کسی ننھی بچی کی طرح اس کی آواز کانوں میں رس گھول تھی۔ کسی قسم کی دھن بھی ساتھ نہیں تھی لیکن پھر بھی سب کو گانا پسند آیا تھا۔ حدیقہ کا چہرہ وہاب کہ نظروں کی تپش سے سرخی مائل ہو چکا تھا۔ وہ سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اگر یہاں وہاب نہ ہوتا تو وہ اتنی نروس نہ ہوتی بلکہ مسکرا کر داد وصول کرتی۔

"چلو بھئی وہاب اب تمہاری باری۔ میں بتاؤں یا اپنی مرضی سے گاؤ گے؟"

"آپ بتا دیں۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"تو پھر رائٹ ناؤ رہے گا؟" عریج نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔ ریان سے گٹار لیا اور نچلا ہونٹ دبا کر مسکراہٹ روکی۔ گانے کی لیئر کس سن کر حدیقہ کا جو حال ہونا تھا وہ ابھی سے سوچ محظوظ ہوا تھا۔

You are my water, my sun, my movie stars

Your heart is all I need

It start when you come

I want to be where you are

Where you are

Every time you go away, you're always tryna fight

How bad I want you , bad I want you

I could try to fill the space with someone else tonight

But I don't want to , I don't want to

Right now, you know I miss your body

t kiss nobody until you come back home'So I won

And I swear, the next time that I hold you

I won't let you go nowhere

You'll never be alone, I'll never let you go

You lead, I follow, no sleep

That's what you said

That's what you said

And you should know

You leave, I'm hollow

I need you in my bed

You in my bed

Every time you go away, you're always tryna fight

How bad I want you , bad I want you

I could try to fill the space with someone else tonight

But I don't want to , I don't want to

Right now, you know I miss your body

So I won't kiss nobody

Until you come back home

And I swear, the next time that I hold you

I won't let you go nowhere

You'll never be alone , I'll never let you go

Right now, you know I miss your body

So I won't kiss nobody until you come back home

I swear, the next time that I hold you

I won't let you go nowhere

You'll never be alone

Right now, you know I miss your body

So I won't kiss nobody , until you come back home

And I swear, the next time that I hold you

I won't let you go nowhere

You'll never be alone , I'll never let you go

Oh, never be alone, ooh, yeah

I'll be there, I'll never let you go

اس نے بہت پر جوش لہجے میں گانا گایا تھا اور سب نے گانا ختم ہوتے ہی تالیاں بجائیں تھیں جبکہ حدیقہ کی تو اب حالت ہی بہت بری ہو چکی تھی۔ اسے وہاب کا کہا ہر لفظ اپنے دل پر لگتا محسوس ہوا تھا جیسے وہ اسے کہہ رہا ہو اور اوپر سے خوبصورت آواز میں گانا گاتا اس پر نظر ڈالتا تو اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو جاتے۔ اب اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اس کیلیے تالیاں ہی بجا دیتی۔

"گانا تو بہت اچھا گایا ہے تم نے لیکن مجھے لگتا ہے حدیقہ کو پسند نہیں آیا۔" عریج نے شرارت سے کہا

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ آپ تو جانتی ہی ہوں گی کہ ساری دنیا ایک شخص کی عظمت کا اقرار کرلے لیکن اس کی بیوی کبھی اس کی بڑائی نہیں مانتی۔" اس نے جس بے چارگی سے کہا تھا سب زور سے ہنسنے تھے۔ جبکہ حدیقہ اس کے بیوی کہنے پر شرم سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

"یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔" عریج نے کہا۔

"تو پھر ان دونوں میں سے کون جیتا؟" کرن نے پوچھا۔

"یار سب نے بہت اچھا گایا ہے میرے خیال سے تو یہ راؤنڈ برابر ہی رہا ہے۔" عریج نے کہا تو سب نے تائید کی۔

"اچھا تو اب اگلا راؤنڈ یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ سوال کروں گی اور آپ چاروں کو بالکل سچ بولنا پڑے گا۔"

"کیسے سوال؟" ریان نے اچنبھے سے بولا۔

"زیادہ پرسنل نہیں۔ مثلاً تماری عانیہ سے پہلی ملاقات کیسے ہوئی تھی؟" عریج نے تو آج ان کو بہت برا پھنسایا ہوا تھا۔ سب ریان کے جواب کے منتظر تھے اور ریان نے عانیہ کی طرف دیکھا تو عانیہ نے سر ہلکا سا نفی میں ہلایا کہ مت بتانا۔

"سڑک پر۔" اس نے مختصر سا سچ بول کر جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"تھوڑی تفصیل اور۔"

"یہ میری گاڑی کے سامنے آگئی تھی۔" چاروناچار بتانا پڑا۔

"پھر تم نے گاڑی روک دی ہو گی۔ یہ تو مجھے پتہ چل گیا ہے آگے بتاؤ اسے کوئی چوٹ لگی تھی یا بچ گئی تھی۔ کیا پھر لڑائی بھی ہوئی تھی؟" عریج نے پوچھا تو ریان ہنس پڑا۔

"میرے خیال سے میں نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا ہے۔"

"اوہ ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ چلو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ تم اسے عانیہ کہنے کی بجائے دیا کیوں کہتے ہو؟" اس کا دوسرا سوال بھی بہت سخت تھا۔ ریان کو کمرہ امتحان یاد آگیا تھا۔

"اس نے مجھے پہلے یہی نام بتایا تھا۔ بعد میں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اس کا اصلی نام عانیہ ہے لیکن مجھے دیا کہنے کی عادت پڑ گئی۔" وہ بول کر ذرا سا مسکرا دیا۔

"انٹرسٹنگ۔ اچھا عانیہ تم نے اسے اپنا نام دیا کیوں بتایا تھا؟" عریج اب عانیہ کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ گڑبڑا گئی۔ اب کیا بتاتی اس کو کہ اس وقت کیا حالات تھے۔

"اس سے جان چھڑانے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔" اس نے منہ بنا کر کہا تو عریج ہنس دی۔

"اس وقت تمہیں پتہ تھا کہ یہ تمہارا کزن ہے؟" عریج جانتی تھی کہ ریان اس کا کزن ہے اور اس کے والدین کی ڈیتھ کے بعد ہی اس سے ملا تھا۔

"نہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم نے ریان کی جان بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی؟ یہ گولی جو تمہارے کندھے پر لگی ہے تم خود اس گولی کے سامنے آئی تھی نا" وہ اس غیر متوقع سوال پر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئی تھی اور وہاں

موجود حدیقہ کی سب کزنز حیران ہوئیں تھیں۔یہ بات تو انہوں نے سنی تھی کہ عانیہ کو گولی لگی تھی اور کیوں لگی تھی یہ ابھی تک نہیں جان سکیں تھیں سو تجسس سے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگیں۔اور عانیہ نے بھی اس کا مناسب جواب ڈھونڈ لیا تھا۔

"ہاں میں جان بوجھ کر اس کے سامنے آئی تھی کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ کسی کو بھی میری وجہ سے ذرا سی بھی تکلیف ہو۔"اس نے اعتماد سے شانے اچکا کر گول مول جواب دیا۔

"کسی یاریاں؟"عریج نے پوچھا تو عانیہ نے بازو سینے پر باندھتے ہوئے ابرو اٹھائی اور ایک جتاتی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔عریج سمجھ گئی۔

"واقعی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"وہ بول کر سب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ سب کو پتہ ہے ایک دفعہ میری جان خطرے میں تھی۔دو لوگ مجھ پر پسٹل تانے کھڑے تھے اور عانیہ میرے سامنے آگئی تھی۔پھر اس نے ان دونوں کی درگت بنانے کے بعد مزید چار لوگوں کی پٹائی کی تھی۔میں تو حیرت سے پاگل ہوگئی تھی۔پھر بعد میں مجھے پتہ چلا یہ بلیک بیلٹ فائٹر ہے۔"عریج نے سب کو مختصراً بتایا تھا۔وہ اس کی محسن تھی اس لیے وہ بہت پرجوش لہجے میں اس کی تعریف کر رہی تھی جبکہ حدیقہ کی کزنز حیران رہ گئیں تھیں۔باقی سب کو تو پہلے ہی پتہ تھا سو اب وہ حیران نہیں ہوئے تھے۔البتہ کرن کو بھی یہ بات ابھی معلوم ہوئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے تم دونوں نے یہ راؤنڈ پاس کر لیا ہے اب دیکھتے ہیں وہاب اور حدیقہ کیا کرتے ہیں۔"عریج بول کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تو حدیقہ نے ڈرتے ہوئے تھوک نگلا۔جبکہ وہاب نے سر اثبات میں ہلا کر چیلنج قبول کیا تھا۔

"اوکے۔ تو وہاب تم بتاؤ کیا تمہیں حدیقہ سے محبت ہے؟" عریج نے جان بوجھ کر یہ سوال پوچھا تھا کیونکہ وہاب نے سب کے سامنے حدیقہ کو پرپوز نہیں کیا تھا۔ چلو ویسے نہ سہی تو ایسے سہی۔ پھنس تو گئے نا۔ حدیقہ کی شکل اب بالکل رونے والی ہو چکی تھی۔ لیکن دل اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"ہاں۔" وہ حدیقہ کو ایک نظر دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا۔ اور اپنے ٹیرس پر کھڑی عنیقہ نے اس کا جواب بہت واضح سنا تھا۔ وہ ابھی اوپر آئی تھی اور ساتھ والے ٹیرس پر اتنے سارے لوگوں کو کھڑے دیکھ کر حیران ہوتی ریلنگ کے قریب آگئی تھی۔ وہ سب دائرے کی شکل میں کھڑے تھے اور اسے یہاں سے وہاب کا نیم رخ نظر آرہا تھا۔ اسی وقت عریج نے اس سے وہ سوال پوچھا تھا اور اس نے ہاں کہا تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی کہ وہ جھجھکے بغیر سب کے سامنے اس سے محبت کا اقرار کر رہا تھا۔ دل تو جل بھن کر سیاہ ہو چکا تھا۔ اور وہ غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں سے مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔

"اوہ تو اس کا مطلب یہ ارینج نہیں بلکہ لو میرج ہے۔ ہے نا؟" عریج نے کہا تو وہاب نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور حدیقہ تمہیں بھی اپنے ہزبینڈ سے محبت ہے یا نہیں؟" عریج حدیقہ کی طرف متوجہ ہوئی اس نے لرزتی پلکوں کی باڑ گرا دی اور کانپتے لب بھینچ لیے۔

"ایک منٹ۔ کیا آپ تھوڑی سی رعائیت دیں گیں؟" وہاب جلدی سے بولا۔

"کیسی رعائیت؟"

"آپ نے جو سوال پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لیں۔ میں اس کے حصے کا جواب بھی دوں گا۔"

"تم کچھ زیادہ ہی اس کی مدد نہیں کر رہے۔" عریج نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھور کر کہا۔

"اس کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔ اور ویسے بھی وہ کمزور سے دل کی ہے۔ اس لیے اسے تنگ کرنے کی بجائے مجھ سے ہی سب پوچھ لیں۔" وہ اس کی اتنی کیئر کر رہا تھا اور حدیقہ کے دل میں ڈھیروں سکون اتر رہا تھا۔

"اوکے تو پھر بتاؤ حدیقہ کو تم سے محبت ہے؟"

"ہاں۔"اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا اور حدیقہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"بس پتہ ہے مجھے۔"اس نے شانے اچکائے۔دور کھڑی عنیقہ کیلیے اب یہ سب کچھ برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا اس لیے وہ تیزی سے پلٹ کر نیچے چلی گئی تھی۔

"کیا بات ہے۔یہ راؤنڈ بھی مجھے برابر ہی لگ رہا ہے لیکن تم دونوں پہلے راؤنڈ میں ہار گئے تھے اس لیے عانیہ اور ریان ونر ہیں۔اب تم لوگ سزا کیلیے تیار ہو جاؤ۔"اس نے مسکرا کر کہا تو سب نے ایک دفعہ پھر اس کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے۔ہم تیار ہیں۔"وہاب نے کہا۔البتہ حدیقہ ڈر رہی تھی کہ عریج پھر کہیں الٹی سیدھی بات نہ کہہ دے۔

"تم دونوں کو اپنی شادی کے دن کپل ڈانس کرنا ہو گا۔"وہی ہوا جس کا حدیقہ کو ڈر تھا۔

"اب یہ مت کہنا ہمیں آتا نہیں۔ابھی اتنے دن پڑے ہیں۔اس لیے سیکھ لینا اور اس دن کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔اوکے۔

"لیکن اتنی جلدی ہم کیسے سیکھیں گیں؟"وہاب نے بہانہ بنایا۔

"تم فکر ہی مت کرو۔میں اور حمزہ تمہیں سکھائیں گے۔کیوں حمزہ؟"وہ بول کر حمزہ کی طرف مڑی تو وہ ہونقوں کی طرح منہ کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے تو لگتا ہے حمزہ کو بھی نہیں آتا۔آپ پہلے اسے سکھا لیں۔"وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو حمزہ اب یہ مجھے چیلنج کر رہا ہے تو اسے دکھا دو کہ تم ڈانس کر سکتے ہو۔"وہ حمزہ کی طرف بڑھی تو وہ مسکرا دیا۔

"کس گانے پر ڈانس کرنا چاہتی ہو؟"اس نے عریج سے پوچھا۔

"عاطف اسلم کا گانا تیرے سنگ یارا" اس نے کہا تو جلدی سے یہ گانا لگایا گیا۔ سب تھوڑے سے پیچھے ہٹ گئے اور درمیان میں جگہ کشادہ ہو گئی۔ گانے کی دھن شروع ہوئی تو حمزہ نے عریج کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور عریج نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ گانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے زبردست کپل ڈانس کیا تھا۔ سب نے تالیاں بجا کر انہیں داد دی۔

"اب بتاؤ۔ تم دونوں کو ڈانس سکھاؤں۔" عریج نے وہاب کی طرف دیکھ کر جتاتے ہوئے کہا تو وہاب نے حدیقہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئیں تھی۔ اس نے بے چارگی سے کندھے اچکا دیے۔ کوشش تو اس نے بہت کی تھی لیکن اس کی ایک نہیں چلی تھی۔

"چلو بھئی وہاب تو مان گیا تھا اور حدیقہ کو منانا اس کا اپنا کام ہے ہمیں تو شادی کے دن ان کا ڈانس دیکھنا ہے۔" عریج نے حکمیہ لہجے میں کہا اور انہیں ماننا ہی پڑا تھا۔ پھر کچھ دیر اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق چلتا رہا اور اس طرح اس خوبصورت محفل کا اختتام ہوا تھا۔ جب وہ سب نیچے لان میں آئے تو سب مہمانوں کے سامنے عانیہ اور ریان کی منگنی کے ساتھ وہاب اور حدیقہ کی شادی کی اناؤنسمنٹ کی گئی۔

------------------------

"عیدی چاہیے؟" عانیہ ریان کا میسج پڑھ کر مسکرا دی۔

"یس۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر اوپر آ جاؤ۔" وہ حیران ہوئی۔ اوپر کدھر آئے۔

"کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"چھت پر۔" اس نے جواب پڑھ کر وقت دیکھا رات کے گیارہ بج چکے تھے اور وہ ابھی چھت پر تھا۔ غصے کو کنٹرول کرتی وہ تیزی سے بستر سے اٹھی اور باہر نکل آئی۔ ٹیرس پر ہر جگہ دیکھا وہ کہیں نہیں تھا لیکن اس کا ایک میسج آیا تھا۔

"اپر فلور پر آؤ۔" اس نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا تو وہ چاند کی مدھم سی روشنی میں اسے نظر آ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔ پھر لاؤنج میں آئی اور وہاں سے سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اوپر آ گئی۔ ٹھنڈی اور تیز ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا اور اس کے بال اڑنے لگے تھے۔ اس سے چند قدم دور کھڑے ریان نے یہ مدھم سا منظر دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ اسے خاموشی سے اپنی طرف دیکھتا پا کر سٹپٹائی تھی اور بالوں کو سمیٹتی اس کی طرف آئی تھی۔

"وقت دیکھا ہے تم نے۔ کل بھی دے سکتے تھے تم۔" وہ خفگی سے کہتی اس کے سامنے رک گئی تھی۔ دونوں ریلنگ کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ ہوا کا رخ عانیہ کے پیچھے سے آگے آ رہا تھا اس لیے اس کے بال پیچھے سے اڑتے سامنے کی طرف لہرا رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے انہیں قابو کیا تھا۔

"کل بھی اسی وقت میں نے دینا تھا اس لیے سوچا آج ہی کیوں نہ دے دوں۔" ریان نے کہا تو اسے اور بھی غصہ آیا۔

"دوپہر۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"تم کچھ دیر یہاں رک نہیں سکتی؟" ریان نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ ویسے تم شکر ہی کرو۔ اگر مجھے نیند نہ آئی ہوتی تو سارا غصہ نکال کر جاتی۔"

"غصہ کیوں آیا ہے؟" ریان نے بات بڑھانے کے لیے کہا۔

"تم بھول بھی گئے۔ آج سب کے سامنے مجھے کیوں پرپوز کیا تھا تم نے؟"

"اوہ ابھی تک غصے ہو لیکن اس میں میری کیا غلطی ہے۔ وہ تو ایک گیم تھی نا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہم ہار جاتے۔" ریان نے بڑی معصومیت سے اپنی صفائی پیش کی۔ عانیہ کو ہنسی آئی لیکن وہ روک گئی اور چہرے پر خفگی کے تاثرات برقرار رکھے۔

"تو ہار جاتے۔ وہاب بھائی بھی تو ہار گئے تھے۔"

"ہاں تو اب سزا بھی بھگتیں گیں نا۔ ویسے اگر ہم ہار جاتے تو کیا تم میرے ساتھ ڈانس کر لیتی؟" اس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"اچھا میری عیدی دو مجھے جانا ہے۔" وہ خفت مٹانے کو ذرا غصے سے بولی۔ ریان نے سر ہلا کر جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عانیہ کا تجسس بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی نظروں کے سامنے ایک ہارٹ شیپڈ نیکلس آیا تھا جس کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے سفید ہیرے جڑے تھے اور چاند کی مدھم سی روشنی میں منعکس ہو رہے تھے۔ درمیان میں ریان کا نام انگلش میں سٹائلش سا لکھا ہوا تھا۔۔ اس کی چین بہت ہی باریک اور نازک سی لگ رہی تھی۔ وہ اس ہار کی خوبصورتی دیکھ کر مبہوت سی ہو گئی تھی۔

"اچھا لگا؟" ریان نے پوچھا۔

"ہاں بہت پیارا ہے۔" وہ انگلیوں سے ہار کو چھوتے ہوئے بولی۔ پھر چونکی۔

"یہ کتنے کا ہے؟" اس کو یہ بہت مہنگا لگا تھا۔

"تم آم کھاؤ۔ پیڑ مت گنو۔" ریان نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ عانیہ کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ کافی مہنگا ہے

"یہ جو ہیرے اس میں لگے ہیں یہ اصلی ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ریان۔ اتنا مہنگا لینے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ششدر رہ گئی۔

"اچھا نہ لو میں اپنی ایکس گرل فرینڈ کو دے دوں گا۔"

"سوچنا بھی مت۔ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دوں گی۔" وہ ڈپٹ کر بولی حالانکہ جانتی تھی کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ ریان نے اپنی ہنسی روکی جسے عانیہ دیکھ چکی تھی۔

"ادھر دو۔" اس نے ہار لینے کے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن ریان نے جلدی سے پیچھے کر لیا۔ عانیہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"مجھے بھی تو عیدی چاہیے۔"

"کہا تو تھا لے لینا۔ یقین نہیں ہے کیا میرا؟"

"اوہ اس کا مطلب میں جو مانگوں وہ دو گی؟" اس نے دوبارہ پوچھا جیسے وہ اس سے پکا وعدہ لینا چاہتا ہو۔ عانیہ کو اب کچھ زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس نے ہامی بھر لی اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ ریان ذرا سا مسکرایا اور اپنے بازو بڑھا کر اس کے کندھوں پر سے گزارتے ہوئے پیچھے سے ہاتھ باہم جوڑ لیے۔ ڈائمنڈ نیکلس اس کی انگلیوں کے درمیان جھول رہا تھا۔ عانیہ نے اسے خفگی سے گھورا تو وہ نظریں پھیر کر کچھ سوچنے لگا۔

"پھر کچھ اسپیشل مانگ لوں؟" ریان کچھ لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"کیا ہو گیا ہے ریان ایسی کونسی چیز ہے جسے مانگنے کے لیے اتنا سوچ رہے ہو؟" عانیہ نے جھنجھلا کر پوچھا۔ اسے اب بھی کچھ سمجھ نہیں آیا تھا اور ریان یہ سوچ کر محظوظ ہوا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر ذرا سا جھکا تھا۔

"ون کِس۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سرگوشی میں بولا تھا اور عانیہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے چہرے پر مزید جھکتا عانیہ نے چہرہ جلدی سے جھکا لیا۔ شرم سے اس کا چہرہ دہک اٹھا تھا اور چاند کی روشنی میں اور بھی خوبصورت لگنے لگا تھا۔ سارا اعتماد سوکھے تنکوں کی مانند اڑ گیا تھا۔ پلکوں کی گھنی باڑ لرز رہی تھی اور ہونٹ بھی کانپنے لگے تھے۔ ریان بے خود سا اس کے چہرے کے دلربا حسن کو دیکھ رہا تھا لیکن مزید آگے بڑھنے

کی کوشش نہیں کی تھی۔عانیہ دل کی دھڑکن کو قابو کرتے ہوئے خود کو کمپوز کیا اور جلدی سے ہاتھوں سے اس کے دونوں بازو اپنے کندھوں سے ہٹائے اور پلٹی۔

"ہے لسن۔" ریان نے جلدی سے اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی پکڑی۔اور اس کا رخ اپنی طرف کیا۔اس کے بال ایک دفعہ پھر اڑ کر سامنے آ گئے جنہیں ریان نے ہاتھ سے پیچھے کیا۔

"ٹھیک ہے نہ دو لیکن اپنی عیدی تو لے لو۔" ریان نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ریان نے ہار کو دونوں کناروں سے پکڑ لیا اور اس کے گلے کی طرف بڑھایا۔اس نے جلدی سے دونوں کنارے اس کے ہاتھ سے لے لیے۔اور رخ ہلکا سا پھیر کر گردن کے پیچھے سے ہُک جوڑنے لگی لیکن ان اڑتے ہوئے بالوں کی الجھن سے وہ یہ نہیں کر پا رہی تھی۔ریان اس کے پیچھے آ گیا اور ہار کو دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اس کی نظر کندھے پر پڑی جہاں تھوڑی سی سفید پٹی نظر آ رہی تھی۔اور یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ اب پوری طرح سے اپنا بازو ہلا رہی تھی۔ہک بند کر کے وہ اس کے سامنے آیا تو وہ شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ رخ دوبارہ پھیر گئی اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ گئی۔وہ کافی بدمزا ہوا تھا کیونکہ ہار کو اس کے گلے میں تو دیکھا ہی نہیں تھا۔پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

---------------------------------

"بچو!.... آج تم لوگوں کا پکنک کا کوئی خاص پلان تو نہیں ہے؟" حیدر علی نے ناشتہ کرتے ہوئے ان سب سے پوچھا۔آج عید کا دوسرا دن تھا۔ڈائننگ ٹیبل پر ریان کے سوا سب موجود تھے۔وہ سالار کو اسلام آباد واپس چھوڑنے گیا ہوا تھا اور سہ پہر کو اس کی واپسی تھی۔

"ہاں ہے نا۔آج رات روئیل کروز شپ پر ایونٹ ہے۔" عمیر بولا۔

"صرف تم جاؤ گے؟" عمرینہ نے پوچھا۔

"نہیں ریان اور وہاب بھی ساتھ جائیں گے۔"

"اور لڑکیو! آپ لوگ نہیں جائیں گی؟" حیدر علی نے ان چاروں سے پوچھا۔ عمیر کا دل کیا یہ انکار ہی کر دیں۔

"نہیں۔ہم بھی جائیں گے۔" عانیہ نے کہا۔ عمیر کا منہ بن گیا اور وہاب نے مسکراہٹ دبائی۔

"کس وقت جانا ہے؟"

"پانچ بجے وہاں پہنچنا ہے اور نو بجے ایونٹ ختم ہو گا۔" وہاب نے جواب دیا۔ حریم نے عانیہ کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ پارک جانے کیلیے بھی کہے۔

"ہم نے عسکری پارک جھولے لینے بھی جانا ہے۔" عانیہ نے کہا۔

"ہاں تو ابھی پارک انجوائے کر لو بعد میں کروز شپ پر چلے جانا۔" حیدر علی نے کہا۔

"آپ نے بھی کہیں جانے کا پلان بنایا ہوا ہے کیا؟" عانیہ نے حیدر انکل سے پوچھا۔

"ہاں دوپہر کو کچھ دوست لنچ پر گھر آ رہے ہیں اور شام کو ایک بزنس فرینڈ کی طرف جانا ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ عید کا دوسرا دن تھا لیکن آج بھی دوست احباب سے ملنا ملانا جاری تھا۔ عمرینہ نے تو ہر جگہ حیدر علی کا ساتھ ہی دینا تھا۔ دوپہر کیلیے لنچ کی تیاری اور رات کو حیدر علی کے ساتھ ڈنر پر جانا تھا۔ لیکن ینگ پارٹی کا پلان آج باہر گھومنے پھرنے کا تھا سو ناشتے کے بعد تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔ آج انہوں نے وہ ڈریسز پہنے تھے جو عید سے ایک دن پہلے خریدے تھے۔ وہ تینوں اس وقت عانیہ کے کمرے میں موجود تھیں۔ حریم نے سرخ کلر کی فراک پہنی تھی۔ حدیقہ کی فراک بے بی پنک کلر کی تھی اور رینم کی سیاہ رنگ کی تھی۔ جبکہ عانیہ کی پیچ کلر کی تھی۔ سب کے ڈیزائن ایک جیسے ہی تھی۔ جیولری بھی ایک جیسی خریدیں تھی حتیٰ کہ ہائی ہیل سینڈلز بھی ایک جیسے تھے۔ رینم نے آج پہلی دفعہ ہائی ہیل سینڈلز پہنے تھے اس لیے اسے چلنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ دو قدم چل کر وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا مصیبت ہے یار۔ مجھ سے نہیں چلا جا رہا ان سینڈلز میں۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ عانیہ جو لیپ ٹاپ پر لگی ہوئی تھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ حریم بھی لپ سٹک لگاتے لگاتے رک گئی اور آئینے سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ حدیقہ ابھی تک ڈریسنگ روم میں ہی تھی۔

"پریشان مت ہو۔ پہلی دفعہ پہن رہی ہو نا اس لیے مشکل ہو رہی ہے۔ حریم کچھ دیر اس کو سہارا دے کر پریکٹس کرواؤ۔" عانیہ نے کہا تو حریم نے اس کے قریب آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ ڈرتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ اسی پل حدیقہ بے بی پنک کلر کی فراک میں ملبوس ڈریسنگ روم سے باہر آئی تھی۔ سب نے اسے متاثر نگاہوں سے دیکھ کر اس کی تعریف کی۔ رنیم کچھ دیر بعد خود ہی آہستہ آہستہ چلنے لگی تھی۔ اور حریم حدیقہ کا میک اپ کرنے لگی تھی۔

"عانیہ تم تیار کیوں نہیں ہو رہی؟" حدیقہ نے پوچھا۔

"ہو تو گئی ہوں۔" وہ لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بغیر بولی تھی۔ مسز خان نے اسے آفس کی ساری ڈیٹیلز بھیجی تھیں جن میں پچھلے مہینے میں کمپنی کو ہونے والا پرافٹ اور اخراجات تھے۔ کچھ کانٹریکٹس بھی سائن کروانے تھے۔ اسے ڈریس ڈیزائننگ کے شعبے کے بارے میں تو کچھ پتہ نہیں تھا البتہ آفس مینجمنٹ کا کام وہ باآسانی کر لیتی تھی۔ پچھلی دفعہ جب وہ کمپنی کے ٹور پر گئی تھی تو مسز خان نے اسے آفس مینجمنٹ کے بارے میں بریف کر دیا تھا اور اب جو بھی نئی ڈیلنگ ہونی تھی اس کے سائن ضروری تھے۔

"میک اپ تو رہتا ہے ابھی تمہارا۔ ویسے تم کر کیا رہی ہو؟" حدیقہ نے پوچھا۔

"آفس کا کام کر رہی ہوں۔"

"تمہیں کرنا آتا ہے؟"

"ہاں آسان ہی ہے۔پہلے ایک دو دفعہ مام کو گھر میں کام کرتے دیکھا تھا لیکن اب مسز خان نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ کسی پر انحصار کرنے سے بہتر ہے خود اپنے معاملات ہینڈل کرو۔"

"ہمم... تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔مام نے بہت مشکل سے یہ بزنس سیٹ اپ کیا تھا۔میں نہیں چاہتی میری کسی بھی قسم کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کو نقصان پہنچے۔"وہ بولی تو حدیقہ نے سر ہلا دیا۔حریم نے اسے لائٹ میک اپ کرنے کے بعد رینم کو میک اپ کرنے لگی۔

"آپی کتنا وقت لگے گا آپ کو فارغ ہونے میں؟"حریم رینم کے میک اپ کو فائنل ٹچ دیتے ہوئے بولی تھی۔

"بس پانچ منٹ اور۔"

"جلدی کریں میں نے آپ کا میک اپ کرنا ہے۔"

"ویسے کس وقت نکلنا ہے؟"رینم نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"حدیقہ نے کہا۔

"جاؤ تم دونوں آنٹی سے پوچھ کر آؤ۔"حریم نے کہا تو وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئیں اور نیچے آ گئیں۔

"ماما ہم کس وقت پارک جائیں گے؟"حدیقہ نے عمرینہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ وہاب سے پوچھ لو۔"وہ مصروف لہجے میں بولی تو حدیقہ نے منہ بگاڑا اور رینم نے مسکراہٹ چھپائی۔

"آپ ہی پوچھ دیں نا۔"

"تم نے جانا ہے۔میں نے تو نہیں جانا۔"عمرینہ محظوظ سا مسکرا کر بولی تو حدیقہ پاؤں پٹختی باہر چلی گئی۔وہاب سے پوچھنا ضروری تھا کیا۔عمیر سے بھی تو پوچھا جا سکتا تھا نا۔یہ سوچ کر وہ راہداری کی جانب بڑھ گئی۔ابھی وہ عمیر کے کمرے کے سامنے آئی ہی تھی کہ دوسری جانب سے وہاب کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ تیزی سے پلٹی

تھی۔وہاب اسے اچانک سے اپنے سامنے پا کر حیران ہوا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔حدیقہ نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا ۔

"یہاں آؤ۔"وہاب نے رعب سے اسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔لیکن حدیقہ کے قدم وہیں جم کر رہ گئے تھے۔ورنہ وہ اب تک الٹے قدموں بھاگ چکی ہوتی۔وہاب نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب آ گیا۔حدیقہ نے ڈرتے ہوئے عمیر کے کمرے کی جانب دیکھا تو وہاب بھی اس کے ڈر کی وجہ سمجھ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آیا۔اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتا وہ تیزی سے بول اٹھی۔

"مجھے جانا ہے۔"وہ دروازے سے باہر نکلنے ہی والی تھی کہ وہاب نے اس کے بازو کو کہنی سے پکڑ کر روک لیا اور دروازہ بند کر دیا۔پھر اس کی طرف دیکھا تو حدیقہ ڈرتے ہوئے پیچھے ہٹی لیکن دروازہ بند تھا اور اس کی کمر بند دروازے سے جا لگی۔پھر اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

"آنکھیں کھولو۔"وہ اس کے دونوں اطراف دروازے پر اپنے ہاتھ ٹکا کر حکمیہ لہجے میں بولا تھا اور حدیقہ نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور خود کو اس کے حصار میں دیکھ کر کانپ گئی۔وہاب دلچسپی سے اس کے چہرے کو سرخ ہوتا دیکھ رہا تھا۔حدیقہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"وہ.....مجھے پوچھنا تھا کہ پارک کب جانا ہے؟"وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تو وہاب اس کی چالاکی پر مسکرا دیا تھا۔اگر وہ چپ کر کے کھڑی رہتی تو وہ بھی اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا۔یہ بات وہ جان چکی تھی۔

"جب کہو لے چلوں گا۔میں نے تو اس دن بھی تمہیں آفر کی تھی کہ جہاں جانا ہو مجھے بتا دینا۔"وہ اسی طرح اس کے چہرے پر ہلکا سا جھکا بولا تھا۔

"نہیں میں عمیر بھائی کے ساتھ جاؤں گی۔"اس نے جلدی سے جتایا کہ وہ اس سے کوئی مدد نہیں چاہتی۔

"تو پھر مجھ سے جانے کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہاب نے پوچھا تو وہ چپ ہو کر رہ گئی۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"ان سے ہی پوچھنے جا رہی تھی کہ......" وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔ اب سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے آپ کہے یا تم۔

"کہ.....؟" وہاب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو حدیقہ نے منہ بنا کر اسے گھورا۔

"دروازہ کھولیں۔ مجھے باہر جانا ہے۔" وہ اس کے ایک ہاتھ کو دروازے سے ہٹاتے ہوئے بولی تو وہاب پیچھے ہٹ کر ہنس دیا۔ حدیقہ جلدی سے مڑ کر دروازہ کھولنے لگی لیکن وہاب نے اسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ اپنی طرف پلٹا۔

"کچھ دیر بیٹھو نا۔ مجھے مہمان نوازی کا موقع دو۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹتا نرم لہجے میں بولا تھا۔ حدیقہ نے ایک نظر کمرے میں دوڑائی لیکن اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔

"ارے جھجھکو مت۔ کچھ دنوں بعد تو یہ تمہارا کمرہ بھی ہو گا۔ یہاں آؤ.... آرام سے بیٹھ جاؤ۔" وہ اسے لے کر بیڈ کی جانب آ گیا اور اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ کے کنارے بٹھا دیا۔ حدیقہ کا دل اس کی بات پر تیزی سے دھڑکا۔

"ماما میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے جھوٹ بولتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہاب نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کا بازو پکڑ لیا۔ نتیجتاً اسے دوبارہ بیٹھنا پڑا۔

"فکر مت کرو میں انہیں بتا دوں گا۔"

"کک.....کیا؟" وہ ڈرتے ہوئے بولی تھی۔

"یہی کہ تم میرے ساتھ ہو اور میرے ساتھ پارک جاؤ گی۔"

"نہیں پلیز۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔بیوی ہو میری۔ بھگا کر تو نہیں لے جا رہا تمہیں۔" وہ بولا تو حدیقہ کو لگا وہ اس سے خفا ہوا ہے۔اس کے ناراض ہونے کا ڈر سب سے بڑا تھا۔وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" وہاب اس کے یوں ایک دم دیکھنے پر حیران ہوا تھا اور وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا گئی۔ شکر تھا ناراض نہیں ہوا۔وہاب کو بھی سمجھ آ گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"اگر تم نہیں جانا چاہتی تو کوئی بات نہیں۔ میں زبردستی نہیں کروں گا۔" وہ بولا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پر آئے چھوٹے بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرنے لگا تھا۔ آن کی آن میں اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"نہیں میں نے جانا ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"میرے ساتھ؟" اس نے بڑے مان سے پوچھا اور حدیقہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تم واقعی فرمانبردار بیوی ہو۔" وہ اس کی تعریف کرتے ہوئے بولا تو وہ گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔وہاب ابھی تک اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا۔

"ایک اور بات مانو گی؟" وہ بولا تو اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرے ساتھ ڈانس کرو گی؟" اس نے بڑے سکون سے حدیقہ کے سر میں بم پھوڑا۔وہ سہمی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی اور وہاب کو اس پر رحم آ گیا۔

"بے ہوش مت ہو جانا۔ کچھ نہیں کر رہا میں۔" وہ سیز فائر کرتے ہوئے بولا تو حدیقہ کی سینے میں اٹکی سانس بحال ہوئی۔

"لیکن ہم ہار گئے تھے اور عریج نے ہمیں سزا دی تھی۔ پلیز اسے بھی منع کر دیں۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے میں منع کر دوں گا۔ تم فکر مت کرو۔" وہ بول کر مسکرایا تھا۔ حدیقہ نے جلدی سے نظریں چرائیں۔ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"چلیں۔" اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تو ابھی تک تیار ہی نہیں ہوا۔"

"آپ پھر تیار ہو جائیں۔ میں چلتی ہوں۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوئی تو فرار کا راستہ ملا تھا۔ لیکن فرار اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ وہاب پھر سے اس کا ہاتھ پکڑ چکا تھا۔

"ایک منٹ رکو۔ ڈریس سلیکٹ کرنے میں میری مدد کر دو گی..... پلیز۔" وہ بھی کھڑے ہوتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے شکر کیا رومینٹک کی بجائے نارمل بات ہی کی تھی۔ سو اس نے جلدی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہاب مسکرا کر وارڈروب کی جانب بڑھ گیا اور وہ بھی آہستہ سے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

"کونسا پہنوں۔" وہاب نے دو شرٹس اور ایک قمیض شلوار والا سوٹ اس کے سامنے کیا تو اس نے جھجھکتے ہوئے اسی قمیض شلوار کی طرف اشارہ کر دیا۔

"تھینکس۔" وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولا۔

"میں جاؤں اب؟"

"ہاں جاؤ۔" اس کے بولتے ہی وہ تیزی سے پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"کب تک بھاگو گی؟" وہاب سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔

---

"وہاب بھی کہتا ہو گا پتہ نہیں کیسی لڑکی اس کے پلے باندھ دی ہے۔" حدیقہ کے جانے کے بعد عمرینہ سر جھٹکتے ہوئے بولی تو رنیم مسکرا دی۔ عمرینہ کی نظر اس کی مسکراہٹ پر پڑی تو وہیں جم کے رہ گئی تھی۔ رنیم کم ہی مسکراتی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی۔

"بیٹھو نا بیٹا۔ پہلی دفعہ میرے کمرے میں آئی ہو۔" عمرینہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"آپ بزی لگ رہی ہیں۔" رینم نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

"اب اتنی بھی نہیں کہ اپنی بیٹی کیلیے وقت نہ نکال سکوں۔" وہ پیار سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے بولی تو رینم کا دل عجیب سی خوشی سے بھر گیا تھا۔ ممتا کا احساس بہت خوبصورت تھا جس سے وہ ساری زندگی محروم رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی ابھری تھی اور اس کے چھپانے کے باوجود عمرینہ دیکھ چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر رینم کو گلے لگا لیا۔

"رونا نہیں بچے۔ خوشی کے موقعوں پر مسکرانا چاہیے۔ چلو مسکراؤ۔" وہ اس کو اپنے سامنے کر کے چہرہ تھامتے ہوئے بولی تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"تمہاری عمر کتنی ہے رینم؟" عمرینہ نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"اٹھارہ سال۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔

"اچھا ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟"

"یکم جنوری 1999ء" اسے پہلے اپنی ڈیٹ آف برتھ معلوم نہیں تھی لیکن اب ریان بھائی نے اس کا برتھ سرٹیفکیٹ نکلوایا تھا تو تب اسے پتہ چلا تھا کہ وہ یکم جنوری کو پیدا ہوئی ہے۔ اب تو ریان بھائی نے اس کے شناختی کارڈ کے لیے بھی آن لائن اپلائے کر دیا تھا۔

"ارے واہ سال کے پہلے دن تم پیدا ہوئی تھی۔ این آئی سی کارڈ بن گیا ہے کیا؟"

"ریان بھائی نے کہا ہے کہ کچھ دنوں تک بن جائے گا۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ تمہاری سٹڈی کیلیے یہ بہت ضروری ہے۔ ویسے تم کیا پڑھو گی؟" عمرینہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر کے اس کا غم بھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ڈاکٹر۔" اس نے بتایا تو عمرینہ نے اسے متاثر نگاہوں سے دیکھا۔

"ڈاکٹر بننے کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ پڑھنا بھی زیادہ پڑتا ہے اور انسانی جسم کی چیر پھاڑ الگ سے کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے تو بہت بڑا دل چاہیے ہوتا ہے۔ میرے بابا نے مجھے ڈاکٹر بننے کے لیے کہا تھا لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی۔"

"آپ کے ماما بابا کہاں ہیں؟" ریئم نے پوچھا۔

"اب تو دونوں اللہ کے پاس ہیں۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"اور آپ کے کوئی بہن بھائی نہیں؟"

"نہیں میں اکیلی ہی تھی۔ ہم انگلینڈ میں رہتے تھے۔ پھر میری شادی تمہارے انکل سے ہو گئی تو ہم پاکستان آ گئے۔ پھر کچھ سالوں بعد ماما بابا کی ایک ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔" ان کے درمیان کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی تھی۔

"اسی لیے آپ کی آنکھیں نیلی ہیں۔ اور بال بھی سنہری ہیں۔ حدیقہ بھی آپ کے جیسی ہے۔ لیکن آپ اردو بہت اچھی بولتی ہیں جیسے آپ پاکستانی ہی ہوں۔"

"جب میں تمہارے جتنی تھی تو وہاں ہمارے ہمسائے میں ایک پاکستانی فیملی آئی تھی۔ پھر ہماری دوستی ہو گئی اور میں نے اس سے اردو سیکھ لی۔ مجھے بہت مزے کی زبان لگی تھی یہ۔ اور اتفاق سے میری شادی بھی ایک پاکستانی سے ہی ہو گئی۔ اب تو مجھے لگتا ہے یہی میرا ملک ہے۔ اور میں یہیں پیدا ہوئی تھی۔"

"آپ بہت اچھی ہیں۔ حدیقہ بہت خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسی ماں ملی۔"

"اگر میں تمہاری ماما بن جاؤں تو تم بھی خوش قسمت ہو جاؤ گی۔" عمرینہ نے شرارت سے کہا لیکن ریئم کو سمجھ نہیں آئی تھی۔

"آپ میرا خیال ماں کی طرح رکھتی ہیں اس لیے میں خود کو خوش قسمت ہی سمجھتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"آپ تیار کیوں نہیں ہوئیں ابھی تک؟" اس کو احساس ہوا کہ کہیں وہ ان کا وقت ضائع نہ کر رہی ہو۔

"ہونے ہی والی تھی۔ بس کمرے کی صفائی کرنے والی تھی۔" عمرینہ نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کر دیتی ہوں آپ تیار ہو جائیں۔"

"ارے رہنے دو۔ میں کر لوں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تو ریم بھی اٹھ گئی۔

"ماما جی!......" وہ جتاتے ہوئے بولی تو عمرینہ ہنس دی۔

"اوہ سوری میں بھول گئی۔ ٹھیک ہے تم میری بیٹی ہو اور تمہیں میری خدمت کرنی چاہیے۔ رائٹ۔"

"بالکل ٹھیک سمجھیں۔" وہ کہتے ہوئے بیڈ کی جانب بڑھ گئی۔ عمرینہ ہنستے ہوئے وارڈروب کی جانب آئی اور کپڑے چیک کرنے لگی۔ ایک سوٹ باہر نکالا جس کا رنگ سرمئی تھا۔ وہ کالر والی لانگ قمیض تھی جس کے ساتھ کھلا ٹراؤزر اور ہم رنگ شیفون کا دوپٹہ تھا۔ ہلکی سی کڑھائی بھی ہوئی تھی۔ ریم جو بیڈ شیٹ ٹھیک کرنے لگی تھی رک کر ان کے ڈریس کو دیکھنے لگی تھی۔

"یہ کیسا لگے گا مجھے؟" عمرینہ نے اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"بہت پیارا۔" وہ بولی۔ اسے عمرینہ آنٹی کی صحیح عمر تو نہیں پتہ تھی لیکن وہ اسے تیس سال کی لگتی تھی۔ سلم سمارٹ سی عمرینہ کا چہرہ بھی بہت خوبصورت تھا جس کا وہ بہت خیال رکھتی تھی اسی لیے ابھی تک اپنی عمر سے دس سال چھوٹی نظر آتی تھی۔

"پریس نہیں کرنا؟" ریم نے دیکھا کہ ڈریس تھوڑا سا رف ہے۔

"دو دن پہلے کیا تو تھا۔ خیر ہی ہے۔ پہن لیتی ہوں۔ ویسے بھی لنچ کی تیاری کرنی ہے۔ کونسا کہیں پہن کر جانا ہے۔"

"آپ مجھے دیں میں پریس کر دیتی ہوں۔" وہ سعادت مندی سے بولی تو عمرینہ مان گئی۔ اسے وہ کمرہ دکھایا جہاں سارے کپڑے پریس ہوتے تھے۔ جب تک وہ پریس کر کے واپس آئی عمرینہ نے کمرہ سیٹ کر لیا تھا۔

"تھینکس۔" عمرینہ اس سے کپڑے لیتے ہوئے بولی اور شاور لینے کیلیے واشروم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور عمیر کی آواز آئی۔

"ماما!" اس کی اکتائی ہوئی آواز پر عمرینہ نے گہری سانس بھری اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ اب عمیر کے چہرے پر اکتاہٹ کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آ چکا تھا۔ ایک تو وہ جب بھی ماما سے بات کرنے آتا تھا یہ لڑکی اسے یہیں ملتی تھی۔

"جی ماما کی جان۔" وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھیں۔

"مجھے وہ سوٹ نہیں پہننا۔" وہ ریئم کو اب نظر انداز کر کے عمرینہ سے بولا۔

"کیوں اسے کیا ہے اب۔" عمرینہ نے اس کیلیے شلوار قمیض سوٹ پریس کیا تھا لیکن اسے پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے پینٹ شرٹ پہننی ہے۔ یہ شرٹ استری کر دیں جلدی سے۔" وہ ان کی طرف ایک بلیک کلر کی شرٹ کرتے ہوئے بولا۔ عمرینہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ ریئم ذرا دور ہٹ کر لاتعلق سی کھڑی تھی۔

"عمیر وہی سوٹ پہن لو۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

"مجھے نہیں پتہ کر کے دیں۔ میرے لیے ہی ٹائم نہیں ہوتا آپ کے پاس۔" اس نے جذباتی بلیک میل کیا۔ عمرینہ نے شرٹ اس کے ہاتھ سے پکڑی اور ریئم کی طرف دیکھا۔ عمیر کو سمجھ آئی لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ ریئم تو عمرینہ کے کچھ کہے بغیر ہی سمجھ گئی تھی اور ان کے ہاتھ سے شرٹ لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ عمرینہ نے بیٹے کے تاثرات کو غور سے جانچا اور حیران ہوئی کہ اسے غصہ کس بات پر آ رہا ہے۔ شرٹ پریس کرنے کا کہا تھا وہ تو اب ہو رہی ہے۔

"اب کیا مسلہ ہے ؟" وہ بولی تو عمیر گڑبڑا گیا۔ اور اسی پل عمرینہ کو پتہ چل گیا کہ اس کے بیٹے کے دل میں کیا ہے۔ مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے اور واشروم میں چلی گئی۔

عمیر جلدی سے باہر نکلا اور ریئم کے سر پر جا پہنچا۔ استری اس وقت فل گرم ہو چکی تھی۔ ایک دم سے پیچھے کھٹکا ہونے کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو گئی اور اس کے دائیں بازو کی کلائی انگوٹھے کے قریب سے استری کے ساتھ لگ گئی۔ جلن کا احساس ہوتے ہی اس نے بازو پیچھے کھینچ لیا تھا اور مڑ کر پیچھے دیکھا تو عمیر کو دیکھ کر بھول گیا کہ اس کا بازو جل گیا ہے۔

"پیچھے ہٹو میں خود کر لوں گا۔" وہ غصے سے بولا تو وہ سہم کر ایک طرف ہو گئی۔

"میرے معاملات میں دخل اندازی مت کیا کرو سمجھی۔" وہ اسے بہت کچھ جتا رہا تھا۔ اور ریئم کا دل جیسے زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی تکلیف بازو کے جلنے کی تکلیف سے بھی زیادہ تھی۔ آنکھوں سے ابھرنے والے آنسوؤں کو چھپانے کیلیے اس نے چہرہ جھکا لیا اور وہاں سے نکلنے لگی تھی کہ عمیر کی نظر اس کی جلی ہوئی کلائی پر پڑ گئی تھی۔ اس کا دل دکھا تھا اور وہ خود کو روک نہیں سکا تھا۔

"رکو" اس نے جلدی سے کہا تو ریئم کے قدم رک گئے۔ دل خوف سے کانپا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آیا تھا اور اس کی آنکھوں سے چھلکتے آنسوؤں کو دیکھ لیا تھا۔ اسے ریئم کی آنکھیں سمندر لگیں تھیں اور وہ خود کو ان میں ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ پھر تیزی سے چونک کر نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں اور جھک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ ریئم حیرت سے دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیسے جلا ہے ؟" وہ اس کے زخم کو دیکھتا فکرمندی سے بولا تھا لیکن ریئم کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ اس کا ہاتھ عمیر کے ہاتھ میں تھا۔

"درد ہو رہا ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا تو بے اختیار ہی اس کا سر اثبات میں ہل گیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر دائیں جانب ایک میز کی طرف بڑھا جس کی دراز میں برونال کریم پڑی تھی۔ اس کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے ہی وہ برونال لے کر اس کے قریب آگیا اور اسے کھول کر ریتم کے زخم پر لگانے لگا تھا۔ ریتم اس کے دھوپ چھاؤں جیسے رویے پر حیران تھی جبکہ عمیر حیران تھا کہ اس کی جلد اتنی زیادہ جل گئی ہے اور وہ چیخی تک نہیں۔ اسے کیا پتہ تھا کہ وہ اس سے زیادہ تکلیفیں برداشت کر چکی ہے۔ یہ زخم تو اس کی تمام تکلیفوں کا مداوا تھا۔ اسے لگا تھا کہ آج عمیر نے اس کے سارے زخموں پر مرہم رکھ دی ہے۔ اس کے ہاتھ کا لمس وہ دل کی گہرائیوں تک محسوس کر رہی تھی۔ چہرہ جھکا کر اس نے دوسرے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔

عمیر نے اس کے زخم کو دوا سے اچھی طرح کور کر دیا تھا اور اس کا ہاتھ چھوڑنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر ہاتھ پر لگی مہندی پر پڑ گئی تھی۔ اس کی ہتھیلی کھول کر اور اپنی بھنویں سکوڑ کر غور سے دیکھا۔ پہلے اسے اپنی نظروں کا دھوکا لگا تھا لیکن پھر اسے یقین آگیا تھا کہ یہ اسی کا نام لکھا ہوا تھا۔ دل ایک عجیب سی خوشی سے سرشار ہو گیا تھا۔ اس نے حیرت سے ریتم کی طرف دیکھا لیکن وہ اچنبھے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس سب انجان تھی۔ پھر اسے یاد آیا بیوٹی پارلر میں ایک لڑکی نے اس کا نام پوچھا تھا۔ ہو سکتا تھا ریتم کو پتہ نہ چلا ہو۔ لیکن اس نے غور سے دیکھا تو ہو گا نا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنا آسان سا لفظ اس سے سمجھ نہ آیا ہو۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے اس کی ہتھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ غور سے مہندی کو دیکھنے لگی لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"مہندی۔" عمیر تو اس کی معصومیت پر عش عش کر اٹھا تھا۔ پھر خوامخواہ ہی غصہ آگیا کہ وہ ہوتی کون ہے اس کا نام اپنے ہاتھ پر لکھنے والی۔

"سمجھ نہیں آرہا یہ کیا لکھا ہوا ہے؟" وہ ڈپٹ کر پوچھنے لگا تو اس نے ڈرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایجوکیشن کتنی ہے تمہاری؟" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ریئم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہا ہے۔

"کتنی کلاسز پڑھ چکی ہو؟" اس نے دوبارہ زور دے کر پوچھا۔

"پانچ" وہ شرمندہ سے لہجے میں بولی اور عمیر حیران رہ گیا۔ پھر تو واقعی اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ تو ابھی تک یہ بھی نہیں جانتی ہوگی کہ اس کے ہاتھ پر عمیر کا نام لکھا ہے۔ یہ پانچ کلاسز پڑھے ہوئے اسے بہت عرصہ ہو چکا ہوگا اور اب تک تو وہ سب کچھ بھول چکی ہوگی لیکن اس نے آگے کیوں نہیں پڑھا۔ عمیر کا دل کیا کہ اس سے پوچھے لیکن انا آڑے آگئی اور اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"یہ اپنے پاس رکھ لو۔ دن میں دو تین دفعہ لگالینا۔ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسے برنول دیتے ہوئے بولا تو وہ اسے لے کر جلدی سے باہر نکل گئی۔ عمیر کچھ دیر وہیں حیران کھڑا رہا تھا۔ ایک الگ اور عجیب سی کیفیت میں گھرا تھا۔ اس کا نام اس لڑکی کے ہاتھ پر لکھا جا چکا تھا جو اسے بہت پسند تھی۔ کیا وہ اس کی نصیب میں لکھا جا چکا تھا یا وہ اس کے نصیب میں شامل ہو گئی تھی۔ امید کے جگنو پھر سے آنکھوں میں چمکنے لگے تھے۔

---

حریم عانیہ کے ہونٹوں پر ہلکے پنک رنگ کا لپ گلوز لگا رہی تھی۔ اس کی نظریں تو جیسے عانیہ کے ہونٹوں پر جم کر رہ گئیں تھیں۔

"ہائے اللہ۔ آپی آپ کے ہونٹ کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔ شکر ہے ریان بھائی یہاں نہیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی تو عانیہ کو کل رات والا واقعہ یاد آیا اور بے اختیار ہی اس کا ہاتھ گلے میں پڑے ہار کو چھو گیا تھا۔ لاکٹ کپڑوں کے اندر تھا اس لیے ابھی تک حریم کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ لیکن اب حریم اس کے گلے میں نازک سی چین دیکھ کر چونکی تھی۔

"ارے یہ کونسا ہار پہنا ہوا ہے آپ نے ذرا دکھائیں تو۔" حریم نے چین پکڑ کر اسے تھوڑا سا اوپر کیا اور اس خوبصورت نیکلس کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ تو اُسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ ہار انہیں ریان بھائی نے دیا ہے کیونکہ اس پر ریان لکھا ہوا تھا۔

"واہ واہ۔ کیا بات ہے۔ مطلب اب بہن سے باتیں چھپائیں گی آپ۔" وہ جتاتے ہوئے بولی تو عانیہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"لیکن آپ کو معاف ہے سب۔ آپی جو ہوئیں میری۔ ناراض تو نہیں ہو سکتی اب میں آپ سے۔ ویسے ایک بات بتائیں۔ ریان بھائی نے آپ کو یہ خود پہنایا تھا نا۔" حریم نے پوچھا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اوہ اوہ سوری۔ کچھ پرسنل پوچھ لیا کیا؟" حریم نے معصومیت سے پوچھا۔

"حریم باز آ جاؤ تم۔ پتہ تو ہے تمہیں میرا۔ پٹائی بہت اچھی کر لیتی ہوں میں۔ اور کافی دنوں سے کی بھی نہیں کسی کی۔ یہ نہ ہو اب میرا موڈ بن جائے اور تم پٹ جاؤ۔" وہ خفت مٹانے کو غصے سے بولی تو حریم نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔ اسی پل حدیقہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی جیسے بھاگ کر آ رہی ہو۔ دونوں نے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا کر رک گئی۔ پھر آہستہ سے چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور شرم کے آثار واضح نظر آ رہے تھے۔

"ہے کیا ہو گیا؟" حریم نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ عانیہ بھی اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ حدیقہ کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کہہ نہیں پا رہی۔

"ایک مسلہ ہو گیا ہے۔" حدیقہ پریشان سے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" عانیہ نے پوچھا۔

"وہ.... میں ماما سے پوچھنے گئی تھی کہ کب جانا ہے تو....."

"کیا انہوں نے منع کر دیا؟" حریم نے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں۔"

"پھر؟" عانیہ نے پوچھا۔

"انہوں نے کہہ دیا کہ وہاب سے جا کر پوچھو۔" حدیقہ نے کہا تو حریم کی ہنسی چھوٹ گئی اور عانیہ بھی مسکرانے لگی۔

"تو اس میں ٹینشن کی کیا بات ہے پوچھ آؤ نا جا کر۔" عانیہ نے کہا۔

"پوچھ آئی ہوں؟" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"اچھا واقعی پھر کیا کہا انہوں نے؟" حریم دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"انہوں نے کہا ہے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔ عانیہ اور حریم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ چھپائی۔

"یہ تو ویسے انہوں نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ بھئی حق ہے ان کا تم پر اور تم اس سے انکار نہیں کر سکتی۔" عانیہ نے اسے سمجھایا۔

"لیکن میں اکیلے کیسے جاؤں ان کے ساتھ۔ پلیز تم میری کچھ مدد کرو" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"مدد تو نہیں البتہ مشورہ دے سکتے ہیں۔" حریم نے کہا۔

"کیا؟"

"تم جا کر منع کر دو۔ ویسے بھی وہاب بھائی کونسا تمہاری بات ٹالتے ہیں۔" حریم کے مشورے پر اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"وہ برا مان گئے تو؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی تو حریم پھر سے ہنس دی۔

"لو جی یہ لڑکی تو گئی کام سے۔" وہ ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارتے ہوئے بولی تو عانیہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ وہاب بھائی اگر ناراض ہو گئے تو انہیں منانا اور بھی مشکل ہو گا۔ تم ایسا کرو چپ چاپ چلی جاؤ ان کے ساتھ۔" عانیہ بولی۔

"لیکن ماما کو کیا کہوں۔ وہ کیا سوچیں گیں میرے بارے میں۔"

"ارے کچھ نہیں کہتیں۔ میں پوچھ دیتی ہوں۔" عانیہ بولی تھی۔ اسی پل حدیقہ کے فون پر میسج کی رنگ ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر سے فون اٹھایا تو وہاب کا میسج تھا۔

"میں نے آنٹی سے اجازت لے لی ہے۔ تم بھی ان سے اجازت لے کر دو منٹ میں باہر آؤ۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔" یہ ٹیکسٹ حدیقہ کے علاوہ حریم نے بھی پڑھ لیا تھا۔

"جلدی سے بھاگو۔ وہاب بھائی ناراض نہ ہو جائیں کہیں۔" حریم نے اسے اٹھاتے ہوئے شرارتاً کہا تو وہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔ اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

"ماما.....!" وہ عمرینہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جھجھکتے ہوئے بولی۔ عمرینہ شیشے کے سامنے کھڑی بال برش کر رہی تھی اس کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ حدیقہ نے نظریں جھکا لیں۔

"وہاب کہہ رہا تھا کہ وہ تمہیں کہیں باہر لے کر جانا چاہتا ہے۔" عمرینہ اس کی طرف آتے ہوئے بولی تھی۔ حالانکہ اس نے خود وہاب سے کہا تھا کہ حدیقہ کو اپنے ساتھ لے کر جائے تاکہ اس کا رویہ نارمل ہو جائے۔

"بیٹا وہ تمہارا شوہر ہے۔ اس کی ہر بات ماننا تم پر فرض ہے۔ وہ بہت پیار کرنے والا انسان ہے۔ اس کا دل کبھی مت دکھانا۔ ہمم....." عمرینہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور وہ سر جھکا گئی تھی۔

"پریشان مت ہوا کرو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اتنی محبت کرنے والا ہزبینڈ ملا ہے۔ تمہارا کتنا خیال رکھتا ہے۔ آجکل کے دور میں مشکل سے ہی اتنا مخلص انسان ملتا ہے۔ تم تو بہت لکی ہو۔" وہ اس دفعہ مسکراہٹ کو نہیں روک سکی تھی۔ عمرینہ بھی خوشی سے مسکرا دی تھی۔ ماں کی دعائیں لینے کے بعد وہ باہر آئی تو وہاب گاڑی کے ساتھ

ٹیک لگائے کھڑا نظر آ گیا تھا۔ سفید قمیض شلوار میں ملبوس وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ٹیک چھوڑ دی اور مسکرا دیا۔ وہ جھجھکتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ اس سے چند قدم دور ہی رک گئی اور سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ وہاب نے گاڑی کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اور اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ چلو کچھ نہ کچھ اثر تو ہو رہا ہے۔ وہاب سوچ کر مسکرایا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر دوسری طرف آ گیا۔ ابھی اندر بیٹھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا تھا۔ اس نے بدمزہ ہو کر کال اٹھائی جو اس کے کسی دوست کی تھی۔ اس سے بات کرتے ہوئے وہاب کو محسوس ہوا کہ حدیقہ اسے مسلسل دیکھ رہی ہے۔ بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی اور پھر آرام سے دوست سے بات کرنے لگا۔ اس بے چاری کا بھی حق بنتا تھا کہ اسے جی بھر کے دیکھے۔ لیکن جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا وہ اسے دیکھنے سے کتراتی تھی۔ ابھی وہاب نے اسے پورا پورا موقع دیا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ حدیقہ اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی جیسے اس وقت وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ دل کی بات مان رہی تھی۔

"چلو پھر کل ملتے ہیں۔.....اوکے۔" کال کاٹ کر اس نے حدیقہ کی طرف دیکھا تو وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی

"اگر تم مجھے ایسے ہی دیکھتی رہی تو میں گاڑی کیسے چلاؤں گا۔" وہاب بڑی معصومیت سے مسکرایا تو وہ گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔ خود کو کوسا اور کوئی بہانہ ڈھونڈا جو جلد ہی مل گیا۔

"م...میں کونسا آپ کو دیکھ رہی تھی۔" جی کڑا کر کے بولی۔

"اچھا پھر کسے دیکھ رہی تھی؟" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا تھا۔

"فون کو۔" وہ پہلے حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔

"پھر سے اسے توڑنے کا ارادہ تو نہیں۔" وہ بولا تو حدیقہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے چہرہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس پل اسے اپنی ساری شرارتیں یاد آئیں تھیں جو وہ وہاب کو تنگ کرنے کے لیے کرتی تھی۔

"یاد ہے تم مجھے کتنا تنگ کرتی تھی۔" وہ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولا تو حدیقہ حیران ہوئی۔ وہ بھی یہی سوچ رہی تھی اور وہاب بھی وہی سوچ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی اس لیے چہرہ پھیرے رکھا۔ گاڑی گیٹ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" کچھ دیر بعد حدیقہ نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں تم چاہو۔" وہ اسے ایک نظر دیکھ کر بولا۔

"بیکری۔"

"بیکری؟..... وہ کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"مجھے لیز لینا ہے اور چاکلیٹ بھی۔" وہ بچوں کے سے انداز میں بولی۔ اتفاق سے اسی وقت وہاب کو ایک بیکری نظر آ گئی اور اس نے گاڑی روک دی۔

"چلو پھر۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا تو وہ بھی نچلا لب دانتوں میں دباتی باہر آ گئی تھی اور وہاب بھی اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ بیکری کی طرف بڑھ گیا اور کچھ دیر بعد وہ بیکری کے اندر موجود تھے۔ کافی بڑی جگہ تھی اور قطاروں میں مختلف چیزوں کے ریکس لگے ہوئے تھے۔ عید کی وجہ سے رش بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے آگے بڑھنے لگے تھے۔ حدیقہ تو میٹھی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی اور وہاب اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ایک چاکلیٹ لینے کے بعد اس نے تین فلیورز میں لیز بھی لے لیے۔

"کارنیٹو بھی لے لوں۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی اور وہاب نے سر اثبات میں ہلا کر اسے اجازت دے دی۔ وہ خوشی سے مسکراتی کارنیٹو لینے لگی۔ وہاں ٹرالیز بھی پڑیں تھیں لیکن حدیقہ نے ساری چیزیں ہاتھ میں ہی

اٹھائی ہوئی تھیں۔ تینوں لیز بازو اور سینے کے بیچ پھنسائے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں چاکلیٹ اور دوسرے میں کرنیٹو پکڑے وہ بالکل بچی لگ رہی تھی۔ پھر وہ دونوں کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئے اور حدیقہ نے ساری چیزیں کاؤنٹر پر رکھ دیں۔ کیشیئر نے بل بتایا تو حدیقہ کے دینے سے پہلے ہی وہاب نے پیسے دے دیے۔ وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی۔ اس نے تو اتنی ساری چیزیں لے لیں تھیں اور پیسے وہاب کو دینے پڑ رہے تھے۔

کیشیئر نے انہیں ساری چیزیں ایک شاپنگ بیگ میں ڈال کر دے دیں جسے وہاب نے ایک ہاتھ میں پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے حدیقہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر آگیا۔

"میرے پاس پیسے تھے۔" وہ آہستہ سے بولی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ میرے پاس بھی تھے۔" وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے میں پریکٹس کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے شادی کے بعد تو مجھے ہی تمہارے خرچے اٹھانے ہیں۔ مجھے ابھی سے پتہ چل جائے گا کہ تم میرے کتنے خرچے کروانے والی ہو۔" وہ شرارت سے بولا تو حدیقہ نے رخ پھیر کر منہ بنایا۔ ایک طرف اسے وہاں ایک غریب سا بچہ نظر آیا جو اپنی ہتھیلی پھیلائے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ بے اختیار رک گئی تھی اور وہاب بھی رک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگا۔ وہ بچہ قریب آ کر اس سے پیسے مانگنے لگا تھا۔ حدیقہ نے وہاب کی طرف دیکھا تو اس نے پیسے نکال کر بچے کو پکڑا دیے۔ حدیقہ نے بھی جلدی سے کلچ میں سے پیسے نکال کر بچے کو دیے۔ اور تو اور شاپنگ بیگ میں سے ایک لیز بھی نکال کر اسے دے دیا۔ بچہ تو خوش ہو گیا اور حدیقہ بھی مسکرا دی۔ وہاب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی بیوی صورت کے ساتھ ساتھ سیرت کی بھی بہت اچھی تھی۔

"تمہیں بچے پسند ہیں؟" وہ ابھی بچے کو جاتا دیکھ رہی تھی کہ وہاب کی بات پر چونکی تھی۔ پھر مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تم خود بھی ابھی تک بچوں کی طرح ہی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا اور گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے کارنیٹو کھول لی کھانے ہی لگی تھی کہ پھر کچھ یاد آگیا اور وہ تذبذب کا شکار ہو گئی۔ وہاب نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کھائیں گے ؟" وہ جھجھکتے ہوئے بولی تو وہاب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔ حدیقہ نے شرمندہ لہجے میں کارنیٹو اس کی طرف بڑھا دی۔

"نہیں پہلے تم کھالو۔ ہو سکتا ہے تمہیں میرا جھوٹا کھانا پسند نہ ہو۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آگے سے کیا کہے۔

"اچھا تو پھر اکٹھے کھائیں۔" وہ بولا تو حدیقہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اور آئس کریم اس کی طرف مزید بڑھائی۔ وہاب نے ایک ہاتھ سے کارنیٹو کو ذرا سا پکڑ کر ایک بائیٹ لی اور سامنے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ویسے میں نے سنا ہے ایک دوسرے کا جوٹھا کھانے سے پیار بڑھتا ہے۔" وہاب کی بات پر اس کا منہ تک جاتا ہاتھ رک گیا۔ اور وہ بری طرح سٹپٹائی۔ وہاب اس کی حالت سے محظوظ ہوتا ہنس دیا۔

"میں اب آپ کو دوں گی نہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تو پھر میرے دل میں تمہارے لیے پیار کیسے بڑھے گا؟" وہاب نے اسے زچ کرنے کی انتہا کر دی تھی۔ اس نے کچھ پل لب بھینچ کر غصے سے وہاب کو گھورا اور چہرہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہاب جانتا تھا کہ اس کے چہرے کی سرخی غصے کی وجہ سے نہیں بلکہ شرم کی وجہ سے ہے۔ اس کا شرم سے سرخ ہوتا چہرہ وہاب کو بہت پسند تھا لیکن وہ چہرہ دوسری طرف کر لیتی تھی۔ اور وہ بدمزہ سا ہو کر سر جھٹک دیتا۔

-----------------------------

"ہائے کتنا پیارا لگ رہا ہے فیرس وہیل۔" حریم فیرس وہیل کو دور سے دیکھتے ہی خوشی سے مسکرا اٹھی تھی۔ وہ تینوں ابھی ابھی پارک کے اینٹرینس میں داخل ہوئیں تھیں۔ عمیر بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ فیرس وہیل تو دور سے ہی نظر آ گیا تھا اور اندر داخل ہوتے ہی ہر طرف لوگوں کا رش نظر آنے لگا تھا۔ آسمان پر سرمئی بادلوں جمع ہو رہے تھے اور موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔

"چلو پھر سب سے پہلے اسی کا جھولا لیتے ہیں۔" عانیہ بھی مسکرا کر بولی اور رنیم کا ہاتھ پکڑ کر آگے کی طرف بڑھ گئی۔ عمیر کو محسوس ہو رہا تھا کہ رنیم سے ہائی ہیل پہن کر مشکل سے چلنے ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بڑی خوشی سے چل رہی ہے اور تو اور فیرس وہیل کا جھولا لینے کا بھی ارادہ تھا محترمہ کا۔ اتنا خطرناک اور اونچا جھولا تھا وہ۔ اور عمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے رنیم کو وہ جھولا لینے سے روکے۔ دماغ تو اسے سمجھا رہا تھا کہ تمہیں اس سے کیا ہے۔ وہ جو بھی کرے۔ اور وہی اکیلی لڑکی تو نہیں جو وہ جھولا لینے جا رہی ہے۔ لیکن دل کہہ رہا تھا کہ وہی ایک لڑکی ہے جس کی جان اسے اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔ اسی کش مکش میں مبتلا وہ فیرس وہیل تک پہنچ گیا تھا اور اب دعا کر رہا تھا کہ رنیم خود ہی ڈر کر جھولا لینے سے انکار کر دے۔

"عمیر بھائی آپ جھولا لیں گے؟" حریم نے چہک کر پوچھا۔

"نہیں۔ میں بچہ تھوڑی ہوں۔" عمیر نے جلا بھنا سا جواب دیا۔

"لے لیں نا عمیر بھائی۔ ویسے بھی جھولے میں چار لوگوں کی جگہ ہے۔" عانیہ نے کہا۔ رنیم کا دل کر رہا تھا کہ وہ بھی جھولا لے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ عمیر کا دل کر رہا ہے کہ وہ جھولا نہ لے۔ اگر وہ جان لیتی تو کبھی نہ لیتی۔

"نہیں۔ تم لوگوں نے لینا ہے تو لو ورنہ آگے چلو۔"

"کیوں ہاں۔ ہم تو لیں گے چلو رنیم۔" حریم نے کہا اور آگے بڑھ کر جھولے دینے والے شخص سے بات کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں جھولے میں بیٹھ گئیں تھیں اور ایک اور لڑکی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ آہستہ آہستہ

جھولا اوپر جانے لگا تھا لیکن ابھی باقاعدہ شروع نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی بہت سے جھولے خالی تھے۔عانیہ اور رینم ایک طرف بیٹھیں تھیں جبکہ حریم اس دوسری لڑکی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی وہ چاروں دور دور تک پھیلے مناظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ابھی جھولا چار پانچ سٹیپس ہی اوپر گیا تھا کہ عانیہ کا فون بجا تھا۔اس نے جلدی سے کلچ کھولا اور دیکھا تو ریان کی طرف سے ویڈیو کال تھی۔ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"ریان بھائی کا فون ہے ؟" حریم نے اس کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا تو اس نے سر اثبات میں ہلا کر کال پک کی۔وہ اس وقت اسلام آباد میں اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کمرے کو دیکھ کر عانیہ کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔

"اسلام علیکم۔" ریان کی گھمبیر آواز فون کی سپیکر میں گونجی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" عانیہ اور رینم نے اکٹھا جواب دیا تھا۔ریان ان کے بیک گراؤنڈ کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

"یہ تم دونوں کہاں ہو؟"

"فیرس وہیل پر جھولا لے رہے ہیں۔" عانیہ نے کہا۔ریان کا دل تو کیا اسے ڈانٹ کر جھولا لینے سے روکے۔طبعیت ٹھیک پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی اور میڈم جھولے لے رہی تھی۔

"چلو تمہاری تو خیر ہے۔تمہیں تو کوئی ڈر خوف ہی نہیں لیکن میری معصوم سی بہن پر رحم کرو۔" اس نے رینم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ میری فکر مت کریں بھائی۔عانیہ اگر میرے ساتھ ہے تو ڈر کیسا؟" رینم نے مسکرا کر کہا تو ریان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

اسی پل اس کی نظر عانیہ کے گلے میں جھولتے نیکلس پر پڑی تھی جس کی نازک سی چین عانیہ کی بیوٹی بونز (ہنسلی کی ہڈی) سے گزرتی مزید نازک لگنے لگی تھی۔اور نیکلس کی خوبصورتی بھی بڑھ گئی تھی۔عانیہ نے دوپٹے سے نیکلس کو چھپایا ہوا تھا لیکن اب دوپٹہ تھوڑا اوپر ہو گیا تھا اور نیکلس اس کے نیچے سے گزر رہا تھا۔

"نیکلس بہت اچھالگ رہا ہے تمہیں۔" ریان نے مسکرا کر کہا تو عانیہ نے جلدی سے نیکلس کو ہاتھ سے چھپالیا۔ رینم اس کی حرکت پر ہنس دی۔

"میں فون رکھ رہی ہوں۔ جھولا شروع ہونے والا ہے۔" وہ سٹپٹاتے ہوئے بولی اور جلدی سے فون بند کر دیا۔

"یہ نیکلس کتنے کا ہے؟" حریم کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے دلچسپی سے پوچھا تو تینوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"پتہ نہیں۔" عانیہ نے شانے اچکا کر کہا۔

"دیکھنے میں بہت مہنگا لگ رہا ہے۔ یہ آپ کے ہزبینڈ نے دیا ہے کیا؟" وہ فرینک ہوتے ہوئے بولی تو رینم اور حریم نے مسکراہٹ چھپائی۔

"فیانسی نے دیا ہے۔"

"اور وہ بھی ہونے والے۔" حریم بڑبڑاتی تھی لیکن آواز کسی کو نہیں آئی تھی۔

"اوہ اچھا ابھی آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ میں حیران ہو رہی تھی کہ آپ ابھی تو بہت چھوٹی ہیں اور شادی ہو بھی گئی۔ ویسے ابھی آپ کے فیانسی کی ہی کال تھی نا۔" اس لڑکی نے تو عانیہ کا پورا انٹرویو کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ عانیہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" اگلا سوال۔

"عانیہ اور آپ کا؟" عانیہ نے جلدی سے بات کا رخ اس کی طرف موڑا اور وہ اتنی باتونی تھی کہ جھولا شروع ہونے تک اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ اور جب فیرس وہیل گھومنا شروع ہوا تو عانیہ کے سوا ان تینوں کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔ رینم نے تو عانیہ کو سختی سے پکڑ لیا تھا جبکہ حریم نے ہینڈل کو پکڑ کر ہی گزارا کیا تھا کیونکہ وہ لڑکی مہوش سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے پاؤں رکھنے والی جگہ پر بیٹھ گئی تھی لیکن ڈر کی وجہ سے چیخیں پھر بھی نہیں رک رہیں تھیں۔ جب جھولا اوپر سے نیچے آتا تو انہیں لگتا کہ وہ ہوا میں اڑ رہیں ہیں۔ عانیہ کو تو مہوش کی حالت پر زور سے ہنسی آ رہی

تھی۔اس نے اسے تسلی دینے کی کوشش بھی کی لیکن وہ چیخیں مارنا بند کرتی تو اسے کچھ سمجھ آتی نا۔اوپر سے ہوا کا زور بھی اتنا زیادہ تھا اور لگ رہا تھا کہ ابھی اچھل کر نیچے جا گریں گے۔حریم بھی اب اس پر ہنس رہی تھی جبکہ ریئم ابھی تک سہمی عانیہ کے ساتھ لگی ہوئی تھی البتہ اس کی بھی چیخیں رک چکیں تھی۔عانیہ باہر کے مناظر دیکھنے لگی تھی جو تیزی سے اس کی نظروں میں گھوم رہے تھے۔باقی تینوں میں تو اب اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ ایک نظر باہر ہی دیکھ لیں۔جھولا رکا تو ان کی سانسیں بحال ہوئیں۔کچھ دیر بعد وہ جھولے سے باہر نکل آئیں اور مہوش شرمندہ لہجے میں ہنس دی۔

"ویسے عانیہ آپ تو بہت بہادر ہیں۔ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی اور آپ سکون سے بیٹھی ہوئی تھیں۔"مہوش تحسین آمیز لہجے میں بولی تھی۔

"میں پہلے بھی یہ جھولا لے چکی ہوں"عانیہ نے جواب دیا۔اسی پل عمیر بھی انہیں نظر آ گیا تھا۔اور وہ ریئم کی سہمی ہوئی صورت دیکھ چکا تھا۔

"لے لیا جھولا؟"وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"ہاں بہت مزا آیا۔میں تو رولر کوسٹر بھی جھولا لوں گی۔"عانیہ نے اس کا طنز نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"خبردار اب کسی نے خطرناک جھولا لیا۔ریان نے مجھے کال کر کے کہا ہے کہ اب تم لوگوں کو کوئی جھولا نہ لینے دوں۔"عمیر نے کہا۔ابھی عانیہ کو کال کرنے کے بعد ریان نے اسے ہی کال کی تھی اور عمیر نے بھی شکر کیا تھا کہ ریئم کو جھولے لینے سے روکنے کا کوئی تو بہانہ ملا۔

"یہ کیا؟مجھے نہیں پتہ۔میں رولر کوسٹر پر ہی جھولا لوں گی۔"عانیہ ضد کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا لے لو۔پھر ریان کو خود ہی جواب دینا۔"عمیر نے شانے اچکا کر کہا تو عانیہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ہم سوِنگ پر ہی جھولا لے لیتے ہیں۔"حریم نے کہا۔

"ہاں اس پر بے شک لے لو۔" وہ بول کر آگے بڑھ گیا اور وہ تینوں مہوش کو خدا حافظ کہ کر اس کے ساتھ ہو لیں۔ ایک جگہ بہت سی پینگیں قطار میں لگی ہوئی تھیں اور اتفاق سے تین خالی تھیں۔ تینوں بھاگ کر اس کی طرف گئیں اور ایک ایک پینگ سنبھال لی۔ عانیہ آہستہ سے ہی جھولا جھلا رہی تھی تاکہ کندھے میں درد نہ ہو جائے جبکہ وہ دونوں بہت اونچا جھولا جھلا رہی تھیں۔ عمیر کی نگاہیں بار بار بھٹک کر رنیم کے چہرے کا طواف کرتی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کتنی خوش ہوتی تھی اور مسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگتی تھی کہ نظر ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اس لڑکی نے تو اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر سوچا۔

"عمیر۔" ایک مانوس سی آواز پر وہ چونک کر دائیں جانب دیکھا تھا۔

"ارے حنا تم؟" وہ خوشدلی سے بولا تھا۔ وہ اس کی سیکنڈ کزن تھی۔ کل رات کی پارٹی پر بھی آئی تھی۔ اور جب سے اس نے محسوس کیا تھا کہ عمیر کے دل میں رنیم کیلیے کچھ ہے تو اس وقت سے وہ سلگ رہی تھی۔ وہ کل بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا اور آج بھی اسے ہی دیکھتا نظر آیا تھا۔

"ہاں میں دوستوں کے ساتھ آئی تھی اور تم ان کے ساتھ۔" وہ ان تینوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ہاں میں ان کے ساتھ آیا ہوں۔"

"حدیقہ نظر نہیں آ رہی؟"

"وہ تو اب اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہی نظر آئے گی۔" عمیر نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی ہنس دی۔

"ویسے تم کب شادی کر رہے ہو؟" اس کے غیر متوقع سوال پر وہ حیران ہوا۔

"مجھے کیا پتہ۔ ماما جب کہیں گیں کر لوں گا۔"

"اوہ۔ ماماز بوائے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی تو اس نے شانے اچکا دیے جیسے اسے اس کے طنز کی کوئی پرواہ نہیں۔

"ویسے تم کسی کو پسند تو کرتے ہی ہو گے؟" وہ کریدتے ہوئے بولی۔ عمیر کو اتنا پرسنل سوال پسند نہیں آیا تھا۔

"کرتا بھی ہوا تو تمہیں کونسا بتادوں گا۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"اوہ اس کا مطلب کرتے ہو۔ اگر آنٹی نے تمہاری شادی زبردستی کہیں اور کروادی تو۔" وہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ اپنی ماما کی کتنی بات مانتا ہے۔ اگر اس کی شادی کا فیصلہ اس کی ماما نے کرنا تھا تو اسے متاثر کرنے کی بجائے آنٹی کو متاثر کرنا چاہیے تھا۔

"تو کروادیں۔ لیکن پلیز تم میرا دماغ کھانا تو بند کرو۔" وہ اکتا کر بولا اور حنا کو غصہ آیا تھا۔ پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہے تو اسے خدا حافظ کہا اور ایک سلگتی نگاہ ریئم پر ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔ عمیر نے شکر کیا اور ان تینوں کی طرف دیکھا لیکن وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں اتنی مصروف تھیں کہ اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اور یہ اس کی خام خیالی ہی تھی۔ ریئم اس لڑکی کو دیکھ چکی تھی۔

آدھے گھنٹے تک سوِنگ پر جھولے لینے کے بعد وہ عمیر کے پاس آگئیں تھیں۔

"اگر دل بھر گیا ہو تو گھر چلیں۔" عمیر نے پوچھا۔

"ارے عمیر بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی تو ہم آئے ہیں اور ابھی چلیں جائیں؟ آج عید کا دن ہے۔ سو انجوائے۔ چلیں کچھ کھاتے ہیں۔" حریم نے کہا اور ایک جگہ لگے سٹالز کی طرف اشارہ کیا۔ عمیر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

وہاں بہت سے سٹالز تھے اور ان پر مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں لگی ہوئی تھیں۔

"گول گپے کھائیں؟" حریم نے جو سب سے آگے تھی مڑ کر ان تینوں کی طرف دیکھ کر پوچھا اور اتفاق سے ان تینوں نے پہلے کبھی گول گپے نہیں کھائے تھے لیکن دیکھے ضرور تھے۔

"ارے وہ تو اتنی مشکل سے کھانے ہوتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں کھائے۔" عانیہ بولی۔

"بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ایک دفعہ کھا کر تو دیکھیں۔" حریم نے پر جوش لہجے میں کہا تو عانیہ اور رنیم نے سر اثبات میں ہلا دیا اور کچھ دیر بعد وہ چاروں ایک گول میز کے گرد چار کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔میز پر گول گپوں کی دو پلیٹس پڑیں تھیں اور دو باؤل کھٹے پانی سے بھرے ہوئے تھے جن میں گول گپے ڈبو کر کھانے تھے۔عمیر کا تو ابھی تک گول گپے کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔حریم نے ایک گول گپا کھا کر انہیں کھانے کا طریقہ بتایا۔وہ سکول میں بہت زیادہ گول گپے کھاتی تھی اور اسے کھانے کا پورا تجربہ تھا۔عانیہ اور رنیم نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ایک گول گپا کھایا اور کچھ حد تک کامیاب بھی ہو گئیں۔عمیر لا تعلق سا چہرہ موڑے دور کسی جھولے کو دیکھ رہا تھا۔

"عمیر بھائی آپ بھی کھائیں نا۔" عانیہ نے اسے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلا گیا۔

"ارے بہت مزے کا ہے۔ایک دفعہ کھا کر تو دیکھیں۔" عانیہ نے پانی سے بھرا گول گپا جلدی سے اس کے منہ کے سامنے کیا تو اسے کھانا ہی پڑا۔اس کے ہاتھ سے پکڑ کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ سارا پانی باہر ہی گر گیا اور رنیم کی ہنسی نکل گئی۔دوسرے ہی پل عمیر کی نظریں اس سے ملیں تو وہ چپ کر گئی۔حریم اور عانیہ نے بے اختیار امڈنے والی مسکراہٹ کو جلدی سے روکا۔

"عمیر بھائی اب آپ ایک اور کھائیں اور رنیم کو بتا دیں کہ آپ کھا سکتے ہیں۔" عانیہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں بھئی یہ مجھ سے نہیں کھائے جاتے۔" وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

"ایسا کریں پیک کروا لیں۔گھر جا کر اکیلے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کھائیے گا۔" حریم نے کہا۔

"ویسے مشورہ تو اچھا ہے تمہارا۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔اسی وقت اس کا فون بجا تو اس نے جیب سے نکال کر دیکھا۔سمیع کی کال تھی۔

"اسلام علیکم۔"وہ کال پک کرتے ہوئے بولا تھا۔

"وعلیکم السلام۔کیسے ہو؟"

"ٹھیک تم سناؤ۔"وہ ارد گرد دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔سوچ رہا تھا اکٹھے کچھ پلان کریں۔"

"آج رات روئیل کروز شپ پر ایونٹ ہے۔ہم نے تو ٹکٹس لے لیے ہیں۔تم بھی لے لو۔"

"اوہ اچھا۔میں لے لیتا ہوں۔ویسے کب تک پہنچنا ہے۔"

"پانچ بجے۔اور نو بجے ختم ہو گا۔"

"اوکے۔پھر ملتے ہیں وہیں۔"

"اوکے۔"عمیر نے بھی کہا اور کال کاٹ دی۔

"سمیع کی کال تھی۔مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ ہمارا آج کا کیا پلان ہے۔"عمیر نے عانیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سمیع آپ کا دوست ہے کیا؟"عانیہ نے پوچھا۔

"ہاں۔بہت اچھا لڑکا ہے۔"عمیر بولا۔عانیہ نے مسکرا کر حریم کی طرف دیکھا اور وہ نظریں پھیر گئی۔

"اب کیا پلان ہے؟"عمیر نے پوچھا۔

"ابھی تو ایک گھنٹہ یہیں انجوائے کریں گے۔پھر پی اے ایف میوزیم چلیں گے۔"عانیہ نے کہا تو خلاف توقع عمیر آج بڑی جلدی مان گیا تھا۔

-------------------------------

"یہ ہم کہاں آگئے؟" وہاب نے گاڑی پارک ایریا میں روکی تو حدیقہ نے چپ توڑی۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ کوئی بھی بات کیے بنا چپ چاپ لیز کھائے جا رہی تھی۔ وہاب بھی کچھ بولے بغیر گاڑی چلاتے ہوئے وقفے وقفے سے لیز کھا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ دونوں نے شرط لگائی ہوئی ہے کہ جو پہلے بولے وہی کنڈی کھولے۔ بالآخر حدیقہ بول ہی پڑی تھی۔

"ڈریم ورلڈ" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ حدیقہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا لیکن وہاب وضاحت کیے بنا گاڑی سے نکل آیا۔ حدیقہ بھی باہر آگئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"واٹر پارک ہے یہ۔ تم نہیں جانتی؟" وہاب بولا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو آؤ پھر تمہیں اس کی سیر کرواؤں۔" وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا تو اس نے اردگرد چلتے لوگوں کو دیکھا۔

"میں خود چل لوں گی۔" وہ سر جھکا کر آہستہ سے کہا تو اس نے شانے اچکا دیے۔ وہ دنوں ساتھ ساتھ چلتے پارکنگ ایریا سے نکل کر پکے راستے پر چلنے لگے تھے۔ حدیقہ کی نظر سب سے پہلے بائیں جانب پڑی تھی جہاں دور دور تک گولف کورس پھیلا ہوا تھا۔ سرسبز اور اونچا نیچا میدان اتنا خوبصورت تھا کہ حدیقہ رک کر مبہوت سی دیکھنے لگی تھی۔ موسم بھی اچھا ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوائیں بادلوں کو دور دور سے لا کر ایک جگہ اکٹھا کر رہی تھیں۔

"ابھی تو بہت کچھ ہے دیکھنے کیلیے۔ اگر تم یہیں کھڑی رہی تو باقی سب کیسے دیکھیں گیں۔" وہاب نے اس کے سامنے آتے ہوئے اس کی محویت کو توڑا۔

"میں پکچر لے لوں؟" وہ پر جوش لہجے میں مسکرائی۔

"ہاں لے لو۔" اسے حدیقہ کی یہ عادت بہت اچھی لگی تھی کہ جو بھی کام کرنا ہو بچوں کی طرح پہلے اس سے اجازت لیتی تھی۔ وہ اس کی نظروں سے خائف ہوتی جلدی سے رخ ذرا سا پھیر کر کلچ سے فون نکالنے لگی۔

"لاؤ میں تمہاری تصویر کھینچتا ہوں۔" وہ اس کا فون لیتے ہوئے بولا۔

"لیکن میں نے تو سیلفی لینی تھی۔" جلدی سے اس کے منہ سے پھسلا تھا۔

"کیا سیلفی میں میری جگہ بن سکتی ہے؟" وہ اس کے دائیں جانب کھڑے ہوتے ہوئے بولا تو اس نے خود کو کوسا۔ ناچار سر اثبات میں ہلا دیا۔ البتہ اسے یہ خوف تھا کہ لوگ ان کی طرف نہ دیکھ لیں لیکن وہاں سب سیلفیز لے رہے تھے اس لیے اسے کچھ حوصلہ تو ہوا تھا۔ وہاب اس سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوا تھا اور بازو بڑھا کر فون کی سکرین اپنے سامنے کی۔

"تھوڑی قریب ہو جاؤ۔ کھا نہیں جاؤں گا۔" وہ شرارتی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا تو حدیقہ آنکھیں بند کر کے تھوڑا سا دائیں طرف ہوئی تھی۔ اس کا قد چھوٹا تھا اور سر وہاب کے ٹھوڑی کے برابر تھا اس لیے سیلفی کی پوزیشن بالکل ٹھیک آ چکی تھی۔ دونوں ایک ساتھ بہت پیارے لگ رہے تھے۔ حدیقہ کے سنہری بال اڑتے وہاب کے سینے اور کندھے پر پڑ رہے تھے۔

"اب آنکھیں کھولو گی تو تصویر کھینچوں گا نا۔" وہاب کے کہنے پر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر سکرین کی طرف دیکھا اور اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ کلک کی آواز پر تصویر فون میں محفوظ ہو گئی اور حدیقہ جلدی سے ہٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی جبکہ وہاب فون کی سکرین کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔

"دیں نا۔" وہ اپنا ہاتھ سامنے کرتے ہوئے جلدی سے بولی تو وہاب نے اسے ایک نظر دیکھا۔

"تم اب یہاں کھڑی ہو۔ میں تمہاری دو تین تصوریں اور لے لوں۔" وہ اس کا فون اسے واپس کرتے ہوئے بولا تو حدیقہ حیران ہوئی کہ فون واپس کر کے کیسے تصویر کھینچے گا۔ وہاب نے اپنا فون نکال لیا تھا اور حدیقہ خوفزدہ لہجے میں اسے دیکھا۔ وہاب نے اس کے چہرے پر توجہ دیے بنا اسے کندھوں سے پکڑ کر ایک طرف کھڑا کیا اور ابھی اس

نے کوئی صحیح پوز بھی نہیں لیا تھا کہ وہ تین تصوریں لے بھی چکا تھا۔ ایک میں وہ ابھی سنبھل کر کھڑی ہی ہوئی تھی۔ دوسری میں وہ ہاتھ اٹھا کر بالوں تک لے جا رہی تھی اور تیسری میں چہرے کے بالوں کو کان کے پیچھے اُڑس رہی تھی۔ اب وہ ٹھیک سے کھڑی ہوئی تھی اور وہاب کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ایک ساتھ چار پانچ تصویریں کھینچ کر وہاب نے فون نیچے کیا تھا۔ حدیقہ بھی قریب آ کر دیکھنے لگی تو وہاب نے فون پیچھے کر لیا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"پہلے وہ والی پکچر مجھے سینڈ کرو پھر دکھاؤں گا۔" وہاب نے اس کے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حدیقہ نے منہ بناتے ہوئے پکچر اسے سینڈ کی جو ابھی ان دونوں نے ایک ساتھ کھینچی تھی۔ وہاب نے پھر اسے وہ تصویریں دکھائیں تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی تھی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" وہاب فون بند کرتے ہوئے بولا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور آگے چلنے لگی تھی۔ وہاب بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"چلو اس جھیل پر چلتے ہیں۔" وہاب نے دائیں طرف ایک مصنوعی جھیل کی طرف اشارہ کر کے کہا جس میں کشتیاں چل رہی تھیں۔ وہ منظر بھی بہت پیارا تھا۔ دائیں طرف ایک راستہ جھیل کی طرف ہی جاتا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے جھیل کے کنارے پر پہنچ گئے۔

"کشتی پر جھولا لو گی؟" وہاب نے کہا تو حدیقہ کی آنکھوں میں خوف ابھرا۔ اس نے پہلے ایک دفعہ ہی کشتی پر جھولا لیا تھا اور اس کے بعد کبھی نہیں لیا تھا۔ اور وجہ اس کا ڈر ہی تھا۔

"مجھے ڈر لگے گا۔"

"میرے ہوتے ہوئے بھی؟" وہاب نے ابرو اچکا کر پوچھا تو وہ لاجواب سی ہو گئی۔

"میں تمھیں نہیں گرنے دوں گا۔ٹرسٹ می۔"وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔وہاب مسکرا کر دیا۔

"اچھا تو بتاؤ کس کشتی پر جھولا لینا پسند کرو گی؟"

"سیل بوٹ"اس نے ایک طرف اشارہ کیا تو وہاب اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف بڑھ گیا۔اور کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک بوٹ پر آ چکے تھے۔ان کے چڑھنے سے کشتی پانی میں ڈگمگائی تھی اور حدیقہ تو پیچھے گرنے لگی تھی۔وہاب نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور دوسرے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر لیا۔ڈر کا غلبہ تو ختم ہو چکا تھا لیکن اس کے اس قدر قریب ہونے سے وہ گھبرا گئی تھی۔

"آرام سے۔تم نہیں گرو گی۔"وہ آہستہ سے اسے الگ کرتے ہوئے بولا تھا۔البتہ ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ایک شخص کشتی کے اگلے حصے میں بیٹھ گیا اور کشتی پانی پر دوڑنے لگی۔حدیقہ کے بال تیز ہوا سے اڑنے لگے تھے اور اس نے سختی سے وہاب کے بازو کو پکڑ رکھا تھا۔چہرہ بھی جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو جھیل کتنی پیاری لگ رہی۔یہاں بھی ایک سیلفی نہ لے لیں۔"وہاب بولا تو وہ مسکرا دی۔وہاب نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور جیب سے فون نکال کر کیمرہ آن کر لیا۔حدیقہ نے اب دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ رکھا تھا اور وہاب نے وہیں تصویر لے لی۔

"یہ چیٹنگ ہے۔میں ابھی ٹھیک سے کھڑی بھی نہیں ہوئی اور آپ نے تصویر لے بھی لی۔"وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"ویسے تصویریں اتنی بری تو نہیں ہیں۔بس تھوڑی مضحکہ خیز ہیں۔بعد میں دیکھ ہنسی آئے گی۔"

"میں ڈیلیٹ کر دوں گی۔"وہ دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

"پھر تو مجھے اپنا پن کوڈ بدل لینا چاہیے۔"

"ابھی تک وہی پن کو ڈر کھا ہوا ہے آپ نے؟" اس کی آنکھوں میں کوئی خوبصورت یاد چمکی تھی۔ وہاب نے مسکرا کر سر کو ہلکی سی جنبش دی اور وہ نظریں پھیر کر ارد گرد دیکھنے لگی تھی۔ پارک کا سر سبز حطہ تا حد نگاہ تک نظر آتا تھا دائیں طرف ایک پکے راستے پر لوگ سائکلیں دوڑا رہے تھے۔ اس راستے کے پیچھے ایک فائیو سٹار ہوٹل نظر آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور جھیل نظر آ رہی تھی جس میں دور سے ہی پانی کے فوارے نظر آ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں آ گئی ہے۔ بے اختیار ہی اسے اپنا خواب یاد آیا تھا جس میں وہ وہاب کے ساتھ تھی۔ ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی جو وہاب سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔" وہ اس کی بات پر سٹپٹا گئی۔

"وہ کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔ وہاں چلیں" اس نے بات بدلتے ہوئے پانی کے فواروں کی طرف اشارہ کیا۔

"تم بات بدل رہی ہو۔" وہ ابھی اس کی چالاکی جان گیا تھا۔

"نہیں تو۔ کونسی بات؟" وہ تعجب ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"تم مسکرا کیوں رہی تھی؟"

"مسکرانا منع ہے کیا؟" وہ مسکراہٹ دبائے بولی۔

"ہمم..... ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں۔" وہ بولا تو حدیقہ ہنس پڑی۔

"جلدی سے بتاؤ ورنہ تمہیں پانی میں پھینک دوں گا۔" وہ اپنا بازو اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے بولا۔

"پھینک دیں۔" حدیقہ نے اسی وقت اس کا بازو چھوڑ دیا اور وہاب نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہیں سچ مچ ہی نہ گر جائے۔ لیکن ساتھ ہی خوشگوار حیرت ہوئی تھی کہ اب وہ اس پر اتنا اعتماد کرتی تھی کہ اس کی موجودگی میں خوفزدہ نہیں ہوتی۔

"اس کا مطلب تم نہیں بتاؤ گی؟" وہ بولا تو حدیقہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں مجھ سے اب ڈر نہیں لگتا؟"اس کی بات پر اس کا دل تیزی سے دھڑکا لیکن وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔میں اب تم پر رعب کیسے جماؤں گا؟"وہ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولا تو حدیقہ ہنس دی۔

"زیادہ خوش مت ہو۔مجھے اور بھی بہت سے طریقے آتے ہیں رعب جمانے کے۔دیکھنا تم خود مجھے بتاؤ گی کہ تم کیوں مسکرائی تھی۔"وہ جتاتے ہوئے بولا تو حدیقہ کا چہرہ پھر سے سرخ پڑنے لگا اور وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تو وہاب نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔تھوڑی دیر بعد ہی کشتی دوسرے کنارے پر آ لگی تھی اور وہاب اسے لیے نیچے اتر آیا تھا۔سامنے ہی ایک گول راستہ تھا جہاں لوگ سکیٹنگ کر رہے تھے۔

"سکیٹنگ کرو گی؟"

"نہیں آپ ہی کریں۔"وہ بدک کر بولی۔یہ کام تو اس کیلیے بالکل ہی ناممکن تھا۔

"تم اگر ساتھ ہو تو تب ہی کروں گا۔"

"مجھے فاؤنٹینز دیکھنے ہیں۔"وہ دوسری جھیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو۔"وہ دونوں اس پکے راستے سے اتر کر گھاس پر چلنے لگے تھے اور جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔اس جھیل میں بھی کئی کشتیاں چل رہی تھی اور بہت سے لوگ انجوائے کر رہے تھے۔وہ فواروں کو دیکھتے اس کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔فوارے میوزک کے ساتھ ڈانس کرتے بہت پیارے لگ رہے تھے۔حدیقہ نے جلدی سے اپنا فون نکالا اور ان کی تصویریں لینے لگی۔

"اٹس سیلفی ٹائم۔"وہاب نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔دو تین سیلفیز لینے کے بعد وہ آگے بڑھ گئے اور سامنے ہی انہیں بہت سے بچے کھیلتے نظر آئے۔کچھ ٹریمپولائن پر اچھل کود رہے تھے اور کچھ دوسرے جھولوں پر کھیل رہے تھے۔حدیقہ انہیں دلچسپی سے دیکھنے لگی تھی۔ایک جگہ اسے کارٹون کریکٹرز نظر آئے تھے۔

"ان کے ساتھ سیلفی لیں؟" حدیقہ نے کارٹون کریکٹرز کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں ان کی طرف بڑھ گئے۔ چار پانچ سیلفیز ان کے ساتھ لیں اور پھر آگے چلنے لگے۔ بائیں طرف انہیں بہت بڑا ٹینٹ نظر آیا تھا۔

"اتنا بڑا خیمہ؟" حدیقہ کے منہ سے بے اختیار ہی نکلا اور وہاب ہنس دیا۔

"یہ ٹینٹ ہے۔ اس میں شادی کے فنکشنز ہوتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ زیادہ ہی پسند آیا ہے تو کیا خیال ہے ہم اپنی شادی کا یہیں ارینجمینٹ نہ کروالیں؟" وہ مسکرا کر بولا تو رخ دوسری طرف کر کے منہ بنا کر رہ گئی۔ وہاب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔

"اگر تھک گئی ہو تو کیفے میں تھوڑی دیر بیٹھ جاتے ہیں۔" وہ دائیں طرف اشارہ کر کے بولا۔ تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا اور ارد گرد چلتے لوگوں کو دیکھتی آگے بڑھتی رہی۔ وہاب اس کی چپ کی وجہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ سو خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ راستے کے بائیں جانب چھوٹے چھوٹے ٹینٹس کے سامنے سے گزر کر وہ تھوڑا آگے بڑھے تو حدیقہ کو ایک اور خوبصورت منظر دیکھنے کو ملا تھا۔ وہاں اتنے اونچے اور گول گول کریزی واٹر سلائیڈز کہ وہ حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ لوگ بڑے مزے سے ان پر جھولے لیتے نیچے آتے اور تالاب میں گر جاتے۔

"واؤ۔ وہ کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی تھی۔

"جھولا لینا ہے؟" وہاب نے پوچھا۔

"نہیں میرے کپڑے گیلے ہو جائیں گے۔" اس نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

"اوہ یہ تو ہے۔ ویسے مجھے پورا یقین ہے تم بہت بہادر ہو۔ اگر کپڑوں کا مسئلہ نہ ہوتا تو اب تک تم کئی جھولے لے چکی ہوتی۔" وہ مذاق اڑاتے ہوئے بولا تو وہ غصے ہو گئی۔

"آپ اتنے ہی بہادر ہیں تو خود لے کر دکھائیں۔"

"لے تو لیتا لیکن میرے کپڑے بھی گیلے ہو جائیں گے۔" وہ بے چارگی سے بولا تو حدیقہ ہنس پڑی۔

"چلو سوِنگ پر جھولا لے لو۔" وہاب نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں بہت سے بچے انجوائے کر رہے تھے۔

"نہیں یہ چھوٹے بچوں کا جھولا ہے۔ مجھے بڑی والی سوِنگ پر جھولا لینا ہے۔" وہ بولی۔ حالانکہ اس چھوٹے سے جھولے کو دیکھ کر بھی اسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہاب نے متاثر ہوتے ہوئے سر ہلا دیا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

کچھ دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ دائیں طرف ایک کھلا اور گول میدان نظر آیا جہاں لوگ مختلف قسم کے کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ بائیں طرف انہیں دو اور لمبی سی واٹر سلائیڈ نظر آئیں تھیں۔ وہاں بھی لوگوں کا رش تھا۔ لڑکے واٹر سلائیڈ پر جھولے لے رہے تھے جبکہ لڑکیاں نیچے ہی کھڑی ان کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے چیخ رہیں تھیں۔ وہ ان کے پاس سے گزرے تو چار پانچ لڑکیوں کے گروپ کی نظر ان پر پڑی۔ وہ سب شکل سے ہی شرارتی اور شوخ نظر آتیں تھیں اور جہاں ہینڈسم لڑکا دکھ جائے اس کے پیچھے پڑ جاتیں تھیں۔ پھر جب تک وہ ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی نہ مانگتا اس کا پیچھا نہ چھوڑتیں۔ اب بھی جلدی سے ان دونوں کے سامنے آ گئیں اور ان کا راستہ روک دیا۔ وہاب اور حدیقہ نے حیرت سے انہیں دیکھا اور وہاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ان کے کیا ارادے ہیں۔ جبکہ حدیقہ ابھی تک نا سمجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو۔ میرا نام نتاشا ہے۔" ایک لڑکی نے وہاب سے ڈائریکٹ پوچھتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہاب نے حدیقہ کی طرف دیکھا اور اسے محسوس ہوا تھا کہ حدیقہ کو برا لگا ہے۔

"ہیلو۔" اس ہاتھ ملانے کی بجائے دور سے ہی ہائے فائے کیا۔ البتہ لہجہ سخت نہیں تھا سو لڑکیوں کو تھوڑی اور شہہ ملی۔

"آپ کتنے ہینڈسم ہیں۔ میں نے تو اپنی پوری زندگی میں آپ جیسا خوبصورت مرد نہیں دیکھا۔" دوسری لڑکی نے حسرت بھرے لہجے میں کہا اور حدیقہ کا منہ ہی بن گیا۔ وہ بھی تو خوبصورت تھی۔ لیکن نہیں اس کی خوبصورتی تو ان لڑکیوں کو نظر ہی نہیں آئے گی۔

"لیکن میں نے آپ جیسی بہت سی لڑکیاں دیکھیں ہیں۔" وہ پورے اعتماد سے بولا اور لڑکی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔باقی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔حدیقہ کی بھی دبی دبی مسکراہٹ ابھری۔

"کیا میں آپ کے ساتھ سیلفی لے سکتی ہوں؟" نتاشا نے پوچھا۔وہ سب ابھی تک حدیقہ کو نظر انداز کیے ہوئے تھیں۔

"نہیں میں لے تو لیتا لیکن مجھے اجازت نہیں۔" وہ حدیقہ کی طرف دیکھ کر بے چارگی سے بولا تو سب کی نظریں حدیقہ کی طرف اٹھیں۔وہ گڑبڑا گئی۔

"ارے آپ کو اس لڑکی سے اجازت کی کیا ضرورت ہے۔آپ اتنے پیارے ہیں کہ ایک گرل فرینڈ کے ناراض ہونے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔آپ کے ایک اشارے پر ہزاروں لڑکیاں اپنی جانیں دے سکتی ہیں۔" وہ بے باکی سے بولی۔حدیقہ کو برا تو لگا لیکن وہ کچھ نہیں بولی تھی جیسے اسے کوئی پرواہ ہی نہیں۔

"دیکھیں دیکھیں ایسی باتیں مت کریں۔میں نے گھر بھی جانا ہے اور میری بیوی بہت لڑاکا قسم کی ہے۔میرا قصور نہ ہونے کے باوجود میری پٹائی کر دے گی۔" وہاب نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو ان لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔وہ سب حدیقہ کو اس کی گرل فرینڈ سمجھ رہیں تھیں لیکن وہ تو اس کی بیوی نکلی تھی۔حدیقہ کی ہارٹ بیٹ تیز ہوئی تھی اور وہ سرخ پڑتے چہرے کو جھکا گئی تھی۔وہاب نے جس طرح اس کا تعارف کروایا تھا اس پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور دل کو عجیب سی خوشی بھی ہوئی تھی۔

"یہ آپ کی بیوی ہے؟" سب سے پہلے نتاشا کی صدمے سے بھرپور آواز ابھری تھی۔وہاب نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اتنی چھوٹی سی لگ رہی ہے۔اتنی جلدی شادی ہو بھی گئی۔" دوسری لڑکی حیرت سے بولی۔وہ سب پچیس سال سے اوپر تھیں اور ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی سو حیرت بجا تھی۔

"ہاں ہمارے خاندان میں جلدی شادی کر دیتے ہیں۔" اس نے بڑے مزے سے کہا اور حدیقہ چہرہ جھکائے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ ان کی کچھ زیادہ ہی جلدی ہو گئی تھی۔

"ویسے آپ اپنی بیوی سے کچھ زیادہ ہی نہیں ڈرتے ہیں۔" ایک نے طنز کیا۔

"ڈر کے ہی گزارا ہوتا ہے نا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ حدیقہ نے حیرت سے اس کو دیکھا۔ وہ اس سے کہاں ڈرتا تھا بلکہ ہر وقت اسے ہی ڈرائے رکھتا تھا۔

"چہرے سے تو سخت نہیں لگتی یہ لڑکی۔" نتاشا نے حدیقہ کے معصوم سے چہرے کی دیکھ کر کہا۔

"ہاں یہ غلط فہمی مجھے بھی ہوئی تھی کہ یہ بہت معصوم ہے۔ شادی کے بعد تو مجھے یہ ہٹلر لگنے لگی ہے۔" وہاب نے سنجیدگی سے کہا تاکہ وہ سب اسے بے چارہ سمجھ کر خود ہی یہاں سے چلیں جائیں کہ یہاں دال نہیں گلنے والی۔

"پھر آپ اس سے محبت بھی نہیں کرتے ہوں گے؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کرتا ہوں۔ کیا کروں اب جیسی بھی ہے۔ میری تو بیوی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے تو حدیقہ نے نچلا لب دبا کر مسکراہٹ روکی۔ لڑکیوں نے ٹھنڈی آہیں بھر کے ایک دوسرے کو دیکھا جیسے اس لڑکے کو پھنسانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

"ہمیں آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ کو ہماری کوئی مدد چاہیے تو ہم حاضر ہیں۔" نتاشا نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"نو تھینکس۔" وہاب نے احسانمندی سے مسکرایا اور حدیقہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ لڑکیاں حسرت اور رشک سے ان دونوں کو جاتا دیکھنے لگیں تھیں۔ اگر وہاب ان کے ساتھ کوئی تلخ کلامی کرتا اور انہیں کوئی واعظ کرنے شروع ہو جاتا تو بات لڑائی تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ ظاہر ہے ان پر اس کی بات کا کوئی اثر تو ہونا نہیں تھا اور

وہاب کو بھی کیا پڑی تھی کہ انہیں کچھ سمجھاتا۔ان کی زندگی جیسے مرضی گزاریں۔سو اس نے انہیں طریقے سے ہینڈل کیا اور خود کو بے چارہ شوہر ثابت کر کے اپنا دامن بچایا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئی؟ تمہیں برا لگا کیا؟" وہاب نے کچھ دیر بعد اس سے پوچھا۔وہ اس وقت ایک موڑ مڑنے کے بعد لمبے سے راستے پر چل رہے تھے جس کے دونوں اطراف درخت لگے ہوئے تھے اور وہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کیونکہ وہ راستہ ہارس رائڈنگ گراؤنڈ کی طرف جاتا تھا اور وہاں کم ہی لوگ جاتے تھے۔اس لمبے اور سنسان راستے پر حدیقہ کے ساتھ چلنا وہاب کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تمہیں ذرا سی بھی جیلسی محسوس نہیں ہوئی۔" وہاب نے رک کر پوچھا۔اور حدیقہ کو بھی رکنا پڑا کیونکہ اس کا ہاتھ وہاب کے ہاتھ میں ہی تھا۔وہ اس کے نظروں کی تپش محسوس کرتے ہوئے چہرہ جھکا گئی۔وہاب نے اس کی تھوڑی کو انگلی سے ذرا اوپر کیا اور حدیقہ گھبرا کر چہرہ پھیر گئی۔

"نہیں ہوئی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"بڑی فراخ دل ہو۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

"مجھے بہت غصہ ہے آپ پر۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے بولی۔

"وہ کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"آپ نے ان سب کے سامنے مجھے سخت اور لڑاکا کیوں کہا؟"

"اگر تم ہی اس وقت کچھ بول لیتی تو مجھے ایسا کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔"

"مطلب؟"

"دیکھو ناجب وہ لڑکیاں مجھ سے بات کرنے آئیں تھیں تو تمہارا فرض بنتا تھا کہ میری مدد کرو اور انہیں ڈانٹ دو لیکن تم چپ کر کے کھڑی رہی۔ پھر مجھے ہی کچھ کرنا تھا نا۔" وہ بولا تو حدیقہ زور سے ہنسی تھی۔ وہاب دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اور اس سنسان راستے کو دیکھ کر وہ اور بھی گھبرا گئی تھی۔

"ڈرو مت۔ میں کچھ نہیں کر رہا۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"میں کونسا ڈر رہی ہوں آپ سے۔" وہ خفت مٹانے کو بولی۔

"رئیلی ؟" وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"پلیز۔" وہ رخ پھیر کر کانپتی آواز میں بولی تھی۔

"نہیں تم تو بہت بہادر ہو۔ پھر سامنا کرو میرا۔" وہاب نے اسے زچ کرتے ہوئے کہا۔ حدیقہ نے بمشکل چہرے پر غصہ لایا اور لب بھینچ کر اسے گھورا۔

"آپ بہت......" وہ انگلی اٹھا کر بولی تو وہاب نے سوالیہ ابرو اچکائی۔ حدیقہ اس کے سینے پر مکے مارنے لگی۔

"ارے تم تو واقعی بہت سخت بیوی ہو۔" وہ پھر بھی باز نہیں آیا تھا۔

"اب اگر آپ نے کچھ کہا نا تو......" وہ پاؤں پٹختے ہوئے آگے کی جانب بڑھ گئی۔

"اچھا ناراض تو مت ہو۔" وہ اس کے ہمقدم چلنے لگا۔ حدیقہ نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"حدی!" وہ اپنے کندھے سے اس کے کندھے کو ٹھوکا دیتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے پھر اسے غصے سے گھورا۔

"تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے میرے پاس۔" وہ رازداری سے بولا۔

"کیا؟" حدیقہ ایک ہی پل میں ساری ناراضگی بھول گئی اور تجسس سے بولی۔ وہاب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"ہم ابھی ہارس رائڈنگ کرنے والے ہیں۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے بولی۔ لہجے میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

"دیکھو اب تمہیں اپنی بہادری کا کوئی تو ثبوت دینا ہی پڑے گا۔" اس نے چیلنج کیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اس کی توقع کے خلاف بڑی جلدی مان گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اس کھلے سے میدان میں داخل ہو گئے تھے جس کے ایک طرف گھوڑوں کے اصطبل تھے۔ ایک آدمی ان کے قریب بھورے رنگ کا گھوڑا لے کر آ گیا تھا اور حدیقہ جلدی سے وہاب کے پیچھے ہو گئی۔ وہاب آگے بڑھ کر گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس آدمی سے بات کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی چلا گیا تو وہ اس کی طرف پلٹا۔ خوف کی وجہ سے اس کے چہرے کی ہوائیاں آڑی ہوئی تھیں اور وہاب کا قہقہہ گونجا تھا۔

"مسز گھوڑا تیار ہے آپ کے لیے۔ کہاں جانا پسند کریں گیں؟"

"بھاڑ میں۔" وہ جل کر بولی اور وہاب کی پھر سے ہنسی نکل گئی۔ حدیقہ اب اس سے زیادہ اپنا مذاق برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ سو جلدی سے گھوڑے کے قریب آ گئی۔ یہ یقین تو اسے تھا ہی کہ وہاب کے ہوتے ہوئے اسے کچھ نہیں ہو گا تو خوامخواہ ڈر کے اپنا مذاق بنوانے کا کیا فائدہ۔ وہاب نے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی جبکہ دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ حدیقہ نے ایک ہاتھ گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پائیدان پر ایک پاؤں جماتی بڑی مشکل سے اوپر چڑھی تھی۔ آخر کار وہ گھوڑے پر بیٹھ ہی گئی تھی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا لیکن دماغ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ وہاب نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے لگام پکڑا دی۔

"اگر ڈر لگ رہا ہے تو بتاؤ۔ میں بھی آ جاتا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہاب نے اسے آفر کی۔

"نہیں لگ رہا۔" وہ بدک کر تیزی سے بولی۔ وہاب گھوڑے کے منہ کے قریب سے لگام کو پکڑ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ گھوڑا بھی ہنہناتا آگے بڑھنے لگا اور حدیقہ نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اس کا ڈر ختم ہوتا گیا

اور وہ اب پوری طرح ہارس رائیڈنگ انجوائے کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ اس کے دل کی خوشی بیان کر رہی تھی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اتنا انجوائے نہیں کیا تھا۔

"اب تم اکیلے ہارس رائڈنگ کرو۔ میں تمہاری تصویریں کھینچتا ہوں۔" وہاب کہہ کر اس سے دور ہو گیا اور اسے پھر تھوڑا سا ڈر لگا لیکن چپ رہی۔ گھوڑا سست رفتار سے آگے بڑھتا رہا اور وہاب اپنے فون پر اس کی تصویریں کھینچنے لگا۔ اس کی لمبی فراک کا کھلا گھیرا گھوڑے کی پیٹھ پر پھیلا ہوا تھا۔ سنہری بال ہوا سے پیچھے کی جانب اڑ رہے تھے اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ بہت پیاری تصویریں آئی تھیں۔

"گھوڑے کو تیز دوڑاؤ۔" وہاب نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں گر جاؤں گی۔" ظاہر ہے اب وہاب گھوڑے کے ساتھ بھاگنے سے تو رہا۔ اگر وہ گر جاتی تو کس نے بچانا تھا۔ لیکن وہاب کے پاس اس کا بھی حل تھا۔ وہ اچھل کر حدیقہ کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"اب نہیں گرو گی۔" وہ اس کے ہاتھ سے لگام لیتے ہوئے بولا جو اب مکمل طور پر اس کے بازوؤں کے حصار میں آ چکی تھی۔ اس کی تو سانس ہی سینے میں اٹک گئی تھی اور دل رکنے لگا تھا۔ وہ جو تھوڑی سی وہاب کے ساتھ فرینک ہو چکی تھی اب پھر سے چپ ہو گئی تھی۔ گھوڑا اب تیزی سے دھول اڑاتا دوڑنے لگا تھا۔ ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ اس کھلے میدان کے دو راؤنڈ لینے کے بعد وہاب نے لگام کھینچی تو گھوڑے نے رک کر اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا دی۔ حدیقہ بمشکل اپنی چیخ روکتی آنکھیں بند کر گئی تھی۔ لیکن گرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے پیچھے وہاب تھا۔ پھر گھوڑے سیدھا کھڑا ہوا تو اس نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ وہاب گھوڑے سے اتر گیا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حدیقہ اس کی طرف دیکھے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے آئی تھی۔

"کیسی رہی رائیڈ؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا حدیقہ نے جواب دینے کی بجائے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ وہ جان گیا تھا کہ حدیقہ پھر سے کیوں چپ ہو گئی ہے۔

"ویسے میں مان گیاہوں کہ تم بہت بہادر ہو۔" وہ اسے اس کیفیت سے نکالنے کے لیے بولا تھا۔ لیکن سامنے سے پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔اسی پل ایک آدمی ان کی طرف آگیااور گھوڑا لے کر چلا گیاتو وہ دونوں بھی وہاں سے نکل کر واپسی کے راستے پر چل پڑے۔ دائیں طرف ایک پکا راستہ تھاجو چیلٹس کے پیچھے سے گزر کر مصنوعی سمندر تک جا پہنچتا تھا۔

"ہے کیا ہو گیا تمہیں؟ کونسی سوچوں میں گم ہو؟" وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ حدیقہ جو اس وقت اسے ہی سوچ رہی تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی اور پھر جلدی سے سنبھل گئی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا

"گھڑ سواری پسند نہیں آئی کیا؟

"نہیں۔ بہت اچھی تھی۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"میں نے پہلے بھی کئی دفعہ ہارس رائڈنگ کی ہے لیکن آج جتنا مزا آیا، پہلے کبھی اتنا نہیں آیا کیونکہ اس دفعہ تم ساتھ تھی۔" وہ بولا تو حدیقہ نظریں پھیر گئی۔ وہاب نے چلتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے ایک نظر اسے کو دیکھا جو سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تھک گئی ہو؟"

"نہیں۔"

"تمہیں میرے ساتھ یہاں آنا اچھا لگا؟"

"ہاں۔" وہ سر جھکائے دل سے اعتراف کر رہی تھی۔

"میرے ساتھ گھڑ سواری کرنا کیسا لگا؟" وہ رک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا اور حدیقہ کی خاموش مسکراہٹ نے اسے جواب دیا۔ وہ بھی مسکرا دیا اور چلنے لگا۔

"اور میرے ساتھ اس لمبے راستے پر چلنا کیسا لگ رہا ہے؟" وہ بڑی آس سے اس کے جواب کا منتظر تھا

"اچھا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ساری زندگی یونہی چلو گی میرے ساتھ؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ کو اس کی آنکھوں کے سحر نے جیسے جکڑ لیا تھا اور وہ اس سے نظریں ہٹا نہیں پائی تھی۔

"ہاں۔" بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا تھا جو وہاب کے دل کو خوشی سے سرشار کر گیا تھا۔ ایک دلفریب سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی اور حدیقہ کو اب احساس ہوا تھا کہ وہ کیا بول گئی ہے۔ تیزی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ رخ پھیر گئی۔ اور خود کو کوسنے لگی۔ لیکن قصور اس کا بھی نہیں تھا وہ اس وقت اپنے ہوش میں تھی ہی کہاں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہاب کی آنکھوں نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہو اور اس کے دل کی بات زبان پر آ گئی ہو۔

" چلیں؟" وہاب نے جو پوچھنا تھا وہ پوچھ لیا تھا اب اس کی حالت سے محظوظ ہوتا بولا تھا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ جھینپ مٹانے کو بات بدلنے لگی۔

"آرٹیفیشل سی کی طرف۔" وہاب نے کہا۔

"آرٹیفیشل سی؟" حدیقہ اچنبھے سے بولی۔

"ہاں مصنوعی سمندر۔ اس میں مصنوعی طریقے سے لہریں بنائی گئی ہیں جیسے سمندر میں ہوتی ہیں۔"

"کب آئے گا سمندر؟" تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ بے تابی سے بولی تھی۔

"بس تھوڑی دیر بعد۔ یہ راستہ اسی کی طرف مڑ رہا ہے۔"

"یہ گھر ہیں؟" وہ چیلٹس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ ہوٹلز ہیں۔ اگر لوگوں نے یہاں کچھ دن رہنا ہو تو کمرہ بک کروا سکتے ہیں۔"

"آپ کو یہاں کے بارے میں سب پتہ ہے؟" وہ متاثر ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں میں پہلے ایک دفعہ یہاں آیا تھا دوستوں کے ساتھ۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو حدیقہ جو اسے دیکھ رہی تھی تیزی سے نظریں پھیل گئی۔ وہاب سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ آرٹیفیشل سی تک پہنچ گئے تھے اور حدیقہ کو یہ چھوٹا سا سمندر بہت پسند آیا تھا۔ اس کا ساحل قدرتی سمندر کی طرح تھا۔ وہ دونوں اس کے کنارے پر چلنے لگے تھے۔ لہریں ان کے قدموں کو چھو رہی تھیں۔ بہت سے لوگ انجوائے کر رہے تھے۔ دوسری طرف انہیں واٹر سلائیڈز بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھتے ریسٹورنٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"چلو کچھ دیر ریسٹورینٹ میں بیٹھتے ہیں۔" وہاب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ گیارہ بجے وہ یہاں پہنچے تھے اور اب ایک بج چکا تھا۔ یعنی دو گھنٹے ہو چکے تھے انہیں یہاں آئے ہوئے۔

وہ اندر داخل ہوئے اور سیڑھیوں سے چڑھ کر اپر فلور پر آ گئے۔ یہاں سے اس پارک کا سارا منظر دور دور تک نظر آ رہا تھا۔ حدیقہ کا دھیان سامنے نہیں تھا بلکہ ارد گرد کے مناظر پر تھا۔ اسے ہمیشہ اوپر سے نیچے کا نظارہ کرنا اچھا لگتا تھا۔ ابھی اس کی نظریں کریزی واٹر سلائیڈز پر جمیں تھیں اور وہ چہرہ موڑے وہاب کے ساتھ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح کھینچی چلی جا رہی تھی۔

"حدی دھیان سے۔" وہاب نے رک کر اسے کہا تو شرمندہ ہو گئی۔ ریلنگ کے پاس ایک میز کے گرد وہ دونوں بیٹھ گئے اور ابھی بھی حدیقہ ریلنگ سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ وہاب مسکرا کر اسے دیکھنے لگا تو وہ اس کی نظروں کی تپش سے چونک گئی۔

"کیا کھاؤ گی؟" وہ اس کے متوجہ ہونے پر بولا۔

"پیزا۔" بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے کہا۔ وہاب نے سر ہلا کر ویٹر کو اشارہ کیا اور اس کے قریب آنے پر پیزا آرڈر کیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو پھر سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مجھ سے بہتر تو پھر یہ پارک ہی رہ گیا۔" وہاب نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ حدیقہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔
" کبھی مجھے بھی ایسے دیکھ لیا کرو جیسے اس پارک کو دیکھ رہی ہو۔" اس نے بازو باندھ کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو حدیقہ ہنس پڑی۔

" آپ کو یہاں سے سب کچھ دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم جو سامنے ہو۔" وہ دھیمی آواز میں بولا جو حدیقہ کو سنائی دے گیا تھا اور پھر سے اس کی ہارٹ بیٹ تیز ہوئی تھی۔ اسی پل ویٹر پیزا لے کر آگیا۔ حدیقہ کو بھوک تو اتنی نہیں لگی تھی لیکن پیزا دیکھ کر وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔

" آپ کو پیزا پسند ہے؟" وہ چھری اور کانٹے سے پیزے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ وہاب سے خود باتیں کرنے لگی تھی۔ یعنی آج کا دن ساتھ گزارنے سے کچھ کچھ اثر تو ہو رہا تھا۔ وہاب سوچ کر مسکرا دیا تھا۔

"ہاں بہت۔ اور تمہیں؟"

" مجھے تو یہ بہت پسند ہے۔ ایک دفعہ عمیر بھائی نے میرے اور اپنے لیے پیزا منگوایا تھا گھر لیکن وہ سارا پیزا میں نے کھا دیا۔" اس نے مزے سے اپنی شرارت بتائی اور وہاب ہنس پڑا۔

" پھر کچھ نہیں کہا تھا اس نے؟"

"ہاں غصے تو ہوئے تھے لیکن میں نے انہیں منا لیا تھا۔" وہ جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے بولی تھی۔

" تمہیں منانا آتا ہے؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"ہاں بڑی اچھی طرح۔"وہ پر اسرار سا مسکرا دی۔

"کیسے؟"

"میں نے انہیں پھر اتنا تنگ کیا کہ الٹا مجھ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے تھے وہ۔"اس نے کہا تو وہاب کو پھر ہنسی آ گئی۔

"پھر میں تم سے ناراض ہونے کا ارادہ ترک ہی کر دوں۔"

"کیا مطلب؟... آپ مجھ سے ناراض ہونے والے تھے؟"وہ پریشان ہو گئی۔

"ہاں۔"وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

کیوں؟.....میں نے کیا کیا ہے؟"

"اتنا کچھ کر کے ابھی پوچھ رہی ہو کہ میں نے کیا کیا ہے۔"وہاب نے چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟"اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

"ارے ارے رونا مت۔میں مذاق کر رہا ہوں۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو حدیقہ نے اسے غصے سے گھورا۔

"تم اگر ناراض ہونا چاہتی ہو تو بے شک ہو جاؤ۔مجھے بھی منانے کا طریقہ آتا ہے۔"وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔حدیقہ سٹپٹا گئی اور چہرہ پھیر کر باہر دیکھنے لگی۔

-----------------------------

دوپہر کے دو بج چکے تھے اور آسمان پر بادل ابھی تک موجود تھے۔سورج کی ہلکی سی روشنی بادلوں سے چھن کر زمین تک پہنچ رہی تھی۔ٹھنڈی ہواؤں نے موسم کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔پی اے ایف میوزیم میں آج معمول سے زیادہ رش تھا۔وہ تینوں بھی عمیر کے ساتھ وہاں پہنچ چکی تھیں۔مین گیٹ عبور کرتے ہی ان کے سامنے ایک لمبی اور کشادہ سی سڑک تھی جس کے دونوں اطراف پر وقفے وقفے سے گول چبوترے بنے ہوئے تھے اور ان پر

پاکستان ائیر فورس کے جیٹس رکھے گئے تھے۔ کہیں کہیں اس سڑک کے اطراف پر چھوٹے راستے بھی نکالے گئے تھے اوران راستوں کے اطراف پر بھی ائیر کرافٹس رکھے گئے تھے۔ ہر طیارے کے سامنے پتھر کی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اس طیارے کے بارے میں معلومات لکھی ہوئی تھی۔ عانیہ ایک دفعہ ڈیڈ کے ساتھ پہلے بھی یہاں آئی تھی اور اس نے ہر طیارے کی معلومات بڑی دلچسپی سے پڑھی تھی۔ اس نے ڈیڈ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دن ان سب طیاروں کی پائلٹ ہوگی اور ڈیڈ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب پائلٹ بن جائے گی تو وہ اس کے ساتھ جیٹ میں ایک رائیڈ لیں گے لیکن زندگی نے انہیں مہلت نہیں دی۔ اور آج اسے بے اختیار ڈیڈ کے ساتھ گزرا وہ دن یاد آیا تھا جو انہوں نے پی اے ایف میوزیم میں ایک ساتھ گزارا تھا۔

(آپ نے تو اپنا وعدہ پورا نہیں کیا ڈیڈ لیکن میں ضرور کروں گی۔) وہ اپنے سامنے موجود طیاروں کو دیکھتے ہوئے اداسی سے سوچ رہی تھی۔

"ہائے کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" حریم نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو عانیہ ماضی کی یادوں سے نکل کر حال میں آگئی۔

"ریان بھائی اس طرح کے جہاز چلاتے ہیں نا؟" ریتم نے بچوں کے سے اشتیاق کے ساتھ پوچھا تو عانیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ عمیر کو اس کا بچوں جیسا انداز بہت پسند آیا تھا اور اس نے بے اختیار امڈ نے والی مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔

"تین سال بعد عانی آپی بھی ایسے جہاز چلائیں گیں۔" حریم نے کہا۔ وہ سب ایک طیارے کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس کے ساتھ لگی تختی پر معلومات پڑھنے لگے تھے۔ جبکہ ریتم اس طیارے کے گرد گھوم کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"سیلفی ٹائم۔" حریم نے فون نکال کر کیمرہ آن کر لیا۔ رینم بھی طیارے کے گرد ایک چکر لگا کر ان تک پہنچ چکی تھی۔ پہلے ان تینوں نے سیلفی لی تھی۔ پھر عانیہ نے عمیر کو بھی کھینچ کر ساتھ لا کھڑا کیا تھا۔ اور حریم نے جان بوجھ کر رینم کو عمیر کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ دونوں اس افتاد پر بوکھلائے ضرور تھے لیکن چپ رہے تھے۔

"ہائے عمیر بھائی آپ کتنے ہینڈسم اور ڈیشنگ لگ رہے ہیں۔" حریم عانیہ کو دیکھ کر شرارت سے ایک آنکھ دباتی بولی تھی اور وہ جھینپ کر مسکرا دیا۔

"ویسے عمیر بھائی آپ کی اتنی پیاری شکل ہے کوئی نہ کوئی لڑکی تو ہوگی آپ کی زندگی میں۔" عانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔ عمیر گڑبڑا گیا اور بے اختیار ہی اس کی نظر ایک پل کیلیے رینم کی طرف اٹھی تھی۔ لیکن رینم اس وقت کہیں اور دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہے۔" وہ شانے اچکا کر لاپرواہی سے بولا تو رینم کے دل نے ایک بیٹ میس کی۔

"واقعی؟" عانیہ حیرت سے بولی۔

"کون ہے؟" حریم کی بھی تجسس بھری آواز ابھری۔

"تم لوگوں کو کیوں بتاؤں۔"

"ارے ہم بہنیں ہیں آپ کی۔ اب ہم سے کیا چھپانا۔" حریم نے کہا۔

"چلیں بتا بھی دیں۔ اتنے نخرے مت دکھائیں۔" عانیہ نے کہا۔

"یہاں جو کام کرنے آئی ہو وہ کرو۔ میرا دماغ مت کھاؤ۔ ورنہ واپس گھر لے جاؤں گا۔" اس نے رعب جمایا۔

"ٹھیک ہے لیکن یاد رکھیے گا ہم پتہ کروا کے رہیں گے کہ وہ لڑکی کون ہے۔" عانیہ ایسے بولی جیسے اسے اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں پتہ۔

"تم لوگوں کے ساتھ سیلفی کھنچوانا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔" عمیر نے جل کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ پیچھے سے حریم اور عانیہ کا مشترکہ قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"لو رینم بہن خوش ہو جاؤ۔ عمیر بھائی بھی تمہیں پسند کرتے ہیں۔" عانیہ نے چپ کھڑی رینم کی طرف دیکھ کر کہا تو اسے صبح والا واقعہ یاد آ گیا۔ جب وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر زخم پر مرہم لگا رہا تھا۔ ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"ہاں جب آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے تو ان کی نظر رینم کی طرف اٹھی تھی۔" حریم نے بتایا تو عانیہ نے سر اثبات میں ہلا کر رینم کو یقین دلایا۔

"جھوٹ مت بولو۔" رینم جھینپ مٹانے کو بولی تھی۔ ابھی ان کا ارادہ رینم کو مزید تنگ کرنے کا تھا لیکن عمیر جو ان سے بہت آگے جا چکا تھا مڑ کر انہیں آواز دینے لگا تو وہ تینوں جلدی سے اس تک پہنچیں۔ ابھی وہ تیسرے طیارے کے پاس ہی پہنچے تھے کہ عمیر کا فون بجا تھا۔ وہاب کا نام دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹھائی۔

"آ گئی ہماری یاد؟" اس نے لطیف سا طنز کیا۔

"تم اپنی بہن سے جیلس ہو رہے ہو۔" وہاب بھی کونسا کم تھا۔ بڑے اعتماد سے اسے جتایا تھا۔ عمیر ہنس دیا۔

"نہیں یار بہن سے کیا جیلس ہونا۔ میری دعا ہے کہ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ خوش رہو۔" اس کے لہجے میں حدیقہ کے لیے بہت پیار تھا۔

"وہ میں نے پوچھنا تھا کہ تم لوگ کہاں ہو اس وقت؟" وہاب نے پوچھا۔

"پی اے ایف میوزیم آئے ہوئے ہیں۔"

"پھر ہم بھی وہیں پہنچ رہے ہیں۔" وہاب نے کہا۔

"کب تک پہنچو گے؟"

"پندرہ منٹ تک۔"

"اوکے ہم انتظار کر رہے ہیں۔" عمیر نے کہا تو وہاب نے خدا حافظ کہہ کر کال کاٹ دی۔

"وہاب بھی یہیں آرہا ہے۔" عمیر نے فون بند کرتے ہوئے اطلاع دی تھی۔

پی اے ایف میوزیم اتنا بڑا تھا اور وہ ابھی چار پانچ جہاز مزید دیکھ پائے تھے کہ میں گیٹ سے انہیں حدیقہ اور وہاب بھی اندر داخل ہوتے نظر آ گئے تھے۔ عمیر نے وہاب کو کال کر کے اپنی لوکیشن بتائی اور وہ پانچ منٹ تک ان کے قریب پہنچ گئے۔ حریم نے حدیقہ کا ریکارڈ تو بہت اچھا لگا نا تھا لیکن عمیر اور وہاب بھائی کے سامنے مجبوراً چپ رہنا پڑا۔ پھر وہ سب اکٹھے گروپ کی شکل میں میوزیم کا وزٹ کرتے ہوئے اندر گیلری کی جانب بڑھ گئے تھے۔

-----------------------------

ساحل سمندر پر شام کے نارنجی سائے پھیلنے لگے تھے اور دور کہیں افق پر سورج سمندر میں ڈوبتا دکھ رہا تھا۔ بادلوں کی ہلکی ہلکی لکیریں سورج کے ارد گرد پھیلیں افق کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی تھیں۔ وہ خوبصورت منظر سمندر میں پانی کی لہروں میں بھی مدھم سا نظر آرہا تھا۔ دو تین کروز شپس اس وقت سمندر کے سینے پر رواں دواں تھیں جن میں سے ایک روئیل کروز شپ بھی تھی۔ اس پر آج اسپیشل عید ایونٹ منعقد ہونے جا رہا تھا اور عمیر نے پہلے سے ہی ٹکٹس لے رکھے تھے۔ سمیع نے بھی اپنے اور عریج کے لیے ٹکٹ خرید لیا تھا اور جب وہ لوگ ساحل سمندر پہنچے تو عمیر اور وہاب بھی عانیہ لوگوں کے ساتھ وہاں آ گئے تھے۔ ایک نہیں آیا تھا تو وہ تھا ریان۔ حالانکہ اس نے کہا تھا کہ وہ ساڑھے چار بجے تک ان کے پاس پہنچ جائے گا لیکن ابھی تک عانیہ کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے اب شدت سے اس کی یاد آنے لگی تھی۔ وہ سامنے ہوتا تھا تو ہر پل حسین لگتا تھا اور اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ اداس سی ہو جاتی تھی۔ وہ آج پہلی بار مان چکی تھی کہ ریان کے نہ ہونے پر وہ اسے مس کرتی

ہے۔پہلے بھی دل اس کو پکارتا تھا لیکن وہ اسے ڈپٹ دیتی تھی کہ اب وہ اتنی بھی کمزور نہیں کے اس کے جانے سے اداس ہو جائے لیکن اب وہ بے بسی سے اعتراف کر رہی تھی کہ اس کے دل کو تبھی سکون ملے گا جب وہ ریان کو اپنے سامنے دیکھے گی اور وہ تھا کہ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔نہ اس سے پوچھ سکتی تھی کہ کب آؤ گے اور نہ وہاب یا عمیر بھائی سے ہچکچاہٹ کے باعث پوچھ سکتی تھی۔اگر وہ ایک دفعہ بھی ریان سے پوچھتی کہ کب آؤ گے تو وہ اسے بہت تنگ کرتا۔یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی تو پھر وہ کیا کرے۔دل بھی کہیں سکون لینے نہیں دے رہا تھا۔عجیب سی کش مکش میں مبتلا وہ ساحل سمندر پر اس موٹر بوٹ کے قریب پہنچ گئی تھی جس نے انہیں کروز شپ تک لے کر جانا تھا۔سب لوگ اس میں سوار ہو رہے تھے لیکن وہ پیچھے ہی الجھی کھڑی تھی۔آخر کار اس نے فون نکالا اور ریان کو میسج کیا۔

"کہاں ہو تم؟"اس نے دانستہ یہ نہ پوچھا کہ کس وقت پہنچو گے۔اور جب ریان کو اس کا میسج ملا وہ بھی تیزی سے دوڑتا اس کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔

"تمہارے پیچھے۔"عانیہ جو اس کی طرف سے جوابی میسج کی منتظر تھی پیچھے سے اس کا جواب سن کر تیزی سے مڑی تھی۔کچھ پل تو اسے یقین نہیں آیا تھا۔بلیک جینز اور سفید شرٹ پر بلیک کھلے بٹنوں والی جیکٹ پہنے،خوبصورت پیشانی پر بالوں کو فوجی کٹ سٹائل میں بکھیرے وہ اسے ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگا تھا۔وہ کچھ دیر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی اور وہ دلفریب سا مسکرا دیا تھا اور تب جا کر اسے کچھ ہوش آیا۔اس نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"تم میرا انتظار کر رہی تھی؟"وہ معصومیت سے پوچھنے لگا تھا۔

"میں نہیں بلکہ کشتی بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہی ہے۔"اس نے طنز کرتے ہوئے بڑی مہارت سے جواب گول کیا۔

"پھر میں اس کشتی سے ہی پیار کر لیتا ہوں۔" وہ جل کر بولا تھا اور عانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"ائیر پورٹ سے سیدھا یہیں آئے ہو؟" عانیہ نے موٹر بوٹ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں گھر گیا تھا۔ سفر کے باعث تھکاوٹ ہی اتنی ہو گئی تھی تو سوچا کیوں نہ پہلے گھر جاؤں اور شاور لے کر آؤں۔" وہ بھی اس کے ہمقدم ہو گیا تھا۔

"اگر زیادہ تھک گئے تھے تو نہ آتے۔" وہ فکر مندی سے بولی۔

"اگر نہ آتا تو تم اداس ہو جاتی۔" وہ شرارت سے بولا اور کشتی پر سوار ہو گیا۔ پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی ہٹ دھرم تھی۔ خود ہی چھلانگ لگا کر کشتی پر سوار ہو گئی اور ریان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا وہاب اور عمیر اس تک پہنچ گئے اور بڑے پر تپاک انداز میں اس سے گلے ملے۔ وہ تینوں اب بالکل گروپ دوستوں کی طرح فرینک ہو چکے تھے۔ اور اس گروپ میں ایک نئے دوست کا اضافی بھی ہوا تھا اور وہ تھا سمیع۔ وہ بھی آگے بڑھ کر اس کے گلے ملا تھا۔

"حمزہ نظر نہیں آ رہا؟" اس نے سمیع سے پوچھا۔

"بزنس کے چکروں میں پھنسا ہوا ہے بے چارہ۔ اوپر سے اس کی شادی بھی سر پر آ گئی ہے۔ سو تفریح کے لیے کم وقت ہی نکال پاتا ہے۔" سمیع نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔ چار تاریخ کو حمزہ اور عریج کی شادی تھی۔ عریج تو مزے سے سیر سپاٹے کر رہی تھی جبکہ حمزہ بے چارہ شادی کے انتظامات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ اپنے گھر میں وہی بڑا تھا۔ والد کچھ عرصہ پہلے ہی وفات پا چکے تھے اور اس نے ان کا بزنس سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔ ایک چھوٹی بہن اور ماں تھی اس لیے سب کام اسے خود ہی دیکھنے پڑ رہے تھے۔

سب لڑکیاں ایک طرف کھڑی تھیں جبکہ لڑکے دوسری طرف گروپ بنائے کھڑے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد کشتی کروز شپ کے ساتھ آ لگی اور سب ایک ایک کر کے کروز پر اترنے لگے۔ اس کروز کا ماحول تو مسحور کر دینے والا

تھا۔اور بھی بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے اور ادھر ادھر چلتے انجوائے کر رہے تھے۔نچلے فلور کسی فائیو سٹار ہوٹل کی طرح پر تعیش تھا جہاں بیٹھنے کی بھی جگہ تھی البتہ سب لوگ ابھی کھڑے ہی تھے۔ایونٹ یہیں ہونا تھا لیکن ابھی زیادہ تر لوگ اپر فلور پر تھے جہاں سے سارے سمندر کا منظر نظر آ رہا تھا۔وہ لوگ گروپ کی شکل میں آگے بڑھ رہے تھے اور پھر اوپر چلے آئے تھے۔اوپر بھی کہیں کہیں ریلنگ کے ساتھ کرسیاں پڑیں تھیں لیکن اس وقت سب لوگ کھڑے ہو کر سمندر کو دیکھ رہے تھے۔

"بھائی آپ اتنی دیر سے کیوں آئے؟عانیہ آپ کو بہت یاد کر رہی تھی۔"رینم نے ریان کے ساتھ چلتے ہوئے شرارت سے کہا تھا اور عانیہ نے بھی سن لیا تھا۔ریان کو حیرت ہوئی۔

"سچ میں؟"

"ہاں۔"رینم نے کہا تو عانیہ نے اس کی کمر پر دھپ رسید کی۔

"جھوٹی کیا کہہ رہی ہو؟"عانیہ نے اسے گھور کر پوچھا تو ہنس پڑی۔

"تم دونوں نے فیرس وہیل کے علاوہ اور کوئی جھولا تو نہیں لیا تھا؟"ریان نے رعب سے پوچھا۔

"نہیں۔"رینم نے کہا۔عانیہ جو ہٹ دھرمی سے ہاں کہنے ہی والی تھی رینم کو دیکھ کر رہ گئی۔

"شاباش۔دیا تم بھی کچھ سیکھو میری بہن سے۔کتنی فرمانبردار ہے یہ۔"ریان نے رینم کے کندھے کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تو عانیہ منہ بنا کر رہ گئی اور رینم پھر سے ہنس پڑی۔اس کے پاس ہی کھڑے عمیر نے اس کے ہنسنے پر ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

کچھ دیر انہوں نے اوپر ہی انجوائے کیا اور اس دوران کئی انجان لڑکیوں کی ان سے دوستی ہو گئی تھی۔پھر فنکشن شروع ہو گیا تو سب نیچے آ گئے۔پہلے ایک سنگر کا کانسرٹ تھا۔سب لوگ بے ترتیبی سے کھڑے سٹیج کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔سارے ہال کی بتیاں بند ہو گئی تھیں اور صرف سٹیج پر سپاٹ لائٹ پڑ رہی تھی جہاں سنگر نے گانا

شروع کر دیا تھا۔ رینم کا دل اندھیرے میں گھبرانے لگا تھا اور ہر طرف پھیلی پرفیوم کی خوشبو سے اس کا سانس بھاری ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر تو وہ برداشت کرتی رہی لیکن پھر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تو پاس ہی اسے سیڑھیاں نظر آئیں جو اپر فلور تک جاتی تھیں۔ وہ کسی کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی سو نا محسوس انداز میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اندھیرے کی وجہ سے کسی کو اس کی جانے کا پتہ نہ چلا لیکن سیڑھیوں کے اوپری حصے پر ابھی اتنی روشنی تھی کہ عمیر دور سے ہی اسے دیکھ کر پہچان گیا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ رینم اوپر کیوں جا رہی ہے۔ ایک دم سے ہی اسے پریشانی نے گھیر لیا۔ وہ اندھرے میں راستہ بناتا آگے بڑھا اور سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچ گیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل کانپ گیا تھا۔ رینم سانس کی تکلیف سے بے حال ریلنگ پر دونوں ہاتھ رکھے آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ وہ جنگلہ زیادہ اونچا نہیں تھا اور اگر وہ ذرا سی بھی مزید آگے ہوتی تو سمندر میں گرنے کے چانسز بہت زیادہ تھے۔ اسے اتنا درد ہو رہا تھا کہ وہ سیڑھیوں سے چڑھنے کے بعد کچھ قدم ہی آگے بڑھ پائی تھی اور پھر وہیں ریلنگ کو پکڑ کر رک گئی تھی جس کے دوسری جانب سمندر بہہ رہا تھا۔ کلچ بھی اس کے پاس نہیں تھا جس میں اس کا انہلیر پڑا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ دمے کا دورہ کچھ دیر بعد خود ہی کم ہو جائے گا۔ سو ریلنگ پر جھک کر آنکھیں بند کیے وہ کھینچ کھینچ کر سانس لے رہی تھی کہ اچانک کسی نے اس کے دائیں بازو کو پکڑ کر زور سے پیچھے کھینچا تھا اور وہ ایک جھٹکے سے مڑتی کسی سے ٹکرائی تھی۔ اسے ڈر تو لگا لیکن وہ اس وقت چیخنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور حیرت تو اس وقت ہوئی جب مقابل نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے سینے سے لگا لیا تھا۔ لیکن اس کی حیرت ایک لمحے سے زیادہ کی نہیں رہی تھی کیونکہ وہ عمیر کو پہچان گئی تھی۔ اس کی گہری گہری سانسوں میں عمیر کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خوشبو اس کے دل و دماغ کو ترو تازہ کر گئی تھی اور وہ طمانیت سے آنکھیں بند کرکے عمیر کے دل کی دھڑکن سننے لگی تھی۔

عمیر نے اسے کسی قیمتی اثاثے کی طرح اپنی آغوش میں چھپالیا تھا۔اس کا دل ابھی بھی دھک دھک کر رہا تھا۔اگر وہ اسے نہ دیکھتا تو اب تک وہ سمندر میں گر چکی ہوتی۔اس وقت اسے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا اور ریئم سے بے تکلفی نہ ہونے کے باوجود وہ اسے سینے سے لگا چکا تھا۔کچھ دیر تک وہ گم صُم سی کیفیت میں گھرا رہا تھا۔پھر اسے احساس ہوا کہ ریئم سانس ٹھیک سے نہیں لے پا رہی تو جلدی سے اسے کندھوں سے تھام کر خود سے الگ کیا۔وہ اس کی بانہوں میں جھول گئی۔وہ ابھی تک آنکھیں بند کیے بمشکل سانس لے رہی تھی۔

"ریئم.....!"وہ اسے سنبھالتے ہوئے پریشانی سے بولا تھا۔ریئم چاہنے کے باوجود کوئی جواب نہ دے سکی۔

"ریئم تم ٹھیک ہو؟......ریئم آنکھیں کھولو۔"وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ریئم نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور ایک نظر اسے دیکھا اور عمیر کو حیرت ہوئی کہ اتنی تکلیف میں بھی اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"آپ.....پریشان......مت ہوں.....میں....ٹھیک.....ہوں۔"الفاظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے بکھر رہے تھے۔

"انہلیر کہاں پر ہے تمہارا؟"وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے سختی سے بولا تھا۔

"نہیں ہے۔"

"تم جیسی پاگل لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔"وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔وہ واقعی عجیب تھی۔اتنی تکلیف میں وہ مسکرا رہی تھی۔الٹا اسے تسلی دے رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہے اور اوپر سے انہیلر بھی پاس نہیں۔

"یا خدا اب کیا کروں؟"وہ اس نازک صورتحال پر بوکھلا کر بڑبڑایا تھا۔اس وقت وہ سخت پریشانی میں تھا اور ادھر ریئم کے دل سکون مل رہا تھا۔ارد گرد دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا۔

"تم یہیں رکو میں نیچے سے کسی کو لے کر آتا ہوں۔"وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں۔"ریئم نے اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تو وہ رک کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"مم...مجھے.....ڈر لگ.....رہا ہے۔ پلیز آپ.....مت جائیں۔" وہ آس بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"لیکن تمہاری طبیعت......"

"ابھی ٹھیک.....ہو جائے گی۔" وہ بول کر ذرا سا مسکرائی تھی اور عمیر کو ماننا پڑا تھا کہ اس میں قوت برداشت بہت زیادہ تھی۔ وہ تکلیف میں بھی مسکرانا جانتی تھی۔ حالانکہ وہ اسے نازک دل لڑکی سمجھ رہا تھا جو ذرا ذرا سی بات پر رو پڑتی ہے۔ لیکن اب حیران ہو رہا تھا کہ ایک لڑکی جو اتنی بہادر تھی کہ ہنس کر تکلیف برداشت کر لیتی تھی وہ اس کے ذرا سے غصے پر رونے لگتی ہے۔

"ہاں تم ابھی ٹھیک ہو جاؤ گی رینم۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ہمت سے کام لو۔" وہ اسے سہارا دے کر ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا تھا اور رینم کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ اب اس کا دل کر رہا تھا کہ اس کا سانس اسی طرح خراب رہے اور عمیر اس کے پاس رہے۔ اس نے آج تک جتنی تکلیفیں ملی تھیں آج ان کا صلہ مل گیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ عمیر اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی ہر دھڑکن میں اسی کا نام ہے۔ وہ اس کی تکلیف پر دکھی ہو جاتا تھا اور پھر کسی اپنے کی طرح اس کی ہمت بندھاتا تھا۔ ہاں وہ اسی کا تھا۔ دل مسکرایا تھا۔

اوپر کا ماحول کافی خوشگوار تھا۔ ہلکی سی ہوا چل رہی تھی اور اسے سانس لینے میں آسانی ہونے لگی تھی۔ عمیر کو اور کچھ سمجھ نہ آیا تو ہاتھ سے اسے ہوا دینے لگا اور وہ چہرہ جھکا کر مسکرا دی تھی۔ عمیر نے نہیں دیکھا تھا اور اس نے شکر کیا تھا۔ دو تین منٹ بعد اس کا سانس کافی حد تک ٹھیک ہو چکا تھا۔

"رینم۔" وہ بولا تو رینم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔" وہ تشکر سے مسکرائی اور عمیر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"انہیلر اپنے پاس رکھا کرو اور تمہیں ضرورت ہی کیا تھی یہاں آنے کی؟" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا تھا اور رینم اس مغرور شہزادے پر مسکرا دی تھی۔

"سوری میری وجہ سے آپ کا ایونٹ خراب ہو گیا۔"

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ پریشان مت ہو اور نیچے جا کر انجوائے کریں۔" وہ چہرہ پھیر کر افق پر دیکھنے لگی جہاں سورج مکمل طور پر غروب ہو چکا تھا اور آسمان پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر آہستہ پلٹ کر نیچے چلا گیا۔ ریئم نے اداسی سے اسے جاتا دیکھا۔ کیا تھا اگر وہ بھی اس کے ساتھ رک جاتا۔ لیکن وہ لمحہ یاد کر کے اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی جب عمیر نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"ریئم کیا ہوا؟" عانیہ کی آواز پر وہ چونکی تھی۔ عانیہ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ عمیر نے تو اسے کہا تھا کہ ریئم کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور اب وہ اوپر ہے تو وہ بھاگتی اوپر آئی تھی اور یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔ ریئم کی سانس بھی ٹھیک تھی اور وہ مسکرا بھی رہی تھی۔

"عانیہ!....." ریئم نے اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی اور تھوڑی اس کے کندھے پر رکھ دی۔

"عانیہ.... شکریہ۔" وہ فرط جذبات سے بولی۔

"کیا ہو گیا ریئم؟" وہ خوشگوار حیرت سے بولتی اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر گئی تھی۔

"تم نے مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی دلا دی عانیہ۔ اگر تم مجھے وہاں سے آزاد نہ کرواتی تو عمیر مجھے کبھی نہ ملتا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم بہت اچھی ہو۔ اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی۔"

"بس بس مکھن لگانا بند کرو اور سیدھی طرح بتاؤ کیا ہوا ہے۔ عمیر نے کہیں اظہار محبت تو نہیں کر دیا" عانیہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں لیکن مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ مجھ سے ہی محبت کرتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں نے اس کی دھڑکنوں میں اپنا نام سنا ہے۔" وہ جذب کے عالم میں بولی تھی۔

"مطلب..... انہوں نے تمہیں گلے لگایا تھا؟" وہ پرجوش لہجے میں پوچھنے لگی تو رینم نے سر اثبات میں ہلا دیا اور پھر اسے سارا واقعہ بتایا۔

"اس کا مطلب عمیر بھائی تمہارا بہت اچھی طرح خیال رکھ سکتے ہیں۔" عانیہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تو رینم کو اچنبھا ہوا۔

"تم اب بے فکر ہو جاؤ رینم۔ دیکھنا تمہاری شادی عمیر بھائی سے ہی ہو گی۔" وہ اسے یقین دلاتے ہوئے بولی تو شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ جھکا گئی۔

"ویسے اوپر کا ماحول زیادہ اچھا ہے۔" عانیہ ارد گرد دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"عانیہ یہ میرے ہاتھ پر کیا لکھا ہوا ہے۔" اسے یاد آیا تو اپنا مہندی والا ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا جسے عمیر نے غور سے دیکھا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ یہ کیا لکھا ہے۔ عانیہ نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اندھیرے کے باعث کچھ ٹھیک نظر نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے فون کی لائٹ آن کر کے دیکھا تو مہندی کے مدھم سے نقوش میں عمیر کا نام لکھا نظر آیا۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" عانیہ نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پوچھا تو رینم نے اسے دوپہر والا واقعہ بتا دیا جس میں عمیر نے اس کا ہاتھ غور سے دیکھا تھا۔

"یہ عمیر لکھا ہوا ہے" عانیہ نے کہا تو وہ حیران رہ گئی۔ تبھی عمیر اس سے پوچھ رہا تھا کہ یہ کیا ہے اور جب اسے وہ جواب نہیں دے پائی تھی تو پھر اس نے پوچھا تھا کہ تمہاری تعلیم کتنی ہے۔

(اف کیا سوچتا ہو گا عمیر اس کے بارے میں۔) لیکن سوچنے کی بات یہ تھی کہ عمیر کا نام یہاں کس نے لکھا۔ ظاہر ہے جنہوں نے اسے مہندی لگائی تھی اور انہوں نے عمیر کا نام بھی پوچھا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" عانیہ مسکرائی۔

"یہ اس بیوٹیشن کی شرارت ہے۔ اس وقت عمیر میرے ساتھ تھا اور اس نے عمیر سے اس کا نام بھی پوچھا تھا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی لیکن اصل بات تو یہ تھی کہ اس کا دل عجیب سی خوشی سے بھر گیا تھا۔

"تمہیں اس بیوٹیشن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس کی وجہ سے تمہیں عمیر کے نام کی مہندی لگی ہے۔" وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔

---

کل رات وہ لوگ دس بجے گھر واپس آئے تھے اور آتے ساتھ ہی اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے تھے۔ سارا دن گھومنے پھرنے سے انہیں تھکاوٹ بھی بہت زیادہ ہو گئی تھی جو سو کر ہی اترنی تھی۔ اور ابھی صبح کے دس بج گئے تھے لیکن سب سوئے ہوئے تھے۔ عانیہ کی آنکھ سب سے پہلے کھلی تو وہ فریش ہو کر نیچے آ گئی۔ عمرینہ جو لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی پر مارننگ شو دیکھ رہی تھی اسے وہاں آتا دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"اٹھ گئی بچے؟" وہ محبت سے بولی تو عانیہ بھی مسکراتی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری؟ کندھے میں درد تو نہیں ہو رہا؟" عمرینہ ہر بار کی طرح اب بھی اس کے زخم کے بارے میں پوچھنا نہیں بھولی تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔۔۔ ابھی تک اور کوئی نہیں جاگا؟"

"نہیں ابھی تک تو سب سوئے ہوئے ہیں۔ تمہارے انکل آفس چلے گئے ہیں اور میں اکیلی بور ہو رہی تھی تو ٹی وی لگا کر دیکھنے لگی۔ تم بیٹھو میں تمہارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" عمرینہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔"وہ بھی ساتھ ہی اٹھ گئی تو عمرینہ مسکرا دی۔کچھ دیر بعد وہ دونوں کچن میں موجود تھیں۔عمرینہ اس کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھی اور وہ سلیب پر بیٹھی انہیں کسی کمسن بچے کی طرح ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔بے ساختہ اسے مام کی یاد آئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم اس وقت اپنی ماں کو یاد کر رہی ہو۔"عمرینہ نے اسے ایک نظر دیکھ کر کہا۔

"وہ بھی آپ جیسی تھیں۔آپ نے مام کی طرح میرا خیال رکھا ہے ورنہ اب تک میں خودکشی کر چکی ہوتی۔"

"اللہ نہ کرے۔"عمرینہ نے دہل کر کہا۔

"ابھی تو تم جوان ہو۔ابھی تمہیں زندگی کی کئی بہاریں دیکھنی ہیں۔اتنی زیادہ خوشیاں تمہاری منتظر ہیں اور سب سے بڑھ کر تمہیں زندگی کا ساتھی بہت اچھا ملا ہے۔تمہارے والدین کی ڈیتھ سے جو خلا تمہارے دل میں پیدا ہوئے گیا ہے وہ ریان ہی پر کر سکتا ہے اس لیے کبھی بھی مایوس مت ہونا۔"وہ پیار سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے بولی تھی۔عانیہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ عانیہ۔"عمرینہ نے کچھ یاد آنے پر کہا تو عانیہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"رینم تمہاری دوست ہے اور تم اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو گی۔"وہ بولی تو عانیہ کو اچنبھا ہوا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں۔

"جی۔"اس نے الجھے لینے میں سر اثبات میں ہلا دیا۔

"دراصل مجھے وہ بہت اچھی لگی ہے۔اور مجھے محسوس ہوا ہے کہ عمیر اسے پسند کرتا ہے۔"عمرینہ نے کہا تو عانیہ مسکرا دی۔

"ہاں میں نے بھی محسوس کیا ہے۔"اس نے آنٹی عمرینہ کی بات سے اتفاق کیا تو وہ خوش ہو گئیں۔

"اور رینم ؟..... کیا وہ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتی ؟" عمرینہ نے پوچھا۔ وہ ایک اچھی ماں تھی اور اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش تھی لیکن رینم بھی اسے بیٹی کی طرح عزیز تھی اور وہ اپنے بیٹے کی خوشی کو اس کی خوشی پر ترجیح نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے اس نے رینم کے بارے میں یہ جاننا ضروری سمجھا تھا کہ اس کی خوشی کیا ہے۔

"وہ بھی عمیر کو پسند کرتی ہے۔" عانیہ نے پر یقین لہجے میں کہا تو عمرینہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ یعنی کہ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو نا؟" وہ خوشی سے مسکرائی تو عانیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے لگے ہاتھوں ان کا نکاح بھی کر دیتے ہیں۔" عمرینہ پر جوش لہجے میں بولی تھی۔ عانیہ رینم کی قسمت پر مسکرا دی۔ کتنی جلدی اللہ نے اس کے دل کی دعا سن لی تھی۔ عمرینہ آنٹی واقع بہت عظیم تھیں۔ ان کے بیٹے نے ایک لڑکی کو پسند کیا تو انہوں نے اس پسند کو انا کا مسلہ بنانے کی بجائے اس کو اس کی خوشی دلانے کی کوشش کی اور جب وہ اس میں کامیاب ہو گئی تو بچوں کی طرح خوش ہوئی۔ جیسے اسے کوئی قیمتی چیز مل گئی ہو۔ بیٹے کی خوشی سے زیادہ اس کیلیے اور قیمتی چیز ہو بھی کیا سکتی تھی۔

"مطلب اب حدیقہ کے ساتھ ساتھ عمیر کی شادی بھی ہو گی؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی تو عمرینہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"انکل مان جائیں گے ؟" عانیہ نے پوچھا۔

"ارے کیوں نہیں مانیں گے۔ اتنی پیاری بہو مل رہی ہے اور نہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بس ریان سے اس بارے میں بات کرنا تھوڑا مشکل لگ رہا ہے۔"

"ارے آنٹی آپ پریشان مت ہوں۔ میں اس سے بات کروں گی۔ بس آپ شادی کی تیاری کریں" عانیہ نے ہلکے پھلکے انداز میں تسلی دی جیسے یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں۔

"اوہ عانی!.....تم ہمیشہ مشکل وقت میں میری مدد کرتی ہو۔ تھینکس۔" وہ پیار سے اس کی گال تھپتھپا کر بولی۔

"خالی شکریہ کا میں کیا کروں گی۔ہاں اگر فرینچ فرائیز ساتھ میں ہوں تو بات بن سکتی ہے۔" وہ شرارت سے بولی تو عمرینہ ہنس پڑی۔

---------------------------------

دوپہر کے دو بج چکے تھے اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ فون پر ریان کی فیس بک پروفائل کھلی ہوئی تھی جس پر ریان کی تصویریں کسی ہی فلمی ہیرو کی طرح دکھ رہی تھیں۔فارغ تھی تو ریان کی یاد آئی اور اس کی فیس بک کھول کر تصویریں دیکھنے لگی۔وہ پھر سے عمیر اور وہاب کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا اور لنچ پر بھی نہیں دکھا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے وہ کروٹ کے بل لیٹی فون کی سکرین پر دیکھ رہی تھی جب اس کا دروازہ آہستہ سے کھلا تھا۔اس کا رخ دوسری طرف تھا اور اس کے پیچھے ہی دروازہ تھا۔اس لیے وہ ریان کو کمرے میں داخل ہوتا نہیں دیکھ سکی تھی حالانکہ اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ بھی تھا جس سے ریان کا عکس واضح نظر آ رہا تھا لیکن وہ تصویریں دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ آئینے میں اس کا عکس نہیں دیکھ سکی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ریان اس کے قریب پہنچ گیا اور فون پر اپنی تصویر دیکھ کر بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ پھر کچھ سوچ کر فون اس کے ہاتھوں سے اچک لیا اور عانیہ تو اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی۔کرنٹ کھا کر پلٹی اور ریان کو دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔وہ اپنے فون پر اس کی تصویریں دیکھ رہی تھی اور اب وہ فون ریان کے ہاتھ میں تھا لیکن اسے لگا کہ ریان کی نظر ابھی سکرین کو نہیں پڑی اس سے پہلے کہ ریان دیکھ لیتا وہ تیزی سے گھٹنوں کے بل اٹھی اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے فون کھینچنا چاہا لیکن ریان نے بروقت ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"آں......فون دو میرا۔" وہ بیڈ پر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"دیکھنے تو دو۔" وہ پلٹتے ہوئے بولا تو عانیہ کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی۔ اس کی چوری پکڑی جانے والی تھی۔ وہ بھی بیڈ سے نیچے اتر کر ریان کے بائیں جانب آگئی اور ابھی ریان نے فون اپنے سامنے ہی کیا تھا کہ عانیہ نے فون کو پکڑ لیا لیکن ابھی اس کی گرفت اتنی مضبوط نہیں ہوئی تھی کہ ریان نے فون کھینچ لیا اور رخ پھیر کر بازو بھی اوپر کر دیا جہاں عانیہ کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"ریان۔" وہ جھنجھلا کر بولتی دوبارہ بیڈ پر چڑھی تو اس کا ہاتھ فون تک پہنچ گیا لیکن ریان پھر پیچھے ہٹنے ہی لگا تھا کہ عانیہ نے اس کی شرٹ پکڑ کر کھینچ لی تا کہ اسے وہیں روک کر فون پکڑ لے لیکن نتیجہ الٹ ہو گیا۔ عانیہ کا پاؤں جو بیڈ کے کنارے پر ہی تھا سلپ ہو گیا جبکہ دوسرا تو ابھی تک اس نے بیڈ پر رکھا ہی نہیں تھا سو اس کی شرٹ پکڑے ہی وہ بیڈ پر گر گئی۔ ریان ایسے کسی غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا سو اس کے کھینچنے سے وہ سنبھلنے کے باوجود آگے کو گرا تھا۔ عانیہ کمر کے بل گری تھی اور اس ڈر سے آنکھیں بند کر لیں کہ ابھی ریان اس پر گرنے ہی والا ہے لیکن ریان نے اس کے دائیں بائیں بیڈ پر دونوں ہاتھ جما کر خود کو اس پر گرنے سے روک لیا تھا اور عانیہ نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ ریان کا چہرہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھا اور اس کی ہارٹ بیٹس میں ہل چل ہوئی تھی۔ ریان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ کچھ دیر کیلیے گرد و پیش سے بالکل بیگانہ ہو گئی تھی۔ ریان بھی اس ساحرانہ کا خوفزدہ چہرہ دیکھ کر کچھ دیر کیلیے وہاں سے ہٹ نہیں سکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی کشش تھی جیسے وہ اسے کسی میگنیٹ کی طرح اپنی طرف کھینچ رہی ہوں۔ اچانک ہی اس کی آنکھوں پر لمبی پلکوں کا پردہ آگیا اور وہ جو بے خود سا اس کی آنکھوں میں کھو رہا تھا چونک کر ہوش میں آیا تھا۔ اور ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن اب اس کے ہاتھ میں عانیہ کا فون نہیں تھا کیونکہ وہ اب عانیہ کے بائیں جانب بیڈ پر الٹا پڑا تھا۔ اور عانیہ نے یہ دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے فون کو بند کر دیا۔۔ ریان اس کی تیزی پر مسکرا دیا تھا لیکن اسے پتہ تو چل ہی گیا تھا کہ وہ اس کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ عانیہ کو اسے مسکراتا دیکھ کر غصہ آیا۔

"کتنے بد تمیز ہو تم ریان۔ بغیر پوچھے میرے کمرے میں آ گئے پھر میرا فون چھین لیا اور....." وہ بولتے بولتے اچانک رک گئی۔

"اور؟" ریان نے ابرو اچکا کر شرارت سے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

"اور اب مسکرا رہے ہو۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ اصل بات جو ریان سننا چاہتا تھا اس نے وہی کٹ کر دی تھی۔ ریان سر جھٹک کر رہ گیا۔

"ایسا کیا تھا تمہارے فون میں کہ مجھے دکھانا نہیں چاہتی۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکاتے مشکوک لہجے میں بولا تھا۔

"کچھ نہیں۔ چھوڑو اس بات کو تم یہ بتاؤ یہاں کیسے آنا ہوا؟" وہ نرم لہجے میں بولی اور ریان کو حیرت ہوئی کہ اس کی بات پر دیا کو غصے ہونا چاہیے تھا لیکن وہ بڑی خوش اخلاقی سے بات کر رہی ہے۔ اب عانیہ کو اس سے بات کرنی تھی تو لڑ کر موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

"کیونکہ مجھے لگا تم مجھے مس کر رہی ہو۔" وہ شوخ سا مسکرایا۔ عانیہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی لیکن چہرے کو نارمل ہی رکھا۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مجھے واقعی تم سے ایک بات کرنی تھی۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"کہو"

"تمہیں عمیر کیسا لگتا ہے؟" اس نے ڈرتے ہوئے بات شروع کی۔

"عمیر؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"ہمم۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کی رائے کا انتظار کرنے لگی۔

"اچھا ہے۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"ایک بات مانو گے میری؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

"یار بتا بھی دو اب۔ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟"

"اچھا پھر سنو۔ عمرینہ آنٹی کو ریٖنم بہت اچھی لگی ہے اور وہ اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔" اس نے تیزی سے فقرہ مکمل کیا اور اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے لگی ریان پہلے تو حیران ہوا پھر اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے جو عانیہ کو بھی پریشان کر گئے تھے۔

"عمیر بہت اچھا لڑکا ہے لیکن ریٖنم کی مرضی جانے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔" وہ بولا تو عانیہ نے سکون کا سانس لیا۔ بس اتنا سا مسلہ؟

"اگر کہو تو میں ریٖنم سے پوچھ لوں؟"

"ہاں پوچھ لینا۔ اب میں تو پوچھنے سے رہا۔" وہ مسکرایا تو عانیہ بھی مسکرا دی۔

"میں ریٖنم کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ اس نے ساری زندگی چھوٹی چھوٹی خواہشات کے پورا ہونے کی حسرت میں گزاری ہے۔ ان ظالموں نے بہت برا سلوک کیا ہے ریٖنم کے ساتھ۔ میں چار دن وہاں اس کے ساتھ رہی تھی اور ان چار دنوں میں، میں نے اس پر اتنے ظلم ہوتے دیکھے تھے کہ میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اگر مجھے اس کی پرواہ نہ ہوتی تو پہلے دن ہی وہاں سے بھاگ جاتی لیکن یہ کیسا اتفاق تھا کہ میں نے اسے وہاں سے نکلنے میں مدد کی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ تمہاری بہن ہے۔ لیکن تم نے دیکھا وہ تم سے زیادہ مجھ سے اٹیچڈ ہے۔ اور اس بات کی گارینٹی میں دیتی ہوں کہ عمیر کے ساتھ وہ بہت خوش رہے گی۔" عانیہ دھیمی سی آواز میں اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم اس کیلیے کچھ برا سوچ ہی نہیں سکتی اس لیے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔" وہ اسے کندھوں سے تھام کر بولا۔

"اچھا پھر ایک اور بات کہوں؟" وہ ابھی تک ڈر رہی تھی۔

"کہہ دو۔" وہ سینے پر بازو باندھتے ہوئے بولا۔

"وہ.... آنٹی کہہ رہی تھیں کہ اگر رینم اس رشتے کیلیے راضی ہو جائے تو وہ حدیقہ کی شادی کے ساتھ عمیر کی بھی شادی کرنا چاہتی ہیں۔"عانیہ نے کہا تو ریان نے سوچا کہ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی بہن کا گھر بس جائے۔اس کی محرومیوں کو دور کرنے کے لیے یہ ایک بہترین طریقہ تھا۔اور اس گھر کے لوگوں کا خلوص تو وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا اس لیے اسے یقین تھا کہ عمیر اس کے لیے اچھا شوہر ثابت ہو گا اور اس کو خوشیاں دے گا۔جس سے وہ پچھلے غموں کو بھول جائے گی۔

"ٹھیک ہے جیسا وہ مناسب سمجھیں۔لیکن تم پہلے رینم سے پوچھ لینا۔"وہ اسے تاکید کرنا نہ بھولا۔

"جی ٹھیک ہے۔کوئی اور حکم؟"وہ خوشی سے مسکرائی۔

"میری اتنی قسمت کہاں کہ تمہیں حکم دوں۔"وہ بے چارگی سے بولا تو عانیہ ہنس پڑی۔ریان دلچسپی سے اس کی ہنسی دیکھ رہا تھا۔

"ویسے تم جتنے بے چارے بننے کی کوشش کرتے ہو اتنے ہو نہیں۔"

"نہیں جتنا میں بننے کی کوشش کرتا ہوں اس سے کئی زیادہ بے چارہ ہوں بلکہ یوں سمجھو بے بس اور مجبور ہوں۔"

"اچھا وہ کیسے؟"

"محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔تمہیں دیکھ کر تو دل کرتا ہے کہ ابھی تم سے نکاح پڑھوا لوں لیکن تم ہو کہ مانتی ہی نہیں۔میری بے بسی دیکھ کر تمہیں سکون ملتا ہے کیا؟"وہ اس کے خوبصورت چہرے کے ہر نقش کو آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں بول رہا تھا اور عانیہ کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا تھا۔پلکیں لرزتی ہوئی جھک گئیں اور اب اسے اس بات کا کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ریان اس کی حالت سے محظوظ ہوتا اس کے قریب آیا تھا تو اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم جتنی بہادر بننے کی کوشش کرتی ہو اتنی ہو نہیں۔" وہ اسی کے انداز میں بولا تھا اور عانیہ کا چہرہ دوبارہ سے جھک گیا یعنی وہ اپنی بزدلی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"یار تم ہارتی اچھی نہیں لگتی۔ تمہاری آنکھیں چیلنج کرتی ہوئی پیاری لگتی ہیں۔" وہ اس کی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر چہرہ اوپر کرتے ہوئے بولا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"گڈ۔ ایسے ہی مسکراتی رہا کرو۔" اس کے گال پر تھپکی دیتے ہوئے بولا تو عانیہ نے کسی سعادت مند بچے کی طرح سر اثبات میں ہلا دیا۔ ریان اس کے انداز پر مسکرا دیا۔

---

عانیہ نے عمرینہ کو بتایا کہ ریان کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں البتہ وہ ریئم سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تو عمرینہ خوشی سے کھل اٹھی۔ ریئم تو پہلے ہی عمیر کو پسند کرتی تھی۔ عمرینہ نے اسے ریئم سے بات کرنے کیلیے کہا لیکن ابھی اسے موقع نہیں ملا تھا۔ آج کرن کی شادی تھی اور ساری ینگ پارٹی کے ساتھ ساتھ عمرینہ اور حیدر علی نے بھی جانا تھا۔ سو پانچ بجے وہ سب شادی ہال میں پہنچ چکے تھے۔ کرن کے پیرنٹس نے عمرینہ اور حیدر کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ کرن ابھی سٹیج پر نہیں آئی تھی اس لیے چاروں لڑکیاں برائڈل روم میں ہی آ گئی تھیں جہاں کرن کو پہلے سے ہی اس کی کزنز اور دوستیں گھیرے ہوئے تھیں۔ کرن انہیں دیکھ کر مسکراتی ہوئی اٹھ کر ملنے لگی تھی۔ کرن کی کزنز جو حدیقہ کی خوبصورتی کی فینز تھیں بڑی گرمجوشی سے ملیں تھیں۔ وہ عانیہ کو پہلی دفعہ دیکھ رہی تھیں اور کچھ دیر کیلیے مبہوت رہ گئی تھیں۔ بعد میں بھی ان کی نظریں بار بار بھٹک کر اس کے چہرے کا طواف کرتی رہی تھیں۔ عانیہ لائٹ میک اپ کیے بال پونی ٹیل میں باندھے اور ہمیشہ کی طرح اپنا پسندیدہ لباس لمبی فراک پہنے ہوئے سب پر چھائی ہوئی تھی۔ پھر کرن نے سب سے حریم اور ریئم کا تعارف کروایا تو وہ انہیں دیکھ کر بھی متاثر ہوئی تھیں۔

وہ سب وہیں کرن کے پاس بیٹھ گئیں اور کرن ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔

"کچھ شرم کر لو کرن۔ آج تمہاری شادی ہے۔ رخصتی پر بھی ایسے ہی ہنسو گی۔" حدیقہ جو اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی کہنی مار کر اسے ٹوکا تو کرن نے اسے گھورا۔

"یار اب رونا نہیں آ رہا تو میں کیا کروں۔" وہ ڈھٹائی سے بولی تو سب ہنس پڑیں۔

"ویسے تم اپنی رخصتی پر تو ضرور روؤ گی۔"

"میرے ساتھ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس سے پہلے کہ کرن کچھ اور کہتی اس نے سختی سے وارن کر دیا۔

"یہ کونسا اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر کہیں جا رہی ہے۔ اپنے کمرے سے نکل کر وہاب بھائی کے کمرے میں جانا ہے۔" حریم نے کہا تو اس کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ اتھا۔ غصے سے حریم کو گھورا تو سب پھر سے ہنسی تھیں۔

"حدیقہ یاد ہے جب تم میری منگنی پر آئی تھی تو میں نے کہا تھا کہ وہاب بھائی اگر تمہارے بچپن کے منگیتر نکل آئیں تو تم کیا کرو گی اور تم نے کیا کہا تھا..... خودکشی کر لوں گی۔ اب تو وہ منگیتر کی بجائے تمہارے شوہر نکل آئے تو کیا خیال ہے تمہارا۔" کرن نے اسے یاد کروایا۔

"اگر میں خودکشی کر لیتی تم نے بہت رونا تھا سو میں نے ارادہ بدل دیا۔" اب چپ رہ کر گزارا نہیں ہونا تھا۔

"جی نہیں میری وجہ سے نہیں وہاب بھائی کی وجہ سے ارادہ بدلا گیا ہے۔" وہ احسان فراموشی سے بولی تو سب کا قہقہہ گونجا۔ حدیقہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"ارے بس کرو میری معصوم سی بہن کو تنگ مت کرو۔" عانیہ ہمیشہ کی طرح اس کی مدد کیلیے میدان میں اتری تھی۔

"اچھا تو پھر تم یہ بتاؤ یہ منگنی کا اتنا اچانک پلان کیسے بن گیا۔ تم تو کہتی تھی تمہیں شادی کا کوئی شوق نہیں۔" کرن اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں تو کونسا شادی کر رہی ہوں۔ صرف منگنی ہی کر رہی ہوں۔ ہماری شرط شادی پر لگی تھی اور تم نے ابھی ٹریٹ بھی دینی ہے۔" عانیہ بولی۔

"ہاں یاد آیا۔ ٹھیک ہے پھر آج ہی میری طرف سے تم لوگوں کو ڈنر فری۔" کرن نے چالاکی سے کہا تو عانیہ ہنس دی۔ کچھ دیر وہ باتیں کرتی رہیں پھر کرن کا بلاوا آ گیا اور وہ اپنی دوستوں کی سنگت میں سٹیج تک پہنچ گئی۔ ابصام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سٹیج پر چڑھنے میں مدد دی اور اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ایک ساتھ بیٹھ گئے اور لوگ دھڑا دھڑ ان کی تصویریں کھینچنے لگے۔ سٹیج کے سامنے ایک بڑے ہال جتنی کھلی جگہ تھی جہاں کرن کی کزنز نے مختلف گانوں پر گروپ ڈانس کیا تھا اور بعد میں کرن اور ابصام نے کپل ڈانس کیا۔ رخصتی کے وقت کرن سب کے گلے لگی تھی لیکن رونا اس کیلیے مشکل ہی تھا۔ ابصام کے ساتھ شادی کی اتنی خوشی تھی کہ وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ روک رہی تھی تو روتی کیا خاک۔ پھر حدیقہ اور عانیہ کے بھی گلے لگی تھی اور رخصتی کے بعد وہ لوگ بھی واپسی کیلیے چل پڑے۔ ان چاروں کو اس تقریب میں بہت مزا آیا تھا اور آج وہ اتنے تھکے بھی نہیں تھے کہ آتے ہی سو جاتے۔ سو عانیہ کو موقع مل گیا تھا کہ رنیم کو اس کی شادی کی خوشخبری دیتی۔

---------------------------------------

عمیر اس وقت بیڈ پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب عمرینہ گرم دودھ کا گلاس لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی تو وہ انہیں دیکھ کر مسکرا دیا۔ اور عمرینہ اسے ابھی تک کام کرتا دیکھ کر حیران ہوئی۔

"کیا کر رہے ہو عمیر؟" وہ اس قریب آتے ہوئے بولی

"تھوڑا سا کام رہ گیا تھا۔" وہ ان کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس پکڑتے ہوئے بولا۔ آج وہ دو تین گھنٹوں کے لیے آفس گیا تھا اور بابا نے اسے اتنا کام دے دیا تھا کہ دو گھنٹے مسلسل کرتا رہا لیکن وہ ختم نہ ہوا تو اس نے سوچا گھر کر لے گا اور پھر اب جا کے اسے ٹائم ملا تھا۔

"تم کچھ زیادہ ہی محنتی نہیں ہو گئے۔"عمرینہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔اب اسے عمیر سے شادی کی بات کرنی تھی اور جانتی تھی کہ عمیر آسانی سے اس کے لیے راضی نہیں ہو گا لیکن اس کے پاس بھی پورا پلان تھا۔

"بابا نے سختی سے حکم دیا تھا کہ یہ کمپلیٹ فائل کل صبح مجھے اپنے میز پر پڑی چاہیے۔ڈانٹ سے بچنے کیلیے اب اپنی نیند قربان کر رہا ہوں۔"اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تو عمرینہ ہنس پڑی۔

"چلو کچھ کھو گے تو کچھ پاؤ گے نا۔ویسے تمہارے بابا بڑی تعریف کر رہے تھے تمہاری۔"

"واقعی؟"اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہاں کہہ رہے تھے تم بہت تیزی سے آفس کا کام سیکھ رہے ہو اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اب تم اس قابل ہو گئے ہو کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔"وہ جو بڑے مزے سے دودھ پیتا اپنی تعریف سن رہا تھا دوسری بات پر اسے زور کا اچھو لگا اور اس نے جلدی سے دودھ کا گلاس پیچھے ہٹا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔پھر حیرت سے عمرینہ کو دیکھا جو سکون سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

"شادی.....؟"وہ بے یقینی سے بولا تھا۔بے اختیار ہی اس کا دل ریئم کے نام پر دھڑکا تھا۔

"ہاں تمہارے بابا چاہتے ہیں حدیقہ کے ساتھ ساتھ تمہاری شادی بھی کر دی جائے۔"عمرینہ نے حکمیہ لہجے میں کہا تو اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔دو دن ہی تو تھے حدیقہ کی شادی ہونے میں۔اور ماما اتنی جلدی اس کی شادی کا بھی سوچ چکی تھیں۔وہ اتنی جلدی انہیں کیسے بتا سکتا تھا کہ اسے ریئم پسند ہے اور یہ بھی تو ہو سکتا تھا نا کہ ماما نے اپنی پسند کی کوئی لڑکی ڈھونڈ لی ہو۔نہیں۔اسے کچھ وقت تو چاہیے ہو گا۔سو ٹالنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے ماما۔میری کونسا عمر نکلی جا رہی ہے۔ابھی بیس سال کا ہی تو ہوں۔"اپنی طرف سے اس نے مضبوط دلیل دی تھی۔

"اب اتنے بھی چھوٹے نہیں ہو۔ حدیقہ تم سے دو سال چھوٹی ہے اور اس کی بھی تو شادی ہو رہی ہے تو تمہیں کیا مسلہ ہے اور ویسے بھی یہ تمہارے بابا کا حکم ہے جو پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔" عمرینہ نے بھی اس کی ایک نہ چلنے دی۔ بابا کا حکم تو واقعی پتھر پر لکیر ہوتا تھا۔ اب کیا کرے۔ شادی رکوانا اب اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"ماما پلیز کچھ وقت تو دیں نا۔ آپ دو دن پہلے مجھے بتا رہی ہیں کہ تمہاری شادی ہے۔" اس نے منت کی۔

"ہاں کیونکہ ہم تمہارے ماں باپ ہیں اور ہمارا ہر حکم ماننا تم پر فرض ہے۔ اگر ہم کہیں کہ ابھی تم نکاح نامے پر دستخط کرو تو تمہیں کرنے پڑیں گے۔" عمرینہ نے لہجے کو سخت بناتے ہوئے اسے باور کروایا۔ اس کی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔ اب کیا ہو گا۔ پتہ نہیں ماما کس سے اس کی شادی کروا دیں۔

"اس کا مطلب آپ میری شادی کروا کر ہی رہیں گے؟" وہ ہتھیار پھینکتے ہوئے بولا تو عمرینہ نے مسکراہٹ چھپائی۔

"ہاں میں نے تو لڑکیاں بھی ڈھونڈ لی ہیں۔" وہ مزے سے بولی۔

"ل.....لڑکیاں۔" وہ ہکلایا۔

"ہاں۔ میرا مطلب دو تین لڑکیاں میری نظر میں ہیں۔ تم ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔" عمرینہ نے جان بوجھ کر ایسا کیا تاکہ وہ مجبور ہو کر اپنے دل کی بات کہہ دے۔ عمیر بولا کچھ نہیں لیکن اس کے چہرے پر پھیلی اداسی اس کے دل کا حال بیان کر رہی تھی۔

"پوچھو گے نہیں کون ہیں وہ لڑکیاں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ آخر میں ہونا تو وہی ہے جو آپ کہیں گیں۔" وہ بے بس لہجے میں بولا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ رینم کو کھو چکا ہے اور دل ویران بنجر سا ہو گیا تھا۔ اسی دن کیلیے وہ اپنے دل کو سمجھاتا تھا کہ رینم کے بارے میں مت سوچو لیکن رینم نے بھی تو اسے کتنا بے بس کر دیا تھا۔

"اب میں اتنی ظالم ماں بھی نہیں ہوں کہ تم سے تمہاری پسند بھی نہ پوچھوں۔" وہ فراخ دلی سے بولی تو عمیر جو مایوسی سے سر جھکائے بیٹھا تھا جھٹکے سے نظریں اٹھا کر عمرینہ کو دیکھا۔

"اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ۔" عمیر کا دل تیزی سے دھڑکا۔ کیا وہ رینم کا نام لے سکتا تھا لیکن وہ کیسے بتائے۔ اگر ریان کو پتہ چل جاتا تو ہو سکتا تھا وہ اس سے غصے ہو جائے اور ان کی دوستی خراب ہو جائے۔ اور دوسری طرف رینم کو بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ عجیب سی کش مکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"میں تم سے آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں۔ بتا دو اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو پھر بعد میں یہ مت کہنا مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ یہ تمہارے پاس آخری موقع ہے۔" عمرینہ نے اسے اکسایا اور دل نے زور سے دہائی دی کہ اب تو رینم کا نام لے لو۔

"اگر میں اس لڑکی کا نام آپ کو بتا دوں تو کیا آپ میری شادی اس سے کروا دیں گیں؟" اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔ یعنی لائن پر آ ہی گیا یہ لڑکا۔ عمرینہ نے محظوظ ہوتے ہوئے سوچا۔

"ہاں آف کورس۔"

"وعدہ؟"

"پکا وعدہ۔ اپنی ماں پر بھروسہ کرو۔" عمرینہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی جیسے بہت بڑا کام کرنے جا رہا ہو اور کچھ دیر سوچ کر آنکھیں کھولیں۔ وہ دل کی بات ماننے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"رینم۔" اس نے دھیمی سی آواز میں کہا تھا اور اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ عمرینہ جو کب سے مسکراہٹ روکے بیٹھی تھی اب کھل کے مسکرائی تھی۔ جیسے اسے یقین تھا کہ وہ رینم کا نام ہی لے گا۔ عمیر سوچ رہا تھا کہ اب پتہ نہیں ماما کیا کہیں لیکن اسے اس وقت حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا تھا جب ماما کو مسکراتے دیکھا تھا۔

"تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی عمیر۔یقین کرو جو دو تین لڑکیاں میں نے تمہارے لیے دیکھی تھیں ریئم ان میں سرفہرست تھی۔"عمرینہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے انہیں دیکھنے لگا۔ایک دفعہ ان لڑکیوں کے نام پوچھ لیتا تو اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔اور دل کی بات بھی نہ بتانی پڑتی۔اور پھر سر جھکا کر معصومیت اور سعادت مندی سے کہتا جیسے آپ کی مرضی۔ماما بھی خوش ہو جاتیں اور دل کی بات بھی دل میں ہی رہ جاتی۔لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی ماں اس کے دل کی بات پہلے سے جانتی ہے۔

"ویسے میں یہ جاننے کی جسارت کر سکتی ہوں کہ جناب کب سے ریئم کو پسند کرتے ہیں۔"عمرینہ شرارت سے بولی تو وہ جھینپ کر مسکرا دیا۔

"آئی ڈونٹ نو۔لیکن آپ یہ بتائیں کیا آپ واقعی میری شادی اس سے کروا دیں گیں؟"

"ہاں تم فکر مت کرو۔وعدہ کیا ہے تم سے اور اسے پورا بھی ضرور کروں گی۔"

"بابا مان جائیں گے؟"

"وہ تو کب سے مان بھی چکے۔"عمرینہ نے کہا۔عمیر سے بات کرنے سے پہلے اس نے حیدر علی سے ہی یہ بات ڈسکس کی تھی اور انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔بیٹے سے زیادہ تو بیوی خوش نظر آرہی تھی تو وہ منع کرتے بھی کیسے۔

"اور ریان؟"اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"اس سے بھی بات کرلی ہے۔اس نے سارا فیصلہ ریئم پر چھوڑا ہے۔"

"وہ کیا کہتی ہے؟"اس نے بے تابی سے پوچھا۔حالانکہ جانتا تھا کہ وہ بھی اسے چاہتی ہے۔

"وہ تو کہتی ہے مجھے عمیر ذرا بھی نہیں پسند۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں نا۔وہ ایسا نہیں کہہ سکتی۔"وہ پر یقین لہجے میں بولا۔

"بڑا پتہ ہے اس کے بارے میں۔ خیر خوشخبری یہ ہے کہ رینم نے بھی ہاں کہہ دی ہے اور دو دن بعد تم دونوں کی شادی ہے۔ ویسے اب اگر تم چاہو تو شادی ڈیلے کروا دوں کیا؟"

"ارے ماما کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ کیوں بابا سے ڈانٹ پڑوانی ہے۔ آپ میرے ماں باپ ہیں۔ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے میرے بھلے کیلیے ہی کریں گیں۔ میں انکار کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر آپ ابھی مجھے نکاح نامے پر دستخط کرنے کیلیے کہیں گیں تو وہ بھی کر دوں گا۔" وہ نہایت سعادت مندی سے بولا اور عمرینہ زور سے ہنسی تھی۔

"جیتے رہو۔ میں جا کر تمہارے بابا کو خوشخبری سناتی ہوں کہ ان کا بیٹا شادی کے لیے مان گیا ہے۔ دیکھنا وہ بہت خوش ہوں گے۔" عمرینہ اٹھتے ہوئے بولی تھی اور پیار سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے باہر چلی گئی تھی۔

عمیر کی آنکھوں کے سامنے رینم کا چہرہ ثبت ہو گیا اور اس کے لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ کل شام کا منظر یاد آیا جب اس نے رینم کو کروز شپ کی ریلینگ کے ساتھ جھکے دیکھا تھا اور اس کا دل ڈر گیا تھا۔ بے اختیار ہی اس نے رینم کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ اس وقت اس کا دل کیا اچھی طرح اس کی کلاس لے لیکن جب اسے احساس ہوا کہ اس کی سانس خراب ہے تو وہ پریشان ہو گیا۔ لیکن وہ تکلیف میں بھی مسکرا رہی تھی۔ اور جب اس نے اسے نیچے جانے کا کہا تھا تو وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا ساتھ چاہتی ہے لیکن وہ وہاں نہیں رک سکا تھا۔ پتہ نہیں رینم کے سامنے اسے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ شاید وہ اس بات پر گھبرا گیا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور اس کے ساتھ رہا تو اس کے دل کا حال کھل کر رینم کے سامنے آ جائے گا۔ یہی تو وہ ہمیشہ سے چھپاتا رہا تھا اور اتنی جلدی ظاہر کر دینا اس کیلیے بہت مشکل تھا۔ اسی لیے بعد میں اسے نظر انداز کرتا رہا تھا جیسے اسے رینم کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اسے نظر انداز کرنے کے بعد اس نے چور نظروں سے اسے دیکھتا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کا دل دکھا تھا۔ کاش وہ اس آنسو اپنے ہاتھوں پہ چن سکتا۔ دل نے خواہش کی تھی اور اب اس کی یہ خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ کیونکہ رینم اب اس کی ہونے جا رہی تھی۔

-------------------------

"ارے عانیہ۔ تم سوئی نہیں ابھی تک؟" رینم نے عانیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ اس وقت کمرے کی کھڑکی کے ساتھ کھڑی باہر تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہی تھی جب عانیہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"نہیں تم بھی تو نہیں سوئی۔" عانیہ نے جتاتے ہوئے کہا اور رینم سر جھکا کر اداس سا مسکرا دی۔

"اداس ہو؟" عانیہ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"وجہ تم جانتی ہو۔"

"میرے خیال سے اب تو کوئی وجہ نہیں رہ گئی تمہارے اداس ہونے کی۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جب بھی وہ مجھے نظر انداز کرتا ہے تو دل پھر سے اداس ہو جاتا ہے۔ آج تین دفعہ میرا اس سے سامنا ہوا لیکن اس نے تو ایک دفعہ بھی میری طرف دیکھا تک نہیں۔ میرے سامنے ایسے اجنبی بن جاتا ہے جیسے مجھے جانتا ہی نہیں۔ وہ کیوں کر رہا ہے ایسا؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ اگر اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں مر جاؤں گی عانیہ" رینم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ ہزاروں وسوسے دل میں آ رہے تھے۔ اگر وہ اسے پسند کرتا ہے تو پھر کچھ کہتا کیوں نہیں۔ اگر اس کی شادی کہیں اور ہو گئی تو وہ کیا کرے گی۔

"ارے یار تم یہاں رو رہی ہو اور وہ وہاں بڑے مزے سے اپنی پسند کا اظہار کر چکا ہے۔" عانیہ نے کہا تو رینم نے کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"کیا مطلب؟" وہ بے یقین لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میں تو عمیر بھائی کو بہت شرمیلا سمجھتی تھی لیکن وہ تو بڑے تیز نکلے۔" عانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو عانیہ؟ بتا بھی دو پلیز۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"عمیر نے آنٹی کو بتا دیا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" عانیہ نے کہا تو اسے کچھ دیر تک اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا اور لب مسکرا اٹھے تھے۔

"تم سچ کہہ رہی ہو عانیہ؟" خوشی اس کے سرخ ہوتے چہرے سے پھوٹتی نظر آرہی تھی۔

"ہمم۔" عانیہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا میری قسمت اتنی اچھی کیسے ہو سکتی ہے۔" وہ اپنے گالوں کو چھوتے ہوئے حیرت سے بولی تھی۔ اسے یہ سب خواب لگ رہا تھا۔

"اب یقین کر لو۔ بہت جلد تم عمیر بھائی کی دلہن بننے والی ہو۔ عمرینہ آنٹی حدیقہ کی شادی کے ساتھ عمیر کی بھی شادی کرنا چاہتی ہیں۔"

"کیا؟" وہ حواس باختہ ہو کر بولی۔ دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"لو پہلے تو اس کیلیے مری جا رہی تھی اب کیا ہوا؟ اب تمہاری خواہش پوری ہونے جا رہی ہے اور تم پریشان ہو رہی ہو۔"

"اور ریان بھائی.....؟"

"اس کی فکر تم چھوڑ دو۔ میں نے اس سے بات کر لی ہے۔" عانیہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"کیا؟..... انہوں نے کیا کہا پھر؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"اس نے کہا کہ رینم کی مرضی ہو گی تو یہ رشتہ ہو سکتا ہے۔ اسے کیا پتہ محترمہ پہلے سے ہی عمیر کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہیں۔" عانیہ شرارت سے مسکرائی

"تم نے بتا تو نہیں دیا انہیں کہیں؟"

"ارے نہیں یار۔ تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو کیا؟"

"اس کا مطلب میری شادی ہونے جا رہی ہے عمیر سے۔" وہ خواب ناک لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں اور وہ بھی دو دن بعد۔" عانیہ نے اسے اطلاع دی اور وہ اس کے گلے لگ کر خوشی سے رو پڑی۔

"کیسی لڑکی ہو یار خوشی بھی رو کر سیلیبریٹ کر رہی ہو۔" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولی تو وہ روتے روتے مسکرا دی۔ آج اسے جتنی بڑی خوشی ملی تھی اگر وہ ساری زندگی بھی اللہ کا شکر ادا کرتی رہے تو کم تھا۔

---

اگلی صبح عمرینہ اور حیدر نے ڈائریکٹ ریان سے بات کی تھی اور اسے بھی ریئم کے اقرار کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا سو اس کی طرف سے بھی اس رشتے کیلیے ہاں تھی۔ پھر یہ خبر سب میں پھیل گئی کہ دو دن بعد ریئم اور عمیر کی بھی شادی ہونے جا رہی ہے تو سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"عمیر بھائی اور ریئم کی شادی ہو رہی ہے؟" حدیقہ کے بے یقین لہجے پر عانیہ ہنسی۔ ریئم کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"عمیر بھائی ریئم کو پسند کرتے ہیں اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔" وہ پھر بولی۔

"صرف عمیر بھائی نہیں، ریئم بھی انہیں پسند کرتی ہے۔" عانیہ نے اطلاع دی تو حدیقہ پھر سے ریئم کو گھورنے لگی۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ عمیر وہی لڑکا ہے جو اس کے خوابوں میں آتا تھا۔" حریم نے کہا۔

"کیا؟" حدیقہ کو تو آج حیرتوں کے جھٹکے ہی لگ رہے تھے۔ پھر اسے ریئم پر غصہ آیا۔

"اور ریئم تم کہہ رہی تھی میں ابھی تک اس لڑکے سے ملی نہیں۔" حدیقہ نے اسے اس کی بات یاد کروائی۔

"اوہ حدیقہ۔ تم غصہ کیوں ہو رہی ہو۔ تمہیں تو شکر کرنا چاہیے تمہاری شادی کے ساتھ اس کی شادی بھی ہو رہی ہے۔ ہم نے تو تمہیں بہت تنگ کرنا تھا اب یہ بھی تمہارے ساتھ شامل ہو گئی ہے۔ اس لیے دونوں کو آدھا آدھا تنگ کر لیں گے۔" حریم نے کہا۔

"ہاں یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" حدیقہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ اسے تو ابھی سے سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے کہ شادی والے دن وہ سب کا سامنا کیسے کرے گی۔ چلو ایک ساتھی اس کے ساتھ ہے۔ اب زیادہ پریشانی نہیں ہو گی۔

"ہائے رینم تم میری بھابھی بننے والی ہو۔" وہ اب غصے کو ختم کر کے اس کے گلے لگ گئی تھی۔ عانیہ اور حریم مسکرا دیں۔

---

"ایک بات سچ بتاؤ گے؟" وہاب نے اسے تیکھا سا گھورا۔ وہ اس وقت عمیر کے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا اور عمیر شاور لے کر واشروم سے باہر نکلا تھا۔

"کیا؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"یہ شادی تمہاری مرضی سے ہو رہی ہے نا؟"

"ماما کی مرضی سے۔" وہ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر تولیے سے بال خشک کرنے لگا۔

"جیسے میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں۔" وہاب نے طنز کیا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ کل رات ماما نے مجھے بتایا کہ دو دن بعد تمہاری شادی ہے اور یہ بابا کا حکم ہے اور تم تو جانتے ہو میں بابا سے بہت ڈرتا ہوں۔ مجھے ماننا ہی پڑا۔ حالانکہ مجھے اس وقت لڑکی کے نام کا بھی پتہ نہیں تھا۔" اس نے جھٹ سے اپنی صفائی پیش کی۔ اگر وہ اسے سچ بتا دیتا کہ وہ رینم کو پسند کرتا ہے تو وہاب نے بھی اس کا خوب ریکارڈ لگانا

تھا۔ لیکن سامنے بھی وہاب تھا۔ اصل بات تو جان ہی گیا تھا اور لب بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا جیسے اسے عمیر کی بات پر پورا یقین ہے اور عمیر نے شکر کیا۔

"ویسے تم آج اتنی صبح صبح کہاں جا رہے ہو؟" وہاب نے اسے تیار ہوتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا۔

"آفس۔" وہ مصروف سے انداز میں بولا۔

"تم تو مجھے آج حیران کیے جا رہے ہو۔ پہلے سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بنا چوں چراں کیے شادی کے لیے راضی ہو گئے اور اب چھٹی کا بہانہ ہونے کے باوجود آفس جا رہے ہو۔" وہ مشکوک لہجے میں بولا۔

"یار بہانہ تو بہت اچھا تھا لیکن آج میں خود ہی چھٹی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر گھر رہا تو ریان کا سامنا کیسے کروں گا۔ پتہ نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔" اس کے چہرے پر پریشانی کے واضح آثار تھے۔

"اوہ تو یہ مسلہ ہے۔ اگر تم کہو تو میں اس سے بات کروں کہ وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔" وہاب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"مرواؤ گے تم مجھے۔" عمیر نے اسے تاسف سے گھورا۔

"ارے یار اتنا کیوں شرما رہے ہو۔ میں بھی تو ہوں۔ تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔" وہاب نے جھنجھلا کر کہا۔

"تمہاری تو بات ہی کچھ اور ہے نا۔ اب تمہارے جتنا اعتماد میں کہاں سے لاؤں۔ ویسے بھی تمہاری شادی تو کب کی ہو بھی چکی ہے اور میری ابھی ہونی ہے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اچھا پھر ایسا کرو شادی سے انکار کر دو۔ پھر سکون سے ریان کا سامنا کر لینا۔" وہاب نے مشورہ دیا تو عمیر نے اسے غصے سے گھورا۔ اتنی مشکل سے تو رنیم اس کی ہونے جا رہی تھی۔ انکار کر کے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارنی تھی۔

"اس سے بہتر ہے میں ریان کے سامنے شرمندہ ہی ہو جاؤں۔" اس نے جل کر کہا تو وہاب ہنس دیا۔ عمیر اپنی تیاری مکمل کر چکا تھا اور کلائی پر گھڑی باندھ ہی رہا تھا کہ ریان اس کے کمرے داخل ہوا تھا۔ عمیر کی اس طرف پشت تھی لیکن وہاب نے ریان کو دیکھ کر بے اختیار امڈنے والی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"عمیر اتنی صبح صبح تیار ہو رہے ہو۔ خیریت تو ہے۔" ریان کی آواز پر وہ کرنٹ کھا پلٹا تھا۔ زیادہ دیر اسے دیکھ نہ سکا اور نظریں چرا گیا۔ ریان کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

"یہ آفس جا رہا ہے۔" وہاب نے عمیر کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"دو دن بعد تمہاری شادی ہے اور تم آفس جا رہے ہو۔" ریان نے حیرت سے پوچھا تو عمیر نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں غصے کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

"تم...... مجھ سے خفا نہیں ہو؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگا اور ریان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"خفا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ اور سب سے بڑھ کر ریم نے اس رشتے کیلیے ہاں کہہ دی ہے اور اس کی خوشی میں میری خوشی ہے۔ اس لیے تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اب بھی دوست ہیں۔ بلکہ اب تو ہمارا رشتہ اور بھی مضبوط ہونے جا رہا ہے۔" ریان نے کہہ کر اپنے بازو پھیلا دیے اور عمیر خوشی سے مسکراتا ریان کے گلے لگ گیا۔

---------------------------

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ شہر کا مشہور اور مہنگا ترین میرج ہال بک کروالیا گیا تھا۔ حیدر علی کے سارے رشتہ داروں اور بزنس کے دوست احباب کو شادی کے کارڈز بھیج دیے گئے تھے اور وہ ایک کی بجائے دو دو کارڈ دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ کیونکہ اب حدیقہ کے ساتھ ساتھ عمیر کی بھی شادی ہو رہی تھی۔

باقی سارے انتظامات بھی مکمل ہو رہے تھے اور آج عریج کی شادی تھی اور نائٹ فنکشن تھا۔شام چھ بجے انہیں وہاں جانا تھا۔اس لیے وہاں جانے کی تیاریاں بھی ساتھ ساتھ ہو رہی تھیں۔سو دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے کی بجائے ساری ینگ پارٹی تیاری میں مصروف ہو گئی تھی۔ صبح سے نہ رنیم کا سامنا عمیر سے ہوا اور نہ حدیقہ کا سامنا وہاب سے ہوا تھا۔پھر جب وہ سب اکٹھے شادی پر جانے کے لیے نکلے تھے تو ان کا کچھ دیر کیلیے سامنا ہوا تھا۔وہاب نے مسکرا کر حدیقہ کو ہائے فائے کیا اور وہ جلدی سے چہرہ پھیر کر مسکرا دی جبکہ عمیر نے رنیم کو سامنے دیکھتے ہی نظریں چرائیں۔پھر وہ جلد ہی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

شادی کا فنکشن گھر میں ہی رکھا گیا تھا۔گھر کی عمارت کے سامنے بڑے سے لان میں لائٹنگ کی گئی تھی۔اور شاندار انتظامات کیے گئے تھے۔ مہمانوں کا بہت زیادہ رش تھا۔دولہا دلہن سٹیج پر بیٹھے تصویریں بنوا رہے تھے۔وہ چاروں اکٹھے ہی سٹیج کی جانب بڑھیں تھیں اور عریج انہیں دور سے ہی دیکھ کر مسکرا دی تھی۔عانیہ پھولوں کا بکے لیے اس کے قریب پہنچی تو وہ اٹھ کر اس سے گلے ملی اور اس کے ہاتھوں سے پھولوں کا گلدستہ لے لیا۔وہ تینوں بھی باری باری اس سے ملیں اور کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد سٹیج سے اتر آئی تھیں۔ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔کچھ دیر بعد وہ سٹیج کے پاس ہی کھڑیں تھیں اور حریم عریج کی تصویریں کھینچ رہی تھی کہ ایک مانوس سی آواز عانیہ کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"ایکسکیوز می!" اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور اس نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔اور اس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے مینا کو اپنے سامنے دیکھا۔وہی مینا جو درخشندہ بیگم کی بیٹی تھی اور عانیہ نے اسے یرغمال بنایا تھا۔کچھ دیر وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔مینا اس کی حیرت پر مسکراتی اس کے گلے لگ گئی۔

"مینا؟" اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"شکر ہے آپ نے مجھے پہچان لیا۔کیسی ہیں آپ؟" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"میں تو ٹھیک ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟"

"میں بہت خوش ہوں۔اور میری زندگی میں ساری خوشیاں آپ کی بدولت ہی ہیں۔میں نے اللہ سے اتنی دعائیں کیں تھیں کہ میں پھر آپ سے ملوں اور دیکھیں کتنی جلدی میری دعا قبول ہو گئی۔"خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔حریم بھی اس کی آواز سن کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے مینا؟"حریم کی آنکھوں میں وہ تمام منظر گھوم گئے جب وہ مینا کو یرغمال بنا کر وہاں سے بھاگی تھیں۔اس نے تو یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ دوبارہ کبھی ان کی ملاقات مینا سے ہو جائے گی۔

"ہاں میں۔"وہ خوشی سے چہکی۔

"آپ یہاں کیسے؟"

"مہرین کے بھائی کی شادی پر آئی ہوں۔"مہرین حمزہ کی بہن تھی۔مینا عذیر سے شادی کے بعد یونیورسٹی جانے لگی تھی اور وہاں مہرین سے دوستی ہوئی تھی۔اب وہ عذیر کے ساتھ اس کے بھائی کی شادی پر آئی تھی۔

"آپ مہرین کی دوست ہیں؟"

"ہاں۔وہ میری یونی فیلو ہے۔"

"ہمارے جانے کے بعد وہ لڑکا تمہاری مدد کرنے آیا تھا جس کا تم ذکر کر رہی تھی؟"عانیہ نے پوچھا۔

"ہاں عذیر۔اب وہ میرے ہزبینڈ ہیں۔"مینا نے بتایا تو عانیہ کو دلی خوشی ہوئی۔پھر مینا نے انہیں اپنی ساری کہانی بتائی کہ کیسے اس کی ملاقات عذیر سے ہوئی تھی۔حدیقہ اور رینم جوان سے دور کھڑیں عریج کی تصویریں لینے میں مصروف تھیں انہیں کسی لڑکی سے باتیں کرتے دیکھ کر ان کی جانب آ گئیں اور عانیہ نے ان دونوں سے مینا کا تعارف کروایا۔عریج کچھ دیر تو ایک جگہ ٹک کر تصویروں بنواتی رہی پھر اکتا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سٹیج سے اتر کر عانیہ کے قریب آ گئی۔

"عریج تم دلہن ہو۔ اور تمہارا کام وہاں بیٹھ تصویریں کھنچوانا ہے۔" عانیہ نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر نصیحت کی جس پر عریج نے منہ بنایا۔

"ایک جگہ بیٹھنا مجھے بہت بورنگ لگ رہا ہے۔ یہاں تم لوگ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہو اور میں وہاں چپ بیٹھی رہوں۔ یہ میرے بس کا کام نہیں ہے۔" وہ بولی تو سب ہنس پڑیں۔ پھر وہ وہیں کھڑی ان سے باتیں کرنے لگی اور دولہے کے پاس اس کے دوست بیٹھ گئے۔

حریم نے دور کھڑے سمیع کی طرف دیکھا جو اس کے دیکھنے پر جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل گیا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ کتنے دنوں سے وہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس سے بات نہیں کر پایا تھا اور فون پر کوئی میسیج یا کال بھی نہیں کی تھی۔ اب تو اس کا بھی دل کر رہا تھا اس کی آواز سنے۔

کچھ دیر بعد عریج اور حمزہ کا نکاح پڑھایا گیا اور پھر انہیں کپل ڈانس پر مجبور کیا گیا۔ ایڈ شیر ان کا گانا پرفیکٹ سپیکرز میں گونجنے لگا اور وہ دونوں ڈانس کرنے کیلئے ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ کچھ اور کپلز ان کے گرد دائرے کی شکل میں ڈانس کرنے لگے۔ حریم جو مسلسل سمیع کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کر رہی تھی تھوڑی دیر تو انجان بنی رہی پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دیکھا۔ اور وہ گڑبڑانے کی بجائے سر جھکا کر مسکرا دیا۔ پھر اسے دیکھا تو حریم نے اسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ حیران ہوا۔ لیکن حیرانی میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا سو مسکرا کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ بلیک سوٹ میں ملبوس وہ پہلے سے زیادہ ہینڈسم اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ حریم نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیں۔

"جی میم آپ کو کوئی کام تو نہیں مجھ سے؟" اس نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا تو حریم نے ہنسی چھپائی۔

"تم مسلسل مجھے گھور کیوں رہے تھے؟" وہ بھی کسی میڈم کی طرح رعب جماتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نو میم۔ آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی سوری" وہ عاجزی سے بولا تو حریم ہنس پڑی تھی۔ اور وہ اس کی ہنسی کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ حریم نے غصے سے اسے گھورا۔

"اب بھی کہو یہ غلط فہمی ہے۔"

"اچھا بابا مان لیا میں تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تمہارے سامنے ہونے سے اور کچھ نظر جو نہیں ہوتا۔ بس یا کچھ اور بھی سننا ہے۔ آئی لو یو بھی کہہ دوں کیا؟" وہ تو شروع ہی ہو گیا اور حریم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ دونوں ایک جانب الگ کھڑے تھے۔

"چپ کرو کیا کہے جا رہے ہو؟"

"کیا کہہ رہا ہوں میں؟..... ویسے ایک بات تو میں نے تمہیں بتائی ہی نہیں۔"

"وہ کیا؟"

"تم آج بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔" وہ اس کے قریب ہوتے بولا تھا۔

"سمیع میں نے کوئی چیز اٹھا کر تمہارے سر پر مار دینی ہے۔" وہ جھینپ مٹانے کو خفگی سے بولی۔ سمیع ہنس دیا۔

"ارے میں تمہاری تعریف کر رہا ہوں اور تم غصے ہو رہی ہو۔ یہاں پر کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو میرے ایک نظر دیکھنے کی منتظر ہیں۔ اگر میں ان سے تھوڑی بات کر لوں تو وہ خوشی سے پاگل ہو جائیں اور تم ہو کہ جسے میری کوئی قدر ہی نہیں۔"

"تو پھر ان لڑکیوں کے ہی پاس جاؤ"

"سچ میں چلا جاؤں۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا تو حریم نے لب بھینچ کر اسے غصے سے گھورا۔

"اچھا نہیں جا رہا۔ تم بھی عجیب لڑکی ہو۔ نہ پاس آنے دیتی ہو نہ دور جانے دیتی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا گھمبیر لہجے میں بولا تو وہ نظریں چرا گئی۔ اس جدائی کی وجہ بھی تو نہیں بتا سکتی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ میں بہت مجبور ہوں۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

"میرے پاس اس مجبوری کا ایک حل ہے۔" وہ رازداری سے بولا تو حریم کو حیرانی ہوئی۔

"کیا؟"

"تم مجھ سے شادی کرلو۔" اس نے شرارت سے ایک آنکھ دبائی۔ حریم کچھ دیر اسے ہونقوں کی طرح منہ کھولے دیکھتی رہی۔ پھر اس کی دلفریب مسکراہٹ سے نظریں چراتی ادھر ادھر دیکھنے لگی اور ایک جگہ اس کی نظریں ٹھٹکی تھیں۔ سمیع کے پیچھے سے ایک ویٹر ہاتھ میں ٹرے لیے گزرا تھا جس کا نیم رخ اسے نظر آیا تھا۔ اسے شکل کچھ جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی۔ اس ویٹر نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا اور وہ پتھر کی مورت کی طرح وہیں ساکت رہ گئی تھی۔ دل خوف کے باعث رک گیا تھا۔ سمیع اس کے فق ہوتے چہرے کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ کچھ پوچھتا حریم اپنے حواس کھو چکی تھی۔ اور بے ہوش ہو کر گرنے ہی لگی تھی کہ سمیع نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازو میں سنبھال لیا۔ اتنا تو اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ حریم کسی کو دیکھ کر ڈری ہے۔ اسی لیے تیزی سے پیچھے دیکھا تو ایک ویٹر تیزی سے دوسری جانب جا رہا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا سو وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ وہ پھر حریم کی طرف متوجہ ہوا۔

"حریم۔" اس کا گال تھپکتے ہوئے بولا لیکن وہ بے سدھ پڑی تھی۔ وہ حیران تھا کہ اس ویٹر کو دیکھ کر حریم اتنا ڈر گئی کہ بے ہوش ہی ہو گئی۔ لیکن ابھی حیران ہونے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا تو سب لوگوں کی توجہ ڈانس کرتے جوڑوں کی طرف تھی۔ اندھیرا بھی پھیل چکا تھا۔ اور اس کے پیچھے دائیں جانب گیلری تھی جس میں اس کے کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی۔ وہ اس کے بے ہوش ہونے پر اتنا پریشان تھا کہ کچھ سوچے سمجھے بغیر جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور گیلری کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے تھا جو کھلی ہوئی تھی اور اس نے شکر کیا تھا۔ اگر وہ سیدھے راستے سے اسے اٹھا کر لے کر آتا تو یقیناً کسی نہ کسی کی نظروں میں آ

جاتا۔اس لیے اس نے یہ راستہ منتخب کیا تھا۔ آدھ کھلی کھڑکی کو پہلے اس نے پورا کھولا پھر اندر کود گیا۔ حریم کو اپنے بیڈ پر لٹایا اور پاس پڑے جگ سے پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور کچھ دیر خالی خالی نظروں سے اپنے سامنے بیڈ کے کنارے پر بیٹھے سمیع کو دیکھتی رہی۔

"حریم کیا ہوا تھا تمہیں؟"وہ متفکر سا پوچھ رہا تھا۔ حریم کو پھر سے اس ویٹر کی شکل یاد آئی جو اسے دیکھ کر سفاکی سے مسکرایا تھا۔وہ چیخ مارتی اٹھی اور سمیع کے سینے سے لگ گئی۔

"مم.....مجھے بچالو سمیع.....وہ.....وہ مجھے مار دیں گے۔"اس نے سسکیاں لیتے ہوئے بمشکل کہا تھا۔اس کا سارا جسم کانپتے ہوئے پسینے میں شرابور ہو چکا تھا اور سمیع کو پہلے ہی اس کی حالت سے پریشان تھا اس کی بات پر مزید پریشان ہو گیا۔

"کون؟"وہ اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بولا تھا۔

"وہ....عدنان۔وہ مجھے مار دے گا۔"وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے رو رہی تھی اور سمیع،عدنان کے نام پر ٹھٹکا تھا۔ کہیں اس ویٹر کا نام عدنان تو نہیں تھا لیکن حریم اسے کیسے جانتی تھی اور اس سے اتنا کیوں ڈر رہی تھی۔اور ابھی حریم کی حالت اتنی بری تھی کہ وہ اس سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا حریم۔میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ڈرو نہیں اور رونا بند کرو۔"وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بولا تو حریم کو کچھ حوصلہ ہوا۔کچھ دیر بعد اس کی سسکیاں رکیں تو اسے گردوپیش کا کچھ ہوش آیا۔ایک دم سے پیچھے ہٹ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"میں کہاں ہوں؟"وہ حیرانی سے بولی۔

"میرے کمرے میں۔"

"کیا؟"وہ حواس باختہ سی بولی۔

"تم مجھے یہاں کیسے لے آئے؟"

"اٹھا کے لے کر آیا ہوں اور کیسے؟"

"اف سمیع اگر کوئی دیکھ لیتا تو....؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ اگر عدنان نے اسے دیکھ لیا ہوا تو۔ آگے جو کچھ ہونے والا تھا وہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھی۔

"کسی نے نہیں دیکھا۔ میں کھڑکی سے تمہیں اندر لایا تھا۔" اس نے تسلی دینے کی کوشش کی تو حریم نے کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں سے گھر کا پچھلی دیوار نظر آرہی تھی۔

"عدنان نے دیکھ لیا ہو گا۔ اب وہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔" اس کے لب کانپ اٹھے تھے۔

"میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ ٹرسٹ می۔" اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا لیکن حریم جانتی تھی اس کے گھر والے سمیع کو بھی نقصان پہنچا سکتے تھے۔

"مجھے باہر جانا ہے۔" وہ تیزی سے کہتی اٹھی اور سمیع تاسف سے اسے دیکھنے لگا۔

"اور تم اب اس وقت تک مجھ سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش مت کرنا جب تک میں تم سے نہ کہوں۔" وہ سختی سے بولتی کھڑکی کی جانب بڑھی لیکن سمیع نے اس کی کلائی پکڑ لی اور وہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف پلٹی۔

"کیا مجبوری ہے تمہیں؟....بتا کیوں نہیں دیتی تم؟ تمہاری حالت کو دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔ محبت کرتا ہوں تم سے اور جاننا چاہتا ہوں تمہیں کیا پریشانی ہے۔ کن لوگوں سے خطرہ ہے تمہیں؟" وہ اس کے دونوں بازو پکڑے غصے سے پوچھ رہا تھا۔ حریم کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر تلخ سا مسکرا دی۔

"میرے گھر والے......ان سے خطرہ ہے مجھے۔" اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے اور سمیع ششدر رہ گیا تھا۔

"کیا؟"

"ہاں میں ایک اغواشدہ لڑکی ہوں۔" سمیع کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"اب تم بھی مجھے چھوڑ دو گے۔ہے نا۔" وہ اس کی حیرت کو دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی۔

"ایسا سوچنا بھی مت۔" وہ خفا ہو گیا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں تم مجھے چھوڑ دو۔میرے کزن نے مجھے دیکھ لیا ہے اور وہ میرے گھر والوں کو ضرور بتائے گا۔آگے تم جانتے ہو پھر کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا اور میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔تم اغوا ہوئی تھی۔گھر سے بھاگی تو نہیں تھی نا۔" وہ اسے تسلی دینے لگا۔

"یہ بات تو صرف میں جانتی ہوں نا۔میرے گھر والے تو نہیں جانتے کہ میں اغوا ہوئی تھی بلکہ انہیں لگتا ہے میں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہوں۔ہمارے خاندان میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی سزا موت ہے۔"

"نہیں میں تمہیں نہیں مرنے دوں گا۔اور پیرنٹس اتنے ظالم تو نہیں ہو سکتے کہ بیٹی کو صفائی کا موقع دیے بنا قتل کر دیں۔تم کچھ زیادہ ہی مایوس ہو چکی ہو اور خوامخواہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔"

"وہ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ ظالم ہیں۔ایک دفعہ میرے تایا کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی تھی۔میرے بابا اور تایا جان نے اسے ڈھونڈنے کی لیے بہت کوششیں کیں اور ایک مہینے بعد ڈھونڈ لیا تھا۔اس وقت وہ شادی کر چکی تھی۔پھر جانتے ہو اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔اسے اور اس کے شوہر کو واپس لا کر سارے خاندان کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا۔میرے بابا خود اس کام میں پیش پیش تھے۔اب اگر بابا نے مجھے ڈھونڈ لیا تو میرا انجام بھی موت ہو گا۔عدنان نے تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیا ہے اس لیے اب تمہاری جان بھی خطرے میں ہے۔تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اور پلیز مجھ سے دور رہو۔" وہ اپنے بازو چھڑاتے ہوئے بولی لیکن سمیع کی گرفت مضبوط تھی۔

"نہیں رہ سکتا دور۔ میری بات بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں جتنی میری فکر ہے اتنی مجھے بھی تمہاری فکر ہے۔ اپنی جان بچانے کی خاطر تمہیں چھوڑ دوں اور وہ آسانی سے تمہیں لے جا کر قتل کر دیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا انہیں تمہاری بے گناہی کا یقین دلا سکوں اور اگر تمہیں بچانے کیلیے ان سے لڑنا پڑا تو لڑوں گا۔" وہ پختہ عزم کے ساتھ بولا تھا اور حریم اس کے خلوص بھرے لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اجنبی لڑکا پتہ نہیں کب اس کا اپنا بن گیا تھا کہ جو اس پر یقین رکھتا تھا۔ اسے بچانے کیلیے اس کے گھر والوں سے بھی لڑنے کیلیے تیار تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ اس کے سینے سے سر ٹکا کر پھر سے رونے لگی تھی۔

"ہمت سے کام لو بلی۔ تمہیں زندہ رہنا ہے..... میری خاطر۔ چلو شاباش رونا بند کرو اور مجھے ساری بات بتاؤ۔ تم کیسے اغوا ہوئی تھی؟" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ حریم نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ کیسے عدنان نے اسے اغوا کروایا تھا اور وہاں سے عانیہ نے اسے کیسے بچایا تھا۔ وہ اغوا ہونے کے باوجود پاک دامن تھی۔ سمیع نے یہ جان کر اللہ کا ڈھیروں شکر ادا کیا تھا۔

"اس عدنان سے تو میں خود نمٹ لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔ اور ڈرنا بھی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ بولا تو حریم پھیکا سا مسکرا دی۔

"تم اداس بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔ شیشے میں شکل دیکھو۔ پورے بارہ بج گئے ہیں۔" وہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کیلیے بولا تو اس نے بے اختیار دائیں طرف ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا جہاں ان دونوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور حریم یہ دیکھ کر جلدی سے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ سمیع نے ہنسی چھپائی۔

"ارے تھوڑا پاس تو آؤ بلی۔ دیکھنے تو دو ہم ساتھ کھڑے کیسے لگتے ہیں۔" وہ اس کو بازو سے پکڑ اپنی طرف کھینچتا شرارت سے بولا تھا۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہے۔" وہ اسے غصے سے گھورتے ہوئے بولی۔

"ایک تو تم ٹینشن بہت لیتی ہو یار۔"

"میں جا رہی ہوں۔" وہ تیزی سے بولی۔

"ارے رکو تو۔ پہلی دفعہ میرے گھر...... نہیں بلکہ میرے کمرے میں آئی ہو تو خالی ہاتھ جاتے اچھی نہیں لگتی۔" وہ اسے دوبارہ بازو سے پکڑ کر روک چکا تھا۔ پھر اپنے سائیڈ ٹیبل کی جانب بڑھ گیا اور جب وہ واپس اس کی طرف پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک نازک سا بریسلٹ تھا۔

"یہ کس کا ہے؟" وہ مشکوک لہجے میں بولی۔

"شک نہ کرو بلی۔ تمہارے لیے عید کا تحفہ لیا تھا لیکن موقع ہی نہیں ملا تمہیں دینے کا۔" وہ اس کی کلائی میں بریسلٹ پہناتے ہوئے بولا تھا اور وہ مبہوت سے اس بریسلٹ کی خوبصورتی دیکھ رہی تھی۔ وہ سونے کا بریسلٹ تھا جس پر تین ننھے سے ڈائمنڈ لگے ہوئے تھے۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کیا تم بہت امیر ہو؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ وہ تو شروع سے ہی امیر شوہر کے خواب دیکھا کرتی تھی۔

"ہاں۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"ویسے ہی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔ پھر بریسلٹ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"میری چھوٹی سی بلی۔" وہ اس کی ناک پکڑتے ہوئے بولا تو اس نے منہ بنا کر رہ گئی

-----------------------------------

عریج کی رخصتی ہوتے ہی مہمانوں کی تعداد کم ہوئی اور سمیع نے سب ملازموں کو لائن میں کھڑا کر لیا۔

"تم میں سے عدنان کون ہے؟"اس نے رعب سے پوچھا تو سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ سمیع کو سمجھ آگئی کہ عدنان بھاگ گیا ہے۔

"سر وہ ابھی تو یہیں تھا۔"ایک نے ڈرتے ہوئے کہا۔وہ اس کا دوست تھا۔اسی کے ساتھ سرونٹ کوارٹر میں رہتا تھا اور اس کی کافی بات چیت ہوتی رہتی تھی عدنان سے۔

"کسی کو پتہ ہے وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟"

"جی سر۔"اس نے کہا اور ایڈریس بتانے لگا۔یہ ایڈریس کراچی کا ہی تھا جبکہ حریم نے بتایا تھا کہ وہ لوگ لاہور میں رہتے تھے۔ سمیع نے ان سب کو جانے کے لیے کہہ دیا۔

"بیٹا ان سب کو کیوں بلایا ہوا تھا یہاں؟"ماما نے فکر مندی سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر ٹال دیا اور ملازم کے دیے گئے ایڈریس پر چلا گیا لیکن عدنان وہاں بھی نہیں تھا۔اسے حریم کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ جس طرح وہ ڈری تھی یقیناً وہ حالات کی سنگینی سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ایک ہی حل تھا کہ عدنان کو ڈھونڈا جائے۔اگر وہ حریم کے گھر والوں تک پہنچ جاتا تو وہ لوگ بہت جلد حریم کو ڈھونڈنے آسکتے تھے۔لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اب تک وہ اس کے گھر والوں کو بتا بھی چکا ہو۔چلو یہ بھی ایک حساب سے ٹھیک ہی ہو گا۔اس نے سر جھٹک کر سوچا۔ کبھی نہ کبھی تو حریم کو اپنی فیملی سے ملنا ہی تھا۔اور اب اس کے ہوتے ہوئے وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے تو مل لینے میں کیا حرج تھا۔اسے تو ویسے بھی کوئی ڈر نہیں تھا۔اس کا باپ ڈی آئی جی تھا۔وہ خود آرمی میں تھا۔اس کیلیے حریم کی حفاظت کرنا مشکل نہیں تھا لیکن ساری بات قسمت کی ہوتی ہے۔وہ اپنی قوت پر مطمئن تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ قسمت بہت جلد اس کی محبت کا امتحان لینے والی تھی۔

------------------------

سمیع نے اسے تسلی تو بہت دی تھی لیکن وہ ابھی تک ڈری ہوئی تھی۔اب اس کے ساتھ ساتھ سمیع کی جان کو بھی خطرہ تھا۔عدنان نے اسے سمیع کے گھر دیکھا تھا اس لیے اس کے گھر والے اسے وہیں ڈھونڈنے آئیں گیں۔اور پھر کیا ہو گا یہ بہت پریشان کن تھا۔وہ بریسلٹ کو کلائی میں گھماتے ہوئے سوچوں میں گم تھی کہ عانیہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔عانیہ نے اس کی پریشانی محسوس کر چکی تھی لیکن سب کے سامنے پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔اب وہ اسی کے متعلق بات کرنے آئی تھی۔

"آپی..!"وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا حریم؟"وہ پریشان ہو گئی۔

"وہ.....عدنان نے مجھے دیکھ لیا ہے۔"

"کون عدنان؟......ایک منٹ وہ تمہارا کزن تو نہیں جس نے تمہیں اغوا کروایا تھا؟"وہ حیرت سے بولی تو حریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں دیکھا ہے اس نے تمہیں؟"اس کا لہجہ نارمل تھا۔جو بات حریم کیلیے اتنی پریشانی کا باعث تھی عانیہ کے نزدیک اس کی ذرا بھی اہمیت نہیں تھی۔اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"سمیع کے گھر۔پارٹی پر۔میں اس وقت سمیع سے ہی بات کر رہی تھی کہ اس کے پیچھے میں نے ایک ویٹر کو دیکھا۔وہ عدنان ہی تھا۔اور اسی سفاکی سے مسکرایا تھا جیسے پہلے مجھے دیکھ کر مسکراتا تھا۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔وہ میرے گھر والوں کو بتا دے گا اور وہ مجھے مار دیں گے۔"

"نہیں۔میرے خیال سے وہ تمہیں نہیں ماریں گیں۔"عانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو حریم نے چونک کر اسے دیکھا۔اتنا تو جانتی تھی کہ عانی آپی کچھ غلط نہیں کہہ سکتیں۔

"دیکھو عدنان نے تمہیں اغوا کیوں کروایا تھا؟.... اسی لیے نا کہ بعد میں تم سے کوئی شادی نہ کرے اور وہ تمہارے گھر والوں پر احسان کرتے ہوئے خود کو تم سے شادی کیلیے پیش کر دے۔"

"لیکن وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ میرے بابا بہت سخت ہیں۔ اگر میں دوبارہ گھر گئی تو بابا اس کا احسان لینے کی بجائے مجھے مار دینا بہتر سمجھیں گے۔ اور اگر بابا نے اس کا احسان لینے کی کوشش بھی کی تو میں مرنے کو ترجیح دوں گی" ایک انجانا سا خوف اس کی آنکھوں میں سمایا ہوا تھا۔ جیسے کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔ اگر ایک دفعہ بھی بابا اس کے پاس پہنچ جاتے تو اس کی موت یقینی تھی۔ اول تو بابا اسے معاف کر دیں یہی مشکل ہے اور اگر انہوں نے معاف کر بھی دیا تو اسی شرط پر کریں گے کہ اس کی شادی عدنان سے کروا دیں تا کہ ان کی عزت بچ رہ سکے۔ اور وہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ وہ سمیع کی بجائے کسی اور کی ہو جائے۔ اس سے بہتر تھا وہ موت کو گلے لگا لیتی۔

"لیکن اگر وہ تم تک پہنچیں ہی نہ پھر؟ یہ ساری باتیں تو بعد کی ہیں نا۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔ وہ یہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔" عانیہ نے اسے تسلی دی۔

"مجھے اپنی فکر نہیں رہی اب۔ میرے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ لیکن اصل ڈر اس بات کا ہے کہ عدنان، سمیع کو میرے ساتھ دیکھ چکا ہے۔ اور اس شیطانی زہن کے آدمی سے کچھ بھی بعید نہیں۔ وہ میرے بابا کو یہ بھی بتا سکتا ہے کہ میں سمیع کے ساتھ بھاگی تھی اور اس طرح اس کی جان خطرے میں آ سکتی ہے۔ بابا مجھے ڈھونڈنے کیلیے سمیع کے گھر ہی جائیں گے اور وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے لیے ان سے لڑوں گا۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔ اس سے پہلے کہ وہ سمیع تک پہنچیں مجھے خود کو بابا کے سامنے پیش کر دینا چاہیے۔" وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

"سمیع کو تم نے کچھ بتایا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے سب بتا دیا۔"

"یہ اچھا کیا ہے تم نے۔اب ایک طرح سے تم اس کی امانت ہو اور اپنی چیز کی حفاظت کرنا اس کا حق ہے۔اسے بھی یہ پتہ ہونا چاہیے کہ تمہیں کیا مسلہ ہے اور تمہیں اپنی فیملی سے خطرہ ہے۔اور تم اس کی فکر مت کرو۔اس کے پاس اتنی پاور ہے کہ وہ تمہاری فیملی کا مقابلہ کر سکے۔ تمہیں اس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" عانیہ نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"وہ بھی یہی کہتا ہے۔یہ احساس کتنا خوبصورت ہوتا ہے نا جب کوئی آپ کیلیے ساری دنیا سے لڑ جائے۔آپ کیلیے پریشان ہو اور آپ کی ہر بات پر یقین کر لے۔شاید اسے ہی محبت کہتے ہیں۔اگر میں اپنے گھر والوں کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کروں تو میں جانتی ہوں وہ یقین نہیں کریں گے لیکن سمیع نے میری ہر بات کا یقین کیا۔میں جو ساری زندگی ماں باپ کی محبت کو ترستی رہی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی شخص مجھ سے اتنی زیادہ محبت کرے گا۔یہ دیکھیں اس نے مجھے کیا دیا" وہ مسکرا کر بولی اور عانیہ بریسلٹ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔اس کی قدر کرنا۔اور اس کا کہنا بھی ماننا۔" عانیہ نے اس کے چہرے کو پیار سے تھپکتے ہوئے کہا تھا۔

"میں اس کیلیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں لیکن بس اس کو محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ اب بھی پریشان تھی۔

"پریشان مت ہو اللہ بہتر کرے گا۔" اس نے کہا۔حریم اب اللہ سے دعائیں مانگنے لگی تھی کہ سمیع کو کچھ نہ ہو۔اسے اب اپنی زندگی کا کوئی ڈر نہیں رہا تھا۔کیونکہ اب اس کی زندگی کی وجہ سمیع تھا۔

-----------------------------------

جب حریم اچانک ہی گھر سے غائب ہوئی تھی تو کمال احمد سخت غصے میں آ گئے تھے۔ان کے ذہن میں یہی تھا کہ حریم گھر سے خود کسی کے ساتھ بھاگی ہے اور یہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی کہ اسے گھر سے بھاگنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔عدنان جو اسے ناپسند تھا اسے اس کے باپ نے ریجیکٹ کر دیا تھا۔پھر اسے کونسی پریشانی آ

پڑی تھی کہ وہ اچانک غائب ہو گئی۔ البتہ یہ بات حسیب کے ذہن میں کھٹکی تھی اور اس نے بابا کو اس نقطہ نظر سے سمجھانا بھی چاہا تھا لیکن وہ اشتعال میں اسی پر برس پڑے کہ حریم کو بگاڑنے میں سارا قصور اس کا ہے۔ غزالہ کو تو مار مار کر بے ہوش کر دیا لیکن غصہ کم نہ ہوا۔ باقی چاروں بیٹیوں کی بھی سختی آ گئی۔ ان پر بے جا پابندیاں لگا دیں اور وہ سب جو پہلے ہی ان پابندیوں پر دل برداشتہ تھیں حریم کی وجہ سے اور زیادہ محصور ہو کر رہ گئیں۔ انہیں حریم سے سخت نفرت ہو گئی تھی اور وہ سب حریم کے مرنے کی دعائیں کرنے لگیں تھیں۔ جہالت نے ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی تھی کہ اپنے سوا کوئی اور نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اپنی بہن کی جان کی دشمن بن گئیں تھیں۔ اور تو اور غزالہ حریم کو بددعائیں دینے لگیں تھی کہ اس کی وجہ سے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں۔ جب وہ پاس تھی تو اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ پانچویں بیٹی تھی نا۔ اس کی پیدائش پر کمال صاحب غزالہ پر سخت غصے ہوئے تھے۔ اسی لیے وہ اس سے نفرت کرنے لگی اور کبھی ماں کا پیار اسے نہیں دیا تھا اور اب وہ ان سے دور تھی تو بیٹی کا رشتہ یاد آیا تھا۔ اس کے یوں گھر سے غائب ہونے پر بے عزتی جو ہونی تھی۔ اب اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا تھا انہیں۔ کمال صاحب نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے تمام تر ذرائع سے حریم اور اس لڑکے کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے جس کے ساتھ وہ بھاگی ہے اور اسے سزا کے طور پر قتل کر دیں گے۔ ان کے خیال میں حریم ان کی بیٹی تھی تو وہ جو چاہیں اس کے ساتھ کر سکتے تھے۔ خود کو ہر وقت اچھا مسلمان ثابت کرنے والے کمال صاحب یہ نہیں جانتے تھے کہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور بغیر ثبوت کے کسی پر الزام لگانا بھی گناہ ہے لیکن غصے نے انہیں پاگل کر دیا تھا۔ حریم کو ڈھونڈنے کی کوششیں تیز تر کر دی تھیں۔ حسیب بھی اب حریم کی طرف سے بدگمان ہو گیا تھا اور بہن سے وہ پہلے والا پیار نہیں رہا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ حریم کو قتل نہ کیا جائے۔ اس بات کا اظہار بابا کے سامنے کر تو نہ سکا لیکن اس نے ان ڈائریکٹ طریقے سے کسی حد تک حریم کو بچا ہی لیا تھا۔ اس نے بابا کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ خاندان میں کسی کو بھی حریم کے غائب ہونے کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔ تایا

جان کو بھی نہیں جن کی بیٹی بھاگی تھی اور کمال صاحب ان کی بیٹی کو قتل کرنے میں پیش پیش تھے۔اور رئیسہ پھپھو کو بتانا تو ایسا تھا جیسے پورے خاندان کو بتانا۔سو یہ بات کسی طرح بھی تایا اور پھپھو تک پہنچنے سے روکنی تھی۔۔ایک تو ان کے خاندان کے لوگ ان کے گھر کم ہی آتے جاتے تھے اور جو بھی آیا اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتا دیا کہ حریم اسلام آباد کسی اسلامی جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے گئی ہے۔دانیال تایا اور رئیسہ پھپھو نے بھی پوچھا تو یہی جواب دیا گیا۔اب اگر وہ مل بھی جاتی تو بابا کو اس بات پر راضی کیا جا سکتا تھا کہ ابھی سارے خاندان کو کچھ نہیں پتہ اور حریم کو قتل کرنے سے سب کے سامنے بات کھل سکتی ہے۔اور اس طرح وہ بچ سکتی تھی۔سو سارے خاندان میں یہی بات پھیلی کی حریم کسی جامعہ میں ہے۔لیکن اصل بات عدنان جانتا تھا اور اگر وہ غلطی سے بھی منہ سے حریم کا نام نکالتا تو سارا شک اسی پر جاتا سو چپ رہا۔جن لوگوں سے اس نے مدد لی تھی وہی اس کے ساتھ دھوکا کر گئے تھے۔حریم تو ملی نہیں تھی اب اپنی خیر منانا ہی بہتر تھا۔اس نے تو یہ سوچا تھا کہ دو تین دن حریم کو اغوا کیے رکھے اور بعد میں اسے چھوڑ دے۔پھر کس نے اس کے شادی کرنی تھی۔سو اس کا راستہ صاف ہو جاتا لیکن وہ یہ تو جانتا ہی نہیں تھا کہ کمال صاحب اپنی بیٹی کو مار دیں گے لیکن اس کا احسان نہیں لیں گے۔جب دانیال صاحب کی بیٹی گھر سے بھاگی تھی اور اس کے قتل کا واقعہ ہوا تھا اس وقت غزالہ اپنے بھائی سے ناراض تھی اور رابطہ بھی نہیں تھا سو یہ بات ان تک نہیں پہنچ سکی تھی اسی لیے عدنان بھی نہیں جانتا تھا کہ حریم کو اغوا کر کے اس نے اسے موت کی طرف دھکیل دیا ہے۔

حریم کو ڈھونڈتے سارا مہینہ گزر گیا لیکن اس کا پتہ نہ چلا اور عید سر پر آ گئی۔عید پر تو حریم کو گھر آنا ہی چاہیے تھا نا لیکن وہ جامعہ گئی ہوتی تو چھٹی پر واپس آتی۔کمال صاحب کو ایک دفعہ پھر سخت غصے کے دورہ پڑا تھا اور سارے گھر والوں کی سختی آ گئی تھی۔بیوی اور بیٹوں پر پھر سے تشدد کیا۔بے بسی میں آ کر وہ بیٹے کو طعنے دینے لگتے کہ سب اسی کی غلطی ہے تو کبھی غزالہ کو ڈانٹتے کہ اس نے حریم کی تربیت ٹھیک سے نہیں کی۔سب چپ کر کے ان کی ڈانٹ

پھٹکار سنتے رہتے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ پھر جب ان کا غصہ کسی حد تک ٹھنڈا ہوا تو حسیب نے ڈرتے ہوئے انہیں ایک اور تجویز پیش کی کہ عید پر سب حریم کے بارے میں پوچھیں گے اور ایسے سوالات سے بچنے کا ایک راستہ تھا۔ کمال صاحب چونک اٹھے تو حسیب نے انہیں مشورہ دیا کہ عید کے تینوں دن اگر وہ گھر ہی نہ ہوں تو لوگوں سے سامنا کیسے ہو گا۔ اس کی تجویز کمال صاحب کو بھی اچھی لگی اور پھر عید کے تینوں دن وہ گھر کی بجائے کسی دوسرے شہر میں رہے۔ خاندان والوں نے فون پر پوچھا تو کہہ دیا کہ عید کا موقع تھا اسی لیے وہ اسلام آباد سیر و تفریح کے لیے گئے ہیں۔ سو بچت ہو گئی اور عید کے چوتھے دن بھی وہ گھر نہیں آئے تھے۔ اگر گھر چلے جاتے تو رشتہ دار ملنے ضرور آتے اور ابھی تک حریم کا کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ پریشانی سے ان کا برا حال ہو چکا تھا۔ حریم کو کھل کر ڈھونڈ بھی نہیں سکتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ حسیب نے خفیہ طور پر کوششیں جاری رکھیں تھیں لیکن ابھی تک کوئی رزلٹ نہیں ملا تھا۔

دوسری طرف عدنان آج حریم کو سمیع کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ اور جب وہ اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بے ہوش ہوئی تو سمیع کو آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے دیکھ کر عدنان کے دل میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ لیکن ابھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی۔ وہ ایک معمولی سا ملازم تھا اور سمیع جو مالی اور جسمانی لحاظ سے اس سے زیادہ پاور فل تھا اس لیے اس سے پنگا لینا اپنی جان مشکل میں ہی ڈالنا تھا۔ اور اتنا اندازہ تو اسے ہو ہی گیا تھا کہ سمیع اور حریم کا کوئی نہ کوئی تعلق تو ہے۔ اس سے پہلے کے سمیع اسے پہچان پاتا وہ جلدی سے وہاں سے نکل گیا۔ وہاں ملازمت سے پہلے وہ جس دوست کے گھر ٹھہرا ہوا تھا وہاں سے بھی اپنا سارا سامان اٹھا کر کسی ہوٹل میں آ گیا تھا۔ اب وہ ہوٹل کے ایک کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ حریم کو کس طرح حاصل کرے۔ اکیلا تو وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور اس قابل بھی نہیں تھا۔ دوسرا طریقہ یہی تھا کہ کسی طرح حریم کے گھر والوں کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ اسے گھر لے آئیں لیکن وہ کیسے بتا سکتا تھا اگر انہوں نے اس پر شک کیا تو سارا کام الٹ ہو جانا تھا لیکن ایک

طریقہ تھا۔کچھ سوچ کر اس نے فون نکالا اور کمال صاحب کو فون ملایا۔دوسری دفعہ کال کرنے سے فون اٹھا لیا گیا اور ساتھ ہی سخت کرخت سی آواز سننے کو ملی۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے آئندہ فون مت کرنا لیکن لگتا ہے تمہیں سمجھ نہیں آئی۔"عدنان کو ان کی بے بسی پر ہنسی آئی تھی۔

"ارے پھوپھا جان غصہ چھوڑ دیں۔عید کا موقع ہے۔پرانی باتیں بھول جائیں۔دراصل میں نے آپ سے معافی مانگنی تھی۔حالانکہ میرا جرم اتنا بڑا نہیں تھا۔بس رشتہ ہی تو بھیجا تھا آپ کے گھر اور آپ..... چلیں خیر چھوڑیں یہ بتائیں عید کیسی گزر رہی ہے؟میں آپ سے مل کر معافی مانگنا چاہتا تھا لیکن مجھے پتہ چلا کہ آپ اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔اور اب حریم کو کراچی میں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔آپ تو اسلام آباد میں ہیں تو پھر وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"اس نے چالاکی سے حریم کا ذکر کیا اور اس کی توقع کے عین مطابق کمال صاحب بری طرح چونکے تھے۔وہ تو کب سے حریم کو ڈھونڈ رہے تھے اور اب حریم کا پتہ چلنے پر ان کی حیرت بجا تھی۔

"کک.....کہاں دیکھا ہے تم نے حریم کو؟"وہ بے ساختہ پوچھنے لگے تھے۔ان کے پاس بیٹھے حسیب اور غزالہ بھی حریم کے نام پر چونکے تھے۔

"جن کے گھر میں ملازمت کرتا ہوں وہاں آج شادی کی تقریب تھی۔وہیں آئی ہوئی تھی۔شاید سمیع صاحب نے اسے انوائیٹ کیا ہو کیونکہ وہ تقریب میں انہی سے باتیں کر رہی تھی...."

"سمیع کون؟"ٹھٹک کر پوچھا گیا۔

"ارے وہی جن کا میں ملازم ہوں۔ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا بیٹا سمیع۔وہ تھوڑے بدمعاش اور غنڈے ٹائپ کے بندہ ہے اور حریم کو ان کے ساتھ دیکھ کر مجھے بہت تشویش ہوئی۔لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔آپ کو نہیں پتہ آپ کی بیٹی کہاں آتی جاتی ہے۔کس ملتی ہے؟"اس نے اچھی طرح باور کروا دیا کہ

اب ان کی عزت اس کے ہاتھ میں ہے۔اور کمال صاحب کا سارا رعب طنطنہ ختم ہو گیا۔ حریم کا پتہ تو چل گیا لیکن ساتھ عدنان کو یہ بات پتہ چل گئی تھی۔اب سمجھو سارے خاندان میں حریم کے بھاگنے کی خبر پھیل جائے گی۔وہ شش و پنج میں مبتلا تھے کہ اس کے سوالوں کے کیا جواب دیں حالانکہ اس کی باتوں سے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ حریم کے متعلق مشکوک ہو گیا ہے۔ حسیب بھی ساری بات سن چکا تھا اور جلدی سے فون بابا کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"ہمیں پتہ ہے۔وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ شادی اٹینڈ کرنے ہی کراچی گئی ہے۔" حسیب نے جواب دیا تو دوسری طرف عدنان اس کی چالاکی سے متاثر ہوا تھا۔ بہر حال اس کا جو مقصد تھا وہ حل ہو گیا تھا۔اس نے حریم کا پتہ بتانا تھا وہ بتا دیا تھا ساتھ سمیع کا نام بھی لے دیا تھا۔اب اس کا کام ختم تھا۔ آگے وہ لوگ خود سمیع سے بات کریں اور حریم کو گھر لے آئیں۔اور اسے یقین تھا کہ اگر اب وہ دوبارہ رشتہ بھیجے گا تو کمال صاحب حریم کی شادی اس سے ضرور کر دیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہو گا۔اور یہ ڈر بھی ہو گا کہ وہ کہیں پھر سے نہ بھاگ جائے اس لیے وہ اس بوجھ کو جلد از جلد سر سے اتارنا چاہیں گے۔

"اوہ اچھا۔مجھے تو سخت پریشانی ہوئی تھی کہ وہ اکیلی کیوں ہے۔"

"تم نے اس سے کوئی بات تو نہیں کی؟" حسیب نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میری تو ڈیوٹی تھی اس لے بات نہیں ہو سکی۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں فون رکھتا ہوں۔کوئی دوسری کال آ رہی ہے درمیان میں۔" اس نے جلدی سے کہہ کر فون کاٹ دیا اور بابا کی طرف دیکھا جو اس وقت غصے سے جوار بھاٹا بنے ہوئے تھے۔

"حسیب تم کل ہی کراچی جاؤ اور اس لڑکے تک پہنچو اور جیسے بھی ہو اس سے سب کچھ اگلواؤ۔ وہی ہمیں حریم تک پہنچا سکتا ہے۔ ایک دفعہ حریم گھر پہنچ جائے پھر دیکھنا اس لڑکے کا کیا حال کرتا میں۔ جب تک دونوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے گولیاں ان کے سینے میں نہ ماروں مجھے سکون نہیں ملے گا۔" ان کی آنکھوں میں وحشت مترشح تھی۔

"بابا یہ کام رازداری سے ہو رہا ہے تو ہونے دیں۔ آپ کا غصے میں اٹھایا گیا قدم ساری بات بگاڑ سکتا ہے۔ حریم کو مارنے کی کیا وجہ بتائیں گے سب کو؟"

"تو تم کیا چاہتے ہو میں اس کو ایسے ہی چھوڑ دوں جس نے پورا مہینہ ہماری جان عذاب کیے رکھی۔ گھر سے بھاگ کی ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا اور باہر پتہ نہیں کون کونسے گل کھلاتی رہی ہے اب تک۔" وہ غصے سے کف اڑا رہے تھے۔

"اگر آپ اسے سزا دینا چاہتے ہیں تو مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے زندہ رکھ کر بھی تو سزا دی جا سکتی ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ اب وہ پہلے جیسی محبت تو نہیں رہی تھی اس لیے وہ اب جتنی مشکل میں زندگی گزارتی یا سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا البتہ اس کے مرنے کا دکھ ہونا تھا اسی لیے اسے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن میں اسے سزا تو ضرور دوں گا اور اس لڑکے کو نہیں چھوڑوں گا جس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی اونچے گھرانے کا بیٹا کیوں نہ ہو۔ میں بھی دیکھتا ہوں کتنا بڑا بدمعاش ہے وہ۔" کمال صاحب اپنے علاقے کے ایم پی اے کے دوست تھے اور اسی بات کے غرور میں بدلہ لینا چاہیے تھے لیکن وہ یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ ڈی آئی جی کے کیا اختیارات ہوتے ہیں۔ اور خود سمیع بھی اتنا بچہ نہیں تھا کہ خود کو تھالی میں رکھ کر انہیں پیش کر دیتا۔

ان کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا تو حسیب نے شکر کا سانس لیا۔ غزالہ لاتعلق سی پاس بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی۔ اس کے سامنے اس کی بیٹی کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہو رہا تھا لیکن وہ بیٹی کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ ایسی

بات نہیں تھی کہ وہ شوہر سے ڈرتے ہوئے چپ تھی بلکہ وہ حریم سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ اس کے مرنے یا زندہ رہنے سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔

----------------------------------------

ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی چھٹیاں آج ہی ختم ہوئیں تھیں اور شادی کے معاملات کی وجہ سے وہ اب تک حماد کے کیس پر کام نہیں کر سکے تھے۔ البتہ حماد کی تلاش جاری تھی اور ان کا ارادہ تھا کہ اس سلسلے میں بہزاد شاہ کو انوالو کیا جائے تو حماد بھی پکڑا جا سکتا ہے لیکن بہزاد شاہ پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ حکومت کا بندہ تھا اور اس کی ایک فون کال سے وہ سسپینڈ بھی ہو سکتے تھے اس لیے انہوں نے سوچا کہ بہزاد شاہ کے خلاف پورے ثبوت نہیں مل جاتے اس کے ساتھ نرمی اور طریقے سے بات کی جائے۔ لیکن بہزاد شاہ بھی بڑا تیز نکلا تھا۔ اس سے پہلے کہ بات حماد سے ہوتے ہوئے اس تک پہنچتی اس نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔

مرتضیٰ ملک ابھی پولیس آفس جانے کیلیے تیار ہی ہو رہے تھے کہ انہیں اوپر سے کال آ گئی تھی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ ان کا ٹرانسفر پشاور میں ہو گیا ہے تو انہیں سخت شاک لگا۔ اب وہ بہزاد شاہ کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ اتنی جلد بہزاد شاہ یہ کام کر دے گا۔ اگر وہ کیس کو کورٹ اور میڈیا تک لے جاتے تو پھر بے شک انہیں سسپنڈ بھی کر دیا جاتا انہیں دکھ نہیں ہونا تھا۔ وہ اپنے دوست صفدر علی کو انصاف دلانا چاہتے تھے اور ان کی بیٹی سے وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ مجرموں کو کیفر کردار تک ضرور پہنچائیں گے لیکن اب کچھ بھی ان کے بس میں نہیں رہا تھا۔ غصہ تو بہت آیا لیکن آئی جی صاحب کے سامنے کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ ان کا فون رکھتے ہی انہیں کسی ان ناؤن نمبر سے کال آئی تھی۔

"اسلام علیکم۔" انہوں نے کال اٹھاتے ہی سلام دیا لیکن دوسری طرف سے بہزاد شاہ کی آواز سن کر لعنت بھیجی۔

"وعلیکم السلام۔ کیا حال چال ہیں؟ بیٹی کی شادی کر دی۔ بہت بہت مبارک ہو اور میرا تحفہ کیسا لگا آپ کو؟" بہزاد محظوظ سا ہنستا ہوا بولا۔ مرتضیٰ ملک غصے سے لب بھینچ گئے۔ وہ تو اس سے نرمی سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن اب نرمی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"بہزاد شاہ صاحب۔ کہنے کو تو آپ شاہ ہیں۔ اپنے نام کی ہی تھوڑی لاج رکھ لیں اور کمینگی میں اس حد تک نہ گریں کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ خود کو خدا مت سمجھیں اور اپنے انجام سے ڈریں۔ مجھے ہٹا دینے سے آپ قانون کے ہاتھوں بچ نہیں سکیں گے۔ یہ بات میری یاد رکھیے گا۔" وہ چبا چبا کر بولے تو دوسری جانب قہقہہ گونجا تھا۔

"تقریر اچھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ڈھیٹوں پر ایسی تقریروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور میں ڈھیٹ ہی نہیں طاقتور بھی ہوں۔ سارا قانون میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں آپ کو بڑی آسانی سے سسپنڈ بھی کروا سکتا تھا لیکن میں نے سوچا آپ کی روزی چھیننے سے مجھے کیا ملے گا اس لیے آپ پر ترس کھایا اور ٹرانسفر کروا دیا لیکن آپ مجھ پر ہی غصہ ہونے لگے۔ آپ کو پہلے نہیں پتہ تھا کہ مجھ سے پنگا لینے کا کیا انجام ہو سکتا ہے" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے اس سے بڑا ہمدرد اس دنیا میں کوئی نہیں۔

"جانتا تھا لیکن میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے انجام کی پرواہ کیے بنا مجرموں کو ان کے انجام تک پہنچاتے ہیں۔ آپ کسی خوش فہمی میں مبتلا مت رہیے گا کہ میں آپ کو کھلا چھوڑ دوں گا۔ اس لیے اپنے بچاؤ کا انتظام کر کے رکھیے گا۔ پہلے سے بتا رہا ہوں۔" ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور کال کاٹ دی۔ پھر ایک پولیس آفیسر کو فون کیا اور اسے نئے ڈی آئی جی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ واجد ایس ایس پی تھا اور بہت ایماندار شخص تھا اسی لیے مرتضیٰ ملک کو وہ شخص بہت پسند تھا۔ اب بھی اس نے سعادت مندی سے ان کا حکم مانا اور آدھے گھنٹے تک ساری معلومات فراہم کر دی۔ نئے ڈی آئی جی کا نام ہاشم تھا۔ وہ اسے جانتے تھے اور اس کی بری خصلتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اور یہ بھی جان چکے تھے کہ یہ شخص بہزاد

شاہ کے کہنے پر ڈی آئی جی بنا ہے اور اب حماد والا کیس سمجھو ٹھپ ہی ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے ہار نہیں مانی تھی۔ بہزاد شاہ اور حماد کو انجام تک پہنچانے کے دوسرے طریقے بھی تھے۔

-----------------------------

"ماما اتنی صبح صبح کیوں جگا دیا؟" وہ منہ بناتے ہوئے بولا تھا۔ عمرینہ کے کہنے پر وہاب اسے جگا کر لایا تھا اور توقع کے مطابق وہ غصے میں تھا۔

"بیٹا کل تمہاری شادی ہے اور تم آرام سے سوئے پڑے ہو۔ شادی پر سو کام ہوتا ہے۔ تم دونوں کی شاپنگ رہتی ہے اور دونوں لڑکیوں کے عروسی لباس بھی خریدنے ہیں۔" عمرینہ نے کہا۔

"عید پر انہوں نے اتنی شاپنگ کی ہے اور اب پھر شاپنگ۔" عمیر کا تو سر چکرا گیا۔

"ہاں شادی پر شاپنگ تو ضروری ہوتی ہے نا۔ بس میں اب کچھ نہیں سن رہی۔ جلدی سے ناشتہ کرو اور شاپنگ مال چلنے کی تیاری کرو۔" عمرینہ نے اسے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کرسی پر بیٹھا دیا اور وہاب بھی اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ابھی تو یہ شروعات ہے۔ آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔" وہاب نے مسکرا کر کہا تو وہ سر کھجا کر رہ گیا۔

وہ چاروں تو ناشتہ کر چکی تھیں اور ان دونوں کے ناشتہ کرنے تک شاپنگ مال جانے کیلیے تیار ہو چکی تھیں۔ آٹھ بجے وہ گھر سے نکلے تھے اور ساڑھے آٹھ بجے ایک شاپنگ مال میں پہنچ چکے تھے۔ چاروں لڑکیاں عمرینہ کے ساتھ لیڈیز بوتیک میں چلی گئیں تھیں جبکہ وہ تینوں مردانہ گارمنٹس کی دکان پر گئے تھے۔ عمرینہ نے ریان کو تاکید کی تھی کہ ان دونوں کو خود اچھی سی شیروانیاں خرید کر دے۔ کیونکہ وہ ان دونوں بڑا تھا اس لیے اسے خریداری کا زیادہ تجربہ تھا۔ حالانکہ اس نے پہلے کبھی شادی کی شاپنگ نہیں کی تھی لیکن جو شیروانیاں اس نے ان دونوں کے لیے پسند کی تھیں وہ ان دونوں کو بھی پسند آئیں تھیں۔ اور عمرینہ کو تو کچھ زیادہ ہی پسند آئیں تھیں۔

حدیقہ اور رینم کے لیے بہت سے کپڑوں اور جوتوں کے جوڑے لیے گئے۔ میچنگ جیولری لی گئی۔ مہندی کے لیے مخصوص پیلے رنگ کی خوبصورت فراکیں بھی خریدیں۔ عروسی لباس عانیہ کی ماما کی بوتیک سے لیے گئے تھے۔ گیارہ بجے وہ لوگ گھر پہنچے تو تھکن سے برا حال تھا۔ حدیقہ تو مارے بندھے شاپنگ کرنے کے لیے سب کے ساتھ تھی اور واپس آتے ہی اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی۔ جبکہ رینم ابھی تک عمرینہ کے سامنے سے اٹھ نہیں سکی تھی کیونکہ وہ رینم کے ساتھ لباس کو لگا کر چیک کر رہی تھی کہ اسے کیسا لگتا ہے۔ عمیر سامنے ہی بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا اس لیے وہ شرم سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"عمیر بھائی آپ بتائیں رینم پر کونسا لباس اچھا لگے گا؟" حریم نے عمیر کو بیچ میں گھسیٹا تو عمیر کے ساتھ ساتھ رینم بھی گڑبڑا گئی۔ دونوں کی نظریں پل بھر کے لیے ملیں تھیں اور رینم کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ عمیر نے پھر کپڑوں کی طرف دیکھا تھا جہاں ایک سرخ رنگ کا لہنگا تھا اور ایک براؤن رنگ کا تھا۔ دونوں ہی بہت خوبصورت تھے۔

"اگر ایک ہی پہننا تھا تو دو لینے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے مہارت سے بات بدلی۔

"اف عمیر بھائی کتنے کنجوس ہیں آپ۔ ایک ڈریس برات کے لیے ہے اور دوسرا ولیمے کے لیے ہے۔" عانیہ کہا تو وہ کندھے اچکا کر پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔ اس کا مقصد جواب گول کرنا تھا وہ کر چکا تھا۔ اگر رینم سامنے نہ ہوتی تو وہ پھر بتا ہی دیتا کہ کونسا زیادہ اچھا ہے۔ پھر وہ جلد ہی اٹھ گیا کہیں وہ پھر سے نہ پوچھنے لگیں۔ ریان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہاب بھی اس کے ساتھ تھا۔ عمیر بھی وہیں آگیا اور ان کے چہروں پر سنجیدگی دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"وہی جو ہمارے ملک میں اکثر ہوتا ہے۔" ریان گہری سانس لے کر بولا تھا۔ انکل حیدر نے ابھی اسے فون کر کے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کے ٹرانسفر کا بتایا تھا۔

"کیا؟" وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کی پوسٹنگ پشاور میں ہو گئی ہے۔" وہاب نے بتایا۔

"کیوں؟"

"بہزاد شاہ نے انہیں راستے سے ہٹا دیا ہے تاکہ قانون اس پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ بلکہ اب قانون اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ نیا ڈی آئی جی اس کے ساتھ ہے اس لیے ہم اب قانون کی مدد بھی نہیں لے سکتے۔" ریان بولا۔

"اب پھر کیا ہو گا؟"

"اب مجھے خود ہی نمٹنا پڑے گا۔"

"لیکن تم کرو گے کیا؟" وہ اس کے ارادے جان کر پریشان ہو گیا تھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا نا۔ اگر گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا تھا۔

"تم اکیلے کیا کر سکتے ہو ریان؟ تمہاری چھٹیوں بھی بہت کم رہ گئی ہیں۔"

"میں کر لوں گا۔ ابھی میرے پاس ایک ہفتہ ہے اور تم دیکھنا ان کو تو میں ناکوں چنے چبواؤں گا۔ بس دیا کو اس بات کا پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا ٹرانسفر ہو گیا ہے اور اب میں خود ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔" اس نے پختہ عزم سے کہا اور عمیر کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔

"ارے عمیر زیادہ پریشان مت ہو۔ وہ کر سکتا ہے اسی لیے کہہ رہا ہے نا۔ سوچو اگر عانیہ کو اس بات کا پتہ چل جائے تو اسے کتنا دکھ ہو گا اور اس کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو۔ اگر اس نے خود ہی بدلہ لینے کی ٹھان لی تو دوبارہ کسی مشکل میں پھنس جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے ریان اس مسلے سے خود نمٹے اور پھر ہم دونوں بھی تو اس کا ساتھ دیں گے۔" وہاب نے عمیر کو سمجھایا۔ عمیر نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے لیکن ریان ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ اکیلے تم کچھ نہیں کرو گے۔" وہ بولا تو ریان نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"وقت کم ہے اس لیے مجھے ابھی سے کام شروع کرنا ہے۔ حماد کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں۔ اصل بدلہ تو اسی سے ہی لینا ہے۔ اس لیے پہلے اسے ڈھونڈنا ہو گا۔ میرے خیال سے ایک دفعہ اس کے گھر کو چیک کر لیں ہو سکتا ہے وہ واپس آ گیا ہو یا نہیں آیا ہو تو وہاں سے کوئی سراغ ہی مل جائے گا اس کا۔" ریان نے تجویز پیش کی تو دونوں اس سے متفق ہو گئے۔

-----------------------------------

وہ چاروں اس وقت حدیقہ کے کمرے میں موجود تھیں۔ حریم، رنیم اور حدیقہ کو تنگ کر رہی تھی۔ عانیہ اس کے باتوں پر ہنس رہی تھی۔

"چپ کر جاؤ اب حریم۔ آج ہماری شادی ہو رہی ہے تو کل تمہاری بھی ہو گی۔" رنیم نے اسے دھمکی دے کر چپ کروانا چاہا۔

"جب میری شادی ہو گی میں بھی چپ ہو جاؤں گی۔ فی الحال تم دونوں ہی چپ رہو۔"

"اللہ کرے تمہاری شادی بھی جلد ہو جائے۔ ہمارے تو کان پک گئے ہیں تمہاری باتیں سن سن کر" حدیقہ نے جل کر کہا۔

"فکر مت کرو صرف کل رات تک برداشت کر لو اس کے بعد میری نہیں بلکہ وہاب بھائی کی باتیں ہی سننے کو ملیں گیں۔" اس نے شرارت سے آنکھ کا کونا دبایا۔ اور حدیقہ کے چہرے کے تیور دیکھ کر وہ کھسکنے لگی تھی۔

"بے شرم۔ تم ایسے باز نہیں آؤ گی۔ ذرا ٹھہرو وہیں۔ آج میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ اس کی طرف بڑھی تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ عانیہ اور رنیم ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"میں وہاب بھائی کو بتادوں گی۔ انہوں نے مجھے کہا تھا اگر حدیقہ تمہیں تنگ کرے تو مجھے بتانا۔" وہ گول چکر میں بھاگتے ہوئے بول رہی تھی اور حدیقہ اسے پکڑ نہیں پارہی تھی۔

"جھوٹی۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"اگر یقین نہیں آتا تو خود پوچھ لو ان سے۔" وہ دونوں صوفے کے گرد کھڑی تھیں۔ حدیقہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی اور حریم وہاں سے بھاگ جانے کے چکروں میں تھی۔ دفعتاً حریم کا فون بجا تھا اور سب کی توجہ اس کی طرف ہوئی تھی۔ حریم نے آگے بڑھ کر رائٹنگ ٹیبل سے فون اٹھایا تو سکرین پر سمیع کا نام دیکھا۔ پھر ایک نظر سامنے کھڑی حدیقہ کو دیکھ کر کال پک کرلی۔

"اسلام علیکم۔" وہ حیران تھی کہ سمیع نے اسے کال کیوں کی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو بلی؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"پریشان تو نہیں۔" وہ کل کے واقعے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔"

"وہ میں نے بتانا تھا کہ میں اسلام آباد جارہا ہوں اور تم گھر سے باہر مت نکلنا اچھا۔" آج عریج اور حمزہ کا ولیمہ تھا اور حمزہ اسلام آباد رہتا تھا اس لیے وہ اسلام آباد ولیمے پر جارہا تھا۔ حریم کی طرف سے فکر مند تھا۔

"اچھا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

"اوکے میں رکھتا ہوں پھر۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" اس نے کہہ کر کال بند کردی۔

"کیا کہہ رہا تھا سمیع؟" عانیہ نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا کہ گھر سے باہر مت نکلنا۔"

"ہمم.....ہو سکتا ہے تمہاری فیملی میں سے کوئی تمہیں ڈھونڈنے کراچی آچکا ہو۔" عانیہ نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"حریم کی فیملی؟" حدیقہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے کزن نے کل پارٹی پر اسے دیکھ لیا تھا اسی لیے کل یہ پریشان تھی۔" عانیہ نے بتایا۔

"اوہ۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔" وہ پریشان لہجے میں بولی۔ اسے بھی معلوم تھا کہ حریم کی فیملی اسے ڈھونڈنے کے بعد اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی۔

"یار پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ وہ اتنی آسانی سے تم تک نہیں پہنچ سکتے۔" عانیہ نے حریم کے تاریک ہوتے چہرے کو دیکھ کر کہا تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔ اپنے لیے تو ساری فکریں ختم ہو گئی تھیں لیکن سمیع کی پریشانی لگ گئی تھی۔ لیکن اسے اللہ پر بھروسہ تھا جس سے اس نے سمیع کے لیے رو رو کر دعائیں مانگیں تھیں۔

---

گاڑی اس کشادہ گلی کے سامنے آر کی جس میں حماد کا گھر تھا۔ وہ تینوں گاڑی سے باہر نکلے اور گلی میں داخل ہو گئے۔

"یہ گھر ہے۔" ریان نے ایک بڑے گیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"مجھے نہیں لگتا اندر کوئی ہے۔" وہاب نے کہا۔

"چلو دیکھ لیتے ہیں۔" ریان بولا تو وہ گیٹ سے تھوڑا ہٹ کر دیوار کی جانب آ گئے جہاں اندر کی طرف سے درخت نظر آرہے تھے۔ اگر کوئی اندر ہوتا بھی تو درختوں کی وجہ سے وہ اس کی نظر میں نہیں آسکتے تھے۔ سب سے پہلے ریان دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف دیکھا تو گھر کا لان ویران پڑا تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے دوسری جانب کود گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھی دیوار پھاند کر اس کے پاس آچکے تھے۔ درختوں کی ایک لمبی لائن دیوار کے ساتھ گزرتی گھر کے رہائشی حصے کی جانب جا کر ختم ہوتی تھی۔ وہ تینوں درختوں کے نیچے

سے گزرتے آخر تک پہنچ گئے جہاں دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ساتھ شیشے کی کھڑکی بھی تھی جس سے وہ باآسانی اندر داخل ہو سکتے تھے۔ابھی ریان آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ وہاب نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

"وہ دیکھو سیکیورٹی کیمرہ۔"وہ اوپر کی جانب اشارہ کر کے بولا تو ریان نے چونک کر اوپر دیکھا۔کیمرے کا رخ تھوڑا دوسری جانب تھا اس لیے وہ ابھی تک اس کی نظر میں آنے سے بچے ہوئے تھے۔

"اب کیا کریں؟"ریان جھنجھلایا۔

"میرے خیال سے سیکیورٹی روم بھی یہیں کہیں ہوگا اور اگر وہ لوگ یہاں نہ ہوئے تو کیمرے کے سامنے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔سیکیورٹی روم ڈھونڈ کر فوٹیجز ڈیلیٹ بھی کی جا سکتی ہیں یا سارا نظام بھی فیل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص سیکیورٹی روم میں موجود ہوا تو کام خراب بھی ہو سکتا ہے۔"

"ابھی تک کوئی ہل چل تو نہیں دکھی۔میرے خیال سے یہاں کوئی نہیں۔"عمیر نے کہا۔

"اگر کوئی ہوا تو یہ تو اور بھی اچھی بات ہو گی۔حماد کو ڈھونڈنے میں آسانی ہو گی۔"ریان نے کہا اور آگے بڑھ کر شیشے کی کھڑکی چیک کرنے لگا سلائیڈ دھکیلنے سے وہ کھلتی چلی گئی اور ان کو یقین آ گیا کہ گھر میں کوئی نہیں۔اور یہاں سے کچھ خاص نہیں ملے گا کیونکہ جہاں کھڑکی اتنی آسانی سے کھل سکتی ہے وہاں کوئی اہم چیز نہیں ہو سکتی۔لیکن ایک دفعہ چیک کرنا بھی ضروری تھا۔وہ تینوں آگے پیچھے چلتے سارے اس کمرے سے نکل کر آگے بڑھے اور سارے گھر کو چیک کیا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔کمروں کے دروازوں کا لاک بھی آسانی سے کھول لیا گیا اور ہر الماری چیک کر ڈالی۔کسی پر لاک نہیں تھا اور اندر کوئی چیز بھی نہیں تھی۔وہ لوگ اپنا سارا سامان اپنے ساتھ ایسے لے کر گئے تھے جیسے کبھی دوبارہ یہاں آنا ہی نہ ہو۔اب وہ تینوں سیکیورٹی روم کی طرف بڑھ رہے تھے جسے چیکنگ کے دوران وہ تلاش کر چکے تھے۔

"ایسے لگتا ہے جیسے وہ کبھی یہاں رہے ہی نہ ہوں۔"عمیر نے کہا۔

"سارے ثبوت مٹا کر گئے ہیں۔" ریان تمسخرانہ ہنسا۔

"لیکن سیکیورٹی روم میں سے بھی تو کوئی ثبوت مل سکتا ہے نا۔" وہاب نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"ہاں یار۔" ریان نے چونکتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں سیکیورٹی روم میں داخل ہوئے اور وہاب کمپیوٹر آن کر کے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند ہی منٹ بعد وہ لاک توڑ چکا تھا۔

"یہ سیکیورٹی سسٹم بہت پہلے سے بند پڑا ہے۔ نہ تو ہماری فوٹیجز آئیں ہیں اور نہ ہی کوئی ان کی فوٹیج ہے۔ اور پچھلی فوٹیجز ڈیلیٹ ہیں۔" وہاب نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کا مطلب یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" عمیر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"چلو ایک بات تو پتہ چلی کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔" ریان نے کہا۔

"پھر اب؟" وہاب کمپیوٹر بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کچھ اور سوچنا پڑے گا۔" ریان بولا۔ اپنی موجودگی کے سارے ثبوت مٹانے کے بعد وہ گھر سے باہر نکل آئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وہاب جو مسلسل کچھ سوچ رہا تھا یکدم چونکا۔

"ایک راستہ ہے۔"

"کیا؟" ریان نے جلدی سے پوچھا۔

"عانیہ کے لیپ ٹاپ میں ابھی تک اس آڈیو کی ریکارڈنگ پڑی ہو گی۔ اس سے پتہ چلایا جا سکتا ہے یا اسد کی فون کالز کی ریکارڈنگز بھی اس سلسلے میں مدد کر سکتی ہیں۔"

"چلو دیکھتے ہیں پھر لیکن دیا سے اس کا لیپ ٹاپ کیسے لوں۔ وہ وجہ تو ضرور پوچھے گی۔" ریان بولا۔

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔" وہاب مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ دوستو۔ تم دونوں اس مشکل اور مایوس کن وقت میں میری بہت مدد کر رہے ہو۔" ریان نے احسانمندی سے کہا۔

"ارے یار۔ زیادہ فارمل مت ہو۔" عمیر نے لاپرواہی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

---------------------------

حسیب ابھی ابھی کراچی پہنچا تھا اور ایک ہوٹل میں کمرہ بک کروا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ حریم کو ڈھونڈنے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حریم کے پتے کی صرف ایک ہی نشانی تھی۔ سمیع.....ڈی آئی جی کا بیٹا۔ احتیاط کے باعث وہ ڈی آئی جی کے گھر کا ایڈریس عدنان سے نہیں پوچھ سکا تھا تاکہ اس شک نہ پڑے۔ اب خود ہی ڈھونڈنا تھا اور اس کے لیے یہی کافی تھا۔ اگر وہ ڈی آئی جی کے آفس چلا جائے تو اس سے سمیع کے بارے میں پوچھا جا سکتا تھا۔ یہی سوچ کر وہ ڈی آئی جی آفس کی طرف آ گیا لیکن قسمت بری تھی کہ آج ہی ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا تبادلہ پشاور ہو گیا تھا اور اب ان کی جگہ ہاشم خان آفس میں موجود تھا جو کوئی کام رشوت کے بغیر کرتا ہی نہیں تھا۔

اس نے سیکیورٹی گارڈز سے کہا کہ وہ ڈی آئی جی صاحب سے ملنا چاہتا ہے لیکن چوکیدار نے کوئی دوسری بات سنے بغیر اسے کل آنے کا کہہ دیا کیونکہ ڈی آئی جی صاحب آج بہت مصروف تھے۔ اس نے دو تین دفعہ تو منت کی لیکن وہ نہ مانا کیونکہ اسے اوپر سے یہی حکم تھا سو مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا۔ ابھی کمرے میں آیا ہی تھا کہ بابا کی کال آ گئی۔

"ہاں پتہ چلا کچھ ؟" چھوٹتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں ابھی ڈی آئی جی کے آفس سے واپس آ رہا ہوں۔ چوکیدار نے ملنے ہی نہیں دیا۔ کہہ رہا تھا کل آ جانا۔" اس کی بات پر کمال صاحب کے غصے کا پارہ ہائی ہوا۔

"کچھ پیسے دے کر کام نکلوا لینا تھا تم نے۔" وہ اسے رشوت دینے کی نصیحت کر رہے تھے اور وہ ان کی بات پر کچھ حیران ہوا تھا۔ انہوں نے تو رشوت کو ہمیشہ برا کہا تھا۔

"لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ جیسے بھی ہو حریم کو ڈھونڈو۔ اور میں کوئی ناکامی کی خبر نہ سنوں۔" تنبیہہ کرتے ہی فون بند کر دیا اور وہ پریشانی سے فون کو دیکھ کر رہ گیا۔

---

دوپہر کے کھانے پر سب موجود تھے سوائے حدیقہ اور ریم کے۔ وہ دونوں شرم کے مارے ڈائننگ ٹیبل پر ہی نہ آ سکیں کہ وہاں وہاب اور عمیر سے سامنا ہونا تھا۔ سو دونوں نے کمرے میں ہی کھانا کھایا تھا اور اب حریم کی باتوں سے بچنے کیلیے لیپ ٹاپ پر ڈرامہ لگا کر دیکھنے لگیں تھیں۔ تبھی اچانک حدیقہ کا فون بجا تھا اور وہ حیران ہوئی تھی کیونکہ وہاب کی کال تھی۔ ابھی تک حریم اور عانیہ اوپر نہیں آئیں تھیں۔ سو جلدی سے فون اٹھا لیا۔

"اسلام علیکم۔" وہاب کی گھمبیر آواز اس کے کان میں پڑی تو دل بری طرح سے دھڑکا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر دھڑکنیں سنبھالنے کی کوشش کی اور جب بولی تو آواز کانپی تھی۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیا کر رہی ہو؟" وہاب نے پوچھا تو اس کی نظریں بے اختیار سامنے پڑے لیپ ٹاپ کی سکرین پر پڑیں تھیں۔ اب یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ ریم اس کی حالت پر مسکرا دی۔

"کچھ نہیں۔" ڈرتے ڈرتے جھوٹ بولا۔

"اچھا اس کا مطلب مجھے یاد کر رہی ہو گی۔" وہ شرارت سے بولا۔

"جی نہیں۔ میں تو ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔" وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی جتا کر بولی تو وہ ہنس دیا۔

"اچھا سنو۔ عانیہ کا لیپ ٹاپ چاہیے ریان کو۔ تم مجھے تھوڑی دیر تک میرے کمرے میں دے جانا۔ لیکن عانیہ کو اس بات کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ اوکے۔"

"جی۔" وہ سعادت مندی سے بولتی وہاب کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ وجہ پوچھے بغیر اس کا کہنا مان گئی تھی اور یہ بات وہاب کو بہت اچھی لگی تھی۔

------------------------------------

وہ آنکھوں پر بازو رکھے بیڈ پر نیم دراز تھا جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ تیر کی تیزی سے اٹھا تھا اور ایک ہی لمحے میں دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ جلدی سے دروازہ کھولا لیکن جس کی توقع تھی وہی ہوا تھا۔ لیپ ٹاپ زمین پر پڑا تھا اور حدیقہ اب دور جا چکی تھی۔ وہ اس کی تیزی پر مسکراتا لیپ ٹاپ اٹھا کر ریان کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

"دیا کا لیپ ٹاپ مل گیا؟" وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا اور لیپ ٹاپ اپنی گود میں رکھ لیا۔ ریان بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد لیپ ٹاپ کا لاک کھل چکا تھا۔ ایک فولڈر میں بہزاد شاہ کے ساتھ حماد کی میٹنگ والی ریکارڈنگ اور اسد کی فون کالز کی ریکارڈنگز پڑی تھی۔

"تم اپنا لیپ ٹاپ دو ذرا۔ یہ ریکارڈنگ اس میں ٹرانسفر کر کے سنتے ہیں۔" وہاب نے کہا تو ریان جلدی سے اپنا لیپ ٹاپ لے آیا اور وہاب نے ساری ریکارڈنگز ریان کے لیپ ٹاپ میں ٹرانسفر کر دیں۔ ابھی وہ پہلی ریکارڈنگ لگا کر سننے لگے تھے کہ عمیر بھی وہیں آ گیا تھا۔

کچھ ریکارڈنگز حماد اور اسد کی فون کال کی تھیں۔ کچھ اسد اور اس کے کولیگ کی تھیں اور دو تین اسد اور اس کی بیوی سلمٰی کی تھیں۔ ساری ریکارڈنگ سننے پر بظاہر تو کچھ ہاتھ نہیں لگا تھا لیکن وہاب کچھ سوچ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو اب" ریان نے اس سے کہا۔

"ایک منٹ مجھے یہ نمبرز چیک کر لینے دو۔ اگر آن ہوئے تو لوکیشن معلوم کی جا سکتی ہے۔" وہ تیزی سے چیک کرنے لگا۔ توقع کے عین مطابق حماد اور اسد دونوں کے نمبرز بند تھے۔ اس کا مطلب اسد بھی حماد کے ساتھ غائب تھا۔

"اس کی بیوی کا نمبر چیک کرو۔" عمیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو وہاب نے اس کا نمبر چیک کیا اور خلاف توقع وہ آن تھا۔

"ہم اس کی بیوی کے ذریعے اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ میں اس نمبر کی ساری کال ریکارڈز چیک کرتا ہوں۔" وہاب پرجوش لہجے میں بولا اور کچھ دیر بعد ہی ساری کال ڈیٹیلز اور ریکارڈنگز اس کے سامنے کھلی پڑیں تھیں۔ اسد کا فون نمبر بے شک بند تھا لیکن اس نے کسی اور نمبر سے اپنی بیوی سے رابطہ تو کرنا ہی تھا۔ اٹھائیس تاریخ سے کال ریکارڈز سننا شروع کی جب عانیہ کو گولی لگی تھی اور اس رات سے ہی اسد اور حماد غائب ہوئے تھے۔ پہلی کال سلمیٰ اور اس کے کسی بھائی کے درمیان تھی۔ سلمیٰ کے تینوں بچے اس کے بھائی کے گھر میں تھے اور وہ اس کے بچوں کی شرارتوں سے کافی اکتایا ہوا تھا۔ سلمیٰ نے اس سے منت کی تھی کہ کچھ دن بچوں کو اپنے پاس رکھے کیونکہ اسد ابھی ڈیوٹی پر تھا اور وہ بھی ہسپتال میں پڑی تھی۔ بے بسی اس کے لہجے میں واضح تھی۔ لیکن اس کے بھائی کو اس کی بیماری کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بجائے اس کی مدد کرنے کے بچے بھی لے جانے کا کہہ رہا تھا۔ پھر وہ کچھ دیر اس کی منتیں کرتی رہی اور کال ختم ہو گئی۔ دوسری کال رات کی تھی اور اسد کے نمبر سے تھی۔

"میں نے فون یہ بتانے کے لیے کیا ہے کچھ دن تک میں تم سے رابطہ نہیں رکھ سکوں گا۔ یہ نمبر میں بند کرنے لگا ہوں اس لیے اس پر کال مت کرنا۔" چھوٹتے ہی اسد کی سخت سی آواز سنائی دی۔

"واہ۔ خوب۔ نہ سلام نہ دعا۔ اور فون بھی کس لیے کیا..... یہ بتانے کے لیے کہ تم مجھ سے رابطہ نہیں رکھ سکو گے۔ بھاڑ میں جاؤ تم۔ نہ مجھے اب تمہاری ضرورت ہے نہ میرے بچوں کو۔ تم بس پیسوں کا انتظام کرو۔ مجھے جلد از

جلد بیس لاکھ روپے چاہیں۔ڈاکٹرز نے مجھے آپریشن کے لیے دو ہفتے کی مہلت دی ہے۔اگر دو ہفتے تک میرا آپریشن نہ ہوا تو میں مر جاؤں گی اور میرے بچے اس دنیا میں اکیلے رہ جائیں گے۔خدا کیلیے مجھ پر تھوڑا سا رحم کر دو۔بیس لاکھ دے دو پھر بے شک ساری زندگی پلٹ کر نہ آنا۔" وہ طنز کرتے کرتے اچانک منت پر اتر آئی تھی اور ان تینوں کو اس کا مسلہ سمجھ آ گیا تھا۔

"پیسوں کے لیے ہی سر حماد کے حکم مان رہا ہوں۔اور تم مجھے ہی طعنے مار رہی ہو۔تھوڑا صبر نہیں کرنے ہوتا تم سے۔دیکھو میں تمہیں دو تین بعد خود کال کروں گا اور پیسوں کا انتظام بھی بہت جلد ہو جائے گا۔تم ہمت ہارنے کی بجائے بچوں کا دھیان رکھو۔خدا حافظ۔" اسد نے بھی اس کی کوئی دوسری بات سنے بغیر کال کاٹ دی۔

وہاب نے اگلی کالز چیک کیں جو اسد کی نہیں تھیں۔پھر عید کے دن صبح سات بجے ان ناؤن نمبر سے کی گئی کال اسد کی تھی۔

"میں نے سر حماد سے بات کی ہے لیکن انہوں نے مجھے صاف انکار کر دیا ہے۔میری تنخواہ صرف ایک لاکھ ہے وہ ایک ہی دفعہ مجھے بیس لاکھ نہیں دے سکتے۔ہو سکتا ہے پانچ لاکھ تک مان جائیں لیکن تم فکر مت کرو اپنے ایک دو دوستوں سے بات کی ہے۔ان سے مجھے پازیٹو رسپانس ملنے کی امید ہے۔" اسد نے اپنی بیوی کو اطلاع دی تھی اور کچھ دوسری باتوں کے بعد کال کٹ گئی۔

"دیکھو کتنا عقل مند ہے یہ نمبر چینج کر کے بیوی کو کال کی ہے۔اس کا مطلب انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم ان کی کالز ٹریپ کرنے کی کوشش کریں گیں۔" ریان نے کہا۔

"پچھلا تجربہ بھولا تو نہیں ہو گا انہیں اب تک۔دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔" وہاب نے مسکراتے ہوئے کہا تو ریان بھی مسکرا دیا۔

"اب کیا کر رہے ہو؟"

"یہ نمبر چیک کر رہا ہوں بند ہے یا آن۔" وہ مصرف سے لہجے میں کہہ رہا تھا اور پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

"بند ہے۔ اب اگلی ساری کالز چیک کرتے ہیں۔ شاید اس نے دوبارہ کال کی ہو۔"

"لیکن فائدہ کیا۔ کسی اور نمبر سے کال کی ہو گی اور اب وہ بند ہو گا۔" ریان نے مایوسی سے کہا۔

"دیکھ لیتے ہیں نا۔" وہ کہہ کر چیک کرنے لگا۔ پھر عید کے چوتھے دن ایک اور نمبر سے اسد نے کال کی تھی۔ اس میں بھی اس نے اپنی ناکامی کا تذکرہ کیا تو اس کی بیوی نے اسے دو چار سنا کر کال کاٹ دی۔ یہ نمبر بھی وہاب نے چیک کیا تو بند ملا۔

"حیرت ہے ان لوگوں کے پاس اتنی سمز کہاں سے آتی ہیں؟" عمیر بولا۔

"یہ جرم کرنے میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے۔ کچھ زیادہ ہی احتیاط پسند لوگ ہوتے ہیں یہ" وہاب نے کہا۔

"احتیاط پسند نہیں بزدل کہو۔" حماد کا پتہ نہ چلنے پر ریان کو غصہ چڑھا ہوا تھا۔ وہاب کو اس کے غصے پر ہنسی آئی تھی۔

"ہنسو نہیں۔ آگے دیکھو کوئی اور کال تو نہیں اس کی۔" ریان نے اسے گھور کر کہا۔

"نہیں آگے کوئی نہیں۔ اور پچھلی کال میں ان دونوں کی سخت لڑائی ہو چکی ہے۔ میرا نہیں خیال وہ ایک ہفتے سے پہلے اسے کال کرے گا۔ اور ہم اب ہر وقت اس کی کال کے انتظار میں بھی نہیں بیٹھ سکتے۔"

"میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے۔ تم ایسا کرو یہ پتہ کرو اس کی بیوی کس ہاسپٹل میں ہے۔" ریان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو وہاب اور عمیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تم اس کی بیوی کو اغوا کرنے کا سوچ رہے ہو؟" عمیر ہونقوں کی طرح بولا تو ریان نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں ایسا لگتا ہوں؟" اسے عمیر کی بات پر ہنسی تو آئی لیکن چہرے پر سنجیدگی برقرار رکھے مصنوعی خفگی سے بولا تو عمیر جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا...... تم اصل بات بتاؤ گے تو مجھے کچھ سمجھ آئے گی نا۔" وہ پہلے تو شرمندہ ہوا پھر الزام اس کے سر پہ رکھ دیا تو وہ کھل کر ہنسا۔ عمیر منہ بنا کر رہ گیا اور وہاب مسکرادیا۔

"اچھا بتاؤ تو اس کی بیوی کی لوکیشن ٹریس ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

"ہو سکتی ہے بلکہ میں پہلے سے ہی اس کی لوکیشن جانتا ہوں۔ تم بتاؤ تمارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟"

"حد ہے یار تم بھی مجھ پر شک کر رہے ہو۔ میں نے تو سوچا تھا اس کی بیچاری بیوی زندگی اور موت کے درمیان پھنسی ہے۔ میں اگر اس کی تھوڑی سے مدد کر دوں تو میرا کیا جاتا ہے۔" وہ سکون سے بولا۔

"کیا مطلب تم اسے پیسے دو گے؟" وہاب نے حیرت سے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"لیکن اس سے تمہیں کیا فائدے ہوا پھر؟" عمیر نے پوچھا۔

"مجھے ہی تو فائدہ ہو گا۔"

"کیسے؟" وہاب نے ناسمجھی سے پوچھا تو وہ پراسرار سا مسکرادیا۔ اب وقت آ گیا تھا جب ہیرو اپنے دشمنوں کو ٹف ٹائم دینے والا تھا۔

---

وہ دونوں اس وقت ہاسپٹل آئے ہوئے تھے جہاں اسد کی بیوی سلمیٰ ایڈمٹ تھی۔ ریسیپشن کاؤنٹر سے اس کا کمرہ نمبر پوچھنے کے کچھ دیر بعد وہ دونوں اس کے کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔ دستک دے کر وہ دونوں اجازت کا انتظار کرنے لگے اور اگلے ہی لمحے اندر سے نسوانی آواز آئی تھی۔

"آجائیں۔" وہ دونوں اجازت ملتے ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ پینتیس چھتیس سال کی عورت جو بستر پر نیم دراز تھی اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ پڑ چکی تھیں۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔" ریان نے بڑے پروفیشنل انداز میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

"آپ کا نام سلمٰی اسد ہے اور آپ کو برین کینسر کے آپریشن کے لیے بیس لاکھ روپے چاہیں؟"

"ہ.....ہاں۔ل.... لیکن آپ کون ہیں؟" وہ ہکلائی تھی۔ کیا اللہ نے اس کیلیے مدد بھیج دی تھی۔

"ہم النور ٹرسٹ کی طرف سے آپ کی مدد کرنے آئے ہیں۔" ریان نے کہا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خوشی سے مسکرا پڑی۔

"ہم آپ کو بیس لاکھ روپے دے رہے ہیں لیکن قانونی کاروائی کے طور پر آپ کے ہزبینڈ کو ہم سے ایک دفعہ خود بات کرنی ہوگی۔" ریان نے چالاکی سے کہا۔ سلمٰی کچھ دیر کیلیے پریشان ہوگئی پھر بولی

"میرا ان سے ابھی رابطہ نہیں ہو پا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ مجھے کال کریں گے میں آپ کو ضرور بتاؤں گی۔"

"آپ ایسا کریں ہمارا کارڈ رکھ لیں۔ جب آپ ان سے رابطہ کریں تو انہیں ہمارا نمبر دے دیجیے گا۔ اور کہیے گا وہ ہم سے ایک دفعہ فون پر بات کر لیں۔ پھر آپ کو رقم کا چیک دے دیا جائے گا۔" ریان نے اسے ایک کارڈ دیا جس پر باقاعدہ النور ٹرسٹ پرنٹ تھا اور ساتھ ہی وہاب کا فون نمبر لکھا تھا۔ سلمٰی نے تیزی سے کارڈ پکڑ لیا۔

"م.....مجھے سمجھ نہیں آرہی میں آپ کا شکریہ ادا کیسے کروں۔ میری اتنی بڑی مشکل حل کر دی آپ نے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ صرف دعا ہی دے سکتی ہوں میں۔" وہ احسانمندی سے بولی تو وہ دونوں مسکرا کر خدا حافظ کہتے کمرے سے باہر نکل آئے۔

"واہ یار کیا گیم کھیلی ہے۔" وہاب نے ستائش بھرے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا پھر بولا۔

"اچھا اب سنو۔ وہ اسد کو ہمارا نمبر دے گی اور پیسوں کیلیے اسے ہم سے بات کرنی پڑے گی۔ جب بھی اس کی کال آئے تو تم فوراً اسے میرے حوالے کر دینا۔ میرا کام ہے بات کو طول دینا اور تمہارا کام ہے نمبر کو ٹریس کرنا۔ ٹھیک۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے تیزی سے بتا رہا تھا اور وہاب نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

---------------------------------

عمرینہ کو عمیر سے کوئی کام آپڑا تھا اس لیے وہ ان کے ساتھ نہیں جا سکا تھا۔

"یہ وہاب اور ریان کہاں جا رہے ہیں؟" عمرینہ خاصی مشکوک ہو چکی تھی۔ پہلے بھی وہ تینوں بتائے بغیر کہیں چلے گئے تھے اور پوچھنے پر صاف ٹال گئے تھے۔

"وہاب ریان کو اپنے کسی دوست سے ملانے کے لیے لے گیا ہے اور ان کا ابھی ملنا بہت ضروری ہے۔" اس نے بہانہ بنایا تو عمرینہ کا شک کچھ حد تک دور ہو گیا۔

"اینٹیریئر ڈیزائننگ والے دو آدمی آئے ہوئے ہیں۔ انہیں لے کر اوپر جاؤ اور ٹیرس کے ساتھ ساتھ ہال کی ڈیزائننگ کرواؤ۔" مہندی کا فنکشن ٹیرس پر ہونا تھا اور عمرینہ ڈیزائننگ کرنے والوں کو بھی بلا چکی تھی۔

"اوکے ماما۔" وہ خلاف توقع مان گیا اور ڈرائنگ روم سے ان آدمیوں کو لے کر چھت پر آ گیا۔ چاروں لڑکیاں اس وقت نیچے بیک گارڈن میں موجود تھیں اسی لیے اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ لاشعوری طور پر اس کی نظریں ریئم کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ آدمی اپنا سامان بھی ساتھ لائے تھے اور ٹیرس کے ساتھ ملحق ہال کو سجانا شروع ہو گئے تھے۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ کھڑا انہیں ڈیزائننگ کرتا دیکھتا رہا اور پھر اندر لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔ ریلنگ کے پار نیچے بیک گارڈن میں وہ اسے نظر آئی تھی۔ اس کی پشت اس کی طرف تھی اور لمبے سیاہ بال جوڑے میں باندھنے کے باوجود زمین کو چھو رہے تھے۔ اگر باقی تینوں اس کے ساتھ نہ بیٹھی ہوتیں تو وہ کافی دیر تک اسے دیکھتا رہتا لیکن اب جلدی سے پیچھے ہٹ گیا کہیں حریم یا عانیہ کی نظر پڑ جاتی تو انہوں نے خوب ریکارڈ لگانا تھا اس کا۔ کچھ دیر وہ اوپر رکا تھا پھر کچھ یاد آنے پر وہ تیزی سے نیچے اترا۔ اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا لیکن پیچھے سے سنائی دینے والی پکار سن کر رک گیا۔

"عمیر۔" وہ حنا تھی اور کافی غصے میں تھی۔ وہ حیران ہوتا پلٹا۔

"ارے تم اتنی جلدی آ گئی؟" مہندی کا فنکشن مغرب کی اذان کے بعد شروع ہونا تھا اور ابھی سہ پہر تھی۔ اسی لیے وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟" وہ اس کے سامنے آتی بھڑک کر بولی تو عمیر کی بھنویں سکڑیں۔ وہ واقعی اس کی بات سمجھ نہیں پایا تھا۔

"تم شادی کر رہے ہو؟"

"ہاں تو اور کس کی مہندی پر آئی ہو؟" وہ الٹا تعجب سے پوچھنے لگا۔

"تم جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ ضبط سے بولی۔

"یار مجھے واقعی سمجھ نہیں آ رہی تم مجھ پر غصے کیوں ہو رہی ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"عمیر پلیز تم یہ شادی مت کرو۔ میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ بے حد جذباتی لہجے میں کہہ رہی تھی اور عمیر بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ واقعی وہ صحیح کہہ رہی تھی۔ ساری کزنز میں سے وہ ہی اس سے زیادہ فرینک تھی اور کبھی کبھی ہلکی سی ذو معنی بات بھی کر جاتی تھی لیکن عمیر نے اسے ہمیشہ اپنی بہن سمجھا تھا اس لیے زیادہ نوٹس نہیں لیتا تھا لیکن اب جو انکشاف کھلا تھا وہ بہت پریشان کن تھا۔

"لگتا ہے دماغ پر چوٹ لگ گئی ہے تمہارے۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور وہ جو بڑی آس سے اس کے جواب کی منتظر تھی شاکڈ سی اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے اپنے دل کی بات تمہیں کہی ہے جو میں نے تم سے کتنے سالوں سے چھپا کر رکھی لیکن تمہاری نظر میں میری یہ اہمیت ہے کہ تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو اور وہ کل کی آئی ہوئی لڑکی اہم ہو گئی کہ تم اس سے شادی کر رہے ہو۔" اس کی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ عمیر کو حالات کی سنگینی کا ادراک ہو چکا تھا۔ وہ راہداری کے بیچ کھڑی اونچی آواز میں بول رہی تھی اگر کوئی سن لیتا تو اس کی عزت تو خاک میں مل گئی تھی۔

"دیکھو حنا مجھے غصہ مت دلاؤ۔ اور جاؤ یہاں سے۔" وہ اس کی کسی بات کو بھی خاطر میں نہیں لا یا تھا۔

"ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں۔ کیا آنٹی نے تمہیں اس شادی پر مجبور کیا ہے؟ بتاؤ نا میں خود ان سے بات کر لوں گی۔ لیکن تمہیں یوں کسی اور کا نہیں ہونے دوں گی۔" وہ ابھی اس خوش فہمی میں تھی کہ وہ اس کی مان جائے گا۔

"شٹ اپ حنا۔ کل میری شادی ہے اور میں ماما کی پسند سے نہیں بلکہ اپنی پسند سے شادی کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تمہیں کوئی وضاحت نہیں دینا چاہتا اس لیے بہتر ہو گا خاموشی سے فنکشن اٹینڈ کرو ورنہ گھر جاؤ۔" وہ غصے سے بولا تو حنا کو چپ لگ گئی۔ کچھ لمحے پہلے دل میں عمیر کے لیے جو محبت تھی وہ نفرت میں بدل گئی تھی۔ دل تو کر رہا تھا کہ سب کے سامنے اسے رسوا کر دے۔ دفعتاً اسے راہداری سے رینم نظر آئی تھی جو ادھر ہی کی طرف آ رہی تھی لیکن عمیر اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ حنا نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر آگے بڑھ کر عمیر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ رینم اب قریب آ چکی تھی اور اس منظر کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

"میں جانتی ہوں تمہیں رینم پسند نہیں۔ تم آنٹی کے کہنے پر یہ شادی کر رہے ہو۔ پلیز اس شادی سے انکار کر دو ورنہ ہماری محبت کا کیا ہو گا؟" عمیر ششدر سا اس کی ڈھٹائی کو دیکھ رہا تھا اور لفظ 'ہماری محبت' پر ٹھٹکا تھا۔ کہیں تو کچھ گڑبڑ تھی۔ چھٹی حس نے وارن کیا تو اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اس کی نظریں رینم کی نمی سے جھلملاتی آنکھوں میں اٹک گئی تھیں۔ صاف واضح تھا کہ وہ حنا کی بات سن چکی ہے اور بہت ہرٹ ہوئی ہے۔ عمیر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنی صفائی کا طرح پیش کرے۔ اور حنا تمسخرانہ انداز میں مسکراتی رینم کو دیکھ رہی تھی۔ اگر رینم یہاں نہ ہوتی تو عمیر نے اس کا دماغ ٹھکانے لگا ہی دینا تھا لیکن اب عمیر کو رینم کی فکر کھائے جا رہی تھی جو کچھ دیر آنکھوں میں شکوے لیے اسے دیکھتی رہی تھی اور جب اس نے سر جھکایا تو بے تاب آنسو لڑی کی صورت میں گال پر بہنے لگے تھے۔ پھر وہ تیزی سے اس کے پاس سے نکلتی چلی گئی۔ اور وہ تاسف میں گھرا اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں لگتا اب وہ تم سے شادی کرے گی۔" حنا نے سکون سے اندازہ لگایا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر دانت پیس کر رہ گیا۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں۔" رکھائی سے کہتا وہ اپنے کمرے کی جانب چل دیا تھا۔

-------------------------

مہندی کے فنکشن کے لیے اوپر والا ہال اور ٹیرس سجایا جا چکا تھا۔ ہر طرف موتیے اور گیندے کے پھول لگے ہوئے تھے اور ان کی مہک فضا کو معطر کر رہی تھی۔ شام کے نیلگوں سائے میں ایل ای ڈیز کی جگمگاہٹ جگنوؤں کی مانند دکھ رہی تھی۔

مہمانوں کی آمد ابھی تک جاری تھی۔ وہاب اور عمیر کے کچھ یونی فیلوز بھی آئے تھے۔ حدیقہ کی سب دوستیں بھی آ چکیں تھیں۔ کرن کی شادی کو آج تیسرا دن تھا لیکن وہ شوہر کے ساتھ مہندی کا فنکشن اٹینڈ کرنے آئی تھی۔ عریج کا ولیمہ تھا اس لیے وہ اور سمیع دونوں نہیں آئے تھے جس کی کمی حریم نے شدت سے محسوس کی تھی۔ حدیقہ اور عمیر کے سیکنڈ کزنز بھی آ چکے تھے جن کی تعداد کم از کم پچاس کے قریب تھی اور کچھ کزنز کی شادی بھی ہو چکی تھی اور بہت ساری بھابھیاں بھی موجود تھیں۔ اس کے علاوہ ینگ جنریشن کے والدین بھی آئے ہوئے تھے جنہیں عمرینہ اور حیدر علی کمپنی دے رہے تھے۔ لڑکوں نے عمیر اور وہاب کو گھیر رکھا تھا جو مہندی ہال کے سٹیج پر لگے صوفے پر بیٹھے اپنی دلہنوں کا انتظار کر رہے تھے۔

حدیقہ اور رنیم پیلے رنگ کے لہنگوں میں ملبوس تھیں لیکن ان پر بھی عروسی لہنگے کی طرح کڑھائی کا بھاری کام کیا گیا تھا۔ گلے میں نازک سی جیولری تھی اور بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھ کر اس میں موتیے کے پھول لگائے گئے تھے۔ کامدار دوپٹے کو سر پر پنوں کی مدد سے ٹکائے ایک طرف سے کندھے کے پیچھے سے گزارا گیا تھا جب

کے دوسری طرف سے کندھے کے آگے کیا گیا تھا۔ دونوں کے نرم و ملائم چہروں پر شرم و حیا کی لالی نے ان کے حسن کو مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ ابھی کمرے میں ہی تھیں اور صوفے پر ایک ساتھ سر جھکائے بیٹھیں تھیں۔ دو لڑکیاں انہیں مہندی لگا رہی تھیں۔ عانیہ بے بی پنک کلر کی ایمبرائیڈڈ فراک میں ملبوس رینم کے ساتھ بیٹھی تھی جبکہ کرن حدیقہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ کچھ لڑکیاں ان کے سامنے بیٹھیں تھی اور کچھ صوفوں کے پیچھے کھڑی تھیں۔ حدیقہ تو اتنی ساری لڑکیوں میں اپنی درگت بنتی دیکھ کر گھبرا ہی گئی جبکہ رینم اپنی ہی سوچوں میں گم سب سے بے نیاز بیٹھی تھی۔ آج وہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی تھی کیا وہ سچ تھا؟ یہی سوچ سوچ کر اس کا دل دکھ رہا تھا لیکن ساتھ دل یہ بھی نہیں مان رہا تھا کہ وہ سچ تھا۔ عجیب سی الجھن میں گھری وہ سر جھکائے بیٹھی تھی کہ عانیہ کی آواز پر چونکی تھی۔

"رینم!"

"آں.....ہاں۔"

"کہاں گم ہو یار۔ کب سے سر جھکائے بیٹھی ہو۔ کہیں کچھ خاص تو نہیں سوچ رہی؟" عانیہ اس کا موڈ فریش کرنے کیلیے بولی تو وہ ذرا سا مسکرا دی۔

"بات سنو۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر عمیر کا نام ضرور لکھنا۔" عانیہ نے اسے مہندی لگانے والی لڑکی سے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا جبکہ رینم تو گڑبڑا ہی گئی۔ سب نے عانیہ کی بات سن لی تھی اور وہ شرم سے سر جھکا گئی تھی۔

"پھر تو حدیقہ کے ہاتھ پر بھی وہاب بھائی کا نام لکھنا چاہیے۔" حریم نے مشورہ دیا حدیقہ کو مہندی لگانے والی لڑکی نے اس سے اتفاق کیا۔ اور پھر حدیقہ نے دیکھا کہ اس کی ہتھیلی پر وہاب کا نام مہندی سے لکھا جا رہا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا سارا جسم وہاب کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔ پہلو میں دل نے شور مچایا تھا اور لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"مہندی کا رنگ جتنا زیادہ چڑھے اتنا شوہر اتنا ہی پیار کرنے والا ملتا ہے۔" کرن نے کہا تو وہ دونوں ہی شرم سے سرخ پڑنے لگیں تھیں۔

"یہ تمہارا ذاتی تجربہ ہے یا سنی سنائی بات؟" حدیقہ کی کزن بسمہ نے چہک کر پوچھا تو کرن شرمانے کی بجائے ہنس پڑی تھی۔

"آف کورس میرا ذاتی تجربہ ہے۔ ابصام بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔" وہ اترا کر بولی تھی۔

"ابھی تو تیسرا ہی دن ہے شادی کو۔ محبت کا خمار بھی اتر جائے گا جب برتن دھو دھو کر مہندی کا رنگ اترے گا۔" مسکان نے ہنستے ہوئے کہا تو سب کا قہقہہ بلند ہوا۔ حدیقہ اور رنیم نے دلہن ہونے کے ناطے بمشکل ہنسی روکی۔

"میں ہر روز نئے سرے سے مہندی لگا لیا کروں گی۔" کرن بھی کون سا کم تھی۔

"ہاں یہ ٹھیک کہا تم نے۔" عانیہ اس کے خیال سے متفق تھی۔

"ویسے یہ دلہنیں بڑی چپ چپ اور معصوم سی لگ رہی ہیں۔ حالانکہ کچھ لڑکیاں اپنی رخصتی پر بھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔" حدیقہ کی کزن فضا نے کہا تو کرن اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی کیونکہ یہ بات اسی پر فٹ آتی تھی۔ عانیہ اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"دیکھنا شادی کے بعد ان کی زبان تیز چلنے لگے گی۔" کرن بولی تھی۔ حدیقہ نے اسے غصے سے گھورا۔

"ارے دلہن غصہ بھی کرتی ہے۔" مسکان نے اونچی آواز میں کہا تو وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ ایک یہ کرن اور دوسری مسکان اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہی تھیں۔ شکر تھا حریم آج خلاف توقع چپ تھی۔

"پھر تو وہاب بھائی گئے کام سے۔" حریم نے بھی اسی وقت بول کر اس کے غصے کو اور ہوا دی۔

"ویسے حدیقہ اور عمیر دونوں ہی بہت لکی ہیں۔ دونوں کو خوبصورت لائف پارٹنر ملے ہیں۔" رائمہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ارے یار میں تو حیران رہ گئی جب ہمارے گھر ایک کی بجائے دو دو شادیوں کے انویٹیشن کارڈز آئے تھے۔ عمیر بھائی تو شادی کے معاملے میں بڑے تیز نکلے۔" بسمہ نے کہا۔

"اتنی خوبصورت لڑکی جو پسند کر لی تھی۔ اب صبر کہاں ہوتا۔" کرن نے رینم کو دیکھ کر کہا تو اس کے گال کانوں تک دہک اٹھے تھے۔

"حالانکہ وہ صرف منگنی بھی کر سکتے تھے۔ ابھی کونسا ان کی عمر نکلی جا رہی تھی۔" مسکان نے کہا۔

"تو تمہیں کیوں اتنی تکلیف ہو رہی ہے ان کی شادی پر۔" بسمہ نے تنک کر پوچھا۔

"ہاں یار تکلیف تو بڑی ہو رہی ہے۔ ایک وقت میں دو شادیاں بھگتا دیں۔ اتنی مشکل سے چھٹی کا بہانہ ملتا ہے۔ اگر دونوں کی الگ الگ شادیاں ہوتیں تو چھ چھٹیاں ملنی تھی کالج سے۔ اب صرف تین چھٹیاں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

"تم جیسی نالائق سے مجھے یہی امید تھی۔" بسمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایکسکیوز میں تم سے اچھے گریڈز لیتی ہوں میں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"ویسے اگر حدیقہ کی شادی نہ ہوتی تو وہ عمیر بھائی کی شادی کو بہت انجوائے کرتی لیکن اب دیکھو شرم کے مارے بول بھی نہیں پا رہی۔" کرن نے کہا تو اکتائی ہوئی آہ بھر کے رہ گئی۔

"ہاں یار بھائیوں سے نیگ وصول کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ حدیقہ کا تو سارا مزا کرکرا ہو گیا۔ یہ تو خود دلہن بنی بیٹھی ہو گی۔" مسکان نے کہا۔

"ارے اتنا پیارا شوہر مل رہا ہے۔ نیگ نہ بھی ملے تو کوئی بات نہیں۔ منہ دکھائی تو ملے گی نا۔ کیوں حدیقہ؟" کرن نے ساتھ بیٹھی حدیقہ کو چہرہ موڑ کر دیکھا اور اس کے دوپٹے کو تھوڑا سا پیچھے کرتے بولی تھی۔ پل ہی میں سب کو اس کا چہرہ سرخ پڑتا نظر آیا تھا اور سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔ اس نے چہرہ جھکا کر مسکراہٹ کو روکنے کے لیے لب بھینچ لیے تھے۔

"او گاڈ۔ کیا بنے گا تمہارا حدیقہ۔" کرن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا بس کرو اب۔ خوامخواہ اتنا کنفیوژ کر رہی ہو اسے۔" عانیہ نے بیچ بچاؤ کیا تو حدیقہ کی جان خلاصی ہوئی اور رینم کی شامت آ گئی۔ لڑکیوں کی باتیں جاری تھیں کہ مہندی مکمل ہو گئی اور دونوں کے ہاتھ مہندی کے خوبصورت پھولوں سے بھر گئے تھے۔ کچھ دیر تک مہندی خشک ہوئی تو ان دونوں کے ہاتھوں پر موتیے کے گجرے باندھ دیے گئے۔ ابھی ان کا ارادہ حدیقہ اور رینم کو مزید تنگ کرنے کا تھا کہ عمرینہ کچھ لڑکیوں کو لیے وہاں داخل ہوئی تھی اور آگے بڑھ کر ان دونوں کی پیشانیاں چوم لیں۔

"چلو ان دونوں کو باہر لے کر آؤ۔" عمرینہ نے لڑکیوں سے کہا تو سب اٹھ گئیں۔ چار لڑکیوں نے مہندی رنگ کے ریشمی دوپٹے کے چاروں کونوں کو پکڑ کر اونچا کر لیا تھا اور ان دونوں کو اس کے نیچے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ رینم کی طرف عانیہ تھی جبکہ حدیقہ کی طرف کرن تھی۔ باقی لڑکیوں نے ہاتھوں میں پھولوں سے بھری پلیٹیں اٹھا لیں جن میں موم بتیاں اور دیے روشن کیے گئے تھے اور ان کے ارد گرد گول دائرے میں پھیل گئیں۔ حدیقہ کو تو پتہ بھی نہیں تھا یہ کس قسم کی رسم ہے۔ ابھی کچھ دیر ایک لڑکی نے عمرینہ کو اس رسم کے بارے میں بتایا تو اس نے جلدی سے ریان کو کہہ کر اس کا انتظام کروا لیا تھا۔

وہ دونوں لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھریں دوپٹے کے نیچے چلتے ہوئے مہندی ہال میں پہنچیں تو وہاں اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

ڈی جے نے اونچی آواز میں مہندی والا وئی گانا لگایا ہوا تھا۔ زیادہ تر لڑکے سٹیج کے سامنے گروپ ڈانس کر رہے تھے جبکہ بڑی عمر کے مرد ایک سائیڈ پر لگے صوفوں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر اور وہاب سفید کرتے شلوار میں ملبوس آج سب کی نظروں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

ہال کے دروازے پر لڑکیاں پھولوں اور دیوں کی پلیٹیں ہاتھ میں لیے نمودار ہوئیں تو سب لڑکے رک گئے اور پھر حدیقہ اور ریم کے سٹیج پر پہنچنے تک ان کے آگے آگے بھنگڑا ڈالتے رہے تھے۔ جب وہ ان کے سامنے سے ہٹے تو سٹیج نظر آیا جہاں وہاب اور عمیر ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ چادر اور پلیٹوں والی لڑکیاں اب پیچھے ہٹ گئی تھیں اور وہاب آگے بڑھا تھا۔ ہلکا سا جھک کر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو جہاں وہ بری طرح چونک کر گڑبڑائی تھی وہیں کچھ منچلے لڑکوں نے سیٹی بجا کر وہاب کو داد دی تھی۔ لڑکیوں نے تالیاں بجا کر حدیقہ کو ہمت دلائی۔ وہ بے حد نروس تھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ری ایکٹ کرے۔ وہ کیسے اتنے لوگوں کے سامنے پکڑ لیتی۔ سر جھکائے وہ شش و پنج میں مبتلا تھی جبکہ وہاب کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ اور دوسری طرف عمیر جزبز سا ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے اب اسے بھی ریم ہاتھ تھام کر ہی اوپر لانا تھا۔ لوگوں کیلیے یہ صورتحال بڑی دلچسپ تھی کہ دولہا صاحب کب سے ہاتھ آگے کیے کھڑے تھے اور دلہن صاحبہ اپنی جگہ سے ہل کے نہیں دے رہیں تھیں۔ لڑکیاں ہنستے ہوئے اسے ہاتھ پکڑنے کا کہہ رہی تھیں وہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ پھر سوچا سب کی شادیوں پر ایسا ہوتا ہے۔ دلہن دولہے کا ہاتھ پکڑ کر سٹیج پر چڑھتی ہیں تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔ خوامخواہ سب کے سامنے مذاق بن رہا تھا۔ جھٹ سے آنکھیں کھول کر وہاب کو دیکھا جو ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر اپنا ہاتھ بڑھا اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ چاروں طرف سے زبردست ہوٹنگ ہوئی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنا لہنگا سنبھالتی وہاب کے سہارے سٹیج کی سیڑھیاں چڑھی تھی۔ وہاب اس کے اتنے قریب آ چکا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہوئی اور گھبراہٹ کے مارے پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں تھیں۔ وہ اسے لے کر پیچھے

صوفے کی جانب بڑھا تو عمیر ہمت کر کے آگے بڑھا تھا۔ وہ اسے ایک نظر ہی دیکھ کر جان چکا تھا کہ رینم بہت خفا ہے۔ آنکھیں جھکائے ہی اس نے اپنا ہاتھ عمیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ دل مسوس کر کے رہ گیا اور دل ہی دل میں حنا کو کوسنے دیے۔

وہ چاروں ایک صوفے پر بیٹھ گئے تو فوٹو سیشن شروع ہو گیا۔ فضا میں 'تم ہی ہو' گانے کے مدھم سے سر بکھرنے لگے تھے۔ سب سے پہلے تو عمرینہ اور حیدر علی نے ان کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں کھنچوائیں۔ ساتھ ہی ٹیبل پر پڑی پلیٹ میں سے مٹھائی لے کر انہیں کھلائی اور ان پر سے پیسے وار کر غریبوں میں بانٹے۔ پھر سب بڑوں نے ان یہی عمل دہرایا۔ حدیقہ کا تو دل خوش ہو گیا تھا۔ اتنا میٹھا تو ماما نے اسے کبھی کھانے ہی نہیں دیا تھا۔ مٹھائی کھاتے ہوئے اس کے چہرے پر بچوں کی سی مسکراہٹ آتی تھی اور وہاب بے اختیار اسے دیکھنے لگتا تھا۔ اگر اس کا دھیان میٹھے کی طرف نہ ہوتا تو اس کے متوجہ ہونے پر سرخ پڑ جاتی۔

بڑوں کے بعد ینگ کپلز کی باری آئی تھی اور وہ انہیں تنگ کرتے ہوئے مٹھائی کھلا رہے تھے۔ عانیہ اور ریان نے بھی اکٹھے ہی ان کے ساتھ تصویریں کھنچوائی تھیں۔ ابھی کچھ لڑکیاں مہندی کی رسم ادا کر رہی تھیں کہ حدیقہ کو عنیقہ اور نور آپی نظر آئیں تھیں اور وہ عنیقہ سے خوامخواہ ہی شرمندہ ہو گئی تھی جبکہ وہاب کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی۔ عمرینہ کو بھی بہت برا لگا تھا لیکن اتنے سارے لوگوں کے سامنے تماشہ نہیں بنانا چاہتی تھیں اس لیے سرد مہری سے گلے ملیں تھیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ اوپر آئیں تھیں۔ عنیقہ چہرے پر مصنوع مسکراہٹ سجائے وہاب کی طرف آ بیٹھی جبکہ آپی نور عمیر کی طرف بیٹھی تھیں۔

"تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔" وہ چمچ سے گلاب جامن کا چھوٹا سا حصہ کاٹتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی اور وہاب غصے سے لب بھینچ کر رہ گیا۔ حدیقہ میں بھی جیلسی کی حس بیدار ہوئی تھی۔ وہ ہوتی کون تھی اس کے شوہر کی

تعریف کرنے والی۔ وہ کڑھتے ہوئے سوچنے لگی۔ اگر وہاب کو اس کے خیالات پتہ چل جاتے تو وہ حیرت سے بے ہوش ہی ہو جاتا۔

عنیقہ نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی طرف چمچ بڑھائی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کھانی پڑی۔ پھر اس نے چمچ کو حدیقہ کی جانب بڑھایا تھا۔

"شادی کی مبارک ہو۔" وہ حدیقہ کی طرف دیکھ کر چبا کر بولی جسے وہاب نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ حدیقہ کو کھلانے کے کچھ دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ گئی تو وہاب نے شکر کا سانس لیا۔ یہ بلا کچھ بھی کر سکتی تھی۔ ایک انجان سے خدشے نے وہاب کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

مہندی کی رسم کے بعد ینگ جنریشن نے کچھ ہلا گلا کرنے کا پلان بنا لیا۔ بڑے عدم دلچسپی کی وجہ سے اٹھ کر ٹیرس پر آبیٹھے اور اپنی محفل جمالی جبکہ اب اندر پارٹی عروج پر تھی۔ دائیں طرف زمین پر ہی لڑکیاں بیٹھ گئیں اور بائیں جانب لڑکے بیٹھ گئے تھے۔ درمیان میں میدان سج گیا تھا۔ ڈانس کا مقابلہ ہونے لگا تھا۔ پہلے کچھ کپلز نے مختلف گانوں پر رقص کیا اور پھر لڑکوں نے گروپ ڈانس کیا۔ کچھ لڑکے وہاب اور عمیر کو بھی کھینچ لائے۔ وہاب کو ڈانس تو آتا نہیں تھا سو انہیں دیکھ کر کچھ سٹیپس کیے تو سہی لیکن اتنے اناڑی پن سے کہ سٹیج پر بیٹھی حدیقہ کی ہنسی نکل گئی اور وہاب نے رک جانا ہی مناسب سمجھا۔ عمیر کا تو پہلے ہی موڈ خراب تھا سو وہ بھی ایک طرف ہو کر کھڑا ہو رہا۔

"ارے یار تم لوگوں کو ذرا سا بھی ڈانس نہیں آتا؟" عمیر کے ایک کزن نے حیرت سے پوچھا تو ان دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا حالانکہ عمیر کو بہت اچھا ڈانس آتا تھا۔

"کچھ زیادہ ہی معصوم نہیں تم لوگ۔" دوسرے نے جل کر کہا تھا تو وہ ہنس دیے اور دوبارہ آکر سٹیج پر بیٹھ گئے۔

"بڑی ہنسی نکل رہی تھی تمہاری۔" وہاب نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا تو گڑبڑا گئی۔ ایک نظر ڈرتے ہوئے اسے دیکھا اور سر جھکا کر تھوڑا ریئم کے ساتھ سمٹ کر بیٹھی تھی۔ وہاب کی ہنسی نکلی تھی۔ اس منظر کو

بہت سے لوگوں نے دیکھ کر لطف اٹھایا تھا لیکن دور کھڑی عنیقہ جھلس کر رہ گئی تھی۔اشتعال کے مارے آنکھیں سرخ ہو گئیں اور تنفس تیز ہو گیا۔بس اب بہت ہو چکا۔وہ اس سے زیادہ حدیقہ کی خوشی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔کچھ سوچ کر وہ پلٹی اور ہال سے نکل گئی تھی۔

-----------------------------------

فنکشن ختم ہوا تو اسے جلدی سے اپنے کمرے میں جانے کی پڑ گئی۔اتنی نیند آ رہی تھی کہ کپڑے چینج کرنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔لیکن اتنے بھاری کپڑوں میں سونا بھی عذاب تھا۔وارڈروب سے ایک سوٹ نکال کر وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی ہی تھی کہ ڈریسنگ روم کا دروازہ خود بخود کھل گیا تھا۔خوف کے باعث سانس سینے میں اٹک گئی اور دروازے کے پار عنیقہ کو دیکھ کر وہ سخت حیران ہوئی تھی۔اس کی نظروں میں کچھ ایسا تھا کہ حدیقہ کو اپنے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

"تم.....؟"وہ بولی تو عنیقہ زہریلا سا مسکرا دی اور آگے بڑھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"بڑی خوشی ہو رہی ہے نا تمہیں۔وہاب کی دلہن جو بن رہی ہو۔"وہ سلگ کر بولی تو حدیقہ نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔کہیں وہ پھر سے غصے تو نہیں ہو گئی۔یا یہی اس کا اصل روپ تھا۔

"میں تو بہت پہلے سے ان کی دلہن بن چکی ہوں۔"نجانے حدیقہ کے اندر ایسی قوت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ فخر سے بولی تھی اور عنیقہ کا دل جلنے لگا تھا۔

"میں چاہوں تو تمہارا یہ غرور پل بھر میں چھین سکتی ہوں۔"اس نے باور کروایا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"حدیقہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔عنیقہ نے جواب دینے کی بجائے اسے بازو سے پکڑ کر اس طرح گھمایا کہ حدیقہ کی کمر اس کی طرف ہو گئی اور اگلے ہی پل اسے اپنی گردن پر چبھن سی محسوس ہوئی تھی۔اس کا رُواں رُواں کانپ اٹھا تھا۔

"اگر ہلنے یا بولنے کی ذرا سی بھی کوشش کی تو ماری جاؤ گی۔" وہ سخت آواز میں بولی تھی۔ حدیقہ کی سانسیں خشک ہونے لگیں۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور وہاب تیزی سے اندر داخل ہوا تھا۔ حدیقہ کے گلے پر رکھی چھری دیکھ کر وہاب کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی جبکہ حدیقہ نے شکر کا سانس لیا تھا۔

"یہ.... یہ کیا پاگل پن ہے عنیقہ؟" وہ ششدر سا پوچھ رہا تھا۔ ابھی عنیقہ نے اسے میسج کیا تھا کہ حدیقہ کے کمرے میں آؤ تمہارے لیے سرپرائز ہے۔ وہ عنیقہ کا نمبر پہچان گیا تھا اور جلدی سے اوپر آیا تھا۔

"وہیں کھڑے رہو ورنہ تم جانتے ہو میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔" اسنے تنبیہہ کی تو وہاب کے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس کی رگیں تن گئیں اور کنپٹیاں سلگنے لگیں تھیں۔

"اسے چھوڑ دو عنیقہ۔ جو بھی بات ہے مجھ سے کہو۔" اس کے لہجے میں خوف محسوس کر کے عنیقہ ہنسی تھی۔

"تمہیں سے ہی تو بات کرنی تھی۔ مجھے بھی فالتو میں قتل کرنے کا کوئی شوق نہیں۔ لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو حدیقہ کو قتل کرنے میں مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"کیا چاہتی ہو تم؟" وہ بہت ضبط سے بولا تھا۔

"حدیقہ کو طلاق دے دو؟" وہ بڑے سکون سے بولی تو حدیقہ کو لگا اس کے سر پر ساتوں آسمان آ گرے ہوں۔ وہاب سے جدائی تو موت سے بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ وہاب اسے نہیں چھوڑے گا۔

"کیا؟" وہ بھونچکارہ گیا۔

"تو پھر میں اسے قتل کر دوں؟" عنیقہ نے معصومیت سے پوچھا تو وہاب نے خود کو سخت بے بس محسوس کیا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے جبکہ حدیقہ کیلیے زندگی اور موت بے معنی ہو چکی تھیں۔ وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ اسے انکار کر دے گا لیکن وہاب جانتا تھا کہ یہ وقت جذباتیت کا نہیں ہے۔

"نہیں۔پلیز اسے کچھ مت کہنا۔"

"تو دو اسے طلاق۔"وہ ابرو اچکا کر بولی تو وہاب نے گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کرنا چاہا لیکن آج تو اعصاب بھی جواب دیتے جا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔لیکن تم اسے چھوڑو۔"اس نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔حدیقہ کا دل بند سا ہو گیا تھا۔وہ بے یقین سی وہاب کو دیکھ رہی تھی۔اس نے چیخ کر وہاب کو روکنا چاہا لیکن آواز گلے میں اٹک گئی اور وہاب اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"اسے تو میں چھوڑ ہی دوں گی۔کیونکہ طلاق کے بعد یہ خود ہی مر جائے گی بے چاری۔مجھے کیا ضرورت پڑی ہے خوامخواہ اپنے ہاتھ خون میں رنگنے کی۔سو ٹرسٹ می۔"وہ ڈھٹائی سے بولتی وہاب کو اشتعال دلانے گئی۔اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔اگلے کچھ پل میں حدیقہ کی اس قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا۔موت یا طلاق۔یا پھر کوئی تیسرا راستہ بھی موجود تھا۔معجزہ۔اللہ پر کامل یقین۔وہاب کے دل نے بے اختیار اللہ کو پکارا تھا اور اگلے ہی لمحے مدد آ پہنچی تھی۔

---

عانیہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ وہاب نظر آیا تھا جو تیزی سے بھاگتا حدیقہ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔اسے تشویش ہوئی تو جلدی سے اس کے پیچھے گئی۔اندر سے آنے والی آواز پر اس کے قدم بے اختیار دروازے کے باہر ہی رک گئے تھے۔

"اسے چھوڑ دو عنیقہ۔جو بھی بات ہے مجھ سے کہو۔"وہاب بولا تھا اور وہ ٹھٹک گئی۔

"تمہیں سے ہی تو بات کرنی تھی۔مجھے بھی فالتو میں قتل کرنے کا کوئی شوق نہیں۔لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو حدیقہ کو قتل کرنے میں مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"عنیقہ کی آواز پر اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ساری

صورتحال واضح ہوگئی تھی۔اس نے اندر جانا چاہا لیکن کچھ سوچ کر رک گئی۔عنیقہ کے سامنے ظاہر ہو کر وہ بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بنا الٹے پیروں بھاگی اور ٹیرس پر آ گئی۔پھر دائیں جانب مڑی اور کنارے پر آ گئی جہاں سے حدیقہ کے کمرے کی بالکونی کچھ ہی فاصلے پر تھی۔اپنے اعصاب کو کنٹرول میں کرتے ہوئے وہ دیوار کے سہارے ریلینگ پر چڑھی اور ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ایک پاؤں بالکونی کی ریلنگ پر پڑا اور دوسرا نیچے فرش پر ٹک گیا۔دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل کر کھڑی ہو چکی تھی اور بالکونی کا دروازہ آہستہ سے دھکیل کر اندر جھانکا تھا۔توقع کے مطابق عنیقہ کی اس کی طرف پشت تھی لیکن وہاب اسے دیکھ چکا تھا اور اس سے اتنی جلدی نظریں ہٹالیں کہ عنیقہ کو بھنک بھی نہ پڑ سکی تھی۔

"دیکھو میری بات سنو....."اس نے بات کو طول دینا چاہی۔

"تمہارا پاس دس سیکنڈز ہیں۔"

عانیہ احتیاط سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

"اوکے۔لیکن تم اسے کچھ نہیں کہوں گی۔میں تمہاری بات مان رہا ہوں۔"

عانیہ سانس روکے دو قدم چلی تھی۔

"آٹھ سیکنڈز۔"وہ کلائی میں بندھی گھڑی دیکھ کر بے زار سے لہجے میں بولی۔

عانیہ اور اس کے درمیان پانچ قدموں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔وہاب نے آنکھیں بند کر کے لب بھینچے جیسے اسے تاثر دینا چاہتا ہو کہ وہ طلاق کا لفظ بولنے والا ہے جبکہ اب حدیقہ کو اپنے آس پاس کا کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔عانیہ دو قدم اور قریب آ چکی تھی۔

"پانچ......چار......تین......دو......"وہ وقفے وقفے سے بول رہی تھی کہ ایک دم سے اسے کوئی گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔

عانیہ نے تین بولنے پر بالکل قریب آچکی تھی اور سب سے پہلے حدیقہ کی گردن اور چھری کے درمیان اپنا ہاتھ حائل کیا تھا۔عنیقہ نے بدک کر چھری کا زور بڑھا دیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔عانیہ چھری کا اگلا حصہ اپنے ہاتھ میں سختی سے پکڑ چکی تھی اور حدیقہ کو پیچھے کر کے ایک طرف دھکیل دیا تھا۔وہ اپنے حواس میں نہیں تھی اس لیے نیچے گرنے کو ہی تھی کہ وہاب نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

"حدی۔"وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لیتا ہوا بولا تو وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھیں بند ہو گئیں تھیں۔

اور ادھر عانیہ کے ہاتھ سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں تھیں۔اور عنیقہ کے تو کچھ دیر کیلیے حواس ہی معطل ہو گئے تھے۔

وہاب کا دماغ پہلے ہی سن ہو چکا تھا اور اب حدیقہ کو بے ہوش دیکھ کر اس کی پریشانی حد سے سوا ہو گئی تھی۔اس نے غصے سے عنیقہ کی طرف دیکھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے غصے کا گراف ہائی ہوا تھا۔

"ڈونٹ وری وہاب بھائی۔آپ حدیقہ کو سنبھالیں۔میں اسے دیکھ لیتی ہوں۔"وہ وہاب کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر عنیقہ کی طرف دیکھ کر دانت پیسے۔دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی تھام لی اور چھری سے ہاتھ ہٹا دیا۔عنیقہ نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کلائی چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔عانیہ نے زخمی ہاتھ سے چھری چھین لی۔

"چھ.....چھوڑو مجھے۔"عنیقہ دہشت زدہ لہجے میں بولی تھی۔ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کی بازی الٹ گئی تھی۔اب اس کے ساتھ بہت برا ہونے والا تھا۔یہ وہ جان گئی تھی۔عانیہ نے اسے سپاٹ نظروں سے دیکھا اور پھر اسے اپنے ساتھ گھسیٹا۔

"تم.... تم مجھے کہاں لے کر جا رہی ہو۔ دیکھو تم میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتی۔"عنیقہ بولتی رہی۔ خود کو روکنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی رہی لیکن عانیہ سے کوئی قابو نہ ہو؟..... یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہاب یہ جانتا تھا اس لیے حدیقہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"حدی!......"اس نے حدیقہ کا چہرہ تھپتھپایا لیکن وہ بے سدھ پڑی رہی۔ وہاب کا دل ڈر سا گیا تھا۔ کہیں موت کے صدمے سے دماغ پر اثر نہ ہو گیا ہو لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے اصل مسلہ کیا ہے۔

وہاب نے اسے جلدی سے بیڈ پر لٹایا اور پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے۔ اس کی پلکیں لرز کر کھلیں تھیں اور وہاب کو دیکھ کر بے ہوش ہونے سے پہلے والا واقعہ یاد آیا تھا۔ وہ یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی تھی۔ وہاب نے اپنے بازو اس کی کمر پر حمائل کرتے ہوئے اسے محفوظ ہونے کا احساس دلایا تھا ۔لیکن وہ تھی کہ شدت سے روئے چلے جا رہی تھی۔ اسکے آنسو وہاب کی قمیض کو بھگوتے رہے اور وہاب اسے تسلی دیتا رہا۔

"بس بھی کرو حدی اب۔ کتنا رووٴ گی؟"وہ ڈپٹتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ بہت برے ہیں۔ بہت برے۔"وہ اس کے سینے پر مکے مارتے ہوئے غصہ نکالنے لگی اور وہاب حیران ہوا۔

"حدی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...."

"ٹھیک ہوں میں۔ لیکن آپ مجھ سے بات بھی مت کیجیے گا۔ سخت ناراض ہوں میں آپ سے۔"وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے خفگی سے بولی۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"وہ الجھن زدہ لہجے میں پوچھنے لگا۔ اس کا دھیان واقعی طلاق والی بات پر نہیں گیا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق حدیقہ کو اس کی بات سمجھ جانی چاہیے تھی۔

"کچھ نہیں کیا۔ جائیں آپ یہاں سے۔"وہ تنک کر بولتی رخ پھیر گئی۔

"آئی ایم سوری۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکا۔" وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

"تبھی جان چھڑا رہے تھے مجھ سے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کی زبان سے پھسل گیا تو وہاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"مائی گاڈ.... تم اس بات پر مجھ سے ناراض ہو۔" وہ مسکراہٹ دباتا بولا تو حدیقہ نے اسے غصے سے گھورا۔

"آپ یہاں سے جائیں گے یا نہیں۔" اس نے روکھے سے انداز میں پوچھا۔ اتنا غصہ تھا وہاب پر کہ اب مشکل سے ہی راضی ہونے والی تھی وہ۔

"تم اکیلے میں ڈرو گی۔" اس نے معصومیت سے تاویل پیش کی۔

"میرا دماغ مت کھائیں اور نکلیں یہاں سے۔" اب اسے خود پر بھی غصہ آنے لگا تھا کہ کیوں اس سے شکوہ کیا۔

"سوچ لو۔ کل تم مجھے اس طرح باہر نہیں نکال سکو گی۔" وہ شرارت سے بولا تو حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

"آپ جاتے ہیں یا میں ہی چلی جاؤں یہاں سے۔" وہ زبردستی چہرے پر غصے کو لائی تھی۔

"اوہو.... اتنا غصہ؟" وہ اس کو کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑتا بولا تھا اور حدیقہ کی پلکیں سرخ پڑتے گالوں پر جھک گئی تھیں۔ وہاب کے کپڑوں سے اٹھتی خوشبو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا اور وہ گھبرا کر دور ہٹی تھی۔

"جائیں نا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو تم ایسے نہیں مانو گی۔ لیکن یاد رکھنا کل رات میں تمہیں منا کر ہی رہوں گا۔ ویسے بھی مجھے منانے کا بہت اچھا طریقہ آتا ہے۔" وہ اس کے چہرے کو چھوتا بولا اور پلٹ گیا۔ حدیقہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

---------------------------

عانیہ نے اسے چھری دکھائی تو وہ ڈر کے مارے اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی اور دروازہ بند کر دیا۔

"مجھے جانے دو۔" وہ منت کرتے ہوئے بولی۔ جانتی تھی کہ وہ کچھ دیر کیلیے بھی اپنے کمرے سے غائب ہوئی تو ماما اس کا حشر بگاڑ دیں گیں۔

"ارے ڈر کیوں رہی ہو۔ میں لڑکا تھوڑی ہوں۔" عانیہ تمسخرانہ انداز میں بولی تھی۔ پھر چھری اس کے سامنے ہی ٹیبل پر رکھ دی تو عنیقہ کی نظریں چھری پر اٹک گئیں۔ عانیہ جان چکی تھی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

"دیکھو میری ماما میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ پلیز مجھے جانے دو۔ تم جو کہو گی میں کروں گی لیکن مجھے ابھی جانے دو۔" عانیہ جانتی تھی کہ وہ اس کا دھیان بٹا کر چھری پکڑنا چاہتی ہے اور اس نے بھی اسے پورا موقع دیا تھا۔ چھری تو عنیقہ کے بالکل قریب تھی اور عانیہ چھری سے دور ہو گئی تھی۔ پھر پلٹ کر وارڈروب کھول کر اندر سے کوئی کپڑا ڈھونڈنے لگی جس سے ہاتھ پر باندھ سکے لیکن اس کی ساری توجہ عنیقہ کی طرف تھی۔ ایک باریک سا ریشمی دوپٹہ ڈھونڈ کر وہ ہاتھ پر باندھنے ہی لگی تھی کہ عنیقہ چھری لیے بالکل اس کے پیچھے پہنچ چکی تھی لیکن عانیہ نے یکدم مڑتے ہوئے اس کا چھری والا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ وہیں سن سی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اسے اپنی بے بسی کا شدید احساس ہوا تھا۔

"پٹی تو باندھ لینے دیتی یار۔" عانیہ اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بڑے دوستانہ لہجے میں بولی تھی۔ اتنی شرمندگی اسے کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہو رہی تھی۔ وہ ہاتھ میں چھری لیے ایک نہتی لڑکی کے سامنے بے بس کھڑی تھی۔ وہ جان گئی تھی وہ کبھی بھی عانیہ پر غالب نہیں آ سکے گی۔

"اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو میں تمہیں مار دوں گی۔" اس نے جی کڑا کر کے آخری کوشش کی تو عانیہ ہنس دی۔

"ہاتھ میں اس چھوٹی سی چھری کو پکڑ کر تم خود کو خدا سمجھنے لگتی ہونا۔ جس کو چاہو مار دو۔" عانیہ ہاتھ پر دوپٹہ باندھتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی۔

"تم چاہتی کیا ہو۔ مجھے جانے کیوں نہیں دے رہی۔ اگر ماما کو میری غیر موجودگی کا پتہ چل گیا تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گی۔ میری عزت خطرے میں پڑ جائے گی۔ پلیز مجھے جانے دو۔" وہ ہاتھ جوڑ کر گڑبڑانے لگی۔

"دوسروں کی عزت سے کھیلنے والوں کو اپنی عزت کتنی پیاری ہوتی ہے نا۔ یاد کرو حدیقہ کو تم نے اغوا کروایا تھا۔ اور آج تو تم نے حد کر دی۔ تمہیں کیا لگتا ہے اتنا سب کچھ کرنے کے بعد میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ دوں گی کیا۔ تمہیں بھی تو کچھ سزا ملنی چاہیے۔ کیوں؟" وہ اتنے نارمل لہجے میں کہہ رہی تھی کہ عنیقہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ باتیں جو وہ اسے کہہ رہی تھی بہت غصے میں آکر کہنے والی تھیں لیکن وہ تو جیسے بڑے سکون میں تھی۔ عنیقہ چپ سی اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن کوئی اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ دفعتاً دروازہ ناک ہوا تو عانیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"عنیقہ کہاں ہے۔؟" اس نے سخت غصے میں پوچھا تھا اور اندر کھڑی عنیقہ سر تا پا لرز گئی تھی۔ وہ تھپڑ یاد آئے تھے جو وہاب نے اسے مارے تھے۔

"اندر ہے۔" عانیہ نے سائیڈ پر ہوتے ہوئے اسے راستہ دیا تو وہاب کو عنیقہ وہاں کھڑی نظر آئی تھی جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہاب کی کنپٹیاں سلگیں اور وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی طرف بڑھا تھا لیکن عانیہ نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

"ارے وہاب بھائی۔ اتنا غصہ نہ کریں۔" وہاب نے اسے حیرت سے دیکھا تو اس نے بڑے سکون سے مشورہ دیا۔

"تم اب بھی مجھے روک رہی ہو عانیہ۔ پہلے بھی اس نے حدیقہ کو نقصان پہنچانا چاہا تھا اور میں نے اسے چھوڑ دیا تھا لیکن اب نہیں۔ میں اس سے بدلہ لے کر رہوں گا۔" وہ مشتعل ہو کر بولا تو عنیقہ تھر تھر کانپتی عانیہ کے پیچھے ہو گئی تھی۔

"آپ کچھ نہیں کریں گے۔"

"کیوں؟"

"ہمیں اس سے بدلہ لینا ہے۔ اپنا تماشہ نہیں بنوانا۔ اور اس کا تو آپ کو پتہ ہی ہو گا۔ دوسروں کی عزتوں کو پیروں تلے روندنے کی عادت ہے اسے۔ اس لیے میرا مشورہ مانیں اور سکون سے جا کر سو جائیں۔ میں اسے خود دیکھ لوں گی۔" اس نے کہا تو وہاب کو اس کی بات سمجھ آ گئی۔ اس کا غصہ کم ہوتے دیکھ کر عنیقہ کی سانس میں سانس آئی تھی۔

"ویسے تم بتانا پسند کرو گی کہ تمہارے دماغ میں اس وقت چل کیا رہا ہے۔" وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

"کیوں نہیں۔" عانیہ بھی مسکرائی اور اپنے سائیڈ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی۔ عنیقہ اور وہاب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ پلٹ کر عنیقہ کی طرف آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں دو گولیاں تھیں اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟" عنیقہ ہکلائی۔

"زہر نہیں ہے۔ بے فکر ہو کر کھاؤ۔ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم آج رات کے لیے میرے کمرے میں رہنا پسند کرو گی تو ان سلیپنگ پلز کی ضرورت نہ پڑتی۔" عانیہ نے کہا تو وہاب کو سمجھ آ گئی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ وہ اس کی ذہانت سے کافی متاثر ہوا تھا۔

"مم.... میں نہیں کھاؤں گی۔ اگر تم نے مجھے یہاں روکنے کی کوشش کی تو میں چیخیں مار کر سب کو بلا لوں گی۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ایک رات گھر سے غائب رہنے کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی وہ۔

"تو وہ تمہاری آخری چیخ ثابت ہو گی۔" عانیہ نے سفاکی سے کہا تو اس کا دل رکنے لگا تھا۔ موت یا عزت۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔

"تمہارے پاس دس سیکنڈز ہیں۔ یہ ٹیبلیٹس کھالو ورنہ چھری تو یہاں موجود ہی ہے۔" عانیہ نے اسی کے انداز میں اسے کہا تھا۔ اور وہاب مسکرا دیا تھا۔

"مجھے مارنے کے بعد تم بھی نہیں بچ سکو گی۔" اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ قتل کی دھمکی صرف دھمکی ہے یا عانیہ سچ میں اسے مار دے گی۔

"میری فکر کرنے کا شکریہ۔ چھ سیکنڈز۔" عانیہ نے پانی کا گلاس اور گولیاں پاس ہی ٹیبل پر رکھ دیں اور چھری پکڑ کر اس کی طرف بڑھائی۔

"پلیز ایسا نہ کرو۔ میں حدیقہ سے معافی مانگ لوں گی۔"

"چار سیکنڈز" عانیہ نے عنیقہ کی کلائی پکڑ کر اپنے سامنے کی اور اس پر چھری رکھتے ہوئے بولی۔ عنیقہ کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے کچھ سوچے سمجھے بغیر ٹیبل سے گولیاں اٹھا کر پانی کے ذریعے نگل لیں۔

"اب بے فکر ہو کر سو جاؤ۔" عانیہ نے اس کے ہاتھ سے گلاس پکڑ لیا۔ اور اسے بازو سے پکڑ کر ڈریسنگ روم میں لے گئی۔ اس کے منہ اور ہاتھوں پر پٹیاں باندھ دیں۔ عنیقہ نے مزاحمت کرنی چاہی لیکن گولیاں اس کے اعصاب پر اثر دکھانا شروع ہو گئی تھیں۔ ڈریسنگ کا دروازہ اچھی طرح بند کرنے کے بعد وہ پلٹی تو وہاب اسے متاثر نگاہوں سے دیکھ رہا۔

"تمہارا دماغ تو کافی تیز چلتا ہے۔"

"بس کبھی غرور نہیں کیا۔" وہ ہنس کر بولی۔

"اف یار......میرا تو دماغ چکرا کر رکھ دیا اس نے۔ بہت بے بس محسوس کیا تھا میں نے خود کو اس وقت۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں۔ اگر تم وہاں نہ آتی تو اب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔" وہ مشکور لہجے میں بولا۔

"شکریہ تو کل وصول کر لوں گی نیگ کی صورت میں۔ حدیقہ کا بتائیں۔ زیادہ ڈر تو نہیں گئی۔" وہ بے تکلفی سے بولیتی وہاب کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

"نہیں البتہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"میں نے اسے طلاق دینے کی ہامی بھر لی تھی۔ کوئی اور راستہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ اس لیے مجبوراً مجھے عنیقہ کی بات ماننی پڑی۔ حالانکہ میرا ایسا کوئی ارادہ تو نہیں تھا نا۔ میں تو اسے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ سمجھی ہی نہیں۔"

"چلیں اب تو آپ کے پاس کافی وقت ہو گا اسے منانے کیلیے۔ سمجھا لیجیے گا اسے۔" عانیہ نے شرارت سے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

-------------------------------

عانیہ کے کہنے پر ریم رات کو حدیقہ کے ساتھ سوئی تھی تاکہ اسے ڈر نہ لگے۔ وہ خود اس کے پاس سو جاتی لیکن عنیقہ پر چیک رکھنا بھی ضروری تھا۔ بے شک اس نے سلیپنگ پلز کھالیں تھیں اور اگلی دوپہر تک بھی جاگنے کا کوئی چانس نہیں تھا لیکن عانیہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ رات کو دو تین دفعہ اس نے ڈریسنگ روم میں جا کر اسے چیک کیا لیکن وہ حسب توقع بے سدھ پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر دل تو کر رہا تھا دو تھپڑ لگائے منہ پر لیکن کیا فائدہ۔ بدلہ تو وہ لے ہی رہی تھی۔ ویسے بھی اس کی گمشدگی کی سزا اسے خود ہی مل جانی تھی۔ گھر واپس جانے پر

اس کی ماں نے اس کی سخت پٹائی کرنی تھی اس لیے عانیہ نے اس پر تشدد کرنے کا فیصلہ ملتوی کر کے اس پر احسان کیا۔ صبح کو اس کی آنکھ اذان کے ساتھ ہی کھل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد حواس مکمل طور پر بحال ہوئے تو دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر درد محسوس ہوا جس پر حدیقہ کو بچاتے ہوئے چھری لگی تھی۔ عنیقہ نے اتنی زور سے چھری دبائی تھی کہ چھری درمیان والی دو انگلیوں کی جلد کو چیرتی ہڈیوں تک جا پہنچی تھی۔ لیکن مجال تھی کہ چہرے سے ذرا سے بھی درد کے آثار محسوس ہوئے ہوں۔ وہاب بھائی نے اسے زخم دکھانے کا کہا تھا لیکن وہ ٹال گئی تھی۔ اب سوچ رہی تھی کہ اس زخم کی سب کو کیا وجہ پیش کرے گی۔ خاص طور پر ریان کو۔ وہ تو اس وقت تک اس کی جان نہیں چھوڑے گا جب تک اصل بات معلوم نہیں ہو گی۔ اس لیے زخم اس سے چھپا کر ہی رکھنا پڑنا تھا۔ اچانک ہی ذہن کے پردوں سے ماضی کی کوئی یاد ہوا کی طرح ٹکرائی تھی۔ وہ ریان کے گھر میں تھی۔ سالار کو جھولا دینے کی وجہ اس کے ہاتھ کا زخم بگڑ گیا تھا جو اس نے شیشہ ہاتھ میں دبا کر لگایا تھا۔ ریان نے وہ زخم دیکھ لیا تھا اور پریشان ہو گیا تھا لیکن وہ اس وقت اس سے سخت نفرت کرتی تھی۔ اس کے ساتھ سختی سے بات کرنے کا بھی کوئی دکھ نہیں ہوا تھا۔ ریان کو دکھ تو ہوا تھا لیکن وہ کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا تھا اور پھر اسے مرہم لا کر دی تھی۔ کتنا خیال رکھنے والا تھا وہ۔ محبت کرنے والا۔ اور وہ اس سے نفرت کرتی رہی تھی۔

اس کے دل میں اداسی بھر گئی۔ کاش وہ پہلے سچ جان لیتی تو کبھی اس سے نفرت نہ کرتی لیکن اگر ایسا ہو جاتا تو وہ کبھی اس سے ملتی ہی نہ۔ جو بھی ہوا تھا اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ تھی۔ اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔ سر جھٹک کر وہ بستر سے اٹھی اور واشروم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد وہ وضو کرنے کے بعد آکر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ انگلیوں کے زخموں پر مرہم لگانے کے بعد الگ الگ پٹیاں باندھیں۔ پھر بال برش کیے اور ریشمی دوپٹے کو سر پر حجاب کی صورت میں باندھ کر نماز پڑھی۔ دعا اور تلاوت قرآن پاک پڑھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ روم میں آکر عنیقہ کو چیک کیا لیکن وہاں راوی سکون ہی سکون لکھ رہا تھا۔ پھر دروازہ لاک کر کے وہ کمرے

سے باہر آئی اور لاؤنج سے گزرتی حدیقہ کے کمرے کی طرف آگئی۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ دھکیلا تو بیڈ پر صرف ریئم سوئی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ حیران ہوئی کہ حدیقہ اتنی جلدی کیسے جاگ گئی۔ واشروم کا دروازہ دیکھا تو وہ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس کی نظر بالکونی کے دروازے پر پڑی جو کھلا ہوا تھا۔ وہ مسکراتی بالکونی کی طرف بڑھی تھی۔

"ہمم.... تو موسم انجوائے ہو رہا ہے۔" وہ حدیقہ کے ساتھ آکر کھڑی ہوتی ریلنگ پر کہنیاں ٹکا گئی۔ حدیقہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"ارے کیا ہو گیا؟"

"میں نے ابھی فرش پر بہت زیادہ خون بکھرا دیکھا ہے۔ وہ تمہارا خون تھا نا عانیہ۔ تم نے پھر سے مجھے بچانے کیلیے خود درد سہہ لیا۔ میں ہمیشہ تمہیں نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہوں۔" وہ اس کے زخمی ہاتھ کو پکڑتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ بہت کم نقصان ہے حدیقہ۔ تم میرے لیے اہم ہو۔ اچھا اب اداس تو مت ہو۔ یہ بتاؤ آج اتنی جلدی خود کیسے اٹھ گئی؟"

"ریئم نے نماز پڑھنے کے لیے جگایا تھا۔" وہ فجر کے وقت کبھی خود جاگ ہی نہیں سکتی تھی۔ الارم بھی اسے نہیں جگا سکتا تھا۔ لیکن عانیہ اسے جھنجھوڑ کر زبردستی اٹھا ہی دیتی تھی۔ آج یہ کام ریئم نے سرانجام دیا تھا۔

"وہ خود تو سوئی پڑی ہے۔" عانیہ نے حیرت سے کہا۔

"نماز پڑھ کے سو گئی تھی۔ رات کو اس کی سانس خراب ہوئی تھی تو کافی دیر جاگتی رہی تھی۔"

"تم بھی جاگی رہی تھی؟"

"ہاں۔"

"تو پھر ابھی تم کیوں نہیں سوئی؟"

"دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"اچھا تو یہ دل کیا چاہ رہا ہے پھر؟" عانیہ شرارت سے مسکرائی۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے عانیہ۔ مجھے تو تمہاری سمجھ نہیں آتی۔ تم اتنے برے حالات میں کیسے خوش رہ لیتی ہو۔ کل رات کتنا بھیانک واقعہ ہوا تھا۔ جس میں نقصان بھی تمہیں پہنچا لیکن تم مسکرا رہی ہو۔" حدیقہ حیران کھڑی تھی اور عانیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"یاد ہے ایک وقت تھا جب میں بہت روتی تھی اور تم ہی مجھے مسکرانے کی نصیحتیں کرتی تھی۔" عانیہ نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں لیکن اتنی تکلیف میں مسکرانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کاش تمہیں یہ زخم نہ لگتا۔ ابھی گولی کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ ایک اور لگ گیا۔" وہ پھر سے اداس ہو رہی تھی۔

"ارے چھوڑو بھی یار۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ جب مجھے زخموں کی پرواہ نہیں تو تم کیوں ٹینشن لیتی ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ جائیں گے۔ اور آج تمہاری شادی ہے۔ دولہا بھائی کیا سوچیں گیں۔" وہ پھر سے شوخ ہوئی تو حدیقہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میرا دماغ تو یہ سوچ سوچ کر پھٹا جا رہا ہے کہ اگر وہاب عنیقہ کی بات مان لیتے تو میرا کیا ہوتا۔ میں کہاں جاتی۔ شاید مر جاتی۔ شکر ہے تم آ گئی ورنہ پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ مجھے عنیقہ سے اس قدر گھٹیا پن کی امید نہیں تھی۔ میں نے تو کبھی اس کا برا نہیں چاہا لیکن اس نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ تلخ انداز میں بول رہی تھی۔

"یار اس بے چاری کو اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے۔ تمہیں اب اسے معاف کر ہی دینا چاہیے۔"

"بے چاری؟" وہ حیران ہوئی تو عانیہ نے اسے بتا دیا کہ اس نے عنیقہ کو کل رات سے گھر نہیں جانے دیا۔

"کیا؟"

"یہ سزا بھی اس کے لیے کم ہے۔اگر یہ اس کی پہلی غلطی ہوتی تو شاید میں اسے چھوڑ دیتی لیکن یہ اس کی دوسری غلطی تھی جو اس کی ڈھٹائی کا ثبوت تھی۔اگر اب اسے یہ سزا نہ ملتی تو وہ آگے بھی تمہارے ساتھ برا کرنے کی کوشش کرتی۔"عانیہ نے اس کی حیرت پر اسے وضاحت دی۔

"دوسری غلطی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"حدیقہ ٹھٹک کر بولی تھی۔عانیہ کچھ دیر کیلیے خاموش ہو گئی تھی۔

"اس نے تمہیں اغوا کروایا تھا۔"کچھ سوچ کر اس نے بتا دیا۔اور حدیقہ کے چہرے پر بے یقینی پھیل گئی تھی۔

"لیکن وہ تو حماد نے......"

"ہاں اس نے ہی اغوا کیا تھا لیکن عنیقہ نے اس کی مدد کی تھی۔"عانیہ نے بتایا تو اسے یاد آیا جب وہ عنیقہ کے ساتھ بیوٹی پارلر گئی تھی اور راستے میں اغوا ہوئی تھی۔ تبھی عنیقہ نے اس کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کیا تھا تاکہ اسے اپنے ساتھ لے جا سکے۔

"تو ٹھیک ہے مجھے خوامخواہ پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔اگر وہ میرے ساتھ اتنا برا کر سکتی ہے تو میرا بھی حق بنتا ہے اس سے بدلہ لینا۔"وہ غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن گراف مزید ہائی ہو رہا تھا۔یہ اس کی کزن تھی جسے وہ بہن سمجھتی تھی اور اس نے اس کے ساتھ کیا کیا۔پہلے جھوٹ بول کر وہاب سے بدگمان کرنے کی کوشش کی۔پھر اسے اغوا کروا دیا۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ اغوا شدہ لڑکی کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔اور کل رات اسے طلاق دلوانے والی تھی وہ۔

"ہاں یہ ہوئی نا بات۔اب تم عنیقہ کے بارے میں مت سوچو۔بلکہ اب تمہاری سوچوں کا محور صرف اور صرف وہاب بھائی ہونے چاہئیں۔"وہ ایک دفعہ پھر شرارت پر اتر آئی لیکن حدیقہ اسے غصے سے گھورنے میں ناکام رہی اور چہرہ پھیر کر مسکرا دی۔

"چلو نیچے چلتے ہیں۔ناشتے کا وقت ہو گیا ہے۔" عانیہ نے کہا۔

"نہیں۔تم میرے لیے یہیں ناشتہ لے آؤ نا۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی تو عانیہ کو ہنسی آئی۔

"کیوں جی۔میں آپ کی ملازمہ ہوں۔"

"نہ لے کر آؤ۔میں بھوکی رہ لوں گی۔" وہ نخرہ دکھاتے ہوئے عانیہ کو بڑی پیاری لگی تھی۔

"ارے یار نیچے چل کر کھانے میں کیا مسلہ ہے؟" عانیہ وجہ تو جانتی تھی لیکن اس کے منہ سے اگلوانا چاہتی تھی۔

"نیچے سب ہوں گے نا۔" اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کی لیکن عانیہ جان بوجھ کر انجان بنی رہی۔

"تو....؟" حدیقہ نے اسے گھورا لیکن عانیہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹانے لگی۔حدیقہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"مجھے سب کے سامنے شرم آئے گی نا۔" بالآخر شرماتے ہوئے اس نے کہہ ہی ڈالا۔

"سب کے سامنے یا صرف ان کے سامنے۔" عانیہ نے لفظ ان پر خاصا زور دیا۔حدیقہ نے اسے پہلے گھورا پھر سر جھٹک کر مسکرا دی۔

"عانی تنگ مت کرو یار۔"

"چلو کیا یاد کرو گی۔میں تمہارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔" عانیہ اس پر احسان کرتے ہوئے بولی اور مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

-----------------------------

وہ حدیقہ کے لیے ناشتہ لے کر کچن سے نکلی تھی۔زخمی ہاتھ ٹرے کے نیچے تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے ٹرے کا کنارہ پکڑا ہوا تھا۔وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی کہ سامنے سے آتے ریان کو نہ دیکھ سکی۔البتہ ریان اسے دیکھ چکا تھا اور رک گیا تھا۔وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔گلاس میں سے تھوڑا سا دودھ چھلک کر ٹرے میں گر پڑا

تھا۔ اگر اس کا ایک ہاتھ زخمی نہ ہوتا تو دودھ کی کیا مجال تھی وہ اپنی جگہ سے ہلتا بھی۔ اس نے غصے سے ریان کو گھورا۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتے۔" اپنی غلطی ہونے کے باوجود وہ اسے ڈانٹتی اس کے پاس سے گزرنے لگی۔ ریان اس کے بے وجہ غصے پر حیران ہوتا اس کی طرف پلٹا۔

"آج صبح ہی صبح اتنا غصہ؟" ریان کی آواز سن کر بھی وہ نہ رکی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ فی الحال وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہے.... رکو تو۔" وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"حدیقہ کو ناشتہ دینے۔" وہ ایسے بولی جیسے اس سے مصروف اور کوئی نہ ہو۔

"تم بھی اسی کے ساتھ ناشتہ کرو گی؟" وہ وہیں رک گیا لیکن وہ نہیں رکی۔

"ہمم۔"

"کیوں؟.... چلو اس کی تو شادی ہے اس لیے اس کے دلہنوں والے نخرے بنتے ہیں۔ تم کس خوشی میں ناشتہ کمرے میں کرو گی؟.... کہیں تمہیں مجھ سے شرم تو نہیں آ رہی۔ آخر ہماری بھی منگنی ہو رہی ہے آج۔" اس نے پیچھے سے اونچی آواز میں کہا تو عانیہ رک گئی اور غصے کو کنٹرول کرنے کے لیے لب بھینچے۔ ایسا طعنہ وہ کیسے برداشت کر سکتی سو ریان کی بات کو غلط ثابت کر کے چھوڑا۔

"تم چلو میں بھی وہیں آ رہی ہوں۔ تمہارے سامنے بیٹھ کھاؤں گی۔" وہ مڑ کر دانت پیستے ہوئے بولی اور اوپر چلی گئی۔ ریان اس کی اکڑ پر مسکراتا ڈائننگ ہال میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں آئی تو اس کے ہاتھ کی پٹی اتری ہوئی تھی۔زخم تو انگلیوں کے اندر کی طرف تھے اس لیے چھپ سکتے تھے لیکن پٹی تو صاف نظر آجاتی تھی۔ریان کی دلفریب سی مسکراہٹ نے اس کا استقبال کیا لیکن وہ اگنور کر کے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ادیبہ نے اس کے سامنے ناشتہ لا کر رکھا تو اس نے احتیاط سے توس اٹھایا اور جیم لگا کر کھانے لگی۔وہاب بھی ناشتے کیلیے آگیا اور ریان کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس کی نظر عانیہ کے بغیر پٹی والے ہاتھ پر پڑ گئی۔

"پٹی کیوں اتار دی؟.....زخم ٹھیک ہو گیا کیا؟"اس نے بے اختیار پوچھا تو عانیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"زخم؟"ریان ٹھٹکا تو وہاب نے ڈرتے ہوئے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہ تھوڑا سا زخم لگ گیا تھا کل۔"اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتے ہوئے بات رفع دفع کرنے کی کوشش کی لیکن سامنے بھی ریان تھا۔

"دکھاؤ کہاں لگا ہے۔"اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔عانیہ نے سوچا یہیں سے ایک نظر اسے زخم دکھا دے۔کونسا زخم کی گہرائی جان سکے گا۔ویسے بھی جلد آپس میں جڑ چکی تھی۔

اس نے ہاتھ کا رخ ایک لمحے کے لیے ریان کی طرف کیا اور پھر جلدی سے کھانا کھانے لگی جیسے بہت بھوک لگی ہو۔ریان کی تسلی نہیں ہوئی تھی اس لیے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف آگیا۔اس کے ہاتھ سے توس لے کر پلیٹ میں رکھا اور ہاتھ کو سیدھا کر کے دیکھنے لگا۔وہاب نے نچلا ہونٹ دبا کر مسکراہٹ چھپائی اور بڑی توجہ سے ناشتہ کرنے لگا۔

"یہ زخم بہت گہرا ہے۔کہاں سے لگا ہے؟"وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو عانیہ نے وہاب کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا اس وقت۔

"یہ چھری کا زخم ہے۔"وہاب نے سچ بولا تو عانیہ نے اسے صدمے سے دیکھا۔

"کیا؟" ریان نے غصے سے عانیہ کی طرف دیکھا۔

"عانیہ تمہیں سچ بتادینا چاہیے۔ کونسا غلط کام کیا ہے تم نے۔" وہاب نے اسے کہا۔

"میں غلط کروں یا صحیح لیکن یہ مجھے ہمیشہ کی طرح ڈانٹے گا ہی۔" عانیہ منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"کوئی مجھے بتائے گا کہ ہو کیا رہا ہے۔" ریان کا غصہ بڑھنے لگا۔

"میں بتاتا ہوں ریان۔ یہ زخم اسے حدیقہ کی جان بچاتے ہوئے لگا ہے۔" وہاب نے دھیمی آواز میں راز کھولا۔ وہ حیران ہوا اور وہاب نے اے ٹو زی اسے ساری بات بتادی۔ عانیہ نچلا لب دانتوں میں دبائے ریان کے رد عمل کی منتظر تھی۔ جب اسے پتہ چلا کہ عنیقہ نے حدیقہ کے گلے پر چھری رکھ دی تھی تو وہ پریشان ہوا، پھر عانیہ کی اینٹری کے بارے میں سن کر حیران ہوا اور پھر اس کی کارکردگی کے بارے میں سن کر اسے فخر ہوا۔ اس نے تحسین آمیز نظروں سے عانیہ کو دیکھا۔

"گڈ جاب۔" اس کے گال کو تھپکتے ہوئے وہ کسی بڑے فوجی آفیسر کی طرح بولا تو عانیہ نے شکر کا سانس لیا۔

"اگر تم مجھے بتادیتی تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔" وہ شکوہ کرنے لگا۔

"تم بھی تو مجھے کچھ نہیں بتاتے۔"

"کیا؟" اس نے تھوک نگلا۔ وہ بھی تو اسے بتائے بغیر حماد کو ڈھونڈ رہا تھا۔

"کل سارا دن کہاں تھے؟"

"یہیں تھا۔" وہ منمنایا۔

"اچھا تو پھر میں کہیں گئی ہوئی تھی کیا؟" اس نے طنز کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا تو ریان اور وہاب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"وہاب بھائی بتائیں یہ کہاں گیا تھا۔ آپ بھی تو ساتھ تھے نا۔"

"ہاں وہ ایک ضروری کام تھا۔" وہاب نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"ویسے میں نوٹ کر رہی ہوں۔ آپ دونوں کی کچھ زیادہ ہی دوستی چل رہی ہے آجکل۔ یہ چکر کیا ہے آخر۔ کونسی ایسی ضروری باتیں ہیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں؟" وہ مشکوک لہجے میں بولی تو ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ارے یار بزنس کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور اب وہ نہ پوچھ لینا۔ تمہاری سمجھ میں بالکل نہیں آئیں گیں۔" ریان نے بہانہ بنایا۔

"پھر وہاب بھائی کی سمجھ میں کیسے آجاتی ہیں؟ ان کا تو کمپیوٹر کا شعبہ ہے نا۔" عانیہ بھی بال کی کھال اتارنے میں ماہر تھی۔

"دراصل میرا ایک دوست بزنس مین ہے۔ کل اسی سے میٹنگ کروائی تھی ریان کی۔" عمیر نے اسے یہ بہانہ بتایا تھا جو اس نے عمرینہ کے سامنے کہا تھا۔ سو وہی عانیہ کے سامنے بھی دہرایا گیا تو ریان کی کچھ جان بخشی ہوئی۔

---

دوپہر کے ایک بج چکے تھے۔ سب میرج ہال پہنچنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ عانیہ بھی بھاری بھر کم لہنگا پہن چکی تھی۔ براؤن ویوی بال کھلے تھے اور گلے میں ریشمی دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ تھا اور جیولری کے نام پر صرف وہی نیکلس تھا جو ریان نے دیا تھا۔ تیاری مکمل کر کے وہ ڈریسنگ روم میں آئی اور عنیقہ کے چہرے پر پانی چھینک کر اسے جگایا۔ وہ آنکھیں کھول کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ذہن ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔

"اٹھ جاؤ۔ تمہاری چھٹی کا وقت ہو گیا ہے۔" وہ اسے بازو سے پکڑ اٹھاتے ہوئے بولی تو عنیقہ کو کل رات والا سارا واقعہ یاد آیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔ پتہ نہیں اب تک اس کے گھر میں کیسا کہرام مچ گیا ہو گا۔ اور

واپس جانے پر پتہ نہیں کیا حشر ہو گا اس کے ساتھ۔ ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا اس لیے کوئی بہانہ بھی نہیں بن رہا تھا اور اگر کوئی بات بن بھی جاتی تو ارم کونسا سننے والی تھی۔ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور سنو۔ یہ بات دھیان میں رکھنا اگر تم نے کسی کو میرے بارے میں بتانے کی کوشش کی تو بہت برا حشر کروں گی تمہارا۔ تم نے جو میسیجز وہاب بھائی کو کیے تھے ان سب کا ثبوت میرے پاس ہے۔ اگر میں نے وہ تمہاری فیملی کو دکھا دیے تو کوئی بھی تمہاری بے گناہی پر یقین نہیں کرے گا۔ اس لیے اپنا منہ بند ہی رکھنا۔" عانیہ نے سخت لہجے میں اسے تنبیہ کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھی تھی۔ ابھی تو وہ اپنی صفائی میں یہ کہہ سکتی تھی کہ کسی نے اسے اغوا کر لیا تھا لیکن اگر اس کے میسیجز کے بارے ماما کو پتہ چل جاتا تو انہوں نے اس کی بے گناہی پر واقعی یقین نہیں کرنا تھا۔ اس لیے عانیہ کی بات ماننے میں ہی بھلائی تھی۔ اس کی ساری اکڑ ٹوٹ چکی تھی۔ انتقام کا جذبہ سر د پڑ چکا تھا۔ وہاب کا خیال دل سے نکل چکا تھا۔ اب بس یہی سوچ تھی کہ زید کو اپنی بے گناہی کا یقین کیسے دلائے گی۔ شکست خوردہ قدموں سے چلتی وہ عانیہ کے ساتھ نچلی منزل پر آئی تھی۔ کسی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ لاؤنج کو خالی دیکھ کر عانیہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹتی جلدی سے باہر لے آئی تھی اور درختوں کے پیچھے سے گزرتے ہوئے اسے گیٹ کے پار پہنچا دیا۔ اب آگے سے اسے اپنے گھر میں داخل ہونا تھا جو سب سے مشکل ترین مرحلہ تھا۔

-------------------------

عنیقہ جب حدیقہ کے کمرے میں جانے لگی تھی تو اس نے نوری آپی سے کہا تھا کہ وہ گھر جا رہی ہے۔ اس لیے نوری آپی اکیلی گھر آئی تھی اور ارم نے اس سے عنیقہ کے بارے میں پوچھا تو وہ حیران ہوئی۔

"ماما وہ تو آدھا گھنٹہ پہلے مجھ سے کہہ کر گئی تھی کہ وہ گھر جا رہی ہے۔" اس کی بات سب نے سنی تھی۔ ارم کی بہن ساجدہ اور بھائی اسماعیل کی ساری فیملی لاؤنج میں موجود تھی اور وہ لوگ شام سے ادھر بیٹھے تھے۔ اگر عنیقہ آئی ہوتی تو انہیں پتہ ضرور چلتا۔

"اچھا کمرے میں دیکھ آؤ۔شائد آگئی ہو۔" ارم نے انجانے خدشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نارمل سے لہجے میں کہا لیکن دل اندر سے ڈر ضرور گیا تھا۔اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔عنیقہ اپنے کمرے میں تو کیا پورے گھر میں نہیں تھی۔زید اور اس کی فیملی سوالیہ نظروں سے ارم کو دیکھ رہی تھی لیکن وہ شرمندگی کے مارے ان سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے ابھی وہیں ہو۔" نوری نے بات سنبھالی اور جلدی سے پھر عمرینہ چچی کے پورشن میں آگئی۔ابھی مہمان باقی تھے۔سو افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے کمروں کے علاوہ سارا گھر دیکھ لیا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔وہ ناکام گھر لوٹی تو ارم کی پریشانی بڑھنے لگی۔اسے کال کی لیکن اس کا فون گھر تھا۔رات کے بارہ بجے تک وہ انتظار کرتی رہی لیکن عنیقہ نے نہ آنا تھا نہ آئی۔سب کو اس کی گمشدگی کے بارے میں پتہ چل گیا تھا۔کوثر جو کل تک عنیقہ کے گن گاتی نہ تھکتی تھی آج وہ وہ باتیں سنائیں کہ ارم رو پڑی۔اس نے تو صاف صاف کہہ دیا زید عنیقہ کو طلاق دے دے گا۔بھلا ایک ایسی لڑکی جو رات بھر گھر سے غائب رہتی ہے اسے وہ اپنی بہو کا رتبہ کیسے دیتے۔ساجدہ نے کوثر کو سمجھانا چاہا لیکن وہ نہ مانی۔زید خاموشی سے ایک طرف لاتعلق کھڑا تھا لیکن اس کا پارہ ہائی ہو چکا تھا۔عنیقہ کہ ساری باتیں یاد آئیں جو اس نے نکاح سے پہلے کہی تھیں۔اسے بہت توہین محسوس ہوئی تھی اور اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اسی سے شادی کرے گا اور بدلہ لے گا۔نکاح کے بعد اس کا بہت کم ہی سامنا ہوا تھا عنیقہ سے۔اس نے سوچ رکھا تھا کہ جرمنی جا کر اسے اس کی اوقات یاد دلائے گا۔لیکن وہ آج موقع ملتے ہی فرار ہو گئی تھی۔اشتعال سے اس کی کنپٹیاں سلگیں اور آنکھوں میں خون اتر آیا۔(ایک دفعہ وہ مل جائے سہی۔پھر اس کا وہ حشر کروں گا کہ یاد رکھے گی۔) وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ارم ساری رات روتی رہی اور عنیقہ کو کوسنے دیتی رہی۔نور اور ساجدہ اس کو تسلیاں دیتی رہیں۔زید اور سلیمان سڑکوں پر اسے ڈھونڈتے رہے۔بلال صاحب ابروڈ جا چکے تھے اس لیے یہ خبر ان تک نہیں پہنچی تھی۔حیدر علی

سے مدد مانگنا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا۔ جب حدیقہ اغوا ہوئی تھی تو ارم نے سارے خاندان کے سامنے ان کی عزت اچھالی تھی۔ اب یہ بات پلٹ کر اس پر آچکی تھی۔ رہ رہ کر اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔ اتنی ذلت اور شرمندگی برداشت کرنی پڑ رہی تھی کہ حد نہیں۔ ایسے میں اگر حیدر علی اور عمرینہ کو بھی پتہ چل جاتا تو پھر سارے خاندان کو پتہ چلتے دیر نہیں لگنی تھی۔ اس لیے انہیں نہ بتانا ہی بہتر تھا۔ ساجدہ نے تو اسے پولیس سے مدد لینے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن اس طرح بھی جگ ہنسائی ہونی تھی۔ دوپہر ایک بجے تک ان سب کے صبر وں کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور اسی وقت عنیقہ بھی آچکی تھی۔ سب کی حیرت بھری نظریں اس کی طرف اٹھیں تو اس کا دل رکنے لگا۔ پھر ارم نے آگے بڑھ کر اسے اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ وہ تیورا کر نیچے گری۔ نوری آپی اور ساجدہ نے آگے بڑھ کر ارم کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی۔ عنیقہ پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ یہ تھپڑ اسے عانیہ بھی بڑی آسانی سے مار سکتی تھی لیکن اس نے عقل سے کام لیا اور عنیقہ کو سمجھا دیا کہ دوسروں کے ساتھ برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے۔ مار کی تکلیف الگ سے ہو رہی تھی اور سسرال والوں کے سامنے ذلت اور رسوائی کی الگ تکلیف تھی۔ جب وہ بے ہوش ہو گئی تو ارم نے اسے مارنا بس کیا۔ کوثر نے اپنے بیٹے سے کہا کہ عنیقہ کو طلاق دے دے لیکن زید نے انہیں سمجھایا کہ اتنے لاکھوں کا جہیز ہے اس کا جو واپس کرنا پڑے گا اور حق مہر الگ سے دینا پڑے گا۔ پہلے تو ان کا احسان تھا لیکن اب وہ ان کی اغوا شدہ لڑکی کو لے کر ان پر احسان چڑھا دیں گے۔ اس طرح وہ بہت سی باتیں منوا سکتے ہیں۔ سو کوثر مان گئی اور زید نے ارم پر احسان کرتے ہوئے کہہ دیا کہ وہ عنیقہ کو طلاق نہیں دے گا۔ کیونکہ اس کے اغوا ہونے میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر وہ گھر سے بھاگی ہوتی تو واپس کیوں آتی۔ ارم تو اس کی بات سن کر اس پر صدقے واری ہو گئی۔ عنیقہ کو ہوش آیا تو نوری آپی نے اسے زید کے فیصلے کے بارے میں بتایا۔ اس نے شکر کا سانس لیا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس دوزخ میں گرنے جا رہی ہے۔

---------------------------------

شام کے نارنجی اور سرمئی سائے رات کی تاریکی میں گم ہونے لگے تھے۔ہلکی ہلکی چلتی ہوا ماحول میں عجیب سافسوں پیدا کر رہی تھی۔میرج ہال کا اوپر والا پورشن مہمانوں سے بھر چکا تھا۔بڑے سے سٹیج پر صوفے لگے ہوئے تھے۔دونوں دولہے اور دلہنیں ان صوفوں پر بیٹھے سب کی نظروں کا محور بنے ہوئے تھے۔حدیقہ کا بے بی پنک کلر کا سلیولیس لہنگا تھا جبکہ رینیم کا سرخ رنگ کا تھا۔دونوں پر آج ٹوٹ کر نکھار آیا تھا۔وہ چاند سے اتری ہوئی اپسرائیں لگ رہیں تھیں۔عمیر اور وہاب بھی شیروانیاں میں ملبوس شہزادے لگ رہے تھے۔ریان نے بلیک ڈنر سوٹ پہنے ہمیشہ کی طرح ہینڈ سم لگ رہا تھا۔عانیہ براؤن لہنگے میں ملبوس جب سٹیج پر آئی تو اس نے بمشکل اس پر سے نظریں ہٹائیں تھیں۔وہ جب بھی اس کے سامنے آتی تھی پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوتی تھی۔عانیہ بھی اسے ایک نظر ہی دیکھ سکی تھی اور پلکوں کی باڑ جھکا گئی تھی۔ان دونوں کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔تالیوں کی گونج اور سیٹیوں کے شور میں انہوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی تھی۔پھر عمیر اور رینیم کا نکاح ہوا تھا۔ایجاب و قبول کے بعد سب نے عمیر کو مبارکباد پیش کی۔پھر ینگ جنریشن نے کچھ ہلا گلا کرنے کی ٹھانی۔کپل ڈانس کیلیے پہلے عمیر کی منتیں کی گئی لیکن وہ نہ مانا۔اس کی جان چھوٹی تو وہاب کو گھیر لیا گیا۔وہاب نے تو سیدھا سادہ جواب دیا کہ اسے ڈانس آتا ہی نہیں۔عریج نے انہیں سکھایا ہی نہیں۔عریج اس کا بہانہ سن کر ہنس پڑی۔اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان دونوں کو کپل ڈانس سکھائے گی لیکن اس کی اپنی شادی تھی۔پھر ریان اور عانیہ کو پکڑ لیا گیا۔انہوں نے نہ نہ تو بہت کی لیکن ان کی مانتے ہی بنی۔ڈانس کیلیے جب وہ ایک دوسرے کے سامنے آئے تو عانیہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن ریان کی لو دیتی ساحرانہ آنکھوں سے خائف ہوتی نگاہیں جھکا گئی۔

'دل میں چھپالوں گا' گانے کی لیئر کس پورے ہال میں گونجنے لگیں تھیں اور وہ دونوں سٹیج پر سپاٹ لائٹ کی روشنی میں ڈانس کرنے لگے تھے۔ ریان نے جب اس کا ہاتھ پکڑ کر اونچا کیا اور وہ گول گول گھومتی اس کے بازو پر گری تو چاروں طرف ہوٹنگ کا شور مچا تھا۔ عانیہ اور ریان کے دلوں میں بھی لہروں کا ایک شور برپا ہوا تھا۔

کھانے کے بعد رات دس بجے فنکشن ختم ہوا تو وہ لوگ گھر لوٹے۔ ینگ جنریشن اپنے اپنے گھروں کو جانے کی بجائے انہی کے ساتھ آگئی تھی۔ لڑکیوں نے نیگ لینا تھا اور لڑکوں نے دولہوں کو تنگ کرنا تھا۔ حدیقہ اور ریم کو بیڈ رومز میں بٹھا دیا گیا۔ لڑکوں نے وہاب اور عمیر کو بارہ بجے تک اپنے پاس سے ملنے نہ دیا۔ اللہ اللہ کر کے جب ان سے جان چھوٹی تو لڑکیاں نیگ لینے آدھمکیں۔ عمیر کی تو صرف گن کے دو ہی سالیاں بنیں تھیں۔ عانیہ اور حریم۔ اس کا معاملہ جلد ہی نمٹ گیا لیکن وہاب بے چارے کے سامنے تو سالیوں کی ایک پوری لائن تھی۔ حدیقہ کی دس پندرہ کزنز تھیں۔ وہاب نے سب کو پانچ پانچ ہزار دیے تھے۔ حریم اور عانیہ کو گولڈ اینڈ ڈائمنڈ جیولری گفٹ کی تھی۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں دس لاکھ روپے تھے۔ جس میں شادی کی تیاریوں میں پانچ لاکھ صرف ہوئے تھے۔ برات کا خرچہ تو ظاہر ہے لڑکی کے والدین نے ہی اٹھانا تھا لیکن ولیمے کے انتظامات اس نے خود کیے تھے۔ حیدر علی نے اسے کہا بھی تھا کہ وہ شادی کا سارا خرچہ اٹھا لیں گیں لیکن وہ نہیں مانا تھا۔ ولیمہ سنت نبوی تھا اور وہ اس کا ثواب خود ہی لینا چاہتا تھا۔ یہی تاویل اس نے حیدر انکل کے سامنے پیش کی تو وہ مان گئے تھے۔ باقی پیسوں سے حدیقہ کے لیے گفٹ لیا تھا۔ اب صرف تین لاکھ بچے تھے۔ لیکن اسے پریشانی نہیں تھی۔ جاب تو لگ ہی چکی تھی اور تنخواہ ایک لاکھ تھی۔ حدیقہ کے نخرے تو وہ اٹھا ہی سکتا تھا۔

-------------------------------

عانیہ اور حریم نے اتنی محنت سے اسے بیڈ کے درمیان بٹھا کر اس کا لہنگا پورے بیڈ پر پھیلایا تھا۔ پھر سرخ گلاب کے پھولوں کی پتیوں کی ایک تہہ لہنگے پر بکھیر دی تھی۔ حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ جلد از

جلد کمرہ خالی ہو تا کہ وہ کوئی راہ فرار اختیار کرنے کا بندوبست کرے۔ لیکن بارہ بجے تک لڑکیوں نے اس کے گرد جھرمٹ بنائے رکھا۔ پھر کمرہ خالی ہوتے ہی وہ تیزی سے اٹھی تھی۔ پھولوں کی پتیاں نیچے گر گئیں۔ وہ کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بناڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ دوپٹے کو بڑی مشکل سے اتارا۔ پھر ایک ایک کر کے ساری جیولری اتاری۔ جوڑا کھولا۔ بال برش کیے۔ پھر وارڈروب میں سے سفید کالر شرٹ اور بلیو جینز نکال کر جلدی سے واشروم میں گھس گئی۔ منہ پر فیس واش رگڑر گڑ کر میک اپ صاف کیا اور کپڑے بدل کر باہر آگئی۔ ٹائم دیکھا تو ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ اس کا سانس اور ہاتھ پاؤں پھولتے کا رہے تھے۔ اے سی کے باوجود پسینے آرہے تھے۔ بیڈ کی پائنتی پر نرم سا کمبل پڑا تھا۔ اس نے ایک طرف لیٹتے ہوئے جلدی سے کمبل اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ دو منٹ میں ہی سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا تو گھبرا کر اس نے کمبل کو سینے تک اتار دیا۔ ابھی اس نے ایک گہرا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس کے دل نے ایک کی بجائے کئی بیٹس مس کی تھیں۔ وہیں کروٹ کے بل لیٹے، سینے تک کمبل اوڑھے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ وہاب کے قدموں کی آواز اس کے دل پر پڑ رہی تھی۔ اسے اپنی دھڑکنوں کی آواز ڈھول کی طرح کانوں میں بجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہاب نے اسے کمبل اوڑھے لیٹے دیکھ کر ٹھٹکا۔ پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا تو اس کی بند آنکھوں پر لرزتی پلکوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ جان چکا تھا کہ وہ سونے کی ایکٹنگ کر رہی ہے لیکن اسے جتایا نہیں۔ وہیں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ بازو باندھ کر بیڈ کے کنارے ٹکا دیے اور فرصت سے اسے دیکھنے لگا۔ سفید ملائی جیسے چہرے پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اور لرزتی پلکیں اس کے حسن کو مزید بڑھا رہی تھی۔ وہ بے خود سا اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے چہرے کو آنکھوں میں جذب کر لینا چاہتا ہو۔ اس کا دل کیا کہ ہاتھ سے اس کے چہرے کو چھوئے لیکن حدیقہ میں ابھی تو اتنی برداشت ہی نہیں تھی۔ اسی لیے راہ فرار حاصل کر لی تھی۔ کوشش تو اچھی تھی لیکن ایکٹنگ بہت بری تھی۔ کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھا

اس کے چہرے کو دیکھتا رہا تھا اور حدیقہ اس کی نظروں کی تپش چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی تو جان ہوا ہو رہی تھی لیکن مسلہ یہ تھا کہ اب ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ سانس بھی احتیاط سے لے رہی تھی۔ آنکھیں سختی سے بند کیے، کمبل کو ہاتھوں میں جکڑے وہ ایک ہی پوزیشن میں لیٹی رہی تھی۔

وہاب کو کچھ دیر بعد اپنے گردوپیش کا احساس ہوا تھا تو وہ اپنی بے خودی پر خفیف سا مسکرا دیا تھا۔ پھر نظر بھٹک کر حدیقہ کے چہرے کی جانب اٹھی اور بے اختیار ہی اس نے جھک کر حدیقہ کی صبیح پیشانی پر محبت کی مہر ثبت کر دی۔ حدیقہ تو پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ وہاب نے اس کی کپکپاہٹ محسوس کر لی تھی سو جلدی سے پیچھے ہٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کپڑے چینج کرنے جب وہ واشروم میں گیا تو حدیقہ نے آنکھیں کھول کر واشروم کے بند دروازے کو دیکھا اور گہری سانس ایسے لی جیسے کب سے سانس روکے لیٹی ہو۔ وہاب جب واشروم سے باہر آیا تو وہ پھر سے سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی تھی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا اور کرسی پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ اور جب تک حدیقہ گہری نیند نہ سو گئی وہ وہیں بیٹھا آفس کا کام کرتا رہا تھا۔

---

ریشم بیڈ کے درمیان لہنگا ارد گرد پھیلائے بیٹھی تھی۔ ہاتھ گود میں رکھے وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ بیٹھ بیٹھ کر کمر دکھ گئی تھی لیکن وہ اب بھی سیدھی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ دل ڈر کے مارے دھک دھک کر رہا تھا۔ پہلے وہ عمیر سے خفا ہو گئی تھی لیکن اب اس کی خفگی کا ڈر دل میں آن سمایا تھا۔ تقریب کے دوران اسے منہ پھلائے دیکھ کر وہ ٹینس ہوا تھا۔ یہ بات وہ جان چکی تھی اور اب ڈر رہی تھی کہیں اس کی ڈانٹ ہی نہ سننی پڑ جائے۔ غصہ بھی تو بہت جلدی آ جاتا تھا اسے۔ نجانے کتنی ہی دیر وہ اضطراب میں گھری سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ پھر آخر کار دروازہ کھلا تھا۔ اس نے تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ چہرہ اس قدر جھکا لیا تھا کہ ٹھوڑی سینے سے لگ گئی تھی۔ عمیر نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ریشم نے آنکھیں بھی بند کر لیں تھیں۔ بس ابھی

پڑنے ہی والی ہے ڈانٹ۔ وہ پورے یقین کے ساتھ سوچ رہی تھی لیکن کافی دیر تک کوئی آواز نہیں آئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر کن اکھیوں سے عمیر کو دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے کھڑا تھا۔ رنیم اس کا چہرہ تو نہیں دیکھ سکی البتہ اندازہ کر رہی تھی کہ وہ اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا ہے۔ لیکن وہ کچھ بول کیوں نہیں رہا؟ اسے اب یہ ٹینشن لگ گئی۔ پھر یکدم اس کے زہن میں جھماکا ہوا۔ کہیں وہ اس کے بیڈ پر بیٹھنے پر تو غصے نہیں ہو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے نیچے اتر کر اس کے سامنے ہی سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ پھولوں کی پتیاں اس کے اٹھنے سے نیچے گریں اور خوشبو میں اضافہ ہوا تھا۔ عمیر اس کے یوں اچانک اٹھنے پر حیران ہوا تھا۔

"سوری..... مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ میرے اٹھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ جھجھکتے ہوئے بولی تو عمیر کی بھنویں تعجب سے سکڑیں۔ رنیم نے ایک نظر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے پھر جلدی سے بولی۔

"میں نیچے سو جاؤں گی۔ آپ مجھے معاف کر دیجیے۔" عمیر نے بڑی دلچسپی سے اس کی بات سنی اور مسکراہٹ دبا گیا۔ وہ اس کی بیوی تھی اور اس کا یہ حق تھا لیکن وہ معصوم اتنا بھی نہیں جانتی تھی۔ اس کے بیڈ پر بیٹھنے کو اپنی غلطی سمجھ کر معاف مانگ رہی تھی۔ اب خوامخواہ ہی اس کا دل کر رہا تھا رنیم کو ذرا اور تنگ کرے سو چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ اب پتہ نہیں وہ اس کی خاموشی سے کیا اندازہ لگاتی ہے۔ اور اس نے بھی کیا خوب اندازہ لگایا۔

"میں آپ کو دوسرے کپڑے نکال دوں؟" وہ اس کے دیکھنے پر جز بز سی ہوتی بولی تھی اور عمیر نے چہرہ پھیر کر مسکراہٹ چھپائی۔ رنیم کو اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اگر اس کے سامنے کھڑی رہی تو ڈانٹ پڑنے کے زیادہ چانسز ہو سکتے تھے۔ اس لیے اس نے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ جب وہ عمیر کے قریب سے گزری تو عمیر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"ہاہ!" ڈر کے مارے اس کے منہ سے کراہ نکلی اور حیرت سے چہرہ موڑ کر عمیر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا کلائی کو کھینچ کر اسی طرح اپنے سامنے لے آیا جیسے وہ پہلے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ رنیم کا دل تیزی

سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سرخ پڑتے چہرے کو جھکا گئی تھی۔ اب تو عمیر کے تاثرات دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔ عمیر نے اس کی کلائی چھوڑی تو اس نے شکر کا سانس لیا لیکن اگلے ہی پل عمیر نے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔ وہ ابھی ٹھیک سے حیران بھی نہیں ہو پائی تھی کہ وہ اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتا اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ اپنے ہونٹوں پر عمیر کے ہونٹوں کا لمس محسوس کر کر ریم کے جسم میں ایک سنسی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ دل رکنے لگا تھا۔ اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں لیکن ابھی عمیر پر اس کی حالت کا کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اس کی گرفت میں سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد ریم کی بھاری سانسیں چہرے پر محسوس کر کے وہ ہوش میں آیا تھا اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ریم تو گرتے گرتے بچی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا سرخ ہو رہا تھا جیسے دودھ میں کسی نے سرخ روشنائی ڈال دی ہو۔ پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا دھڑکنوں کی آواز اسے ایسے سنائی دے رہی تھی جیسے کانوں کے پاس ڈھول بج رہے ہوں۔ وہ خود کو کسی اور ہی جہان میں محسوس کر رہی تھی۔ جبکہ عمیر اس کی بگڑی حالت دیکھ کر شرمندہ ہوا تھا۔ وہ بیمار تھی۔ اس لیے وہ چاہ کر بھی ابھی اس سے اپنا حق وصول نہیں کر سکتا تھا۔

"لو.... ہو گیا میں تمہارا۔ یہی چاہتی تھی نا تم۔ ہار گیا میں۔ تم جیت گئی۔....اب تو راضی ہو جاؤ۔" وہ بوجھل سے لہجے میں بولتا ریم کے دل میں اترنے لگا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ اور اس کے سامنے وہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"اور ہاں آئندہ مجھ سے ناراض ہونے کی کوشش بھی مت کرنا۔ کیونکہ مجھے منانا بالکل بھی نہیں آتا۔ ہمم۔" ابرو اچکا کر اسے حکم دیا تو وہ پھر سے سر جھکا گئی۔

"چلو جا کر کپڑے چینج کرو۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ اس بھاری سرخ لہنگے میں لگ تو بہت خوبصورت رہی تھی لیکن اس کو ان کپڑوں میں سانس کا مسلہ بھی بن سکتا تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حکم دینے والے

انداز میں کہا۔ ریئم نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور جلدی سے وارڈروب کی طرف بھاگی۔ ایک سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ خوشی کے بے تاب آنسو دروازہ بند کرتے ہی بہنے لگے۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آج عمیر نے اسے اتنی بڑی خوشی دی تھی کہ اس سے سنبھالنی مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ ایک دن اس کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ ایک وقت تھا جب وہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کے لیے ترستی رہتی تھی۔ اور یہ تو سب سے بڑی خواہش تھی جو بن مانگے پوری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہی تھی لیکن آج عمیر کی محبت پا کر وہ خود کو دنیا کی سب سے زیادہ خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ شیشے میں اپنا عکس دیکھتی رہی اور عجیب سی کیفیت میں گھری لبوں کو چھونے لگی تھی جہاں ابھی بھی عمیر کے ہونٹوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو سادہ سی قمیض شلوار میں ملبوس تھی۔ عمیر کی نظریں خود پر محسوس کر کے وہ جلدی سے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی اور جیولری اتارنے لگی۔ عمیر وارڈروب سے کپڑے لے کر واشروم میں چلا گیا۔ اور جب وہ واپس آیا تو وہ صوفے پر مضطرب سی بیٹھی دکھائی دی۔

"یہاں آؤ۔" عمیر نے حکمیہ لہجے میں کہا تو وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"طبیعت خراب تو نہیں ہو رہی؟" وہ فکرمندی سے بولا۔ ریئم نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"اچھا یہاں لیٹ جاؤ۔" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا تو وہ ہچکچائی۔

"یہ اب تمہارا کمرہ ہے اور اس کی ہر چیز پر تمہارا حق ہے۔ بے فکر ہو کر سو جاؤ۔"

"اور آپ....؟" وہ ڈرتے ہوئے پوچھنے لگی کہ وہ کہاں سوئے گا۔ لیکن عمیر اس کا الٹ ہی مطلب سمجھا۔

"مان تو لیا ہے کہ مجھ پر بھی تمہارا حق ہے۔" وہ شرارت سے بولا تو ریئم خجل سی ہو کر رہ گئی۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں پوچھ رہی تھی کہ آپ کہاں سوئیں گے؟"

"کہو تو زمین پر سو جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ اوپر سوئیں۔"

"ایک شرط پر۔" وہ نخریلے انداز میں بولا۔

"کیسی شرط؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم بھی میرے ساتھ سوؤ گی۔" اس نے شرارت سے آنکھ دبائی تو اس کا منہ کھل گیا۔ چہرہ پھر سے دہک اٹھا۔

"اوہو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اچھا جلدی سے لیٹ جاؤ۔" اس نے رینم کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے لیٹنے پر مجبور کر دیا اور کچھ دیر کیلیے اس کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ وہ شرم سے کسمسائی تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر کمبل اس پر دینے لگا۔ رینم نے کمبل میں چہرہ چھپا لیا اور وہ مسکراتا ہوا بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹ گیا۔

"کمبل اتارو سر سے۔" اس کی رعب دار آواز پر اس نے جھٹ سے کمبل نیچے اتارا۔

"انہیلر پاس ہے؟"

"جی۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر دھیمی آواز میں بولی تھی۔ عمیر نے اے سی آف کر دیا۔ البتہ لائٹ آن ہی رہنے دی۔ وہ بہت جلدی سو جاتا تھا لیکن آج تو نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ آنکھیں بند بھی کر لیتا تو رینم کا ہی چہرہ نظر آتا۔ شادی سے پہلے تو وہ اس کے سامنے آنے سے بھی کتراتا تھا لیکن اب اسے اپنی بہادری پر خود ہی حیرت ہو رہی تھی۔ وہ تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ رینم کو منائے گا کیسے۔ الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے لیکن اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے اختیار ہو گیا تھا۔ اور اب اپنی بے خودی پر کافی خجل بھی ہو رہا تھا اسی لیے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد رینم کی بھاری بھاری سانسیں سنائی دیں تو پریشان ہو گیا۔ وہ سو چکی تھی اور سانس بمشکل لے پا رہی تھی۔ اے سی کی ٹھنڈک سے اس کی سانس اکھڑ تھی۔ عمیر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اس کا سانس ٹھیک کرے۔ جگانا بھی نہیں چاہتا تھا اور سوتے ہوئے وہ

انہیلر لینے سے تو رہی۔ کچھ سوچ کر وہ اس کے قریب لیٹ گیا۔ احتیاط سے اس کا سر اٹھا کر اپنے بازو پر رکھا اور اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی سانسیں اعتدال پر آئیں تو اس نے شکر کا سانس لیا اور اسے ہی سوچتے ہوئے نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

-----------------------------------

کئی بار آنکھیں جھپکانے کے بعد اسے ارد گرد کا ہوش آیا۔ چہرے پر کسی کی گرم گرم سانسیں محسوس کر کے اس کی ساری سستی کو ایک ہی لمحہ لگا تھا غائب ہونے میں۔ چونک کر اس نے اوپر دیکھا تو عمیر کا چہرہ اس کے بالکل پاس ہی تھا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے کندھے پر سر رکھے لیٹی ہے۔ دل نے ایک بیٹ مس کی تو وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔ وہ ہلکا سا کسمسایا تھا۔ لیکن جاگا نہیں تھا۔ رنیم نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا اور سوچنے لگی کہ وہ کیسے اس کے اتنے قریب چلی گئی۔ لیکن کچھ سمجھ نہ آئی۔ نظر بھٹکتی ہوئی عمیر کے چہرے پر پڑی اور پھر کتنی ہی دیر ہٹ نہ سکی۔ رات کی وہ یاد پھر سے زہن میں آئی تھی تو ایک دفعہ پھر اس نے اپنے لبوں کو انگلیوں سے چھوا تھا۔ نظریں عمیر کے ہونٹوں پر جم گئی تھیں۔ کچھ لمحے مزید سرکے تو وہ اپنی بے خودی پر چونکی۔ اگلے ہی پل وہ نظریں پھیر گئی اور لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ آن ٹھہری۔ دل تو پھر سے اسے دیکھنے کی خواہش کرنے لگا تھا لیکن وہ دل کو ڈپٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ وضو کرنے واشروم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد وہ جائے نماز پر بیٹھی ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھی۔ اس کی ہر سانس سے عمیر کے لیے دعا نکلی تھی۔ اپنے لیے آج دعا مانگی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی دعا تو قبول ہو چکی تھی۔ اب تو وہ صرف اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔

جائے نماز تہ کر کے رکھنے کے بعد اس نے پلٹ کر عمیر کی طرف دیکھا جو ابھی بھی سویا پڑا تھا۔ آخری اذانیں بھی ختم ہو چکی تھیں اور رنیم کو اس کی نماز کی فکر ہونے لگی تھی۔ اسے جگانا چاہتی تھی لیکن کیسے؟..... وہ تو دیکھ بھی اسے ڈر ڈر کے رہی تھی کجا کہ اسے اٹھانا۔ لیکن آخر کار اس نے جی کڑا کر ہی لیا اور اس کی طرف آئی۔

"سنیں!" کوشش کے باوجود آواز نہایت ہی دھیمی نکلی تھی حلق سے۔ وہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوا تھا۔ تھوک نگل کر وہ کچھ اور آگے بڑھی۔ ہاتھ آگے بڑھایا لیکن پھر کھینچ لیا۔

"عمیر!" جھجھکتے ہوئے اس کا نام پکارا لیکن جواب ندارد۔

"عمیر!..... نماز کا ٹائم ہو گیا ہے۔" اس کے کندھے کو ہلکا سا ہلاتے ہوئے وہ کانپتی آواز میں بولی تو عمیر کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔

"عمیر!" وہ پھر سے بولی۔ عمیر نے بوجھل آنکھیں کچھ دیر کیلیے کھولیں تو اس کا چہرہ سامنے تھا۔ پہلے اسے لگا وہ خواب میں ریئم کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے لبوں پر ہلکی سے مسکراہٹ پھیلی۔ لیکن جلد ہی ریئم کی آواز اسے ہوش میں لے آئی۔

"نماز کا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے ڈرتے ہوئے اسے پھر جھنجھوڑا۔ عمیر نے برا سا منہ بنایا۔

"سونے دو۔" وہ آنکھیں بند کر گیا۔

"عمیر" وہ بھی اپنی ضد کی پکی نکلی۔ بالکل بیویوں کی طرح اسے اٹھا رہی تھی اسے۔ عمیر نے گہری سانس لی اور آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ریئم کو لگا وہ غصے ہو گیا ہے تو جلدی سے پیچھے ہٹی۔

"ابھی تو میں سویا تھا اور تم نے مجھے ابھی جگا بھی دیا۔" اسے ڈرتے دیکھ کر وہ چہرے پر غصہ لایا۔

"فجر کا وقت نکلا جا رہا ہے۔"

" پکڑ لو جا کر۔" وہ جل کر بولتا اٹھ بیٹھا۔ ریئم نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی چھپائی۔ عمیر نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا تو اس نے زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اب یہ ہنسی کا خوشی میں نکل رہی ہے؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہنسنا منع ہے کیا؟" اس نے بھی اسی انداز میں کہا تو عمیر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بہت جلد فرینک نہیں ہو گئی۔ کیا کانفیڈینس ہے۔ وہ تو عش عش کر اٹھا۔

"یہاں آؤ ذرا۔" اس نے رنیم کا کانفیڈینس چیک کرنا چاہا۔ رنیم نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ آپ جلدی سے فریش ہو جائیں اور نماز پڑھیں۔" وہ تیزی سے بولی پھر مسکرا کر معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"میں خود نکال لوں گا۔ تمہیں مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔ شادی سے پہلے میں اپنا ہر کام خود کرتا تھا (سفید جھوٹ)۔" اس نے جتا کر کہا تو رنیم نے سر ایسے ہلایا جیسے اس کی بات سے سو فیصد متفق ہو۔ عمیر کو لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ اسے سخت تاؤ آیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور وارڈروب کی جانب بڑھ گیا۔ بس ایک کپڑے ہی تو نکالنے تھے۔ رنیم کا احسان لینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سوچتا وارڈروب میں کپڑے چیک کرنے لگا۔ ایک سوٹ نکالا تو اتفاق سے دو تین سوٹ ساتھ ہی آ گئے اور نیچے گر پڑے۔ پیچھے سے رنیم کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی تو وہ بھی مسکرا دیا۔ جھک کر کپڑے اٹھائے اور لٹکانے کی بجائے ویسے ہی رکھ دیے۔ اسے ہمیشہ سے آدھا ادھورا کام کرنے کی عادت تھی۔

"پیچھے ہٹیں۔" وہ اس کے قریب آ کر بولی تو اس نے شکر کیا۔ اگر وہ نہ آتی تو آج اسے اپنی عادت کے خلاف جانا پڑتا جو اسے مشکل لگتا تھا۔

وہ شاور لے کر آیا تو ابھی نماز میں کچھ وقت تھا۔ اگر تھوڑا جلدی جاگ جاتا تو مسجد میں با جماعت نماز پڑھتا۔ وہاب اسے روزانہ صبح نماز کے لیے جگاتا تھا اور وہ دونوں مسجد ایک ساتھ جاتے تھے۔ آج رنیم نے اسے جگایا تھا لیکن ذرا دیر ہو گئی تھی۔ وہاب نے یقیناً آج اس کا خوب ریکارڈ لگانا تھا۔

رینم نے جائے نماز زمین پر بچھا دیا تو وہ شکریہ کہے بنا نماز پڑھنے لگا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کا ڈر آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ اب اس کا دل کر رہا تھا کہ عمیر سے ڈھیروں باتیں کرے۔ اس کی باتیں سنے۔ اور وہ اسے دیکھتی رہی۔ وہ خیالوں میں ایسی کھوئی تھی کہ عمیر نے چٹکی بجا کر اسے ہوش میں بلایا۔ وہ گڑبڑائی لیکن جلد ہی سنبھل گئی۔ وہ اسے جتاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ رینم سر جھکا کر مسکرائی پھر اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس کی جتاتی نظروں کا کچھ تو جواب دینا بنتا تھا۔ شرمانے سے کام نہیں تھا چلنے والا۔ اور ویسے بھی شرمانا اس دنیا کا سب سے مشکل کام لگا تھا اسے۔

"آپ کتنے کیوٹ ہیں نا۔" اب گڑبڑانے کی باری عمیر کی تھی۔

"آپ کسی فلمی ہیرو کی طرح دکھتے ہیں۔" وہ اس کے ارد گرد گھومنے لگی اور عمیر اسے ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ "آپ یہ مت سمجھیے گا کہ میں فلمیں دیکھتی ہوں۔ وہ تو بس ایک دو..... خیر تو میں کیا کہہ رہی تھی۔ ہاں آپ بہت خوبصورت ہیں۔ آپ کو پتہ ہے آپ کی نیلی آنکھیں سمندر جیسی ہیں۔ ناک بھی خوبصورت ہے لیکن ہونٹ زیادہ پیارے ہیں......" وہ اب اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور شرارت سے مسکرائی تھی۔ عمیر کو صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ کل والے واقعے کو یاد دلا کر شرمندہ کرنا چاہ رہی ہے۔ اور وہ جی بھر کر شرمندہ بھی ہوا۔ پھر اسے دیکھ کر دانت کچکچائے تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ عمیر آگے بڑھا تو اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی تو دیوار سے جا لگی۔ عمیر نے اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہاتھ رکھ کر بھاگنے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔

"ہاں تو اب کرو میری تعریفیں۔" وہ رعب دار لہجے میں بولا۔ کچھ دیر کیلیے تو وہ سخت گھبرائی لیکن کچھ سوچ کر مسکرائی۔ ہاتھ اٹھا کر اس کے بالوں کو چھوا۔

"اگر آپ کے یہ خوبصورت بال نہ ہوتے تو آپ کی خوبصورتی کسی کام کی نہ ہوتی۔"

"لاحول ولاو قوتہ۔" عمیر نے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ بڑی اچھی تعریف کی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا اب یہ شرم کے مارے پلکیں جھکا کر چپ ہو جائے گی لیکن اب پتہ چلا تھا کہ مقابل بھی ٹکر کا ہے

"اور آپ کے بازو......" وہ اسے زچ کرنے کے لیے بول رہی تھی کہ وہ بات کاٹ گیا۔

"بس بس۔ پتہ چل گیا ہے میں بہت خوبصورت ہوں۔ تم رہنے دو میری تعریفیں۔" عمیر نے ہتھیار ڈالے تو رنیم نے بھی شکر کا سانس لیا۔ اس نے جان بوجھ کر اس کی تعریفیں کیں اور بات خود پہ نہ آنے دی۔

عمیر کچھ یاد آنے پر ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ڈائمنڈ رنگ تھی۔

"یہ تمہارا تحفہ۔" نروٹھے پن سے کہتے ہوئے انگوٹھی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے ہلکا سا مسکرا کر ہتھیلی پھیلا دی۔ عمیر کی نظر اس کی مہندی پر پڑی جہاں عمیر لکھا ہوا تھا۔ چلو ایک موقع تو ملا اس پر حاوی ہونے کا۔ اسے انگوٹھی دینے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ سٹپٹائی۔ عمیر نے نچلا ہونٹ دبا کر مسکراہٹ چھپائی۔

"یہ کیا لکھا ہے؟"

"مجھے تو پڑھنا ہی نہیں آتا۔" وہ ایک دفعہ پھر چالاکی سے بچ گئی تو عمیر کو سخت تاؤ آیا۔ یعنی کہ بیوی پر اس کا کوئی رعب ہی نہیں۔ لیکن وہ بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔

"ویسے تمہارے ہاتھوں پر مہندی بہت خوبصورت لگتی ہے۔" وہ اسے کن اکھیوں سے دیکھتا بولا تھا۔ رزلٹ اس کی توقع کے مطابق آیا تھا۔ اس کے سرخ ہوتے چہرے نے اس کے دل کی حالت بتائی تھی۔

"انگوٹھی دیں نا میری۔" وہ بات بدلنے کو بولی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے مسز۔ تھوڑی تعریفیں تو کر لینے دو۔ تم نے میری کتنی تعریفیں کیں۔ اب میرا بھی فرض بنتا ہے تمہاری تعریف کروں۔ پھر انگوٹھی بھی پہنا دوں گا۔" وہ مخمور لہجے میں بولا تو اس کی جان ہوا ہونے لگی۔ کل والا واقعہ نہیں بھولی تھی ابھی تک۔

"مجھے پتہ ہے میں بہت خوبصورت ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ لیکن عمیر کی گرفت مضبوط تھی۔

"ہاں اور اتنی خوبصورت بیوی سامنے کھڑی ہو تو شوہر کو رومینٹک باتیں خود بخود آ جاتی ہیں۔" وہ شرارت سے بولتا اس کے چہرے پر ہلکا سا جھکا تو رینم کا سارا کانفیڈینس ختم ہو گیا۔ گھبراہٹ کے مارے سارے بہانے ختم ہو گئے۔ اور دل اس کی بات پر خوشی سے دھڑک رہا تھا۔

"چاہے بیوی شوہر کی پسند نہ ہو لیکن پھر بھی گزارا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ساری عمر ساتھ جو گزارنی ہوتی ہے۔" اب وہ اسے تپا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟..... میں آپ کی پسند نہیں ہوں؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"آف کورس۔ ماما نے کہا تھا کہ رینم تمہیں بہت پسند کرتی ہے۔ اس سے شادی کر لو۔ میں نے انکار کیا تو انہوں نے مجھے جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دی۔ مجبوراً مجھے تم سے شادی کرنی پڑی۔ اب شادی کر ہی لی ہے تو نبھاؤں گا ضرور۔" وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہہ رہا تھا رینم جان چکی تھی وہ مذاق کر رہا ہے۔ یہ تو اسے شادی سے پہلے ہی پتہ چل چکا تھا جب کروز پر عمیر نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ اور بعد میں نظریں چرائی تھیں۔ مطلب وہ اپنے دل کی بات اس کے سامنے عیاں ہونے پر شرمندہ تھا۔ اسی لیے اب یہ سب بول رہا تھا۔ چلو وہ اپنے دل کی بات اس کے سامنے کہنے سے جھجھکتا ہے تو کیا ہوا۔ وہ اسے پسند کرتا ہے اور اس رشتے کو نبھائے گا۔ اس کے لیے یہی بہت ہے۔ لیکن وہ اسے خفگی سے گھور رہی تھی۔

پیچھے ہٹیں مجھے آپ سے بات بھی نہیں کرنی۔"

"آں..... ہاں۔ ناراض مت ہونا۔ ورنہ مجھے تو منانا بالکل بھی نہیں آتا۔" وہ دھمکی دیتے ہوئے بولا تو رینم نے جلدی سے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر رخ پھیر لیا۔ عمیر اس کی حرکت پر ہنس پڑا۔

"ہونہہ..... مجھ پر رعب جماتی ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولا تو اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنانے لگا۔ رنیم نے اس کا طنز سن کر دانت پیسے لیکن اس کا دل مطمئن تھا۔

------------------------------------

صبح کی سفیدی سنہرے رنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ سب اٹھ چکے تھے سوائے حدیقہ کے۔ وہ بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی گہری نیند میں تھی۔ اے سی بند تھا اس لیے اسے کمبل میں گرمی محسوس ہوئی تو سوتے ہی کمبل اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ وہاب شاور لے کر باہر نکلا تو اسے دیکھ کر ہنسا۔ پھر چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ کچھ سوچ کر سائیڈ ٹیبل کے دراز میں سے ایک جیولری باکس نکالا جس میں ایک ڈائمنڈ نیکلس تھا۔ اسے نکال کر وہ پھر حدیقہ کی طرف پلٹا۔ اس کا سر کنارے پر تھا۔ وہاب نے احتیاط سے اس کا سر اٹھایا اور وہیں بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ نیکلس کی نازک سی زنجیر اس کے گلے میں ڈالی اور ایک طرف سے چین کے دونوں کنارے پکڑ کر ہک بند کر دی۔ ابھی وہ اسے احتیاط سے دوبارہ بیڈ پر لیٹانے ہی والا تھا کہ اس کے گیلے بالوں سے پانی کا ایک قطرہ حدیقہ کے رخسار پر گرا۔ اور وہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھول گئی۔ وہاب نے خود کو کوسا لیکن اب تو وہ جاگ چکی تھی۔ حدیقہ کو جب ہوش آیا کہ وہ وہاب کہ گود میں سر رکھے لیٹی ہے تو کرنٹ کھا کر اٹھی اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ چہرہ پر سرخیاں گھلتے دیر نہیں لگی تھی۔ وہاب نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ حدیقہ جزبز سی ہوتی جلدی سے بیڈ پر سے اتری۔ جوتے پہنے اور واشروم میں جا کر سانس لی۔ لیکن واشروم میں بھی کب تک پناہ لے سکتی تھی۔ جب فریش ہو کر ڈرتے ہوئے باہر آئی تو وہ ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔ دل کی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ رات کی جیولری ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرنے کیلیے وہ جیولری سنبھالنے لگی۔ آخر کار وہ کام بھی ختم ہو گیا تو خوامخواہ ہی کوئی چیز تلاش کرنے لگی اور ساتھ دعا کرنے لگی کہ وہاب باہر چلا جائے۔

"کیا گم ہو گیا ہے؟" وہاب نے پیچھے سے کہا تو وہ گڑبڑائی۔

"ک.....کچھ نہیں۔" اس نے جلدی سے پاس پڑا ہیئر برش اٹھالیا۔ وہاب نے مسکراہٹ دبا کر کندھے اچکا دیے۔ بال برش کرتے ہوئے اس کی نظر اپنے گلے پر پڑی تو وہ ٹھٹکی۔ ساری جیولری تو اس نے رات کو اتاری تھی۔ یہ نیکلس کہاں سے آ گیا۔ وہ اس خوبصورت اس نیکلس کو انگلیوں سے چھوتی حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا لگا؟" وہاب کی آواز قریب سے آئی تو اس نے چونک کر دائیں طرف دیکھا۔ وہ اس کے قریب آ چکا تھا۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگا کر اس کے جواب کا منتظر تھا۔ حدیقہ کو سمجھ آ گئی کہ یہ نیکلس وہاب نے اس کے گلے میں ڈالا ہے۔ دل تیزی سے دھڑکا لیکن وہ گھبراہٹ کو چھپا کر تیزی سے بال برش کرنے لگی۔

"کب تک ناراض رہو گی؟" اس کی بات پر حدیقہ کو یاد آیا کہ وہ تو اس سے ناراض تھی۔ چلو یہ بھی اچھا بہانہ تھا۔ جان بوجھ کر چہرے پر سنجیدگی لے آئی۔

"تمہارا ناراض ہونا بنتا ہے۔ میں نے تمہارے یقین کو توڑا ہے۔ لیکن میں اس وقت بہت مجبور تھا۔ اور تمہیں مرنے نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ شرمندہ لہجے میں اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔

"وہ کونسا سچ میں مجھے مارنے والی تھی؟" حدیقہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا۔

"وہ واقعی تمہیں مارنے والی تھی حدی۔ عانیہ کے ہاتھ پر زخم دیکھا ہے تم نے۔ اگر وہ نہ آتی تو یہ زخم تمہاری گردن پر لگتا۔" اس نے کہا۔ حدیقہ خاموش رہی۔

"عنیقہ جیسی جنونی لڑکی سے کچھ بھی بعید نہیں۔ اس لیے مجھے تمہاری جان بچانے کے لیے اس کی بات ماننا ہی ٹھیک لگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں تمہیں چھوڑنے لگا تھا۔ کسی کے دباؤ میں آ کر دی جانے والی طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب تک دل میں اس کی نیت نہ کی ہو۔ اور ویسے بھی ایک ساتھ تین طلاقیں نہیں ہو

سکتیں۔ اگر تم یہ جانتی ہوتی تو مجھ سے ناراض نہیں ہوتی۔" وہ اب بھی نرم لہجے میں کہہ رہا تھا اور حدیقہ شرمندہ ہو گئی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہاب اسے صفائی پیش کرے۔

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" وہ بے اختیار ہی بولی۔

"واقعی؟" وہاب نے مسکرا کر ابرو اچکائی۔ وہ نظریں پھیر گئی۔

"لیکن میں تم سے ناراض ہوں۔" وہ چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے بولا تو حدیقہ پریشان ہوئی۔

"کیوں؟"

"تم رات کو میرا انتظار کیے بنا ہی سو گئی تھی۔" وہاب نے شکوہ کیا تو اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

"مجھے نیند آرہی تھی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"اب تو نہیں آرہی؟"

"کیا مطلب؟" وہ اس کی شرارت بھانپ نہ سکی۔

"مطلب کہ....." وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف موڑتا بولا۔ "اب رومینس کر سکتا ہوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ بوکھلاہٹ سے اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے بمشکل پیشانی پر تیوری چڑھائی۔ پھر اس کے سینے پر مکے برسانے لگی۔

"یہ چیٹنگ ہے حدی۔" وہ احتجاج کرتے ہوئے بولا۔

"یہ آپ کی سزا ہے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی تو وہاب کا قہقہہ گونجا۔

"تم جو بھی سزا دو قبول ہے۔ لیکن یار غلطی تو کر لینے دو۔" وہ اس کو بازوؤں کے حصار میں لیتا بولا تو اس نے سرخ پڑتا چہرہ جھکا کر اس کے سینے میں چھپا لیا۔ وہ پیار سے اس کے بال سہلانے لگا تھا۔

"آج اگر تم نے میرے آنے سے پہلے سوئی تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولا تو حدیقہ منہ بنا کر رہ گئی۔ وہاب نے پیچھے ہٹ کر اس کا سرخ چہرہ اپنے سامنے کیا اور محظوظ سا مسکرا دیا۔ حدیقہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سامنے سے غائب ہو جائے۔

تبھی دروازہ کھٹکا تھا۔ عانیہ نے باہر سے ہی انہیں آواز دے کر ناشتے کے لیے بلایا تو حدیقہ کو بھاگنے کا موقع ملا۔

-----------------------------

رات کو دیر تک جاگنے کے باعث سب ہی لیٹ اٹھے تھے۔ عمیر اور حدیقہ کے کئی کزنز ابھی تک یہیں تھے۔ سب نے اکٹھے ہی دس بجے ناشتہ کیا تھا۔ ماحول کافی خوشگوار تھا۔ وہاب اور عمیر کے ساتھ ہنسی مذاق بھی چلتا رہا۔ حدیقہ اور ریم کے چہروں پر چمکتی خوشی دیکھ کر عمرینہ کے دل کو سکون ملا تھا۔ ریان نے ریم کو گاڑی شادی کے تحفے کے طور پر دی تھی۔ حیدر علی نے عمیر کو پیرس اور وہاب کو کینیڈا کے ٹکٹس گفٹ کیے تھے۔ پرسوں ہی انہیں ہنی مون پر روانہ ہونا تھا۔ ریم ایکسائٹڈ تھی لیکن حدیقہ گھبرائی ہوئی تھی۔ یہاں تو پھر سب ساتھ تھے اور ہنی مون پر اسے وہاب کے ساتھ اکیلے ہی جانا تھا۔

"منہ دکھائی میں کیا ملا؟" ناشتے کے بعد سب لڑکیوں نے حدیقہ اور ریم کو گھیرا تو سب سے پہلا یہی سوال کیا گیا۔ ریم نے مسکرا کر ہاتھ دکھایا۔ اور حدیقہ نے شرماتے ہوئے گلے میں پڑا نیکلس انہیں دکھایا۔

"دونوں خوبصورت ہیں۔" سب نے تحسین آمیز لہجے میں تعریف کی۔

"یہ تم لوگوں نے خود تو نہیں پہنے ہوں گے۔ ہے نا۔" مسکان نے شرارت سے کہا۔

"ہاں تو اب وہ خود پہننے سے تو رہیں۔ تم خوامخواہ انہیں شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔" بسمہ نے حدیقہ سے ہمدردی نبھائی۔

"وہ شرمندہ نہیں ہو رہیں بلکہ شرما رہی ہیں۔" مسکان نے تصحیح کی۔

"شوہر کے سامنے شرما شرما کر تھک گئی ہوں گی بے چاریاں۔ تم اب انہیں بخش دو۔" بسمہ بولی تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جی نہیں۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں نے تو شرمانے کی بجائے الٹا ان کی تعریفیں شروع کر دی تھیں۔" رینم نے فخر سے اپنا کارنامہ بتایا تو سب حیران رہ گئیں۔

"واقعی؟" عانیہ بولی۔

"ارے یار تم تو بڑی تیز نکلی۔ ہم تو تمہیں بڑی معصوم سمجھتے تھے۔" مسکان نے کہا تو وہ کندھے اچکا گئی۔ جیسے اسے ان کی کسی بات کی پرواہ نہیں۔ اس کا ٹرِک کام کر گیا اور لڑکیوں نے اسے تنگ کرنا چھوڑ کر حدیقہ کو گھیر لیا۔ اس نے مدد طلب نگاہوں سے عانیہ کو دیکھا تو اس نے بیچ بچاؤ کروایا۔ بمشکل حدیقہ کی جان چھوٹی سب اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں۔ حدیقہ اور رینم نے میرج ہال جا کر تیار ہونا تھا اور ابھی وہاں جانے میں چار گھنٹے پڑے تھے۔ وہ دونوں اوپر ہی عانیہ کے پاس رہی تھیں سو عمیر اور وہاب سے سامنا نہ ہو سکا۔

---------------------------------

براؤن کلر کے لہنگے میں ملبوس وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ کالی خوبصورت آنکھوں میں تھکن کے واضح آثار تھے۔ نیند سے پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ لیکن ابھی کپڑے چینج کرنے باقی تھے۔ چوڑیاں اور بریسلٹ وہ اتار چکی تھی اور اب پیشانی سے ماتھا پٹی اتار رہی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی نہ اتری تو وہ اسے چھوڑ کر دوپٹہ اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پوری درجن پنیں اتاریں تو دوپٹہ بھی اتر گیا۔ تھکے ہوئے بازوؤں کو پہلوؤں میں گرا کر اس نے گہرا سانس لیا۔ ابھی ماتھا پٹی اتارنا باقی تھی۔ اس نے اپنے عکس کو غور سے دیکھا تو مسکرا کر خود کو سراہا۔ لمبے کالے بالوں کی درمیان سے مانگ نکالے دونوں اطراف سے ٹوِسٹ بنا کر پیچھے پنوں سے سیٹ کیا گیا تھا۔ اور نیچے سے فرنچ چٹیا بنائے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ماتھا پٹی جو اس کی

مانگ میں پنوں کی مدد سے لگائی گئی تھی اس کی خوبصورت پیشانی کو پوری طرح ڈھانپے ہوئے تھی۔وہ ابھی خود کو ستائشی نظروں سے دیکھ تھی کہ عمیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔اسے دیکھ کر بے اختیار ٹھٹکا تھا۔رینم نے گھبرا کر اسے دیکھا پھر جلدی سے دوپٹے کو پکڑ کر سر پر ڈال لیا۔عمیر کی محظوظ سی مسکراہٹ دیکھ کر اسے اپنی حرکت پر پچھتاوا ہوا تھا۔لیکن اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔چہرہ پھیر کر دوبارہ سے ماتھا پٹی کو اتارنے لگی۔لیکن دوپٹے کی وجہ سے بہت مشکل ہو رہی تھی۔عمیر نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کچھ دیر تو اسے دلچسپی سے دیکھا لیکن پھر اس کی مدد کرنے آگے بڑھا۔

"لاؤ میں اتار دوں۔"وہ نرمی سے بولا رینم جھجھکی۔

"میں کر لوں گی۔"

"ہاں جیسے ابھی کر رہی ہو۔"عمیر نے اس کا دوپٹہ اتار کر ایک طرف رکھا۔وہ خاموشی سے پلکیں جھکا گئی۔

"ویسے میرا دل تو نہیں کر رہا کہ تم اس گیٹ اپ کو چینج کرو لیکن تمہاری طبیعت کا خیال کر رہا ہوں۔"وہ اس کے سر سے ایک ایک کر کے پنیں نکالنے لگا تھا۔یہ ان ڈائریکٹلی اس کی تعریف ہو رہی تھی۔

"شکریہ۔"وہ احسانمندی سے مسکرائی۔عمیر کی نظریں اس کی لمبی چٹیا پر لگی ہوئی تھیں۔دل تو بہت کر رہا تھا کہ ایک دفعہ اس کے بالوں کی تعریف کر ہی دے لیکن انا آڑے آگئی۔صبح بھی اس کے ہاتھوں کی تعریف میں بمشکل ایک جملہ بولا تھا۔وہ بھی بدلہ لینے کی خاطر۔اب بھی مدد کا بہانہ بنایا تھا۔

"ایک تو تمہارے بالوں میں چیزیں بہت اٹکتی ہیں۔"وہ اس کی ماتھا پٹی اتارتے ہوئے جھنجھلا کر بولا تو رینم کو وہ لمحہ یاد آیا جب شاپنگ مال میں اس کے بال پودے کے ساتھ اڑ گئے تھے اور عمیر نے غصے میں آکر اس کا کیچر توڑا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟"وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"اگر فضول ہے تو رہنے دو۔" عمیر نے مشورہ دیا اور ساتھ ہی ماتھا پٹی اتار کر اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔ رینم نے منہ بنایا۔

"آپ کو مجھے دیکھ غصہ کیوں آتا تھا؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہی تھی اور عمیر گڑبڑایا۔

"اور تمہیں میرے غصے پر رونا کیوں آتا تھا؟" اس نے سنبھل کر اسی وقت بدلہ چکایا۔ رینم اداس سا مسکرا دی۔ اب اسے کیسے بتاتی کہ ساری زندگی اس نے غصہ ہی تو سہا تھا اور ایک یہی کام تو اسے آتا تھا۔ لیکن عمیر کے سامنے کچھ زیادہ ہی رونا آتا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا پھر ذرا سے توقف کے بعد بولی۔

"عمیر!.... آپ مجھے کبھی چھوڑیں گے تو نہیں؟" اس کے لہجے میں انجانا سا خوف تھا۔

"اس فضول سوال پر مجھے غصہ آرہا ہے۔" اب وہ رومینٹک اور جذباتی سا جواب دینے سے تو رہا۔ تبھی غصہ دکھا کر بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"میں سنجیدہ ہوں عمیر۔ میں آپ کو کھونے سے ڈرتی ہوں۔ آپ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہیں۔ جانتے ہیں مجھے آپ کے غصے پر رونا کیوں آتا تھا؟..... مجھے لگتا تھا کہ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ آپ کی بے رخی دیکھ کر میرا دل بہت دکھتا تھا۔ اور آپ کو ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔" وہ اتنے خوبصورت لہجے میں اپنے دل کی بات بتا رہی تھی کہ عمیر کو اس کی ہر بات اپنے دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کے دل کی بات پہلے سے جان گیا تھا لیکن اسے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اعتراف کر لے گی۔

"اوہ تو محترمہ بہت پہلے سے ہی مجھے پسند کرتی تھیں۔" وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ بہت پہلے سے۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں مسکرائی تو عمیر کو اچنبھا ہوا۔

"بہت پہلے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"جب سے آپ کو دیکھا ہے۔"

"تمہیں یاد ہے جب ہم نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔عانیہ کے گھر۔"وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"ہاں یاد ہے۔لیکن صرف آپ نے مجھے وہاں پہلی بار دیکھا تھا۔میں نے تو آپ کو اس سے پہلے ہی دیکھ رکھا تھا۔"اس کے انکشاف پر وہ حیران ہوا۔

"کب؟"

"جب میں پندرہ سال کی تھی۔"وہ اس کے تجسس کو ہوا دیتے ہوئے مزے سے بولی۔

"کہاں دیکھا تھا تم نے مجھے؟"وہ اب سخت حیران تھا۔کیا وہ ریتم سے پہلے بھی مل چکا ہے۔

"وہ ایسی جگہ تھی جہاں صرف میں آپ کو دیکھ سکتی تھی۔آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔"

"کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو ریتم۔جلدی بتاؤ۔تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟"وہ رعب دار لہجے میں بولا۔

"کیوں بتاؤں؟"اس نے کندھے اچکائے۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو نا؟"وہ بے یقینی سے بولا۔

"آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔جان کر افسوس ہوا۔"وہ مصنوعی تاسف سے بولتی اسے زچ کرنے لگی۔

"میرا دماغ کھانے کی بجائے سیدھی طرح بتاؤ ورنہ....."

"ورنہ؟"اس نے ابرو اچکائی۔عمیر نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے دانت پیسے تو وہ ہنس پڑی۔

"ہائے آپ غصے میں کتنے پیارے لگتے ہیں۔"

"تم سے بات کرنا اتنا ہی فضول ہے جتنا بھینس کے آگے بین بجانا۔"وہ جل کر کہتا اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"بھینس کے آگے بین بجانے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" وہ سوچتے ہوئے پوچھنے لگی تو عمیر کا دل کیا اپنا سر ہی پیٹ لے۔

"کچھ نہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے وارڈروب کھول کر چیک کرنے لگا رینم تیزی سے اس کی طرف آئی اور اسے پیچھے ہٹا کر خود چیک کرنے لگی۔

"یہ والا سوٹ پہنیں۔" وہ ایک سوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی۔

"میری مرضی میں جو پہنوں۔ پیچھے ہٹو۔" وہ خفگی سے بولا۔

"نہیں۔ آپ یہی پہنیں گے۔" اس نے تحکم بھرے لہجے میں کہا تو عمیر کی بھنویں سکڑیں۔

"پھر میں آپ کو بتاؤں گی کہ میں نے پہلی دفعہ آپ کو کب دیکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" اس کے ہاتھ سے ڈریس ایسے پکڑا جیسے اس پر احسان کر رہا ہو۔ اسے سخت گھوری سے نوازتا واشروم کی جانب بڑھ گیا۔ رینم مسکرا دی۔

-----------------------------

وہاب نے دو تین دفعہ اسے یاد کروایا تھا کہ وہ اس کے آنے سے پہلے نہ ہی سوئے گی اور نہ کپڑے چینج کرے گی۔ اب مارے بندھے ویسے کے بھاری لہنگے میں بیٹھی تھی۔ اگر وہاب کا ڈر نہ ہوتا تو اب تک وہ سو چکی ہوتی۔ دل تیزی سے دھڑکتے ہوئے اسے مزید بے چین کر رہا تھا۔ پہلے تو جیسے تیسے کر کے وہاب کا سامنا کرنے سے بچ گئی تھی۔ اب کیسے بچے گی۔ خوف میں آ کر وہ دانتوں سے ناخن کترنے لگی۔

(کچھ سوچو حدیقہ۔) جھنجھلا کر دماغ کو کوسا۔ کچھ پل اور اضطراب میں گزرے اور وہ اٹھ کر کمرے میں کسی پینڈولم کی طرح دائیں بائیں ٹہلنے لگی۔ پھر اس کے ذہن میں کچھ کلک سا ہوا۔ اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے چٹکی

بجائی اور پلٹ کر سائیڈ ٹیبل کی طرف گئی۔ فون اٹھایا اور ہیڈ فون کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ ابھی صبح ہی تو اسے یہاں کہیں نظر آیا تھا۔ بالآخر سٹڈی ٹیبل پر نظر آ ہی گیا۔

کچھ دیر بعد وہ کھڑکی کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے فون پر یوٹیوب سرچنگ کر رہی تھی۔ کوئی ایسی ویڈیو ڈھونڈ رہی تھی جس سے وہ وہاب کو بہت مصروف لگے۔ لیکن کوئی پسند نہیں آ رہی تھی۔ ایک ویڈیو پر آ کر وہ رکی اور پھر اس پہ کلک کر دیا۔ وہ کوئی فنی ویڈیو تھی۔ پہلی کلپ ہی اتنی مزے کی تھی کہ ہنس ہنس کر اس کا برا حال ہو گیا۔ وہاب کمرے میں آیا تو اسے یوں ہنستے دیکھ کر اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی سو اسے نہ دیکھ سکی اور کانوں میں ہیڈ فون لگائے ہوئے تھے۔ اس لیے نہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور نہ وہاب کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا اور فون کی سکرین کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک لڑکی گاڑی کی چھت کے بالکل کنارے پر کھڑی تھی۔ نیچے ایک لڑکا کھڑا تھا۔ لڑکی کی اس لڑکے کی طرف پشت تھی۔ وہ ایک دم سے یوں نیچے گرتی کہ اس کے پاؤں وہیں گاڑی کی چھت پر رہتے اور لڑکا اس کے دونوں کندھوں کے نیچے ہاتھ ٹکا کر اسے پھر سے اوپر کی طرف اچھال دیتا اور وہ پھر سے سیدھی گاڑی پر کھڑی ہو جاتی۔ کیمرہ ہلکا سا گھوما تو پاس ہی ایک اور کپل کھڑا نظر آیا جو انہیں دیکھ رہا تھا۔ لڑکی بہت موٹی تھی لیکن لڑکا پتلا تھا۔ وہ لڑکی بھی لڑکے سے ضد کرنے لگی کہ وہ گاڑی پر کھڑی ہو کر اسی طرح پیچھے گرے اور لڑکا اسے اوپر اچھالے۔ لڑکا نہ نہ کرتا رہ گیا لیکن اس موٹی لڑکی نے اس کی ایک نہ سنی اور گاڑی پر چڑھ کر اس پر گر گئی۔ لڑکے بے چارے کا کچومر ہی نکل گیا۔

حدیقہ کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ ہنستے ہنستے وہ نیچے گرنے والی ہو گئی تو وہاب نے اسے سہارا دیا۔ یکدم ہی اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ کرنٹ کھا کر وہ اوپر کو اٹھی۔ ویڈیو سٹاپ کی اور ہیڈ فون کانوں سے اتارے۔

"شاباش...... کیا اچھا انتظار ہو رہا تھا میرا۔" وہاب نے اسے شرمندہ کیا لیکن وہ نہ ہوئی۔

"میں بور ہو رہی تھی تو یہ دیکھنے لگی۔ آپ بھی دیکھیں نا۔ بہت مزا آئے گا۔"

"نہیں۔ادھر لاؤ فون۔" وہ اس کے ہاتھ سے فون لیتے ہوئے بولا۔

"آں.....مجھے ابھی اور دیکھنا ہے۔" وہ چھوٹے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے بولی لیکن وہاب نے فون بند کر دیا۔

"فون کی سکرین کو زیادہ دیکھنے سے آنکھوں پر اثر پڑتا ہے۔ تم ایسا کرو مجھے دیکھ لو۔" وہ مسکرایا تو حدیقہ کو اپنا غصہ برقرار رکھنا مشکل لگنے لگا۔

"یا پھر ایسا کرو۔ کسی اونچی جگہ کھڑی ہو کر نیچے گرو۔ میں تمہیں نیچے سے کیچ کر لوں گا۔"

"آپ نے وہ فنی ویڈیو دیکھی ہے؟" وہ خوشی سے چہکی۔

"تمہارا ابھی کوئی حال نہیں حدی۔ بچی ہی رہنا ساری عمر۔" وہ بیڈ کی جانب بڑھ گیا اور فون کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارے اور ٹانگیں اوپر کر کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔ گہرا سانس لیا اور آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلنے لگا۔

"سر میں درد ہو رہا ہے کیا؟" حدیقہ نے تشویش سے پوچھا تو وہ آنکھیں کھول کر مسکرایا۔ اس کے دکھ سکھ کی ساتھی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل بیویوں کی طرح اس کیلیے پریشان ہو رہی تھی۔

"ہمم۔" اس نے ہنکار بھرا۔

"م.....میں دبا دوں؟" وہ جھجھکتے ہوئے بولی تو وہاب نے مسکین سی شکل بنا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ سنبھل کر چلتی اس کے قریب آئی اور ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔ وہاب اس کے لمس کو محسوس کرتا آنکھیں بند کر گیا۔ سر کے درد کو آہستہ آہستہ سکون ملنے لگا۔ اور اسے وہاب کے بالوں کو ہاتھ لگانے سے گدگدی ہو رہی تھی۔ وہ اس کا سر دباتے ہوئے بالوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے بال بہت خشک ہو رہے تھے۔

"آپ آئل نہیں لگاتے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں۔ ٹائم ہی نہیں ملتا۔" وہ آنکھیں کھول کر بولا۔

"میں آپ کے سر کی مالش کر دوں؟" حدیقہ نے جلدی سے کہا۔ کوئی تو بہانہ ملا تھا خود کو مصروف ثابت کرنے کا۔ اور ادھر شوہر صاحب خوش ہو رہے تھے کہ اس کی بیوی اس کی بہت پرواہ کرتی ہے۔

"کر دو۔"

"ایک منٹ۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اور بھاری لہنگا سنبھالتی ڈریسنگ ٹیبل تک گئی۔ بڑی مشکل سے کوکونٹ آئل ملا۔ بوتل ہاتھ میں پکڑے وہ واپس آئی تو وہاب ہنسا۔

"اتنی اچھی دلہن ہے کسی اور کی؟...... جو عروسی لباس پہنے شوہر کے سر کا مساج کر رہی ہو۔"

"آپ میرا مذاق مت اڑائیں۔" وہ خفگی سے بولتی تیل کو ہتھیلی پر گرانے لگی۔ پھر آہستہ آہستہ مساج کرنے لگی۔

"میں تمہاری تعریف کر رہا ہوں۔"

"ایسی تعریف نہ ہی کریں۔"

"تو پھر کیسی کروں؟" وہ اس کی طرف دیکھنے لگا تو اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"میرا مطلب...... نہ کریں۔" وہ دھیرے سے منمنائی۔ وہاب مسکرا دیا۔

"تھوڑا سا آگے ہوں۔" وہاب کے سر کا پچھلا حصہ بیڈ کراؤن کے ساتھ لگا تھا۔ جہاں اب اس نے مساج کرنا تھا۔

"گردن دبانے کا ارادہ ہے کیا؟" وہ شرارت سے بولتا آگے کو ہوا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟" حدیقہ کا نازک سا دل کانپ اٹھا تھا۔

"تم بالکل بیوی کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو۔" وہاب کی بات پر حدیقہ کو چپ ہی لگ گئی۔ البتہ اس کے بالوں میں چلتے ہاتھ ذرا تیز ہو گئے۔ اسے وہاب کی خدمت کرتے ہوئے دلی خوشی ہو رہی تھی۔ اور ادھر وہاب کے دل و دماغ میں سکون سا اتر رہا تھا۔ دونوں کا رشتہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنتے جا رہے تھے۔

"ہے.... چپ کیوں ہو گئی؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہاب نے اسے پھر چھیڑا۔ لیکن اب وہ سنبھل چکی تھی۔

"آپ کے سر میں درد نہ ہو۔ اس لیے۔" بہانوں کی کوئی کمی تھی اس کے پاس۔

"تمہیں میری اتنی پرواہ کب سے ہونے لگی؟" وہاب نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا تو وہ بری طرح گڑبڑائی۔ جو وہاب نے اچھی طرح محسوس کر لی تھی۔

"ارے..... آپ کتنے فنی لگ رہے ہیں۔" وہ اس کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر ہنسی۔ مقصد بات بدلنا تھا۔ وہاب نے پہلے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔ پھر اس کی کلائی کو پکڑ کر نیچے کھینچا۔ اگلے ہی پل وہ اس کی گود میں آ گری تھی۔ اس کا سر وہاب کے سینے کے ساتھ لگا ہوا تھا اور وہ حیرت سے چہرہ اونچا کیے اسے اپنے اتنے قریب دیکھ رہی تھی۔ اس کا تو دل ہی دھڑکنا بھول گیا۔ وہاب کی خمار آلود آنکھیں دیکھ کر وہ کچھ پل کے لیے خوفزدہ ہوئی تھی۔ چہرے کی سرخی چھپانے کیلیے خفگی کے تاثرات سجائے اور ماتھے پر تیوریاں چڑھائیں۔ وہاب مسکراہٹ دبائے اس کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھ رہا تھا۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ نظریں پھیر کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہاب نے اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں ایسے لے لیا جیسے کسی چھوٹے سے بچے کو گود میں لیا ہو۔

"تم بہت چالاک ہو حدی۔" وہ مظلوم سی شکل بنا کر بولا۔ حدیقہ نے کسمساتے ہوئے تھوک نگلا۔

"کب تک بھاگو گی؟" اس کے اگلے الفاظ حدیقہ کے دل کی لہروں میں انتشار برپا کر گئے تھے۔ پلکیں سرخ رخساروں پر آ پڑیں۔ وہ جلدی سے چہرہ جھکا گئی۔ وہاب نے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔ کچھ پل ارد گرد کا ہوش بھلائے وہ اس دلفریب منظر کو دیکھتا رہا۔ حدیقہ میں تو اب ذرا سا بھی ہلنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے ڈر رہی تھی۔ دماغ کے گھوڑے تیزی سے دوڑنے لگے تھے۔ لیکن بھاگنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"آنکھیں کھولو۔" وہ گھمبیر لہجے میں بولا تو حدیقہ نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔اس سے پہلے کہ وہ اس کی نیلی آنکھوں میں ڈوبتا حدیقہ کو بہانہ سوجھ گیا۔

"چھوڑیں ورنہ میں تیل والے ہاتھ آپ کے کپڑوں پر لگادوں گی۔" اس کی دھمکی پر وہاب کھل کر ہنسا۔

"لگادو۔دھونے تمہیں ہی پڑیں گیں۔" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا بولا تو حدیقہ نے لب بھینچے اور ہاتھ اس کے بازو پر لگا دیا۔اس کی سفید آستین پر ہلکا سا داغ پڑ گیا۔

"اب دھلاؤں؟" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہاب اس کی چالاکی پر مسکرا دیا۔

"اتنی بھی جلدی کیا ہے۔صبح دھولینا۔ابھی تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتی۔" وہاب نے بھی اس کی ایک نہ چلنے دی۔

"آپ بہت برے ہیں۔" وہ خفگی سے منہ پھلاتے ہوئے بولی۔

"تمہاری چالاکیوں میں نہیں آتا اس لیے؟" وہ اس کے چہرے کو پیار سے چھوتے ہوئے بولا تو حدیقہ نظریں جھکا گئی۔وہاب اس کی لرزتی پلکوں اور کانپتے لبوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔اور پھر کتنے ہی پل دیکھتا رہا۔فون کی گھنٹی اسے ہوش میں لائی تھی۔اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو حدیقہ فوراً اس کی گود سے نکلی۔وہاب نے بدمزہ ہو کر جیب سے فون نکالا اور آن کیا تو کوئی ان ناؤن نمبر تھا۔اس جلدی سے کال پک کی۔

"اسلام وعلیکم۔" وہ دور جاتی حدیقہ کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔دوسری طرف سے اسد کا نام سن کر وہ تیزی سے اچھل کر بیڈ سے اترا اور جوتے پہنے بغیر کمرے سے باہر کو بھاگا۔حدیقہ جو وارڈروب سے کپڑے نکال رہی تھی اسے یوں جاتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

---------------------------------

"میں ان کا مینیجر بات کر رہا ہوں۔ ہولڈ کریں۔ میں ابھی سر سے بات کرواتا ہوں۔" وہاب پروفیشنل انداز میں کہتے ہوئے ریان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ریان سٹڈی ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے آفس کا کام کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا اور اس کے اشارے سے سمجھ گیا کہ دوسری طرف کون ہے۔ اس نے اٹھتے ہوئے وہاب کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"اسلام علیکم۔" اس نے بڑے سکون سے کہا تھا۔ البتہ وہاب کرسی پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ پر تیزی سے کچھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔ ریان نے سپیکر آن کر لیا اور وہاب کے قریب ہو گیا تاکہ وہ آسانی سے نمبر دیکھ سکے۔

"ابھی میرا رابطہ اپنی بیوی سے ہوا تھا تو اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا...." اسد جھجک کر خاموش ہو گیا۔ ہیکنگ سسٹم آن ہو گیا تھا اور وہاب فون کی سکرین سے نمبر دیکھ کر لیپ ٹاپ میں ٹائپ کر رہا تھا۔

"جی میں النور ٹرسٹ سے بول رہا ہوں۔ ہمیں کسی کے ذریعے آپ کی بیوی کی حالت معلوم ہوئی تھی۔ ان کو برین کینسر ہے اور آپریشن کیلیے بیس لاکھ روپے چاہیں۔"

"جی جی..... ایسا ہی ہے۔ لیکن آپ کو کس نے بتایا ہے؟"

"آپ کے دوست نے۔ شاید واصف نام تھا ان کا۔" ریان نے ریکارڈنگ کے دوران اسد کے منہ سے واصف کا نام سنا تھا۔ وہ اس کا بہت اچھا دوست تھا اور اس نے اسد کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

"اوہ اچھا۔ تو اب آپ ہماری مدد کریں گے؟" اسد نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔ ریان نے وہاب کی طرف دیکھا تو اس نے سکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں پچیس فیصد ہیکنگ ہو چکی تھی۔

"جی کیوں نہیں۔ ہمارا تو کام ہی یہی ہے۔ بے بس اور مجبور لوگوں کی مدد کرنا۔ ہمیں بس آپ کے کچھ ضروری کوائف معلوم کرنے ہوں گے۔ پھر رقم آپ کو بھجوا دی جائے گی۔ چاہیں تو چیک کی صورت میں لے لیں یا بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیں گے ہم۔" اس کی نظریں سکرین پر جمیں تھیں جہاں پچاس فیصد لائن پر ہو چکی

تھی۔ پھر اس نے اس وقت اسد کا بائیو ڈیٹا پوچھتا رہا جب تک لائن سو فیصد پر نہ ہو گئی۔ سکرین پر لوکیشن ظاہر ہو گئی اور دونوں نے سکون کا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل صبح ہی رقم آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروادوں گا۔" ریان نے کہا تو اسد نے شکریہ کہہ کر فون کاٹ دیا۔ اور اگلے ہی پل اسد کی سم بند ہونے کا اشارہ انہیں مل چکا تھا لیکن انہیں اب کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ ان کا کام ہو چکا تھا۔ لوکیشن ٹریس ہو چکی تھی۔ وہ لاہور کا کوئی مضافاتی علاقہ تھا۔ وہاب نے گوگل میپ پر اس ایڈریس کو سرچ کیا اور سارا محل وقوع ان کے سامنے آ گیا۔

"اب؟" وہاب نے اس کی طرف چہرہ موڑا۔

"کل میں لاہور جا رہا ہوں۔" ریان نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

"کچھ وقت ٹھہر نہیں سکتے تم؟" وہاب نے پر خلوص لہجے میں کہا۔ وہ مسکرا دیا۔

"نہیں۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ تم میری فکر مت کرو اور ہنی مون پر جانے کی تیاری کرو۔"

"لیکن تم اکیلے کیا کرو گے؟" اس نے ریان سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی مدد کرے گا لیکن اب وہ پرسوں کینیڈا جا رہا تھا۔ ریان کو مشکل میں چھوڑ کر وہ خود کیسے انجوائے کرے۔ اسے عجیب سا لگا تھا۔

"جو کچھ بھی کروں گا تمہیں بتا کر کروں گا۔" ریان نے اسے تسلی دی۔

"میں ٹور ڈیلے کروا دیتا ہوں۔"

"وجہ کیا بتاؤ گے سب کو؟" ریان نے ابرو اچکائی۔

"کچھ بھی کہہ دوں گا لیکن تمہیں اس مشکل وقت میں اکیلے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟"

"ارے یار میری بات سنو۔ فرسٹ آف آل مشکل وقت مجھ پر نہیں، حماد پر آنے والا ہے۔ سیکنڈ، مجھے خود پر یقین ہے کہ میں اسے انجام تک پہنچا سکتا ہوں۔ اور تھرڈ یہ کہ تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ہنی مون کینسل کرو۔ اور حدیقہ مجھے بد دعائیں دے۔" اس کی آخری بات پر وہاب ہنس دیا۔ پھر سنجیدہ ہوا۔

"کل کس وقت نکلو گے؟"

"صبح چار بجے کی ٹکٹ بک کروا رہا ہوں۔" وہ جان بوجھ کر صبح صبح جا رہا تھا۔ عانیہ کو پتہ تھا کہ ابھی ریان کے جانے میں پانچ دن پڑے ہیں۔ اگر ابھی سے اس کے جانے کے بارے میں عانیہ کو پتہ چلتا تو ان نے پوری طرح انویسٹیگیشن ضرور کرنی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے اس کا سامنا نہ کرنا ہی بہتر تھا۔ بعد میں فون پر وہ بتا سکتا تھا کہ ایمرجینسی میں کال آگئی تھی اسی لیے جانا پڑا۔

"عانیہ کو کیا جواب دو گے؟"

"کہہ دوں گا ایمرجینسی میں بلایا گیا ہے۔ اور وہ بھی جانے کے بعد۔ فون پر۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ اور اٹھ کر وارڈروب میں سے پیکنگ کیلیے کپڑے چیک کرنے لگا۔

"چلو میں تمہاری پیکنگ کروا دیتا ہوں۔ اتنا تو کر ہی سکتا ہوں اب۔" وہ اٹھ کر اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"میں کر لوں گا۔ تم جاؤ۔ تمہاری بیوی انتظار کر رہی ہو گی۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"مجھے بھی انتظار رہے گا کہ وہ بھی کبھی میرا انتظار کرے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔ البتہ آنکھوں میں مسکراہٹ چمکی تھی۔ ریان ہنس دیا۔

---

اگلی صبح کی فجر کے بعد وہ انکل آنٹی سے اجازت لے کر لاہور روانہ ہو گیا تھا۔ انہیں بھی یہی بتایا تھا کہ ایمرجینسی میں اسے بلایا گیا ہے۔ وہاب نے عمیر کو اصل بات بتا دی تھی کہ وہ لاہور گیا ہے۔ وہ بھی پریشان ہوا تھا لیکن وہاب

نے اسے تسلی دی تھی۔ناشتے کی ٹیبل بر عانیہ کو اس بات کا پتہ چلا تھا۔اسے یہ سن کر اتنا دکھ ہوا تھا کہ بمشکل آنسو روکے۔اس کو بتایا تک نہیں اور چلا گیا۔کمرے میں آکر اس نے طیش کے عالم میں اسے کال کی۔لیکن دوسری طرف سے فون آف تھا۔وہ شاید ابھی جہاز پر ہی تھا۔بے تاب آنسو آنکھوں سے لڑی کی صورت میں بہنے لگے اور وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔اسے خود سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اتنی کمزور کیوں پڑ رہی ہے۔ایک نہ ایک دن تو اسے جانا ہی تھا لیکن دل اب ایک پل کی بھی جدائی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔آدھے گھنٹے بعد اس کے فون کی گھنٹی بجی تو اس نے تیزی سے چیک کیا۔ریان کی ہی کال تھی۔اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے کال پک کی۔

"اسلام علیکم۔"دوسری طرف سے ریان خوشگوار لہجے میں بولا تھا۔وہ اس وقت کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھا تھا اور ناشتے کا آرڈر دے چکا تھا۔

"کہاں ہو تم؟"وہ سلام کا جواب دیے بنا غصے سے بولی تو ریان مسکرا دیا۔

"ڈیوٹی پر۔"

"تم نے تو پندرہ تاریخ کو واپس جانا تھا نا۔"

"ہاں لیکن آج سر نے ایمرجینسی میں بلایا ہے۔بہت امپورٹینٹ مشن ہے۔"

"اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔وہ جو اتنی مضبوط تھی ریان کی جدائی نے اسے رلا دیا تھا۔

"اس کی ایک وجہ تھی۔"اس کا لہجہ شرارتی تھا لیکن عانیہ جان نہیں سکی تھی۔

"کیا؟"غصہ بھول کر اس نے بے اختیار پوچھا۔

"دیکھو نا تمہیں بتانے کیلیے مجھے تمہارا سامنا کرنا پڑتا۔ ظاہر ہے پھر تمہیں دیکھنا پڑتا۔ اور تم تو جانتی ہو میں آنکھیں پڑھ لیتا ہوں۔ خاص طور پر تمہاری۔ تم منہ سے تو کچھ نہ کہتی لیکن تمہاری آنکھیں میری منت سماجت کرتیں کہ نہ جاؤ۔ اور تمہاری کوئی بات میں ٹال نہیں سکتا۔ پھر میری نوکری خطرے میں پڑ جاتی۔" اس کی بات پر دل نے زور سے دھڑک کر اس کی تائید کہ تھی لیکن وہ عانیہ ہی کیا جو اپنی کمزوری اتنی آسانی سے مان لے۔

"اوہ واؤ۔ تو اب تم یہ سارا الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔ یعنی کہ میں تمہیں جانے سے روکتی۔۔۔۔ ابھی اتنے برے دن نہیں آئے مجھ پر۔ تم منہ دھو رکھو۔" وہ لڑنے کے سے انداز میں بولی۔

"منہ تو میں نے دھو لیا تھا۔ اگر کہتی ہو تو دوبارہ دھو آتا ہوں۔" وہ سعادت مندی سے بولا تو عانیہ ہنس پڑی۔

"ناشتہ کر لیا ہے؟" وہ پھر سے اداس ہو گئی تھی۔

"کر رہا ہوں۔ ویسے میس کا ماحول آج کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہا ہے۔ ایک پیاری سی لڑکی میرے سامنے ہی بیٹھی ہے۔"

"اگر اس لڑکی کی ہڈیاں سلامت چاہتے ہو تو دوبارہ اسے دیکھنے کی کوشش مت کرنا۔" عانیہ نے بھی بڑے سکون سے کہا تو ریان بے اختیار ہنسا تھا۔ عانیہ کے ہونٹوں پر بھی اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سنو۔۔۔۔ میں تمہیں بہت مس کروں گا۔" وہ بھی اداس ہوا تھا۔

"میں نہیں کروں گی۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"یار اب تو غصہ تھوک دو۔ اتنی لمبی وضاحت بھی دی تھی تمہیں۔"

"میں اس وضاحت کا اچار ڈالوں کیا؟ تم جاتے وقت مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے اور کہتے ہو غصہ نہ کروں۔ جانتے بھی ہو کہ پھر نجانے کتنے عرصے بعد ہم ملیں گے۔ پھر بھی۔۔۔۔۔۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا اور آنسوؤں کا گولا اس کے حلق میں پھنس گیا۔ وہ خاموش ہو کر لب بھینچ گئی۔ دوسری طرف ریان بھی بے چین ہو گیا تھا۔

"تم رو رہی ہو؟" عانیہ کے آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخسار پر گر گئے۔

"نہیں۔غلط فہمی ہے تمہاری۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"ٹھیک ہے میں نے مان لیا تم رو نہیں رہی۔ یہ میری غلط فہمی ہے۔اور تمہیں بتائے بغیر جانا بھی میری غلطی تھی۔ سوری۔اور یہ بھی مان لیا کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس لیے میں ویک اینڈ پر تم سے ملنے آؤں گا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں کہہ رہا تھا اور عانیہ اس کی آخری بات پر چونکی تھی۔

"رئیلی۔" وہ بے ساختہ خوشی سے چہکی تو ریان کھل کر مسکرایا۔

"ہاں اور تم نے مجھے میرا گفٹ نہیں دیا۔یہ بات مجھے ابھی تک یاد ہے۔سو تیار رہنا۔" وہ گھمبیر لہجے میں کہتا کال کاٹ گیا۔اس کہ بات عانیہ کے سر پر سے گزر گئی۔

"کونسا گفٹ؟.....ہیلو؟" وہ بھنویں سکیڑ کر تعجب سے بولی تھی اور کال کٹنے پر اس نے حیرانی سے فون کو دیکھا۔پھر کچھ دیر بعد اسے سمجھ آہی گیا کہ وہ عیدی کی بات کر رہا تھا۔چہرہ تیزی سے سرخ ہوا تھا۔غصے سے منہ بنا کر رہ گئی۔ لیکن وہ غصہ مصنوعی تھا۔وہ اب کبھی ریان پر غصہ نہیں کر سکتی تھی۔یہ بات وہ مان چکی تھی۔

---

ڈائننگ ٹیبل پر دوپہر کا کھانا چنا جا رہا تھا۔سربراہی کرسی پر حیدر علی بیٹھے تھے۔دائیں بائیں عمیر اور وہاب تھے اور ان کے ساتھ والی کرسیوں پر رنیم اور حدیقہ بیٹھی تھیں۔پھر عانیہ اور حریم تھیں۔اور آخر پر سربراہی کرسی کے بالکل سامنے والی کرسی پر عمرینہ براجمان تھی۔خاموشی میں برتنوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"ارے.....پاستہ بنایا ہے؟" عمیر پاستے کو دیکھ کر چہکا تھا۔یہ اس کی فیورٹ ڈش تھی۔

"رنیم نے بنایا ہے۔" عمرینہ نے اطلاع دی تو وہ جو تیزی سے آگے بڑھ کر پاستے کا باؤل اٹھا رہا تھا بے اختیار رکا۔منہ بنا کر پھر اٹھا ہی لیا۔وہ رنیم سے ناراض تھا۔اس نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔کل سے وہ سخت الجھن میں

تھااور رینم بھی جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہی تھی۔ ابھی بھی مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کے ہاتھ سے باؤل لے لیااور خود اس کی پلیٹ میں نکالنے لگی۔ وہ ہونہہ کہہ کر چہرہ پھیر گیا۔

"لیکن دولہن تو پہلے دن میٹھا بناتی ہے۔" حریم نے کہا۔

"وہ حدیقہ نے بنایا ہے۔ وہاب تمہیں کھیر ضرور چیک کرنی چاہیے۔" عمرینہ نے کہا تو وہاب نے متاثر سا مسکرا دیا۔ حدیقہ نے بچوں کی طرح نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

"ماشاءاللہ دونوں بچیوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالنا شروع کر دی ہیں۔" حیدر علی بھی خوش ہوئے تھے۔ وہ دونوں جھینپ کر مسکرا دیں۔ ابھی تک انہوں نے سب کے سامنے بے تکلف ہو کر بات کرنا شروع نہیں کی تھی۔ حدیقہ کو خلاف توقع کچھ زیادہ ہی چپ لگی ہوئی تھی۔ لیکن لبوں کی تراش میں ہلکی سے شرمگیں مسکراہٹ اس کے دل کا حال سنا رہی تھی۔

"کیسا بنا ہے پاستہ؟" عمرینہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے عمیر سے پوچھا۔

"اچھا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"تمہیں رینم کا شکریہ تو ادا کرنا چاہیے۔"

"شکریہ کیسا؟..... ساری بیویاں شوہروں کے لیے کھانا بناتی ہیں۔ اب شوہر ان کا شکریہ ادا کرنے لگ پڑیں تو ان کے منہ ہی دکھ جائیں۔" عمیر کے جلے سے جواب پر سب ہنس دیے۔

"تھوڑی تعریف ہی کر دیں۔" عانیہ نے اسے اکسایا۔

"اس سے بہتر ہے شکریہ ہی ادا کر دوں۔" وہ رینم کو ایک نظر دیکھ کر بولا تو وہ جلدی سے نظریں پھیر گئی۔

"عمیر میری بیٹی سے اتنی رکھائی سے پیش مت آیا کرو۔ اگر مجھے تمہاری کوئی شکائت ملی تو وہ سزا دوں گا جو رینم کہے گی۔" حیدر علی نے کہا تو اس نے مسکین سا منہ بنا لیا۔ حیدر علی رینم کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹا مجھے بتانا اگر اس نے غصہ یا لڑائی کی۔"

"جی بابا۔" وہ دھیرے سے بولی تو عمیر نے اسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے دانت پیسے۔

"تم لوگوں نے جانے کی پیکنگ کر لی ہے؟" عمرینہ نے رینم اور حدیقہ سے پوچھا۔ ظاہر ہے اب انہیں ہی اپنی اور اپنے شوہر کی پیکنگ کرنی تھی۔

"نہیں۔" دونوں نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"اچھا ابھی کھانے کے بعد ضرور کر لینا۔ پھر ٹائم نہیں ملنا۔ شام کو وقار بھائی کی طرف دعوت ہے۔ اور کل زرین کی طرف لنچ ہے۔" عمرینہ نے حکمیہ انداز میں اطلاع دی تو حدیقہ منہ بنا کر رہ گئی۔ شادی کے دو دنوں میں وہ اتنا تھک گئی تھی کہ کسی سے ملنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن شادی کے بعد تو دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وقار اور زرین دونوں بہن بھائی تھے اور حیدر علی کے فرسٹ کزن تھے۔ ان سے بہت اچھے تعلقات تھے سو عمرینہ ان دونوں کو انکار نہیں کر سکی تھی۔ باقی سب کی طرف جانا ہنی مون سے واپس آنے کے بعد کیلیے اٹھا رکھا تھا۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر حیدر علی وہاب سے آفس کے کام کے بارے میں پوچھنے لگے۔ اسے جو پروجیکٹ دیا تھا اسے پورا کرنے میں ابھی کل تک کا وقت تھا۔ وہاب انہیں تفصیل بتا رہا تھا۔ اور ساتھ پانی کا گلاس اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ تبھی حدیقہ کے ہاتھ سے بڑا چمچ جس میں قورمے کی گریوی تھی وہاب کی آستین پر گر گیا۔ وہ خوفزدہ سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"حدیقہ کبھی دھیان سے بھی کام کر لیا کرو۔" عمرینہ نے روایتی ماؤں کی طرح اسے ڈانٹا تو وہ شرمندہ سے سر جھکا گئی۔ وہاب مسکرا دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا۔ عمرینہ آپ کو تو موقع چاہیے ہوتا ہے میری بیٹی کو ڈانٹنے کا۔" حیدر علی نے بیٹی کی سائیڈ کی تو وہ خوش ہو گئی۔ عمرینہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ پہلے جبین کے پیار نے اسے بگاڑا۔ رہی سہی کسر

حیدر علی نے پوری کر دی اور اب وہاب جو اس کی غلطی پر غصہ ہونے کی بجائے خاموشی سے مسکرا دیتا تھا۔ وہ شروع سے سب کی لاڈلی رہی تھی۔ لیکن عمرینہ اس کے ساتھ تھوڑی سخت سی تھی۔ وہ اس بات پر خوش تو تھی کہ اس کی بیٹی کو اتنا پیار کرنے والا شوہر ملا ہے لیکن اس کی کم عقلی پر غصہ بھی آتا تھا جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا تھا۔

-------------------------------------

"آپ کی چائے۔" ریئم نے ٹیبل پر چائے رکھی تو وہ چونکا بلکہ چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ اس وقت وہ صوفے پر بیٹھا آفس ورک کر رہا تھا۔ اس کی توجہ میز پر پڑے لیپ ٹاپ کی طرف تھی لیکن لاشعوری طور پر وہ ریئم کا منتظر تھا۔ اور جب وہ آئی تو اسے پتہ چل گیا تھا لیکن وہ اس سے ناراض تھا اور اس کی طرف متوجہ ہونے میں ناک آڑے آتی تھی سو چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ ایک خفاسی نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ کام کرنے لگا۔ ریئم اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھنے کی بجائے نیچے ہی اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور غور سے ٹیبل پر پڑے لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھنے لگی۔ ریشمی دوپٹہ سر سے اتر کر کندھوں پر آگرا تو اس کے چمکتے کالے بال نظر آئے جو جوڑے میں رف سے بندھے ہوئے تھے۔ عمیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی تھی جسے اس نے جلد ہی چھپالیا اور سنجیدگی سے کام کرنے لگا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" ریئم نے اسے یاد دلایا۔

"تو؟" اس کی نظر سکرین سے ہٹی نہیں تھی۔

"پی لیں۔"

"ضرورت نہیں۔ تم پی لو۔" وہ رکھائی سے بولا حالانکہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ چائے ضرور پیتا تھا۔ وجہ اس کی نیند تھی جو بہت جلدی اور بہت زیادہ آتی تھی۔

"سوری۔" ریئم نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم نے جھوٹ بولا تھا۔"

"نہیں۔وہ واقعی سچ ہے۔میں نے آپ کو پہلے سے دیکھ رکھا تھا۔"

"تو پھر بتاتی کیوں نہیں کب دیکھا تھا۔کہاں دیکھا تھا۔"وہ جھنجھلا کر بولا۔

"خواب میں۔"وہ اب لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھ رہی تھی۔عمیر کو لگا وہ مذاق کر رہی ہے۔

"خواب میں؟"اس نے تعجب سے دہرایا۔

"جب میں پندرہ سال کی تھی۔ایک دن میں بہت روئی تھی۔میرا دل کر رہا تھا کہ میں مر جاؤں۔بہت مایوس تھی میں۔روتے روتے سو گئی اور پھر ایک خواب نے مجھے میری ساری تکلیف بھلا دی۔وہ نیلی آنکھوں والا لڑکا کسی شہزادے کی طرح گھوڑے پہ بیٹھ کر آیا تھا۔اور میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا اور اس کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ گئی۔پھر میں نے خود کو اس کے ساتھ ایک باغ میں دیکھا تھا۔بہت خوبصورت منظر تھا۔لیکن جلد ہی میری آنکھ کھل گئی۔اور کتنی ہی دیر میں اس خواب کے سحر میں گھری رہی۔پھر جب بھی مجھے کوئی تکلیف ہوتی اور مجھے رونا آتا تو وہ خواب میرا سہارا بنتا تھا میں اسے سوچتے ہوئے اپنا دکھ بھول جاتی۔وہ خواب دو تین دفعہ پھر آیا تھا۔وہ لڑکا میرے خوابوں سے میری دعاؤں تک آ پہنچا تھا اور پھر ایک دن میں نے اسے حقیقت میں دیکھ ہی لیا تھا۔"وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں بول رہی تھی اور آخر پر اس کی طرف مڑ کر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھا۔عمیر بھی پلک جھپکے بغیر، حیرت سے اس کی بات سن رہا تھا۔یہ کیسا اتفاق تھا کہ وہ کسی لڑکی کے خواب میں آتا تھا۔اور اب وہ لڑکی اس کی بیوی تھی۔کتنا خوش کن احساس ہوتا ہے چاہے جانے کا۔وہ بھی خوش تھا لیکن رینم کونسے دکھوں کی بات کر رہی ہے۔یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔

"تمہیں کیا دکھ تھا رینم؟"اس کے اچانک پوچھنے پر وہ کچھ دیر کیلیے خاموش ہو گئی۔آنکھوں میں کرب کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔

"دکھ تو سب کی زندگی میں ہوتے ہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"ہاں لیکن سب نارمل ہوتے ہیں۔ دکھوں کے باوجود ہر وقت اداس نہیں رہتے۔ میں نے ہمیشہ سے تمہاری آنکھوں میں ایک کرب سا دیکھا ہے۔ جیسے ماضی میں تمہارے ساتھ بہت برا ہوا ہو۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ریان اتنا کیئرنگ بھائی ہے تمہارا پھر تمہیں کیا پریشانی تھی؟"

"بھائی کا قصور نہیں ہے۔ میں اگر ان کے ساتھ ہوتی تو مجھے کبھی کوئی دکھ نہ ملتا۔ اٹھارہ سال بعد میں نے اپنے سگے بھائی کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔"

"کیوں؟" وہ سخت حیران ہوا۔

"ماما بابا کی طلاق ہو گئی تھی۔ ننھیال اور ددھیال میں کوئی سیاسی تنازعہ ہو گیا تھا تو ان کے رشتے پر بھی اثر پڑ گیا۔ میں ماما کے ساتھ ننھیال آ گئی لیکن بھائی بابا کے پاس ہی رہے تھے۔ پھر ماما جلد ہی مجھے چھوڑ کر اللہ کے پاس چلی گئیں اور میری بربادی کے دن شروع ہو گئے۔ ایک آیا نے مجھے ماں کی طرح پالا تھا لیکن وہ ایک ملازمہ تھی جو کسی ماں کی طرح میرے لیے میرا حق نہیں مانگ سکی تھی۔.... وہ میرا ننھیال تھا۔ جہاں سب میرے اپنے تھے لیکن سب نے مجھ سے غیروں کا سا سلوک کیا۔ نانا، نانی، ماموں، ممانیاں اور ان کے بچے سب مجھے دشمن کی بیٹی سمجھ کر بدلہ لیتے رہے۔ کونسا ایسا دن تھا جب مجھے مار نہ پڑی ہو اور میں روئی نہ ہوں۔ نوکروں سے ابتر سلوک میرے ساتھ ہوتا تھا۔ مجھے پانچویں کلاس سے آگے پڑھنے سے روک دیا گیا اور سارا دن کام کرواتے رہتے جیسے میں کوئی مشین تھی۔ ان کے اشارے پر چل پڑنا اور رک جانا۔ اور یہی بس نہیں تھا۔ ان کی طنز و طعنے ہمیشہ میرے دل کو زخمی کرتے رہے۔ وہ اپنی انا کی تسکین کیلیے میری عزت نفس مجروح کرتے رہے۔ حتیٰ کہ میرے ایک کزن کی بیوی نے مجھ پر الزام لگا دیا کہ میں اس کے شوہر کو چھیننا چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے مار مار کر بے ہوش کر دیا اور میں کسی کو اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہ سکی۔ اسی طرح میرے دن رات اذیت میں کٹنے لگے جب مجھے خواب میں آپ نظر آئے

تھے تو مجھے میرے دکھ بھولنے لگے۔ مجھے ایک امید تھی کہ کسی دن میرے بابا کو میری یاد یہاں کھینچ لائے گی اور اس غلامی سے نجات دلا دے گی لیکن میرا انتظار طویل ہوتا گیا۔ پھر مجھے لگتا کہ شاید خواب والا لڑکا مجھے بچانے آ جائے لیکن وہ تو صرف خواب تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ لڑکا حقیقت میں بھی کہیں ہو گا۔ میں نے اللہ سے اتنی دعائیں مانگیں کہ وہ لڑکا حقیقت ہو اور میں زندگی میں صرف ایک دفعہ اسے دیکھ سکوں۔ لیکن مجھے اپنی دعاؤں پر بھروسہ نہیں تھا سو ناامیدی کے اندھیرے میں ڈوبنے لگی۔..... میری صحت بھی بہت خراب ہو گئی تھی۔ بچپن سے ہی دمہ ہو گیا تھا لیکن کسی نے علاج نہیں کروایا۔ وہ مرض بڑھتا گیا اور راتوں کو میرے سانس ایسے اکھڑنے لگے کہ مجھے لگتا میں اگلے ہی پل مرنے والی ہوں لیکن میں نہیں مری۔ اور اس مرض کی عادی ہو گئی۔ کوئی دوسرا میری حالت کو دیکھتا تو سخت پریشان ہو جاتا لیکن وہ حالت میری معمول بن گئی تھی۔ دن بدن میری صحت مزید گرتی چلی گئی۔ ایک سانس کی تکلیف اور اوپر سے پڑنے والی مار دونوں نے مل کر مجھے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا اور مجھے اپنی موت قریب ہی نظر آنے لگی۔ بلکہ میں موت کیلیے خود ہی دعا کرنے لگی۔ میرا دل اس بے رحم دنیا سے بے زار ہو گیا تھا۔ لیکن ایک لڑکی نے مجھے یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ دنیا میں ابھی رحم دل لوگ بھی موجود ہیں۔ وہ لڑکی عجیب تھی۔ میرے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس نے میری ہر مصیبت اپنے سر لے لی۔ میرے حصے کی مار بھی کھائی لیکن میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ میری ہمت بڑھائی اور امید دلائی۔ مجھے اس قید خانے سے بھاگنے کے لیے آمادہ کیا۔ اس کے کہنے پر میں نے کسی طرح اپنے ددھیال فون کیا اور مجھے پتہ چلا کہ بابا کو فوت ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے البتہ میرا بھائی اسلام آباد میں رہتا ہے۔ پھر بھائی کو کال کر کے اپنا بتایا تو وہ سخت حیران ہوئے۔ میرے ماموں نے میرے بابا سے جھوٹ بول دیا تھا کہ میں بچپن میں ہی مر چکی ہوں۔ بہر حال میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں ان کی بہن ہوں اور وہ مجھے اسی رات لینے آ گئے۔ اور وہ لڑکی جو میری مدد کر رہی تھی اس نے اپنی جان پر کھیل کر مجھے اس قید خانے سے باہر نکالا۔ میں اس کے اس احسان کو کبھی نہیں اتار سکوں گی بس یہ دعا کروں گی کہ وہ

ہمیشہ خوش رہے۔اس کی وجہ سے مجھے میرا بھائی ملا اور اسی کی وجہ سے مجھے آپ ملے ہیں۔" ریئم کی آنکھوں میں عانیہ کیلیے محبت کے دیے چمک رہے تھے۔اگر عانیہ نے اسے سختی سے منع نہ کیا ہوتا تو وہ عمیر کو ضرور بتاتی کہ وہ لڑکی عانیہ تھی جس نے مشکل میں اس کی مدد کی۔

لیپ ٹاپ وہیں کھلا پڑا تھا جس پر کام رکا ہوا تھا اور عمیر اس کی آنکھوں میں بدلتے رنگ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔اپنی تکلیفوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو کرب تھا وہ اس مددگار لڑکی کے ذکر پر خوشی میں تبدیل ہو گیا تھا۔نم دار آنکھیں مسکرا اٹھی تھیں۔اور وہ ان آنکھوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔اس کی باتیں ابھی تک ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔اتنے دکھ جھیلے تھے اس لڑکی نے۔وہ حیران و پریشاں تھا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھی تمہیں کوئی دکھ نہیں دوں گا۔جتنے دکھ تم نے سہنے تھے وہ سہہ لیے۔اب صرف خوشیاں تمہاری منتظر ہیں۔"اس نے پیار سے ریئم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو ریئم ہلکا سا مسکرا دی اور سر اس کے گھٹنے پر رکھ دیا۔وہ اب بھی اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں لیکن میں کسی لحاظ سے بھی آپ کے قابل نہیں تھی۔میں ایک ان پڑھ اور بیمار لڑکی ہوں ......."

"آئیندہ ایسی بات نہ کہنا۔تم میرے لیے کیا ہو یہ میرے دل سے پوچھو ذرا۔"اس نے ڈپٹ کر کہا تو ریئم ہنس دی۔

"آپ سے کیوں نہ پوچھ لوں؟.....دل سے پوچھنا ضروری ہے کیا؟"وہ شرارتی لہجے میں بولی۔

"ابھی اتنے برے دن نہیں آئے کہ منہ سے تمہاری تعریفیں کروں۔ہاں دل میرے اختیار میں نہیں ہے۔تم چاہو تو اس سے پوچھ سکتی ہو۔"

"میں نے اس سے پوچھ لیا تھا۔"وہ مسکرائی۔

"اچھا کب؟"وہ حیران ہوا۔

"جب آپ نے اس کروز پر مجھے اپنے سینے سے لگایا تھا۔میں نے آپ کے دل میں اپنے نام کی پکار سنی تھی۔"عمیر بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات مانیں گے؟"وہ اس کے گھٹنے پر سر رکھے اس کے پیروں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں۔نہ مان کر جاؤں گا کہاں۔بابا سے ڈانٹ کھانے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"اس نے بے چارگی سے کہا تو رینیم ہنس دی۔

"میں پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"او کے پڑھ لو۔تمہارا حق ہے یہ۔"

"لیکن میں اتنی عمر میں نرسری کلاس کے بچوں کے ساتھ بیٹھتی اچھی تھوڑی لگوں گی۔اس لیے میں گھر میں ہی پڑھنا چاہتی ہوں۔اور مجھے آپ پڑھائیں گے۔"اس نے کہتے ہوئے اپنا سر اس کے گھٹنے سے اٹھالیا اور اس کی طرف دیکھا۔

"میں کیسے پڑھاؤں گا؟"اس نے تعجب سے پوچھا۔اسے تو ویسے بھی کسی سے اپنا سر کھپانے کی عادت نہیں تھی۔لیکن رینیم کسی نہیں تھی۔دل نے اسی وقت تاویل پیش کی تھی۔

"دیکھیے نہ مت کیجیے گا۔میں اب آپ کی ذمہ داری ہوں۔"وہ بڑے مان سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن میں بہت سخت استاد بنوں گا تمہارا۔"

"منظور ہے۔"

"ویسے تم کیا بننا چاہتی ہو؟"

"ڈاکٹر۔"اس نے فخر سے بتایا۔عمیر نے متاثر ہوتے ہوئے ابرو اچکائی۔

"واقعی......ڈاکٹر بننا بہت مشکل ہے۔"

"کرلوں گی اگر آپ ساتھ ہوں تو۔"

"میرے ساتھ سے کیا ہو گا۔ میرا دل تو خون دیکھ کر ہی گھبرا جاتا ہے۔ گوشت تک میں کھاتا نہیں۔ بابا ہر بڑی عید پر زبردستی مجھے فارم ہاؤس لے کر جاتے ہیں تاکہ جانوروں کو ذبح ہوتے دیکھ کر میرا ڈر کم ہو۔ لیکن جب جانور قربان ہوتے ہی۔ میں وہاں سے غائب ہوتا ہوں۔" وہ ہنس کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا۔ وہ بھی ہنس دی۔

"ایک مزے کی بات بتاؤں..... آج آپ نے جو پاستہ کھایا تھا اس میں، میں نے تھوڑا سا قیمہ مکس کیا تھا۔" وہ مزے سے بول رہی تھی۔

"کیا؟" وہ بھونچکارہ گیا۔ منہ کے زاویے بگڑے تھے۔

"مزے کا نہیں تھا کیا؟"

"ہاں مزے کا تھا لیکن مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔ کتنی چالاک ہو تم۔ آئندہ میں تمہارے ہاتھ کی کوئی ڈش نہیں کھاؤں گا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

"اوں ہوں..... ایک وقت آئے گا جب آپ میرے ہاتھ کی مٹن کڑاہی، اچاری گوشت، قورمہ اور فرائیڈ فش بڑے شوق سے کھایا کریں گے۔" اس نے یقین سے کہا تھا۔ عمیر اسے گھور کے رہ گیا لیکن اس نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے ہوں۔

"اوہو چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔ میں نئی لے آتی ہوں۔" اس کی نظر ٹھنڈی چائے پر پڑی تو چونک کر بولی۔

"علاج ہے تمہارا۔ جاؤ شاباش۔ نئی بنا کر لاؤ۔"

"کس قدر ناقدرے ہیں آپ عمیر۔ یہ نہیں کہا کہ رہنے دو۔ ابھی کل کیلیے پیکنگ کرنی ہے مجھے اور کمرے کا حال دیکھیں جیسے چھوٹے بچے رہتے ہیں یہاں۔ یہ بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا کیا؟" وہ اٹھتے ہوئے مصنوعی خفگی سے بولی تو عمیر ہنس دیا۔

"میں تو نہیں کروں گا بھئی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور اپنا کام کرنے لگا۔ رنیم مسکرا دی۔ عمیر کا کام کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ خوشی سے اس کے نخرے اٹھا سکتی تھی۔

-----------------------------------

وہ ایک غیر گنجان آباد علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کھلے میدان اور وقفے وقفے بعد کوئی چھوٹی سی آبادی نظر آجاتی۔ البتہ فیکٹریاں اور فارم ہاؤسز کی تعداد زیادہ تھی۔ گاڑی دوپہر کے وقت مطلوبہ علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔ پکی سڑک سے گاڑی اتار کر کچے راستے پر ڈال دی اور پانچ منٹ کی ڈرائیو کے بعد اس نے گاڑی ایک فیکٹری کے سامنے کھڑی کر دی۔ وہاں لوگوں کی کافی پہل چہل تھی۔ کئی کچے اور پکے مکانات تھے۔ چھوٹے بچے اس اونچی نیچی اور جوہڑوں سے بھرپور گلی میں بے پرواہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ سٹیل ملز کی وجہ سے کافی شور بھی تھا لیکن محلے والوں کو اس شور کی عادت ہو گئی تھے تبھی مگن سے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

وہ اس لمبی گلی میں قدم قدم چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بلیک ڈریس پینٹ اور بلیک کالر شرٹ ملبوس وہ ارد گرد چلتے لوگوں کی نظروں کا مرکز بن گیا تھا لیکن اسے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ اگر اسے پتہ ہوتا کہ لوگ اسے رک رک کر یوں دیکھیں گے جیسے کوئی عجوبہ ہے تو وہ قمیض شلوار ہی پہن لیتا۔ جو کام وہ یہاں کرنے آیا تھا اس کیلیے اس کا کسی کی نظروں میں نہ آنا ہی بہتر تھا لیکن پلان کا فرسٹ سٹیپ ہی الٹا پڑ گیا تھا۔

"باؤ جی کہاں جانا ہے؟" ایک ادھیڑ عمر پتلے سے شخص نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا تو اس کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ لیکن اب ہر وقت دل کی ہی تو نہیں مان سکتے نا۔ اتنے لوگوں کے سامنے ایک ہینڈسم لڑکا اپنا سر پیٹتا اچھا تھوڑی لگتا تھا۔

"یہ سامنے والی فیکٹری میں۔" اس نے سامنے اشارہ کیا۔ فیکٹری تین چار سو قدم دور تھی۔

"آپ اس فیکٹری کے مالک تو نہیں؟" ایک نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہیں میں ان کا مہمان ہوں۔" اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہم آپ کو وہاں تک لے جائیں؟" ایک نے مخلصانہ آفر کی۔

"نہیں۔ شکریہ۔" روکھا سا بولا اور آگے چل پڑا۔ وہ سب پیچھے سے اس کے ٹھاٹھ باٹھ کو بڑے رشک سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس فیکٹری کے سامنے سے گزر کر دائیں طرف مڑ گیا۔ وہ گلی پکی تھی جس میں بڑے بڑے فارم ہاؤسز اور ڈیری فارمز تھے۔ اور محلے کے پیچھے سے مڑتی سڑک تک جا پہنچتی تھی۔ امیروں نے اپنی گلی پکی کروا لی تھی لیکن بیچارے غریب لوگ ابھی بھی پرانے وقتوں کی طرح کچی آبادی میں رہ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ ایک فارم ہاؤس کے سامنے کھڑا تھا۔ گیٹ کھلا تھا اور دو چوکیدار ایک طرف کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک کھلا سا میدان اور اس کے پار ایک بڑی عمارت تھی۔ گیٹ سے عمارت تک ایک پکا راستہ تھا جس کے بائیں طرف سبز گھاس کا خطہ تھا۔ اور دائیں طرف ایک پارکنگ ایریا تھا جس میں پچاس کے قریب گاڑیاں موجود تھیں۔ اور دس پندرہ ٹرک تھے۔ بظاہر وہ ایک سیمنٹ فیکٹری لگتی تھی لیکن جو کچھ اس کے اندر تھا وہ اچھے بھلوں کا دل دہلا دینے کیلیے کافی تھا۔

وہ گیٹ کی طرف بڑا تو دونوں چوکیدار اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"کون ہو لڑکے اور یہاں کیوں آئے ہو؟" ایک نے کرختگی سے دیکھا۔ ریان نے معصومیت سے اسے دیکھا پھر بولا "میں نے سنا ہے یہاں سنوکر کلب ہے۔ کیا میں کھیل سکتا ہوں؟" اس کی نظر دور عمارت کی دیوار پہ سنوکر کے بورڈ پر پڑ گئی تھی سو جلدی سے بہانہ بنایا۔

"ہاں ٹھیک ہے جاؤ۔" چوکیدار نے اس کی تلاشی لی اور اسے اندر جانے کا کہہ دیا۔

وہ اینٹوں سے بنی روش پر چلتا عمارت کے قریب آگیا۔ یہاں لوگوں کا رش شروع ہوتا تھا۔ عمارت کا ایک حصہ سیمنٹ فیکٹری کے طور پر استعمال ہوتا تھا جبکہ دوسرا حصہ جدید طرز کا تھا۔ وہ اس حصے کی طرف آگیا اور ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔

"کیا نام ہے؟" ریان نے اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس نے سوال کیا۔ ریان اپنا نام بتانے ہی والا تھا لیکن ایک لمحے کے لیے چپ کر گیا۔ اپنا اصلی نام بتانا کہاں کی عقلمندی تھی۔ کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے جلدی سے غازی کہہ دیا۔ ایک زمانے میں دیا اسے اسی نام سے پکارتی تھی۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر اس نے یہ نام رکھا تھا۔ ریان کی ذہنی رو بھٹک کر عانیہ کی جانب چلی گئی تو اس نے خود کو کوسا۔

(اونہوں۔ کام کی طرف دھیان دو۔)

وہ آدمی اسے سنوکر کلب تک لے آیا۔ ایک بڑے سے ہال میں بہت سارے سنوکر کے میز پڑے تھے۔ آٹھ دس لوگ اس وقت وہاں موجود تھے۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس آدمی نے اس کا تعارف کروایا۔ ایک لڑکا جس کا نام فخر تھا آگے بڑھا اور اسے گیم کی آفر کی جسے اس نے بڑی خوشدلی سے قبول کیا۔ ظاہر ہے کچھ وقت یہاں گزارنا تھا تبھی کچھ پتہ چلنا تھا۔

فخر کے ہاتھ سے سٹک لی اور میز پر ہاتھ رکھا۔ سٹک کا اگلا حصہ ہاتھ کے اوپر انگلی اور انگوٹھے کے درمیان سے رکھ کر وہ آگے کو جھک گیا۔ فخر اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ پہلی ہی ٹھوکر پر دو گیندیں نیچے گر پڑیں تو فخر بہت متاثر ہوا۔ پھر دونوں کی گیم جاری رہی۔ ریان کی توجہ آس پاس باتیں کرتے ہوئے لڑکوں پر بھی تھی۔ وہ اسد کا نام بڑے احترام سے لے رہے تھے۔ آج وہ یہاں نہیں تھا لیکن ایک نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ رات کو وہ آجائے گا۔ اب اسے رات تک یہیں انتظار کرنا تھا۔ سو فخر کے ساتھ سنوکر کھیلتا رہا۔

-----------------------------

"شکر شادی کا ہنگامہ ختم ہوا۔ میں تو بہت تھک گئی ہوں۔" حدیقہ کہتے ہوئے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔ عانیہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کھانے کے بعد حدیقہ اس کے ساتھ ہی اوپر آ گئی تھی اور وہ دونوں کافی دیر سے باتیں کر رہی تھی۔

"تو جاؤ جا کر اپنے روم میں آرام کرو۔"

"یہیں کر لیتی ہوں۔" وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی۔

"او ہیلو۔ مسز وہاب۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ مانا کہ تم مجھ سے جدائی برداشت نہیں کر سکتی لیکن اب تم ہر وقت میرے ساتھ رہو گی تو وہاب بھائی نے مجھے اپنا رقیب سمجھ لینا ہے۔" عانیہ نے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو عانی۔" وہ جھینپ مٹانے کو غصے سے بولی۔ عانیہ نے مسکراہٹ دبائی اور مصنوعی خفگی سے بولی۔

"ہاں اب میں فضول ہی لگوں گی نا۔ چلو اٹھو اور نکلو یہاں سے۔ شاباش"

"کیا ہے عانی۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ تم مجھے ایسے اپنے کمرے سے نہیں نکال سکتی۔" حدیقہ نے اس جذباتی بلیک میل کیا۔ دراصل وہ کل رات سے وہاب کا سامنا نہیں کر پائی تھی۔ کل رات جب وہ فون پہ بات کرتے ہوئے کمرے سے نکلا تھا تو اس کے آنے سے پہلے وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ صبح تب اٹھی تھی جب وہ جاگنگ کرنے گیا ہوا تھا اور اس کے آنے سے پہلے فریش ہو کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ پھر ناشتے اور دوپہر کے کھانے پر اس سے سامنا ہوا تھا لیکن سب ساتھ تھے تو اسے بھی حوصلہ ہوا تھا اور اب وہ اکیلے اس کے سامنے جانے سے ڈر رہی تھی۔ کل رات والا واقعہ بھولی نہیں تھی ابھی۔

"اچھا پھر عزت سے خود ہی اٹھ جاؤ ورنہ مجھے خود تمہیں عزت سے باہر کا راستہ دکھانا پڑے گا۔" عانیہ نے کہا تو اس نے مسکین سی شکل بنائی لیکن عانیہ نے اسے اٹھا کر ہی چھوڑا۔ اس نے سوچا حریم کے پاس ہی چلی جائے۔

وہ ابھی عانیہ کے دروازے سے نکل کر ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ سامنے وہاب کو دیکھ کر وہیں رک گئی۔ وہ ابھی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اور اسے نہیں دیکھا تھا لیکن یہ اس کی خام خیالی ہی تھی۔ وہ الٹے قدموں بھاگتی ہوئی پھر عانیہ کے کمرے میں آئی اور دروازہ بند کیا تو عانیہ حیران ہوئی۔

"عانی تم میری اچھی دوست نہیں۔....پلیز کچھ دیر مجھے یہاں رہنے دو۔" وہ خوفزدہ لہجے میں منت کر رہی تھی اور عانیہ اسے آگے سے کچھ سخت سنانے والی ہی تھی کہ کمرے کا دروازہ ناک ہوا۔ حدیقہ نے رک کر دروازے کو دیکھا اور پھر اس کی طرف۔

"پلیز انہیں مت بتانا میں یہاں ہوں۔" وہ دھیمی آواز میں کہتی ارد گرد چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگی۔ لیکن اسی وقت دروازہ کھلا اور وہاب اندر داخل ہوا۔ وہ جلدی سے عانیہ کے پیچھے ہی چھپ گئی۔ وہاب نے اسے دیکھ لیا تھا اور شرارت سے مسکرایا۔

"عانیہ تم نے حدی کو دیکھا ہے؟" وہ جلدی میں پوچھنے لگا۔ عانیہ بھی اس کی شرارت سمجھ گئی۔

"ہاں اتنی دفعہ دیکھا ہے کہ یاد نہیں۔" وہ بولی تو وہاب نے بمشکل ہنسی روکی۔

"نہیں میرا مطلب ابھی دیکھا ہے؟"

"ہاں ابھی لنچ پر۔" عانیہ بولی تو حدیقہ نے شکر کا سانس لیا۔

"اچھا پھر وہ اگر تمہارے ساتھ نہیں تو پھر کہاں ہو گی؟" وہ فکرمندی سے بولا۔

"آپ کو اس کوئی ضروری کام ہے کیا؟" اس نے شرارت سے کہا تو وہاب مسکرایا۔

"ہاں بہت ضروری کام ہے۔ بہت سخت ڈانٹنا ہے اسے۔ میرے کپڑے خراب کر دیے ہیں اس نے۔ اب دھونے تو اسے ہی پڑیں گے۔ تم مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے؟" وہاب نے کن اکھیوں سے حدیقہ کو دیکھ کر مصنوعی خفگی سے کہا تو حدیقہ ڈر گئی۔

"ڈھونڈلیں تو آپ کی۔" عانیہ نے کندھے اچکا دیے اور حدیقہ نے آنکھیں بند کر کے اسے دل ہی دل میں سخت کوسا۔

"اس کا مطلب وہ یہیں ہے۔ میں آج اسے چھوڑوں گا نہیں۔ ہر کام خراب کر دیتی ہے۔ ابھی پیکنگ بھی نہیں کی۔" وہ غصے سے کہتا عانیہ کے ایک طرف آیا تو اسے سامنے دیکھ کر حدیقہ کا دل رکنے لگا۔ وہاب کی ایک نظر ہی پڑی تھی کہ وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی اور بھاگ کر کمرے کے دروازے تک جا پہنچی۔

"رکو۔" وہاب نے پیچھے سے کہا لیکن وہ نہیں رکی۔

وہاب اور عانیہ ہنس دیے۔

"کافی ڈرا کر رکھا ہوا ہے آپ نے اسے؟" عانیہ نے اسے گھورا تو وہ ہنس دیا۔

"میری اتنی مجال کہاں۔" وہ بے چارگی سے بولا

"چلیں خیر اب آپ کی قسمت میں یہیں ہونا لکھا تھا۔ میں آپ سے صرف ہمدردی ہی کر سکتی ہوں۔"

"قسمت تو بدلی بھی جا سکتی ہے۔ تم دیکھنا ہنی مون سے واپس آنے پر یہ مجھ سے بہت فرینک ہو چکی ہو گی۔"

"کانفیڈینس تو اچھا ہے۔" عانیہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"ریان سے بات ہوئی تمہاری؟" وہاب نے پوچھ کر اس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھا۔

"ہاں ہوئی تھی۔" وہ اداسی سے بولی۔ پھر چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ کی بات نہیں ہوئی؟" اس کے اچانک پوچھنے پر وہ تھوڑا سا گڑبڑایا تھا لیکن جلد ہی سنبھل گیا۔

"نہیں۔" حالانکہ وہ صبح سے اس کے ساتھ رابطے میں تھا۔ اس کے فون کے ذریعے مسلسل اسے ٹریس کر رہا تھا۔ ابھی ریان نے اسے فون پر بتایا تھا کہ وہ وہاں پہنچ چکا ہے اور اسد نے رات کو یہاں آنا ہے۔ وہ سنوکر کھیل کر ٹائم پاس کر رہا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو حدیقہ کمرے میں نہیں تھی۔ یہ لڑکی پتہ نہیں کب اس کی سمجھے گی؟ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ فی الحال تو وہی اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ سامنے ہی کھڑکی کھلی تھی جہاں سے بیک گارڈن کا خوبصورت منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کام کرتے ہوئے اس کی نظر وہاں بھی پڑ جاتی۔ دس پندرہ منٹ گزرے اور اس نے ریلیکس کرنے کے لیے ٹیک کرسی کی پشت سے لگائی اور آنکھیں اٹھا کر سامنے دیکھا تو منظر پہلے سے زیادہ خوبصورت لگا تھا۔ وہ وہاں کھڑی تھی۔ اس کی قمیض دھو چکی تھی اور اب تار پہ پھیلا رہی تھی۔ وہاب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ میز پر کہنی ٹکا کر اور ہاتھ کی مٹھی لبوں پر رکھ کر اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

جب وہ بمشکل تار پہ اس کی قمیض تار پہ پھیلا چکی تو اس پر نظر پڑ گئی۔ چہرے کے تاثرات یکدم سیدھے ہوئے اور وہ الرٹ سی ہو گئی۔

وہاب اسے اسی طرح دیکھتا رہا تو وہ سٹپٹا کر آگے بڑھ گئی اور اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہاب سر جھٹک کر کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا۔ جسے گھسیٹتے ہوئے وہ بیڈ تک لائی اور اٹھا کر اوپر رکھا۔ پھر اس کی زپ کھول کر ڈھکن اٹھا دیا۔ چہرہ موڑ کر کن اکھیوں سے وہاب کو دیکھا جو مکمل طور پر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔ شکر کرتی وہ وارڈروب کی طرف آئی اور کھول کر کپڑے چیک کرنے لگی۔ وہاب کے کپڑے نکال کر نفاست سے تہ کیے اور سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔ اس نے اب محسوس کیا تھا کہ وہاب کے کپڑے یا تو سفید تھے یا کالے۔ یا ان دونوں کا امتزاج۔ بلیک اینڈ وائٹ۔ لیکن کیوں؟ زبان میں کھجلی بھی ہوئی لیکن اب وہ اس سے اتنی فرینک تو نہیں تھی کہ خود سے بات شروع کرے۔ سو چپ کر کر پیکنگ کرتی رہی۔ کچھ دیر مزید گزری تو حدیقہ کو تشویش ہونے لگی۔ وہاب خاموش کیوں تھا۔

(کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔)دل میں خدشہ ابھرا تو اس نے رک کر اسے دیکھا۔وہ ابھی بھی لیپ ٹاپ پر مسلسل کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔کچھ دیر وہ اسے دیکھتی رہی اور جب الجھن حد سے بڑھنے لگی تو دل نے اسے مخاطب کرنے کی خواہش کی۔لیکن کس طرح کرے؟بس اسے یہ پتہ کرنا تھا کہ اس کا موڈ کیسا ہے۔تھوک نگلتے ہوئے اس کے قریب آئی۔وہاب نے حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"وہ......میں نے پوچھنا تھا کہ...."وہ رکی اور سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔

"کپڑوں کے علاوہ آپ کی اور کون کونسی چیزیں رکھوں؟"وہ کچھ پل پی اس کی آنکھوں میں دیکھ پائی تھی اور پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئی تھیں۔وہاب مسکراہٹ دبائے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"تم میری بیوی ہو۔اتنا تو پتہ ہونا کی چاہیے تمہیں۔"اس کے روکھے سے جواب پر حدیقہ کو واقعی لگا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔

"مجھے نہیں پتہ۔آپ بتا دیں نا۔"اس کی آواز بھیگ گئی۔وہاب کی اتنی سی بے رخی برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔آنکھوں میں بھی نمی ابھری تھی اور وہاب پریشان ہوا تھا۔پھر اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔اس کی پلکیں پل بھر کیلیے اٹھیں اور وہاب نے اس کی خوفزدہ آنکھیں دیکھیں۔پھر وہ نظریں جھکا گئی۔

"کچھ اور رکھو نہ رکھو۔تیل ضرور رکھنا۔"وہ ہلکا سا اس کی طرف جھکا۔

"تیل؟"وہ پہلے حیران ہوئی پھر یاد آیا تو سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔وہاب مسکرا دیا تو اس نے شکر کیا۔وہ ناراض نہیں تھا۔ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو بھی چھو گئی تو وہاب حیران ہوا۔ایسی مسکراہٹ اسے کم کم ہی دیکھنے کو ملتی تھی۔

وہ پلٹی تو وہاب نے اسے کہنی سے پکڑ کر دوبارہ اپنی طرف کھینچا اور کچھ دیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتا رہا جن میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔وہ ذرا سا مسکرایا۔

"چلو اکٹھے پیکنگ کرتے ہیں۔" اس کی کہنی چھوڑتے ہوئے بولا تو حدیقہ کی سانس بحال ہوئی۔

"نہیں میں کر لوں گی۔ آپ اپنا کام کریں۔"

"ڈونٹ بی فارمل یار۔ ہم میاں بیوی کے علاوہ دوست بھی ہیں۔ یاد ہے تمہیں؟" اس کی بات پر حدیقہ نہیں آنکھیں جھکاتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تو وہ مسکرا دیا۔

"اچھا دکھاؤ تو کیا کچھ پیک کر لیا ہے اور کیا رہ گیا ہے۔" وہ سوٹ کیس کی جانب دیکھتا بولا تو وہ اس کی طرف بڑھی۔

"کپڑے رکھ لیے ہیں۔" وہ آخری کپڑے کو تہ کر کے سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

"ایسا کرو دو تین جرسیاں اور سویٹر بھی رکھ لو۔ وہاں سردی ہو گی۔" وہ کپڑوں کو دیکھتا بولا۔ سردیوں والے کپڑے تو پتہ نہیں کہاں الماریوں میں بند پڑے تھے۔ عمرینہ نے رکھوائے تھے۔ اسے یاد آیا تو بولی۔

"میں ماما سے پوچھ لیتی ہوں۔" اور بھاگتی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہاب ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آ گیا اور اپنی چیزیں اٹھا کر سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں دو خوبصورت سے سویٹر تھے۔

"ماما نے مجھے میرے نکال کر دیے ہیں اور بتایا ہے کہ آپ کے سردیوں کے کپڑے ڈریسنگ روم کی وارڈروب میں ہیں۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" اس نے اپنے سویٹر سوٹ کیس میں رکھے اور ڈریسنگ روم میں جا کر وارڈروب چیک کرنے لگی۔ وہاب نے نچلا ہونٹ دبا کر کچھ سوچا اور پھر مسکرا کر ڈریسنگ ٹیبل کی جانب آیا۔ حدیقہ کے میک اپ پروڈکٹس اٹھا کر سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ نکلی تو اس کے ہاتھ میں وہاب کی ایک مفلر اور دو جیکٹس تھیں۔ اسے دیکھنے سے احتراز برتتی وہ سوٹ کیس کی پاس آئی تو وہاں میک اپ کی چیزیں دیکھ کر رکی اور وہاب کی طرف دیکھا۔

"کچھ غلط رکھ دیا کیا؟" وہاب نے معصومیت سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور جھک کر چیزیں ترتیب سے رکھنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟" وہاب نے ایک کِٹ اٹھاتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

"آئی شیڈ کِٹ۔" وہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی۔

"اور یہ؟" وہاب نے دوسری کوئی چیز اٹھالی۔

"آئی لائنر۔"

"اور یہ والا؟"

"بیس۔"

"اور یہ؟"

"آپ میرے ساتھ پیکنگ کروا رہے ہیں یا مجھے تنگ کر رہے ہیں؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولی اور اس کے ہاتھ سے لپ اسٹک پکڑنی چاہی لیکن وہاب نے اسے پیچھے کر کے اس کا ڈھکن کھول لیا۔ وہ اسے چھوڑ کر پھر سے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"واؤ تو اسے کہتے ہیں لپ اسٹک۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں کہتا لپ اسٹک کو دیکھ رہا تھا پھر یکدم حدیقہ کے ہونٹوں کی طرف دیکھا جو لپ اسٹک کے بغیر بھی پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔

"تم نے لپ اسٹک کیوں نہیں لگائی؟" مسکراہٹ دباتے ہوئے بڑے رعب سے پوچھا تو حدیقہ نے پہلے اسے حیرت سے دیکھا پھر لپ اسٹک کی طرف۔

"مجھے پسند نہیں۔" ناک سکوڑ کر بولی۔

"لیکن مجھے بہت پسند ہے۔ اور تمہیں ابھی یہ لگانی پڑے گی۔" وہ لپ اسٹک کو اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے دونوں لب سختی بھینچ لیے۔ اور نفی میں سر ہلایا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ خود ابھی لگا لے گی لیکن لب آپس میں پیوست تھے سو منہ میں ہی بڑبڑا کر رہ گئی۔ اور وہاب کو لگا وہ انکار کر رہی ہے تو اب یہ اس کی انا

کامسئلہ تھا کہ حدیقہ کو لپ اسٹک لگا کر ہی چھوڑنا تھا۔۔وہ لپ اسٹک لیے اس کے قریب ہوا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور اب وہ بیڈ کی پائنتی تک آ گئی تھی جہاں سوٹ کیس نہیں تھا۔وہاب نے اس خالی جگہ کو دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ کر حدیقہ کی دونوں کلائیوں کو اپنے ایک ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے بیڈ پر گرا دیا۔وہ تو اس افتاد پر ایسی بوکھلائی کہ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس کی دونوں کلائیاں وہاب نے سر سے اوپر گزار کر بیڈ پر سختی سے جما دیں تھیں اور اس پر جھک کر لپ اسٹک کے لبوں تک لے گیا۔

"اگر تم لپ اسٹک نہیں لگواؤ گی تو یہیں رہو گی۔"

"میں خود لگا لوں گی۔"لب کھول کر وہ بمشکل کہہ سکی۔سینے کا زیر و بم اس کی گھبراہٹ کا پتہ دے رہا تھا۔

"نہیں میں لگاؤں گا۔"وہ اٹل لہجے میں کہتا لپ اسٹک اس کے لبوں پر پھیرنے لگا۔حدیقہ نے سر ہلائے بغیر اور دم سادھے شرافت سے لپ اسٹک لگوا لی کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔وہاب نچلا لب دانتوں میں دبائے دلچسپی سے اسے لپ اسٹک لگا رہا تھا لیکن اتنی بری لگائی تھی کہ وہ ویمپائر لگنے لگی تھی۔

"زیادہ اچھی نہیں لگی۔تم سر ہلا رہی تھی اس لیے۔"وہاب نے اپنے اناڑی پن کا کیا دھرا اس کے سر لادا اور پیچھا ہٹا تو حدیقہ پھرتی سے اٹھ بیٹھی۔شیشے میں اپنے ہونٹ دیکھے۔کچھ دیر کیلیے تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔اتنی بری لپ اسٹک۔اس نے غصے سے وہاب کو گھورا۔

"ایک منٹ میں ٹشو سے ٹھیک کر دیتا ہوں۔"وہ سر کھجاتے کھسیا کر بولتا سائیڈ پر سے ٹشو اٹھا لایا۔جھک کر ٹشو اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھایا۔

"میں خود کر لوں گی۔"وہ نظریں چراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ٹشو لینے لگی۔

"اب تم یہ تو نہیں چاہو گی کہ میں پھر تم سے زبردستی کروں۔ ہمم" ابرو اچکا کر پوچھا تھوک نگل کر رہ گئی۔ وہاب مسکراہٹ دبائے ٹشو سے اس کے ہونٹوں کے ارد گرد لگی فالتو لپ اسٹک صاف کرنے لگا تھا۔ اور حدیقہ کچھ دیر ارد گرد سے بیگانہ ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

(چلو کچھ کچھ تو اثر ہو رہا ہے۔) وہاب مسکرا دیا اور وہ سٹپٹا کر نظریں پھیر گئی۔

---------------------------

رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ وہ اب تک سنوکر کھیلنے کے بہانے یہاں رکا رہا تھا لیکن اب اسد کے آنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی سو اسے منظر عام سے ہٹنے کی ضرورت تھی۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" اس نے فخر سے کہا۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ۔ اسد بھائی سے ملاقات کرواؤں گا۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" فخر اس کی گیم تو دیکھ ہی چکا تھا اور اتنے اچھے پلئیر کو اسد بھائی سے ملوا کر شاباش لینا اس کا حق تھا۔ اسد ایسے لڑکوں کی تلاش میں ہوتا تھا جن کا ٹیلنٹ اس کی روزی کا سبب بن سکے۔ یہ اس کی اوپر کی کمائی تھی اور حماد نے اسے اس بات کی اجازت دی ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی بیوی کا آپریشن نہیں کروا پایا تھا۔

"نہیں یار پھر کبھی سہی۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے جان چھڑانے والے انداز میں بولا تو فخر نے پھر اصرار نہیں کیا۔ البتہ اس کے دوبارہ آنے کے بارے میں پوچھنا نہیں بھولا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا کر ہامی بھر لی۔ اسد کو پکڑنے کیلیے یہاں دوبارہ آنا تو بہت ضروری تھا۔ وہ سوچتا ہوا باہر آیا۔ رات کے اندھیرے کو اس عمارت کی چھوٹی چھوٹی لائٹس ختم کرنے میں ناکام تھیں۔ وہ روش پہ چلتا اس حصے میں آ چکا تھا جہاں اندھیرا تھا۔ بائیں طرف پارکنگ ایریا بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ روش چھوڑ کر اس طرف آ گیا اور گاڑیوں کے بیچ چلتے ہوئے سب سے آخری گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ جن لوگوں نے جانا تھا وہ پہلے

سے جا چکے تھے لیکن جو یہاں تھے انہوں نے وہیں رہنا تھا۔اس لیے پارکنگ ایریا کی طرف کوئی نہیں آنے والا تھا۔اسے اطمینان تھا سو تبھی بڑے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔کچھ دیر بعد ہی اس کی آنکھیں گیٹ کے کھلنے کی آواز پر کھلی تھیں۔اس نے چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا تو ایک گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔اس کی ہیڈ لائٹس آن تھی جن کی روشنی روش پہ پھیلی ہوئی تھی۔وہ گاڑی پارکنگ ایریا کی طرف ہی آ رہی تھی۔اس نے خود کو کوسا اور جلدی سے ایک گاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔لیکن نظریں گاڑی سے ہٹیں نہیں تھیں۔گاڑی اس سے دور ہی ایک گاڑی کے ساتھ رکی۔چاروں دروازے کھلے۔اور چار آدمی نکلے تھے۔وہ یہاں سے ان کی شکلیں تو نہیں پہچان سکا تھا اس لیے ان کے اندر جانے کا انتظار کیا۔اور جب وہ چاروں روش پہ چلتے ہوئے عمارت کے قریب پہنچے تو وہ انہیں پہچان گیا۔ایک اسد تھا اور ساتھ حماد بھی تھا۔دو باڈی گارڈز تھے۔فخر نے تو بتایا تھا کہ اسد یہیں ہوتا ہے۔کبھی کبھی سارا دن باہر گزارتا ہے اور رات کو پھر یہیں آتا ہے لیکن حماد کا کوئی ذکر نہیں تھا۔اسے کچھ مشکوک تو لگا تھا لیکن وہ اندر نہیں جا سکتا تھا سو یہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔کچھ دیر بعد چار پانچ لوگ عمارت سے باہر نکلتے نظر آئے جن میں سب سے آگے فخر تھا۔باقی بھی وہی تھے جو سنوکر کھیل رہے تھے۔ان کے چہروں پر خفگی کے تاثرات تھے۔ریان انہیں غور سے دیکھنے لگا۔وہ پارکنگ ایریا کی طرف آئے تو ریان گاڑیوں کے پاس سے ہٹ گیا اور ایک ٹرک کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

"بھئی یہ کیا طریقہ ہوا۔ایک تو ہم یہاں سارا دن پہرا دیتے ہیں۔اور رات کو اگر تھوڑا سا شغل کر لیتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔لیکن آج تو سارا مزا ہی کرکرا کر دیا۔" ایک آدمی سخت غصے میں تھا۔ریان کو اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"اوئے چپ کرو۔مرواؤ گے کیا؟کسی نے سن لیا نا۔ایک رات شراب اور رقص و سرود کی محفل چھوڑ دو گے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ذرا صبر سے بھی کام لے لیا کرو۔اسد بھائی کے باس ہیں سر حماد۔" فخر نے ڈپٹ کر کہا تو

ریان کو کچھ کچھ سمجھ آگئی تھی۔ یعنی کہ یہ شراب اور فحاشی کا اڈا تھا۔ اور امیر نوجوان لڑکے یہاں صرف سنو کر کھیلنے نہیں آتے تھے۔

"ویسے مجھے تو لگتا ہے سر حماد کا آج اپنا موڈ ہو گا ساری رات عیش کرنے کا۔ لیکن ہمارا ابھی تو کچھ خیال کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں تو بھیج دیا لیکن ان کا کیا جو نیچے بیسمنٹ میں جوا کھیلتے ہیں۔" وہ سب گاڑیوں میں بیٹھ کر انہیں سٹارٹ کر رہے تھے اور اس بات پر ریان چونکا تھا یعنی کہ یہاں جوا بھی کھیلا جاتا ہے۔ گڈ۔ اس جگہ کے بارے میں جتنا پتہ چلتا اتنا ہی بہتر تھا۔

"اسد بھائی نے سن لی نا تمہاری بات تو یہیں کھڑے زمین میں گاڑ دیں گیں۔" یہ آخری آواز فخر کی تھی جو اس نے سنی تھی۔ پھر گاڑیاں وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ریان ان انکشافات کے بارے میں سوچنے لگا جو ابھی ابھی اس پر کھلے تھے۔ یہ جگہ کافی خطرناک تھی ابھی پتہ نہیں اور کون سے انکشافات ہونا باقی تھے۔

-------------------------------------

آج اسد بہت خوش تھا۔ اس کی بیوی کا آپریشن ہو گیا تھا۔ کندھوں سے بوجھ اتر گیا تھا۔ اگر وہ ٹھیک رہتی تو اس کے بچوں کو بھی سنبھال لیتی۔ اس سے زیادہ سلمیٰ کی اہمیت نہیں تھی اس کے نزدیک۔ وہ بس اس کے بچوں کی ماں تھی اسی لیے وہ اس کے لیے پریشان تھا۔ ایک تو اس کام ہی ایسا تھا کہ کئی کئی دن بعد فیملی سے رابطہ ہو پاتا تھا۔ اور اتنی محنت کے بعد بھی وہ اپنی بیوی کے آپریشن کی رقم ارینج نہیں کر پایا تھا۔ پہلے ہی اتنی رقم ہسپتال کے بل ادا کرنے میں خرچ ہو گئی۔ اور اس کے اکاؤنٹ میں صرف پانچ لاکھ ہی بچے تھے۔ لیکن آپریشن کے لیے بیس لاکھ کی ضرورت تھی۔ سر حماد سے بات کی تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ ملی۔ پھر اس نے پانچ لاکھ کا غبن کر لیا جس کا سر حماد کو کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ ابھی وہ دس لاکھ کی رقم بھجوانے ہی والا تھا کہ سلمیٰ نے النور ٹرسٹ کا ذکر کیا۔ وہ تو خوشی

کے مارے پھولے نہیں سمایا جھٹ سے انہیں فون کیا اور اگلی صبح پیسے اس کی بیوی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ وہ تو بچ گئی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اب وہ بچنے والا نہیں تھا۔

بیوی کی ٹینشن سے نجات ملی تو سر حماد کی کال آگئی۔ پھر وہ سارا دن اسی کے ساتھ رہا تھا۔ رات کو حماد اس کے ساتھ اس اڈے پر آگیا تھا۔ دراصل یہاں حماد نے غیر قانونی اسلحہ چھپا رکھا تھا جو اسمگلنگ کے زریعے یہاں آتا تھا اور آگے سے بہزاد شاہ کے حکم پر مختلف جگہوں پر پہنچایا جاتا تھا۔ یہ کام مشکل تو تھا لیکن پولیس ان کے ساتھ تھی اور رات کے وقت اسلحہ دوسری جگہوں پر پہنچایا جاتا تھا اسی لیے وہ لوگ کسی کی نظروں میں نہیں آئے تھے۔ لیکن آج قسمت بری تھی وہ ریان کی نظروں میں آچکے تھے۔

اس عمارت سے بہت سے لوگ اکٹھے نکلے اور ہر طرف افراتفری سی پھیل گئی لیکن کسی کی کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ صرف قدموں کی آوازیں تھیں جو لحظہ بہ لحظہ پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پلاسٹک کے بیگز تھے۔

ریان نے کچھ لمحے رک کر یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ لوگ گاڑیوں کی طرف آرہے ہیں یا ٹرکوں کی طرف۔ جب وہ ٹرکوں کے قریب آئے تو وہ گاڑیوں کی طرف آگیا۔ اسے ابھی بھی اس افراتفری کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ دفعتاً ایک ساتھ کئی ٹارچ لائٹس آن ہوئیں تو وہ تھوڑا نیچے ہو گیا۔ ذرا سی لاپرواہی اس کی جان لے سکتی تھی۔ اگلے ہی پل لائٹوں کا رخ اس سے ہٹ چکا تھا اور وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں یہ پتہ چل رہا تھا کہ وہ لوگ ایک ٹرک پر کوئی چیز لوڈ کر رہے تھے۔ لیکن کیا؟ اسے سخت تشویش ہوئی۔ وہ قریب جا کر چیک کرنا چاہتا تھا لیکن نہیں جا سکتا تھا۔ کچھ لوگ آرہے تھے تو کچھ جا رہے تھے۔ تبھی حماد اور اسد بھی باہر نکلتے نظر آئے تھے۔

"یہ اسلحہ رات کی تاریکی میں ہی اس جگہ پہنچ جانا چاہیے اسد۔" حماد سخت لہجے میں کہتا چل رہا تھا اور ریان نے اس کی بات سن لی تھی۔ اس کا دماغ تیزی سے چلنے لگا۔ اسے کیا کرنا چاہیے ؟ انتقام بعد میں بھی لیا جا سکتا تھا لیکن یہ غیر قانونی کام جو اس کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا۔ یہ وہ نہیں ہونے دے سکتا تھا۔ کسی طرح تو انہیں روکنا ہو گا۔ پولیس کی مدد لینا عبث تھا۔ تو پھر ؟..... قاسم ؟ ہاں وہ ہی تو تھا ان جیسے لوگوں کو سیدھا کر کے رکھنے والا۔ لیکن وہ قاسم کو جتنی بھی جلدی بتا دیتا یہ کام نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے لیے کچھ اور کرنا ہو گا۔ وہاب نے اسے ایک جی پی ایس ٹریکر دیا تھا جو ابھی اس کے پاس ہی تھا۔ اگر وہ یہ ٹریکر کسی طرح اس ٹرک کے ساتھ لگا دے تو پتہ چل سکتا تھا کہ یہ ٹرک کہاں جا رہا ہے۔ اس طرح ایک کی بجائے دو جگہوں کے بارے میں پتہ چل سکتا تھا جن پر یہ ایسے غیر قانونی کام ہوتے تھے۔

وہ رش کم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اسد اور حماد وہیں کھڑے اسلحہ لوڈ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ ساتھ کچھ باڈی گارڈز گنز لیے چاک و چوبند تھے۔ کچھ ہی دیر بعد لوگوں کا رش کم ہوتا گیا اور ساتھ ہی ٹرک کی ہیڈ لائٹس آن ہو گئیں۔ ٹرک سٹارٹ ہو چکا تھا اور ریان کو جلد ہی کچھ کرنا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ کسی بھی قسم کے حالات کے لیے خود کو تیار کر لیا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن وہ نڈر تھا۔ ملک کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

لوگ ٹرک کے اگلے حصے اور دائیں طرف اس کی جانب پشت کیے کھڑے تھے۔ حماد گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکلا تو کچھ دیر کیلیے لوگوں کی توجہ اس کی جاتی گاڑی کی طرف ہوئی تھی۔ ریان گاڑی کے پیچھے سے نکل کر اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھا اور ٹرک کے پچھلے ٹائر کے پاس لوہے کے ساتھ ٹریکر کو چپکا دیا۔ اس کے پیچھے میگنیٹ تھا سو ریان کو اسے لگانے میں دقت پیش نہ آئی اور وہ اپنا کام کر کے نامحسوس انداز میں پیچھے ہٹتا گاڑی تک آ گیا۔ ٹرک آگے بڑھتے ہوئے روش پہ چڑھا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ گیٹ بند ہوا اور کچھ لوگ اسد کے

ساتھ اندر چلے گئے۔باقی باہر پہرہ دینے لگے۔ایک پارکنگ ایریا کی طرف آ گیا تھا لیکن ریان اس کی نظروں میں آنے سے پہلے ہی دیوار پھاند کر باہر کی طرف کود چکا تھا۔

-------------------------------

کمرے میں سبز ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کھڑکی کے پار کالی رات اتری ہوئی تھی۔وہ چینج کر کے آیا تو رینم سٹڈی ٹیبل ایک رجسٹر کھولے کہنیاں میز پر ٹکائے اس کی منتظر تھی۔وہ اکتا کر سر جھٹکتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔یہ بھی کوئی وقت تھا پڑھائی کا؟لیکن اپنی ناسمجھ بیوی کو سمجھاتا کیسے؟

"مجھے پڑھا دیں نا۔"وہ رجسٹر اور پین لیے اس کی طرف آئی۔

"مجھے ابھی نیند آرہی۔"وہ لیٹتے ہوئے بولا تھا۔

"بس تھوڑا سا بتا دیں۔پھر سو جایئے گا۔"اس نے عمیر کا بازو پکڑ لیا۔وہ جو لیٹ رہا تھا واپس بیٹھ گیا۔رینم نے سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا اور جلدی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اچھا تو تم پڑھنا چاہتی ہو؟"

"جی سر۔"وہ سعادت مندی سے بولی۔

"چلو اے بی سی سناؤ۔"

"اے...بی....سی۔"وہ اتنا کہہ کر ہنس پڑی۔عمیر نے اسے متعجب نگاہوں سے دیکھا۔وہ سر کھجاتے ہوئے ڈانٹ کھانے کیلیے تیار ہو گئی تھی۔

"بس اتنا ہی آتا ہے؟"وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"آتا تو بہت کچھ تھا لیکن سب بھول گیا۔کچھ دن پہلے حریم نے مجھے اے بی سی یاد کروائی تھی بس وہ آتی ہے۔"

"اچھا فون استعمال کرنا آتا ہے؟"

"بس تصویر لینی آتی ہے اور ڈرامہ دیکھنا بھی۔" اس نے چہک کر کہا۔

"اچھا اپنا فون دو۔" وہ بولا تو ریئم جلدی سے فون لے آئی۔

"میں تمہیں ایک ایپ ڈاؤن لوڈ کر دیتا ہوں۔ اس میں تم انگلش کے حروف تہجی کے بارے میں اچھی طرح جان سکو گی۔" وہ فون پر ٹائپ کرتے ہوئے بولا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایپ ڈاؤن لوڈ ہو چکی تھی اور سکرین پر انگلش کے بڑے بڑے حروف تہجی آ رہے تھے۔ اور کئی طریقوں سے ایک ایک لفظ کو سمجھایا جا رہا تھا۔ عمیر بھی ساتھ ساتھ اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پہلے تو پڑھ ہی چکی تھی سو جلد ہی انگلش کے حروف تہجی سیکھ لیے۔ پھر ان کو ملا کر لفظوں کو پڑھنا تو اسے بہت آسان لگا تھا۔ اس کا تلفظ بھی کافی ٹھیک تھا۔ اس نے فون میں ہر انگلش کے لفظ کو پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی کسی بات کا مطلب نہیں پتہ تھا۔ عمیر نے اسے سب کے مطلب بھی سمجھا دیے جو اس نے ذہن نشین کر لیے۔ انگلش کا پیریڈ ختم ہوا تو وہ اردو کی طرف آئی۔ اس کے لفظ تو وہ بہت آسانی سے پڑھ سکتی تھی۔ عمیر نے اسے رجسٹر پر کچھ لکھ کر دیا تو وہ غور سے پڑھنے لگی۔ پھر لکھنے لگی۔ عمیر اس کی بچوں کی طرح کی رائٹنگ دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"اپنی رائٹنگ دیکھی ہے۔ کیڑے مارے ہوئے ہیں جیسے۔" وہ خفا ہوتے ہوئے بولی۔

"تم سے تو اچھی ہے۔ ویسے ایک بات میں تمہیں بتا دوں۔ تمہاری رائٹنگ اس سے بہتر کبھی نہیں ہو گی۔"

"کیوں؟" وہ صدمے سے پوچھنے لگی۔

"کیونکہ تمہیں ڈاکٹر جو بننا ہے۔ ڈاکٹرز کی رائٹنگ یا تو نہیں سمجھ آتی ہے یا میڈیکل سٹور والوں کو۔"

"میں تو اتنا پیارا لکھوں گی کہ سب کو سمجھ آئے گی۔" وہ ایک عزم سے بولی تھی۔

"دیکھ لیں گے۔ اچھا ابھی تو پڑھائی چھوڑو۔ میں تھک گیا ہوں تم سے دماغ کھپا کھپا کے۔"

"لیکن ابھی میتھ رہتی تھی۔"

"صبح پڑھنا۔" وہ لیٹ گیا۔

"اچھا سو جائیں آپ۔" وہ اٹھ کر سٹڈی ٹیبل پر آ بیٹھی اور فون کو کھول کر اس میں لکھے ہر لفظ کو دوبارہ پڑھنے لگی۔ یہ کام اسے بہت ایکسائٹنگ لگ رہا تھا۔ اسے بہت خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اتنی جلدی پڑھنا سیکھ رہی ہے۔ پہلے جب وہ چھوٹی تھی تو پڑھائی میں نارمل ہی تھی۔ ڈانٹ اور مار بھی پڑ جاتی تھی۔ لیکن اسے اتنا یاد تھا کہ چوتھی کلاس میں اس نے ایک دفعہ تیسری پوزیشن لی تھی۔ اسے یقین تھا وہ بہت جلد نہم کلاس میں داخلہ لینے کے قابل ہو جائے گی۔ اگر وہ عمیر کی کتابوں میں لکھی انگلش پڑھنے کی کوشش کرے تو کامیاب ہو پائے گا یا نہیں؟ یہ سوچ کر اس نے سٹڈی ٹیبل پر نگاہ دوڑائی تاکہ عمیر کی کوئی کتاب ہی مل جائے۔ لیکن سٹڈی ٹیبل خالی پڑی تھی۔ اس نے سارے دراز چیک کر لیے لیکن کتاب کا نام و نشان نہ ملا۔ عمیر پچھلے سمیسٹر کے پیپر دے چکا تھا اور اگلا شروع ہونے میں ابھی کافی دن پڑے تھے۔ سو اس نے ساری کتابیں سمیٹ کر سب سے اوپر والی شیلف پر رکھ دی تھیں۔ جہاں اس کی پچھلی کلاسوں کی کتابیں بھی پڑی تھیں۔ رنیم کو کوئی کتاب نہ ملی تو عمیر کی ابھی لکھے جانے والے اردو کے پیراگراف کو پڑھنے لگی اور بار بار لکھنے لگی۔ پھر خود سے کچھ لکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے خود اپنے سوچے جانے الفاظ کو کاغذ پر اتارا۔ پھر وہ لکھتی گئی اور لکھتے لکھتے وہیں سو گئی۔ عمیر کو اب اس کے بغیر سونے کی عادت نہیں رہی تھی اور خود اسے بلانے سے ناک آڑے آتی تھی سو جاگ کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ تو وہیں سو گئی تھی۔ جب اسے محسوس ہوا تو وہ اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اسے سوتے پایا۔ بازو باندھ کر رجسٹر پر رکھے، اس پر سر رکھے اور ہاتھ میں پین پکڑے وہ اپنے ارد گرد سے بے خبر سوئی پڑی تھی۔ سٹڈی لیمپ کی زرد روشنی اس کے چہرے پر پڑتی اس کے حسن کو مزید نکھار رہی تھی۔ وہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔ جیسے ہر بار اسے سوتے ہوئے دیکھنے لگتا تھا۔ اور اب بھی ہر بار کی طرح گھبرا کر نظریں چرا لیں تھیں۔ پھر اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا لیکن وہ سوئی رہی۔ وہ اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر بیڈ کی جانب لے

آیا۔احتیاط سے لٹا کر کمبل اس پر دیا۔ نظر پھر سے بھٹک کر اس کے چہرے پر آ ٹکی۔بے اختیار جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

-----------------------------------

"تم دس بجے تک وہاں رکے رہے تھے۔"وہاب نے کہا۔

"یہ تم اطلاع دے رہے ہو یا پوچھ رہے ہو۔"ریان نے بیڈ پر لیٹتے ہی کہا۔

"بتا رہا ہوں اور پوچھ بھی رہا ہوں۔مجھے پوری بات بتاؤ۔کیا ہوا تھا وہاں؟"وہاب نے کہا تو اس نے ساری بات بتائی۔

"ٹھیک ہے میں ٹریکر کو چیک کر لیتا ہوں لیکن تم اب دوبارہ وہاں اکیلے نہیں جاؤ گے۔ہم کوئی اور طریقہ ڈھونڈ لیں گے۔"

"میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا ایک دوست ہے قاسم۔آئی ایس آئی کا بندہ ہے۔اگر میں اسے اس جگہ کے بارے میں بتا دوں تو حماد خفیہ ایجنسی کی نظر میں آ جائے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔پولیس کو بتانے سے بہتر ہے۔ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ ان کی ویڈیو بنا کر انٹرنیٹ پر ڈال دیں اور پھر دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھیں۔"

"ہاں یہ آئیڈیا بھی اچھا ہے۔میں قاسم سے بات کروں گا۔پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"وہ جمائی کو ہاتھ سے روکتا ہوا بولا تھا۔

"اچھا اب تم سو جاؤ۔کافی محنت کی ہے آج تم نے۔سارا دن سنو کر کھیلنا بھی بڑا کام ہوتا ہے۔خدا حافظ۔"وہاب نے لطیف سا طنز کر کے فون بند کر دیا تو وہ مسکرا دیا۔وقت دیکھا تو رات کے بارہ بجے ہوئے تھے۔کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

صبح اس اذان کے ساتھ آنکھ کھلی۔نماز اور جاگنگ کے بعد وہ کمرے میں واپس آیا تو دل کیا کہ دیا کو کال کر لے لیکن کچھ سوچ کر فون دوبارہ رکھ دیا۔اس کے بغیر زندگی گزارنے کا طریقہ بھی تو آنا چاہیے تھا۔آگے وہ وقت آنے والا تھا جب کئی کئی دن وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔وہ اس وقت کیلیے خود کو تیار کرنا چاہتا تھا۔ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی تھی۔پھر سوچوں کو جھٹک کر وہ اٹھ کر واشروم کی جانب بڑھ گیا۔شاور لیا اور تیار ہونے تک آٹھ بج چکے تھے۔اس نے فون آن کیا اور قاسم کو کال ملائی۔تیسری گھنٹی پر فون اٹھا لیا گیا۔

"زہے نصیب۔ہماری یاد کیسے آگئی آج۔" قاسم اپنے مخصوص خوشگوار انداز میں بولا تھا۔ریان ذرا سا مسکرایا۔

"آپ کا خادم سر۔ریان عباس خان۔"

"اونہ کرو یار۔تمہارا لہجہ بتا رہا ہے تمہیں مجھ سے پھر کوئی فیور چاہیے۔دیکھو میں اب تمہارے سر سے تمہارے متعلق کوئی بات نہیں کرنے والا۔وہ پہلے ہی مجھ پر شک کرتا ہے کہ کہیں میں تمہاری محبوبہ تو نہیں بن گیا"وہ بدک کر بولا۔اور ریان ہنس دیا۔اسے سر حفیظ سے جو بھی فیور چاہیے ہوتا وہ قاسم سے مدد لیتا تھا۔

"نہیں سر اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔دراصل میں لاہور آیا ہوا ہوں تو سوچا آپ سے مل لوں۔"

"ارے واقعی۔مجھ سے ملنے آئے ہو؟"وہ خوش ہوا۔

"نہیں ایک کام تھا۔"وہ مسکرایا۔قاسم بدمزہ ہوا۔بندہ دل رکھنے کو ہی جھوٹ بول دیتا ہے لیکن یہ ریان بھی نا۔کچھ زیادہ ہی سٹریٹ فارورڈ تھا۔بات سیدھی منہ پہ مارتا تھا۔

"اور وہ کام مجھ سے ہو گا یقیناً۔" وہ جل کر بولا۔

"یس سر۔"

"ٹھیک ہے پھر آ جاؤ میری طرف۔"

"اوکے سر۔" اس نے احترام سے کہا اور فون بند کر دیا۔

قاسم تیس سال کا خوش شکل اور ہنس مکھ سا انسان تھا۔ پاکستانی خفیہ ایجنسی کا آئی ایس آئی کا ایجنٹ تھا۔ اپنے کام اور ملک کا وفادار، دوستوں کے لیے جان دینے کو تیار اور دشمنوں کیلیے موت کا فرشتہ تھا۔ اس کے کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ ائیر فورس کے سکوارڈن لیڈر حفیظ کے ساتھ دوستی ہو گئی۔ دونوں نے اکٹھے کام بھی کیا۔ اسی توسط سے ریان کی ملاقات سر حفیظ کے دوست قاسم سے ہوئی تھی۔ اس نے بھی قاسم کے ساتھ کچھ مشنز سر انجام دیے تھے۔ اور اس سے بہت کچھ سیکھا بھی تھا۔ قاسم اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے جلد ہی اس کے ساتھ گھل مل گیا اور بات سر اور آپ سے تم تک پہنچ گئی تھی۔ پھر جب بھی ریان کو اس سے کوئی کام نکلوانا ہوتا تو سر کہہ کر بلاتا تھا اور قاسم جان جاتا اسے کوئی فیور چاہیے۔ اسے نہ تو نہیں کہہ سکتا تھا البتہ بعد میں احسان جتانا بھولتا نہیں تھا۔ ریان نے اس سے کئی فیورز لیے تھے۔ عانیہ کو جب پولیس پکڑ کر لے گئی تھی تو اسی نے مدد کی تھی۔ پھر جب رینم کا پتہ چلا تو سردار شجاع انصاری کا نام قاسم کو دے دیا تھا۔ اپنی بہن پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ اسے یقین تھا اس شخص کے خلاف کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اور قاسم کو بہت کچھ مل گیا تھا۔ کئی لوگوں کے قتل شجاع انصاری کے سر تھے۔ کرپشن کیسز کیلیے اس کا نام نیب آفیسرز کی نظروں میں آ چکا تھا۔ میڈیا پر سخت بدنامی ہو رہی تھی آجکل۔ عدالتوں کے چکر اور خواری الگ ہو رہی تھی۔ وہ مسلہ تو حل ہو گیا تھا لیکن اب یہ نیا مسلہ ذرا خطرناک قسم کا تھا۔ وہ خود بھی اس میں پھنس سکتا تھا۔ اس لیے قاسم کی مدد لینا ضروری تھا۔ صرف عانیہ کے

پیرنٹس کا بدلہ لینا ہوتا تو وہ خود لے لیتا لیکن یہاں مسلہ ملک کی سلامتی کا تھا۔ سو وہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہتا تھا۔ اب یہ قاسم سے بات کرنے کے بعد ہی پتہ چلنا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

------------------------------------

آج خلاف معمول وہاب نماز کے بعد دوبارہ سو گیا تھا۔ آٹھ بجے کے قریب حدیقہ کی آنکھ کھلی تو اسے سوتے دیکھ کر حیران ہوئی۔ شادی کے دن سے ابھی تک اس نے وہاب کو بیڈ پر سوتے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ سو جاتی تو تب وہ بیڈ پر آتا تھا اور اس کے جاگنے کے سے پہلے اٹھ جاتا تھا۔ اور آج وہ اس کے قریب ہی لیٹا سویا ہوا تھا۔ اور سوتے وقت پہلے سے کچھ زیادہ پیارا لگتا تھا۔ وہ بے اختیار ہی اسے دیکھنے لگی۔ لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ بکھرنے لگی۔ وہ اسے مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی کہ تبھی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔ وہاب اس کی چوری پکڑ چکا تھا۔ وہ اس کے مسکرانے پر وہ نظریں پھیر گئی تھی۔ اور جلدی سے اٹھ کر بیڈ سے اترنے ہی لگی تھی کہ اس کا ہاتھ وہاب کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ اگلے ہی پل وہ اس کے پہلو میں لیٹی تھی۔ اس کا سر وہاب کے کندھے پر تھا۔ وہ چہرہ جھکائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ دل کی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

"دیوانہ تو نے کر دیا

ایسے تیرے بن اب رہ نہ سکوں

دل کی بات تجھے

آ کر میں کہہ نہ سکوں

میری گڈ مارننگ تو ہے

میری گڈ نائٹ وی تو

یہ دنیا رانگ لگے۔

میرے لیے رائٹ وی تو۔"

وہ اس کے چہرے کو پیار سے چھوتا گا رہا تھا۔ اور نتیجہ اس کی توقع کے مطابق تھا۔ حدیقہ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا لیکن اس نے وہاب کے پاس سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اچھا لگا تمہیں جاگتے ساتھ ہی اپنے سامنے مسکراتے دیکھنا۔" اس کی بات پر حدیقہ کی پلکیں ایک پل کیلیے اس کی طرف اٹھی تھیں۔

"آج آپ دیر سے کیوں اٹھے؟" وہ اب کافی حد تک سنبھل چکی تھی اور بات بدل رہی تھی۔ وہاب ذرا سا ہنس دیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پہ رکھ لیا۔ حدیقہ کو اس کی دھڑکنیں اپنے پورے جسم میں محسوس ہونے لگی تھیں۔ پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

"یار ذرا سی تعریف ہی کر دیا کرو۔ اتنی اچھی آواز میں تمہارے لیے گانا گایا اور موقع کی مناسبت سے گایا۔ تمہیں کوئی تبصرہ تو کرنا چاہیے نا۔"

"میں کیوں کروں؟" کندھے اچکا کر نروٹھے پن سے کہا۔ وہاب کا دل اس کے ہاتھ کے نیچے زور و شور سے دھڑک رہا تھا اور اس کی دھڑکنوں کی رو بھی اس ٹون میں بہنے لگی تھی۔

"تم میری بیوی ہو" اس نے جتایا۔

"پتہ ہے۔" وہ بھی ڈھیٹ تھی۔ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"اچھا۔ سن کر خوشی ہوئی کہ تمہیں بھی پتہ ہے۔" وہ جل کر بولا تو وہ زور سے ہنسی۔

"میں نے کوئی لطیفہ سنا دیا کیا؟" اس نے تعجب سے پوچھا تو نفی میں سر ہلا گئی۔ اور اٹھنے لگی لیکن وہاب کے بازو کی گرفت اس پر مضبوط تھی۔

"تم میری اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں اٹھ سکتی۔"اس نے رعب سے کہا۔وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"مجھے جانے دیں۔اتنے کام پڑے ہیں۔اور بارہ بجے کی فلائٹ ہے۔"اس نے عذر پیش کیے۔

"جب تک میری تعریف نہیں کرو گی۔نہیں جاسکو گی۔"وہ اس کے ماتھے پر آئے بالوں سے کھیلنے لگا تھا۔حدیقہ نے تھوک نگلا۔

"آپ بہت......"وہ رک کر سوچنے لگی جیسے کوئی خوبی مل ہی نہ رہی ہو۔وہاب کو وہ لمحہ یاد آیا جب ایک دفعہ ٹیرس پر اس نے حدیقہ سے اپنی تعریف کروائی تھی۔اس دن بھی وہ کہہ رہی تھی کچھ مل ہی نہیں رہا تعریف کرنے کو۔

"اچھا مت کہنا۔ہینڈسم کہہ دو۔"وہ تیزی سے بولا۔حدیقہ نے مسکین سی شکل بنائی جیسے اس سے مشکل کام دنیا میں اور کوئی نہ ہو۔

"ہمم....بولو۔"وہ اپنی تعریف سننے کو منتظر تھا۔

"آپ......بہت......ہینڈ.....سم....ہیں۔"وہ اس سے نظریں ملائے بغیر رک رک کر بولی تھی۔وہاب کئی لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔اتنا دلفریب چہرہ اسے کبھی کسی اور کا نہیں لگا تھا۔جب وہ شرماتی تو اس کے چہرے کا رنگ سرخ سیب جیسا ہو جاتا۔اور اوپر سے اس کے بولنے کا انداز۔بالکل بچوں کی طرح تھا۔جس میں کوئی بناوٹ چالاکی یا مکاری نہیں تھی۔وہ اس کے ساتھ پر خلوص تھی۔اسے ٹوٹ کر حدیقہ پر پیار آیا تھا۔جس کا اظہار اس نے حدیقہ کی پیشانی پر بوسہ دے کر کیا تھا۔

---------------------------------

آج انہیں پیرس جانا تھا۔شام سات بجے کہ فلائٹ تھی ان کی۔پیکنگ ساری ہو چکی تھی۔لیکن رنیم کو ایک ٹینشن لگ گئی تھی۔وہ عمیر کی کوئی انگلش کی کتاب ساتھ رکھنا چاہتی تھی تاکہ وہاں بھی پڑھتی رہے۔اتنا ڈھونڈنے کے

بعد کچھ نہ ملا تو عمیر سے پوچھ لیا۔ اس نے بتا دیا کہ ساری کتابیں اوپر والی شیلف پر ہیں۔ لیکن اس کے پوچھنے کی وجہ نہ پوچھی۔ وہ وہاب کے ساتھ بیٹھا کوئی کام کر رہا تھا۔ اور جب پانچ منٹ بعد کسی کام کی غرض سے کمرے میں آیا تو وہ اسے سب سے اوپر والی چوتھی شیلف پر چڑھی نظر آئی تھی۔ جس کی بلندی تقریباً نو فٹ تھی۔ عمیر کچھ پل کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ اسے وہ لمحہ یاد آیا جب وہ کروز شپ کی ریلینگ کے ساتھ جھکی آگے کو گرنے والی تھی۔

"ریم!" وہ بلند آواز میں کہتا اس کے قریب پہنچا تھا۔ ریم جو بڑے مزے سے ایک کتاب کو کھول کر صفحے پلٹ رہی تھی چونک کر پیچھے دیکھا تھا۔

"اف آپ نے تو ڈرا ہی دیا عمیر!" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیتے ہوئے بولی تھی۔ عمیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اتنا اوپر چڑھنے سے ڈر نہیں لگا اور اس کے پکارنے پر ڈر لگ گیا ہے۔

"نیچے آؤ۔" وہ سر اونچا کیے اسے سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"وہ.....مجھے ایک کتاب چاہیے تھی۔" وہ منمنائی۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں۔ فوراً سے پہلے نیچے آؤ۔" اس کا لہجہ مزید سخت ہوا۔ ریم نے اسے تعجب سے دیکھا۔ یہ اتنا غصہ کرنے والی بات تو نہیں تھی۔ لیکن وہ غصہ نہیں کر رہا تھا۔ اس کے دل میں خوف تھا۔ جسے چھپانے کی کوشش میں وہ غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی اور شرارتی مسکراہٹ چھپائی۔ ایک نظر نیچے دیکھا اور چہرے پر خوف طاری کر لیا۔

"کیسے آؤں؟ ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیا؟.....چڑھتے ہوئے نہیں لگا تھا؟"

"مجھے کیا پتہ تھا یہ اوپر سے اتنا ڈراؤنا لگے گا۔"

"اچھا ریلیکس۔ تم ڈرو نہیں۔ میں ہوں نا۔ تم احتیاط سے اترو۔" اس کا غصہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔

"اچھا ایک منٹ۔ کتاب ڈھونڈ لوں۔"

"کتاب کو چھوڑو نیچے آؤ۔ لائبریری سے مل جائیں گی تمہیں کتابیں۔" وہ اکتا کر کہہ رہا تھا۔ ری‌نم نے سوچا اب مزید کیا تنگ کرنا۔ سو چپ چاپ اس کی بات مان لی۔ ایک پاؤں تیسری شیلف پر رکھا اور اوپر والی شیلف کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دوسرا پاؤں دوسری شیلف پر رکھا۔ اس کا صرف انگوٹھا کنارے پر اٹکا تھا۔ جب دوسرا پاؤں اٹھایا تو انگوٹھا سلپ ہو گیا۔ دل زور سے کانپا اور ہاتھوں پر پسینے آ گئے۔ نتیجتاً ہاتھوں سے اوپر والی شیلف بھی چھوٹ گئی اور ایک پل کیلیے وہ ہوا میں معلق ہو گئی۔ ڈر کی وجہ سے آنکھیں بند لیں۔ عمیر جو نیچے الرٹ سا کھڑا تھا جلدی سے ایک قدم آگے بڑھا اور اگلے ہی پل وہ اس کے بازوؤں میں آ گری۔ عمیر نے شکر کا سانس لیا اور اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھا۔ وہ کندھے سے اس کی شرٹ پکڑے بری طرح کانپ رہی تھی۔ نظریں ایک پل کے لیے اس کے چہرے پر آ ٹکی تھیں۔ مسکرا کر اس نے سر جھٹکا۔

"کھول لو آنکھیں۔ بچ گئی ہو۔" اس نے کہا تو ری‌نم نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ارے......میں بچ گئی؟" وہ بے یقینی سے بولی۔ اور اس کی گرفت سے نکلنے کے کسمسائی لیکن رک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ اسے چھوڑنے پر راضی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔ ری‌نم کا دل تیزی سے دھڑکا اور چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"چھوڑیں نا۔" نظریں چراتے ہوئے وہ بولی۔

"آئندہ اوپر کہیں خطرناک جگہوں پر چڑھو گی؟"

"نہیں۔" وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں چڑھ لینا۔ اگلی دفعہ زیادہ سزا دوں گا۔" وہ اسے لیے پلٹا تھا۔

"سزا؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"یس۔ تو بتایئے مسز جو غلطی اب آپ نے کی اس کی کیا سزا لینا چاہیں گیں؟" وہ ابھی بڑے موڈ میں لگ رہا تھا۔ ریئم نے مسکین سی شکل بنا کر نیچے اترنے کی ناکام کوشش کی۔

"میں نے کون سی غلطی کی ہے؟" اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔

"تم ہمیشہ خود کو خطرے میں ڈال کر مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتی ہو۔ کیوں تنگ کرتی ہو مجھے اتنا؟...... سزا تو اب بھگتنی ہو گی۔" وہ اس کے چہرے پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ریئم نے پلکیں اٹھا کر ایک نظر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اسے اپنے لیے محبت ہی محبت نظر آئی تھی۔ دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ آئی تھی۔ اور وہ بھی کتنے ہی پل اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے جلدی سے نیچے اتار دیا۔ وہ اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی اس سے نظریں ملائے بغیر دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ دل کی دھک دھک کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

"آج کیلیے اتنی سزا ہی بہت ہے۔" وہ خفت مٹانے کو ذرا غصے سے بولتا سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ ریئم نے بھنویں سکیڑ کر اس کی بات کا مطلب سمجھنا چاہا اور جب سمجھ آیا تو سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لیا۔ اب وہ اسے کبھی تنگ نہیں کرے گی۔ یہ اس نے سوچ لیا تھا۔ اور عمیر اسے ایک نظر دیکھ کر مسکراتا باہر چلا گیا۔

---------------------------------

گیارہ بج چکے تھے اور وہ دونوں ائیرپورٹ پر پہنچ گئے تھے۔ باقی سب بھی ساتھ انہیں سی آف کرنے آئے تھے۔ اور جب تک حدیقہ ائیرپورٹ کے اندر داخل نہیں ہوئی تھی ماما کی نصیحتیں اس کے ساتھ ہی رہی تھیں۔ یہ نہیں کرنا۔ وہ نہیں کرنا۔ وہاب کی بات ماننا۔ اسے تنگ مت کرنا۔ اسکا خیال رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ وہ لب کاٹتے ہوئے خاموشی سے سنتی رہی اور وہاب نے کئی بار اسے جتاتی مسکراہٹ سے دیکھا تھا۔ اسے کسی نے نصیحت نہیں کی تھی کہ حدیقہ کا خیال رکھنا۔ وہ کڑھتے ہوئے سوچنے لگی تھی۔

بارہ بجے ان کی فلائٹ شروع ہوئی تھی۔ جو چودہ گھنٹے کی تھی۔ پاکستانی ٹائم کے مطابق تو انہیں رات دو بجے وہاں پہنچنا تھا لیکن ٹورنٹو کا وقت پاکستان سے نو گھنٹے پیچھے تھا اس لیے جب بارہ بجے ان کی فلائٹ شروع ہوئی تھی تو ٹورنٹو میں صبح کے تین بج رہے تھے اس حساب سے انہیں شام چھ بجے ٹورنٹو میں اترنا تھا۔ ایک ہفتے کا ٹور تھا جس میں انہوں نے ٹورنٹو کی سیر کرنی تھی۔ وہ پر جوش بھی تھی اور تھوڑی ڈری ہوئی بھی تھی۔ اب وہاب کا رعب ہی ایسا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس سے فرینک نہیں ہو پا رہی تھی۔ لیکن نہیں جانتی تھی کہ اس سفر کے بعد وہ جب لوٹے گی تو بالکل بدلی ہو گی۔

------------------------------------

"ہاں اب بولو کیا مسلہ ہے۔" قاسم نے شاہانہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا۔ قاسم اور اس کی بیوی شانزے نے اس کا استقبال کیا۔ پھر اس نے لنچ بھی انہی کے ساتھ کیا۔ اب وہ لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"مسلہ یہ ہے کہ مجھے کچھ ایسے لوگوں کے بارے میں پتہ چلا ہے جو..... مطلب دہشت گرد ٹائپ ہیں۔ مجھے زیادہ تو نہیں پتہ لیکن اگر تم ان کی یہ آڈیو سن لو تو تم خود سمجھ جاؤ گے۔" ریان نے فون آن کیا اور وہ ریکارڈنگ نکالی جس میں حماد اور بہزاد شاہ کی خفیہ میٹنگ کی آڈیو تھی۔ اس نے پلے کیا اور لاؤنج کی خاموشی میں آوازیں گونجنے لگیں۔ اور جیسے جیسے قاسم سنتا گیا غصے سے اس کی کنپٹیاں سلگتی گئیں۔ مطلب اپنے ہی ملک کے لوگ غدار ہو چکے تھے۔ کیسے کیسے ملک کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ چھوٹے بچوں اور نوجوانوں لڑکیوں کو اغوا کر کے بارڈر پار انڈیا پہنچایا جاتا تھا۔ اسلحہ، ڈرگز اور قیمتی اشیاء جو پاکستان کی معیشت کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھیں ان کی سمگلنگ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ شہر کے امن کو خراب کرنے کے لیے دہشت گردی کی کاروائیوں میں بھی حماد ملوث تھا۔ قتل تو اس کے لیے کوئی عام بات تھی۔ کرپشن کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ لیکن زیادہ قصوروار بہزاد شاہ تھا جو

اس سارے گروہ کا ماسٹر مائنڈ تھا۔اسی کے حکم پر سب ہوتا تھا۔حماد جیسے اور پتہ نہیں کتنے لوگ اس کے آگے کام کر رہے تھے لیکن وہ پھر بھی سب کے سامنے بے قصور تھا۔کسی عدالت میں اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ خود کچھ نہیں کرتا تھا۔اس کے ہاتھ صاف تھے۔اپنے ماتحتوں کو حکم بھی منہ زبانی ہی دیتا تھا تاکہ کالز ریکارڈ نہ ہو جائیں۔لیکن اس دفعہ اس کی باتیں ریکارڈ ہو گئی تھیں۔اور اس نے ڈی آئی جی کا ٹرانسفر کروا دیا تو یہ مسلہ بھی حل ہو گیا تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے یہ دہشت گردوں کا ایک پورا منظم گروہ ہے جس کا جال کئی شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ تمہیں یہ آڈیو کہاں سے ملی؟"وہ پرسوچ انداز میں کہتا ایک دم چونکا تھا۔

"یہ لمبی کہانی ہے۔اور میں تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولنا چاہتا کیونکہ تم ان دہشتگردوں کو انجام تک پہنچانے میں میرے واحد مددگار ہو۔"ریان نے کہا تو وہ اسے مشکوک نظروں سے گھورنے لگا۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔بتا رہا ہوں۔"اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا تو قاسم ہنسا۔

"ارے نہیں یار۔مجھے تم پر کوئی شک نہیں۔بس اوپر بتانے کیلیے یہ پوچھنا ضروری ہے۔"

"ایک لڑکی ہے جس کا نام دیا......سوری عانیہ ہے۔...."اس کے لبوں پر کچھ دیر کے لیے نرم سی مسکراہٹ آئی تھی اور قاسم چونکا تھا۔

"تمہیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم اور تمہاری مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ وہ کوئی اسپیشل ہے۔"

"اگر تم مجھے درمیان میں روکو نہ تو میں پوری بات بتاؤں گا نا۔"اس نے غصے سے گھورا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے آگے چلو۔"

"اس کے والد پہلے کراچی کے ڈی آئی جی تھے۔صفدر علی۔"

"ارے ہاں وہی جن کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا کچھ عرصے پہلے شاید۔بیوی بھی ساتھ تھی۔"

"ہاں ان کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ٹی وی پر یہ نیوز تو سنی ہو گی تم نے۔"

"نہیں یار میں اس وقت ملک سے باہر تھا۔یہ خبر نہیں ملی مجھے۔"وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ویسے بھی وہ اسلام آباد میں ہوتا تھا اور اس وقت تو ملک سے باہر ڈیوٹی پر تھا۔

"جب دیا کو پتہ چلا کہ اس کے والدین کا قتل ہوا تھا تو وہ انتقام لینے کیلیے قاتل کو ڈھونڈنے لگی۔اور قاتل اس کا کزن تھا۔حماد۔"

"ارے یہ حماد اس کا کزن ہے۔"وہ حیران ہوا۔

"ہاں۔اس کے والد نے حماد کے والد کو دہشتگردی کے جرم میں گرفتار کیا اور پھانسی ہو گئی۔پھر حماد نے انتقاماً ان کو قتل کروا دیا اور بعد میں ان کی بیٹی کو بھی نہیں بخشا۔خود کو اس کا ہمدرد ثابت کرتے ہوئے اس نے پیشکش کی کہ وہ قاتل کو ڈھونڈنے میں اس کی مدد کرے گا۔وہ حماد اور اپنے والد کی دشمنی سے بے خبر تھی سو اس کی مدد لے لی۔پھر حماد نے اسے کچھ ثبوت پیش کیے جس سے اس کے والدین کا قاتل میں ثابت ہوتا تھا۔....."

"اوہو پھر کیا ہوا؟"قاسم دلچسپی سے سنتے ہوئے آگے کو ہوا۔

"پھر کیا ہونا تھا وہ مجھے قتل کرنے میرے گھر پہنچ گئی لیکن شکر اسے بروقت پتہ چل گیا کہ میں قاتل نہیں تھا۔"ریان نے گول مول سا جواب دے کر اسے مطمئن کیا۔اب اپنی پرسنل باتیں تو نہیں بتا سکتا تھا نا۔

"اسے کیسے پتہ چلا تھا کہ تم قاتل نہیں ہو؟"قاسم نے سوال کیا۔

"میں نے اسے ثبوت دکھانے کو کہا اور اس نے مجھ دکھا بھی دیے لیکن میری قسمت اچھی کہ ایک ثبوت خراب نکل آیا۔میں تو بچ گیا لیکن اسی وقت پولیس آ گئی۔انہیں حماد نے بھیجا تھا۔اس کے خیال میں دیا مجھے قتل کر دے گی اور پھر پولیس اسے جیل میں ڈال دے گی جہاں وہ ساری زندگی قید رہے گی۔اس کا یہ پلان فیل ہو گیا۔اس

رات میں نے تمہیں فون کیا تھا کہ ایک لڑکی کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اور تمہاری مدد سے وہ جیل جانے سے بچ گئی تھی۔"

"اچھا تو وہ لڑکی دیا تھی۔مجھے لگا تمہاری کوئی عزیز یا رشتے دار ہو لیکن وہ تمہیں مارنے والی تھی اور تم نے اسے بچایا؟" قاسم حیران تھا۔

"دل پہ کس کا اختیار ہوتا ہے؟" وہ شانے اچکا کر بولا تو قاسم نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔واقعی یہ بات تو سچ تھی۔

"وہ جیل نہیں گئی تھی۔لیکن وہ حماد کے پاس دوبارہ جا رہی تھی اس سے انتقام لینے۔میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں رکی اور چلی گئی۔وہاں اسے بہت مشکلات پیش آئیں تھیں لیکن وہ بہت بہادر تھی سب مشکلات کا مقابلہ کیا۔حماد کے سیکیورٹی گارڈز کے سامنے اس کی پٹائی کی اور پھر اس کی گردن کے پیچھے کوئی نوکدار سوئی بھی ماردی۔وہ مرا تو نہیں البتہ ایک مہینے کے لیے مفلوج ہو کر رہ گیا۔....."

"لیکن ایک لڑکی یہ کیسے کر سکتی ہے؟..... مطلب اس کے سیکورٹی گارڈز کے سامنے اور ایک مرد پر حملہ کر کے اسے مفلوج کر ڈالا۔"

"وہ بلیک بیلٹ فائٹر ہے۔دو دفعہ میرے سامنے اس نے فائٹنگ کی تھی اور میں خود حیران رہ گیا تھا۔"

"مجھے تو اس سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے ریان۔" وہ ستائشی لہجے میں بولا تو ریان مسکرا دیا۔

"پھر اس حملے کے بعد اسے بہت مصیبتیں سہنی پڑیں لیکن بالآخر وہ مجھے دوبارہ مل گئی۔حماد اس وقت تک فرار ہو چکا تھا اور کراچی میں ہی تھا۔میں نے دیا کو بدلہ لینے سے روکنے کی کوشش کی کہ ہمیں قانون کی مدد لینی چاہیے۔لیکن وہ خود بدلہ لینا چاہتی تھی۔میرے سمجھانے کے باوجود دیا نے حماد کو اپروچ کیا اور اس کے سیکرٹری اسد کی جیب میں آڈیو بگ ڈیوائس ڈال دی اور نتیجتاً یہ آڈیو ہم تک پہنچی۔"

"اوہ اچھا۔ تو یہ آڈیو اس لڑکی نے حاصل کی ہے۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ریان نے سر ہلا دیا۔

"پھر تم نے کیا کِیا؟"

"میں نے اسے سمجھایا کہ ہمیں قانون سے مدد لینی چاہیے کیونکہ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ نئے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے بھی اسے سمجھایا تو وہ مان گئی۔ ڈی آئی جی مرتضیٰ مرتضیٰ ملک اس کے والد کے دوست تھے اور اس کیس کو خود دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے شاید کچھ ثبوت بھی اکٹھے کر لیے تھے لیکن بہزاد شاہ نے ان کا ٹرانسفر پشاور کروا دیا۔ اور اب قانون اس کے ہاتھ میں ہے۔ میں قانون سے کوئی مدد نہیں لے سکتا تھا اس لیے میں نے خود بدلہ لینے کا سوچا۔ دیا کو بتائے بغیر میں نے حماد کے سیکرٹری اسد کو اپروچ کیا۔ اور کل میں وہاں گیا جہاں وہ آجکل چھپا ہوا ہے۔ وہ جوئے کا اڈا ہے۔ اور وہاں غیر قانونی اسلحہ چھپایا گیا ہے۔ رات کو ایک ٹرک کے ذریعے اسلحہ شیخوپورہ میں پہنچایا گیا ہے۔"

"تمہیں وہ جگہ معلوم ہے؟"

"ہاں۔ اس وقت ان کے دو ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن میں جانتا ہوں یہ صرف دو جگہیں نہیں ہیں۔ اور بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ہم ابھی کوئی کاروائی نہیں کر سکتے جب تک باقی سب کا پتہ نہ چل جائے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں ابھی ہی اپنے بندوں کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ لوگ خفیہ طور پر ان جگہوں پر نظر رکھیں گے۔ کوئی نئی اطلاع ضرور ملے گی۔ تم ایسا کرو حماد کے خلاف تمہارے پاس جو بھی ثبوت ہے وہ مجھے دے دو۔" قاسم مسلسل کچھ سوچتے ہوئے لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

"میرے پاس تو صرف یہ ایک آڈیو ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کے پاس اس کے خلاف کافی ثبوت ہوں۔"

"پھر تم ان سے رابطہ کرو۔ مجھے جلد از جلد اس کے خلاف ثبوت چاہیں۔ تاکہ میں اوپر بتا کر اس مشن کی باقاعدہ طور پر اجازت لے سکوں۔"

"اوکے میں ابھی رابطہ کر لیتا ہوں۔ لیکن میرے خیال سے ہمیں حماد پر نظر رکھنی چاہیے۔ مجھے ابھی تک اس کا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا۔ وہ اگر ہر دفعہ کی طرح اب بھی بھاگ گیا تو کیا فائدہ۔" ریان کو حماد کا بھاگنا بہت غصہ دلاتا تھا۔

"ارے وہ تو ایم پی اے ہے نا۔ اور حکومت کی طرف سے دیے گئے گھر میں رہتا ہے۔ اسے ڈھونڈنا کونسا مشکل کام ہے۔"

"اچھا یہ مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ لاہور کا ایم پی اے ہے۔ بس اتنا پتہ تھا کہ مشہور سیاستدان ہے۔ لیکن پھر وہ اسلام آباد سے بھاگنے کے بعد کراچی میں کیوں رہ رہا تھا؟"

"بہزاد شاہ کراچی میں ہے شاید اسی لیے۔" قاسم نے اندازہ لگایا۔

"ہمم..... چلو ٹھیک ہے۔ میں پتہ کرواتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"یار ہوٹل کی بجائے یہاں رہ لو۔ کام کرنے میں آسانی ہو گی۔" قاسم نے اسے آفر کی۔

"ٹھیک ہے۔ اس طرح کام جلد ہو سکے گا۔ میرے پاس بھی کچھ ہی چھٹیاں رہ گئی ہیں۔"۔ وہ دونوں ایک ساتھ باہر آئے تھے۔

"ویسے یار تمہیں آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہونا چاہیے تھا۔ جاسوسی بڑی اچھی کر لیتے ہو۔ پہلے وہ سردار شجاع انصاری کی مخبری کی اور اب یہ دہشتگردوں کا اتنا بڑا گروپ۔ اگر یہ انجام تک پہنچ گیا تو اس کا کریڈٹ تمہیں جائے گا۔"

"مجھے کریڈٹ نہیں چاہیے۔ میرا پہلا مقصد ملک کی سلامتی ہے اور دوسرا مقصد دیا کے پیرنٹس کا بدلہ لینا۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"تم خود بدلہ نہ لینا۔ ایسے ہی کوئی الزام لگ جائے گا۔ ہم مل کے سب کریں گے۔ اور ظاہر ہے ملک کیلیے کسی کی جان لینا جرم نہیں ہے۔" قاسم نے سمجھاتے ہوئے کہا اور وہ سر ہلا کر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

-----------------------------------------

ریئم اور عمیر کی فلائٹ دوپہر کے دو بجے کی تھی اور دس گھنٹے بعد انہیں پیرس میں اترنا تھا۔ پیرس کا وقت پاکستان سے تین گھنٹے پیچھے تھا سو انہیں رات نو بجے پیرس پہنچنا تھا۔ وہ لوگ انہیں بھی سی آف کرنے کے بعد گھر آئے تو گھر خالی خالی سا لگا تھا۔ کھانا وہ باہر ہی کسی ریسٹورنٹ میں کھا چکے تھے سو آتے ہی عمرینہ اور حیدر علی اپنے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے جبکہ حریم عانیہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

"مجھے تو ابھی سے حدیقہ اور ریئم کی یاد آنے لگی ہے۔" وہ اس کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اداسی سے بولی۔ عانیہ مسکرا دی۔

"ایک ہفتے کی تو بات ہے آ جائیں گے۔"

"اگر ایک ہفتے تک میں یہاں نہ رہ سکی تو؟"

"فضول باتیں مت کرو۔ تم میرے ہوتے ہوئے کہیں نہیں جا سکتی۔" عانیہ نے ڈپٹ کر کہا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"یہاں رہ کر مجھے پتہ چلا ہے کہ بہنوں کا پیار کیسا ہوتا ہے۔ حدیقہ، ریئم اور آپ.... میں کبھی بھی آپ کے پیار کو نہیں بھولوں گی۔" وہ دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے حریم؟"

"مجھے لگتا ہے کہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ مجھے سمیع کی فکر ہو رہی ہے۔" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"او کم آن حریم۔ وہ بچہ نہیں ہے۔ اپنا اچھا برا جانتا ہے۔ تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن دل کا کیا کروں جس کو ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔"

"ایسا کرو اس سے شادی کر لو اور چوبیس گھنٹے اس پر پہرا دو۔" عانیہ نے جل کر کہا اور حریم ہنسی۔

"تاکہ میرے گھر والوں کا شک یقین میں بدل جائے کہ میں نے کسی کے ساتھ بھاگ کر شادی کر لی ہے۔"

"تو پھر چپ چاپ پڑھائی کی طرف توجہ دو۔ کل انکل تمہارا ایڈمیشن کروا دیں گے۔"

"ارے واقعی؟" وہ یکدم خوش ہو گئی اور عانیہ بھی مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر سے فون اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

"ویسے ایک بات کہوں؟" حریم کی زبان میں کچھ دیر چپ رہنے کے بعد پھر کھجلی ہوئی۔ عانیہ نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"آپ ریان بھائی کو بہت مس کر رہی ہیں۔" حریم نے کہا تو اس کے دل میں عجیب سی اداسی بھر گئی۔ وہاں جا کر ریان نے ابھی تک اسے خود فون نہیں کیا تھا۔

"میں کیوں کرنے لگی اسے مس۔ ہونہہ۔ دنیا میں اور کام بھی ہیں محبت کے سوا۔" عانیہ نے جلدی سے صفائی پیش کی تو حریم اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اٹھ کر سٹڈی ٹیبل پر پڑا لیپ ٹاپ اٹھا لائی۔

"آپ لیپ ٹاپ پر کیا کرتی ہیں؟" حریم نے حیرت بھرے اشتیاق سے پوچھا۔

"کام۔"

"آفس کا کام اتنا زیادہ ہوتا ہے کیا؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"ہیکنگ سیکھ رہی ہوں۔"

"ریان بھائی پر نظر رکھنے کے لیے ہیکنگ سیکھ رہی ہیں؟" حریم نے شرارت سے پوچھا۔ عانیہ ہنس پڑی۔

"ویسے آئیڈیا تو اچھا ہے۔ریان پر نظر تو رکھنی چاہیے۔کیا پتہ کسی لڑکی کی کالز آتی ہوں۔"

"اگر بالفرض کسی لڑکی کی کالز آتی ہوں تو آپ کیا کریں گیں؟"

"میں نے کیا کرنا ہے۔ تمہیں تو پتہ ہے میں کتنی اچھی اور رحم دل ہوں۔ہڈیاں تھوڑی توڑوں گی اس کی؟"عانیہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو حریم کی بھنویں تعجب سے سکڑیں۔وہ کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ایک طرف اپنی اچھائی کا ذکر کر رہی تھی اور دوسری طرف ہڈیاں توڑنے کی بات۔افف۔حریم جھرجھری لے کر رہ گئی۔

------------------------

حسیب آج بہت سی کوششوں کے بعد ڈی آئی جی تک پہنچا تھا۔لیکن ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا تبادلہ ہو چکا تھا۔سو اتنی رشوتیں بھی کسی کام نہ آئیں۔ڈی آئی جی ہاشم نے اسے کہا کہ اس کا کوئی بیٹا تو ہے ہی نہیں۔اس کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا لیکن اسے یقین نہیں آیا تھا کہ ڈی آئی جی سچ بول رہا ہے۔بابا کو فون کر کے نئی اطلاع دی تو وہ حسب توقع پھر سے چراغ پا ہو گئے۔اسے سخت سست سنائیں اور آخر پر نصیحت کر کے فون بند کر دیا۔

"تم کسی چھوٹے آفیسر کو پیسے دے کر ڈی آئی جی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

اب پھر سے رشوت!.....اف۔اکتا کر اس نے گہرا سانس لیا اور آج کی بجائے کل جانے کا فیصلہ کیا۔

------------------------

ریان، قاسم کے گھر شفٹ ہو چکا تھا۔ڈی آئی جی سے رابطہ بھی ہو چکا تھا اور انہوں نے حماد کی کیس فائل اس تک پہنچانے کی ہامی بھر لی تھی۔ قاسم نے ریان کی بتائی جانے والی جگہوں پر خفیہ پہرہ لگا دیا تھا۔اور وہ خود دونوں حماد کے گھر کی جاسوسی کرنے جا رہے تھے۔رات کی تاریکی میں سڑک پر سٹریٹ پولز کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ گاڑی تیزی سے اس سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"اگر حماد کو وقت سے پہلے کچھ پتہ چل گیا کہ اس کے پیچھے خفیہ ایجنسی کے بندے لگ چکے ہیں تو وہ بھاگنے کی کوشش کرے گا۔" قاسم نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"اس کا حل ہے میرے پاس۔ اگر اسے کوئی شک ہوا تو میں خود کو ظاہر کر دوں گا۔ اس طرح اسے یہ یقین آ جائے گا کہ یہ سب میں ہی کروا رہا ہوں اور وہ مطمئن ہو جائے گا۔ کیونکہ میں تو اس کا پہلے سے ہی دشمن ہوں۔ وہ صرف میرے پیچھے آئے گا اور تم لوگ آرام سے اپنا کام کر لینا۔"

"گریٹ آئیڈیا..... ویسے ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کل ہی سر مجھے حماد کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیں۔" قاسم پرجوش سا بولا۔

"اتنی بھی جلدی کی ضرورت نہیں۔ ہم تب تک اسے کچھ نہیں کہہ سکتے جب تک بہزاد شاہ کے خلاف پورے ثبوت نہ مل جائیں۔ اگر اسے ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ محتاط ہو جائے گا۔ ہمارا اصل ٹارگٹ وہی ہے۔ حماد تو اس تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔" ریان سامنے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"ہمم.... ٹھیک ہے۔ جب سب کچھ پتہ چل جائے پھر ایک دفعہ ہی اٹیک کریں گے۔" قاسم نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا تھا۔ سامنے کشادہ اور لمبی سی سڑک پھیلی تھی۔ لیکن گاڑی اب سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دائیں طرف ایک بنگلے کے سامنے قاسم نے گاڑی روک دی اور وہ دونوں باہر نکلے۔ دونوں کے پاس پسٹلز تھیں۔ سر پر پی کیپ پہنے اور گردن کے گرد مفلر لپیٹے وہ اپنی شناخت چھپانے میں کچھ حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ دونوں کے کانوں میں آڈیو ڈیوائسز لگی ہوئی تھیں جس سے وہ ایک دوسرے سے دور ہونے کے باوجود بھی بات کر سکتے تھے۔ ریان کے پاس تین آڈیو بگ ڈیوائسز تھیں جن کو حماد کے گھر میں مختلف حصوں پر لگا کر اس کی باتیں سنی جا سکتی تھیں۔ یہ اس کے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔

وہ دونوں سڑک کے کنارے ساتھ ساتھ چلتے حماد کے گھر کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ گیٹ کے باہر دو گارڈز تھے۔ وہ گیٹ سے نہیں جاسکتے تھے۔ سو گھر کے دائیں جانب والی دیوار کے ساتھ ساتھ گلی میں آگے بڑھنے لگے۔ گلی کے دوسری طرف بھی ایک بہت بڑا بنگلہ تھا۔ جس کا گیٹ گلی میں ہی کھلتا تھا۔ اور ایک گارڈ بھی موجود تھا لیکن اس کی نظر ابھی ان پر نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ ابھی وہ اندھیرے میں تھے۔ انہوں نے یہیں سے اندر کودنے کا فیصلہ کیا اور ایک ہی جست میں اوپر چڑھ گئے۔ کچھ لمحوں بعد وہ دیوار کے اندر کی جانب لان کے احاطے میں کھڑے تھے۔ یہاں درخت تھے۔ اور ان سے کچھ ہی فاصلے پر ایک گارڈ پہرہ دے رہا تھا۔ ریان کو تشویش نے آن گھیرا۔ اگر یہاں قدم قدم پر گارڈز سے سامنا ہو جائے تو وہ اپنا کام کیسے کریں گے۔ لیکن قاسم کے پاس اس کا حل تھا۔

"ناک پر رومال رکھو.... جلدی" اس نے جیب سے رومال اور ایک گول سے ڈبی نکالتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ریان نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی۔ قاسم نے رومال ناک پر رکھا اور ڈبی کھول کر گارڈ کی طرف لڑھکا دی۔ ایک منٹ بعد گاڈ بے ہوش ہو کر نیچے گرا پڑا تھا۔

"وہ ہوش میں آکر حماد کو بتادے گا۔" ریان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"فکر نہ کرو اس نے ہمیں نہیں دیکھا۔ اور اگر بتا بھی دے تو میرے پاس اس کا بھی حل ہے۔"

"وہ کیا؟"

"چوری۔"

"کیا؟" ریان نے اسے بے یقینی سے دیکھا تو وہ پراسرار سا مسکرا دیا۔

"میں چوری نہیں کروں گا۔" ریان نے پہلے سے ہی ہاتھ اٹھا کر صاف جواب دیا تو قاسم نے اسے گھورا۔

"تو پھر کنٹرول روم میں تم چلے جانا۔.....یار تم نے ڈیو اس کمرے میں لگانی ہیں اور ساتھ کوئی الماری وغیرہ کھول کر چھوٹی موٹی چوری کر لینا۔لاک تو تمہیں کھولنے آتے ہی ہوں گے نا۔ہم نے بس انہیں یہ تاثر دینا ہے کہ یہاں چور آئے تھے نہ کہ خفیہ ایجنسی کا ایجینٹ۔" قاسم نے اسے سمجھایا تو وہ منہ بنا کر رہ گیا۔بہر حال سر کا حکم تھا۔ماننا تو تھا ہی۔

وہ عمارت کے رہائشی حصے کے سامنے بائیں کنارے پر پہنچ گئے تھے۔داخلی دروازے پر دو گارڈ نظر آرہے تھے۔اس لیے وہاں سے جانا بے سود ہی تھا۔قاسم نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"چھت اتنی اونچی نہیں ہے۔"مطلب چھت سے اندر جانا ہے۔ریان جی سر کہہ کر رہ گیا۔پہلے وہ چار دیواری پر چڑھے اور وہاں سے چھت کی ریلنگ پکڑ کر اندر کود گئے۔ان کے سامنے کھلا ٹیرس تھا اور شکر تھا کہ کوئی گارڈ نظر نہیں آیا تھا۔ٹیرس کے پیچھے ہال اور کمرے تھے لیکن ان تک پہنچنے کے لیے اس لوہے کی گرِل کو پار کرنا تھا جس کو لاک لگا ہوا تھا۔لیکن ان کے لیے یہ مشکل کا نہیں تھا۔قاسم نے سائلنس لگی پسٹل سے فائر کیا۔ہلکی سی کلک کی آواز آئی اگلے ہی پل لاک کھل گیا۔وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ہر طرف ایک گہرا سکوت تھا۔اور ہر چیز اندھیرے میں ڈوبی تھی۔

"لگتا ہے اوپر کوئی نہیں۔"ریان نے آگے چلتے ہوئے اندازہ لگایا جو درست ثابت ہوا۔اوپر والا پورشن فل فرنشڈ تھا لیکن یہاں کوئی شخص نظر نہیں آیا تھا۔

وہ احتیاط سے آگے بڑھتے لاؤنج میں ایک طرف لگے ریلنگ کی طرف آئے جہاں سے نیچے والا پورشن نظر آتا تھا اور ساتھ ہی سیڑھیاں نیچے جاتی تھی۔سیڑھیوں کے سوا سارے پورشن میں لائٹس کی روشنی پڑ رہی تھی۔گارڈز کی بجائے دو تین ملازم گھومتے نظر آرہے تھے جو بار بار ایک سامنے والے کمرے میں جا رہے تھے۔

"ریان اس کمرے میں آڈیو ڈیوائس ضرور لگانا۔" قاسم نے اس کمرے کی جانب اشارہ کر کے کہا تو ریان نے سر ہلا دیا۔وہ سیڑھیاں اترتے نیچے آئے اور ساتھ ہی ساتھ والی راہداری میں چھپ گئے۔

"میں اس طرف جاتا ہوں۔ تم اپنا کام کرو۔" قاسم نے اسے سرگوشی میں کہا اور کان کے آلے کا بٹن دباتا راہداری میں آگے بڑھ گیا جو سنسان پڑی تھی۔ریان نے بھی کان میں لگے آلے کا بٹن دبا دیا۔اب وہ دونوں اس سے بات کر سکتے تھے۔

ریان نے کچھ لمحے رک کر سامنے والے لاؤنج کو دیکھا۔دائیں طرف شیشے کی دیوار تھی جس کے پار ڈائننگ ٹیبل نظر آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور راہداری تھی۔دائیں جانب وہ کمرہ تھا جس میں اسے جانا تھا اور اس کے دوسری طرف ساتھ لاؤنج کا داخلی دروازہ تھا جو فی الحال بند تھا۔ملازم بھی اب پتہ نہیں کہاں گم ہو چکے تھے۔چلو کوئی سامنے آیا تو دیکھی جائے گی۔وہ سوچتے ہو آگے بڑھا اور لاؤنج میں سے گزرتا اس کمرے تک پہنچ گیا۔ڈور ناب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ دھکیلا اور سامنے کا منظر واضح ہوا۔وہ ایک بیڈروم تھا۔سائیڈ ٹیبل پر حماد کی تصویر پڑی دیکھ کر وہ جان گیا کہ وہ حماد کا کمرہ تھا لیکن وہ اسے اندر نظر نہیں آیا تھا۔ریان ابھی ایک قدم آگے بڑھا کر اندر داخل ہوا تھا کہ واشروم میں سے پانی گرنے کی آواز آئی۔مطلب حماد واشروم میں ابھی شاور لے رہا تھا۔اس کے پاس وقت کم تھا۔

قاسم راہداری میں سے گزرتا کنٹرول روم کے سامنے پہنچ چکا تھا۔جس کا دروازہ شیشے کا تھا اور اندر دیوار پر سکرینز لگی نظر آ رہی تھیں۔ان پر لائیو فوٹیجز چل رہی تھیں۔لیکن کسی میں ریان نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ حماد کے کمرے میں سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں تھا۔ایک آدمی ٹیبل کے سامنے کرسی پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔یہاں سے اس کا نیم رخ نظر آ رہا تھا۔وہ کام میں اتنا غرق تھا کہ دائیں طرف کسی کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔

وہ بیڈ کی پائنتی کے قریب آیا اور جھک کر میٹرس کا کونہ ہلکا سا اٹھایا۔ آڈیو ڈیوائس کا وہ حصہ جہاں میگنیٹ لگا تھا اسے کیل کے اوپر لگا دیا اور میٹرس واپس اپنی جگہ رکھ دیا۔ وہ پلٹنے ہی والا تھا کہ سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر سونے کی ایک گھڑی نظر آئی جو یقیناً حماد کی تھی۔ اور ساتھ ہی قاسم کی نصیحت یاد آئی۔ حماد کا فوکس اصل بات سے ڈائیورج کرنے کیلیے چوری کرنا ضروری تھی سو بے دلی سے گھڑی اٹھالی اور استغفار پڑھتا باہر آیا۔ لیکن اسی پل اسے یاد آیا وہ ابھی تک چار لوگوں کو قتل کر چکا ہے اور یہ چوری تو چھوٹی سی بات تھی۔ فوج کا شعبہ ہی ایسا تھا جس میں ملک کے لیے جان دینے کے علاوہ جان لینا بھی پڑتی ہے۔ ایک مجرم کی جان لینے سے ہزاروں معصوموں کی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔ اور ملک کے دشمن پر رحم نہیں کرنا چاہیے۔ یہی بات انہیں ٹریننگ کے دوران سکھائی گئی تھی۔ وہ اپنے گلٹی دل کو سمجھاتا باہر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا شخص اس وقت چونکا جب قاسم اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ ابھی وہ پوری طرح اسے دیکھ بھی نہیں پایا تھا کہ قاسم نے اس کی گردن پر وار کرتے ہوئے اسے بے ہوش کر دیا۔ سکرینز کے سامنے والے کمپیوٹر کو آن کر کے آج کے دن کی ساری فوٹیجز ڈیلیٹ کر دیں اور ساتھ ساری سیکیورٹی سسٹم بھی فیل کر دیا۔ دیوار پر لگی ساری سکرینز بجھ گئیں۔

"میں نے سیکورٹی سسٹم فیل کر دیا ہے۔" کان کے آلے کو ذرا سا دباتے ہوئے ریان کو اطلاع دی۔

"میں نے حماد کے کمرے میں آڈیو ڈیوائس لگا دی ہے اور اس کی قیمتی گھڑی چرا لی ہے۔"

"گڈ اب ڈائننگ ہال اور میٹنگ روم میں بھی لگا دو۔" وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل کر راہداری میں چلنے لگا تھا۔

وہ ڈائننگ ہال کے قریب آیا تو شیشے کے پار ایک آدمی ٹیبل پر برتن لگا رہا تھا۔ وہ جلدی سے دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور وہاں راہداری سے قاسم بھی آتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے قاسم کو وہیں رکنے کا کہا اور پھر شیشے کے دروازے میں دیکھا۔ ملازم اب مڑ کر کچن میں چلا گیا تھا۔ وہ جلدی سے اندر داخل ہوا اور ارد گرد کوئی

جگہ تلاش کی جہاں آڈیو ڈیوائس لگا سکے۔ایک کونے میں ایک لمبا خوبصورت ٹیبل اور اس پر گلدان رکھا ہوا نظر آیا جس میں ان ڈور پلانٹ لگا ہوا تھا۔میز کی سطح شیشے کی تھی لیکن اس کی ٹانگیں لوہے کی تھیں۔وہ جلدی سے اس تک آیا اور دیوار کے کونے میں رکھی ٹانگ پر آڈیو ڈیوائس چپکا دی۔پھر تیزی سے باہر آیا اور دیکھا تو راہداری میں قاسم نہیں تھا۔

"کہاں ہو؟"

"میٹنگ روم میں۔ڈائننگ ہال کے ساتھ راہداری میں آؤ جلدی۔" قاسم کے کہنے پر اس نے دوسری راہداری میں دیکھا جو ڈائننگ ہال کے ساتھ گزرتی تھی۔وہ تیزی سے اس طرف آیا اور پیچھے سے حماد کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"اشرف!.....اشرف" وہ اونچی آواز میں اپنے کسی ملازم کو آواز دینے لگا تھا اور ڈائننگ ہال میں سے دو ملازم نکل کر اس کی طرف لپکے۔

"اشرف کہاں ہے؟"غصے سے پوچھا۔

"وہ تو گھر چلا گیا ہے۔"

"ابھی میرے کمرے میں کون آیا تھا؟"وہ چبھتی ہوئی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اشرف۔"ایک نے بتایا۔ان کے سامنے ہی اشرف گیا تھا۔

"اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی میرے گھڑی چرانے کی۔جلدی سے اسے واپس بلاؤ۔"حماد نے کہہ کر دروازہ ان دونوں کے منہ پہ بند کر دیا۔وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

اور دوسری طرف قاسم اور ریان میٹنگ روم میں آڈیو ڈیوائس لگانے کے بعد کھڑکی کھول کر باہر صحن میں کود چکے تھے۔اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے اور چار دیواری بھی پار کر گئے۔باہر گلی میں سامنے

والے بنگلے کا چوکیدار ابھی تک وہیں بیٹھا تھا اور شاید ایک طرف کو جھک کر اونگھ بھی رہا تھا۔ ان کے کودنے سے ہلکی سی آواز آئی جس وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور ادھر ادھر دیکھا لیکن اندھیرے کے باعث کچھ واضح نہیں دکھا تھا۔ شاید کوئی بلی ہو۔ وہ سوچ کر پھر سے سو گیا۔ قاسم اور ریان اب ساتھ ساتھ چلتے دور جا رہے تھے۔

اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد حماد کو یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی کہ گھڑی اشرف نے نہیں چرائی بلکہ یہاں چور آیا تھا۔ جس کی تصدیق باہر ایک بے ہوش گارڈ نے کر دی تھی۔ کنٹرول روم میں بیٹھا شخص بھی بے ہوش ملا تھا اور سارا سیکیورٹی سسٹم بھی فیل ہو چکا تھا۔ اشرف تو ان پڑھ سا آدمی تھا۔ وہ اتنے آرگنائزڈ طریقے سے چوری نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہاں موجود سارے ملازموں کی شامت ضرور آ گئی تھی کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے بھی چور نہ صرف حماد کے کمرے تک جا پہنچا تھا بلکہ اس کی قیمتی گھڑی بھی چرا کر لے گیا تھا۔

-------------------------------

#ہر_پل_ساتھ

#از_قلم_دعافاطمہ

#قسط_نمبر_ساٹھ

سمندر کی سطح سورج کی کرنوں سے چمک رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا لہروں سے کھیلتی ٹورنٹو میں داخل ہو رہی تھی۔ ساحل سمندر کے قریب بڑی بڑی عمارتوں کے شیشے دھوپ سے منعکس ہو رہے تھے۔ ہوا میں خنکی نے سردی کو مزید بڑھا دیا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھی اور سب لوگ صبح کی نئی زندگی کا آغاز کر چکے تھے۔

وہ دونوں کل شام چھ بجے یہاں پہنچے تھے۔ ہلٹن ٹورنٹو ہوٹل میں پہلے سے ہی بکنگ کروا چکے تھے۔ اس لیے ائیر پورٹ سے سیدھا وہیں آئے تھے۔ بیسویں منزل پر انہیں سفید رنگ کا کمرہ دیا گیا تھا۔ وہ دونوں اتنے تھکے ہوئے تھے کہ کمرے میں آتے ہی سو گئے اور صبح چار بجے آنکھ کھلی تھی۔

صبح آٹھ بجے ناشتے کے بعد نو بجے وہ دونوں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل آئے اور اب وہ CN tower کے ٹاپ پر بنے اس گول ریسٹورنٹ میں موجود تھے جس کی نام 360 ریسٹورنٹ تھا۔اس ٹاور کی کل اونچائی 553 میٹر تھی لیکن ریسٹورنٹ کی بلندی 351 میٹر تھی۔اس سے نیچے lookout level تھا جس کی اونچائی 346 میٹر تھی۔اس کے گلاس فلور سے سیدھا نیچے زمین نظر آتی تھی۔ریسٹوریںٹ کے اوپر 365 میٹر کی بلندی پر اس ٹاور کے ارد گرد ایک گول سی چھت پھیلی ہوئی تھی جس کے جنگلے نہیں تھے۔کچھ منچلے لوگ وہاں edge walk کرتے تھے یعنی رسیوں کی مدد سے اس کے کنارے پر چلتے تھے۔اس سے اوپر 447 میٹر کی بلندی پر sky pod تھا جو وہ بلند ترین جگہ تھی جہاں تک لوگ جا سکتے تھے۔اس سے اوپر وہی نوکدار ٹاور تھا۔

وہ دونوں ایک کھڑکی کے پاس ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔کھڑکی سے پار دور دور تک شہر اور سمندر نظر آ رہا تھا اور حدیقہ کا دل بری طرح کانپ رہا تھا۔وہ اپنے کلچ کو سختی سے پکڑے ساکن بیٹھی تھیں جیسے اگر ہلی تو نیچے گر جائے گی۔ڈر کے مارے ایک دفعہ بھی کھڑکی کے پار نہیں دیکھا تھا۔سفید لانگ میکسی ملبوس، سنہری بال ایک طرف سے مانگ نکالے چہرے کے ارد گرد گرائے، کندھے پر کلچ کی لمبی ڈوری ڈالے اور پاؤں میں سفید پلین سینڈل پہنے وہ سفید پری ہی لگ رہی تھی۔گلے میں وہاب کا پہنایا گیا نیکلس جھلملا رہا تھا اور میک اپ کے نام پر صرف لپ گلوز اور نیلی آنکھوں میں کاجل ڈالا ہوا تھا۔دائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں شادی کی انگوٹھی بھی تھی جو وہاب نے سٹیج پر اسے سب کے سامنے پہنائی تھی۔بے بی پنک کلر کا خوبصورت اور لمبا سویٹر پہننے کی بجائے اس نے تہ کر کے بازو میں ڈال رکھا تھا۔

وہاب بلیک جینز پر وائٹ شرٹ اور بلیک جیکٹ پہنے، فوجی کٹ میں بنے بال ایک سٹائل سے ماتھے پر گرائے اور آنکھوں میں ڈھیروں دلچسپی لیے اپنے سامنے بیٹھی ڈرپوک لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"سو تو یہ ہماری فرسٹ ڈیٹ ہے۔کیوں؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔لیکن حدیقہ پر اس کی بات کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔وہ ابھی تک سہمی ہوئی تھی۔

"وہاب.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔کئی دنوں بعد اس نے وہاب کے سامنے اس کا نام لیا تھا۔اسے اچھا لگا تھا۔

"میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا پھر کیوں لگ رہا ہے ڈر؟" وہاب نے شرارت سے کہا لیکن وہ اس کا دل پہلے ہی ڈر کی وجہ سے تیز دھڑک رہا تھا۔اس کی بات کا اور کیا اثر پڑتا۔

"یہ نیچے تو نہیں گرے گا نا؟" اس نے بچوں کی طرح کہا تھا۔

"نہیں۔لیکن بالفرض اگر بھی جاتا ہے تو تمہیں کچھ نہیں ہو گا کیونکہ تم میرے اوپر ہی گرو گی۔" اس نے ایک پچھلے واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا اور حدیقہ کے دل کی لہریں کسی اور لے میں بہنے لگی تھیں۔

"وہاب..... یہاں ڈر سے میری جان نکلی جا رہی ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔ابھی کچھ اور بھی سنانا چاہتی تھی کہ ویٹر ڈارک چاکلیٹ لاوا کیک ایک پلیٹ میں رکھے لے کر آ گیا۔جب وہ پلٹا تو حدیقہ کے چہرے پر ہنوز خفگی چھائی ہوئی تھی۔وہاب نے کانٹے اور چھری سے کیک کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹا اور اس کی طرف بڑھایا۔حدیقہ نے ارد گرد دیکھا۔سب لوگ مگن سے کھا رہے تھے۔

"کوئی نہیں دیکھ رہا۔کھا لو۔" وہ سکون سے بولا۔وہ ہلکا سا آگے کو جھکی اور کیک منہ میں ڈال لیا۔ایک تو میٹھا اور اوپر سے چاکلیٹ۔اسے تو سارا ڈر بھول گیا۔وہ کھاتے ہوئے مسکرا دی۔پھر خود کانٹا اٹھا کر کھانے لگی۔وہاب بھی مسکرا دیا۔

"اب ڈر تو نہیں لگ رہا؟" وہ کانٹے سے کیک لیتے ہوئے بولا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو اب کھڑکی کی طرف دیکھو۔ باہر کا خوبصورت منظر تمہاری ایک نگاہِ کرم کا منتظر ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اس کا ڈر دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حدیقہ نے تھوک نگلتے ہوئے کھڑکی کی جانب دیکھا تو کچھ لمحوں کے لیے مبہوت رہ گئی۔ پہلے بھی اس نے اوپر سے کئی منظر دیکھے تھے لیکن اتنی بلندی سے وہ زبردست نظارہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"او ہیلو میں نے یہ نہیں کہا وہیں کی ہو کر رہ جاؤ۔ یہاں بھی کوئی آپ کی نظر کرم کا منتظر ہے۔" وہ اس کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ایک تپانے والی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پھر سے باہر دیکھنے لگی۔ کتنے دنوں سے وہاب کو تنگ نہیں کیا تھا اور اس نے اسے اتنا تنگ کیا تھا کہ حد نہیں۔ وہ اب کوئی موقع جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ پھر سے پرانی حدیقہ بنتی جا رہی تھی۔

"واقعی یہ تو بہت خوبصورت ہے۔ کیوں نہ اس کی پکچر لے لوں۔" وہ پرجوش لہجے میں کہتی کلچ سے فون نکالنے لگی۔ ڈر کا دور دور تک کوئی نشان بھی نہیں تھا۔ وہاب اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے آرام سے دو تین پکچرز لیں۔ پھر اپنی سیلفی لی اور کیک کھانے لگی۔ وہاب کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے۔ اور وہ سینے پر بازو باندھے اور پیچھے کرسی سے ٹیک لگائے اسے تیکھی نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ اس کی ساری حرکتیں سمجھ رہا تھا۔

حدیقہ بڑی توجہ سے کیک کھا رہی تھی کہ وہاب نے پلیٹ اپنی طرف کھینچ لی۔ حدیقہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"اب یہ میرا حصہ رہ گیا ہے۔ تم اپنا کھا چکی ہو۔ اور ویسے بھی تمہیں اتنی چاکلیٹ اچھی نہیں۔" وہ رکھائی سے کہتا کھانے لگا۔ وہ چہرہ پیچھے پھینک کر زور سے ہنسی۔ اس کے نظر انداز کرنے کا بڑا اچھا انتقام لے رہا تھا۔ وہ چاہتی تو دوسرا بھی منگوا سکتی تھی لیکن جان بوجھ کر پلیٹ اس کے آگے سے کھینچ لی۔ آنکھوں میں شرارت لیے وہ کیک کھانے لگی اور وہاب نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ آخر تھے تو ٹین ایجرز ہی۔ چاہ کر بھی زیادہ دیر سنجیدہ نہیں ہو سکتے تھے۔

وہاب نے قریب سے گزرے ویٹر کو اشارے سے بلایا اور اسے بل ادا کر کے اٹھا تو وہ تب چونکی۔

"کہاں جارہے ہیں؟" فکرمندی سے پوچھا۔

"اتیج واک" وہ ٹیبل کے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولا۔ حدیقہ ایک لمحے کے لیے سن رہ گئی۔ نہیں۔ وہ اسے یہ کبھی نہیں کرنے دے گی۔ انا جائے بھاڑ میں۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی۔

"وہاب....!" اس نے دونوں ہاتھوں سے وہاب کا بازو پکڑ لیا۔ وہاب نے چہرہ موڑ کر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھا جہاں نمی کی ہلکی سی چمک تھی۔ وہ دونوں ایک کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔ دو تین لوگوں نے چونک کر انہیں دیکھا تھا لیکن ان کی باتیں نہیں سمجھ سکتے تھے سو ایک نظر دیکھتے آگے بڑھ گئے۔

"آپ ناراض ہیں؟" وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میں کیوں ناراض ہونے لگا۔ میں تو ایک ایڈوینچر کرنے جارہا ہوں۔ تم چلو گی؟"

"نہیں۔ آپ یہ نہیں کریں گے۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولی تو وہاب نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"میں نے کہہ دیانا نہیں تو نہیں۔" وہ نگاہیں پھیرتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری بات کیوں ماننے لگا بھلا؟"

"کیونکہ...... میں آپ کی بیوی ہوں۔" وہ اس سے نظریں ملائے بغیر تیزی سے بولی تو وہاب مسکرادیا۔

"یہ اعتراف اگر میری آنکھوں میں دیکھ کر کرو تو میں تمہاری بات مان لوں گا۔" اس نے شرط لگائی اور حدیقہ کی دھڑکن تیز ہوئی۔ گو کہ یہ بہت مشکل تھا لیکن وہاب کو روکنا ضروری تھا۔ کچھ دیر لب کاٹتی رہی پھر وہاب کی طرف دیکھا۔ وہ سینے پر بازو باندھے منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ زیادہ دیر اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی اور پھر نظریں جھکالیں۔ وہاب بھی سر جھٹک کر مسکرایا۔

"میں جارہا ہوں۔" وہ آگے بڑھا تو حدیقہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"اچھانا۔ کہہ رہی ہوں۔" خفگی سے ڈانٹتے ہوئے بولی تو وہاب نے ابرو اچکائی۔ وہ کھنکاری۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔
"میں آپ کی بیوی ہوں۔" بمشکل دو سیکنڈ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر تیزی سے بولی اور نظریں چرا لیں۔
"بیوی ہونا جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تو حدیقہ نے سرخ چہرے کے ساتھ اسے گھورا۔ اس کے بازو پر زور سے مکا مارا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے ہمقدم ہوا تھا۔ لفٹ کے ذریعے وہ lookout level پر آئے اور اس کے گلاس فلور سے نیچے زمین دیکھ کر حدیقہ کا دماغ گھوما۔ وہ سہم کر وہاب کے ساتھ لگ گئی۔
"ڈرو نہیں۔ میں ہوں نا۔ چلو اس پر ہی واک کر لیتے ہیں۔ ورنہ میرا ارادہ تو اج واک کا تھا۔" وہاب نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو وہاب نے اس کی بات مان لی۔ سی این ٹاور سے نیچے آئے تو حدیقہ کی جان میں جان آئی۔ پھر وہ Ripley's aquarium گئے۔ مختلف ایکورمز میں خوبصورت اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیر رہی تھی۔ وہ دونوں ان کے ارد گرد چلتے ہوئے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک شیشے کی سرنگ تھی جس کے پار سمندر ہی سمندر نظر آ رہا تھا اور وہاں بڑی بڑی مچھلیاں اوپر اور دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ حدیقہ ڈری تو بہت لیکن وہاب اسے زبردستی ساتھ لے کر اندر آ گیا۔ اوپر سے ایک شارک گزری اور حدیقہ نے چیخ مارتے ہوئے چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا۔ لوگوں نے پلٹ کر اس ڈرپوک لڑکی کو دیکھا۔ وہاب نے اسے تسلی دی اور کچھ دیر تک اس کا ڈر کم ہو گیا۔ پھر وہ دلچسپی سے ارد گرد دیکھنے لگی تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سمندر کے اندر ہی کھڑے ہوں۔ اب وہاب کی بجائے وہ زیادہ بولنے لگی تھی۔ وہاں سے نکل کر وہ راونڈ ہاؤس پارک گئے۔ پھر وہ دونوں کبھی HTO پارک کے سر سبز قطعوں پر درخت کی چھاؤں میں بیٹھے نظر آئے تو کبھی southern linear پارک میں ساتھ ساتھ چلتے۔ کہیں جیولری شاپ پہ وہاب اسے

ایک بریسلٹ لے کر دیتا نظر آیا تھا اور کبھی وہ دونوں سمندر کے کنارے ایک ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے نظر آئے۔ لیکن ایک بات واضح تھی۔ ان سب مناظر میں حدیقہ بول رہی تھی اور وہ اسے سن رہا تھا۔ اس کے بچپن کے قصے، سکول کے قصے، دوستوں کے قصے، اور شرارتوں کے قصے۔ وہ آج پہلی دفعہ کھل کر وہاب کے سامنے بولی تھی۔ تکلف اور اجنبیت کی دیواریں اس دن گر گئی تھیں۔ لیکن شاید ابھی کچھ دیواریں رہتی تھیں۔

-------------------------------

پیرس کا موسم ٹھنڈا اور خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں آسمان پر سرمئی بادلوں سے اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ وہاں صبح کے دس بج چکے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک، اور انسانوں کا رش سا لگا ہوا تھا۔ ایسے میں وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے آئفل ٹاور کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ریئم سبز رنگ کی لمبی فراک پر کالا سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ بال جوڑے میں باندھے ہوئے تھے اور ریشمی دوپٹے کو چہرے کے گرد حجاب کی صورت میں باندھا ہوا تھا۔ پاؤں میں جراب اور بلیک شوز تھے۔ کندھے پر کلچ کی لمبی ڈوری تھی جس میں اس کی میڈیسن اور انہیلر موجود تھا۔ عمیر بلیک جاگرز اور بلیک جینز پر بلیو شرٹ پہنے اور بلیک لیدر کی جیکٹ پہنے اس کے ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔

دور سے اس کی نظریں آئفل ٹاور پر لگی تھیں اور قریب پہنچ کر وہ اور بھی خوبصورت لگنے لگا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اس کی اونچائی دیکھتی حیران ہو رہی تھی۔

"کیا ہم اوپر جا سکتے ہیں؟" پر جوش لہجے میں پوچھا۔

"ہاں آؤ ٹکٹس لیتے ہیں۔" عمیر اس کو بازو سے پکڑ کر ٹکٹ لینے بڑھا لیکن اس کی نظریں سامنے ہونے کی بجائے آئفل ٹاور پر ہی جمی رہیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں لفٹ کے ذریعے اوپر جا رہے تھے۔ فرسٹ فلور سے گزر کر سیکنڈ فلور پر لفٹ رک گئی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ دونوں بھی باہر نکلے۔ ریئم کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ یہاں سے سارا شہر نظر آ رہا

تھا۔دور دور تک۔ آسمان بھی بہت وسیع تھا۔سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا سارے شہر کو روشن کیے ہوئے تھا۔تیز ہوا اس کے بالوں اور کپڑوں کو اڑا رہی تھی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ریلنگ تک آئے تھے۔اب قریب کا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔وہ ہلکا سا آگے کو جھکی تو عمیر نے تیزی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ رینم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ غصے سے اسے گھورنے لگا۔

"اس بار زیادہ سزا دوں گا۔"اس کی بات نے رینم کے گال سرخ کیے اور وہ نظریں چرا گئی۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟"وہ موضوع بدلنے کو سامنے اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

آئفل ٹاور کے سامنے سے seine river گزرتا تھا جس کے پار Jardin du trocadéro park واقع تھا۔اس پارک اور آئفل ٹاور کو ملانے والے پل کا نام pont d'lena تھا۔

"یہ ایک تاریخی پارک ہے۔Jardin du trocadéro park.اس پارک میں دو میوزیم بھی ہیں۔ musée national de la merine اور musée de l'homme۔......"وہ اس تفصیل بتانے لگا۔وہ اب ریلنگ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

"مجھے وہاں بھی جانا ہے۔"

"پہلے یہ تو دیکھ لو۔"وہ چلتے ہو پچھلے حصے میں آ گئے۔

آئفل ٹاور کے بالکل پیچھے champ de Mars park واقع تھا۔جو بہت بڑا تھا اور کئی حصوں پر مشتمل تھا۔اس میں cultural center,manceau Gilbert, bassins du champ de ,puppet theater 'marionnettes du Chaamp de Mars واقع تھے۔عمیر نے اس کی تفصیل بھی مختصراً بتائی۔

"ارے وہ لفٹ اوپر جارہی ہے۔" ریئم نے حیران ہو ایک طرف دیکھا۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ ٹاپ فلور پر بھی جایا جاسکتا ہے کیونکہ عمیر نے بتایا ہی نہیں تھا۔ لیکن وہ خود عقل مند تھی۔ وہ لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر آئے تھے تو اوپر بھی لوگ لفٹ کے ذریعے ہی جارہے تھے۔

"ہاں لیکن ہم نہیں جائیں گے۔" عمیر نے اٹل لہجے میں کہا تو اس کا منہ بن گیا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ مجھے اوپر جانا ہے۔" وہ ضد کرنے لگی۔

"ایسا کرو نیچے چھلانگ لگا دو خود ہی اوپر پہنچ جاؤ گی۔" عمیر نے جل کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"پلیز۔" اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے معصومیت سے کہا تو وہ سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ ریئم اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے آگے بڑھنے لگی اور کچھ دیر بعد وہ لفٹ کے ذریعے ٹاپ فلور پہ جارہے تھے۔ لفٹ سے نکل کر شیشے کی کھڑکیوں سے نیچے دیکھا تو ہر چیز چھوٹی نظر آئی۔ جیسے وہ جہاز میں بیٹھے ہوں۔ کچھ دیر وہ وہاں رکے اور پھر نیچے آ گئے۔ فرسٹ فلور پر آئس سیکٹنگ کا میدان بنا ہوا تھا۔ لوگ برف کی زمین پر پھسل رہے تھے۔ ریئم رک کر دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگی۔ عمیر بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ایک نوجوان لڑکی پنک جینز اور اوپر سفید شرٹ پر پنک کوٹ پہنے سیکٹنگ کر رہی تھی۔ شکل اور رنگ کی اچھی تھی لیکن اسکے چہرے کی جلد کھردری سی تھی۔ بال سفیدی مائل پیلے سے تھے۔ جیسے انگریزوں کے ہوتے ہیں۔ وہ پھسلتی ہوئی ان کے قریب آئی تو اس کی عمیر پر پڑی تھی۔ وہ ٹھٹکی تھی اور ذرا سی غفلت میں اس کا پاؤں کچھ زیادہ ہی پھسل گیا۔ پیٹھ کے بل وہ نیچے گری اور ادھر ریئم کا قہقہہ چھوٹا۔ عمیر نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہوئے نیچے گری ہے اور اب ریئم کو کڑے تیوروں سے گھور رہی ہے۔ جو ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

"چپ کرو اور نکلو یہاں سے۔" اس نے رنیم کے بازو کو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے وہاں سے دور ہو گیا۔ لفٹ سے نیچے آتے ہوئے وہ مسلسل اسے لیکچر دے رہا تھا کہ کسی کو دیکھ کر ہنسنا نہیں چاہیے۔ لیکن رنیم کی ہنسی تھی کہ ابھی امڈ رہی تھی۔

آئفل ٹاور کے سامنے pont d'lena پل سے گزر کر وہ Jardin du trocadéro park میں آ گئے اور سہ پہر تک وہیں گھومتے رہے۔ چار بجے آئفل ٹاور کے پیچھے والے پارک champ de Mars میں آ گئے۔ رات آٹھ بجے وہ bateaux parisiens ریسٹورنٹ میں ڈنر کر رہے تھے جو seine کے دریا کے کنارے پر تھا۔ وہ جہاں بیٹھے تھے وہاں سے ایک طرف اندھیرے میں دریا کا چمکتا پانی نظر آ رہا تھا جس میں کئی کشتیاں چل رہی تھیں۔ اور دوسری جانب آئفل ٹاور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ رنیم کا دھیان کھانے کی طرف کم تھا اور ارد گرد کے مناظر پر زیادہ تھا۔ اسے یہ سب کچھ ایک خواب لگ رہا تھا۔ وہ پلکیں جھپکنے سے بھی ڈر رہی تھی کہ کہیں یہ مناظر غائب نہ ہو جائیں اور وہ پھر سے اس سردار حویلی کے تاریک کمرے میں نہ آ جائے۔

"تمہاری بولتی کیوں بند ہے؟" عمیر نے اس کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" وہ خیالوں سے چونک کر باہر نکلی تھی۔ پھر مسکرا دی۔

"یہ سب بہت پیارا ہے۔"

"ہاں لیکن اپنا ملک مجھے سب سے پیارا لگتا ہے۔ ہم یہاں ایک ہفتے سے زیادہ رہے تو اکتا جائیں گے۔ پچھلی دفعہ میں دوستوں کے ساتھ یہاں آیا تھا اور کچھ ہی دن گزرے تھے کہ گھر کی یاد ستانے لگی۔"

"تبھی میں کہوں آپ کو یہاں کے بارے میں بڑا پتہ ہے۔" وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی رکھتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا کر کھانے نوڈلز کھانے لگا۔ اس ڈش کا نام ginger scallion noodles تھا۔ رنیم کھانے کی بجائے ایک ٹک سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہی؟" اس نے تعجب پوچھا تو وہ گڑبڑائی۔

"کھا رہی ہوں۔" وہ جلدی سے پلیٹ پر جھک گئی۔ پلیٹ میں لمبے لمبے نوڈلز پڑے تھے۔ وہ کانٹے کی مدد سے انہیں اٹھانے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ اس کے قابو میں آکے دے ہی نہیں رہے تھے۔ عمیر نے بمشکل ہنسی چھپائی۔

"یہ پھسل کیوں رہے ہیں؟" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"مجھے کیا پتہ۔ ان کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔ ریئم نے اسے دیکھا جو بڑی مہارت سے کانٹے کو نوڈلز میں رکھ کر گول گول گھماتا اور جب اوپر اٹھاتا تو نوڈلز ساتھ ہوتے۔ اس نے بھی اسی طرح کیا لیکن جب اٹھایا تو نوڈلز اس کے منہ سے زیادہ تھے۔ آدھے منہ میں ڈالے اور آدھے لٹکنے لگے۔ عمیر دل کھول کر ہنسا۔ ریئم نے خفگی سے اسے گھورا۔

"یاد ہے اس دن مجھ پہ ہنسی تھی تم جب مجھ سے گول گپے کھانے نہیں ہوئے تھے" وہ اسے یاد کراتے ہوئے بولا۔ ریئم نے بمشکل نوڈلز اندر دھکیلے۔

"ہمارے ملک کے نوڈلز بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اتنی آسانی سے کھانے تو ہو جاتے ہیں۔" وہ خفت مٹانے کو صفائی دینے لگی۔

"ہاں وہ نوڈلز فرمانبردار ہوتے ہیں اور یہ بہت نافرمان ہیں۔" عمیر نے لقمہ دیا تو ریئم نے کانٹا پلیٹ میں پٹخا۔

"مجھے نہیں کھانے یہ۔" نروٹھے پن سے بولی۔ عمیر نے ذرا تیکھی نظروں سے گھورا تو فوراً ڈھیلی پڑی۔ بھئی اس کا رعب ہی اتنا تھا۔ خود اتنے نخرے کرتا تھا اور اس کے نخرے کرنے پر بس گھور کر چپ کروا دیتا تھا۔

"کھا رہی ہوں۔ کیا ہو گیا ہے۔" اس کے مسلسل گھورنے پر وہ جز بز ہوتی بولی۔ عمیر سر جھٹک کر مسکرا دیا اور کھانے لگا۔ کھانے کے بعد ریئم کشتی پر جھولا لینے کی ضد کرنے لگی۔

"مجھے کشتی میں جھولا لینا ہے۔"

"نووے۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔ اوپر سے موسم بھی بہت ٹھنڈا ہے۔ ایسے میں کشتی پر جھولا لے کر مرنا ہے تم نے کیا؟"

"نہیں مرتی۔ مجھے جھولا لینا ہے۔"

"وہ میں دے دوں گا تمہیں۔ چلو واپس۔ سارا دن اپنی من مانی کرتی رہی ہو۔ بے چارے شوہر کی بھی کچھ مان لیا کرو۔ مانا کہ تم مجھے پسند نہیں لیکن بد قسمتی سے ہو تو میری بیوی ہی۔ اور مجھے تمہاری فکر ہے۔ ہمم۔" وہ اس کے سامنے کھڑا تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہے جارہا تھا اور ریئم کی مسکراہٹ بھی گہری ہوتی جارہی تھی۔

"آپ واقعی مجھے پسند نہیں کرتے تھے؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔ جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"ہاں تو اور کیا؟.... بتایا تو تھا تمہیں ماما نے زبردستی اس شادی پہ راضی کیا تھا۔ اور اگر میں ان کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے جائیداد سے عاق کر دیتیں۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

"تو پھر کونسی لڑکی پسند تھی آپ کو؟" اس نے سادگی سے پوچھا اور عمیر کو لگا وہ جیلس ہو رہی ہے۔

"حنا۔" مسکراہٹ دبائے بولا۔

"اور آپ نے دولت کے پیچھے اسے چھوڑ دیا۔ یہ کیسی محبت ہوئی بھلا۔" ریئم نے اسے لاجواب سا کر دیا تھا۔

"آپ کو اس سے محبت نہیں تھی۔ مجھ سے تھی اور مجھے پتہ ہے آپ نے ماما کے سامنے خود میرا نام لیا تھا۔" اس کی آنکھوں میں پر یقین سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ میرے خفا ہونے پر پریشان تھے اور تبھی مجھے منایا تھا نا۔" عمیر کو ریئم سے اس حد تک صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔ وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آخری بات پر اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔

"سب کو بتاؤ گی کیا کہ میں نے تمہیں کس طرح منایا تھا؟" وہ غصے سے بولا تو وہ ہنسی۔

"ان کو اردو نہیں آتی۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی....."

"چپ۔ جو بھی کہنا ہے روم میں چل کر کہنا۔ پھر تمہیں جواب دوں گا۔" وہ اسے چپ کرواتا بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے ایک طرف چلنے لگا۔

"مجھے کشتی پر جھولا لینا ہے۔" وہ پھر سے ضد کرنے لگی۔

"کل لیں گے۔ ابھی چلو۔"

"پکا"

"کچا۔" وہ بولا تو وہ پھر سے ہنسی تھی۔

-----------------------------

صبح کے دس بج چکے تھے اور سورج کا سفر مغرب کی طرف رواں دواں تھا۔ لیکن منزل ابھی دور تھی۔ موسم بھی کافی گرم تھا اور ایسے میں حسیب اپنی بہن کو ڈھونڈنے کے لیے دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ کبھی اس آفیسر کی منتیں تو کبھی اس آفیسر کو رشوت دے رہا تھا۔ بالآخر ایک حوالدار جو بہت ایماندار تھا اس نے رشوت لیے بغیر اسے بتا دیا کہ ڈی آئی جی ہاشم کا واقعی کوئی بیٹا نہیں۔

"پھر سمیع کون ہے؟" وہ جھنجھلا گیا۔

"سمیع..... وہ تو سابق ڈی آئی جی کا بیٹا ہے۔ کچھ دن پہلے ہی ان کا تبادلہ پشاور ہو گیا تھا" حوالدار نے اسے تفصیل بتائی۔

"ان کے گھر کا کوئی پتہ؟" حسیب نے بے تابی سے پوچھا تو اس نے ایڈریس بتا دیا۔

اور آدھے گھنٹے بعد وہ ڈی آئی جی کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے چوکیدار کو کہا کہ وہ سمیع سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا کوئی پرانا دوست ہے۔ چوکیدار نے اندر بتایا۔ سمیع جان گیا تھا کہ حسیب ہی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس کی ساری معلومات اسے مسلسل مل رہی تھیں۔ اس نے اسے اندر بلا لیا۔

حسیب ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھا کہنیاں گھٹنوں پر رکھے مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا جب قدموں کی آہٹ سنائی دی۔اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور سامنے دیکھا۔وہ لڑکا اکیس بائیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان تھا۔سفید قمیض شلوار میں ملبوس، آستینیں کہنیوں تک موڑے، پیروں میں میں پشاوری چپل پہنے،وہ تو کہیں سے بھی غنڈا نہیں دکھتا تھا۔اس کی شخصیت میں ایک وقار تھا۔بال کیڈٹ سٹائل میں ماتھے پر بکھیرے ہوئے تھے۔ ہونٹوں کے اوپر ہلکی ہلکی سے مونچھیں اور گہری آنکھوں میں مسکراہٹ چمک رہی تھی۔

حسیب اسے دیکھ کر بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا اور کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ سمیع نے ہاتھ مصافحے کے لیے اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔شدید غصے کے باوجود نجانے کیوں اس نے ہاتھ بڑھا کر اس سے سلام لے لیا۔

"بیٹھیے مسٹر حسیب۔"اس نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"وہ بیٹھتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"میں پرانے دوستوں کو نہیں بھولتا.....کیوں؟"وہ کہنیاں گھٹنوں پر رکھ کر آگے ہو کر بیٹھا تھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔حسیب جان گیا کہ وہ طنز کر رہا ہے۔

"میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔بلکہ دشمن ہوں"وہ سرد مہری سے بولا۔

"اچھا وہ کیوں؟"اس نے سکون سے پوچھا۔

"میری بہن کہاں ہے؟"اب اس کی آنکھوں میں تپش کی لہریں تھیں۔

"اس کا نام کیا ہے؟"اس کی مسکراہٹ میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔حسیب کو اب الجھن ہونے لگی تھی۔اور اس کی مغرور طبیعت پر سخت تاؤ آنے لگا تھا۔

"دیکھو سید ھی طرح بتادو میری بہن کو کہاں چھپا رکھا ہے۔اگر وہ مجھے صحیح سلامت نہ ملی تو تمہارا بہت برا حشر کروں گا۔یاد رکھنا۔"اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"مسٹر حسیب غصہ مت کریں۔میں جانتا ہوں آپ دکھی ہیں اور آپ کے دکھ کو کم کرنے کے لیے جو ہو سکا میں کروں گا۔لیکن آپ مجھے دھمکیاں دینے کی بجائے کام کی بات بتائیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔"وہ صلح آمیز لہجے میں بولا تھا۔حسیب تھوڑا ڈھیلا پڑا تھا۔

"حریم کہاں ہے؟"

"حریم۔"وہ پر سوچ انداز میں بولا۔

"وہی حریم جو اپنی کسی دوست کے ساتھ کراچی شادی پر آئی ہوئی تھی؟"اس نے بڑے سکون سے پوچھا تو حسیب حیران رہ گیا۔یہ تو اس نے عدنان کو فون پر کہا تھا۔اسے کیسے پتہ چل گیا۔

"دیکھیں مسٹر حسیب میں جانتا ہوں کہ آپ کو کس نے حریم کے بارے میں بتایا ہے۔اور یہ بھی کہ آپ حریم کو کس لیے ڈھونڈ رہے ہیں۔آپ کے والد اسے سزا کے طور قتل کرنا چاہتے ہیں اور شاید اس لڑکے کو بھی قتل کرنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ بھاگی تھی۔"ذلت اور اہانت سے حسیب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔لیکن ابھی وہ ضبط سے مٹھیاں بند کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔اور یہ حیرت الگ تھی کہ اسے سب کچھ کیسے پتہ ہے۔

"کیا آپ کو واقعی لگتا ہے کی وہ گھر سے بھاگی تھی۔کیا آپ کو اپنی بہن کے کردار پر شک ہے؟....آپ بھی اسے گناہگار سمجھتے ہیں؟"وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ میری بہن ہے۔میں جو چاہوں سمجھوں۔تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔تم اسے میرے حوالے کر دو ورنہ...."

"وہ آپ کا بہت ذکر کرتی تھی۔ گھر میں سب سے زیادہ آپ کو اس سے محبت تھی تو کیا آپ کو اس پر یقین بھی تھا؟" وہ اب اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے۔ تم ہی اسے بھگا کر لے گئے تھے نا۔ اب الزام اپنے سر سے اتارنے کیلیے یہ سب بول رہے ہو۔"

"پہلی بات بغیر ثبوت کے کسی پر الزام لگانا آپ جیسے شریف بندے کو زیب نہیں دیتا۔ دوسری بات کہ میں یہ وضاحتیں آپ کو اس لیے نہیں دے رہا کہ میں آپ سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے کہ میں حریم کیلیے ڈرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ لوگ اسے لے جا کر قتل کر دیں گے اور انسانیت کے ناطے اس کی جان کی زمہ داری اب مجھ پر ہے۔ وہ میری اینجیو میں بہت پر سکون زندگی گزار رہی ہے اور وہاں بالکل محفوظ ہے۔ جب تک آپ اس کی طرف سے اپنا دل صاف نہیں کر لیں گے میں آپ کو اس سے ملنے نہیں دوں گا۔" سمیع نے بات واضح کر دی اور حسیب نے سوچا اس کی بات ماننے میں ہی خیر ہے۔ حریم تو ملے گی۔

"مجھے اس پر یقین ہے۔ میں نے اسے بچانے کیلیے بابا سے بات بھی کی تھی۔ میں اس کا بھائی ہوں اور اسے مرنے نہیں دوں گا۔" آخری بات تو اس کی سچ تھی۔ وہ اب اس سے جتنی بھی نفرت کرتا اس کو مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"گڈ۔ آپ کو اپنی بہن یاد آ گئی۔ میں آپ کو کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ آپ کی بہن جو کہے گی اگر آپ کو اس پر یقین آ گیا تو وہ آپ کے ساتھ جا سکے گی۔ میں آپ کو اس کا ایڈریس بتا دیتا ہوں۔ وہ وہاں عانیہ کے ساتھ رہتی ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولا تو حسیب نے شکر کا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس پر یقین کیجیے گا مسٹر حسیب۔ یہاں آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو اس کے کردار کی گواہی دیں گے۔ اور عانیہ..... وہ کسی کی بری نظر اس پر برداشت بھی نہیں کر سکتی۔ اپنی جان پر کھیل کر اس نے حریم کی حفاظت کی ہے اور اگر حریم کو کچھ ہوا تو یہاں بہت سے لوگ اس کا بدلہ لینے کے لیے موجود ہوں گے۔ خدا

حافظ "وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا اور پھر باہر نکل گیا۔ حسیب کو اس کی آنکھوں میں حریم کے لیے سچی محبت نظر آئی تھی۔ بظاہر تو اس کی کسی بات نے بھی اس کا تعلق حریم کے ساتھ واضح نہیں کیا تھا۔ وہ عام سے لہجے میں بولتا رہا تھا جیسے اگر یہاں کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس کی جان بچانے کے لیے بھی وہ اسی طرح وضاحت دیتا۔ حریم کا بدلہ لینے کے لیے بھی عانیہ کا نام استعمال کیا تھا تاکہ اس کے کردار پر وہ شک نہ کرے۔ لیکن حسیب جان چکا تھا کہ وہ حریم کیلیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کوئی نا کوئی تعلق تو تھا ہی۔ حسیب کے دل میں غصے کا شدید ابال اٹھا۔ ایک لڑکا اس کی بہن کی جان کی فکر کر رہا ہے اور اتنے یقین سے کہہ رہا ہے کہ حریم کا کوئی قصور نہیں تو یہ صرف ہمدردی نہیں تھی۔ یہ محبت تھی۔ اور حسیب کی انا یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ ایک دفعہ حریم اسے مل جائے پھر اس لڑکے کو سبق سکھائے گا۔ وہ طیش کے عالم میں سوچ رہا تھا۔

---------------------------

سنہری دھوپ سٹڈی کی کھڑکی سے چھن کر اندر آتی ہر چیز روشن کیے ہوئے تھی۔ کھڑکی ایک کونے میں تھی اور دوسرے کونے میں کتابوں سے بھرا ریک پڑا تھا۔ دائیں دیوار میں دروازہ تھا۔ بائیں دیوار کے ساتھ لگی ٹیبل پر ایک کمپیوٹر پڑا تھا۔ پچھلی دیوار پر بھی ایک بک ریک تھا۔ درمیان میں ایک لمبی میز تھی جس کے گرد کرسیاں پڑیں تھیں۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے میز پر لیپ ٹاپ رکھے نظریں اس پر جمائے ہوئے تھے۔ حماد کے گھر سے لائیو آڈیو سٹریمنگ ان تک پہنچ رہی تھی۔ دن کے گیارہ بج چکے تھے لیکن انہیں ابھی کچھ خاص نہیں ملا تھا۔

صبح آٹھ بجے حماد اٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد کسی لڑکی کی آواز آئی تھی جو اس کیلیے کافی لانے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔ شاید کوئی نوکرانی یا اس کی سیکرٹری تھی۔ پھر وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا تھا تو وہ لڑکی اسے آفس کا شیڈول بتانے لگی۔ نو بجے میٹنگ تھی۔ پتہ نہیں بزنس کونسا تھا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ کبھی کبھی کسی ملازم کے بات کرنے کی آواز آ جاتی۔ ان کی باتوں سے ریان نے اندازہ لگایا تھا کہ تعبیر یہاں نہیں ہے۔ بس اور کچھ نہیں ملا تھا۔ البتہ حماد کی کیس فائل جو

ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک نے ان کو بھجوائی تھی دس بجے ان کو مل گئی تھی۔وہ دونوں ساتھ میں اس فائنل کو سٹڈی کر رہے تھے۔

"ہمیں ایک آڈیو بگ اس کے آفس میں بھی لگانی چاہیے تھی" قاسم نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں۔وہ خفیہ میٹنگز کبھی بھی آفس میں کرنے کا رسک نہیں لے سکتا۔وہاں بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔میرے خیال سے گھر میں ہی ہمیں کوئی کام کی بات مل سکتی ہے۔"ریان نے یقین سے کہا تھا۔

"اچھا تو پھر تم دیکھو میں ذرا کافی پی آؤں۔"وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"میرے لیے بھی لے آنا۔"اس نے فائل کا صفحہ پلٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔"وہ کہہ کر باہر چلا گیا اور ریان فائل دیکھنے لگا۔اس میں حماد کے خلاف کافی ثبوت تھے جو عانیہ پر حملے کو ثابت کرتے تھے۔ایک دو گواہ تھے جو انہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عانیہ کے ساتھ فائٹنگ کی تھی۔دو لوگ جو ریان کی گولی لگنے سے ہلاک ہوئے تھے حماد نے ان کے کچھ تو کیا افسوس بھی نہیں کیا تھا۔جو زخمی ہوئے انہیں ٹریٹمنٹ دی جانے لگی تا کہ وہ دوبارہ اس کے لیے لڑ سکیں۔ایسے میں دو آدمی اپنے انجام سے ڈر کر ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا ساتھ دینے لگے تھے۔اس کے علاوہ حماد کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات اور کرپشن کے کچھ ثبوت تھے۔کراچی میں موجود ایک خفیہ اڈے کا پتہ بھی تھا اور کچھ مشہور لوگوں کے نام تھے جو حماد سے تعلق رکھتے تھے۔وہ پورے انہماک سے فائل پڑھ رہا تھا جب اسے لیپ ٹاپ میں سے آواز سنائی دی۔حماد گھر واپس آچکا تھا۔نوکروں کو کچھ ہدایت کر رہا تھا۔پھر کمرے میں چلا گیا اور وہاں لگی آڈیو بگ ڈیوائس ریان تک اس کی آواز پہنچانے لگی۔اس کا فون بجا تھا۔

"ہیلو جی سر......میں اس کا انتظار کر رہا ہوں......ابھی تک تو نہیں پہنچا......نہیں گھر ہی بلایا ہے.......آپ بے فکر ہو جائیں اس کی حفاظت اب میری ذمہ داری ہے.....کسی کو کچھ پتہ نہیں لگے گا سر......جی باقی سب

انتظامات بھی مکمل ہیں۔.... اوکے۔ٹیک کیئر۔" وہ فون پر کسی کو کہہ رہا تھا اور ریان اس کی بات پر چوکنا سا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ کوئی شخص اس سے ملنے آرہا تھا۔ ریان کو کچھ مشکوک تو لگا تھا۔ اسی پل قاسم دو کافی کے مگ پکڑے اندر داخل ہوا تھا۔

" قاسم جلدی آؤ۔ نئی خبر ہے۔" وہ پرجوش سا بولا تھا۔ قاسم جلدی سے میز تک آیا اور کافی کے مگ میز پر رکھ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ریان نے ریکارڈنگ دوبارہ چلائی۔

"کوئی خاص بندہ ملنے آرہا ہے اس سے۔" قاسم نے اندازہ لگایا۔

"بس دعا کرو وہ کہیں ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے ہم ان سکیں۔" ریان نے کافی کا مگ پکڑتے ہوئے کہا۔ قاسم بھی کافی پینے لگا۔ پانچ منٹ ہی گزرے تھے میٹنگ روم میں لگی آڈیو بگ کی آواز انہیں سنائی دینے لگی۔ حماد کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی وہاں موجود تھا۔

"یہ لو تمہارا جعلی آئی ڈی کارڈ اور دوسری دستاویزات۔ تمہارا نام عامر ہے اور تم سات تاریخ کو دبئی سے پاکستان آئے ہو۔" حماد کی آواز ابھری تھی۔ ریان اور قاسم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مجھے پتہ چل گیا ہے یہ انڈیا سے آیا ہے۔" قاسم نے یقین سے کہا۔ ریان لبوں پر مٹھی رکھے توجہ سے اگلی بات کا منتظر تھا۔ دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی جس میں کاغذوں کے الٹنے پلٹنے کی آواز آرہی تھی۔

" تھینکس لیکن مجھے یہاں کس حیثیت سے رہنا ہو گا۔ مطلب کونسا کام کرنا ہو گا؟"

"تم میرے ایک ہوٹل کے مینجر ہو۔ لیکن تمہیں کسی کے سامنے نہیں آنا اوکے۔"

"اور میرا کام کب تک ہو جائے گا؟"

"کل تک سارا بندوبست ہو جائے گا۔ اسلحہ وہاں تک پہنچا دیا ہے۔ تمہیں بس وہاں جانا ہے اور سیکیورٹی پر حملہ کرنے والے میرے بندے ہوں گے۔ باقی کا کام تم سنبھال لینا۔ اس آدمی کو اغوا کرنے کے بعد میرے ہی اڈے

پر لے آنا۔ پھر اگلا کام بعد میں سمجھا دوں گا۔ تم ابھی یہیں لاہور میں میرے اس اڈے پر چلے جاؤ۔ وہاں تم محفوظ رہو گے۔" وہ شاید اسے کوئی ایڈریس دے رہا تھا۔ وہ دونوں جان گئے تھے کہ انڈین دہشتگرد کہاں جا رہا ہے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آدمی کم ہی بات کر رہا تھا۔ لیکن حماد کی باتوں نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ میٹنگ روم میں اب خاموشی چھا چکی تھی۔ قاسم نے گہرا سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔ اس کا دماغ تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ سب سے پہلے اس نے عارف کو فون کیا۔

"سب لوگ ڈیوٹی پر ہیں؟"

"جی سر۔"

"ابھی کچھ دیر میں ایک آدمی وہاں آنے والا ہے۔ تم لوگوں نے دور سے اس پر نظر رکھنی ہے۔ اسے اندر جانے دینا ہے لیکن اگر وہ وہاں سے نکل کر کہیں اور جائے تو اس کا پیچھا کرنا ہے۔ ساتھ میں مجھے مسلسل اپڈیٹ کرتے رہنا۔" عارف کو احکامات جاری کر کے اس نے فون بند کیا۔

"اب؟" ریان نے پوچھا۔

"وقت بہت کم ہے۔ مجھے سر کو ساری بات بتانی ہو گی۔ پھر وہ جیسے کہیں وہی کریں گے۔" وہ لیپ ٹاپ اپنے سامنے کرتے ہوئے بولا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک میل سر احسان کو بھیج رہا تھا جس میں حماد کے متعلق ہر چیز جو ریان سے ملی تھی اور حماد کی کیس فائل تھی۔ بہزاد شاہ کے ساتھ اس کا تعلق بھی بتایا۔ ان دو اڈوں کا ذکر تھا جہاں اس کا خفیہ اسلحہ پڑا تھا۔ اپنی سٹریٹجی بھی بتائی کہ وہ ان اڈوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اور چاہتا تھا مزید کچھ بھی پتہ چل سکے تاکہ ایک ساتھ اٹیک کیا جا سکے لیکن آج حماد کی خفیہ میٹنگ کی ریکارڈنگ سن کر پلان تبدیل کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس کی میٹنگ کی ریکارڈنگ بھی بھیج دی۔ ایک گھنٹے بعد ہی سر احسان کی کال آ گئی اور اس نے ریان کا ذکر کرتے ہوئے سارہ صورتحال واضح کی۔

"تم ابھی کہ ابھی دونوں جگہوں پر ریڈ کرو۔زیادہ نفری کیلیے رینجرز سے بھی رابطہ کر لو۔بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔"

"حماد کو بھی اریسٹ کرنا ہے؟" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں اسے ابھی کھلا چھوڑ دو اور دیکھو کہ اب وہ کہاں جاتا ہے۔تم صرف اس دہشتگرد اور اڈوں پر موجود سب افراد کو اریسٹ کرو۔"

"اوکے سر۔" قاسم نے کال کاٹ دی اور کسی اور کا نمبر ملانے لگا۔کچھ دیر تک وہ اپنے بندوں کو ان اڈوں پر ریڈ کرنے کا حکم دے چکا تھا اور رینجرز سے بھی رابطہ ہو چکا تھا۔لاہور والے اڈے پر قاسم خود جا رہا تھا۔ریان نے خود کو حماد کے سامنے ظاہر کرنا تھا سو وہ بھی جا رہا تھا۔

---------------------------------

بیک گارڈن کا سبزہ سورج کی روشنی میں کھلا کھلا سا تھا۔ایک بڑے درخت کی چھاؤں میں رکھے میز کے گرد کرسیاں پڑیں تھیں۔عانیہ اور حریم ابھی ابھی وہاں آ کر بیٹھی تھیں۔عانیہ نے آج اس کا ایڈمیشن کروایا تھا اور وہ کافی پرجوش نظر آ رہی تھی۔

"ٹیچرز کیسے آپ کو پروٹوکول دے رہی تھی جیسے آپ کوئی پرانی سٹوڈینٹ کی بجائے کوئی پرانی ٹیچر ہوں۔" حریم تبصرہ کر رہی تھی اور اس نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔تبھی حریم کا فون بجا۔اس نے اٹھا کر دیکھا اور اس کی مسکراہٹ سے عانیہ پہچان گئی کہ کس کا فون ہے۔

"اسلام علیکم۔" وہ نظریں جھکائے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو بلی؟" وہ خوشگوار لہجے میں بولا تو حریم کے دل میں سکون اتر تا گیا۔

"ٹھیک ہوں اور تم؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں ایک بات بتانی تھی۔" وہ سنجیدہ ہوا تو وہ ٹھٹکی۔

"کونسی بات؟"

"تمہارا بھائی آیا تھا میرے پاس؟" سمیع نے بڑے سکون سے کہا تھا اور حریم بے یقین سی ساکت رہ گئی تھی۔ چہرہ فق ہو گیا تھا۔ عانیہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم نے کیا کہا پھر؟" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم فون عانیہ کو دو۔" وہ جواب دینے کی بجائے بولا تو اس نے فون عانیہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اچنبھے سے ابرو اچکائی لیکن حریم کچھ نہ کہہ سکی۔

"ہیلو عانیہ۔"

"سمیع کیا ہوا ہے؟" وہ حریم کے چہرے پر نظریں جمائے مضطرب سی پوچھ رہی تھی۔

"حریم کا بھائی ابھی میرے پاس آیا تھا۔"

"اوہ نو......پھر؟"

"وہ حریم سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ حریم کہاں رہتی ہے۔"

"یہ کیا کر دیا تم نے؟"

"دیکھو عانیہ وہ اس کی فیملی ہے۔ ہم ان کو حریم سے ملنے سے روک نہیں سکتے۔ اور یہ ضروری بھی ہے۔ ان کے درمیان جو بھی غلط فہمی ہوئی وہ بات چیت سے ہی ختم ہو گی۔ تم حریم کو سمجھاؤ کہ وہ ڈرنے کی بجائے اپنے بھائی کا سامنا کرے۔ اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلائے۔ اگر وہ اس پر یقین کر لے تو پھر کوئی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حسیب نے مجھے کہا کہ وہ اپنی بہن کو مرنے نہیں دے گا۔ میں کھل کر حریم کی مدد نہیں کر سکتا تاکہ حریم پر

کوئی بات نہ آئے۔ لیکن میں اس کی مدد کروں گا اور نام تمہارا ہو گا۔ تم نے خود کو حریم کا سرپرست ظاہر کرنا ہے۔ اور مجھے اتنا تو پتہ ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے اس کا بھائی اسے زبردستی لے کر نہیں جا سکتا۔ لیکن میں دو سیکیورٹی گارڈز بھی بھیج رہا ہوں۔ حسیب بھی پہنچنے ہی والا ہو گا۔ تم حریم کو حسیب کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرو۔" سمیع نے اسے تفصیل بتائی تو وہ اس کا پوائنٹ آف ویو سمجھ گئی۔

"ہمم.... ٹھیک ہے۔" اس نے کال کاٹ دی۔ اور حریم کی طرف دیکھا جو بے تاب سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا بھائی تم سے ملنے آ رہا ہے۔ اور خبردار جو تم ذرا سی بھی ڈری۔ اس سے ملو اور اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤ۔" عانیہ نے حکمیہ لہجے میں کہا اور جو وہ انکار کرنے ہی والی تھی ڈھیلی پڑی۔

"لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بہادری کا مظاہرہ کرو۔ آخر تم میری بہن ہو۔ ہمم۔"

"جی۔" وہ سر جھکا کر بولی۔ یہ کام بہت مشکل تھا لیکن وہ عانی آپی کو انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اور ویسے بھی وہ اس کے ساتھ تھی تو ڈرنے کی کیا بات۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر اندر آ گئیں اور عمرینہ آنٹی کو بتایا کہ حریم کا بھائی اس سے ملنے آ رہا ہے۔ عمرینہ بھی حقیقت سے کچھ کچھ واقف تھی سو اسے تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گارڈ نے انٹرکام پر حسیب کے آنے کی اطلاع دی تو حریم کا دل تیزی سے دھڑکا۔ اس کا حال ایسا ہو رہا تھا جیسے رزلٹ کا انتظار کرنے والے سٹوڈینٹ کا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں بھائی اس کو دیکھ کر کیا کہے گا۔ وہ اس کی نفرت بھری آنکھیں برداشت کر بھی سکے گی یا نہیں۔ وہ اس سے ملنا بھی چاہتی تھی۔ اس کا دل امید اور ناامیدی کے درمیان جھول رہا تھا۔

"چلو۔" عانیہ نے اسے کہا۔

"آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔" وہ ڈبڈباتی آنکھوں سے بولی تھی۔

"میں کھڑکی کے باہر کھڑی ہوں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" عانیہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر آگے کیا اور خود کھڑکی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی جس کے پٹ کھلے ہوئے تھے البتہ آگے پردہ پڑا تھا۔ حریم نے کانپتے ہوئے اندر قدم رکھا اور سامنے ہی وہ صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔ آہٹ پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ میرون رنگ کی فراک اور چوڑی پاجامے میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ گلے میں تھا اور سرخ بال پونی میں بندھے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں زمانے بھر کا کرب چھپا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ یہ اس کی وہ بہن تھی جسے وہ سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے اس کا سر جھکا تھا۔ کتنی ذلت سہنی پڑی تھی۔ ان کا گھر دوزخ بن کر رہ گیا تھا۔ حسیب کی آنکھوں کی محبت نفرت میں بدلنے لگی تھی۔

حریم دم سادھے اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کے لب پھڑپھڑائے لیکن چاہ کر بھی بھائی کو پکار نہ سکی۔ حسیب جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا اور کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹی اور گال پر ہاتھ رکھے اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ بے تاب آنسو لڑی کی صورت رخساروں پر بہنے لگے۔ اس تھپڑ کی تکلیف نہیں تھی بلکہ دکھ تو یہ تھا کہ حسیب اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نے دوسری دفعہ ہاتھ اٹھایا لیکن عانیہ نے پیچھے سے پکڑ لیا۔ حسیب نے حیرت سے دائیں جانب کھڑی لڑکی کو دیکھا جو اس کی کلائی کو اپنے نازک سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی۔ اس نے جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑانی چاہی لیکن اس پل اسے ادراک ہوا کہ وہ لڑکی نازک نہیں ہے۔ وہ لڑکا ہو کر بھی اس سے اپنی کلائی چھڑا نہیں پایا تھا۔

"چھوڑ دیں آپی۔ انہیں مار لینے دیں۔ سارا قصور میرا ہی تو ہے۔ میری وجہ سے میرے بھائی کو باتیں سننی پڑی ہیں۔ وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اور میں خود کو بدلے کے لیے پیش کر رہی ہوں۔" حریم نے حسیب پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"سنو مسٹر حسیب۔ تم میرے ہوتے ہوئے اسے ہاتھ تو کیا یہاں سے لے کر بھی نہیں جا سکتے۔ سو دھیان سے اس کی بات سنو وہ تم سے کیا کہنا چاہتی ہے اور تم رونے کی بجائے منہ سے کچھ پھوٹو تو زیادہ بہتر ہو گا۔" عانیہ نے حسیب کی کلائی چھوڑی اور دونوں کو غصے سے دیکھا۔

"یہ میری بہن ہے۔ میں اسے یہاں سے لے کر جا رہا ہوں۔ اور دیکھتا ہو تم مجھے کیسے روکتی ہو۔" وہ طیش کے عالم میں حریم کی جانب بڑھا تو عانیہ اس کے سامنے آ گئی۔ ایک زوردار مکا حسیب کے منہ پر پڑا اور اس کا سر گھوم کر رہ گیا۔ حریم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"اب تم مجھے برا سمجھ رہی ہو گی نا۔ میں نے تمہارے پیارے بھائی کو جو مارا ہے۔" وہ پلٹ کر اسے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگی تو حریم نے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ حسیب کو حیرت ہوئی۔ وہ اپنے بھائی سے زیادہ اس لڑکی سے محبت کرتی تھی۔

"میں عانیہ ہوں۔ اس کی بہن۔ میرے ہوتے ہوئے اسے کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ میں نے پل پل اس کی حفاظت کی ہے۔ اس کے درد خود پر سہے ہیں۔ میں ہر غم میں اس کے ساتھ تھی۔ اس وقت بھی جب تم نہیں تھے۔" وہ حریم پر احسان نہیں جتا رہی تھی بلکہ اس کے بھائی کو بتا رہی تھی وہ گھر سے نکلنے کے باوجود معصوم تھی۔ وہ اسے بتا رہی تھی کہ اس نے حریم کو زمانے کے گرداب میں پھنسنے نہیں دیا۔

"تم اگر اس کی حفاظت نہیں کر سکے تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس کو سزا دو۔ اگر تم لوگ اذیت میں تھے تو یہ بھی خوش نہیں تھی۔ تم اسے مار کر اپنی اذیت کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو یہ اپنی اذیت کا بدلہ کس سے لے؟ اور تم نے اسے تھپڑ کیوں مارا؟ تم اسے بدکردار سمجھتے ہو جو گھر سے بھاگ گئی؟..... بولو ذرا تم نے اسے کیا سمجھا؟ میں بھی تو سنوں اس کا بھائی جو اس سے بہت محبت کرتا تھا اس نے اپنی بہن کو تھپڑ کیوں مارا؟" وہ پر اعتماد لہجے میں بول رہی تھی۔ حسیب ششدر سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی بہن کے لیے لڑ رہی تھی۔ کیا ایسی ہوتی ہے محبت؟ وہ حریم

کی کچھ نہیں لگتی تھی لیکن اس کی حفاظت کسی بھائی کی طرح کی تھی۔ حریم گھر سے نکلنے کے بعد بھی غلط ہاتھوں میں نہیں گئی تھی۔ حسیب کی ساری نفرت ختم ہو گئی لیکن غصہ ابھی باقی تھا۔ ٹھیک ہے وہ گھر سے نہیں بھاگی بلکہ اغوا ہوئی تھی لیکن سمیع کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا۔ یہ بات ابھی تک اس کی محبت میں آڑ بنی ہوئی تھی۔ لیکن اب اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ عانیہ کے سامنے کیا کہے۔ اگر اس نے ابھی سمیع کے بارے میں پوچھا تو یہ لڑکی غصے میں آ کر کہیں اسے پیٹ ہی نہ ڈالے۔ ویسے بھی وہ بہت کمزور سا تھا۔ اور اتنی سخت اور بہادر لڑکی اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔

"اگر تم اس کے بھائی نہ ہوتے تو کبھی اپنی ٹانگوں پر چل کر واپس نہ جاسکتے۔ میں نے ہر اس شخص کی ٹانگیں توڑیں ہیں جس نے حریم کو ذرا سا بھی دکھ دینے کا سوچا ہے۔ وہ معصوم اور پاکیزہ ہے۔ اللہ نے اس کی حفاظت کی ہے۔ جب تمہیں اس بات کا یقین آجائے آکر اسے لے جانا۔" وہ بات ختم کر کے پیچھے ہٹ گئی اور حریم کی طرف دیکھا جو اپنے بھائی کی بجائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشکر بھری مسکراہٹ تھی۔ حسیب نے حریم کی طرف دیکھا۔

"آپ کو اگر کچھ کہنا ہے بھائی تو کہیں ورنہ چلے جائیں۔ مجھے اب آپ سے کچھ نہیں کہنا۔ جس رشتے میں یقین نہ ہو وہاں وضاحتیں دینا بھی بے کار ہوتا ہے۔ آپ کے تھپڑ نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ آپ مجھے گناہگار سمجھتے ہیں۔ تو سمجھیں..... مجھے کوئی گلا نہیں۔ نہ میں آپ کو کوئی صفائی دوں گی۔" وہ شکوے بھرے لہجے میں کہنے لگی اور کچھ پل اس کے بولنے کا انتظار کیا لیکن وہ چپ رہا تو وہ کمرے سے نکل گئی۔

"حریم......" اس نے پکارا مگر دیر ہو چکی تھی۔

"اسے بلاؤ۔ میں اسے واپس....." وہ عانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولا تو عانیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کروایا۔

"جو کہنا ہے اسے کہنا۔وہ تمہاری سن لے گی۔ابھی تم جاسکتے ہو۔"عانیہ نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔حسیب نے اس کی بات ماننے میں ہی خیر جانی۔اب اسے حریم کے ساتھ کسی ایسی جگہ ملنا تھا جہاں یہ لڑکی نہ ہو۔

"اس کا خیال رکھنا۔"وہ اداس سا مسکرا کر کہتا باہر چلا گیا۔عانیہ نے سکون کا سانس لیا۔چلو اس کا بھائی تو لائن پر آ گیا۔اب حریم کیلیے خطرہ کم ہو گیا تھا۔

------------------------------------

کڑکتی دھوپ میں رینجرز کی تین گاڑیاں اس سیکٹر کے سامنے مین سڑک پر رکی تھیں۔ریان اور قاسم کے علاوہ باقی سب رینجرز یونیفارم میں ملبوس تھے۔ان کی کل تعداد تیس تھی۔جن میں خفیہ کے بندے پانچ تھے باقی سب رینجرز کے لوگ تھے۔قاسم کی ہدایت پر انہوں نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے تھے۔محلے کی کچی گلی اور دوسری پکی گلی دونوں کو بلاک کر دیا گیا تھا۔لوگ حیرت سے رک کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ایک آدمی جو بظاہر مزدور تھا وہ جلدی سے ایک دیوار کی اوٹ میں چھپ کر اسد کو کال کرنے لگا۔

"سر فوج یہاں پہنچ گئی ہے۔ابھی تھوڑی دور ہے۔آپ جلدی سے نکلنے کی کوشش کریں۔"اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ اسد اٹھ کر اپنے آفس سے نکلا۔باہر لوگ بیٹھے جوئے کھیل رہے تھے۔

"سب اٹھو جلدی......باہر فوج آچکی ہے۔اپنے اپنے اسلحے پکڑو اور ان کا مقابلہ کرو.....جلدی کرو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔"وہ حواس باختہ سا کہتا ایک کمرے کی جانب بھاگا جس میں بھارتی دہشتگرد جس کا نام اب عامر تھا وہ پڑا سو رہا تھا۔

"عامر اٹھو جلدی کرو۔"اسد نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔اس کو یہ نہیں پتہ تھا کہ عامر بھارت سے آیا ہے۔اسے سر حماد نے بس اتنا بتایا تھا کہ یہ کوئی مجرم ہے اور ہمارے لیے قیمتی ہے اس لیے اس کی حفاظت کرنی ہے۔لیکن یہاں تو فوج نے آکر اس کی نوکری کا پھر سے بیڑا غرق کر دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" عامر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"باہر فوج آگئی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے تمہارے پیچھے ہی آئی ہے۔ اٹھ کر اب بھاگو یہاں سے۔ میں سر حماد سے بات کرتا ہوں۔" وہ تیزی سے بولتا باہر نکلا تھا۔ عامر جو اپنے ملک میں ایک بہادر ایجنٹ تھا پاکستانی فوج کا سن کر اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر باہر بھاگا۔ جوا کھیلنے والے لوگ اب اسلحہ لے کر اوپر چلے گئے تھے۔ وہ جلدی سے اپنا سامان پکڑ کر تہ خانے سے اوپر آیا۔ باہر صحن میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ باہر نکلنے کی بجائے اندر ہی ایک طرف بھاگا۔ اس نے یہاں آکر اندازہ لگالیا تھا کہ ایمرجینسی میں کہاں سے بھاگنا ہے۔ دائیں کنارے پر ایک دروازہ تھا جو صحن میں کھلتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دیوار تھی جس کے دوسری طرف ایک فیکٹری تھی۔ وہ جلدی سے اس دروازے سے نکل کر دیوار سے دوسری طرف فیکٹری میں کود گیا۔ لوگ گولیوں کی وجہ سے ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ وہ بھی بچتا بچاتا فیکٹری کی چھت پر آگیا اور وہاں کھڑکی سے اس نے پاکستانی فوج کے جوان دیکھے تھے۔ وہ ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اس کے پاس پسٹل تھی لیکن وہ یہاں سے کسی پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ پھر انہوں نے اس فیکٹری کو بھی گھیر لینا تھا۔ اب وہ اکیلا تو کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے بھاگنے کے۔ وہ تیسری منزل پر چڑھ کر ساتھ والی فیکٹری میں کودا اور گلی میں دیکھا فوج اب آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے گلی خالی تھی۔ وہ بھاگ سکتا تھا۔ شکر کا سانس لیتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا لیکن کب تک بھاگ سکتا تھا۔

دوسری طرف رینجرز نے اس اڈے پر غلبہ پالیا تھا۔ ایک فوجی زخمی ہوا تھا جبکہ حماد کے تین آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ اسد نے حماد کو فون کر کے بتادیا تھا۔ شیخوپورہ والے اڈے پر بھی اسی وقت حملہ ہوا تھا اور اس کی اطلاع بھی حماد کو پہلے ہی مل گئی تھی۔ وہ تو سر پکڑ کر رہ گیا۔

"عامر کہاں ہے؟"

"وہ بھاگ گیا ہے۔" اسد نے بتایا تو حماد نے شکر کا سانس لیا۔باقی کچھ بھی اس کے اڈے سے نکل آتا اسے پریشانی نہیں تھی اگر بھارتی دہشتگرد نکل آتا تو وہ خفیہ ایجنسی والوں سے کبھی بچ نہ پاتا۔حماد نے فون بند کر دیا اور اپنی سم بلاک کر دی۔اسد اس وقت تہ خانے میں چھپا ہوا تھا۔سیڑھیاں اترتے قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی اور اس کا دل لرزنے لگا تھا۔وہ سامان کی ڈبوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھا تھا۔دو پاؤں جب اپنے سامنے دیکھے تو سر اٹھایا۔وہ ریان تھا۔اسد ششدر رہ گیا۔ریان نے جھک کر اسے گریبان سے پکڑا اور اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"عامر کہاں ہے؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔اسد کچھ بول نہیں سکا۔ریان نے ایک مکا اس کے منہ پر مارا تو وہ تیورا کر نیچے گرا۔باقی رینجرز کے لوگ بھی تہ خانے میں آکر مختلف کمرے چیک کرنے لگے تھے جنہیں ریان ہی لیڈ کر رہا تھا۔قاسم دانستہ طور پر ان سب کے سامنے نہیں آیا تھا۔وہ باہر ہی ایک جگہ عام لوگوں کی طرح تماشائی بنا کھڑا تھا۔

"وہ بھاگ گیا ہے۔" اس نے دو تین مکے کھانے کے بعد جلدی سے کہا۔دوسرے لوگوں نے بھی ہر جگہ چیک کر لیا تھا لیکن یہاں کوئی اور نہیں تھا۔

"ڈیم اٹ۔" وہ جھنجھلا کر کہتا واپس مڑا۔ڈیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ کان کا آلہ دباتے ہوئے قاسم کو عامر کے بھاگنے کی اطلاع دے رہا تھا۔

------------------------------

"بس بھی کرو حریم۔اور کتنا روؤ گی۔" عانیہ نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔وہ کتنی ہی دیر سے اس کے گلے لگی روئے جا رہی تھی۔

"بھائی مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی۔"

"ارے یار وہ وقتی غصہ تھا۔ان لوگوں نے بھی تو پریشانی دیکھی ہے۔تمہارا بھائی تم سے اب بھی محبت کرتا ہے۔تمہارے جانے کے بعد اس نے تمہیں پکارا بھی تھا۔اور مجھے کہا تھا کہ تمہارا خیال رکھوں"

"واقعی؟"حریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"وہ مجھ سے دوبارہ ملنے آئیں گے؟"اس نے آس سے پوچھا۔

"ہمم.....مجھے لگتا ہے اسے تم پر یقین آگیا ہے اور وہ باقی فیملی کو منانے کے بعد تمہیں لے کر جائے گا۔تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں۔اگر تم اسے ابھی سب سچ بتا دیتی کہ عدنان نے تمہیں اغوا کروایا تھا تو تمہارے لیے آسانی ہو جاتی۔"

"اگلی دفعہ بتا دوں گی۔"وہ آزردگی سے مسکرا کر بولی۔اسی پل سمیع کا فون آیا تو حریم نے عانیہ کو پکڑا دیا۔عانیہ نے کال پک کی اور سمیع کے پوچھنے پر ساری بات بتائی۔

"چلو یہ تو کنفرم ہوا کہ حسیب اس کی مدد کرے گا۔اب وہ آئے تو مجھے اطلاع دے دینا۔اور حریم کو سمجھاؤ کہ اب چپ رہنے کی بجائے اپنے بھائی کو عدنان کے بارے میں بتائے۔"

"میں نے کہا تو ہے۔اچھا حسیب کا کوئی نمبر ہے تو مجھے دے دو۔"عانیہ نے کہا۔پہلے یاد ہی نہیں رہا تھا اس سے نمبر ہی لے لیتی۔دوبارہ رابطہ تو کرنا ہی تھا۔سمیع نے اسے نمبر لکھوا دیا۔رسمی الوداع کہتے ہوئے اس نے انکل مرتضیٰ کے بارے میں پوچھ لیا۔

"انکل کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔اب پشاور ہوتے ہیں۔"سمیع نے بتایا۔

"پشاور؟"وہ ٹھٹکی۔

"ہاں ان کا ٹرانسفر پشاور ہو گیا ہے۔ انکل حیدر کو بتایا تھا انہوں نے۔" وہ چپ سی کھڑی رہ گئی۔ ان کا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ ایک انہی سے تو یہ امید تھی کہ وہ اس کے مام ڈیڈ کے قاتلوں کو سزا دلوائیں گے۔ اب وہ یہاں نہیں تھے تو سمجھو یہ کیس بند۔ ایک دم سے غصے کا شدید ابال اس کے دل میں اٹھا۔ فون حریم کے حوالے کر کے اس نے اپنے فون سے انکل مرتضیٰ کو کال کرنے لگی تھی۔

-------------------------------

ملک بھر کے ٹی وی چینلز پر یہ خبر نشر ہو رہی تھی کہ غیر قانونی اسلحے کے دو اڈوں پر رینجرز نے ریڈ کیا ہے۔ سارے مجرموں کو پکڑ لیا گیا۔ ابھی تک سرغنہ کا نام سامنے نہیں آیا تھا اور نہ کسی دہشتگرد کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ سب ریان کی حکمت عملی ہی تھی۔ حماد کا نام اس لیے نہیں لیا تھا کہ وہ پھر سے ڈر کر کہیں بھاگ نہ جائے کیونکہ اب وہی عامر تک پہنچا سکتا تھا۔

حماد یہ خبریں دیکھ دیکھ کر غصے سے بپھرا ہوا تھا۔ آخر رینجرز کو کیسے معلوم ہوا کہ یہاں اسلحہ چھپایا گیا ہے۔ پچھلے دو سالوں میں کسی کو اس بات کی بھنک تک نہیں پڑی۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ آج ہی عامر آیا تھا اور آج ہی حملہ ہو گیا۔ اب پتہ نہیں وہ کہاں چھپا ہو گا۔ اور اس سے رابطہ کیسے ہو گا۔ اوپر سے بہزاد شاہ کی ڈانٹ کا ڈر الگ سے تھا جو اسے پڑنے ہی والی تھی۔ اور خود وہ یاسر کی اچھی کلاس لے رہا تھا۔ وہ اس کا نیا اسسٹنٹ تھا۔ اسد کو اب صرف اڈوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا اور آج وہ اس میں بھی فیل ہو گیا تھا۔

"مجھے بتاؤ یہ ہوا کیسے؟ سر کو میں کیا جواب دوں گا۔ وہ تو میری جان کو آجائیں گے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یاسر کی گردن مروڑ دے۔

"سر میں پتہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں....." وہ آگے بھی کچھ بولنا چاہتا تھا کہ حماد پھر سے اس پر برس پڑا۔

"کیا خاک کوشش کر رہے ہو؟ اگر تم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے تو یہ سب ہوتا ہی نہ۔ یہ کوئی اندر کا بندہ ہی لگتا ہے مجھے جس نے فوج کو مخبری کی ہے۔ ایک دفعہ مجھے اس کا پتہ چل جائے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا اسے۔"

"سر میں اسے ہی تلاش کر رہا ہوں۔ اس اڈے پر مین گیٹ کے پاس ایک سی سی ٹی وی کیمرہ لگا ہوا ہے۔ آپ فوٹیجز دیکھ لیں شاید کوئی مشتبہ آدمی مل جائے۔"

"ہاں ٹھیک ہے......" وہ بول رہا تھا کہ فون بج اٹھا۔ وہ جانتا تھا یہ بہزاد شاہ کا فون ہے۔ تھوک نگل کر خود کو جھاڑ کھانے کے لیے تیار کیا اور کال پک کی۔ پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ سننے کو وہ وہ گالیاں ملیں کہ نانی یاد آ گئی۔ اس نے سر کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مزید چراغ پا ہو گیا۔

"او الو کے پٹھے۔ اتنے پیسے میں تمہیں صرف موجیں اڑانے کے لیے دیتا ہوں کیا؟ تیرا دھیان ہوتا کدھر ہے؟.... پچھلی دفعہ میں نے تجھے لاسٹ وارننگ دی تھی لیکن تم نے وہی کیا جو پہلے کرتے آئے ہو۔"

"سر میری بات تو سنیں میں غدار کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"لعنت ہے تم پر۔ اب سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ کیا فائدہ اب؟ وہ سب لوگ جو پکڑے گئے وہ تمہارا نام لیں گے۔ تم پکڑے گئے تو تم میرا نام لو گے.....کیوں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے بندے اتنے کچے نہیں ہیں۔ پولیس دو دن تک انہیں چھوڑ دے گی۔ ان میں کچھ کے سوا کسی کو نہیں پتہ کہ ان کا سرغنہ کون ہے۔ اور رہی بات میری تو میں مر کر بھی آپ کا نام نہیں لوں گا۔ آپ ٹینشن فری ہو جائیں۔ ایک دفعہ اس مسلے کو حل کر لوں پھر باقی کام بھی سنبھال لوں گا۔ ویسے بھی لاہور میں یہ ہمارا صرف ایک اڈا ہی تو نہیں تھا نا۔ ابھی بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑا۔ بس آگے ذرا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں تو خود حیران ہوں کہ اچانک فوج کو یہ خبر کیسے ہو گئی لیکن میں پتہ کروا رہا ہوں۔"

"میں نہیں جانتا تم کیا کر رہے ہو۔ مجھے صفائی نہیں کام چاہیے۔ اگر آج یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو کل تک عامر کا کام بھی ہو جانا تھا۔ اب وہ کام بھی لٹک جائے گا۔.... ایک منٹ عامر بھی پکڑا تو نہیں گیا؟" بات کرتے ہوئے بہزاد شاہ کو عامر کا خیال آیا۔ حماد نے ایک دفعہ پھر تھوک نگلا اور خود کو کمپوز کرتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

"نہیں اسے میں نے ہوٹل میں بھیجا تھا۔"

"چلو شکر یہ کام تم نے ڈھنگ کا کیا۔ اور یہ لاسٹ وارننگ تھی تمہارے لیے۔ اب اگر کچھ برا ہوا تو تم پچھتاؤ گے۔ یہ یاد رکھنا۔" بہزاد شاہ کی دھمکی سن کر اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسا گئی۔

"کچھ برا نہیں ہو گا۔" اس نے ڈرتے ہوئے کہا لیکن دوسری طرف سے کال کٹ گئی تھی۔ حماد نے گہری سانس لے کر سر پیچھے صوفے کی پشت سے ٹیک دیا۔ دل میں اضطراب، پریشانی اور ڈر بڑھتا جا رہا تھا۔ اگر اسد نے اس کا نام لے دیا تو......؟ خود کو کٹہرے کے پیچھے دیکھ کر وہ کانپ گیا تھا۔ لیکن دوسروں کی زندگیاں اجاڑتے ہوئے وہ کبھی نہیں کانپا تھا۔

---

"انکل آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ آپ کا ٹرانسفر ہو گیا ہے؟" وہ فون پر ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کو دبے دبے غصے سے کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف وہ کچھ دیر کے لیے چپ رہ گئے تھے۔

"میں نے حیدر صاحب کو بتایا تھا۔" ان کی آواز مدھم تھی۔

"پھر انہوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ بھی دوبدو بولی۔

"وہ تمہاری حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے نہیں بتایا ہو گا۔"

"اور میرے مام ڈیڈ؟...... ان کا کیا؟ ان کے قاتلوں کو سزا کب ملے گی اور ملے گی بھی کہ نہیں؟"

"ان کو سزا تو مل رہی ہے۔ تم نہیں جانتی؟" وہ حیران ہوئے۔

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکی۔

"ریان نے کل مجھ سے حماد کی کیس فائل منگوائی تھی۔ اور آج دیکھو ہر ٹی وی چینل پر خبر چل رہی ہے کہ لاہور میں غیر قانونی اسلحے کے دو اڈے پکڑے گئے۔ یہ سب ریان نے ہی تو کیا ہے۔" انہوں نے بڑے فخر سے ریان کا کارنامہ بتایا اور دوسری طرف سکوت سا چھا گیا۔ عانیہ کو لگا اس کا دل رکنے لگا ہے۔ ریان کیسے اکیلے اتنے خطرناک دشمن سے مقابلہ کر سکتا ہے؟..... وہ تو اسلام آباد چلا گیا تھا۔

"ریان.......؟"

"وہ کہاں ہے اس وقت؟" اس نے اندرونی خلفشار کو بمشکل قابو کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ لاہور میں ہے۔" انہوں نے بتایا تو عانیہ نے جلدی سے انہیں خدا حافظ کہا اور کال کاٹ کر فون بیڈ پر پھینکا۔ دل میں ہزاروں وسوسے اور پریشانیاں جنم لینے لگیں۔ وہ اس وقت پتہ نہیں کس مشکل میں ہو گا۔ یہ اس نے کیسے کیا؟..... اور اس نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ ایمرجینسی میں بلایا گیا ہے۔ وہ حماد سے بدلہ لینے لاہور جا رہا تھا اور وہ بھی عانیہ کے لیے۔ لیکن اس نے بتایا کیوں نہیں؟ وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟.... عانیہ مضطرب اور بے چین سی ہوتی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

"نہیں مجھے اسے روکنا ہو گا۔ مجھے بدلہ نہیں چاہیے۔ مجھے ریان چاہیے۔ میں اسے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گا۔" وہ ڈوبتے دل کے ساتھ سوچتی آگے بڑھی اور فون اٹھا کر اسے کال کرنے لگی۔ اس کا فون آف تھا۔ لیکن وہ بار بار کال ملا رہی تھی۔

"یا اللہ پلیز اسے کچھ نہ ہو۔" دعا کرتے ہوئے اس لب کانپ رہے تھے۔ شدید پریشانی کے عالم میں اسے پسینہ آنے لگا تھا اور دم گھٹنے لگا تھا۔ ایک دم سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ حریم جو اس وقت اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی اسے روتے دیکھ کر فکر مندی سے اس کی طرف بڑھی۔

"آپی کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے سامنے آ کے مر حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"حریم........ریان خطرے میں ہے۔" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولی تھی۔

"ریان بھائی؟....... لیکن وہ تو.....؟"

"وہ اسلام آباد نہیں گیا۔ وہ لاہور میں ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔"

"وہ لاہور میں کیا کر رہے ہیں؟"

"حماد کے پیچھے گیا تھا۔ ابھی میری بات انکل مرتضیٰ سے ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ریان نے ان سے حماد کی کیس فائل منگوائی تھی اور ابھی حماد کے دو خفیہ اڈوں پر ریڈ ہوا ہے۔ وہ اکیلا حماد سے لڑ رہا ہے۔ وہ مشکل میں ہے۔ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔" وہ مسلسل روتے ہوئے کہے جا رہی تھی اور حواس باختہ سی حریم کو اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"پلیز کچھ کرو.....میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے ابھی اس کے پاس جانا ہے۔ پلیز۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" عانیہ اس کے ہاتھ پکڑے منتیں کر رہی تھی۔ وہی عانیہ جو ہر مشکل وقت میں دوسروں سے مدد مانگنے کی بجائے خود پر بھروسہ کرتی تھی لیکن اب تو ایسے لگتا تھا کہ اس کے حواس مختل ہو گئے تھے۔ حریم اس کی حالت صدمے سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ روئیں نہیں۔ میں سمیع سے بات کرتی ہوں۔" وہ جلدی سے کہتی واپس مڑی اور اپنے کمرے میں جا کر سمیع کو فون کیا۔

"کیا ہوا حریم سب خیریت تو ہے؟"

"سمیع......عانی آپی بہت رو رہی ہیں..."

"عانیہ رو رہی ہے؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"وہ ریان بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں۔...." اس نے مختصراً بات بتائی۔

"اچھا میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ تم اسے چپ کرواؤ۔" سمیع نے تیزی سے کہہ کر کال کاٹی اور کمرے سے باہر کو بھاگا تھا۔

ادھر حریم جب دوبارہ اس کے کمرے میں تو وہ فون پر ریان کالز کر رہی تھی۔ آنسو بھی بہتے چلے جا رہے تھے۔

"آپی میں نے سمیع سے بات کی ہے۔ وہ آ رہا ہے۔" وہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ۔ مجھے ریان کے پاس جانا ہے۔" عانیہ ضدی پن سے بولتی دوبارہ کال ملانے لگی۔ حریم اسے تسلی دینے کے لیے کچھ بھی نہ بول سکی۔ دس منٹ بعد سمیع وہاں پہنچ گیا۔ عمرینہ آنٹی اس وقت اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔ اور حیدر انکل آفس تھے۔ سو حریم اسے اوپر عانیہ کے کمرے میں لے آئی۔

"مجھے بتاؤ عانیہ ہوا کیا ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اس لڑکی کی وجہ سے آج اس کی بہن صحیح سلامت تھی۔ اسے روتے دیکھ کر سمیع کو واقعی بہت دکھ ہوا تھا۔ عانیہ نے اسے ساری بات بتائی تو وہ بھی تشویش میں پڑ گیا۔

"مجھے ریان کے پاس جانا ہے۔" عانیہ آخر پر کہہ رہی تھی۔

"بے وقوفی کی بات مت کرو عانیہ۔ تم وہاں جا کر اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کرو گی۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟.....ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اس کا انتظار نہیں کر سکتی میں۔ اور اس کا نمبر بھی بند جا رہا ہے ورنہ میں اسے ٹریس ہی کر کے اس کے پاس پہنچ جاتی۔ پلیز تم میری کچھ مدد کرو۔"

"عانیہ میں تمہاری مدد کروں گا لیکن تم تھوڑا عقل سے کام لو نا۔ اس کے پیچھے جاؤ گی تو شائد وہ نہ ملے لیکن اس کے آگے سے جاؤ گی تو اس کے سامنے پہنچ پاؤ گی۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھو وہ وہاں حماد کے خلاف لڑ رہا ہے اور حماد کا باس ہے بہزاد شاہ۔ تو تمہیں اس کے خلاف لڑنا چاہیے۔"

"لیکن مجھے فوری طور پر ریان کا پتہ کرنا ہے۔ اگر وہ کسی مشکل میں ہوا تو میرا یہاں لڑنا کس کام آئے گا۔"

"اس کا حل ہے میرے پاس۔ بہزاد شاہ نے بابا کو کال کی تھی جب ان کا ٹرانسفر کروایا تھا۔ ہم اس نمبر کے ذریعے بہت کچھ پتہ کروا سکتے ہیں۔ حماد نے یقیناً بہزاد کو ریان کے بارے میں بتایا ہو گا اور اس سے ہدایات لی ہوں گی۔"

"گڈ آئیڈیا۔ وہ نمبر مجھے کب تک مل سکتا ہے؟" وہ پرجوش لہجے میں بولی تھی۔

"ابھی۔" سمیع نے مسکرا کر کہا اور کچھ دیر بعد عانیہ بہزاد شاہ کا فون نمبر ٹیپ کر چکی تھی۔ آج کے دن کی جانے والی ساری کالز چیک کیں۔ دو بجے کی ایک کال جس میں بہزاد نے حماد کی کلاس لی تھی وہ اسے جلد ہی مل گئی۔ اور اس ریکارڈنگ کو سن کر واقعی اس کی جان میں جان آئی تھی۔ حماد کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ سب ریان نے کروایا ہے۔ وہ کسی اپنے ہی بندے کو غدار سمجھ رہا تھا۔ مطلب ریان منظر عام پر آئے بغیر اس کے خلاف کاروائی کر رہا تھا۔ اور ریڈ بھی تو رینجرز نے کیا تھا۔ ہو سکتا تھا ریان نے انہیں صرف اطلاع دی ہو اور باقی کا سارا کام رینجرز نے کیا ہو۔ اس بات کو سوچ کر عانیہ کے دل کو سکون ملا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ریان اب سے کچھ دیر بعد ہی خود کو ظاہر کرنے والا تھا۔ یہی بے خبری شاید اس کے لیے بہتر تھی۔

"لو اب اطمینان ہو گیا کہ وہ ٹھیک ہے۔ جب وہ دشمنوں کے سامنے ظاہر ہی نہیں ہوا تو خطرہ کیسا؟" سمیع نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"لیکن اسے مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اب میں بھی اس کی بات نہیں مانوں گی۔ میں بہزاد شاہ سے لڑوں گی۔ تاکہ اگر ریان کسی مشکل میں پھنسے تو اس کو نکالنے کی تیاری میں پہلے سے کر چکی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہو۔ اب میں تمہیں قانون کی آس بھی نہیں دلا سکتا۔ لیکن میں تمہاری مدد کروں گا۔ آخر کو تم میری ہونے والی سالی ہو۔" وہ آخر میں شوخ ہوا تو عانیہ ہنسی۔ اور حریم نے جھینپ مٹانے کو اس کے کندھے پر مکا مارا۔

"بکومت۔" وہ اسے گھور کر بولی تو وہ منہ بنا کر رہ گیا۔

"اچھا اب کوئی چائے پانی ملے گا یا میں چلا جاؤں؟" وہ اٹھنے کے پر تولنے لگا۔

"بہانے کیوں بنا رہے ہو صاف کہو عانیہ تم کچھ دیر کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔" عانیہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو سمیع نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"آپی؟" حریم نے احتجاج کیا۔

"قسم سے میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا۔ بلکہ میری تو درخواست ہے کہ اس چڑیل کے ہوتے ہوئے مجھے اکیلے چھوڑ کر مت جانا۔" وہ بولا تو حریم نے صدمے سے اس کی طرف دیکھا۔

"دفعہ ہو جاؤ تم یہاں سے۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں تم سے ملنے کا۔ اب میں چلی جاؤں گی نا تب ہی میری قدر آئے گی تمہیں۔" اس نے خفگی سے منہ پھلائے لیا۔

"تم دونوں آرام سے لڑو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" عانیہ مسکراہٹ دباتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"تم جہاں بھی چلی جاؤ۔ رہو گی میری ہی۔" وہ اس کے خوبصورت چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا تو حریم کی پلکیں جھکیں۔

"سمیع میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ مجھ سے دور رہنا۔ اب تو میرا بھائی بھی آ چکا ہے۔ پلیز جاؤ یہاں سے" وہ روہانسی ہوتی بولی۔

"تم نے مجھے خود فون کر کے بلایا ہے۔" سمیع نے جتایا۔

"آپی کی مدد کے لیے بلایا تھا۔ اب مدد ہو گئی تو جاؤ۔"

"چائے تو پی لینے دو۔" وہ ڈھیٹ بن کر بولا۔ حریم نے گہرا سانس لیا۔ خوف اندر ہی اندر اس کے دل کو کھائے جا رہا تھا۔ اگر عدنان نے بھائی کو سمیع کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا ہوا تو پھر کیا ہوگا اور یہاں سمیع کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ سمیع کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟...... بیٹھو نا۔" سمیع نے اس کی کلائی پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔ اور اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر فکر مند ہوا۔

"کیا ہوا؟"

"سمیع تم اپنا خیال رکھنا۔ میں نہیں جانتی کہ عدنان نے میرے پیرنٹس سے کیا کہا ہو اور جب میں اپنے گھر چلی جاؤں گی تو وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گے۔ مجھے تمہاری فکر ہے تبھی کہتی ہوں مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ سمیع نے ہاتھ اس کی ٹھوڑی تلے رکھ کر چہرہ اپنی طرف موڑا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی جھک کر ایک پل کے لیے اپنے لب اس کے لبوں پر رکھے۔ دوسرے ہی پل وہ پیچھے ہٹ گیا لیکن حریم کی سانسیں تھم چکی تھیں۔ گلنار ہوتے چہرے کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں کسی اور لے میں بہنے لگی تھیں۔ کچھ پل کیلیے اس نے سمیع کو حیرت سے دیکھا تھا لیکن جلد ہی اس کی نظروں کا تاب نہ لا سکی اور پلکیں جھکا گئی۔

"اب جب بھی تمہیں کوئی پریشانی ہو اس پل کو یاد کرنا۔ اور تعلق نہ رکھنے کی بات ہی نہ کرو۔ ہمارا تعلق تو شروع سے تھا۔ اب کوئی بھی تمہیں مجھ سے جدا نہیں کر سکتا۔ یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا لو بلی۔" وہ گھمبیر لہجے میں کہتا سارے ماحول پر چھا سا گیا تھا۔ وہ سٹپٹا کر نظریں چرا رہی تھی لیکن راہ فرار دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ سمیع دلچسپی سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"تم..... تم فلرٹی انسان.... تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟..... میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی۔" اور کچھ نہ بن پڑا تو مصنوعی خفگی سے اس کے کندھے پر مکے برسانے لگی۔ وہ ہنستے ہوئے اپنا بچاؤ کرنے لگا

"اگر کوئی دیکھ لیتا تو؟.......بدتمیز جان نکال کے رکھ دی میری۔اٹھو نکلو یہاں سے۔"اسے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"ارے یار تم تو چنگیز خان سے بھی ظالم لگ رہی ہو۔جب شادی ہو گئی تو کیا سلوک کرو گی میرے ساتھ۔"اس کی پر حریم کو مزید تپ چڑھا۔

"سر پھاڑ دوں گی تمہارا۔"

"تو پھر ویڈنگ نائٹ کو میں اپنے کمرے سے ہر وہ چیز ہٹا دوں گا جس سے سر پھٹنے کا خدشہ ہو۔"

"تم باز نہیں آؤ گے نا۔ ٹھہرو میں بتاتی ہوں تمہیں۔" سمیع پیچھے ہٹتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو چکا تھا جبکہ حریم اس کے کندھے اور سینے پر تھپڑ اور مکے مارے جا رہی تھی۔عانیہ چائے کی ٹرے پکڑے اندر آئی تو سمیع کو حریم سے مار کھاتے دیکھ کر ہنس پڑی۔ حریم جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واقعی سمیع تمہاری درخواست پر غور کرنا چاہیے۔"ٹرے میز پر رکھ کر اسے چائے پکڑاتی بولی۔

"ہے نا۔اگر تم نہ آتی تو یہ مجھے کچا چبا چکی ہوتی۔ویسے بھی اس بلی کو میرا خون پینے کی عادت ہے۔"حریم نے خلاف توقع اس کی بات کا جواب نہ دیا اور چائے لے کر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔کچھ دیر بعد باتیں کرتے ہوئے حریم نے جان بوجھ کر گرم چائے اس کے ہاتھ پر انڈیل دی۔

"سوری.....سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔میرا کوئی قصور نہیں۔"عانیہ کے گھورنے پر اس نے جلدی سے وضاحت دی۔

"عانیہ تم اسے سمجھا لو۔اس کی ہر غلط حرکت کی ذمہ داری تم پر جاتی ہے۔میرے ساتھ کتنے ظلم کر رہی ہے یہ۔اس کو سزا دینا تمہارا کام بنتا ہے۔اچھی طرح پھینٹی لگاؤ اس کی تاکہ اگلے گھر جا کر تمہارا نام روشن کرے۔" سمیع نے عانیہ میں بڑی بہن کا احساس جگایا اور طیش بھی دلا دیا۔اس کے جانے کے بعد حریم کی وہ کلاس لگی کہ وہ مسکین سی شکل بنا کر رہ گئی۔

---------------------------------

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز سا لیٹا پیشانی کو انگلیوں سے مسل رہا تھا جب یاسر لیپ ٹاپ اٹھائے اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"سر یہ میں نے کچھ لوگوں کی پکچرز ڈھونڈی ہیں۔ آپ ان میں سے چیک کر لیں۔" وہ اس کے قریب آیا تو حماد سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یاسر نے لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھا اور خود تھوڑا سا جھک کر کھڑا ہو گیا۔

"سر یہ تو وہی سارے لوگ ہیں جو وہاں ہوتے ہیں۔ میں نے اس وقت کی فوٹیجز نکالی ہیں جب رینجرز نے ریڈ کیا تھا۔ سارے لوگ یونیفارم میں تھے سوائے ایک کے۔ مجھے لگتا ہے وہی ان کو یہاں لایا ہے۔ پرسوں بھی وہ لڑکا میں نے گیٹ سے گزرتے دیکھا تھا۔" وہ تفصیل بتا رہا تھا اور حماد تصاویر آگے آگے کر کے دیکھتا جا رہا تھا۔ سب یونیفارم میں ملبوس رینجرز کے جوان تھے۔ ان کے نیم رخ یہاں سے نظر آ رہے تھے لیکن وہ پہچانے جا سکتے تھے۔ ایک تصویر پر آ کر وہ بے اختیار رکا تھا۔ گرے پینٹ اور براؤن شرٹ میں ملبوس لڑکا...... وہ ریان ہی تھا۔ وہ پہچان چکا تھا۔ تو وہ یہاں بھی اس کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ اس کی اتنی ہمت کہ وہ حماد سے ٹکرلے۔ دماغ غصے سے کھولتا جوار بھاٹا بن گیا۔ دل کر رہا تھا ابھی جا کر اسے تہس نہس کر دے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ پچھتا رہا تھا کہ اس لڑکے کو ابھی تک ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ پہلے عانیہ کی ذریعے مروانا چاہا۔ وہ پلان فیل ہوا تو اسے ڈھونڈ کر خود مارنا چاہا لیکن وہ نہ ملا۔ پھر جب ایک رات وہ عانیہ کو بچانے آیا تو وہ موقع اسے غنیمت لگا تھا لیکن عانیہ نے اس کا ارادہ پھر سے ناکام بنا دیا۔ اور آج یہ لڑکا اس کے سر پر پہنچ چکا ہے۔ اس کے دو خفیہ اڈوں کی مخبری رینجرز کو کر دی۔ لیکن کیسے؟...... اگر ایک اڈے کی مخبری کی ہوتی تو پھر بھی بات سمجھ آتی تھی لیکن دوسرے اڈے پر چھاپا کیسے پڑا۔ اسے دوسرے اڈے کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟ یہ سوال اس کے ذہن میں جھکڑ کہ طرح چلنے لگے تھے۔

وہ اضطراب کی کیفیت میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ یاسر ایک سائیڈ پر مؤدب سا کھڑا تھا۔ اچانک حماد کا فون بجا تھا۔ یہ اس کا آفیشل نمبر تھا سو ظاہر ہے اسے بند نہیں کر سکتا تھا۔ خفیہ باتوں کے لیے اس نے الگ سے سمیں لے رکھی تھیں۔ جن کے اکاؤنٹ جعلی تھے۔

وہ فون کی طرف بڑھا اور سکرین پر ان ناؤن نمبر دیکھ کر اس نے اچنبھے سے کال پک کی۔

"کیسے ہیں مسٹر حماد؟" دوسری طرف سے حال ایسے پوچھا گیا جیسے آپس میں بڑا یارانہ ہو۔ حماد اس کی آواز پہچان گیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ایسے چھوٹے موٹے حادثے میرے اعصاب کو متاثر نہیں کر سکتے۔" حماد نے نخوت سے کہا۔

"اوہ واقعی۔ چلیں یہ تو اچھی بات ہے۔ ابھی اور بہت سے جھٹکے لگنے ہیں آپ کو۔ اعصاب کو جتنا ہو سکے کنٹرول میں رکھیے گا۔"

"تم اپنی حد سے بڑھتے جا رہے ہو ریان۔" وہ بے بس سا چلایا۔

"آپ کو تو میرا نام بھی معلوم ہے۔" دوسری طرف کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اب اگر ایک قدم بھی تم آگے بڑھے تو جان سے جاؤ گے۔"

"چھوڑیں یار۔ اتنی بودی دھمکیاں نہ ہی دیں۔ میں جانتا ہوں آپ کو۔ آپ وہی ہیں نہ جو کراچی سے ڈر کر بھاگے اور لاہور میں آ کر چھپ بیٹھے۔ بڑی مشکل سے ڈھونڈا ہے آپ کو۔ آپ کا خفیہ اڈا دیکھا اور پھر آپ کا گھر۔ واقعی بہت پیارا گھر ہے آپ کا۔......" وہ مزے سے کہہ رہا تھا جب حماد ٹھٹکا۔

"تم........ تم میرے گھر آئے تھے؟"

"ہاں جب آپ کی گھڑی چوری ہوئی تھی۔ وہ میں نے ہی آپ کے بیڈروم سے چرائی تھی۔ سوری بٹ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں میں آپ کو گھڑی واپس کر جاؤں گا۔" حماد کا دماغ سن ہوتا جارہا تھا۔ وہ اس کے گھر کیسے آگیا اور کیوں آیا تھا۔ دماغ نے خطرے کا سگنل دیا تھا۔

"کیوں آئے تھے تم؟"

"واہ آپ کے پوچھنے پر بتادوں گا میں؟" پہلے حیرت سے پوچھا پھر بولا" چلیں کیا یاد کریں گے بتادیتا ہو۔ میں آپ کا گھر بگ کرنے آیا تھا۔ تاکہ آپ کی جاسوسی کر سکوں۔" حماد کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ وہ اس کہ پتہ نہیں کون کون سی باتیں سن چکا ہو گا۔ اور عامر کے بارے میں وہ کہیں جان تو نہیں گیا۔

"کہاں لگائی ہے وہ ڈیوائس؟"

"مجھے یاد نہیں۔ لیکن اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ اس کی بیٹری صرف سولہ گھنٹے تک ہی چلتی ہے۔ اب وہ میرے کسی کام کی نہیں رہی۔" وہ ایسے بتارہا تھا جیسے کوئی عام سی بات ہو۔ حماد نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا مطلب وہ اس کی عامر کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن چکا ہے اور وہ اب ڈر کے مارے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نہ سنا ہو۔ اور اگر اس نے سنا ہوا تو عامر کا ذکر ضرور کرے گا۔ لیکن اب جو کچھ بھی تھا حماد خطرے میں آچکا تھا اور اس لڑکے کو مارنا لازمی ہو گیا تھا لیکن اتنی آسانی سے وہ اسے کیسے مار سکتا تھا۔ اتنا نقصان کیا اس کا۔ کچھ اذیت تو سہنی ہی تھی اسے۔ حماد کا دماغ تیزی سے چلنے لگا۔ وہ کچھ پلان کر رہا تھا۔

"تم چاہے جتنی بھی کوشش کر لو میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکو گے البتہ میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے جو بہت کچھ ثابت کر سکتا ہے اور تم نہیں چاہو گے کہ وہ سرپرائز تمہارے علاوہ کوئی اور دیکھے۔" اس کے پراسرار لہجے پر ریان ٹھٹکا۔ ایسی کیا بات ہو سکتی تھی جو اس کے خلاف کچھ ثابت کر سکتی تھی۔ ہو سکتا تھا حماد جھوٹ بول رہا ہو۔ لیکن وہ بھی تو کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ یہ نہ ہو بعد میں پچھتانا پڑے۔

"ہاں میں وہ سرپرائز دیکھنا چاہوں گا۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

"تو پھر تمہیں وہاں آنا ہو گا جہاں میں بلاؤں گا۔" حماد نے چالاکی سے کہا۔

"منظور ہے۔" وہ مان گیا اور حماد اس کے اتنی جلدی مان جانے پر خوش ہوا کہ وہ اس سے ڈر گیا ہے۔

"سی یو ٹو مارو۔" حماد نے اسے کہا اور کال کاٹ دی۔ وہ اپنا بدلہ ایک ہی دفعہ لینے کا سوچ رہا تھا۔ اور دوسری طرف قاسم ریان پر برس رہا تھا۔

"تمہیں ضرورت کیا ہے اس کے پاس جانے کی؟ وہ تمہارے چچا کا بیٹا تو ہے نہیں جو تمہاری جدائی میں دبلا ہوئے جا رہا ہے۔" اس کی بات پر ریان ہنسا۔

"جانتا ہوں وہ مجھے وہاں بلا کر مروا دینا چاہتا ہے تاکہ یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے۔"

"پھر بھی تم وہاں اکیلے جا رہے ہو؟" قاسم کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہوا۔

"اب اتنا بھی پاگل نہیں۔ تم اور تمہارے پانچ لوگ میرے ساتھ جائیں گے۔" ریان نے اس کے باقی پانچ خفیہ بندوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہم نے تو سلیمانی ٹوپیاں پہنی ہوں گی نا جو ہم تمہارے ساتھ جائیں گے اور انہیں نظر بھی نہیں آئیں گے۔"

"پاکستانی خفیہ ایجنسی کے لوگ سلیمانی ٹوپی کے بغیر بھی سب کے سامنے ہوتے ہیں لیکن نظر بھی نہیں آتے۔ اور مجھے تمہاری قابلیت پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ ہے۔" ریان نے قاسم کی چاپلوسی کی اور وہ مسکرا دیا۔

"لیکن پہلے مجھے سر سے اجازت لینی پڑے گی۔"

"دیکھ لینا وہ بھی یہی کہیں گے۔" اس نے یقین سے کہا اور پھر ہوا بھی وہی۔ انہوں نے بھی ریان کو یہ مشورہ دیا کہ اسے جانا چاہیے۔ ان کے خیال میں حماد سچ کہہ رہا تھا کہ اس پاس کچھ سرپرائز ہے۔ وہ دہشتگردوں کا سہولت کار ہے اور ایک پاکستانی فوجی کو اتنی آسانی سے کوئی فائدہ اٹھائے بغیر نہیں مارے گا۔ اسے بلیک میل کرکے اپنا کام

نکلوانے کی کوشش کرے گا۔اورچونکہ ریان اکیلا نہیں تھا۔اس کے ساتھ پاکستانی خفیہ ایجینسی تھی تو وہ اسے بلیک میل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور الٹا خود پھنسے گا۔کچھ نہ کچھ تو ضرور نیا ملے گا۔اور سر احسان کا تجربہ درست ثابت ہونے والا تھا۔

---------------------------------

صبح کی نکھری نکھری سی دھوپ شہر میں پھیل چکی تھی۔سڑکوں پر ٹریفک بڑھ گئی تھی اور کاروباری دفاتر کھلنے لگے تھے۔اس کی گاڑی ایک اونچی سی بلڈنگ کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی تھی۔وہ ایک ہاتھ سٹئیرنگ پر جمائے دوسرے ہاتھ سے سمارٹ فون پکڑے سکرین اوپر نیچے کرتی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔بلیک ٹائٹس پر زرد بلاوز ٹاپ پہنے اور براؤن کرلی بال پونی میں باندھے وہ ارد گرد سے بے نیاز سی بیٹھی تھی۔پیروں میں بلیک لیدر کے ہائی ہیل شوز تھے۔گلے میں وہ نیکلس تھا جس پر ریان لکھا تھا لیکن وہ نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ گلے میں بلیک ڈوپٹے کا ہالہ بنایا ہوا تھا۔کندھے پر کلچ کی لمبی ڈوری تھی اور کلچ اس کی گود میں ہی پڑا تھا۔وہ تھوڑی دیر بعد ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر دائیں طرف دیکھتی اور پھر فون کی طرف متوجہ ہو جاتی۔دفعتاً اس کی کھڑکی پر دستک ہوئی تو وہ سمیع کو دیکھ کر مسکرائی۔

"اس طرف آجاؤ۔" اس نے اسے فرنٹ سیٹ پر آنے کا کہا۔وہ سامنے سے گھوم کر فرنٹ سیٹ پر آبیٹھا۔

"پلیز اب کوئی لیکچر مت دینا۔تم نے خود ہی کہا تھا میری مدد کرو گے۔لیکن اگر اب تمہارا ارادہ بدل گیا ہو تو تم جا سکتے ہو۔" وہ سپاٹ انداز میں کہنے لگی۔

"مدد کے لیے ہی تو آیا ہوں۔وہ تو شکر ہے حریم نے مجھے بتا دیا تم پھر کوئی کارنامہ سر انجام دینے جا رہی ہو ورنہ تم تو اکیلی شیر کی کچھار میں گھسنے چلی تھی۔ویسے گھر سے نکلنے کی اجازت کیسے ملی؟"

"حریم کو کالج چھوڑنے کے بعد لیپ ٹاپ ٹھیک کروانے کا بہانہ کیا ہے۔" اس نے بتایا۔ ریان کا فون ابھی تک آف تھا اسے ڈھونڈنے کے لیے یہ کرنا ضروری تھا۔ ویسے تو وہ مرتضیٰ انکل سے بھی پوچھ سکتی تھی کہ انہوں نے کیس فائل کہاں بھجوائی تھی لیکن پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ اسے نہ بتاتے اور دوسرا ریان کو بتا دیتے۔ ریان نے اسے کچھ نہیں بتایا تو وہ بھی اسے بغیر بتائے اسے ڈھونڈے گی۔ وہ سوچ رہی تھی جب سمیع بولا۔

"اچھا اب کیا کرنا ہے؟"

"انٹرویو کے لیے دھکے کھانے ہیں اور کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ سامنے بلڈنگ دیکھ رہے ہو..... یہ بہزاد شاہ کی گلاس کمپنی ہے۔ آج یہاں انٹرویو ہو رہے ہیں۔ اور یہی موقع ہے ہمارے پاس۔ ورنہ بغیر اپوائنٹمنٹ کے ہمیں یہاں کوئی گھسنے بھی نہیں دے گا۔ اس لیے یہ پکڑو اپنی سی وی اور انٹرویو دینے کے لیے ریڈی ہو جاؤ۔" وہ ڈیش بورڈ سے ایک فائل نکال کر اسے پکڑاتے ہوئے بولی۔ اور ایک نکال کر اپنی گود میں رکھی جس میں سادہ کاغذ تھے۔۔ سمیع فائل کھول کر دیکھنے لگا۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"مجھے بہزاد شاہ کے آفس تک رسائی چاہیے۔"

"یہ بہت خطرناک ہے۔ تم پکڑی بھی جا سکتی ہو۔"

"میں پوری تیاری کر کے آئی ہوں۔..... اچھا تم چلو میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ ساڑھے نو بج گئے ہیں۔ میرے خیال سے اب تک کافی امیدوار آ چکے ہوں گے۔ تم اینڈ پر اپنا نام لکھوانا اوکے۔ اور وہاں مجھ سے بات مت کرنا۔ ہمیں یہ ظاہر نہیں کرنا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اوکے۔"

"راجر باس۔" سمیع نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا۔

"اور ہاں انکل مرتضیٰ کو پتہ چلا کہ میں یہاں آئی تھی تو تمہاری خیر نہیں۔"

"ٹھیک ہے نہیں بتاتا۔" وہ چھوٹے بچوں کی طرح بر امان گیا۔ عانیہ مسکرائی اور سر جھٹک کر پھر سے فون پر لگ گئی۔ وہ بار بار ریان کو کال کر رہی تھی۔ لیکن ہر دفعہ مایوسی ہوتی۔ اس کا لیپ ٹاپ بھی آف تھا۔ وہ اسے کسی طرح ٹریس بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن بس اتنا جانتی تھی کہ وہ لاہور میں ہے۔ اور اتنے بڑے لاہور میں وہ اسے کیسے ڈھونڈتی۔

"میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی ریان۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلی۔ سمیع اس عمارت کے اندر جا چکا تھا۔ اس نے سڑک پار کی اور سیڑھیاں چڑھ کر داخلی دروازہ کھولا۔ دائیں سائیڈ پر کاؤنٹر تھا جس پر ایک لڑکی کمپیوٹر چلا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھی اور انٹرویو کی جگہ کے بارے میں پوچھ کر لفٹ کی طرف آئی۔ فورتھ فلور پر انٹرویو ہو رہے تھے۔ اور اس کی اطلاع کے مطابق بہزاد شاہ کا آفس بھی فورتھ فلور پر تھا۔ وہ روز دو تین گھنٹوں کیلیے آفس آتا تھا کیونکہ وہ ایک سیاسی بندہ تھا اور زیادہ تر سیاست کرنے میں مصروف رہتا۔ یہاں کا سارا کام اس کا بیٹا ارحم دیکھتا تھا۔ اس کا آفس بہزاد کے آفس کے بالکل قریب ہی تھا۔ اور وہی انٹرویو کر رہا تھا۔ یہ ساری انفارمیشن اسے یہاں کے ایک ورکر عادل نے دی تھی۔ اس نے یہاں سے لون لیا تھا جو سود سمیت واپس کرنا تھا۔ عانیہ نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تو اس نے بھی اس کی مدد کی۔ اور مزید مدد کا وعدہ بھی کیا۔

لفٹ کے دروازے فورتھ فلور پہ کھلے تو وہ باہر نکلی۔ سامنے ہی مختلف کیبنز میں لوگ کمپیوٹرز کے سامنے بیٹھے نظر آئے۔ وہ ان کیبنز کے درمیان سے گزرتی دائیں جانب مڑی۔ سامنے بڑا سا ہال نظر آیا جس کے دائیں جانب کاؤنٹر تھا۔ سامنے دو دروازے نظر آ رہے تھے۔ ایک دروازے کے سامنے امیدواروں کا رش لگا تھا۔ سمیع بھی اینڈ پر کاؤنٹر سے ٹیک لگائے اسے نظر آ گیا تھا۔ دوسرا دروازہ یقیناً بہزاد شاہ کا تھا۔ اس کے سامنے کچھ فاصلہ چھوڑ کر دو تین کیبنز تھے۔ وہ کاؤنٹر تک آئی اور لڑکی نے اس کا نام پوچھا۔

"دیا۔" سوچے بغیر اس کے منہ سے نکلا۔ لڑکی نے سر ہلا کر اس کا نام بھی کینڈیڈیٹس میں شامل کر لیا اور اسے انتظار کرنے کا کہا۔ وہ آہستہ سے چلتی ہوئی سمیع کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اب اسے کسی طرح لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے بہزاد کے آفس میں جانا تھا۔ لوگوں کی نظروں سے تو وہ بچ سکتی تھی لیکن سی سی ٹی وی کیمرے سے بھی بچنا ضروری تھا۔ جس کا انتظام اس نے پہلے ہی کروا دیا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" سمیع نے اسے جاتے دیکھا تو اس نے مڑ کر اسے گھورا۔ اچانک اس کی نظر سمیع کے پاس سے گزرتی لڑکی پر پڑی۔ وہ تعبیر تھی۔

"یہ کہاں سے ٹپک پڑی؟" وہ جھنجھلا کر بڑبڑاتی جلدی سے رخ پھیر گئی۔ تعبیر اس کے پیچھے سے گزر کر آفس میں چلی گئی۔

"کیا ہوا؟" سمیع نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ لڑکی جو اندر گئی ہے مجھے جانتی ہے۔ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" اس نے چہرے پر کسی بھی قسم کا تاثر لائے بغیر پر سکون لہجے میں بولی تا کہ ارد گرد کے لوگوں کو شک نہ ہو۔

"تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میں سنبھال لوں گا۔"

"نہیں تم مجھ پر اس پین کی انک پھینکو۔" عانیہ نے اسے پین دیتے ہوئے کہا تو سمیع نے اسے تعجب سے دیکھا اور پھر پین پکڑ کر ایک دفعہ فائل پر کچھ لکھنے کی کوشش کی اور پھر پین کو زور سے جھٹکا دیا۔ عانیہ کے کپڑوں پر نیلے دھبے پڑ گئے۔ پاس کھڑی لڑکیوں نے اسے دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر ہاہ کہا۔ سمیع اس سے معذرت کرنے لگا لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے ان لڑکیوں سے باتھ روم کا پوچھا۔ ایک لڑکی نے ان کیبنز کے پیچھے والے دروازے پر اشارہ کیا تو وہ شکریہ ادا کرتی اس طرف چلی آئی۔ وہاں سے بہزاد کا آفس پاس ہی تھا۔ وہ اس کے سامنے سے گزر کر باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر کے فون پہ ایک میسج کیا۔ پھر دیوار پر لگے سوئچ کر ہاتھ مار کر

بلب روشن کیا۔ اور سنک کے قریب آکر کپڑوں پر نیلے نشان مٹانے لگی۔ کچھ ہی دیر ہوئی کہ لائٹ آف ہو گئی۔ صرف وہاں کی نہیں بلکہ پوری بلڈنگ کی۔ اس بلڈنگ کے بیسمنٹ میں لگے جنریٹرز جو اس پوری بلڈنگ کو توانائی مہیا کرتے تھے یکدم بند ہو گئے تھے۔ اور یہ عادل نے کیا تھا۔ وہ اسے شاباشی دیتی جلدی سے باہر نکلی تو ہر طرف افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ گئے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس دروازے کے سامنے آئی اور ادھر ادھر دیکھا۔ دائیں طرف دور کچھ لوگ کھڑے تھے لیکن اس طرف متوجہ نہیں تھے اور سامنے ایک کیبن کی دیوار تھی جس کی لمبائی اس کے سر تک تھی۔ اس نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ معمولی سا لاک تھا۔ اس نے پن اندر گھسائی اور چند ہی سیکنڈز بعد لاک کھل گیا۔ دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے دروازہ بند کیا۔ وہ ایک پر تعیش سا آفس تھا۔ سامنے ایک بڑا میز اور اس کے پیچھے ایک چیئر تھی۔ اس کے مقابل دو کرسیاں پڑی تھیں۔ بائیں طرف صوفہ تھا اور واشروم کا دروازہ تھا اور دائیں طرف ایک لمبی میز کے گرد آٹھ کرسیاں تھی۔ یہاں کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں تھا لیکن دروازے کے باہر ایک کیمرہ تھا۔ اور ہو سکتا تھا کہ اس کے باہر نکلنے سے پہلے بجلی آجائے اس لیے اسے جلد از جلد کام کرنا تھا۔ دائیں دیوار پر ایک شیلف بنی تھی جس پر کچھ ڈیکوریشن پیس پڑے تھے۔

اس نے سمیع کو میسج کیا کہ وہ آفس کے اندر آچکی ہے۔ وہ اس دروازے کے باہر آکر کھڑا ہو جائے اور خود اس شیلف تک آئی۔ سب ڈیکوریشن پیس چمک رہے تھے۔ مطلب ملازم روز انہیں صاف کرتا تھا۔ اسے کسی ایسے پیس کو چننا تھا جسے ملازم اندر سے نہ دیکھ سکے۔ ٹائم پیس۔ اس کے دماغ نے ٹائم پیس چنا۔ تو اس نے جلدی سے اسے اٹھایا۔ سمیع کا میسج آیا تو اس نے فون دیکھا۔ اس نے باہر آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ جلدی سے فون کو ٹیبل پر رکھ کر ٹائم پیس لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ کلچ میں سے پن نکال کر کلاک کے پچھلے نٹ کھولے۔ اندر سے گھڑی کا سسٹم باہر نکالا۔ اور وہ باریک پلاسٹک کا پیج جس پر وقت کے ہندسے لکھے ہوتے ہیں اس میں بارہ کے اوپر کیل کی

مدد سے چھوٹا سا سوراخ کیا۔ کلچ میں سے ایک سکے کی سائز جتنا سپائے کیمرہ نکالا۔اس کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا کیمرے کا لینز تھا اور باقی پلاسٹک کا تھا۔عانیہ نے اس لینز کے ارد گرد پلاسٹک پر گوند لگائی اور اسے الٹا کر کے اس پیچ کے اندر کی جانب ایسے لگایا کہ لینز سوراخ کے بالکل اوپر آ گیا۔ تھوڑی دیر اسے انگوٹھے سے دبائے رکھا تا کہ اچھی طرح چپک جائے۔ پھر گھڑی کا سارا سسٹم اندر فٹ کیا اور اوپر سٹیل کا کور دے کر نٹ دوبارہ لگا دیے۔ ایسا کرنے میں اسے پانچ منٹ لگے تھے۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے ٹائم پیس کو ایسی جگہ رکھا جہاں سے بہزاد شاہ کی ریوالونگ چیئر اور میز کے پار دونوں کرسیاں بھی نظر آتی تھی۔ یعنی کیمرے میں دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کے نیم رخ نظر آنے تھے۔ایک دفعہ اس کا تنقیدی جائزہ لے کر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔کام ہو گیا تھا۔اب یہاں سے بھاگنے کی کرو۔عانیہ نے سوچتے ہوئے چیزیں سمیٹ کر کلچ میں ڈالیں اور فون اٹھا کر سمیع کو میسج کیا کہ کوئی دروازے کے سامنے تو نہیں؟ تھوڑی دیر بعد ہی اس کا جواب آ گیا۔ نہیں۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر باہر آ گئی۔ دائیں طرف سمیع ٹہل رہا تھا۔اسے دیکھ کر تیزی سے اس طرف آیا۔

"کام ہو گیا ہے تو چلیں؟"

"تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"نہیں.....وہ ادھر کیبن میں ایک لڑکی مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے لگتا ہے اسے مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ میں نے پھر یہاں ٹہلتے ہوئے فون کان سے لگا لیا۔"

"اوہو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بے چاری ویسے ہی دیکھ رہی ہو گی تمہیں۔" عانیہ نے آگے چلتے ہوئے کہا۔ سمیع جھینپ کر مسکرا دیا۔

"ہاں شکل بھی تو اللہ نے پیاری دی ہے نا۔" وہ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم خوش ہو رہے ہو کہ وہ لڑکی تمہیں دیکھ رہی تھی؟" عانیہ نے گھورا۔

"نہیں تو۔"اس کی مسکراہٹ سمٹی۔اور سر نفی میں ہلا۔آخر سسرال کا معاملہ تھا۔یہ نہ ہو اس بات پر رشتے سے ہی انکار ہو جائے۔

"حریم پہلے ہی تم پر غصہ ہے۔اب بچ کے رہنا۔"وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سمیع منہ بنا کر رہ گیا۔دونوں چلتے ہوئے انٹرویو والی سائیڈ پر آئے تو سارا ہال خالی ملا۔کاؤنٹر پر موجود لڑکی بھی نہیں تھا۔اور بجلی بھی آگئی۔

"یہ سب کہاں گئے؟"عانیہ نے پوچھا۔

"جو انٹرویو لے رہا تھا وہ چلا گیا تو کینڈیڈیٹس یہاں بیٹھ کر کیا کرتے۔"سمیع نے کہا۔

"چلو پھر جلدی نکلو یہاں سے۔"وہ دونوں چلتے ہوئے اس ہال سے نکلتے ہوئے دائیں طرف مڑے اور لفٹ تک آئے۔سامنے ہی ایک لفٹ کھلی اور تعبیر سامنے آئی۔

"او تیری...."عانیہ جلدی سے سمیع کے پیچھے ہو گئی۔سمیع بھی تعبیر کو پہچان گیا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جو عانیہ کو جانتی ہے۔تعبیر مگن سے انداز میں لفٹ سے باہر نکلی اور سمیع کے دائیں طرف سے گزری تو عانیہ سمیع کے بائیں طرف سے گزری۔

"سنیں!"عانیہ تیزی سے لفٹ میں داخل ہو رہی تھی جب پیچھے سے تعبیر کی آواز آئی لیکن وہ رکی نہیں۔انجان بننے میں ہی فائدہ تھا۔

"جی۔"وہ سمیع سے مخاطب تھی۔سمیع نے بھی جلدی سے جی کہا۔یہ نہ ہو عانیہ پلٹ کر اسے دیکھ لے۔

"آپ انٹرویو کے لیے آئے تھے؟"تعبیر کی بے باک نظریں سمیع کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔اس نے ابھی اسے انٹرویو دینے والے کینڈیڈیٹس میں دیکھا تھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

"جی۔"اس نے مختصراً کہا عانیہ اب لفٹ بند کر کے خود نیچے جا چکی تھی اور اسے پھنسا گئی تھی۔

"دراصل سرا رحم کے گھر سے فون آ گیا تھا تو انہیں جانا پڑا۔ مجھے افسوس ہے آپ کا انٹرویو نہیں ہو سکا لیکن آپ فکر مت کریں۔ کل پھر انٹرویو ہو رہے ہیں۔ آپ ضرور آیئے گا۔ اور اپنی جاب پکی ہی سمجھیں۔" وہ خوشدلی سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ اور سمیع کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا ہاں کہے یا نہ۔

"جی ضرور۔" وہ بدقت مسکرایا۔ اور جلدی سے جانے کے لیے پلٹا۔

"سنیں.... اپنا نمبر تو دے دیں۔" وہ پیچھے سے بولی تو سمیع نے عانیہ کو جی بھر کر کوسا۔

"دراصل وہ میرا فون گم ہو گیا ہے۔ تو سم بھی ساتھ ہی چلی گئی۔ ابھی نیا فون اور سم لینی ہے۔" اس نے دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے بظاہر تحمل سے کہا۔ تعبیر کا چہرہ پھیکا پڑا لیکن وہ کچھ کہے بنا دوسری لفٹ میں داخل ہو گیا اور تعبیر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ نیچے آیا تو عانیہ گاڑی میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مشکوک سا گھورا۔

"کیا کہہ رہی تھی تعبیر؟"

"پیچھے ہی پڑ گئی۔ جاب کی آفر بھی کر دی اور فون نمبر بھی مانگ لیا۔ شکر ہے حریم یہاں نہیں تھی۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اسے تو تعبیر پر کچھ زیادہ ہی غصہ آنا تھا۔ اسی نے حریم کو اغوا کیا تھا۔" عانیہ نے گاڑی سٹارٹ کی۔

"اس لڑکی نے؟...... لیکن وہ تو عدنان نے....." وہ حیران ہوا۔

"اغوا عدنان نے ہی کیا تھا لیکن جن لوگوں کی اس نے مدد لی تھی وہ تعبیر کے بندے تھے جو لڑکیاں اغوا کر کے لاتے تھے۔ انہوں نے عدنان کو دھوکا دے کر حریم کو تعبیر کے پاس لے آئے اور یہیں میری ملاقات اس سے ہوئی تھی۔" اس کے بتانے پر سمیع کو حریم کی بات یاد آئی تھی۔ اس نے بھی تعبیر ٹرسٹ کا ہی نام لیا تھا۔

"اوہ تو پھر مجھے تعبیر کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اگر وہ یہ نہ کرتی تو حریم میرے پاس کبھی نہ پہنچ سکتی۔"

"اس کا شکریہ تو میں خود ادا کروں گی اور ایسا کروں گی کہ یاد رکھے گی۔ پتہ نہیں کتنی لڑکیوں کو ان کے پیرنٹس سے جدا کر دیا ہے اس نے۔ مجھے آج بھی وہ چھوٹی چھوٹی بچیاں یاد آتی ہیں جو میں نے وہاں دیکھی تھیں۔" وہ دل آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

"توبہ استغفار۔ لڑکی ہو کر کیسے کام کرتی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارا کام کیسا رہا؟"

"اے ون۔ آفس میں سپائے کیمرہ لگا دیا ہے۔ اب دیکھو کیا سرپرائز ملتا ہے۔"

"گڈ اور وہ جو کل اس کی فون کالز ہیک کیں تھیں تم نے۔ کچھ اور ملا کیا؟"

"نہیں۔ حماد نے اس کال کے بعد اس سے رابطہ کرنے کی کافی کوشش کی ہے لیکن بہزاد نے کال ہی نہیں اٹھائی۔ اس نمبر پر حماد کے علاوہ مزید چار لوگوں کے نمبر ہیں اور فی الحال ان سے بھی کوئی رابطہ نہیں۔ ان کی پچھلی کالز سن کر مجھے لگتا ہے کہ وہ لوگ بھی حماد کی طرح غیر قانونی کام کرتے ہیں۔ لیکن ہم ان کال ریکاڈز کو ان کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے۔ وہ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ جعلی آڈیو ہے۔ اسی لیے کیمرہ لگایا ہے تاکہ لوگ یقین کر سکیں کہ بہزاد شاہ ملک کا غدار ہے۔" وہ تبصرہ کرتے ہوئے گاڑی چلا رہی تھی۔

"ہم آجکل سوشل میڈیا بہت ایکٹو ہے۔ وہاں کوئی بھی ویڈیو اپ لوڈ کرو تو سیکنڈز میں وائرل ہوتی ہے۔ ویسے مجھے تو ڈر ہی لگ رہا تھا کہ تم سی سی ٹی وی کیمروں سے کیسے بچ پاؤ گی لیکن اسی وقت بجلی چلی گئی۔..... ایک منٹ وہ تم نے خود کروایا تھا؟" وہ چونکا۔

"ہاں۔ عادل کو ایک میسج کیا اور اسی وقت بجلی بند۔ اتنا کم وقت تھا تو اب میں کہاں کنٹرول روم ڈھونڈتی رہوں۔ یہی طریقہ آسان لگا۔ بدلے میں بیس ہزار عادل کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"ویسے تم ہو بہت عقل مند۔" سمیع نے متاثر لہجے میں اس کی تعریف کی۔ جو عانیہ نے سر کے خم سے وصول کی۔

"کاش ریان بھی یہ بات مان لے۔" وہ حسرت سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

---------------------------

آسمان پر چھائے بادل ہٹ چکے تھے۔اور سورج کی سنہری دھوپ ٹیولریز گارڈنtuileries gardenکی سبز زمین کو چمکا رہی تھی۔ سینکڑوں کی تعداد میں سیاہ وہاں موجود تھے۔وہ دونوں بھی ہمقدم چلتے ہوئے musée de louverکی طرف بڑھ رہے تھے لیکن وہ ابھی ان سے کافی دور تھا۔

ریئم بے بی پنک کلر کی ٹائٹس اور ڈارک پنک کلر کی ٹاپ اور سکرٹ میں ملبوس تھی۔بال لمبے اور بھاری تھے سو ہمیشہ کی طرح ان سے جان چھڑاتے ہوئے گول مول جوڑے میں باندھ کر اوپر حجاب لے لیا۔گھر ہوتی تو حریم اس کے بالوں کو خود سنوار کر چٹیا کرتی تھی۔خود تو بازوؤں میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کے بالوں کے نخرے اٹھاتی پھرتی۔کندھے پر کلچ کی لمبی ڈوری تھی جس میں میڈیسن اور انہیلر بھی موجود تھا۔

عمیر گرے جینز اور بلیک ہائی نیک شرٹ میں ملبوس تھا۔

"میں تو ابھی سے چل چل کر تھک گئی ہوں۔"وہ دور میوزیم کو دیکھتی بولی۔

"اٹھا لوں؟"عمیر نے سامنے دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ریئم نے ڈر کر اس کی طرف دیکھا۔

"مذاق مت کریں۔"اس کے دیکھنے پر نظریں پھیرتے ہوئے بولی۔عمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔یہ نہ ہو یہیں گری ہو اور واقعی اٹھا کر لے جانا پڑے۔

"وہ کیا لکھا ہے؟......ایم،یو،ایس......"دائیں طرف ایک میوزیم کے داخلی دروازے پر لکھے الفاظ پڑھنے لگی تھی۔وہ کل سے ہر جگہ پر لکھے انگلش الفاظ کے جوڑ توڑ کرنے میں لگی تھی لیکن یہ فرینچ زبان تھی۔اسے ابھی تو مشکل سے انگلش پر ناؤنسی ایشن آئی تھی اور کہاں فرینچ پڑھ پاتی۔

"Musée de l'orangerie"عمیر نے جلدی سے کہا تو اس نے اسے خفگی سے گھورا۔

"ہاں وہی۔میں بھی یہی کہنے والی تھی۔"

"ریئم میری جان اپنے دماغ پر اتنا زور نہ ڈالو کہ وہ پھر مزید کام کرنے سے ہی انکار کر دے۔ یہ فرنچ لینگوئج ہے اور تم انگلش کی اے بی سی سیکھ لو تو یہی بہت ہے۔" عمیر نے اسے بڑے پیار سے مشورہ دیا۔

"دیکھیے گا ایک دن میں یہ زبان بھی سیکھ لوں گی۔" اس نے عزم سے کہا۔

"سیکھ کر اچار ڈالو گی کیا؟" اس کی بات پر وہ ہنسی۔

"نہیں تو۔ فرنچ ریسپیز کی بکس پڑھوں گی۔"

"اگر تم ڈاکٹر بننا چاہتی ہو تو کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتی۔ میری مانو تو فیصلہ بدل لو۔ بہت مشکل پڑھائی ہے میڈیکل کی۔"

"آپ میری مدد کر دینا۔" ریئم نے اسے لاجواب سا کر دیا۔ کچھ پل وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک سامنے وہی لڑکی آگئی جو کل آئس سیکٹنگ کرتے ہوئے گری تھی۔ وہ ان دونوں کو غور سے دیکھتی انہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عمیر اور ریئم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ لڑکی اب ان کے سامنے پہنچ گئی تھی تو وہ بھی رک گئے۔ اس کی نظریں ان دونوں کے پکڑے ہوئے ہاتھوں پر تھی۔ اور نظریں اٹھا کر جب ریئم کو دیکھا تو آنکھوں میں عجیب سی چبھن تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انگلش میں پوچھا جو ریئم کے سر سے گزر گیا۔

"اسے انگلش نہیں آتی۔" عمیر نے جلدی سے انگش میں وضاحت کی۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ لڑکی کہیں ریئم کو ڈانٹ ہی نہ دے کہ وہ اس پر ہنسی کیوں تھی۔ لیکن معاملہ الٹ تھا۔ وہ ریئم پر اس وجہ سے غصہ نہیں تھی کہ وہ اس پر ہنسی بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ تھی جو اسے پہلی ہی نظر میں پسند آگیا تھا۔ اس کا باپ پیرس کا امیر ترین بزنس مین تھا۔ اور ہر وہ چیز جو اسے پسند آتی وہ پیسوں سے خرید لیتی۔ اب بھی وہ ریئم سے یہی بات کرنے

آئی تھی کہ اس لڑکے کو چھوڑنے کے کتنے پیسے لو گی لیکن اسے انگلش آتی ہی نہیں تھی۔ سو معاملہ اب دوسرے طریقے سے ہینڈل کرنا تھا۔

"اوہ اچھا تو پھر آپ اپنا نام بتا دیں۔" وہ رینم کو نظر انداز کر کے خوشدلی سے بولی تو عمیر کو اچنبھا ہوا۔

"عمیر"

"عمیر..... واؤ بہت پیارا نام ہے بالکل آپ کی طرح۔ ہیلو عمیر میرا نام چارلٹ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ عمیر کی طرف بڑھایا۔ رینم کو یہ بات ناگوار گزری۔ اور وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ عمیر نے کنکھیوں سے اس کے جیلس چہرے کو دیکھا اور مسکراہٹ دباتے ہوئے چارلٹ کا ہاتھ تھام لیا۔ رینم کو اس بار واقعی صدمے کا جھٹکا لگا تھا۔ کچھ کہنے کیلیے منہ کھولا لیکن پھر چپ کر کے نظریں پھیر گئی۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" ہاتھ چھوڑ کر اب وہ پوچھنے لگی تھی۔

"پاکستان سے۔"

"اور میں پیرس کی ایک خوبصورت شہزادی ہوں۔ اپنے ڈیڈ کے ساتھ یہاں رہتی ہوں۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میری پسند کی ہر چیز مجھے دلاتے ہیں۔" وہ پتہ نہیں یہ سب کیوں بول رہی تھی عمیر کو سمجھ نہیں آئی۔

"یہ کیا بڑبڑ کر رہی ہے؟" رینم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ چارلٹ نے ناک سکوڑ کر نخوت سے اسے دیکھا۔

"تمہاری برائیاں کر رہی ہے۔" عمیر نے رینم سے اردو میں کہا۔

"اور آپ آرام سے سن رہے ہیں؟"

"نہیں شاباشی بھی دے رہا ہوں۔" وہ لب بھینچے اس کی تپی صورت دیکھ رہا تھا۔ رینم جان گئی کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ وہ مسکرا دی لیکن دل کو یہ بات بری لگی تھی کہ وہ اسے چڑانے کیلیے کسی لڑکی سے باتیں کر رہا ہے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟" چارلٹ سے اس کی مسکراہٹ ہضم نہیں ہوئی تھی۔

"یہ آپ سے معذرت کرنا چاہتی ہے۔ کل جو ہوا اس کے لیے۔" اسے کچھ اور جواب نہ آیا۔

"میں اتنی آسانی سے معاف نہیں کرتی..... خیر آپ یہ بتائیں میرا شہر کیسا لگا؟"

"اچھا۔" وہ تذبذب کا شکار تھا۔ اس نے یہ کیوں کہا کہ وہ آسانی سے معاف نہیں کرتی۔

"تو چلیں نا میں خود آپ کو سیر کرواتی ہوں یہاں کی۔" اس نے آفر کی۔

"نہیں شکریہ۔ میری وائف کو اچھا نہیں لگے گا۔ دراصل ہم ہنی مون پر آئے ہیں تو آپ کے سامنے ہم کوئی رومینٹک بات بھی نہیں کر سکیں گے۔ یو نو۔" عمیر نے ایک ہی دفعہ اسے بہت کچھ باور کروایا اور چارلٹ کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزرے۔ بمشکل خود کو کمپوز کر کے وہ مسکرائی۔

"اوکے۔ آپ انجوائے کریں۔ سی یو اگین۔" ایک سلگتی نظر ریم پر ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔

" چلیں۔" ریم چارلٹ کو جاتے دیکھ رہی تھی جب عمیر نے پکارا۔ اس نے مڑ کر ایک شاکی نگاہ اس پر ڈالی اور چپ چاپ آگے چل پڑی۔ اسے کچھ عجیب لگا تھا۔ چارلٹ اسے تو غصے سے دیکھتی تھی جبکہ عمیر کو بڑی فرصت سے۔ بات کی سمجھ بے شک نہ آئی ہو لیکن چہرہ پڑھنا تو وہ جانتی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنی جلدی ناراض ہو جاؤ گی۔" عمیر نے اس ک ہمقدم ہوتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"آپ نے ہنی مون کا نام لیا تھا؟" وہ پوچھ رہی تھی اور عمیر مسکرا دیا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ میں تم دونوں کو سیر کروادوں تو میں نے کہا ہم ہنی مون پر آئے ہیں۔ اگر تم بھی ہمارے ساتھ آگئی تو میں اپنی بیوی سے رومینٹک باتیں کیسے کروں گا۔" اس نے کہہ کر ریم کی طرف دیکھا۔ وہ سرخ پڑتے چہرے کو جھکا گئی۔ دل پر سے ایک بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اردگرد کے مناظر خوبصورت ہو چکے تھے اس کی دھڑکن کو عمیر اس سے ایک قدم کے فاصلے پر بھی سن رہا تھا۔

-------------------------------

وہ ایک صاف ستھرا پر رونق سا سیکٹر تھا۔ اندرونی گلیاں تنگ تھی۔ ایسی ہی ایک تنگ گلی میں ایک سادہ سا گھر تھا۔ سامنے صحن اور پیچھے رہائیشی عمارت تھی جس کی دو منزلیں تھیں۔ دائیں طرف ایک گھر تھا جس کا نقشہ بھی تقریباً اس گھر سے ملتا جلتا ہی تھا۔ بائیں طرف ایک بڑا بنگلہ تھا۔ اور اس گھر کے مقابل کوئی پلاٹ تھا جس کی صرف چار دیواری ہی تھی۔

اس گھر کا ایڈریس کل ہی حماد نے ریان کو ٹیکسٹ کر دیا تھا۔ وہ خود اس وقت اس گھر کے ساتھ والے بنگلے میں موجود تھا اور اپنے سامنے کھڑے لوگوں کو ہدایات جاری کر رہا تھا۔ دس بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے اور ریان یہاں پہنچنے ہی والا تھا۔ اس دفعہ وہ چاہے پوری فوج کو بھی ساتھ لے آتا لیکن اس کے پاس بھی ایک ایسا ہتھیار تھا جس کے ذریعے وہ اسے شکست دے سکتا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ جتنی جلدی ہو سکے اسے مار کر جان چھڑا لے لیکن پھر اپنا نقصان یاد آیا تو اسے اذیت سے مارنے کا سوچا۔ وہ اپنی یہ کارکردگی بہزاد شاہ کو بھی بتانا چاہتا تھا لیکن وہ اب اس کا فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے سوچا منصوبہ کامیاب ہو جائے تو پھر بتائے گا۔

دوسری طرف قاسم اور اس کے ساتھی اس گھر کے دائیں جانب بنے گھر میں پہلے سے آ چکے تھے۔ تا کہ بروقت ریان کی مدد کی جا سکے۔ اس گھر کی اوپر والی منزل کے کمروں میں وہ اپنی اپنی پوزیشنز لے چکے تھا جہاں سے ساتھ والے گھر کا صحن صاف نظر آتا تھا اور بوقت ضرورت وہ اس چھت سے ساتھ والی چھت پر بھی کود سکتے تھے۔ یہ کام انہوں نے اتنی صفائی سے کیا تھا کہ اس گھر کے دوسری طرف بنگلے میں موجود حماد کو ذرا سی بھی بھنک نہیں پڑی تھی۔ البتہ انہیں بھی یہ نہیں پتہ تھا کہ حماد اس گھر کی بجائے اس بنگلے میں ہے۔

ریان نے گاڑی ایک کھلی گلی کے دہانے پر روکی اور اس تنگ سی گلی میں چلتا ہوا اس گھر کے سامنے آ رکا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گا۔ لیکن اللہ کے بھروسے پر یہاں آ گیا تھا۔ اور ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی اور اوپر سے قاسم کو تین اسلحہ بردار آدمی اندر

سے نکلتے نظر آئے۔دروازہ کھول کر ریان کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو وہ لب بھینچے اندر آ گیا۔اندر سے کافی شور سنائی دے رہا تھا۔ریان کو اچنبھا ہوا۔ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لی لیکن اس کے پاس سے کوئی اسلحہ بر آمد نہ ہوا۔

"اندر چلو۔"ایک نے کرخت آواز میں کہا۔

"نہیں اپنے باس کو یہیں بلاؤ۔"اگر وہ ان کے ساتھ اندر چلا جاتا تو قاسم کے لیے اس پر نظر رکھنا مشکل ہو جاتا۔

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔میں کیا کہہ رہا ہوں؟"دوسرے نے اس پر بندوق تانتے ہوئے کہا۔ریان نے سوچا یہ لوگ حماد کے پوچھے بغیر اسے ہاتھ تو لگا نہیں سکتے تو کیوں نہ وہی دو چار ہاتھ لگا دے۔اس نے بندوق کی نالی کو آگے سے پکڑ کر موڑا اور ایک مکا اس آدمی کے جبڑے پر مارا۔نیتجتاً وہ تیورا کر نیچے گرا اور بندوق اس کے ہاتھ سے گر گئی۔اسی وقت اندر سے ایک آدمی دوڑتا ہوا باہر آیا۔اس کے ہاتھ میں موبائل تھا جس کی سکرین پر ویڈیو کال آن تھی اور دوسری طرف حماد تھا۔

"سر وہ کہہ رہا ہے میں اندر نہیں جاؤں گا۔"وہ آدمی اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"فون اسے دو۔"حماد نے کہا۔اس آدمی نے فون ریان کے سامنے کیا تو حماد کو دیکھ کر ریان اس کی بزدلی پر استہزائیہ ہنسا۔

"مجھے تم سے اس قدر بزدلی کی امید نہیں تھی حماد۔مجھے بلا کر خود ابھی تک چھپے بیٹھے ہو۔"

"چھپا کہاں ہوں؟.....تمہارے سامنے تو ہوں۔بات یہاں سے بھی کی جا سکتی ہے۔"

"اوکے تو پھر جلدی بولو۔"

"اندر نہیں آؤ گے؟......کیا تم بھی ڈر گئے؟"حماد محظوظ سا مسکرا رہا تھا۔

"تمہیں اگر کچھ نہیں کہنا تو میں جاؤں۔"

"جانے کی بات تو اب تم کرو ہی نہ۔ اور اگر تم باہر اس لیے کھڑے ہو کہ چیخ کر لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہی ہو گی۔ کوئی یہاں نہیں آئے گا۔ اس لیے چلو میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ وہیں کھڑے رہو۔ سرپرائز تمہارے پاس خود آ جائے گا۔ خرم بچوں کو باہر لے آؤ۔" اس نے آخر پر ریان کے ساتھ کھڑے آدمی کو کہا۔ تو وہ جلدی سے اندر چلا گیا۔ باقی دو اس پر بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ اس کا مکا کھانے والا آدمی بھی سامنے کھڑا اسے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن ریان کا ان کی طرف کوئی دھیان نہیں تھا۔ وہ سامنے والے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے چھوٹے چھوٹے بچے باہر نکل رہے تھے۔ ان کی عمریں دس سے تین سال تک تھی اور تعداد بیس کے قریب تھی۔ سب ہی لڑکے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف کے واضح آثار تھے پانچ آدمی انہیں دھکے دے دے کر باہر نکال رہے تھے اور ایک جگہ اکٹھے کر رہے تھے۔ ریان ششدر سا ان بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ریان نے حیرت سے فون کی سکرین کو دیکھا جس کے پار حماد اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"یہ سرپرائز ہے۔ تم انہیں بچے بھی سمجھ سکتے ہو۔ دیکھو کتنے پیارے بچے ہیں یہ۔ تم نہیں چاہو گے کہ تمہاری وجہ سے ان کی زندگیاں ختم ہو جائیں۔ اس لیے چپ چاپ میری بات مان لو۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" ریان حواس باختہ ہو گیا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کوئی اس طرح کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔

"میں کر سکتا ہوں۔ خرم ایک بچے کو آگے لے کر آؤ۔" حماد نے سفاکی سے کہا۔ خرم نے ایک بچے کو گدی سے پکڑ کر ریان کے قریب لا کھڑا کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور سارا جسم کانپ رہا تھا۔

"تو اب کیا فیصلہ ہے تمہارا؟" حماد نے اس پوچھا

"کیا چاہتے ہو تم؟" وہ ایسے بولا جیسے اس کی بات مان گیا ہو لیکن وہ بھی ریان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرے گھر کی چھت پر قاسم اس کے ایک اشارے کا منتظر ہے۔ اور انہوں نے یہاں موجود ایک ایک آدمی کو ٹارگٹ پر لے رکھا ہو گا۔ لیکن ابھی وہ کام خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر غلطی سے بھی کسی بچے کو گولی لگ جاتی تو قصور اسی کا ہونا تھا۔ اسے بہتر منصوبہ بندی کرنی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے ملک سے غداری کرو۔ بالکل میری طرح۔ تم پاکستانی فوج میں ہو اور یقیناً بہت کچھ جانتے ہو گے۔ کیا تم وہ سب مجھ سے شئیر نہیں کرو گے؟" حماد نے معصومیت سے پوچھا۔

"پہلے ان بچوں کو میرے حوالے کر دو پھر جو چاہے پوچھ لینا۔"

"مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے کیا؟"

"تو تم نہیں مانو گے؟" ریان کا لہجہ سخت ہوا اور حماد کو حیرت ہوئی۔ فی الحال تو اس کا پلڑا بھاری تھا اور ریان کا یہ سوال کرنا بنتا نہیں تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ریان نے بازو بلند کیا اور پھر اس کا ہاتھ نیچے آتے ہی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ وہاں کل آٹھ آدمی تھے۔ پانچ آدمی ایک جگہ اکٹھے ہوئے بچوں پر بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ دو ریان کے ارد گرد کھڑے تھے اور خرم اس بچے کے سر پر بندوق تانے کھڑا تھا جو ریان کے بالکل سامنے تھا۔

قاسم اور اس کے ساتھی ملا کر کل چھ لوگ تھے۔ پانچ لوگوں نے ان پانچوں کو ایک سیکنڈ میں نیچے گرنے پر مجبور کر دیا جو بچوں کے گروپ کو یرغمال بنائے ہوئے تھے۔ اور قاسم نے خرم پر گولی چلائی تھی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ سب بچے آزاد ہو چکے تھے لیکن ریان کے دائیں بائیں کھڑے آدمی ابھی باقی تھے۔ ریان نے بائیں والے کی بندوق کو آگے سے پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور ساتھ ہی ایک گولی اس میں سے نکل کر دیوار پر جا لگی۔ قاسم نے اس شخص کو گولی مار دی اور وہ بھی نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ لیکن ابھی ایک تھا جو بھاگ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ اب اوپر سے کوئی بھی اس کا نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔ قاسم نے اسے چھپتے دیکھا تو بھاگتا

ہوا اس گھر کی چھت پر کودا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے اس آدمی نے ریان کے سامنے کھڑے بچے کو نشانہ بنایا اور ریان اس کے سامنے آ گیا۔ وہ جھک کر اس بچے کو اپنے بازوؤں میں لے چکا تھا اور گولی پیچھے سے اس کے بازو میں کہنی سے ذرا اوپر لگی تھی۔ زخم سے خون نکلنے لگا لیکن اسے اپنی فکر نہیں تھی۔ دوسرے بچے ابھی تک اس آدمی کے نشانے پر تھے۔ وہ ڈر کے مارے بری طرح چیخ رہے تھے۔ ایک فائر کی آواز آئی تو ریان نے جھٹکے سے مڑ کر بچوں کی طرف دیکھا۔ اور سب کو صحیح سلامت دیکھ کر اس نے شکر کا سانس لیا۔ پھر پیچھے مڑ کو دیکھا تو وہ آخری آدمی بھی گر چکا تھا۔ قاسم اور اس کے ساتھی اوپر سے کودتے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ وہ اپنے زخم پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پاس ہی فون پڑا تھا جس میں ابھی تھوڑی دیر پہلے حماد کال پر تھا لیکن اب کال بند ہو چکی تھی۔ اس کے پاس کھڑا بچہ متوحش سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب لوگ نیچے اتر آئے تھے۔ دو اندر تلاشی لینے چلے گئے اور باقی بچوں کی طرف بڑھے۔

"سب ٹھیک ہے۔ رونا نہیں بچو۔" اس نے تکلیف کے باوجود چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ قاسم نے پیچھے سے اس کا کندھا تھپتھپایا تو اس نے تشکر سے قاسم کی طرف دیکھا۔

"چلو یہاں سے۔ خون بہت بہہ رہا ہے تمہارا۔" قاسم اسے لیے گھر سے باہر نکل آیا۔

"تو یہ تھا حماد کا سرپرائز۔" قاسم نے کہا۔

"اتنا وحشی انسان میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ بچوں کی جان لینے سے بھی نہیں ڈرتا وہ۔ میرا تو دماغ گھوم کے رہ گیا ہے۔"

"اور حماد خود تو یہاں تھا ہی نہیں۔ تم فون پر اسی سے بات کر رہے تھے نا۔" قاسم نے پوچھا۔

"ہمم۔" وہ ہنکار بھر کے رہ گیا۔ درد پہلے سے زیادہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ دونوں گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اور ہاسپٹل پہنچنے تک اس کا اتنا خون بہہ چکا تھا کہ اسے چکر آنے لگے تھے۔

---

دن کے بارہ بج گئے تھے اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ نظریں سامنے پڑے لیپ ٹاپ پر جمیں تھیں۔ سکرین پر بہزاد شاہ کا آفس نظر آرہا تھا۔ ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد بالآخر وہ آفس میں آچکا تھا۔ ریوالونگ چئیر پر بیٹھے میز پر رکھی فائلز دستخط کر رہا تھا۔ اس کے سامنے کوئی آدمی بیٹھا تھا جو ساتھ ساتھ اسے بریف کرتا جا رہا تھا پانچ منٹ بعد وہ چلا گیا تو اس نے فون اٹھا کر کسی کو کال ملائی۔ پھر اس سے باتیں کرنے لگا۔ کوئی اسے سفارش کرنے کا کہہ رہا تھا اور وہ ہنس کر ہامی بھر رہا تھا۔ ابھی فون بند نہیں کیا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور پھر تعبیر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی نظر آئی۔ بہزاد شاہ نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا۔

"کیسی ہو بیٹا؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ تو ملتے ہی نہیں۔ زیادہ بزی تو نہیں؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

"سوری بیٹا میں واقعی آجکل بہت بزی ہوں۔"

"وہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی؟...... کیا مجھے دوبارہ حماد کے پاس جانا پڑے گا؟" اس نے اکتا کر پوچھا اور عانیہ یکدم سیدھی ہو بیٹھی۔

"ہاں ایک دفعہ تو جانا ہے پڑے گا۔"

"لیکن کیوں؟"

"اسے ٹھکانے لگانا ہے۔ وہ اب میرے لیے بے کار ہو چکا ہے۔" بہزاد شاہ نے سفاکی سے کہا اور تعبیر کو دھچکا لگا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس کی موت کے بارے میں سننا دکھ کا باعث تھا۔ آخر وہ اس کا کزن تھا جس کے ساتھ وہ کافی عرصہ رہی تھی۔

"لیکن کوئی اور راستہ نہیں؟" ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں اگر وہ زندہ رہا تو میرے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں نے اسے لاسٹ وارننگ دی تھی جو اس نے گنوا دی اور میرا اتنا نقصان کر دیا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" وہ سنبھل کر بولی اور عانیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میں چاہتا ہوں تم اس کی ساری جائیداد اپنے نام لکھوا کر اسے صفائی سے قتل کر دو۔ سب کو یہی لگنا چاہیے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔" وہ سپاٹ انداز میں بولے تو تعبیر نے گہرا سانس لے کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" تعبیر مدھم لہجے میں بولی۔

"گڈ مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ پرسکون ہو کر چیئر سے ٹیک لگا گئے۔ البتہ تعبیر مضطربانہ سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم خوش نہیں لگتی؟"

"نہیں تو۔ مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ آپ کے کہنے پر ہی میں اس کے پاس گئی تھی اور اب جو بھی آپ کہیں گیں میں وہی کروں گیں۔ کیونکہ مجھے یاد ہے جب میں مشکل میں تھی تب میری مدد آپ نے کی تھی۔ بابا مجھے جوئے میں بیچنے والے تھے جب آپ نے مجھے بچالیا تھا۔" وہ کچھ یاد کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"پرانی باتیں بھول جاؤ۔ اظہر جیسا بھی تھا تمہارا باپ تھا اور میرا چھوٹا بھائی تھا۔ مجھے آج بھی اس سے محبت ہے۔ تمہیں بھی اسے معاف کر دینا چاہیے۔ مرے ہوئے لوگوں سے کیا دشمنی نبھانا۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ....... خیر میں چلتی ہوں۔ مجھے بتا دیں کہ لاہور کے لیے پھر کب نکلوں؟"

"ایک دو دن ٹھہر جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ سر ہلا کر باہر چلی گئی۔ پیچھے سے بہزاد شاہ کے چہرے پر شیطانی ہنسی نمودار ہوئی تھی۔

"بے وقوف...... جانتی ہی نہیں کہ میں نے تمہیں اس وقت بکنے سے بچا کر بعد میں کتنی ہی دفعہ بیچا ہے۔" وہ مدھم آواز میں بڑبڑائے لیکن آواز صاف سنائی دی تھی۔ وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تو عانیہ نے کیمرہ آف کر دیا۔

"یہ کیا کہانی ہے؟" وہ حیرت سے بولی تھی۔ تعبیر تو حماد کی منگیتر تھی اور جلد ہی اس سے شادی کرنے والی تھی۔ ہر کام میں اس کا ساتھ دیتی تھی۔ تو کیا وہ اس سے محبت نہیں تھی بلکہ غرض تھی۔ اب تو وہ اس سے سخت اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔ بہزاد شاہ اس کا سگا تایا تھا اور اس نے حماد کو کنٹرول میں رکھنے کیلیے اسے استعمال کیا تھا۔ جسٹ امیزنگ۔ تو حماد کی موت بھی قریب آنے والی ہے۔ اسے سکون سا ملا تھا۔ اس کے پیرنٹس کا قاتل جلد ہی مرنے والا تھا۔ کاش وہ اسے خود اپنے ہاتھوں سے مار سکتی اور بار بار مار سکتی۔ وہ سلگتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

---

آج کالج میں اس کا پہلا دن تھا۔ لڑکیاں ہر کتاب کا پہلا ایک ایک چیپٹر پڑھ چکی تھیں اور اسے اب اگلے نصاب کے ساتھ ساتھ پیچھے سے بھی کور کرنا تھا۔ کالج اور ٹیچرز دونوں اچھے تھے۔ وہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی آمنہ اس کی دوست بن چکی تھی اور اس کی مدد کر رہی تھی۔ بریک کے بعد پہلا پیریڈ چل رہا تھا اور ٹیچر میتھ کے سوال وائٹ بورڈ پر سمجھا رہی تھیں جب ایک لڑکی ٹیچر سے اجازت لے کر اندر آئی۔

"آپ میں سے حریم کمال کون ہے؟" اس نے ساری کلاس پر ایک نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا تو حریم جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں ہوں۔"

"آپ کے بھائی حسیب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس نے اطلاع دی تو حریم کا دل بیٹھنے لگا۔ یہاں تو عانی آپی بھی نہیں تھیں۔ اگر بھائی نے اسے زبردستی ساتھ لے جانا چاہا تو وہ کیا کرے گی۔ وہ پریشان سی سوچتی ایڈمن آفس تک آئی۔ لڑکی اسے اندر جانے کا اشارہ کر کے چلی گئی تو وہ ڈرتے ہوئے اندر آئی۔ وہ اندر ایک صوفے پر اکیلا بیٹھا

تھا۔اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور مسکرایا۔ حریم کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ حسیب نے بازو پھیلا کر اسے اپنے پاس بلایا تو وہ بھاگتی ہوئی بھائی کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ حسیب اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے چپ کرا رہا تھا۔

"بھائی میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔" وہ الگ ہو کر بولی۔

"تو پھر گھر کیوں نہیں آئی؟...... تم جانتی بھی ہو کہ تمہارے بغیر ہمارا پل پل اذیت میں گزرا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور وہ سر جھکا گئی۔

"سوری بھائی لیکن میں مرنا نہیں چاہتی تھی"

"پاگل کیسی باتیں کر رہی ہو؟...... میرے ہوتے ہوئے کس کی جرات کہ تمہیں مار سکے۔"

"آپ نے خود تو کل مجھے مارا تھا۔" وہ شاکی لہجے میں بولی۔

"وہ وقتی غصہ تھا۔اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں تم سے نفرت کرنے لگا ہوں اور نہ ہی مجھے تم پر کوئی شک تھا۔میں نے بابا کو بھی یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ حریم ایسا نہیں کر سکتی۔اسے ضرورت ہی کیا تھی بھاگنے کی۔" وہ اپنی صفائی دے رہا تھا اور حریم کا دل کیا عدنان جس بتا دے لیکن پہلے بابا کا پوچھنا تھا۔

"اور وہ سمجھ گئے؟" اس کی بات پر کچھ لمحوں کے لیے وہ چپ رہ گیا۔

"ہاں وہ بھی تم پر اعتبار کرتے ہیں۔ تھوڑا غصہ ہیں لیکن جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ تمہیں اب میرے ساتھ گھر چلنا چاہیے۔ہمارے خاندان میں کسی کو یہ خبر نہیں ہوئی کہ تم غائب ہو۔ہماری عزت اب تمہارے ہاتھ میں حریم۔پلیز میرے ساتھ واپس چلو۔یہ نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔عزت ایک دفعہ چلی جائے تو پھر کبھی نہیں ملتی۔"

"میں آپی کو بتائے بغیر نہیں جا سکتی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ حسیب کو کل والا مکا یاد آیا۔

"تم مجھ سے زیادہ اس اجنبی لڑکی سے پیار کرتی ہو؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ میں ان کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔ وہ میرے لیے مدد کا فرشتہ بن کر آئی تھیں۔ اور پھر مجھے ان سے بہن، ماں، بھائی، اور باپ سب کا پیار ملا جس کیلیے میں ترستی تھی۔ آپ نہیں جانتے جب میں اپنے جسم پر ہنٹر کھا رہی تھی تو کتنی تکلیف ہو رہی تھی اور پھر وہ مجھے بچانے کے لیے ان لوگوں سے لڑیں۔ ان موٹے موٹے دو آدمیوں کو آپی نے چکرا کر رکھ دیا۔" وہ روتے روتے ہنس دی۔ حسیب اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب دیکھ کر حسیب کا دل پسیجا تھا۔ اب وہ اسے کیسے بتاتا گھر میں بھی اس کے لیے ایسی ہی تکلیفیں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ لیکن اسے اپنے خاندان کی عزت اور بہن میں سے کسی ایک کو چننا تھا اور اس نے عزت کو چن لیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم جلد سے جلد اسے مناؤ۔ یہ نمبر رکھ لو میرا۔ میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔" وہ اس کے سر تھپک کر بولا اور چلا گیا۔ حریم اس سے عدنان کے بارے میں بتانا چاہتی تھی لیکن نہیں بتا سکی۔ آنسو صاف کرتے ہوئے اپنی کلاس میں چلی گئی۔

-----------------------------------

ڈاکٹرز نے آپریٹ کر کے گولی نکال دی تھی۔ خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ قاسم نے فون پر سر احسان کو ساری رپورٹ پیش کر دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ بیس میں ریان کے زخمی ہوئے کی خبر دینی چاہیے۔ قاسم نے پھر اس کے سکوارڈن لیڈر حفیظ احمد کو فون کیا اور اسے ساری بات بتا دی۔ وہ ریان کیلیے پریشان ہوئے اور اسی وقت لاہور کے لیے فلائیٹ بک کروائی۔ وہ ریان کو اپنا ماتحت سمجھنے کی بجائے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے تھے۔ ایک خاص انس تھا اس کے ساتھ جو کسی اور سے نہیں تھا۔

قاسم نے حماد کا پتہ کروایا تھا لیکن وہ گھر نہیں ملا تھا۔ ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ اب اسے زیادہ ڈھیل نہیں دینی چاہیے۔ بلکہ اس جیسے آدمی کو زندہ ہی نہیں رہنا چاہیے جو بچوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وہ بچے اس نے اغوا کیے ہوئے تھے۔ جنہیں غیر قانونی طریقے سے افغانستان کے راستے سے انڈیا لے جا کر فروخت

کیا جاتا تھا۔ یہ بات تو قاسم نے آڈیو ریکارڈنگ میں سن لی تھی اور اب شکر کر رہا تھا کہ وہ بچے انڈیا فروخت ہونے سے بچ گئے۔ ان بچوں کو ایک ٹرسٹ کے حوالے کیا جو بچوں کے ماں باپ ڈھونڈتی تھی۔ یہ خبر میڈیا پر نہیں آئی تھی۔ اور قاسم نے حماد کے مزید ایسے خفیہ اڈوں کی تلاش تیز تر کر دی۔

"ریان ہوش میں آیا تو اس نے اسے ساری بات بتائی۔

"سر مجھ سے ملنے آرہے ہیں؟" وہ سر کے آنے کا سن کر بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ اس کی حالت ایسی ہی تھی جیسے کوئی بچہ اپنے کسی بڑے سے چھپ کر کچھ کرتا ہے اور پھر اس بڑے کو سب پتہ چل جائے تو ڈانٹ کا ڈر لگ جاتا ہے۔

"ارے یار تم ڈر کیوں رہے ہو؟..... وہ واقعی تمہارے لیے پریشان تھے۔"

"تو تم نے انہیں بتایا کیوں تھا؟"

"سر احسان نے کہا تھا۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا اور ریان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

رات کو سر حفیظ ہاسپٹل پہنچ گئے۔ حسب توقع اس ڈانٹ پلائی کہ وہ فوج میں ہے اور ان کے سامنے اپنے ہر کام کا جوابدہ ہے۔ ٹھیک ہے اس نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ ملک دشمنوں کا بھانڈہ پھوڑا۔ غیر قانونی اسلحہ پکڑا۔ انہیں نقصان پہنچایا اور پھر بچے بازیاب کروائے لیکن وہ یہ سب انہیں بتا کر بھی تو کر سکتا تھا۔ بے شک وہ اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا لیکن ملک کے دشمنوں سے لڑنا ہر پاکستانی کا فرض ہے اور وہ اسے کبھی منع نہ کرتے۔ لیکن اب وہ زخمی ہو گیا تھا۔

"کام تو تم نے اچھا کیا ہے لیکن اصولوں کے خلاف کیا ہے اس لیے سزا تو بنتی ہے۔ تم مجھے پندرہ تاریخ کو بیس نظر آؤ اور دو مہینے تک چھٹی کا سوچنا بھی مت۔" سر حفیظ نے سخت لہجے میں کہا۔ اور وہ سخت پریشان ہو گیا۔ پہلے تو ویک اینڈ پر دیا سے ملنے کی امید تھی اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔

"جی سر۔" اس نے سر جھکا کر سعادت مندی سے کہا۔ سر حفیظ کے غصے سے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے اور پھر اس کے زخم کا پوچھنے لگے۔

"کل تک ڈاکٹر ڈسچارج کر دیں گے۔" قاسم نے بتایا تو وہ اس سے باتیں کرنے لگے۔ قاسم سے بات کرتے ہوئے ہنس رہے تھے کیونکہ وہ اس کے دوست تھے۔ لیکن ریان سے جب بات کرتے تو ضرورت پڑنے پر صرف مسکراتے۔ لیکن ان کے چہرے پر نرمی ہوتی تھی۔ انہیں دیکھ کر ریان کو اپنے باپ کی یاد آتی تھی۔

---

کالج سے آنے کے بعد وہ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ ایک اداسی سی اندر باہر پھیل رہی تھی۔ گھر جانا ضروری تھا لیکن اس کا دل پتہ نہیں کیوں خوش نہیں تھا۔ عانی آپی اور سمیع سے جدائی کا دکھ الگ تھا۔ اور پتہ نہیں اس کی پڑھائی کا کیا بننا تھا۔ لیکن ماں باپ کی عزت کے لیے اسے یہ سب چھوڑنا تھا۔ آنکھیں نمی سے بھیگ گئیں۔

عانیہ نے دروازہ کھولا تو وہ ابھی تک رونے میں مصروف تھی۔ عانیہ نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کے قریب آ کر نرمی سے بولی۔ حریم نے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔

"آج بھائی کالج آئے تھے۔"

"کیا؟..... اس کی یہ ہمت؟ تمہیں ڈانٹا تو نہیں؟" عانیہ کو حسیب کی چالاکی پر طیش آیا۔

"نہیں۔" حریم مسکرائی۔

"اچھا!"

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتے۔ انہیں مجھ پر یقین ہے۔ اور آپ کو پتہ ہے بھائی نے بابا کو سامنے بھی میری حمایت کی تھی۔ اور تو اور خاندان میں ابھی تک کسی کو پتہ بھی نہیں لگنے دیا کہ میں غائب تھی۔"

"ہمم...... تو اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"مجھے نہیں پتہ۔میں بس آپ کو نہیں چھوڑنا چاہتی۔"

"تو کس نے کہا ہے مجھے چھوڑو۔ہم جہاں بھی رہیں رابطے میں رہیں گے نا اور دیکھو تمہارا گھر جانا اب بہت ضروری ہو گیا۔کسی کو نہیں پتہ تھا کہ تم اتنے دن گھر سے غائب تھی۔اس کا مطلب تمہارے بابا تمہیں نہیں ماریں گے۔کیونکہ ابھی بات نہیں بگڑی۔اور وہ سب کے سامنے تمہیں سزا دینے کا کیا جواز پیش کریں؟"

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔"وہ یکدم خوش ہوئی لیکن پھر بجھ سی گئی۔

"مجھے تو کچھ نہیں کہیں گے لیکن اگر سمیع کو کچھ کہا تو؟"

"تمہارے بھائی نے سمیع کے بارے میں کچھ پوچھا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ہو سکتا ہے اسے یہ نہ پتہ ہو کہ تم اور سمیع ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

"عدنان نے یہ بات بتائی تو ضرور ہو گی۔"وہ خدشہ ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"ارے یار تم بس اچھا سوچو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔اور پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔"

"آپ کی وجہ سے ہی تو گھر جانے کی ہمت کر رہی ہوں۔آپ دعا کریں ناماما بابا مجھے کچھ نہ کہیں۔"عانیہ مسکرا کر سر ہلا دیا۔وہ بھی اس کے جانے کا سن کر اداس ہو گئی تھی۔

"اچھا پھر کب جا رہی ہو؟"

"کل صبح۔بھائی نے نمبر دے دیا تھا۔میں کال کر کے انہیں بتا دوں گی۔"

"سمیع کو بتایا ہے کہ تم اپنے گھر جا رہی ہو۔"عانیہ نے اسے یاد دلایا۔حریم نے پاس پڑا فون اٹھا کر سمیع کو کال ملائی۔

"میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔" عانیہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"ارے واہ بلی کو بھی مجھ سے پیار ہو گیا ہے۔ آجکل بڑے فون کیے جا رہے ہیں۔" دوسری طرف سمیع نے فون پر اس کا نام دیکھ کر کال پک کی اور شرارتی لہجے میں بولا۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ارے واقعی۔ شکر میری بھی جان چھوٹے گی تم سے۔"

"سمیع میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ اکتا کر بولی تو وہ سنجیدہ ہوا۔

"اداس مت ہو یار۔ گھر جا رہی ہو۔ اپنی فیملی سے ملو گی۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے۔"

"میں خوش نہیں رہوں گی کیونکہ تم وہاں نہیں ہو گے۔" وہ رو پڑی۔ سمیع پریشان ہو گیا۔

"اچھا رو ؤ مت۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں تمہیں زیادہ دن وہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

"کیا؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔

"میں ماما سے بات کروں گا۔ وہ بہت جلد تمہارے گھر آئیں گیں تمہارے پیرنٹس سے بات کرنے کے لیے۔ اور پھر میں تمہیں اپنی دلہن بنا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا اور جانتا تھا دوسری طرف حریم کا چہرہ سرخ ہو چکا ہو گا۔

"تم بہت بدتمیز ہو۔" اسے کچھ اور نہ سوجھا تو یہی کہہ دیا۔ سمیع کا قہقہہ بلند ہوا۔

"لو شادی کرنے کا کہہ رہا ہوں کونسا بھگا کر لے جا رہا ہوں۔"

"کاش تم میرے سامنے ہوتے اور میں تمہارا سر......" وہ تلملا کر بول رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

"او کے اللہ حافظ۔" اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔

---------------------------

ٹورنٹو پر شام کے نارنجی سائے پھیل رہے تھے۔ سمندر کی لہروں پر ہوا کے ساتھ ساتھ سینٹرل آئی لینڈ فیری بھی تیر رہا تھا۔ وہ ابھی آئی لینڈ کے قریب ہی تھا اور اس کا رخ ٹورنٹو شہر کی طرف تھا۔ صبح وہ سیاحوں کو آئی لینڈ کی طرف لے کر آیا تھا اور اب واپس لے کر جا رہا تھا۔ حدیقہ ریلنگ کے ساتھ کھڑی دور افق پر ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ ٹھنڈی یخ ہوا سے اس کے سنہرے بال اڑ رہے تھے۔ ناک اور گال ٹھنڈ کی وجہ سے سرخ ہو چکے تھے۔ بلیک جینز پر سرخ ٹاپ پہنا ہوا تھا اور اوپر گھٹنوں تک آتا کالا سویٹر پہنا ہوا تھا جس کی لمبی آستینیں اس کے آدھے ہاتھوں کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ پیروں میں کالی جرابیں اور سرخ رنگ کے نازک سے شوز تھے۔ جرابیں پہننے کے باوجود اس کی پاؤں ٹھنڈے سے سن ہو رہے تھے۔ دوپہر کو دھوپ کی وجہ سے ٹھنڈ اتنی نہیں تھی لیکن شام ڈھلتے ہی سردی بڑھ گئی تھی۔

اس کے ساتھ وہاب ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بلیک جینز اور وائٹ شرٹ پر بلیک لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ گلے میں پڑے بلیک مفلر نے اس کی گردن اور کانوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی نظریں حدیقہ پر جمیں تھیں اور لب مسکرا رہے تھے۔

"آپ کو پتہ ہے مجھے شروع سے ہی سمندر بہت پسند تھا۔ میرا دل کرتا تھا میں فیری ٹیلز کی مرمیڈز کی طرح سمندر میں تیروں۔ لیکن مجھے ڈر بھی لگتا تھا۔ ایک دفعہ بابا کے ساتھ کشتی کا جھولا لیا تھا اور سارا وقت روتی رہی تھی۔ اس کے بعد اس دن آپ کے ساتھ کشتی میں جھولا لیا تھا۔" وہ ٹھنڈ کے باوجود بولے جا رہی تھی۔ "اب مجھے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا۔"

"کیوں؟" وہاب نے اچانک پوچھا تو اس کی چلتی ہوئی زبان کو بریک لگی۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نظریں پھیر کر شرارت سے مسکرائی۔

"اب میں بڑی ہو گئی ہوں نا۔" وہاب نے بدمزہ ہو کر سر جھٹکا۔اس سے کسی رومینٹک بات کی توقع کرنا ہی عبث تھا۔کیا تھا جو کہہ دیتی آپ کی وجہ سے۔

"تم بہت شرارتی ہو گئی ہو۔" وہ اسے گھور کر کہنے لگا۔

"وہ تو میں پہلے سے تھی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہاں یاد ہے مجھے۔ کیسے تم مجھے تنگ کر کر کے میری ناک میں دم کیے رکھتی تھی۔ میں تو اپنے مستقبل کے لیے بہت پریشان تھا۔سوچتا تھا اگر تمہیں یہ پتہ چلے کہ میں تمہارا شوہر ہوں تو تم میرا سر پھاڑ دو گی لیکن دیکھ لو تمہیں اپنی محبت میں ایسا باندھا ہے کہ تم اب میرا سر نہیں پھاڑ سکتی۔" اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں ابرو اٹھائی تھی۔

"اگر اس وقت میرے پاس آپ کے سر میں مارنے کیلیے کوئی چیز ہوتی تو میں اس بات کا اچھے سے جواب دیتی۔" وہ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی چہرے پر خفگی لاتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو اس کا مطلب تم مجھ سے محبت نہیں کرتی؟" اس نے ایموشنل بلیک میل کیا۔حدیقہ نے شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کے لیے چہرہ پھر لیا۔

"ارے بتاؤ نا۔" وہ اسے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف موڑتا ہوا بولا۔

"نہیں۔"

"مطلب نہیں؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔حالانکہ جانتا تھا وہ نہیں ہی کہے گی۔

"ہاں نہیں۔" وہ زور دیتی ہوئے بولی۔

"مطلب ہاں؟" وہ خوش ہوا۔حدیقہ نظریں جھکا گئی۔

وہاب نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تو اس نے ڈرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ارد گرد اتنے زیادہ لوگ کھڑے تھے۔

"تم چہرہ اتنا ٹھنڈا کیوں ہے؟" وہ فکر مندی سے بولا تھا۔

"سردی ہے تو ٹھنڈا ہی ہوگا نا۔" وہاب نے اپنا مفلر اتار کر اس کے گلے میں ڈالا اور دو تین بل دے کر اس کی گردن کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔ اس کے گال اور ہونٹ بھی مفلر سے ڈھک گئے۔ وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہاب نے لب بھینچ کر اس کو تنقیدی نظروں سے دیکھا اور پھر انگلی سے مفلر کو ہونٹوں سے ذرا نیچے کیا۔ سرخ چمکتے ہونٹ اس کی نظروں کے سامنے آگئے۔

"مجھے ہونٹوں پر بھی سردی لگ رہی ہے۔" اس نے جلدی سے مفلر کو دوبارہ سے لبوں پر کر دیا۔

"اونہوں۔ ایسے تم اچھی لگ رہی ہو۔" وہاب نے پھر مفلر کو نیچے کر دیا اور حدیقہ کی جرات نہ ہوئی کہ دوبارہ سے مفلر اوپر کرتی۔ چہرہ پھیر کر افق کو دیکھنے لگی۔ سورج آدھا سمندر میں ڈوب چکا تھا۔ وہ مبہوت ہو کر رہ گئی۔ وہاب بھی وہ خوبصورت منظر دیکھنے لگا۔ کچھ پل خاموشی سے گزر گئے۔ اچانک پیچھے سے دس سالہ چینی نقوش کے حامل خوبصورت سی بچی ان کی طرف آئی۔

"انکل۔" اس نے پکارا تو وہ دونوں چونک کر مڑے۔ اپنے سامنے کھڑی چھوٹی سی بچی کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ آئی اور پھر ان میں نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"آپ دونوں بہت پیارے لگ رہے ہیں۔" وہ لڑکی انگلش میں بولتی مسکرا رہی تھی۔ وہاب کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس نے جتاتی نظروں سے حدیقہ کو دیکھا۔ وہ جھینپ کر مسکرائی اور جھک کر لڑکی کے گال چھونے لگی۔

"تم بھی بہت پیاری ہو۔"

"اوہ.....پر ماما کہتی ہے میں پیاری نہیں ہوں۔ وہ تو آپ دونوں کو خوبصورت کہہ رہی تھیں۔" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ تبھی پیچھے سے اس کے ماں باپ آگئے۔

"جیا.....!" اس کی ماں نے قریب آکر بچی کو پکارا۔

"معاف کیجیے گا یہ بہت شرارتی ہے۔ آپ سے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟" لڑکے نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ یہ تو بہت اچھی بچی ہے۔" وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"دراصل میں نے آپ دونوں کو دیکھا تو کہا کہ آپ دونوں بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ اس نے سن لیا اور اب آپ کو بتانے آگئی۔ پیٹ میں کم ہی باتیں ٹکتی ہیں اس کے۔" اس لڑکے کی بیوی نے وضاحت کی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" لڑکے نے وہاب سے پوچھا۔

"وہاب۔ اور آپ کا؟"

"میرا نام چینگ وئے ہے۔ اور اس کا نام 'لانی کا' ہے۔" اس چینی لڑکے نے خوش اخلاقی سے اپنا اور اپنی بیوی کا تعارف کروایا۔

"اور آپ کا نام کیا ہے؟" لانی کا نے حدیقہ سے پوچھا۔

"حدیقہ۔"

"حدی.....قہ۔" اس نے اٹک کر اس کا نام دہرایا اور مسکرا دی۔

"آپ دونوں کے نام بھی بہت خوبصورت ہیں۔ حدیقہ.....اور وہاب۔" وہ ایسے یاد کر رہی تھی جیسے دوبارہ ملنے کا ارادہ ہو۔

"اور یہ جیا ہے؟" حدیقہ نے پیار سے بچی کے بال بکھیرے تو وہ کھل کر مسکرائی۔

"ہاں جیالی آنگ۔"

"آپ لوگ پاکستانی لگتے ہیں۔ میرا گیس ٹھیک ہے کیا؟" چینگ وئے بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اور آپ چینی ہیں۔" وہاب نے کہا تو وہ خوش ہوا۔

"ارے پھر گلے ملو۔ پاک چین دوستی زندہ آباد۔" وہ آگے بڑھ کر وہاب کے گلے لگا۔

"ہم لوگ دو سال پہلے ہی شنگھائی سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ ہم پاکستان میں بھی گئے ہوئے ہیں۔ اس کے نادرن ایریاز بہت خوبصورت ہیں۔" لانی کا، حدیقہ کو بتا رہی تھی۔

"آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟" چینگ وئے نے پوچھا۔

"ہم ہنی مون پہ آئے ہیں۔" وہاب نے بتایا۔

"اوہ نیو رومینٹک کپل۔" لانی کا نے کمنٹ کیا حدیقہ جھینپ کر مسکرا دی۔ پھر ان کے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں۔ جیا بھی درمیان میں بولتی رہی اور حدیقہ کو اس کی باتیں بہت پسند آئیں۔ لانی کا بھی بہت پیاری تھی۔ وہ بولتی بھی بہت تھی۔ فیری تیرتے ہوئے ساحل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ چینگ وئے نے انہیں اپنے گھر چلنے کی آفر کی تھی اور وہاب نے ہامی بھر لی تھی۔

-----------------------------------

ہسپتال کے رش سے ذرا ہٹ کر ایک راہداری میں اس کا کمرہ تھا۔ وہ کل سے یہاں تھا۔ بازو پر گولی کا زخم کوئی اتنا بڑا مسلہ بھی نہیں تھا کہ ساری رات ہسپتال میں گزاری جاتی۔ وہ تو کل ہی گھر جانا چاہتا تھا لیکن سر حفیظ نے جاتے ہوئے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ آج رات ہسپتال ہی رکے۔ اور ان کا حکم ٹالنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ ڈاکٹرز کو بھی وہ اس کا خیال رکھنے کی تاکید کر گئے تھے۔ وہ ہسپتال میں بنی مسجد میں فجر کی نماز ادا کر کے آیا تو ڈاکٹرز اس کا زخم چیک کرنے آ گئے۔ اور بالآخر ایک گھنٹے تک اسے ڈسچارج کرنے کی اطلاع دے دی۔ قاسم ڈیوز کلیئر کرنے کیلیے ڈاکٹرز کے پاس تھا اور وہ اس وقت بیڈ پر نیم دراز سا لیٹا کھڑکی سے باہر صحن کو دیکھ رہا تھا جب اس کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے چونک کر ادھر دیکھا۔ حماد ہاتھ میں سرخ پھولوں کا بکے اور ایک فائل لیے کھڑا تھا۔ اس کی بھنویں تعجب سے سکڑیں۔ حماد اتنا بہادر کیسے ہو گیا؟ اس نے بے اختیار سوچا۔

"ہیلو ریان۔" وہ اعتماد سے مسکراتا اس کی طرف آیا تھا۔ ریان کو اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا لیکن نجانے کیوں ریان کو خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔ حماد ہمیشہ بزدلوں کی طرح بھاگتا تھا تو اب اس میں اتنی ہمت کیسے آگئی کہ خود چل کر اس کے پاس آیا ہے۔ کہیں کوئی نیا ڈرامہ نہ کر رہا ہو۔ وہ چپ چاپ اسے گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"سن کر بہت افسوس ہوا کہ تمہیں گولی لگی ہے۔ لیکن اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ میں نے اپنے بندوں کو کہا بھی تھا تمہیں کچھ نہ کہیں۔" حماد نے پھولوں کا بکے بیڈ کی پائنتی پر بنے ٹیبل پر رکھ دیا البتہ فائل ہاتھ میں پکڑے رکھی۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ سوچو اگر میں سب کو تمہاری حقیقت بتادوں تو کیا ہو گا؟"

"تم اب کسی کو کچھ نہیں بتا سکتے۔" حماد نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"کیوں؟" ریان نے ابرو اچکائی۔

"کیوں کہ میں تمہیں سرپرائز دینے والا ہوں۔"

"ابھی کوئی سرپرائز رہتا ہے؟" ریان کی نظریں اس فائل پر جمی تھیں۔

"اصل سرپرائز تو تم نے ابھی دیکھا ہی کہاں ہے۔ وہ تو صرف ٹریلر تھا اب تم پوری فلم دیکھو گے۔" حماد نے کہتے ہوئے فائل اس کے سامنے رکھی۔

"کچھ یاد آیا؟" حماد محظوظ سا مسکرا رہا تھا۔ ریان نے اچنبھے سے فائل کو دیکھا۔

"جب عانیہ کے اغوا کا ڈرامہ کر کے میں نے تم سے کچھ پیپرز پر سائن لیے تھے تو کیا تم نے ان پیپرز پر لکھی عبارت پڑھی تھی؟" حماد نے بتایا تو ریان نے جلدی سے فائل کھولی۔ اندر صرف ایک صحفہ تھا جس کی عبارت کے نیچے اس کے سائن تھے۔ حماد نے اس وقت ایسے تین پیپرز پر اس سے سائن لیے تھے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی

ساری جائیداد تعبیر ٹرسٹ کو جائے گی۔ لیکن اب وہاں وہ سب کچھ نہیں لکھا تھا۔ لیکن سائن اسی کے تھے وہ بھی رئیل سرخ بال پوائنٹ کے ساتھ۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا اس کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔ وہ کسی دہشتگرد تنظیم کے ساتھ کانٹریکٹ تھا۔ جس کے مطابق انہوں نے ریان کو اغوا کر لیا تھا اور اس شرط پر چھوڑا تھا کہ وہ ان کیلیے کام کرے گا۔ اپنی فوج اور ملک کے ساتھ غداری کر کے ان کا ساتھ دے گا ورنہ اسے انڈیا کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور اس نے ان پیپرز پر سائن کر کے ان کی بات مان لی تھی۔ ویسے اگر دیکھا جاتا تو یہ دیکھنے والوں کو سچ بھی لگ سکتا تھا۔ وہ دہشتگردوں کی قید میں تھا اور ظاہر ہے اگر وہ اسے انڈیا لے جاتے تو اسے ٹارچر کر کے اس کا منہ کھلوایا جاتا۔ یا موت اس کا مقدر ہوتی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ اپنے ملک میں ہی رہ کر دہشتگردوں کی مدد کر دیتا۔ لیکن وہ اگر سچ میں ایسا ہوتا تو وہ کبھی بھی ان کی کوئی بات نہ مانتا۔ وہ اتنا کمزور تو نہیں تھا کہ ان کی دھمکی سے ڈر جاتا یا موت سے ڈر جاتا۔ وہ ٹارچر سہہ لیتا لیکن اپنا منہ کبھی نہ کھولتا۔ یہ بات وہ جانتا تھا اور سر حفیظ بھی جانتے تھے۔ اس لیے وہ بلیک میل نہیں ہو سکتا۔

"تم نے کیا سوچا اس طرح میں ڈر جاؤں گا؟.......یہ خوش فہمی تمہیں کیسے ہوئی؟" وہ پرسکون لہجے میں پوچھ رہا تھا لیکن اندر سے پریشان ہو چکا تھا۔

"اگر میں یہ فائل تمہاری ہائی کمان کو دے دوں تو تم غدار وطن کہہ کر پھانسی بھی دی جا سکتی ہے۔"

"ان کے لیے یہ فائل ردی کے ٹکڑے سے زیادہ کچھ نہیں۔ تمہیں کچھ اور محنت کرنے کی ضرورت ہے مجھے بلیک میل کرنے کے لیے۔"

"اوہ ایسی بات ہے تو پھر یہ دیکھ کر تمہارا کیا خیال ہے؟" حماد نے فون آن کیا اور ایک ویڈیو لگا کر اسے دکھائی۔ سکرین پر وہی نظر آ رہا تھا۔ کرسی پر جکڑا ہوا تھا لیکن بازو کھلے تھے۔ ایک آدمی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے میز پر پڑی فائل کو ریان کی طرف کیا اور ریان نے تین صفحوں پر سائن کر

دیے۔ دس سیکنڈ کی ویڈیو ختم ہو گئی۔ ریان ساکت رہ گیا۔ انہوں نے صرف اس وقت کی ویڈیو بنائی تھی جب وہ کانٹریکٹ پر سائن کرنے کی ہامی بھر چکا تھا۔ اس دس سیکنڈ کی ویڈیو میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ تو اس نے دیا کو بچانے کیلیے اپنی دولت ان لوگوں کے حوالے کی تھی۔ بہت برا پھنسا تھا وہ۔

"میرے پاس دو ثبوت ہیں۔ ایک یہ ویڈیو جس میں تم تین پیپرز سائن کرتے نظر آ رہے ہو۔ اور رسیوں میں جکڑے ہو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دہشتگردوں نے تمہیں اغواء کیا تھا۔ اور یہ فائل سائن کروائی تھی۔ تو کیا تم چاہتے ہو کہ ثبوت تمہاری ہائی کمان دیکھے؟"

"کیا چاہتے ہو؟" ریان کو فی الحال اس کی بات ماننے کا ناٹک کرنا ہی تھا۔

"چاہتا تو بہت کچھ ہوں۔ لیکن وقت آنے پر بتاؤں گا۔ پہلی بات تم کسی کے سامنے میرا نام نہیں لو گے اور دوسری بات میرا یہ نمبر رکھ لو۔ ہم دونوں میں اس نمبر کے ذریعے رابطہ ہو گا۔ اور میں تمہیں جو حکم بھی دوں تمہیں وہ کرنا پڑے گا۔"

"بہت بہتر۔" ریان نے تلملاتے ہوئے کارڈ پکڑ لیا۔

"اور ہاں اب میرے ساتھ کوئی گیم کھیلنے کی کوشش کی تو اسی وقت یہ ثبوت تمہیں برباد کر دیں گے۔ ٹیک کئیر۔" وہ چبا چبا کر بولا۔ اور مڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ یہ خیال اسے پہلے نہیں آیا تھا۔ کل اس کا منصوبہ فیل ہوا تو وہ گھنٹوں سوچتا رہا کہ ریان کو اب کس طرح قابو کرے اور پھر اسے ریان کے سائن یاد آئے۔ اس وقت کی ویڈیو بھی موجود تھی۔ لیکن ان میں اس کی باتیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ عانیہ کو بچانے کے لیے اپنی دولت اغواکاروں کو دے رہا ہے۔ لیکن حماد نے ویڈیو ایڈیٹ کر کے صرف وہی پارٹ ریان کو دکھایا تھا جب وہ سائن کر رہا تھا۔ اور پیپر پر لکھی عبارت بھی آجکل کے دور میں تبدیل کروانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس کا مقصد ریان کو بلیک میل کرنا تھا اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔

اور اب ریان لب بھینچے پریشان سا اس مسلے کا حل سوچ رہا تھا۔ قاسم کمرے میں آیا۔ اور ٹیبل پر پڑے پھول دیکھ کر حیران ہوا۔

"یہ کس نے رکھے ہیں؟"

"حماد۔" وہ پھولوں کو دیکھتا گم صُم سم سا بولا۔

"کیا؟" وہ بے یقینی سے بولا۔ ریان نے اسے ساری بات بتادی۔

"اوہو تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ کچھ نہیں ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں آسانی سے حماد کو جھوٹا ثابت کر سکتا ہوں۔" قاسم نے اسے تسلی دی۔ اسے کچھ اطمینان ہوا۔

"مجھے سر کو بتا دینا چاہیے کیا؟"

"ہاں۔" قاسم نے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اگر اس ویڈیو نے اسے غدار ثابت کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ پیپرز کی اتنی ٹینشن نہیں تھی جتنی اس ویڈیو کی تھی۔ کوئی تو حل ہو گا۔.......وہاب۔ ہاں وہ کچھ کر سکتا ہے۔ ریان نے بالآخر شکر کا سانس لیا تھا۔

---

آج پیرس میں ان کا تیسرا دن تھا۔ وہ دونوں اس وقت Montmartre میں وال آف لو wall of love دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ اس کالی دیوار پر I love you تین سو گیارہ دفعہ اور دو سو پچاس مختلف زبانوں میں لکھا ہوا تھا۔ لوگ یہاں آ کر اپنی زبان میں لکھا فقرہ ڈھونڈتے تھے اور اس کے ساتھ تصویریں کھنچواتے تھے۔

"وہ دیکھو اردو میں لکھا ہوا ہے۔" عمیر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "میں تم سے پیار کرتا ہوں۔" اس نے ریشم کی طرف ہلکا سا جھک کر کہا لیکن ریشم کا اس کی طرف کوئی دھیان نہیں تھا۔

"واؤ کتنی عجیب عجیب سی زبانیں ہیں یہ۔ انگلش میں کہاں ہے؟" وہ دیوار کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ ہے۔ سیلفی لیں۔" عمیر نے فون نکال لیا اور دونوں دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے سیلفی لینے لگے۔ اور ان سے کچھ دور چارلٹ کھڑی کینہ توز نظروں سے رینم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ان دونوں کا کل سے پیچھا کر رہی تھی۔ اور اسے کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا۔ وہ ایسا کیا کرے کہ یہ لڑکا اس لڑکی کو چھوڑ کر اس کی طرف آ جائے۔ اس کا دماغ مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا۔ اور اب ایک خیال سے وہ چونک اٹھی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ ان دونوں کی طرف بڑھی۔

"وہاٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔" ان کے سامنے رکتے ہوئے وہ خوش اخلاقی سے مسکرائی۔ رینم اور عمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ رینم کے ماتھے پر بل آئے۔

"اوہ ہائے۔ کیسی ہو؟" عمیر نے رینم کو جلانے کیلیے ایک جاندار مسکراہٹ چارلٹ کی طرف اچھالی اور اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں اے ون۔ تم سناؤ۔ کیسا جا رہا ہے ہنی مون؟" اس نے ایک نظر رینم کو دیکھ کر کہا۔

"بیسٹ۔"

"ہمم لگ رہا ہے۔ اچھے لگ رہے ہو تم دونوں۔ کیا میرے ساتھ ایک سیلفی لو گے پلیز؟"

"کیوں مجھے پٹوانا ہے۔ میری بیوی بہت سخت اور جھگڑالو ہے۔" وہ انگلش میں بول رہا تھا ورنہ رینم اسے سچ میں بتاتی کی وہ کتنی سخت ہے۔

"تم اپنی بیوی سے ڈرتے ہو؟"

"ہاں۔ اب اگر تم مزید دو منٹ میرے ساتھ کھڑی باتیں کرتی رہی تو بعد میں میری سخت شامت آئے گی۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ چارلٹ کو سبکی محسوس ہوئی لیکن ڈھیٹوں کی طرح مسکراتی رہی۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن کل میرے گھر ڈنر پارٹی پر تم دونوں کو ضرور آنا ہو گا۔ میں اب انکار نہیں سنوں گی۔ ایک دوست کی حیثیت سے اتنا تو حق بنتا ہی ہے میرا۔" چارلٹ نے اپنے بیگ میں سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ جس پر اس کے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔

"ارے ہم دوست کب سے ہو گئے؟" عمیر نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں اور تم نہیں بلکہ میں اور تمہاری بیوی اب دوست ہیں۔ میں تو کل اسی سے بات کرنے آئی تھی لیکن پتہ چلا کہ اسے انگلش آتی ہی نہیں۔ ورنہ اب تک میں اس کی بیسٹ فرینڈ بن چکی ہوتی۔ لیکن کوئی بات نہیں تم ہو نا مترجم ہم دونوں کے درمیان۔ ہم آسانی سے باتیں کر لیں گے۔ بس تم لوگوں کو آنا ہو گا۔"

"سوری ریئم کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے رات کو ہم نہیں آسکتے۔" عمیر کا صاف جواب اسے بہت برا لگا۔

"اچھا صرف تم ہی آجانا۔ لیکن پلیز انکار نہیں ورنہ اٹھا کر لے جاؤں گی۔" عمیر اس کی بات پر ہنسا۔ اور ریئم نے اسے گھورا۔

"اگر ریئم ہی نہ آئی تو تمہیں کیا فائدہ۔ دوست تو یہ ہے نہ تمہاری۔"

"کوئی بات نہیں تم گھر واپس جا کر اسے وہ باتیں بتا دینا جو میں تم سے کہوں گی۔" وہ کسی طور نہیں ٹل رہی تھی۔

"اچھا۔ میں کوشش کروں گا اگر ریئم میرے ساتھ چلنے کے لیے راضی ہوئی تو آجاؤں گا۔" اس نے طریقے سے ٹالا۔

"اگر تم کہو تو میں تمہاری بیوی سے اجازت لے لوں۔"

"لے لو۔" اس نے کندھے اچکائے۔ چارلٹ نے ریئم کی طرف دیکھا اور انگلش میں کچھ بڑبڑائی۔ ریئم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور عمیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ کہہ رہی ہے کہ کل تم دونوں میرے گھر ڈنر پارٹی پر آؤ اور تم سر نفی میں ہلا دو۔" عمیر نے اردو میں کہا اور رینم نے چارلٹ کی طرف دیکھ کر سر نفی میں ہلا دیا۔ چارلٹ کو سخت غصہ آیا۔ لیکن اس کا ہاتھ پکڑ کر منتیں کرنے لگی۔ رینم نے تذبذب کے عالم میں عمیر کی طرف دیکھا۔ اور عمیر کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ اس نے چارلٹ کے سامنے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ بیوی کے حکم پر چلتا ہے اور ادھر بیوی صاحبہ نے عمیر کو جواب طلب نگاہوں سے دیکھ کر اپنا سارا امیج خراب کر دیا۔

"وہ تم سے پوچھ رہی ہے کہ اس کی بات مانوں یا نہیں۔ مجھے سمجھ آگئی ہے۔ اور اب تم بچ نہیں سکتے۔ تمہیں آنا ہی پڑے گا۔" چارلٹ نے مزے سے کہا۔

"اوکے میں آجاؤں گا۔" اسے بالآخر ماننا ہی پڑا۔ رینم نے ہی اسے پھنسایا تھا۔ اب ذرا وہ بھی تو بھگتے۔ اکیلا جاؤں گا ڈنر پر۔ وہ تلملا کر سوچ رہا تھا۔

"اوہ واؤ۔ میں تمہیں اپنے دوستوں سے ملواؤں گی۔ وہ بہت خوش ہوں گے۔......." پھر وہ اسے اپنی فیملی اور گھر کے بارے میں بتانے لگی۔ لیکن عمیر کا دھیان ساتھ کھڑی جیلس ہوتی رینم کی طرف تھا۔ وہ مسکراہٹ روکے بے دھیانی سے چارلٹ کی باتیں سن رہا تھا۔

---

حریم نے رات کو ہی حسیب کو فون کر دیا تھا۔ اس نے اگلی صبح کی ٹکٹس بک کروالی تھیں۔ اور اب وہ دونوں جہاز میں بیٹھے لاہور کی طرف جا رہے تھے۔ آپی عانی کی جدائی کے غم میں وہ ابھی بھی آنسو بہا رہی تھی۔ اتنا دکھ تو گھر والوں کی جدائی کا نہیں ہوا تھا۔ جتنا آپی عانی کو چھوڑنے پر ہو رہا تھا۔ کر

"رونا بند کرو حریم۔" حسیب نے اسے ڈپٹا۔

"بھائی آپ مجھ سے میرا فون تو نہیں لیں گے نا؟..... میں آپی سے رابطے میں رہنا چاہتی ہوں۔"

"پتہ نہیں۔" حسیب نے اکتا کر کہا اور حریم نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"بھائی آپ تو میری ہر بات مانتے تھے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اب حالات پہلے جیسے نہیں ہیں حریم۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ بابا بہت غصے میں ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں قائل کیا ہے کہ وہ تمہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ مان گئے ہیں یہی بہت ہے۔ اگر انہوں نے تمہارے پاس فون دیکھ لیا تو وہ میری ایک نہیں سنیں گیں۔ اس لیے بہتر ہے یہ فون تم مجھے گھر جانے سے پہلے ہی دے دو۔" حسیب نے غصے سے کہا اور وہ ایک ٹک سی اس کے بدلے تیور دیکھنے لگی۔

"اور اگر آپی نے کوئی کال کی تو؟"

"پھر میں تم سے بات کروادوں گا۔ اور ہاں گھر جا کر تمہیں شاید بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ تم کچھ بھی اس لڑکی کو نہیں بتاؤ گی۔" اس کی بات پر حریم کا دل لرزا۔ پہلے بھائی نے اسے کتنا یقین دلایا تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکے گا لیکن اب وہ بھی بدل گئے تھے۔ اور عانی آپی سے بھی کوئی بات نہیں کرنے دیں گے۔ اس کس دل بیٹھنے لگا۔

"بھائی آپ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے میں کیسے اغوا ہوئی تھی۔ کیا آپ کو ابھی تک مجھ پر یقین نہیں آیا۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"تو پھر کیسی بات ہے؟ آپ بہت بدل گئے ہیں بھائی۔"

"بدل تو تم بھی گئی ہو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی حسیب نے شکوہ کیا۔

"میں بدل گئی ہوں؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ حسیب کی بات تو یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ ابھی بھی اس کو گناہگار سمجھتا ہے۔

"سمیع کون ہے؟" اس نے حریم کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔ حریم نے نظریں نہیں چرائیں۔ وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تو عدنان نے یہ بھی حسیب کو بتا دیا تھا اور حسیب نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ اب کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ کیسے سب کو کہے گی کہ وہ بے قصور ہے۔ اس نے تو بہت کوشش کی تھی سمیع سے دور رہنے کی۔ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ لیکن اس دن عدنان نے اسے سمیع سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اب کاش کہنے کی بجائے اپنا دفاع کرنا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں حریم۔ سمیع کون ہے؟ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے اور اسے تمہارے بارے میں سب کچھ کیسے پتہ ہے؟" اس نے دبی دبی آواز میں غرا کر پوچھا۔

"اس نے میری مدد کی تھی۔ (غموں کو دور کرنے میں)" اسے چاہنا ایک بے اختیاری عمل تھا۔ لیکن وہ یہ بات بھائی کے سامنے نہیں کہہ سکتی تھی۔

"کیسی مدد؟" وہ شکی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"جن لوگوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ آپی بھی وہاں اغوا ہو کر آئی تھیں۔ آپی نے مجھے وہاں سے نکالا تھا اور سمیع نے مجھے پروٹیکشن دی تھی۔ عانی آپی اور سمیع دونوں نے مل کر مجھے وہاں سے نکالا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بول رہی تھی۔ یہ سب اسے عانیہ نے کہا تھا۔ کہ حسیب کے پوچھنے پر وہ یہی کہے۔ اگر اس نے غلطی سے بھی کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو حسیب اس پر کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ اب وہ کنکھیوں سے اس کے تاثرات جانچ رہی تھی۔ حسیب کا غصہ کم ہو رہا تھا۔

"اور اسے یہ کس نے بتایا تھا کہ ہم تمہیں بھاگنے کے جرم میں قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

"میں نے عانی آپی کو بتایا تھا۔ سمیع مجھے گھر جانے کا کہہ رہا تھا لیکن میں ڈر کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔ آپی نے پھر اسے بتایا تھا کہ میں کیوں گھر نہیں جا رہی۔" یہ بھی عانیہ نے اسے بتایا تھا۔ تاکہ حریم پر کوئی بات نہ آئے۔

"پھر کوئی نہ کوئی تعلق تو ہے نہ اس کا تمہارے ساتھ۔ آجکل کے زمانے میں کون بنا غرض کسی کی مدد کرتا ہے۔" حسیب ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ سمیع جس طرح حریم کا نام لے رہا تھا اسے کچھ بھی سمجھنے میں مشکل نہیں ہوئی تھی۔

"بھائی اس نے میری مدد کی ہے۔ مجھے اغوا نہیں کیا تھا۔ نہ ہی میں اس کے ساتھ بھاگی ہوں۔ اس لیے آپ کے زہن میں کچھ چل رہا ہے تو اسے وہیں ختم کر دیں۔ ورنہ مجھے آپ کی بہت فکر رہے گی۔" اس نے بمشکل غصے کو ضبط کیا تھا۔ یہ اس کا بھائی تھا جو اس پہ شک کر رہا تھا۔ تو باقی سب کیا کریں گے اس کے ساتھ۔ اس کے ساتھ ساتھ سمیع کو بھی الزام دیا جا رہا تھا۔ اس نے کتنا سمجھایا تھا اسے کہ اس سے دور رہے۔ خوامخواہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ لیکن وہ اسے بچا لے گی۔ چاہے اسے کچھ بھی ہو جائے۔ سمیع کو کچھ نہیں ہونے دے گی۔ وہ عزم سے سوچ رہی تھی۔

حسیب کو اپنے الفاظ پر شرمندگی ہوئی تھی اور وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن حریم کا غصے سے تپا چہرہ دیکھ کر چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

---------------------------

ٹورنٹو میں صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ جب حدیقہ کی آنکھ کھلی تھی۔ سر سے لحاف اتارا تو سردی نے اس کا استقبال کیا۔ وہ پھر سے لحاف سر تک تان گئی۔ کچھ دیر تک سارے حسیات بیدار ہوئے تو واشروم سے پانی گرنے کی آواز آئی۔ وہاب شاور لے رہا تھا۔ اس نے لحاف تھوڑا سا نیچے کر کے بیڈ پر اس کی خالی جگہ کو دیکھا اور ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ آج انہیں یہاں آئے ہوئے تیسرا دن تھا اور وہاب ہر روز صبح فجر کے وقت

اس کے قریب کھڑے ہو کر اذان دینے لگتا۔ وہ ٹورنٹو میں ایسی جگہ پر تھے جہاں کسی اذان کی آواز نہیں آتی تھی اسی لیے وہ خود دیتا تھا اور حدیقہ بھی اس کی آواز سن کر اٹھ جاتی تھی۔ لیکن نماز پڑھ کر سونے کی عادت ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔ سستی سے اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا۔ سائیڈ ٹیبل پر سے فون اٹھا کر آن کیا اور ٹائم دیکھا۔ عانیہ کے میسیج کا نوٹیفکیشن آیا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے لاک کھول کر واٹس ایپ آن کیا۔ اور پھر اس کے لبوں پر حیرت بھری مسکراہٹ بکھرنے لگی۔ وہ اس کے آئی سی ایس کے رزلٹ کی تصویر تھی۔ گیارہ سو میں سے نو سو اسی نمبر لیے تھے۔ ہر سبجیکٹس کے علیحدہ نمبر بھی لکھے ہوئے تھے اور اس کی توقع سے کئی زیادہ تھے۔ فون بیڈ پر پھینک کر وہ بیڈ پر کھڑی ہو گئی اور خوشی سے اچھلنے لگی۔ وہاب واشروم سے باہر آیا اور اسے اچھلتے دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ کہیں پاگل تو نہیں ہو گئی۔ ساتھ یہ فکر بھی ہوئی۔ حدیقہ نے وہاب کو دیکھا تو چھلانگ لگا کر بیڈ سے نیچے اتری اور بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ وہاب ابھی ٹھیک سے حیران بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر جھول گئی۔ سر پیچھے پھینک کر آنکھیں بند کیے وہ خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ وہاب بھی اس کی کمر میں بازو حمائل کرتا حیرت سے مسکرا دیا۔

"میں پاس ہو گئی۔" اس نے آنکھیں کھول کر وہاب کو دیکھا۔ وہاب کو اب اس کی خوشی کی وجہ سمجھ آئی۔

"اوہ تو کتنے نمبر آئے پھر؟"

"گیس کریں۔"

"ہمم..... شاید چھ سو کے قریب۔" وہاب نے کچھ دیر سوچا اور شرارت مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ حدیقہ کا تو سارا مزا کرکرا ہو گیا۔ ایک جھٹکے سے بازو پیچھے ہٹائے لیکن خود پیچھے نہ ہٹ سکی۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہاب نے اس کی کمر میں بازو حمائل کر رکھے ہیں۔ آن کی آن میں اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"آپ مجھے نالائق سمجھتے ہیں؟" اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے خفگی سے کہا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"ہاں تم ایک نالائق بیوی ہو۔" اس کی بات پر اس کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"میرے بہت اچھے نمبر آئے ہیں۔" اس نے وہاب کی توجہ اصل بات کی طرف مبذول کرائی۔ دل گھبرانے لگا تھا اور وہ چہرے کو نارمل رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"تم جتنے بھی اچھے نمبر لے لو۔ میری طرف سے تمہیں زیرو ہی ملیں گے۔"

"میں آپ کو اپنا رزلٹ دکھاؤں؟" اس نے بچوں کی طرح پوچھا۔

"تمہیں تو شوہر کو خوش کرنا بھی نہیں آتا۔ جنت میں کیسے جاؤ گی؟" وہاب کی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ بتائیں میں کیا کروں تو آپ خوش ہوں گے؟" اس نے فراخ دلی سے آفر کی۔

"کیا تم واقعی مجھے خوش کرنا چاہتی ہو؟" وہاب نے ابرو اچکائی۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ اور چاہتی ہوں آپ بھی خوش ہو جائیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی ۔آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں دیکھنا سیکھ رہی تھی۔ وہاب نے نچلا لب دانتوں میں دبا کر کچھ سوچا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھ ڈانس کرو گی؟" اس کے چہرے پر ذرا سا جھکتے ہوئے مسکرا کر بولا تو حدیقہ پلکیں جھکا گئی۔ وہاب نے اس کی کمر سے بازو ہٹا لیے اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اپنا دائیاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"مجھے نہیں آتا۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"مجھے بھی نہیں آتا۔" وہاب نے کہا تو وہ ہنسی۔

"تو پھر کیا فائدہ؟"

"تمہیں کبھی یاد آئے گا حدی کہ تم اپنے شوہر سے کتنی منتیں کرواتی تھی۔" وہاب نے اسے ایموشنل بلیک میل کیا اور وہ ہو بھی گئی۔

"ٹھیک ہے کر رہی ہوں لیکن آپ مجھ سے دور جانے کا سوچیے گا بھی مت۔ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑوں گی میں آپ کا۔" اس کے ہاتھ میں اپنا بائیاں ہاتھ رکھتے ہوئے وہ دھونس جما کر بولی۔

"اوہ۔" وہاب کے لب اس کی بات پر حیرت سے گول ہوئے۔ حدیقہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ وہاب نے اس کا دائیاں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر بائیں جانب رکھا۔ اس کی دھڑکن وہاب کی دھڑکن کے ساتھ ایک ہی لے میں بہنے لگی تھی۔

"لیٹس سیلیبریٹ ہیپی نیس۔" اس کی کمر پر بائیاں بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

"اب کیا کرنا ہے؟" وہ ڈانس کرنے کی پوزیشن میں کھڑے ہو گئے لیکن آگے کیا کرنا ہے یہ دونوں کو ہی نہیں پتہ تھا۔

"ایک قدم دائیں طرف۔" وہاب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ایک ساتھ بائیں جانب ہوئے۔

"آپ کو ڈانس آتا ہے۔ کیسے سیکھا تھا؟" وہ شکی لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"آف کورس آتا ہے۔ یونی میں ایک لڑکی نے سکھایا تھا۔" وہ مزے سے بولا۔ حالانکہ یونیورسٹی میں وہ لڑکیوں سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ لڑکیاں اسے مغرور کہتی تھیں۔

"اچھا تو پھر آگے کیا کرنا ہے؟" حدیقہ جان گئی کہ مذاق کر رہا ہے اس لیے اسے غلط ثابت کرنے کے لیے بولی۔

"آگے....." وہ پھر سوچنے لگا اور اس کی کمر سے بازو ہٹا کر پیچھے ہٹا۔ دائیاں بازو بلند کیا اور آگے حدیقہ جانتی تھی کہ اسے اب گول گول گھومنا ہے۔ ایک پاؤں کے پنجے پر وہ گول گھومی۔ وہاب کو یہ منظر بہت ہی پیارا لگا تھا۔ اور جب وہ رکی تو لڑکھڑائی۔ پیچھے گرنے ہی لگی تھی کہ وہاب نے اپنا بازو اس کے کمر میں حمائل کر دیا۔ حدیقہ کو وہ بے اختیار

وہ خواب یاد آیا۔ وہ ایک لمحے میں ہی دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل کے دھڑکنے کی آواز کانوں تک آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹی اور وہاب نے اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پھر دور ہٹنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہاب نے اس کی کو اپنے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے چہرہ اس پر جھکایا۔ اور اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ حدیقہ کی سانسیں تھم گئیں اور دھڑکن رک رک کر چلنے لگی۔ وہاب کی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے کو دہکا رہی تھیں۔ پہلے وہ حیرت سے فریز ہوئی تھی اب کانپنے لگی تھی۔ وہاب تھوڑا اور اس پر جھکا اور اس کے ہونٹ حدیقہ کے کانپتے ہونٹوں کو مس کرنے ہی والے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک کر ہوش میں آیا اور جلدی سے پیچھے ہٹا۔ حدیقہ آنکھیں سختی سے بند کیے، بھنویں بھینچے اور سانس روکے ابھی تک کانپ رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر مسکرایا۔ اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کی طرف بڑھ گیا۔ کوئی ان ناؤن پاکستانی نمبر تھا۔ اس نے کال پک کی تو دوسری طرف ریان تھا۔ اس نے ایک نظر حدیقہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اور اس کے دیکھنے پر نظریں چرا گئی تھی۔

"ڈسٹرب تو کیا ہے لیکن تم کہو؟" وہ ایک شرارتی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتا بالکونی میں چلا گیا۔ وہ حدیقہ کے سامنے ریان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں عانیہ کو ہی نہ بتا دے۔

"یار ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں۔" ریان نے بے چارگی سے کہا۔

"وہ تو پھنسنا ہی تھا۔ تمہیں کہا بھی تھا مجھ سے رابطے میں رہنا۔ لیکن تم نے اپنا نمبر ہی بند کر دیا تھا۔ پھر تمہارے لیپ ٹاپ سے تمہیں ٹریس کیا تھا۔" اس نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"سوری وہ قاسم نے کہا تھا کہ مجھے کچھ دنوں کیلیے اپنا نمبر بند رکھنا پڑے گا۔" ریان نے وضاحت دی۔

"اچھا بتاؤ کیا مشکل آن پڑی اور میری یاد آئی۔" وہاب نے کہا تو ریان نے ساری بات بتا دی۔

"تم کسی طرح اس ویڈیو کو ڈیلیٹ نہیں کر سکتے؟" آخر پر ریان منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اس کا کوئی نمبر جو اس وقت آن ہو مجھے دے دو۔ ایک دفعہ میں اس ویڈیو تک پہنچ جاؤں پھر دیکھنا تم۔ ڈھونڈ تارہ جائے گا۔" وہاب نے یقین سے کہا تو ریان نے شکر کا سانس لیا۔

"ہاں میرے پاس اس کا ایک نمبر ہے جو اس وقت آن ہے۔ میں تمہیں ابھی ٹیکسٹ کر دیتا ہوں۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"پھر جلدی بھیجو اور اب مجھ سے رابطے میں رہنا۔"

"راجر باس۔" ریان نے خوشامد کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ صوفے پہ لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ حماد کے نمبر کے ذریعے اس کا فون ہیک کیا۔ فائل مینجر میں جا کر دیکھا تو خوش قسمتی سے اسے وہ ویڈیو مل گئی۔ وہ ویڈیو جہاں سے کاپی کی گئی تھی اس جگہ کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ وہ اس فون کے علاوہ حماد کے لیپ ٹاپ میں بھی موجود تھی۔ لیپ ٹاپ اس وقت آن تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ کو بھی ہیک کر لیا۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ وہ ویڈیو اصل ویڈیو کا ایک ایڈیٹنگ پارٹ ہے۔ اس نے ساری ویڈیوز ڈیلیٹ کر دیں۔ یہ تو اتنا مشکل کام تھا ہی نہیں جس کے لیے ریان اتنا پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے سوچتے ہوئے ریان کو فون کیا اور خوشخبری سنا دی کہ وہ ویڈیو ڈیلیٹ ہو چکی ہیں۔

---

"یہ لڑکا تو واقعی کمال ہے یار۔ اسے ہماری ایجینسی کے لیے کام کرنا چاہیے۔" قاسم نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں وہ سرٹیفائیڈ ایتھیکل ہیکر ہے۔" ریان نے بتایا۔

"تو کیا وہ حماد کے لیپ ٹاپ کا سارا ڈیٹا ہمیں نہیں دے سکتا؟" قاسم نے چونک کر پوچھا۔ اسے ہیکنگ کے بارے میں اتنا تو نہیں پتہ تھا لیکن اپنی ایجینسی میں کام کرنے والے ہیکرز سے سنا تھا کہ وہ لیپ ٹاپ ہیک کر سکتے ہیں۔

"ہو سکتا ہے۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہم بہت جلد حماد کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ ابھی اسے تم یہ شک نہ ہونے دینا کہ اس کے لیپ ٹاپ سے ویڈیوز تم نے ہی ڈیلیٹ کروائی ہیں۔ بلکہ میری اس سے ایک دفعہ بات کروادو۔" قاسم نے کہا تو ریان نے کال ملا کر فون اسے پکڑا دیا۔ وہاب نے کال پک کی تو قاسم نے اپنا تعارف کروا کر اسے تفصیل سے ساری بات سمجھائی۔

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کے لیپ ٹاپ تک رسائی حاصل کر لی ہے لیکن جی میل اکاؤنٹ ہیک نہیں کیا۔ اس کے لیے زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔" وہاب نے کہا۔

"جتنا بھی لگے۔ تم اس کا سارا ڈیٹا ہیک کرنے کی کوشش کرو۔" قاسم نے زور دے کر کہا تو وہاب نے ہامی بھر لی۔ فون بند کر کے وہ پھر سے لیپ ٹاپ کی کیز دبانے لگا۔ کچھ دیر بعد حماد کا لیپ ٹاپ بند ہو گیا تھا اس لیے اب وہ ہیک نہیں کر سکتا تھا سو اس نے بھی اپنا لیپ ٹاپ آف کر دیا۔ آج اسے اور حدیقہ کو ٹورنٹو کے شاپنگ مالز کا وزٹ کرنے جانا تھا۔ اور رات کو چینگ وے کے گھر ڈنر پر جانا تھا۔ اس نے اپنے فون پر ایسا سسٹم لگا دیا تھا کہ جب بھی حماد کا لیپ ٹاپ آن ہو اسے اطلاع مل جائے۔

---

عانیہ کو بالکل بھول چکا تھا کہ اس کا آج رزلٹ ہے۔ وہ لیپ ٹاپ پر بہزاد شاہ کا خالی آفس دیکھنے میں ہی مصروف تھی۔ کل بھی گیارہ بجے بہزاد شاہ آفس آیا تھا اور آج بھی اسے انتظار تھا۔ سپائے کیمرہ کو وہ اپنے لیپ ٹاپ سے آن یا آف بھی کر سکتی تھی لیکن اگر اس وقت بہزاد شاہ آفس آ گیا اور اس نے کیمرہ بند رکھا تو بہت کچھ مس ہو سکتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق بہزاد دس پندرہ منٹ میں آفس پہنچنے والا تھا۔ لیکن اسی وقت عمرینہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ آف کیا۔

"عانیہ تم نے بتایا بھی نہیں تمہارا رزلٹ آگیا ہے۔" عمرینہ پر جوش لہجے میں مسکرائی۔عانیہ کو یاد آیا تو اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"آں.... یاد ہی نہیں رہا۔" اس کے بہانے پر عمرینہ نے اسے گھورا۔

"اتنی بڑی خوشی کسی سے شئیر کرنا تمہیں یاد ہی نہیں رہی۔" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔عانیہ کو یہ تو پتہ تھا کہ اس کی کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور آئی ہو گی لیکن اب اسے دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"مجھے یہی یاد نہیں رہا کہ آج میرا رزلٹ ہے۔ آپ سے شیئر کیا کرتی۔" وہ بجھے سے لہجے میں بولی۔ریان کی یاد اسے اداس کر رہی تھی۔

"لو یہ حال ہے تمہارا۔ادھر سب نیوز چینلز پر کراچی میں فرسٹ ڈویژن لینے والی لڑکی کے گن گائے جا رہے ہیں اور یہاں لڑکی کو پتہ ہی نہیں کہ اس کا آج رزلٹ ہے۔" عمرینہ نے اس کی یاداشت پر افسوس کیا۔

"کتنے نمبر آئے ہیں؟" پوچھتے ہوئے اس کا دل ایک دفعہ زور سے دھڑکا تھا۔

"اف کیا بتاؤں کتنے زیادہ تھے۔ مجھ سے تو گننے بھی نہیں ہو رہے تھے۔" عمرینہ شرارت سے بولی۔

"اچھا نہ بتائیں میں خود دیکھ لوں گی۔" عانیہ نے کہا۔اور لیپ ٹاپ پر گوگل نکالنے لگی۔

"ایک ہزار اسی سے کچھ اوپر تھے۔" عمرینہ نے اس کے تجسس کو بڑھایا۔وہ اس وقت ویب سائٹ کھول رہی تھی جہاں رزلٹ شائع ہوئے تھے۔

"اکیاسی؟" ویب سائٹ ابھی لوڈ ہو رہی تھی۔ابھی رول نمبر بھی ٹائپ کرنا تھا۔اور آنٹی عمرینہ اس کے صبر کا امتحان لے رہیں تھیں۔

"نہیں۔"

"بیاسی؟"

"اونہوں۔" عانیہ نے گہرا سانس بھرا۔ صحفہ لوڈ ہو گیا اور اس پیج پر سب سے اوپر اسی کی تصویر لگی تھی اور نیچے اس کے مارکس لکھے تھے۔

"ایک ہزار پچاسی۔" اس کے لب خوبصورت سی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ پھر اس نے اپنا رول نمبر لکھ کر سارا رزلٹ چیک کیا۔ پھر حدیقہ کا چیک کر کے اسے رزلٹ کی تصویر واٹس ایپ کر دی تھی۔ آنٹی عمرینہ اور حیدر انکل نے اسے مبارکباد دی۔ اسے کئی ٹی وی چینلز سے فون آئے تھے۔ وہ اس کا انٹرویو کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ سر ریاض جو اس کے کالج کے پرنسپل تھے انہوں نے زور دے کہا کہ وہ انٹرویو پر جائے سو اسے جانا پڑا۔ لیکن جانے سے پہلے وہ سپائے کیمرہ آن کرنا نہیں بھولی تھی۔ وہ لائیو نہیں دیکھ سکتی تھی تو کیا ہوا۔ رکارڈنگ دیکھ لے گی۔

اور جب وہ ایک نیوز چینل کے سٹوڈیو میں بیٹھی چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے نیوز اینکر سے اپنی تعریفیں سن رہی تھی بہت سے لوگ اسے رشک سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے نہ صرف کراچی بلکہ سارے بورڈز میں ٹاپ کیا تھا۔ مری میں رباب بھی اسے دیکھ کر اداس سا مسکرائی تھی۔ تعبیر ارحم کے لیے کافی لے کر آفس میں داخل ہو رہی تھی جب اسے عانیہ کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اس آواز کو کیسے بھول سکتی تھی۔ کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے کانپا تھا۔ اسے لگا تھا کہ وہ اس کے بالکل قریب ہی پہنچ گئی ہے اور عانیہ کی مار کھانا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن صد شکر وہ ٹی وی میں تھی۔ اس کی پہلی پوزیشن آئی تھی اور نیوز اینکر کو انٹرویو دے رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر ارحم کی طرف دیکھا جو بڑے انہماک سے عانیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ لیکن اسے برا نہیں لگا تھا۔ اس کے ساتھ کونسا دلی وابستگی تھی۔ بس اس کی دولت کی ساتھ تھوڑی بہت دلچسپی تھی۔

"کافی۔" اس نے کافی اس کے سامنے رکھی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ عانیہ پر ہی نظریں جمائے بولا تھا۔ اتنا مکمل حسن اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ وہ اسے کوئی حور لگ رہی تھی۔ نظریں تھیں کہ اس کے چہرے پر چپک کر رہ گئی تھیں۔

"عانیہ صفدر۔ تمہارے باپ کی سب سے بڑی دشمن۔" تعبیر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔ تعبیر نے اسے سب بتا دیا۔

"کیا توپ چیز ہے یار۔" وہ خباثت سے بولا تھا۔ وہ ایک عام سی شکل والا اوباش لڑکا تھا۔ خوبصورت لڑکی دیکھ کر اس کے پیچھے پڑ جاتا۔ آج تک اس نے کئی لڑکیوں کی زندگیاں اجاڑی تھیں۔ وہ کبھی بھی ایک لڑکی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن تعبیر کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ تعبیر دولت کی وجہ سے اس کی طرف ملتفت تھی۔ اس لالچ میں کہ وہ اس سے شادی کرلے گا بہزاد شاہ کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ انہی کے کہنے پر حماد کے پاس گئی تھی کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی شادی اپنے بیٹے سے کر دیں گے۔ اور بیٹے کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ اس سے پیار کا ناٹک چلائے رکھے۔ تاکہ تعبیر ان کے لیے کام کرتی رہے۔ وہ اس ناٹک سے تنگ تو آچکا تھا لیکن باپ کے حکم کے آگے چپ تھا۔ اور تعبیر کو ناراض نہیں کر سکتا تھا البتہ اس سے چھپ کر کئی لڑکیوں سے تعلق رکھے ہوئے تھا۔ لیکں اب عانیہ کو دیکھ کر اسے ہر چیز پھیکی نظر آنے لگی تھی۔ وہ اس کے لیے باقی سب لڑکیوں کو بھی چھوڑ سکتا تھا اور ساری زندگی اس ایک لڑکی کے ساتھ گزار سکتا تھا۔ اسے بابا سے بات کرنی چاہیے کہ کب تعبیر اس کی جان چھوڑ رہی ہے اور وہ اس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لے۔ وہ عانیہ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

اور لاہور میں ریان نے بھی اس کا انٹرویو دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی اور نظریں عانیہ کے چہرے پر تھیں۔ قاسم نے کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"اس لڑکی کو یوں گھورنے کی وجہ؟"

"وہ میری فیانسی ہے۔" ریان نے اسے دیکھ کر جتایا۔

"واقعی ؟.....شانزے دیکھو یہ لڑکی اپنے ریان کی ہونے والی دلہن ہے۔" اس نے پاس سے گزرتی شانزے کو پکارا تو وہ ٹی وی سکرین کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"یعنی حد ہو گئی۔ تم اتنے بڑے کب سے ہو گئے کہ بزرگوں سے مشورہ کیے بنا ہی اتنے بڑے فیصلے کر لیے۔ اور منگنی کر لی تو بتایا تک نہیں۔ ہمم۔" قاسم نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

"بتایا تو تھا تمہیں۔"

"تم نے صرف یہ بتانا تھا کہ تم اسے پسند کرتے ہو۔" قاسم نے اسے یاد دلایا۔

"اچھا پھر مجھے یاد نہیں رہا ہو گا۔"

"ہاں شادی کر کے بھی نہ بتاتے۔ کہتے مجھے یاد نہیں رہا۔ اتنے ہی تم آئزک نیوٹن۔" قاسم نے جل کر کہا۔ اور وہ ہنس دیا۔

"اوہو قاسم کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ بے چارے نے منگنی ہی تو کی ہے۔" شانزے نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے قاسم کو ڈپٹا اور ریان سے بولی۔ "وہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے نا۔ تم دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگے گی۔ میں تو اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ یا ایسے کرو تم اسے فون کر کے مبارکباد دو میں بھی اس سے بات کر لوں گی۔"

"میں اسے ابھی فون نہیں کر سکتا۔ مجبوری ہے لیکن جب کیا آپ سے بات کروا دوں گا۔" وہ اداس سا مسکرایا۔ وہ اسے کسی اور نمبر سے بھی فون کر سکتا تھا لیکن جانتا تھا اس سے بات کر کے وہ خود کو اس سے ملنے سے روک نہیں پائے گا۔ چلو اب اسے دیکھ اور سن تو لیا تھا۔ وہ اس سے جتنی بھی دور ہوتی اس کی روح اسی کے پاس تھی۔ ہر پل ساتھ۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

رات کو سر ریاض نے اسے ڈنر پر بلا لیا تھا۔وہ انکل آنٹی کے ساتھ گئی تھی اور نو بجے واپس آئی تھی۔کمرے میں آتے ہی لیپ ٹاپ آن کیا۔دس گھنٹے کی ویڈیو ریکارڈ ہو چکی تھی جس میں نوے فیصد خالی کمرے کی ویڈیو ہونے کے چانسز تھے۔اس نے ویڈیو کو آہستہ آہستہ فارورڈ کرتے ہوئے دیکھنا شروع کیا۔دو بج کر پانچ منٹ پر بہزاد شاہ اس آفس میں آ گیا تھا۔کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھا اور آن کر کے کچھ دیر کیز پریس کرتا رہا تھا۔اس کا سیکرٹری اسے بزنس کے بارے میں کچھ بریف کر رہا تھا۔وہ چلا گیا تو ایک پچیس سالہ لڑکا اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"بابا آپ بزی تو نہیں؟"اس لڑکے نے بہزاد شاہ سے پوچھا جو مصروف سا لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔اوہ تو یہ اس کا بیٹا ہے ارحم۔عانیہ نے اندازہ لگایا۔

"نہیں تم بولو۔"

"وہ میں نے آپ سے پوچھنا تھا کہ...... تعبیر سے میرا پیچھا کب چھڑوا رہے ہیں؟"اس نے ڈرتے ہوئے مدعا بیان کیا اور بہزاد نے اسے تندہی سے گھورا۔عانیہ کو یہ کہانی اب مزید دلچسپ لگنے لگی تھی۔تعبیر حماد سے اکتائی ہوئی تھی اور ارحم اس سے اکتایا ہوا تھا۔تو کیا تعبیر ارحم کو پسند کرتی تھی۔

"تمہیں مسلہ کیا ہے ارحم۔وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔کئی لوگ اسے پانے کے لیے مرتے ہیں۔وہ تمہارے قدموں میں ہے لیکن تمہیں اس کی پروا نہیں۔"

"بابا آپ مجھے جانتے ہیں۔میں کبھی بھی کسی ایک لڑکی کے پلو سے لگ کر نہیں رہ سکتا۔مجھے اس کے ساتھ اب بوریت سی محسوس ہوتی ہے۔"

"اور دوسری لڑکیاں بھی تو ہیں۔میں نے تمہیں کبھی منع تو نہیں کیا کہ ان سے تعلق نہ رکھو۔بس تعبیر کو یہ یقین دلاؤ کہ تم اسی سے شادی کرو گے۔کچھ دنوں کی بات ہے۔اس سے ایک آخری کام لینا ہے۔پھر بے شک اسے چھوڑ دینا۔"عانیہ جانتی تھی کہ وہ آخری کام اس کے ہاتھوں حماد کا قتل کروانا تھا۔انٹرسٹنگ۔

"اوہ تھینکس یو بابا۔ آپ بہت اچھے ہیں" وہ خوشی سے چہکا۔

"خیریت؟......بڑے خوش لگ رہے ہو؟ کوئی نئی لڑکی تو نہیں پھنسالی۔" بہزاد نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا۔

"نہیں ابھی تو صرف اسے دیکھا ہے۔ وہ سب لڑکیوں سے مختلف ہے۔ اگر میری اس کے ساتھ شادی ہو جائے تو میں زندگی بھر کسی دوسری لڑکی کو نہیں دیکھوں گا۔" وہ آنکھیں بند کیے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ اور اگر عانیہ کو پتہ ہوتا کہ وہ اسی کے متعلق بات کر رہا ہے تو اب تک اس کی ہڈیاں توڑ چکی ہوتی۔

"اچھا تو کون ہے وہ؟" بہزاد کے پوچھنے پر وہ گڑبڑایا۔

"ہے کوئی۔ وقت آنے پر بتا دوں گا۔" جلدی سے کہہ کر وہ اٹھا اور آفس سے نکل گیا۔

عانیہ نے مایوسی سے منہ بنایا۔ آج تو کوئی کام کی بات نہیں ملی تھی۔ بس یہی پتہ چلا تھا کہ ارحم اپنے باپ کے کہنے پر تعبیر سے پیار کرنے کا ڈرامہ کر رہا ہے۔ اور تو کچھ خاص نہیں تھا۔ اتنے گھنٹے کیمرے کی بیٹری بھی ضائع کی اور ملا بھی کچھ نہیں۔ وہ ویڈیو کو تیزی سے فارورڈ کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ باقی ساری ویڈیو میں خالی آفس تھا۔

------------------------------------

وہ ٹیکسی سے اتر کر اپنے گھر جانے والی سٹریٹ کو دیکھ کر کانپی تھی۔ دل تھا کہ ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ حسیب اس کے ساتھ آکر کھڑا ہوا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

"چلو۔" وہ اس کے فق چہرے کو دیکھتا بولا اور سامان اٹھائے آگے چلنے لگا۔ وہ گھبراہٹ کو کنٹرول کرتی اس اندھیری گلی میں چلنے لگی۔ رات کا وقت تھا اور دو تین گھروں کے مرکزی دروازوں پر سٹریٹ پولز لگے تھے۔ اس کے گھر کے سامنے بھی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ حسیب نے گھنٹی بجائی تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی لان اور اس کے پیچھے گھر کی کھڑکیوں میں سے روشنیاں نظر آئیں۔ یہ اس کا گھر تھا لیکن نجانے کیوں اسے سب کچھ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ حسیب کے ساتھ روش پر چلتی وہ داخلی دروازے کی طرف آئی تھی۔ حسیب نے دروازہ دھکیلا

توسامنے لاؤنج نظر آیا۔وہ حصہ خالی تھااور اس کے دائیں حصے میں صوفے رکھے ہوئے تھے۔حریم نے اندر قدم رکھاتولڑکھڑائی۔ہاتھوں میں نمی ابھرنے لگی۔پتہ نہیں اب اس کے ساتھ کیاہونے والا تھا۔تھوک نگل کروہ خشک گلے کاتر کر رہی تھی۔

"بابا۔"حسیب نے آگے بڑھ کر سامان لاؤنج میں رکھااور صوفے پر بیٹھے کمال کوپکارا۔وہ چونک کر مڑے۔غزالہ بھی ادھر دیکھنے لگی۔دونوں ساکت رہ گئے تھے۔حسیب نے انہیں نہیں بتایاتھاکہ وہ حریم کوساتھ لے کر آرہا ہے۔اب اسے اپنے سامنے دیکھ کر دونوں میاں بیوی کے چہرے غصے سے سرخ ہونے لگے تھے۔حریم ایک ٹک سی انہیں دیکھ رہی تھی۔اس کادل کررہاتھاکہ بھاگ کرماں باپ کے گلے لگ جائے لیکن ان کے چہروں کے بدلتے رنگ دیکھ کر اسے خوف آرہاتھا۔آنکھوں میں آنسو آئے اور لب کانپے لیکن وہ انہیں پکار نہ سکی۔کمال کی کنپٹیاں سلگیں تھی۔وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔حریم پتھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔کمال نے اس کے قریب آکر ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر مارا۔وہ تیوراکرنیچے گری تھی۔منہ سے خون نکل کرفرش پر گراتھا۔اس کا دماغ سن ہوگیاتھا۔آنسو گالوں پر بہنے لگے تھے۔ساراجسم کانپ گیاتھالیکن دل بے حس اور مردہ ہوچکاتھا۔وہ ہر طرح کے حالات کوبرداشت کرنے کیلیے تیار ہوچکاتھا۔اسے اب فرق نہیں پڑتاتھاکہ اسے کتنی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ایک سسکی تک اس کے منہ سے نہیں نکلی تھی۔

کمال دوبارہ اس کی طرف بڑھے لیکن حسیب آگے آگیا۔

"پلیز بابا جان۔اسے نہ ماریں۔"وہ منت کرتے ہوئے بولا۔غزالہ کادل حریم کودیکھ کر سلگ رہاتھا۔حریم کی چاروں بہنیں بھی شور سن کر اپنے اپنے کمروں سے نکل آئی تھیں اور حریم کودیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"اسے میری نظروں سے دور رکھناورنہ میں اسے گولی ماردوں گا۔"وہ غصے سے کف اڑاتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔حسیب نے جھک کر حریم کواٹھاناچاہاتو اس نے ہاتھ جھٹک دیااور شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔وہ

نظریں چرا گیا۔ اور مڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ حریم نے ماں کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ تلخی سے نگاہیں پھیر گئی۔ غزالہ غصے سے بپھر کر اس کی طرف بڑھی۔ اب کی بار اسے کوئی ڈر نہیں لگا تھا۔ عانی آپی کی صحبت کا کچھ تو اثر ہوا تھا۔ اور پھر اسے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا کہ اس کے جسم کے کون کونسے حصے پر زخم لگے تھے۔ اور کتنا خون بہہ گیا تھا۔ وہ احتجاج کیے بنا ماں سے مار کھاتی رہی۔ اسے عانی آپی کی یاد شدت سے آ رہی تھی۔ جب اس طوائف خانے میں اسے مار پڑ رہی تھی اس وقت اسے درد ہو رہا تھا لیکن اب نہیں ہو رہا تھا۔ اب عانیہ اسے نہیں بچا سکتی تھی۔

وہ مار کھاتے کھاتے بے ہوش ہو گئی لیکن منہ سے ایک چیخ تک نہیں نکالی غزالہ اسے ابھی مارتے ہوئے اسے گالیاں اور کوسنے دے رہی تھی۔ اس کی چاروں بہنیں دور کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ سب کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ ان کی بلا سے وہ مر جاتی انہیں پرواہ نہیں تھی۔ حسیب کا کمرہ اوپر تھا۔ اس لیے اسے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ حریم پر کیا ظلم بیت رہا ہے۔ وہ شاور لے کر کھانے کے لیے نیچے آیا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ پھٹے لباس کے ساتھ خون میں لت پت بے ہوش پڑی تھی اور غزالہ نے اسے ابھی بھی مارنا بس نہیں کیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس تک آیا۔

"پیچھے ہٹیں ماما۔" وہ دھاڑ کر بولا تھا۔ غزالہ کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔

"تم مجھے آج مت روکو۔ میں اسے مار ڈالوں گی۔" غزالہ جنونی کیفیت میں بولتی پھر اس کی طرف بڑھی۔

"پاگل ہو گئی ہیں آپ؟...... اب کیوں اسے مار رہی ہیں؟ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ اب تو چھوڑ دیں۔ اپنی اولاد پر بھی ایسے ظلم کرتا ہے کوئی۔ یہ جانے بنا کہ وہ قصوروار بھی ہے یا نہیں آپ اسے سزا دے رہی ہیں۔ اس کا خون دیکھ کر آپ کا دل نہیں کانپ رہا؟" وہ غصے سے چلا رہا تھا۔ غزالہ کو حیرت ہوئی۔ وہ اب بھی اسی کی حمایت کر رہا تھا۔

"تم مجھے سمجھاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟....ہاں۔ تمہاری وجہ سے ہی وہ گھر سے بھاگی تھی اور اس کی سزا میں نے بھگتی ہے۔ تمہارے باپ نے بھی مجھے ایسے ہی مارا تھا۔ اس کی وجہ سے میں اتنی ذلیل ہوئی اور تم کہتے ہو میں اس پر ترس کھاؤں؟....ناممکن۔" وہ کسی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔

"ماما پلیز اب کچھ مت کہیں اسے۔ وہ مر جائے گی۔ اور میں اسے مرنے نہیں دے سکتا۔ آپ نے اسے جتنی سزا دینی تھی وہ دے لی۔ اب غصہ ٹھنڈا کریں اور جا کر سو جائیں۔" وہ معاملہ ٹھنڈا کرتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو میں نے اسے سزا دی ہی کہاں ہے۔ اب تم دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔ زندگی جہنم بنا دوں گی اس کی۔ پتہ نہیں کہاں کہاں منہ کالا کر کے آ گئی ہے۔ بے غیرت۔" غزالہ کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ حسیب نے جلدی سے حریم کو وہاں سے اٹھایا اور اس کے کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ اس کے چہرے اور گردن پر سرخ اور نیلے نشان تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے جھک کر حریم کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"مجھے معاف کر دو حریم۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکا۔" وہ اس کی حالت سے نظریں چراتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

-----------------------------------

اگلی دوپہر کا سورج سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ عانیہ کو اب ریان کے علاوہ حریم کی ٹینشن بھی کھائے جا رہی تھی۔ وہ اسے سینکڑوں کالز کر چکی تھی لیکن اس کا فون آف مل رہا تھا۔ اس ٹینشن میں وہ آج بہزاد شاہ کے آفس میں رکھے سپائے کیمرہ کو بھی آن کرنا بھول گئی تھی۔ وہ پریشان سی کمرے میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی کہ ذہن میں ایک خیال آیا۔ حسیب کا نمبر بھی تو اس کے پاس تھا۔ اس نے جلدی سے اس کے نمبر پر کال کی۔ حسیب کے لیے یہ ان ناؤن نمبر تھا سو اس نے کال پک کر لی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو حسیب۔ میں عانیہ بول رہی ہوں۔ حریم سے رابطہ نہیں ہو رہا۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" عانیہ بے تاب لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ حسیب نے کرب سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ حریم ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ اور اس کی قسمت کا فیصلہ بہت جلد ہونے والا تھا۔

"ہاں وہ ٹھیک ہے۔ اس کا فون میں نے لے لیا ہے۔ میں نہیں چاہتا بابا اس سے پھر ناراض ہو جائیں۔" حسیب نے محتاط الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے بات سنبھالی۔ اس لڑکی کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اسے شک پڑ گیا تو کہیں یہاں آ ہی نہ جائے۔

"تمہارے پیرنٹس راضی ہو گئے ہیں اس سے؟"

"ہاں۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ حریم بے قصور ہے۔ اسے اغوا کیا گیا تھا۔ پھر ناراض ہونے کی وجہ کیا رہ گئی۔" حسیب نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ حالانکہ وہ حریم کی حمایت میں اب تک کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔ بابا کے جارحانہ تیور سے وہ بھی ڈرا ہوا تھا۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ حریم زندہ ہے۔

"اوہ شکر ورنہ میں تو پریشان تھی۔ تم میری اس سے ایک دفعہ بات کروا دو۔"

"ابھی ممکن نہیں۔ جب وہ اکیلی ہو گی تب کروا دوں گا۔" وہ گڑبڑا کر بولا۔

"اوکے۔ میں تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔ تم اس کا خیال رکھنا۔ اور بھائی ہونے کا فرض نبھانا۔" عانیہ نے کہہ کر کال کاٹ دی اور حسیب کو ڈھیروں شرمندگی ہوئی۔ کیسا فرض نبھایا تھا اس نے۔ گھر کی عزت تو بچا لی لیکن بہن کے ساتھ کھڑا نہ ہو سکا۔ بھائی ہونے کا فرض کیا نبھاتا۔

---

عانیہ حسیب سے بات کرنے کے بعد کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ سمیع کو بھی کال کر کے صورتحال بتائی۔ اور اب لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئی۔ سپائے کیمرہ آن کیا۔ بارہ بجے کا وقت تھا۔ اور شاید دو بجے تک بہزاد نے آفس آنا

تھا۔اس نے کل والی دس گھنٹے کی ویڈیو کو ڈیلیٹ کرنا چاہا لیکن ایک خیال بجلی کی طرح اس کے زہن میں کوندا۔اس نے جلدی سے ویڈیو آن کی۔فارورڈ کر کے وہاں لے آئی جہاں بہزاد شاہ کمرے میں داخل ہوتا ہے اور آکر اپنی کرسی پر بیٹھتا ہے۔لیپ ٹاپ میز پر رکھتا ہے اور اسے کھول کر کچھ کیز دباتا ہے۔اور وہ کیز لیپ ٹاپ کا پاسورڈ تھا۔اس نے ویڈیو تھوڑی پیچھے کی اور آہستہ آہستہ آگے کرتی غور سے دیکھنے لگی۔ڈبلیو.....ون......او.....ٹو......آر......تھری.....ڈی.........فور۔یہ کیز اس نے دبائی تھیں۔اور عانیہ اس کے لیپ ٹاپ کا پاسورڈ جان چکی تھی۔اب وہ اس کے لیپ ٹاپ میں سے ہر چیز دیکھ سکتی تھی۔لیکن جی میل اکاؤنٹ ہیک کیے بغیر وہ اس کی ایک میلز اور سوشل میڈیا کی کوئی ہسٹری نہیں دیکھ سکتی تھی۔چلو یہ بھی بہت تھا کہ وہ اس کے لیپ ٹاپ تک پہنچ گئی ہے۔اس نے ہیکنگ سسٹم آن کر کے اس کا لیپ ٹاپ ہیک کیا۔اور مختلف فولڈرز چیک کرنے لگی۔ایک فولڈر میں سارے کاروباری کانٹریکٹ کے ڈاکیومینٹس تھے۔دوسرے میں کچھ لوگوں سے کیے گئے کانٹریکٹس تھے لیکن وہ کاروباری نہیں تھے۔ان میں حماد کا نام بھی شامل تھا۔چار لوگ اور بھی تھی جو حماد کی طرح سیاستدان تھے۔مطلب وہ بھی حماد کی طرح اس کے حکم پر غیر قانونی کام کرتے تھے۔اس نے کانٹریکٹس کھول کر پڑھے۔کچھ خاص نہیں ملا۔وہ کوئی سیاسی کانٹریکٹس تھے۔ان کو پڑھ کر بہزاد پر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔اسے مایوسی ہوئی۔لیکن ان میں حماد کا نام تھا جس کا مطلب دوسرے چار لوگ بھی اسی کی طرح تھے۔اس نے اگلا فولڈر کھولا۔وہ لاکڈ تھا۔اور عانیہ کو یقین تھا کہ اسی میں اس کے سارے خفیہ ڈاکیومینٹس ہیں۔اب اس کے لاک کو کیسے کھولے۔یہ کام اسے نہیں آتا تھا۔لیکن وہاب بھائی کو تو آتا تھا۔وہ پرجوش لہجے میں بڑبڑائی۔لیکن وہ تو ہنی مون پر تھے۔اور وہ انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں۔وہ آجائیں تب ان سے کہوں گی۔" وہ دوسرے فولڈرز چیک کرنے لگی۔ایک میں اسے AW109 helicopter کی تصویر نظر آئی تھی۔وہ بہزاد شاہ کا پرائیویٹ جیٹ تھا۔عانیہ کو اس کے متعلق مزید

جاننا بے کار لگا تو وہ آگے بڑھ گئی۔ اور کچھ نہیں ملا۔ اگر جی میل اکاؤنٹ ہیک کیا ہوتا تو اسے یہ پتہ چل سکتا کہ بہزاد شاہ کا ماسٹر مائنڈ کون ہے۔ اس کا تعلق پیچھے سے کس کے ساتھ ہے۔ اور وہ کس کے کہنے پر پاکستان میں یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ لیکن اسے جی میل اکاؤنٹ بھی ہیک کرنا نہیں آتا تھا وہاب بھائی سے ایک دفعہ پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن انہیں یہ کرنا آتا تھا۔ یہ بھی وہ انہیں سے کروائے گی۔ یہ نہ ہو اس سے کوئی گڑبڑ ہو جائے اور بہزاد شاہ چوکنا ہو جائے۔ اس نے سوچتے ہوئے ہیکنگ سسٹم آف کر دیا۔

"سپائے کیمرہ نے تو کمال کر دیا۔" وہ مسکرا کر کہتی سپائے کیمرہ آن کرنے لگی۔ لیکن آج کافی دیر بعد بھی بہزاد شاہ آفس نہیں آیا تھا۔ اس نے مایوسی سے کیمرہ آف کر دیا۔

---------------------------------

ہلٹن ٹورنٹو کے اس کمرے میں وہ ایک صوفے پر بیٹھا پر سوچ انداز میں اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ کو دیکھ رہا تھا۔ رات دو بجے ایک دفعہ حماد کا لیپ ٹاپ آن ہوا تھا۔ اس نے جی میل ہیک کرنے کی کوشش کی لیکن لیپ ٹاپ جلد ہی آف ہو گیا۔ اب صبح کے آٹھ بجے وہ پھر آن ہو چکا تھا اور وہاب اس کے اکاؤنٹ تک پہنچنے ہی والا تھا۔ اس نے جی میل اکاؤنٹ ہیک کرنے کے لیے plain grabbing کا طریقہ استعمال کیا تھا۔

"یس۔" کچھ دیر بعد وہ پر جوش لہجے میں بولا اور لیپ ٹاپ پر کیز دبانے لگا۔ اس کا سارا ڈیٹا حاصل کر کے ریان کو بھیجا اور سکون کا سانس لیا۔ حدیقہ نماز پڑھ کر سوئی تھی اور ابھی تک نہیں اٹھی تھی۔ وہ کل سے پھر چپ چپ سی ہو گئی تھی۔ جیسے پھر سے اپنے خول میں سمٹ گئی تھی۔ وہاب نے کئی دفعہ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف ہاں ہوں میں جواب دے رہی تھی۔ وجہ کل والا واقعہ ہی تھا۔

"تمہارا کیا علاج کروں میں حدی۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اور حدیقہ کی آنکھ اسی وقت کھلی تھی۔ وہاب نے اس سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ بھی کچھ دیر لاشعوری طور پر اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر جب

چونکی تو گڑبڑا کر نظریں پھیر گئی۔ کروٹ بدل کر منہ پر کشن رکھ لیا۔ وہاب اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اور کشن کو اٹھا کر اندر جھانکا۔ حدیقہ نے جلدی سے کشن پیچھے ہٹایا۔ اور خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"گڈ مارننگ۔ اب اٹھ جاؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اٹھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ حدیقہ جلدی سے بیڈ پر سے اتری۔ جوتے پہنے اور وارڈروب سے کپڑے لے کر واشروم میں گھس گئی۔ شاور لے کر جب باہر آئی تو وہ سر تلے ایک بازو رکھے صوفے پر نیم دراز سا لیٹا نظر آیا تھا۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مسکرایا۔ وہ نچلا لب دانتوں میں دباتی ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔ بال گیلے تھے اور انہیں ہیئر ڈرائر سے خشک کرنا تھا۔ وہاب کے سامنے جھجھکتے ہوئے وہ بال خشک کرنے لگی۔ وہاب وہ حسین منظر دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور حدیقہ کا دل تیزی سے دھڑکے جا رہا تھا۔ اور ایک بال تھے کہ خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس نے جھنجھلا کر انہیں ایسے ہی گیلا چھوڑ دیا اور برش پھیرنے لگی۔ آنکھوں میں کاجل لگا کر لبوں پر ہلکا سا لپ گلوز لگایا۔ جب ساری تیاری مکمل ہو گئی تو اب اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا خود کو کیسے مصروف رکھے۔

"حدی!...... یہاں آؤ۔" وہاب نے اسے کسی بڑے کی طرح حکم دیتے ہوئے کہا۔ حدیقہ نے مڑ کے اسے دیکھا اور تھوک نگلا۔ وہ اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ سر جھکا کر اس کی طرف بڑھی اور دو قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ وہاب نے پاؤں صوفے سے اتارے اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ حدیقہ کا جھکا ہوا چہرہ اب سرخ ہو رہا تھا۔

"مجھ سے ناراض ہو؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"نہیں۔" حدیقہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟" وہ آس بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ حدیقہ خاموشی سے لب کاٹتی رہی۔

"سوری۔" وہاب نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا تو حدیقہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے شرمندہ اور معافی مانگتا وہاب اچھا نہیں لگتا تھا۔ اسے تو بس حکم کرنا ہی جچتا تھا۔

"میں ناراض نہیں ہوں نا۔ آپ ایسے تو نہ کریں۔" حدیقہ نے اس کی کلائیوں کو پکڑ کر نیچے کیا تو وہاب ہنس دیا۔

"مطلب مجھے رومینس کی اجازت ہے۔ کیونکہ تم مجھ سے ناراض تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی۔" اس کی بات پر حدیقہ کا چہرہ جو نارمل ہو چکا تھا پھر لال ہوا۔

"وہاب میں آپ کو بہت ماروں گی اگر آپ نے مجھ سے کوئی ایسی بات کی تو۔" وہ جارحانہ انداز میں بولی۔

"چلو جی۔ یہاں تو میں کوئی رومینٹک بات تک نہیں کر سکتا۔ لگتا ہے بچے اڈاپٹ ہی کرنے پڑیں گے۔" وہ آہستہ آواز میں بڑبڑایا۔

"کیا کہا؟" حدیقہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری سانس بھری۔

"نہیں آپ نے کچھ کہا ہے۔"

"ارے یار کچھ نہیں کہا۔" سچ بتا کر وہ اپنا سر نہیں پھڑوانا چاہتا تھا۔

"تو میرے کان بج رہے تھے پھر؟"

"ہو سکتا ہے۔" اس نے مسکراہٹ دبائی۔ حدیقہ کو غصہ چڑھا جو وہاب کے کندھے پر نکلا۔

"اچھا اچھا غصے تو مت ہو۔ اور گیس کرو آج ہم کہاں جائیں گے؟" وہاب نے بات بدلی۔

"کہاں؟" وہ غصہ بھول کر اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"مووی دیکھنے چلیں؟"

"ہاں۔" وہ خوشی سے مسکرائی۔

"چلو پھر ناشتہ کرنے کے بعد چلتے ہیں۔" وہاب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر سارا دن وہ سینما گھر میں موویز دیکھتے رہے۔ اور وہ بھی کافی رومینٹک۔ جب بھی کوئی رومینٹک سین آتا تو حدیقہ پہلو بدل کر رہ جاتی۔ اکیلے میں وہ بڑے مزے سے دیکھتی تھی لیکن وہاب کے ساتھ دیکھنا بہت مشکل تھا۔ کھانے کا بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن کھانا وہیں آگیا۔ آخر کار وہ وہاب کے ساتھ جھگڑنے لگی تب جا کر وہاب نے اس کی بات مانی تھی ورنہ اس کا ارادہ ایک اور مووی دیکھنے کا تھا۔

-----------------------------------

دوپہر کا وقت تھا جب ریان کو وہاب کی طرف سے ایک میل موصول ہوئی۔ جس میں حماد کے لیپ ٹاپ میں پڑی ہر چیز موجود تھی۔ اس کے تمام کانٹیکٹس اور ان سے ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ، ای میلز، سوشل میڈیا کا ریکارڈ، بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات اور ان تمام خفیہ اڈوں کی معلومات تھی جسے وہ دونوں ڈھونڈ رہے تھے۔ ان سب لوگوں کی تفصیلات تھیں جو حماد کے حکم پر غیر قانونی کام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ سیاستدان اس کے دوست تھے اور پولیس میں موجود کچھ غدار لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ ان سب سے ہونے والی گفتگو بھی تھی جو ان لوگوں کے خلاف ثبوت تھی۔

لیکن سب سے ضروری چیز حماد اور بہزاد شاہ کے درمیان کوئی بھی لنک انہیں نہیں ملا تھا۔ بہزاد بہت محتاط بندہ تھا۔ حماد سے اس کے خفیہ تعلق کا کوئی بھی ثبوت نہیں تھا۔ وہ اس سے فیس ٹو فیس بات کرتا تھا تاکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے۔ فون پر بھی بات کرتا تھا لیکن وہ صرف سیاسی گفتگو ہوتی۔ صرف دو تین کالز میں ان معنی خیز باتیں تھیں۔ اور آخری کال میں بہزاد نے اسے غصے میں آکر ڈانٹا تھا۔ حماد کی غلطی ہی اتنی بڑی تھی کہ بہزاد سے صبر نہیں ہوا کہ وہ خود اس کے پاس جا کر ڈانٹے۔ اور اس طرح یہ دوسرا ثبوت تھا جس سے ان دونوں کا تعلق

واضح ہو تا تھا۔ پہلا وہ خفیہ میٹنگ تھی جسے عانیہ نے ریکارڈ کیا تھا۔ یہ ناکافی ثبوت تھے لیکن قاسم نے کونسا انہیں کسی عدالت میں پیش کرنا تھا۔ خفیہ ادارے میں اس کا نام آچکا تھا اور اب جلد ہی اس کا کھیل ختم ہونے والا تھا۔

"ابھی ہم ریڈ نہیں کر سکتے۔ پہلے عامر اس سے کوئی رابطہ کر لے پھر ہی کچھ کریں گے۔" قاسم نے کہا۔

"میرے خیال ہے وہ اب اس کے ہوٹل میں آئے گا۔" ریان نے اندازہ لگایا۔

"ہاں لیکن اگر وہ وہاں ہوتا تو حماد کو بتاتا ضرور۔ حماد نے اسے رابطے کے لیے ایک نمبر بھی دیا تھا۔ جس کا مطلب وہ دونوں فون پر ہی بات کریں گے۔ لیکن کسی ان رجسٹرڈ سم کے جعلی اکاؤنٹ سے۔ وہاب نے ہمیں اس کی دس مختلف سمز کا ڈیٹا دیا ہے۔ اب پتہ نہیں وہ کس نمبر پر حماد کو کال کرے گا۔" وہاب نے حماد کے ہر نمبر کو بگ کر لیا تھا جس سے اس کی ہر آنے والی کال کو لائیو سنائی دینی تھی۔ اس کی پچھلی کال ریکارڈنگ بھی انہیں مل گئی تھیں جو انہوں نے چیک کر لی تھیں۔ لیکن ابھی تک عامر نے حماد سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہم ہر نمبر کی ہر کال کو چیک کر لیں گے۔" ریان نے اس کا کندھا تھپک کر کہا۔ وہ مسکرا دیا۔

"ریڈ کے بعد ان سب لوگوں کو بھی گرفتار کرنا ہے جو اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"یوں ایک دم سے ٹھیک رہے گا کیا؟..... یہ لوگ بہت مشہور ہیں۔" ریان نے کہا۔

"تم دیکھنا ذرا ان لوگوں کے ساتھ میں کرتا کیا ہوں۔" قاسم پراسرار سا مسکرایا۔ حماد نے ان سب لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لیے بھی اپنے پاس ان کی ویڈیوز رکھی ہوئی تھیں جن میں وہ بڑے فخر سے اپنے جرائم کا اعتراف کر رہے تھے۔ یہ قاسم کے بہت کام آسکتا تھا۔

قاسم نے ساری صورتحال سے سر احسان کو بھی آگاہ کر دیا اور انہوں نے اجازت دے تھی کہ وہ جیسے چاہیں کر لیں۔ بس اس دہشتگرد عامر کو گرفتار ہونا چاہیے۔

------------------------------------

حریم کی آنکھ دوپہر کے ایک بجے کھلی تھی۔ سارے جسم میں تکلیف کی لہریں اٹھی تھیں۔ وہ بے اختیار کراہی تھی۔ کل رات پڑنے والی مار یاد آئی۔ وہ اس وقت نہیں چیخی تھی لیکن اب اکیلے میں چیخنے کا دل چاہ رہا تھا۔ آنسو تو نکل آئے لیکن حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ ہونٹ خشک ہو چکے تھے۔ جسم پر لگے زخموں پر خون جم چکا تھا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن درد بڑھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے روح جسم سے الگ ہو رہی ہو۔ کتنی ہی دیر وہ اپنی بے بسی پر روتی اور تڑپتی رہی۔ عانی آپی کی یاد آنے لگی اور سمیع کی یاد پر دل میں ہوک سی اٹھنے لگی۔

(اب جب بھی تمہیں کوئی پریشانی ہو اس پل کو یاد کرنا۔) اس کی سرگوشی حریم کو سنائی دی تو وہ مغموم سا مسکرا دی۔ ساری تکلیفیں بھولنے لگی تھیں۔ وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھی اور آنسو صاف کیے۔ کراہتے ہوئے بستر سے اتری اور آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر حیران رہ گئی۔ سارا لباس خون آلود اور پھٹا ہوا تھا۔ چہرے اور گردن پر نشان نظر آرہے تھے۔ ہونٹ پر خون جما ہوا تھا۔ سرخ بال بکھرے ہوئے تھے۔

"سمیع دیکھو میرا کیا حال ہو گیا ہے۔ مجھے میرے اپنوں نے ہی پرایا کر دیا۔ ماما نے مجھے بہت مارا ہے۔ بابا نے بھی ایک تھپڑ مارا۔ بھائی نے بھی مجھے نہیں بچایا۔ سب مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ لیکن مجھے غم نہیں۔ تم تو مجھ سے محبت کرتے ہو نا۔ میں سب کچھ سہہ لوں گی۔ تمہاری جدائی بھی۔ لیکن کبھی تمہیں مدد کیلیے بلا کر خطرے میں نہیں ڈالوں گی۔ اگر تم مجھے نہ ملے تو نہ سہی۔ میں تمہاری یاد کے سہارے زندہ رہ لوں گی۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"عانی آپی پلیز مجھے بچالیں۔" آخر پر وہ سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ ایک عانیہ ہی تھی جس پر اسے یہ یقین تھا کہ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اسے بچا سکتی ہے۔

اس نے چہرہ پھیر کر اپنے کمرے کو دیکھا۔ یہ اس کا کمرہ تھا جسے وہ اپنی مرضی سے سجاتی تھی۔ اب اس کی حالت بہت بری ہو چکی تھی۔ اس کی اپنی حالت بھی کونسا اچھی تھی۔ اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

ایک طرف اس کا سوٹ کیس پڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کھولا۔ ایک سوٹ نکالا۔ اور واشروم میں چلی گئی۔ گرم پانی سے شاور لیا تو تکلیف کچھ کم ہوئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی جب وہ بال بنا رہی تھی تب اس کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو غزالہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر سادگی سے مسکرائی۔ جیسے کل کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اتنے زخم کھانے کے باوجود وہ فریش لگ رہی تھی۔ غزالہ کو حیرت ہوئی۔

"اسلام علیکم۔" اس کے سلام پر غزالہ مزید حیران ہوئی۔ اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ اسے ایک تھپڑ بھی لگاتی تو وہ بھڑک اٹھتی تھی۔ اور اب اتنی مار کھانے کے باوجود بھی اسے سلام کر رہی تھی۔ یہ کہاں سے سیکھا ہے اس نے؟ غزالہ نے بے اختیار سوچا تھا۔ یہ عانیہ کی محبت نے اسے سکھایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ بڑے ٹھاٹ باٹ ہیں بھئی۔ کچھ زیادہ ہی آزاد خیال نہیں ہو گئی تم۔" غزالہ نے اس کے لباس کو دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ وہ نیلی جینز اور گھٹنوں تک آتی سفید خوبصورت سی فراک میں ملبوس تھی۔ ریشمی دوپٹہ گلے میں تھا۔ اور سرخ کھلے بالوں کے ساتھ وہ معصوم سی شہزادی لگ رہی تھی۔ یہ لباس اسے عانی آپی نے لے کر دیا تھا اور اسے بہت پسند تھا۔

"کس کے لیے اتنا بن ٹھن رہی ہو؟" ایک اور طنز جو چابک کی طرح اس کے دل پر لگا تھا لیکن وہ سہہ گئی۔

"ذرا بتانا پسند کرو گی کہ کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آ رہی ہو؟" غزالہ چلتے ہوا اس کے سامنے آ رکی تھی۔ حریم نے لب بھینچ کر اس بات کو بھی برداشت کیا۔

"اگر میں اس کا نام بتا دوں تو کیا آپ اسے مروا دیں گے؟" اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

"یعنی کہ تم بھاگی تھی۔ حسیب کو کیا کہا تھا کہ تم اغوا ہوئی تھی؟" غزالہ کو حیرت ہوئی۔

"ہاں میں اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی۔ مجھے اغوا کیا گیا تھا۔ کیا آپ کو اپنی بیٹی پر یقین نہیں؟.... بلکہ آپ کو یقین ہو گا بھی کیسے۔ آپ نے کونسا میری تربیت کی ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی۔

"چلو کر لیا تم پر یقین کہ تمہیں اغوا کیا گیا تھا۔ تم کسی کے ساتھ نہیں بھاگی۔ اور تم کسی کو پسند بھی نہیں کرتی۔ پھر تو تمہیں چپ چاپ وہیں شادی کر لینی چاہیے جہاں تمہارے ماں باپ کہیں۔" غزالہ کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور پل بھر میں اس کا چہرہ فق ہوا تھا۔ دل کانپ کر رہ گیا تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی لیکن سمیع سے وعدہ خلافی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کی امانت تھی۔ کیسے کسی اور کی ہو جاتی۔

"ماما آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

"وہی جو تم سن رہی ہو۔ میں نے اور تمہارے بابا نے فیصلہ کیا ہے کہ جلد از جلد تمہاری شادی کر دی جائے۔ اب ہم مزید تمہارا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر تمہارے غائب ہونے کی خبر خاندان میں کسی کو بھی ہو گئی تو ساری زندگی اسی در پر گزارنی پڑے گی تمہیں۔ اس لیے خود کو شادی کیلیے تیار کر لو۔ کل تمہارا نکاح ہے عدنان کے ساتھ۔" غزالہ نے اس کے چہرے کو ذرا سا چھوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ یہ تو ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ حریم کا رشتہ عدنان کے ساتھ کر کے وہ بھائی کو خوش کر سکے لیکن کمال نہیں مانتے تھے۔ الٹا اس کے بھائی سے بھی لڑ پڑے تھے۔ بعد میں بھی بھابھی غزالہ کو فون کر کے بار بار رشتے کا کہتی رہی تھی اور غزالہ بڑی مشکل سے انہیں ٹالتی تھی۔ لیکن اب کمال مان گئے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے حریم کو کسی کے ساتھ رخصت کرو۔ چاہے وہ عدنان ہی کیوں نہ ہو اور اب انہوں نے خود بھابھی کو فون کیا۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح پھر رشتے کی بات کی جو اس دفعہ مان لی گئی۔ اور کل ہی حریم اور عدنان کا نکاح طے کر دیا گیا۔ یہ سب عدنان کا ہی پلان تھا۔ اس نے اپنی ماں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ ہر دفعہ فون پر ایک دفعہ رشتے کی بات کر دیا کریں۔ تاکہ ان کو بر وقت ان کی عزت بچانے والا داماد مل سکے۔ وہ رشتہ طے ہونے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا جبکہ حریم پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ تو عدنان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دل نے مرنے کی خواہش کی تھی۔ اسے زندگی بے معنی سی لگنے لگی۔ وہ غزالہ کے سامنے احتجاج بھی نہ کر سکی۔ غزالہ تو جانتی تھی نا کہ وہ عدنان سے شدید نفرت کرتی ہے۔ پھر بھی

اسے یہ سزادی جارہی تھی۔ غزالہ کمرے سے چلی گئی تو وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی۔ ہاتھ زمین پر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میرے ساتھ ایسا مت کریں ماما۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ اونچی آواز میں بولی تھی لیکن سننے والا کوئی نہیں تھا۔ نہ سمیع اور نہ عانی آپی۔ وہ واقعی مرنے والی ہو گئی تھی۔ لیکن ایک آخری کوشش کر کے دیکھنا چاہتی تھی شاید بھائی اسے بچالے۔ اگر اس نے بھی کچھ نہیں کیا تو اس کے پاس آخری آپشن خودکشی کا ہی بچا تھا۔ وہ مایوسی کی تاریکیوں میں بھٹکنے لگی تھی۔

-----------------------------------

قاسم کے پانچوں کولیگز حماد کی کالز کی مانیٹرنگ کر رہے تھے۔ ابھی تک عامر کا فون نہیں آیا تھا۔ لیکن بہزاد کی کال آئی تھی۔ جس کی ریکارڈنگ بعد میں انہوں نے سنی تھی۔

"سر میں اتنے دنوں سے آپ کو کال کر رہا تھا۔ آپ اٹھا ہی نہیں رہے تھے۔" حماد نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا تھا۔

"نہیں اٹھا رہا تھا تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ میں ابھی تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"سوری سر۔ میری وجہ سے آپ کا اتنا نقصان ہو گیا۔ میں نے اس شخص کو ڈھونڈ لیا ہے جس نے فوج کو مخبری کی تھی۔"

"کون ہے وہ؟" بہزاد شاہ نے بے تاب لہجے میں پوچھا۔

"ریان عباس خان۔ آپ فکر مت کریں۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اسے بلیک میل کر کے میں نے اسے چپ کروا دیا ہے۔ وہ پاکستان ائیر فورس میں فلائٹ لیفٹیننٹ ہے۔ اس ویڈیو کے ذریعے میں اس پر غداری جیسا جرم ثابت کر سکتا ہوں۔ فی الحال تو میں نے کچھ نہیں کیا اگر آپ کہیں تو ہم اسے اس ویڈیو کے ذریعے استعمال کر سکتے ہیں۔" حماد نے فخر سے اپنا کارنامہ بتایا تھا۔

"نہیں تم خود کچھ نہیں کرو گے۔ تم ہمیشہ کی طرح کام بگاڑو گے ہی۔ اسے میں خود دیکھ لوں گا۔ تعبیر تمہارے پاس آرہی ہے اس کو وہ ویڈیو دے دینا۔ میں اسے خود استعمال کروں گا۔"

"جیسے آپ کا حکم۔"

"اور ہاں عامر کا کام کہاں تک پہنچا؟"

"ہاں......وہ دو تین دنوں تک ہو جائے گا۔" اس نے ٹالا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں رکھتا ہوں پھر.....اور ہاں ایک بات سنو۔ ایسی باتیں فون پر مت کیا کرو۔ تم نہیں جانتے ہماری کال ریکارڈر سنی بھی جس سکتی ہیں"

"لیکن سر یہ جعلی سم ہے۔ کسی اور کے نام پر کھلی ہے۔ ہم پر کون شک کرے گا بھلا۔"

"آج کل سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تم آئندہ احتیاط کرنا۔" بہزاد نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

"ریکارڈنگ تو سنی جا چکی ہے اب کیا فائدہ؟" قاسم نے ہنس کر کہا۔

"اور اب بہزاد شاہ مجھے بلیک میل کرے گا۔" ریان نے تلملاتے ہوئے کہا۔

"ویڈیو ہو گی تو کرے گا نا۔"

"ابھی تک حماد کو پتہ نہیں چلا کہ وہ ویڈیو ڈیلیٹ ہو چکی ہے۔"

"اس نے تو یہ سوچا بھی نہیں ہو گا کہ کوئی اس کی نظروں کے سامنے سے اس کا لیپ ٹاپ ڈیٹا چوری کر سکتا ہے۔"

"وہاب نے تو کمال کر دیا۔ میری اتنی بڑی مشکل حل کر دی۔" ریان کے لہجے میں وہاب کے لیے محبت تھی۔

-----------------------------------

رینم اور عمیر idol hotel میں جس کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کے سامنے والے کمرے میں ایک انڈین کپل آج ہی آیا تھا۔ وہ دونوں باہر جارہے تھے جب وہ جوڑا بھی باہر نکل رہا تھا۔ اس لڑکی نے رینم اور عمیر کو دیکھتے ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ دونوں ایشین ہیں۔ وہ بھاگتی ان کے پاس آئی۔

"تم دونوں انڈین ہو؟" لڑکی نے ان کے سامنے کھڑے ہوئے اردو میں پوچھا۔ اس کا شوہر بھی اس کے پیچھے آیا۔

"نہیں پاکستانی۔" عمیر نے جواب دیا۔ لڑکی کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں انڈیا سے ہوں۔ لیکن مجھے پاکستان بہت پسند ہے۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟" رینم نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"پروا۔ اور یہ میرے ہزبینڈ ہیں۔ فیروز۔" اس لڑکی نے اپنا تعارف کروایا تو رینم نے بھی اسے اپنے بارے میں بتایا۔ پھر ان دونوں کی باتیں لمبی ہو گئیں۔ دونوں کے شوہر انتظار کرتے رہ گئے لیکن وہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھیں جیسے بچپن کی سہیلیاں ہوں۔ فیروز اکتا کر اکیلے ہی باہر چلا گیا۔ عمیر نے رینم کو اتنی دفعہ اشارہ کیا اب بس کرو باتیں لیکن رینم بھی اس سے بدلہ لے رہی تھی۔ وہ بھی توکل چار لٹ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پروا اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ اور شام تک وہ اکٹھی ہی رہیں۔ بالآخر عمیر نے خود جا کر پروا سے کہا کہ اسے اب بھیجو۔

"جاؤ بھئی۔ تمہارے شوہر کو تمہاری یاد ستا رہی ہے۔" پروا نے ہنس کر اسے کہا تو وہ جھینپ گئی۔ اور دروازے میں کھڑے عمیر کو دیکھا جس کے چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔ اس کے دل میں گدگدی ہوئی۔ اسے تنگ کرنے کا اتنا مزا آتا تھا کہ وہ سزا کے بارے میں بھی بھول جاتی تھی۔

کمرے میں آ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔ عمیر کچھ کہے بغیر کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے تیکھی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ رینم بمشکل اپنی ہنسی روک رہی تھی۔

"کچھ چاہیے کیا؟" بالوں کا جوڑا کھولتے ہوئے اس نے پلٹ کر پوچھا۔ اس کا شرارتی لہجہ دیکھ کر عمیر نے لب بھینچ لیے۔ پھر کچھ سوچ کر مسکرایا اور اس کے قریب آیا۔

"ہاں تم۔" وہ اسے وارفتگی سے دیکھتا بولا تو رنیم سٹپٹائی۔ جلدی سے بالوں کو چھوڑا تو بال کسی آبشار کی طرح نیچے گرے اور گھٹنوں تک پہنچ گئے تھے۔ عمیر نے آئینے میں وہ حسین منظر دیکھا تھا۔

"اف یہ بال بھی نا۔ مجھ سے سنبھالے بھی نہیں جاتے۔" وہ پلٹ کر بالوں کو پھر سے جوڑے میں لپیٹنے لگی۔ عمیر کی نظریں خود پہ محسوس کر کے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عمیر نے کچھ کہے بغیر اس کے ہاتھ بالوں سے ہٹائے۔ بال ایک دفعہ پھر نیچے گرے تھے۔ وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ پلٹی لیکن عمیر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر دوبارہ آئینے کی طرف موڑ دیا۔ ڈریسنگ پر پڑے برش کو اٹھایا اور نرمی سے اس کے بالوں میں چلانے لگا۔ اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔ جسے وہ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ رنیم آئینے میں اس کا عکس دیکھ رہی تھی۔ اس وقت وہ اسے بہت پیارا لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہارے بال بہت پسند ہیں۔" آج اس نے اعتراف کر ہی لیا تھا۔ یہ شاید اس کی پہلی تعریف تھی۔ وہ خوشی سے مسکرائی۔

"کب سے؟" اس نے پوچھا تو عمیر نے آئینے میں ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"جب تم ہمارے گھر رکی تھی اور تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس وقت تمہارے بال کھلے تھے۔ تب سے پسند ہیں مجھے۔" عمیر کی انگلیاں اس کے بالوں سے کھیل رہی تھیں۔ وہ اس پل کو یاد کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"لیکن میں تو آپ کو پسند ہی نہیں تھی۔"

"ہاں تم نہیں بس تمہارے بال۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو رنیم نے منہ بنایا۔ تبھی دروازہ ناک ہوا۔ عمیر نے بدمزہ ہو کر منہ بنایا۔ برش رنیم کو پکڑایا اور جا کر دروازہ کھولا۔ چارلٹ کو سامنے دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم یہاں؟" ریئم بھی اسے دیکھ چکی تھی اور کچھ دیر پہلے والا افسوس اب ختم ہو چکا تھا۔

"میں تم لوگوں کو ڈنر پر لے جانے آئی ہوں۔" چارلٹ نے پیچھے کھڑی ریئم کو دیکھ کر کہا۔ اس کے کھلے خوبصورت بالوں کو دیکھ کر چارلٹ کو راپنزل کی یاد آئی تھی۔ وہ اس سے زیادہ خوبصورت تھی۔ یہی بات اسے سلگا گئی تھی۔

"میں نہیں جا رہی کہیں۔" عمیر کے کہنے پر ریئم نے رکھائی سے کہا اور رخ پھیر لیا۔

"اس کی طبیعت خراب ہے۔" عمیر نے انگلش میں چارلٹ کو بتایا۔

"اچھا تم تو آ جاؤ۔ دیکھو میں تم دونوں کے لیے یہاں آئی ہوں اور تم اتنا بھی نہیں کر سکتے۔" اس نے آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت سے کہا۔ عمیر نے ریئم کو چڑانے کیلیے اس کے ساتھ جانے کی ہامی بھر لی۔ چارلٹ خوشی سے کھل اٹھی لیکن ریئم کا منہ رونے والا ہو گیا۔ ٹھیک ہے اس نے بھی سارا دن عمیر کو اتنا انتظار کروایا تھا لیکن نخرہ کرنا تو اس کا حق تھا۔ عمیر کو اس سے بدلہ نہیں لینا چاہیے تھا۔ اسے اکیلے چھوڑ کر وہ چارلٹ کے ساتھ ڈنر پر چلا گیا تھا۔ اس کا دل دکھنے لگا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عمیر اس سے بدلہ لینے کے لیے چارلٹ کے ساتھ آ تو گیا تھا لیکن اس کا دل وہیں رہ گیا تھا۔ چارلٹ نے ڈنر پارٹی کا اچھا خاصہ انتظام کر رکھا تھا۔ اس کا گھر کسی بادشاہی محل کی طرح تھا۔ جس ہال میں پارٹی تھی وہ بلیک کلر اور نیلی روشنیوں کے امتزاج سے بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس کے دس پندرہ دوست بھی مدعو تھے۔ چارلٹ نے اپنے سب دوستوں کا تعارف اسے کروایا تھا۔ جسے اس نے بے دھیانی سے ہی سنا تھا۔

"اب اس کے بارے میں بھی کچھ بتا دو چارلٹ۔" اس کی ایک دوست ڈور سے نے چہک کر پوچھا۔

"او ہاں۔ اس کا نام عمیر ہے۔ یہ ایشین ہے۔ اور پیرس کا ٹور کرنے آیا ہے۔ ہماری ملاقات آئفل ٹاور میں ہوئی تھی۔" وہ بڑے مزے سے ریئم کا ذکر نکال کر صرف اس کا بتا رہی تھی۔ عمیر کو سخت برا لگا تھا۔

"اوہ اس کا مطلب یہ تمہارا نیا بوائے فرینڈ ہے۔" ایک لڑکے نے مسکرا کر کہا۔ عمیر کو یہ بات اپنی توہین محسوس ہوئی تھی۔ چارلٹ آگے سے کچھ بولی تو نہیں تھی البتہ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ اور عمیر کو تپ چڑھا۔

"ایکسکیوز می۔ میں اس کا بوائے فرینڈ نہیں ہوں۔ یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ یہ میری بیوی کی دوست ہے۔ اس نے سخت اصرار کیا تو مجھے آنا پڑا۔ اور بائی داوے آپ نے انہیں بتایا نہیں میں یہاں اپنی بیوی کے ساتھ ہنی مون پر آیا ہوں۔" اس نے سب سے کہتے ہوئے آخر میں چارلٹ کی طرف دیکھا جس کا چہرہ فق ہو چکا تھا۔ سب دوستوں کے سامنے اس کی بے عزتی ہو گئی تھی۔ وہ سب کھسر پھسر کرنے لگے تھے اور چارلٹ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ لیکن اس نے عقل سے کام لیا۔

"اوہ کم آن عمیر۔ تم برا مت مناؤ۔ میرے دوست کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ ہیں۔ کسی کو کچھ بھی کہہ دیتے ہیں۔ تم پارٹی انجوائے کرو۔"

"نو تھینکس۔ آئی ہیو ٹو گو۔" عمیر پلٹ کر باہر چلا گیا۔ چارلٹ اس کے پیچھے بھاگی۔ راہداری میں اسے روک لیا۔

"عمیر!" وہ اکتا کر پلٹا۔

"تم بہت زیادتی کر رہے ہو میرے ساتھ۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"کیسی زیادتی۔ میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں۔"

"اچھا تو پھر اپنی بیمار بیوی کو چھوڑ کر میرے ساتھ کیوں آئے؟"

"اسے غصہ دلانے کے لیے تمہیں استعمال کیا۔ وہ غصے میں بہت اچھی لگتی ہے۔"

"تم میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔ تم جانتے ہو میں تمہیں چاہنے لگی ہوں لیکن تم اپنی بیوی کی وجہ سے مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔ ویسے سچ بتاؤ اگر وہ تمہاری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو تم اب تک میرے ہو چکے ہوتے؟" چارلٹ بے باکی سے بولتی اس کے قریب آئی۔ عمیر ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

"نہیں۔اگر وہ میری زندگی میں نہ ہوتی تو میں تمہارا نہیں بلکہ تمہاری فرینڈ ڈورسے کا ہو چکا ہوتا۔" عمیر نے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے خود کو جذباتی ہونے سے روکا اور بیچاری ڈورسے کو پھنسا دیا۔چارلٹ تو یہ سن کر ساکت رہ گئی۔کیا وہ ڈورسے سے بھی بدصورت تھی۔وہ تو اپنے گروپ فرینڈ میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔اسے ڈورسے سے حسد ہونے لگا۔عمیر اسے جلتا کڑھتا چھوڑ کر چلا گیا۔

ہوٹل کی لفٹ سے مطلوبہ فلور پر پہنچ کر وہ اپنے کمرے کے سامنے آیا۔دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اندر سے رنیم نے نہیں کھولا۔اس کے پاس ایک چابی تھی جس سے اس نے دروازہ کھولا۔کمرے میں اندھیرا تھا۔اس نے لائٹ آن کی تو رنیم سر تک کمبل تانے بیڈ پر لیٹی نظر آئی۔وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔جھک کر اس کے سر سے کمبل اتارا تو اس کا آنسوؤں میں بھیگا چہرہ نظر آیا۔اس نے ایک نظر تک اٹھا کر اسے نہ دیکھا اور رونے میں مصروف رہی۔عمیر بے اختیار اسے دیکھے گیا۔پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے گال سے آنسو صاف کیا۔رنیم نے ایک پر شکوہ نظر اس پر ڈالی۔اور بازو میں اپنا منہ چھپا لیا۔

"رنیم۔مجھے منانا نہیں آتا۔"

"تو کس نے کہا ہے منائیں۔مجھے آپ سے بات بھی نہیں کرنی۔جائیں یہاں سے اپنی اس ہوتی سوتی کے پاس۔" وہ چہرے پر سے بازو ہٹائے بغیر بولی۔عمیر نے بمشکل ہنسی روکی۔پھر پیچھے ہٹ گیا۔وارڈروب سے کپڑے لے کر واشروم میں گھس گیا۔اور جب واپس آیا تو وہ ابھی تک ایسے ہی پڑی تھی۔وہ بیڈ کی دوسری جانب آکر لیٹ گیا۔رنیم کو یہ دکھ بھی کھائے جا رہا تھا کہ وہ غلطی کر کے شرمندہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔اس نے جانے کا کہا تو وہ چپ چاپ چلا بھی گیا۔اسے کے رونے میں اور بھی تیزی آگئی۔اچانک اس کے اوپر سے کمبل ایک جھٹکے سے اترا تھا۔اس نے غصے سے دوبارہ کمبل اوپر لینا چاہا لیکن عمیر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔اور اگلے ہی

لمحے وہ اس کے بازو پر سر رکھے لیٹی تھی۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ اس نے چہرے پر خفگی لاتے ہو پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن عمیر نے اسے اپنے بازو کی گرفت میں لے لیا۔

"آپ بہت برے ہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کو پتہ بھی تھا مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ بات بدلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور وہ کچھ کہے بنا اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"وہ لڑکی مجھ سے زیادہ اہم تھی کیا؟..... اگر میں نہیں جا رہی تھی تو آپ کو بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔ لیکن آپ اسے راضی کرنے کے لیے چلے گئے۔ میرا سوچا تک نہیں۔....." ریم خفگی سے بولے جا رہی تھی کہ عمیر اس کے چہرے پر جھکا۔ اس کی سانسیں چہرے پر محسوس کرتے ہوئے ریم کی سانسیں تھمیں تھیں۔ ہونٹوں پر اس کا لمس محسوس کر کے وہ کسی اور ہی جہاں میں جا پہنچی تھی۔ وہاں صرف وہ دونوں تھے۔ سہانی رات کی خاموشی میں چاند کی چاندنی ہر سو بکھری تھی۔ جگنو ان کے ارد گرد اڑتے مسکرا رہے تھے۔ ان کے دل کی دھڑکنیں ہم آہنگ تھیں۔ وصال کی وہ رات قطرہ قطرہ بہنے لگی تھی۔

---------------------------

رات کے نو بج چکے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور وہ روئے جا رہی تھی۔ اسے کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ حسیب بھائی سے بھی نہیں ملنے دیا جا رہا تھا۔ وہ دروازہ کھٹکھٹا کھٹکھٹا کر تھک چکی تھی۔ بھائی کو پکار پکار کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا لیکن کسی کو اس پر ترس نہیں آیا تھا۔ آئمہ جو اس کی سب سے بڑی بہن تھی اسے کھانا دے کر کچھ کہے سنے بغیر چلی گئی تھی۔ کھانا بھی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اسے اپنی موت سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔ عدنان سے شادی کرنا موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ لیکن عانی آپی کے ساتھ رہ کر اس نے یہ سیکھا تھا خود تکلیف سہہ کر دوسروں کو دکھ سے بچاؤ۔ اگر وہ خودکشی کر کے اس تکلیف دہ زندگی سے نجات پا لیتی ہے تو پیچھے سے اس کے ماں باپ لوگوں کو کیا منہ دکھاتے۔ اب تو سارے خاندان والوں کو پتہ چل چکا تھا کہ اس کی شادی عدنان سے ہو رہی ہے۔ وہ خودکشی کر کے

اپنے ماں باپ کو مشکل میں بھی نہیں ڈال سکتی تھی تو پھر کیا وہ ساری زندگی عدنان جیسے شخص کے ساتھ گزار لے گی۔ نہیں۔اس نے سوچ کر نفی میں سر ہلایا۔ٹھیک ہے وہ ماں باپ کی عزت بچانے کے لیے عدنان سے نکاح کر لے گی لیکن رخصت ہو کر اس کے گھر جاتے ساتھ ہی وہ خودکشی کر لے گی۔اور اس طرح کہ یہ موت طبعی لگے۔گلے میں پھندا ڈال کر یا کلائی کاٹ کر نہیں بلکہ زہر کھا کر۔اس کے ذہن نے منصوبہ بنانا شروع کر دیا تھا۔وہ موت کے سفر کی تیاری کرنے لگی تھی۔

باہر دانیال احمد کی فیملی آئی ہوئی تھی۔ان کی بیوی کبریٰ اور چھوٹی بیٹی مائرہ ساتھ تھی۔مائرہ کا بھائی ابروڈ تھا اور بڑی بہن سائرہ بھاگنے کے جرم میں قتل کر دی گئی تھی۔اس وقت سے مائرہ کو اپنی چچازاد بہنوں سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔کمال چچا کے کہنے پر اس کے باپ نے سائرہ کو مارا تھا۔اب وہ اس بات کا بدلہ چچا کی بیٹیوں سے لینا چاہتی تھی۔اور قدرت نے اسے موقع فراہم کر دیا گیا تھا۔

حریم کے کمرے کا دروازہ کھلا اور غزالہ عجلت میں اندر داخل ہوئی۔

"حریم جلدی سے اپنا حلیہ درست کرو۔تمہارے تایا کی فیملی باہر آئی بیٹھی ہے۔اگر مائرہ یا کبریٰ نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو ہم کیا جواب دیں گے انہیں۔جلدی کرو۔"اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔اس نے سر ہلاتے ہوئے جی کہا اور واشروم میں چہرہ دھونے چلی گئی۔جب وہ باہر آئی تو تائی جان اور مائرہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ساتھ غزالہ بھی تھی۔

"دراصل وہ شرم کے مارے باہر نہیں آ رہی تھی۔اب اپنے سامنے اپنی شادی کی باتیں کیسے سن سکتی ہے بھلا۔"وہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت دے رہی تھی۔حریم نے بمشکل آنسو روکے۔انہیں سلام کیا تو مائرہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔روئی روئی سی سرخ آنکھیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ اس شادی سے ناخوش ہے۔اسے بدلہ لینے کا موقع ملنے والا تھا۔کبریٰ اور غزالہ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد باہر چلی گئیں۔مائرہ نے رات حریم کے ساتھ رکنے کی

خواہش کی تو کبریٰ مان گئی جبکہ غزالہ کو ہول اٹھنے لگے کہ اگر اس نے مائرہ کو کچھ بتادیا تو بہت برا ہو گا۔ایک دفعہ اسے سمجھانا لازمی تھا۔رات کے کھانے پر اسے بھی مائرہ کے ساتھ کھانے کی ٹیبل پر بلایا گیا۔مائرہ کا سامنے سب کا رویہ اس سے نارمل تھا۔لیکن مائرہ کو حریم کا رویہ کھٹک رہا تھا۔حسیب کھانے پر حریم کو دیکھ بے اختیار نظریں چرا گیا۔حریم نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔اسے اب اپنے حق کے لیے خود لڑنا تھا۔کھانے کے بعد غزالہ نے حریم کو حکم دیا کہ برتن اٹھا کر کچن میں رکھے۔جب وہ کچن میں پہنچی تو غزالہ بھی وہیں آ گئی اور سختی سے اسے مائرہ کے سامنے کچھ بھی بولنے سے منع کیا۔

(میں آپ کے حکم پر یہ شادی کر رہی ہوں۔یہی برداشت کرلوں تو بڑی بات ہے۔مزید میرے صبر کا امتحان نہ لیں۔اگر میں اپنی مرضی سے جی نہیں سکتی تو موت میرا حق ہے جو کوئی بھی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔اس حق کو حاصل لیے مجھ سے جو بھی بن پڑا میں کروں گی۔لیکن فکر مت کریں میں آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی۔)وہ کمرے میں آتے ہوئے جنونی سی کیفیت میں سوچ رہی تھی۔

مائرہ کمرے میں موجود تھی اور کمرے کی حالت ٹھیک کر رہی تھی۔

"رہنے دو مائرہ۔میں کرلوں گی۔"حریم نے کہا۔

"اب ایک دن کی مہمان سے کیا کام کروانا۔"مائرہ نے پلٹ کر خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو میں ایک دن کی ہی مہمان ہوں۔"وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔

"ویسے یار تمہاری تو لاٹری نکل آئی۔بڑی بہنیں ابھی گھر بیٹھی ہیں اور تمہاری شادی ہونے جارہی ہے۔کاش مجھے بھی کوئی ایسا لڑکا پسند کر لے جسے باہر جانے کی جلدی ہو اور وہ مجھے فوراً بیاہ کر اپنے ساتھ لے جائے۔"وہ بظاہر لطیف سا طنز کر رہی تھی لیکن اس کا لہجہ کریدنے والا تھا۔اور حریم کو اب سمجھ آ رہی تھی کہ اس کے اتنی جلدی میں

ہونے والے نکاح کی وجہ خاندان میں کیا بتائی گئی ہے۔ کہ عدنان کو باہر جانا ہے اسی لیے نکاح جلدی ہو رہا ہے۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔ عدنان کے خواب کو چکنا چور کرنے کے لیے وہ اپنی جان بھی دے سکتی ہے۔

وہ کچھ کہے بنا بیڈ پر جا بیٹھی۔

"حریم تم مجھے خوش نہیں لگتی؟" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے ہمدردی سے بولی تھی۔

"ہاں میں خوش نہیں ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ مائرہ کو اس کے اتنے صاف جواب کی امید نہیں تھی۔

"تو مت کرو یہ شادی۔" وہ غور سے حریم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کیسے نہ کروں؟"

"کچھ بھی کرو۔ چچی جان کو انکار کر دو۔ ویسے بھی عدنان مجھے تمہارے قابل نہیں لگتا۔ وہ تمہاری ماں ہیں۔ کیا انہیں یہ نظر نہیں آرہا کہ تمہارا اس کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔ تمہارے لیے تو کسی شہزادے کو آنا چاہیے۔"

"پہلے بھی تو آیا تھا ایک شہزادہ۔ دیکھا نہیں کیا حشر ہوا تھا اس کا۔" حریم نے تلخی سے کہا تو مائرہ کے دل میں تکلیف اٹھی۔ اس نے اپنے بہنوئی کو دیکھا تھا۔ وہ بھی تو کسی شہزادے سے کم نہیں تھا۔ اور محبت کے ہاتھوں اپنی زندگی کھو بیٹھا تھا۔

"حریم تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ اگر کسی کو پسند کرتی ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔"

"نہیں میں کسی کو پسند نہیں کرتی۔" سمیع کا نام تو مر کے بھی کسی کے سامنے نہیں لے سکتی تھی۔

"لیکن مجھے عدنان سے سخت نفرت ہے۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے میں مرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"اس کا مطلب تم خودکشی کرنا چاہتی ہو؟" مائرہ نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ دل البتہ خوش ہوا تھا۔ چلو گھر سے بھاگے نہ سہی۔ خودکشی کر لے تو بھی لوگوں کے سامنے چچا جان منہ اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ وہ بھی تو یہی چاہتی تھی کہ وہ گھر سے بھاگے اور اسے واپس لا کر قتل کر دیا جائے۔ اب بھی تو موت ہی اس کا مقدر تھی۔

"ہاں اور مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

"لیکن میں کیسے تمہیں جان بوجھ کر موت کی طرف دھکیل دوں؟" اسے یہ ڈر تھا کہ حریم کی موت کے بعد اگر سب کو پتہ چل گیا کہ اس کی وجہ سے وہ مری ہے تو قتل کا الزام اس کے سر نہ آ لگے۔ اس لیے وہ اپنا دامن بچانا چاہتی تھی۔

"مر تو میں ویسے بھی جاؤں گی۔ زہر نہ سہی تو چھری تو ہے نا۔ لیکن اس سے میرے ماں باپ کی عزت پر حرف آئے گا۔ لوگ میری خودکشی کی وجہ پوچھیں گے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں میری موت طبعی لگے۔" وہ سکون سے کہہ رہی تھی اور مائرہ حیران ہو رہی تھی۔

"کیا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں حریم؟ تم کچھ اور کر لو۔ بھاگ جاؤ لیکن پلیز اپنی زندگی کو ختم مت کرو۔"

"میرے پاس اور کوئی حل نہیں مائرہ۔ میں اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی کجا کہ اس کے ساتھ رہنا۔ میرا مرنا ہی بہتر ہے۔ اور مجھے یقین ہے میرے مرنے پر میرے گھر والوں میں سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"لیکن اس سب میں میرا نام آ گیا تو؟" مائرہ کو اپنی پڑی تھی۔

"نہیں آئے گا۔ جب میں مر جاؤں گی تو کسی کو کون بتائے گا؟" اس کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔ مرنا اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنی آسانی سے وہ کہہ رہی تھی۔

"پوسٹ مارٹم میں سب پتہ چل جاتا ہے کہ موت کیسے ہوئی تھی۔"

"تو کسی کو کیا پتہ کہ وہ زہر تم نے مجھے دیا تھا۔ میرے گھر والے خود اس بات کو دبا دیں گے کہ میں نے زہر کھا کر خودکشی کی ہے۔ اور سب کو بتائیں گے کہ میں طبعی موت مری ہوں۔ دیکھو مجھے اس وقت صرف موت کی تمنا ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی ہمدردی ہے تو تم میری مدد کرو۔ تم میری آخری امید ہو۔ پلیز مائرہ۔ میں بہت مجبور ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر منتیں کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے تم بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"تم مجھے زہر لا دو کہیں سے ڈھونڈ کے۔ تم جتنے پیسے کہو گی میں تمہیں دوں گی۔" حریم نے کہا تو وہ مان گئی۔ حریم نے اسے ایک ایسے زہر کا نام بتایا جس کا اثر کچھ گھنٹوں کے بعد ہوتا تھا۔ اس نے ایک ڈرامے میں کسی کو زہر کھاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کا نام بھی ابھی تک یاد تھا۔ نکاح سے پہلے وہ کھا لے گی۔ تو عدنان کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ مر جائے گی۔ اس کے پاس کچھ پیسے تھے جو اسے عانی آپی نے دیے تھے۔ اس نے وہ سارے پیسے مائرہ کو دے دیے اور اب مائرہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح وہ زہر لائے۔ حریم کے مرنے سے ہی اسے سکون ملے گا۔ اور وہ اپنے سکون کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھی۔

---

اگلی صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔ سمیع اپنے ایک دوست سے مل کر آ رہا تھا۔ گاڑی گھر کی طرف رواں دواں تھی جب اس کا فون بجا۔ اس نے دیکھا تو داؤد کی کال تھی۔ اس شخص کو اس نے عدنان کی نگرانی پر لگا رکھا تھا۔

"ہاں بولو داؤد۔ کوئی نئی خبر ہے؟" وہ ایک ہاتھ سے سٹیرنگ پکڑے دوسرے ہاتھ سے فون کان سے لگاتا بولا تھا۔

"سر عدنان لاہور چلا گیا ہے۔ اس کے دوست نے بتایا ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔" داؤد نے کہا۔

"واٹ؟" اس نے زور سے گاڑی کو بریک لگائی۔ دماغ تو جیسے ماؤف ہونے والا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ اس کی شادی کس سے ہونے والی ہے۔ عدنان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے ہوتے ہوئے وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گا۔ اسے یقین تھا۔

"تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے؟" وہ غصے سے دھاڑا۔

"سر مجھے ابھی ابھی یہ بات پتہ چلی ہے۔"

"اور کچھ بتایا ہے اس کے دوست نے؟"

"ہاں وہ کہہ رہا تھا کہ عدنان بہت خوش تھا۔اس کی پسند سے یہ شادی ہو رہی ہے۔آج دوپہر دو بجے اس کا نکاح ہے۔" سمیع نے کچھ کہے بنا تیزی سے فون بند کیا۔اس کی کشادہ پیشانی پر پریشانی کی لکیریں پھیل چکی تھیں۔دل میں وسوسے جاگ رہے تھے۔حریم پر پتہ نہیں کیا بیت رہی ہو گی۔وہ کتنا روئی ہو گی۔وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اعصاب کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگا۔پھر جلدی سے لاہور کیلیے آن لائن ٹکٹ بک کروائی۔اس کے پاس دو بجے تک کا وقت تھا۔اور اسے جلد از جلد حریم کے پاس پہنچنا تھا۔

---------------------------------------

عامر حماد کے ہوٹل میں پہنچ چکا تھا۔اس نے فون کر کے حماد کو اطلاع دے دی تھی اور قاسم نے وہ کال لائیو سنی تھی۔

"ساحر وہیں ریسیپشن پر تمہیں مل جائے گا۔لیکن تم اسے کچھ نہیں کہو گے اور نہ اپنا نام لو گے۔میں ابھی اسے فون کر کے تمہارے بارے میں بتا دیتا ہوں۔تمہارے کپڑوں کا رنگ کیا ہے؟...میں اسے تمہاری نشانی بتا دوں گا۔" حماد نے کہا تھا۔اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا کہ عامر دہشتگرد ہے۔وہ احتیاط کرنا چاہتا تھا لیکن یہی احتیاط اس کے گلے پڑنے والی تھی۔

"سرخ رنگ کی شرٹ ہے۔" عامر نے کہا تو اس نے فون بند کر دیا تھا۔

قاسم نے دو تین لوگوں کو ہوٹل کی نگرانی پر مامور کیا ہوا تھا۔یہ اطلاع ملتے ہی اس نے ایک کو فون کیا۔

"اشعر ابھی دو منٹ پہلے ایک آدمی ہوٹل میں داخل ہوا ہے۔اس کے پاس کوئی سفری بیگ بھی تھا۔"

"جی سر دو لوگ ابھی ہوٹل میں داخل ہوئے ہیں س ایک ستر سالہ آدمی تھا اور دوسرا شاید تیس سے پینتیس سال عمر کا تھا۔

ہاں وہ دوسرا ہی شخص عامر تھا۔اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"گرے جینز اور ریڈ شرٹ پہنی ہوئی تھی اس نے۔"

"ٹھیک ہے۔تم اب اس شخص پر نظر رکھو کہ وہ کہاں آتا جاتا ہے۔اگر وہ ہوٹل سے نکلے تو مجھے اسی وقت اطلاع دینا۔"

"اوکے سر۔"اشعر نے کہا تو قاسم نے فون بند کر دیا۔اس کا دماغ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو اب۔"ریان نے انگڑائی لیتے ہوئے سست لہجے میں کہا۔

"ہم آج رات اس ہوٹل اور دوسرے اڈوں پر ایک ساتھ ریڈ کریں گے۔"اس ہوٹل میں نچلے فلور پر ریسٹورنٹ تھا اور اوپر والے چار فلورز پر کمرے تھے۔دن کے وقت وہاں بہت رش رہتا تھا۔ایسے میں ریڈ کرنا بہت مشکل تھا۔شہری حملے کی زد میں آسکتے تھے۔رات کو بھی رش ہوتا تھا لیکن دوپہر کی نسبت کم تھا۔زیادہ تر لوگ اپنے کمروں میں ہوتے تھے سو اتنا نقصان نہیں ہونا تھا۔

"ابھی کیوں نہیں؟"

"ابھی ہوٹل میں بہت سے لوگ ہوں گے وہاں۔رات دس بجے کا وقت ٹھیک رہے گا۔"

"میں بھی ساتھ جاؤں گا۔"

"پوچھ رہے ہو یا بتا رہے ہو؟"

"بتا رہا ہوں۔میرا جانا ضروری ہے۔حماد کو بھی پتہ چلنا چاہیے کہ میں اس کی دھمکی کے باوجود پھر سے اس کے مقابل آگیا ہوں۔اور اس دفعہ اسے چھوڑوں گا نہیں۔"

"حفیظ کو کیا کہو گے؟"

"تم ہو نا کہنے کے لیے۔"اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

"جھوٹ بولنا اور سفارش کرنا بہت بڑا جرم ہوتا ہے اور تمہیں تو پتہ ہے میں قانون کے معاملے میں بہت سٹریٹ فارورڈ ہوں۔" قاسم نے کہا۔

"ہاں مجھ سے بہتر اور کون جانتا ہے۔" ریان نے جل کر کہا۔

"اچھا یار دیکھوں گا۔" قاسم نے احسان کرتے ہوئے کہا۔

--------------------------------

ٹورنٹو پر بادلوں نے چھاؤں کر رکھی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں موسم مزید خوشگوار ہو چکا تھا۔ آج وہ دونوں high park آئے ہوئے تھے۔ پکی روش پر ہمقدم چلتے ہوئے وہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔ روش کے دائیں بائیں سبز گھاس کے قطعے تھے۔ اور چیری بلاسم کے درخت ماحول کو اور بھی خوبصورت بنا رہے تھے۔ روش کے کناروں پر کہیں کہیں سنگی بینچ بھی نسب تھے۔ اس جگہ ان کے علاوہ صرف دو تین ہی سیاح تھے۔ وہ grenadier pond کی طرف جا رہے تھے۔

حدیقہ بلیک ٹائٹس پر بلیک کلر کا ٹاپ اور سرخ رنگ کی گھٹنوں تک آتی سکرٹ میں ملبوس تھی۔ اوپر سرخ لمبا سویٹر تھا۔ سر پر بلیک اسٹالر حجاب کی صورت میں لپیٹا ہوا تھا۔ نیلی آنکھوں میں کاجل تھا اور ہونٹوں پر سرخ لپ سٹک تھی۔ پیروں میں سرخ لمبی ہیل والے سینڈلز تھے۔ جن کی وجہ سے وہ ذرا آہستہ چل رہی تھی۔

وہاب بلیک جینز اور بلیک ہائی نیک شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس کی آستین اس کی کلائیوں تک کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ پیروں میں بلیک شوز تھے اور گلے میں بلیک مفلر۔ چھوٹے بالوں کو ہمیشہ کی طرح ماتھے پر ایک سٹائل سے بکھیرے وہ کسی ہالیووڈ فلم کا ہیرو لگ رہا تھا۔ وہ حدیقہ کا ایک ہاتھ پکڑے چپ چاپ چل رہا تھا۔ حدیقہ نے محسوس کیا تھا کہ وہ صبح سے کچھ پریشان سا ہے۔ ابھی تک اس نے حدیقہ کو ضرورت پڑنے کے علاوہ نہیں پکارا تھا جس سے حدیقہ کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی مسلہ ہے۔ وہ اس سے بات کرنے کی ہمت کر رہی تھی۔

"وہاب!" کچھ دیر بعد اس نے اسے پکارا۔

"ہمم۔" وہاب سامنے دیکھتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"آپ کو کیا ہوا؟..... آپ پریشان لگ رہے ہیں مجھے۔" اس نے فکر مندی سے کہا تو وہاب اس کی طرف دیکھ کر اداس سا مسکرایا۔ حدیقہ کو اس کی آنکھوں میں ماضی کا عکس دکھائی دیا تھا۔

"ماں یاد آ رہی ہے۔" وہ پھر سامنے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ حدیقہ چپ سی ہو گئی۔ اسے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ وہاب جبین آنٹی کو یاد کر کے اتنا اداس رہتا ہے۔ اسے تو تسلی بھی نہیں دینی آتی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی آگے سے کیا کہے۔ کس طرح اس کے چہرے پر مسکراہٹ لائے۔

"میں نے آج انہیں خواب میں دیکھا تھا۔ آج پہلی دفعہ وہ میری خواب میں آئی ہیں۔ کب سے میں ان کی شکل دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ آج دیکھ ہی لیا۔" وہ دل آزردگی سے کہہ رہا تھا اور اسے یوں اداس دیکھ کر حدیقہ کا دل پسیج گیا۔

"پھر تو آپ کو خوش ہونا چاہیے نا۔"

"میں انہیں ہر وقت اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ان کی تصویر دیکھ لیں۔"

"تصویر نہیں ہے میرے پاس۔ کاش ایک تصویر ہی ہو جاتی ان کی میرے پاس۔" وہ حسرت سے بول رہا تھا۔

"میرے پاس ہے۔" حدیقہ نے کہا تو اس نے چونک کر حدیقہ کو دیکھا۔ وہ دونوں رک گئے تھے۔

"سچ میں؟" وہ بچوں کی طرح خوش ہوا۔

"ہاں میں نے اپنے ٹیب میں ان کی ایک دفعہ پکچر لی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد میں نے اس پکچر کا پیپر پر اسکیچ بھی بنایا تھا۔ اب وہ ٹیب تو خراب ہو چکا ہے لیکن اسکیچ میرے پاس ہی پڑا ہے۔"

"وہ اسکیچ بالکل ان کی طرح کا ہے؟"

"ہاں۔میں بہت اچھی مصور ہوں۔"اس نے مسکرا کر کہا تو وہاب بھی مسکرا دیا۔وہ دونوں پھر سے چلنے لگے تھے۔

"وہ تم مجھے دو گی؟"

"کیوں دوں؟"اس نے شانے اچکا کر کہا۔خوامخواہ ہی دل کر رہا تھا اس سے بحث کرنے کو۔

"پلیز۔وہ میری ماں تھیں۔"

"وہ میری آنٹی تھیں۔اور آپ سے زیادہ مجھ سے پیار کرتی تھیں۔میں نے ایک دفعہ ان کے بیٹے کا سر پھاڑا تھا لیکن انہوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔"وہ فخر سے بولی تھی۔

"اور آنٹی عمرینہ سے جو ڈانٹ تمہیں پڑی تھی وہ بھی مجھے یاد ہے۔"وہاب نے بھی بدلہ چکایا۔حدیقہ نے تلملا کر اسے دیکھا۔

"آپ کو بھی جبین آنٹی سے بڑی ڈانٹ پڑتی تھی جب آپ مجھے ان کی گود میں دیکھ کر جیلس ہوتے تھے اور خود ان کی گود میں آنے کی کوشش کرتے تھے۔"

"اور جب آنٹی عمرینہ مجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتی تھیں تو تم جان بوجھ کر کھانا کپڑوں پر گرا لیتی تھی۔پھر آنٹی تمہیں کھلانے کی بجائے ڈانٹتی تھیں۔"

"لیکن جبین آنٹی تو میرا ساتھ ہی دیتی تھیں نا۔"وہ کھسیا کر بولی۔

"تم ان کی ہونے والی ڈاٹر ان لا جو تھی۔"وہ شرارت سے بولا۔حدیقہ کے دل کو سکون ملا کہ وہ اب مسکرا رہا ہے۔

"ایک شعر سناؤں۔"اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔وہ اسے باتوں میں لگا کر رکھنا چاہتی تھی تا کہ وہ پھر سے اداس نہ ہو جائے۔

"تمہیں شاعری آتی ہے؟" وہاب سخت حیران ہوا۔ ایسی ان رومینٹک بیوی جو اس سے بات کرنے سے بھی جھجھکتی ہے وہ رومینٹک شعر کیا سنائے گی۔

"ایسی ویسی؟" حدیقہ نے اترا کر کہا۔

"اچھا تو پھر فرمایئے۔ مجھے بھی پتہ چلے کتنا اعلیٰ ذوق ہے آپ کا۔"

"وہ بھی کیا دن تھے۔" اس نے شاعروں کی طرح کہا۔

"واہ واہ۔ آگے عرض کیجیے۔" وہ خوش ہوا۔ پہلا مصرع کچھ رومینٹک سا لگ رہا تھا۔

"جب ہم جن تھے۔" اگلے مصرع پر وہاب نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ زور سے ہنسی۔

"اتنا رومینٹک شعر سن کر میرے دل نے بیٹ مس کی ہے۔" اس نے جل کر کہا۔

"آگے سنیں گے تو دل دھڑکنا بھول جائے گا۔"

"عرض۔" اس نے گہری سانس بھری۔

"اب ہم دیو ہیں۔" وہاب نے ہنسی کو روکتے ہوئے چہرے پر سنجیدگی سجائے رکھی۔

"جنوں کے بھی پیو ہیں۔" اس نے آخری مصرع پڑھ کر داد طلب نگاہوں سے وہاب کی طرف دیکھا۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے تالاب کے کنارے آ چکے تھے۔ وہاں ایک سنگی بینچ نسب تھا حدیقہ بینچ پر بیٹھ گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ تالاب میں بطخوں اور راج ہنسوں کے جوڑے تیر رہے تھے۔ ان پر ایک درخت کے پتوں نے چھاؤں کر رکھی تھی۔ پانی کی لہریں اور ٹھنڈی ہوا کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتیں شور پیدا کر رہی تھیں۔ وہ دونوں اس رومان پرور ماحول میں اکیلے تھے۔

"اگر مجھے شعر آتے ہوتے تو میں بھی تمہارے جواب میں کچھ ضرور سناتا۔" اس نے افسوس سے کہا۔ وہ بہت لائق تھا لیکن اسے شعر یاد نہیں ہوتے تھے۔ خاص کر اردو کے مشکل شعر۔ البتہ گانے اسے فر فر آتے تھے۔

"کوئی بات نہیں۔ میں ہی سنا دیتی ہوں۔" وہ پھر سے کوئی بونگا سا شعر سنانے لگی تھی۔ وہاب جانتا تھا۔

"سناؤ۔"

"کھڑکی میں آ کر دیکھا۔"

"ہمم۔" اسے امید لگی کہ اب تو کوئی رومینٹک شعر ہو۔

"کھڑکی میں آ کر دیکھا...... گلی میں کوئی نہ تھا۔" اس نے آنکھیں بند کر کے جذب کے عالم میں کہا۔ وہاب نے تعجب سے اسے دیکھا۔ لگ تو رومینٹک رہا تھا لیکن حدیقہ کا کچھ نہیں پتہ تھا آگے اس شعر کا کیا ستیاناس کرتی ہے۔

"پھر۔"

"پھر...... گلی میں آ کر دیکھا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرائی۔ وہاب کو تجسس ہوا۔ شاید اب کوئی نظر آ جائے۔

"گلی میں آ کر دیکھا تو...... کھڑکی میں کوئی نہ تھا۔" وہ بول کر ہنسی۔ وہاب کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ اس شعر کا سارا فسوں ختم ہو گیا۔ لیکن اسے زور سے ہنسی آئی۔

"اتنے بونگے شعر کہاں سے یاد کیے ہیں؟" وہ اس کے کندھوں پر بازو حمائل کر تا رازداری سے پوچھنے لگا۔ حدیقہ نے اسے غصے سے گھورا۔ لیکن اس کی مسکراتی آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔ وہاب کی سانسیں اور کپڑوں کی خوشبو اس کے دل میں ہل چل مچانے لگی تھی۔

"میں تو تمہاری مسکراہٹ دیکھ کر ہی ہر دکھ بھول جاتا ہوں۔ تم نے مجھے خوش کرنے کیلیے اچھی کوشش کی۔ گڈ جاب حدی۔" وہاب نے اس کا چھوٹا سا ناک پکڑ کر کھینچا تو اس نے منہ بنایا۔

"میری ناک چھوڑیں نا۔" وہ خفت مٹانے کو بولی۔

"چلو اب میں تمہیں کچھ سناتا ہوں۔" اس نے حدیقہ کی ناک چھوڑ دی۔

"کیا؟"

"گانا۔"اس نے ابرو اچکا کر کہا۔حدیقہ کے لیے اس سے گانا سننا بہت مشکل تھا۔پچھلا گانا ابھی بھولی نہیں تھی۔

"مجھے ایک اور شعر یاد آرہا ہے۔"وہ گانا سننے سے بچنے کیلیے بولی۔

"پہلے میرا گانا سنو۔"اس نے جلدی سے کہا اور حدیقہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تیرے سامنے آجانے سے یہ دل میرا دھڑکا ہے

یہ غلطی نہیں ہے تیری قصور نظر کا ہے

جس بات کا تجھ کو ڈر ہے وہ کر کے دکھادوں گا

ایسے نہ مجھے تم دیکھو سینے سے لگالوں گا

تم کو میں چرالوں گا تم سے دل میں چھپالوں گا"

وہ تھا تو ایک گانا لیکن حدیقہ کو لگ رہا تھا کہ وہ اسے باور کروانے کے لیے یہ سنا رہا ہے۔ہر لفظ کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔وہ گھبراہٹ مٹانے کیلیے پہلے تو اسے غصے سے گھورنے لگی تھی لیکن جب اس نے کہا ....ایسے نہ مجھے دیکھو۔تو وہ بے اختیار نظریں جھکا گئی تھی۔وہاب کو آج اس کے چہرے پر چھاتی سرخی کے علاوہ شرمگیں مسکراہٹ بھی نظر آئی تھی جسے وہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

تالاب کے پانی میں لہریں بھی اسی دھن میں بہہ رہی تھیں۔ہوا کے زور سے درختوں کے پتے سرسرا رہے تھے۔ان کے سامنے سے راج ہنس کا ایک جوڑا تیر رہا تھا۔

---------------------------------

دوپہر کے ایک بج گئے تھے جب وہ لاہور کے ائیر پورٹ سے باہر نکل رہا تھا۔یہاں اس کے دو دوست تھے اور ان کے دور پار کے رشتے دار بھی تھے۔وہ دونوں جڑواں بھائی تھے۔ایک کا نام اسامہ تھا اور دوسرے کا ثمامہ۔اس

نے ان دونوں کو ایک بجے ائیر پورٹ پہنچنے کا کہہ دیا تھا۔اور ائیر پورٹ سے باہر نکلتے ہی اسے وہ دونوں نظر آ گئے تھے۔اتنے دنوں بعد اسے اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے مسکرائے لیکن اس کے چہرے پر سنجیدگی ہی چھائی رہی۔

"اسلام علیکم سمیع بھائی۔" اسامہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"پیچھے ہٹو۔" وہ جواب دینے کی بجائے بولا تو اسامہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ سمیع اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔دونوں بھائیوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھ۔

"چابی دو۔اور جلدی سے بیٹھو اندر۔" سمیع نے اس کے ہاتھ سے چابی کھینچی اور ان کو حکم دینے والے انداز میں بولا۔

"کیا ہوا سمیع بھائی؟ آپ پریشان لگ رہے ہیں۔" ثمامہ نے فکر مندی سے کہا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔اندر بیٹھو۔راستے میں بتادوں گا۔" وہ غصے سے بولا تو دونوں جلدی سے اندر بیٹھے۔

"پسٹلز تو ہوں گی تم دونوں کے پاس؟" اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تو دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟ کچھ پتہ تو چلے۔کہیں ڈاکا ڈالنے کا ارادہ تو نہیں۔"

"میرا دماغ مت کھاؤ۔جو کہتا ہوں بس وہ کرو۔"

"لیکن ہوا کیا ہے؟" ثمامہ پوچھ رہا تھا جب سمیع کا فون بجا۔اس نے جیب سے نکال کر چیک کیا تو عانیہ کی کال تھی۔

"اسلام علیکم۔" اس نے کان سے فون لگاتے ہوئے کہا۔

"سمیع حریم سے رابطہ نہیں ہو پا رہا۔اس کا بھائی بھی فون نہیں اٹھا رہا۔مجھے لگتا ہے وہ لوگ حریم کے ساتھ کچھ برا کر رہے ہیں۔" عانیہ پریشانی سے بول رہی تھی۔کل حسیب نے کہا تھا کہ وہ اس کی بات حریم سے کروادے گا جب وہ

اکیلی ہو گی۔عانیہ نے اتنا انتظار کیا لیکن اس کی طرف سے کوئی فون نہ آیا تو اس نے خود فون کیا۔لیکن اب اس کا نمبر ہی بند جا رہا تھا۔اسے گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔

"فکر مت کرو عانیہ۔میں لاہور پہنچ چکا ہوں۔اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب ؟تم وہاں کیوں گئے ہو؟اس طرح تو حریم مشکل میں آجائے گی۔"عانیہ ٹھٹک کر بولی۔

"وہ آل ریڈی مشکل میں آچکی ہے۔اس کے گھر والے اس کی شادی عدنان سے کرنے جا رہے ہیں۔"

"واٹ ؟......اس نے بتایا نہیں کہ عدنان نے اسے اغوا کیا تھا؟"اس کا تو دماغ گھوم گیا۔

"پتہ نہیں۔میں وہاں جا رہا ہوں۔تم دعا کرنا سب اچھا ہو۔میں اسے بچا لوں گا۔" سمیع نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔عانیہ بھی اسی وقت لاہور آنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

---

کمال ہاؤس میں مہمانوں کی آمد سے ہر طرف ہل چل پھیلی ہوئی تھی۔زیادہ مہمان نہیں تھے۔صرف قریب کے ہی لوگ تھے۔لڑکے والوں کی طرف سے دو تین فیملیز تھیں۔کمال صاحب کے بھائی دانیال اور بہن رئیسہ کی فیملیز تھیں۔کل ملا کر پچاس کے قریب لوگ تھے۔لاؤنج میں نکاح کا اہتمام کیا گیا تھا۔عدنان شیروانی میں ملبوس ایک صوفے پر بیٹھا تھا اور ارد گرد سب مرد بیٹھے تھے۔عورتیں اور لڑکیاں بھی وہیں تھیں۔

اور حریم کے کمرے میں دنیا جہان کی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔سرخ رنگ کے سادہ سے عروسی لباس میں وہ گم صُم سی بیٹھی تھی۔چہرے اور گردن کے زخم میک اپ میں چھپے ہوئے تھے۔سرخ آنکھوں کے سامنے سمیع کی تصویر تھی۔اور زہن میں اس کی یادیں کسی فلم کی طرح چل رہی تھیں۔لیکن اس کے آنسو خشک تھے۔دل کی دھڑکن سست ہوتی جا رہی تھی۔سانسیں چھوٹی ہوتی جا رہی تھیں۔موت کچھ ہی لمحوں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔وہ زہر کھا

چکی تھی۔ لیکن ابھی موت سے پہلے ایک اور قیامت سہنا باقی تھی۔ عدنان کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنے والدین کے لیے اس قیامت سے گزرنے والی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور کئی لڑکیاں اندر داخل ہوئیں جو اس کی کزنز اور بہنیں تھیں۔ نکاح ہونے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اور وہ سب اسے لینے آئی تھیں۔

(مجھے معاف کر دینا سمیع۔ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔)

آئمہ اور نیلم اسے دائیں بائیں سے پکڑے باہر لائی تھیں۔ وہ کسی زندہ لاش کی طرح لڑکیوں کے ہجوم میں باہر آئی تھی۔ آس پاس کا شور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر یہاں تھی ہی نہیں۔ اسے نہیں پتہ چلا کہاں اسے بٹھایا گیا تھا۔ کون اس کے آس پاس موجود ہے۔ کون کیا کہہ رہا ہے۔ شاید قاری صاحب نکاح پڑھا رہے تھے۔ سب کچھ گڈ مڈ ہو رہا تھا۔ دل آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا۔ اور جب اس نے ایک فائر کی آواز سنی تو اس کا دل پھر سے چلنے لگا تھا۔ گولی بالکل اس کے پاس سے گزر کر صوفے کی پشت میں گھس گئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا اور اس کی نظریں اسی پر جمیں تھیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں پسٹل تھی جو اس نے اس کی طرف تان رکھی تھی۔ اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

حریم کے ساتھ ہی دائیں طرف عدنان بیٹھا تھا۔ گولی ان دونوں کے درمیان میں سے گزری تھی۔ عدنان کا تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور سہم کر دائیں طرف گر پڑا۔ لیکن حریم ساکت رہ گئی تھی۔ سب لوگ حیرت اور خوف سے سمیع کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ حسیب سمیع کو پہچان چکا تھا۔ وہ بھی خوف سے ساکت ہو چکا تھا۔ اگر وہ سب کے سامنے زبردستی حریم کو ساتھ لے جاتا تو وہ خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے تھے۔ نہیں وہ اسے ایسا نہیں کرنے دے گا۔ وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

"خبر دار کوئی اپنی جگہ سے ہلا۔ورنہ اپنی جان سے جائے گا۔"وہ عدنان پر نظریں جمائے اونچی آواز میں بولا تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔حسیب بھی رک گیا۔کمال اور دانیال کا چہرہ بھی غصے اور ذلت سے سرخ ہو چکا تھا۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کسی طرح اس لڑکے کو یہاں سے غائب کر دیں۔لوگ تعجب اور معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے آنے کا مقصد تو سب ہی جان چکے تھے۔

"یہ کیا غنڈہ گردی ہے سمیع؟"حسیب دبی دبی آواز میں غرایا۔سمیع نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسکرایا۔کمال صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔تو یہ سمیع تھا۔غصے کا شدید ابال دل میں اٹھا تھا۔

"تھوڑی دیر انتظار کر لو۔پھر بتاتا ہوں غنڈہ گردی کسے کہتے ہیں۔"اس نے پسٹل والا ہاتھ نیچے گرا لیا اور حریم کی طرف بڑھنے لگا۔حریم کی دھڑکن مزید تیز ہونے لگی۔جبکہ عدنان اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔لوگوں میں چہم گوئیاں شروع ہو گئیں۔حسیب اور کمال صاحب دونوں اس کی طرف بڑھے لیکن ان پر دو لڑکوں نے پسٹلز تان لیں۔وہ اسامہ اور ثمامہ تھے۔

سمیع چلتا ہوا عدنان کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا۔عدنان کی تو جان نکلی جا رہی تھی۔سمیع نے جھک کر اسے کالر سے پکڑا اور کھینچ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔عدنان کے ماں باپ اپنے بیٹے کو خطرے میں دیکھ کر بے اختیار آگے بڑھے تھے۔سمیع نے پسٹل کا رخ ان کی طرف کیا تو وہ بھی رک گئے۔اس نے ہاتھ کو بند کر کے مٹھی بنائی اور زور سے گھما کر عدنان کے منہ پر مکا دے مارا۔عدنان تیورا کر نیچے گرا۔اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔سمیع نے پھر اسے گریبان سے پکڑ کر سامنے کیا اور دوسرا مکا مارا۔وہ نیچے زمین پر حریم کے قدموں میں جا گرا۔سمیع ایک گھٹنے اور پنجے پر بیٹھ کر اس پر جھکا۔

"اب بولو......ہاں۔کیا تمہیں یہ نکاح قبول ہے؟"اس نے ایسے پوچھا جیسے وہ نکاح پڑھوانے والا قاضی ہو۔عدنان نے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا۔سب لوگ دم سادھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔سب لڑکیوں کی

نظریں سمیع کے خوبصورت چہرے پر جمیں تھیں۔مائرہ بھی جان چکی تھی کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کیلیے حریم نے زہر کھایاہے۔کمال اور حسیب بھی بے بس سے کھڑے تھے۔غزالہ تو شرمندگی کے مارے زمین میں گڑی جارہی تھی۔ آج ان کی عزت کا جنازہ نکلنے والا تھا۔رئیسہ کی طنزیہ نگاہیں اسے چبھ رہی تھیں۔

"واہ۔تو یہ ہے آپ کا ہونے والا داماد۔اپنی جان بچانے کیلیے آپ کی بیٹی کو چھوڑ دیا۔" سمیع نے کمال صاحب کی طرف دیکھ کر طنزیہ کہا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" وہ دھاڑے۔ سمیع پھر مسکرایا۔

"کچھ بتاناچاہتاہوں؟" وہ ایک نظر حریم کی طرف دیکھ کر بولا۔حسیب نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔وہ کیا کہنےوالا تھااب؟حسیب جانتا تھا۔

"سمیع میری بات سنو۔تم اس وقت چلے جاؤ۔ہم بعد میں بات کریں گے۔" حسیب نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"ہم ابھی بات کریں گے حسیب۔سب کے سامنے۔" سمیع نے سپاٹ لہجے میں کہااور عدنان کی طرف دیکھا۔عدنان ابھی تک نیچے گراہوا تھااور سمیع اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"یہ پسٹل دیکھ رہے ہو۔بارہ گولیاں ہیں اس میں۔ایک ایک کر کے سب تمہارے سینے میں اتار دوں گا اگر تم نے میرے سوال کا جواب صحیح نہ دیا۔" سب کو اس کی بات پر حیرت ہوئی۔حسیب بھی ٹھٹکا۔وہ تو حریم کے بارے میں بات کرنے والا تھا۔عدنان کہاں سے بیچ میں آگیا۔

"تو بتاؤ عدنان تم نے حریم کو اغوا کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" اس نے یہ نہیں کہا کہ اغوا کیا بلکہ یہ کہا کہ اس نے کوشش کی۔اسے عدنان کو سب کے سامنے ذلیل کرنا تھا نہ کہ حریم کو۔حسیب اور کمال کو دھچکا سا لگا تھا۔کیا عدنان نے حریم کو اغوا کیا تھا؟ تبھی اسے پتہ تھا کہ حریم کہاں ہے۔اور سارا الزام سمیع پر ڈال دیا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ میرا بیٹا ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔" نواز صاحب نے اپنے بیٹے کی بے عزتی برداشت نہ ہوئی تو بول اٹھے۔

"کیوں نہ آپ کے بیٹے سے ہی پوچھ لیں..... ہاں تو بتاؤ۔ کیوں کیا تھا ایسا؟" اس نے عدنان کی طرف دیکھا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔

"میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے والد نہیں مانے تو میں نے......." وہ ابھی بول رہا تھا کہ سمیع نے اس کی بات کاٹی۔

"تو سنا آپ سب لوگوں نے؟ اس کا مقصد تھا حریم سے شادی کرنا۔ نہیں ہوئی تو اس نے اسے اغوا کرنے کا پلان بنایا تاکہ بعد میں آپ پر احسان کرتے ہوئے آپ کی بیٹی سے شادی کر لے۔ جو لوگوں کی نظر میں گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی ہو گی اور کوئی اس سے شادی کرنے پر تیار نہ ہو گا۔" سمیع نے اٹھتے ہوئے کہا۔ حسیب اور کمال ششدر رہ گئے تھے۔ سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ رئیسہ کو اپنی جگہ الگ حیرت تھی کہ اس کے بھائی کی بیٹی غائب ہو گئی اور اس کے بھائی نے اسے بتایا تک نہیں۔

"تمہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں۔ ذلیل انسان" حسیب غصے سے چلاتا عدنان کی طرف بڑھا۔ سمیع نے ہاتھ اٹھا کر اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بے اختیار رکا تھا۔

"تم لوگ بھی اتنے ہی گناہگار ہو جتنا کہ عدنان ہے۔ حریم نے تم لوگوں سے کہا کہ وہ اغوا ہوئی تھی۔ لیکن تم لوگوں نے اس پر یقین کرنے کی بجائے اس شخص پر اعتبار کیا۔ باہر والے کو گھر کی بیٹی پر ترجیح دی۔ بیٹیاں اتنی ناقابل اعتبار کیوں لگتی ہیں تم لوگوں کو؟ گناہ کوئی مرد کرے لیکن سزا بیٹی کو ہی ملتی ہے۔ یہ شخص تمہاری بیٹی کے قابل ہے جس کے ساتھ تم اس کی شادی کر رہے ہو۔ ایسی سزا سے بہتر تھا کہ تم لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے مار دیتے۔ اپنی عزت بچانے کی خاطر تم اس کی زندگی برباد کرنے جا رہے تھے۔ کیا یہ حق ادا کر رہے ہو باپ اور بھائی

ہونے کا؟" حسیب اور کمال سے مخاطب تھا جن کے چہرے شرمندگی سے جھکے ہوئے تھے۔ حریم کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ اور اس کے آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔ وہ تو ناامید ہو چکی تھی لیکن اللہ نے پھر بھی اس کی مدد کی۔ کاش وہ زہر نہ کھاتی۔ اس نے تاسف سے سوچا تھا۔

"اور تم کون ہو جو ہماری لڑکی کی حمایت میں بول رہے ہو؟" رئیسہ نے آگے بڑھ کر طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"میرا نام سمیع مرتضیٰ ہے اور میں ایک فوجی ہوں۔ میں نے عدنان کے اغوا کا منصوبہ ناکام بنایا اور اس معصوم لڑکی کو بحفاظت بازیاب کروایا۔" اس نے اپنے فوجی ہونے کے بارے میں اس لیے بتایا تھا کیونکہ فوجیوں کا تو کام ہی یہی ہوتا ہے۔ ملک کے لوگوں کی حفاظت کرنا۔ چاہے اس نے حریم کو بازیاب نہیں کروایا تھا لیکن وہ یہ جھوٹ اس لیے بول رہا تھا کیونکہ سب کے ذہنوں میں اس وقت یہی سوال اٹھ رہا تھا کہ اسے یہ سب کیسے پتہ ہے اور وہ حریم کی مدد کیوں کر رہا ہے۔ اسے اپنا تعلق واضح کرنا تھا ورنہ لوگ حریم کو بھی برا سمجھتے۔

"میں نے اس کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ میں اس کی پاکیزگی کی گواہی دیتا ہوں۔ میں نے اس کے بھائی کو بھی یقین دلایا کہ وہ بے گناہ ہے لیکن تم لوگوں نے عدنان کی بات کا یقین کیا کہ میں اسے بھگا کر لے گیا ہوں۔ پھر عدنان سے اس کی زبردستی شادی کرنے کی کوشش کی۔ اور اب تو اسے قتل کر دو گے نا۔ اس کی وجہ سے تم لوگوں کا سارے خاندان میں تماشا بنا۔ لیکن مجھ میں اتنی انسانیت ہے کہ میں کسی کو موت کے منہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ بھگا کر نہیں بلکہ عزت سے نکاح کر کے۔ اگر تم لوگوں کو کوئی اعتراض بھی ہو تو مجھے پرواہ نہیں۔" اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔ کمال صاحب تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہے تھے۔ ان کے پتھر دل میں بیٹی کے لیے محبت جاگنے لگی تھی۔ انہیں اب احساس ہوا تھا کہ وہ حریم کے ساتھ برا کر رہے تھے۔ اور شروع سے ہی کرتے آئے تھے۔ غزالہ کا بھی دل بھی بیٹی کیلیے نرم ہو رہا تھا۔ اس کی بہنیں رشک سے حریم کو دیکھ رہی تھیں۔ رئیسہ تو تلملا کر رہ گئی تھی۔ سب مرد اور عورتیں خاموش کھڑے

تھے۔اگر سمیع احتیاط سے کام نہ لیتا تو اب تک سب لوگ حریم کے گھر والوں کو طعنے دے رہے ہوتے۔ لیکن اب تو بات ہی ختم ہو گئی تھی۔سب کو سمجھ آ گئی تھی کہ عدنان نے حریم کو اغوا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سمیع نے اسے بچا لیا اور اب نا صرف اس کی معصومیت کی گواہی دے رہا ہے۔ بلکہ اس سے نکاح کا اعلان کر کے ثبوت دے رہا ہے کہ وہ پاکیزہ ہے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ قاضی صاحب آپ ان دونوں کا نکاح پڑھائیں۔" حسیب نے آگے بڑھ کر کہا۔بہن کیلیے اب اتنا تو کر ہی سکتا تھا نا۔حریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوش ہے یا دکھی۔ سمیع کے ساتھ نکاح اس کی سب سے بڑی خوشی تھی لیکن اس کی یہ خوشی بس کچھ ہی پل کیلیے تھی۔

اگلے پانچ منٹ میں ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ حریم کی طرف سے حسیب اور اس کا ایک کزن گواہ تھے۔اور صد شکر کہ سمیع اسامہ اور ثمامہ کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔اس کی طرف سے ان دونوں کا نام گواہ کے طور پر لکھا گیا تھا۔ اور جب وہ حریم کا ہاتھ پکڑے اسے اس بھرے مجمعے میں سے نکال کر لے گیا تو سب نے حریم کی قسمت پر رشک کیا تھا۔

"واہ سمیع بھائی آپ نے تو کمال کر دیا۔ آپ یہاں شادی کرنے آئے تھے اور ہمیں بتایا تک نہیں۔ مٹھائی سے منہ بھی میٹھا نہیں کروایا۔" اسامہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ چاروں اب گلی سے نکل کر سڑک پر آ چکے تھے۔

"تم دونوں ٹیکسی پر گھر چلے جانا۔ مجھے ابھی تمہاری گاڑی کی ضرورت ہے۔" سمیع نے انہیں دیکھ کر کہا اور حریم کو لیے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔وہ دونوں منہ بناتے ٹیکسی روکنے لگے۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچھ دیر چلتا رہ تھا۔ایک درخت کے نیچے گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے قریب آکر اس نے حریم کو زور سے دھکیلا۔اس کی کمر زور سے گاڑی کے دروازے سے لگی۔ سمیع کو اس پر اس قدر غصہ تھا کہ اس کا ہاتھ اٹھا لیکن وہ خود پر ضبط کر گیا۔

"یہ کیا کرنے جا رہی تھی تم حریم؟ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم میری رہو گی۔ تم وعدہ توڑ رہی تھی۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو حریم؟" وہ اس کے ارد گرد دروازے پر ہاتھ جمائے غصے اور دکھ سے کہہ رہا تھا۔

"میں مجبور تھی۔" وہ بمشکل کہہ پائی تھی۔ معدے پر زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا اور اسے تکلیف ہونے لگی تھی

"مجبور تھی تم؟..... جھوٹ بول رہی ہو تم۔ جب میں اور عانیہ تمہارے ساتھ تھے تو تم کیسے مجبور ہو سکتی تھی۔ ایک دفعہ مجھے بتا دیتی۔ پھر دیکھتا کون تمہیں مجبور کرتا ہے۔"

"وہ جیسے بھی ہیں میرے ماں باپ ہیں۔ میں ان کی عزت کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

"اور میرا کیا؟"

"تمہاری خاطر جان بھی دے سکتی ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"یہ باتیں صرف کہنا ہی آسان ہے۔ میرے لیے تو تم اپنے گھر والوں سے لڑ بھی نہیں سکی۔ مجھ سے وعدہ خلافی کی اور میری امانت میں خیانت کی۔ ایک دفعہ مجھے نہیں بتایا کہ تم مشکل میں ہو۔ اور اگر میں نہ آتا تو تم اس کے ساتھ......اگر ایسا ہو جاتا نا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔" اس کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں موت سے ڈر کر اس سے شادی کر لیتی۔ میں نے پورے خلوص سے تمہیں چاہا ہے سمیع۔ تمہارے علاوہ میں کسی اور کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن میرے ماں باپ کا بھی مجھ پر حق ہے۔ میں نے ان کے لیے اس نکاح کی ہامی تو بھر لی لیکن تم سے بھی خیانت نہیں کی سمیع۔ میں نے اپنی جان کی قربانی دے دی

تمہارے لیے۔" اس کے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور سمیع ٹھٹکا تھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ حریم نے ابھی کیا کہا ہے۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے زہر کھالیا ہے۔ ویسے بھی عدنان کے ساتھ شادی کرنے پر تم مجھے قتل ہی کر دیتے۔" سمیع کا دماغ سن ہو گیا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"تم مذاق کر رہی ہو نا؟" اسے امید تھی کہ حریم اس بات کا انکار کر دے گی۔

"نہیں۔ میری حالت دیکھ لو۔ میں بس چند گھنٹوں کی مہمان ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ عدنان کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے میری روح جسم سے الگ ہو چکی ہو گی۔"

"یہ تم نے کیا کر دیا حریم۔" سمیع کو لگا اس کو اگلا سانس نہیں آئے گا۔ وہ حریم کو نہیں بچا سکے گا۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے سمیع۔ بالآخر میں تمہاری ہو ہی گئی۔ اب مر جاؤں تو دکھ نہیں۔ تم نے کہا تھا میں جہاں بھی رہوں تمہاری رہوں گی۔ میں نے تم سے کیا وعدہ پورا کر دیا۔ مجھے معاف کر دینا۔" وہ اداسی سے مسکرا رہی تھی۔ سمیع نے گہرا سانس لے کر اعصاب کو کنٹرول کیا۔

"اگر تمہیں کچھ بھی ہوا نا تو میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" وہ غصے سے غرایا اور اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے ہٹایا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیلا اور مزید کوئی لمحہ ضائع کیے بنا ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ دروازہ بند کر کے گاڑی سٹارٹ کی۔ اس کی طرف دیکھا جو پیٹ پر ہاتھ رکھے تکلیف سے دوہری ہو رہی تھی۔ سمیع کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیا کرے جس سے حریم بچ جائے۔ وہ زندگی میں پہلی دفعہ اتنا پریشان ہوا تھا۔ حریم کو مرتے دیکھ کر اس کو اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ریلیکس حریم تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ہم ابھی ہسپتال پہنچ جائیں گے۔ تم یہ پانی پکڑو اور جلدی سے پوری بوتل ختم کر دو۔" اس نے سپیڈ مزید بڑھائی اور ڈیش بورڈ پر پڑی نیسلے کی بوتل اسے پکڑائی۔ حریم نے بوتل کھولی اور منہ سے لگالی۔ پوری بوتل ختم کر کے اس کا معدہ بھر گیا۔ اور اسے قے آگئی۔ وہ بے اختیار نیچے جھکی۔ معدے کی ہر چیز جیسے باہر آگئی تھی۔ سمیع نے اوپر سے دو تین تھپڑ رکھ کر لگائے اور اسے ایک دفعہ پھر قے آئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی آنتیں باہر آگئی ہوں۔ سانس رک گیا تھا اور آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔ سمیع نے دوسری بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

"مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ معدہ جل رہا ہے۔ مجھ سے سہنے نہیں ہو رہا۔" وہ سانس بمشکل کھینچ رہی تھی۔ اچانک اسے خون کی الٹی آئی اور درد کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے سدھ ہو گئی۔

"حریم اٹھو پلیز۔" سمیع نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔ اسی وقت اسے ایک ہسپتال نظر آیا۔ اس نے گاڑی کو بریک لگائی۔ حریم کو بازوؤں میں اٹھا کر تیزی سے ہسپتال میں آیا۔ اسامہ کے والد کو فون کر کے ڈاکٹرز سے بات کروائی تو انہوں نے پولیس کیس کے چکر میں پڑنے کی بجائے حریم کا علاج شروع کر دیا۔

---

رات کے سات بج چکے تھے جب ڈاکٹرز نے اسے یہ خوشخبری دی تھی کہ حریم بچ گئی ہے۔ اس نے کھانے میں زہر کا ایک قطرہ لیا تھا۔ اس کھانے کو ہضم ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگنا تھا۔ جب وہ معدے پر اثر کرنا شروع ہوا تو سمیع نے اسے پانی پینے کا کہہ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو قے آگئی تھی۔ لیکن معدہ کے ایک حصے میں اثر ہو چکا تھا۔ قے کرتے ہوئے زہر نے کھانے کی نالی esophagus کے خلیات کو گلے تک تباہ کر دیا تھا اور oral cavity پر تھوڑا سا اثر پڑا تھا۔ اب میڈیسن کے ساتھ ساتھ اسے ایک مہینے تک دودھ اور پھلوں پر گزارا کرنا تھا۔ ناک کے

ذریعے ایک ٹیوب اندر ڈال کر معدہ واش کر دیا گیا تھا۔ آنتیں زہر کے اثر سے محفوظ رہی تھیں سو بچت ہو گئی تھی۔ ورنہ وہاں سے خون میں جذب ہو کر زہر سارے جسم میں پھیل جاتا تو موت یقینی تھی۔ ڈاکٹرز نے سمیع کو پوری تفصیل بتائی تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ زندہ ہے۔ اب اسے حریم کے علاوہ کسی اور چیز کا ہوش آیا تھا۔ فون نکال کر آن کیا تو عریج کی کال آئی۔ وہ کب سے اس کو کال کر رہی تھی اور نمبر بند ہونے پر سخت پریشان تھی۔

"اسلام علیکم۔" اس نے کال بیک کرتے ہوئے کہا تھا۔

"سمیع کہاں ہو تم؟ فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے۔"

"میں لاہور آیا ہوا ہوں۔"

"بتا کر نہیں جا سکتے تھے کیا؟ ماما کتنا پریشان ہو رہی تھیں اندازہ ہے تمہیں؟"

"ارجینٹ جانا پڑا تھا تم یہ بتاؤ۔ ماما کے پاس ہی ہو؟"

"نہیں۔ ان سے بات کرواؤں؟"

"نہیں مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"بولو"

"میں نے شادی کر لی ہے۔"

"کیا؟" عریج بے یقینی سے چلائی تھی۔ "شادی۔ کس سے؟"

"حریم سے۔"

"اوہ پھر ٹھیک ہے۔" عریج کے سینے میں اٹکی سانس خارج ہوئی۔

"تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آیا کہ میں نے آپ سب کو بتائے بغیر یوں اچانک نکاح کر لیا۔"

"میں تو بالکل بھی غصے نہیں ہوں۔ہاں ماما بابا کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ہو سکتا ہے وہ تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دیں۔پھر ساری جائیداد میرے حصے میں ہی آئے گی۔"وہ شوخ لہجے میں بول رہی تھی۔سمیع مسکرا بھی نہ سکا۔

"عریج میری مدد کرو۔ماما بابا سے بات کرو۔انہیں بتاؤ کہ میں مجبور تھا۔"وہ پریشان لہجے میں بولا تو عریج سنجیدہ ہوئی

"پہلے مجھے تو بتا دو کہ تمہیں کیسی مجبوری آن پڑی تھی؟"عریج نے کہا تو اس نے اسے ساری بات بتا دی۔

"واہ واہ۔کیا ہیرو جیسی اینٹری تھی تمہاری۔میرا نام روشن کر دیا تم نے۔تم فکر ہی مت کرو۔ماما بابا کو منانا میرا کام ہے تم میری بھابھی کو گھر لے کر آؤ جلدی سے۔"وہ پرجوش لہجے میں بولی تھی۔

"ابھی شاید آنا مشکل ہو۔حریم کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"کیوں کیا ہوا اسے؟"

"معدے میں درد ہے۔کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہو گا۔ابھی ہم ہاسپٹل میں ہیں۔پتہ نہیں ڈاکٹرز کب ڈسچارج کریں گیں۔"اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے زہر کھا لیا ہے۔خوامخواہ سب کو پریشان کرنا ٹھیک نہیں تھا۔وہ تو عانیہ سے بھی جھوٹ بولنے کا سوچ رہا تھا۔وہ جانتا تھا عانیہ یہ سب سن کر بہت ہرٹ ہو گی۔

"چلو اللہ اسے جلد از جلد صحت یاب کرے۔میں رکھتی ہوں پھر۔"

"ماما کو طریقے سے ہینڈل کرنا۔"اس کی ماما لائبہ بہت ہی شائستہ طبیعت کی مالک تھی۔بچوں پر کبھی سختی نہیں کی تھی۔عریج نے بھی اپنی پسند سے شادی کی تھی۔اور سمیع نے بھی انہیں اپنی پسند کے بارے میں بتا دیا تھا۔انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔لیکن اب اس نے بغیر بتائے نکاح کر لیا تھا تو ہو سکتا تھا وہ برا منا جاتیں۔سمیع کو اس بات کی پریشانی تھی۔

"اوہ تم فکر ہی مت کرو۔" عریج نے تسلی دے کر کال کاٹ دی تو وہ حریم کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس وقت ایک نرس اس کی طرف آئی تھی۔

"سر آپ کی پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔" وہ یہ سن کر جلدی سے وارڈ کی طرف بھاگا۔ اندر داخل ہوا تو ڈاکٹرز اس کے پاس کھڑے کچھ کہہ رہے تھے۔ حریم کا چہرہ زرد تھا۔ اور ناک میں ابھی تک ٹیوب لگی ہوئی تھی۔ آکسیجن ماسک اور ڈرپ بھی لگی ہوئی تھی۔ سمیع کے سامنے آنے پر اس نے مرجھائی ہوئی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں کچھ پل خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے تھے۔ لگتا تھا صدیوں کی مسافت کے بعد ایک دوسرے سے دوبارہ مل رہے ہوں۔

"ڈاکٹر اب کیسی طبعیت ہے اس کی؟" وہ بمشکل اس سے نظریں ہٹا کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"الحمدللہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ دو دن تک انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ ابھی یہ کھانا کھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے ناک کے ذریعے خوراک معدے تک پہنچائی جائے گی۔ اور ڈرپس کے ذریعے گلوکوز دی جائے گی۔ اس کے بعد انہیں پورا مہینہ دودھ اور پھلوں پر گزارا کرنا پڑے گا۔ انشاءاللہ جلد صحت یاب ہو جائیں گی یہ۔" ڈاکٹر نے تفصیل بتاتے ہوئے ایک دفعہ پھر اسے تسلی دی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ سمیع نے حریم کی طرف دیکھا تو وہ نظریں پھیر گئی۔ اسے ابھی سمیع کا وہ غصہ بھولا نہیں تھا جو اس نے اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے اس پر نکالا تھا۔ اس نے سمیع کو بچانے کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دی اور وہ اس پر غصہ ہو رہا تھا کہ وہ اسے دھوکا دے رہی تھی۔ کسی اور سے شادی کر رہی تھی۔ کیا وہ اس کی محبت کو جھوٹا سمجھتا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کی ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے وہ اپنے ماں باپ کی وجہ سے مجبور تھی لیکن اس نے سمیع کے لیے زہر بھی تو کھا لیا تھا۔ جب اس نے حریم کو جھوٹا کہا تھا تو اس کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ اسے اپنی محبت کی توہین محسوس ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ سمیع اس سے خود بات کرے۔ اسے بتائے کہ اس کی بات کا ایسا مطلب

نہیں تھا۔وہ اس کی محبت پر اعتبار کرتا ہے۔وہ اس پر غصہ ہونے کے باوجود اس کی منتظر تھی کہ وہ اسے منائے لیکن سمیع کو اپنی جگہ الگ غصہ تھا۔اس کے ساتھ اتنا کچھ ہو گیا اور اس نے اسے ایک دفعہ بتانا تک گوارا نہیں کیا۔چلو اسے نہ سہی عانیہ کو تو بتا دیتی۔اس کے مدد کرنے سے حریم پر انگلیاں اٹھ سکتی تھیں لیکن عانیہ کے مدد کرنے پر کون کچھ کہہ سکتا تھا۔اسے اپنے گھر والوں سے بچانے کیلیے خود عدنان سے شادی کرنے جا رہی تھی۔زہر کھاتے وقت ایک دفعہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے بعد سمیع کا کیا ہو گا۔پاگل پن کی انتہا کر دی تھی اس نے۔سمیع کو رہ رہ کر اس پر غصہ آ رہا تھا کہ آج اگر اسے دیر ہو جاتی تو وہ عدنان کے ساتھ شادی کر کے مر چکی ہوتی۔دل کر رہا تھا ایک تھپڑ کھینچ کر اسے لگائے۔لیکن اس کی حالت کو دیکھ کر وہ خود کو کنٹرول کر گیا اور اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔حریم کا دل دکھا تھا۔وہ اسے منانے کی بجائے خود اس سے ناراض تھا۔ٹھیک ہے وہ بھی اب اس سے بات نہیں کرے گی۔اس نے طیش میں آ کر سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔

سمیع پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا تو اس کا فون بجا تھا۔اس نے دیکھا تو عانیہ کی کال تھی۔

"اسلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔سمیع میں لاہور پہنچ گئی ہوں۔تم کہاں ہو؟"عانیہ ائیر پورٹ سے باہر نکلتے ہوئے بولی تھی۔سمیع بوکھلا گیا۔اگر اسے حریم کے متعلق پتہ چل گیا تو اس کا ردعمل بہت سخت ہونا تھا۔

"ہم واپس کراچی جا رہے ہیں۔"اسے اور کچھ نہ سوجھا تو یہی بول دیا۔حریم نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہم؟"عانیہ ٹھٹکی۔

"میں اور حریم۔"

"کیا؟...... تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ تم اسے اپنے ساتھ کیسے لے کر جا سکتے ہو۔ اس کے گھر والوں نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے پتہ تھا تم ضرور کچھ غلط کرو گے۔ خدا کیلیے اب کچھ بتا بھی دو کیا ہوا ہے؟" عانیہ کا دماغ غصے سے پھٹنے والا ہو گیا تھا۔ سمیع بے اختیار مسکرایا۔

"ہونا کیا ہے۔ وہ لوگ اس کا نکاح کرنے ہی والے تھے کہ میں پہنچ گیا اور گن پوائنٹ پر حریم کا خود سے نکاح کروا لیا۔" اس نے حریم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نکاح؟ تم دونوں کی شادی ہو گئی؟" عانیہ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں۔ سوری آپ کو نہیں بلایا۔ ایمرجینسی میں نکاح ہوا تھا۔ وہ تو شکر ہے میرے دو دوست ساتھ تھے۔ انہیں اپنا گواہ بنا لیا۔"

"تم..... تم ایسا کیسے کر سکتے ہو سمیع۔ اس کے گھر والے وہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ تم میرے آنے تک رک نہیں سکتے تھے کیا؟ میں معاملہ سنبھال لیتی لیکن تم نے سب خراب کر دیا۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ارے عانیہ اتنی پریشان مت ہو۔ میں نے کچھ خراب نہیں کیا۔ حسیب کی رضامندی سے یہ نکاح ہوا ہے۔ انفیکٹ وہ حریم کی طرف سے گواہ بھی تھا۔"

"کیا مطلب؟" عانیہ کا غصہ تھوڑا کم ہوا۔

"عدنان نے سب کے سامنے اعتراف کر لیا تھا کہ اس نے حریم کو اغوا کیا تھا۔ میں نے تھوڑا جھوٹ مکس کیا کہ میں نے حریم کو عدنان کی قید سے بازیاب کروایا تھا۔ اور اس کی حفاظت کی۔ میں وہاں سب کے سامنے اس کے حق میں بول رہا تھا تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ میں اس کی مدد کیوں کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ اپنا تعلق واضح کرنے کیلیے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔"

"اوہ شکر تم نے بھی کچھ عقل سے کام لیا۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ ہی لاہور لے جاتے تو کام زیادہ آسان ہو جاتا۔ میں بھی دیکھتی کیسے وہ لوگ حریم کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں۔ خیر تم حریم سے میری بات کروادو۔ شادی کی مبارکباد تو دے دوں۔" اس کی بات پر وہ پھر سے گڑبڑایا۔ حریم کے چہرے پر اس وقت آکسیجن ماسک لگا تھا۔ اس لیے وہ ابھی بات نہیں کر سکتی تھی۔

"آں.....وہ سو رہی ہے۔ دراصل ہم بائے روڈ کراچی جا رہے ہیں۔ میں ڈرائیونگ کر رہا ہوں اور وہ مزے سے سو رہی ہے۔ میں نے سوچا اس طرح تھوڑی سیر ہو جائے گی۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"اچھا تو پھر لانگ ڈرائیو انجوائے کرو۔ وہ جاگے تو میری بات کروانا۔" عانیہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

"اوکے۔ تم اب واپسی کی فلائٹ پکڑو اور کراچی پہنچو۔ ہم بھی اک دوروز تک پہنچ جائیں گے۔"

"ایک دوروز؟"

"ہاں نا۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ سمجھا کرونا۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ حریم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ سمجھ گئی۔ ٹیک کیئر۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ اور کال کاٹ دی۔ وہ اب ائیر پورٹ سے باہر آ چکی تھی۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے لیکن سڑک پر ابھی بھی ٹریفک رواں دواں تھی۔ اس کے پاس ایک سوٹ کیس بھی تھا۔ جس میں اس کے دو جوڑے اور لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ایک پسٹل بھی تھی۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی اور اب ریان کو ڈھونڈے بغیر وہاں سے جانے والی نہیں تھی۔ وہ یہاں آئی حریم کیلیے ہی تھی لیکن نکلتے وقت اسے سوچ آئی تھی کہ ریان بھی تو لاہور میں تھا۔ وہ حریم کو بچانے کے بعد اسے ضرور ڈھونڈے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ پہلے وہ انکل آنٹی سے کوئی بہانہ بنائے بغیر گھر سے نہیں نکل سکی تھی لیکن اب تو حریم کو بچانے کا بہانہ بھی تھا۔ ویسے بھی حریم اور سمیع نے دو تین بعد کراچی پہنچنا تھا۔ وہ بھی ان دو دنوں میں اپنی قسمت آزمانا چاہتی تھی۔ اسے امید تھی وہ ریان کو ڈھونڈ لے گی۔

\-----------------

رات کے دس بج چکے تھے۔ہوٹل کے کئی رومز کی بتیاں بند ہو چکی تھیں۔کچھ لوگ گہری نیند سو چکے تھے اور کچھ لوگ ابھی بھی جاگے ہوئے تھے۔اس ہوٹل کے چار فلور تھے۔گراؤنڈ فلور پر ریسٹورنٹ تھا۔بڑے سے ہال میں کرسیاں میز لگے ہوئے تھے۔دو تین ٹیبلز پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ایک طرف ریسیپشن کاؤنٹر اور کچن تھا۔ایک طرف دور اہداریاں تھیں جہاں کمرے تھے۔سامنے سیڑھیاں تھیں۔اس ہوٹل کی ڈیزائننگ کچھ ایسی تھی کہ اوپر والی منزل کی ہال وے کسی ٹیرس کے طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی جس کے ایک طرف کمرے اور راہداریاں تھی جبکہ دوسری طرف ریلنگ تھی جس سے نیچے کا سارا ریسٹورنٹ ہال نظر آتا تھا۔اور نچلی منزل سے سیکنڈ فلور کی چھت نظر آتی تھی۔اس چھت کو چار ستون سہارا دیتے ہوئے تھے جن کی بنیاد گراؤنڈ فلور پر تھی۔وہ ستون ریلنگ کے قریب ہی کھڑے تھے۔

اشعر نے قاسم اور ریان کو ہوٹل کا سارا نقشہ سمجھا دیا تھا لیکن اسے یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ عامر کہاں ہے۔مینیجر کا آفس نچلی منزل پر تھا اور کنٹرول روم بھی اس کے پاس تھا۔قاسم کے اندازے کے مطابق عامر ان دو کمروں میں ہو سکتا تھا۔سو انہیں ڈائریکٹ وہاں جانا تھا۔لیکن وہاں پہنچنا اتنا آسان نہیں تھا۔ہوٹل کا سیکورٹی سسٹم بہت پاورفل تھا۔جگہ جگہ پر گارڈ کھڑے نظر آتے تھے۔ان کے حملہ کرنے پر انہوں نے بھی جواب دینا تھا اور اس طرح دوسرے لوگ بھی نشانہ بن سکتے تھے۔انہیں کچھ ایسا کرنا تھا کہ وہ کوئی ہنگامہ کیے بنا خاموشی سے عامر تک پہنچ جائیں۔اور زیادہ خون خرابا نہ ہو۔اس کے لیے انہیں اچھی منصوبہ بندی کرنی تھی۔ریان نے قاسم کو تجویز دی تھی کہ وہ پہلے ہوٹل میں جائے گا۔کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوں لیکن وہ اس سے اتنے دور ہوں گے کہ کسی کو ان پر شک نہ ہو۔وہ سی سی ٹی وی کیمرے میں نظر آجائے گا اور حماد یا اس کے کسی بندے کو اس کا پتہ ہوا تو وہ اپنی ساری سیکورٹی کو اسے پکڑنے پر استعمال کریں گیں۔وہ پھنس تو جائے گا لیکن وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہوں گے

دور سے ہی ان لوگوں پر نشانہ بنالیں گے جو اسے گھیریں گے۔عامر ایسے میں باہر بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن قاسم اور رینجرز کے دوسرے جوان ہوٹل کو چاروں طرف سے پہلے سے ہی گھیرے میں لیے ہوں گے تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ایک دفعہ وہ پکڑا جائے تو وہ سب اندر داخل ہو جائیں گے۔ قاسم نے اس کی تجویز قبول کرلی تھی اور سب لوگوں کو پلان سمجھا دیا گیا تھا۔ان لوگوں کی تعداد بیس تھی۔پانچ کو ریان کے ساتھ اندر جانا تھا۔باقی پندرہ کو قاسم کے ساتھ ہوٹل محاصرے میں لینا تھا۔اشعر نے انہیں اندازے سے بتایا تھا کہ ہوٹل میں کل دس گارڈز ہیں۔گو کہ وہ کم تھے لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔قاسم نہیں چاہتا تھا کہ اس کی غفلت سے کسی بے گناہ شخص کی جان ضائع ہو جائے۔

وہ رینجرز کی گاڑیوں کی بجائے دو وینز میں وہاں پہنچے تھے۔وینز کو پارکنگ ایریا کی بجائے سڑک کے دوسرے کنارے تھوڑا دور ہی کھڑا کر دیا تھا۔اس سڑک پر کافی رش تھا۔گاڑیوں کے علاوہ پیدل لوگ بھی آجا رہے تھے آس پاس بہت سی دکانیں بھی تھی۔وہ سب باہر نکلے اور ایک درخت کے نیچے اندھیرے میں کھڑے ہو گئے۔وہ سب جینز اور ٹی شرٹس میں ملبوس تھے۔اوپر جیکٹس بھی تھیں جن کی اندرونی جیبوں میں پسٹلز موجود تھی۔ریان اور قاسم کے کانوں میں آڈیو ڈیوائس بھی تھیں جس سے وہ دور ہونے کے باوجود بات کر سکتے تھے۔

"ریڈی؟"قاسم نے اسے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اوکے جاؤ۔"وہ سڑک پار کر کے ہوٹل میں داخل ہوا۔پارکنگ ایریا میں سے گزر کر وہ داخلی دروازے کی طرف آیا تو سامنے دو گارڈز کھڑے نظر آئے۔اس نے ایک نظر اوپر دیکھا لیکن وہاں کوئی کیمرہ نہیں تھا۔وہ شاید انہوں نے اندر کی طرف لگایا تھا۔پھر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے پانچوں ساتھی بھی آ رہے تھے۔وہ آگے بڑھا تو ایک گارڈ اس کی تلاشی لینے کیلیے اس کے قریب آیا۔ریان نے پسٹل نکال اس گارڈ کی پسلی پر رکھ دی۔اس کا تو سانس ہی سوکھ گیا۔

"خاموش رہنا۔" ریان نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سرگوشی کی۔ دوسرا گارڈ بھی ان کی طرف بڑھا تو ریان نے چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔

"ارے چچا آپ یہاں؟" وہ پہلے گارڈ سے خوشگوار حیرت سے بولا اور اس کے گلے لگ گیا۔ پسٹل ابھی تک اس گارڈ کی پسلی پر چبھ رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی کچھ بول نہ سکا۔ دوسرے گارڈ نے سمجھا یہ دونوں آپس میں رشتے دار ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر پلٹا اور اسی وقت ریان کے ایک ساتھی نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے بے ہوش کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن اس نے تیزی سے اسے کندھوں پر اٹھا کر چند قدم دور لگے درخت کے پیچھے ڈال دیا اور ادھر ریان بھی پہلی والے گارڈ کو کوئی موقع دیے بنا بے ہوش کر چکا تھا۔ جب وہ اس کو درخت کے پیچھے لٹا کر آیا تو وہ پانچوں اندر جا چکے تھے۔ وہ بھی پسٹل جیکٹ کی اندرونی جیب میں ڈالتا اندر داخل ہوا تھا۔ اور سارے ہال کا جائزہ لیا۔ اس کے بائیں طرف کاؤنٹر تھا اور وہیں مینیجر کا آفس تھا۔ دائیں طرف راہداریاں تھیں اور سامنے سیڑھیاں تھیں۔ اس کے ساتھی دائیں طرف مینیجر آفس سے دور ایک میز پر بیٹھے تھے۔ وہ ان سے دو میز چھوڑ کر تیسرے میز پر آ بیٹھا تھا۔ وہاں ان کے علاوہ چار پانچ میزوں پر ابھی بھی اکا دکا لوگ بیٹھے تھے۔ کاؤنٹر کے سامنے ایک فیملی اپنا سامان پکڑے ایک کمرہ بک کروا رہی تھی۔ چار پانچ ویٹرز ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ کاؤنٹر کے پاس دو گارڈ تھے اور دو گارڈ سیڑھیوں کے پاس کھڑے تھے۔ وہ ارد گرد کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہا تھا۔ تبھی اس کی نظر اوپر لگے سی سی ٹی وی کیمرے پر پڑی جس کا رخ اسی کی طرف تھا۔

کنٹرول روم میں بیٹھے یاسر نے اسے اپنے سامنے لگی سکرین میں دیکھا تو یکدم بوکھلا گیا۔ اس لڑکے کو اب تک اچھی طرح جان چکا تھا۔ وہ حماد کیلیے بہت خطرناک تھا۔ لیکن وہ یہاں کیسے آ گیا؟ اس خیال سے وہ چونکا۔ ہو سکتا ہے یہ صرف اتفاق ہو۔ لیکن اسے سر حماد کو فون کر کے بتانا چاہیے۔ سوچ کر اس نے فون نکالا۔

"سر ریان یہاں پہنچ چکا ہے۔" اس نے بتایا تو حماد کی حالت بھی غیر ہوئی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے کہا تھا کہ وہ وہاں اتفاق سے نہیں آیا۔ وہاں عامر بھی تھا۔ وہ اگر اس کے پیچھے آیا ہوا تو؟.....

"اکیلا ہے؟"

"جی سر۔ اس کے ساتھ کوئی نظر تو نہیں آ رہا۔"

"نہیں اس کے ساتھ ضرور کوئی ہو گا۔ وہ بڑا ہوشیار ہے۔ پچھلی دفعہ بھی ہمیں لگا تھا وہ اکیلا ہے لیکن اس کے ساتھ چار پانچ لوگ تھے۔ اور ہمیں کافی نقصان پہنچا تھا۔ تم ایسا کرو جتنے بھی گارڈز ہیں انہیں اکٹھا کرو اور ایک ہی دفعہ اسے گھیرے میں لے لو۔ لیکن اسے مارنا نہیں۔ اس کی جان اب ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔ بس اسے ویڈیو کی دھمکی دینا۔ اور اگر اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ٹانگوں میں یا بازوؤں میں گولی مار دینا۔ اور اب اسے واپس نہیں جانا چاہیے۔"

"سر عامر کو خبردار کر دیں؟"

"ہاں اسے کہو وہ پیچھے سے نکلنے کی کوشش کرے۔" حماد نے کہا تو یاسر نے جی سر کہہ کر فون بند کر دیا۔

---

بازار کا رش ابھی بھی بہت زیادہ تھا۔ دکانوں میں لگی بتیاں اور سٹریٹ پولز نے ہر جگہ کو روشن کیا ہوا تھا۔ ٹریفک بھی سڑکوں پر پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ ایسے میں عانیہ ایک فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ کالے رنگ کی پیروں تک آتی فراک پہنے وہ رات کی تاریکی میں گم تھی۔ پیروں میں ہائی ہیلز سینڈل تھی۔ گلے میں دوپٹے کا ہالہ بنایا ہوا تھا اور بال پونی ٹیل میں بندھے نیچے سے کرل ہو کر پشت پر جھول رہے تھے۔ کاجل سے لبریز آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ ریان کے بغیر وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ ایک اداسی اس کے اندر باہر پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ ارد گرد کا ہوش بھلائے سینے پر ہاتھ باندھے ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ آٹھ بجے وہ لاہور پہنچی تھی

اور حریم کی خیریت معلوم کر کے وہ واپس جانے کی بجائے یہیں رک گئی تھی۔رات گزرانے کیلیے اسے کوئی جگہ چاہیے تھی سو ائیر پورٹ کے قریب ہی ایک ہوٹل میں روم بک کروالیا اور اپنا سامان رکھ کر باہر نکل آئی تھی۔ایک گھنٹہ مسلسل بازار کی سڑکوں پر چل چل کر اب تھک چکی تھی۔ایک ریسٹورنٹ میں کچھ دیر بیٹھ کر رات کا کھانا کھایا اور واپس ہوٹل کی جانب چل پڑی۔

ہوٹل کے قریب آئی تو وہاں ایک جگہ کچھ لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔وہ انہیں نظر انداز کر کے اندر کی جانب بڑھنے لگی لیکن ایک آدمی نے اسے روک لیا۔

"اے لڑکی اگر اپنی جان پیاری ہے تو یہیں سے واپس ہو جاؤ۔"اس لڑکے نے سختی سے کہا تو عانیہ کو غصہ چڑھا۔

"دھمکی دے رہے ہو مجھے؟"

"تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں۔اس ہوٹل پر رینجرز ریڈ ہونے والا ہے۔اور میں نہیں چاہتا تمہاری جو یہ نازک سی جان ہے اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑے جائیں تمہیں۔"اس لڑکے نے اکتا کر کہا تھا۔عانیہ رینجرز ریڈ پر ٹھٹکی تھی۔اس ہوٹل پر ریڈ ہونے والا تھا اور اس کا سامان اندر پڑا تھا۔اس کا لیپ ٹاپ اور پسٹل۔وہ انہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے جا رہی ہوں۔"وہ بظاہر ہار مانتے ہوئے بولی اور پیچھے ہٹ گئی۔یہ حماد کا ہوٹل تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی۔

ایک آدمی جوان کا لیڈر لگتا تھا انہیں ہوٹل کے چاروں طرف پھیلنے کا کہہ رہا تھا۔کچھ لوگ باہر سے آنے والے لوگوں کو روک کر واپس جانے کا کہہ رہے تھے۔عانیہ کے پاس وقت کم تھا اسے جلد از جلد اندر پہنچنا تھا۔وہ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھی اور گاڑیوں کے درمیان میں سے گزرتی ہوئی ہوٹل کے دائیں جانب کونے میں آگئی۔پیچھے سے کچھ لوگ بھی اس طرف آرہے تھے جو ہوٹل کا محاصرہ کرنے والے تھے۔وہ ہوٹل کی دائیں والی دیوار کے ساتھ

آگے بھاگنے لگی۔وہ دیوار دو کینال جتنی لمبی تھی اور ہر تھوڑے فاصلے پر کھڑکی موجود تھی۔ان کھڑکیوں کے اوپر تین کھڑکیاں اور بھی تھیں جو اوپر والی منزلوں پر بنے کمروں کی تھیں۔عانیہ کوئی ایسی کھڑکی ڈھونڈ رہی تھی جو کھلی ہو اور وہ جلدی سے اندر پہنچ جائے لیکن نیچے سے کوئی بھی ایسی کھڑکی نہیں ملی۔ مسلسل آگے بڑھتے ہوئے اب وہ دوسری منزل کی کھڑکیوں کو دیکھنے لگی تھی۔ایک کھلی کھڑکی نظر آ گئی تھی اور اندر کمرے کی لائٹ بھی آن تھی۔وہ کچھ سوچے بنا نیچے والی کھڑکی کی نچلی سطح پر چڑھی۔اس کی اوپر والی شیڈ پر ہاتھ ٹکائے اور پاؤں کھڑکی کی جالی دار لوہے کی ڈیزائننگ میں پھنساتی شیڈ کے اوپر چڑھ گئی۔پھر احتیاط سے دیوار پر ہاتھ جماتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی تو بازو اوپر کرنے سے اس کے ہاتھ اوپر والی کھڑکی کی نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے۔اور کچھ ہی لمحوں میں وہ کھڑکی کے اندر کود چکی تھی۔وہ ایک بیڈ روم تھا۔وہ ابھی سیدھی ہو کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ واشروم کا دروازہ کھلا تھا۔ایک پچیس سے تیس سال کے درمیان کی عمر کا لڑکا گرے جینز اور بنیان پر کھلے بٹنوں والی شرٹ پہنے، سر پر تولیہ رگڑتا باہر آیا تھا۔ایک خوبصورت لڑکی کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ایک سیکنڈ کیلیے تو حیران رہ گیا اور اگلے پل اس نے تولیے کو تیزی سے عانیہ کے چہرے کی جانب پھینکا تھا تاکہ اس کے سنبھلنے سے پہلے اس پر غلبہ پا لے لیکن سامنے بھی عانیہ تھی۔وہ اس کی حرکت پر حیران تو ضرور ہوئی لیکن بروقت پیچھے کی جانب جھکی۔تولیہ اس کے سر کے اوپر سے گزرا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑا اور واپس اس لڑکے کی طرف پھینک دیا۔وہ لڑکا حیرت سے عانیہ کی پھرتی دیکھ رہا تھا کہ تولیہ اس کے چہرے پر آ پڑا۔عانیہ کو اپنا سامان لینے کی جلدی تھی سو تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی۔وہ لڑکا اب سنبھل چکا تھا۔تیزی سے پلٹ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔عانیہ نے گہرا سانس لے کر غصے کو کم کیا۔اور پلٹ کر اس لڑکے کو دیکھا جس کے چہرے پر اسے دنیا جہان کی خباثت چھائی ہوئی تھی۔

"یقین کرو ابھی مجھے اپنی گرل فرینڈ کی بہت یاد آرہی تھی۔وہ پاس ہوتی ہے تو ساری تنہائی دور ہو جاتی ہے۔آج رات کیلیے تم اس کی جگہ لے لو۔" وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا ہوا بولا تو عانیہ کو تاؤ چڑھا۔اب وہ اس کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا تھا۔اس نے مٹھی زور سے بھینچی اور اپنا پورا زور لگا کر اس لڑکے کے ناک پر دے مارا۔اس کی انگلی میں پڑی ڈائمنڈ کی انگوٹھی نے اس لڑکے کے ناک کی ہڈی ہلا کر رکھ دی۔اس کے ہاتھ سے عانیہ کی کلائی چھوٹ گئی اور وہ درد کو سہارنے کیلیے ہاتھ ناک پر رکھ کر کراہا تھا۔اتنی ذلت تو اسے کبھی بھی نہیں اٹھانی پڑی تھی جتنی اس لڑکی کے سامنے اٹھائی تھی۔اس دھان پان سی دکھنے والی لڑکی نے اسے مکا مار کر اسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔اسے سمجھ آگئی تھی کہ یہ لڑکی آسان ہدف نہیں ہے لیکن اب اسے اپنے سامنے جھکانا اس کی انا کا مسلہ تھا۔

"تم کہو تو ساری رات رک جاؤں گی لیکن صبح تک تمہاری ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں گی۔" عانیہ نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔تم رکو تو سہی۔" لڑکے نے بظاہر وارفتگی سے کہا لیکن دل ہی دل میں تلملا رہا تھا۔عانیہ نے کندھے اچکا کر اس کی آفر قبول کی۔وہ لڑکا ناک چھوڑ کر اس پر جھپٹا۔عانیہ پھرتی سے گھومتی پیچھے ہٹی تھی اور وہ خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا تھا۔غصے کا گراف مزید ہائی ہوا تھا۔وہ مزید آگے بڑھا تھا اور عانیہ نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے غرور کو اور بڑھایا۔اب اس کے پیچھے دیوار تھی اور وہ لڑکا اسے تمسخر سے دیکھ رہا تھا۔اس کے خیال میں عانیہ پوری طرح اس کے نرغے میں آچکی تھی۔وہ طاقت کے نشے میں چور آگے بڑھا تھا۔عانیہ اچھل کر ایک قدم دیوار پر چڑھی اور پلٹ کر گھومتے ہوئے دونوں پاؤں اس لڑکے کے سینے پر مارے۔وہ لڑکا زور سے پیٹھ کے بل نیچے گرا تھا۔عانیہ نے ایک پاؤں اس کے سینے پر ٹکایا اور دوسرا زمین پر رکھا لیکن وہ تھوڑا مڑ گیا اور وہ ذرا سا لڑکھڑائی۔اس لڑکے نے اس کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا وہ پاؤں پکڑ لیا جو اس کے سینے پر تھا۔عانیہ بھی حیران ہوئی کہ

اس نے مقابل پر اتنا کاری وار کیا لیکن وہ اب بھی اس سے پنگا لے رہا ہے۔ یقیناً اسے لڑائی آتی ہو گی ورنہ اس کا وار سہنا اتنا آسان نہیں تھا۔

لڑکے نے اس کا پاؤں کھینچ کر اسے خود پر گرانے کی کوشش کی لیکن وہ گرنے کی بجائے اپنا ایک ہاتھ لڑکے کی گردن پر ٹکا گئی۔ لڑکے کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ایسی عقل مندی کا مظاہرہ کرے گی۔ وہ اس کا پاؤں چھوڑ کر کروٹ لے گیا۔ عانیہ بھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اٹھ رہا تھا کہ عانیہ نے اس کے ایک بازو کی کہنی پر پاؤں مارا اور وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ عانیہ نے اسے کوئی موقع دیے بنا ہاتھ اکڑا کر اس کی کمر پر ایک ایسا وار کیا کہ وہ کئی لمحے اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ ایک لڑکی یہ کیسے کر سکتی تھی۔ وہ اتنا طاقتور تھا کہ مقابل کو ایک منٹ میں اپنے سامنے ڈھیر کر دیتا تھا لیکن یہ لڑکی کیا چیز تھی۔ اسے شکست پر شکست دے رہی تھی۔ عانیہ سینے پر بازو باندھے تمسخرانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تو زمین پر پڑا رہا اور پھر ایک دم سے اٹھا۔ ہاتھ کا مکا بنا کر عانیہ کے چہرے کا نشانہ لیا لیکن عانیہ پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔ وہ آگے کی جانب نیچے جھکی تھی اور اس لڑکے کا مکا خالی گیا۔ اب کی بار وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ اسے پتہ چل گیا تھا مقابل بھی ٹکر کا ہے۔ عانیہ نے سیدھے ہوتے ہوئے اس کا دوسرا مکا اپنی کلائی پر روکا جو اس کے پیٹ پر پڑنے والا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل اس لڑکے نے ہاتھ اکڑا کر اس کے دائیں کندھے پر وار کیا جہاں گولی کا زخم لگا تھا۔ درد کی ایک لہر کندھے سے نکلتی سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی تھی۔ لڑکا اسے پیچھے ہٹتے دیکھ کر آگے بڑھا تھا۔ اور گھوم کر اس کے چہرے پر ٹانگ مارنی چاہی لیکن وہ بروقت آگے کو جھک گئی۔ وار خطا گیا اور اس لڑکے کی پشت اس کی طرف ہو گئی۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر اچھلی اور اس کی کمر پر دونوں پاؤں مارے۔ اب کی بار وہ منہ کے بل نیچے گرا تھا اور ناک پھر سے درد کر اٹھا تھا۔ عانیہ جو اسے گرا کر اس کے پاس ہی گر کر اٹھنے لگی تھی کہ یکدم لڑکھڑائی۔ اس لڑکے نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچا تھا۔ عانیہ نے زمین پر ہاتھ ٹکا کر خود کو گرنے سے روکا اور

دوسری ٹانگ اس لڑکے کے منہ پر دے ماری۔ اس کے ہاتھ سے عانیہ کا پاؤں چھوٹ گیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب لڑکے نے نیچے لیٹے ہی گھومتے ہوئے اس کی ٹانگوں پر اپنے پاؤں مار کر اسے گرانا چاہا لیکن وہ دونوں پاؤں بیک وقت اٹھا کر اوپر کی جانب چھلانگ لگا گئی۔ لڑکا پھرتی سے اٹھا اور گھومتے ہوئے اپنی دونوں ٹانگیں یکے بعد دیگرے اسے ماریں۔ پہلی دفعہ تو وہ جھک کر بچ گئی لیکن دوسری ٹانگ بالکل درمیان میں آ رہی تھی۔ اسے دائیں یا بائیں ہو کر خود کو بچانا تھا لیکن وقت کم تھا۔ وہ ابھی سیدھی کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اس لڑکے کی ٹانگ عانیہ کے پیٹ میں پڑی تھی۔ اسے بھی سمجھ آ گئی تھی کہ یہ لڑکا بھی ماہر لڑاکا ہے۔ اتنی مار کھا کر بھی لڑ رہا ہے۔ اب ہی تو مقابلے کا اصل مزہ آنا تھا۔ وہ پیچھے ہٹتی مسکرائی۔ لڑکے نے اسے بازو سے پکڑا، گھوم کر اوپر اٹھایا اور اپنے اوپر سے گزارتے ہوئے اپنے سامنے زمین پر پٹخا۔ لیکن وہ سنبھل چکی تھی سو کمر کے بل نہ گری۔ جب وہ نیچے آئی تو اس کے دونوں پاؤں زمین پر آ ٹکے تھے۔ ایک بازو ابھی اس لڑکے کی گرفت میں تھا۔ اس نے پلٹ کر لڑکے کے سینے پر مکا مارا لیکن لڑکے نے اس کا دوسرا بازو بھی پکڑ لیا۔ وہ تو چاہتی ہی یہی تھی۔ پھر اس لڑکے کو سمجھ نہیں آئی کہ عانیہ کیسے گھومی تھی اور کیسے وہ بھی ہوا میں کلابازی کھاتے ہوئے نیچے گرا تھا۔ اس دفعہ اس کی کمر پر زور سے لگی تھی۔ لیکن وہ برداشت کر گیا۔ سامنے دیکھا تو وہ کھڑی اس کے وار کرنے کی منتظر تھی۔ اسے توہین محسوس ہوئی کہ وہ اسے اٹھنے کا موقع دے رہی تھی اور وہ طاقتور لڑکا ہونے کے باوجود ہر بار اس سے مات کھا رہا تھا۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کے دل میں اٹھی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کی بجائے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر الٹا کھڑا ہوا اور دونوں ٹانگیں عانیہ کو ماریں۔ ایک ٹانگ اس نے اپنے بازو پر روکی اور دوسری ٹانگ کو اسی ہاتھ سے پکڑ کر دوسرا ہاتھ بھی اس پر جما دیا۔ پھر فل پاور سے اس کی ٹانگ کو مروڑ کر رکھ دیا۔ وہ جو زمین پر ہاتھ ٹکائے اوپر کی طرف پشت کیے ہوئے تھا ٹانگ مڑنے پر بے اختیار سیدھا ہوا اور اگلے ہی پل اس کے گھٹنے پر عانیہ کی ایسی ہیل پڑی تھی کہ گھٹنے کی ہڈی اتر گئی۔ وہ لڑکی کے سامنے چیخا تو نہ لیکن اسے درد بہت ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا اب وہ کئی دن وہ لنگڑا کر ہی چلے

گا۔ادھر عانیہ بھی اس پر وار کر کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔اس کے دائیں بازو پر پھر سے اس لڑکے کی ٹانگ پڑی تھی لیکن اس وقت اس نے درد کی پرواہ کیے بنا لڑکے کی ٹانگ موڑ دی تھی۔اب اسے بازو میں سخت درد ہو رہا تھا۔اسے درد سہنے کیلیے کچھ وقت چاہیے تھا اسی لیے وہ دیوار سے ٹیک لگائے دائیں بازو کو بائیں ہاتھ سے سہلانے لگی تھی۔ اس لڑکے نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑا کر نیچے گرا۔عانیہ نے طنزیہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور قدم قدم چلتی اس کی طرف آئی۔اس لڑکے نے ابھی بھی اپنی شکست قبول نہیں کی تھی۔اس کے قریب آنے پر ایک دم سے اٹھ کر اس پر جھپٹا لیکن عانیہ گھومتے ہوئے ایک ٹانگ اس کے منہ پر اور دوسری اس کے سینے پر ماری۔لڑکے کو سینے پر تو اتنا درد نہ ہوا لیکن اس کا منہ جھنجھنا کر رہ گیا اور سر دیوار سے ٹکرا گیا۔وہ بھی دو سال کی ٹریننگ کر چکا تھا اور اس کا جسم سخت ہو چکا تھا۔مقابل پر اس کے ایک دو وار ہی کافی ہوتے تھے۔تبھی عانیہ کو بھی سخت درد ہوا تھا لیکن کوئی عام مقابل نہیں تھی۔وہ درد سہہ گئی تھی اور یہ بھی جان چکی تھی کہ وہ بھی اتنی آسانی سے ہار نہیں ماننے والا تبھی اس نے اس کے گھٹنے پر وار کر کے اسے لنگڑا کر دیا۔اب بازی اس کے ہاتھ میں تھی۔

"اگر مجھے جلدی نہ ہوتی تو میں ساری رات تمہاری تواضع کرتی لیکن کوئی بات نہیں۔مجھے معاف کرنا۔"عانیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا اور اس کی گردن پر ایک وار کیا۔اس لڑکے سر پہلے ہی گھوم رہا تھا اور اب اس وار نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔عانیہ نے اس کی گردن پر ایک رگ کو دبایا۔اس نے عانیہ کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی تھی لیکن اعصاب ساتھ چھوڑ گئے۔اور وہ بے ہوش ہو گیا۔عانیہ نفرت سے اسے ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر اپنے ہاتھ جھاڑے۔باہر جانے کیلیے دروازے کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ اس لڑکے کا میز پر رکھا فون بجا۔اس نے ناچاہتے ہوئے بھی اٹھا لیا۔

"عامر یہاں سے بھاگو جلدی۔مجھے کوئی گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔اور مجھ سے رابطہ ضرور رکھنا۔معاملہ حل ہوتے ہی میں تمہیں بلا لوں گا۔"کسی نے دوسری طرف سے عجلت میں کہا تھا اور فون بند کر دیا تھا۔عانیہ کو یاد آیا کہ باہر

رینجرز آئی ہوئی تھی اور یہ شخص تبھی اس لڑکے کو بھاگنے کا کہہ رہا ہے۔وہ عامر تھا اور انڈیا کا دہشتگرد تھا۔ لیکن عانیہ نہیں جانتی تھی۔وہ بس اتنا جانتی تھی کہ کہیں نہ کہیں اس لڑکے کا تعلق اس رینجرز ریڈ سے ہے۔ پھر تو اسے رینجرز کے ہاتھوں نہیں بچنا چاہیے تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے ارد گرد دیکھا۔ایک طرف اسکا سوٹ کیسے کھلا پڑا تھا وہ اس کی طرف بڑھی اور جلد ہی اسے ایک رسی مل گئی۔جو عامر نے ایمرجینسی میں کھڑکی سے کودنے کیلیے رکھی ہوئی تھی۔عانیہ نے اس کے بازو پیچھے کر کے پشت پر ہاتھ رسی سے جکڑے اور اسے گھسیٹ کر واشروم کے اندر کیا۔باہر سے لاک لگایا اور پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

---

"ہم نے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے دو لوگ بچ گئے ہیں انہیں میں اندر بھیج رہا ہوں۔وہ کنٹرول روم اور مینجر کے آفس میں عامر کو ڈھونڈیں گے۔"

"کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔ایک دفعہ ان لوگوں کو مجھ تک آلینے دو۔بعد میں جو مرضی کر لینا۔"وہ ابھی بول ہی رہا تھا کہ کاؤنٹر کے پیچھے سے آفس کا دروازہ کھلا تھا اور کئی گارڈز ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔

"وہ آرہے ہیں۔"اس نے کہا اور چہرہ پھیر کر کنکھیوں سے ان گارڈز کی تعداد گننے لگا۔وہ اس کی توقع سے کئی زیادہ تھے۔اس کے ساتھ پانچ لوگ تھے لیکن ان کی تعداد تیس کے قریب لگتی تھی۔

"یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"کتنے؟" قاسم نے پوچھا۔

"شاید تیس۔"

اچھا تم ادھر ادھر ہونے کی کوشش کرو اور پریشان مت ہو میں خود تمہارے پاس آرہا ہوں۔" قاسم کہتے ہوئے داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

وہاں اب ریان کے علاوہ دو تین ہی لوگ رہ گئے تھے جو ابھی اپنے کمروں میں جانے والے تھے۔ ریان اٹھ کھڑا ہوا اور گارڈز کی طرف دیکھا۔ ایک گارڈ نے اسے کھڑے ہوتے ہی بندوق اس پر تان لی۔ وہ تھوڑا پیچھے ہٹا اور دوسرے نے فائر کر دیا۔ گولی اس کے پاس سے گزرتی اس کے پیچھے دائیں طرف ستون کو جا لگی۔ وہ سب اس کی طرف بندوقیں تانے آگے بڑھنے لگے اور ریان کے ساتھی بھی اپنی اپنی پوزیشنز سنبھال چکے تھے لیکن وہ تعداد میں کم تھے سو حماد کے بندوں کا پلڑا بھاری تھا۔ وہ ایک باری میں پانچ لوگوں پر تو فائر کر سکتے تھے لیکن باقی ریان پر حملہ کر سکتے تھے۔ قاسم بھی دروازے کے باہر ہی رک کر اندر کی صورتحال کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"ریان ریلیکس۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" قاسم نے کہا تھا۔

"تو تم ہو ریان عباس خان۔" یاسر جو اس کے سامنے ہی پسٹل تانے کھڑا تھا استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"لیکن میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" ریان نے ایسے کہا جیسے اس دنیا میں اس سے کوئی اور معصوم ہو ہی نہ۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" یاسر نے اس کو اپنا تعارف کروانا ضروری نہ سمجھا تھا۔

"عامر سے ملنے آیا تھا۔" اس نے سکون سے کہہ کر یاسر کے سر میں بم پھوڑا تھا۔

---------------------------------

عانیہ اپنے کمرے میں سے سوٹ کیس لے کر نکلی تھی جب اسے گولی کی آواز آئی تھی۔ رک کر اس نے کچھ سوچا اور سوٹ کیس میں سے پسٹل نکال لی۔ اسی وقت اس راہداری کے دو کمروں کے دروازے کھلے تھے اور لوگ اس کے ہاتھ میں پسٹل دیکھ کر سمجھے کہ اس نے فائر کیا ہے۔ وہ انہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ وہ ڈر کے مارے دروازے بند کر گئے۔ وہ سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس کا ہینڈل اور عامر کا فون تھا جو اس نے اس کے کمرے سے آتے ہوئے اٹھا لیا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پسٹل تھا۔ اس نے پسٹل اپنے دوپٹے میں چھپا لیا تھا۔ راہداری سے نکل کر وہ اس ہال وے میں آئی جہاں ریلنگ کے نیچے سے سارا منظر نظر آتا تھا۔ اس

نے اندازہ لگالیا تھا کہ فائرنگ گراؤنڈ فلور پر ہو رہی ہے۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھی اور ایک ریلنگ کے قریب ہی نیچے جاتے ستون کی آڑ میں نیچے جھانکا۔ وہ وہیں ساکت رہ گئی۔ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی۔ دل بھی رک گیا۔ حیرت اور خوف سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے کا منظر اس کے حواس چھین رہا تھا۔ ریان اس ہال کے دوسرے کونے میں تیس لوگوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس کا رخ عانیہ کی طرف ہی تھا تبھی وہ اسے اتنی جلدی پہچان گئی تھی۔ سب اس کی طرف بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ ریان کو یہاں سے ایک دم غائب کر کے بچا لے۔ فون کی گھنٹی بجنے پر اسے کچھ ہوش آیا۔ اس نے دیکھا تو عامر کا فون بج رہا تھا اور اسی کی کال تھی جس کی پہلے آئی تھی۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی جہاں اس کی طرف پشت کیے ایک آدمی نے کان سے فون لگایا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا کہ یہ اسی شخص نے کال کی ہے۔ اس نے بمشکل ایک گہری سانس لی اور کال پک کی۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑی پسٹل اس آدمی کی پشت پر تان لی۔

"عامر کہاں ہو تم؟" وہ دبا دبا سا بولا تھا۔

"وہ میرے پاس ہے مسٹر یاسر۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔ اس کی نظریں ایک پل کیلیے بھی ریان سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ یاسر عامر کے فون پر کسی لڑکی کی آواز سن کر بوکھلا گیا۔

"ک... کون ہو تم؟"

"جو بھی ہوں تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں اگر عامر زندہ سلامت چاہیے تو اپنے ساتھیوں سے کہو ہتھیار پھینک دیں۔" یاسر کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ لڑکی کہاں سے ٹپک پڑی۔ جو عامر تک پہنچ گئی۔ اور انہیں ہتھیار ڈالنے کا کہہ رہی ہے۔ ریان بھی تعجب سے یاسر کے بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"زیادہ مت سوچو تمہاری اپنی جان بھی خطرے میں ہے۔ میرا نشانہ تم پر سیٹ ہے۔ اگر کہو تو یقین دلا دوں؟" اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا لیکن لہجے میں اعتماد اور سختی تھی۔

"مم.....میں کیسے یقین کرلوں؟" وہ ہکلایا۔ ریان کو لگا قاسم عامر تک پہنچ گیا ہے اور اب اسے دھمکی دے رہا ہے کہ وہ ہتھیار پھینک دے۔

"ایسے؟" عانیہ نے ٹریگر دبا دیا اور گولی اڑتی ہوئی یاسر کے بائیں بازو میں پیوست ہو گئی۔ وہ درد کی شدت سے دوہرا ہوا۔ سب کے ساتھ ساتھ ریان بھی حیران اور الرٹ ہو گیا تھا۔ اس نے اوپر دیکھا جہاں سے گولی آئی تھی لیکن اسے وہاں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ عانیہ جلدی سے پلر کے پیچھے ہو گئی تھی۔ یاسر نے سب کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اسے اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

"سب ہتھیار پھینک دو۔" ان کے ہتھیار ڈالنے کی دیر تھی کہ ریان نے اپنی پسٹل نکال لی اور ایک شخص پر گولی چلاتے ہوئے پلر کے پیچھے ہو گیا۔ ریان کے پانچ ساتھی بھی ان پر فائر کرنے لگے اور قاسم بھی اندر داخل ہو گیا۔ اسے ابھی یہ اطلاع ملی تھی کہ آفس اور کنٹرول روم میں عامر نہیں ہے۔

حماد کے آدمی اب بوکھلا گئے تھے۔ اپنے بچاؤ کیلیے انہوں نے دوبارہ ہتھیار اٹھا لیے تھے۔ یاسر جلدی سے ایک میز کے نیچے چھپ گیا کہ کہیں پھر وہ نشانہ بن جائے۔ قاسم اور ریان کو ملا کر سات لوگ تھے جو ان تیس لوگوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ باقی سب عامر کو پکڑنے کیلیے عمارت کے ارد گرد پہرہ دے رہے تھے۔ قاسم ایک آدمی کو گرا کر میز کے پیچھے ہو گیا تھا۔ اس کے دو ساتھی کاؤنٹر کے پیچھے چھپے تھے۔ باقی تین پلرز کے پیچھے تھے اور ریان ایک پلر کے پیچھے تھا۔ ان لوگوں کے چھ آدمی گر چکے تھے۔ باقی سب ادھر ادھر آڑ لیتے ہو پلرز کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ عانیہ اوپر سے یہ ساری لڑائی دیکھ رہی تھی۔ اسے بس ریان کو بچانا تھا جو اس وقت پلر کے پیچھے ہونے کی وجہ سے اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ ریلنگ سے تھوڑا دور ہٹ کر ریان والی سائیڈ پر دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ موڑ مڑتے ہوئے اسے پلر کے پیچھے ریان نظر آیا تھا جس کی پشت اس کی طرف تھی۔ ایک آدمی یکدم ہی اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا لیکن ایک گولی پیچھے سے سنسناتی ہوئی آئی اور اس

آدمی کے پیٹ میں لگ گئی۔ وہ حیرت سے پلٹا۔ اتنا اندازہ اسے ہو چکا تھا کہ یہ گولی بھی اوپر سے آئی ہے۔ لیکن اب بھی اسے اوپر کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ پہلے وہ سمجھا تھا کہ یہ قاسم ہو گا لیکن وہ تو نیچے اس کے سامنے تھا۔ تو پھر یہ کون تھا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دو آدمی اس کی طرف آئے تھے۔ وہ جلدی سے چونکا اور ایک کو گولی مار دی لیکن اسے ڈر تھا کہ دوسرے کے گولی اسے لگ جائے گی۔ اسی وقت پھر ایک گولی اوپر سے آئی اور اس آدمی کو لگ گئی۔ ریان نے تیزی سے اوپر دیکھا۔ عانیہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی لیکن اس کے پسٹل پکڑے ہاتھ کو وہ دیکھ چکا تھا۔ اب اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ ہاتھ کسی لڑکی کا تھا۔ اور اسے بچانے والی دیا کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی۔ دل نے بے اختیار کیا تھا۔ لیکن اسے کیسے ریان کا پتہ چلا کہ وہ کہاں پھنسا ہے؟ اس خیال نے پہلے خیال کی تردید کر دی۔ دیا تو کراچی میں تھی۔ وہ یہاں کیسے ہو سکتی ہے؟ اس نے سوچ کر سر جھٹکا اور لڑائی کی جانب توجہ کی۔

وقفے وقفے سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ پوری عمارت میں گونج رہی تھی۔ قاسم اور اس کے ساتھیوں نے مزید چار لوگوں کو گرا دیا تھا۔ ریان کی طرف اس کے بعد ایک اور آدمی آیا تھا جو پھر عانیہ کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ باقی اٹھارہ رہ گئے تھے جو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئے۔ یہاں سے نشانہ بنانا آسان تھا۔ پل بھر میں قاسم کے دو آدمی زخمی ہو گئے تھے۔ ایک آدمی نے اوپر سے ریان پر نشانہ باندھا لیکن عانیہ کی گولی نے اس کی خبر لے لی۔ دو تین لوگوں کی توجہ عانیہ کی جانب ہو گئی تھی۔ ایک نے عانیہ پر فائر کیا۔ وہ جلدی سے نیچے لیٹی اور اس پر گولی چلا دی۔ قاسم اور اس کے دو ساتھی اب ان کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہے تھے۔ دو لوگوں نے انہیں اوپر آنے سے روکنے کیلیے فائر کیے۔ ایک کو گولی لگی جب کہ قاسم اور دوسرے آدمی نے ان دونوں کو اگلے ہی پل گرا دیا۔ اب پندرہ لوگ رہ گئے تھے۔

ایک اور آدمی بھاگتا ہوا عانیہ کی طرف آیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھیوں پر گولی چلاتے ہوئے دیکھ چکا تھا اور اب قریب سے نشانہ بنانے آیا تھا۔ ایک دیوار کے پیچھے چھپ کر اس نے عانیہ پر فائر کیا۔ عانیہ نے نیچے لیٹے ہی پھرتی

سے پلٹی کھائی۔ اور اس کی طرف پسٹل کر کے گولی چلادی۔ وہ آدمی دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک اور آدمی عانیہ کی طرف آرہا تھا۔ عانیہ نے اس کی طرف فائر کیا۔ وہ گر گیا لیکن ایک اور آدمی وہاں آگیا۔ عانیہ نے اسے نشانہ بنایا لیکن اس کی پسٹل میں گولیاں ختم ہو گئیں۔

"ڈیم اٹ۔" وہ جھلا کر بولی اور اٹھتے ہوئے سامنے آتے شخص کی طرف اپنی پسٹل پھینک دی۔ پسٹل اس کے منہ پر لگی اور اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ اب جان بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا.... نیچے کود کر ہڈیاں تڑوانا۔ یہ موت سے بہتر ہی تھا۔ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ریلنگ پر چڑھی اور دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ پیچھے سے ایک گولی اس کی طرف آئی تھی لیکن وہ اس وقت نیچے ہو چکی تھی اور گولی خالی جا چکی تھی۔

ریان نے اوپر کھڑے ایک شخص کو گولی ماری اور چھت کے نیچے ہو گیا جہاں سے اسے کوئی دشمنوں کا آدمی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ کچھ دیر رک کر پھر باہر نکلا ہی تھا کہ اوپر سے کوئی چیز نیچے آتی محسوس ہوئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو وہ کالے کپڑوں میں ایک لڑکی تھی۔ یہ یقیناً وہی لڑکی تھی جس نے اسے بچایا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے بازو پھیلا دیے اور عانیہ سیدھا اس کے بازوؤں میں جا گری۔

وہ اس کا چہرہ دیکھنے سے پہلے ہی اس کی خوشبو سے پہچان چکا تھا کہ یہ اس کی دیا ہے۔ عانیہ نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں اور اس کے بازوؤں میں گر کر منہ بھی اس کے سینے میں چھپا لیا تھا۔ جب اسے سمجھ آئی کہ وہ نیچے گرنے سے بچ گئی ہے تو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ریان کا چہرہ اپنے قریب دیکھ کر اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ اور ریان کی آنکھوں میں بے یقینی، حیرت، خوف، اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ اسے بچانے آئی تھی۔ وہ وہی تھی جس نے سب کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ وہی تھی جس نے اس کی طرف آنے والے ہر دشمن کو گرا دیا تھا۔ اس کے دل نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ دیا ہے۔ لیکن دماغ نہیں مانا تھا۔ اسے تو دلیل دو تب ہی مانتا ہے لیکن دل بغیر دلیل کے بھی مان لیتا ہے۔

وہ کتنی ہی دیر اسے اپنے بازوؤں میں لیے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔عانیہ بھی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ڈھیروں پیار کی چمک دیکھ رہی تھی۔اس کا چہرہ اس کے سینے کے قریب ہی تھا اور اس کے کپڑوں کی خوشبو اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر رہی تھی۔لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی۔ہوش میں آکر ادھر ادھر دیکھا تو اوپر سے دو آدمی پسٹل پکڑے دوڑتے نظر آئے تھے۔شکر تھا کہ انہیں نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے اب نیچے اتار دیجیے مسٹر۔ہم کسی فلم کی شوٹنگ پر نہیں کھڑے۔بلکہ اصلی والی فائر شوٹنگ پر ہیں۔"عانیہ نے اجنبی لہجے میں کہا تو ریان بھی ہوش میں آیا۔جلدی سے اسے نیچے اتارا۔اوپر دیکھا تو یہاں سے فائر کرتے لوگ نظر آرہے تھے۔اس کا مطلب وہ یہاں سے نشانہ بن سکتے تھے۔اس نے عانیہ کا ہاتھ پکڑا اور چھت کے نیچے بھاگتے ہوئے راہداری میں آگیا۔عانیہ کو اس پر سخت غصہ تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ دوڑی چلی جا رہی تھی۔ایک جگہ وہ رک گیا۔اور اس کی طرف مڑا۔عانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنا ہاتھ چھڑا کر نظریں پھیر لیں جیسے وہ اسے جانتی ہی نہیں۔ریان کو تو اس پر ٹوٹ کر پیار آرہا تھا۔اس نے کان میں لگی ڈیوائس آف کر دی۔

"وہ تم تھی نا؟"اس نے عانیہ کے دونوں کندھوں کو پکڑتے ہوئے کہا۔

"کون؟"اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ریان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اوہیلو مسٹر یہ تم کیسے مجھے گھور رہے ہو اور دور ہٹو مجھ سے۔"عانیہ نے کندھے چھڑاتے ہوئے بولی تو ریان کو سمجھ آگئی وہ اس سے ناراض ہے اسی لیے اجنبیت کا اظہار کر رہی ہے۔سر جھٹک کر مسکرایا۔عانیہ کا غصہ ہوا ہونے لگا تو وہ نظریں پھیر گئی۔

"تمہاری یاداشت پھر سے تو نہیں چلی گئی؟"اس نے شرارت سے کہا تو عانیہ کو مزید تپ چڑھا۔

"ہاں چلی گئی ہے۔تمہیں اس سے مطلب؟"

"اگر گئی ہوتی تو تم مجھے بچانے یہاں نہ آتی۔ میں تمہیں یاد تھا۔" وہ جتاتے ہوئے لہجے میں کہتا اس کے قریب ہوا تھا۔

"میں یہاں تمہیں بچانے نہیں آئی۔ بلکہ حریم کو بچانے آئی تھی۔ اس کی فیملی اسے واپس لے گئی تھی اور وہ لوگ اس کی زبردستی شادی کر رہے تھے۔ میں نے اسے وہاں جا کر بچایا تھا۔ یہاں تو میں نے ایک روم بک کروایا تھا۔.....اوہ میرا سامان تو اوپر ہی پڑا ہے۔" وہ سٹپٹا کر اسے وضاحت دے رہی تھی جب اسے اپنے سامان کی یاد آئی۔

"کیا یہ صرف اتفاق ہے کہ تم بھی وہیں آئی جہاں میں نے آنا تھا؟" ریان مشکوک لہجے میں بولا۔

"اوہ تو تم کیا سمجھتے ہو میں تمہاری یاد میں مری جا رہی ہوں۔ تم مجھ سے جھوٹ بول کر لاہور آئے اور میں تمہیں بچانے تمہارے پیچھے آؤں گی؟" وہ طیش کے عالم میں پوچھ رہی تھی۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"تم.... تم ایک نمبر کے جھوٹے، ڈھیٹ، اور ظالم ہو۔" وہ اس کے سینے پر مکے مارتے شکست خوردہ لہجے میں ہوئے بولی۔ بمشکل آنسو اندر اتارے تھے۔ ریان نے اسے اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔ اور اس کا سر تھپکنے لگا۔ عانیہ کا دل ابھی بھی ڈر رہا تھا کہ اگر اس وقت ریان کو کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ریان نے اس کا چہرہ سامنے کرتے ہوئے اس کی پلکوں سے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔

"سوری۔"

"نہیں۔ میں تمہیں اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گی۔ تم نے مجھے بہت رلایا ہے۔ بہت تڑپایا ہے۔ تم نے تو میری جان ہی نکال لی تھی ریان۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" وہ نفی میں سر ہلاتی اس کے حصار سے نکلی اور

واپس باہر کی جانب چلی گئی۔ ریان کو اسے روتا دیکھ کر دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ تاسف سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ پھر سر جھٹکا اور کان کے آلے کو آن کیا۔

"کیا بنا قاسم؟"

"کام ہو گیا ہے۔ سب لوگ پکڑے گئے ہیں۔ اٹھارہ زخمی ہیں اور باقی نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ عامر ابھی تک ہوٹل سے نہیں نکلا۔ اب ہم کمروں کی تلاشی لے رہے ہیں۔ اور تم سناؤ کیسی رہی ملاقات؟"

"ملاقات؟" ریان ٹھٹکا۔

"ہاں تمہاری فیانسی سے۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ اسی نے تو لڑائی کی ساری گیم چینج کی ہے۔ پتہ نہیں ان کو ایسا کیا کہا کہ ان سب نے ہتھیار ڈال دیے۔ بڑی بہادر لڑکی ہے۔ ویسے وہ یہاں پہنچ کیسے گئی؟" قاسم تحسین آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس نے ہوٹل کے دروازے میں کھڑے ہوئے ہی عانیہ کو دیکھ لیا تھا اور اس کی ساری لڑائی دیکھی تھی۔ جب وہ اوپر آیا تھا تو وہ کروٹ بدل کر ایک آدمی کو نشانہ بناتی دکھی تھی اور جب گولیاں ختم ہو گئیں تو وہ نیچے چھلانگ لگا گئی تھی۔ اور نیچے اسے ریان کے بازوؤں میں گرتا دیکھ کر وہ مسکراتا آگے بڑھ گیا تھا۔

"میں نے پوچھا تھا تو اس بتایا کہ اس ہوٹل میں اس نے روم بک کروایا تھا۔" ریان کہتے ہوئے راہداری میں چلتا باہر آیا اور دیکھا تو عانیہ سیڑھیوں سے اوپر جا رہی تھی۔

"ہاں یہاں اس کا سوٹ کیس بھی پڑا ہے۔ اور وہ اپنا سامان لینے ادھر ہی آ رہی ہے۔"

عانیہ ادھر ادھر دیکھتی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اسلام علیکم۔" قاسم نے اسے سلام کیا تو اس نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ یہ ریڈ کرنے والوں کا لیڈر تھا۔ وہ پہچان گئی تھی۔

"میرا سوٹ کیس یہاں پڑا تھا۔"

"جی وہ اس طرف رکھا ہے۔ویسے آپ کی ہمت کو داد دینی پڑے گی۔اتنے خطرے میں بھی آپ بڑے آرام سے یہاں پھر رہی ہیں۔" قاسم نے شرارت سے کہا۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہی ہو۔میں نے تمہیں اندر آنے سے منع کیا تھا۔"وہ وہی لڑکا تھا جس نے اسے باہر روکا تھا۔

"میں اپنا سامان لینے آئی ہوں۔"عانیہ کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے پسٹل پر پڑی۔یہ اس کی تھی۔جو اس نے ایک آدمی کے منہ پر مارا تھا۔

"یہ پسٹل میرا ہے۔دو ادھر۔"ایک دم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔وہ لڑکا حیرانی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔پھر سوالیہ نظروں سے قاسم کی طرف دیکھا۔وہ مسکرا رہا تھا۔اس وقت ریان بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

"آپ نے ایسا کیا کیا کہ وہ لوگ ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو گئے؟" قاسم نے اشتیاق سے پوچھا۔اس نے ریان کو دیکھ کر نظریں پھیر لیں۔

"وہ آدمی یا سر......"اس نے نچلی منزل پر میز کے نیچے بے ہوش پڑے یاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے عامر کو فون کیا تھا۔وہ میں نے اٹھایا اور اسے دھمکی دی کہ عامر زندہ چاہیے تو ہتھیار پھینک دو۔"وہ سادگی سے بتا رہی تھی اور وہاں موجود ان تینوں کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"آپ کو پتہ ہے عامر کہاں ہے؟" قاسم نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں فورٹی روم نمبر ہے اس کا۔"عانیہ نے بتایا۔قاسم نے جلدی سے کان کے آلے میں اپنے ساتھیوں کو فورٹی روم چیک کرنے کا کہا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"ریان نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا؟" عانیہ نے سوالیہ ابرو اچکائی۔

"وہ دہشتگرد ہے اور ہم یہاں اسے ہی پکڑنے آئے تھے۔" قاسم نے بتایا۔

"وہ دہشتگرد تھا۔" عانیہ نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔ دل اسے مارنے پر خوش ہوا تھا۔

"دیا تم اس کے پاس کیسے پہنچی اور اس کا فون تمہارے ہاتھ کیسے لگا؟" ریان نے تشویش سے پوچھا۔

"میں تو اپنے روم میں جا رہی تھی۔ اس شخص نے مجھے بتایا کہ میں اندر نہیں جا سکتی کیونکہ یہاں ریڈ ہونے والا ہے۔ میرا سامان اندر پڑا تھا اس لیے میں دائیں جانب سے ایک کھڑکی کے ذریعے اندر آ گئی۔ وہ عامر کا کمرہ تھا۔"

"اس نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟" ریان نے پریشانی سے پوچھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ایک دہشت گرد کے نرغے میں تھی۔ یہ خیال ہی اس کے دل کو دہلا گیا تھا۔

"اس نے مجھے بہت مارا۔" عانیہ نے معصومیت سے بتایا۔ اور دائیں بازو کو سہلایا جیسے اب بھی درد ہو رہا ہو۔

"کیا؟...... اور تم نے کیا کیا پھر؟" ریان کو عامر پر سخت غصہ چڑھا۔

"میں نے بھی اسے......" وہ ابھی اتنا ہی کہہ رہی تھی کہ دو آدمی بے ہوش ہوئے عامر کو اٹھا کر ان کے پاس لے آئے۔ اس کے ہاتھ رسی میں جکڑے تھے۔ اب عانیہ کے بتانے کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

"سر کسی نے اسے بے ہوش کر کے واشروم میں بند کیا ہوا تھا۔" دونوں نے اسے نیچے لٹایا اور ایک لڑکے نے بتایا۔ قاسم کا قہقہہ چھوٹا تھا۔ ریان نے بھی گہرا سانس لیا۔

"گڈ جاب بچے۔ دل خوش کر دیا آپ کی کارکردگی نے۔ یو آر اے گیم چینجر۔" قاسم نے ستائش بھرے لہجے میں کہا۔ وہ ذرا سا مسکرا دی۔ باقی تینوں لڑکے بھی حیران تھے کہ اس نے ایک دہشتگرد کو بے ہوش کر دیا۔ اسے باہر روکنے والے لڑکے کو اب سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس نے اس لڑکی کو نازک جان کا طعنہ جو دیا تھا۔ لیکن عانیہ نے اسے جواب میں کچھ باور نہیں کروایا۔ قاسم نے سب کو اطلاع دے دی کہ عامر پکڑا جا چکا ہے۔ وہ سب ایک

جگہ اکٹھے ہو گئے۔ قاسم نے سب کو عانیہ کا کارنامہ بتایا۔ تو سب نے اس کی تعریف کی۔ یہ ان سب کیلیے بڑے فخر کی بات تھی کہ ان کے وطن کی بیٹی اتنی پاورفل ہے کہ دشمن ملک کے دہشتگرد کو شکست دے دی ہے۔

اس ہوٹل کے کمروں میں موجود لوگوں کو تسلی دی گئی کہ اب سب ٹھیک ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ وہ کل سے کسی اور ہوٹل میں اپنے قیام کا بندوست کریں۔ اس ہوٹل کے علاوہ حماد کے دوسرے اڈوں پر بھی کامیابی سے ریڈ کیا گیا تھا اور تمام لوگ پکڑے گئے تھے۔ اب صرف حماد رہتا تھا۔ جسے اب وہ لوگ پکڑنے کا رہے تھے۔

"ریان تم اب گھر جاؤ۔ عانیہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ میں حماد کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔" قاسم نے ریان کو حکم دیا۔

"آپ حماد کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں" عانیہ نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہ تو اب تک مر چکا ہو گا۔" عانیہ نے کہا تو وہ دونوں چونکے۔

"کیا مطلب؟"

"بہزاد شاہ نے اسے مروانے کے لیے اس کی کزن کو بھیج دیا ہے۔ وہ دوپہر کو اس کے پاس پہنچ چکی ہے اور اب تک تو اس کا کام تمام ہو چکا ہو گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟" ریان سخت حیران تھا۔

"میرے پاس ایک ویڈیو ہے۔ آپ کو وہ دیکھنی چاہیے۔" اس نے ریان کو نظر انداز کر کے قاسم سے کہا اور فون آن کر کے اسے وہ ویڈیو لگا کر دی جس میں بہزاد شاہ تعبیر کو حماد کے قتل کا حکم دے رہا تھا۔

"اسے ابھی مرنا نہیں چاہیے۔ وہ بڑے کام کا ہے۔ اس کے ذریعے بہزاد پھنس سکتا ہے۔" قاسم نے سخت پریشانی میں کہا۔

"تو پھر تمہیں جلدی اس تک پہنچنا چاہیے۔" ریان نے کہا۔

"کیا پتہ وہ اب تک مر چکا ہو۔" قاسم نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں۔ابھی تک اس نے عامر کا کام نہیں کیا تھا۔اس نے دو تین دن تک کا وقت مانگا تھا۔تو بہزاد شاہ اس وقت تک اسے کچھ نہیں کہے گا جب تک وہ عامر کا کام نہ کر دے۔"

"ہمم.....پلان چینج۔عانیہ تم یہ ویڈیو مجھے سینڈ کر دو۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔کچھ دیر بعد وہ حماد کو کال ملا رہا تھا۔

---

#ہر_پل_ساتھ

#از_قلم_دعافاطمہ

#قسط_نمبر_اڑسٹھ

تعبیر دوپہر کے وقت حماد کے پاس پہنچی تھی۔حماد بہت خوش ہوا تھا۔اس وقت سے وہ باتیں کر رہے تھے کہ حماد کو یاسر کا فون آیا تھا۔کہ ریان ہوٹل پہنچ چکا ہے۔وہ پریشان تو ہو گیا لیکن تعبیر کو سامنے دیکھ کر اسے ہر پریشانی بھول جاتی تھی۔وہ پھر اس سے باتیں کرنے لگا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد اس کا فون بجا۔یہ اس کا وہ نمبر تھا جو اس نے ریان کو دیا تھا۔اس نے جلدی سے کال پک کی۔

"میں ریان بول رہا ہوں۔" دوسری طرف ریان تھا۔

"کہو" وہ بے زار لہجے میں بولا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک بری خبر ہے۔"

"میرے ساتھ برا کرنے سے پہلے سوچ لینا تمہاری وہ ویڈیو میرے پاس ہے جو تمہیں غدار وطن ثابت کر سکتی ہے۔"

"میں تو تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا تھا۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اس ویڈیو کو ضرور دیکھنا جو میں تمہیں سینڈ کرنے لگا ہوں۔" ریان نے فون بند کر دیا۔ اور حماد تذبذب سے اس کی بات کے بارے میں سوچنے لگا۔ تعبیر اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ اسے ویڈیو موصول ہونے کا نوٹیفکیشن ملا۔ اس نے تعبیر سے معذرت کی اور لاؤنج سے اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ وہ تعبیر کے سامنے اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ وہی تو اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔

اس نے ویڈیو پلے کی اور جوں جوں وہ دیکھتا گیا توں توں اس کے چہرے کا رنگ فق ہوتا گیا۔ بہزاد شاہ جس کیلیے اس نے اتنے کام کیے وہ اسے مروانا چاہتا تھا اور تعبیر کو اس کی محبت تھی وہ اسے خود اپنے ہاتھوں سے مارنے والی تھی۔ وہ یکدم خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا۔ دل خوف سے لرزنے لگا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود کو کیسے بچائے۔ موت قریب ہی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں کے قتل کیے تھے اور ان کی چیخ و پکار اس کے پتھر دل پر کوئی اثر نہیں کرتی تھی لیکن آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ موت کو سامنے دیکھ کر دل کا کیا حشر ہوتا ہے۔

اسے اب یہاں سے جلد از جلد بھاگنا تھا۔ جہاں بہزاد شاہ اس تک نہ پہنچ سکے۔ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس سے بھاگ تو سکتا تھا۔ جیسے ہمیشہ ہر خطرے سے بھاگتا آیا تھا۔ لیکن اس دفعہ وہ اکیلا تھا۔

اس نے اپنا مختصر سا سامان لیا جس میں اس کا لیپ ٹاپ، فون، پسٹل اور کپڑوں کے چند جوڑے تھے اور ڈگمگاتے قدموں سے کھڑکی کے ذریعے باہر نکلا۔ چھپتے چھپاتے گھر سے باہر نکلا اور سڑک پر ایک طرف اندھا دھند بھاگنے لگا۔ اچانک اس کے سامنے کوئی شخص آ گیا۔ اس کے قدموں کو بریک لگی۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں وہ اس کو پہچان گیا تھا۔ وہ ریان تھا جس کو اس نے بہت دفعہ نقصان پہنچایا تھا لیکن اس نے آج اسے باخبر کیا تھا کہ اس کی جان خطرے میں ہے۔

"میں جانتا تھا تم اس دفعہ بھی بزدلوں کی طرح بھاگو گے۔" ریان دو قدم آگے آیا تو اس کا چہرہ مزید واضح ہوا۔ حماد کی تو ڈر کے مارے بولتی بند ہو گئی۔

"جانتے ہو تمہیں میں نے کیوں بچایا؟" اس کے لہجے میں سختی در آئی۔ حماد تھوک نگلتے ہوئے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آج اس کا پلڑا بھاری تھا۔

"کیونکہ میں تمہیں خود مارنا چاہتا تھا۔ میں نے عانیہ سے وعدہ کیا تھا اس کے والدین کے قاتل کو انجام تک پہنچاؤں گا۔" ریان نے کہا تو حماد کو اپنی جان پھر سے خطرے میں پھنستی نظر آنے لگی۔

"دیکھو تم مجھے جانے دو......" وہ ابھی منتیں کرنے شروع ہی ہوا تھا کہ ریان نے اس کے منہ پر مکا مارا۔ پھر ریان اس کی ایک نہ سنی اور مار مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ عانیہ اور قاسم جو پلان کے مطابق دور کھڑے تھے اس کے بے ہوش ہونے پر وہیں آ گئے۔ اسے اپنے سامنے بے بس پڑا دیکھ کر عانیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کو قتل کر دے لیکن ابھی اس کی ضرورت تھی۔ ویسے بھی اب وہ خفیہ ایجنسی کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس کی زندگی اب موت سے بھی بدتر ہونے والی تھی۔

---

عانیہ ریان کے ساتھ قاسم کے گھر آ گئی تھی۔ شانزے نے اس کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ قاسم نے شانزے کو اس کا کارنامہ بتایا تو وہ اس کی اور بھی گرویدہ ہو گئی۔ شانزے اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن قاسم نے عانیہ کی تھکاوٹ محسوس کر لی تھی سو اسے اور ریان دونوں کو اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے کا حکم دیا۔ ریان نے صبح چار بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچنا تھا۔ وہ تھکا ہوا تو تھا لیکن اس کی نیند اب اڑ گئی تھی۔ عانیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ باہر بالکونی میں آ گیا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا اور اس کے کمرے کے ساتھ والا کمرہ عانیہ کو دیا گیا تھا۔ دونوں کی بالکونیاں بیک گارڈن میں ساتھ ساتھ ہی کھلتی تھیں اور ان دونوں کے درمیان کم ہی فاصلہ

تھا۔وہ بھی اپنی بالکونی میں کھڑی تھی۔ریان کی نظر اس پر پڑی تو وہ بے اختیار ٹھٹکا۔چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔وہ ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے خیالوں میں اس قدر کھوئی تھی کہ اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ بھی نہ سکی۔ریان اس کے قریب آیا تو وہ چونکی۔

"تم یہاں کیسے؟"وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ سوال میرا بھی ہو سکتا ہے۔"

"یہ میرا کمرہ ہے۔"

"یہ جواب میرا بھی ہو سکتا ہے۔"اس نے کہا تو عانیہ نے اسے ایک نظر دیکھا اور رخ پھیر لیا۔

"یار پلیز اب ناراض تو مت ہو۔صبح میں جا رہا ہوں۔"

"تو جاؤ۔روکا کس نے ہے۔"وہ رکھائی سے بول کر پلٹی اور اندر کمرے میں جانے لگی۔

"رکو۔"ریان نے کہا اور اپنی بالکونی کی ریلنگ پر چڑھ کر اس کی بالکونی میں چھلانگ لگائی۔عانیہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے ریان۔اپنے کمرے میں جاؤ۔"وہ غصے سے بول رہی تھی کہ وہ اس کے قریب آیا۔

"جب تک معاف نہیں کرو گی نہیں جاؤں گا۔"

"میں اس طرح کی بلیک میلنگ میں نہیں آنے والی۔"

"تو کس طرح بلیک میل کروں تمہیں؟"وہ اس کے چہرے پر ذرا سا جھک کر بولا تو عانیہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹی لیکن پیچھے دیوار تھی۔اور ریان بھی ایک قدم مزید اس کے قریب آ گیا تھا۔وہ ایک سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگی تھی لیکن ریان نے اس کے دونوں طرف دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس کا راستہ مسدود کر دیا۔اس کی خوشبو عانیہ کو اپنے دل و دماغ میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔دل کی لہروں میں شور برپا ہوا تھا۔

"ریان تم مجھے غصہ مت دلاؤ۔" وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہارے چہرے پر تمہارے دل کا حال صاف نظر آرہا ہے۔" وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ عانیہ کیلیے اب اس کے سامنے کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ رخ بدل کر اس کا ایک بازو پر زور لگایا۔ ریان کے اس بازو میں گولی لگی تھی۔ اس نے جلدی سے بازو پیچھے ہٹائے اور دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو سہلانے لگا۔

"کیا ہوا؟" عانیہ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" وہ پیچھے ہٹ کر ریلنگ سے ٹیک لگا گیا۔ عانیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اسے اپنے کمرے کے اندر لے آئی۔ لائٹ آن کر کے اس کی طرف پلٹی اور اس کی آستین اوپر چڑھانے لگی۔ ریان کچھ کہے بنا اس کے معصوم چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہوا ہے؟" عانیہ نے اس کے بازو پر پٹی بندھی دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"گولی لگی تھی۔"

"کیا؟......کیسے؟" عانیہ ششدر رہ گئی۔

"بس لگ گئی۔ خیر تم چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ مجھے مس کیا؟"

"بہت درد ہو رہا ہے کیا؟" عانیہ نے نرمی سے پوچھا۔ ریان مسکرایا۔

"اگر کہوں ہاں تو میرے درد کو کم کرنے کیلیے کیا کرو گی؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا تو عانیہ کو کچھ یاد آیا۔

"تم اپنا فون تو آن رکھ سکتے تھے نا۔ میں نے تمہیں اتنی کالز کی تھیں۔" اس نے پھر بات بدلی۔

"میں جانتا تھا تم مجھے ٹریس کر کے مجھ تک پہنچ جاؤ گی۔ اسی لیے فون بند کر دیا۔ لیکن تم پھر بھی پہنچ گئی۔ اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔"

"تم مجھ سے سچ بھی بول سکتے تھے۔" اس کے شکوے ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔

"تو پھر تم مجھے جانے ہی نہ دیتی۔"

"ہاں نہیں جانے دیتی۔ میرے لیے اب تم سب سے زیادہ اہم ہو۔ میرے پاس صرف تم ہو ریان۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گال پر بہنے لگے۔ ریان اس محبت کے پیکر کو دیکھ کر رہ گیا۔

"جانتے ہو میں کتنا روئی تھی جب مجھے پتہ چلا تھا کہ تم حماد سے بدلہ لینے گئے ہو۔ مجھے لگا تھا میں تمہیں کھو دوں گی۔ اور آج تم پر تانی گئی ڈھیروں پسٹلز دیکھ کر میری کیا حالت ہوئی تھی۔ تمہیں ذرا سا بھی اندازہ ہے؟..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ریان۔" وہ روتے ہو اس کے سینے سے لگ گئی۔ ریان نے اس کے کمر پر بازو حمائل کرتے ہوئے اس کے بال سہلانے لگا۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔"

"سوری۔"

"آئندہ مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولو گے؟"

"نہیں۔"

"مجھے ہر بات بتاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"کیا؟" عانیہ نے چہرہ اٹھا کر اسے گھورا۔

"کچھ پرسنل باتیں بھی ہوتی ہیں۔" اس نے شرارت سے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ عانیہ نے پیچھے ہٹ کر اس کے کندھے پر چپت رسید کی۔ ریان نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے پھر اپنے قریب کیا تو وہ سٹپٹائی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی تیز چمک تھی کہ عانیہ آنکھیں جھکانے پر مجبور ہو گئی۔

"ٹھیک ہے میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اب جاؤ یہاں سے۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"لیکن مجھے تو ابھی تم سے ڈھیروں باتیں کرنا تھیں۔" ریان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"چار بجے تمہاری فلائٹ ہے۔ سو جاؤ جا کر۔"

"جہاز میں سو جاؤں گا نا۔" وہ بچوں کی طرح بولا تھا۔

"پیکنگ کر لی ہے؟"

"ہاں۔" اس نے کہا تو عانیہ نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"کچھ وقت میرے ساتھ گزار لو۔ میں تمہیں وہاں بہت مس کروں گا۔ پھر پتہ نہیں کب تمہیں دیکھوں۔ سر نے سزا کے طور پر میری دو مہینے کی چھٹی بند کر دی ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

"دو مہینے؟" وہ پریشان لہجے میں بولی۔ ابھی تو وہ اس سے ملی تھی اور وہ پھر جا رہا تھا۔ وہ بھی دو مہینے کیلیے۔ دل اس کی جدائی سہہ نہیں پا رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ریان نے اسے چپ کروایا اور اس کا دھیان بٹانے کے لیے اپنے کارنامے سنانے لگا کہ کیسے کیسے اس نے حماد کو نقصان پہنچایا۔ عانیہ نے بھی اسے بتایا کہ اس کے جانے کے بعد اس نے اسے بہت یاد کیا اور اسے ڈھونڈنے کے لیے کیا کیا کچھ کیا۔ تین بجے تک وہ بہت سی باتیں کر چکے تھے لیکن ابھی بہت سی باتیں ادھوری رہ گئی تھیں۔ جب اس کے جانے کی بات آتی تو وہ رو دیتی تو ریان کوئی مزاحیہ بات کر کے اسے ہنسا دیتا۔

"تین بج گئے ہیں۔" عانیہ نے بجھے لہجے میں کہا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ عانیہ کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ بے تاب آنسو پھر سے باہر آنے لگے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے اسے روکے۔ ریان نے جھک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"رونا بند کرو۔" حکمیہ لہجے میں کہا تو عانیہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پلیز یار۔" اس نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ تو عانیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اب میں تمہیں جو کہوں گا تم اچھے بچوں کی طرح مانو گی۔" اس نے کہا تو عانیہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہارا دشمن حماد تھا جو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ بہزاد شاہ سے بھی قاسم خود نمٹ لے گا۔ تم اب اس معاملے میں نہیں پڑو گی۔ اس کی ساری ویڈیوز جو تم نے سپائے کیمرہ سے بنائی ہیں قاسم کو دے دینا۔ ٹھیک؟"

"ہمم۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

"گھر سے اکیلے باہر نہیں نکلو گی۔"

"ہمم۔"

"وعدہ کرو خود کو خطرے میں نہیں ڈالو گی۔ اپنی حفاظت کرو گی میرے لیے۔" اس بار عانیہ نے صرف سر ہلایا اور آنکھیں پھر نمی سے بھر گئیں۔

"میں تمہیں ہر روز فون کروں گا۔ تمہیں اداس نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے تسلی دی لیکن عانیہ کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔ وہ بہت ڈر چکی تھی۔ پہلے مام ڈیڈ اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اب ریان بھی اس سے دور جا رہا تھا۔ پھر دو مہینے تک اسے چھٹی نہیں ملنی تھی۔ عانیہ نے بھی پی اے ایف اکیڈمی چلے جانا تھا اور ان کے جلد ملنے کے چانس بالکل ختم ہو جانے تھے۔

"تو تم ایسے نہیں مانو گی؟" ریان نے گہری سانس لی۔ عانیہ چھوٹے بچوں کی طرح سوں سوں کرتی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ریان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے چہرے پر جھکا۔ وہ جو بڑے زور شور سے رو رہی تھی اس وقت چونکی جب ریان کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ سٹپٹا کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن ریان اس کی کمر پر بازو حمائل کر

چکا تھا۔ اس کے ہونٹ عانیہ کے لبوں پر بوسہ دے رہے تھے اور عانیہ کو ایسے لگا جیسے ساری دنیا رک گئی ہو۔ وقت رک چکا تھا۔ اس کا دل رک گیا تھا اور اس کی سانسیں بھی تھم گئی تھیں۔

اور جب وہ پیچھے ہٹا تو اس کے سینے میں اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔ دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی اور اس کی لمبی پلکیں سرخ گالوں پر گر گئیں۔ ریان اس کی حالت سے محظوظ ہوتا مسکرا دیا۔

"ہم جلد ملیں گے بیوٹی۔" شرارت سے ایک آنکھ دباتے ہوئے اس نے دو انگلیوں کو پیشانی تک لے جا کر اسے خدا حافظ کا اشارہ کیا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا جو بالکونی میں کھلتا تھا۔ عانیہ اب ہونقوں کی طرح منہ کھولے اس کی جرات پر حیران کو رہی تھی۔ وہ اپنے قریب آنے والے ہر لڑکے کی ہڈیاں توڑ دیتی تھی لیکن ریان کے سامنے وہ ہل بھی نہیں سکی تھی۔ لب بھینچ کر منہ بنایا اور چہرے پر غصہ لانا چاہا لیکن ناکام رہی۔ دل میں غصہ نہیں تھا تو چہرے پر کیسے لاتی۔ وہ تو ایسے دھڑک رہا تھا جیسے اسے بہت بڑی خوشی مل گئی ہو۔ وہ کتنی ہی دیر اس لمحے کو سوچتے ہوئے گم صم سی رہی تھی۔ رونا تو بالکل بھول چکی تھی۔ اسے پھر پتہ بھی نہیں چلا کہ وہ کب گیا ہے۔ آٹھ بجے اسے شانزے بلانے آگئی۔ وہ چاہتی تھی کہ عانیہ دو تین دن اس کے پاس رکے لیکن عانیہ جلد جانا چاہتی تھی۔ وہ اب خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی کہ ریان کی یاد کم سے کم آئے۔ قاسم نے اس سے سپائے کیمرہ کا کوڈ لے لیا۔ اب وہ اپنے لیپ ٹاپ پر بہزاد شاہ کے آفس کی ساری ویڈیوز دیکھ سکتا تھا۔ عانیہ نے اب اس معاملے سے خود کو دور کر لیا تھا۔ لیکن ایک کام ابھی اسے کرنا تھا۔ تعبیر کے پاس قید لڑکیوں کو آزادی دلانی تھی۔ وہ لڑکیاں آج بھی اسے یاد آتی تھیں جن کے چہروں پر دکھ تھا۔ پہلے ریان کے سامنے وہ کچھ نہیں کر سکی تھی۔ پھر جب وہ گیا تو اسے ڈھونڈنے کا مسلہ تھا۔ اب وہ اس کام کو انجام تک پہنچانا چاہتی تھی۔ اور ایسے کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اسے ریان کی خاطر اپنی حفاظت کرنی تھی۔ لیکن ان لاوارث اور مظلوم لڑکیوں کو بھی نہیں بھولنا تھا جو آزادی کی آس میں اپنے دن رات گزار رہی تھیں۔

----------------------------------

پیرس میں رات کے ایک بج چکے تھے۔ان کے کمرے میں اندھیرا تھا۔بیڈ کے ایک طرف عمیر پڑا گہری نیند سو رہا تھا جبکہ ریشم دوسرے کنارے پر لیٹی ابھی بھی جاگ رہی تھی۔کل رات کو یاد کر کے وہ ابھی تک شرم سے سرخ پڑ رہی تھی۔آج سارا دن وہ عمیر سے نظریں ملا کر بات بھی نہیں کر سکی تھی اور اب بھی بالکل کونے پر ٹکی ہوئی تھی۔اور وہ تھا کہ آرام سے سو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔اندھیرے میں وہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ اس کے ہر نقش کو محسوس کر سکتی تھی۔

اسے پیاس لگی تھی۔ کہنیوں کے بل وہ ذرا سا اٹھی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کیا۔پاس ہی پانی کی بوتل پڑی تھی۔ابھی اس نے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے کسی کھٹکے کی آواز آئی۔اس نے تیزی سے مڑ کر عمیر کو دیکھا لیکن وہ بے حس و حرکت سویا ہوا تھا۔اسے لگا شاید یہ اس کا وہم ہو۔لیکن پھر آواز آئی۔کلک۔اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔آواز وہیں سے آئی تھی۔خوف اور پریشانی سے اس کا دل کانپنے لگا۔آواز مسلسل آ رہی تھی۔کوئی ان کے کمرے کا لاک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے جلدی سے عمیر کو جھنجھوڑا۔

"عمیر۔"وہ گہری نیند میں تھا سو جاگنے میں کچھ دیر لگی تھی۔

"عمیر۔"ریشم نے اسے اور زور سے ہلایا۔

"ہمم۔"وہ کسمساتے ہوئے بولا۔

"عمیر اٹھیں جلدی۔"وہ سرگوشی میں بول رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"اس کی آواز میں خوف محسوس کر کے عمیر کی نیند غائب ہو گئی۔

"مجھے کچھ سنائی دے رہا ہے۔ دروازے پر کوئی ہے۔" اس نے کہا تو عمیر نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اور اسے بھی مسلسل ہونے والی کلک کی آواز آنے لگی۔ اسے سمجھ آگئی کہ کوئی ان کے کمرے میں چھپ کر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

"پریشان مت ہو میں دیکھتا ہوں۔" اس نے کہا تو رینم نے ڈر کے مارے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے نرمی سے بازو چھڑایا اور بیڈ سے اتر کر دروازے کی جانب بڑھا۔ اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ اندر آنے والے شخص کو وہ نظر نہیں آیا تھا کیونکہ وہ دروازے کی اوٹ میں تھا۔ البتہ عمیر نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پسٹل بھی تھی۔ اور وہ پسٹل کو رینم کی طرف تان چکا تھا۔ عمیر نے بمشکل اپنے اعصاب کو کنٹرول کیا اور کوئی لمحہ ضائع کیے بنا آگے بڑھا۔ اس کی کلائی کو پکڑ کر اوپر کر دیا۔ اس لمحے گولی ایک ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ پسٹل سے نکلی اور رینم کے اوپر سے گزرتی دیوار پر جا لگی۔ وہ آدمی بوکھلا گیا جس کا فائدہ عمیر نے اٹھایا۔ اس کے منہ پر ایک ساتھ دو مکے مارے۔ اس شخص کی قوت مدافعت ذرا کم ہوئی تو عمیر نے اس کے ہاتھ سے سے پسٹل کھینچ لی اور پھر زور سے اس آدمی کے منہ پر دے ماری۔ ساتھ ہی اس بازو کو موڑ کر اس کی کمر سے لگا دیا۔ اس آدمی نے سیدھا ہونے کی کوشش کی تو عمیر نے پسٹل اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ماری۔ ابھی وہ جھک کر اپنے درد کو برداشت کر ہی رہا تھا کہ عمیر نے اس کی بغل میں بازو ڈالتے ہوئے ذرا سا اوپر اٹھایا اور اپنے پیچھے سے سامنے لا پٹخا۔ وہ آدمی درد سے چیخ پڑا۔ رینم منہ پر ہاتھ رکھے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سب دیکھ رہی تھی۔ ڈر کے مارے سارا جسم کانپنے لگا تھا۔ اس آدمی کو گرتے دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ چیخ کی آواز سے ساتھ والے کمروں کے لوگ بھاگتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ عمیر نے لائٹ آن کر دی اور سب کو اس آدمی کے بارے میں بتایا۔ مینجر بھی آگیا۔ عمیر نے اسے بہت سنائیں کہ اتنی سیکیورٹی کے باوجود یہ شخص ان ک کمرے میں کیسے پہنچ گیا۔ مینجر معذرت کرنے لگا اور کنٹرول روم میں جا کر

سیکیورٹی سسٹم چیک کرنے لگا۔ گارڈز اس آدمی کو لے گئے۔ لوگ بھی آہستہ آہستہ جانے لگے۔ پروا رینم کو تسلی دے کر چلی گئی لیکن ابھی بھی اس کا دل ڈر کے مارے لرز رہا تھا۔ عمیر دروازہ بند کر کے اس کی طرف بڑھا۔

"رینم۔" اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے نرمی سے پکارا تو اس نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ آنسو آنکھوں سے نکل کر اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ عمیر نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"بس بس چپ کرو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں ہو سکتا۔" وہ نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بول رہا تھا۔

"وہ آدمی مجھے مارنے آیا تھا۔ اگر میں مر جاتی تو......؟" وہ روتے ہوئے بولی۔ اب ہی تو زندگی حسین لگنے لگی تھی۔ موت سے خوف آنے لگا تھا۔

"نہیں مرتی۔ اتنی جلدی تو نہیں مرنے دوں گا تمہیں۔ پہلے ہی اتنی مشکل سے ملی ہو۔" وہ آنچ دیتے لہجے میں بولا تو رینم کے دل نے بیٹ مس کی۔ جلدی سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ رونا اب بھی بند نہیں کیا تھا۔ عمیر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر مسکرایا۔

"تم خود چپ ہو گی یا میں کرواؤں۔" اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور رینم کا رونا اسی وقت بند ہو گیا۔

"ویسے تمہیں پتہ کیسے چلا کہ دروازے پر کوئی ہے؟" وہ بات کو بڑھاتے ہوئے بولا۔ سارے دن سے رینم نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"میں جاگ رہی تھی۔" وہ ہاتھ کی پشت سے گال پر بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔

"کیوں؟"

"پانی پینا تھا۔"

"پی لیا ہے؟"

"ہاں پروانے دیا تھا۔"

"چلو اب سو جاؤ۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا اور لائٹ بند کر دی۔

"م.....مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بولی تو عمیر نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔"

"اگر وہ پھر آ گیا تو؟"

"اب نہیں آئے گا۔ پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اسے۔" وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

"لیکن وہ مجھے مارنا کیوں چاہتا تھا؟" یہ بات تو عمیر کو بھی پریشان کر رہی تھی کہ کون رینم کو مارنا چاہتا تھا۔ پہلے اس کا ذہن چارلٹ کی طرف گیا تھا لیکن اس نے خود ہی وہ خیال جھٹک دیا تھا کہ وہ ایک لڑکی تھی اور حسد میں آ کر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی تھی۔ ہو سکتا تھا وہ شخص اسے ہی مارنے آیا ہو۔ لیکن اس کا بھی یہاں کونسا دشمن ہو سکتا تھا۔ اس نے تو یہاں کسی کے ساتھ کچھ برا نہیں کیا تھا۔

"گولی مجھے لگتے لگتے رہ گئی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی تھی۔ لیمپ کی روشنی میں اس کا وجود مدھم سا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ عمیر نے اسے بازو سے پکڑ کی اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ وہ شرم کے مارے کسمسا کر رہ گئی۔ دل کی دھڑکنیں کسی اور ہی لے میں بہنیں لگیں۔ ڈر کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔

"مجھ پر بھروسہ ہے؟" عمیر نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔ رینم کے لب ذرا سے مسکرائے۔ سر اثبات میں ہلا۔

"لیکن مجھے امید نہیں تھا کہ آپ اس آدمی سے نمٹ پائیں گے۔"

"کیوں؟"

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کو لڑائی کرنا نہیں آتی" اس نے یاد دلایا۔ایک دفعہ اس نے عمیر سے پوچھا تھا کہ آپ کو فائٹنگ آتی ہے تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں نہیں آتی۔ لیکن اپنی بیوی کی حفاظت میں بہت اچھے طریقے سے کر سکتا ہوں۔" وہ بولا تو ریئم اپنی شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کے لیے چہرہ جھکا گئی۔ عمیر نے مسکرا کر اس کے سر پر بوسہ دیا۔ ریئم نے اس کے سینے میں چہرہ چھپاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔

-----------------------------------

صبح کی پہلی کرنوں کے کھڑکی میں داخل ہوتے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ ہسپتال کے جس کمرے میں تھی اس کی کھڑکی سے باہر کا سبز قطعہ نظر آتا تھا۔ وہ اس منظر کو کئی لمحے دیکھتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس کی ساری حسیں بیدار ہوتی گئیں اور درد کا احساس جاگنے لگا۔ سارا جسم تکلیف میں مبتلا تھا لیکن معدہ سب سے زیادہ درد کر رہا تھا۔ کل اسے اس سے بھی زیادہ درد ہو رہا تھا تو ڈاکٹرز نے اسے بے ہوشی کی دوا دے دی تھی۔ میڈیسن بھی ڈرپس کے ذریعے دی جا رہی تھی۔ کھانا اس کی بے ہوشی میں ہی ناک کے ذریعے معدے تک پہنچایا گیا تھا۔ اب اسے درد کے ساتھ ساتھ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اس نے نظریں ادھر ادھر پھیریں لیکن سمیع اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ درد کی شدت برداشت نہ ہوئی تو وہ بے آواز رونے لگی۔ سمیع کمرے میں داخل ہوا تو اسے روتے دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا حریم؟" وہ اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔ حریم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جلدی سے آنسو پونچھے اور نظریں پھیر گئی۔ سمیع کو بھی یاد آ گیا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔

"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا مڑا تھا۔

(مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے سمیع۔ تمہارا یہ رویہ میرے دل کو چھلنی کر رہا ہے۔)وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ لیکن کہہ نہ سکی۔وہ کچھ دیر بعد ڈاکٹر کے ساتھ آیا تو حریم نے ڈاکٹر کے سامنے بھوک کا اظہار کر دیا۔ڈاکٹر نے ایک پانی کی بوتل میں میڈیسن ملا کر اسے پینے کے لیے دے دی۔ابھی وہ دودھ یا جوس بھی نہیں پی سکتی تھی۔وہ کڑوی دوا پینے سے اس کا معدہ اور بھی جلنے لگا۔وہ زور زور سے رونے لگی۔

"کس نے کہا تھا زہر کھالو۔اب کرو برداشت۔"سمیع نے غصے سے کہا۔اس سے حریم کا رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔لیکن حریم کو اس کے انداز پر دکھ ہوا۔

"تمہارے لیے کھایا تھا۔اب تم ہی مجھے باتیں سناؤ گے۔"وہ بھی بھڑک اٹھی۔

"ہاں تو کیا اب تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالوں۔بڑی بہادری کا کام کیا ہے نا تم نے۔"

"ہاں بہادری کا ہی کام ہے۔تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔"وہ چیلنج دیتے ہوئے بولی۔

"تمہاری بہادری کا قصہ ذرا تمہاری آپی کو سناؤں نا پھر دیکھتا ہوں کیسے بولتی ہو تم اس کے سامنے۔درد کے باوجود اتنی زبان چل رہی ہے۔جب ٹھیک ہو گی تو میرا کیا حشر کرو گی۔"

"تم بات بدل رہے ہو۔"

"اوہ تو تمہیں لگتا ہے میں تمہارے لیے جان نہیں دے سکتا۔"وہ سلگ کر بولا۔حریم نے اسے چڑانے کیلیے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو تمہیں صحیح لگتا ہے۔"حریم کو اس کی بات پر دکھ ہوا۔آنسو جو کچھ دیر کیلیے تھمے تھے پھر سے جاری ہو گئے۔وہ چہرہ پھیر گئی لیکن سمیع اسے روتے دیکھ چکا تھا۔

"اب کیوں رو رہی ہو؟"وہ اکتا کر بولا۔

"درد ہو رہا ہے۔"اس نے درد کا بہانہ کر دیا۔حالانکہ دوا لینے کی وجہ سے اب کافی آرام آ رہا تھا اسے۔

"میں ڈاکٹر سے کہتا ہوں تمہیں بے ہوشی کی دوا دے دے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"رہنے دو۔ میں درد برداشت کر لوں گی۔" وہ بدک کر بولی۔ اسے بے ہوش ہونے سے ڈر لگ رہا تھا۔

"اب تم روئی نا تو میں نے تمہیں بے ہوش کر دینا ہے۔" وہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ حریم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک غصہ تھا۔ اسے بھی تپ چڑھا۔

"میری مرضی میں رووں یا نہ۔ تم باہر چلے جاؤ۔" اس نے روتے ہوئے کہا تو سمیع نے اسے تاسف سے دیکھا۔ دل تو کیا اس کے پاس جا کر اس کے آنسو صاف کرے لیکن غصہ ابھی کم نہیں ہوا تھا۔ اتنا کچھ غلط کر کے بھی وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ طیش کے عالم میں وہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور حریم کے رونے میں اور تیزی آ گئی۔

---------------------------------

اس نے آنکھیں کھولیں تو نیم اندھیرے میں ڈوبے کمرے کی سفید چھت نظر آئی۔ کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہیں آئی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ لیکن جتنی مار پڑی تھی اسے امید نہیں تھی کہ وہ دوبارہ آنکھیں کھول پائے گا۔ پھر اسے یاد آ گیا کہ بے ہوش ہونے سے پہلے کیا ہوا تھا۔ اسے وہ ویڈیو موصول ہوئی تھی جس میں بہزاد شاہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ ڈر کے مارے گھر سے ہی بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ ریان نے اس کا راستہ روک کر اس کی دھلائی کی تھی۔ پھر اسے نہیں پتہ چلا کہ کب وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور کب تک بے ہوش رہا۔ ریان کے لہجے سے تو لگ رہا تھا کہ وہ اسے قتل کرنے والا ہے لیکن وہ زندہ کیسے بچ گیا۔ اس زیادہ دیر سوچنے نہ ہوا کیونکہ سارے جسم میں درد پھیلتا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا منہ سمیت سب ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ اس سے تو کراہنے بھی نہیں ہو رہا تھا۔ درد جتنا بھی تھا لیکن اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ دماغ سن تھا۔ کچھ دیر وہ درد برداشت کرتا رہا پھر آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ اس کی آواز بلند ہوتی گئی تو دروازہ کھلا۔ ایک شخص اندر آیا تھا۔ حماد نے نظریں پھیر کر اسے دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اس شخص نے ہمدردی سے پوچھا۔ حماد نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔" وہ شخص جلدی سے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور آدمی اس کے ساتھ اندر آگیا۔ وہ قاسم تھا۔

"زیادہ درد ہو رہا ہے؟" اس نے بھی بڑی فکر مندی سے پوچھا۔ حماد نے روتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔ آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولا۔ حماد کی آنکھوں میں اطمینان چھلکا۔ اگر یہ شخص اس کا دشمن ہوتا تو اس کے علاج کی بجائے اسے مار دیتا۔ لیکن وہ یہ تو جانتا ہی نہیں تھا کہ قاسم ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہ تو اس کی چال تھی جو حماد کی سمجھ سے باہر تھی۔

"پانی پینا ہے کیا؟" قاسم نے پوچھا۔ حماد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے اسے خود پانی پلایا۔ اور پہلا امپریشن اتنا اچھا ڈالا کہ آگے حماد اس پر اعتبار کر سکے۔ کیونکہ یہی اس کا پلان تھا۔

-----------------------------------

ٹورنٹو میں ان کا آج چھٹا دن تھا۔ آج بھی انہوں نے کہیں سیر کرنے جانا تھا لیکن حدیقہ کو ٹھنڈ کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ وہ فجر کی نماز کے بعد پھر سے بستر میں گھس گئی تھی اور وہاب اس کے لیے ناشتہ لینے چلا گیا تھا۔ وہ اکیلی بور ہو رہی تھی تو لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ یوٹیوب کھولنے پر ایک چائنیز ڈرامہ اس کی نظروں سے گزرا۔ تو اسے یاد آیا اس کا پہلے والا ڈرامہ درمیان میں ہی رہ گیا ہے۔ دا اینڈ لیس لو کی آٹھویں قسط پر وہ پہنچی تھی۔ اس نے جلدی سے قسط نکالی اور آن لائن دیکھنے لگی۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ وہاب آگیا۔ اس کے کانوں میں ہیڈ فون لگا ہوا تھا اور دروازہ بھی اس دیوار میں تھا جس کے ساتھ بیڈ لگا تھا۔ وہ ڈرامہ دیکھنے میں اس قدر کھوئی تھی کہ وہاب کے آنے پتہ ہی نہ چل سکا۔ وہ ہاتھ میں کھانے پینے سامان پکڑے اس کے ساتھ بیڈ پر آ بیٹھا تو وہ چونکی۔ پھر جلدی سے لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف دیکھا اور شکر کیا کوئی رومینٹک سین نہیں تھا ورنہ بہت بے عزتی ہو جاتی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ شاپر میں سے کھانے کے ڈبے نکالتے ہوئے بولا۔

"ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ یہ دیکھیں اس میں جو لڑکی ہے نا یہ میرے جیسی ہے۔" حدیقہ نے ان یوئے شی پر ویڈیو سٹاپ کرتے ہوئے اسے دکھایا۔ اس کی آواز کچھ خراب تھی۔ جیسے ناک بند ہو۔ وہاب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر حدیقہ کی طرف دیکھا۔

"نہیں تم اس طرح کی تو نہیں۔"

"لیکن مجھے تو یہ میرے جیسی لگ رہی ہے۔" حدیقہ نے پریشانی سے دوبارہ اس لڑکی کو دیکھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر شک ہونے لگا تھا۔ وہاب نے مسکراہٹ دبائی۔ لیکن حدیقہ نے دیکھ لی اور غصے سے گھورنے لگی۔

"میری حدی تو اس زیادہ خوبصورت ہے۔" وہ اس کے دونوں گالوں کو چٹکیوں میں پکڑتے ہوئے بولا تو وہ بھی کھل کر مسکرائی۔

"یہ دیکھو تمہارے لیے ایک اسپیشل چیز لایا ہوں۔" وہ ایک گلاس کی طرح کے بند برتن کو اس کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔ اس کے ڈھکن میں پائپ لگا تھا۔ وہ دیکھ نہ سکی کہ اندر کیا ہے۔

"کیا ہے یہ؟"

"چکن کارن سوپ۔" وہاب نے بڑے مزے سے اس کے سر میں بم پھوڑا۔

"یہ آپ کو یہاں بھی مل گیا۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی تو وہاب ہنسا۔

"جہاں تم وہاں یہ۔ آخر تمہیں پسند بھی تو بہت ہے۔ اور تمہیں تو پتہ ہے میں تمہاری پسند کا کتنا خیال رکھتا ہوں۔" اس نے زبردستی گلاس کو حدیقہ کے لبوں کے قریب کیا تو اس نے لب بھینچ لیے۔ اور چہرہ پیچھے ہٹایا۔ وہاب نے غصے سے اسے دیکھا۔

"پیتی ہوں۔" وہ منمنائی اور گلاس اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"اس کے بعد کوئی میٹھی چیز ملے گی کیا؟" مسکین سی شکل بنا کر پوچھا۔

"چاکلیٹ۔" وہاب نے چاکلیٹ کا ریپر اتارتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے مسکرائی۔ پھر گلاس کی طرف دیکھ چہرہ پھیکا پڑا۔

"یو کین ڈو اٹ حدی۔" وہاب نے اس کا جذبہ بڑھایا۔

"ون......ٹو.......تھری۔" بول کر اس نے پائپ لبوں سے لگا لیا اور تیزی سے سوپ اندر انڈیلنے لگی۔ وہاب دلچسپی سے اس کے منہ کے بگڑتے زاویے دیکھ رہا تھا۔ آخری گھونٹ تک اس کی حالت بری ہو چکی تھی۔ پائپ منہ سے ہٹاتے ہی اس نے چاکلیٹ پکڑ لی اور ندیدوں کی طرح کھانے لگی۔ وہاب نے بمشکل ہنسی روکی۔

"تم کب بڑی ہو گی حدی؟"

"میں اٹھارہ سال کی ہوں۔" اس نے جتاتے ہوئے کہا۔ یکدم ہی اسے اپنی ڈیٹ آف برتھ یاد آئی۔ وہاب کی بھی وہی ڈیٹ تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔

"تمہاری ڈیٹ آف برتھ کیا ہے؟" اس نے یاد آنے پر پوچھا۔ ابھی تک اسے حدیقہ کی ڈیٹ آف برتھ کا نہیں پتہ تھا۔ کبھی اس بات کا ذکر ہی نہیں ہوا تھا۔

"مجھے یاد نہیں۔" وہ جلدی سے چاکلیٹ کھانے لگی۔

"اچھا۔ تو پھر اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاؤ۔" وہاب نے کہا۔

"پتہ نہیں کہاں ہے۔" اس نے لیپ ٹاپ کو پکڑتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب تمہیں نہیں پتہ۔ ساتھ نہیں لائی۔" وہاب حیران ہوا۔

"نہیں لائی ہوں۔ سوٹ کیس میں پڑا ہو گا کہیں۔"

"تمہارے اس بیگ میں ہو گا۔" وہاب نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے اس کے کلچ کی طرف اشارہ کیا۔ حدیقہ نے چہرہ پھیر کر آنکھیں بند کیں اور منہ بنایا۔ اس کا شناختی کارڈ واقعی ہی اس میں تھا۔

"دو بھی۔" وہاب نے کہا تو اس نے کلچ اٹھا کر کھولا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خود ہی دیکھ کر کہے کہ نہیں ملا لیکن وہاب نے اس کے ہاتھ سے کلچ کھینچ لیا۔ سامنے ہی اس کا آئی ڈی کارڈ پڑا تھا۔ وہاب نے نکالا تو حدیقہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

اس کے لبوں پر بکھرنے والی مسکراہٹ سے حدیقہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جان چکا ہے۔

"واؤ۔ تو اس لیے تم مجھے نہیں بتا رہی تھی؟" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"کیا؟" ڈرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے پورے دو سال چھوٹی ہو۔ اور ہماری ڈیٹ آف برتھ سیم ہے۔"

"اچھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا۔" اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"جس دن میرے فون کا پن کوڈ کھول کر تم نے میرے سب دوستوں کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا۔ اس دن تم جان چکی تھی۔" اس نے جتا کر کہا۔

"پھر مجھے یاد نہیں رہا ہو گا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بولی۔ وہاب جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا۔

"مسکرا کیوں رہے ہیں؟ اس میں کونسی خاص بات ہے؟" وہ چڑ کر بولی۔

"اتنی خاص بات تو نہیں۔ لیکن رومینٹک ضرور ہے....۔ نہیں؟" مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔ حدیقہ نے جلدی سے نظریں پھیر لیں اور اسے نظر انداز کیا جیسے سنا ہی نہیں۔ وہاب گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"ناشتے میں کیا لائے ہیں؟" وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

"پیزا۔" اس نے ڈبہ کھولتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

---------------------------------

بہزاد شاہ کو اس کے ایک بندے نے رینجرز ریڈ کی خبر دے دی تھی۔ حماد کے سارے خفیہ اڈوں پر فوج نے ریڈ کیا تھا۔ سب پکڑے گئے تھے۔ اور ایک انڈین دہشتگرد عامر کا نام سن کر بہزاد شاہ کا سانس سوکھ گیا تھا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ اب اس کی بربادی کے دن شروع ہونے والے ہیں۔ عامر ڈائریکٹ اس کا نام جانتا تھا۔ یہاں پر وہ اسی کی سرپرستی میں تھا۔ حماد کی غفلت کی وجہ سے وہ بھی پکڑا گیا تھا۔ اگر وہ منہ کھول دیتا تو بہزاد شاہ کا کھیل ختم ہو جانا تھا۔ وہ تو اب اسے چھڑوا یا مروا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہ فوج کی قید میں تھا۔ اب اسے حماد کی بجائے عامر کی ٹینشن لگ گئی تھی۔ ابھی شکر تھا کہ اس سارے گروہ کے سرغنہ کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔ حماد لیڈر تھا لیکن اگر وہ پکڑا جاتا تو اس نے بہزاد شاہ کا ہی نام لینا تھا۔ بے شک اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن خفیہ ایجنسی کو ایک دفعہ کسی پر شک پڑ جائے اسے یقین میں بدل کر رہتی ہے۔

بہزاد شاہ کچھ دیر تو سن بیٹھا رہ گیا تھا۔ ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسے پکڑے جانے کا خوف آیا تھا۔ لیکن ابھی ڈرنے کا وقت نہیں تھا اس کے پاس۔ وہ تیزی سے تعبیر کو کالز کرنے لگا۔ اسے حماد کو قتل کرنے کیلیے بھیجا تھا لیکن ابھی تک وہاں سے خبر نہیں آئی تھی۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ اب تک حماد مر چکا ہو ورنہ اس کے گرد خطرے کا گھیرا مزید تنگ ہو سکتا تھا۔ اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ تعبیر ناکام واپس لوٹی تھی اور اس کی ساری بات سن کر بہزاد شاہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔ حماد ایک دم سے غائب ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب اسے پتہ چل گیا تھا کہ بہزاد شاہ اسے مروانا چاہتا ہے۔

"آخر اسے پتہ کیسے چلا کہ تم اسے قتل کرنے والی تھی؟" وہ غصے سے دھاڑے۔

"میں نہیں جانتی۔ وہ میرے آنے پر بہت خوش تھا۔ شام تک وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اسے کوئی فون آیا تھا۔ میں نہیں سن پائی لیکن اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ پھر اسے ایک میسج آیا تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور

میں اس کا انتظار کرتی رہ گئی اس کے کمرے میں جا کر چیک کیا تو الماری کھلی ہوئی تھی۔اس کا فون اور لیپ ٹاپ بھی کہیں نہیں تھا۔اور کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔" تعبیر نے ڈرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہمم.... تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی نے اسے مخبری کی ہے۔" بہزاد شاہ نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"لیکن کس نے ؟ میرے علاوہ تو یہ بات کسی کو نہیں معلوم۔اور میں اسے کیوں بتاؤں گی بھلا؟"

"خیر تم فکر مت کرو۔میں پتہ لگوالوں گا۔" انہوں نے کہا تو تعبیر نے شکر کا سانس لیا۔بہزاد نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے کچھ دیر سوچا۔پھر اپنے انڈر غیر قانونی کام کرنے والے حماد کے علاوہ باقی چار لوگوں کو ارجینٹ میٹینگ کے لیے کراچی بلایا۔اب انہیں احتیاط سے کام کرنا تھا لیکن وہ جتنی بھی احتیاط برت لیتا آخر کار اسے پھنسنا ہی تھا۔کیونکہ ہر عروج کو ایک نہ ایک دن زوال آتا ہے۔

---------------------------------------

عانیہ دوپہر کے بارہ بجے کراچی پہنچی تھی۔انکل حیدر آفس میں تھے۔عمرینہ اسے ائیرپورٹ سے لینے آئی تھی۔اس کے ساتھ حریم کو نہ پا کر وہ پریشان ہوئی تھی۔

"حریم کہاں ہے ؟" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"اس کی شادی ہوگئی۔" عانیہ نے بڑے سکون سے بتایا۔عمرینہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"کیا؟......اور تم نے روکا نہیں اس کی فیملی کو؟"

"جب لڑکی لڑکا راضی تو کیا کرے گا قاضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مطلب اس کی مرضی سے شادی ہوئی ہے۔"

"ہاں اور جانتی ہیں کس سے ؟......... سمیع سے۔" عانیہ نے تجسس بھرے انداز میں بتایا۔

"ڈی آئی جی مرتضیٰ ملک کا بیٹا؟" عمرینہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔ وہ اسے پسند کرتا تھا۔ تبھی اس نے خبر رکھی ہوئی تھی کہ اس کی فیملی اس کے ساتھ کچھ برا نہ کرے۔ اس نے ہی مجھے بتایا تھا کہ وہ لوگ اس کی شادی اس کے کزن عدنان سے کرنے والے ہیں جس نے اسے اغوا کیا تھا۔ وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں چلا گیا۔ نکاح ہونے ہی والا تھا کہ سمیع نے اس کے گھر والوں کے سامنے عدنان کی حقیقت بتائی اور اس سے بھی اس کے گناہ کا اعتراف کروایا۔ اس طرح حریم کا نکاح سمیع سے ہو گیا۔" عانیہ نے تفصیل بتائی۔

"امیزنگ۔ ویسے سمیع کی فیملی کا کیا ردعمل ہے اس نکاح پر؟"

"پتہ نہیں لیکن عریج جانتی تھی کہ وہ حریم کو پسند کرتا ہے۔ اگر وہ سمیع کا ساتھ دے تو اس کے پیرنٹس بھی راضی ہو جائیں گے۔"

"چلو اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔ اتنی پیاری بچی ہے وہ۔ اس کے پیرنٹس کو اس سے نفرت کیسے کر سکتے ہیں؟...... پہلے اس کے ساتھ کم ظلم ہوا تھا جو اب بھی اس کی زبردستی شادی کر رہے تھے۔" عمرینہ کسی ماں کی طرح اس کے لیے دکھی تھی۔

"ان تکلیفوں کو جھیلنے کا انعام بھی تو اسے مل گیا ہے نا۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ حدیقہ اور ریم کو بھی خبر دوں گی تو وہ بھی بہت خوش ہوں گی۔"

گھر آ کر اس نے پہلے حدیقہ کو فون کیا۔ وہ تو حیرت سے اچھل پڑی۔

"حریم کی شادی ہو گئی؟" عانیہ نے پھر اسے ساری بات بتائی۔

"واؤ۔ زبردست لو سٹوری۔" اس نے کمنٹ پاس کیا تھا۔ وہ حریم کو فون کر کے اسے مبارکباد دینا چاہتی تھی لیکن اس کا فون تو اس کے بھائی کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ عانیہ کی بھی ابھی اس سے بات نہیں ہوئی تھی۔ ریم کو بتایا تو اسے بھی خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہم تینوں کی شادی ہو گئی اب بس تم ہی بچی ہو۔ میری مانو تو شادی کر لو۔ خوامخواہ میرے بھائی کو انتظار کروا رہی ہو۔" وہ شرارت سے بولی تھی۔ عانیہ کو پھر سے ریان کی یاد آئی۔ دل دکھا تھا۔ ہونٹوں پر اب بھی اس کا لمس محسوس ہوا تھا۔ پہلے وہ سوچ رہی تھی کہ ریان سے بات کیے بنا کیسے رہے گی اور اب سوچ رہی تھی کہ اس سے بات کیسے کرے گی۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی کال آ گئی لیکن وہ پک نہ کر سکی۔ اسے نظر انداز کر کے اس نے سمیع کو کال ملائی اور حریم سے بات کروانے کو کہا۔ مبارکباد دینے کے بعد ان کی اتنی لمبی باتیں شروع ہوئیں کہ عانیہ کے فون کا کریڈٹ ختم ہو گیا۔

---

عمیر کو ہوٹل کی سیکیورٹی اور پولیس نے بلایا تھا۔ وہ شخص جو کل رات ان کے کمرے میں داخل ہوا تھا اسے پولیس سٹیشن لے کر جاتے ہوئے پولیس وین پر فائرنگ ہوئی تھی اور وہ آدمی مارا گیا تھا۔ ابھی اس سے تفتیش کرنی تھی لیکن وہ راز اپنے ساتھ ہی لے کر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ اب پولیس عمیر سے پوچھ رہی تھی کہ اسے کسی پر شک تو نہیں۔ وہ کیا کہہ سکتا تھا۔ بس نفی میں سر ہلا دیا۔ البتہ اسے یہ خوف ضرور آیا تھا کہ کوئی تو دشمن ہے جو اتنا پاورفل ہے۔ پہلے ان پر حملہ کروایا۔ جب حملہ آور پکڑا گیا تو اسے مروا دیا تاکہ اس کا نام نہ سامنے آ جائے۔ وہ خود کافی پریشان ہو چکا تھا لیکن رینم کو تسلی دی تھی۔

وہ دونوں اس وقت centre georges Pompidou کی سیر کر رہے تھے جب چارلٹ ان کے سامنے آ گئی۔ عمیر کے چہرے پر ناگواری ابھری لیکن وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہی تھی۔

"ہیلو گائز۔"

"ہائے۔" عمیر نے رینم کے سامنے مسکرانے کی ایکٹنگ کی۔ رینم اب اس کی وجہ سے تپی نہیں تھا۔ اسے یقین آ چکا تھا کہ عمیر صرف اس کا ہے۔

"کیسے ہو؟"

"فائن۔" نپا تلا سا جواب دیا۔

"تمہاری بیوی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ چہرے کا رنگ کیسے زرد ہو گیا ہے۔ کیا ہوا بے بی؟" وہ رینم کو دیکھتے ہوئے انگلش میں بول رہی تھی اور رینم نے نا سمجھی سے عمیر کو دیکھا۔

"وہ تم سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ جو کہنا ہے مجھے کہو اور جاؤ۔"

"یہ بہت ہی اہم مسلہ ہے۔ اگر اسے انگلش آتی ہوتی تو میں اسے دھمکا بھی لیتی۔ چلو خیر تمہیں ہی وارن کر دیتی ہوں۔ کل جو آدمی تم لوگوں کے کمرے میں آیا تھا وہ میں نے بھیجا تھا۔ میں رینم کو قتل کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بڑے سکون سے بول رہی تھی عمیر ششدر رہ گیا تھا۔ بے اختیار اس نے رینم کو بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ بمشکل چہرے پر پریشانی کے آثار چھپائے۔

"اور اس آدمی کو بھی تم نے مروایا ہے؟"

"ہاں میں نے ہی مروایا تھا۔ بڑا اناڑی نکلا۔ ایک لڑکی کو نہیں مار سکا۔" وہ سفاکی سے مسکرائی۔

"اس لڑکی کے ساتھ اس کا شوہر ہے۔ اور جب تک وہ ہے اسے کچھ نہیں ہونے دے گا۔" اس کے لہجے میں رینم کے لیے پیار ہی پیار تھا اور چارلٹ جل بھن کر رہ گئی تھی۔

"ہاں جان چکی ہوں۔ میں اسے جو بھی نقصان پہنچاؤں گی تم سامنے آ جاؤ گے۔ اور تمہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ اس لیے ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔ تمہارا اس میں زیادہ فائدہ ہو گا۔ لکھوا لو مجھ سے۔"

"کیسی ڈیل؟"

"میں تمہیں تین دن دیتی ہوں۔ تمہیں ان تین دنوں تک اس کو چھوڑ کر میرے پاس آنا ہو گا۔ اس لڑکی کے بدلے تمہیں میں اور میری ساری دولت ملے گی۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟"

"تو میری پاور کے بارے میں تم جان ہی چکے ہو۔ تمہاری بیوی ایک گولی کی مار ہے۔ اگر تم بھی اس کے پاس نہ ہوئے تو سوچو اسے کون بچائے گا؟"

"قسمت کے بارے میں کون جانتا ہے۔ بہر حال میں تمہاری آفر پر غور کروں گا۔" وہ پر سوچ انداز میں بولا۔ وہ ایسے ظاہر کر رہا تھا کہ وہ چارلٹ سے ڈر گیا ہو۔ حالانکہ یہ اس کی چال تھی۔ پرسوں انہیں واپس پاکستان چلے جانا تھا۔ پھر چارلٹ کے ساتھ لڑائی کرنے کا فائدہ کیا تھا۔ وہ بس وقت چاہتا تھا۔ اگر اب ہی وہ اس کی دھمکی کو چیلنج کر دیتا تو وہ ریئم کو نقصان پہنچانے میں ذرا دیر نہ لگاتی۔ اب تین دن کا وقت تو تھا۔

"واقعی؟" چارلٹ کو یقین نہ آیا۔

"ہاں۔ لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم تین دن تک ہمیں تنگ نہیں کرو گی؟"

"وعدہ۔ تمہارے سامنے بھی نہیں آؤں گی۔" وہ پر جوش لہجے میں بولی۔

"اگر ان تین دنوں میں تم نے ریئم کو ذرا سا بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو بہت برا حشر کروں گا تمہارا۔"

"اچھا ویسے کیا کرو گے؟" چارلٹ نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے پوچھا۔

"خود کو نقصان پہنچا لوں گا۔ اور یہ تو تم بالکل بھی نہیں چاہتی۔ ہے نا؟" وہ ابرو اچکا کر بولا۔ چارلٹ لاجواب سی ہو گئی۔ اسی کیلیے تو وہ سب کچھ کر رہی تھی اور وہی نہ رہے تو اس سب کیا فائدہ۔

"ٹھیک ہے میں اسے کچھ نہیں کہوں گی۔ لیکن تم اپنے وعدے سے نہیں پھرو گے۔ اگر تم مجھے نہ ملے تو میں تمہیں کسی اور کا بھی نہیں رہنے دوں گی۔ ٹیک کیئر۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔ عمیر نے غصے اس کی پشت کو گھورا۔ ابھی یہ شکر تھا کہ اس کے سامنے غصے کو کنٹرول کر لیا ورنہ کام خراب ہو جاتا۔ وہ اس لڑکی کا شہر تھا اور اس کا باپ بہت امیر

تھا۔اور وہ یہاں ایک مسافر تھا۔اگر اس کی بیوی ساتھ نہ ہوتی تو وہ بھی رک کر ان کا مقابلہ کرتا لیکن ریثم کے لیے وہ جھک بھی سکتا تھا۔اور ریثم اس سب سے بالکل بے خبر تھی۔

-----------------------------------

"کہیں جارہی ہو؟"عمرینہ نے اسے صبح ہی صبح تیار ہوتے دیکھا تو پوچھا۔

"جی حریم کے کالج جارہی ہوں۔سر کا فون آیا تھا۔وہ حریم کا پوچھ رہے تھے۔"اس نے بڑے سکون سے جھوٹ بولا۔

"تو فون پر ہی بتادیتی۔"

"لیو ایپلیکیشن بھی دینی ہے نا۔آپ فکر مت کریں جلد لوٹ آؤں گی۔"وہ لاپرواہی سے بولتی باہر کی طرف بھاگی۔پیچ کلر کی لمبی پیروں تک آتی فراک اور چوڑی پاجامہ پہنے وہ کوئی نازک سی گڑیا لگ رہی تھی۔گلے میں سفید رنگ کے دوپٹے کا ہالہ بنایا ہوا تھا اور براؤن بال کھلے تھے۔چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ایک بیگ بازو پر تھا جس میں اس کی پسٹل اور بے ہوشی کی دوا پڑی تھی۔پیروں میں پیچ کلر کی ہائی ہیل تھی جس سے وہ ٹک ٹک کرتی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔گاڑی کے پاس آئی تو ڈرائیور بھاگ کر اس کی طرف بڑھا۔

"کہاں جانا ہے بی بی جی؟"

"چابی دو۔"اس نے جواب دینے کی بجائے اس سے چابی مانگی اور کچھ ہی لمحوں میں وہ گیٹ پار کر کے سڑک پر گاڑی دوڑانے لگی تھی۔ایک سڑک کے کنارے اس نے گاڑی روکی اور فون پر وقت دیکھنے لگی۔آٹھ بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے۔تعبیر کی گاڑی یہاں سے گزرنے والی تھی اور اسے تعبیر کو اغوا کرنا تھا۔

وہ ایک سنسان سی سڑک تھی۔وقفے وقفے سے اکا دکا گاڑی گزر جاتی تھی۔اس سڑک کے دونوں اطراف درخت تھے۔گاڑی سے نکل کر اس نے بونٹ کو اٹھا کر سٹک کی مدد سے کھڑا کر دیا اور ایسے ظاہر کیا جیسے اس کی گاڑی

خراب ہو گئی ہو۔ دوپٹہ بھی کندھوں سے اتار کر سر پر اس طرح لپیٹ لیا کہ اس کا آدھا چہرہ چھپ گیا۔ ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ تعبیر کی گاڑی آتی دکھائی تھی۔ اس کے ساتھ ایک ڈرائیور تھا جو اس کا باڈی گارڈ بھی تھا۔

عانیہ نے تھوڑا آگے بڑھ کر ہاتھ ہلا کر انہیں اشارہ کیا۔ تعبیر دور سے ہی اس لڑکی کو دیکھ چکی تھی۔ یہ جگہ بھی ویران تھی اور وہ آسانی سے اس لڑکی کو کڈنیپ کر سکتی تھی۔ اگر وہ اس لڑکی کو بیچتی تو بہت پیسے ملتے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس لڑکی کو پہلے بھی ایک دفعہ بیچ چکی تھی۔

تعبیر نے جلدی سے ڈرائیور کو رکنے کا کہا۔ گاڑی رکی تو عانیہ ڈرائیور کی طرف آئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی کھولی۔ تعبیر یہاں سے اسے ٹھیک طرح سے نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ وہ ڈرائیور کے بالکل پیچھے بیٹھی تھی۔

"میری گاڑی خراب ہو گئی۔ آپ میری کچھ مدد کریں گے؟" اس نے آواز ذرا بدل کر کہا۔ ڈرائیور کے پاس ہی ڈیش بورڈ پر پسٹل پڑی تھی اور عانیہ اسے کسی قسم کا شک نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ ڈرائیور نے بیک ویو مرر سے پیچھے بیٹھی تعبیر کو دیکھا۔

"ہاں تم ہمارے ساتھ آ جاؤ۔ ہم تمہیں تمہاری منزل تک چھوڑ دیں گے۔" تعبیر ابھی بول ہی رہی تھی کہ عانیہ نے رومال والا ہاتھ ڈرائیور کے منہ کی طرف بڑھایا اور دو تین سیکنڈ تک وہ بے سدھ ہو کر ایک طرف گر پڑا تھا۔

"ک.... کون ہو تم؟" تعبیر ششدر رہ گئی۔ عانیہ نے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو تعبیر کا چہرہ فق ہوا۔

"گاڑی سے اترو اور میرے ساتھ چلو۔" عانیہ نے پسٹل اس کی طرف کرتے ہوئے کہا تو تعبیر کانپ کر رہ گئی۔ اب اس کے ساتھ بہت برا ہونے والا تھا۔ وہ یہ جان چکی تھی۔

"اگر تم نے چیخنے کی کوشش کی تو میں یہیں مار کر پھینک جاؤں گی۔ اس طرف آؤ۔" اس نے تعبیر کو اپنے آگے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ بنا چوں چرا کیے ڈگمگاتے قدموں سے سڑک کو پار کرنے لگی۔ اس دوران دو گاڑیاں ان کے

قریب سے گزری تھیں لیکن تعبیر کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی کو مدد کیلیے بلاتی۔عانیہ نے پسٹل اس کی کمر پر ہی تانی ہوئی تھی البتہ اس پر کپڑا کر دیا تھا تا کہ دور سے گزرنے والوں کو شک نہ پڑے۔

پچھلا دروازہ کھول کر اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بیگ میں سے ایک اور بے ہوش کرنے والا رومال نکال کر تعبیر کے منہ پر رکھ دیا۔وہ بے ہوش ہو گئی تو عانیہ جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی بھگا لے گئی۔

فارم ہاؤس پہنچ کر اس نے ہارن بجایا تو ایک منٹ بعد گیٹ کھلا۔یہ اس کا فارم ہاؤس تھا جہاں وہ ڈیڈ کے ساتھ ٹریننگ کے لیے آتی تھی۔فارم ہاؤس کے ایک کونے میں دو کوارٹر تھے جس میں یہاں کام کرنے والے دو ملازم اپنی فیملیز کے ساتھ رہتے تھے۔ایک گھوڑوں اور دوسرے کچھ پالتو جانوروں کی دیکھ بھال کرتا تھا جبکہ دوسرا گیٹ کیپر تھا۔مام ڈیڈ کے وفات کے بعد بھی وہ وہاں ملازمت کر رہے تھے اور عانیہ ہی اب انہیں پے دیتی تھی۔

گاڑی پکی روش پر چلتی ایک منٹ بعد پورچ تک پہنچی۔گاڑی سے نکل کر اس نے دوسرے ملازم کو آواز دی۔وہ چالیس سال کا تھا اور اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ یہاں رہتا تھا۔

"جی بی بی۔"عتیق نے اس کے سامنے مؤدب طریقے سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اس لڑکی کو اٹھا کر اندر لے آؤ۔"وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اور عتیق پیچھے کھڑا دنگ رہ گیا۔اس کی مالکن نے کسی لڑکی کو اغوا کر لیا تھا۔لیکن وہ کچھ بول تو سکتا نہیں تھا سو آگے بڑھ کر تعبیر کو اٹھایا اور عانیہ کے پیچھے آیا۔

اس فارم ہاؤس میں دو منزلہ خوبصورت سا گھر تھا۔عتیق تعبیر کو اٹھائے عانیہ کے پیچھے ایک کمرے میں آیا تھا۔عانیہ نے اسے تعبیر کو کرسی پر بٹھانے کا اشارہ کیا۔اس نے آگے بڑھ کر حکم کی تعمیل کی۔

"تم جاؤ اب۔اور اگر یہ بات غلطی سے بھی تمہارے منہ سے نکلی تو انجام کے لیے تیار رہنا۔"عانیہ نے سخت لہجے میں کہا تو وہ جی کہہ کر رہ گیا۔ایک تو نوکری جانے کا خدشہ تھا اور اوپر سے ہڈیاں ٹوٹنے کا الگ۔اس نے کئی بار اس لڑکی کو یہاں ٹریننگ کرتے دیکھا تھا۔اس کے ہاتھوں نے ایک ساتھ کئی چونے کے پتھروں کو توڑا تھا۔اور ایک

دفعہ تو ایک لڑکے کو عانیہ کے ہاتھوں پٹتے دیکھا تھا۔ وہ اپنی ہڈیاں نہیں تڑوانا چاہتا تھا۔ اور یہ تو عانیہ کا تکیہ کلام بھی تھا۔ جب بھی کسی پر غصہ ہوتی کہتی ہڈیاں توڑ دوں گی۔

عتیق باہر چلا گیا تو وہ اس کی طرف مڑی۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے بازوؤں کو پیچھے کر کے ہاتھوں پر رسیاں باندھ رہی تھی۔ پھر اس کے منہ پر پانی پھینکا تو وہ ہوش میں آئی۔ ہڑبڑا کر سامنے کھڑی عانیہ کو دیکھا تو اسے سب کچھ یاد آگیا۔

"کیسی ہو ڈیئر کزن؟" عانیہ مسکرا کر بولی۔

"کہاں لے آئی ہو مجھے؟" وہ خوفزدہ نگاہیں ارد گرد دوڑاتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا گھر ہے۔ تمہیں پسند نہیں آیا؟" عانیہ نے بے تکلفی سے پوچھا جیسے ان دونوں کے بہت اچھے تعلقات ہوں۔

"کیوں لے کر آئی ہو مجھے یہاں؟" وہ چلائی۔

"ذرا اونچا چلاؤ۔" عانیہ ٹیبل پر پڑی پسٹل اٹھاتے ہوئے بولی تو تعبیر پتھرائی ہوئی آنکھوں سے پسٹل کو دیکھنے لگی۔

"پلیز مجھے مت مارو۔" وہ روتے ہوئے گڑگڑانے لگی۔

"نہیں مارتی۔ مجھے تمہارا احسان یاد ہے۔ تم مجھے مار سکتی تھی لیکن تم نے مجھے صرف بے ہوش کر کے بیچ دیا۔ شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی نہیں دیا۔" وہ اس کے قریب آگئی تھی اور تعبیر کی سانسیں سوکھنے لگیں۔

"م...... مجھے چھوڑ دو۔" وہ ہکلائی۔

"چھوڑ دوں گی۔ پہلے ان سب لڑکیوں کو چھوڑو جن کو تم نے اپنے پاس قید کیا ہوا ہے۔" عانیہ نے اسے کہا۔ تعبیر کچھ لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ وہ لڑکیاں اسے بہت نفع پہنچا رہی تھیں لیکن ابھی اس کی جان قیمتی تھی۔ لڑکیاں تو پھر بھی اغوا کی جا سکتی تھیں۔

"تم مجھے چھوڑو۔ میں ابھی ان کو جا کر چھوڑ دوں گی۔"

"اونہوں۔ تم وہ جگہ بتاؤ۔ جہاں وہ لڑکیاں ہیں۔ اور تمہارے ساتھ جتنے لوگ بھی یہ کام کرتے ہیں ان کے نام بھی بتاؤ۔" عانیہ نے کہا۔ اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ سو سب کچھ بتا دیا۔

"یہ سب وہیں رہتے ہیں؟" عانیہ نے ان لوگوں کے ناموں پر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہیں ہیں۔"

"کوئی شخص کسی لڑکی کو اغوا کرنے تو نہیں گیا ہوا؟"

"نہیں۔ ابھی کوئی بھی نہیں گیا ہوا۔"

"اور وہ لڑکیاں ان لوگوں سے محفوظ ہیں؟" عانیہ کی بات سمجھنے کیلیے تعبیر کو کچھ پل لگے تھے۔

"ہاں۔ وہ میری مرضی کے بغیر انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔" انجانے میں منہ سے سچ نکل گیا۔

"اوہ یعنی اگر تمہاری مرضی ہو تو وہ لگا سکتے ہیں؟" عانیہ کا میٹر گھوما۔ تعبیر چپ رہ گئی۔ عانیہ نے کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔ تعبیر کے چہرے پر سرخ نشان پڑ گیا اور وہ تکلیف سے آنکھیں بند کر کے چیخی۔

"وہ تمہاری زر خرید غلام ہیں جو تم انہیں یونہی کسی کو تحفے میں دے دیتی ہو؟" وہ چلائی۔ تعبیر کچھ کہے بنا سر جھکا کر روتی رہی۔

"اور تم انہیں مارتی بھی ہو گی؟" وہ بولی تو تعبیر کا سر مزید جھک گیا۔

"اب میں جو تمہارے ساتھ کروں گی نا سارا زمانہ دیکھے گا۔" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"نہیں پلیز مجھے جانے دو۔" تعبیر منت کرنے لگی۔ عانیہ نے اسے پھر سے بے ہوش کر دیا۔ اس کے جسم کو مزید رسیوں سے جکڑ دیا اور باہر آ گئی۔ عتیق کو چند ہدایات کیں اور گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

-----------------------------------

آج اس نے ناشتے میں دودھ پیا تھا۔ لیکن درد زیادہ نہیں ہوا تھا سو ڈاکٹرز نے اسے دودھ اور جوس پینے کی اجازت دے دی تھی۔ ناک سے کھانے کی ٹیوب اتار دی گئی تھی البتہ ڈرپس کے ذریعے اسے مسلسل گلوکوز دی جا رہی تھی۔ چہرے کا رنگ بھی کچھ نکھر گیا تھا۔ ڈاکٹرز نے سمیع کو تسلی دی تھی کہ وہ بہت جلدی ریکور کر رہی ہے۔

وہ کب سے بستر پر لیٹی تھی اور بہت بور ہو رہی تھی۔ معدے کے درد کو تو آرام تھا لیکن ہاتھ کی پشت پر لگی ڈرپ کی سوئی نے اسے درد میں مبتلا کر دیا تھا۔ اوپر سے بھوک لگے تو صرف دودھ اور جوس پر گزارا کرنا تھا۔ اس کی برداشت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ چہرہ موڑ کر دائیں جانب کاؤچ پر بیٹھے سمیع کو دیکھا تو وہ تپ اٹھی تھی۔

سمیع کا غصہ اب تک ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ حریم نے زہر کیوں کھایا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ اور محبت میں لوگ اپنا نفع نقصان بھول جاتے ہیں۔ حریم کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ ایک تو وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھی اور اوپر سے اس نے کتنی دفعہ اسے ڈانٹا تھا۔ اب اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ حریم سے باتیں کرے لیکن انا آڑے آ رہی تھی۔ اس لیے خاموش ہو گیا تھا۔ خود کو مصروف ظاہر کرنے کیلیے لیے فون پر لگ گیا لیکن دھیان سارا حریم کی ہی طرف تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ وہ بور ہو رہی ہے۔ چاہنے کے باوجود بھی اسے پکار نہیں سکا تھا۔ اگر وہ خود بات شروع کرتی تو پھر ہی وہ بھی بول لیتا۔ اس کی مشکل حریم نے جلد ہی حل کر دی۔

"میں اکتا چکی ہوں۔ یہاں لیٹ لیٹ کر۔ اور اس سوئی نے میرے ہاتھ کو پھلا کر رکھ دیا ہے۔" اس نے دونوں پاؤں اٹھا کر زور سے بیڈ پر مارے اور اٹھ بیٹھی۔ سمیع تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔

"آرام سے لیٹو۔ کیا کر رہی ہو؟" وہ اس کو کندھے سے پکڑتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ مجھے باہر جانا ہے۔" وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے قینولہ اتارنے لگی تو سمیع نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو۔ میں اتار دیتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ حریم نے چونک کر اسے دیکھا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس نے ٹیپ اتارنے کے بعد احتیاط سے سوئی باہر نکالی۔ وہ جگہ بہت سوجی ہوئی تھی۔ تھوڑا سا خون باہر آ گیا تھا۔ سمیع

نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ دیا۔ حریم کو اس کا لمس محسوس کر کے درد بھولنے لگا تھا۔ دل میں غصہ کم ہونے لگا تھا۔ لیکن اس نے جلدی ہی اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور ٹانگیں نیچے اتار کر کھڑی ہو گئی۔ ابھی ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ لڑکھڑائی۔ سمیع نے ایک بازو اس کی کمر پر حمائل کیا اور دوسرے سے اس کے بازو کو پکڑ کر اسے گرنے سے بچایا۔ اسے خود پر جھکا دیکھ کر حریم کا دل زور سے دھڑکا اور اسی پل سارا غصہ، گلے شکوے سب ختم ہو گیا۔ کتنے ہی پل وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی اور جب چونکی تھی تو ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔ نظریں چراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سمیع نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

"چلو آؤ۔ میں تمہیں باہر لے چلتا ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے بولا۔ حریم نے تیزی سے ہاتھ چھڑایا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ میں اب دوبارہ اس کمرے کو نہیں دیکھ سکتی۔ میری برداشت ختم ہو گئی ہے۔" وہ غصے سے چیخی۔

"کس کے گھر؟" سمیع نے ابرو اچکا کر کہا تو وہ کچھ دیر کیلیے چپ سی رہ گئی۔

"عانی آپی کے پاس جانا ہے۔" وہ چہرہ پھیر کر بولی۔

"ڈاکٹر کل ڈسچارج کریں گے تو چلے جائیں گے۔"

"میں انتظار نہیں کر سکتی۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھا میں بات کرتا ہوں۔ تم یہیں بیٹھو۔" وہ اسے پھر سے بٹھا کر چلا گیا اور جب دوبارہ آیا تو وہ تیزی سے اٹھی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"ڈسچارج کر دیا۔ آجاؤ۔" وہ اس کے قریب آکر بولا تو وہ خوشی سے مسکرائی۔ سمیع نے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ راہداری میں سے گزرتے ہوئے اس نے آن لائن ٹکٹ بک کروائی۔ دو گھنٹے بعد کی فلائٹ کی سیٹیں ملی تھیں۔ وہ اسے ایک پارک میں لے کر آگیا۔ دوپہر کے دو بجے کا وقت تھا اور سورج اپنے پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ وہ ایک الگ تھلگ سی سایہ دار جگہ پر آ گئے

تھے۔دونوں طرف درختوں کی لائینیں تھیں اور وہ دونوں سبزے پر قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔حریم ابھی تک اسی سرخ عروسی لباس میں تھی اور سمیع اسامہ لوگوں کے گھر جا کر کپڑے چینج کر آیا تھا۔وہ لوگ اس مشکل گھڑی میں اس کا بہت ساتھ دے رہے تھے۔

"درد تو نہیں ہو رہا؟" سمیع نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔" رکھائی سے جواب دیا تو سمیع کو دکھ ہوا۔وہ نارمل ہو چکا تھا لیکن وہ ابھی تک اس سے ناراض تھی۔کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔حریم کو چلنے کی وجہ سے بھوک لگ گئی۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ سامنے ہی دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔

"میں دیکھتا ہوں کینٹین سے شاید دودھ یا جوس مل جائے۔" وہ جانے لگا۔

"مجھے کوئی چیز کھانی ہے۔پینی نہیں۔" وہ پیچھے سے بولی تو سمیع نے مڑ کر اسے غصے سے گھورا۔

"تمہاری طبیعت خراب ہے حریم۔"

"مجھے نہیں پتہ۔"

"تم اتنی ضدی کیوں ہو رہی ہو؟" وہ تپ کر بولا۔

"بھوک سے میری جان نکل جا رہی ہے اور تم مجھے ضدی کہہ رہے ہو۔میں ہی پاگل تھی جو تمہارے خاطر زہر کھا بیٹھی۔موت تو ملی نہیں۔بور زندگی مل گئی۔جس میں میں اپنی مرضی سے کچھ کھا بھی نہیں سکتی۔ہائے اللہ جی۔مجھے اٹھا لیں۔چکن، تکے، اور بریانی کے بغیر زندگی کا کیا مزا؟" وہ اللہ سے شکوے کرنے لگی۔

"کیا اول فول بک رہی ہو؟" سمیع سے برداشت نہ ہوا تھا اس کا موت مانگنا۔

"اگر مجھے اگلے دو منٹ میں کھانے کی کوئی چیز نہ ملی تو میں مر جاؤں گی۔" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں لے کر آتا ہوں ابھی۔" وہ جلدی سے مڑا اور کینٹین کی طرف بڑھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب وہ ایسی کونسی کھانے کی چیز لے جو اس کے معدے کو نقصان نہ پہنچائے۔ ایک آئس کریم پارلر دیکھا تو شکر کا سانس لیا۔ دو آئس کریم کپس پکڑے وہ جب واپس آیا تو وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھی نظر آئی۔ وہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ لو کھانے کی چیز۔" اس نے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ حریم اس کی عقلمندی سے متاثر ہوئی تھی۔ وہ دودھ والی چیز تھی اور کھانے والی بھی تھی۔ اس کی زبان اس وقت کچھ تیکھا ڈیمانڈ کر رہی تھی لیکن یہ بھی چل سکتا تھا۔ اس نے کپ جلدی سے پکڑ لیا اور کھانے لگی۔

"آئس کریم کھانے سے معدے میں درد تو نہیں ہوا؟" وہ دو تین بائیٹس لے چکی تو سمیع نے پوچھا۔

"تم بار بار یہ بات پوچھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے کہ تمہیں میری بڑی فکر ہے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم یہ جانتی ہو۔ اگر مجھے تمہاری فکر نہ ہوتی تو تمہارے لیے یہاں کبھی نہ آتا۔ تمہارے گھر والوں کو سچ نہ بتاتا اور تم سے شادی بھی نہ کرتا۔" وہ آئس کریم کھاتے ہوئے سکون سے بولا تو حریم کو احساس ہوا کہ سمیع نے اس کے لیے کیا کیا ہے۔ وہ چپ سی ہو گئی۔ وہ ویسے ہی اس کے غصہ ہونے پر دکھی تھی۔ غصہ کرنا تو اس کا حق تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے بکھری اور معدوم ہو گئی۔ اپنی آئس کریم ختم کر کے بھی اسکی بھوک ختم نہ ہوئی۔

"مجھے اور بھوک لگی ہے۔" وہ بچوں کی طرح بولی۔ سمیع کچھ کہے بغیر ایک اور آئس کریم لینے کے جانے لگا۔ حریم نے اس کی آدھی کھائی ہوئی آئس کریم پکڑ لی۔

"تمہیں کونسا بھوک لگی ہے۔یہی دے دو مجھے۔پھر کہو گے میرے اتنے پیسے لگوا دیے۔"وہ اس کی آئس کریم کھاتے ہوئے بولی اور سمیع حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔وہ اسے تنگ کرنے کیلیے ایسا کر رہی تھی ورنہ وہ دوسری بھی منگوا سکتی تھی۔اس کے پاس پیسوں کی کونسا کمی تھی۔اس کا مطلب وہ اس سے راضی ہو چکی ہے۔نچلا ہونٹ لبوں میں دبا کر اس سے نے مسکراہٹ روکی۔حریم اس کے مسلسل دیکھنے پر جزبز سی ہو رہی تھی۔

"ہم کب تک یہاں رہیں گے؟"

"ڈیڑھ گھنٹہ۔"

"اچھا مجھے اپنا فون دے دو۔"وہ تحکم سے کہنے لگی۔

"کیوں؟"

"میں بور ہو رہی ہوں۔"اس نے نروٹھے پن سے کہا۔سمیع نے فون نکال کر اسے تھمایا۔

"کریڈٹ ہے؟"

"ہاں۔"

"میں عانی آپی سے بات کرنے لگی ہوں۔تم ذرا دور چلے جاؤ۔"وہ عانیہ کو کال ملاتے ہوئے بولی تو سمیع اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اسے نظر انداز کر کے عانیہ سے بات کرنے لگی تو وہ اٹھ کر دور چلا گیا۔

-----------------------------------

"لیکن ہم آج واپس کیوں جا رہے ہیں؟..... ہمیں تو کل جانا تھا نا؟"رینم نے اچنبھے سے پوچھا۔کل ہی عمیر نے پاکستان کی ٹکٹ لے لیں تھیں۔آج سہ پہر چار بجے ان کی واپسی کی فلائٹ تھی۔اس نے رینم کو اب بتایا تھا۔

"میں اکتا گیا ہوں یہاں سے؟"عمیر نے نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔رینم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔وہ دونوں اس وقت اپنے کمرے میں ہی تھے۔

"نہیں۔ آپ ڈر گئے ہیں۔" وہ پر یقین لہجے میں بولی تو عمیر نے انجان بنتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"میں کیوں ڈروں گا بھلا؟"

"آپ ڈر گئے ہیں نا کہ کہیں چارلٹ مجھے مار نہ دے؟" ریئم نے مسکراتے ہوئے کہا تو عمیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ کیا اسے سب پتہ چل گیا تھا کہ اس نے چارلٹ سے کیا ڈیل کی ہے۔

"تمہیں سب پتہ چل گیا؟" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"ہاں بس تھوڑی سی سمجھ آئی تھی۔ وہ یہی کہہ رہی تھی نا کہ وہ مجھے مار دے گی۔" ریئم نے سادگی سے بتایا۔

"اور کچھ سمجھ تو نہیں آئی؟"

"آپ مجھے شک میں ڈال رہے ہیں۔" ریئم نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں بس چاہتا تھا کہ تم پریشان نہ ہو۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ ریئم ہنس دی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟"

"آپ بہانے کرتے ہوئے بہت پیارے لگتے ہیں۔" ریئم نے کہا۔ عمیر نے کچھ دیر اسے گھورا اور پھر اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ وہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی لیکن عمیر اس کی کمر پر بازو حمائل کر چکا تھا۔ وہ سرخ پڑتے چہرے کو جھکا گئی تھی۔

"جو پیارا لگے اس پر ہنستے نہیں بلکہ اسے پیار کرتے ہیں۔"

"اب آپ بالکل بھی پیارے نہیں لگ رہے۔" وہ ایک نظر اسے دیکھ کر بولی۔

"لیکن تم مجھے بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تو کیا خیال ہے پھر؟" اس نے مسکرا کر ابرو اچکائی۔ ریئم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں۔

"میرا کوئی خیال نہیں۔" وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔ لیکن اس کی گرفت سے نہ نکل سکی۔ اس کے لبوں پر بکھری شرمگیں مسکراہٹ عمیر کو بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ جزبز سی ہوتی نظریں جھکائے اس کے حصار سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور وہ آہستہ سے اس کے چہرے پر جھکا تھا۔

---------------------------------

"اچھا ذرا فون سمیع کو دینا۔ کچھ ضروری بات کرنی تھی۔" عانیہ نے کہا۔ وہ مسلسل آدھے گھنٹے سے باتیں کر رہی تھیں۔ سمیع دور ایک درخت کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"اچھا۔" حریم اٹھ کر سمیع کے پاس آئی۔

"آپی تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" فون سمیع کی طرف بڑھایا تو اس نے پکڑ کر کان سے لگالیا۔

"ہاں کہو عانیہ۔"

"حریم کہہ رہی تھی کہ آج تم لوگ کراچی پہنچ جاؤ گے۔"

"ہاں شام تک شاید۔" اس نے جھوٹ کھلنے کے ڈر سے منہ بنایا۔

"اچھا مجھے تمہاری کچھ مدد چاہیے تھی۔"

"کیسی مدد؟"

"میں نے تعبیر کو کڈنیپ کر کے اس سے وہ جگہ معلوم کر لی ہے جہاں اس نے لڑکیوں کو رکھا ہوا ہے۔ وہاں دس آدمی پہرے پر ہیں۔ میں ان سے نمٹے بغیر ان لڑکیوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور مجھے آج رات ہی ان لڑکیوں کو بازیاب کروانا ہے۔"

"نو پرابلم ہو جائے گا۔"

"ہم پولیس کی مدد نہیں لے سکتے سمیع۔"

"لیکن میڈیا کی تو لے سکتے ہیں نا۔" سمیع نے سکون سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" عانیہ چونک کر بولی۔

"میں آکر سارا پلان بتاؤں گا۔ انشااللہ ہم کامیاب ہوں گے۔"

"تھینکس۔ پھر کب تک پہنچو گے۔"

"ٹھیک ہے میں آٹھ بجے پہنچ جاؤں گا۔"

"اوکے ٹیک کیئر۔" عانیہ نے فون بند کر دیا۔

---------------------------------

ائیر پورٹ پر حمزہ ان دونوں کو لینے آیا تھا۔ عریج نے سمیع کو یہ خوشخبری دے دی تھی کہ ماما راضی ہیں اور اپنی بہو کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ گھر پہنچے تو لائبہ اور عریج ان کا استقبال کرنے گاڑی کے قریب آ گئیں۔ حریم کے باہر نکلتے ہی عریج نے اسے گلے لگایا۔ سمیع بھی باہر نکل آیا لیکن کسی کا اس پر دھیان نہیں تھا۔

"کانگریجولیشن حریم۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ وہ ذرا سا مسکرا دی۔ لائبہ اس کی سامنے آئی تو وہ نظریں جھکا گئی۔ لائبہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میری بہو تو بہت خوبصورت ہے۔" اس نے حریم کو گلے لگاتے ہوئے کہا تو حریم ان لوگوں کے خلوص اور محبت پر شرمندہ سی ہو گئی۔

"لیکن آپ کا بیٹا زیادہ خوبصورت ہے۔" سمیع نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ لائبہ نے اسے بھی گلے لگایا۔

"دونوں ہی بہت پیارے ہو۔" وہ ان دونوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"اب کیسی طبعیت ہے حریم؟" عریج نے پوچھا۔ وہ لوگ اب اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔"وہ تذبذب سے بولی اور سمیع کی طرف دیکھا۔

"ارے ہاں بیٹا عریج کہہ رہی تھی کہ تم ہسپتال میں ایڈمٹ تھی۔"لائبہ فکر مندی سے بولی۔

"وہ بس ذرا سا معدے کا مسلہ تھا۔زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔"سمیع نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"لیکن اس کے چہرے سے تو لگ رہا ہے کہ یہ بہت بیمار ہے اور تم کہہ رہے ہو ذرا سا مسلہ ہے۔"لائبہ حریم کے زرد چہرے کو دیکھ کر بولی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"حریم نے کہا۔

"بیٹا احتیاط کیا کرو۔باہر کی چیزیں مت کھایا کرو۔یہ تو زہر ہوتی ہیں۔"لائبہ اسے نصیحت کرنے لگی۔زہر کھا کر ہی تو یہ حالت ہوئی تھی۔سمیع نے سر جھٹک کر سوچا۔

"ماما میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"سمیع اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

"رکو۔"لائبہ نے پیچھے سے آواز دی وہ رک کر مڑا۔

"بیٹا اپنی دلہن کو ساتھ لے کر جاؤ۔"انہوں نے جتا کر کہا تو سمیع نے اسے دیکھا۔

"چلو۔"

"ارے ایسے کیسے ؟..... ٹیکس لیے بنا میں تمہیں کمرے میں نہیں جانے دوں گی۔"عریج نے کہا۔

"میری چیک بک کمرے میں ہے۔کل دے دوں گا۔"سمیع نے بہانہ بنایا۔

"کل نہیں۔تم ادھر بیٹھو۔میں لے کر آتی ہوں۔تم چلو میرے ساتھ ذرا۔"وہ حریم کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی۔

"سمجھا لو اپنی بیوی کو۔مار کھا لے گی مجھ سے۔"سمیع نے اسے تپانے کیلیے اونچی آواز میں حمزہ سے کہا لیکن وہ نظر انداز کر گئی۔

"تم فریش ہو جاؤ جلدی سے۔ میں نے تمہارے لیے شاپنگ کی ہے۔ بابا کہہ رہے تھے کہ کچھ دنوں بعد ولیمے کا فنکشن بھی کریں گیں۔ میں نے دو لہنگے خریدے ہیں تمہارے لیے۔ ایک آج پہن لو اور ایک ولیمے پر پہن لینا۔" عریج مسلسل بولتے ہوئے کمرے میں آئی۔ وارڈروب کھول کر ایک لہنگا نکالا اور اسے دکھایا۔

"یہ کیسا رہے گا؟"

"لیکن......" یہ لباس پہننے پر اس کی انا آڑے آئی تھی۔ سمیع اسے دلہن کے لباس میں دیکھ کر سمجھتا کہ وہ اس کیلیے تیار ہوئی ہے جبکہ ابھی وہ ناراضگی کا ڈرامہ کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ سمیع اسے خود منائے۔

"ارے تم شرما کیوں رہی ہو۔ اب تو دلہن ہو۔ اور نئی نویلی دلہن کا کام ہوتا ہے ہر وقت بن سنور کر اپنے شوہر کا انتظار کرنا۔ چلو شاباش جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ بڑی بہنوں کی طرح اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو حریم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

عریج سمیع کی چیک بک پکڑ کر باہر نکل گئی اور حریم واشروم میں گھس گئی۔

"یہ لو۔" سمیع نے چیک پر سائن کر کے اسے دیے۔ اور کمرے میں جانے لگا۔

"آں ہاں۔ ابھی کمرے میں نہیں جا سکتے تم۔" عریج نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"ابھی تو حریم تیار بھی نہیں ہوئی۔ جب وہ دلہن بن گئی میں تمہیں جانے دوں گی۔"

"لیکن مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آٹھ بجے کہیں پہنچنا ہے مجھے۔" سمیع نے جھنجھلا کر کہا۔

"اچھا عریج اسے جانے دو۔ وہ پہلے ہی تھکا ہوا ہے۔" لائبہ نے ہمیشہ کی طرح بیٹے کا ساتھ دیا۔

" تھوڑی دیر تو ٹھہر جاؤ۔" عریج نے کچھ دیر اسے اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ جب وہ کمرے میں آیا تو حریم بے بی پنک کلر کے لہنگے میں ملبوس ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی گیلے بالوں کو سنوار رہی تھی۔ سمیع اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ وہ

اس وقت اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ سمیع بمشکل اس سے نگاہیں ہٹا سکا تھا۔ حریم اسے آئینے میں دیکھ کر کچھ دیر کیلیے رکی اور پھر اسے نظر انداز کر کے اپنا کام کرنے لگی۔ وہ بھی وارڈروب سے کپڑے لے کر واشروم میں چلا گیا۔

جب وہ باہر نکلا تو حریم کھڑکی کے پاس ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ قدموں کی آہٹ پر پلٹی تھی اور اسے دیکھ کر جلدی سے رخ پھیر لیا تھا۔ اس نے بلیک جینز پر سفید بنیان پہنی ہوئی تھی جس سے اس کا کسرتی بدن نمایاں تھا۔ اسے تیزی سے واپس پلٹتے دیکھ کر سمیع نے مسکراہٹ دبائی۔ دل نے دماغ کو شرارت پر آمادہ کیا اور وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پیچھے آ گیا۔ اس کے پلٹنے سے پہلے ہی ہاتھ اس کی کمر سے گزار کر آگے پیٹ پر باندھ لیے۔ وہ حیرت سے حق دق کھڑی رہ گئی۔ دل تو جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔ کچھ دیر وہ گم صُم سی کی کیفیت میں رہی پھر حواس واپس آنے شروع ہوئے تو اس کا دل کسی اور ہی لے میں دھڑکنے لگا۔ وہ تو اسے دور سے ہی دیکھ کر گھبرا گئی تھی اور اب کہاں وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ اس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ بوکھلا کر اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ کر اس نے حصار توڑنا چاہا لیکن ہر کوشش ناکام رہی۔ اس کا سر سمیع کی ٹھوڑی سے ذرا سا نیچے تک تھا۔ اس کا چہرہ سمیع کے بائیں جانب تھا اور وہ اس کی طرف چہرہ موڑے اس کا نیم رخ دیکھ رہا تھا۔

"سمیع۔ چھوڑو مجھے۔" وہ ڈپٹتے ہوئے بولی۔

"کیوں چھوڑوں؟..... میرے پاس پرمٹ ہے۔ تم مجھے روک نہیں سکتی۔" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا تو حریم کا چہرہ سرخ ہوا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ ساری تیزی ہوا ہو گئی تھی۔

"مجھے معدے میں درد ہو رہا ہے۔" وہ بہانہ کرتے ہوئے بولی۔ حالانکہ سمیع کے ہاتھ ذرا نیچے تھے۔

"میں ٹھیک کر دوں گا۔" وہ اس کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا تھا۔

"میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی سمیع۔" اس نے جی کڑا کر کے کہا۔

"منظور ہے۔"

"تم مجھ سے ناراض تھے؟"اس نے یاد دلایا تو سمیع ہنسا۔

"ہاں ناراض تو اب بھی ہوں۔اور چاہتا ہوں تم مجھے مناؤ۔"

"ایسے ہی مناؤں۔میں خود تم سے ناراض ہوں۔"وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا پھر مجھے منانے دو۔"یہی تو وہ چاہتی تھی لیکن یہ بھلا کونسا طریقہ تھا منانے کا۔وہ خفگی سے سوچ کر رہ گئی۔

"پیچھے ہٹو۔مجھے سونا ہے۔"وہ روہانسی ہو گئی۔سمیع نے بازو کھول دیے تو وہ ایک جھٹکے سے آگے ہوئی تھی۔اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"سونے کی بات تو کرو ہی مت۔جہاز میں سارا رستہ سوتی آئی ہو۔جب میں واپس آؤں تو تم مجھے انہی کپڑوں میں میرا انتظار کرتی نظر آؤ۔ورنہ انجام کے لیے تیار رہنا۔"وہ رعب دار لہجے میں بولا۔

"مجھ پر حکم مت چلاؤ۔میں نے دروازہ بند کر دیا نا تو ساری رات باہر گزارو گے۔ہونہہ۔آئے بڑے۔تمہارا انتظار کروں۔شوہر کیا بن گئے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔"وہ لڑاکا بیویوں کی طرح بول رہی تھی۔سمیع اس کی باتوں سے محظوظ ہوتا مسکرا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔تم سو جانا۔میں فورس نہیں کرتا۔اور فریزر میں کوئی آئسکریم پڑی ہو گی۔بھوک لگی تو کھا لینا۔"خلاف توقع وہ نرمی سے بولا تھا۔اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔پیچھے ہٹا اور بیڈ سے شرٹ اٹھا کر پہننے لگا۔

"بدتمیز۔"وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر شکر کا سانس لیتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

وہ اس کا خیال کرتا کتنا اچھا لگتا تھا۔دل نے جلدی سے سمیع کی اچھائی گنوائی۔اس کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ ابھری تھی جسے روکنے کیلیے اس نے لب دبا لیے اور رخ موڑ لیا۔

-------------------------------

"تمہارے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟" عانیہ نے اس سے پوچھا۔ وہ دونوں اس وقت اس سڑک پر کھڑے تھے۔ وہاں سے ایک گلی اندر جاتی تھی اور دو تین گلیاں مڑنے کے بعد ایک گھر تھا جس میں اغوا کی گئی لڑکیاں موجود تھیں۔ سمیع عانیہ سے پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ ابھی وہاں پہنچی تھی۔

"پانچ لوگ ہیں۔ اور تین میڈیا کے بندے ہیں۔" اس نے بتایا۔ وہ لوگ ابھی وین میں ہی تھے۔

"ٹھیک ہے۔ میں پہلے اندر جاؤں گی۔"

"اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ریان مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ تم ایسا کرو۔ یہیں رہو۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔" سمیع نے بدک کر کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے۔ اگر میں اندر نہ گئی تو وہ سب لڑکیاں خطرے میں آسکتی ہیں۔ وہ لوگ انہیں یرغمال بنا سکتے ہیں۔ اور تم لوگوں کے ایکشن لینے کے نتیجے میں کسی کی جان بھی جا سکتی ہے۔ میں اندر کی صورتحال سنبھال لوں گی۔" عانیہ نے وضاحت سے سمجھایا تو سمیع نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ان دونوں نے رابطے کیلیے اپنے کانوں میں آڈیو ڈیوائس لگا لی تھی۔ ان کے پاس پسٹلز بھی تھیں اور میڈیا نمائندوں کے علاوہ سب لوگ نقاب میں تھے۔ عانیہ بلیک جینز شرٹ پر بلیک جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ سر پر بلیک دوپٹے کو حجاب کی طرح ایسے باندھا ہوا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ نقاب بھی کر سکتی تھی۔ وہ گلی کی طرف بڑھ گئی اور کچھ دیر بعد وہ اس گھر کی دائیں والی دیوار کے قریب آ چکی تھی۔ ایک ہی جست لگا کر وہ دیوار پر چڑھی اور وہاں سے چھت تک جا پہنچی۔ وہ دو منزلہ عمارت تھی۔ اوپر والا پورشن سنسان تھا۔ وہ ٹیرس سے گزر کر اندر کی طرف بڑھی اور سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ ایک طرف سے مردوں کے قہقہے گونجنے کی آواز آئی۔ وہ اس طرف بڑھی۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن کھڑکی کے شیشے سے اندر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ صوفوں پر پانچ آدمی بیٹھے ہنس رہے تھے۔ دو آدمی ایک نوجوان لڑکے کو بازوؤں سے پکڑے اسے مار رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے تھا۔ اس لڑکی کے دونوں ہاتھ پیچھے

کی طرف باندھے ہوئے تھے۔منہ پر دوپٹہ بھی بندھا تھا اور وہ چاہ کر بھی چیخ نہیں پا رہی تھی۔لیکن اس مار کھاتے لڑکے کی طرف دیکھ کر روئے جا رہی تھی۔عانیہ کو کہانی سمجھنے میں دیر نہ لگی۔وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"سمیع۔مجھے ابھی آٹھ لوگ ایک ساتھ نظر آئے ہیں۔لیکن وہ کسی لڑکی اور لڑکے پر تشدد کر رہے ہیں۔ان کے پاس اسلحہ بھی ہے۔"وہ پریشان لہجے میں بول رہی تھی۔

"دوسرے دو لوگ کہاں ہیں؟"

"ابھی نہیں ملے۔اور لڑکیوں کا بھی کوئی نام نشان نہیں مل رہا۔"

"پہلے تم ان کو ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ہم ان دونوں کو تو بچا لیں گے لیکن باقیوں کا کیا ہو گا پھر؟"سمیع نے کہا۔وہ لوگ بھی اس گھر کی گلی میں آ چکے تھے۔

"میں دیکھتی ہوں۔"وہ پرعزم لہجے میں بولی اور احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھنے لگی۔وہاں چار کمرے تھے۔ایک میں تو وہ آٹھ لوگ تھے جس کی کھڑکی باہر کھلتی تھی۔باقی تین کمروں کی بتیاں بند تھیں۔البتہ لاؤنج روشن تھا۔اس نے پہلے دو کمرے چیک کیے لیکن کچھ نہ ملا۔پھر تیسرے کمرے کی لائٹ آن کی۔دائیں والی دیوار کا دروازہ کھلا تھا اور ایک چالیس سالہ عورت باہر نکل رہی تھی۔عانیہ نے اسے پہلے بھی دیکھا ہوا تھا۔وہ عورت بھی اسے پہچان چکی تھی اور اس سے پہلے کے شور مچاتی عانیہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور پسٹل جیکٹ سے نکال کر اس کی تان لی۔

"اگر چلائی تو جان سے جاؤ گی۔"اس نے سخت لہجے میں کہا تو سامنے والی عورت ڈر کے مارے لرز کر رہ گئی۔بے ساختہ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"وہ نیچے بیسمنٹ میں ہیں۔"عورت ہکلا کر بولی۔

"بیسمنٹ کا راستہ کہاں ہے؟"

"یہ۔"عورت نے اپنے پیچھے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔عانیہ کو لگا تھا یہ واشروم کا دروازہ ہو گا۔

"چلو نیچے اور کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش مت کرنا۔میرا نشانہ تم پر سیٹ ہے۔"عانیہ نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔اس دروازے سے گزر کر عانیہ نے اسے بند کر دیا تاکہ نیچے کی خبر اوپر والوں کا نہ پہنچ جائے۔سیڑھیاں اتر کر وہ دونوں نیچے اتریں۔وہ ایک فل فرنشڈ پورشن تھا۔ارد گرد چار کمرے تھے۔لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔

"اس کمرے میں کون ہے؟"اس نے پہلے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس میں لڑکیاں ہیں؟"

"کتنی؟"

"بیس۔"

"باقی کہاں ہیں؟"

"وہ بک گئیں۔"عورت نے ڈرتے ہوئے بتایا۔عانیہ نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے لب بھینچے۔

"اس کمرے میں کون ہے؟"اس نے اگلے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس میں شاہ ویر صاحب ہیں۔"

"وہ کون ہے؟"

"وہ ایم پی اے کے بیٹے ہیں اور یہاں رات گزارنے آئے ہیں"عانیہ اس کی بات کا مطلب سمجھ چکی تھی۔

"اور وہاں؟"

"ان دونوں کمروں میں دو گارڈز ہیں۔ مشتاق اور کریم۔ ان کے ساتھ بھی لڑکیاں ہیں۔" یہ باقی دو شخص تھے جن کا نام تعبیر نے بتایا تھا۔ وہ عورت عانیہ کے تیور دیکھ کر غش کھائے جارہی تھی اور اپنی قسمت کو کوس رہی تھی کہ وہ کیوں اوپر گئی تھی۔

"اور اس کمرے میں؟" اس نے آخری کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاں دو عورتیں ہیں۔ وہ میری طرح یہاں لڑکیوں کو سنبھالنے کی ڈیوٹی دیتی ہیں۔"

"اس والے کمرے سے اس شخص کو باہر نکالو۔" عانیہ نے ایک کی طرف اشارہ کیا۔

"مم.... میں کیسے؟"

"جلدی۔" عانیہ سرد لہجے میں کہا تو وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

"مشتاق۔" دروازہ کھٹکاتے ہوئے اونچی آواز میں پکارا۔ اور اندر مشتاق جو کسی گدھ کی طرح اپنے سامنے سکڑ سمٹ کر بیٹھی لڑکی کو لالچی نظروں سے دیکھ رہا تھا سخت بدمزہ ہوا۔ لیکن ساتھ یہ بھی ڈر تھا کہ تعبیر میڈم نہ آگئی ہو۔ جلدی سے پلٹ کر دروازہ کھولا۔

"کیا ہوا؟ تعبیر میڈم تو نہیں آگئیں؟" تعبیر کی موجودگی میں وہ اتنی آسانی سے لڑکیوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور جب وہ نہ ہوتی تو پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔

"ہاں۔ جلدی باہر آؤ۔" اس عورت نے کہا اور ایک سائیڈ پہ ہو گئی۔ مشتاق جلدی سے باہر نکلا اور اگلے ہی پل اس کے دائیں گال پر زوردار مکا پڑا تھا۔ عانیہ کی انگلی میں پہنی انگوٹھی مشتاق کی ناک پر پڑی تھی اور وہ درد سے چلا کر ایک دم پیچھے ہٹا تھا۔ عانیہ نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اچھل کر دونوں ٹانگیں یکے بعد دیگرے اس کے منہ پر ماریں۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا اور عانیہ نے اس کی گردن پر وار کر کے بے ہوش کر دیا۔ وہ عورت منہ پر ہاتھ رکھے

عانیہ کے ایکشن دیکھ رہی تھی۔ دوسرے کمروں کے دروازے بند تھے اس لیے اس آدمی کی چیخ کسی کو سنائی نہیں دی تھی۔ عانیہ نے اس کمرے کے دروازے سے اندر جھانکا تو وہ لڑکی بھی حیرت سے اسے گھورتی نظر آئی۔

"باہر آجاؤ۔" عانیہ نے نرمی سے کہا تو وہ جلدی سے باہر آگئی۔

"کیا پروگریس ہے عانیہ؟" سمیع کی آواز اس کے کان میں گونجی۔

"ابھی قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" عانیہ اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اور لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔

"جلدی کرو۔ وہ لوگ اس لڑکے کو مار مار کر اس کا بر کس نکال رہے ہیں۔"

"اچھا تم ایسا کرو اس کو بچاؤ جا کر۔ میرا کام بھی تقریباً ختم ہونے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" سمیع نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے خود آگے بڑھا۔ وہ صحن میں کھلنے والی اس کھڑکی کے سامنے آگیا تھا جس کے اندر سے لڑکا پٹتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ سمیع اگر شیشہ توڑتا تو وہ چوکنے ہو جاتے اور اس کے اندر پہنچنے سے پہلے ہی سنبھل کر لڑکی یا لڑکے کو یرغمال بنا لیتے۔ اس نے کچھ سوچا اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر تیزی سے دوڑ کر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اچھل کر دونوں پاؤں کھڑکی کے شیشے پر مارے۔ شیشہ چھناکے سے ٹوٹا اور اگلے ہی لمحے وہ کمرے کے اندر موجود تھا۔ سب چونکے لیکن وہ پسٹل تان چکا تھا۔

"ہینڈز اپ۔" وہ سختی سے بولا تھا۔ اس کے ساتھی بھی اندر آگئے تھے۔ وہ لوگ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہتھیار پھینک دو۔" دو نے بندوقیں پکڑیں ہوئیں تھیں۔ سمیع نے انہیں ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ دونوں نشانے پر تھے سو ناچار بندوقیں نیچے پھینکنی پڑیں۔

"اب اس والے کو بلاؤ۔" عانیہ نے کہا تو اس عورت کا مراقبہ ٹوٹا اور وہ جلدی سے اس کمرے کی جانب بڑھی۔

"کریم۔" دروازہ زور زور سے کھٹکایا۔ کریم بھی ابھی ہی لڑکی کے پاس پہنچا تھا۔ جلدی سے باہر آیا تو عانیہ دو واروں نے ہی اسے گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پاس کھڑی لڑکی اب حیرت سے نکل چکی تھی۔ وہ رشک آمیز نظروں سے عانیہ کو دیکھ رہی تھی۔ عانیہ اسے کسی ہیرو سے کم نہیں لگی تھی۔

"اب شاہ ویر کو بلاؤ۔" عانیہ نے ابرو اچکا کر حکم دیا۔ عورت نے اس کا دروازہ کھٹکایا۔ وہ غصے سے چلاتا باہر آیا تو گردن پر کسی چیز کو محسوس کر کے اس کی چلتی زبان رکی تھی۔ عانیہ نے اس کی گردن کے پچھلے حصے پر پسٹل رکھ دی تھی۔

"ہلنا مت مسٹر۔" عانیہ بولی۔

"ک.... کون ہو تم؟" اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"سب لڑکیوں کو باہر لاؤ اور ایک جگہ اکٹھا کرو۔" عانیہ نے عورت سے کہا تو وہ بھاگتی ہوئی لڑکیوں کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"کیا بنا سمیع؟" اس نے کان کا آلہ ٹھیک کرتے ہو کہا۔

"سب ٹھیک ہے۔ میڈیا والے اب اچھی طرح ان لوگوں کی خبر لے رہے ہیں۔"

"اچھا تم ان سے پہلے ذرا جلدی نیچے پہنچو۔ آخری کمرے میں ایک دروازہ ہے۔ وہاں سے سیڑھیاں نیچے آتی ہیں۔" عانیہ کہا تو وہ کچھ دیر بعد نیچے پہنچ گیا۔ لڑکیاں بھی اس ہال میں جمع ہو رہی تھیں اور حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ شاہ ویر کے کمرے میں موجود لڑکی بھی باہر آچکی تھی۔

"اس کو سنبھالو اور اسے کیمرے میں آنا چاہیے۔" عانیہ نے سمیع سے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا جب کہ شاہ ویر سخت پریشان ہو گیا۔ سمیع نے اس پر پسٹل تان لی اور عانیہ لڑکیوں کی طرف بڑھی۔

"جلدی سے اپنے اپنے چہروں پر نقاب اوڑھو۔ میڈیا والے یہاں آرہے ہیں۔" عانیہ نے ان لڑکیوں سے کہا۔ میڈیا نے ان لڑکیوں کو کیمرے میں دکھانا تھا اور ان سے بیان بھی لینا تھا تاکہ سب کو اس گروہ کے کرتوتوں کے بارے میں پتہ چل سکے لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی لڑکی کا چہرہ کیمرے میں آئے اور بعد میں اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ سب لڑکیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ چار چھوٹی بچیاں بھی تھیں۔ ان کے پاس دوپٹے نہیں تھے۔ عانیہ ان چاروں کو لے کر ایسی جگہ ہوگئی جہاں وہ کیمرے میں نہ آسکیں۔ ایک پانچ سالہ لڑکی کو غور سے دیکھنے پر اسے یاد آگیا کہ وہ وہی بچی تھی جس کے گالوں پر اس نے پیار کیا تھا اور وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اب بھی وہ سہمی دیوار کے ساتھ سمٹی کھڑی تھی۔ وہ بلا کی خوبصورت تھی۔ چہرے کی معصومیت اور خوف زدہ نگاہیں اسے اور بھی حسین بنا رہی تھیں۔ عانیہ اس کے قریب آئی اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ مزید خوفزدہ ہوگئی۔ عانیہ مسکرائی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" نرمی سے پوچھا لیکن وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"عینی۔" پاس کھڑی دوسری بچی نے جواب دیا۔ وہ دس سال کی تھی۔ عانیہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ اور پھر عینی کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ہائے عینی۔ میرا نام عانی ہے۔" اس کی بات پر عینی کے چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ ان کا نام ملتا جلتا تھا اور اتنی چھوٹی سی بات اسے خوش کر گئی تھی۔ عانیہ کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی تھی۔

"آپ کو یاد ہے ہم پہلے بھی ملے تھے؟" عانیہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اس دفعہ وہ ڈر کر پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ بلکہ مسکرائی تھی۔ عانیہ کو خوشی ہوئی۔

"مجھے آپ بہت پیاری لگی تھیں۔ کیا میں آپ سے دوستی کر سکتی ہوں؟" عانیہ نے پوچھا۔ عینی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو میری چھوٹی سی پیاری سی دوست۔ کچھ بولو نا۔" عینی کم گو اور حساس بچی تھی۔ بچپن میں ہی اسے اس کے ماں باپ سے دور کر دیا گیا تھا۔ یہاں ڈیوٹی کرنے والی عورتیں اسے بہت ڈانٹتی تھیں اور ان کی وحشت سے بھری نظریں اسے اپنے اندر تک چبھتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس نے کئی دفعہ اپنے سامنے بڑی لڑکیوں کو مار پڑتے دیکھا تھا اور وہ کانپنے لگ جاتی تھی۔ عانیہ اس کا ڈر نکالنا چاہتی تھی۔ اسی لیے اسے باتیں کرنے پر اکسا رہی تھی۔

"یہ نہیں بولتی۔" ایک بچی نے بتایا۔

"پھر تو بڑی سمجھدار ہے۔" عانیہ نے اس کے گال کو پیار سے چھوا تو وہ پھر مسکرائی۔ عانیہ اب دوسری بچیوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور عینی کو سخت برا لگا تھا۔

دوسری جانب سب لڑکیوں نے کیمرے کے سامنے بتا دیا تھا کہ انہیں یہاں اغوا کر کے رکھا گیا ہے اور اس گروہ کی لیڈر تعبیر ہے۔ ڈیوٹی والی عورتیں بھی تعبیر کا نام لے رہی تھیں۔ گارڈز نے کچھ دیر انہیں ٹالا تھا لیکن پسٹل دیکھ کر تعبیر کا نام لے دیا۔ شاہ ویر کو بھی کیمرے میں دکھایا جا رہا تھا۔ میڈیا والوں کے ہاتھ تو اس سے چٹ پٹی خبر اور کوئی لگ ہی نہیں سکتی تھی۔ کل ان کا شو یقیناً بہت زیادہ ریٹنگ حاصل کرنے والا تھا۔ وہ لائیو سٹریمنگ نہیں تھی۔ کل انہیں یہ ویڈیو اپنے شو میں دکھانی تھی۔ اس کے بعد پولیس کے پاس کوئی آپشن نہیں رہ جاتا تھا سوائے تعبیر کے گروہ کو گرفتار کرنے کے۔ پھر بڑی سے بڑی سفارش بھی کام نہیں کر سکتی تھی۔ ویڈیو ریکارڈ ہونے کے بعد سمیع ان لوگوں کو اپنے فارم ہاؤس لے آیا تھا اور بیسمنٹ میں بند کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ جب تک پولیس انہیں نہیں پکڑتی وہ اس کی قید میں تھے۔ عانیہ لڑکیوں کو اپنے فارم ہاؤس میں لے آئی تھی۔ انہیں تسلی دی تھی کہ اب وہ آزاد ہیں اور اپنے گھر جا سکتی ہیں۔ سب کے چہروں پر درد ابھرا تھا۔ اب گھر میں انہیں کس نے قبول کرنا تھا۔ عانیہ ان کا دکھ محسوس کر لیا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم لوگ دل چھوٹا مت کرو۔ آج سے تم لوگ یہیں رہو گی۔ میں تم سب کا خیال رکھوں گی۔ خود کو اکیلا مت سمجھنا۔ بلکہ ایک دوسرے کی طاقت بننا۔ اپنا فیوچر بنانے کیلیے تم لوگ اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتی ہو۔ آج سے یہ گھر تم لوگوں کا ہوا۔" عانیہ نے کہا تو سب لڑکیوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکے۔ کچھ عانیہ کی عمر کی تھیں اور کچھ بڑی تھیں لیکن سب ہی اس کی بڑائی کو مان چکی تھیں۔ سب اسے اپنا سرپرست سمجھ چکی تھیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ اس جہنم سے ان کی جان چھوٹی ہے۔ اب خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔ اور انہیں خوشیوں کی طرف بڑھنا تھا۔

-----------------

حماد بستر پر نیم دراز سا لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا جب قاسم اندر داخل ہوا۔

"آج تو آپ کافی بہتر لگ رہے ہیں۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا تو حماد مسکرا دیا۔

"ہاں اب میں کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ یہ سب آپ کی مہربانی کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

"میرا اس میں کیا کمال؟ سبب تو اللہ لگانے والا ہے۔" قاسم کی عاجزی کا ڈرامہ عروج پر تھا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آجکل اپنوں کے لیے بھی کوئی اتنا نہیں کرتا جتنا آپ میرے لیے کر رہے ہیں۔ کاش میں آپ کا احسان اتار سکتا۔"

"لیو دس ٹاپک یار۔ میں یہاں اپنی تعریفیں سننے نہیں آیا۔ اکیلے بور ہو رہا تھا تو سوچا آپ سے تھوڑی گپ شپ ہو جائے۔ اور آپ کی سوئی ابھی تک شکریہ ادا کرنے تک ہی اٹکی ہوئی ہے۔" قاسم نے بے تکلفی سے کہا تو حماد ہنس دیا۔

"اور کیا کہوں کچھ کہنے کو باقی بچا ہی نہیں۔" وہ واقعی اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن اپنے گناہوں کا انجام بھی تو بھگتنا تھا اسے۔ اب جتنا بھی اچھا بن جاتا لوگوں کی بد دعائیں اسے سزا کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

"ایسا کیا ہو گیا؟" قاسم نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے جس شخص کے لیے آج تک ہر کام کیا۔ اپنی زندگی لگادی وہ میری جان کا دشمن بن گیا ہے۔ مجھے اسی کا تو سہارا تھا۔" وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

"تو آپ پولیس کو بتائیں نا کہ آپ کی جان کو اس شخص سے خطرہ ہے۔ اس طرح چھپ کر بیٹھے رہنے سے تو مسلہ حل نہیں ہو گا۔" قاسم نے مزید کریدنے کی بجائے مشورہ دیا۔ جانتا تو تھا ہی بہزاد شاہ اسے کیوں مروانا چاہتا ہے۔

"کوئی فائدہ نہیں پولیس کو بتانے کا۔ قانون اس کی مٹھی میں ہے۔ وہ حکومت کا بندہ ہے۔ اسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔" حماد نے کہا۔

"اچھا یہ تو پھر بہت بڑا مسلہ ہے۔ آپ کا دشمن کوئی عام انسان نہیں۔ اگر وہ بہت آپ تک پہنچ گیا تو؟" قاسم نے کہا تو حماد پریشان ہو گیا۔

"وہ تو مجھے مار ڈالے گا۔ لیکن میں مرنا نہیں چاہتا۔ آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے کیا؟"

"آپ پریشان مت ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے لیکن ہم ایسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ تو نہیں بیٹھ سکتے۔ اس سے پہلے کہ وہ شخص ہمارے سروں پر پہنچ جائے اس کا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔" قاسم ایسے بول رہا تھا جیسے یہ اس کا ذاتی مسلہ ہو۔

"ناممکن۔ وہ ہمارے قابو میں نہیں آنے والا۔ میں تو اس سے ٹکر لینے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ میں خود ایم پی اے ہوں۔ میرے بھی بہت سے ریسورسز ہیں۔ لیکن میں اس شخص کی وجہ سے ایم پی اے بنا ہوں۔ میرے تمام کانٹیکٹس پر اس کی نظر ہے میں اب کسی کی مدد بھی نہیں لے سکتا اور اکیلا تو کچھ کر ہی نہیں سکتا۔" وہ بدک کر بولا تھا۔

"آپ ایم پی اے ہیں؟" قاسم نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ شاید مجھے نہیں جانتے"

"ہمم..... میں لاہور میں کم ہی آتا ہوں۔ اگر آپ ایک سیاستدان ہیں تو آپ اس شخص سے بچ سکتے ہیں۔"

"کیسے؟" حماد حیران ہوا۔

"بھئی سیاست کے ذریعے۔ لڑے بغیر عقل سے کام لے کر۔" قاسم نے اسے بدلہ لینے پر اکسایا۔

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔" حماد بولا تو قاسم نے دل ہی دل میں اس کی عقل پر لعنت بھیجی۔

"رہنے دیں یہ آپ کے بس کا کھیل ہی نہیں۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں آپ ایک دفعہ بتائیں تو؟" حماد متجسس ہوا۔ قاسم یہی چاہتا تھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیں آپ اسے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں۔ اگر میں اسے راستے سے نہ ہٹا سکا تو میری جان کو خطرہ ہے لیکن......"

"تو پھر مجھ پر ٹرسٹ کریں۔ اگر کوئی بہتر منصوبہ ہو تو میں اس کا کام تمام کر سکتا ہوں۔"

"آپ کہیں سیاست دان تو نہیں؟" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں البتہ ایک گینگ کا لیڈر رہوں۔ میری عقل کی تعریف تو میرے دشمن بھی کرتے ہیں۔ میں طاقت سے زیادہ عقل پر یقین رکھتا ہوں۔" قاسم نے اپنی تعریفوں کے پل باندھے تو حماد متاثر ہوا۔ لیکن وہ اب بھی تذبذب کا شکار تھا۔ اگر کچھ غلط ہو گیا تو اسے ہی بھگتنا پڑنا تھا۔

"بہر حال آپ کے پاس ابھی بھی وقت ہے۔ آپ سوچ سمجھ کر صحیح فیصلہ کریں کہ آپ کو اپنی جان بچانے کیلیے اسے نقصان پہنچانا ہے یا اپنی جان بچانے کیلیے چھپ کر بیٹھنا ہے۔ رسک دونوں کاموں ہے۔ اگر چھپ کر بیٹھیں گے تو وہ آپ کو ڈھونڈنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ اور اگر اس کا مقابلہ کرنا ہے تو کامیابی کے چانس بن سکتے ہیں۔" قاسم نے کہا تو حماد نے سر ہلا دیا۔ قاسم جان چکا تھا کہ اس کی بات حماد پر اثر کر رہی ہے۔ لیکن وہ ڈرپوک

تھا۔اس لیے اسے سوچنے کیلیے وقت چاہیے تھا کہ بہتری کس راستے میں ہے اور قاسم کو امید تھی کہ وہ اس کا دیا ہوا آپشن ہی چنے گا۔

-----------------------------------

آج انہوں نے سارا دن Niagara Clifton hill پر گزارا تھا۔یہ جگہ ٹورنٹو سے تقریباً ایک گھنٹے کے فاصلے پر واقع تھی۔niagara falls کینیڈا کی سب سے پرکشش اور خوبصورت جگہ ہے جہاں ہر سال کروڑوں کی تعداد میں سیاح آتے ہیں۔یہ آبشار ستاون میٹر کی بلندی سے نیچے گرتی ہے۔لوگ اس آبشار کے اوپری کنارے کے قریب مختلف کی پوائنٹس پر اس کا نظارہ کرسکتے ہیں۔اور کروز کے زریعے نیچے جھیل کی سیر بھی کرتے ہیں جہاں آبشار گرتی ہے۔پانی کے پریشر سے وہاں دھند سی چھائی رہتی ہے۔اس آبشار کا منظر دور دور سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔یہاں بہت سے ہوٹل بھی واقع ہیں۔اس خوبصورت ماحول میں لوگ رات گزارنے کے لیے ان ہوٹلز میں کمرے بک کروالیتے ہیں۔

ان لوگوں کا آج یہاں ساتواں اور آخری دن تھا۔کل نو بجے ان کی واپسی کی فلائیٹ تھی۔وہاب نے ایک دن اور رات کیلیے Hilton Niagara falls hotel میں روم بک کروایا تھا۔ان کا کمرہ تیسویں منزل پر تھا اور کمرے کی کھڑکی nigara falls کی طرف کھلتی تھی۔سارا دن گھومنے اور ڈنر کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگئے تھے۔بے بی پنک اور وائٹ کلر کے امتزاج کے ساتھ وہ کمرہ نہایت خوبصورتی سے آراستہ تھا۔حدیقہ کی تو کمرے میں آتے ہی تھکن اتر گئی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی اور ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے پر پڑا تھا۔سامنے کا وہ خوبصورت منظر کھلتا چلا گیا تھا۔آبشار کو اتنی بلندی سے دیکھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"حدی۔کھڑکی بند کردو۔تمہاری طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔" وہاب نے سوٹ کیس سے اپنے کپڑے اور تولیہ نکالتے ہوئے کہا۔وہ اسے کچھ کہنے کیلیے مڑی اور اسے کپڑے نکالتے دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف آئی۔

"پہلے میں شاور لینے جاؤں گی۔" وہ ضدی بچوں کی طرح بولی۔ اسے سردی لگی ہوئی تھی اور وہ گرم پانی سے شاور لینا چاہتی تھی۔ وہاب اس کے انداز پر مسکرایا۔ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہاب کے دل کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔

"جی نہیں پہلے میں جاؤں گا۔"

"وہاب۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"جی۔" وہاب نے اسے پچکارا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔" وہ مسکین سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"اچھا جاؤ۔" وہ پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اور حدیقہ اپنے کپڑے پکڑتی تیزی سے واشروم میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ نکلی تو سفید جینز اور ریڈ ٹاپ پر لانگ سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ سنہری بال گیلے ہونے کی وجہ سے موٹی موٹی لٹوں کی صورت میں اس کے چہرے کے ارد گرد چپکے ہوئے تھے۔ وہاب نے اسے دیکھ کر نظریں پھیر لیں۔ اس کی ہاٹ بیٹ تیز ہوئی تھی۔ اگر وہ کچھ دیر اسے اور دیکھ لیتا تو شاید خود پر اختیار کھو دیتا۔ اور آج حدیقہ بھی کیل کانٹوں سے لیس اسے ہرانے پر تلی ہوئی تھی۔ اوپر سے ماحول بھی کچھ رومینٹک سا تھا۔ وہ اپنے دل کو ڈپٹتا جلدی سے واشروم میں چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ کھڑکی کھولے باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف تھی۔

"اب سردی نہیں لگ رہی؟" وہاب نے کہا۔

"نہیں۔" حدیقہ نے سکون سے جواب دیا۔ اس نے سر پر ٹوپی پہن لی تھی۔ جرابیں اور دستانوں کے علاوہ گرم شال بھی لپیٹ لی تھی۔ سردی ہونے کے باوجود اس خوبصورت منظر کو مس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"حدی۔ جلدی سے بیڈ پر آؤ۔" وہ بیڈ کی جانب بڑھتے ہوئے حکمیہ لہجے میں بولا۔

"بس کچھ دیر اور۔ آپ بھی یہاں آئیں نا۔" وہ اس کی طرف مڑی تو بال ایک جھٹکے سے گھومے تھے۔ وہاب نے بے اختیار نظریں چرائیں۔ آج وہ کیوں اسے پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی؟ وہ جھنجھلایا تھا۔

"نہیں۔ تم خود ہی دیکھو۔" وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ حدیقہ کو دکھ ہوا۔ وہاب نے اس کا بات کا انکار کیا بھی تو کیسے؟ وہ طیش کے عالم میں اس کی طرف بڑھی۔ وہاب سر تک کمبل اوڑھ چکا تھا جسے حدیقہ نے کھینچ کر نیچے اتارا۔

"وہاب پلیز آئیں نا۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولی۔

"یار پلیز میں تھکا ہوا ہوں۔" اس نے بہانہ بنایا۔ حدیقہ کا دل ٹوٹا تھا۔ وہ واپس مڑی اور کھڑکی کے پاس آ گئی۔ وہاب جان چکا تھا کہ وہ ناراض ہو گئی ہے۔ اب اسے منانا تو تھا ہی۔ اسے تو اس کا کوئی احساس نہیں تھا لیکن وہاب کو تو تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ حدیقہ باہر دیکھتی رہی۔

"کافی رومینٹک ماحول ہے نا۔" وہ مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔

"میں جھگڑے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں۔" حدیقہ نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"تو کس موڈ میں ہیں جناب؟" وہ اس کے خوبصورت چہرے پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے بولا۔

"ناراضگی کے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں منا لیتا ہوں۔"

"وہاب!" حدیقہ اس کی طرف مڑی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہاب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ مجھ سے اکتا گئے ہیں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ آج تو اس کی ہر ادا قاتلانہ تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

"آپ نے میری بات نہیں مانی۔" وہ نظریں جھکاتے ہوئے منہ پھلا کر بولی۔

"مان تو لی ہے۔"

"پہلے کیوں نہیں؟"

"سچ بتاؤں؟"

"ہاں۔" حدیقہ تجسس سے بولی۔

"آج تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ تمہیں دیکھنے سے میری ہارٹ بیٹ تیز ہو رہی ہے۔ میں تم سے کترا رہا ہوں اور تم میرا امتحان لینے پر تلی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا اور حدیقہ کو اپنی دھڑکن کانوں تک سنائی دینے لگی تھی۔ چہرے پر حیا کے سرخ رنگ بکھر گئے تھے۔ پلکیں جھک گئیں تھیں۔ وہاب اس دلفریب منظر میں ڈوبنے لگا تھا۔ وہ بے اختیار اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ حدیقہ کی سانسیں تھمیں۔ اس نے تیزی سے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن وہاب اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے چکا تھا۔ اور پھر دھیرے سے اس کے کانپتے ہونٹوں کو اپنے لبوں سے چھو لیا۔ آسمان پر چمکتے چاند تارے شرما کر بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئے تھے لیکن حدیقہ کو چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملی تھا۔ وہاب نے اسے اتنی محبت دی تھی کہ اسے سمیٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ صبح کی پو پھوٹنے میں ابھی کچھ دیر تھی کہ وہ اٹھ بیٹھی۔ چہرہ موڑ کر ایک نظر سوئے ہوئے وہاب کی طرف دیکھا اور لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ لیے نظریں پھیر لیں۔ وہ اب بدل چکی تھی۔ وہاب نے اسے بدل دیا تھا۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں کل رات کی یادیں چل رہی تھیں لیکن وہ انہیں جھٹکنے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔

وہاب کی آنکھ کھلی تو اسے کھڑکی کے پاس کھڑا پا کر حیران ہوا۔ وہ آج اس سے پہلے کیسے جاگ گئی؟ سوئے ہوئے دماغ میں سوال اٹھا جس کا جواب اسے کچھ لمحوں بعد ملا تھا۔ رات کا منظر ذہن میں آیا تھا۔

"اوہ نو۔" وہ پریشانی سے بڑبڑایا۔

(یہ میں نے کیا کر دیا۔ وہ تو اب مجھ سے سخت ناراض ہو گی۔) وہ آنکھیں بند کر کے خود کو کوسنے لگا۔ پھر حدیقہ کی طرف دیکھا جو ابھی بھی وہیں کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور حدیقہ کی طرف آیا۔ حدیقہ نے اس کے قدموں کی آہٹ سن کر ایک نظر اسے دیکھا اور تیزی سے رخ پھیر کر آنکھیں بند کر گئی۔

(اب ان کا سامنا کیسے کروں؟) اس نے گھبرا کر سوچا تھا۔

"حدی!" وہاب اس کے سامنے آیا تو وہ دوسری طرف رخ پھیر گئی۔ وہاب کو لگا وہ اس سے ناراض ہے لیکن وہ تو شرم کے مارے اس کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔

"حدی میری بات تو سنو" وہ مضطرب سے انداز میں منت کرتے ہوئے بولا لیکن حدیقہ کی ہمت نہیں ہوئی تھی اس کی طرف دیکھنے کی۔

"حدی پلیز۔" وہ پھر بھی کچھ نہ بولی تو وہاب کی پریشانی بڑھنے لگی۔

"سوری۔" وہاب نے پھر کہا تو حدیقہ کو سمجھ آئی وہ کیوں اسے یوں پکار رہا تھا۔ وہ کوئی پہلا ہی شوہر ہو گا جو بیوی سے اپنا حق لینے پر معافی مانگ رہا ہو گا۔

"پلیز کچھ تو کہو نا۔ غصہ ہے تو مجھ پر نکال دو لیکن مجھے معاف کر دو۔ مجھے جو سزا دینا چاہو مجھے منظور ہے۔ لیکن تمہاری ناراضگی منظور نہیں۔......." وہ ابھی بول رہا تھا کہ حدیقہ اس کی طرف مڑی اور اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہاب خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ بولی نہیں تھی لیکن وہاب جان چکا تھا کہ وہ راضی ہے۔ وہ اس کی کمر پر بازو حمائل کرتا آسودگی سے مسکرا دیا۔

---------------------------------

عمیر اور ریم صبح کے پانچ بجے کراچی کے ائیر پورٹ پہنچنے تھے۔ چارلٹ کو ان کے جانے کے ایک گھنٹے بعد پتہ چلا تھا اور وہ اپنی عقل پر ماتم کرتی رہ گئی تھی۔ اس نے پروا اور فیروز کو پیسوں کا لالچ دے کر عمیر پر نظر رکھنے کا کہا تھا

لیکن انہیں اپنے دوستوں کے ساتھ بے وفائی نہیں کرنی تھی سو اسکے سامنے مصلحت کے تحت اس کی آفر قبول کر لی لیکن یہ نہیں بتایا کہ عمیر اور رنیم واپس چلے گئے ہیں۔ چارلٹ نے ان دونوں کو غصے میں بہت سنائیں کہ وہ ان کے ساتھ والے کمرے میں رہتے تھے اور اسے خبر کیوں نہ دی۔ وہ انہیں ایسے ڈانٹ رہی تھی جیسے اس کے ذاتی ملازم ہوں اور وہ کام کیلیے ایڈوانس پیسے دے چکی ہو۔ حالانکہ ابھی تک کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ چارلٹ کے پاس عمیر کا فون نمبر بھی نہیں تھا۔ اس نے پرواسے نمبر کا پوچھا تو وہ صاف مکر گئی۔

"میں بھی اتنی جلدی اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ اس کے پیچھے پاکستان جاؤں گی۔ کس شہر میں رہتے ہیں وہ؟ ایڈریس کیا ہے ان کے گھر کا" چارلٹ نے غصے سے کہا تھا۔

"ایڈریس کا تو نہیں پتہ۔ بس یہ پتہ ہے کہ وہ لاہور میں رہتے ہیں" فیروز نے جھوٹ بول دیا۔

"تمہیں تو میں ڈھونڈ کر چھوڑوں گی عمیر" وہ غصے سے بڑبڑاتی چلی گئی۔ جہاز سے اترتے ہی انہوں نے ائیر پلین موڈ آف کیا تو رنیم کے فون پر پروا کی کال آگئی۔

"کچھ نہ پوچھو یار غصے سے اس کا کتنا برا حال تھا۔ مجھ سے تم لوگوں کا نمبر مانگا لیکن میں نے نہیں دیا۔ پھر وہ کہتی ہے کہ میں پاکستان جا کر انہیں ڈھونڈوں گی تو فیروز نے جھوٹ بول دیا کہ تم لوگ لاہور میں رہتے ہو۔ اب وہاں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے گی لیکن تم لوگوں کو ڈھونڈ نہیں پائے گی" پروا نے ہنستے ہوئے اسے تفصیل بتائی تو وہ بھی ہنس پڑی۔ ابھی وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ عانیہ نظر آگئی۔ وہ انہیں لینے آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے فون بند کیا اور اس کی طرف دوڑ لگا دی عمیر بھی دو سوٹ کیس گھسیٹتا پیچھے آیا تھا۔

"عانیہ۔ میں نے تمہیں بہت مس کیا۔" رنیم اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

"ہر روز تو بات کرتی تھی۔ مس کیوں کیا؟" عانیہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"عانیہ سے کسی قسم کے جذباتی مکالمے کی امید مت رکھنا۔" عمیر نے ان کے پاس آتے ہوئے کہا۔عانیہ ہنستے ہوئے اس کے سینے سے لگی۔ عمیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیسے ہیں آپ عمیر بھائی؟" اس سے الگ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک۔"

"آپ لوگ جلدی کیوں آ گئے۔ میرے خیال سے تو آپ لوگوں کو کل تک آنا تھا؟" اس نے پوچھا تو عمیر گڑبڑایا اور ریئم کی ہنسی نکلی۔

"بس ایسے ہی۔گھر کی یاد آ رہی تھی۔" اس نے ریئم کو گھورتے ہوئے بہانہ بنایا۔عانیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ پھر وہ لوگ آدھے گھنٹے بعد گھر پہنچے۔وہ دونوں جہاز میں سوتے رہے تھے اس لیے آتے ساتھ ہی ماما بابا سے باتیں کرنے لگے۔عانیہ آٹھ بجے پھر کوئی بہانہ کر کے فارم ہاؤس پہنچ گئی۔ کچھ لڑکیاں جاگی ہوئی تھیں اور کچھ سوئی ہوئی تھیں۔عتیق کی بیوی سکینہ ان سب کیلیے ناشتہ بنا رہی تھی۔اس نے کل ہی اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ ان لڑکیوں کے لیے کھانا بنائے گی۔

"کیسی ہو تم لوگ؟"عانیہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"بہت اچھیں۔مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے میرے کٹے پر واپس مل گئے ہوں اور میں آزادی سے کھلی فضا میں اڑ رہی ہوں۔" ایک لڑکی نے جذب کے عالم میں کہا تھا۔عانیہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ان لڑکیوں کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا اور اب ہی تو انہیں کوئی سننے والا ملا تھا۔وہ اس کی فائٹنگ کی تعریف بھی کر رہی تھیں۔اور ساتھ ساتھ اس کا انٹرویو بھی لے رہی تھیں۔

"ہم اپنے کام خود کر سکتے ہیں۔ آپ نے ویسے ہی سکینہ کو زحمت دی۔" سنبل نے عتیق کی بیوی کے بارے میں کہا۔

"اس کا مطلب تم اسے نوکری سے نکلوا کر رہو گی۔" عانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" سنبل شرمندہ ہو گئی۔عانیہ نے اسے تسلی دی۔سب لڑکیاں آہستہ آہستہ اٹھ کر باہر لاؤنج میں آنے لگی تھیں۔

"عینی اٹھ گئی ہے کیا؟"ایک کمرے سے چھوٹی بچیوں کی آواز آرہی تھی تو اس نے پوچھا۔

"شاید۔میں دیکھ کر آتی ہوں۔"ایک لڑکی اٹھ کر اندر چلی گئی اور جب واپس آئی تو اس نے عینی کو اٹھایا ہوا تھا۔وہ ابھی اٹھی تھی اور اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے جمائیاں لے رہی تھی۔عانیہ نے اٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔وہ اچانک عانیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے مسکرا اٹھی تھی۔

"کیسی ہو عینی ؟"اس کے چہرے کو پیار سے چھوتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہوں۔"وہ توتلی زبان میں بولی۔عانیہ مسکرائی۔پھر اسے اپنی گود میں لے کر ڈائیننگ ٹیبل پر آ بیٹھی۔اور اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کروایا۔ساتھ ساتھ اسے باتیں کرنے پر بھی اکساتی رہی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔دوسری لڑکیوں نے بھی ان کے ساتھ ہی ناشتہ کیا تھا۔ناشتے کے بعد عانیہ نے انہیں بتایا کہ تعبیر بھی یہیں ہے تو کچھ دیر کیلیے ان کے سانس سوکھے تھے۔

"ارے یار ڈرو مت۔وہ اب تم لوگوں کو کچھ نہیں کہہ سکتی۔بے چاری بے ہوش ایک کرسی پر بندھی ہوئی ہے۔دراصل تم لوگوں کے بارے میں پوچھنے کیلیے اسے اغوا کرنا پڑا تھا۔"عانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ کتنی بہادر ہیں۔کاش میں بھی آپ کے جیسی ہوتی۔"عنیزہ نے رشک سے کہا۔وہ وہی لڑکی تھی جو مشتاق کے کمرے میں تھی اور عانیہ کی فائٹنگ دیکھ چکی تھی۔اس کی عمر لگ بھگ عانیہ کے جتنی ہی تھی۔عانیہ نے اسے دیکھا۔کافی خوبصورت اور صحت مند لڑکی تھی وہ۔

"تو تم میرے جیسی بننا چاہتی ہو؟" عانیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ اس نے بے اختیار سر اثبات میں ہلا دیا۔ عینی کو برا لگا۔ عانی تو اس کی دوست تھی اور کوئی لڑکی عانی جیسی کیسے ہو سکتی تھی بھلا۔ صرف وہی عانی جیسی بنے گی۔ اس کا ننھا دماغ سوچ رہا تھا۔

"پھر سوچ لو بہت مشکل ہے۔"

"سوچ لیا۔" وہ پر عزم لہجے میں بولی۔

"اوکے میں تمہارا ایڈمیشن کراچی تائیکوانڈو اکیڈمی میں کروا سکتی ہوں۔ تین سال کی ٹریننگ ہے۔ کر لو گی؟"

"ہاں کر لوں گی۔ بس مجھے آپ کی طرح بننا ہے۔" وہ بولی۔

"اور باقیوں کے کیا فیوچر پلانز ہیں بھئی؟" اس نے سب سے پوچھا تو سب نے اس کے ساتھ اپنی اپنی فیوچر پلاننگ اس سے شئیر کی۔ دس لڑکیاں جو بیس سال سے چھوٹی تھیں۔ وہ ابھی پڑھنا چاہتی تھیں۔ دو فیشن ڈیزائنر بننا چاہتی تھیں۔ ایک بہت اچھی شیف تھی۔ ایک نیوز اینکر بننا چاہتی تھی اور عنیزہ آرمی میں جانا چاہتی تھی۔

"اور عینی کیا بنے گی بڑی ہو کر؟" اس نے چہرہ جھکا کر گود میں بیٹھی عینی کو مخاطب کیا۔ وہ کب سے اس کی منتظر تھی لیکن خود اسے پکارنے سے جھجک رہی تھی۔

"عانی۔" اس نے معصومیت سے کہا تو عانیہ زور سے ہنسی۔

"لگتا ہے یہ بھی ہماری طرح آپ سے کافی انسپائر ہو چکی ہے۔" وردہ نے کہا۔

"ہاں پہلے تو کبھی بات بھی نہیں کرتی تھی۔ اب دیکھو کتنی باتیں کی ہیں اس نے۔" ثناء نے کہا۔

"بچوں کو پیار دو تو ان میں کانفیڈینس آتا ہے۔ اب تک یہ خوف کے فضا میں رہی ہے اسی لیے چپ رہتی ہے۔ لیکن اب ٹھیک ہو جائے گی۔ کیوں عینی؟" اس نے آخر پر عینی سے پوچھا تو اس نے سمجھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ایک دفعہ اس کے سامنے مجھے مار پڑی تھی تو یہ رونے لگ گئی تھی۔ پھر اتنی مشکل سے اسے چپ کروایا تھا۔"عنیزہ نے کہا۔عانیہ کا دل اس کیلیے دکھا تھا۔پتہ نہیں کیا کچھ سہا تھا ان لڑکیوں نے۔

"اب نہیں روئے گی۔ بلکہ وہ روئے گی جس نے تم لوگوں کی زندگیاں اجاڑی ہیں۔"

"آپ اس کے ساتھ کیا کریں گیں؟"شمسہ نے پوچھا۔

"میں اسے چھوڑ دوں گی لیکن میڈیا اور پولیس اب اسے چھوڑنے والے نہیں۔ویسے وہ لڑکا اور لڑکی کون تھے جنہیں تعبیر کے آدمی مار رہے تھے؟"

"وہ لڑکی میں تھی۔"آبرو بولی تو عانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ لوگ مجھے میرے گھر سے اٹھا لائے تھے۔میرا کزن مجھے بچانے کے لیے ان کے سامنے آ گیا لیکن وہ اکیلا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔وہ لوگ اسے بھی میرے ساتھ لے آئے اور مارنے لگے۔"آبرو نے افسردہ لہجے میں کہا۔وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔بوڑھے ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔زیشان اس کا تایازاد کزن تھا۔اس کا گھر آبرو کے گھر کے ساتھ ہی تھا۔جب وہ لوگ اسے لے کر جا رہے تھے تو زیشان نے انہیں دیکھ لیا تھا۔اس نے چچا کو تسلی دی اور ان کے پیچھے بھاگا۔جب وہ لوگ گلی سے نکل کر سڑک پر کھڑی گاڑی تک اسے گھسیٹتے ہوئے لے آئے تو وہ بھی پہنچ گیا تھا۔ان لوگوں نے اسے بھی پکڑ لیا تھا۔لیکن اسے یہ اطمینان تو تھا کہ آبرو اس کے سامنے صحیح سلامت تھی۔

"وہ لڑکا کہاں ہے؟"عانیہ نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا۔کچھ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔"

"میں سمیع سے پتہ کرتی ہوں۔"عانیہ نے تیزی سے سمیع کو فون کیا۔اس نے بتایا کہ وہ لڑکا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ابھی تک اس کے گھر والوں کو اطلاع نہیں دی تھی۔

"اسے ابھی ہوش نہیں آیا۔ تم ابھی میرے ساتھ ہاسپٹل چلو گی۔ اور اسے یقین دلاؤ گی کہ تم رات بھر ہاسپٹل میں اس کی تیمارداری کیلیے رکی رہی ہو۔" عانیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"وہ تمہارے خاندان والوں کے سامنے تمہاری معصومیت کی گواہی دے گا۔" عانیہ نے کہا تو وہ سمجھ گئی۔ عانیہ عینی کو عنیزہ کے حوالے کر کے نیچے بیسمنٹ میں آگئی۔ تعبیر کو ہوش آگیا تھا۔ لیکن منہ پر پڑی بندھی ہونے کی وجہ سے چیخ نہیں پا رہی تھی۔ عانیہ نے اس کی رسیاں کھول دی۔

"کیسی گزری رات؟" عانیہ نے اسے تپانے کیلیے مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔ تعبیر دل ہی دل میں کلس کر رہ گئی لیکن بولی کچھ نہیں۔

"جاؤ اب تم آزاد ہو۔ کیا یاد کرو گی۔" عانیہ نے سخاوت سے کہا۔ اور اسے اوپر لے آئی۔ وہاں وہ سب لڑکیاں اسے بے بسی کی حالت میں دیکھ رہی تھیں جو کل تک اس کی قید میں تھیں۔ تعبیر کو سخت ذلت کا احساس ہوا۔ وہ عانیہ سے بدلہ لینے کے بارے میں سوچتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

عانیہ آبرو کو لے کر ہاسپٹل میں آگئی۔ کچھ دیر بعد اس کے کزن کو ہوش آگیا تھا اور آبرو کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے دل میں سکون سا اترا تھا۔

"آبرو۔ تم ٹھیک ہو؟" وہ بمشکل بول پایا تھا۔

"ہاں شانی۔ اللہ نے ہماری مدد کی۔ اس نے مجھے بچا لیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"مجھے معاف کرنا میں تمہاری حفاظت نہیں کر پایا۔"

"ایسے مت کہو۔ تم میرے لیے ان لوگوں سے لڑے۔ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کی۔"

"وہ کون لوگ تھے جو ہمیں بچانے آئے تھے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔ وہ بے ہوش ہونے سے پہلے سمیع اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ چکا تھا۔

"وہ ایک لڑکی تھی۔ عانیہ۔ ابھی یہیں ہے میں اسے بلا کر لاتی ہوں۔" وہ عانیہ کو اندر بلا لائی۔ اس لڑکے نے عانیہ کا شکریہ ادا کیا۔

"شکریہ تم اس کا ادا کرو۔ ساری رات تمہاری تیمارداری کیلیے جاگ کر گزاری ہے۔" عانیہ نے کہا تو اس نے مسکرا کر آبرو کو دیکھا۔

"ویسے تم دونوں کا آپس میں لیلیٰ مجنوں جیسا رشتہ تو نہیں؟" عانیہ شرارت سے بولی تو ذیشان کی مسکراہٹ گہری ہوئی جب کہ آبرو جھینپ کر رہ گئی۔

"ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ شادی کیلیے مانتی ہی نہیں۔"

"اب تو تمہیں ماننا پڑے گا آبرو آخر تمہاری خاطر اس نے اتنی مار کھائی ہے۔" عانیہ نے آبرو سے کہا۔ وہ شرمیلی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے رخ موڑ گئی۔

"اچھا بھئی مجھے اجازت دو۔ اپنے مجنوں کا خیال رکھنا اور گھر والوں سے جلد از جلد رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔" عانیہ کہہ کر وہاں سے آ گئی۔

---

تعبیر کو بڑی مشکل سے ایک ٹیکسی ملی تھی۔ اس کے پاس فون بھی نہیں تھا کہ کسی کو بلا لیتی۔ ٹیکسی کے ذریعے وہ بہزاد شاہ کے گھر پہنچ گئی۔ بہزاد شاہ اور اس کا بیٹا ارحم لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔

"بیٹا تم کہاں تھی کل سے؟" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔ پہلے حماد غائب ہو گیا تھا اور اب وہ کہیں چلی گئی تھی۔ پریشانی تو ہونی ہی تھی۔

"عانیہ نے مجھے گن پوائنٹ پر اغوا کر لیا تھا۔" وہ بولی تو دونوں چونکے تھے۔

"کیا؟"

"لیکن وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟" ارحم نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔" اس نے نفرت سے کہا اور انہیں ساری بات بتائی۔ بہزاد شاہ کسی گہری سوچ میں جا چکا تھا۔ کچھ کڑیاں مل رہی تھیں۔ حماد عانیہ کا دشمن تھا۔ اس نے اس کے والدین کو مار کر پھر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن وہ بچ گئی۔ اور جان گئی کہ حماد اس کے والدین کا قاتل ہے۔ وہ اس سے بدلہ لینے کیلیے اس کے پیچھے آئی تو وہ لڑکا ریان بھی اس کے ساتھ تھا جسے حماد نے استعمال کیا تھا۔ حماد وہاں سے بھی ڈر کر بھاگ گیا۔ پھر ریان اس کے پیچھے آیا جو یقیناً اس لڑکی کے کہنے پر ہی آیا تھا اور اس کے دو اڈوں پر فوج کا ریڈ کروا دیا تھا۔ پھر جب باقی اڈوں پر ریڈ ہوا تو بہزاد شاہ کا شک اسی لڑکے کی طرف گیا تھا۔ لیکن اس سب کے پیچھے وہ لڑکی عانیہ ہی تھی۔ اور ہو سکتا تھا حماد بھی اسی کے پاس ہو۔ یا فوج کے ہاتھوں چڑھ گیا ہو۔ یہ سوچ ہی دل دہلا دینے والی تھی۔ وہ کہاں ہے اس کے بارے میں صرف عانیہ ہی بتا سکتی تھی۔ اس کو قابو کرنا ضروری ہو گیا تھا ورنہ وہ کسی نہ کسی دن اسے بھی پھنسا سکتی تھی۔

"مجھے وہ لڑکی چاہیے۔" بہزاد شاہ نے اچانک کہا تو ارحم پریشان ہوا۔

"بابا آپ اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" اس نے کہا تو بہزاد شاہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تمہیں اور کوئی لڑکی نہیں ملی اسے کے علاوہ؟" وہ غصے سے چلائے۔

"بابا پلیز۔ میں نے آج تک آپ کے کہنے پر ہر بات مانی۔ لیکن اب میری باری ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ؟.......وہ میری دشمن ہے۔اس چھٹانک بھر لڑکی نے مجھے ناکوں چنے چبوا کر رکھ دیے ہیں۔اور تم جانتے ہو میں اپنے دشمن کو زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہنے دیتا۔اس خطرناک لڑکی کو تو بالکل بھی جینے نہیں دے سکتا۔ورنہ میں پھانسی کے پھندے تک پہنچ جاؤں گا۔"وہ سخت لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"تو پھر میری بات بھی سن لیجیے۔میں اسے بچانے کے لیے آپ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔"ارحم ہٹ دھرمی سے بولا۔

"تم ایک لڑکی کی وجہ سے اپنے باپ سے لڑ رہے ہو؟"

"میں لڑ نہیں رہا بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ زندہ رہے۔اسے حاصل کیے بنا مجھے سکون نہیں آئے گا۔"وہ سرد لہجے میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلا گیا۔

"ارحم!"وہ دکھ اور صدمے سے چلائے۔

"انکل پریشان مت ہوں۔اسے کرنے دیں جو وہ کرنا چاہتا ہے"

"لیکن....."

"انکل میرے پاس ایک پلان ہے۔اگر آپ اس پر عمل کریں تو عانیہ بہت جلد آپ کے قبضے میں آسکتی ہے۔"اس نے کہا تو بہزاد شاہ چونکا تھا۔تعبیر نے تھوڑا سا پلان ہی بتایا تھا کہ انہیں سب سمجھ آگئی تھی۔

---

اس ٹی وی شو نے تعبیر اور اس کے گروہ کے سارے کرتوت کھول کر عوام کے سامنے رکھ دیے۔سب تعبیر کو لعنت ملامت کرنے لگے تھے۔ایم پی اے کے بیٹے کی بھی خاصی عزت افزائی ہوئی تھی۔پولیس بھی حرکت میں آ گئی۔ان سب لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا جو تعبیر کے ساتھ تھے۔تعبیر کو بھی گرفتار کرنے اس کے گھر پہنچ گئی۔جب وہ اسے گرفتار کر کے تھانے لا رہے تھے تو میڈیا والے پہنچ گئے اور تعبیر کی عزت کی اتنی درگت بنی کہ اس نے

مرنے کی خواہش کی۔ لیکن سزا بھگتے بغیر اب اسے موت بھی ملنے والی نہیں تھی۔ بہزاد شاہ نے ٹی وی پر اس خبر کو دیکھ لیا تھا اور تعبیر سے مکمل لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ پہلے حماد نے اسے نقصان پہنچانے کی کسر نہیں چھوڑی تھی کہ اب تعبیر والا شوشہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا اس معاملے نہ پڑنا ہی بہتر تھا۔ وہ تو عانیہ کے عقل پر حیران تھا کہ وہ کس کس طرح اپنے دشمن کو زیر کرتی تھی۔ آج تک اسے اتنے خطرناک دشمن سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

(اگر جلد از جلد اس لڑکی کا بندوست نہ کیا تو وہ میری جان کو آجائے گی۔) بہزاد شاہ اپنے کمرے میں اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا تھا۔

-----------------------------------

دس بجے حریم کی آنکھیں کھلیں تھیں۔ جیسے ہی بیدار ہوتے ہی معدے میں درد ہونے لگا تھا۔ ساتھ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر بستر پر پڑی رہی پھر نظریں گھما کر ارد گرد دیکھا۔ سمیع آس پاس کہیں نہیں تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھ بیٹھی۔ بستر سے اتر کر جوتے پہنے اور واشروم چلی گئی۔ جب واپس آئی تو سائیڈ ٹیبل پر مینگو فلیور کا ٹھنڈا اور فریش سا سلش کا گلاس پڑا تھا۔ وہ خوشی سے مسکراتی اس کی طرف بڑھی۔

"ویسے یہ بیویوں کا کام ہوتا ہے۔ جو میں نے کیا ہے۔" سمیع نے جتاتے ہوئے کہا۔ اس نے رک کر دیکھا وہ صوفے پر بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تھینکس۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتی بیڈ پر بیٹھی اور گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ اسے اتنی بھوک لگی تھی کہ ایک ہی سانس میں سارا پی گئی۔ شکر تھا کہ اس کی پشت سمیع کی طرف تھی ورنہ اچھا خاصا لیکچر سننا پڑ جاتا۔ اس نے سوچتے ہوئے گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"مجھے اور بھوک لگی ہے۔" وہ اس کی طرف چہرہ موڑ کر دیکھتی بولی۔

"ابھی اسی پر گزارا کرو۔ زیادہ کھانے سے درد ہو گا۔" وہ نرم لہجے میں سمجھا رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے!" وہ جھنجھلا کر بولی۔ سمیع نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

"تم شروع سے ہی اتنی پیٹو تھی کہ زہر کھانے کے بعد ہوئی ہو؟" وہ شرارت سے بولا۔

"کیا مطلب؟...... میں موٹی ہوں؟" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر حیرت اور غصے سے پوچھنے لگی۔ وہ اسے بھوکی کہہ رہا تھا نا کہ موٹی۔ لیکن اب تنگ کرنے کیلیے اس کے خیال کی تردید نہ کی۔

"ہاں۔ میرے خیال سے تو تم بہت موٹی ہو۔ اچھا ہے ایک مہینہ کھانے کے بغیر گزارو گی تو ڈائٹنگ ہو جائے گی۔ میرے ساتھ چلتی اچھی بھی لگو گی لیکن ابھی تو تمہارا کوئی حال نہیں۔"

"اتنی ہی بری لگتی تھی تو شادی کیوں کی مجھ سے؟" وہ تپ اٹھی۔

"کیونکہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ اور میں کسی کا دل نہیں توڑ سکتا۔"

"واؤ۔ کیا احسان کیا ہے مجھ پر۔ صدقے واری نہ جاؤں تم پر۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"چلی جاؤ۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔ اس کا انداز حریم کو مزید سلگا گیا۔ اس نے ٹیبل سے گلاس اٹھایا اور رکھ کر اس پر نشانہ مارا۔

"او تیری...." اس نے گلاس کو بمشکل ایک ہاتھ سے کیچ کیا جو سیدھا اس کے منہ پر آنے والا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھ جو زور سے ہنسے جا رہی تھی۔ لب بھینچ کر کچھ دیر اسے گھورا۔

"تمہیں بتاتا ہوں میں۔" وہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تو اس کی ہنسی کو بریک لگی۔ تیزی سے اٹھ کر پیچھے بھاگی۔ پاس ہی واشروم کا دروازہ تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھی لیکن سمیع سامنے آ گیا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگی۔ اور دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ پاس ہی ایک ٹیبل پر کانچ کا خوبصورت سا گلدان پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے وہ اٹھا لیا۔

"اگر تم میرے قریب آئے تو میں یہ تمہارے سر میں دے ماروں گی۔"

"مارو۔" وہ چیلنج کرتے ہوئے بولا۔ اور اس کے پاس آنے لگا۔ حریم نے گھبرا کر منہ بنایا۔ ایک گلدان ہی تو ہتھیار تھا اس کے پاس۔ وہ اسے کھو نہیں سکتی تھی۔ لیکن وہ بھی اس کے قریب آتا جا رہا تھا۔ اس نے کچھ لمحے رک کر سوچا اور گلدان اس کی طرف پھینک دیا۔ جو حسب معمول سمیع نے کیچ کر لیا۔

"ہائے میرے معدے میں درد ہو رہا ہے۔" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہو گئی۔

"بہانے بازی بند کرو اور سزا بھگتنے کیلیے تیار ہو جاؤ۔" وہ اب بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ حریم نے خفگی سے اسے گھورا۔

"اب ایسا بھی کیا کر دیا میں نے؟ تم مجھے اتنی باتیں سنا رہے تھے۔ میں نے تو صرف گلاس پھینکا ہے۔ سر ٹوٹے تو اتنا درد نہیں ہوتا جتنا دل ٹوٹنے پر ہوتا ہے۔" اس کی منطق پر سمیع نے ہنسی روکی۔

"میری باتوں سے تمہارا دل ٹوٹا ہے کیا؟" اس نے ہمدردی سے پوچھا۔ حریم نے معصومیت سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تو جوڑ دوں؟" اس نے ابرو اچکائی۔

"نہیں۔ میں خود ہی جوڑ لوں گی۔" وہ بدک کر ایک سائیڈ سے نکلنے لگی لیکن سمیع نے دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس کے بھاگنے کے راستے کو مسدود کر دیا۔

"کیسے جوڑو گی؟...... گلیو تو میرے پاس ہے۔" وہ ذرا سا اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ حریم نے گھبرائی۔ کچھ اور سمجھ نہ آیا تو منہ کھول کر دانت اس کی کلائی پر گاڑے لیکن دبا نہ سکی۔ سمیع نے بھی بازو پیچھے نہ ہٹایا۔

"کاٹو۔" اس نے چیلنج دیا لیکن اس نے چہرے پیچھے کر لیا۔

"میں نے کاٹ بھی لینا ہے۔ اس لیے شرافت سے میرا راستہ چھوڑو۔"

"نہیں چھوڑ سکتا۔ اور شرافت تو بالکل بھی نہیں دکھا سکتا۔" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

"ہائے اللہ کہاں پھنس گئی۔" وہ بڑبڑائی۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر جان لیوا مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"سمیع......" بڑے پیار سے اسے پکارا۔

"جی۔"

"تم کتنے اچھے ہو نا۔" وہ خوشامدی لہجے میں بولی۔

"جانتا ہوں۔"

"دوسروں کا کتنا خیال رکھتے ہو۔"

"ہمم"

"میری ہر بات مانتے ہو۔" اس نے چاپلوسی کی انتہا کر دی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"بالکل۔"

"تو کچھ شرم کو بھی ہاتھ مار لو۔" وہ جل کر بولی۔ سمیع کا قہقہہ گونجا۔

"تم سے کیسی شرم؟......میری بیوی ہو تم؟" وہ اس پر مزید جھکا تو اس کی جان ہوا ہونے لگی۔

"میں تم سے ناراض ہوں سمیع۔" اس نے یاد دلایا۔

"تو منانے دو نا مجھے۔"

"مطلب تم مجھ سے معافی مانگو گے؟" اس نے چہک کر پوچھا۔

"نہیں بلکہ تم مانگو گی۔" اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔ حریم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اس کے چہرے پر جھکتا۔

"ٹھیک ہے۔ میں معافی مانگ رہی ہوں۔"

"مانگو۔"

"مجھے معاف کر دو۔" وہ دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے بولی۔

"ایسے نہیں۔ کسی فلمی ہیروئن کی طرح کوئی ڈائیلاگ مارو۔"

"مجھے نہیں آتا۔" وہ منہ بنا کر بولی لیکن اس کے تیور دیکھ کر جلدی سے سیز فائر کیا۔

"کر رہی ہوں۔" سمیع اس کے خوبصورت چہرے کے ایکسپریشنز دیکھ رہا تھا۔

"سر تاج۔ مجھے معاف کر دیجیے۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔ میری روح کو سکون نہیں ملے گا۔(اور پھر چڑیل بن کر تمہارے پیچھے پڑ جاؤں گی۔)" اس نے رونی صورت بناتے ہوئے ہیروئن کی طرح ڈائیلاگ مارا اور آخری بات صرف سوچ کر رہ گئی۔ سمیع مسکرا کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"اب تو کہہ دیا۔ جانے دو۔" وہ سٹپٹا کر بولی۔

"میں سزا دیے بنا معاف نہیں کرتا۔" وہ ابرو اچکا کر بولا۔ حریم کے تو سر پر لگی اور تلووں پر بجھی۔ معافی بھی منگوائی اور سزا بھی۔ وہ اسے کچھ سخت سنانے والی تھی کہ سمیع اس کے چہرے پر جھکا۔ وہ دم سادھے آنکھیں بند کر گئی۔ سمیع کی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے کو دہکانے لگی تھیں۔ دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید جھکتا کمرے کا دروازہ کھٹکا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔ عرتج دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"حریم۔ جلدی نیچے آؤ۔ عانیہ ملنے آئی ہے تم سے۔" وہ ایک مشکوک سی نظر ان دونوں پر ڈال کر بولی۔ حریم بھاگ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ سمیع تو سخت بد مزہ ہوا جبکہ حریم اپنی دل کی دھڑکنیں سنبھالتی شرمگیں مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لاؤنج میں عانیہ کے ساتھ ریئم اور عمیر بھی دکھائی دیے۔ اس کی خوشی دوبالا ہو گئی تھی۔

"آپی۔" وہ اس کے گلے لگ گئی۔ اور رونے لگی۔

"ارے.....روکیوں رہی ہو؟" عانیہ نے تعجب سے پوچھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی اس نے اکیلے کیا کچھ سہا تھا۔ اگر عانیہ پاس ہوتی تو اسے کبھی بھی اتنا درد نہ سہنا پڑتا۔ اب اسے سامنے دیکھ کر رونا خود بخود آرہا تھا۔ عانیہ نے بڑی مشکل سے چپ کروایا۔ پھر وہ رینم کی طرف بڑھی۔

"کتنی بے وفا ہو تم حریم۔ میرے بغیر شادی کرلی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو حریم ہنس دی۔ سمیع بھی وہاں آگیا تھا اور عمیر سے گلے ملا۔

"تم تو چھپے رستم نکلے یار۔ چپ چاپ نکاح کرلیا۔ وہ بھی گن پوائنٹ پر۔ ویسے یہ تمہاری پسند کی شادی ہے نا؟" عمیر نے شرارت سے کہا۔ سمیع نے ہنسا۔ وہ سب صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہمدردی کی شادی ہے۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔ حریم تلملا کر رہ گئی۔

"ایک لڑکے کا لڑکی سے ہمدردی کا مطلب جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟" عانیہ نے پوچھا۔ سمیع نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"محبت۔" اس نے جتاتے ہوئے کہا۔ سمیع نے کھسیا کر سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اس کا مطلب یہ لو میرج ہے۔" عمیر نے کہا۔

"ہاں جیسے آپ کی تھی۔" عانیہ نے اسے بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ سب ہنسے۔

"مجھے ماما نے زبردستی اس شادی پر راضی کیا تھا۔"

"راضی تو ہو گئے تھے نا آپ۔" عانیہ نے کہا۔

"ہاں۔ کیونکہ میں بے وقوف نہیں تھا۔" اس نے رینم کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ سب کے درمیان اس کی نظریں خود پہ محسوس کرکے چہرہ پھیر گئی۔ عریج اس وقت سب کیلیے سافٹ ڈرنکس لے آئی اور ایک ایک کرکے سب کو گلاس پکڑانے کے بعد خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"اب سمیع کی طرف سے ٹریٹ تو بنتی ہے نا۔ کیوں عریج؟" عانیہ نے اسے کہا۔

"پوری ڈنر پارٹی بنتی ہے کہ۔" عریج نے مسکرا کر کہا۔

"تو دے دوں گا نا۔ کچھ دن ٹھہر جاؤ۔ ویسے پر جتنا مرضی کھالینا۔"

"کیا سخاوت ہے!" عمیر نے لطیف سا طنز کیا۔ پھر سمیع اور عمیر اپنی الگ باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ رنیم اور حریم آپس میں شروع ہو گئیں۔ جیسے کتنے سالوں بعد مل رہی ہوں۔ سمیع کی ماما لائبہ بھی وہاں آ کر سب سے ملیں اور کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کیں۔

"سمیع میں حریم کو ایک دن کیلیے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔ تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" عانیہ نے جاتے وقت کہا تھا۔

"بالکل ہے۔ میں تو اب اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتا تم ایک دن کی بات کر رہی ہو۔" اس نے حریم کی طرف دیکھ کر شرارت بھری مسکراہٹ اچھالی۔ اس نے اسے گھوری سے نوازا۔

"ہمارا بھی اس پر کچھ حق ہے۔" عانیہ نے کہا۔

"میرا سب سے زیادہ ہے۔ یہ میری اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

"چلو حریم پھر تم اس سے اجازت مانگ لو۔" عانیہ نے حریم کی طرف دیکھا۔ اس نے مسکین سی شکل بنائی۔ عانیہ نے کندھے اچکائے۔ اب اجازت مانگنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"مجھے آپی کے ساتھ جانا ہے۔" وہ سمیع کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"ٹھیک ہے لیکن صرف ایک دن۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولا۔ حریم نے لب بھینچ کر خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا تھا۔ پھر وہ عانیہ کے ساتھ آ گئی تھی۔ عمرینہ آنٹی اس سے بڑی محبت سے ملیں تھیں۔ اسے ان سے ممتا کی خوشبو آئی تھی۔ انہوں نے اس کا ایسے استقبال کیا تھا جیسے کوئی لڑکی شادی کے بعد پہلی دفعہ گھر آتی ہے۔ حیدر

انکل نے اسے ڈائمنڈ کا نیکلس گفٹ کیا تھا۔اس وقت اپنے باپ کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں نمی آئی تھی۔یہاں سب اس سے کتنا پیار کرتے تھے اور جو اپنے تھے وہ اسے بوجھ سمجھتے تھے۔لیکن اب اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے رویے کو خود پر اثر انداز نہیں ہونے دے گی۔وہ اس سے نفرت کرتے ہیں تو کرتے رہیں۔اسے محبت کرنے والے بہت مل گئے تھے۔

---------------------------------

دوپہر کے دو بج گئے تھے۔عانیہ،ریتم اور حریم ایک کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ریان اسے کالز کر رہا تھا لیکن وہ اٹھا نہیں رہی تھی۔

"میں بزی ہوں۔"ایک میسج کر دیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہے۔اس نے صبح ڈیوٹی پر جانے سے پہلے اسے کئی کالز کیں۔اور اب دوپہر کے لنچ پر بھی اسے کال کرنے میں مصروف تھا۔عانیہ نے فون سائیلینٹ پر لگا دیا لیکن اس کی زوں زوں ختم نہ ہوئی۔

"آپی آپ کا فون گھنٹے سے بج رہا ہے۔"حریم نے کہا تو اسے فون اٹھانا ہی پڑا۔لیکن اس دفعہ ریان کی کال نہیں تھی۔یہ کوئی ان ناؤن نمبر تھا۔شاید ریان کسی اور نمبر سے کال کر رہا ہو۔اسے اچنبھے سے کال پک کی۔

"ہیلو۔"

"اسلام علیکم۔"دوسری طرف سے کسی نے بڑے مہذب انداز میں کہا تھا۔وہ ریان نہیں تھا۔

"وعلیکم السلام....جی کون؟"

"آپ کا خیر خواہ۔"

"کیا مطلب؟"اسے حیرت ہوئی۔یہ کون اس کا خیر خواہ نکل آیا۔

"مجھے آپ کو بہزاد شاہ کے حوالے سے کچھ بتانا ہے۔" اب کی بار عانیہ کو واقعی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ اس سے بہزاد کے بارے میں کیوں بتانا چاہتا ہے۔ کیا اسے پتہ ہے کہ وہ اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈ رہی تھی۔ آخر یہ کون ہو سکتا تھا؟ دماغ میں سوال اٹھا تھا۔

"بتائیں۔" اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا لیکن اندر سے وہ پریشان ہو چکی تھی۔

"فون پر نہیں بتا سکتا۔ آپ کو مجھ سے ملنا پڑے گا۔" یہ بات ہی ایسی تھی کہ اسے ماننا پڑا۔

"ٹھیک ہے۔ کہاں؟" اس آدمی نے اسے ایک ریسٹورنٹ کا ایڈریس دے دیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ریسٹوریرنٹ پہنچ چکی تھی۔ وہاں معمول کی گہما گہمی تھی۔ عانیہ نے ادھر ادھر دیکھا تو سامنے بیٹھے اس شخص نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ ارحم تھا۔ عانیہ کو حیرت ہوئی۔ وہ اپنے باپ کی بات اسے کیوں بتائے گا بھلا۔ کہیں اسے سب پتہ تو نہیں چل گیا اور اب دھمکی دینے آیا ہو گا۔ چلو دیکھتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوئے اس تک آئی اور اس کے سامنے کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ارحم کی نظریں اس کے چہرے پر جمیں تھیں۔

"شکریہ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا۔"

"کون ہیں آپ؟" اس نے اس لیے پوچھا تاکہ اسے باور کروا دے کہ وہ اسے نہیں جانتی۔

"پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کا خیر خواہ ہوں۔" عانیہ کو لگا وہ اسے اپنا نام نہیں بتانا چاہتا۔ لیکن کیوں؟

"تو مسٹر خیر خواہ۔ مجھے یہاں بلانے کا مقصد؟"

"آپ بہزاد شاہ کو تو جانتی ہی ہوں گی؟"

"ہاں۔ اسی لیے تو یہاں آئی ہوں۔"

"حماد آپ کا دشمن تھا۔ اس نے آپ کے پیرنٹس کا مرڈر کیا تھا۔ اور آپ نے اس سے بدلہ لینے کیلیے اسے کافی نقصان بھی پہنچایا ہے۔"

"میں اسے اس کے انجام تک پہنچا چکی ہوں" عانیہ نے تردید نہیں کی۔ بلکہ اس کی اطلاع میں اضافہ کیا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" ارحم نے پوچھا۔ وہ چاہتا تھا کہ خود ہی اس سے پوچھ کر بہزاد شاہ کو بتا دے۔ اور معاملہ یہیں ٹھپ ہو جائے۔

"کیا مجھے آپ کو بتانا چاہیے؟" عانیہ نے میز پر کہنی ٹکاتے ہوئے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"ہاں۔ اگر آپ نے نہ بتایا تو بہزاد شاہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ آپ کو اغوا یا قتل بھی کر سکتا ہے۔ اور میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"آپ ایسا کیوں نہیں چاہتے؟" عانیہ نے اسی سکون سے سوال کیا۔ ارحم کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔

"میں آپ کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے عانیہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ لیکن عانیہ کا چہرہ بے تاثر رہا۔

"کیوں؟" پھر پوچھا۔

"کیونکہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ارحم کو آج پہلی بار کسی لڑکی کے سامنے یہ کہتے گھبراہٹ ہوئی تھی۔ عانیہ چہرہ پھیر کر طنزیہ ہنس دی۔ ارحم کو ہتک محسوس ہوئی۔

"تو یہ مسلہ ہے۔ جس نے آپ کو آپ کے باپ کے خلاف کھڑا کر دیا مسٹر ارحم۔ میں بھی کہوں آپ بہزاد شاہ کی بجائے میرا ساتھ کیوں دے رہے ہیں۔" وہ ایسے مسکرا رہی تھی جیسے ارحم کی بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور ارحم حیران رہ گیا تھا کہ وہ اسے جانتی تھی۔

"کسی کو پسند کرنا کونسا جرم ہے؟" اس نے جی کڑا کر کے کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ کسی کو پسند کرنا جرم نہیں بلکہ ہر کسی کو ہی پسند کر لینا جرم ہے۔ یو نو فلرٹ۔ میں آپ کو اچھے طریقے سے جانتی ہوں مسٹر ارحم۔"

"اگر آپ مجھ سے شادی کر لیں تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ پھر کوئی آپ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔" اس نے عانیہ کا طنز تحمل سے برداشت کیا نرمی سے بولا۔

"وہ تو اب بھی کوئی نہیں لگا سکتا۔ اگر یقین نہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔" عانیہ نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لیکن ارحم کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں آپ اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں لیکن ساری زندگی آپ نے اکیلے تو نہیں گزارنی۔ زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی۔ اس لیے میری مانیں تو شادی کر لیں۔"

"آپ نے اتنے خلوص سے مشورہ دیا ہے تو میرا ابھی فرض بنتا ہے اس پر عمل کرنا۔ "

"اس کا مطلب میں ہاں سمجھوں۔" وہ شوخ ہوا۔

"سوری۔ میں یہ ہاں بہت پہلے سے کسی اور کو کہہ چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ میری حفاظت کرے گا۔ اب تو آپ کو میری فکر ختم کر دینی چاہیے۔ اور شکریہ آپ نے مجھے اپنے والد کے ارادوں سے باخبر کیا۔ میں احتیاط کروں گی۔" وہ سرد لہجے میں کہتی اٹھی اور پلٹ کر باہر چلی گئی۔ اور ارحم کا غصے اور حیرت سے برا حال ہو چکا تھا۔ ایک لڑکی نے اتنے اعتماد سے اس کی بے عزتی کر دی تھی۔ اس کو ٹھکرا کر چلی گئی تھی۔ اسے حاصل کرنا اب اس کی انا کا مسلہ بن چکا تھا۔

"میں بھی دیکھتا ہوں وہ کیسے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔" وہ غصے سے بڑبڑایا تھا۔ تعبیر نے اسے باتوں میں بتانے کی کوشش کی تھی کہ عانیہ اور ریان ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن اس نے اس بات کو اتنا سیریس نہیں لیا تھا۔ اب اسے کچھ اور بندوبست کرنا ہی تھا۔ نرمی سے بات کر کے تو دیکھ لی تھی۔

-----------------------------------

ریسٹورنٹ سے نکلنے کے بعد وہ گھر جانے کی بجائے کمپنی کی طرف چلی آئی۔ مسز خان اسے یوں اچانک دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔ وہ لیپ ٹاپ پر آفس کا کام کر کے انہیں بھیج دیتی تھی لیکن خود کم ہی یہاں آتی تھی۔ یہاں اسے ماں کی زیادہ یاد آتی تھی اسی لیے یہاں آنے سے کتراتی تھی۔ لیکن آج لڑکیوں کے لیے اسے ڈریسز لینے تھے سو آنا پڑا۔ اس نے بہت سے ڈریسز چن لیے اور وہاں جاب کرنے والی ایک لڑکی کو بھی ساتھ ہی فارم ہاؤس لے آئی۔ بڑی لڑکیوں کو پورے آگئے تھے لیکن چھوٹی بچیوں کے نہیں آئے تھے۔ عانیہ نے اس لڑکی کو ان کے ماپ دے کر ان کے ڈریسز بھی آرڈر کر دیے۔ وہ مہنگے اور ایمبرائیڈڈ سوٹ تھے۔ انہیں گھر میں پہننے کیلیے بھی لون کے ہلکے پھلکے کپڑے چاہیے تھے۔ عانیہ نے ان سے کہا تھا کہ وہ کل تک ان کو لون کے ڈریسز لا دے گی۔ ماں کی کمپنی بہت اچھی چل رہی تھی اور وہ ان سب کا خرچہ بڑے آرام سے اٹھا سکتی تھی۔ وہ اب باقاعدہ طور پر ایک ٹرسٹ کا آغاز کر چکی تھی جس کا ثواب اس کے والدین کو جا رہا تھا۔

"آپ نے پہلے ہی ہمارے لیے اتنا کچھ کیا ہے۔ غلامی سے نجات دلائی اور سر چھپانے کیلیے جگہ بھی دی۔ ہم آپ پر مزید بوجھ نہیں بننا چاہتیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں جاب کرنا چاہوں گی۔" ثناء نے جھجھکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ پچیس سال کی تھی اور وہاں موجود سب لڑکیوں سے بڑی تھی۔ وہ بڑے ہونے کی ذمہ داری نبھانا چاہتی تھی۔ اس میں کچھ آنا اور خودی تھی جو عانیہ کو پسند آئی تھی۔ وہ نرمی سے مسکرائی۔

"مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کیلیے تم لوگ کچھ بھی کر سکتی ہو۔ میں ہر جگہ تمہارا ساتھ دوں گی۔ میری اتنی استطاعت ہے کہ میں تم سب کا خرچہ اٹھا سکوں لیکن تمہیں جاب کرنے سے اس لیے منع نہیں کروں گی کہ تم کسی پر انحصار کرنے کی بجائے خود مشکلات کا مقابلہ کرنا سیکھو۔ خودی سے انسان کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔ میں تمہارے فیصلے کی قدر کرتی ہوں۔" عانیہ نے کہا تو مسکرا دی۔

"مجھے بھی جاب کرنی ہے۔" شمسہ نے کہا۔

"تم دونوں ہی تھی نا جنہیں ڈریس ڈیزائنرز بننے کا شوق ہے؟" عانیہ یاد کرتے ہوئے بولی۔ ان دونوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"پھر تم دونوں اپنی جاب پکی سمجھو۔ میری مام کی ڈریس ڈیزائننگ کی کمپنی ہے۔" عانیہ نے انہیں پہلے نہیں بتایا تھا کہ یہ ڈریسز وہ اپنی کمپنی سے لائی ہے۔ وہ دونوں خوش ہو گئیں۔ ایک لڑکی جو شیف تھی کیک بیکنگ کی کسی کمپنی میں کام کرنا چاہتی تھی۔ عانیہ نے اس کیلیے جاب ڈھونڈنے کی ہامی بھر لی تھی۔ باقی ابھی پڑھنے والی تھیں۔ کچھ میٹرک پاس تھیں اور کچھ بارہویں پڑھ چکی تھیں۔ ان کے ایڈمیشن کیلیے پچھلی کلاسز کے ریکارڈ کا مسلہ تھا۔ ان کی ساری دستاویزات ان کے گھروں میں پڑی تھیں۔ عانیہ نے یہ مسلہ حل کرنے کی ہامی بھی بھر لی تھی۔ ان کے گھروں سے ان کے دستاویزات لانا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کیلیے وقت چاہیے تھا۔ چھوٹی بچیوں کو بھی کچھ دن بعد سکول میں داخل کروانا تھا۔ عانیہ نے سب سے ان کے گھروں کے ایڈریس بھی لے لیے تھے۔ وہ ایک دفعہ سب کی فیملیز سے بات کرنا چاہتی تھی کہ وہ ان لڑکیوں کے لیے کیا خیالات رکھتے ہیں اور اگر وہ انہیں قبول کر لیتے ہیں تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

صرف عینی تھی جس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ ثناء نے اسے بتایا تھا کہ وہ تین سال کی تھی جب یہاں آئی تھی۔ اس لیے اس کے گھر والوں کو ڈھونڈنا مشکل تھا۔ اب ایک ہی طریقہ تھا۔ اس شخص سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھنا جو اسے اغوا کر کے لایا تھا۔

"عینی میرے ساتھ شاپنگ پر چلے گی؟" اس نے عینی کو اٹھاتے ہوئے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ مال لے آئی۔ اسے کپڑے جوتے اور کھلونے خرید کر دیے۔ وہ تو جیسے خوشی سے کھل اٹھی

تھی۔ یہ پہلی دفعہ کسی نے اسے اس کے پسند کی چیزیں دلائی تھیں۔ عانیہ کو بچے تو ویسے ہی پسند تھے لیکن یہ بچی اسے کچھ زیادہ ہی پسند آگئی تھی۔

عینی کو فارم ہاؤس چھوڑ کر وہ مغرب کی اذان سے ذرا پہلے گھر پہنچی تھی۔ عمرینہ آنٹی کو دیر سے آنے کا کوئی بہانہ تو بنا دیا لیکن حریم اور رنیم اسے مشکوک لہجے میں گھورتی رہی تھیں۔

"میں اتنے دنوں بعد تم سے ملی ہوں۔ تم بجائے میرے ساتھ وقت گزارنے کے سارا دن کہاں رہی ہو؟" کمرے میں آکر رنیم نے اسے پوچھا۔ عانیہ سکون سے بستر پر بیٹھی اور شوز اتارے۔ بال باندھے اور اٹھ کر وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی۔

"آپی کہاں تھی آپ؟" حریم سے بھی صبر نہ ہوا تھا۔

"یار کچھ نہ پوچھو۔ مجھے پہلے کوئی بہانہ سوچ لینے دو۔"

"تم نے ایسا کیا کیا ہے کہ بہانے کی ضرورت پڑ رہی ہے؟" عانیہ نے انہیں ساری بات بتائی کہ اس نے تعبیر کی قید سے لڑکیوں کو بازیاب کروالیا ہے اور اب وہ اس کے فارم ہاؤس پر ہیں۔ ان کی ذمہ داری اب اس پر ہے۔

"تو مسلہ کیا ہے۔ ماما اس بات پر کونسا ڈانٹیں گی تمہیں۔" رنیم بولی۔

"وہ پوچھیں گی کہ میں نے لڑکیوں کو بازیاب کیسے کروایا تو کیا کہوں گی؟"

"سمیع کا نام لے لیجیے گا۔" حریم نے کہا۔

"ارے ہاں۔" عانیہ نے چونک کر کہا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے سمیع کا نام لے کر آنٹی عمرینہ کو ساری بات بتا دی تو انہوں نے اسے سراہا۔ اس نے یہ کام کسی تعریف کے لیے نہیں کیا تھا۔ اسے یہ سب کر کے دلی خوشی ہو رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مام ڈیڈ اس سے خوش ہیں۔ ان کو ثواب پہنچ رہا ہے اور ان کے درجات بلند ہو رہے ہیں۔

-----------------------------------

رات کے آٹھ بجے رنیم کے فون پر ریان نے کال کی تھی۔ ہنی مون کے دوران صرف دو تین بار ہی اس کی بات بھائی سے ہوئی تھی۔ اب اس نے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔ اس نے حریم کے نکاح کے بارے میں بتایا تو ریان نے حریم کو مبارکباد دی اور اس کی پسند کا گفٹ پوچھا۔ حریم نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن ریان نے اسے گفٹ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

آخر میں ریان نے عانیہ سے بات کرانے کا کہا تو اسے بات کرنی ہی پڑی۔

"کچھ زیادہ ہی مصروف نہیں ہو گئی تم؟" چھوٹتے ہی طنز کیا۔ عانیہ مسکرائی۔

"کیسے ہو؟" اس نے سکون سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" دوسری طرف سے بھنا سا جواب آیا۔

"میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔" اسے راضی کرنے کے لیے بولی۔

"تبھی میرا فون نہیں اٹھا رہی تھی۔"

"ہاں پھر مس کرنے کا فائدہ کیا اگر بات ہو جائے تو۔ تم بھی یہی سوچ کر میرا فون نہیں اٹھاتے تھے نا۔"

"اوہ تو تم مجھ سے بدلہ لے رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"بڑی بے مروت ہو یار۔" وہ بولا تو عانیہ ہنسی۔ ریان بھی غصہ بھول کر مسکرا دیا۔

"اچھا سناؤ کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔ اور مصروف بھی ہوں۔"

"کیا مصروفیات ہے تمہاری ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔"

"وہ تمہیں بتایا تھا نا کہ تعبیر لڑکیوں کو اغوا کرتی ہے۔......"

"ڈونٹ ٹیل می تم نے پھر کسی سے پنگا لیا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"پوری بات تو سن لو۔ میں نے کوئی پنگا نہیں لیا۔ سمیع کی مدد لی تھی ان لڑکیوں کو بازیاب کرانے کے لیے۔ تعبیر کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اور وہ لڑکیاں اب میرے فارم ہاؤس پر ہیں۔"

"تو وہ سب اب تمہاری ذمہ داری ہیں؟"

"ہاں۔ میں چاہتی ہوں مام ڈیڈ کو بہت سارا ثواب ملے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر مدد کی ضرورت ہو تو مجھے کہنا۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"ہمم تم اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے تو بتا دیا۔"

"کچھ نہ پوچھو یار۔ صبح ڈیوٹی پر لیٹ پہنچا تھا۔ سر نے سزا دے دی اور میں نے گراؤنڈ میں پورے سو چکر لگائے۔ قسم س ٹانگیں دکھ گئی تھیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ عانیہ بھی ہنس دی۔

"اتنے سخت ہوتے ہیں وہاں کے لوگ؟"

"بس ڈیوٹی کے وقت ہی سخت ہوتے ہیں بعد میں ہم اکٹھے گپ شپ کر رہے ہوتے ہیں۔"

"اچھا تم نے آج جیٹ اڑایا تھا؟" اس نے معصوم بچوں کی طرح پوچھا۔

"ہاں پورا ایک گھنٹہ۔"

"ہائے کتنا مزہ آیا ہو گا نا تمہیں۔ میں پتہ نہیں کب پائلٹ بنوں گی؟" وہ حسرت سے بولی تھی۔

"جب میری بیوی بنو گی۔" وہ شرارت سے بولا۔ عانیہ سر جھٹک کر مسکرا دی۔

"ویسے یار یہ میرے ساتھ تو زیادتی ہے۔ سب کی شادیاں ہو رہی ہیں ایک میں ہی اکیلا رہ گیا ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"میرے خیال سے مجھے فون بند کر دینا چاہیے۔"

"ارے نہیں رکو۔"

"اب کیا ہے؟"

"ویک اینڈ پر اسلام آباد آؤنا بیں میں۔ مجھے تو سزا ملی ہوئی ہے اس لیے نہیں آسکتا لیکن تم تو آسکتی ہو۔"

"وہاں سب کیا کہیں گے؟" وہ جھجک کر بولی۔

"کچھ نہیں کہیں گے۔ میں سب سے کہہ دوں گا تم میری بیوی ہو۔"

"پھر میں نہیں آرہی۔"

"اچھا فیانسی ہی کہہ دوں گا۔ بس تم آؤ اور ہاں اکیلے مت آنا۔ کسی کے ساتھ آنا۔" ریان نے اسے اکیلے سفر کرنے سے منع کیا تھا اور وہ اب بھی نہیں بھولا تھا۔

"ٹھیک ہے میں عمیر یا وہاب بھائی سے کہوں گی۔" وہ بھی بنا کوئی چوں چراں کیے اچھے بچوں کی طرح مان گئی۔ پھر ریان اسے دن بھر کی روٹین بتانے لگا۔ اس کی چارجنگ ختم ہو گئی تو رابطہ منقطع ہو گیا۔ وہ فون کو چارجنگ پر لگا رہا تھا جب اس کا روم میٹ حنظلہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس کا بہت اچھا دوست بھی تھا۔

"آج تو بڑی ہنس ہنس کے باتیں کر رہے تھے۔ خیریت تو تھی؟" وہ جان چکا تھا کہ ریان کسی لڑکی سے بات کر رہا ہے۔

"خیریت ہو تو ہنستے ہیں نا۔" ریان ایسا ہی تھا۔ اپنی باتیں اپنے تک ہی رکھتا تھا۔ دوستوں میں وہ سنجیدہ اور خاموش طبیعت کا مشہور تھا۔ لیکن عانیہ کی وجہ سے اس کی طبیعت پر کافی اچھا اثر پڑا تھا۔

"یار میں تو تمہارا دوست ہوں۔ تمہارا روم میٹ ہوں۔ تمہارا ساتھی، جگری یار اور سب کچھ ہوں۔ مجھے تو بتا دو۔" وہ اس کے سامنے آکر خوشامدی لہجے میں بولا۔

"کیا بتاؤں؟"

"یہ لڑکی کا ہی کوئی چکر ہے نا؟"

"ہاں۔"حنظلہ کو امید نہیں تھی وہ اتنی جلدی مان جائے گا۔

"واقعی...... مطلب تم کسی کو پسند کرتے ہو؟"

"ہاں۔میری منگنی بھی ہو گئی۔"حنظلہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"یہ حادثہ کب ہوا؟"

"چھٹیوں میں۔"

"تھوڑی تفصیل بتاؤ گے؟"اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا اور ریان نے اسے گھورا۔

"آنکھیں مت دکھاؤ۔یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔وہ میں ہی تھا جس نے تمہیں چھٹیوں پر جانے کیلیے کنونس کیا تھا۔اور دیکھو تمہارے لیے یہ کتنا اچھا ہوا۔اب اچھے بچوں کی طرح سب دوستوں کو ٹریٹ دو۔ورنہ انجام یاد رکھنا۔"حنظلہ نے دھونس جماتے ہوئے کہا تو اسے ٹریٹ دینی ہی پڑی۔سب دوستوں نے مل کر اس کا خوب ریکارڈ لگایا۔سر حفیظ نے بھی اسے منگنی کی مبارکباد دی تو وہ شرمندہ ہو گیا۔اسے سر حفیظ کو تو اپنی منگنی میں بلانا چاہیے تھا یا کم از کم بتا ہی دینا چاہیے تھا۔

-----------------------------

صبح کے ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔جہاز پاکستان کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔حدیقہ کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر تھی اور ساتھ بیٹھے وہاب کے کندھے پر سر رکھے سو رہی تھی۔اس نے پورا سفر سونے میں گزارا تھا۔اور وہاب بور ہونے سے بچنے کیلیے کانوں پر ہیڈ فون لگا کر گانے سننے لگا تھا۔اب اس سفر کے اختتام میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔اس نے ہیڈ فون کانوں سے اتارے اور فون بند کر کے حدیقہ کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ اوپر سے دکھائی دے

رہا تھا۔ بند آنکھوں پر جھکی لمبی پلکیں ایک خوبصورت سا پوز بنا رہی تھیں۔ وہاب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اسے تنگ کرنے کا دل کیا تھا۔ ہیڈ فون کا پلگ فون سے اتارا اور اس کے کان میں ڈالا۔ حدیقہ کو لگا کہ کوئی مچھر کان میں گھس گیا ہے تو اس نے ذرا سا کسمسا کر آنکھیں کھولے بغیر رکھ کے ایک تھپڑ کان پر مارا۔ وہاب نے بمشکل اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا۔ پھر سنبھل کر دوبارہ پلگ اس کے کان میں گھسایا۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہاب نے جلدی سے پلگ پیچھے کیا لیکن حدیقہ دیکھ چکی تھی۔ تیزی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اٹھ جاؤ۔ ایئر پورٹ پہنچنے والے ہیں ہم۔" وہ جلدی سے بولا۔ حدیقہ نظریں پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"پانی پینا ہے؟"

"نہیں۔"

بھوک لگی ہے؟"

"نہیں۔"

"بور ہو رہی ہو؟" وہ بات بڑھانے کو بولا۔

"نہیں۔" حدیقہ مسکراہٹ روکتے ہوئے بولی۔

"میں ہو رہا ہوں۔ مجھ سے باتیں کرو۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔

"نہیں۔" حدیقہ اب اسے تنگ کرنے لگی تھی۔

"تم بہت ظالم ہو۔"

"اچھا۔" وہ حیرت سے بولی جیسے اسے ابھی پتہ چلا ہو۔ وہاب اسے یکھ کر رہ گیا۔

"تم مجھے تنگ کر رہی ہو؟"

"نہیں۔"وہاب نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کی چہرہ اپنی طرف موڑا۔حدیقہ نے ڈرتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔اتنے لوگ تھے وہاں۔

"مجھے تنگ مت کریں۔"وہ اس کی نظریں خود پر محسوس کرتی سرخ پڑنے لگی تھی۔

"ابھی کہاں کیا ہے۔کاش ہم اپنے روم میں ہوتے۔پھر میں بھی تمہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا۔"وہاب نے سرگوشی کی کہا تو حدیقہ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی اسے غصے سے گھورنے لگی۔پھر اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے پلکیں جھکا گئی۔اور چہرہ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

"یار کچھ تو کہو نا۔اتنی مشکل سے تمہیں خود سے فرینک کیا تھا۔تم پھر ویسی کی ویسی ہو گئی ہو۔"

"یہ آپ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔"اس کی زبان پھسلی۔وہاب ہنسا۔

"میں نے ایسا بھی کیا کر دیا کہ تم مجھ سے بات تک کرنے کی روادار نہیں؟"وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔حدیقہ شرم کے مارے آگے سے کچھ بول ہی نہ سکی۔

"مجھے ایک گانا یاد آ رہا ہے۔"وہاب نے مسکراہٹ دبائی۔

"خبردار سب کے سامنے مجھے شرمندہ کیا تو۔"وہ بدک کر بولی۔وہاب نے تاسف سے اسے دیکھا

"چلو کوئی بات نہیں اکیلے میں سنا دوں گا۔"

"مجھے نہیں سننا۔"

"تم مجھے گانا گانے سے روک نہیں سکتی۔تمہیں پتہ ہے میں آج بہت خوش ہوں۔"

"کیوں؟"اس نے بے اختیار پوچھا۔

"میں نے اپنی بیوی کو پٹا لیا ہے۔"اس نے شرارت سے ایک آنکھ دبائی۔حدیقہ ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس کے کندھے پر دو تین مکے مارے۔لیکن وہ ایسے باز آنے والا نہیں تھا۔

"فنی کلپس دیکھیں؟" وہ اس کا دھیان ہٹانے کو بولی اور اس کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی لیپ ٹاپ کھول کر فنی کلپس کا فولڈر نکالا جس میں اس نے ڈھیر ساری فنی کلپس ڈاؤن لوڈ کر لی تھیں۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ایک ہی ہینڈ فری کے ائیر پیسز اپنے کانوں میں لگائے لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس رہے تھے۔

---------------------------------

آج ایک دن بعد قاسم حماد کے پاس آیا تھا۔

"تو پھر کیا سوچا آپ نے؟" رسمی خیر خیریت پوچھنے کے بعد وہ اصل موضوع پر آیا۔

"مجھے اپنا بچاؤ کرنا ہے۔ اس لیے بہزاد شاہ کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔ لیکن اسے قتل کرنا آسان نہیں۔" حماد نے اس کی توقع کے مطابق جواب دیا تھا۔

"اسے قتل کر بھی کون پاگل رہا ہے۔ ہمیں صرف اسے پھنسانا ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ کافی کام کیا ہے۔ تو ان کی کوئی کمزوری تو آپ کو معلوم ہو گی۔"

"نہیں وہ بہت محتاط بندہ ہے۔ میرے پاس اس کی کوئی کمزوری نہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے اس کے پاس میری بہت سی کمزوریاں ہوں۔ میں نے اس کے کہنے پر بہت سے غیر قانونی کام بھی کیے ہیں۔ ان کا ریکارڈ اس کے پاس ہو سکتا ہے۔" اس نے بلا جھجک اعتراف کر لیا تھا کہ وہ غیر قانونی کاموں میں ملوث رہا ہے کیونکہ قاسم نے خود کو ایک گینگ کا لیڈر ظاہر کیا تھا۔ اس کے خیال میں قاسم کے سامنے جرم کا اعتراف کرنا اتنا نقصان دہ نہیں تھا۔

"اوہ یہ تو اور بھی برا ہے۔ وہ ان ریکارڈز کو استعمال کر کے آپ کو بدنام بھی کر سکتا ہے۔ اور خود پر کوئی بات بھی نہیں آنے دے گا۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"اس سے پہلے کہ وہ آپ پر ایسا وار کرے آپ کو اس پہ وار کرنا ہو گا۔ جلد از جلد اس کے خلاف ثبوت ڈھونڈ کر سب کے سامنے لانے ہوں گے۔"

"اس طرح تو میں بھی پھنس سکتا ہوں۔ میں بھی تو غیر قانونی کام کرتا رہا ہوں۔"

"ہاں لیکن اس کے کہنے پر۔ آپ نے خود کو سب کے سامنے مظلوم ثابت کرنا ہے اور اسے ظالم۔ ایک دفعہ اس کے سارے ثبوت میڈیا کے سامنے آجائیں تو وہ آپ کو پھر ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔ اور گر وہ آپ کو بیچ میں گھسیٹنے کی کوشش کرے گا تو اسے خود بھی ماننا پڑے گا کہ وہ برے کاموں میں ملوث رہا ہے اور یہ تو وہ مر کے بھی نہیں مانے گا۔ اس لیے وہ آپ سے بدلہ لینے کی بجائے اپنے خلاف ثبوتوں کی صفائی دینے میں مصروف ہو جائے گا۔"

"سمجھ گیا۔ لیکن اس کے خلاف ثبوت کہاں سے لاؤں؟"

"وہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ بس وہ کریں جو میں کہوں گا۔" قاسم نے کہا تو حماد نے کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

-----------------------------------

ارحم جاگ چکا تھا لیکن ابھی تک بستر میں پڑا تھا۔ جب بہزاد شاہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

"بابا جان آپ؟" وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا۔ بہزاد شاہ نے اسے ہاتھ سے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا اور چلتے ہوئے اس کے سامنے صوفے پر آبیٹھے۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ایک لڑکی کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے۔" وہ نرم لہجے میں شکوہ کر رہے تھے۔

"ایسی بات نہیں بابا۔ میں بس اپ سیٹ ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک چیز مجھے پسند آجائے تو میں اسے حاصل کر کے رہتا ہوں۔"

"ہاں جانتا ہوں۔اسی لیے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"واقعی؟"وہ بے یقینی سے بولا۔وہ بھی اپنے باپ کو جانتا تھا۔بہزاد شاہ کم ہی فیصلے بدلا کرتا تھا۔

"ہاں میں اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟"

"اس لڑکی کو حماد کے بارے میں مجھے بتانا پڑے گا۔میں کسی طور حماد کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔"

"لیکن وہ نہیں بتائے گی۔"وہ پر وثوق لہجے میں بولا۔

"تم اس سے اگلواؤ گے۔"

"میں کیسے؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے آج تک تم نے کسی لڑکی کو اغوا کیا ہی نہ ہو۔"انہوں نے طنز کیا۔

"وہ لڑکی چلتی پھرتی گولی ہے اور میں جوانی میں مرنا نہیں چاہتا۔یہ نہ ہو میں اسے اغوا کرنے جاؤں اور وہ مجھے اغوا کر لے۔"اس نے ہنستے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"ذرا سنجیدگی سے اس بات پر غور کرو ارحم۔اس کی منگنی ہو چکی ہے اور وہ اپنے منگیتر کو بہت پسند کرتی ہے۔ایسے میں تم اسے اتنی آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے۔تمہیں اسے زبردستی اپنی دسترس میں لینا پڑے گا۔اس کا ایک ہی حل ہے کہ تم اسے اغوا کر لو۔میں بس اس سے حماد کے بارے میں پوچھوں گا۔اس کے بعد وہ تمہاری۔تم اسے لے کر بے شک ملک سے باہر چلے جانا۔تمہارا بھی کام ہو جائے گا اور میرے سر سے بھی خطرہ ٹل جائے گا۔"وہ چالاکی سے بولے۔ان کی بات ارحم کے دل کو لگی۔وہ اتنے آرام سے اس کے قابو میں نہیں آنے والی تھی۔اسے اغوا کرنا ہی سب سے بہترین طریقہ تھا۔

---------------------------------------

آج حیدر علی ہاؤس میں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ وہاب اور حدیقہ صبح کے ساڑھے چھ بجے گھر پہنچے تھے۔ سب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ بڑی دیر تک لاؤنج میں بیٹھے سب باتیں کرتے رہے تھے۔ عمرینہ کھانے کا انتظام کرنے کچن میں چلی گئی تھی۔ لیکن ینگ پارٹی کی دوپہر تک محفل جمی رہی۔ عانیہ نے سمیع کو بھی فون کر کے بلا لیا تھا۔ لنچ سب نے اکٹھے ہی کیا تھا۔

"حریم چلنے کا ارادہ نہیں کیا؟" کھانے کے بعد سمیع نے پوچھا۔ حریم ابھی رکنا چاہتی تھی۔ اس نے عانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔

"حدیقہ آج ہی تو آئی ہے۔ میں نے اس سے ابھی صحیح طرح بات بھی نہیں کی۔ آج رک جاتی ہوں نا۔" وہ حدیقہ کا بازو پکڑتے ہوئے بولی۔ سمیع غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"میں نے اچھی طرح باتیں کر لیں ہیں تم سے۔ تم بے شک نہ رکو۔" حدیقہ نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ حریم کو اس سے ایسی بے وفائی کی امید نہیں تھی۔ یعنی جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ عانیہ اور ریئم مسکرا دیں۔

"ہاں دیکھو وہ تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہے۔ اب آرام سے آ جاؤ۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولتا باہر چلا گیا۔

"تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گی۔" وہ حدیقہ کو دیکھ کر تلملاتے ہوئے بولی۔ حدیقہ ہنسنے لگی۔

"نہ میری بہن مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میں تمہارے لیے اتنے گفٹ لائی ہوں۔ لے کر نہیں جاؤ گی؟" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

"بڑی تیز نہیں ہو گئی تم؟...... خیر دو میرے گفٹس۔ میں جاؤں۔" وہ بولی تو حدیقہ نے اسے ڈھیر سارے شاپنگ بیگ کا پکڑا ئے۔ ریئم بھی اس کے لیے کچھ گفٹس لائی تھی۔ اس نے بھی جلدی سے اسے گفٹس لا کر دیے۔ وہ انہیں لے کر گاڑی تک آئی۔ سمیع عمیر اور وہاب کو خدا حافظ کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے پچھلا

دروازہ کھول کر بیگز اندر رکھے اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ سمیع نے گاڑی سٹارٹ کر کے پورچ سے نکال لی۔

"کیسی ہو؟" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ حریم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے وہ لوگ کئی دنوں سے نہ ملے ہوں۔ ویسے یہ الگ بات تھی کہ اسے ایسے ہی لگا تھا اور سمیع کی یاد بھی بہت آئی تھی لیکن اس بات کو ظاہر کرنا اپنا مذاق بنوانے کے مصداق تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ چہرہ پھیرتے ہوئے بولی۔

"ہم کب تک ناراض رہیں گے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم راضی ہونا۔ میرا کیا ہے۔ ناراض رہوں یا راضی۔" اس نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"سوری..... مجھے تم سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں اس وقت بہت غصے میں تھا۔ اس لیے سارا غصہ تم پر نکال دیا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔" وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ حریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔ دل میں انجانی سی خوشی بھی ہوئی۔ وہ ناراضگی تو کب سے ختم کر چکی تھی لیکن سمیع کو اب تک یہی باور کروا رہی تھی کہ وہ اس کے رویے کی وجہ سے ابھی تک ناراض ہے۔ سمیع بھی یہ جان چکا تھا کہ وہ راضی ہے لیکن اسے اس کی اہمیت جتانے کیلیے معافی مانگ رہا تھا۔

"اتنی جلدی معافی نہیں ملے گی تمہیں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

"تو کتنی دیر بعد ملے گی۔ یہ بھی بتا دو۔ مجھ سے اب انتظار نہیں ہوتا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ حریم نے اس کی بات کو نظر انداز کیا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ کچھ دیر ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

"میں کل سے کالج جانا چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔ سمیع کو اس رات کی بات یاد آئی جب وہ ہاسپٹل کے کاریڈور میں بیٹھے تھے۔ حریم نے کہا تھا کہ وہ سائنسدان بننا چاہتی ہے۔

"میٹرک میں تمہارے کتنے نمبر آئے تھے؟"اس کے اچانک پوچھنے پر حریم کو اچنبھا ہوا۔

"نو سو بیس۔"

"اس کا مطلب تم میرا نام کافی روشن کرو گی۔"وہ متاثر ہوتے ہوئے بولا۔حریم بے اختیار مسکرائی۔

"ویسے سائنس کے میدان میں ایک دو جھنڈا تو ضرور ہی گاڑو گی؟"وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"انشاءاللہ۔"وہ پر عزم لہجے میں بولی۔

"گڈ۔"

"تمہارا سلیکشن ہو گیا ایس ایس جی ٹریننگ کے لیے؟"اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ایک مہینے بعد میں اکیڈمی جا رہا ہوں۔"اس کے لہجے میں خوشی تھی۔لیکن حریم اس کی جدائی کا سوچ کر ہی اداس ہو گئی تھی۔وہ چہرہ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔سمیع نے گاڑی گھر کے سامنے روک کر ہارن بجایا تو وہ چونکی۔گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہوئی۔

"میں لے آتا ہوں تم چلو۔"وہ پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے بولا اور بیگز اٹھانے لگا۔حریم پکی روش پر چلتی اندر تک آئی۔

"حریم تمہارا بھائی آیا ہوا ہے۔"عریج نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔اسے بھائی کی بے رخی یاد آئی اور دل اذیت سے بھر گیا۔

"مجھے ان سے نہیں ملنا۔ان سے کہیں یہاں سے چلے جائیں۔"وہ اپنے آنسو روکتے ہوئے بولی اور اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔عریج وہیں پریشانی سے کھڑی رہ گئی۔سمیع اندر آیا تو وہ اس کی طرف بڑھی۔

"سمیع حریم کا بھائی آیا ہوا ہے اور حریم نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولتا اندر کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی روتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے شاپنگ بیگز بیڈ پر رکھے اور اس کے پاس آیا۔

"حریم۔ رونا بند کرو اور حسیب سے جا کر ملو۔" وہ تحکم سے بولا تھا۔

"انہوں نے میرے ساتھ بہت برا کیا تھا۔ مجھے گھر لے جا کر اکیلا چھوڑ دیا۔ میری زبردستی شادی ہو رہی تھی اور وہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"وہ سب اپنی جگہ لیکن آخر پر ہمارا نکاح اسی کی مدد سے ہوا تھا۔ وہ تمہارا بھائی ہے حریم۔ تمہیں اس سے ایک دفعہ مل کر اس کی بات سننی چاہیے۔" اس نے حریم کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر وہ کسی غلط ارادے سے یہاں آئے ہوئے تو؟" ایک اور خدشے نے سر اٹھایا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ میں ہوں نا۔ تم اس سے جا کر بات کرو۔" سمیع نے اسے تسلی دی تو وہ سر ہلا کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

حسیب اسے اپنے سامنے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر چھائی زردی اور آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ اس سے نظریں پھیرتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔

"تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔"

"کیوں؟..... آپ نے تو کچھ غلط نہیں کیا۔" وہ تنک کر بولی۔

"میں جانتا ہوں میں نے بہت کچھ غلط کیا ہے لیکن میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا۔ میں مجبور تھا۔" وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

"کیسی مجبوری بھائی؟..... آپ مجھ سے جھوٹ بول کر مجھے گھر لے کر گئے اور میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب ماما مجھے مار رہی تھیں تو کہاں تھے آپ؟ کیا آپ مجھے اس تکلیف سے بچا نہیں سکتے تھے؟ اگر آپ میرا ساتھ دیتے تو کیسے ماما بابا میری شادی عدنان سے کرتے۔ آپ جانتے تھے نا کہ میں اس سے سخت نفرت کرتی تھی پھر بھی آپ خاموش رہے۔ سب نے مل کر میرے ساتھ ظلم کیے۔ آپ بھی بدل گئے۔ میں آپ سب کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"میں اگر وہ سب کچھ نہ کرتا تو بابا تمہیں مار دیتے۔ میں تمہیں مرنے نہیں دے سکتا تھا۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا تھا۔

"اور اس جہنم میں دھکیل سکتے تھے۔ عدنان سے شادی کرنا میرے لیے موت سے بھی بدتر تھا۔ میں نے آپ کی مدد لینی چاہی لیکن آپ نے بھی مجھ سے نظریں پھیر لیں۔ مجبوراً مجھے خودکشی کرنا پڑی۔" آنسوؤں کی لڑیاں اس کے گالوں پر مسلسل بہہ رہی تھیں۔ حسیب کو حیرت کا سخت جھٹکا لگا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟...... خودکشی؟" وہ اس کو کندھوں سے پکڑتے ہوئے بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں میں نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ میں نے آپ سب کیلیے عدنان سے شادی کی ہامی تو بھر لی تھی لیکن اپنے لیے میں نے زہر کھا لیا۔ اگر سمیع مجھے بروقت ہسپتال لے کر نہ جاتا تو میں مر چکی ہوتی اور میری موت کے ذمہ دار آپ ہوتے۔" حریم نے طیش میں آکر حسیب کو یہ سب بتایا تھا۔ اسے بھی تو پتہ چلنا چاہیے تھا کہ وہ اس کی وجہ سے کس تکلیف سے گزری ہے۔ حسیب حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ اس نے حریم کو بچانے کے لیے ہی تو سب کیا تھا اور وہ پھر بھی مرنے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ اس نے حریم کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ حریم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"تم نے ایسا کیوں کیا حریم؟.......اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔ تم مجھے معاف نہ کرو لیکن آئندہ کبھی خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرنا۔ تم مجھے بہت پیاری ہو۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ مجھ سے وعدہ کرو آئندہ تم کبھی مرنے کی کوشش نہیں کرو گی؟" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بول رہا تھا۔ حریم کا غصہ ختم ہو چکا تھا۔

"نہیں کروں گی۔ مجھے اللہ نے غموں کے بعد اتنی خوشیاں دی ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کی نفرت کو بھول چکی ہوں۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔.....اوہ ہاں مجھے یاد آیا تمہاری امانت تھی میرے پاس۔" وہ ایک سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ وہ وہی سوٹ کیس تھا جو وہ یہاں سے اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔

"اور یہ تمہارا فون۔" اس نے جیب سے فون نکال کر اسے دیا۔ حریم نے پکڑ لیا۔

"میں جانتا ہوں تم ہم سب سے اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔ ہم نے تمہارے ساتھ برا بھی تو بہت کیا ہے۔ میں اب تم سے ملنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بولا اور اس کے پاس سے گزر کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"اگر اب آپ نے مجھے اکیلے چھوڑا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ پیچھے سے چلائی۔ حسیب کے بڑھتے قدم رک گئے۔ حریم نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں بھائی۔ پلیز کچھ دیر ٹھہر جائیں۔" وہ منت بھرے لہجے میں کہتی اس کے قریب آئی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

وہاب صوفے پر بیٹھا سامنے لیپ ٹاپ رکھ کر کیز دبائے جا رہا تھا۔اب اسے بہزاد شاہ کا جی میل اکاؤنٹ ہیک کرنا تھا اور اس کے لیپ ٹاپ میں موجود لاکڈ فولڈر کھولنے تھے۔اسے ابھی ابھی قاسم نے فون کر کے یہ کرنے کو کہا تھا۔ساتھ اس کا سکرین کوڈ بھی بتا دیا تھا جو عانیہ نے کیمرے میں بہزاد شاہ کو ٹائپ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔اور سپائے کیمرہ کا کوکوڈ بھی دے دیا تھا جس سے وہ بھی بہزاد شاہ کے آفس کی لائیو ویڈیو سٹریمنگ دیکھ سکتا تھا۔

اس نے keylogging کا طریقہ استعمال کیا تھا۔اس طریقے میں اس نے بہزاد شاہ کے لیپ ٹاپ میں ایک ایسا سافٹ ویئر انسٹال کر دیا تھا جس کے ذریعے اس لیپ ٹاپ پر ٹائپ ہونے والے ہر ورڈ کا ریکارڈ اسے ملنا تھا۔اور اسے اندازے سے ان ورڈز میں سے جی میل اکاؤنٹ کا پاسورڈ معلوم کرنا تھا۔یہ کافی انتظار طلب کام تھا۔وہ ایک گھنٹے سے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اب تھک چکا تھا۔لیپ ٹاپ بند کر کے وہ بستر پر آ لیٹا۔دوپہر کے تین بج چکے تھے۔حدیقہ کمرے میں نہیں تھی۔وہ صبح سے رنیم اور عانیہ کے ساتھ تھی اور ابھی تک اسے کوئی لفٹ نہیں کروائی تھی۔وہ کب سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔اب تو اس کے ساتھ کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اس کے بغیر ایک پل گزارنا بھی مشکل لگتا تھا لیکن وہ تھی کہ اسے جان بوجھ کر تنگ کرتی تھی۔جب مزید انتظار نہ ہوا تو اس نے فون آن کیا۔

"ایک کپ کافی لے کر کمرے میں آؤ۔"میسج لکھ کر حدیقہ کو سینڈ کر دیا۔

حدیقہ کے فون کی میسج ٹون بجی تو اس نے فون اٹھا کر میسج پڑھا اور زیر لب مسکرا دی۔وہ جانتی تھی کہ وہ اسے مس کر رہا ہے۔اس نے ایک نظر رنیم اور عانیہ کو دیکھا اور پھر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"رنیم نے حیرت سے پوچھا۔لیکن اس کی آنکھوں میں شرارت صاف نظر آ رہی تھی۔

"کافی بنانے۔"وہ جوتے پہنتے ہوئے بولی۔

"کس کیلیے؟"

"وہاب کیلیے۔"اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہائے حدیقہ یہ تم ہی ہو نا۔ کتنی بدل گئی ہو۔ ایسا کیا جادو کر دیا وہاب بھائی نے تم پر؟"عانیہ نے بھی شرارت سے کہا تھا۔

"کیا مطلب جادو۔ بس کافی ہی بنا کر تو دے رہی ہوں۔ شوہر کی خدمت کرنا بیوی پر فرض ہوتا ہے۔"وہ بولی تو عانیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"واہ واہ۔ دل خوش کر دیا تم نے۔ جاؤ فرمانبر دار بیوی۔ شوہر کی اچھی طرح خدمت کرنا۔"ریئم نے کہا۔ وہ اس کی کمر پر دھپ رسید کرتے ہوئے تیزی سے باہر کو بھاگی تھی۔

کچن میں گئی تو ماما کام کرتی دکھائی دیں۔ اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"وہ وہاب کیلیے کافی بنانی تھی۔"وہ سر کھجاتے ہوئے جھجک کر بولی۔ عمرینہ ہنس پڑی۔

"ماما آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"ارے نہیں۔ میں تو خوش ہو رہی ہوں کہ تم وہاب کا خیال رکھتی ہو ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ تم اگر شرماتی ہی رہی تو وہاب کا کیا بنے گا۔ لیکن لگتا ہے تم کافی بدل گئی ہو اور پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔"وہ پیار سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے بولیں۔ حدیقہ شرمگیں مسکراہٹ لیے چہرہ جھکا گئی تھی۔

پانچ منٹ بعد وہ کافی لیے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاب نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ حدیقہ نے فوراً نظریں جھکائیں اور اس کے قریب آئی۔

"رکھ دو"وہاب نے سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ایک نظر تعجب سے اسے دیکھا اور کافی کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور وہاب سے ذرا دور ہٹ کے کھڑی ہو گئی۔

"تم جانتی ہو نہ مجھے دوپہر کے کھانے کے بعد کافی چاہیے ہوتی ہے۔اب میرا تھکن سے برا حال ہو رہا ہے۔اٹھنے بھی نہیں ہو رہا۔اب وہاں کیا کھڑی ہو۔مجھے اٹھاؤ تو۔"اس کی تھکن کا ڈرامہ عروج پر تھا۔اور معصوم سی حدیقہ کو یہ سب سچ لگ رہا تھا۔وہاب نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔اور پھر اسے پتہ ہی نہ چلا کہ ایک جھٹکے سے وہ اس کے پہلو میں جا گری تھی۔

"ہاہ۔"ڈر کے مارے دل ہی ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔گھبرا کر اٹھنا چاہا لیکن وہ اس کی کمر پر بازو حمائل کر چکا تھا۔اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر وہاب کو دیکھا جو دلفریب سا مسکرا رہا تھا۔اسے سمجھ آگئی کہ وہ ابھی جان بوجھ کر تھکن کا ڈرامہ کر رہا تھا۔

"وہ....کافی۔"وہ بوکھلا کر بولی۔

"کافی تو ایک بہانہ تھا۔تمہیں اپنے پاس بلانے کا۔میری تھکن تو تم ہی اتار سکتی ہو۔"وہ اس کے بالوں سے کھیلتا ہوا آنچ دیتے لہجے میں بولا۔حدیقہ سرخ پڑتا چہرہ اس کے سینے میں چھپا گئی۔اس کی محبت اسے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتی تھی۔وہ خود کو اس دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی سمجھنے لگتی تھی۔لیکن ساتھ ہی ایک ڈر سا رہتا تھا کہ کہیں اس کی محبت اس سے دور نہ ہو جائے۔اس کیلیے تو اب وہاب کے بغیر سانس لینا بھی مشکل تھا۔

"میں آپ کے پاؤں دبا دوں۔"وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔وہاب ہنسا۔

"نہیں بس میرے پاس لیٹی رہو۔"وہ سمجھا تھا کہ وہ اس سے فرار حاصل کرنے کیلیے ایسا کر رہی ہے۔لیکن وہ چپ کر گئی۔

"ارے کوئی اور بہانہ نہیں بناؤ گی؟"وہ اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا۔اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔وہ پریشان ہو گیا۔

"کیا ہوا حدی؟"حدیقہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ لو چھوڑ دیا۔ رونا مت پلیز۔" وہ اس پر سے اپنے بازو ہٹاتے ہوئے بولا۔ حدیقہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور چہرے پر ہاتھ رکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ وہاب مزید پریشان ہو گیا۔ وہ بھی جلدی سے اٹھ بیٹھا اور اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

"کیوں رو رہی ہو؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ حدیقہ نے سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ وہاب کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیوں اچانک رونے لگی تھی۔ تذبذب کے عالم میں اس نے حدیقہ کے گرد بازو حمائل کر کے اس کے سر کو تھپکا۔

"چپ کر جاؤ۔ بے بی۔ مجھے تو کوئی لوری بھی نہیں آتی۔ ہاں گانا ضرور آتا ہے۔ سناؤں۔" وہ اسے چھوٹے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔ حدیقہ روتے روتے مسکرا دی۔

"وہاب.....!" وہ سر اس کے سینے پر رکھے ہوئے ہی بولی تھی۔

"ہمم۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیسا ڈر؟"

"آپ کبھی مجھ سے دور تو نہیں جائیں گے نا؟" اس کے لہجے میں خدشہ تھا۔ وہاب اس کی بات پر حیران ہوا۔ کیا وہ اس وجہ سے رو رہی تھی؟

"نہیں۔"

"وعدہ کریں۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"وعدہ۔" وہاب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر تسلیم خم کیا۔

"اور مجھ سے کبھی ناراض بھی نہیں ہوں گے۔" اس کی نیلی آنکھوں میں خوف تھا۔

"وعدہ رہا۔" وہ مسکرایا۔

"اور ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ کبھی بدل تو نہیں جائیں گے ؟"

" کبھی نہیں بدلوں گا۔جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے نا تب بھی نہیں۔"وہ بولا تو حدیقہ ہنس پڑی۔

"اس وقت ہم کیسے ہوں گے ؟.....ہمارے کتنے بچے ہوں گے ؟"وہاب سوچتے ہوئے بولا۔حدیقہ کا چہرہ شرم کے مارے سرخ ہوا تھا۔اس نے مکا بنا کر وہاب کے کندھے پر مارا۔

"آپ کبھی سیریس نہیں ہو سکتے۔میں یہاں اتنی پریشان ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"پریشان مت ہوا کرو حدی۔میں تم سے کبھی جدا نہیں ہوں گا۔ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔اور دعا کرو جنت میں بھی اکٹھے ہی جائیں۔...... ویسے تمہیں پتہ ہے وہاں ہر مرد کو ستر حوریں ملیں گیں جو بہت خوبصورت ہوں گی۔"وہ پھر پٹڑی سے اتر گیا تھا۔

"آپ بہت برے ہیں۔"وہ جیلس ہوتے ہوئے بولی تھی۔وہاب کا قہقہہ گونجا تھا۔وہ اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہاب کے فون کی میسج ٹون بجی۔اس نے فون پکڑ کر آن کیا تو حریم کی طرف سے میسج تھا۔وہ ایک ویڈیو تھی۔وہاب جانتا تھا وہ حدیقہ کے بارے میں ہی ہو گی۔اس نے ویڈیو آن کی اور اشتیاق سے دیکھنے لگا۔حدیقہ نے بھی آگے ہو کر دیکھا۔

"مر گئے۔"وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔حریم نے وہ ویڈیو ڈیلیٹ نہیں کی تھی جس میں اس نے شفل ڈانس کیا تھا اور عانیہ نے فیڈڈ گانا گایا تھا۔اس نے حریم کا ساتھ نہیں دیا تھا تو اس نے بھی بدلہ لے لیا تھا۔

"واؤ۔حدی یہ تم ہو؟"وہ خوشگوار حیرت سے بولا تھا۔وہ سکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔اس کے پاؤں آگے پیچھے ہوتے اتنے خوبصورت لگ رہے تھے کہ وہ اس کی نظر ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔

"تم نے تو کہا تھا تمہیں ڈانس نہیں آتا؟"ویڈیو ختم ہوئی تو اس نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بس یہی ایک آتا ہے۔"

"چلو اٹھو ابھی میرے سامنے کرو۔" وہ حکمیہ لہجے میں بولا۔

"مجھے شرم آئے گی۔" وہ چہرہ جھکاتے ہوئے بولی۔ وہاب نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"میری شرمیلی سی بیوی اگر تم نے میری بات نہ مانی تو......" وہ ابرو اچکا کر بولا تو وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے کر رہی ہوں۔" خفگی سے کہا۔ وہاب نے وہی سانگ پلے کیا اور حدیقہ نے اس پر ڈانس کرنے لگی۔ وہاب نے غور سے اس کے فٹ سٹیپس کو دیکھا اور خود بھی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ ایک دو سٹیپس کے بعد وہ رک کر پھر حدیقہ کو دیکھنے لگتا اور حدیقہ اس کے اناڑی پن کو دیکھ دیکھ کر ہنسے جا رہی تھی۔

---

وہ رات نو بجے تک وہاب کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کر باتیں کرتا رہا تھا۔ ریئم جب سے گھر واپس آئی تھی اسے تو بھول ہی گئی تھی۔ کل رات بھی عانیہ کے ساتھ سوئی تھی۔ پھر سارا دن بس دور سے ہی اسے مسکرا کر ہائے فائے کر دیتی۔ وہ تو دل ہی دل میں تلملا کر رہ گیا تھا۔ آج رات بھی وہ عانیہ کے ساتھ سونا چاہتی تھی لیکن عانیہ نے زبردستی اس کے کمرے میں بھیجا تھا اور آج عمیر کا موڈ اسے لفٹ کروانے کا نہیں تھا۔ اسی چکر میں اس نے وہاب کو بھی اپنے پاس بٹھائے رکھا اور جب وہ کمرے میں گیا تو حدیقہ سو چکی تھی۔ عمیر نہ چاہتے ہوئے برے برے منہ بناتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ نائٹ بلب آن تھا اور سٹڈی ٹیبل پر لیمپ جل رہا تھا۔ ریئم کتاب پر جھکی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر کتاب بند کی اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے بیڈ پر آ لیٹا۔ ریئم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"انگلش کی بک لے کر آؤں؟" اس نے چھوٹے بچوں کی طرح پوچھا۔ عمیر نے اسے گھور کر دیکھا۔ سارا دن کم تنگ کیا تھا جو اب کسر رہ گئی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے۔ کل پڑھا دوں گا۔" غصہ ضبط کرتے ہوئے اس نے کہا اور کروٹ بدل کر منہ پر کشن رکھ لیا۔ رنیم اس کی طرف آئی۔

"میں دبا دیتی ہوں۔"

"ضرورت نہیں۔ تم سو جاؤ۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی اور کشن پکڑ کر کھینچ لیا۔

"تو میں کیا کروں؟"

"آپ کچھ بھی نہ کریں۔ بس آنکھیں بند کر کے لیٹے رہیں۔ میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔" اس نے مشورہ دیا۔ اور ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے سر میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ عمیر کو دل و دماغ میں سکون سرائیت کرتا محسوس ہوا تھا۔ رنیم کی مسکراتی آنکھیں اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہی تھیں لیکن سیر اب ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ عمیر بھی اس کی مسلسل نظروں کی تپش چہرے پر محسوس کرتا آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا لیکن اس نے آنکھیں نہ چرائیں۔

"خیریت تو ہے؟ آج بڑا پیار آ رہا ہے مجھ پر۔"

"ہاں آپ بہت پیارے جو لگ رہے ہیں۔" وہ خوشامدی لہجے میں بولی۔ عمیر نے خفگی سے اسے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا؟" انگلیاں مسلسل اس کے بالوں میں چل رہی تھیں۔

"نہیں تم سے بہت خوش ہوں۔ اتنی خدمت جو کرتی ہو میری۔" وہ جل کر بولا۔

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے جیسی خدمت گار بیوی آپ کو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔" اس کی بات پر عمیر کو اور تپ چڑھا۔

"فائدہ کیا دوسری بھی تم جیسی ڈھونڈنے کا۔" ریئم نے بمشکل ہنسی روکی۔

"کیا مطلب؟" اس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"تم سے تو اچھی وہ چارلٹ ہی تھی۔ مجھ پر مرتی تھی لیکن میں نے تمہیں اہمیت دی جسے میری ذرا بھی پروا نہیں۔ تم جانتی ہو نہ میں تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتا اور تم جان بوجھ کر مجھے تنگ کرتی ہو۔" وہ چھوٹے بچوں کی طرح شکوہ کر رہا تھا۔

"اچھا آپ ناراض تو مت ہوں۔ میں اب آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔" وہ واقعی پریشان ہو گئی۔

"نہیں تم جاؤ اپنی سہیلیوں کے پاس۔ میں بھی تمہارے لیے مرا نہیں جا رہا۔" وہ نروٹھے پن سے بولتا کروٹ بدلنے لگا۔ ریئم نے اسے کندھے سے پکڑ کر روکا۔

"سوری نا۔ اب نہیں کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔ اس کی شکل رونے والی ہو گئی تھی۔ عمیر کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔

"وعدہ؟"

"پکا وعدہ۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں ایک شرط پر معافی ملے گی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ سمجھ کر سٹپٹائی اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی کلائی عمیر کے ہاتھ میں آچکی تھی اور اگلے ہی پل وہ اس کی آغوش میں تھی۔

---

"اپنے بھائی کو اتنی جلدی معاف کر دیا اور مجھے کب معاف کرو گی؟" سمیع نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔ وہ دونوں کھڑکی کے پاس کھڑے تھے اور باہر تاریک آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں چاند مدھم سا چمک رہا تھا۔ کمرے میں نائٹ بلب آن تھا۔ حریم نے چاند سے نظریں ہٹائیں اور اسے دیکھا۔

"تمہارا قصور نہیں تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"واقعی؟"

"ہاں سارا قصور میرا تھا۔ مجھے زہر نہیں کھانا چاہیے تھا اور تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ تم پر اعتبار کرنا چاہیے تھا کہ تم مجھے بچا لو گے" وہ سچائی سے بول رہی تھی۔

"تمہاری بھی کوئی غلطی نہیں۔ قسمت میں ایسا ہونا ہی لکھا تھا۔ اور ہمارا ملنا بھی لکھا تھا۔ مجھے تو لگتا تھا کہ تم پانچ چھ سال مجھے انتظار کرواؤ گی لیکن دیکھو خدا کو مجھ پر ترس آگیا اور تم اتنی جلدی میری ہو گئی۔" اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جو اس کے وجیہہ چہرے کو اور بھی پرکشش بنا رہی تھی۔

"اور میں نے بھی کہاں یہ سوچا تھا کہ میری شادی اتنی جلدی ہو جائے گی۔ ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی میں۔ میری ایک دوست کی بچپن میں ہی شادی ہوئی تھی اور میں نے اس کا اتنا مذاق اڑایا تھا کہ پوچھو ہی مت۔ اب اگر اسے پتہ چلے تو وہ مجھ سے بدلہ لیے بغیر ٹلے گی نہیں۔" وہ بولتے ہوئے زارا کو یاد کرنے لگی تھی جو اس کی سکول میں بیسٹ فرینڈ تھی۔ سمیع دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور وہ اجنبیت کی ساری دیواریں گرا کر اس سے اپنی ہر بات کہہ رہی تھی۔ اپنے بچپن کی باتیں، ماں باپ کا سلوک، بھائی کا اس کی حمایت کرنا، اس کا ضد کرنا اور جب کوئی چیز ضد کر کے مل جاتی تو خوشی کا احساس۔ وہ آدھی رات تک اس سے باتیں کرتی رہی تھی اور وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ جب وہ باتیں کرنے کے موڈ میں ہوتی تو باتیں کرتی ہی چلی جاتی۔ ٹائم گزرنے کا اسے احساس تک ہی نہیں ہوتا تھا۔ اب آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئیں تو وہ خاموش ہوئی تھی۔

"اوہ دو بج گئے اور ہم باتیں کرتے رہے۔" وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ سمیع نے اس کے ہم کہنے پر مسکراہٹ روکی۔ وہ بے چارہ تو صرف باتیں سن رہا تھا۔

"تم بتا ہی دیتے اتنا وقت ہو گیا ہے۔ تمہیں نیند آئی ہو گی نا؟" وہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"نہیں آئی۔ویسے بھی تمہارے لیے میرے پاس ابھی وقت ہی وقت ہے۔پھر میں چلا جاؤں گا تو تم اکیلی بور ہوتی رہو گی۔"وہ بولا تو حریم اداس ہو گئی۔

"میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی سمیع؟"اس کی بلی جیسی آنکھوں میں نمی ابھری تھی

"مجھے یاد کرنا۔"

"مجھے بہت رونا آئے گا۔"

"ارے رونا مت۔میں کونسا دوسرے جہان جا رہا ہوں۔ٹریننگ کیلیے ہی جا رہا ہوں۔تم سے فون پر بھی بات کروں گا اور ابھی پورا ایک مہینہ ہے۔ابھی تو انجوائے کرو۔"

"اچھا جانے سے پہلے مجھے ہنی مون پر لے کر جاؤ گے نا۔"اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔چائینیز ڈرامے دیکھ دیکھ کر اس کا دل کرتا تھا کہ وہ چین جائے۔پتہ نہیں اب سمیع مانتا بھی تھا کہ نہیں۔

"کہاں جانا ہے میری بلی نے؟"وہ اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولا تھا۔

"چائنا۔"وہ مسکرا کر بولی۔سمیع نے اسے تعجب سے دیکھا۔

"چائنا کیوں؟"

"بس وہ مجھے بہت پسند ہے۔میں تو چائنیز زبان بھی سیکھنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔"

"اوکے۔تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔پھر چلیں گے۔"

"واؤ۔یو آر گریٹ۔سمیع۔"وہ خوشی سے چیختی اس کے گلے میں بازو ڈال کر جھول گئی۔سمیع نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے چہرہ اس پر جھکایا تو اسے خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔بوکھلا کر وہ اس کی گرفت میں مچلی تھی۔لیکن وہ اسے کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔اس کی سانسیں چہرے پر محسوس کرتے ہوئے حریم کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں اور ندی کی طرح شور مچاتیں کسی انوکھی سی لے پر بہنے لگی تھیں۔

-------------------------------

صبح کے گیارہ بج چکے تھے۔اس کی گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔وہ فارم ہاؤس سے واپس آ رہی تھی۔گھر ابھی دور ہی تھا۔اچانک ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا فون بجا تھا۔اس نے سامنے سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔وہ ارحم کا نمبر تھا۔پرسوں وہ اس سے ملی تھی اور اس کے بعد اس نے فون نہیں کیا تھا۔عانیہ نے اس کا دو دفعہ نمبر دیکھا تھا اور اب اس کے نمبر کو پہچان گئی تھی۔اس نے اسے اپنے باپ کے ارادوں سے باخبر کیا تھا تبھی اس نے اب اس کا فون اٹھا لیا تھا۔

"کون؟"فون کان سے لگاتے ہوئے بولی۔

"میں ارحم بات کر رہا ہوں۔مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔"وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔عانیہ کے دل میں پریشانی جاگی تھی۔

"کیا؟"

"فون پر نہیں آپ مجھ سے ملنے آ جائیں۔"

"سوری میں بزی ہوں۔"

"سمجھنے کی کوشش کریں۔یہ بہت ضروری ہے۔اگر آپ نے میری بات نہ سنی تو آپ کو بہت پچھتانا پڑے گا۔آپ کے ساتھ ساتھ ریان بھی خطرے میں ہے۔"وہ بولا تو عانیہ نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔

"ریان؟....."

"ہاں میں آپ کو مل کر تفصیل بتا دوں گا۔میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر آپ کی مدد کر رہا ہوں اس لیے آپ کو بھی آنا پڑے گا۔"اس نے باور کرواتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"عانیہ نے تیزی سے پوچھا تو ارحم نے اسے ایک ریسٹورنٹ کا ایڈریس دے دیا

"میں آرہی ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا اور پریشانی کے عالم میں ریان کے بارے میں سوچتی گاڑی اس ریسٹورنٹ کے راستے پر ڈال دی۔

اور ارحم جو بہزاد شاہ کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا فون بند کر کے پراسرار سا مسکرا دیا۔

"آرہی ہے پھر؟"

"ہاں لیکن وہ اکیلی بہت سوں کو ناکوں چنے چبوا دیتی ہے۔ اسے قابو کرنا آسان نہیں۔"

"تم فکر مت کرو میں نے سب انتظام کر رکھا ہے۔" بہزاد شاہ نے کہا۔ عانیہ کو جس ریسٹورینٹ کا ایڈریس دیا تھا وہ شہر سے باہر جاتی کسی سنسان سڑک پر واقع تھا۔ اس سڑک پر ان کی چار گاڑیاں موجود تھیں جس میں بہزاد شاہ کے آدمی بیٹھے تھے۔ عانیہ نے جب وہاں سے گزرنا تھا تو انہوں نے اس کا پیچھا کرنا تھا۔ ریسٹورینٹ میں بھی ان کے کافی لوگ موجود تھے۔ وہ سب کسی ہنگامی صورتحال کو کنٹرول کرنے کیلیے تھے ورنہ عانیہ کو اغوا کرنے کا پلان بہت سادہ تھا۔ اسے کافی یا جوس میں بے ہوشی کی دوا دی جا سکتی تھی۔ بے ہوشی کی گیس بھی ان کے پاس موجود تھی۔ وہ اسے اغوا کرنے کیلیے پوری طرح سے تیار تھے۔

"لیکن بابا اسے کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں جتنا بھی برا ہوں لیکن وعدے سے نہیں پھرتا۔ یہ تم جانتے ہو۔" بہزاد شاہ نے کہا۔ ارحم مطمئن سا مسکرا دیا۔

اور اس آفس میں ٹائم پیس میں لگے ننھے سے سپائے کیمرہ نے ان کی ہر بات ریکارڈ کر کے قاسم تک پہنچا دی تھی۔ ان کی قسمت بری کہ وہ یہ منصوبہ اس آفس میں بیٹھ کر بنا رہے تھے جہاں عانیہ نے سپائے کیمرہ لگایا ہوا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد قاسم نے وہ ریکارڈنگ ویڈیو دیکھ لی تھی اور اب وہ تیزی سے عانیہ کو کال ملا رہا تھا۔

عانیہ اس ریسٹورنٹ سے پانچ منٹ کی دوری پر تھی جب اس کا فون بجا۔ قاسم کا نمبر دیکھ کر اس نے جلدی سے فون اٹھایا۔

"عانیہ آپ کہاں ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں......ڈرائیونگ کر رہی ہوں۔" اس نے رک کر کہا۔

"وہیں رک جائیں۔ آپ بہزاد شاہ کے ٹریپ میں پھنسنے جا رہی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" اسے حیرت ہوئی۔

"وہ اور اس کا بیٹا آپ کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ابھی سپائے کیمرہ کی ویڈیو دیکھی ہے۔ وہ اسی آفس میں بیٹھ کر آپ کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔" عانیہ نے گہری سانس لی۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں اتنی جلدی ان کے قابو میں نہیں آنے والی۔" ریسٹورنٹ سے اس کی دوری صرف دو منٹ کی رہ گئی تھی اور اسے اپنے تعاقب میں آنے والی چار گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ریسٹورینٹ کے گیٹ پر بھی کافی لوگ کھڑے تھے اور عانیہ کی چھٹی حس نے کہا تھا یہ بھی بہزاد شاہ کے آدمی ہیں۔ وہ گاڑی واپس موڑ بھی نہیں سکتی تھی اور روک بھی نہیں سکتی تھی۔ پسٹل بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے گاڑی کی سپیڈ سلو کی اور پیچھے آنے والوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ ریسٹورنٹ کے سامنے رکنے والی ہے۔ سامنے والے بھی الرٹ ہو گئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے بالکل سامنے پہنچ کر اس نے اچانک ہی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور گاڑی آگے کی جانب بڑھا لے گئی۔ وہاں کھڑے لوگ یکدم ہی بوکھلا گئے اور چیخ چیخ کر اس کے پیچھے آنے والی گاڑیوں کو اس کا پیچھا کرنے کیلیے کہنے لگے۔ جب تک ان کو سمجھ آئی عانیہ کافی آگے پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنی رفتاریں تیز کر دیں۔ ارحم کو بھی اس کے بھاگنے کی خبر دے دی گئی تھی۔ وہ غصے سے انہیں ہدایات دینے لگا تھا۔

عانیہ نے آگے جا کر ایک چوک پر گاڑی دائیں طرف موڑلی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ گاڑیاں اسے اپنے پیچھے آتی دکھائی دیں۔ آگے گاڑیوں کا رش بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ گاڑیوں کو تیزی سے اوور ٹیک کرتی کچھ دیر کیلیے پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ عانیہ اس علاقے کو پہچانتی تھی۔ یہاں سے اس کا اپنا گھر نزدیک ہی تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر موڑ کاٹا۔ ایک گاڑی بہت تیزی سے اس کے قریب آرہی تھی۔ ان کے پاس پسٹلز بھی تھیں لیکن رش کی وجہ سے وہ اس کی گاڑی کے ٹائرز کو نشانہ نہیں بنا پا رہے تھے۔ ورنہ اب تک اس کی گاڑی بے کار ہو چکی ہوتی۔

سامنے ہی چوک تھا اور سگنل بند تھا۔ دس پندرہ گاڑیاں اور بائیکس وہاں رکے ہوئے تھے۔ اس نے گاڑی فٹ پاتھ کی طرف لا کر روک دی اور اپنا فون اٹھا کر تیزی سے باہر نکلی۔ وہ گاڑی بھی اس کے قریب ہی رک چکی تھی۔ وہ ایک نظر ان لوگوں کو دیکھ کر آگے کی طرف بڑھی اور گاڑیوں کے درمیان سے بھاگتی زیبرا کراسنگ پر پہنچ گئی۔ پھر بائیں طرف مڑ کر تیزی سے بھاگنے لگی۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے آرہے تھے۔ ان کی تعداد پانچ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اور اگر عانیہ چاہتی تو یہیں ان کو دھول چٹا دیتی لیکن اس نے ریان سے وعدہ کی تھا کہ وہ اپنی حفاظت کرے گی۔ خود کو کسی مشکل میں نہیں ڈالے گی۔ اس لیے وہ کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی۔

پارک کے سامنے سے گزر کر وہ اپنے گھر کی سڑک پر آچکی تھی۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ گھر کی دیوار کے پاس پہنچ کر وہ ایک ہی جست میں دیوار پر چڑھ گئی اور اندر کود گئی۔ اسی وقت وہ لوگ اس سڑک پر آئے تھے اور اسے اپنے سامنے نہ پا کر سمجھ گئے تھے کہ وہ یہیں کہیں کسی گھر میں چھپ گئی ہے۔ کیونکہ وہ سیدھی لمبی سڑک تھی اور اس کے دائیں بائیں کوئی سڑک نہیں نکلی تھی۔ وہ فون پر ارحم کو صورتحال کی تفصیل بتانے لگے۔

"وہ وہیں ہو گی۔ میں مزید آدمی بھیج رہا ہوں اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لو۔ گھروں کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں۔ دور سے ہی نظر رکھنا۔ وہ زیادہ دیر اندر چھپ کر نہیں رہے گی۔" ارحم نے حکم دے کر فون بند کر دیا۔

"اتنی چالاک لڑکی میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ دیکھی ہے۔ اسے یہ خبر کیسے ہو گئی کہ ہم اسے ٹریپ کر رہے ہیں۔" وہ غصے اور بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ اب اسے بہزاد شاہ کو اپنی ناکامی کی داستان سنا کر بے عزتی کروانی تھی۔

---------------------------------------

"اب کہاں ہیں آپ؟" قاسم نے فون پر اس سے پوچھا۔

"میں اب اپنے گھر ہوں۔ یہ قریب ہی تھا۔ میں گاڑی سڑک پر ہی کھڑی کر کے یہاں آگئی ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے یہاں آتے نہیں دیکھا۔"

"ہاں ان کی باتوں سے ایسا ہی لگ رہا کہ ابھی تک آپ کا سراغ انہیں نہیں مل سکا۔ لیکن وہ لوگ آپکے گھر کے آس پاس ہی ہیں اور ارحم نے مزید لوگ بھی وہاں بھیج دیے ہیں۔ آپ باہر مت نکلنا۔ کوئی اور ہے آپ کے پاس؟" وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں میں اکیلی ہوں۔"

"اوہو کسی کو تو آپ کے پاس ہونا چاہیے۔"

"میں وہاب بھائی کو بلا لیتی ہوں۔"

"جلدی بلا لیں پھر۔ اور کوئی مسلہ ہو تو مجھے فوراً بتائیے گا۔"

"اوکے۔" اس نے کال کاٹ کر وہاب بھائی کو کال کی۔

"وہاب بھائی کہاں ہیں آپ؟"

"میں اور حدیقہ باہر آئے ہوئے تھے۔"

"آپ کو میرے گھر کا پتہ ہے نا۔"وہاب نے اس کی آواز میں ہلکی سی پریشانی محسوس کی تھی۔

"ہاں۔"وہ اچنبھے سے بولا۔

"آپ یہاں آسکتے ہیں؟"

"عانیہ کیا ہوا ہے؟"وہ تشویش سے پوچھنے لگا۔حدیقہ بھی اسے غور سے دیکھنے لگی تھی۔

"وہ بہزاد شاہ کے آدمی میرے پیچھے لگ گئے تھے تو میں یہاں آگئی ہوں...."وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہاب نے اس کی بات کاٹی۔

"میں آرہا ہوں تم ٹینشن مت لو۔"

"احتیاط سے آیئے گا۔وہ لوگ میرے گھر کے آس پاس ہی ہیں۔"

"اوکے۔"وہاب نے فون بند کیا اور حدیقہ کو لے کر گاڑی کی طرف آیا۔راستے میں اس نے حدیقہ کو ساری بات بتائی۔عانیہ کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر ہارن بجایا تو عانیہ نے گیٹ کھولا لیکن خود گیٹ سے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔وہاب نے خود گاڑی سے نکل کر گیٹ بند کیا تھا۔کچھ لوگ دور کھڑے تھے لیکن ان کا دھیان کہیں اور تھا۔انہیں کسی قسم کا شک نہیں پڑا تھا۔

اندر آنے کے بعد اس نے وہاب کو ساری بات بتائی۔

"ڈونٹ وری عانیہ۔تم بہت بہادر ہو۔تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"وہاب نے اسے تسلی دی۔وہ پھیکا سا مسکرائی۔اس کا دل کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔اسے لگ رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ورنہ پہلے جتنی بھی مشکل ہوتی اسے پریشانی نہیں ہوتی تھی۔شاید اس دفعہ اسے اپنی زندگی کی فکر ہوئی تھی۔اسے اب زندگی حسین لگنے لگی تھی۔وہ

خود کو تسلی دے رہی تھی لیکن دل مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔اس کی چھٹی حس کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔اب وہ سوچ رہی تھی کہ وہاب بھائی اور حدیقہ کو یہاں بلا کر اس نے ان دونوں کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا۔

حدیقہ نے بھی اسے تسلی دی۔وہاب نے فون کر کے حیدر انکل کو بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔انہوں نے عانیہ کو کسی نا کسی طرح وہاں سے نکلنے کو کہا تھا لیکن ابھی یہ ممکن نہیں تھا۔وہ عمیر کو اس کے پاس بھیجنا چاہتے تھے لیکن عانیہ نے منع کر دیا۔وہ اب مزید کسی کو بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔حیدر علی نے پھر مرتضیٰ ملک کو فون کر کے ساری صورتحال بتائی۔انہیوں نے سمیع کو عانیہ کے پاس جانے کا کہا۔وہ اپنے ساتھ بیس لوگوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔بہزاد شاہ کے آدمی یہ دیکھتے ہی ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔سمیع نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی تھی۔لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ایک تو وہ گھروں میں داخل ہو کر تلاشی نہیں لے سکتے تھے اور ہر راہ جاتے پر شک بھی نہیں کر سکتے تھے۔انہیں وہاں سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا لیکن جاتے جاتے ایک شخص عانیہ کا گھر دیکھ گیا تھا جہاں سمیع داخل ہوا تھا۔اس کے ساتھ حریم بھی تھی۔اس نے یہاں آتے ہی حریم کو اندر بھیج دیا تھا۔

اب وہ پانچوں اندر موجود تھے۔سمیع مسلسل باہر اپنے آدمیوں کے ساتھ رابطے میں تھا۔وہ ابھی بہزاد شاہ کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے اس لیے وہ لوگ گھر سے نہیں نکل سکتے تھے۔رات کو انہوں نے یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہاب اپنا لیپ ٹاپ ساتھ ہی لایا تھا۔اس نے ایک گھنٹے تک مسلسل کوشش کے بعد بہزاد شاہ کا لیپ ٹاپ ہیک کر ہی لیا اور اس کا سارا ڈیٹا قاسم کو بھیج دیا۔

------------------------------

شام کے سات بج چکے تھے۔ سمیع کے آدمیوں نے سارا علاقہ چیک کر لیا تھا۔ بہزاد شاہ کے آدمی انہیں کہیں نہیں ملے تھے۔وہ لوگ عانیہ کے گھر کے باہر جمع ہونے لگے۔ انہیں عانیہ کو یہاں سے بحفاظت نکالنا تھا۔

"عانیہ جلدی باہر آؤ۔ راستہ کلیر ہے۔ تمہیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے۔" قاسم نے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ وہاب اور حدیقہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ حریم بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔ سمیع کے ساتھ اس کے تین ساتھی گاڑی میں تھے۔ باقی لوگ چار گاڑیوں میں تھے۔ دو گاڑیاں عانیہ کی گاڑی کے آگے تھیں اور دو سمیع کی گاڑی کے پیچھے تھیں۔ وہ لوگ پوری طرح مسلح تھے۔ لیکن دیکھنے والوں کو یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ سب ایک ہی ٹیم ہیں۔ انہیں عانیہ کو بحفاظت شہر سے باہر کسی خفیہ جگہ پر پہنچانا تھا۔ اگر وہ اکیلی جاتی تو خطرہ زیادہ تھا لیکن اب اس کیلیے لڑنے والے کئی محافظ تھے جو اس کیلیے جان دینے کو تیار تھے۔ سمیع کے پاس بھی پاور تھی لیکن بہزاد شاہ اس سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس لیے عانیہ کو ایک دو دنوں کیلیے چھپا کر رکھنا ضروری تھا۔ قاسم نے کہا تھا کہ کل تک بہزاد شاہ اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ اسی لیے وہ اس سے لڑنے کی بجائے اس سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عانیہ کو اتنی سیکیورٹی پر کافی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ سے سب کو اتنی پریشانی اٹھانی پڑ رہی تھی۔ اس نے سمیع کو منع بھی کیا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر چپ کروا دیا تھا کہ وہ ریان کو فون کر کے یہاں بلا لے گا۔ اور عانیہ یہ نہیں چاہتی تھی کیونکہ ریان کو دو مہینے سے پہلے چھٹی نہیں ملنی تھی اور اس نے خوامخواہ پریشان ہو جانا تھا۔ سو چپ کر گئی۔

وہ ٹو وے روڈ تھا اور رش کم تھا۔ ایک دو منٹ بعد کوئی ایک دو گاڑی گزر جاتی تھی۔ ان کی گاڑیاں ابھی گھر سے کچھ ہی دور تھیں کہ ان کے دائیں جانب والی سڑک پر جس پر دو گاڑیاں سامنے سے آ رہی تھیں ایک گاڑی میں سے فائرنگ ہوئی تھی۔ گولیاں عانیہ کی گاڑی کے ٹائروں پر لگی تھیں۔ وہاب نے بمشکل گاڑی کو کنٹرول کیا اور بائیں طرف رخ موڑ کر کچے راستے پر روک دیا۔ سب الرٹ ہو گئے تھے۔ آن کی آن میں سب گاڑیوں کے دروازے

کھلے تھے اور وہ سب باہر نکلے تھے۔ سمیع نے گاڑی وہاب کی گاڑی کے سامنے روکی تھی تاکہ وہ لوگ خطرے سے محفوظ رہیں۔ سڑک کے دوسری طرف سات آٹھ گاڑیاں رک چکی تھیں جس کا مطلب وہ بھی کافی تعداد میں تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان پر گولیوں کی بوچھاڑ برساتے سمیع نے سب کو اپنی اپنی پوزیشن سنبھالنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب گاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ بہزاد شاہ کے آدمی ان کو چھپتے دیکھ کر شیر ہو گئے اور فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ گولیاں گاڑیوں میں لگ رہی تھیں۔

"وہاب تم کسی طرح ان تینوں کو یہاں سے لے کر نکلو۔ ہم ان کو یہاں روکتے ہیں۔" سمیع نے وہاب سے کہا۔

"میں ان سب کو یہاں پھنسا کر خود بھاگ جاؤں؟" عانیہ نے غصے سے پوچھا۔

"عانیہ جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ان کی تعداد زیادہ ہے۔ میں نے پولیس کو کال کر دی ہے لیکن ان کے پہنچنے تک ہمیں سنبھالنا پڑے گا۔ اس لیے پلیز میری بات مانو۔" سمیع نے اسے سمجھایا۔ پولیس میں کچھ لوگ جو مرتضیٰ ملک کے دوست تھے سمیع نے انہیں فون کر کے بلا لیا تھا۔

عانیہ ابھی بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ وہاب نے بھی سختی سے اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔ وہ چاروں اب گاڑی کے بائیں جانب کھڑے تھے۔ ان کے سامنے ایک پارک تھا۔ اس کی چاردیواری چھوٹی تھی۔ وہ لوگ باآسانی اندر کود سکتے تھے۔ فی الحال انہیں یہیں چھپنے کی جگہ مل سکتی تھی۔ وہ یہاں سے کسی دوسری طرف بھی نکل سکتے تھے۔

بہزاد شاہ کے آدمی جب سمیع کے ساتھیوں کی رینج میں آئے تو انہوں نے بھی فائر کھول دیے۔ پانچ آدمی ایک ساتھ گرے تھے۔ باقی پیچھے بھاگے تھے لیکن گولیاں ان کے جسموں سے ٹکرا کر انہیں گرنے پر مجبور کر گئیں۔ سمیع کے ساتھی ٹریننگ یافتہ سیکیورٹی گارڈز تھے اور ان کی حکمت عملی بھی بہترین تھی۔ ابھی ان میں سے کوئی بھی زخمی نہیں ہوا تھا۔ مقابلہ دونوں جانب جاری تھا۔ عانیہ، حریم اور حدیقہ وہاب کے ساتھ اس پارک کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں ایک ساتھ دو تین درخت تھے۔ اندھیرے میں دوسری طرف موجود بہزاد شاہ کے

آدمیوں کو وہ جاتے ہوئے نظر نہیں آئے تھے۔ ابھی وہ لوگ درختوں کے پیچھے پہنچے ہی تھے کہ ایک گاڑی سمیع کے ساتھیوں کی گاڑی کے پیچھے آکر رکی تھی۔ اس کے ساتھ موٹر سائیکل سوار بھی تھے۔ انہوں نے پیچھے سے سمیع کے ساتھیوں پر فائرنگ کی اور ان کے ایک ساتھ پانچ چھ آدمی گر پڑے تھے۔ عانیہ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا یہ سب گولیاں اس کے دل میں اتر رہی ہوں۔ اس کی وجہ سے اتنے لوگ جان سے جا رہے تھے اور یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔ وہاب نے اسے جاتے دیکھا تو حدیقہ اور حریم کو وہیں درخت کے پیچھے چھوڑ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا۔

"عانیہ کہاں جا رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے آتے ہوئے غصے سے بولا تھا۔ عانیہ کے آنسو گرتے دیکھ کر وہ لب بھینچ گیا۔ وہ دوسروں کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔

"عانیہ۔ پلیز چلو۔" وہ منت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ اچانک کچھ لوگ ان کے سامنے آ گئے۔ وہاب نے مڑ کر دیکھا۔ وہ وہی لوگ تھے جو ابھی یہاں پہنچے تھے۔ باقی لوگ ابھی سمیع کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے اور بہزاد شاہ کا پلڑا بھاری ہو چکا تھا۔ وہ آگے اور پیچھے دونوں طرف سے ان پر حاوی ہو چکے تھے۔ اور عانیہ تک بھی پہنچ چکے تھے۔

"لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔" ایک شخص نے پسٹل وہاب کی طرف تانتے ہوئے کہا۔ وہ ارحم تھا۔ عانیہ اسے پہچان چکی تھی۔ وہاب عانیہ کے سامنے آ گیا تھا۔ عانیہ نے اسے اپنے سامنے سے ہٹانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی گولی چل گئی۔ اور اگلے ہی پل وہاب کے سینے سے خون نکلنے لگا تھا۔ وہ تکلیف کی شدت کو برداشت کرتا پیچھے کی جانب گرا تھا۔ حدیقہ کو یہ دیکھ کر اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ حریم نے اسے سہارا دے کر نیچے گرنے سے بچایا تھا۔ اور دوسری طرف وہاب کو عانیہ نے سہارا دیتے ہوئے نیچے لٹایا تھا۔ اس کا دماغ

کچھ لمحوں کے لیے سن ہوا تھا۔ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ لیکن ابھی اسے ہمت نہیں ہارنا تھی۔اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ اتارا اور وہاب کے سینے پر رکھ کر زور سے دبا دیا۔

"بھائی...... آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی اذیت سے رو رہی تھی اور وہاب کی آنکھیں بند ہو رہیں تھیں۔وہ حدیقہ کو پکار رہا تھا لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔عانیہ نے اس کے جیکٹ کی جیب میں پڑی پسٹل کو پکڑا اور تیزی سے نکال کر اپنے سامنے کھڑے ارحم کی طرف تانا۔وہ پہلے ہی اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔ تیزی سے اپنے ساتھی کے پیچھے ہو گیا۔عانیہ نے ان کی طرف اندھا دھند فائرنگ کرنا شروع کر دی اور دو تین لوگ گولی کا شکار ہو گئے۔ ایک ہاتھ ابھی وہاب کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ جس سے خون کا بہاؤ رک گیا تھا۔وہ لوگ مقابلہ کرنے کی بجائے مڑ کر پیچھے بھاگے تھے اسی اثناء میں سمیع وہاں پہنچ گیا اور وہاب کو نیچے گرا دیکھ کر اس کے قدموں سے جان نکلی تھی۔عانیہ نے سمیع کو دیکھا تو فوراً اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

"سمیع وہاب بھائی کو گولی لگ گئی ہے۔انہیں جلد از جلد ہاسپٹل پہنچانا ہے۔پلیز کچھ کرو۔انہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سمیع تیزی سے وہاب کی طرف بڑھا۔عانیہ ان لوگوں کی طرف دوڑی۔ سمیع نے اس کے پیچھے بھاگ کر بمشکل اسے روکا۔

"عانیہ رک جاؤ۔"

"سمیع تم نے سنا جو میں نے کہا؟..... وہاب بھائی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ورنہ میں حدیقہ کو کیا جواب دوں گی۔تم میری فکر چھوڑو اور پانچ منٹ میں ہاسپٹل پہنچو۔میں یہاں سنبھالتی ہوں..... جاؤ۔" اس نے چلاتے ہوئے کہا تو سمیع وہاب کی طرف مڑا۔

سمیع کے دس ساتھی ابھی بھی مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔عانیہ نے ان کے عقب میں آنے والے ہر شخص کو نشانہ بنایا۔وہاں اسے کئی پسٹلز نیچے پڑی ملیں تھیں۔ایک میں گولیاں ختم ہوتیں تو وہ دوسری پسٹل اٹھالیتی۔جب وہ سب عقب سے محفوظ ہوگئے تو عانیہ ان کی طرف آئی۔

"مقابلہ روک دیں سب۔" وہ گاڑی کے اوپر چڑھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ سمیع وہاب کو لے کر ہاسپٹل کی طرف روانہ ہوچکا تھا ورنہ اسے روکنے کی کوشش کرتا۔پیچھے سے وہ لوگ اسے روک رہے تھے لیکن عانیہ کا دھیان سامنے تھا۔جہاں بہزاد شاہ کے آدمی کھڑے تھے۔ارحم سب سے آگے تھا۔اس نے عانیہ کے کہنے پر سب کو فائرنگ کرنے سے روک دیا۔وہ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس نے سامنے چھلانگ لگائی اور خالی ہاتھ ارحم کی طرف بڑھنے لگی۔وہ جانتی تھی کہ ارحم اسے گولی نہیں مارے گا۔

"میں تم لوگوں کے ساتھ چلنے کیلیے تیار ہوں۔" وہ اس کے سامنے رک گئی۔ارحم مسکرایا۔

"لیکن مجھے اپنے ساتھ لے کر جانے کیلیے تمہیں کچھ تو تکلف کرنا پڑے گا۔" وہ کہہ کر اچھلی اور اگلے ہی پل اس کے دونوں پاؤں ارحم کے منہ پر لگے تھے۔اس کے ساتھی آگے بڑھے۔ارحم نے انہیں گولی چلانے سے منع کیا۔وہ سب لوگ عانیہ کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن کچھ ہی دیر میں پانچ آدمی نیچے گرے تڑپ رہے تھے۔عانیہ نے ہاتھ پاؤں چلانے کے علاوہ ایک سے پسٹل کھینچ کر ان پر فائرنگ بھی کر دی تھی۔سمیع کے ساتھی اب فائرنگ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ عانیہ ان کے درمیان موجود تھی۔وہ لوگ اس کی مدد کیلیے قریب آنے لگے لیکن بہزاد شاہ کے آدمیوں نے فائرنگ کے ذریعے انہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ارحم اپنے ساتھیوں کی مدد سے اپنا بچاؤ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔اس نے اپنی جیب سے ایک انجیکشن نکالا اور عانیہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔وہ ابھی ابھی ایک آدمی کو گرا کر سیدھی کھڑی ہوئی تھی کہ اسے اپنی گردن پر سرنج چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس دوا کا اتنا جلدی اثر ہوا تھا کہ وہ اگلے ہی پل ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر ارحم کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

"جب تک میں یہاں سے نکل نہ جاؤں۔ تم لوگ ان کے ساتھ لڑو۔ پھر بھاگ جانا۔" ارحم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور عانیہ کو لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس کے جانے کے دو منٹ بعد ہی پولیس وہاں پہنچی تھی اور اس کے ساتھی یا تو پکڑے گئے یا گولی کا شکار ہو گئے۔

------------------------

وہاب کا آپریشن آدھے گھنٹے سے جاری تھا۔ اس کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔ گولی دائیں طرف دل سے تھوڑا اوپر لگی تھی۔ اور آپریٹنگ کے دوران خون بہے جا رہا تھا۔ ڈرپس کے ذریعے اسے مسلسل خون دیا جا رہا تھا۔ بچنے کے ففٹی پرسنٹ چانسز تھے۔

آپریشن تھیٹر سے باہر حیدر علی، عمرینہ، عمیر، رنیم اور حریم موجود تھے۔ سب ہی صدمے اور شاک کے عالم میں تھے۔ عمرینہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ رنیم اور حریم انہیں سہارا دے رہی تھیں۔ عمیر اور حیدر علی وہاب کیلیے دعا کر رہے تھے۔ اس کی پریشانی میں کسی کو حدیقہ اور عانیہ کا ہوش نہیں رہا تھا۔ حدیقہ تو بے ہوش ہو گئی تھی اور اسے اسی ہسپتال کے ایک کمرے میں اس کا علاج ہو رہا تھا۔

سمیع جب وہاب کو لے کر یہاں پہنچا تھا تو اس کے پندرہ منٹ بعد ہی پولیس کے کئی آدمی اس کے زخمی ساتھیوں کو لے کر اسی ہسپتال میں آ گئے تھے۔ وہی اپنے ساتھ حریم اور حدیقہ کو لائے تھے۔ سمیع نے ان سے وہاں کی صورتحال پوچھی۔

"دو لڑکوں کی حالت تشویشناک ہے بس۔ باقی کچھ زخمی ہوئے ہیں۔ اور ان کے کئی آدمی پکڑے جا چکے ہیں اور باقی مر گئے ہیں۔" ایک پولیس اہلکار نے بتایا۔

"عانیہ کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہی دو لڑکیاں تھیں وہاں۔ ہم ان دونوں کو لے آئے ہیں۔" اس نے بتایا تو سمیع نے پریشانی سے نفی میں سر ہلایا۔ عانیہ بہزاد شاہ کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ وہ بھاگنے کی بجائے ان کے مقابلے پر اتر آئی ہو گی۔ اس کی تصدیق بعد میں اس کے ایک ساتھی نے بھی کر دی تھی۔

"وہ فائرنگ کے دوران گاڑی کے اوپر کھڑی ہو گئی تھی اور ان لوگوں سے کہا تھا کہ مقابلہ روک دیں۔ وہ رک گئے۔ پھر وہ ہمارے منع کرنے کے باوجود ان کی طرف چلی گئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ جانے کیلیے تیار ہے اور ان سے لڑنے لگی تھی۔ ہم گولی بھی نہیں چلا سکتے تھے کہ کہیں عانیہ کو نہ لگ جائے۔ ہم نے قریب جا کر لڑنے کا فیصلہ کیا لیکن انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ پھر مجھے گولی لگ گئی تھی اور اس کے بعد کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔" اس کے کندھے پر گولی لگی تھی۔ لیکن چھو کر گزر گئی تھی تو وہ جلد ہوش میں آ گیا تھا اور سمیع کو ساری بات بتائی۔ سمیع نے بابا کو فون کر کے ساری صورتحال بتائی۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ان کے بہت سے دوست تھے جو اب ان کے ماتحت نہیں تھے لیکن ان کی بات مانتے تھے۔ انہوں نے ان سب کو شہر بھر میں عانیہ کو ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا۔ اور ان لوگوں نے ڈی آئی جی ہاشم کے حکم کے بغیر سارے شہر میں ناکہ بندی کر دی تھی۔

---------------------------------

اسے ہوش آیا تو خود کو ایک کرسی پر جکڑے ہوئے پایا۔ کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دماغ پر تھوڑا سا زور دینے پر اسے یاد آ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ اب بہزاد شاہ کی قید میں تھی۔ اس کے بدترین خدشات سچ ثابت ہوئے تھے۔

"وہاب بھائی.....؟" اسے اپنے بجائے وہاب کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وہ اس کے لیے بڑے بھائی کی طرح تھا۔ اس نے ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا تھا اور آج اس کو بچاتے ہوئے گولی سینے پر کھالی تھی۔ اس کی آنکھوں

سے آنسو بہنے لگے۔ مشکل وقت تو اس پر بھی تھا لیکن وہ وہاب کیلیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ بار بار حدیقہ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ اگر وہاب کو کچھ ہو جاتا تو وہ کبھی حدیقہ سے نظریں نہ ملا پاتی۔

نجانے کتنی دیر وہ اللہ سے وہاب بھائی کی سلامتی کی دعائیں کرتی رہی۔ آنسو رکنے لگے اور دل کو سکون ملنے لگا جیسے اللہ نے چپکے سے اسے تسلی دی ہو کہ سب ٹھیک ہے۔ اسے یہ تک فکر نہیں رہی تھی کہ وہ بہزاد شاہ کی قید میں ہے جو اس کا دشمن ہے اور اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن وہ خود کو اب بھی بے بس محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اللہ اس کا ساتھ تھا۔ اسے اس پر یقین تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے بچا لے گا۔

ارحم اسے اپنے ایک فارم ہاؤس پر لے آیا تھا۔ بہزاد شاہ بھی یہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے جو بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی وہ پانچ گھنٹے تک اثر رکھتی تھی۔ بارہ بجے ارحم اور بہزاد اس کمرے میں داخل ہوئے تھے جہاں عانیہ کو باندھا ہوا تھا۔ دروازہ کھلنے پر اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ ارحم نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔ بہزاد شاہ بھی ارحم کے ساتھ تھا۔ عانیہ کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے ابھرے تھے۔ ارحم فاتحانہ مسکراہٹ لیے اس کے قریب آیا تھا۔ بہزاد شاہ دور ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"کتنی مشکلوں سے تمہیں حاصل کیا ہے۔ تم میری زندگی کی سب سے یادگار لڑکی ہو گی۔" وہ غرور سے کہہ رہا تھا۔

"اور سب سے آخری بھی۔ تم زیادہ عرصے تک مجھے یاد نہیں کر سکو گے۔" عانیہ نے کہا تو ارحم کچھ دیر کیلیے الجھا۔ اب اس بات کا کیا مطلب تھا۔ بہزاد شاہ کو سمجھ آ گئی کہ وہ اس کی موت کی بات کر رہی ہے۔ رسی جل گئی پر بل نہیں گیا۔ وہ اس کی اکڑ پر سوچ کر رہ گئے۔

"تم نے تو کہا تھا کہ ریان تمہاری حفاظت کرے گا۔" وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

"مجھے اپنی بات پر یقین ہے۔" عانیہ نے بھی جھکنا نہیں سیکھا تھا۔

"تو اب بلاؤ نا اسے۔ کہو اسے کہ تمہیں مجھ سے بچائے۔" عانیہ نے اسے نخوت سے دیکھ کر آنکھیں پھیر لیں۔ جیسے کہہ رہی ہو یہ منہ اور مصور کی دال۔ وہ اس کی دھمکی کو کسی خاطر میں ہی نہیں لائی تھی اور ارحم کو سخت حیرت ہوئی تھی۔

"تمہیں مجھ سے ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ارحم پہلے کام کی بات پوچھو۔" بہزاد شاہ نے غصے سے کہا۔ ارحم اسے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"حماد کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ۔"

"دیکھو عانیہ مجھے مجبور مت کرو کہ میں تم پر سختی کروں۔ اس لیے آرام سے بتادو کہ حماد کہاں ہے۔" اس نے سخت لہجے میں پوچھا لیکن عانیہ خاموش رہی۔ ارحم نے بے بسی سے بہزاد شاہ کو دیکھا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آئے۔ عانیہ کی تھوڑی کو پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔

"بتاؤ حماد کہاں ہے؟" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"اتنی پاگل نہیں ہوں میں جتنی تم مجھے سمجھتے ہو۔ میں تمہیں ابھی حماد کے بارے میں بتاؤں گی تو تم مجھے مار دو گے۔" اس کا اندازہ کچھ حد تک ٹھیک بھی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جب تک انہیں حماد کے بارے میں پتہ نہیں چلتا وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔

"بابا تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ میں تمہیں تمہاری زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔" ارحم بولا۔

"مجھے ذلت بھری زندگی چاہیے بھی نہیں۔ تم بے شک مجھے مار دو۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی ارحم کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی کو کیسے مجبور کرے۔ اگر حماد کے بارے میں جلد از جلد کچھ پتہ نہ چلا تو بہزاد شاہ بری طرح پھنس سکتا تھا۔ اور وہ اپنے باپ کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"ویسے تم جانتی ہو کہ حماد کہاں ہے؟" بہزاد شاہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہاں۔ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ تم اسے تعبیر کے ذریعے قتل کروانا چاہتے ہو۔" عانیہ نے کہا تو بہزاد شاہ حیران رہ گیا۔ اب اسے یقین آچکا تھا کہ حماد اسی کے پاس ہے۔

"ارحم جس طرح بھی ہو سکے اس سے حماد کے بارے میں پوچھو۔" بہزاد شاہ نے ارحم کے غصے سے حکم دیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں اس سے اگلوا لوں گا۔" وہ عانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ بہزاد شاہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ ارحم نے آگے بڑھ کر اس پر اپنا چہرہ جھکایا۔

"تو تم ایسے نہیں مانو گی؟" عانیہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر استہزائیہ مسکرائی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے چہرے پر مزید جھکتا عانیہ نے اپنا ہاتھ اکڑا کر اس کی گردن پر زور سے وار کیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے رسیوں سے بندھے تھے۔ اور وہ مسلسل انہیں ہلاتی رہی تھی۔ اسے ڈیڈ نے بندھے ہاتھ رسی کی قید سے چھڑانے بھی سکھائے تھے۔ ایک ہاتھ رسی کی قید سے آزاد ہو چکا تھا جبکہ دوسرا ابھی بندھا ہی تھا۔ اس کا ایک ہی وار اتنا کاری تھا ارحم نیچے گر کر تڑپنے لگا تھا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی اور باہر کھڑے سیکیورٹی گارڈز اندر آ گئے تھے۔ وہ حیران رہ گئے تھے۔ ایک اسے جانتا تھا۔ وہ جلدی سے بھاگ کر بے ہوشی کا انجیکشن لے آیا۔ عانیہ اگر دوسرا ہاتھ چھڑا چکی ہوتی تو اس سے نبٹ لیتی۔ دو تین لوگوں نے اس کے کھلے بازو کو پکڑ لیا تھا۔ اور اس آدمی نے اس کے بازو پر انجیکشن لگا دیا۔ جلد ہی وہ بے سدھ ہو گئی اور گارڈز کو سکھ کی سانس آئی۔ بھاگ کر بہزاد شاہ کو ساری بات بتائی۔ بہزاد شاہ ارحم کو نیچے بے ہوش پڑے دیکھ کر بے بسی اور غصے سے جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

---------------------------------

جب بہزاد تین سال کا تھا تو اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں نے اسے اور اس کے چھوٹے بھائی اظہر کو بہت مشکلوں سے پالا پوسا تھا۔ ان کا بچپن نہایت غریبی میں گزرا تھا۔ ایک ایک چیز کیلیے ترسنا پڑتا تھا۔ بہزاد شاہ کو غریبی

سے سخت نفرت تھی اور وہ امیری کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ میٹرک کے امتحان دے کر اس نے ماں سے باہر کے ملک جانے کی اجازت مانگی۔ عفت بیگم بیٹے کی جدائی کا سوچ کر ہول اٹھیں لیکن وہ ان کی پرواہ کیے بنا غیر قانونی طریقے سے باہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ وزیرستان کے راستے افغانستان جا پہنچا اور امریکی فوجیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کا حلیہ ایسا تھا کہ وہ اسے مجاہد سمجھ کر اپنے کسی خفیہ اڈے پر لے گئے اور اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ لیکن اسے کچھ پتہ نہیں تھا تو وہ کیا بتاتا۔ انہوں نے اسے اتنے لالچ دیے کہ اس کے دل میں یہ حسرت جاگی تھی کہ کاش اسے ان مجاہدوں کے بارے میں کچھ پتہ ہوتا۔ تو وہ انہیں بتا کر پیسے ہی لے لیتا۔ وہ لوگ اسے وہاں سے امریکہ لے گئے تھے۔ اس نے وہاں ایک انویسٹیگیشن آفیسر کو اپنی ساری کہانی سنائی کہ وہ امیر ہونے کیلیے غیر قانونی طریقے سے افغانستان آیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ بہزاد شاہ سچ بول رہا ہے۔ اس آفیسر نے سوچا یہ بندہ کام کا ہے۔ اس نے اس پر پیسے لگانے شروع کر دیے۔ اسے ہر طرح کی سہولت دی۔ جب وہ عیش پرست زندگی کا عادی ہو گیا تو مزید سہولتیں دینے کیلیے اس نے کچھ شرطیں رکھیں۔ اسے پاکستان جا کر ان کے لیے کام کرنا تھا۔ وہ دولت کے لالچ میں ان کے سامنے انکار نہ کر سکا۔ پھر اسے ایک خفیہ تنظیم کے حوالے کر دیا گیا جس نے اسے ہر طرح سے ٹرین کیا۔ اور اسے جرائم کی دنیا سے روشناس کرایا۔ اسے پاکستان جا کر پہلے کوئی سیاسی عہدہ حاصل کرنا تھا۔ پھر وہاں تعلقات بنانے تھے۔ غیر قانونی اسلحے، ڈرگز اور انسانوں کی سمگلنگ کرنی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر وہاں دہشتگردی کو فروغ دینا تھا۔ اگر وہ پکڑا بھی جاتا تو نام پاکستان کا ہی آنا تھا کیونکہ بہزاد پاکستانی تھا۔ جب وہ پچیس سال کا ہوا تو اسے پولیٹیکل سائنس کی ڈگری دے کر پاکستان بھیجا گیا۔ اس نے وہاں ایک امریکن لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ پاکستان آگئی تھی۔ اسے پاکستان میں رہائش کا مسلہ نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے پہلے سے ہی ان کیلیے ایک پر تعیش بنگلہ خرید لیا تھا۔ بہزاد شاہ سب سے پہلے لاہور میں اپنے بھائی اور ماں سے ملنے گیا۔ ماں مر چکی تھی اور بھائی اپنے دوست کے ساتھ مل کر غنڈہ گردی کرتا تھا۔ اس کے دوست کا نام افضل تھا جو حماد کا باپ

تھا۔وہ دنوں اس کے کام کے آدمی تھے۔اس نے اظہر کے ساتھ ساتھ افضل کو بھی اپنی ٹیم میں شامل کر لیا ۔الیکشن قریب ہی تھے۔اس نے آزاد امیدوار کے طور پر اپنا نام لکھوادیا اور الیکشن کمپین کے دوران عوام پر بے دریغ پیسا لٹایا۔وہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور یوں وہ لاہور کے ایک حلقے کا ایم پی اے بن گیا۔اثرورسوخ والے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات بڑھنے لگے تھے اور وہ کافی پاور میں آچکا تھا۔اسی دوران افضل کے جیل جانے والا واقعہ ہوا تھا۔اس نے اپنی سوتیلی بہن نبیلہ کو جیل میں بھجوانا چاہا لیکن خود پھنس گیا۔پھر بہزاد نے اسے چھڑوایا تھا۔

کچھ عرصے بعد نصرت کی شادی اظہر سے ہو گئی تھی اور ایک سال بعد تعبیر پیدا ہوئی تھی۔

صفدر علی کو افضل کے بارے میں بھنک پڑ گئی تھی کہ افضل غیر قانونی کام کرتا ہے۔انہوں نے اس کی انویسٹیگیشن شروع کر دی۔پہلے تو یہی پتہ چلا کہ وہ ایک کرائے کا غنڈہ ہے۔پھر بعد میں اس کے جرائم کے مزید ثبوت ملتے گئے۔تین سال بعد صفدر علی کو پتہ چلا تھا کہ وہ انڈیا کی ایجینسی را کے ساتھ ملا ہوا ہے اور انڈیا کے دہشتگردوں کا سہولت کار ہے۔اس کا اپنا ایک گروہ تھا جو بہزاد شاہ کے علم میں لائے بغیر انڈین دہشتگردوں کی مدد کرتا تھا۔یہ اس کا وہ راز تھا جو بہزاد شاہ اور اظہر شاہ کو معلوم نہیں تھا۔صفدر علی کو اس کے خلاف سارے ثبوت بھی مل گئے تھے۔انہوں نے کورٹ سے اس کے اریسٹ وارنٹ نکلوا کر اسے گرفتار کر لیا۔وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گیا تھا۔بہزاد شاہ کو مدد کے لیے بلایا اور تب اسے سچ بتانا پڑا کہ وہ انڈیا کی ایجینسی کے لیے کام کرتا ہے۔بہزاد نے اس کی مدد کرنے کی ہامی تو بھر لی لیکن اپنا دامن بچا گیا۔وہ بھی امریکہ کی ایجینسی کے لیے کام کرتا تھا۔اگر وہ افضل کا ساتھ دیتا تو خود بھی پھنس سکتا تھا۔افضل بہزاد شاہ سے مایوس ہونے کے بعد صفدر علی کو لالچ دے کر منتیں کرنے لگا کہ اسے چھوڑ دے لیکن وہ محب وطن تھا۔پاکستان کے غدار کو کیسے چھوڑ سکتا تھا۔جلد ہی اسے پاکستانی خفیہ ایجنسی کے حوالے کر دیا گیا اور انہوں نے اس سے سب کچھ اگلوا کر پھانسی دے دی۔

حماد اس وقت اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا۔وہ جان گیا تھا کہ اس کے باپ کو پھانسی دلانے والا کون ہے۔اس کے دل میں انتقام کی آگ جلنے لگی تھی۔بہزاد شاہ نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا اس کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔پھر اس نے حماد کو اپنے نقش قدم پر چلایا اور وہ بھی اس کی طرح ایک برا انسان بن گیا۔

بہزاد شاہ اب بہت پاور فل ہو چکا تھا۔اس نے کراچی کے ایک حلقے سے بطور آزاد امیدوار ایم این اے کا الیکشن بھی جیت لیا اور موجودہ حکومت کے حق میں ووٹ دے کر اپنے تعلقات مزید بڑھا لیے۔حماد اب اس کی جگہ لاہور کا ایم پی اے تھا۔اور اس کے کہنے پر غیر قانونی کام کرنے لگا تھا۔اس کے باپ کا گروہ ختم ہو چکا تھا۔اب ان کا انڈیا کے ساتھ تعلق بھی ختم ہو چکا تھا۔

بہزاد شاہ نے امریکی ایجینسی کے کہنے پر کراچی اور لاہور میں دہشتگردی کروائی۔انڈیا کی ایجینسی بھی پاکستان میں دہشتگردی کروانا چاہتی تھی اور امریکی ایجینسی نے بہزاد شاہ کے ذریعے ان کا کام آسان کر دیا۔انڈیا کا دہشتگرد پہلے امریکہ جاتا اور باآسانی پاکستان پہنچ جاتا۔اس طرح عامر بھی یہاں پہنچا تھا۔اس نے ایک آدمی کو اغوا کرنا تھا جو پاکستانی فوج کا ریٹائرڈ فوجی آفیسر تھا۔اس سے خفیہ باتیں معلوم کر کے اپنی ایجینسی کو بتانا تھا۔اس کے علاوہ اس نے دہشتگردی بھی پھیلانی تھی لیکن عانیہ کی وجہ سے وہ پھنس گیا تھا۔اب وہ پاکستانی ایجینسی کے آفیسرز کے سامنے بیٹھا سب کچھ اگل رہا تھا۔اس نے بھی بہزاد شاہ کا نام لیا تھا۔سر حفیظ نے قاسم کو فون کر کے عامر کے بیان کے بارے میں ڈسکشن کی۔قاسم نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد بہزاد شاہ تک پہنچنے والا ہے۔اور اب وہ پہنچ چکا تھا۔وہاب نے بہزاد شاہ کے لیپ ٹاپ کا سارا ڈیٹا اسے بھیج دیا تھا اور اسے سارے ثبوت مل گئے تھے جو اسے پھنسانے کیلیے کافی تھے۔

-------------------------

قاسم نے بہزاد شاہ کے کرتوت ساری دنیا کے سامنے لانے کیلیے حماد کو استعمال کیا۔ اسے یہ احساس دلایا کہ اسے جلد از جلد بہزاد شاہ کے خلاف ایکشن لینا چاہیے ورنہ وہ اسے مار دے گا۔ اس کا پلان کام کر گیا اور حماد اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے تیار ہو گیا۔ قاسم نے اسے بہزاد شاہ کے خلاف سارے ثبوت لا کر دے دیے اور صبح آٹھ بجے حماد نے پریس کانفرنس میں بہزاد شاہ کے سارے پول کھول دیے۔ کہ وہ امریکن ایجینسی کیلیے پاکستان میں دہشتگردی اور دوسرے غیر قانونی کام کرتا ہے۔ اس نے میڈیا کو سارے ثبوت بھی دکھا دیے۔ خود کو اس نے بیچ میں سے نکال لیا اور یہ بھی کہا کہ اسے بہزاد شاہ سے خطرہ ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو اس میں بہزاد شاہ کا ہاتھ ہو گا۔ میڈیا کیلیے یہ خبر بہت بڑی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ملک بھر میں بہزاد شاہ کو غدار وطن قرار دیا جانے لگا۔ ہر چینل پر اس کے بارے میں بحث شروع ہو گئی۔ لوگ اس کی اصلیت جان کر حیران رہ گئے تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اب کوئی بھی بہزاد شاہ کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جتنے لوگوں سے بھی تعلقات بنائے تھے وہ سب بے کار گئے تھے۔ وہ سب اس سے اپنا تعلق ظاہر کرنے پر بھی ڈر رہے تھے کہ کہیں انہیں بھی اس جرم میں شریک نہ سمجھ لیا جائے۔

بہزاد شاہ رات کو گھر آ چکا تھا البتہ ارحم ابھی وہیں بے ہوش پڑا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں سو رہا تھا جب ارسلان کا فون آیا۔ وہ حماد کی طرح اس کے ماتحت کام کرتا تھا۔ اس نے ٹی وی پر حماد کہ پریس کانفرنس دیکھ لی تھی اور اب پریشانی کے عالم میں بہزاد کو کال کر رہا تھا۔ بہزاد نے کال اٹینڈ کی اور دوسری طرف سے جو خبر اس نے سنی اسے یقین آنے میں کچھ لمحے لگے تھے۔ قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی اس پر۔ اس کا یوم حساب شروع ہو چکا تھا۔ کئی پل وہ حواس باختہ سا بیٹھا رہا تھا۔ پھر چونک کر خود کو کمپوز کیا۔ سائیڈ ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی لگایا۔ ہر چینل پر نیوز اینکرز اس کے پول کھول رہے تھے۔ حماد کی پریس کانفرنس کے بیان بھی دکھائے جا رہے تھے۔ اسے سمجھ

نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ حماد کے پاس اس کے خلاف ثبوت کہاں سے مل گئے۔ وہ تو عانیہ کے پاس تھا۔

(تو کہیں عانیہ ہی تو یہ کام نہیں کیا؟) جس کا ڈر تھا وہی ہوا تھا۔ عانیہ نے اسے اس کے انجام تک پہنچا کر چھوڑا تھا۔ لیکن ابھی یہ وقت غصہ کرنے کا نہیں تھا۔ اسے اس سب سے نکلنا تھا۔ اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے ارحم کو کل ملائی۔

ارحم کو دس منٹ پہلے ہوش آیا تھا۔ وہ عانیہ پر غصہ نکالنے اس کے کمرے میں گیا ہوا تھا۔ اس کے منہ پر پانی چھینک کر اسے جگایا۔ اور اسی وقت بہزاد شاہ کی کال آ گئی۔ انہوں نے اسے بائے روڈ اسلام آباد پہنچنے کا کہا تھا۔ اس نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن انہوں نے فون بند کر دیا۔ ان کی آواز میں گھبراہٹ محسوس کر کے اس نے ان کے حکم کو ماننا ہی پڑا۔ لیکن وہ اپنے ساتھ عانیہ کو دوبارہ بے ہوش کر کے لے جانا نہیں بھولا تھا۔

بہزاد شاہ کے گھر کے باہر ٹی وی رپورٹرز کی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔ بہزاد شاہ کے پاس ان کے سوالوں کے جواب دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"یہ سراسر مجھ پر الزام لگایا گیا ہے۔ حماد کا مجھ سے کوئی ذاتی اختلاف ہے جس کا بدلہ اس نے اس گھٹیا طریقے سے لیا ہے۔ اگر اس کے پاس میرے خلاف ثبوت ہیں تو انہیں میڈیا کے سامنے پیش کرنے کی بجائے عدالت میں پیش کرنا چاہیے تھا۔ وہ مجھے بس بدنام کرنا چاہتا ہے۔ اصل میں وہ خود ایسا ہے۔ اور میں بھی یہ ثابت کر کے رہوں گا کہ وہ غدار وطن ہے۔" بہزاد شاہ نے ٹی وی رپورٹرز کے سامنے سخت طیش کے عالم میں کہا تھا۔

"کیا آپ خود کو قانون کے حوالے کریں گے؟" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"ہاں میں بے گناہ ہوں اور ہر عدالت میں اپنی بے گناہی ثابت کروں گا۔" ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا اور رپورٹرز مائک پکڑے سوالات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ گارڈز نے ان سب کو روکا۔ بہزاد شاہ گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا اور اب ٹی وی پر اس کا بیان چل رہا تھا۔

-----------------------------------

وہاب کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ اب وہ آئی سی یو میں پڑا زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ عمرینہ مسلسل روتے ہوئے زیر لب قرآنی آیات پڑھ رہی تھی۔ باقی سب بھی دعائیں کر رہے تھے۔ سمیع نے حریم کو حدیقہ کے کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ کسی بھی وقت ہوش میں آسکتی تھی اس لیے کسی کو تو اس کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ اس کا کمرہ قریب ہی ایک راہداری میں تھا۔ حریم اس کے پاس رات سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے عانیہ کی فکر بھی ہو رہی تھی۔ سمیع سے پوچھا تو اس نے تسلی دے دی تھی کہ عانیہ کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔ اس نے باقی سب کو بھی یہی بتایا تھا۔ وہ لوگ پہلے ہی پریشان تھے۔ وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر انہیں پتہ چل بھی جاتا تو وہ کیا کر لیتے۔ یہی سوچ کر اس نے جھوٹ بول دیا لیکن خود اسے ڈھونڈنے کی پوری کوشش کر رہا تھا

اب نو بج رہے تھے۔ حریم وہاب اور حدیقہ کیلیے دعا کرتی کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی تھی۔ حدیقہ کی پلکوں میں جنبش ہوتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"حدیقہ...!" اس نے حدیقہ کی تپتی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"وہاب...!" وہ آنکھیں بند کیے ہی بے تابی سے وہاب کو پکار رہی تھی۔ پھر جھٹکے سے چیخ مارتی اٹھ بیٹھی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سارا جسم کانپنے لگا تھا۔ وہ گم صُم سی کیفیت میں گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔

"حدیقہ "حریم نے اسے پکارا۔ حدیقہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہاب....؟"اس کے لہجے میں خوف سرسرا رہا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔" حدیقہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"تو کیا وہ خواب تھا؟"اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ انہیں گولی لگی تھی لیکن ڈاکٹرز نے بروقت ان کا آپریشن کر دیا تھا۔ وہ زندہ ہیں۔" حریم نے آدھا سچ بتایا ۔وہ اسے یہ نہ بتا پائی کہ وہ ابھی خطرے سے باہر نہیں آپایا۔ حدیقہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگے۔ اس نے کھینچ کر اپنے ہاتھ سے قینولہ اتارا اور بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حریم نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

"حدیقہ رک جاؤ۔" حریم اس کے پیچھے بھاگی۔

"وہاب کہاں ہیں؟"وہ غصے سے پوچھنے لگی۔

"وہ ٹھیک ہیں حدیقہ...."

"پلیز حریم مجھے ان کے پاس لے جاؤ ورنہ میں مر جاؤں گی۔" حدیقہ نے روتے ہوئے منت کی۔

"میں تمہیں لے جاتی ہوں۔ تم روؤ تو مت۔ تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔" حریم نے اسے تھامتے ہوئے کہا۔

"انہیں کچھ نہیں ہو گا نا؟" حدیقہ نے آس سے پوچھا اور حریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اسے آئی سی یو کے باہر بیٹھے ان سب کے پاس لے آئی۔

"ماما...."عمرینہ جو آنکھیں بند کیے دعا مانگ رہی تھی اس کی آواز سن کر چونکی۔ اس کی بکھری حالت دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا۔ بے اختیار اس نے حدیقہ کو سینے سے لگا لیا۔

"مجھے وہاب کے پاس جانا ہے۔"وہ آئی سی یو کی طرف بڑھی۔ عمیر نے اسے بمشکل روکا۔ابھی کسی کو وہاب سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

"ماما وہاب کو کچھ نہیں ہو گا نا؟"

"نہیں میری جان۔وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"عمرینہ نے اسے تسلی دی لیکن وہ لگاتار روئے جا رہی تھی۔بابا نے اسے چپ کروانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مزید رونے لگتی۔ابھی تو شکر تھا کہ اسے وہاب کے زندہ ہونے کی خبر مل گئی تھی ورنہ اسے بھی دوسرا سانس لینا مشکل ہو جاتا۔

اچانک ہی آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ایک ڈاکٹر باہر آیا۔سب اس کی طرف بڑھے۔

"آپ بس دعا کریں۔کنڈیشن مزید کریٹیکل ہو چکی ہے۔"وہ تیزی سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔حدیقہ کی سماعتوں پر جیسے بم گرا تھا۔وہاب کی حالت ابھی تشویش ناک تھی۔اس کا دل ڈوبنے لگا۔عمیر نے دروازے کے شیشے سے دیکھا۔وہاب کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ڈاکٹرز اسے آکسیجن ماسک لگا رہے تھے۔وہ کرب سے آنکھیں بند کر گیا۔وہ ڈاکٹر اپنے ساتھ کسی سینیئر ڈاکٹر کو ساتھ لایا تھا۔کیونکہ اس سے وہاب کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔وہاب کی جان خطرے میں دیکھ کر ان سب کو اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور حدیقہ تو گم صُم سی خلا میں غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔وہ اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔عمرینہ نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔وہ خاموش رہی۔اسے لگ رہا تھا کہ ابھی وہاب اسے چھوڑ کر جانے والا ہے۔اپنا وعدہ توڑنے والا ہے۔اس کا دل کیا دھاڑیں مار مار کر روئے۔لیکن اس میں ہمت نہیں رہی تھی۔اچانک دروازہ کھلا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔سب ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔اور آس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔حدیقہ سانس روکے ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔وہ مایوس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔حدیقہ کی امید جاگی۔

"پیشنٹ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔" ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی تو سب نے شکر کا سانس لیا۔ حدیقہ کے ذہن میں ڈاکٹر کا جملہ بازگشت کر رہا تھا۔ وہاب نے وعدہ نہیں توڑا تھا۔ وہ واپس آ چکا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سن بیٹھی رہی تھی۔ پھر عمرینہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ دل ابھی بھی کانپ رہا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ کیا کرتی۔ سب نے اسے تسلی دی تھی۔ ڈاکٹر نے انہیں وہاب سے کچھ دیر کیلیے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ سب اسے بے ہوش پڑا دیکھ کر باہر جانے لگے تھے لیکن حدیقہ نہیں گئی تھی۔ نرس نے اسے باہر نکلنے کیلیے کہا لیکن وہ نہ مانی۔ اسے ابھی بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہاب کہیں اس سے دور نہ چلا جائے۔ وہ اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر نے صرف اسے اندر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ چلتی ہوئی وہاب کے قریب آئی تھی۔ اسے یوں بے سدھ پڑا دیکھ اس کا دل اذیت سے بھرنے لگا۔ کل رات کا وہ منظر یاد آنے لگا جب اسے گولی لگی تھی۔ آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

---------------------------------

قاسم نے حماد کو خفیہ ایجنسی کے حوالے کر دیا تھا۔ اب بہزاد شاہ کی باری تھی۔ اسے بھی پولیس نے جلد ہی پکڑ لینا تھا۔ اور پھر انجام سے بچنا اس کے لیے مشکل تھا۔ قاسم اس ٹینشن سے فری ہوا تو عانیہ کو کال کی لیکن اس کا فون آف جا رہا تھا۔ اسے پریشانی نے آن گھیرا۔ وہاب کے نمبر پر کال ملائی جو دوسری طرف سے سمیع نے اٹینڈ کی تھی۔ وہاب کا فون کل سے اس کے پاس تھا۔

"ہیلو......وہاب!"

"میں اس کا دوست سمیع بول رہا ہوں۔" سمیع نے کہا۔ وہ قاسم کو جانتا تھا کہ اس نے بہزاد شاہ کو انجام تک پہنچایا ہے۔ وہاب نے اس کے سامنے ہی قاسم کو سارا ڈیٹا سینڈ کیا تھا۔ لیکن قاسم سمیع کو نہیں جانتا تھا۔

"وہاب کہاں ہے؟"

"اسے گولی لگی ہے اور وہ آئی سی یو میں ہے۔"

"واٹ؟.....یہ کیسے ہوا؟"

"بہزاد شاہ نے کل رات عانیہ پر حملہ کیا تھا۔...." سمیع نے اسے تفصیل بتائی۔

"عانیہ کہاں ہے؟"اس نے سمیع کی بات کاٹی۔

"وہ مسنگ ہے۔"اس نے قاسم کو سچ بتا دیا۔

"اوہ نو۔" قاسم نے پیشانی کو چھوا۔ سمیع نے اسے بتایا کہ وہ اپنی وجہ سے دوسروں کو مرتا نہیں دیکھ سکتی تھی اس لیے خود میدان میں اتر آئی اور ان کے ساتھ چلی گئی۔ قاسم سخت پریشان ہو چکا تھا۔ اگر ریان کو یہ بات پتہ چل جاتی تو وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ہر چیز تہس نہس کر ڈالتا۔ لیکن اسے سوچ سمجھ کر کچھ کرنا تھا۔ بہزاد شاہ اب ویسے بھی قانون کی پکڑ میں آنے والا تھا اور ارحم سے نمٹنا مشکل نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت کراچی کیلیے فلائٹ بک کروائی تھی۔

---

دوپہر کے دو بج گئے تھے۔ سب کو کھانے پینے کا ہوش آیا تھا سوائے حدیقہ کے۔ سب نے وہیں سے کچھ نہ کچھ کھا لیا تھا۔ لیکن حدیقہ نے کھانا تو کیا پانی بھی نہیں پیا تھا۔ بخار سے پہلے ہی اس کا جسم تپ رہا تھا۔ اوپر سے بھوک نے بھی اس کی رہی سہی ہمت سلب کر لی تھی۔ وہ وہاب کے دائیں جانب ایک صوفے پر ساکن بیٹھی تھی۔ نظریں وہاب پر تھیں اور لب خدا کا شکر کر رہے تھے۔ اس کا پل پل بے صبری سے گزر رہا تھا۔ بالآخر اس کا انتظار ختم ہو ہی گیا اور وہاب کی بھنویں سکڑی تھیں۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ حدیقہ تیزی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار ابھرے تھے۔ اسے درد کم کرنے والی دوا بھی دی گئی تھی لیکن سینے میں گولی لگی تھی اور اوپر سے آپریشن بھی ہوا تھا۔ درد تو تھا لیکن برداشت ہو پا رہا تھا۔

"وہاب....!" حدیقہ بے تابی سے بولی تھی۔وہاب نے ہوش میں آتے ہی حدیقہ کی آواز سنی تو دل میں سکون سا اتر گیا تھا۔وہ زندہ تھا۔جب اسے گولی لگی تھی اسے لگا تھا وہ مرنے والا ہے۔حدیقہ کی جدائی کا درد گولی کے درد سے زیادہ تھا۔اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے جانے کے بعد حدیقہ کی کیا حالت ہو گی۔لیکن خدا کی رحمت سے وہ بچ گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ سامنے ہی نظر آ گئی۔درد کے باوجود اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔حدیقہ پھر سے اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"وہاب آپ مجھے چھوڑ کر جا رہے تھے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔وہاب اسے روتے دیکھ نہیں سکتا تھا۔اسے تنگ کرنے کیلیے وہاب کو ایک شرارت سوجھی۔

"تم کون ہو؟" اس نے زمانے بھر کی معصومیت چہرے پر سجالی۔اور حدیقہ رونا بھول کر دم بخود اسے دیکھنے لگی۔دواؤں کا اثر دماغ پر تو نہیں ہو گیا تھا کہیں؟ اس نے پریشانی سے سوچا۔

"وہاب......"

"کون وہاب؟" وہ اپنا نام پہچاننے سے بھی انکاری ہو گیا۔

"آپ" وہ اسے ایک ٹک سی دیکھتی بولی تھی۔

"اوہ.....میرا نام.....وہاب ہے؟" اس نے نقاہت زدہ لہجے میں پوچھا۔بے ہوشی کی دواؤں کا اثر تھا۔

"ہاں.....اور میں حدیقہ ہوں۔" اس کا دل ڈوبنے لگا۔کیا وہ اسے بھول گیا تھا۔

"حدیقہ....." اس نے سوچنے کی اداکاری کی۔" کون؟"

"آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"تم تو کوئی...... حور لگ رہی ہو۔ کہیں میں...... جنت میں تو........ نہیں آ گیا؟" وہ مخمور لہجے میں بولا۔ حدیقہ کو اس کی پرسوں والی بات یاد آئی تھی۔ وہ جنت کی حوروں کا ذکر کر کے اسے تنگ کر رہا تھا۔ اس کا مطلب اسے سب کچھ یاد تھا اور وہ اسے اس حالت میں بھی تنگ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"میں حدیقہ ہوں۔" اس نے بھی یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ اس کی شرارت بھانپ گئی ہے۔

"کون حدیقہ؟۔" وہ مسکراہٹ روکے پوچھ رہا تھا۔

"آپ کو میں واقعی یاد نہیں رہی؟" حدیقہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں۔" اس نے سر ذرا سا نفی میں ہلایا۔ حدیقہ نے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا اور مسکراہٹ روکنے کیلیے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ وہاب اس کی حرکت سے محظوظ ہوتا اسے دیکھ رہا تھا۔ حدیقہ نے اسے مسکراتی آنکھوں سے دیکھا اور جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہاب تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا۔ حدیقہ اور یہ رومینٹک سین۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے واقعی لگا کہ وہ جنت میں آ چکا ہے۔ حدیقہ نے لب اس کی پیشانی سے ہٹا لیے تھے لیکن وہ ابھی بھی اس کا لمس محسوس کر رہا تھا۔

"اب یاد آیا میں کون ہوں؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تھوڑا تھوڑا۔" اس نے بچوں کے سے انداز میں کہا کہ وہ اسے پوری طرح یاد دلانے کیلیے پھر سے بوسہ دے گی۔ حدیقہ کھکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"ہنستی رہا کرو یار........ روتے ہوئے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا میں آپ سے دوبارہ کبھی نہیں مل سکوں گی۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تم سے وعدہ کیا تھا کہ تم سے کبھی دور نہیں جاؤں گا....... اور دیکھو میں نے وعدہ پورا کر دیا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر حدیقہ کی طرف بڑھایا جسے حدیقہ نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"مجھے تو اتنا رلا دیا نا۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

"تمہیں تو بخار ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا کہیں کھانے کے بارے میں ہی نہ پوچھ لے۔ کل دوپہر سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

"میرے بعد وہاں کیا ہوا تھا؟"

"سمیع بھائی بتا رہے تھے کہ انہوں نے عانیہ کو کسی محفوظ جگہ پر بھیج دیا ہے۔" یہ اس نے عمیر بھائی سے سنا تھا۔ جب تک وہاب خطرے میں تھا وہ اپنا آپ بھی بھول چکی تھی۔ لیکن جوں ہی وہاب کی جان خطرے سے باہر آئی تھی تو اسے کچھ ہوش آیا اور اس نے عانیہ کے بارے میں پوچھا۔ عمیر نے اسے تسلی دی تو اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ وہ اس کی ایسی دوست تھی جو اسے بچانے کیلیے خود سامنے آجاتی تھی۔ وہاب اسے بچانے کیلیے گولی کے سامنے آیا تھا لیکن وہ عانیہ سے خفا نہیں ہو سکی تھی۔

"اوہ۔" وہاب نے بھی شکر کا سانس لیا۔ درد آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

"آپ کو درد ہو رہا ہے؟" حدیقہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ وہاب نے نفی میں سر ہلایا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اسے تکلیف ہو رہی ہے۔

"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر مڑی اور ڈگمگاتے قدموں سے باہر آئی۔ سب باہر ہی بیٹھے تھے۔

"ماما وہاب کو ہوش آگیا ہے۔ انہیں بہت درد ہو رہا ہے۔" اس نے بتایا تو عمیر ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا۔ باقی سب حدیقہ کے ساتھ اندر آگئے تھے۔ اور اس سے باتیں کرنے لگے۔ سمیع وہاں نہیں تھا۔ وہ اس سے ساری تفصیل پوچھنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹرز نے آکر اس کا معائنہ کیا اور ٹرینکولائزر دے کر سلا دیا تا کہ اسے تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔

-----------------------------------

پولیس کو بہزاد شاہ کی گرفتاری کا حکم مل چکا تھا۔ ہاشم خان بہزاد کا دوست ہونے کے باوجود اسے گرفتار کرنے پر مجبور تھا۔ بہزاد شاہ نے اسے فون کر کے تھوڑا سا فیور مانگا تھا کہ وہ اسے بھاگنے کا ایک موقع دے دے۔ اس نے ہامی بھر لی اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اپنے گھر موجود نہیں سب سے پہلے اس کے گھر پر ہی چھاپہ مارا۔ پھر اس کے دوسرے اڈوں پر گیا لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملا تھا۔ اس نے بھی اوپر یہ رپورٹ نہیں دی تھی کہ وہ فرار ہو چکا ہے بس یہ کہہ دیا تھا کہ وہ ابھی چھاپے مار رہے ہیں اور اسے شہر سے باہر نکلنے نہیں دیں گیں۔ سارے شہر میں ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔

ایک چوک پر پولیس کے کچھ اہلکار چند گاڑیوں کو روک چکے تھے۔ تلاشی لینے کے بعد انہیں جانے دیا گیا۔ پیچھے سے ایک ٹرک اور اس کے ساتھ ایک سفید گاڑی آتی دکھائی دی۔ دونوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ تھا اور وہ چوک سے بھی دور تھیں۔ کچھ اہلکار دوسری تین سڑکوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک نے اسی سڑک پر نظر رکھی۔ ٹرک قریب آیا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک لیا۔ سفید گاڑی ابھی پیچھے تھی اور اس سے بھی پیچھے ایک کالے رنگ کی گاڑی دکھائی دی جو پہلے ٹرک کی وجہ سے نظر نہیں آئی تھی۔ ٹرک کی تلاشی لینے کے بعد وہ سفید گاڑی کی طرف آئے تو انہیں ایک دھماکے کی آواز آئی۔ پیچھے والی کالے رنگ کی گاڑی سڑک کے ایک کنارے پر اوندھی پڑی تھی۔ اس گاڑی میں شعلے بھڑک رہے تھے اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ تمام پولیس اہلکار اور کچھ لوگ بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ سفید گاڑی بغیر تلاشی کے آگے نکل گئی تھی۔ پاس جاتے جاتے وہ ساری گاڑی جل چکی تھی۔ اس میں بم بلاسٹ ہوا تھا۔ دو لاشیں ملی تھیں لیکن شناخت کرنا ناممکن تھی۔ البتہ گاڑی کے ڈیش بورڈ کا دراز ابھی آدھا ہی جلا تھا اور اس میں سے اس گاڑی کی دستاویزات مل گئی تھیں۔ وہ گاڑی بہزاد شاہ کی تھی۔ اور کچھ ہی دیر تک سارے میڈیا پر یہ خبر نشر ہونے لگی تھی کہ بہزاد شاہ بم بلاسٹ میں جاں بحق ہو گیا ہے۔ لاشوں کا پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے میں کچھ دن لگنے تھے۔ ایک لاش تو بہزاد شاہ کی تھی لیکن دوسرے کے بارے میں رپورٹ

آنے کے بعد ہی پتہ چلنا تھا۔اب میڈیا پر بحث کو نیا رخ مل گیا تھا۔بہزاد شاہ نے کہا تھا کہ وہ عدالت میں پیش ہو کر اپنے خلاف ہر الزام کو ختم کرے گا۔اور حماد کو غدار وطن ثابت کرے گا۔اور آج ہی اسے بم بلاسٹ میں اڑا دیا گیا۔یہ اس کے دشمن کا ہی کام ہو سکتا تھا جو اسے عدالت میں بیان دینے سے روکنا چاہتا تھا۔اور حماد ہی اس کا دشمن تھا۔قاسم ابھی ابھی کراچی کے ائیر پورٹ پر اترا تھا جب اسے یہ خبر ملی تھی۔اسے کچھ کھٹکا تھا۔بہزاد شاہ مرا نہیں تھا بلکہ یہ اس کے فرار کا ایک طریقہ تھا۔وہ ایک انٹیلیجنس آفیسر تھا اور بہزاد شاہ کی چال کو سمجھ چکا تھا۔ویسے بہزاد شاہ بھی بڑا عقل مند تھا۔اس نے اپنی موت ظاہر کر کے ہمدردی بھی بٹور لی اور قانون سے بھی بچ گیا۔قاسم اس کی ذہانت سے متاثر ہوا تھا۔اب پولیس نے اس کا کیس بند کر دینا تھا۔لیکن وہ اسے بھاگنے نہیں دے سکتا تھا۔وہ ملک کا غدار تھا اور عانیہ بھی اس کے قبضے میں تھی۔اسے ہر حال میں ڈھونڈنا تھا۔

اس نے سمیع سے رابطہ کیا تو سمیع نے اسے اپنے گھر کا ایڈریس دے دیا۔کچھ ہی دیر میں وہ اس کے پاس پہنچ گیا۔سمیع بہت مایوس ہو چکا تھا۔اس نے قاسم کو عانیہ کی گمشدگی کی ساری تفصیل بتائی۔

"اب تو وہ مر گیا ہے۔عانیہ کا پتہ کیسے چلے گا؟"

"وہ نہیں مرا۔میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔آج ہی اس کے پول کھلے اور آج ہی وہ بم دھماکے میں مارا گیا۔یہ اس کے بھاگنے کا پلان ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ جن کیلیے کام کرتا ہو ان لوگوں نے ہی اسے مروا دیا ہو۔" سمیع نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

"نہیں۔وہ زندہ ہے۔یہ رپورٹ آنے پر پتہ چل جائے گا لیکن تب تک وہ بھاگ جائے گا۔اور ہو سکتا ہے رپورٹ میں بھی ردوبدل کر کے بہزاد شاہ کی موت ثابت کر دی جائے۔لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ مرا نہیں۔اسے ڈھونڈنے سے ہی عانیہ ملے گی۔" قاسم نے کہا۔

"میں کوشش تو بہت کر رہا ہوں اسے ڈھونڈنے کی لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔"

"میں سر سے بات کرتا ہوں اور بہزاد کو خفیہ طور پر ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔" قاسم نے سر احسان کو فون کیا اور ساری صورتحال ڈسکس کی۔ انہوں نے اس کی مدد کیلیے مزید لوگوں کو بھیجا۔ قاسم نے پاکستان کے تمام ائیر پورٹس پر پروازوں کے ریکارڈ چیک کیے۔ بہزاد شاہ کا ریکارڈ کہیں بھی نہیں ملا تھا۔ جس کا مطلب وہ ابھی پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے سب ائیرپورٹس کی انتظامیہ کو الرٹ کر دیا تھا کہ بہزاد شاہ کو دیکھتے ہی گرفتار کر لیں۔ اس کے علاوہ سمیع کے ساتھ مل کر اس نے کئی جگہوں پر چھاپے بھی مارے لیکن اس کا سراغ نہ مل سکا۔ قاسم کے کچھ ساتھیوں نے اس کے اسلام آباد والے بنگلے پر بھی چھاپہ مارا تھا لیکن وہ وہاں بھی نہیں ملا تھا۔

"وہ کچھ دنوں کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو چکا ہے۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہو گا تو وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ لیکن میں اس وقت تک انتظار نہیں کر سکتا۔ عانیہ اس کے قبضے میں ہے اور پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو گی۔" جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا قاسم غصے سے جھنجھلاتا جا رہا تھا۔ اگلی صبح کا سورج طلوع ہو گیا لیکن عانیہ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

---------------------------------

بہزاد شاہ واقعی نہیں مرا تھا۔ بلکہ یہ اس کی چال تھی قانون سے بچنے کی۔ وہ کراچی سے صبح ہی صبح نکل چکا تھا اور فون پر اپنے اسسٹنٹ ارباز کو بم بلاسٹ والا ڈرامہ کرنے کا حکم دے دیا جو اس نے نہایت کامیابی سے سرانجام دیا تھا۔ ایک ہاسپٹل سے دو لاشیں لے کر بہزاد شاہ کی گاڑی میں رکھوائیں۔ پھر خود ڈرائیو کر کے اس سڑک تک لے گیا جہاں بم بلاسٹ کرنا تھا۔ اس کے آگے والے ٹرک نے اس کی گاڑی کو پولیس کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ وہ ٹرک اس کا ایک ساتھی چلا رہا تھا اور اس کے پیچھے آنے والی سفید گاڑی بھی اس کے ایک ساتھی کی تھی۔ جب تک اس کی گاڑی پولیس کی نظروں میں آتی وہ اس سے نکل کر اپنے ساتھی کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اور جب پولیس ان کی تلاشی لینے لگی تو اس نے ریموٹ کا بٹن دبا دیا۔ پچھلی کار میں بم پھٹا اور سب لوگوں کی توجہ اس پر

ہو گئی۔ ارباز ان کے قریب سے بڑے آرام سے نکل گیا۔ اور بہزاد شاہ بھی موت کا ڈرامہ رچا کر اپنے انجام سے بچ گیا۔ اب اسے جلد از جلد پاکستان سے نکلنا تھا۔ اگر اسے ذرا سی بھی امید ہوتی کہ وہ اب بھی بچ سکتا ہے تو وہ بھاگتا نہ۔ لیکن اسے یہاں اپنا انجام پہلے سے ہی دکھائی دے چکا تھا۔ اس کی مدد کیلیے یہاں سے کسی نے نہیں آنا تھا کیونکہ یہ بات اب خفیہ نہیں رہی تھی۔ ساری عوام اس کے کرتوت جان چکی تھی اور ایسے میں کسی نے اس کی مدد کر کے اپنے پیر پر ہی کلہاڑی مارنی تھی۔ اس لیے اب اس کا بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔ امریکہ کیلیے اس نے بہت کچھ کیا تھا اب وہ اسے پناہ تو دے ہی سکتا تھا۔

ارحم صبح چار بجے اپنے اسلام آباد والے ایک فارم ہاؤس پر عانیہ کو لے کر پہنچا تھا۔ تین گھنٹوں بعد بہزاد شاہ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ جگہ ارحم کی ملکیت تھی اور پولیس بہزاد شاہ کو ڈھونڈنے کے لیے یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ اسے یقین تھا۔ ویسے بھی اب تک سب کو اس کی موت کا یقین آ چکا تھا۔ اس لیے اسے ٹینشن نہیں تھی۔ اس کا اپنا ہیلی کاپٹر تھا۔ وہ باآسانی یہاں سے نکل سکتا تھا۔ ارحم نے بھی اس کے ساتھ ہی جانا تھا۔

"تم پھر اس مصیبت کو ساتھ لے آئے؟" بہزاد شاہ نے بے ہوش پڑی عانیہ کو دیکھا تو غصے سے بھڑک اٹھا۔ دل کر رہا تھا ابھی جا کر اس کا گلا دبا دے۔

"بابا میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"اور اس نے جو میرے ساتھ کیا اس کا تمہیں کوئی احساس نہیں؟"

"مجھے احساس ہے بابا جان۔ اور دیکھیے گا اس سے میں آپ کے سارے بدلے لوں گا۔ ایک دفعہ میں اسے امریکہ لے جاؤں بس۔" وہ عانیہ پر نظریں جمائے بولا۔ اسے مسلسل بے ہوشی کی دوا دے کر وہ یہاں تک لایا تھا۔ ابھی تک اسے موقع نہیں مل پا رہا تھا کہ وہ اس پر اپنی بھڑاس نکالتا۔ اب امریکہ جا کر ہی اسے اپنے سامنے جھکانا تھا۔

"یہ اتنی آسانی سے تمہارے قابو نہیں آئے گی۔"

"قابو تو آئی ہوئی ہے۔دیکھیں کیسے بے بس پڑی ہے میرے سامنے میں چاہوں تو ابھی اس کی عزت کی دھجیاں اڑا سکتا ہوں۔"وہ مغرور لہجے میں بول رہا تھا اور اوپر خدا کی رحمت اس کے غرور پر استہزائیہ مسکرائی تھی۔کچھ لوگوں کو کتنا شوق ہوتا ہے نا کہ سب ان کے سامنے جھکیں۔وہ خود کو خدا سمجھنے لگتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خدا تو سب دیکھ رہا ہے۔عانیہ نے آج تک اتنی لڑکیوں کی مدد کی تھی۔کسی کی جان بچائی تو کسی کی عزت۔اور خدا اسے بے بس کیسے ہونے دے سکتا تھا۔

"ابھی تم رہنے ہی دو۔ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔پتا نہیں جاوید ہیلی کاپٹر یہاں کب لائے گا۔"وہ جھنجھلا کر بولا۔اس کا ہیلی کاپٹر اس کے ایک بنگلے میں تھا۔اس کا پائلٹ جاوید تھا۔اس نے دس پندرہ منٹ تک یہاں پہنچ جانا تھا۔یہاں سے انہوں نے کابل تک جانا تھا۔اور وہاں سے امریکہ کی فلائٹ بک کروانی تھی۔

-----------------------------------------

قاسم نے ڈی آئی جی ہاشم خان کو اغوا کر لیا۔اس سے پوچھ گچھ کرنے پر صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ بہزاد شاہ نے اس سے یہ رعائیت مانگی تھی کہ اسے بھاگنے کا موقع دے دے۔اب تو قاسم کو اور بھی یقین آ چکا تھا کہ وہ بھاگ چکا ہے۔لیکن ابھی تک وہ پاکستان سے باہر نہیں گیا تھا۔پھر بھی کہیں اس کا سراغ نہیں مل پا رہا تھا۔اب تو اس کا دل کر رہا تھا کہ ریان کو بتا دینا چاہیے کہ وہ عانیہ کی حفاظت نہیں کر سکا۔لیکن اس کا بھی کیا فائدہ تھا۔سمیع بھی پریشان تھا۔کوئی امید کی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔وہ دونوں اب ہاسپٹل آئے تھے۔وہاب کو دوبارہ ہوش میں آ چکا تھا۔لیکن وہ ابھی تک اس کی عیادت کو نہیں گئے تھے۔وہ کمرے میں داخل ہوئے تو عمرینہ آنٹی وہاب کے پاس بیٹھی نظر آئیں۔حدیقہ کو تیز بخار ہو گیا تھا اور اب گھر تھی۔رنیم اور عمیر بھی گھر جا چکے تھے۔حیدر علی ڈاکٹر کے پاس بیٹھے وہاب کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"اسلام علیکم۔"ان دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا۔وہاب سمیع کو دیکھ کر ذراسا مسکرایا۔عمرینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ان سے سلام دعا کے بعد وہ کمرے سے نکل گئی۔

اور بھئی ہینڈسم !کیسے ہو؟" قاسم وہاب کی طرف متوجہ ہوا۔

"ٹھیک ہوں اور آپ کیسے ہیں؟"وہاب نے احترام سے کہا۔ قاسم اسے تسلی بخش جواب نہیں دے پایا تھا۔وہ سمیع عنایہ کیلیے پریشان تھے۔

"کیا بات ہے؟ آپ دونوں بہت پریشان لگ رہے ہیں۔"وہ فکرمند ہوا۔

"نہیں۔ایسی تو کوئی بات نہیں۔" سمیع نے جلدی سے کہا۔وہ پہلے ہی بیمار تھا اسے اور کیا پریشان کرنا تھا۔

"تو پھر کیسی بات ہے؟"

"وہ دراصل بہزاد شاہ بھاگ گیا ہے۔اسے ہی ڈھونڈنے کیلیے خوار ہو رہے ہیں۔ قاسم نے بات ذرا بدل کر بتائی

"لیکن وہ تو مر نہیں گیا؟"وہاب کو بھی یہ خبر مل چکی تھی۔

"نہیں وہ مرا نہیں بھاگ گیا ہے۔ابھی تک پاکستان سے باہر نہیں گیا۔کیا تم اسے ڈھونڈ سکتے ہو؟"وہ اسے اس حالت میں ایسا کبھی نہ کہتا لیکن مسلہ عانیہ کا تھا۔

"کوشش تو کر سکتا ہوں۔"وہاب نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ابھی کر سکتے ہو؟" قاسم نے بے تابی سے کہا۔"وہاب بستر پر لیٹے لیٹے بور ہی ہو رہا تھا۔سو سر اثبات میں ہلا دیا۔کچھ دیر بعد سمیع اس کا لیپ ٹاپ لے آیا۔وہ دونوں ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔وہاب بستر پر نیم دراز تھا اور گود میں دو سرہانے رکھ کر لیپ ٹاپ رکھ لیا تھا۔ابھی اس نے آن کیا ہی تھا کہ سکرین پر ایک نوٹیفیکیشن آنے لگا۔وہ پہلے حیران ہوا۔پھر پریشان ہوا۔وہ دونوں اس کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھ رہے تھے۔

"عانیہ کہاں ہے؟"اس نے سکرین پر نظریں جمائے تیزی سے پوچھا تو وہ دونوں گڑبڑائے۔وہاب نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"عانیہ کا پتہ چل گیا؟"سمیع نے اس کی طرف آتے ہوئے بے اختیار پوچھا اور سکرین کو دیکھا۔جہاں میپ پر ایک لوکیشن آرہی تھی۔سرخ نشان مسلسل حرکت کر رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"وہاب نے پوچھا۔

"عانیہ مسنگ ہے۔ہم نے بہت کوشش کی اسے ڈھونڈنے کی لیکن وہ نہیں مل رہی۔" قاسم نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔وہاب نے گہری سانس لی۔جب اسے پتہ چلا تھا کہ بہزاد شاہ عانیہ کو اغوا کرنا چاہتا ہے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اسے ایک ٹریکر دیا تھا جو اس نے اپنے بالوں کی پونی میں چھپا لیا تھا۔اور اب وہاب نے اسی کی مدد سے اس کی لوکیشن معلوم کرلی تھی۔

"وہ مل چکی ہے۔"اس نے سکون سے کہا۔

"کہاں؟"وہ دونوں حیرت سے چیخ ہی پڑے۔اور سکرین کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہ اس وقت پشاور میں ہے۔اور بڑی تیزی سے افغانستان کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

"مطلب بہزاد شاہ اسے اپنے ساتھ افغانستان لے کر جارہا ہے۔۔میں کوشش کرتا ہوں کسی طرح اس کی گاڑی وہیں رکوا سکوں۔" قاسم نے کہا۔

"وہ گاڑی پر نہیں ہے۔"وہاب نے کہا تو وہ دونوں چونکے۔عانیہ کے ٹریکر میں آڈیو بگ بھی تھا۔وہاب کو شک تھا کہ جتنی ان کی سپیڈ ہے وہ ہیلی کاپٹر پر ہیں آڈیو سننے کے بعد اسے یقین آگیا تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر پر ہی ہیں۔ہیلی کاپٹر کے پروں کی آواز ان کی باتوں کے ساتھ ساتھ صاف سنائی دے رہی تھی۔قاسم نے تیزی سے سکواڈرن لیڈر حفیظ احمد کو کال کی تھی۔

---------------------------------

صبح ہونے والی بارش سے فضا صاف ہو چکی تھی۔ سورج کی دھوپ نکھر کر مزید چمکنے لگی تھی۔ کہیں کہیں بادل روئی کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے میں ایک ہیلی کاپٹر AW109 بیس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ اس کا رخ کابل کی طرف تھا۔ پاکستان اور افغانستان کی سرحد صرف آدھے گھنٹے کی دوری پر رہ گئی تھی۔ جاوید اور اس کا ایک ساتھی کاک پٹ میں بیٹھے ہیلی کاپٹر کو کنٹرول کر رہے تھے۔ بہزاد شاہ اور ارحم شاہ آمنے سامنے بیٹھے تھے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ چار سیکیورٹی گارڈز بھی تھے۔ عانیہ آخری کونے میں نیچے پڑی تھی۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ دو دن سے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اور مسلسل بے ہوشی کی دوا کے زیر اثر رہی تھی۔ ابھی وہ اثر کچھ دیر کیلیے زائل ہو رہا تھا۔ اس کا دماغ جاگتے ہی گول گول گھومنے لگا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ حسیں بیدار ہونے لگی۔ سارے جسم میں درد محسوس ہونے لگا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں لیکن پھر بند ہو گئیں۔ کچھ لوگوں کی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ ساتھ کوئی گڑگڑ کی آواز بھی تھی۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ کہاں تھی؟.... یہ سوچ اب اسے آئی تھی۔ دماغ پر زور دیا تو یاد آیا کہ وہ تو بہزاد شاہ کی قید میں تھی۔ وہ آوازیں بھی بہزاد اور ارحم کی تھیں۔ اس میں اتنی سکت نہیں ہل سکتی لیکن باتیں پوری توجہ سے سننے لگی تھی۔ وہ کسی ہیلی کاپٹر کی بات کر رہے تھے۔ ان کی بات سے اس کا دھیان گڑگڑ کی آواز کی طرف گیا۔ اسے سمجھنے میں کچھ لمحے لگے تھے کہ وہ اس وقت ہیلی کاپٹر میں ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ وہ لوگ اسے کہاں لے کر جا رہے تھے۔

"افغانستان کا بارڈر اب کتنی دور ہے؟" بہزاد شاہ نے جاوید سے پوچھا۔ عانیہ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ وہ اسے افغانستان لے کر جا رہے تھے۔

"بیس منٹ۔" جاوید نے کہا۔ عانیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ کسی غیر ملک جا رہی تھی جہاں سے اس کا بچنا بہت مشکل تھا۔ وہ لب ہلائے بغیر اللہ سے دعا کرنے لگی۔ اور اس کی دعا قبول ہونے لگی۔

دو ایف سکسٹین طیارے ہوا کو چیرتے پندرہ سو میٹر پر آور کی رفتار سے اس ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک طیارے کا پائلٹ فلائٹ لیفٹیننٹ ریان عباس خان تھا اور دوسرے کو سکواڈرن لیڈر حفیظ احمد کنٹرول کر رہے تھے۔ AW109 ہیلی کاپٹر کی میکسیمم سپیڈ ایک سو اسی میٹر پر آور ہوتی ہے۔ ایف سیکسٹین کی رفتار اس ہیلی کاپٹر سے کئی گناہ زیادہ تھی۔ وہ جب اس سے پانچ منٹ کی دوری پر پہنچ گئے تو جاوید کو پتہ چلا۔

"سر دو طیارے ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔" اس نے پریشانی سے بتایا اور بہزاد شاہ جو بوتل منہ سے لگائے پانی پی رہا تھا نے ایک جھٹکے سے بوتل پیچھے کی۔ اسے زور کا اچھو لگا تھا اور آدھا منٹ کھانسنے میں ضائع کر دیا۔ ارحم بھی گھبرا گیا تھا۔ حیرت سے نکل کر اس نے حواس بحال رکھنے کی کوشش کی۔

"کسی بھی طرح انہیں روکو جاوید ورنہ میں پھنس جاؤں گا۔"

"میں انہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ وہ ملیٹری جیٹس ہیں۔ ان کا ایک بم ہمارے ہیلی کاپٹر کو تباہ کر سکتا ہے۔" جاوید بے چارگی سے بولا۔ بہزاد شاہ غصے اور بے بسی سے جھنجھلا کر رہ گیا۔ ایف سیکسٹین کی آواز قریب آتی جا رہی تھی جو اس کے دل کو کانپنے پر مجبور کر گئی تھی۔ اور عانیہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی جس نے اس کی اتنی جلدی دعا سن لی تھی۔ اس کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ اللہ اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

"بابا اب کیا ہو گا؟" ارحم کے ماتھے پر پسینے آنے لگے۔ بہزاد شاہ نے اپنے سیکیورٹی گارڈز کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"کچھ بھی کرو انہیں روکو۔" ان میں سے ایک نے اٹھ کر ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول دیا۔ تیز ہوا اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے ذرا سا آگے ہو کر دیکھا۔ وہ جیٹس ابھی بہت پیچھے تھے لیکن ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اگلے چار منٹس میں وہ ان تک پہنچ جانے تھے۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔" اس نے پیچھے ہٹ کر پسٹل پکڑی۔

"تم کیا کرنے والے ہو؟"

"اگر ایک بھی گولی ان طیاروں کو لگ گئی تو وہ اڑنے کے قابل نہیں رہیں گے۔" وہ دروازے میں ٹانگیں نیچے لٹکا کر بیٹھ گیا۔ دو لوگوں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا اور وہ آگے کو جھک کر جیٹس پر نشانہ بنانے لگا۔

ریان دائیں جانب تھا اور سر حفیظ بائیں جانب تھے۔ جیٹ میں دور تک دیکھنے کیلیے ایک کیمرہ بھی تھا اور انہیں ہیلی کاپٹر کے دروازے میں سے ایک آدمی اپنی طرف پسٹل تانتے دکھائی دے گیا تھا۔

"وہ فائر کرنے والے ہیں۔" سکوارڈن لیڈر حفیظ احمد نے ریان سے کہا اور کوڈورڈز میں اسے ہدایت دینے لگے۔ ائیر بیس میں بیٹھے کنٹرولرز بھی لمحہ بہ لمحہ انہیں صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے۔ پہلی گولی چلنے پر ان دونوں کے جیٹس کے درمیان فاصلہ تھوڑا بڑھا تھا۔ ریان والے جیٹ کا بائیاں پر تھوڑا سا اوپر کو اٹھا تھا اور سر حفیظ نے بائیں جانب جھکائی دی تھی۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ فضا میں گونجنے لگی تھی۔ انہیں ریڈار کے ذریعے سامنے لگی ایک سکرین پر گولی کی لوکیشن بھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ گولیوں سے بچنے کیلیے جیٹس کو گول گول گھما رہے تھے۔ ان کا ڈائریکشن بھی مسلسل بدل رہی تھی۔ جیٹ سے پرندہ بھی ٹکرائے تو اسے ناکارہ کر دیتا ہے اس لیے وہ بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ چاہتے تو ایک بم مار کر ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دیتے لیکن اس میں عانیہ تھی۔ اور یہ بات ریان بھی جان چکا تھا۔ انہیں ہیلی کاپٹر کو رکنے پر مجبور کرنا تھا اور کیسے کرنا تھا یہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا تھا۔ سر حفیظ نے ہیلی کاپٹر کے بائیں جانب تھوڑا فاصلہ رکھ کر بٹن دبایا اور بم تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ ہیلی کاپٹر

میں بیٹھے لوگوں کی جان فنا ہونے لگی تھی لیکن بم ان کے قریب سے گزر گیا۔ وہ اب مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے تھے۔ دل ایسے دھڑک رہے تھے جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ جائیں گے۔ صرف عانیہ تھی جسے سکون تھا۔ سر حفیظ نے بم ان کی طرف پھینک کر باور کروایا تھا کہ وہ انہیں پل بھر میں تباہ کر سکتے ہیں۔ بہزاد شاہ کے حواس کچھ بحال ہوئے تو اس نے زہن کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔

"وہ اب کتنی دور ہیں؟" اس نے جاوید سے پوچھا۔

"صرف دو منٹ کی دوری پر۔"

"اکرم تم اس لڑکی کو اٹھا کر دروازے میں بٹھاؤ۔ جلدی۔" وہ مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔ ارحم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ کیا کرنے والے ہیں؟"

"اس لڑکی کو دیکھ کر وہ لوگ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔" اس نے کہا۔ اکرم نے عانیہ کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کے قریب لا بٹھایا۔ وہ بھی بغیر ہلے جلے اور آنکھیں بند کیے گھسیٹتی رہی تھی۔ تیز ہوا نے اسے تقویت بخشی تھی۔ اکرم نے اسے پیچھے سے دونوں کندھوں سے تھام رکھا تھا اور وہ آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ اگر اکرم اسے ایک لمحے کیلیے بھی چھوڑ تا تو وہ ہیلی کاپٹر سے نیچے گر سکتی تھی۔

"جلیل تم بھی دروازے میں بیٹھو اور جونہی وہ طیارے قریب آئیں تم ان کے انجنز میں نشانہ بنانے کی کوشش کرنا۔" اس نے کہا تو جلیل بھی دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ عانیہ پریشان ہو گئی۔ اب پتہ نہیں کیا ہونے والا تھا۔ اسے یہ سن کر فکر ہوئی تھی کہ وہ لوگ فائٹر جیٹس کو نشانہ بنانے والے ہیں۔ اور وہ فائٹر پائلٹس اس کی وجہ سے شاید ہیلی کاپٹر پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ریان اسے بچانے آ رہا ہے۔ اور اگر اسے کچھ ہو گیا تو

وہ زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ دعا کرنے لگی کہ ریان نہ ہو لیکن کوئی بھی فائٹر پائلٹ ہوتا وہ تھا تو ایک انسان ہی۔ وہ بھی تو کسی کا پیارا تھا۔ اور وہ اپنی وجہ سے کسی کی بھی جان جاتی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

دونوں طیارے اب ہیلی کاپٹر کے بالکل قریب آ گئے تھے اور رفتار کم کر لی تھی۔ لیکن جتنی بھی رفتار کم کرتے ہیلی کاپٹر کے جتنا سلو نہیں ہو سکتے تھے۔ ریان ہیلی کاپٹر کے دروازے کی طرف تھا۔ وہ تیزی سے ہیلی کاپٹر کے برابر آ رہا تھا۔ اسے دور سے ہی عانیہ دکھ چکی تھی۔ دل کو کسی نے جیسے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ غافل ہوا تھا۔ ابھی ہیلی کے برابر آنے میں دس سیکنڈز تھے جب ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور جیٹ کے انجن میں گھس گئی۔ جیٹ آؤٹ آف کنٹرول ہونے لگا اور انجن میں سے دھواں اٹھنے لگا۔ ریان نے تیزی سے سر حفیظ کو بتایا۔

عانیہ نے اپنے سامنے سے گزرتے طیارے کو ڈولتے دیکھا تو اس کا دل لرز گیا۔ اگر انہوں نے ہیلی پر حملہ نہ کیا تو دوسرا جیٹ بھی تباہ ہو سکتا تھا۔ اسے ایک ہی پل لگا تھا فیصلہ کرنے میں۔ پوری ہمت جمع کر کے اس نے جھٹکے سے خود کو پیچھے بیٹھے آدمی کی گرفت سے چھڑایا اور آگے کو جھک گئی۔ دوسرے ہی پل وہ آزاد فضاؤں میں تھی۔

"ایجیکٹ۔" سر حفیظ نے تیزی سے اسے ہدایت کی۔ ریان اس وقت ہیلی سے کچھ آگے نکل چکا تھا اور واپس مڑتے ہوئے عانیہ کو دیکھ چکا تھا جو تیزی سے نیچے گر رہی تھی۔ اس کے حواس مختل ہونے لگے۔ سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔ کنٹرولرز اسے ایجیکٹ کرنے کو کہہ رہے تھے لیکن اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ اسے اپنی دیا کو بچانا تھا۔ اگر وہ جیٹ کو نیچے گرتی عانیہ کی طرف کر دیتا اور جب بالکل اس کے اوپر پہنچ جاتا تو ایجیکٹ کر دیتا۔ جیٹ نے تو آگے نکل جانا تھا لیکن اس نے عانیہ کی سمت میں نیچے گرنا تھا۔ اس طرح وہ عانیہ کو بچا سکتا تھا۔ اس کے دماغ نے منصوبہ بنایا اور اس نے جہاز کا رخ اس کی جانب موڑا۔ پھر نیچے کی طرف غوطہ کھایا تو عانیہ گرتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے کالے رنگ کی فراک ہوا کی وجہ سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہ بہت نیچے جا چکی تھی اور اسے اس کے

قریب پہنچ کر ایجیکٹ کرنا تھا تاکہ جلدی اسے پکڑ سکے۔ جیٹ میں ایک سسٹم کے ذریعے اسے عانیہ کی لوکیشن بھی معلوم ہو رہی تھی۔ اسے یقین تھا وہ عانیہ تک پہنچ جائے گا۔

سر حفیظ نے عانیہ کو گرتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ جانتے تھے کہ ریان اسے بچانے کیلیے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ اس لیے انہوں نے اسے ہدایت دینا روک دی اور ہیلی کاپٹر کے روٹر پر نشانہ باندھ کر بٹن دبا دیا۔ ہیلی کاپٹر ڈولنے لگا اور گول گول گھوم کر نیچے گرنے لگا۔ سب نے پیراشوٹ والی جیکٹس پہن کر نیچے چھلانگیں لگا دیں۔ عانیہ سیدھی نیچے گر رہی تھی جبکہ ریان کا جیٹ ترچھی سمت میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب اور اوپر پہنچنے تک جیت میں آگ لگ چکی تھی۔ جوں ہی سکرین نے اسے عانیہ کے اوپر آ جانے کا اشارہ دیا اس نے ایجیکٹ کا بٹن دبا دیا۔ کاک پٹ کا شیشہ کھلا اور وہ اوپر کی جانب اچھلا۔ جیٹ آگے بڑھ گیا اور وہ نیچے گرنے لگا۔ اس نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بالکل عانیہ کے اوپر ہی تھا۔ اس نے ہاتھ آگے کر کے جوڑ لیے اور سر کا رخ بالکل نیچے کر دیا تاکہ وہ جلد از جلد عانیہ تک پہنچ سکے۔ اوپر سے گرتے لوگوں نے پیراشوٹ کھول لیے تھے لیکن اس نے ابھی تک نہیں کھولا تھا۔ ہیلی کاپٹر بھی پتہ نہیں کس سمت میں نیچے گر رہا تھا اور اس کا جیٹ بھی تیزی سے زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے اور عانیہ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک سیکنڈ میں اسے پکڑ لے لیکن ابھی اسے صبر اور تحمل سے کام لینا تھا۔ اور جب عانیہ زمین سے تقریباً پانچ سو فٹ کی بلندی پر تھی تو ریان نے اس کا پاؤں پکڑ لیا تھا۔ عانیہ نیم بے ہوش تھی۔ لیکن جب کسی نے اسے پکڑا تو اس نے ایک پل کیلیے آنکھیں کھولیں تھیں۔ ریان نے اسے تیزی سے اوپر اچھالا۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ اوپر ہوئی تھی اور ریان نیچے ہو گیا تھا۔ پھر ریان نے ایک بازو سے اس کی کمر پر حمائل کر خود سے لگا لیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے پیراشوٹ کی ہک کھولنے لگا تھا۔ عانیہ نے کسی ننھے بچے کی طرح سہم کر اس کے سینے میں چہرہ چھپا لیا تھا۔ تحفظ کا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ وہ جان چکی تھی کہ اسے بچانے والا ریان ہی ہے۔ کچھ دیر پیراشوٹ کھل گیا اور ایک

دم ہی ان کے نیچے گرنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ ریان نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس خارج کی تھی۔ بے اختیار عانیہ کو دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

"دیا۔" اس نے پکارا تو اس کے لہجے میں پیار، ڈر، اور بے تابی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ عانیہ نے بمشکل سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر کئی لمحے یونہی بہہ گئے تھے اور وہ نیچے گرتے رہے۔ عانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو وہ چہرہ جھکا گئی۔ ریان چونک کر ہوش میں آیا تھا۔ زمین ان سے سو فٹ کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ نیچے پتھریلی اور ریتلی پہاڑی نظر آ رہی تھی۔ اس کی چوٹی تھوڑی ہموار تھی۔ وہ با آسانی وہاں اتر سکتے تھے۔ اور جب ریان کے قدم زمین کو چھونے لگے پیراشوٹ بھی نیچے گر گیا۔ اس نے جھک کر عانیہ کو زمین پر لٹایا۔ وہ غنودگی میں تھی۔ جسم گرم تھا۔ اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور نبض بہت آہستہ چل رہی تھی۔ ریان پیراشوٹ کی رسیاں اتار کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ عانیہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو وہ دلفریب سا مسکرا دیا۔ اس کا دل سرشار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی دیا بچا لی تھی۔ عانیہ نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے دائیں جانب ایسے لیٹ گیا کہ اس کی پاؤں عانیہ کے سر کی سمت میں تھے۔

"ریان۔" اسے پکارنے کیلیے عانیہ کو بہت ہمت لگانی پڑی۔ ریان ایک بازو سر تلے رکھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ نقاہت سے مسکرائی تھی۔

ریان نے بازو اٹھا کر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ عانیہ نے بھی ہاتھ بلند کیا اور اس کے ہاتھ میں ایسے دیا جیسے وہ آرام ریسلنگ کرنے والے ہوں۔ ریان نے اٹھتے ہوئے اسے بھی ایک جھٹکے سے اٹھایا۔ عانیہ نے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسے ایک دفعہ دیکھا اور پیشانی اس کے کندھے پر رکھ کر خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔ ریان اس کے بال سہلانے لگا۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔" وہ بولی۔ جب اس نے نیچے چھلانگ لگائی تھی تو اسے یقین تھا وہ مرنے والی ہے۔ اور اسے اس وقت خوف آیا تھا۔

"ڈر کا تم سے کیا تعلق۔ تم تو شیرنی ہو۔" ریان نے مسکرا کر کہا۔

"وہ لوگ مجھے افغانستان لے کر جا رہے تھے۔.... اگر تم نہ آتے تو وہ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا کرتے۔" وہ سر اس کے کندھے سے ٹکائے ہی بولی۔ ریان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"بی بریو دیا۔"

"مجھے لگ رہا ہے کہ میری زندگی ختم ہونے والی ہے۔...... اگر میں مر جاؤں تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ بمشکل سانس کھینچ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کے آخری سانس ہیں اور موت کہیں آس پاس ہی کھڑی ہے۔ ریان کی جدائی کا سوچ کر اس کا دل اذیت سے بھر گیا تھا۔ یہ اذیت اس نے گرتے وقت بھی سہی تھی۔ نیچے گرنے سے تو بچ گئی لیکن اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اسے اپنا بچنا مشکل لگ رہا تھا۔

"شٹ اپ دیا۔ فضول مت بولو۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" وہ ڈپٹ کر بولا۔ لیکن دل ڈر رہا تھا۔ اسے عانیہ کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"تم تقدیر نہیں بدل سکتے۔" وہ تھکن زدہ لہجے میں بولی۔ ریان نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"میں بدل سکتا ہوں۔" اسے بھی اپنی دعاؤں پر بھروسہ تھا۔ عانیہ اداس سا مسکرائی۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ سر دوبارہ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"اپنا خیال رکھنا اور رونا مت۔" اس کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھی۔

"دیا پلیز ایسے مت کہو۔" اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔ اور وہ خاموش ہو گئی تھی۔ ریان کے ارد گرد سناٹا چھانے لگا۔ دور کہیں گولیوں کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا۔ آسمان پر پھر سے سرمئی بادل چھانے لگے تھے۔ سورج کا تھوڑا سا حصہ بادلوں میں سے جھانکتا اپنی سنہری کرنیں بکھیر رہا تھا۔ کیا کوئی امید کی کرن باقی تھی؟...... ریان نے سنہری کرنوں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا اور دل نے کہا تھا...... ہاں۔

-----------------------------------

تین سال بعد......

صبح کی سفیدی نے سارے گھر کو روشن کر رکھا تھا۔ کمرے کی کھڑکی سے بیک گارڈن کا خوبصورت منظر نظر آ رہا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ہی بے بی کاٹ پڑا تھا جس میں ایک چھ ماہ کا بچہ ہاتھ پاؤں مارتا زور شور سے رونے میں مصروف تھا۔ لیکن اس کی دہائی سننے کیلیے ابھی تک وہاں کوئی نہیں پہنچا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور واشروم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اسے روتے کچھ دیر اور گزری تو واشروم کا دروازہ کھلا اور عمیر گیلے بال تولیے سے رگڑتا باہر نکلا۔ وہ اس وقت بلیک پینٹ میں ملبوس تھا۔ رونے کی آواز سن کر وہ بنیان پہنے بغیر ہی باہر آ گیا تھا۔ تولیہ بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ بے بی کاٹ کی طرف بڑھا۔ رو رو کر بچے کا رنگ سرخ پڑ چکا تھا۔ عمیر نے اسے احتیاط سے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

"حسن...... میرے بچے چپ کر جا۔ کبھی تو مجھے سکون سے نہانے دیا کر۔" حسن کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اس نے شکوہ کیا۔ اور اس کا یہ شکوہ بے جا نہیں تھا۔ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ اتوار والے دن وہ لیٹ اٹھتا تو حسن سویا ہوتا اور جب وہ واشروم میں شاور لے رہا ہوتا تو حسن جاگ کر رونا شروع کر دیتا۔ ریشم بھی کمرے سے باہر کچن کے کاموں میں مصروف ہوتی تھی۔ اور اسے ہی مزید شاور لینے کا ارادہ ترک کرنا پڑتا۔

"ایک تو ریتم پتہ نہیں کہاں چلی جاتی ہے۔ آجکل فری بھی ہے پھر بھی بچہ سنبھالنے نہیں ہو رہا۔" وہ غصے سے کہتا کمرے میں ٹہلنے لگا۔ حسن ابھی بھی چپ نہیں ہوا تھا۔

"اچھا تو تم کیسے خوش ہو گے ؟" اس نے حسن کا چہرہ سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔ حسن کے رونے میں کمی ہوئی۔ وہ معصوم سی کالی آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھنے لگا۔ عمیر کا دل کیا اس کا ماتھا چوم لے لیکن اس نے پھر سے رو پڑنا تھا۔ اور اسے چپ کروانا بہت ہی مشکل تھا۔

"یار کبھی ہنس بھی لیا کرو۔ ہر وقت روتے رہتے ہو۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔ وہ حسن کو ہنسانے کی اتنی کوشش کرتا تھا لیکن آج تک اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ جبکہ ریتم اس سے دو باتیں ہی کر لیتی تو وہ ہنسنے لگتا۔

"آج تو میں تمہیں ہنسا کے ہی چھوڑوں گا۔" عمیر نے اسے اپنے ایک بازو پر لٹا کر دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں گدگدی کی۔ لیکن حسن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ہنوز رو رہا تھا۔ عمیر نے بھی ہمت نہ چھوڑی اور اس کے بال سہلانے لگا۔ لیکن نہیں۔ وہ بھی مان کے نہ دیا۔ عمیر نے اسے بغلوں کے نیچے سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔ کچھ سوچ کر اسے اوپر کی طرف اچھالا۔ حسن کا رونا بند ہو گیا۔ جب وہ دوبارہ عمیر کے ہاتھوں میں آیا تو اس کا ایک ننھا سا قہقہہ عمیر کو سنائی دیا تھا۔ عمیر کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ بس پھر کیا تھا وہ اسے اوپر اچھالنے لگا اور حسن کے قہقہے کمرے میں گونجنے لگے۔

ریتم نے دروازہ کھولا تو اندر کا وہ منظر دیکھ کر اس کا دل دہل گیا۔

"ہائے میرا بچہ۔" وہ تیزی سے عمیر کی طرف بڑھی۔ عمیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو یہ کتنا ہنس رہا ہے۔"

"کیا کر رہے ہیں ؟..... گر جائے گا وہ۔" اس نے حسن کو پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے لیکن عمیر نے حسن کو بازوؤں میں چھپا کر رخ پھیر لیا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔" عمیر نے اسے ایک دفعہ پھر اوپر اچھالا اور کیچ کر لیا۔ حسن پھر ہنسا لیکن رینم کا دل کانپنے لگا۔

"عمیر اسے مجھے دیں۔" وہ حسن کو پکڑنے کے لیے پھر آگے بڑھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"اتنی ہی فکر ہوتی ہے تو اسے اکیلا چھوڑ کر کیوں جاتی ہو؟"

"وہ سو رہا تھا اس وقت۔" وہ نظریں اس سے پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"پھر بھی اس کے پاس رہا کرو۔ جب بھی میں واشروم میں نہا رہا ہوتا ہوں یہ رونا شروع کر دیتا ہے۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"آج پھر؟" وہ کھل کر ہنسی۔ عمیر کو مزید تپ چڑھا۔ اس نے حسن کو اوپر اچھالا اور رینم نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ عمیر نے بھی اسے پکڑ لیا اور دونوں میں سے کوئی اسے چھوڑنے کیلیے تیار نہیں تھا۔

"عمیر دے بھی دیں۔"

"یہ میرا بھی بیٹا ہے۔ اب تھوڑی دیر کھیل بھی نہیں سکتا اس کے ساتھ۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"اسے بھوک لگی ہے۔" رینم نے بہانہ بنایا۔ حالانکہ ابھی اس نے اسے فیڈ کروا کر سلایا تھا۔ عمیر نے اسے چھوڑ دیا اور رینم نے اسے سینے سے لگا کر چوما۔

"آپ کے بابا بہت برے ہیں۔ دیکھو کیا حال کر دیا تمہارا۔" حسن کی حالت مضحکہ خیز ہو چکی تھی۔ شرٹ کا گلا کندھوں تک آ گیا تھا اور نکر بھی نیچے پہنچ چکی تھی۔ رینم نے اسے بیڈ پر لٹا کر اس کا حلیہ درست کیا۔ اور اسے گود میں لے کر تھپکنے لگی۔ عمیر بنیان پہن کر اس کی طرف مڑا۔

"اسے تو بھوک لگی تھی۔" اس نے رینم کو تیکھی نظروں سے گھورا۔

"نہیں شاید اسے نیند آ رہی تھی۔" وہ گڑبڑا کر بولی۔

"وہ ابھی اٹھا ہے نیند سے اور تم اسے پھر سلا رہی ہو۔"

"نیند میں ڈر گیا تھا اسی لیے اٹھا تھا۔ دیکھیں پھر سو رہا ہے وہ۔" حسن کی آنکھیں پھر بند ہو رہی تھیں۔ ماں کی آغوش میں جاتے ہی وہ پرسکون ہو کر سو جاتا تھا۔ اور عمیر کو اسی بات کا دکھ تھا۔ حسن اس کے پاس آکر صرف روتا ہی تھا۔ لیکن آج اس نے اسے ہنسانے کا معرکہ سر کر لیا تھا۔ وہ سٹی پر کسی گانے کی دھن بجاتا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ رنیم اسے دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی نظر اتار رہی تھی۔

"شرٹ تو پہن لیں۔" وہ بولی۔

"نکال دو پہن لوں گا۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ رنیم نے سوئے ہوئے حسن کو اٹھا کر کاٹ میں ڈالا اور وارڈروب کی جانب بڑھی۔

"ایک تو آپ بھی نا خود کو شہنشاہ وقت سمجھتے ہیں۔" اس نے شرٹ اسے پکڑاتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔

"اور تمہیں اپنی ملکہ۔" وہ شرٹ پکڑنے کی بجائے اسے کلائی سے تھام کر اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔ رنیم سرخ پڑی۔

"ملکہ سمجھتے تو میری ہر بات مانتے۔ اتنے دنوں سے میں آپ کو شاپنگ کیلیے کہہ رہی ہوں اور آپ مجھے ٹال رہے ہیں۔" اس نے عمیر کا دھیان رومینس سے ہٹا کر بات بدلی۔

"تو پھر چلو آج میں تمہیں شاپنگ کرواتا ہی دیتا ہوں۔ کیا یاد کرو گی۔ کیسا سخی شوہر ملا ہے تمہیں۔" وہ اس کی کمر پر بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

"اور ڈنر بھی باہر کریں گے۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ عمیر مسکرایا۔

"ٹھیک ہے ہم آج رات کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کینڈل لائٹ ڈنر کریں گے۔ ماحول تھوڑا رومینٹک ہو جائے گا۔ کیوں؟" رنیم نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ اس کی سوئی پھر وہیں کی وہیں تھی۔ شادی کو تین سال ہو چکے تھے اور وہ آج بھی اسے شدت سے چاہتا تھا۔ اس کے پیار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اس سے کبھی اکتایا نہیں تھا۔ جب بھی

دمے کی وجہ سے اس کا سانس مشکل ہوتا تو وہ اسے سہارا دیتا۔ اس کا خیال رکھتا۔ اس کا علاج مکمل ہو چکا تھا لیکن کبھی کبھار طبیعت خراب ہو جاتی تو وہ پریشان ہو جاتا۔ اور جب اس کی پریگنینسی کی خبر سنی تو اسے مزید اہمیت دینے لگا۔ اس وقت اس کے نہم کے پیپر ہونے میں دو مہینے تھے۔ وہ پرائیویٹ پڑھ رہی تھی۔ عمیر نے ہی اسے تیاری کروائی تھی اور وہ بورڈ میں بہت اچھے نمبر لے کر پاس ہوئی تھی۔ پھر دہم کلاس کے پیپرز میں پانچ مہینے رہتے تھے کہ حسن پیدا ہوا تھا۔ اس نے حسن کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی جاری رکھی اور اب میٹرک کے پیپرز ختم ہوا ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اگر عمیر قدم قدم پر اس کا ساتھ نہ دیتا تو وہ کبھی پڑھ نہ پاتی۔ وہ جانتا تھا کہ رینم ڈاکٹر بننا چاہتی ہے اور وہ اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ خود وہ بی ایس آنرز کر چکا تھا اور آج کل وہاب کے ساتھ مل کر بابا کی کمپنی وہی سنبھال رہا تھا۔ مصروفیت کی وجہ سے رینم کی شاپنگ پینڈنگ پر تھی۔ لیکن آج اس نے یہ ادھار بھی اتارنے کی ہامی بھر لی تھی۔

-----------------------------------

آسمان پر سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھی۔ مارچ کا مہینہ تھا اور موسم بہار کی ٹھنڈی ہوائیں ہر سو بکھر رہی تھیں۔ مرتضیٰ ہاؤس کے صحن میں رنگ برنگے پھول ہوا سے لہراتے ماحول کی خوبصورتی بڑھا رہے تھے۔ ایک طرف دیوار پر پھل دار درخت ایک قطار میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ہر بار کی طرح آج بھی یونی سے آنے کے بعد ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آگئی تھی۔ وہ اب دوسرے سمیسٹر میں تھی۔ الیکٹریکل کیمسٹری میں بی ایس آنرز کر رہی تھی۔ اس کا سائنٹیسٹ بننے کا خواب پورا ہو رہا تھا۔ لیکن اس کا دل بہت اداس تھا۔ کیونکہ سمیع اس کے پاس نہیں تھا۔ شادی کے بعد ایک مہینہ بہت خوبصورت گزرا تھا۔ سمیع نے اسے بے انتہا پیار دیا تھا۔ وہ تو کسی پرندے کی طرح آسمانوں پر اڑنے لگی تھی۔ وہ ولیمے کے فنکشن کے بعد اسے ہنی مون پر چین بھی لے کر گیا تھا۔ وہ دن رات ساتھ ساتھ رہتے۔ لیکن وہ خواب ناک لمحے جلد ہی گزر گئے اور سمیع ایس ایس جی ٹریننگ کے

لیے چلا گیا۔ اسپیشل سروسز گروپ کی ٹریننگ بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ ہر کورس کے امتحان میں کتنے ہی لوگوں کو واپس بھیج دیا جاتا۔ جس میں برداشت ہوتی صرف وہی آگے جا سکتا ہے۔ سمیع نے ہر امتحان کو پاس کیا اور آگے بڑھتا رہا۔ اب وہ سیاہ چن کی پہاڑیوں پر ڈیوٹی دے رہا تھا اور یہ اس کا آخری کورس تھا۔ یہاں اس کا امتحان سردی کو برداشت کرنا تھا۔ مشکل تو بہت تھا لیکن وہ سروائیو کر رہا تھا۔ حریم سے اس کی بات بھی کم ہی ہوتی تھی۔ دوسرے تیسرے مہینے وہ فون پر بات کر لیتا تھا اور ابھی تک ایک دفعہ بھی گھر نہیں گیا تھا۔ حریم اس کی یاد میں ہر روز روتی اور تڑپتی تھی۔ اس کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ لائبہ اور عریج اسے نارمل کرنے کی بہت کوشش کرتیں تھیں۔ عریج تو خاص طور پر بڑی بہنوں کی طرح اس کا خیال رکھتی۔ اس کا بیٹا شیراز دو سال کا ہو چکا تھا۔ وہ اسے لے کر کراچی آجاتی تو حریم کا دل بھی بہل جاتا۔ حسیب بھی ہر ہفتے ملنے آجاتا تھا۔ ماما بابا ایک دو دفعہ اس سے ملنے آئے تھے اور ان کے معافی مانگنے کے باوجود وہ ان سے رویہ ٹھیک نہ کر سکی۔ ان کے سامنے جاتے ہی اس کی آنکھوں میں سرد مہری سی آجاتی۔ بہنوں سے بھی وہ کم ہی فرینک تھی۔ اس کا دل اتنا ویران تھا کہ وہ کوشش کے باوجود خود تلخ ہونے سے روک نہ پاتی۔ اب بھی وہ ایک درخت سے دائیں کندھے کی ٹیک لگائے کھڑی رو رہی تھی۔

"اگر تم نے مجھ سے دور ہی جانا تھا تو پاس کیوں آئے" وہ دکھ سے بڑبڑائی تھی۔

"میں تو ہر پل تمہارے ساتھ تھا۔ تم نے محسوس ہی نہیں کیا۔" سمیع کی آواز آئی جسے اس نے پہلے اپنے ذہن میں گونجتی بازگشت سمجھا لیکن پھر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ کرنٹ کھا کر مڑی۔ سمیع اسے اپنے سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ آرمی یونیفارم میں ملبوس وہ چہرے پر دلکش سی مسکراہٹ لیے اسے پہلے سے کہیں زیادہ ہینڈسم لگا تھا۔ اسے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اچانک اس کے پاس کیسے آگیا۔ دل دھڑکنا ہی بھول گیا اور وہ بے ہوش ہو کر نیچے گرنے لگی کہ سمیع نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

"حریم!" وہ پریشانی سے اس کے زرد چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا جسم تپتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"اوہ گاڈ۔ اسے تو بخار ہے۔" اس نے حریم کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اندر کی جانب چل پڑا۔ لاؤنج میں داخل ہوا تو عریج سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ سمیع کو اتنے عرصے بعد دیکھ کر وہ خوش تو بہت ہوئی لیکن حریم کو اس کے بازوؤں میں بے سدھ پڑا دیکھ کر پریشان ہوتی جلدی سے نیچے آئی۔

"اسے کیا ہوا؟"

"مجھے سامنے دیکھ کر بے ہوش ہو گئی۔" سمیع نے کہا۔ عریج نے حریم کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا۔

"اسے کل سے بخار تھا۔ میڈیسن تو دی تھی لیکن بخار ابھی تک نہیں اترا۔ تم اسے کمرے میں لے کر جاؤ۔ میں ماما کو بلا کر لاتی ہوں۔" عریج کہہ کر ایک طرف چلی گئی اور وہ اسے لے کر کمرے میں آ گیا۔ ابھی بستر پر لٹا کر اوپر کمبل دے رہا تھا کہ عریج اور لائبہ آ گئیں۔ لائبہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سمیع نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگایا۔

"میرا بیٹا۔" وہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرط جذبات سے بولیں۔ عریج شیراز کو بازو میں اٹھائے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"تمہیں ماں کی یاد نہیں آئی۔ اتنی دیر کر دی آنے میں۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولیں۔ سمیع سر جھکا کر مسکرا دیا۔

"اب تو آ گیا نا اور پورے دو مہینے یہیں آپ کے پاس رہوں گا۔" وہ کہتا ہوا عریج کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے سینے سے لگانے کے بعد شیراز کو اٹھا لیا۔

"کتنا پیارا ہے تمہارا بیٹا۔" وہ شیراز کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"اس سے بعد میں پیار کر لینا پہلے حریم کی خبر لو۔" وہ شیراز کو واپس لیتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا ہے حریم کو؟" لائبہ نے پوچھا۔

"بے ہوش ہو گئی ہے۔" عریج نے کہا۔ سمیع مڑ کر حریم کی طرف آ گیا تھا۔

"میں نے اسے یونی جانے سے منع بھی کیا تھا۔ اب طبیعت خراب کر لی ہو گی۔" لائبہ بھی حریم کی طرف بڑھیں اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا۔

"فکر نہ کریں ماما۔ سمیع آ گیا ہے نا۔ اب دیکھیے گا کیسے ٹھیک ہوتی۔" عریج نے شرارت سے کہا۔ لائبہ مسکرا دی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں باہر چلی گئیں تو سمیع حریم کی طرف مڑا۔ اس کا ستا ہوا چہرہ دکھ کا عکاس تھا۔ سمیع نے جگ میں سے پانی لے کر اس کے چہرے پر چھڑکا تو اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔ دھیرے سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو سمیع کو خود پر جھکے پایا۔

"کیا ہو گیا ہے بلی تمہیں۔ اچھا بھلا تو چھوڑ کر گیا تھا تمہیں میں۔" وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ حریم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سمیع نے تاسف سے اسے دیکھا۔ پھر اس پر سے کمبل اتار کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ حریم کی دھڑکن تیز ہوئی۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔ زرد چہرہ گلاب کی طرح کھلنے لگا۔

"ویسے تم کافی خوبصورت ہو چکی ہو۔" وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ حریم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کیسے ہو؟"

"اب کیا بتاؤں کیسا ہوں۔ تمہاری یاد میں دبلا ہو گیا ہوں۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا۔ حریم کی ہنسی نکل گئی۔ وہ دبلا تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ صحت مند ہو گیا تھا۔ سخت ٹریننگ کرنے سے اس کے مسلز بہت مظبوط ہو گئے تھے۔ حریم نے سر اس کے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔

"تم یونیفارم میں اچھے لگ رہے ہو۔" اس نے سچے دل سے اس کی تعریف کی تھی۔

"صرف اچھا۔" سمیع نے منہ بنا کر پوچھا۔

"مجھے پہلے نیچے اتارو پھر سامنے سے دیکھ کر بتاؤں گی۔" وہ چالاکی سے بولی۔

"تم رہنے ہی دو۔" وہ جل کر بولا۔

"تم تھکے ہوئے ہو۔" اس نے بڑی ہمدردی سے یاد دلایا۔

"تھکن ہی تو اتار رہا ہوں۔" اس کے معنی خیز جملے پر وہ سرخ پڑی تھی۔ سمیع کو اتنے عرصے بعد یہ خوبصورت منظر دیکھنے کو ملا تھا۔

"ارے کچھ بولو نا بلی۔" جب بہت دیر تک وہ اس کے سینے میں چہرہ چھپائے کچھ نہ بولی تو اس نے اسے بولنے پر اکسایا۔

"میں نے تمہیں بہت مس کیا۔"

"میں نے بھی۔"

"کب تک یہاں رہو گے ؟"

"دو ماہ۔"

"اپنا عادی بنا کر پھر چلے جاؤ گے۔" وہ دل گرفتگی سے بولی۔

"نہیں اب ہمارا رابطہ ہوتا رہے گا۔ میری پوسٹنگ کراچی ہو گئی ہے۔" اس نے خوشخبری دی۔ اس کی ٹریننگ ختم ہو چکی تھی۔ اور پوسٹنگ کراچی کی بندرگاہ پر ایک سیکیورٹی چیک پوسٹ پر ہوئی تھی۔

"پھر تم مجھ سے دور تو نہیں جاؤ گے نا؟" اس نے آس سے پوچھا تھا۔ سمیع نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حریم خوشی سے کھل اٹھی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ذرا سا جھکا تھا۔ اور وہ جلدی سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

"یہ چیٹنگ ہے بلی۔ میں اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔ تمہیں میری خدمت کرنی چاہیے۔" اس نے دہائی دی۔

"ہاں تو نیچے اتارو نا۔ میں تمہارے لیے کوئی اچھی سی ڈش بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں تم بس اپنا چہرہ اوپر کرو۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولا۔ لیکن حریم چہرہ نہ اٹھا سکی۔ سمیع اسے گود میں لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا اور ایک ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اونچا کیا۔ اس کا گلنار چہرہ اور لرزتی ہوئی پلکیں دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔ نظر لبوں پر آ کر ٹھہری تو اس نے بے اختیار جھک کر اس کے لب چوم لیے۔ لمبے عرصے کی جدائی کے بعد ان کی محبت کو وصال نصیب ہوا تھا۔ ان کے دل پھر سے ایک ہی لے پر دھڑکے تھے۔ اور موسم بہار کی فضا مزید خوبصورت ہو چکی تھی۔

-----------------------------

اسے آج بھی یاد تھا جب تین سال پہلے وہاب کو گولی لگی تھی تو اسے کتنا دکھ سہنا پڑا تھا۔ بہت سے لوگوں کی دعاؤں سے وہ موت کے منہ سے واپس آ گیا تھا۔ حدیقہ کو پورا مہینہ بخار نہیں اترا تھا۔ اسے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ وہ کہیں پھر سے اسے چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ وہ اس کے لیے بہت حساس ہو گئی تھی۔ بخار کے باوجود اس کا ہر کام خود کرتی۔ اس کا بہت خیال رکھتی اور ہر وقت پوچھتی رہتی کہ اسے درد تو نہیں ہو رہا۔ وہاب اس کی دل کیفیت جانتا تھا۔ وہ اسے تسلی دیتا کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا لیکن وہ اس کے سینے پر زخم دیکھ کر رونے لگتی۔ تین مہینے تک وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ پانچویں سمیسٹر کے پیپر ہونے والے تھے اور اس نے وہ مس نہیں کیے تھے۔ آفس کا کام بھی وہ گھر میں ہی رہ کر کر لیتا تھا۔ پیپرز کے بعد وہ آفس جانے لگا تھا۔ قاسم کے کہنے پر اس نے اس کی خفیہ ایجنسی کے لیے ہیکنگ کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ اس کا ٹیلنٹ تھا اور وہ بغیر کسی غرض کے اس ٹیلنٹ کو پاکستان کیلیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ ویسے تو وہ گھر پر ہی رہ کر یہ کام کر لیتا تھا لیکن کبھی کبھار معاملہ کچھ سیریس ہوتا تو اسے اسلام آباد جانا پڑتا۔ جہاں دوسرے ہیکرز کے ساتھ مل کر وہ ٹارگٹ اچیو کرنا پڑتا۔ اور کچھ دنوں کے لیے حدیقہ سے دور رہنا پڑتا۔ حدیقہ بھی سافٹ ویئر انجینئرنگ میں بی ایس آنرز کر رہی تھی۔ مصروفیات کے باوجود وہ ایک دوسرے کو پہلے جتنا ٹائم دیتے۔ وقت گزرتا رہا اور ان کا پیار مزید بڑھتا گیا۔ آج سے نو مہینے پہلے اسے ماں بننے کی

خوشخبری ملی تھی۔ وہاب اس وقت آفس میں تھا۔ اور اسے اس دن اس کا سامنا کرنا بہت مشکل لگا تھا۔ وہ گھر آیا تو سب نے معنی خیز طریقے سے اس کے سامنے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر اس نے کمرے میں آکر اس سے پوچھا تو اس کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کیسے بتائے۔ بہت مشکلوں سے اس نے سچ بتایا اور وہاب کی خوشی اس وقت قابل دید تھی۔ اس نے حدیقہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر گول گول گھومتے ہوئے اسے جھولے دیے تھے۔ پھر اس کا اتنا خیال رکھا کہ وہ اکتا ہی جاتی۔ اس کے ڈائٹ پلان میں ہر روز سوپ کا ایک کپ شامل تھا اور وہاب سختی سے اسے پلاتا۔ سپائیسی کھانے بند ہو گئے۔ میٹھا اور چاکلیٹ بھی ایک حد تک ہی کھانے کی اجازت تھی۔ جو جو چیزیں اسے ناپسند تھیں ڈاکٹر نے بھی وہیں ڈائٹ پلان میں لکھ کر دی تھیں۔ اوپر سے دوا الگ کھانی تھی۔ وہاب نے اسے کہیں جانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ خاندان میں کوئی بھی تقریب ہوتی وہ اسے نہ جانے دیتا۔ پانچویں سمیسٹر کے پیپر تو اس نے دے لیے لیکن اب ڈیلیوری کی وجہ سے چھٹا سمیسٹر ڈراپ کرنا پڑا تھا۔ وہ اتنی پابندیوں پر وہاب سے ناراض بھی ہو جاتی لیکن وہ اسے منا لیتا۔ اور آج اس کی ڈیلیوری تھی۔ ماں بننے کیلیے کیسا درد سہنا پڑتا ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔ اس کا میجر آپریشن ہوا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آگئی تھی اور اپنی بیٹی کو دیکھ کر اسے تکلیف بھولنے لگی تھی۔ وہاں اس کے پاس سب تھے لیکن وہاب نہیں تھا۔ وہ ایک ہفتے سے اسلام آباد میں تھا۔ اس کا کام تھوڑا لمبا ہو گیا تھا ورنہ وہ ڈیلیوری سے پہلے پہنچ چکا ہوتا۔ حدیقہ اس کی کمی محسوس کر کے اداس ہو رہی تھی۔ آج کے دن تو اسے اس کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے اور وہ آئی سی یو میں بستر پر لیٹی اسے یاد کر کے رو رہی تھی۔ پاس ہی بے بی کاٹ میں بچی پڑی سو رہی تھی۔ اچانک دروازہ کھلا تھا اور اسے وہاب نظر آیا تھا۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی اور وہ جلدی سے نظریں پھیر گئی تھی۔ وہ آج بھی اس سے شرماتی تھی اور وہاب اس کے لال چہرے کا دیوانہ تھا۔ اب بھی وہ اس کے سرخ چہرے کو دلچسپی سے دیکھتا آگے بڑھا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پوچھا اور حدیقہ نے خاموشی سے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی۔

"کوئی بات نہیں۔ اب میری بیٹی آگئی ہے نا۔ ہم مل کر تمہیں منائیں گے۔" وہ بے بی کاٹ کی طرف بڑھا۔ کمبل میں لپٹی ایک چھوٹی سے بچی کو دیکھ کر اس کا دل خوشی سے سرشار ہوا تھا۔ وہ اسے حدیقہ جیسی لگی تھی۔ وہاب نے اسے احتیاط سے اٹھا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور حدیقہ کی طرف آیا۔ وہ جو اسے غور سے دیکھ رہی تھی نظریں پھیر گئی۔

"کتنی پیاری سی گڑیا لگ رہی ہے یہ۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولا تھا۔ حدیقہ کچھ نہ بولی۔ وہ اس کے سامنے ہی بستر پر آ بیٹھا۔

"دیکھو منال تمہاری ماما مجھ سے سخت ناراض ہے۔" وہ بچی کی طرف دیکھ کر بول رہا تھا لیکن سنا حدیقہ کو رہا تھا۔ حدیقہ اس سے شکوہ کرنا چاہتی تھی لیکن شرم کے مارے فی الحال اس کی بولتی بند تھی۔

"مجھ سے بات بھی نہیں کر رہی۔" منال کے چھوٹے چھوٹے پاؤں کمبل سے باہر دکھ رہے تھے۔ وہاب نے اس کے پاؤں کو پکڑ لیا تھا۔

"میں نے اسے ستایا بھی تو بہت ہے۔ اس پر اتنی سخت پابندیاں لگائیں۔ لیکن وہ تو تمہاری وجہ سے لگائی تھیں۔ اب تم ہی اس سے سفارش کرو کہ مجھ سے راضی ہو جائے۔" حدیقہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اس کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے ناراض تھی۔ لیکن اب یہ ناراضگی ختم ہو رہی تھی۔

"اچھا کوئی طریقہ ہی بتا دو اسے کیسے مناؤں؟" وہ منال کی چھوٹی سے تھوڑی کو چھوتے ہوئے بولا۔ منال سوتے ہوئے ذرا سا مسکرائی تھی اور وہاب حیرت سے مسکرا دیا۔

"یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔" وہ ایسے بولا جیسے منال نے اسے کوئی آئیڈیا دیا ہو۔ حدیقہ حیرت سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ منال کو ہاتھوں میں لیے بستر سے اٹھا اور حدیقہ کے قریب آ کھڑا ہوا۔ حدیقہ جان گئی

تھی کہ وہ اسے کیسے منانے والا ہے۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں بند کر گئی تھی۔اور وہاب نے جھک کر اس کے ہونٹوں پر محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

"تھینکس حدی۔تم نے مجھے اتنی بڑی خوشی دی۔"وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔حدیقہ نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

"دیکھو بالکل تمہارے جیسی ہے۔"وہ منال کو اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔مسکراہٹ تو اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔حدیقہ دلچسپی سے اس کی مسکراہٹ دیکھ رہی تھی۔وہاب نے منال کو دوبارہ چوما تو وہ اٹھ گئی اور رونے لگی۔

"ادھر دیں۔"حدیقہ فکر مندی سے بولی۔وہاب نے احتیاط سے منال اسے پکڑائی۔وہ دو سرہانوں کی مدد سے نیم دراز سی لیٹی تھی۔آپریشن کی وجہ سے ابھی ٹھیک طرح سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔منال کو اس نے بڑی مشکل سے بازوؤں میں سنبھالا تھا۔اس کے پاس آتے ہی وہ چپ ہو گئی اور حدیقہ کو دیکھنے لگی۔

"تمہیں پہنچان گئی ہے۔اور اس کی آنکھیں بھی تمہاری طرح نیلی ہیں۔"اس نے غور سے اس کی آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ناک آپ کے جیسی ہے۔"وہ غصہ اور شرم بھلا کر روانی میں بولی اور پھر بولتی ہی رہی۔وہاب مسکرا کر اسے سنتا رہا اور درمیان میں اسے چھیڑنے کیلیے کوئی نا کوئی لقمہ دے دیتا۔جس پر کبھی وہ مسکرا دیتی اور کبھی شرما دیتی۔

"ہمارے دس بچے بھی ہو جائیں نا تو تم مجھ سے شرمانا نہیں چھوڑو گی۔"اس نے شرارت سے کہا تھا اور یہ سچ بھی تھا۔وقت جتنا بھی گزر جاتا نہ تو حدیقہ نے شرمانا چھوڑنا تھا اور نہ ہی وہاب نے اسے پیار کرنا۔

---------------------------------

ایک نئی اور شاندار صبح کا سورج طلوع ہوا تھا اور نور خان ایئر بیس کے رہنے والوں کے لیے نئی امیدوں کے پیغام اپنے ساتھ لایا تھا۔ ریزڈینشل ایریا میں ہل چل شروع ہو چکی تھی۔ فائٹر پائلٹس اپنی روز مرہ کی ڈیوٹی انجام دینے کیلیے تیار ہو رہے تھے۔ کچھ نائٹ ڈیوٹی کرنے کے بعد سو رہے تھے۔ ریان کی بھی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ جو صبح چار بجے ختم ہوئی تھی۔ وہ تھکاوٹ سے چور اپنے اپارٹمنٹ میں آیا تو کمرے کے دروازے پر لکھا 'ڈونٹ ڈسٹرب می' اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور ساتھ والے کمرے میں سونے چلا گیا۔

کمرے کے اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صبح کی ہلکی سی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ فجر کی اذانیں ہو چکی تھیں اور وہ نیم غنودگی میں بستر پر پڑی تھی۔ پوری طرح جاگنے میں اسے پانچ منٹ لگے تھے۔ بستر سے اٹھ کر اس نے جوتے پہنے اور واشروم میں گھس گئی۔ دس منٹ تک شاور لے کر باہر نکلی اور جائے نماز زمین پر بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ سفید لمبی فراک پر سفید دوپٹہ حجاب کی صورت میں لیے اور اللہ کے حضور جھکے وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔ نماز کے بعد دعا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں اسے پورا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ ڈیوٹی پر جانے کیلیے ابھی ایک گھنٹہ پڑا تھا۔ وہ دوپٹہ سر سے اتارتی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے گیلے بال سوکھ چکے تھے۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے اس کا ذہن کہیں دور ماضی میں جا پہنچا تھا۔

سامنے لگے آئینے میں منظر بدلا تھا اور نیلے آسمان کی بلندیوں سے وہ نیچے گرتی دکھائی دی تھی۔ ریان نے بہت مشکل سے اسے نیچے گرنے سے بچایا تھا۔ لیکن بے ہوشی کی اوور ڈوز کی وجہ سے اس کے دماغ پر گہرا اثر پڑا تھا۔ اسے نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور وہ پانچ دن آئی سی یو میں پڑی زندگی اور موت کی جنگ لڑتی رہی تھی۔ اس نے ریان کو رونے سے منع کیا تھا لیکن وہ ان پانچ دنوں میں اللہ کے سامنے بہت رویا تھا۔ اتنی دعائیں کی کہ خدا کی رحمت کو جوش آیا اور چھٹی صبح اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ریان نے سرخ پھولوں کا بکے دے کر اسے نئی زندگی کی مبارکباد دی تھی۔ اور اس نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ کچھ دنوں میں وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی

تھی۔ریان نے اس کیلیے چھٹیاں لی ہوئی تھیں اور اب اسے واپس جانا تھا۔عانیہ نے اس سے بہزاد شاہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا تھا کہ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔کسی کو بھی اس کے زندہ ہونے کی خبر نہیں دی گئی تھی بلکہ خفیہ طور پر آئی ایس آئی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔اس کے بیٹے پر ابھی تک کسی قسم کا جرم ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے اسے ضمانت پر رہا ہو گیا تھا۔اور لوگوں سے اپنے زندہ باپ کی تعزیتیں وصول کر رہا تھا۔لیکن اس نے عانیہ کو اغوا کرنے کا جرم کیا تھا اور عانیہ اپنے ساتھ برا کرنے والوں کو کم ہی چھوڑتی تھی۔

"ریان اگر میں تم سے کچھ کہوں تو تم مانو گے ؟"اس نے نہایت معصومیت سے پوچھا تھا۔

"کیوں نہیں بولو کیا کروں ؟"اس نے پیار سے کہا اور آگے سے عانیہ اسے جو کہا وہ کھسیا کر سر کھجانے لگا تھا۔

"ارحم شاہ کی میرے سامنے پٹائی کرو جیسے حماد کی کی تھی۔"اس کی فرمائش اسے کچھ عجیب سی لگی تھی۔وہ نہیں جانتا تھا ارحم نے اسے کیوں اغوا کیا تھا۔لیکن قاسم جانتا تھا۔اس نے اس کام کا انتظام کیا تھا اور ریان نے عانیہ کے سامنے ارحم کی وہ پٹائی کی وہ چیخنے لگا تھا۔عانیہ کسی مغرور ملکہ کی طرح اسے مار کھاتا دیکھ رہی تھی۔وہ اس سے معافی مانگتے مانگتے بے ہوش ہو گیا۔تب جا کر عانیہ اس پر احسان کرتے ہوئے اسے معاف کیا تھا۔پھر ریان کو ارحم کا جرم بھی بتا دیا۔ریان کا دل تو کیا ایک دفعہ پھر ارحم کی پٹائی کرے لیکن اس کی حالت پہلے ہی تشویش ناک ہو چکی تھی۔اگر ایک دو ہاتھ اور لگ جاتا تو اسے اوپر پہنچنے میں دیر نہیں لگنی تھی۔

پھر ریان بیس چلا گیا اور وہ اپنے ٹرسٹ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔سب سے پہلے اس نے سب کے گھر والوں سے رابطے کیے لیکن کوئی بھی انہیں قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔اس نے بھی اصرار نہیں کیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ اب اپنی لڑکیوں سے اتنے متنفر ہو چکے تھے کہ انہیں مارنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔اس کے پاس کونسا وسائل کی کمی تھی جو ان کا بوجھ نہ اٹھا سکتی۔البتہ ان کے گھروں سے آتے ہوئے وہ ان کی تعلیمی دستاویزات لینا نہیں بھولی تھی تاکہ انہیں جاب اور آگے پڑھنے میں آسانی ہو۔بڑی لڑکیاں جاب کرنے لگی تھیں۔کچھ کالج

جانے لگیں۔ چھوٹی بچیاں سکول میں داخل کروادیں اور عنیزہ کا داخلہ کراچی تائیکوانڈو اکیڈمی میں کروادیا تھا۔ عینی بھی سکول جانے لگی تھی۔ عانیہ کو اس سے ایک خاص انسیت ہو گئی تھی۔ وہ زیادہ تر اسے اپنے پاس رکھتی۔ عینی بھی اس سے کافی فرینک ہو گئی۔ اور اس کی فرینکنینس سالار عدیل کو بالکل بھی نہیں بھائی تھی۔ وہ آپی دیا سے ملنے آیا تھا اور اسے کسی اور لڑکی کو جھولے دیتا دیکھ کر صدمے میں جا پہنچا۔ عانیہ نے اسے دیکھا تو اسے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ اچانک آیا تھا۔ عانیہ اس سے ملنے آگے بڑھی تو پیچھے سے عینی کا منہ بن گیا۔ اور وہ چپ چاپ رہنے والی عینی نے سالار سے وہ لڑائی کی کہ فی امان اللہ۔ سب ان کی لڑائی پر ہنسے تھے جبکہ عانیہ نے بڑی مشکل سے بیچ بچاؤ کروایا۔ اور ان دونوں کی دوستی کروائی۔ سالار ایک ہفتے کیلیے اس کے پاس آیا تھا اور اس دوران اس کی اور عینی کی نوک جھونک جاری ہی رہی لیکن وہ بہت اچھے دوست بھی بن گئے تھے۔ ٹرسٹ کو سنبھالنے کے لیے عمرینہ اور حدیقہ نے بھی اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ جب پی اے ایف رسالپور اکیڈمی کیلیے اس کا نام میرٹ لسٹ میں آگیا تو وہ اکیڈمی چلی گئی اور عمرینہ ٹرسٹ کو سنبھالنے لگی۔ اکیڈمی میں اس کے تین سال بہت اچھے گزرے تھے۔ دوسروں کی نسبت ٹریننگ اس کے لیے سخت نہیں تھی۔ وہ ہر ٹاسک کو اتنی آسانی سے اچیو کرتی کہ سب دنگ رہ جاتے۔ اس کے ٹیچرز اسے بہت پسند کرنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی امیدوں پر پوری اترتی رہی تھی۔ پھر وہ دن آیا جب اس نے پہلی دفعہ مشاق طیارے میں سوار ہو کر آسمانوں کی سیر کی۔ اس وقت وہ اپنے خوابوں کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ کچھ عرصے تک وہ سولو جیٹ اڑانے لگی تھی۔ وہ سب کچھ بہت جلد سیکھ رہی تھی۔ اس کا تعلیمی ریکارڈ بھی بہت زبردست رہا تھا۔ وہاں بھی اس کی کئی دوستیں بن چکی تھیں جو دوست سے زیادہ اس کی فینز تھیں۔ اسے دو تین مہینے بعد گھر جانے کی اجازت ملتی تھی لیکن ریان ہر ویک اینڈ پہ اس سے وہاں ملنے آجاتا تھا۔ وہاں کے ٹیچرز سے اس کی کافی دوستی تھی اس لیے وہ اسے عانیہ کو کچھ دیر کیلیے ساتھ لے جانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے۔ لڑکیاں اس کے مقدر پر رشک کرتی تھیں۔ وہ خوبصورت اور قابل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک

ہینڈسم سے لڑکے کے دل پر بھی راج کرتی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ سب اسے ان غموں کے بدلے میں ملا تھا جو اس نے سہے تھے۔

تین سال کا عرصہ پتہ ہی نہ چلا کہ اتنی جلدی گزر گیا۔ پاسنگ آوٹ پریڈ کے بعد اس کا سلیکشن نور خان ایئر بیس میں ہی ہو گیا تھا۔ اور اب وہ یہاں پائلٹ آفیسر تھی۔ پہلا ایک ہفتہ وہ لڑکیوں کے ڈیپارٹمنٹ میں رہی تھی۔ ریان اس سے رینک میں آگے تھا اور ڈیوٹی کے وقت وہ اسے سر پکارتی تو ریان کی گردن تفاخر سے اونچی ہو جاتی۔ وہ جان بوجھ کر اس پر رعب جماتا اور عانیہ بڑی سنجیدگی سے اس کی ہر بات مانتی۔ ڈیوٹی کے وقت ایسا لگتا جیسے وہ بالکل اجنبی ہیں۔ اور بعد میں وہ اکٹھے بیٹھے قہقہے لگا رہے ہوتے۔ ویک اینڈ پر وہ دونوں گھر گئے تو انہیں سرپرائز پارٹی دی گئی۔ اتنے سارے مہمان آئے ہوئے تھے کہ ان کا ماتھا ٹھنکا۔ اس شام ان کا نکاح ہو گیا لیکن عانیہ اس کے ہاتھ نہ آئی۔ ایک ہفتہ اس نے جو رعب جمایا تھا اس کا بدلہ بھی تو لینا تھا۔ ریان نے بیس میں اپنے نکاح کی خبر دینے کے ساتھ ساتھ ایک اپارٹمنٹ کیلیے بھی اپلائے کر دیا تھا۔ دوسرے دن ولیمہ تھا اور اس کے سب دوست پہنچ گئے تھے۔ سر حفیظ اور کچھ دوسرے آفیسرز بھی آئے تھے۔

پھر وہ دونوں بیس واپس آئے تو سب نے ان کا استقبال کیا۔ اگلے ہی دن انہیں ریزڈینشل ایریا میں ایک اپارٹمنٹ دے دیا گیا۔ وہ دونوں اس میں شفٹ ہو گئے تھے۔ سارا دن گھر کی سیٹنگ کرتے رہے۔ اور شام میں ریان کو پتہ چلا کہ اب اس کی نائٹ ڈیوٹی ہے۔ یہ اس کے کسی شرارتی دوست کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔ شرارت اس کی تھی اور سزا اسے بھگتنی پڑی تھی۔ وہ صبر کے گھونٹ بھر تا رات میں ڈیوٹی کرنے چلا گیا اور جب صبح چار بجے گھر پہنچا تو عانیہ کمرے کو لاک لگا کر سوئی ہوئی تھی۔ دروازے پر ڈونٹ ڈسٹرب می کا نوٹس دیکھ کر وہ ضرور تلملایا ہو گا۔ عانیہ جانتی تھی۔ اس کے لبوں پر محظوظ کن مسکراہٹ مچلی تھی۔

یونیفارم پہن کر وہ باہر آئی اور ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ریان بلیک پینٹ اور بنیان میں ملبوس بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ عانیہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے نوٹ پیڈ کو اٹھا کر ایک صحفہ پھاڑا اور اس پر کچھ لکھنے لگی۔

"ناشتہ بنا کر جا رہی ہوں۔ اٹھ کر کر لینا۔ ہیو آ نائس ڈے۔" پیج اور نوٹ پیڈ کو ٹیبل پر رکھ کر اوپر پین رکھا اور واپسی کیلیے مڑی۔ ریان کی نیند اتنی گہری نہیں تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو اس کے لباس سے اٹھتی مہک سے وہ جاگ گیا تھا۔ لیکن جان بوجھ کر سوتا بنا رہا۔ اور جب وہ اسے ایک نظر دیکھ کر مڑنے لگی تو ریان نے سیدھے ہوتے ہوئے اس کی کلائی پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی ورنہ اتنی آسانی سے اس کے ہاتھ نہ آتی۔ اسے ہوش تو تب آیا جب وہ اس کے سینے پر گر کر اس کے بازوؤں کے حصار میں آچکی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا قریب تھا کہ اس کی گرم گرم سانسیں اس کو اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگی تھیں۔ اس کا لمس عانیہ کے دل کی دھڑکنوں میں طلاطم سا برپا کر گیا تھا۔ وہ اب اس کے نکاح میں تھی۔ اور اسے روک نہیں سکتی تھی اسی لیے کچھ گھبرا بھی گئی تھی۔ بمشکل اس سے چہرہ دور رکھ سکی تھی۔

"واٹ نان سینس ریان۔ چھوڑو مجھے۔" وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ریان کا موڈ اسے چھوڑنے کا بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔

"نان سینس والی کونسی بات ہوئی۔ بیوی ہو تم میری۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا۔ عانیہ کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ وہ نظریں چراتی اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس کی ہمت تو جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ جتنی بھی طاقتور ہوتی، تھی تو ایک لڑکی اور اب اس کی بیوی تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئی تو غصے سے بولی۔

"کوئی بات نہیں ابھی ایک گھنٹہ ہے۔" وہ دیوار پر لگی گھڑی دیکھ کر بولا تھا۔

"ایک گھنٹہ نہیں بلکہ پینتالیس منٹ ہیں۔ اور مجھے ناشتہ بھی بنانا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھنے سے مسلسل گریز کر رہی تھی۔

"میرے لیے مت بنانا اور خود تو پندرہ منٹ تک ناشتہ کر ہی لوگی۔ اس کا مطلب آدھا گھنٹہ ہے۔ ہمارے لیے کافی ہو گا۔" وہ آخر پر معنی خیز لہجے میں بولا تو عانیہ سے مزید کوئی بات نہ بن پائی۔

"ریان پلیز......" اس کے شرمیلے اور منت بھرے لہجے پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔ عانیہ کو موقع مل گیا اور اس نے ریان کی پسلی پر ایک دم سے ٹھوکا مارا تو اس کی گرفت ڈھیلی پڑی اور عانیہ جلدی سے اٹھ کر بھاگی۔ ریان بھی تیزی سے اٹھا اور اسے دروازے پر جا لیا۔ کہنی سے پکڑ کر اپنی طرف موڑتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"بہت انتظار کروایا ہے تم نے۔ اب تو رحم کرو مجھ پر۔" وہ اس کے ماتھے پر بکھرے چھوٹے بالوں کو پیچھے کرتا مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عانیہ سے تو نظریں ہی نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔ ریان اس کی گھبراہٹ پر محظوظ ہوتا اس کے چہرے پر جھکا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں بند کر گئی تھی۔ ریان کے لبوں نے ابھی اس کے لبوں کو چھوا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی اسے اس ٹرانس کی کیفیت سے باہر لے آئی۔ وہ سخت بدمزہ ہوا تھا اور عانیہ نے اپنی ہنسی کا بڑی مشکل سے گلا گھونٹا تھا۔ ریان نے ایک نظر اسے گھورا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچتا فون تک آیا۔ اس کے کولیگ حنظلہ کی کال تھی۔ اس نے منہ بناتے ہوئے کال پک کی اور نظریں عانیہ پر جما دیں۔

"اب تمہاری ڈے ٹائم ڈیوٹی ہے۔" اس نے خبر دی تو ریان کا دل کیا کہ فون میں سے ہی اس کا منہ توڑ دے۔ لیکن ابھی اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ فون بند کر کے عانیہ کا ہاتھ چھوڑا اور جلدی سے وارڈروب کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا؟" عانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈیوٹی ٹائم چینج ہو گیا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولا اور عانیہ زور سے ہنسی۔

"رات کو پوچھوں گا تمہیں۔" وہ تلملا کر کہتا واشروم کی طرف بڑھ گیا اور عانیہ مسکراتی کچن کی طرف چلی آئی۔ ابھی تو بچ گئی تھی لیکن رات اتنی دور نہیں تھی۔ وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی کام میں مصروف ہو گئی۔ دوپہر دو بجے اس کی ریان کے ساتھ فلائٹ تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ آسمان کی بلندیوں پر گئے تھے۔ انہوں نے طیارے کو گھماتے ہوئے خوبصورت منظر پیش کیا تھا۔ عانیہ کے لیے یہ زندگی کا حسین ترین سفر تھا۔ کھلی فضا اور ریان کا ساتھ اس کے تمام دکھوں کا ازالہ کر گیا تھا۔ بالآخر وہ دونوں اپنی محبت کی تکمیل کو پہنچ گئے تھے۔ لیکن عشق کی ابھی ابتدا تھی۔ اور انہیں ابھی عشق کی کئی منازل ایک ساتھ طے کرنی تھیں۔ راستے میں مشکلات تو بہت تھیں لیکن اب انہیں پرواہ نہیں تھی۔ وہ اب ایک دوسرے کے ہمسفر تھے۔ اور ایک ساتھ تھے۔ ہر پل کیلیے۔

-----------------------------------------

# The end